خطباتِ طاہر

خطباتِ جمعہ ۱۹۹۲ء

فرمودہ

سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع
رحمہُ اللہُ تعالیٰ

جلد ۱۱

نام کتاب .... خطبات طاہر جلد نمبر ۱۱

بیان فرمودہ .... حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ

فہرست خطبات

نوٹ: ۲۲/ مئی ۱۹۹۲ء کا خطبہ جمعہ بوجوہ ریکارڈ نہیں ہوسکا۔

جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کے روح پرور نظارے

پاکستانی اور کشمیری احمدیوں کے اخلاص کا تذکرہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ رجنوری ۱۹۹۲ء بمقام بیت اقصیٰ قادیان)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

جلسہ سالانہ جو سو سالہ جلسہ سالانہ ہونے کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت رکھتا تھا، خدا کے فضل سے بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا اور اس جلسہ کے بعد آج پہلا جمعہ ہے جو ہمیں مسجد اقصیٰ میں ادا کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے اور سال کا بھی یہ پہلا جمعہ ہے۔ اس لحاظ سے سب سے پہلے میں تمام جماعت ہائے احمدیہ عالمگیر کو صد سالہ جلسہ سالانہ کے بخیر و خوبی گزرنے پر اور نئے سال کے آغاز پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، اپنی طرف سے بھی اور قادیان کے درویشوں اور باشندگان کی طرف سے بھی اور ان سب مہمانوں کی طرف سے بھی جو ابھی تک یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

جلسہ سالانہ جب قریب آیا تو دن رات کی رفتار میں تیزی آنی شروع ہوئی اور یوں لگتا تھا کہ اچانک دن رات کے چکر کو کسی نے لٹو کی طرح گھما دیا ہے اور دن گھنٹوں میں گزرنے لگے اور جب ہوش آئی تو جلسہ پیچھے رہ چکا تھا اور تمام ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ادا ہو چکی تھیں۔

اس سے پہلے بھی مجھے گلے کی تکلیف تھی جو یہاں آنے کے بعد غالباً کسی گھی کی الرجی سے شروع ہوئی اور مجھے ڈر تھا کہ یہ کہیں جلسہ کی ذمہ داریوں میں حائل نہ ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عجیب احسان ہے کہ جلسہ کے آغاز پر یہ تکلیف بالکل غائب ہو گئی اور پوری طرح مجھے اپنی ذمہ داریوں کو ادا

کرنے کی توفیق ملی ۔ جلسہ کے بعد یہ تکلیف پھر از سرِ نو واپس آئی تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے عاجز بندوں سے اعجازی سلوک فرماتا ہے لیکن بشریت کے تقاضوں سے وہ بالا نہیں ہوتے ۔ پس وہ اعجازی دَور تھا جو گزر گیا ۔ اب میرے بشری تقاضوں کی بیماری ہے جس نے مجھے آ پکڑا ہے لیکن اللہ کے فضل سے طبیعت پہلے کی نسبت بہتر ہے۔

کل مجھے انشاء اللہ دہلی جانا ہوگا۔ پرسوں وہاں ایک اہم بین الاقوامی مجلس سے خطاب ہے۔ احباب جماعت سے گزارش ہے کہ وہ دعا کریں اللہ تعالیٰ اس اہم ذمہ داری کو بھی اسی طرح اپنے خاص فضل کے ساتھ عمدگی کے ساتھ نبھانے کی توفیق عطا فرمائے ، جیسے پہلے اس نے عمدگی سے نبھانے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور ایسی باتیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کے نتیجہ میں دنیا کو کچھ فائدہ پہنچے۔ محض منہ کی باتیں نہ ہوں بلکہ ایسی باتیں ہوں جو دل سے نکلیں اور دل پر اثر کرنے والی ہوں ۔ جن کے نتیجہ میں خیالات میں بھی تبدیلیاں ہوں اور دلوں میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوں کیونکہ یہ دنیا جس دور میں سے گزر رہی ہے اس میں سب فتور خیالات اور دلوں کا فتور ہے۔ امنِ عالم کی سرسری سطحی باتیں کرنا ایک فیشن سا بن چکا ہے لیکن فی الحقیقت بہت کم ہیں جو مضمون کی تہہ میں ڈوب کر حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے امن کے خواہاں ہیں اور امن کو حاصل کرنے کے لئے وہ کسی قربانی کے لئے تیار ہیں ۔ چونکہ میرا مضمون امن عالم سے تعلق رکھتا ہے اس لئے میں سب احباب جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ دعا کریں کہ ایسے رنگ میں اس مضمون کو ادا کرنے کی توفیق ملے کہ وہ لوگ جو عموماً سطحی باتوں کے عادی ہیں ان کی نظر بھی گہرائی میں اترے ، مسائل کی تہ تک پہنچیں اور اپنے ماحول اور گردوپیش میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔ ہم ایک غفلت کی حالت میں سے گزر رہے ہیں اور اس غفلت کی حالت کو قرآن کریم نے 'خسران' کی حالت بیان فرمایا ہے ۔ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ وہ زمانہ گواہ ہے، اس زمانے کی قسم کہ اس وقت کا انسان گھاٹے میں ہوگا ۔ یعنی تمام کا تمام انسان گھاٹے میں ہوگا ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سوائے ان چند لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ اور حق بات کی نصیحت کی وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر: ۲-۴) صبر کے ساتھ صبر کی نصیحت کی اس میں ایک ذرہ بھی شک نہیں کہ یہ جماعت جس کا یہاں ذکر ہے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

جماعت ہے جس کا آغاز قادیان کی اسی بستی میں آج سے تقریباً سو سال پہلے ہوا تھا۔

پس امن عالم کے حصول کے لئے اگرچہ ہماری طاقتیں بہت محدود ہیں اور اِلَّا الَّذِیۡنَ کی ذیل میں ایک مختصر سے گروہ کے طور پر ہمارا ذکر ہوا ہے۔ اگرچہ اتنی تھوڑی تعداد کے لئے بظاہر ممکن نہیں کہ وہ تمام عالم کے گھاٹے کو نفع میں تبدیل کر دے۔ مگر قرآن کریم نے جو نسخہ عطا فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اگر وہ ایمان پر قائم رہیں۔ نیک اعمال کے ساتھ چمٹے رہیں اور وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ خواہ کوئی سنے یا نہ سنے حق بات کی نصیحت کرتے رہیں۔ حق بات کی نصیحت حق طریق پر کرتے رہیں اور صبر کی نصیحت کرتے رہیں اور صبر کے طریق پر نصیحت کرتے رہیں۔ یہ وہ نسخہ ہے جو قرآن کریم نے تمام عالم کے گھاٹے کو نفع میں تبدیل کرنے کا پیش فرمایا ہے۔ خدا کرے ہمیں اس کی توفیق ملے۔ بعض دفعہ ایک نسل کو اپنی زندگی میں ایک انقلاب کا منہ دیکھنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ بعض دفعہ دو نسلوں کو یکے بعد دیگرے انقلابات کے کچھ حصے دیکھنے کی توفیق ملتی ہے لیکن ہمارا سفر لمبا ہے۔ احمدیت کو آئے ہوئے آج تک سو سال سے کچھ زائد عرصہ گزرا کئی نسلیں ہماری گزر چکی ہیں اور ابھی ہم نے لمبا سفر طے کرنا ہے۔ یہی حکمت ہے کہ صبر پر اتنا زور دیا گیا۔ وہ لوگ جو صبر کی توفیق نہیں رکھتے اگر ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے کامیابی دکھائی نہ دے تو وہ حوصلے ہار بیٹھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس مقصد کی پیروی کا کوئی فائدہ نہیں۔ جان کا زیاں ہے اور کوششوں کا نقصان ہے لیکن وہ لوگ جو خدا کی خاطر کوشش کرتے ہیں وہ اپنے مقصد کو اپنی آخری صورت میں نہ بھی حاصل کر سکیں تب بھی درحقیقت ان کا ایک مقصد ہر لمحہ پورا ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ مقصد ہے رضائے باری تعالیٰ کا حصول۔ وہ دنیا میں جو تبدیلیاں پیدا کرنا چاہتے ہیں اپنی ذات کی خاطر نہیں، اپنی تعداد بڑھانے کے لئے نہیں، اپنے رسوخ کو پھیلانے کے لئے نہیں بلکہ اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے۔ پس ان میں سے جو بھی جس حالت میں بھی جان دیتا ہے وہ کامیاب حیثیت سے جان دیتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرتے ہوئے جان دیتا ہے کیونکہ اس کے رب کی رضا کی نگاہیں اس پر پڑ رہی ہوتی ہیں۔ یہی وہ یقین کامل ہے، یہی وہ اعلیٰ درجہ کا احساس ہے جسے فوزِ عظیم کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی کامیابی کہ دشمن کو دکھائی دے یا نہ دے مگر ہر شخص جو اس کامیابی کا مزہ چکھتا ہے اور اس میں سے گزرتا ہے وہ کامل یقین رکھتا ہے کہ وہ کامیاب ہو گیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ ایک ایسے صحابی کے ساتھ پیش آیا جن کو جب قتل گاہ پر لے جایا گیا۔ دشمن کے نرغے میں آکر بعض اور صحابہؓ کے ساتھ وہ بھی پکڑے گئے تھے تو جب انہیں قتل گاہ میں لے جایا گیا اور تلوار ان کی گردن پر چلنے لگی تو انہوں نے آخری فقرہ یہ کہا کہ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ خدا کی قسم! ربّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔

کیسی عجیب بات ہے۔ فــــوز کی ایک نئی تعریف دنیا کے سامنے ابھری ہے اور یہی وہ تعریف ہے جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ فقرہ سن کر بہت سے کفار مکہ جو اس قتل میں شریک تھے ششدر رہ گئے، حیران ہوئے کہ یہ کیسا جملہ ہے۔ ایک شخص جو قتل ہونے کے قریب ہے اس کی زندگی کے چند لمحے باقی ہیں وہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ ربّ کعبہ کی قسم! میں تو کامیاب ہو گیا۔ یہ کیسی کامیابی ہے۔ تب ان کی توجہ اسلام کی طرف پھری اور اس ایک جان نے بہت سی سعید روحیں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ ایک کامیابی تو ان کو وہ نصیب ہوئی کہ وہ ہمیشہ کے لئے اپنے ربّ کے پیارے ہوئے اور ایک کامیابی وہ نصیب ہوئی کہ اگر ایک سر گردن سے اترا تو اور کئی سر محمد رسول اللہؐ کی غلامی میں جھک گئے اور وہ جان ضائع نہیں گئی۔ پس فــوز کے یہ معنی ہیں جن کو جماعت احمدیہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اگر حصول مقصد ہم سے بہت دور دکھائی دیتا ہے تو زندگی کا ایک مقصد ایسا ہے جو ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہے اور وہ رضائے باری تعالیٰ کا حصول ہے اگر ہم خود اپنے نفس میں مطمئن ہو جائیں کہ ہمیں رضائے باری تعالیٰ حاصل ہو رہی ہے، ہم پر اس کے پیار کی نگاہیں پڑ رہی ہیں تو سب سے بڑی کامیابی یہی ہے اس سے بڑی اور کوئی کامیابی نہیں۔

جلسہ سالانہ کے متعلق چند مختصر باتیں میں جماعت ہائے احمدیہ عالمگیر کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ جلسہ کے بعد پہلی بار یہ خطبہ سن رہی ہیں اس لئے ان کو توقع ہوگی کہ قادیان سے متعلق اور جلسہ سے متعلق میں اپنے کچھ تاثرات بیان کروں۔ یہ مضمون بہت مشکل ہے کیونکہ دل کی جو کیفیات تھیں اور ہیں ان کا بیان ممکن نہیں۔ ایک عجیب خواب کی سی دنیا سے نکل کر ہم آئے ہیں۔ جو مناظر ہم نے جلسہ میں عشق اور محبت کے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر فدائیت کے نظارے دیکھے، تمام دنیا سے آئے ہوئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے پروانے اس بستی میں بہت تکلیفیں اٹھا کر جمع ہوئے۔ ہندوستان کے کونے کونے سے اس کثرت سے احباب جماعت یہاں

تشریف لائے کہ آج تک سوسالہ تاریخ میں کبھی ان جگہوں سے اس کثرت سے احباب جلسہ سالانہ میں شریک نہیں ہوئے۔ بہت سے ایسے علاقے ہیں جہاں بھاری اکثریت غربت کا شکار ہے اور اتنی غربت کا شکار ہے کہ ان کے لئے ریل کے تیسرے درجہ کے سادہ دوطرف کے کرائے اکٹھا کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس طرح انہوں نے قرض اٹھائے یا کسی اور صاحب دل آدمی نے ان کی ضرورت کو محسوس کر کے ان کی مدد کی مگر میں نے جو کثرت سے نگاہ ڈالی تو بھاری اکثریت ایسی تھی جو غرباء کی تھی مگر دل کے غنی تھے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی یہ تعریف ان پر صادق آتی تھی کہ الغنیٰ غِنی النفس (بخاری کتاب الرقاق حدیث نمبر: ۵۹۶۵) سنو! غنیٰ یعنی امیری اور تونگری اصل میں دل کی امیری اور تونگری ہوا کرتی ہے۔ وہ دنیا کی تمناؤں سے بے نیاز اس بستی میں آپہنچے جہاں ان کو سکون ملنا تھا۔ جس کی راہ وہ بڑی مدّت سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں نے وہ دیکھا جس کے متعلق مجھے بہتوں نے کہا کہ ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ ہماری تمنائیں تھیں کہ ہم اپنی زندگی میں کبھی خلیفۃ المسیح کو دیکھیں لیکن سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

ایسے بوڑھے تھے جو معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کے آخری کنارے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ ایسے اپاہج تھے جو کرسیوں پر بیٹھ کر آئے۔ ایسے بیمار تھے جن کو ان کے رشتہ داروں نے سہارے دیئے۔ قطع نظر اس کے کہ یہاں کے موسم کی سختی کے وہ عادی نہیں تھے۔ اکثر ایسے علاقوں کے رہنے والے تھے کہ جہاں سارا سال گرمی ہی پڑتی ہے سردی کم، سردی نام کی ہے اور حقیقت میں وہ سردی سے آشنا نہیں مگر انہی ایک دو کپڑوں میں ملبوس جو گرمیوں کے کپڑے تھے اور جن کے وہ عادی ہیں ان میں وہ تشریف لائے لیکن ان کے اندر ایک ایسا ولولہ، ایسا جوش تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب سے کم ہیں جو بیمار پڑے۔ وہ جو ٹھنڈے علاقوں سے آئے تھے۔ وہ جن کو تن بدن ڈھانکنے کے سارے سامان میسر تھے ان میں بہت زیادہ نزلہ زکام اور بخار نے راہ پائی لیکن عجیب بات تھی کہ ان میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کا ناک بہہ رہا ہو یا سردی سے کانپ رہا ہو۔ ایک عجیب گرمی تھی جو خدا تعالیٰ نے ان کو اندر سے عطا کر دی تھی اور یہ حیرت انگیز اعجاز تھا جو عام حالات میں ممکن نہیں ہے۔

ان کی اکثریت جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایسی تھی جنہوں نے کبھی قادیان کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا مثلاً اڑیسہ کے غریب اور تونگر احمدی، دل کے امیر احمدی دو ہزار سے زائد تعداد میں یہاں

پہنچے اور خدا کے فضل کے ساتھ ان کی کیفیت یہ تھی کہ دن بدن اُن کے اندر پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہوئی دکھائی دیتی تھی ۔ جب آغاز میں ان سے تعارف ہوا تو ان کی نگاہوں میں کچھ تھوڑی سی اجنبیت تھی، کچھ پہچان کی کوشش کر رہے تھے یہ جاننا چاہتے تھے کہ یہ کیا چیز ہے جو آج ہم دیکھ رہے ہیں اور کچھ فاصلہ سا تھا لیکن آناً فاناً وہ فاصلے قربتوں میں تبدیل ہو گئے اور اسکے بعد ان کا جوش اور ولولہ نا قابلِ بیان تھا۔ آج تک ہم نے کبھی کسی جلسہ سالانہ میں ایسے نظارے نہیں دیکھے جیسے ہندوستان کی دُور دُور سے آئی ہوئی جماعتوں کے اخلاص کے نظارے ہم نے دیکھے۔ ان میں کیرالہ کے غرباء بھی تھے۔ ان میں آندھرا پردیش کے بھی تھے لیکن یہ ایسا موقع تھا جس میں غرباء کو امراء سے الگ کرنا شاید زیادتی ہو۔ یہ وہ موقع تھا جہاں واقعۃً محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ جہاں کوئی تفریق نہیں رہی تھی، سارے دل کے امیر دکھائی دیتے تھے، سارے حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپؐ کے اس غلامِ کامل کے شیدائی دکھائی دیتے تھے جس نے قادیان کی بستی میں جنم لیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام دنیا میں اس کے دل سے نور کے سوتے پھوٹے۔ پس یہ وہ نظارے ہیں جن کے بیان کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ شاید ویڈیو والوں نے کچھ ریکارڈ کئے ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو اِس فضا میں دم لے رہے تھے جنہوں نے ان کے جذبے، ان کے ولولے دیکھے وہ کسی طرح بھی بیان کی حد میں نہیں آسکتے ۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان لوگوں نے کیا پایا اور کیا لے کر لوٹے؟ مگر میں یہ یقین رکھتا ہوں اور اس میں مجھے ذرہ بھی شک نہیں کہ خدا کے فضل سے وہ اگر پہلے کسی لحاظ سے کمزور بھی تھے تو یہاں سے مالا مال ہو کر لوٹے ہیں اور کسی چیز کی کوئی کمی انہوں نے محسوس نہیں کی۔

اب ایک دَور ہے جو شروع ہونے والا ہے لیکن اس سے پہلے میں پاکستان کے احمدیوں کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک لمبے عرصہ کے بعد پاکستان کے غرباء کو بھی یہ توفیق ملی کہ وہ کسی حد تک یعنی سارے تو نہیں آسکتے تھے ناممکن تھا لیکن کسی حد تک یہاں پہنچ سکیں اور جن کے لئے انگلستان پہنچ کر ملاقات ناممکن تھی ان کو بھی خدا تعالیٰ نے توفیق بخشی کہ قریب آئیں اور یہاں سے آکر جلسہ میں شمولیت کریں۔ میرے ساتھ ملاقاتیں کریں اور قریب سے دوبارہ دیکھنے کا موقع ملے۔ ان کی کیفیت بھی نا قابل بیان تھی۔ اکثر یہ صورت حال تھی کہ میرے ضبط کا بڑا سخت

امتحان تھا۔ مجھے ہمیشہ ڈر رہا کہ اگر میرا ضبط ٹوٹ گیا تو یہ لوگ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگیں گے۔ میری جدائی ان پر اور بھی زیادہ سخت ہو جائے گی اور خدا کے ہاں جو علیحدگی کے بقیہ دن مقدّر ہیں وہ پہلے سے زیادہ تلخ ہو جائیں گے۔ اس لئے میں نے حتی المقدور کوشش کی کہ ہنستے ہوئے، مسکراتے ہوئے، ہاتھ اٹھاتے ہوئے سب کو سلام کہوں، سب کے سلام قبول کروں اور حوصلے بڑھاؤں لیکن جو دل کی کیفیت تھی خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ بڑے سخت امتحان سے گزرنا پڑا۔

ان کے آنے کے نظارے بھی عجیب تھے۔ ان کی واپسی کے نظارے بھی عجیب تھے۔ ایک موقع پر میری بچیاں بسوں کی رخصت کا منظر دیکھنے کے لئے گئیں۔ ہمارے خاندان کے بھی بہت سے لوگ اس میں جا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ سب لوگ کھڑکیوں سے اُلٹے پڑتے تھے۔ گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے نہیں جانا۔ ہم نہیں جانا چاہتے۔ چنانچہ میری بچی نے اپنی کسی عزیزہ سے پوچھا کہ تم کیوں الٹ رہی ہو تو اس نے کہا۔ یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا۔ دل چاہتا ہے کھڑکی سے چھلانگ لگا دوں۔ پس یہ وہ کیفیتیں ہیں جن کو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی فصاحت و بلاغت جیسا کہ حق ہے ان کو سمیٹ سکے اور ان کو زندہ جاوید تحریروں میں تبدیل کر سکے۔ لیکن یہ عجیب دن تھے جو گزر گئے۔ اب ہمیں آئندہ کا سوچنا چاہئے۔

یہ جلسہ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا نہ صرف ایک تاریخی جلسہ تھا بلکہ تاریخ ساز جلسہ تھا اور تاریخ ساز جلسہ ہے۔ جو لطف ہم نے اٹھائے وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ زندہ رہیں گے لیکن وہ لطف اس لئے زندہ نہ رہیں کہ ہم جیسے ایک نشئی ایک نشے کی حالت میں لطف اٹھاتا ہے ویسے اس سے لطف اٹھاتے رہیں۔ وہ لطف اس لئے زندہ رہنے چاہئیں تا کہ ہمیشہ ہمیں عمل کے میدان میں آگے بڑھاتے رہیں اور ہماری ذمہ داریاں ہمیں یاد کراتے رہیں اور یاد کرائیں کہ ایک نیا دور ہے جس میں احمدیت داخل ہو چکی ہے۔ ترقیات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو ہمارے سامنے کھلا پڑا ہے۔ ایسے نئے ایوان کُھل رہے ہیں جن میں پہلے احمدیت نے کبھی جھانکا نہیں تھا۔ چنانچہ میں یقین رکھتا ہوں کہ خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی جماعتوں میں یہ احساس بیداری پیدا ہوا ہے اور بعض جگہ جو چھوٹی چھوٹی پژمُردہ سی جماعتیں تھیں۔ جن کے خطوں سے امید کی کوئی غیر معمولی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ جن کے خط کچھ بجھے بجھے، کچھ دبے دبے ایسا منظر پیش کرتے تھے جیسے وہ احمدیت کے ساتھ

زندہ ہیں اور احمدیت کے ساتھ زندہ تو رہیں گے لیکن اتنے کمزور ہیں کہ وہ احمدیت کی زندگی سے اپنے ماحول کو زندہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ۔اب جو لوٹے ہیں تو ان کی کیفیت یکسر بدل چکی تھی ۔ان میں سے بہت تھے جنہوں نے مجھ سے کہا کہ اب زندگی کا ایک بالکل نیا دور شروع ہوا ہے ۔اب آپ دیکھیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کس طرح ہندوستان میں چاروں طرف احمدیت کا نور پھیلائیں گے ۔اب گزشتہ زمانوں اور آئندہ زمانوں میں ایک نمایاں فرق پڑ چکا ہے اور یہ جلسہ اس کی حد فاصل ہے ۔پس اس پہلو سے یہ جلسہ ایک تاریخ ساز جلسہ ہے ۔میری دعا ہے کہ ان کے ولولے ہمیشہ زندہ رہیں ۔

جہاں تک منصوبوں کا تعلق ہے ان کو تفصیل کے ساتھ سمجھا دیا گیا ہے کہ کس طرح منصوبے بنانے ہیں ۔کس طرح ان پر عمل درآمد کرنا ہے ۔ان کو یقین دلا دیا گیا ہے کہ اگر چہ ظاہری طور پر آپ غریب ہیں اور بڑے بڑے اُمید افزا اور تمناؤں سے بھرپور منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن کھلے دل کے ساتھ خوب منصوبے بنائیں اور بالکل پرواہ نہ کریں کہ ان پر کیا خرچ آتا ہے ۔عالمگیر جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے غریب نہیں ہے اور ساری عالمگیر جماعت احمدیہ آپ کی پُشت پر کھڑی ہے ۔**تمام عالمگیر جماعت احمدیہ ہمیشہ قادیان کی ممنون احسان رہے گی اور ان درویشوں کی ممنون احسان رہے گی جنہوں نے بڑی عظمت کے ساتھ، بڑے صبر کے ساتھ، بڑی وفا کے ساتھ اس امانت کا حق ادا کیا جو اُن کے سپرد کی گئی تھی اور لمبی قربانیاں پیش کیں ۔**اس لئے آپ کو کوئی خوف نہیں ،آپ کو کوئی کمی نہیں ۔اللہ کے فضل کے ساتھ جتنے مفید کارآمد منصوبے آپ بنا سکتے ہیں اور ان پر عمل کر سکتے ہیں ، انشاء اللہ تعالیٰ ان کی تمام ضرورتیں عالمگیر جماعتیں پوری کریں گی اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان اس لحاظ سے بہت حد تک نظر انداز ہوتا رہا ہے ۔اس میں ہم سب کا قصور ہے ۔اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ۔

ہندوستان کا اپنا ایک حق تھا جسے ہمیشہ قائم رکھنا چاہئے تھا ۔ہندوستان وہ جگہ ہے جہاں خدا تعالیٰ نے آخرین کا پیغامبر بھیجا جو ہر مذہب کا نمائندہ بن کر آیا ۔جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جَرِیُ اللّٰہِ فِی حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ (تذکرہ صفحہ:۶۳) کہ ایک شخص دکھائی دیتا ہے مگر خدا کا پہلوان ہے جو تمام انبیاء کے چوغے اوڑھے ہوئے آیا ہے ۔اسی میں تمہیں کرشن دکھائی دے گا ،اسی میں تمہیں

بدّ ھا دکھائی دے گا، یہ مسیح کی تمثیل بھی ہے اور مہدی بن کر بھی آیا ہے۔انبیاء سے تمام دنیا میں جتنے بھی وعدے کئے گئے تھے وہ آج قادیان کی بستی میں اس ذات میں پورے ہو رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مامور فرمایا ہے۔

پس اس پہلو سے ہندوستان کا ایک مرکزی اور دائمی حق ہے جسے نظر انداز کرنا ہماری غلطی تھی۔ دیگر ممالک میں پہنچے۔افریقہ اور امریکہ اور سپین اور یورپ کے ممالک میں مساجد تعمیر کیں اور اذانیں دیں اور اسی بات پر مطمئن رہے کہ خدا کے فضل سے افریقہ کے بعض ممالک میں جماعت اس تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ بعید نہیں کہ آئندہ چند سالوں میں وہاں جماعت کو کلی اکثریت حاصل ہو جائے۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ اطمینان بخش ضرور ہیں مگر ہندوستان کو نظر انداز کرنا ہرگز جائز نہیں تھا اور عقل کے تقاضوں کے خلاف تھا کیونکہ جو اہلیت اور صلاحیت ہندوستان میں جماعتِ احمدیہ کی نشوونما کی ہے، وہ شاید ہی دنیا کے کسی اور ملک میں ہو۔ یہاں دنیا کے مختلف مذاہب آزادی کے ساتھ اپنے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہاں جو بظاہر مذہبی فسادات ہوتے ہیں الاّ ماشاء اللہ، وہ دراصل سیاسی گروہ بندیوں کے نتیجہ میں اور چھوٹی چھوٹی چپقلشوں کے نتیجہ میں ہوتے ہیں ورنہ ہر مسلمان کو آزادی ہے کہ اپنی مساجد میں اذانیں دے جس سے چاہے اسلام کی بات کرے۔جس طرح چاہے اپنے اسلام کا اظہار کرے۔کسی فرقے پر کوئی قدغن نہیں۔

یہی قادیان کی بستی ہے اس میں صبح کے وقت آپ تہجّد کی نماز کی تلاوت بھی لاؤڈ سپیکر پر سنتے تھے۔ یہاں بھجن بھی ساتھ گائے جا رہے تھے۔ یہاں گردواروں سے تقریریں بھی کی جا رہی تھیں۔میوزک بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔عیسائی بھی اپنے اپنے رنگ میں اپنے خدا کو یاد کر رہے تھے اور کبھی نہ کسی احمدی کو اس کی تکلیف ہوئی نہ کسی غیر احمدی کو، نہ ہندو کو، نہ سکھ کو، سارے اس بات پر خوش تھے کہ جس کو جس طرح بھی توفیق مل رہی ہے آخر وہ خدا کو یاد کر رہا ہے۔ہمیں کیا حق ہے کہ اس پر اعتراض کریں۔ یہ وہ ماحول ہے جو ہندوستان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ کے لئے بہت خوش آئند ہے اور اگر جماعت احمدیہ صحیح طریق پر یہاں کام شروع کرے تو خدا کے فضل سے بہت تیزی کے ساتھ تمام ہندوستان میں نفوذ ہو سکتا ہے۔

یہاں جو مسلمان لیڈر شپ ہے وہ بدقسمتی سے اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ باوجود اس کے کہ

مسلمان دس کروڑ یا شاید اس سے بھی زائد ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے بے سر کا جسم ہے جو بظاہر زندہ رہ رہا ہے لیکن اس میں یکجہتی نہیں ہے۔ جیسے ایک سر سے اعضاء میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔ جیسے دماغ انگلیوں کے پوروں تک اثر دکھاتا ہے اور سارا جسم ایک جان ہو کر رہتا ہے ویسی کیفیت ہندوستان کے مسلمانوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کے لئے اور بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کی راہنمائی کرے اور ان کو وہ سر مہیا کرے جو آسمان سے ان کے لئے نازل ہوا ہے یعنی مہدی اور مسیح کا سر جس کے بغیر نہ ان کو زندگی کے سلیقے آئیں گے نہ ان کو دنیا میں پنپنے کے ڈھنگ آئیں گے۔ جس حال میں یہ بدنصیب لیڈر شپ کی غلط راہنمائی کے نتیجہ میں بار بار دکھ اٹھا رہے ہیں اور بے شمار تکلیفوں کے دور میں سے گزر رہے ہیں یہاں تک کہ ایسی Tunnel ہے جس کے پرلی طرف کوئی روشنی دکھائی نہیں دیتی۔ اس ساری صورتحال کو درست کرنے کی صلاحیت احمدیت میں ہے اور احمدیت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس پہلو سے بھی ہمیں ہندوستان کی طرف غیر معمولی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جب ہم توجہ دے رہے ہیں اور دیں گے اور اور زیادہ دیتے چلے جائیں گے تو لازماً یہاں مخالفت کی بھی نئی لہریں اٹھیں گی۔ اب جب میں قادیان کے جلسہ کے لئے حاضر ہو رہا تھا تو معلوم ہوا کہ یہاں کے بعض بڑے بڑے علماء جنہوں نے اپنے آپ کو احمدیت کے خلاف وقف کر رکھا ہے وہ پاکستان پہنچے اور وہاں کے ان مولویوں سے جو مغلظات بکنے میں چوٹی کا مقام رکھتے ہیں مشورے کئے، سر جوڑے، حکومت پر وہاں بھی ہر قسم کے دباؤ ڈالے گئے اور یہاں بھی ڈالے گئے کہ کسی طرح اس جلسہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دو ورنہ احمدیت کو غیر معمولی ترقی نصیب ہوگی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کے سب ارادوں کو ناکام کر دیا لیکن پاکستان میں اس کا ردعمل ابھی اور زیادہ چلے گا اور معلوم ہوتا ہے کہ کافی شدّت کے ساتھ ظاہر ہوگا کیونکہ ان مولویوں کا دل بہت ہی چھوٹا ہے اور نیکی کو پنپتے ہوئے وہ دیکھ ہی نہیں سکتے۔ یہ عجیب بیماری ہے کہ اسلام کے نمائندہ ہیں لیکن بدیوں کو پنپتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ گلی گلی میں Drug Addiction ہو رہی ہے، عورتوں کی عزتیں ختم ہو گئیں، چھوٹے بچوں کا تحفظ جاتا رہا، اغواء کی وارداتیں ہو رہی ہیں، ڈاکو دن دھاڑے جہاں چاہیں جس کو چاہیں لوٹیں۔ ایک ایسی بدامنی کی کیفیت ہے کہ بسا اوقات یہ سوال بار بار

سیاستدانوں کی طرف سے بھی اٹھایا جارہا ہے کہ کیوں نہ دوبارہ فوج کو لائیں اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ پہلے بھی تو فوج ہی کے چھوڑے ہوئے مسائل ہیں جن سے قوم اس وقت نبرد آزما ہونے کی کوشش کر رہی ہے اور جو اُن کے لئے اس وقت زندگی اور موت کا سوال بن چکے ہیں۔ پس ان کو سمجھ نہیں آرہی کہ ہم کیا کریں اور ملاں کا یہ حال ہے کہ سارے پاکستان میں جتنی چاہے گلی گلی میں بدکاریاں پھیلیں، چوریاں ہوں، جھوٹ پھیلیں اور سچائی عنقا ہو جائے، عدالتیں ظلم اور سفا کی سے بھر جائیں، رشوت ستانی کا دور دورہ ہو، ڈاکے پڑیں، کسی عورت کو نہ چادر نصیب ہو نہ گھر کی چار دیواری کا تحفظ ملے یہ سب کچھ ہو لیکن ان کے اسلام پر جوں تک نہ رینگے، کوئی تکلیف نہ ہو۔ عجیب وغریب اسلام ہے لیکن اگر احمدی کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ بلند کریں اور کہیں لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـهِ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں تو ان کے تن بدن کو آگ لگ جائے۔ اگر احمدی نمازیں پڑھیں تو تکلیف سے ان کی جان ہلکان ہونے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ احمدی نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ احمدی سچ بولیں تو ان کو تکلیف ہو۔ ہر وہ نیکی جو اسلام سکھاتا ہے اسے عملاً تو وہ احمدیوں کے سپرد کر بیٹھے ہیں اور اب وہاں بھی مٹانے کے درپے ہیں۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ تم نے اپنے ماحول سے وہ نیکیاں مٹنے دیں تم جانو۔ **خدا کے حضور تم جوابدہ ہوگے لیکن خدا کی قسم! تم ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ، تم سارے مل کر جو کرنا ہے کر گزرو مگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی سنت کو تم احمدی دلوں سے مٹا نہیں سکتے۔ احمدی اعمال سے تم نوچ نہیں سکتے یہ ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ یہ ہماری سرشت بن چکی ہیں۔ پس اسلام کی اعلیٰ قدروں کے اگر ہم آج محافظ ہیں تو یہ خدا کا فیضان ہے اس نے ہمیں عطا کیا ہے، اسی نے یہ جھنڈا ہمیں تھمایا ہے۔ جو چاہو ظلم کرو، یہ جھنڈا ہم ہمیشہ سربلند رکھیں گے۔**

پس وہاں کے مسلمان علماء کی عجیب حالت ہے اور ہندوستان کے علماء کو یہ بات دکھائی نہیں دے رہی کہ ان کی زندگیوں میں یہ کیسا تضاد ہے۔ بدیوں سے گلیاں بھر جائیں اور ان کے اسلام کو کوئی تکلیف نہ ہو اور ربوہ میں چھوٹے چھوٹے بچے درود پڑھتے ہوئے لوگوں کو جگائیں تو ایسی آگ بھڑک اٹھے کہ بچوں کے خلاف تھانوں میں پرچے ہو جائیں۔ ان کو گھسیٹ کر قیدوں میں ڈالا جائے اور ان کے خلاف مقدمے چلائے جائیں اگر کہو! کیوں؟ کیا کیا انہوں نے؟ ان معصوم بچوں نے کیا

جرم کیا تھا؟ تو جرم یہ لکھوایا جاتا ہے کہ یہ ایسے بد بخت لوگ ہیں کہ صبح نماز کے وقت لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه پڑھتے ہوئے، محمد رسول اللہؐ پر درود بھیجتے ہوئے ربوہ کی گلیوں میں پھر رہے تھے اور لوگوں کو نماز کے لئے جگا رہے تھے۔ جب عقلیں ماری جائیں، جب دلوں پر قفل پڑ جائیں تو یہ سادہ سامنے دکھائی دینے والی باتیں، روز روشن کی طرح ظاہر باتیں بھی اندھوں کو دکھائی نہیں دیتیں۔ اسی کا نام قرآن کریم نے دل کا اندھا پن رکھا ہے۔ جب دل اندھے ہو جائیں تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ آنکھیں جو دیکھتی ہیں دل ان کو قبول نہیں کرتے۔ وہ پیغام دلوں تک پہنچتا نہیں ہے۔ پس اس وقت پاکستان میں یہ حالت ہے اور اب جبکہ احمدیت کو اس جلسہ سالانہ کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑی بڑی نئی کامیابیاں عطا ہونے کو ہیں اور دشمن محسوس کر رہا ہے کہ یہ جلسہ یقیناً تاریخ ساز ہے تو اور زیادہ بھڑک اٹھیں گے اور زیادہ منصوبے بنائیں گے۔

پس تمام عالمگیر جماعتوں کو پاکستان کے مظلوم احمدیوں کے لئے دعا کرنی چاہئے کہ جس طرح اب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو ثبات قدم عطا فرمایا، وہ جیلوں میں گئے، معصوموں پر پھانسی کے پھندے ڈالنے کی کوشش کی گئی، وہ لمبے عرصہ تک انتہائی دکھوں اور تکلیفوں میں اپنے خاندانوں سے الگ رہ کر محض للہ ایک زندانی کی کیفیت میں دن گزار رہے ہیں۔ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور باقیوں کو بھی کہ ان کو بھی خدا حوصلہ دے اور ہر امتحان سے کامیابی سے گزار دے اور سب سے بڑی دعا یہ کریں کہ اللہ تعالیٰ اب ابتلاء کے یہ دن بدل کر انہیں پاکستان کے لئے بھی عظیم جزاء کے دن بنا دے۔ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ ہمیں جو جزاء عطا فرما رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں پاکستان کے احمدیوں کی قربانی کا ایک بڑا بھاری دخل ہے۔ ان کی تکلیفیں ہیں جو دعا بن کر اٹھتی ہیں اور رحمت بن کر ساری دنیا میں احمدیوں پر برس رہی ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمیشہ تکلیفیں ہی اٹھاتے رہیں اور قربانیاں ہی دیتے چلے جائیں اور تمام دنیا کی احمدی جماعتیں ان کا فیض پاتی رہیں۔ یہ خدا کی تقدیر نہیں ہے۔ یہ عارضی قصے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دن بدلیں گے اور بہر حال بدلیں گے لیکن کب بدلیں گے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جب تک نہ بدلیں ہمیں ان کے لئے استقامت کی دعا کرنی چاہئے اور دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ باقی دنیا کی جماعتوں کو بھی برکتوں کے اس دور میں حتی المقدور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ خدا تعالیٰ نے جو راہیں ہم پر آسان کر دی ہیں اگر ہم ان پر پوری رفتار سے

دوڑ نا نہ شروع کریں گے تو ہم ناشکرے بندے بنیں گے۔ اس لئے ہندوستان کی جماعتیں ہوں یا انگلستان کی یا یورپ اور امریکہ کی دوسری جماعتیں اور افریقہ کے وہ ممالک جن میں احمدیت خدا کے فضل سے بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہے آپ سب کے لئے میرے دو پیغام ہیں۔ سب سے پہلے پاکستان کے احمدیوں کو اپنی دعاؤں میں خصوصیت سے یاد رکھیں کیونکہ آپ کی کامیابیوں کے بدلے ان مظلوم احمدیوں سے اتارے جائیں گے اور اس کے لئے منصوبے بنائے جارہے ہیں۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی طرف جو عادت منسوب فرمائی ہے وہ بہر حال سچی ثابت ہوگی کہ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران:۵۵) اور اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ (الطارق:۱۶-۱۸) یہ دو مختلف آیات ہیں جن میں ایک ہی مضمون کو مختلف رنگ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ ہر وقت سچائی کے خلاف مکر میں مصروف ہیں اور میرے بندوں کو مکر آتا نہیں تو کیسے ان کے مکر کا جواب دیا جائے۔ فرمایا: مَكَرَ اللهُ یہ نہیں فرمایا: مَكَرَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اللہ مکر کرتا ہے لیکن مکر میں بدی کا ایک پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ فرمایا: وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اللہ کے مکر میں شر کا پہلو نہیں بلکہ سارے بھلائی کے پہلو ہیں اور خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ کا مکر غالب آنے والا مکر ہے۔ اس پر کوئی دوسرا مکر غالب نہیں آسکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی تدبیروں میں مصروف ہے اور وہ کبھی بھی ہمارے حال سے غافل نہیں رہا۔ ہماری دعاؤں کے نتیجہ میں اس کا فضل اور بھی زیادہ قریب آجاتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝ کہ یہ دشمن اسلام اور حق کے دشمن بڑی بڑی 'کیدیں' کرتے ہیں۔ مکر وفریب کے بڑے منصوبے باندھتے ہیں۔ کیا سمجھتے ہیں کہ میں خاموش بیٹھا رہوں گا وَ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝ میں بھی جواباً بڑی بڑی تدبیریں کروں گا اور بڑی بڑی تدبیریں کرتا ہوں۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ اے مومنوں کی جماعت! ان لوگوں کو اپنی جہالت کی حالت میں کچھ دیر اور بھٹکنے دو بالآخر خدا کی تدبیر ہی غالب آنے والی ہے۔ خدا کرے کہ ہم جلد اس غالب تدبیر کا منہ دیکھیں جیسے کہ دنیا میں دیکھا ہے پاکستان میں بھی یہ منہ دیکھیں اور پاکستان کے باشندوں کی تقدیر بدل جائے۔ جب تک یہ ملاں پاکستان کی جڑوں میں بیٹھا ہوا ہے، اس درخت کو کبھی پھل نہیں لگ سکتے۔ ایک بے کار درخت بن چکا

ہے جس پر کڑوی چیزیں تو اُگ سکتی ہیں مگر ثمرات حسنہ اس کو عطا نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی جڑیں گندی ہوگئی ہیں۔ جب تک اہل پاکستان اپنی جڑوں سے ملائیت کے جراثیم نہ نکالیں اور محمد مصطفی ﷺ کے مکارم الاخلاق کو وہاں قائم نہ کریں، اس وقت تک اس ملک کا بھی کچھ نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سنے اور دنیا میں عالمگیر تبدیلیاں برپا کرنے کی ہم عاجزوں اور غریب بندوں کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا۔

میں نے اہل کشمیر کا بھی خصوصیت سے ذکر کرنا تھا لیکن اس وقت خیالات دوسری طرف منتقل ہوتے چلے گئے تو ان کا ذکر رہ گیا۔ جہاں تک اخلاص اور جوش کا تعلق ہے کشمیر سے آنے والے ہزار ہا احمدیوں نے جس اخلاص اور جوش کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی ایک قابل دید منظر تھا، ایسا جو ہمیشہ کے لئے یادوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور وہاں بھی غربت ہے لیکن بعض دوسرے علاقوں کی نسبت کم ہے۔ لیکن جس طرح علاقے کا امن اٹھ چکا ہے وہاں سے ان حالات میں ان کا جوق در جوق آنا ایک بہت بڑی قربانی کا تقاضا کرتا تھا جو انہوں نے پیش کی۔ شروع میں مجھے یہ بتایا گیا کہ شاید ہزار کی تعداد میں کشمیری آجائیں اور اس پر بھی خیال یہ تھا کہ ہزار تو بہت زیادہ ہیں۔ شاید خوش فہمی کا اندازہ ہے مگر وہ جو کشمیر کے جذبے کو اور اخلاص کو جانتے تھے وہ مجھے یقین دلا رہے تھے کہ پندرہ سو دو ہزار اس سے بھی زیادہ کی توقع رکھیں۔ چنانچہ آخر پر مجھے یہ بتایا گیا کہ اللہ کے فضل سے کشمیر سے آنے والے احمدیوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ خواتین بھی بڑی کثرت سے آئیں، مرد بھی، بچے بھی اور بہت ہی محبت اور پیار سے اور بڑی مستعدی سے انہوں نے اپنے اپنے فرائض ادا کئے اور اب بھی ان کی کچھ تعداد ابھی پیچھے ٹھہری ہوئی ہے۔ کشمیر کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کشمیر کی جماعت کے لئے خصوصی دعا کی تحریک کرتا ہوں۔ اللہ اس خطے کو بھی سچائی اور انصاف کا امن نصیب کرے۔ آمین۔

محض قادیان کی واپسی ہی پیش نظر نہ ہو بلکہ قادیان میں اسلام کی فتح اور غلبہ کے ساتھ واپسی کی امنگ پیش نظر رہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ر جنوری ۱۹۹۲ء بمقام بیت الاقصیٰ قادیان)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آج یہ چوتھا جمعہ ہے جو مجھے قادیان دارالامان، جماعت احمدیہ کے مستقل مرکز میں ادا کرنے کی توفیق عطا ہو رہی ہے۔

یہ جلسہ جو سوسال کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس جلسے کی یاد لے کر آیا تھا جو آپؑ نے پہلی مرتبہ قادیان میں شروع کیا، اس بہت ہی اہم ادارے کی تقریب قائم فرمائی اور ہمیشہ کیلئے جماعت احمدیہ کے ایک جگہ اکٹھے ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی یادوں میں دن بسر کرنے کی ایک بہت ہی عمدہ سنّت قائم فرمائی ۔ یہ ایک ایسی سنّت ہے جس کا فیض آج صرف قادیان میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ۱۲۶ ممالک پر ممتد ہو چکا ہے ۔ یہ جلسہ سالانہ جو کبھی قادیان میں ۷۵ افراد کی شمولیت کے ذریعہ شروع ہوا آج دنیا کے کم از کم ۷۵ ایسے ممالک ہیں جن میں ہزار سے بڑھ کر احمدی اپنے اپنے ملکوں کے جلسہ سالانہ میں شریک ہوتے ہیں اور وہ لنگر جس کی بنیاد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں قائم فرمائی اب ایک عالمی لنگر بن چکا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہمیں یہ توفیق ملے گی کہ عنقریب سو ممالک سے زائد ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ لنگر جاری کر دیں۔

اس جلسہ کی بہت سی برکات ہیں جو جذباتی نوعیت کی ہیں۔ وہ لوگ جو اس جلسہ میں دور دور سے تکلیف اٹھا کر شریک ہوئے، جذباتی لحاظ سے وہ بہت سی دولتیں سمیٹ کر یہاں سے گئے۔ ایسی کیفیات سے ہمکنار ہوئے ایسے عظیم روحانی جذبات سے لذّت یاب ہوئے کہ وہ جو شامل نہیں ہو سکے وہ اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے لیکن میں آپ کو اچھی طرح اس بات سے خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جذباتی لذتیں عارضی ہیں اور فانی ہیں اور چند دلوں اور چند سینوں سے تعلق رکھنے والی لذتیں ہیں۔ درحقیقت یہ جلسہ اسی وقت اور انہی معنوں میں متبرک ثابت ہوگا، اگر ہم اس کا فیض آئندہ صدی تک ممتد کر دیں۔ اور آئندہ سو سال کے بعد ہونے والا جلسہ آپ کی آج کی قربانیوں اور آج کی محنتوں اور آج کی کوششوں کے پھل کھائے اور آپ پر ہمیشہ سلام بھیجے۔ یہ وہ فرق ہے جو ہر سو سال کے بعد پیدا ہونا ہے اور ہر سو سال کے اندر جماعت احمدیہ نے جو قربانیاں پیش کرنی ہیں سو سال کے بعد جب ہم مڑ کر دیکھتے ہیں یا دیکھیں گے تو اس وقت ہمیں نظر آئے گا کہ ہم سے پہلوں نے ہمارے لئے کیا پیچھے چھوڑا۔ اس نقطہ نگاہ سے نئی صدی کا ایک اور رنگ میں آغاز ہوا ہے یعنی جلسہ سالانہ کے سو سال منانے کی وجہ سے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس پیغام کی اہمیت کو آپ اچھی طرح سمجھیں گے۔

بہت سے مخلصین جذبات کی رَو میں بہہ کر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ قادیان واپسی کے سامان ہو چکے ہیں اور وہ دن قریب ہیں۔ یہ جذباتی کیفیت کا پھل تو ہے لیکن حقیقت شناسی نہیں ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ دنیا میں مذاہب کی تاریخ میں جہاں جہاں بھی ہجرت ہوئی ہے اور واپسی ہوئی ہے، وہاں ہجرت سے واپسی ہمیشہ اس بات کو مشروط رہی کہ پیغام کی فتح ہوئی اور اس دین کو غلبہ نصیب ہوا جس دین کی خاطر بعض مذہبی قوموں کو اپنے وطنوں سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ مذہب کی دنیا میں جغرافیائی فتح کی کوئی حیثیت نہیں اور کسی پہلو سے بھی جغرافیائی فتح کا میں نے مذہب کی تاریخ میں کوئی نشان نہیں دیکھا مگر جغرافیائی فتح صرف اس جگہ مذکور ہے جہاں پیغام کے غلبہ کے ساتھ وہ فتح نصیب ہوئی ہے۔ حقیقت میں قرآن کریم نے اس مضمون کو سورۂ نصر میں خوب کھول کر بیان فرمایا ہے اور ہمیشہ کے لئے ہماری راہنمائی فرما دی ہے کہ اللہ کے نزدیک حقیقی فتح اور حقیقی نصر کیا ہوتی ہے۔ فرمایا: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ﴿۲﴾ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۳﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (النصر: ۲-۴) کہ جب تُو دیکھے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ اللہ کی فتح آ گئی وَ الْفَتْحُ اور اسکی طرف سے فتح عطا ہوئی تو کیا نظارہ دیکھے گا۔ یہ نہیں کہ تم فوج در فوج علاقوں کو فتح کرتے ہوئے دندناتے ہوئے ان علاقوں پر قبضہ کر لو گے بلکہ یہ نظارہ تم دیکھو گے کہ فوج در فوج وہ جو اس سے پہلے تمہارے غیر تھے، جو اس سے پہلے تم سے دشمنی رکھتے تھے وہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں گویا دین میں فوج در فوج داخل ہونے کا نام فتح ہے نہ کہ غیر لوگوں کے علاقے میں فوج در فوج داخل ہونے کا نام فتح ہے۔ پس فتح کا جو اسلامی تصوّر اور دائمی تصورّ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، قرآن کریم کی اس سورۃ نے پیش فرمایا یہی وہ تصوّر ہے جو حقیقی ہے، دائمی ہے، جو خدا کے نزدیک معنی رکھتا ہے اس کے سوا باقی سب تصوّرات انسانی جذبات سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

پس اگر جماعت احمدیہ چاہتی ہے اور واقعۃً تمام دنیا کی جماعت یہ چاہتی ہے کہ قادیان دائمی مرکز سلسلہ میں واپسی ہو تو ایسے نہیں ہوگی کہ تمام علاقہ تو احمدیت سے غافل اور دور رہا ہو اور تمام علاقہ اسلام سے نابلد اور ناواقف رہے اور ہم میں سے چند لوگ واپس آ کر یہاں بیٹھ رہیں۔ اس کا نام قرآنی اصطلاح میں نصرت اور فتح نہیں ہے اس لئے اگر کسی دل میں یہ وہم پیدا ہوا ہے تو اس وہم کو دل سے نکال دے۔ پاکستان کے احمدیوں کے لئے بھی اور ہندوستان کے احمدیوں کے لئے بھی میرا یہ پیغام ہے کہ آپ خدا سے وہ فتح مانگیں اُس نصرت کے طلب گار ہوں جس کا ذکر قرآن کریم کی اس چھوٹی سی سورۃ میں بڑی وضاحت کے ساتھ فرما دیا گیا۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ کہ دیکھو تمہیں ایک عجیب اور ایک عظیم فتح عطا ہونے والی ہے۔ تم اُن لوگوں کے گھروں پر جا کر قبضہ نہیں کرو گے تم لوگوں کے ممالک اور وطنوں پر جا کر فتح کے نقارے نہیں بجاؤ گے بلکہ فوج در فوج لوگ تمہارے دین میں داخل ہونگے اور یہی وہ فتح ہے، یہی وہ نصرت ہے، جو خدا کے نزدیک کوئی قیمت اور معنی رکھتی ہے۔ پس خصوصیت کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے احمدیوں کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج بھی ہے، ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے جسے سمجھنا اور قبول کرنا آج کے وقت کا تقاضا ہے۔ آئندہ ایک سو سال محنت کے لئے تیار ہونا پڑے گا اور محنت کا آغاز کرنا ہوگا ایسی محنت جس کے نتیجہ میں روحانی انقلابات برپا ہونے شروع ہوں۔ پاکستان میں بھی اور ہندوستان میں بھی کثرت کے ساتھ احمدیت یعنی حقیقی

اسلام کا پیغام پھیلے اور کثرت کے ساتھ فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوں۔ یہی وہ حقیقی فتح ہے جس کے نتیجہ میں قادیان کی اس واپسی کی داغ بیل ڈالی جائے گی جس واپسی کی خوابیں آج سب دنیا کے احمدی دیکھ رہے ہیں لیکن وہ خوابیں تب تعبیر کی صورت میں ظاہر ہوں گی جب ان خوابوں کی تعبیر کا حق ادا ہو گا اور خوابوں کی تعبیر بنانا اگر چہ تقدیر کا کام ہے لیکن انسانی تدبیر کے ساتھ اس کا گہرا دخل ہے اور قرآن کریم نے جو مذہبی تاریخ ہمارے سامنے رکھی ہے اس میں اس مضمون کو خوب کھول کر بیان فرمادیا ہے کہ الٰہی بشارتوں کے وعدے بھی، اگر قوم تقدیر کے رُخ پر تدبیر اختیار نہ کرے تو ٹل جایا کرتے ہیں اور انذار کے ٹلنے کی تو بے شمار مثالیں ہیں۔ جب بھی کسی قوم نے اپنے دل کی حالت بدلی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انذار کی تقدیر بھی بدل گئی اور وہ قوم جو اپنے دل کی حالت کو بدل کر بگاڑ کی طرف مائل ہو جائے خدا تعالیٰ کی مبشر تقدیر بھی اس قوم کیلئے بدل جایا کرتی ہے۔ پس ہماری تقدیر کا ہماری اس تقدیر سے گہرا تعلق ہے جو اعمال صالحہ کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہے اور جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کا پانی آسمان سے برستا ہے۔

پس میں ایک دفعہ پھر جماعت ہائے احمدیہ ہندوستان اور جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کو خصوصیت سے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ایک جھرجھری لیکر بیدار ہو جائیں۔ آپ کے اندر وہ صلاحیتیں موجود ہیں جو انقلاب برپا کرنے والی صلاحیتیں ہوا کرتی ہیں۔ آپ جیسی اور کوئی قوم دنیا میں موجود نہیں۔ آپ وہ ہیں جنہوں نے سرتا پا اپنے آپ کو خدا کے حضور پیش کر رکھا ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا سے الگ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہر قسم کی تکالیف اور دکھوں کو برداشت کرتے ہوئے توحید اور حق کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران: ۱۹۴) کہ اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز کو سنا جو یہ اعلان کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ فَاٰمَنَّا پس ہم ایمان لے آئے۔ پس آپ مومنوں کی وہ جماعت ہیں جن کے ساتھ خدا تعالیٰ کے وعدے ہیں کہ وہ آپ کی برائیوں کو دور فرمائے گا۔ آپ کی کمزوریوں سے درگزر فرمائے گا اور آپ کو دن بدن رُو بہ اصلاح کرتا چلا جائے گا یہانتک کہ موت نہیں آئے گی سوائے اس کے کہ خدا کی نظر میں آپ ابرار میں شامل ہو چکے ہوں۔

یہ وہ وعدے ہیں جو آج جماعت احمدیہ کے سوا تمام دنیا میں کسی اور مذہبی جماعت سے نہیں، کسی اور سیاسی جماعت سے نہیں ۔کسی قوم سے نہیں، آپ سے ہیں، آپ سے ہیں، آپ سے ہیں ۔پس جب خدا کے نزدیک آپ کے اندر یہ صلاحیتیں موجود ہیں کہ ایمان کے بعد آپ کی بدیاں دور ہونی شروع ہوں آپ میں نئی صلاحیتیں جاگنی شروع ہوں اور خدا کے رستہ میں آپ ترقی کرتے ہوئے دن بدن ہر بدی کے بدلے اپنی ذات میں حسن پیدا کرتے چلے جائیں یہانتک کہ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران:۱۹۴) کا وقت آپہنچے۔ایسی حالت میں آپ اپنے ربّ کے حضور لوٹ رہے ہوں کہ خدا کی نظر آپ پر اس حالت میں پڑ رہی ہو کہ خدا آپ کو ابرار کے زمرے میں شمار کر رہا ہو۔پس یہ وہ صلاحیتیں ہیں جن سے آپ آشنا تو ہیں لیکن ان کی اہمیت ابھی دل میں پوری طرح اجاگر نہیں ہوئی ۔پوری طرح وہ اہمیت دل میں بیدار نہیں ہوئی ۔آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے ساتھ انقلاب کے تار وابستہ ہیں ۔آپ کے دلوں کی دھڑکنوں کے ساتھ آج قوموں کی تقدیر وابستہ ہو چکی ہے۔آپ اٹھیں گے تو دنیا جاگ اٹھے گی ۔آپ سوئیں گے تو سارا عالم سو جائے گا۔

اس لئے آج آپ دنیا کا دل ہیں، آج آپ دنیا کا دماغ ہیں، آپ کو خدا تعالیٰ نے وہ سیادت نصیب فرمائی ہے جس کے نتیجہ میں تمام دنیا کو سعادتیں نصیب ہوں گی ۔پس اس پہلو سے اپنے مقام اور مرتبے کو سمجھیں اور نئے عزم کے ساتھ، نئے ولولوں کے ساتھ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا پیغام اپنے ماحول اپنے گردو پیش میں دینا شروع کریں ۔بظاہر یہ ایک بہت ہی دور کی بات دکھائی دیتی ہے کہ اتنے تھوڑے سے احمدی، جو اس وقت پاکستان میں بھی اپنی ظاہری طور پر معقول تعداد کے باوجود پاکستان کے باقی باشندوں کے مقابل پر اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتے کہ اپنے بنیادی حقوق ان سے حاصل کرسکیں ۔ہندوستان کے احمدیوں کا حال مقابلۃً اس سے بھی زیادہ نازک ہے۔اتنی معمولی تعداد ہے کہ اس تعداد کو دیکھتے ہوئے دنیا کے حساب سے اربع لگانے والا یہ تصوّر بھی نہیں کرسکتا کہ اس قوم کو کبھی غلبہ نصیب ہوسکتا ہے لیکن قرآن کریم کا جو وعدہ ہے وہ بہر حال پورا ہوگا ۔وہ صفات حسنہ آپ کو عطا ہو چکی ہیں ۔ان صفات سے کام لینا اور باشعور طور پر یہ یقین رکھنا کہ آپ ہی کے ذریعہ دنیا میں انقلاب ہوگا ۔یہ سب سے پہلا قدم ہے جو انقلاب کی جانب آپ اٹھا سکتے ہیں ۔یہ قدم آپ اٹھائیں تو خدا کی تقدیر دس قدم آپ کی طرف آئے گی ۔آپ چل کر خدا کی تقدیر کی طرف آگے

بڑھیں تو خدا کی تقدیر دوڑ کر آپ کی طرف آئے گی۔ پس دنیا کا اربع اپنی جگہ درست، لیکن روحانی انقلابات کے لئے جو اربع قرآن کریم نے پیش فرمایا ہے، جس پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے روشنی ڈالی ہے، وہ یہی بتاتا ہے کہ انسان کے ساتھ جب خدا تعالیٰ کی تقدیر شامل ہو جائے تو فاصلے بہت تیزی سے کٹنے لگتے ہیں اور انسانی کوششوں سے کئی گنا زیادہ ان محنتوں کو پھل عطا ہوتا ہے جو انسان خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے۔ پس بظاہر ناممکن کام ہے لیکن ممکن ہوسکتا ہے۔ پہلے بارہا ہو چکا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی یہی ناممکن ممکن بنا دیا گیا تھا اور آج پھر اس ناممکن کو ممکن بنانا حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ان غلاموں کا کام ہے، جنہوں نے آپ کی پیشگوئی کے مطابق آئے ہوئے وقت کے امام کو قبول کیا اس کی آواز کو سنا اور اس پر لبیک کہا۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ اپنی اس ذمہ داری کو خوب اچھی طرح سمجھ لے گی لیکن ذمہ داری کا لفظ حقیقت میں اس صورتحال پر موزوں نظر نہیں آتا کیونکہ ذمہ داری میں ایک قسم کا بوجھ کا مضمون شامل ہے۔ ذمہ داری یوں لگتا ہے جیسے کسی طالب علم کو جس کا دل پڑھنے کو نہ چاہ رہا ہو، یہ بتایا جارہا ہو کہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تعلیم حاصل کرو اس کے بغیر تم دنیا میں ترقی نہیں کر سکو گے۔ ذمہ داریوں کے ان معنوں میں روحانی قومیں انقلاب برپا نہیں کیا کرتیں۔ ذمہ داری کی بجائے خدا کے کام ان کے دل کے کام بن جایا کرتے ہیں، ان کی جان کی لگن ہو جاتے ہیں ان کے ذہنوں کی وہ اعلیٰ مرادیں بن جاتے ہیں جن کی خاطر وہ جیتے ہیں جن کی خاطر وہ مرتے ہیں یہ وہ چیز ہے جو انقلاب برپا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ پس بہتر الفاظ کی تلاش میں مَیں اگر چہ صحیح لفظ تلاش نہیں کر سکا اس لئے میں نے بار بار لفظ ذمہ داری استعمال کیا ہے۔ لیکن ان معنوں میں ذمہ داری نہیں جن معنوں میں قرآن کریم نے اِصْرًا (البقرہ: ۲۸۷) کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی بوجھ کے معنوں میں نہیں بلکہ ایسے اعلیٰ مقصد کے اظہار کے طور پر میں یہ لفظ بول رہا ہوں جس مقصد سے انسان کو عشق ہو چکا ہو جو اس کے دل کی لگن بن چکا ہو۔ جیسے محبوب کے پیار کے نتیجہ میں عاشق طرح طرح کی قربانیاں کرتا ہے اور ان کے دکھ محسوس نہیں کرتا۔ محسوس کرتا بھی ہے تو وہ زیادہ پسند کرتا ہے کہ وہ دکھ محسوس کرے اور اپنے محبوب کی راہ پر چلتا رہے بجائے اس کے کہ آرام سے اپنے گھر بیٹھ رہے یا کسی اور طرف کا رخ اختیار کرے۔

پس احمدیت سے ان معنوں میں حقیقی پیار ہونا ضروری ہے کہ احمدیت کا پیغام آپ کے دلوں کی آرزو بن جائے۔ آپ کی امنگیں ہو جائے، آپ کی تمنائیں بن جائے۔ وہ خوابیں بن جائے جس میں آپ بستے رہیں۔ **محض قادیان کی واپسی ہی پیش نظر نہ ہو بلکہ اسلام کے قادیان میں فتح اور غلبہ کے ساتھ واپسی کی امنگ پیش نظر رہے۔** ورنہ چند احمدیوں کا واپس آکر یہاں بس جانا حقیقت میں کوئی بھی معنی نہیں رکھتا۔ یہ درست ہے کہ ہم جب یہاں آئے تو یہاں کے باشندگان نے بڑی وسیع حوصلگی کا ثبوت دیا۔ بڑی سخاوت کے ساتھ، بڑی وسیع القلبی کے ساتھ ہمیں خوش آمدید کہا اور جن گلیوں اور سڑکوں سے ہم گزرے ہیں بارہا یہ آوازیں آئیں کہ آپ آجائیں اور یہیں بس رہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات ان کے حسنِ اخلاق پر روشنی ڈالنے والی تھی اور ان کے اس حسن خلق کا دل پر بہت گہرا اثر پڑا لیکن درحقیقت یہ آواز نہیں ہے جو احمدیت کو دوبارہ قادیان کی طرف لائے گی بلکہ وہ آواز ہے جو اٰمنّا اور صدقنا کی آواز ہے، وہ ان گلیوں سے اٹھنے لگے۔ وہ اس ماحول سے اٹھنے لگے اور کثرت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے، آپ کو حق جاننے والے، آپ کو حق پرست سمجھنے والے یہاں پیدا ہوں، تب وہ صورتحال پیدا ہوگی کہ احمدیت فتح وغلبہ کے ساتھ اپنے وطن کو واپس لوٹے گی۔ اس وقت تک جو بھی خدا کی تقدیر ظاہر ہو ہم نہیں جانتے کہ کس طرح ظاہر ہوگی اور کب ظاہر ہوگی ہم اس پر راضی ہیں اور ہمارے قربانی دینے والے جو بھائی ایک لمبے عرصے سے ان مقدّس مقامات کی حفاظت کر رہے ہیں ہم ان کے دل کی گہرائیوں سے ممنون ہیں اور ان کو یقین دلاتے ہیں کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی احمدی بستا ہے، وہ آپ کی قدر کرتا ہے، آپ کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اگر ہم سے آپ کے حقوق ادا کرنے میں پیچھے کوئی غفلت ہوئی تو میں اقرار کرتا ہوں کہ ہم ان غفلتوں کے نتیجہ میں اپنے خدا سے معافی مانگتے ہوئے ہر قسم کی تلافی کی کوشش کریں گے۔

قادیان کی واپسی جب بھی ہو اس سے پہلے پہلے لازم ہے کہ یہاں آپ کی عزت اور آپ کے وقار کو بحال کیا جائے تا کہ آپ سربلندی کے ساتھ ان گلیوں میں پھر سکیں۔ آپ کو کوئی احساس محرومی نہ رہے اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور اللہ کی تقدیر سے امید رکھتا ہوں کہ مجھے توفیق بخشے گا

کہ اس فیصلہ پر عملدرآمد کر کے دکھاؤں کہ قادیان کے درویشوں کی دنیا اور آخرت کے لئے بہتری کے جو کچھ بھی سامان ہو سکتے ہیں ہم ضرور وہ سامان پورا کریں گے اور انشاءاللہ تعالیٰ واپسی سے پہلے پہلے وہ حالات پیدا کرنے کی کوشش کریں گے جن کے نتیجہ میں آپ نفس کی پوری عزت اور احترام کے ساتھ سر بلند کرتے ہوئے ان گلیوں میں پھریں اور پھر ہمیں خوش آمدید کہیں اور پھر ہمیں اس طرح بلائیں جس طرح ایک معزز میزبان اپنے مہمان کو بلاتا ہے۔خدا کرے کہ وہ دن جلد آئیں ہم انشاء اللہ تعالیٰ بقیہ جو دو تین دن قادیان میں ہیں، مختلف منصوبے سوچنے اور ان پر عمل درآمد کرنے کے متعلق لائحہ عمل تیار کرنے میں صرف کریں گے اور انشاءاللہ تعالیٰ جیسا کہ میں نے گزارش کی ہے قادیان ہی نہیں ، بلکہ قادیان کی برکت سے، قادیان کے درویشوں کی برکت سے، ان منصوبوں کا فیض سارے ہندوستان کی جماعتوں کو پہنچے گا اور انشاء اللہ دن بدن یہاں کے حالات تبدیل ہونا شروع ہوں گے۔ یہاں کے حالات تبدیل ہوں گے تو پھر آپ ہمیں بلانے کے اہل ثابت ہوں گے۔خدا کرے کہ جلد ایسا ہو اور خدا کرے کہ پاکستان کے حالات بھی تبدیل ہوں اور جلد تر تبدیل ہوں۔اللہ بہتر جانتا ہے کہ پہلے واپسی کہاں ہے مگر جہاں بھی اس کی انگلی اشارہ کرے گی ہم غلامانہ اس کی پیروی کرتے ہوئے حاضر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہر حال میں رضا اور صبر کے ساتھ اپنے مولا کا پیار حاصل کرتے ہوئے جان دیں۔خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔آمین۔

قادیان دارالامان کے کامیاب دورہ پر اظہار تشکر

نیز قادیان کے لئے نئے منصوبوں کا اعلان

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ رجنوری ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد اور تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

الحمد للہ کہ قادیان کے تاریخی اور تاریخ ساز سوسالہ جلسہ میں شمولیت کے بعد ہمارا وفد خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بخیر وخوبی اس عارضی دارِ ہجرت میں واپس پہنچ چکا ہے۔ یہ جلسہ بہت ہی مبارک تھا، بہت سی برکتیں لے کر آیا اور بہت سی برکتیں حاصل کرنے والا تھا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس جلسہ کی برکات اور اس کے بعد اترنے والے اللہ کے فضل ہماری اگلی صدی کے گھروں کو بھر دیں گے اور اس کے بہت دور رس نتائج ظاہر ہوں گے۔

اس سلسلہ میں مَیں مختلف پہلوؤں سے جماعت کو آگاہ کر چکا ہوں کہ جماعت احمدیہ کی اس نئی صورتحال میں کیا کیا ذمہ داریاں ہیں۔ مختصراً بعض امور سے متعلق آج بھی میں اس مسئلہ پر گفتگو کروں گا لیکن اس سے پہلے میں ان تمام احباب جماعت کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس جلسہ کو کامیاب بنانے میں بھر پور محنت اور اخلاص اور لگن اور وفا کے ساتھ حصہ لیا اور غیر معمولی قربانی کا مظاہرہ کیا۔ کچھ کام کرنے والے تو ایسے تھے جو لمبے عرصہ سے قادیان کے اس جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے منصوبے بھی بنا رہے تھے، ان پر عمل درآمد کرنے میں بھی حصہ لے رہے تھے اور کافی لمبے عرصے تک کی یہ خاموش خدمت اس جلسہ کی کامیابی پر منتج ہوئی ہے اور خدمت کرنے والے بعد

میں شامل ہوئے۔ قافلہ در قافلہ خدمت کرنے والوں کا ہجوم بڑھتا رہا لیکن آغاز میں کچھ ایسے افراد کو خدمت کا موقع ملا ہے جو ایک لمبے عرصہ سے مسلسل بڑی محنت اور توجہ اور حکمت کے ساتھ اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

ان میں سب سے پہلے تو United Kingdom کے **امیر آفتاب احمد خان صاحب** کا نام قابلِ ذکر ہے۔ ان کو بھی احباب اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ بیرونی دنیا سے جس حد تک ہندوستان پر اثرات مترتب ہو سکتے تھے ان کو منظّم کرنے میں اور ان کو بروئے کار لانے میں آفتاب احمد خان صاحب نے بہت ہی غیر معمولی خدمت کی ہے۔ اس کے علاوہ مجھے یہاں مرکزی مددگار کی ضرورت تھی جو صاحب تجربہ بھی ہو اور دیگر کاموں سے الگ رہ کر مسلسل ہندوستان اور قادیان سے متعلق مسائل میں میری مدد کر سکے اور مجھ سے ہدایات لے اور اُن پر عمل درآمد کروائے۔ اس سلسلہ میں بھی آفتاب احمد خان صاحب کو غیر معمولی مؤثر قابلِ تعریف خدمت کا موقع ملا اور میرا بہت سا بوجھ بٹ گیا اور مسائل آسان ہوئے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کو بات سمجھائی جائے تو تجربہ کار آدمی بھی اس میں کہیں نہ کہیں سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں اور بار بار پوچھنے اور نگرانی کے باوجود سقم رہ جاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے United Kingdom کے امیر صاحب کو یہ ملکہ عطا فرمایا ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ بات سمجھ کر اس کے تمام پہلوؤں کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے ہیں اور پھر ان کو عملدرآمد کے سلسلہ میں یاددہانی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اگر ان کاموں میں مجھے بار بار الجھنا پڑتا تو کام اتنا زیادہ تھا کہ میرے لئے مشکل پیش آسکتی تھی مگر خدا نے بہت فضل فرمایا اور ایک اچھا مددگار اور نصیر مجھے عطا کر دیا۔

پاکستان سے چوہدری حمید اللہ صاحب اور میاں غلام احمد صاحب نے بڑے لمبے عرصہ تک بہت محنت کی ہے اور قادیان جا کر وہاں کے مسائل کو سمجھا اور میری ہدایات کے مطابق ہر قسم کی تیاری میں بہت ہی عمدہ خدمات سرانجام دی ہیں ورنہ قادیان کی احمدی آبادی اتنی چھوٹی ہے کہ ان کے بس میں نہیں تھا کہ اتنے بڑے انتظام کو سنبھال سکتے۔ تمام مرد و زن، بچے ملا کر اس وقت کل ۱۸۰۰ کی تعداد میں قادیان میں درویش اور بعد میں آنے والے بس رہے ہیں اور اتنا بڑا جلسہ جس میں تقریباً بیالیس ہزار مہمان شرکت کر رہے تھے اسے سنبھالنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ خصوصاً اس لئے بھی

قادیان کی وہ آبادی جو مرکزی حصہ میں آباد ہے اس کے پاس مکان بھی بہت تھوڑے ہیں اور باہر سے آنے والے مہمانوں کے لئے ، مختلف ممالک سے آنے والے مہمانوں کے لئے رہائش کی سہولتیں مہیا کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس ضمن میں انگلستان ہی کے ایک اور مخلص خادم چوہدری عبدالرشید صاحب آرکیٹیکٹ اوران کے ساتھیوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان کو بھی دعا میں یادرکھنا چاہئے کیونکہ تعمیری کاموں میں انہوں نے بہت ہی محنت سے اور شوق اور ولولے سے حصہ لیا ہے۔ بہت قیمتی وقت خرچ کر کے میری ہدایت پر قادیان بھی بار بار جاتے رہے اور تعمیری منصوبہ بندی میں ان کو اوران کے ساتھ ایسوسی ایشن کے ساتھیوں کو خدا کے فضل سے خاص خدمت کی توفیق ملی ہے۔ یہ کام ابھی جاری ہیں اور قادیان میں جو تعمیری منصوبے ہیں یہ انشاءاللہ آئندہ کئی سالوں تک پھیلے رہیں گے اور کام بڑھتا رہے گا اور میں امید رکھتا ہوں کہ جس اخلاص کے ساتھ پہلے تمام دنیا کے احمدیوں نے جن کو انجینئرنگ سے تعلق ہے خدمت میں حصہ لیا ہے آئندہ بھی انشاءاللہ، اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرماتا رہے گا۔

قادیان کے ناظر صاحب اعلیٰ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اوران کے ساتھی ناظران اور نائب ناظران نے بھی بہت لمبا عرصہ ان انتظامات کو مکمل کرنے میں بہت محنت سے کام کیا ہے اور قادیان کے درویشوں کا علاقے میں جو نیک اثر ہے اس کے نتیجہ میں علاقے سے تعاون بھی بہت ملا ہے اور وہ سب تعاون کرنے والے بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ہندوستان کی حکومت نے بھی ہر طرح سے تعاون کیا اور پنجاب کی حکومت نے بھی بہت ہی غیر معمولی تعاون کیا ہے۔ یہاں تک کہ تمام عرصہ جب تک کہ میرا وہاں قیام رہا ہے خواہ مختصر عرصے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے کہیں جانا ہوتا تھا تب بھی وہاں پولیس کے تھانے کے انچارج اوران کے ساتھی بہت ہی مستعدی کے ساتھ آگے پیچھے ہر طرح نگرانی کرتے تھے اور باہر نکلنے کی صورت میں جب قادیان سے باہر چند گھنٹے کے لئے جانا پڑا تو اس وقت بھی کوئی چالیس پچاس افراد پر مشتمل پولیس کی نفری تھی۔ جس میں جگہ جگہ کے ڈی ایس پی بھی شامل ہوتے رہے اور انسپکٹر پولیس وغیرہ بہت ہی مستعدی کے ساتھ انہوں نے اس طرح خدمت کا حق ادا کیا ہے جیسے کوئی احمدی خود لگن کے ساتھ شوق سے حصہ لے رہا ہو تو یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر صاف کارفرما دکھائی دیتی تھی۔

قادیان کے بوڑھوں، مردوں، عورتوں، بچوں نے تو اپنی طاقت کی آخری حدوں کو چھو لیا۔ جس حد تک ان کے لئے ممکن تھا انہوں نے خدمت کی لیکن باہر سے جانے والوں نے بھی ماشاء اللہ ان کے کام کو آسان کرنے میں بھر پور حصہ لیا ہے۔ انگلستان کی جماعت کو بھی خدا نے توفیق بخشی۔ بہت ہی مستعد کارکن یہاں سے گئے ہیں اور مسلسل اَن تھک رنگ میں انہوں نے خدمت کی ہے۔ اسی طرح پاکستان سے کثرت کے ساتھ شامل ہونے والوں میں سے ایک بڑی تعداد کو بہت عمدہ اور قابل قدر خدمت کی توفیق ملی۔ اسی طرح ہندوستان کی جماعتوں میں سے دور دور سے آئے ہوئے مہمان بھی تھے اور میزبان بھی بن گئے تھے اور ہر موقع پر جب بھی ان کی خدمت کی ضرورت پیش آئی ہے انہوں نے بڑے شوق اور ولولے کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ اس سلسلہ میں اڑیسہ کی جماعت کرناٹک کی جماعت اور کیرلہ کی جماعت، کشمیر کی جماعت، آندھرا پردیش کی جماعت، پنجاب کی اور دہلی کی جماعتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان سب جماعتوں میں بہت ہی ولولہ اور جوش پایا جاتا ہے۔

دہلی کے قیام کے دوران کیونکہ مقامی سیکیورٹی کی ضروریات کے لئے دہلی کی مقامی جماعت میں کافی افراد نہیں تھے اس لئے وہاں آندھرا پردیش کے نوجوانوں نے بہت ہی خدمت کی ہے۔ دہلی والوں نے بھی بھر پور حصہ لیا اور اسی طرح کشمیر اور دوسری جگہوں سے آنے والے افراد کو بھی خدا نے توفیق بخشی۔ غرضیکہ اس جلسہ میں کام کرنے والے خادم اور مخدوم دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل جل گئے تھے کہ میرے اور تیرے کی تمیز ممکن نہیں رہی۔ ہر شخص میزبان بھی تھا اور مہمان بھی تھا اور یہ ایک ایسا بھر پور جذبہ تھا جو میں سمجھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ ہی کا اعجاز ہے اور ساری دنیا میں آپ تلاش کر کے دیکھ لیں، چراغ لے کے ڈھونڈیں آپ کو ایسی جماعت دنیا کے پردے میں کہیں نظر نہیں آئے گی جو خدا کے فضل کے ساتھ اس طرح گہرے باہمی محبت کے رشتوں میں منسلک ہو کہ خادم اور مخدوم کی تمیز اٹھ جائے۔ ہر شخص خادم بھی ہو اور ہر شخص مخدوم بھی ہو۔

اس پہلو سے جب میری نظر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد پر پڑتی ہے کہ **سید القوم خادمھم** (الجہاد لابن المبارک کتاب الجہاد حدیث نمبر:۲۰۹) تو اس کی ایک نئی تفسیر سامنے ابھرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ قوم کا سردار وہی ہوتا ہے جو قوم کا خادم ہو۔ سردار کے لئے خادم ہونا ضروری ہے اور قوم کے لئے ضروری ہے کہ خادم ہی کو اپنا سردار بنایا کرے۔ یہ

دونوں پیغام ہیں لیکن جماعت احمدیہ پر جس شان کے ساتھ اس مضمون کا اطلاق ہوتا ہے اس سے میرے ذہن میں یہ بات ابھری کہ اس دنیا کے آپ ہی خادم ہیں اور آپ ہی مخدوم ہیں کیونکہ یہ دونوں صلاحیتیں یکجا طور پر جماعت احمدیہ کے سوا دنیا کی کسی اور جماعت میں اکٹھی نہیں مل سکتیں۔ آپ نظر دوڑا کر دیکھیں مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں۔ ترقی یافتہ مغربی اقوام ہوں یا پیچھے رہ جانے والی مشرقی اقوام، کسی مذہب سے تعلق رکھنے والی ہوں، کسی جغرافیائی حدود سے تعلق رکھنے والی ہوں، یہ اعلیٰ شان کا امتزاج کہ خادم مخدوم ہو جائے اور مخدوم خادم بن جائے، یہ جماعت احمدیہ کے سوا دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دے گا۔ پس ان معنوں میں آپ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ آپ ہی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس عظیم الشان عارفانہ تعریف کے مستحق اور اس تعریف کے نتیجہ میں آئندہ دنیا کے سردار بننے والے ہیں کیونکہ آپ کے اندر یہ دونوں صلاحیتیں اکٹھی کر دی گئی ہیں۔

جہاں تک آئندہ زمانے کے حالات کا تعلق ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ جلسہ ایک تاریخ ساز جلسہ تھا۔ محض تاریخی جلسہ ہی نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بہت سی پیشگوئیاں اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان پیشگوئیوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جلسہ کے بعد خدا تعالیٰ اپنے فضلوں کی ہوا چلائے گا اور ہر طرف غیر معمولی ترقی کے سامان پیدا ہوں گے۔

اس ضمن میں ایک خوشخبری تو ہندوستان چھوڑنے سے پہلے ہی وہاں مل گئی۔ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سکھر کے دو اسیرانِ راہِ مولیٰ لمبی مشقتوں اور دکھوں کے بعد آزاد کئے گئے۔ آج صبح ہی کراچی میری بات ہوئی تو وہاں سے مجھے بتایا گیا کہ اللہ کے فضل سے یہاں تو جماعت میں ایک جشن کا ساسماں تھا اور بہت ہی عزت اور محبت سے جماعت نے ان سے سلوک کیا اور غیر معمولی خوشیوں کے سامان تھے تو یہ بھی اسی مقدّس جلسہ کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔ اور اس یقین دہانی کے لئے کہ خدا کی طرف سے خاص تقدیر کے طور پر یہ نشان ظاہر ہوا ہے۔ جب میں آج دفتر میں ڈاک دیکھنے گیا تو گوٹھ علم دین سندھ سے آئے ہوئے ایک خط میں ایک خواب درج تھی۔ یہ گوٹھ علم دین کنری ضلع تھرپارکر کے قریب ایک گاؤں ہے جہاں ابتداء میں کچھ احمدی ہوئے تھے اور ان کے اخلاص کی وجہ سے اور غیر معمولی خواہش کے نتیجہ میں کہ میں خود وہاں جاؤں۔ بہت پہلے کی بات ہے

میں کنری سے وہاں گیا اور وہاں لمبی مجلس لگی اور اللہ کے فضل سے تقریباً سارے گاؤں کو ہی احمدیت میں شامل ہونے کی توفیق ملی۔ تو اس پہلو سے اس گاؤں کے ساتھ میرا خاص تعلق رہا ہے اور میں پوچھتا رہتا ہوں۔ تو جانے سے پہلے میں نے کسی احمدی دوست کو ایک خط لکھا تھا اور پرانی باتیں یاد کرا کے اور بعض پرانے نام لے کر اپنا محبت بھرا پیغام بھیجا تھا اس کے جواب میں ان کا خط آیا ہوا تھا اور خاص بات انہوں نے یہ لکھی کہ میں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ ہمارے سکھر کے اسیر آزاد ہو گئے ہیں اور اللہ کے فضل سے بہت خوشی کا سماں ہے اور میرے پاس بھی وہ تشریف لاتے ہیں تو ایک مہینے کے خطوں میں ایک ہی رؤیا ہے جس کا تعلق سکھر کے اسیروں کے ساتھ تھا اور ساتھ ہی ان کی دعا بھی ہے کہ خدا کرے میری یہ رؤیا پوری ہو جائے۔ چنانچہ پیشتر اس سے کہ میں وہ خط پڑھتا اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ رؤیا پوری ہو چکی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پیار کے اظہار کے انداز ہیں اور یہ یقین دلانے کے لئے ہیں کہ یہ اتفاقی حادثات نہیں ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے تقدیرِ الٰہی کے مطابق ہو رہا ہے۔ ورنہ ایک سے زیادہ خط الجھے ہوئے خیالات کے آتے ہی رہتے ہیں جس میں مبہم سے رنگ میں بعض خوشخبریاں بھی ہوتی ہیں لیکن سکھر کے اسیران سے تعلق رکھنے والی ایسی واضح خوشخبری اور اس کی Timing کہ کس طرح وہ خط لکھا گیا اور کس وقت پہنچا کہ جب وہ خبر بھی پہنچ رہی تھی، یہ ساری باتیں اہل ایمان کے ایمان کو بڑھانے کا موجب بنتی ہیں۔ پس یہ بھی قادیان کے جلسہ کی برکت اور اس کے بعد آنے والے پُر فضا دَور کی خوشخبری ہے اور اس کے آغاز کی وہ لہریں ہیں جو بعض دفعہ اچھے موسم آنے سے پہلے ہوا میں پیدا ہوتی ہیں اور انسان کی روح کو تراوت بخشتی ہیں۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ آئندہ اور بھی بہت سی خوشخبریاں خدا تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوں گی۔

قادیان کے مسائل میں سے ایک بڑا مسئلہ وہاں کی تھوڑی آبادی ہے۔ بعض دوستوں کو قادیان کے اس سفر کے نتیجہ میں بہت امیدیں بندھ گئیں کہ اب قادیان کی واپسی قریب ہے لیکن میں جماعت کو سمجھانا چاہتا ہوں اور گزشتہ خطبہ میں بھی میں نے مختصراً اس پر گفتگو کی تھی کہ واپسی کوئی ایک دم آناً فاناً رونما ہونے والا واقعہ نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے **الہامات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک دفعہ لے کر جائے گا، پھر بار بار لائے گا اور امن کے ماحول میں ایسا ہوتا رہے گا** اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ خدا کی کیا تقدیر کب ظاہر ہوگی اور اس کا منشا کیا

ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک مرکز سلسلہ باہر ہی رہے، دارالہجرت میں ہی ہوخواہ وہ دارالہجرت پاکستان کا ہو یا کسی اور جگہ کا اور قادیان کے حالات ایسے ہوں کہ بار بار خلفائے سلسلہ کو وہاں جانے کی توفیق ملتی رہے اور باہر بیٹھ کر قریب کی نگرانی کا بھی موقع ملتا رہے۔ اس لئے خوابوں میں بسنا ان معنوں میں تو درست ہے کہ خدا تعالیٰ جو رؤیا دکھائے ، جو خوشخبریاں دکھائے ان امیدوں میں انسان بسا رہے، یہی ایمان کی شان ہے لیکن ان معنوں میں خوابوں میں بسنا درست نہیں کہ اپنی مرضی سے اپنے من کی باتوں کو تقدیر بنا بیٹھے اور پھر یہ سمجھے کہ جو میری خواہشات اور تمنائیں ہیں جیسے میں ان کو سمجھتا ہوں اسی طرح خدا کی تقدیر ظاہر ہوگی ۔ یہ طریق درست نہیں ہے یہ ایک بچگانہ طریق ہے۔

اس لئے سب سے پہلے تو جماعت کو اپنی امیدوں اور امنگوں کی صحت کا خیال رکھنا چاہئے اور ان کو رستے سے بدکنے اور بھٹکنے نہیں دینا چاہئے ۔ راستے وہی معیّن ہیں جو خدا تعالیٰ کی تقدیر میں مقدّر ہیں اور جن کی خوشخبریاں اللہ تعالیٰ پہلے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرما چکا ہے۔ ان کی روشنی میں مختلف تعبیریں ہوتی رہتی ہیں ۔ مختلف تعبیریں ہوسکتی ہیں اور اس ضمن میں بھی بہت سے خوش فہم لوگ اپنے دل کی تعبیروں کو زبردستی ان الہامات اور پیشگوئیوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور بعض اوقات تو پھر لوگوں سے شرطیں بھی باندھ بیٹھتے ہیں کہ جو تعبیر ہم نے سمجھی ہے ویسا ضرور ہوگا۔ یہ درست طریق نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی الہٖ وسلم کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی الہٖ وسلم نے منع فرمایا کہ جو خدا کی تقدیر ہے وہ تو ظاہر ہو گی ۔ خوشخبریاں تو بہرحال پوری ہونی ہیں لیکن اپنی مرضی سے ایک تعبیر کر کے اس پر تم شرطیں باندھ بیٹھو کہ یہ ضرور ہوگا یہ درست نہیں ہے لیکن جو ہونا ہے اس کی تیاری تو ہم پر فرض ہے میں اس ضمن میں جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

ایک شخص نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی الہٖ وسلم سے قیامت کے بارہ میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ مراد یہ تھی کہ اگر تمہیں دوسری دنیا میں جانے کا شوق ہے تو یہ شوق ایک بیرونی شوق بھی ہوسکتا ہے، ذاتی دلچسپی نہیں بلکہ تعجب کے رنگ میں استعجاب کے رنگ میں انسان دلچسپی لے سکتا ہے اور یہ دلچسپی بے معنی اور بے حقیقت ہے ۔ اگر

دوسری زندگی کو حقیقت جانتے ہو اور شوق اس لئے ہے کہ تمہیں پتہ لگے کہ تمہاری بہبود کس چیز میں ہے اور مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے تو پھر تمہیں اس کی تیاری کرنی چاہئے اور یہی مضمون ہے جو آج کے حالات پر صادق آتا ہے۔ مستقبل کے متعلق بعض لوگ شوق سے، یا ذرا اٹکل پچو کے ذریعہ انسان پیش خبریاں کرتا ہے یا آئندہ زمانے کو دیکھنا چاہتا ہے، ویسے دلچسپی لیتے ہیں ایسی دلچسپی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نفس کا ایک بچگانہ کھیل ہے اس سے زیادہ اس کے کوئی بھی معنی نہیں لیکن مستقبل میں ایک دلچسپی ایسی ہے جو زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک انسان اپنے تن من دھن کو اسلام اور احمدیت کے اعلیٰ مستقبل کے لئے وقف کر دیتا ہے اور آئندہ مستقبل میں ہونے والے واقعات اس کی سوچوں کا ایک ایسا حصہ بن جاتے ہیں جو اس کے دل کی فکریں ہوتی ہیں اس کے دماغ کے تفکرات ہیں کہ خدا جانے کیا ہو اور کیسا ہو اور میں اپنے فرائض سرانجام دے سکوں یا نہ دے سکوں۔ یہ وہ دلچسپی ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کا پوچھتے ہو تو بتاؤ کوئی تیاری بھی کی ہے۔

تو جماعت کو اگر قادیان کی واپسی میں اور جماعت کے عالمگیر انقلاب میں کوئی دلچسپی ہے تو اس کی تیاری کرنی ہوگی اور قادیان کے سلسلہ میں ابھی بہت کام باقی ہیں۔ جو کچھ خوشخبریاں سطح پر نظر آئی ہیں اور عام آنکھوں نے دیکھ لی ہیں ان کی مثال تو Iceberg کے اس تھوڑے سے حصے سے ہے جو سطحِ سمندر پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کا اصل حصہ تو پانی میں ڈوبا ہوتا ہے یعنی برف کا تودہ جو سمندر میں تیرتا ہے اس کی تھوڑی سی Tip، تھوڑی سی چوٹی ہے جو سمندر سے باہر نظر آتی ہے۔

ایک دفعہ پہلے بھی میں نے یہ مثال دی تھی جس پر ہندوستان کے سفر میں ایک احمدی دوست نے مجھے توجہ دلائی کہ میں غلطی سے ایک اور تین کی نسبت بتا بیٹھا۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے توجہ دلائی کہ ایک اور تین کی نسبت نہیں ہے بلکہ برف کی کثافت پانی کے مقابل پر جتنی کم ہے اسی نسبت سے اس کا ایک حصہ پانی سے اوپر نکلتا ہے اور غالباً یہ دس میں سے ایک حصہ باہر ہوتا ہے اور نو حصے اندر کیونکہ برف کی کثافت پوائنٹ نائن (0.9) ہے یعنی پانی کی کثافت اگر ایک ہے تو برف 0.9 ہے یعنی حجم اس کا زیادہ اور وزن کم تو جس نسبت سے وزن کم ہوگا اسی نسبت سے اس کا ایک حصہ باہر نکلا ہوگا تو بعض دفعہ باہر نکلے ہوئے حصے بھی بہت بڑے بڑے دکھائی دیتے ہیں۔

سمندر میں سفر کرنے والے جانتے ہیں یعنی جن کا کام شمال اور جنوب میں جانا ہے اور وہ ان باتوں کے متعلق اپنی زندگی کے واقعات میں بڑے دلچسپ انداز میں تذکرے بھی کرتے رہتے ہیں کہ بعض دفعہ پانی میں سے برف کا اتنا بلند پہاڑ اونچا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ آدمی حیرت اور استعجاب میں ڈوب جاتا ہے لیکن انسان اگر یہ سوچے کہ اس سے ۹ حصے زیادہ پانی کے اندر ڈوبا ہوا وہ پہاڑ ہے تو اور بھی زیادہ ہیبت بڑھتی ہے۔

تو یہ خوشخبریاں بھی جب پوری ہوتی ہیں تو ان کا ایک حصہ باہر دکھائی دے رہا ہوتا ہے اور جو ڈوبے ہوئے حصے ہیں وہ مسائل سے تعلق رکھتے ہیں جو مسائل حل ہو جائیں وہ سطح سمندر سے باہر دکھائی دے رہے ہوتے ہیں اور جو ابھی ڈوبے ہوئے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہوتے ہیں پس ہمیں ان ڈوبے ہوئے مسائل کی طرف توجہ کرنی ہوگی۔ **قادیان کی عظمت اور عزت اور جلال اور جمال کو بحال کرنے کے لئے ساری دنیا کی جماعتوں کو بہت محنت کرنی ہے اور ہندوستان کی جماعتوں کے کھوئے ہوئے وقار اور مقام کو دوبارہ بحال کرنے کے لئے ساری دنیا کی جماعتوں کو بہت محنت کرنی ہوگی۔**

اس سلسلہ میں جہاں تک آبادی کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں قادیان کو Industrialize کرنے میں ضرور محنت کرنی ہوگی۔ جب تک وہاں تجارتی اور صنعتی مراکز قائم نہ کئے جائیں اس وقت تک صحیح معنوں میں باہر سے احمدی آکر وہاں آباد نہیں ہو سکتے اور مقامی احمدیوں کا انخلاء رُک نہیں سکتا۔ درویشوں نے اور بعد میں آکر بسنے والوں نے اتنی بڑی قربانی دی ہے کہ وہاں پہنچ کر اندازہ ہوتا ہے، دور بیٹھے اس کی باتیں سن کر آپ کو تصوّر نہیں ہو سکتا کہ کتنے محدود علاقے میں رہ کر انہوں نے ساری زندگیاں ایک قسم کی قید میں کاٹی ہیں اور اپنے دنیاوی مفادات کو ایک طرف پھینک دیا، قربان کر دیا اور مقاماتِ مقدّسہ کی حفاظت اور ان کی نگہبانی کے لئے اپنی، اپنے بچوں اور اپنی بیگمات کی زندگیاں قربان کیں۔ بہت ہی بڑی عظیم الشان قربانی ہے، اس کا بھی حق ہے اس لئے ساری دنیا کی جماعتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے بھرپور کوشش کریں۔

چنانچہ یہاں سفر سے پہلے میں نے جو تحریک کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے

ساتھ ساری دنیا کی جماعتوں نے بہت ہی اعلیٰ نمونہ دکھایا اور خدا تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ صرف قادیان ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی دیگر جماعتوں کی بھی اس خاص موقع پر خدمت کی توفیق ملی اور یہ جلسہ ان کے لئے روحانی برکتیں بھی لے کر آیا اور جسمانی برکتیں بھی لے کر آیا اور بہت ہی غیر معمولی طور پر ان لوگوں نے اس کی لذّت محسوس کی ہے تو یہ جسمانی طور پر جو خدمات ہیں اس میں ساری دنیا کی جماعتوں نے حصہ لیا ہے ورنہ یہ ممکن نہیں تھا اور یہ اچھا ہوا کہ پہلے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ آپ لوگ اپنے طور پر انفرادی طور پر وہاں جا کر کسی کو دینے کی بجائے جماعت کی معرفت کوشش کریں جو کچھ پیش کرنا ہے جماعت کو دیں تا کہ ایک مربوط طریق پر منظّم منصوبے کے ساتھ جو جو ضرورتمند ہیں ان کو یہ چیزیں پہنچائی جائیں اور ان کی عزت نفس پر کوئی ٹھیس نہ آئے، ورنہ انفرادی طور پر جب کوئی انسان کسی غریب کی خدمت کرتا ہے تو لینے والے کی آنکھ جھکتی ہے خواہ وہ چیز کتنی ہی محبت سے پیش کی جائے۔ پس خدا تعالیٰ نے بہت فضل فرمایا اور اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے تمام دنیا کے احمدیوں نے اپنے تحائف مرکز کی معرفت بھجوائے اور بہت بڑی رقوم اس سلسلہ میں اکٹھی ہوئیں جن کے نتیجہ میں جو بھی خدمت کی جاسکی ہے وہ ٹھوس ہے اور مختلف رنگ کے مختلف طبقات کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عارضی اور بعض دفعہ مستقل ضرورتیں پوری کرنے کے سامان مہیا ہوئے۔

آئندہ کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی امداد کی ضرورت کو ختم کرنا سب سے اہم خدمت ہے۔ جب ضرورت ہو امداد کرنا لازم ہے اور یہ جماعت کے عالمی فرائض میں داخل ہے لیکن قرآن کریم نے خدمت خلق کا جو اعلیٰ تصوّر پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ ضرورت اٹھا دو اور کسی شخص کو محتاج نہ رہنے دو بجائے اس کے کہ وہ باہر مدد کے لئے دیکھتا رہے۔ وہ اس نظر سے باہر دیکھے کہ کون محتاج ہے جس کی وہ ضرورت پوری کرے۔ یہ اعلیٰ شان کی خدمت کی وہ تعلیم ہے جو قرآن کریم میں ملتی ہے اور جس پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے نہایت ہی حسین رنگ میں عمل کر کے دکھایا ہے۔ پس یہ دوسرا حصہ ہے جو میرے نزدیک بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور عالمگیر جماعت احمدیہ کو اب اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔

اس ضمن میں ہندوستان کے جو تاجر ہیں اور ہندوستان کے Industrialist ہیں ان کے متعلق میں وہاں ہدایات دے آیا ہوں۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ قادیان کی اقتصادی بحالی کے لئے پوری

کوشش کریں گے لیکن باہر کی دنیا سے بھی کثرت سے لوگ وہاں جاسکتے ہیں اور ہندوستانی قوانین کا لحاظ رکھتے ہوئے وہاں کئی قسم کی صنعتیں قائم کرسکتے ہیں۔اس کی طرف آنے سے پہلے ایک رؤیا میں بھی اشارہ ہوا جس کی اور بہت مبارک تعبیروں میں سے ایک یہ بھی تعبیر ہے کہ باہر کی دنیا کے صنعتکاروں اور صاحب حیثیت احمدیوں کو قادیان میں خدمت کی توفیق ملے گی۔

جس دن میں نے قادیان سے روانہ ہونا تھا اس صبح کو رؤیا میں دیکھا کہ چوہدری شاہ نواز صاحب مرحوم مغفور بہت ہی اچھی صحت میں اور بہت خوبصورت دکھائی دینے والے قادیان آتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے خاندان کے افراد یعنی مردوں کو میں نے دیکھا ہے اور دور دور کے رشتہ دار اور مدّاح ایک جمگھٹ بنا کر ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں بہت ہی محبت اور تعریف کی نظر سے ان کو دیکھ رہے ہیں۔جو پگڑی انہوں نے پہنی ہوئی ہے وہ مجھے تو بہت خوبصورت لگ رہی ہے اور باقی ان کو یہ مشورے دے رہے ہیں کہ نہیں اس طرح نہیں آپ اس طرح باندھیں۔کوئی کہتا ہے اس طرح نہیں اس طرح باندھیں۔تو میں چوہدری صاحب کو کہتا ہوں کہ چوہدری صاحب آپ تو مجھے اس میں اتنے اچھے لگ رہے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں آپ کو کبھی ایسا لگتا نہیں دیکھا تھا اور چوہدری صاحب یہ کہتے ہیں اور بغیر آواز کے بھی مسلسل ان کے دل کی یہ آواز سنائی دے رہی ہے کہ باقی سب مشورے دینے والوں کو کہتے ہیں تم جو مرضی مشورے دو میں تو وہی مانوں گا جو مجھے یہ کہے گا اور کسی کی بات نہیں مانی۔بار بار ان کے دل سے جس طرح خوشبو اٹھتی ہے اس طرح یہ آواز اٹھ کر مجھ تک پہنچتی ہے اور میں بھی بڑے اطمینان اور محبت سے ان کو دیکھتا ہوں کہ اللہ نے خاص اخلاص ان کو بخشا ہے قطعاً کوئی پرواہ نہیں کر رہے کہ کتنے مدّاح ہیں کس طرح تعریفیں کر رہے ہیں اور کیسے کیسے مشورے دے رہے ہیں لیکن یہی کہتے جارہے ہیں کہ میں تو وہی مانوں گا جو یہ کہے گا۔

چنانچہ اس کی اور بہت سی مبارک تعبیریں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ باہر کے احمدی Industrialists کو قادیان جا کر خدمت کی توفیق ملے گی اور دوسرے اس میں یہ پیغام ہے کہ برکت اسی میں ہوگی جو خلیفہ کی مرضی کے ماتحت کام ہو،اس کی خوشنودی کے مطابق ہو،اور اپنے طور پر یا اپنے حوالی حواشی وغیرہ کے ساتھ ان کے مشوروں پر چل کر خود کوشش کرو گے تو وہ خدا کے نزدیک مقبول کوشش نہیں ہوگی۔پس یہ ایک تعبیر ہے جو میں سمجھتا ہوں کہ اس مضمون سے تعلق رکھتی ہے جو میں

بیان کر رہا ہوں اور تمام دنیا کے احمدی تاجروں اور صنعتکاروں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ اگر اس نیت سے کہ قادیان جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش اور روحانی پیدائش کا مقام ہے اس کی خاطر وہ اپنی توفیق کے مطابق کچھ خدمت کا حصہ لیں تو قادیان کی بہت سی رونقیں بحال ہوسکتی ہیں جن کا مرکزِ سلسلہ کے آخری قیام سے گہرا تعلق ہے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ ایک لمبا عرصہ محنت کا کام ہے۔ مسائل بہت سے ہیں جو ڈوبے پڑے ہیں آپ کو دکھائی نہیں دے رہے مگر بہت مسائل ہیں جن پر نظر پڑتی ہے تو خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ Iceberg کی جو مثال میں نے دی ہے یہ عمداً دی ہے کیونکہ اس میں جو حصہ باہر دکھائی دیتا ہے بڑا خوشنما لگتا ہے اور خوشخبری کا پیغام ہوتا ہے کہ زمین کی طرح کا ایک جزیرہ سمندر کے اندر مل گیا لیکن جو ڈوبا ہوا حصہ ہے اس سے لاعلمی کے نتیجہ میں ہمیشہ حادثات ہو جاتے ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے عظیم الشان جہاز نچلے حصوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے تو مراد یہ ہے کہ جو مسائل گہرے ہیں اور ڈوبے ہوئے ہیں ان پر اگر نظر نہ رکھی جائے تو وہ خطرناک ہو سکتے ہیں اس لئے قادیان سے تعلق رکھنے والے ان مسائل پر نظر رکھنا ہمیں ضروری ہے جو اس وقت سطح سے نیچے ہیں ان میں ایک حصہ قادیان کے درویشوں کی اقتصادی بحالی کا حصہ ہے یہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے اور دوسرا حصہ قادیان کے باشندوں میں یہ احساس کروانا ہے کہ جماعت احمدیہ کے وقار کے ساتھ تمہارے دنیاوی فوائد بھی وابستہ ہیں اور یہ وہ احساس ہے جو پہلے ہی ابھر چکا ہے۔ مثلاً اس دفعہ جلسہ میں چونکہ غیر معمولی تعداد میں لوگ باہر سے تشریف لے گئے تھے اور بعض دفعہ ضرورت کے مطابق انہوں نے وہاں کی دکانوں سے چیزیں خریدیں۔ بعض دفعہ قادیان کی محبت اور شوق میں کوئی تحفہ گھر لیجانے کے لئے انہوں نے وہاں سے چیزیں خریدیں تو وہاں کے تاجروں کے ایک نمائندہ نے مجھے بتایا کہ ہمارے تخمینے کے مطابق ایک کروڑ بیس لاکھ روپے کی شاپنگ ہوئی ہے جو قادیان جیسے قصبے کے لئے ایک بہت بڑی چیز تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بار بار تاجروں کے وفود آئے اور بڑی منت سماجت کے ساتھ کہا کہ آپ لوگ واپس آجائیں ساری برکتیں جماعت ہی کی ہیں۔ جماعت ہی کا مرکز ہے۔ آپ کے بغیر کوئی بات نہیں بنتی۔ ان کی نظر روحانی رونقوں پر تو نہیں تھی ان کی تو اقتصادی فوائد پر نظر تھی۔ اس پہلو سے اگر وہاں اقتصادی خدمت کے کام ہوں تو اس علاقہ پر بہت عمدہ اثر مترتب ہوگا

اور جو طلب پیدا ہو چکی ہے وہ اور زیادہ بڑھے گی۔

اس طلب میں صرف اقتصادی فوائد پیش نظر نہیں تھے بلکہ مقامی طور پر جو بھاری اکثریت ہے وہ سکھوں کی ہے اور سکھوں نے دل کی گہرائی سے یہ محسوس کیا ہے کہ یہ جماعت نیک جماعت ہے، نیک لوگوں کی جماعت ہے اور ان کے دل میں نیکی کی عزت اور قدر ہے اور بگڑے ہوئے حالات کی وجہ سے وہ امن چاہتے ہیں ۔ چنانچہ سکھوں کے بہت بڑے بڑے وفود یعنی بڑی بڑی حیثیت کے وفود جن کے پیچھے قادیان کی بہت سی آبادی تھی انہوں نے مل کر اس بات کا اظہار کیا کہ ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ قادیان کی اصل برکت جماعت احمدیہ سے ہے اور یہ صرف قادیان تک محدود نہیں ہے بلکہ اگر جماعت احمدیہ قادیان میں واپس آجائے تو سارے علاقے کی برکتیں لوٹ آئیں ۔ یہ جو تأثر ہے یہ بغیر کسی لاڈ کے، بغیر کسی بناوٹ کے بے اختیار دلوں سے اٹھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر جب میں صبح کی سیر کرتے ہوئے مختلف علاقوں میں چلا جاتا تھا تو واپسی پر ایک گوردوارے کے سربراہ مجھے ملے اور انہوں نے کہا۔ آپ گزر رہے ہیں شکر ہے خدا کا کہ ہمیں ملنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ آپ آئے ہیں تو قادیان میں بڑے مرید بنائے ہیں ۔ مراد یہ تھی کہ جماعت احمدیہ کے بہت مدّاح پیدا ہو گئے ہیں اور ایک وفد نے تو یہ کہا کہ ہم تو جماعت احمدیہ کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ ہمیں یہاں کے لوگ آدھا احمدی کہتے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہم پورے احمدی ہیں ۔ خدا تعالیٰ نے یہ جو تائید کی ہوائیں چلائی ہیں یہ کوئی بے مقصد ہوائیں نہیں ہیں اور کوئی عارضی خوشیوں والی ہوائیں نہیں ہیں ۔ خدا تعالیٰ بتا رہا ہے کہ میں دلوں کو اس طرف مائل کر رہا ہوں اور ان کو مستقل باندھنے کے لئے اب تمہیں محنت کرنی ہوگی اور کوشش کرنی ہوگی اور جن اعلیٰ مقاصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے دلوں کو بدلا ہے ان مقاصد کی پیروی سنجیدگی سے کرنی ہوگی۔

اس پہلو سے میں نے جیسا کہ بیان کیا ہمیں وہاں قادیان کو Industrialize کرنے کی بہت ضرورت ہے تا کہ بیرونی غریب جماعتیں کثرت سے وہاں جا کر آباد ہوں ۔ بہت سے گجر مسلمان ہیں جو قادیان میں آتے بھی رہے بیعتیں بھی کرتے رہے ۔ پھر اپنے کاموں سے ادھر ادھر بکھر جاتے رہے ۔ ان کو اگر مستقل قادیان میں بیٹھنے کے سامان مہیا ہو جائیں تو ان کے اندر

استقامت پیدا ہوگی ۔ یہ نہیں کہ آئے تعلق باندھا اور پھر رفتہ رفتہ وہ تعلق بھول گیا بلکہ مستقل مستحکم تعلق پیدا ہوگا تو اس طرح قادیان کی احمدی آبادی بڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی مرکزیت کے مرتبے اور مقام میں رفعت پیدا ہوگی اور ایک وزن پیدا ہو جائے گا۔اس کے نتیجہ میں اور بھی زیادہ علاقہ ایسی نظروں سے جماعت کو دیکھے گا کہ جیسے ہر وقت منتظر ہیں کہ کب آؤ اور برکتیں واپس لے کر آؤ یہ جو احساس ہے یہ اتنا سنجیدہ احساس ہے اور اس تیزی سے وہاں ترقی کی ہے کہ ایک سکھ لیڈر اپنے ساتھیوں کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے کافی بڑا وفد لے کر آئے تھے انہوں نے کہا کہ جب آپ لوگ گئے تھے اور ہم یہاں آ کر آباد ہوئے تھے تو لوگ ہمیں کہتے تھے کہ مرزا صاحب کی پیشگوئیاں ہیں کہ ہم واپس آئیں گے تو ہم آپس میں مذاق کیا کرتے تھے۔ باتیں تو ہم سن لیتے تھے لیکن باہر جا کر آپس میں مذاق کیا کرتے تھے کہ دیکھو جی ! کیسی بچگانہ باتیں ہیں ۔ایک دفعہ گیا ہوا کب واپس آتا ہے اور کیسے آسکتا ہے۔ہم تو اب یہاں آباد ہو گئے ۔ کہتے ہیں لیکن اب جلسہ کے بعد ہم یہ باتیں کر رہے ہیں کہ مرزا صاحب کی ساری باتیں سچی تھیں اور ان لوگوں نے آنا ہی آنا ہے اور قادیان کو چھوڑنے والے نہیں اور بھولنے والے نہیں ۔انہوں نے لازماً آنا ہے اور وہ پیشگوئیاں ضرور پوری ہوں گی۔تو دیکھیں خدا تعالیٰ نے آناً فاناً کیسی فضا بدلی ہے اور یہ جو باقی رہنے والی برکتیں ہیں ان میں سے یہ برکتیں ہیں جن کو سنبھالنا اور ان کی مزید افزائش کرنا جماعت احمدیہ کے نیک اعمال سے تعلق رکھتا ہے ۔محض نیک خواہشات سے تعلق نہیں رکھتا ۔پس میں جو نصیحت کر رہا ہوں اس کو سنجیدگی سے قبول کریں۔جس کو قادیان میں کسی قسم کی صنعت قائم کرنے یا قادیان سے تجارت کرنے کی توفیق ہو اس کو اس میں ضرور کوشش کرنی چاہئے۔

قادیان کے درویشوں کو میں نے یہ نصیحت کی ہے کہ کشمیر وغیرہ سے اور دوسرے اِرد گرد کے علاقوں سے جو چیزیں باہر ایکسپورٹ ہوتی ہیں تم لوگ مل کر چھوٹی چھوٹی کمپنیاں بناؤ۔ان میں حصہ لو۔ باہر کے احمدی اس معاملہ میں تمہارے ساتھ تعاون کریں گے ۔ہمیں لکھو کیا کچھ کر سکتے ہو۔ باہر سے ہم ایسے احمدیوں سے رابطہ کریں گے جو دوسری طرف سے ان کے مددگار ثابت ہوں۔تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے تجارتیں چمکیں گی اور وہاں لوگوں کے لئے رزق کے اچھے انتظام پیدا ہوں گے بہت سے احمدیوں کو Employment ملے گی اور یہ نہیں ہوگا کہ بچے پلے اور پھر رزق کی

تلاش میں ساری دنیا میں باہر نکل گئے بلکہ اردگرد سے، دور دور کی جماعتوں سے احمدی بچے بڑے شوق کے ساتھ روحانی کشش کے علاوہ اپنے روزگار کی تلاش میں بھی قادیان آنا شروع ہو جائیں گے اور اس طرح قادیان کی آبادی میں نمایاں اضافہ ہوگا۔

قادیان کی آبادی کا ایک حصہ ایسا ہے جس نے بہر حال قادیان کو سرِ دست چھوڑ نا ہی چھوڑ نا ہے اور وہ خواتین ہیں، بچیاں ہیں۔ چھوٹی آبادی میں رشتوں کے بہت مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ قادیان کے مرد تو تلاشِ روزگار میں باہر نکل جاتے ہیں۔ قادیان کے نکلے ہوئے نوجوان ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مڈل ایسٹ وغیرہ میں بھی ہیں اور باہر ان کی شادیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ بچیاں پیچھے خالی رہ جاتی ہیں اور ان کے لئے لازم ہے کہ باہر شادیاں کریں کیونکہ وہاں قادیان میں بسنے والے مقامی مرد تو اتنی تعداد میں موجود ہی نہیں ہوتے۔ اس لئے تمام دنیا کی جماعتوں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ برکت کے لئے اور خدمت کے لئے جہاں تک جس کے لئے ممکن ہو وہ قادیان سے رشتے تلاش کرے اور اس سلسلہ میں ناظر صاحب اعلیٰ قادیان کو براہِ راست بھی لکھے اور مجھے بھی لکھے اور ناظر صاحب امورِ عامہ سے بھی بیشک براہِ راست رابطہ کرے۔ بہت سی ایسی بچیاں ہیں جو بہت ہی عمدہ تربیت یافتہ ہیں لیکن تعلقات کی کمی کی وجہ سے ان کے گردوہ جو ایک قید سی ہے اس میں محدود ہونے کی وجہ سے وہ اور ان کے والدین نہیں جانتے کہ اچھا رشتہ کہاں مقدّر ہے۔ تو ساری دنیا کی جماعتوں کو منظّم طور پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور میں سمجھتا ہوں کہ امراء اگر وہاں پر رابطہ کر کے ان کی بچیوں کے کوائف اس شرط پر منگوائیں کہ تصویروں کے ساتھ بھجوائیں، تفصیل سے بھیجیں ہم اپنی تحویل میں رکھیں گے، عزت و احترام کے ساتھ ان قواعد کا خیال رکھیں گے اور مناسب رشتوں کی راہنمائی کریں گے کہ فلاں فلاں جگہ وہ کوشش کر لیں تو اس سے اس مسئلہ کے حل میں بہت مدد ملے گی۔ جماعت احمدیہ کا رشتہ ناتے کا جو انتظام ہے، اس میں یہ ذمہ داری نہ جماعت قبول کرتی ہے نہ کر سکتی ہے اور عقلاً کرنی بھی نہیں چاہئے کہ دونوں فریق کو یقین دلائے کہ رشتہ اچھا ہوگا اور آپ کر لیں گویا کہ جماعت کی ذمہ داری ہے۔ یہ بالکل نامناسب بات ہے۔ نہ جماعت ایسا کرے گی، نہ جماعت سے ایسی توقع رکھنی چاہئے ورنہ ہر رشتہ جس میں خدانخواستہ کوئی نہ کوئی الجھن پیدا ہو جائے اسکی ذمہ داری جماعت پر تھوپی جائے گی۔ جماعت کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ وہ حتی المقدور اپنے علم کے

مطابق فریقین کا ایک دوسرے سے تعارف کروائے گی اور جو معلومات انسان کو معلوم ہوسکتی ہیں اور ہر قسم کی معلومات انسان کو نہیں ہوسکتیں، اندر کے حالات ایسے ہیں جو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ صدق کے ساتھ اور سچائی کے ساتھ فریقین تک پہنچا دے گی۔ اس سے زیادہ جماعت اور کچھ نہیں کرسکتی اور نہ جماعت سے اس سے زیادہ کسی کو توقع رکھنی چاہئے لیکن ان حدود کے اندر بہت مدد ہو جاتی ہے۔ ورنہ باہر کے رشتوں میں اتنے اندھیرے ہیں، اتنے پردے ہیں، ایسی لاعلمی کی باتیں ہیں، ایسی دھوکے کی باتیں ہوتی ہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے اکثر جھوٹ اور فریب ہی ہوتا ہے یا اندھیرے کی چھلانگ ہے۔ تو جماعت احمدیہ کو خدا تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ ہر مسئلے کے گرد روشنی کی ایک فصیل کھڑی کر دیتی ہے اس روشنی کے نتیجہ میں بہت کچھ دیکھنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ تو تجارت میں بھی اور انڈسٹری میں بھی جماعت کا جو مرکزی نظام ہے اسی حد تک کام کرے گا اور رشتوں کے معاملہ میں بھی اسی حد تک کام کریگا۔ تعارف کروائے گا اور لاعلمی کے بہت سے اندھیرے دور کرے گا اور بہت سے وسائل پر روشنی ڈالے گا کہ یہ یہ امکانات روشن ہیں۔ ہماری اطلاع کے مطابق فلاں شخص کی یہ Reputation ہے، جہاں تک جماعت کو توفیق ہے ہم نے جائزہ لیا ہے، یہ ٹھیک نظر آ رہا ہے باقی آپ کا کام ہے کہ اپنی تجارت ہے، اپنی ذمہ داریاں ہیں، اپنے رشتے کرنے ہیں۔ دعا بھی کریں، استخارے بھی کریں اور مقدور بھر ذاتی کوشش کر کے مزید چھان بین بھی کریں۔

تو اس تمہید کے بعد میں توقع رکھتا ہوں کہ رشتوں کے معاملے میں بھی تمام عالمگیر جماعتیں اپنی ذمہ داریاں ادا کریں گی۔ نہ صرف وہاں سے رشتوں کے کوائف منگوائیں بلکہ اپنے ہاں کچھ ایسے لوگ جو بعض بڑی عمر کو پہنچ جاتے ہیں ان کے نام اور کوائف اور تصویریں بھی قادیان بھجوائیں اور درمیانی عمر کے اچھے رشتے بھی کیونکہ ضروری نہیں کہ ساری بچیوں کی عمریں بڑی ہو رہی ہوں۔ چند کی ہو رہی ہیں۔ باقی اکثر ایسی ہیں جو اچھی تعلیم یافتہ سلجھی ہوئی ہر لحاظ سے خدا تعالیٰ کے فضل سے نوک پلک سے درست اور شادی کی عمر میں ہیں تو ان کو ایسے لڑکوں کے کوائف بھی بھجوائیں جن کو قادیان میں شادی کی خواہش ہو اور وہاں والے بھی ان کو دیکھیں اور ان کی تصویریں اور ان کے کوائف جان کر رابطے قائم کرنا شروع کریں۔

اس سے اگلا جو قدم ہے اس کا رشتوں سے ایک تعلق ہے اس لئے اب بعد میں مَیں اسے

بیان کرتا ہوں بہت سے احمدی دوستوں نے جلسہ کے بعد اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ قادیان میں جائیداد بنائیں۔ مکانات خریدیں اور دوسری جائیداد بنائیں تا کہ جلسہ کے دنوں میں جو تنگی محسوس ہوئی تھی وہ آئندہ نسبتاً کم محسوس ہو اور جس حد تک ہو سکے رہنے والوں کے لئے فراخی میسر آئے اور وہ یہ خواہش رکھتے تھے کہ بے شک انجمن کے نام پر لے لی جائے، روپیہ وہ بھیجیں گے اور سارا سال انجمن استعمال کرے، جب ہم جلسہ پر آئیں تو ہمیں بھی اور ہمارے مہمانوں کو بھی وہاں ٹھہرنے کی سہولت ملے۔ یہ تجویز اچھی ہے۔ قادیان کی بحالی کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم وہاں کثرت سے جائیدادیں بنائیں لیکن اس ضمن میں جو ملکی قوانین ہیں ان کو بہر حال پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ان کا ہم مطالعہ کروا رہے ہیں اور انشاء اللہ جماعت کو راہنمائی ہوگی لیکن ایک راستہ ایسا ہے جس کا رشتوں سے تعلق ہے، جس شخص کی شادی قادیان میں یا بھارت کی جماعتوں میں ہو جائے۔ مثلاً کشمیر میں بھی یہ بڑا مسئلہ ہے۔ ادھر اڑیسہ وغیرہ میں بھی ہماری بہت سی احمدی بچیاں اس عمر کو پہنچ رہی ہیں کہ زیادہ دیر ہو تو پھر مایوسی کی طرف مائل ہو جائیں گی تو جن دوستوں کو ہندوستان میں جائیدادیں بنانے کی خواہش ہو اور ان کے عزیز مثلاً شادی کی عمر کے ہوں اور وہ وہاں شادی کروالیں تو جس بچی سے شادی ہوئی ہے اس کے رشتہ دار بھی ان کے نام پر جائیدادیں لے سکتے ہیں۔ وہ خود بھی لے سکتے ہیں۔ روپیہ بھجوانے میں آسانی پیدا ہو جائے گی کیونکہ باہر کے رشتہ دار کو حق ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کو وہاں روپیہ بھیج سکے تو اقتصادی مسئلہ ہے جو اس معاشرتی مسئلہ کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اس ضمن میں دوست اس بات کو پیشِ نظر رکھیں گے کہ وہاں جائیداد بنانی ہے اور ممکن ہو تو اپنے رشتہ داروں کے نام پر بنائیں ورنہ ہر شخص کی جائیداد انجمن تو نہیں سنبھال سکتی اور یہ بھی ابھی تحقیق طلب ہے کہ انجمن کو اس طرح بے نامی جائیداد خریدنے کی حکومت اجازت بھی دے گی کہ نہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ جو معروف اور مستند رستے ہیں ان کو اختیار کیا جائے۔

زمینیں خریدنے کے سلسلہ میں ایک نصیحت میں یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے تعلقات کے پیش نظر بعض لوگ پھر پھرا کر بعض لوگوں سے سودے کر لیتے ہیں۔ قادیان کے حالات میں یہ بہت نامناسب اور جماعت کے مفاد کے منافی حرکت ہے۔ اگر ہم نے وہاں Rehabilitate ہونا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہمارا پروگرام ہے اور جس طرح وہاں کی آبادی میں ایک طبعی

طلب پیدا ہو چکی ہے تو یہ خطرہ ہے کہ وہاں کی جائیدادیں بہت تیزی کے ساتھ مہنگائی کی طرف مائل ہو جائیں۔ ابھی اس جلسہ کے نتیجہ میں ہی قادیان میں قیمتیں عام ہندوستان کی قیمتوں سے ڈیڑھ گنا بڑھ گئی تھیں۔ وہی چیزیں جب ہم قادیان میں ڈیڑھ سو روپے کی لے رہے تھے دہلی میں سو(۱۰۰) کی مل رہی تھیں، امرتسر میں بھی اسی قیمت پر۔ تو اگر جائیدادوں کی طرف یہ رجحان ہوا جیسا کہ ہونا ہے اور ابھی سے آثار ظاہر ہیں تو بے ہنگم طریق پر جائیدادیں خریدنے کے نتیجہ میں جماعت کو بہت مالی نقصان پہنچے گا اور مرکزی مفادات کو بھی نقصان پہنچے گا۔ انفرادی طور پر بھی ہر شخص نقصان اٹھائے گا۔ ایک آدمی اپنی طرف سے یہ چالاکی کر رہا ہے کہ میں جلدی سے سودا کرلوں بعد میں قیمتیں بڑھ جائیں گی تو دراصل اس کی اس عجلت کے پیچھے ایک بدنیتی کارفرما ہوتی ہے۔ بدنیتی یا خودغرضی کہہ لیں۔ خالصۃً نیکی نہیں ہوتی جائیداد خریدنے میں بلکہ یہ ہوتا ہے کہ اِس وقت وقت ہے میں لے لوں، کل کو جب مہنگائی بڑھے گی اور لوگوں میں طلب پیدا ہوگی تو اس زمین کا ایک حصّہ بیچ کر میں بہت منافع حاصل کر کے دوسرے حصّہ پر اپنا مکان آسانی سے بنا سکتا ہوں۔ اسے بدنیتی نہ کہیں لیکن خالص نیکی نہ رہی بلکہ کچھ اغراض نفس بھی شامل ہو گئیں اور اس کے نتیجہ میں اس نے یہ نہیں سوچا کہ اگر میں اس طرح کھلی مارکیٹ میں جا کر قیمتیں خراب کرنے لگوں تو کل کو آنے والے میرے بھائیوں کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ جماعت نے جو بڑے وسیع رقبوں کی زمینیں حاصل کرنی ہیں اور آئندہ جو ہمارے منصوبے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ جماعت کے پاس وہاں کثرت سے زمینیں ہوں تا کہ ان میں مرکزی منصوبوں پر عمل درآمد ہو سکے، ان کو بڑا شدید نقصان پہنچے گا۔ جو چیز آج ایک لاکھ روپے کی مل رہی ہے وہ دیکھتے دیکھتے ڈیڑھ لاکھ، دولاکھ، تین لاکھ کی ہو جائے گی تو وہی جماعتیں جو باہر سے قربانی کر رہی ہیں ان کی قیمت خرید گویا کہ 1/3(One Third) رہ جائے گی اور نقصان پہنچانے والے بھی وہی باہر کے لوگ ہوں گے جو ایک طرف جماعت کی معرفت چندے بھی بھیج رہے ہیں اور دوسری طرف ان چندوں کو ملیا میٹ کرنے کا بھی انتظام کر رہے ہیں اس لئے یہ یاد رکھیں کہ کوئی شخص براہِ راست وہاں کوئی سودا نہیں کرے گا۔ میں وہاں انجمن کو ہدایات دے آیا ہوں کہ جس نے سودا کرنا ہے وہ آپ کو لکھے یا مجھے لکھے اور ہم ان کی خاطر تلاش کر کے مناسب قیمتوں پر بغیر کسی منافع کے جگہ ڈھونڈ کر دیں گے۔ آگے ان کا کام ہے وہ پسند کریں کہ یہ جگہ لینی ہے یا فلاں جگہ لینی ہے لیکن پورے

اعتماد کے ساتھ ان کو اس نظام کے مطابق چلنا چاہئے ۔ ان کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے کہ دنیا کا ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا نظام دیانتداری کے ساتھ ان کی خدمت کے لئے تیار ہے اور ان کے اپنے آخری مفاد کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انفرادی سودا بازیوں کی بجائے جماعت کی معرفت اپنا کام کریں اور اس کے نتیجہ میں ایک اور خطرہ سے بھی ہمیں نجات مل جائے گی کیونکہ بعض علاقے ایسے ہیں جہاں جماعت کو دلچسپی ہے کہ جماعت وہاں ضرور زمین بنائے اور انفرادی لینے والے جب وہاں ایک دو اڈے بنا لیتے ہیں تو ساری سکیم تباہ ہو جاتی ہے چنانچہ ایک دو ایسے واقعات میری نظر میں آئے ۔ قادیان کے پھیلاؤ کی خاطر ہم نے ایک منصوبہ بنایا ہوا ہے اس منصوبے میں جن علاقوں میں بعض آئندہ پروگرام تھے ان میں بعض لوگوں نے اپنے طور پر زمینیں لے لیں چنانچہ ان کو میں نے متنبہ کیا ۔ میں نے کہا یہ درست نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جماعت میں بڑا اخلاص ہے انہوں نے کہا جس قیمت پر ہم نے لی ہیں ہم حاضر ہیں آپ ہم سے واپس لے لیں یا چاہیں تو اس کے متبادل ہمیں کوئی جگہ دے دیں ۔ چنانچہ بعض دفعہ متبادل جگہ دے دی گئی ۔ بعض دفعہ اسی قیمت پر وہ زمین ان سے لے لی گئی تو خدا کے فضل سے اب تک کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی لیکن خرابی کے احتمالات دکھائی دینے لگ گئے ہیں ۔ اس لئے میں ساری دنیا کی جماعتوں کو سمجھاتا ہوں کہ یہ بہت اچھا کام ہے ۔ وہاں جائیدادیں لینی چاہئیں لیکن نظام کے مطابق، نظام کے رستے سے ۔ دستور اور طریقے کے ساتھ یہ کام کریں تا کہ ساری جماعت کے مفاد کے تقاضے پورے ہوں اور انفرادی مفاد جماعتی مفاد سے ٹکرائے نہیں ۔

اب چونکہ وقت زیادہ ہو رہا ہے اس لئے آخری ایک شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں ۔ اس کے بعد آج کے خطبہ کو ختم کروں گا ۔ **وہاں کی سکھ آبادی نے جس محبت کا سلوک کیا ہے اس میں ایک خاص پہلو یہ تھا کہ اپنے مکانات پیش کئے اور بعض لوگوں کو جب یہ خبریں ملیں کہ غیر احمدی آبادی میں بھی مہمان ٹھہرائے جا رہے ہیں تو بڑے ذوق شوق سے وہاں دوڑتے ہوئے آئے ۔ بعض لوگ رات بارہ ایک دو بجے تک ٹھہرے رہے جب تک قافلے آ نہیں گئے کہ ہم اس وقت جائیں گے جب ہمارے حصے کے مہمان دو گے اور بعض ایسے خاندان جنہوں نے مہمان اپنے گھر ٹھہرائے تھے انہوں نے بعد میں ملاقاتیں کیں اور انہوں نے کہا کہ ہمیں ایسا سرور آیا ہے، ایسا لطف آیا ہے کہ کبھی زندگی میں ایسا مزہ**

نہیں آیا تھا۔ایک کمرے میں ہم سب اکٹھے ہو گئے اور سارا گھر مہمانوں کو دے دیا اور مہمانوں نے بھی ہم سے محبت کا ایسا سلوک کیا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ صدیوں کے آشنا ہوں۔بچپن سے اکٹھے رہے ہوں تو یہ جو تحریک کی تھی یہ خاص طور پر اسی نیت سے کی گئی تھی۔قادیان کو میں نے لکھا تھا کہ آپ کے پاس ساری محنتوں کے باوجود،کوششوں کے باوجود ابھی بھی مہمانوں کو ٹھہرانے کی جگہ نہیں ہے۔آپ غیر مسلموں خصوصاً سکھوں تک پہنچیں اور ان سے کہیں کہ قادیان کے مہمان ہیں۔تم بھی قادیان کے باشندے ہو اس میں حصہ لو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دونوں طرف کے تعلقات وسیع ہوں گے اور قادیان کی واپسی کا صرف اس چھوٹے سے حصے سے تعلق نہیں ہے جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے۔سارے قادیان کے دلوں کا ہمارے قبضہ میں آنا ضروری ہے اور اس ضمن میں یہ جو کوشش تھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی مؤثر اور بہت ہی کامیاب ثابت ہوئی ہے۔چنانچہ آنے سے پہلے جو وفود ملے ان میں سے ایک وفد اسی سلسلہ میں ملا تھا۔اس نے کہا کہ ہم سے تو لوگ ناراض ہیں کہ ہمیں کیوں نہیں بتایا اور جو قصے ہم آگے لوگوں کو سناتے ہیں کہ اس طرح مہمان تھے۔ایسے ایسے عجیب انسان تھے۔ایسی شرافت کے ساتھ انہوں نے ہم سے برتاؤ کیا۔ایسی محبت اور اخلاص کے ساتھ سلوک کیا۔کہتے ہیں وہ قصے سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کیوں پیچھے رہ گئے تو انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ آئندہ اگر آپ ہمیں پہلے اطلاع کریں تو قادیان میں شاید ہی کوئی گھر ہو جو مہمان رکھنے کے لئے تیار نہ ہو اور اس وقت قادیان کی آبادی کا جو پھیلاؤ ہے اگر جیسا کہ خدا تعالیٰ نے آثار ظاہر فرمائے ہیں وہ ان عہدوں پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اسی طرح احمدیت کی محبت سے بھرے رکھے تو آئندہ مہمان ٹھہرانے کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔جس طرح پرانے زمانہ میں قادیان کی چھوٹی آبادی تیس تیس چالیس چالیس ہزار مہمانوں کو ٹھہرالیا کرتی تھی اب یہ آبادی جو وسیع ہو چکی ہے،کچھ اور بھی بہت سے مہمان خانے بننے والے ہیں یہ سب ملا کر میں سمجھتا ہوں کہ ڈیڑھ دو لاکھ تک بھی وہاں مہمانوں کے ٹھہرانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔اس کے لئے تیاری کا جتنا وقت چاہئے اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ ہماری توفیق بڑھا رہا ہے۔

اس دفعہ ہم نے خواہش ظاہر کی تھی کہ حکومت ہندوستان پچاس ہزار تک اجازت دے دے مگر تجربہ نے بتایا کہ پچاس ہزار کی ہمارے اندر توفیق نہیں تھی۔نہیں سنبھال سکتے تھے۔یعنی پوری

کوشش کے باوجود سارے کارکن مل کر بھی کام کرتے تب بھی قادیان کے حالات ابھی ایسے نہیں ہیں کہ جماعت احمدیہ قادیان میں اتنے مہمان ٹھہرا سکے لیکن اب وہ وسعتیں پیدا ہوتی دکھائی دے رہی ہیں آغاز ہو چکا ہے تو اگلے سال میں سمجھتا ہوں اگر خدا نے توفیق دی اور یہی اس کا منشاء ہوا کہ ہم پھر وہاں اس جلسہ میں جائیں تو پہلے کی نسبت دو تین گنا زیادہ مہمانوں کو وہاں ٹھہرایا جاسکے گا۔ پس ہندوستان کی حکومت نے جو دس ہزار کی شرط لگائی وہ معلوم ہوتا ہے تقدیرِ خیر ہی تھی جسے ہم تقدیرِ شرّ سمجھ رہے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ پورا تعاون نہیں کیا لیکن ہندوستان کی حکومت کہتی تھی کہ یہاں کے حالات ایسے ہیں ہماری ساری فوجیں، ہماری پولیس وغیرہ سارے پنجاب میں اس طرح مصروف ہے کہ ہم اتنے زیادہ آدمیوں کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔ اس لئے تعاون کرنا چاہتے ہیں مگر مجبوری ہے۔ ان کا تو یہ عذر تھا لیکن دراصل جو مجھے دکھائی دیا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ کی ہمارے اندر بھی استطاعت نہیں تھی، طاقت نہیں پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے طاقت کو بڑھائیں تو اللہ تعالیٰ باقی آسانیاں خود پیدا فرمادیگا اور طاقت کو بڑھانا بھی اسی کا کام ہے۔

اس لئے آخر پر میں ایک دفعہ پھر تمام عالمگیر جماعتوں کی طرف سے ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے قادیان کے جلسہ کو کامیاب بنانے میں بھر پور حصہ لیا ہے۔ اپنوں کا بھی، غیروں کا بھی، ہندوستان کی حکومت کا بھی، پنجاب کی حکومت کا بھی، پاکستان کی حکومت کا بھی کہ انہوں نے کوئی روک نہیں ڈالی اور جیسا کہ خطرہ تھا کہ معاندین جو حسد کی آگ میں جل رہے تھے وہ رستے میں شرارت پیدا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ حکومت پاکستان نے اس معاملہ میں ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی ورنہ کئی شرارتیں پیدا ہوسکتی تھیں۔ کئی تکلیف دہ واقعات رونما ہو سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس شر سے بھی ہمیں بچایا۔ اس پہلو سے میں حکومتِ پاکستان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آخر پر دو ایسے مرحومین کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں جن کا جماعت انگلستان سے تعلق تھا اور وہ دونوں ہم وہیں پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں۔ ایک ہمارے کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ ہیں جو جماعت احمدیہ انگلستان کے ایک بہت ہی پیارے اور ہر دلعزیز انسان تھے۔ بڑی عمر کے باوجود ان کا دل جوان تھا ان کا جسم جوان صحت مند، ہر قسم کے مقابلوں میں حصہ لیتے، ہر وقت مسکراتے رہتے اور بڑی عمر میں دین کی خدمت کا ایسا جذبہ تھا کہ ایک دفعہ میں نے تحریک کی کہ گورمکھی جاننے والے

ہمارے پاس کم رہ گئے ہیں تو انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ گورمکھی زبان سیکھی اور اس میں بہت اعلیٰ سرٹیفکیٹ حاصل کئے۔ان کی گورمکھی کی جو تحریر میں نے دیکھی ہے۔اخباروں میں بھی چھپتی رہی ہیں ان کی کتابت ہی ایسی خوبصورت تھی کہ آدمی حیران رہ جاتا تھا۔ یہ سب کام انہوں نے اس عمر میں ولولے اور جوش سے سیکھے اور انگلستان کی جماعت میں تو یہ ایک خلا ہے جو بہر حال رہے گا۔ جماعت دیر تک ان کو یاد رکھے گی۔ان کے لئے دعائیں کرتی رہے گی۔باقی دنیا کی جماعتوں کو بھی میں درخواست کرتا ہوں ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ان کی بڑی خواہش تھی کہ قادیان میں دفن ہوں اس خواہش کا اظہار وہ مجھ سے بھی کر چکے تھے اور یہ بھی بڑی خواہش تھی کہ میں جنازہ پڑھاؤں تو قادیان میں ان کی اچانک وفات سے ان کی یہ دونوں دلی خواہشات پوری ہوگئیں۔بہشتی مقبرہ میں ان کو تدفین نصیب ہوئی۔ مجھے ان کی قبر پر جا کر دعا کی بھی توفیق ملی۔

دوسرے ہمارے چوہدری آفتاب احمد صاحب بھی ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو انگلستان کی جماعت میں بہت معروف ہے۔خدمت دین میں پیش پیش اور سارا خاندان اور ان کی ساری اولاد اللہ کے فضل سے بہت ہی اخلاص رکھتی ہے اور سلسلہ کے کاموں میں پیش پیش ہے ان کی بیگم صاحبہ کی بہت خواہش تھی کہ وہ قادیان جلسہ دیکھیں۔باوجود اس کے کہ بہت ہی خطرناک بیماری تھی۔جگر بار بار کام کرنا چھوڑ دیتا تھا۔میں نے ان کو مشورہ بھی دیا کہ آپ نہ جائیں۔یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔اس سفر کی صعوبت آپ برداشت نہیں کر سکیں گی لیکن پتہ نہیں ڈاکٹر کو کیا کہہ کر اس سے اجازت لے لی کہ میں ٹھیک ٹھاک ہوں کوئی بات نہیں۔وہاں جا کر بہت زیادہ تکلیف بڑھ گئی وہاں تو خدا تعالیٰ نے فضل کیا۔جب دعا کے لئے وہ بار بار کہتی رہیں اور ڈاکٹروں نے کوشش کی۔پھر جب ہم دِلّی آ کر دوبارہ گئے ہیں تو اس وقت وہ پاکستان کے لئے روانہ ہو چکی تھیں اور ٹھیک تھیں لیکن اب اطلاع ملی ہے کہ وہاں جا کر یہ تکلیف عود کر آئی اور ہسپتال میں داخل ہوئیں اور غالباً آپریشن ہونا تھا۔ہوا یا نہیں اللہ بہتر جانتا ہے مگر ہسپتال ہی میں وفات ہوگئی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین ہوئی۔تو آپ کے نمائندوں میں سے ایک کو خدا تعالیٰ نے قادیان کے بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کی سعادت بخشی جلسہ دیکھنے کے بعد اور ایک کو ربوہ کے بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کی سعادت بخشی۔ یہ تو ان کے لئے بھی سعادت ہے اور ساری جماعت انگلستان کے لئے بھی ہے لیکن ان کے

اہل وعیال ان کے بچے بہر حال غمگین ہیں اور ان کی جدائی کا دکھ محسوس کرتے ہیں۔ مرحومین کو بھی دعا میں یادرکھیں اور ان خاندانوں کو بھی دعا میں یادرکھیں۔

آج کا خطبہ جاپان، ہمبرگ جرمنی اور پاکستان میں کراچی اور ماریشس میں سنا جا رہا ہے اور پورے لنڈن میں بھی یہ اس وقت مختلف جگہوں پر Relay ہو رہا ہے۔ ہمارے جسوال برادران نے ماشاء اللہ یہ بہت ہی عمدہ انتظام کیا ہے اور قادیان میں بھی ان بھائیوں کو غیر معمولی خدمت کی توفیق ملی ہے۔ اگر یہ ہمت نہ کرتے، بہت ہی محنت اور کوشش سے کام نہ لیتے تو وہاں کے خطبات یہاں سنائی نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ ایسے آلے ساتھ لیکر گئے جو بڑے بوجھل اور بہت ہی محنت طلب تھے۔ ان کو وہاں جا کر Install کیا۔ وہاں سارا انتظام سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے جماعت انگلستان کو جلسہ کے موقع پر یہ بھی ایک سعادت بخشی ہے کہ ان کے کارکنوں میں سے جسوال برادران کو غیر معمولی تاریخی خدمت کی توفیق بخشی ہے۔ اللہ ان کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان سب جماعتوں کو جو یہ خطبہ سن رہی ہیں میں سب یو کے کی جماعت کی طرف سے اور اپنی طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کا پیغام دیتا ہوں۔

درویشان قادیان کی قربانیوں کو خراج تحسین

ہندوستان کی جماعتوں کی ترقی کے لئے بنیادی ہدایات

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ /جنوری ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت تلاوت کی۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۴﴾ (البقرہ: ۲۷۴)

پھر فرمایا:۔

پیشتر اس سے کہ میں خطبہ کا مضمون شروع کروں جو دوست مسجد میں حاضر ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ مہربانی فرما کر ذرا آگے کو کھسک آئیں کیونکہ باہر سردی زیادہ ہے اور بہت سے دوست باہر سردی میں بیٹھے ہوں گے نماز کے لئے اگر ان کو باہر جانا پڑے تو دوبارہ جاسکتے ہیں۔ باہر اعلان کروادیا جائے یا دوست سن ہی رہے ہوں گے۔ بہر حال جو بھی باہر سردی میں مشکل محسوس کرتے ہوں گے وہ اندر تشریف لے آئیں امید ہے کچھ نہ کچھ جگہ نکل آئے گی۔ (اور آگے آجایئے۔ آپ ذرا آگے کی طرف سرکیں، قریب آجائیں۔ نماز کے لئے مسجد میں گنجائش نکل آئی گی، ضرورت ہوگی تو چند منٹوں کے لئے نماز کے لئے باہر تشریف لے جائیں۔ باقی اندر آکر خطبہ سن سکتے ہیں۔)

یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۷۴ ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ان فقراء کے لئے یہ خدمتیں اور یہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے جو خدا کی راہ میں گھیرے میں آ گئے اور ایسے گھیرے میں ہیں کہ جس کے نتیجہ میں باہر نکل کر کسبِ معاش ان کے لئے ممکن نہیں اور وہ زمین میں کھلا پھر نہیں سکتے۔ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں جا نہیں سکتے یَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ جاہل ان کو امیر سمجھتا ہے۔ بے ضرورت سمجھتا ہے مِنَ التَّعَفُّفِ کیونکہ انہیں مانگنے کی عادت نہیں۔ کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ یعنی اے محمد ﷺ! تو ان کی علامتوں سے جو ان کے چہرے پر ظاہر ہیں، ان کی پیشانیوں پر ظاہر ہیں ان سے ان کو پہچانتا ہے لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا وہ پیچھے پڑ کر لوگوں سے مانگتے نہیں ہیں۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ اور جو کچھ بھی تم خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو، مال دیتے ہو۔ خیر سے مراد یہاں مال ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ اللہ تعالیٰ اسے بہت جانتا ہے۔

یہ آیت اور اس سے پہلے کی جو آیات ہیں جن میں صدقات کا مضمون بیان ہوا ہے، تمام اہل تفسیر کے نزدیک اصحاب الصُّفّہ پر اطلاق پانے والی آیات ہیں۔ اصحاب الصفہ وہ مہاجرین تھے مسجد نبوی کے ایک تھڑے پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ اصحاب الصفہ کی جو تعداد ہے اس میں بھی اختلافات ہیں لیکن بالعموم جو مستند روایات ہیں مثلاً بخاری میں بھی ستّر کا ذکر ہے کہ کم و بیش ستّر اصحاب الصفہ تھے جو دن رات مسجد نبوی میں ہی رہائش پذیر تھے۔ ان کا پس منظر یہ ہے کہ جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف آنا شروع ہوئے تو ان کے لئے گزراوقات کی کوئی صورت نہیں تھی۔ مسجد میں جب ایک گروہ اکٹھا ہو جاتا تھا تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ یہ اعلان فرمایا کرتے تھے کہ جس کے گھر دو کا کھانا ہو وہ تیسرے کو ساتھ لے جائے اس طرح یہ مہاجرین مختلف گھروں میں بٹتے رہے لیکن کچھ ایسے تھے جن کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی وہ رفتہ رفتہ اسی مسجد میں ہی بسیرا کر گئے اور ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے ستّر یا بعض کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ہو گئی۔

شانِ نزول تو اصحاب الصفّہ ہی ہیں لیکن قرآن کریم کی آیات کو کسی شانِ نزول کی حدود میں محصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ دائمی کلام ہے اور تمام عالم پر اثر انداز ہے اس لئے شانِ نزول تک

قرآن کریم کی آیات کے مضامین کو محدود کرنا یہ خود محدود عقل کی علامت ہے اور قرآن کریم کی شان کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں بعض لوگ یہ رجحان رکھتے ہیں کہ شانِ نزول بیان کی اور معاملے کو وہیں ختم کردیا گویا کہ ہر آیت اپنی شان نزول کے ساتھ مقید ہو کر ماضی کا حصہ بن چکی ہے یہ درست نہیں ہے۔ شانِ نزول کچھ بھی ہو آیات اپنے اندر اس بات کی قوی گواہی رکھتی ہیں کہ ان کا اطلاق وسیع تر ہے اور آئندہ آنے والے زمانوں پر بھی ہوتا چلا جائے گا۔ مثلاً یہی آیت جس میں یہ ذکر ہے کہ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کہ جاہل ان کو تعفّف کی وجہ سے غنی شمار کرتا ہے۔ اب جہاں تک اصحاب الصفّہ کا تعلق ہے کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہوسکتا تھا جو اصحاب الصفّہ کو غنی شمار کرتا ہو کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ہم میں سے اکثر کے پاس تو چادر بھی نہیں تھی جس کو اوڑھ لیتے اور کھانے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ رات کو کوئی دوست کھانا پیش کر دیتے تھے، صبح آنحضورﷺ آکر ہمارا حال دریافت فرماتے اور پوچھا کرتے کہ کچھ کھانے کو ملا یا نہیں؟ اور اس پر ہم عرض کرتے کہ یا رسول اللہ کچھ ملا، تو بہت خوش ہوتے۔ خدا کا شکر ادا کرتے کہ الحمد للہ خدا کی راہ میں فقیروں کو کچھ کھانے کو مل گیا۔

یہ کیفیت جن لوگوں کی ہو ان کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ کوئی بھی جاہل خواہ کیسا بھی جاہل کیوں نہ ہو ان کو امیر سمجھتا تھا اور حاجت مند نہیں سمجھتا تھا یہ ایک بالکل غلط بات ہے اس کا حقیقت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ پھر اگلی بات یہ ہے کہ آنحضرتﷺ کے متعلق فرمایا کہ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ تُو اُن کے چہروں کی علامتوں سے ان کو پہچانتا ہے۔ اصحاب الصفہ کو تو چہروں کی علامتوں سے پہچاننے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ سب سامنے تھے۔ ان کا حال ظاہر و باہر تھا۔ آنحضرتﷺ دن رات ان کی فکر میں غلطاں رہا کرتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کو پہچاننے کی ضرورت ہو۔ یہ شانِ نزول تو یقیناً اصحاب الصفہ ہی ہوں گے جیسا کہ روایات میں بیان ہوا ہے لیکن تمام مسلمان سوسائٹی میں خدا کے ایسے بہت سے بندے تھے جن کے رزق کی راہیں تنگ ہو چکی تھیں اور جو عام روز مرّہ کی زندگی میں اپنی غربت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہی کے متعلق آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو دو تین کھجوریں میسر آجائیں یا دو لقمے میسر آجائیں بلکہ مسکین وہ ہے جو خدا کی راہ میں صبر کے ساتھ گزارا کرتا ہے اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اپنی

ضرورتوں کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا۔ پس اصحاب الصفہ تو اپنے حالات کی وجہ سے ظاہر ہو کر سامنے آچکے تھے کچھ آیات کا مضمون اُن پر اِن معنوں میں ضرور صادق آتا ہے کہ شدید غربت کے باوجود ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے اور فاقوں کے باوجود کسی سے مانگتے نہیں تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایت بارہا آپ نے سنی ہوگی اور بارہا سنائی بھی جائے تو وہ کبھی پرانی نہیں ہوتی کہ ایک دفعہ فاقوں سے بے ہوش ہو گئے اور لوگ سمجھے کہ مرگی کا دورہ ہے چنانچہ جوتیاں سنگھانے لگے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ان کو ہوش میں لانے کے لئے تھپڑ بھی مارے گئے اور لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ مرگی کا دورہ ہے حالانکہ وہ کہتے ہیں کہ میں فاقوں کی وجہ سے بے ہوش ہوا تھا۔ تو جن کی یہ کیفیت ہے ان کا خواہ وہ اصحاب الصفہ میں تھے یا باہر تھے۔ اس وقت تھے یا آئندہ آنے والے تھے ان سب پر ان آیات کا مضمون اطلاق پاتا ہے۔ پھر فرمایا: أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی راہ میں گھیرے میں آگئے اور ان کا باہر جانا ممکن نہیں تھا۔ بعض مفسرین مثلاً قرطبی نے یہ لکھا ہے کہ مراد یہ تھی کہ وہ روزی کمانے کے لئے باہر نہیں جاسکتے تھے کیونکہ اردگرد حالات خراب تھے۔ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اصحاب صفہ کے علاوہ اور مسلمان بھی سارے مدینہ میں بس رہے تھے۔ وہ جب باہر جاسکتے تھے اور کما سکتے تھے تو صرف اصحاب الصفہ پر ہی کیا قیامت آپڑی تھی کہ وہ باہر نہیں جاسکتے تھے ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ جسمانی لحاظ سے باہر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے کیونکہ ایک اور روایت بھی اس تفسیر کو غلط قرار دیتی ہے جب حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ بہتر ہے۔ جس کو دیا جائے اس کی نسبت جو ہاتھ دینے والا ہے وہ بہتر ہے اس قسم کی نصائح کے اثر کے نتیجہ میں اصحاب الصفہ کے متعلق آتا ہے کہ یہ جنگلوں میں لکڑیاں کاٹنے کے لئے چلے جایا کرتے تھے اور جنگلوں سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور وہاں بیچ کر جو کچھ ملتا خود غربت کے باوجود خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے تو اس لئے یہ خیال کہ باہر کا ماحول ان کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتا تھا یہ درست نہیں ہے۔ ان پر کچھ اور قیود تھیں اور وہ قیود حضرت محمد مصطفی ﷺ کی محبت کی قیود تھیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کا دامن چھوڑ کر باہر جانا نہیں چاہتے تھے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ان سے سوال کیا

گیا تو انہوں نے کہا نہیں ۔ہم تو یہیں رہیں گے ،اسی مسجد میں رہیں گے ۔ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ یارسول اللہؐ! ان کو حکم دیں کہ یہ بھی باہر نکل کر کام کریں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں ان کا حال معلوم نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں ۔ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال کیا گیا کہ تم کیوں نہیں باہر نکلتے تو انہوں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میری بہت سی عمر ،عمر کا ایک بڑا حصہ جہالت میں ضائع ہو گیا۔اب زندگی کے باقی دن ہیں ، میں نہیں چاہتا کہ ایک لمحہ بھی ایسا آئے کہ آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائیں اور میں دیکھ نہ سکوں یا آپ کی باتیں نہ سن سکوں تو یہ محبت کے قیدی تھے ۔ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ سے مراد یہ ہے کہ بہت اعلیٰ مقصد کے لئے اللہ کی راہ میں خود قیدی بن کر بیٹھ رہے تھے ورنہ جس طرح مدینہ میں بسنے والے باقی انصار اور مہاجرین کے لئے زمین کھلی تھی اور وہ اپنی کمائی کی خاطر جب چاہیں جہاں چاہیں جا سکتے تھے اس طرح ان پر بھی تو کوئی قید نہیں تھی ۔

یہ جو مضمون ہے یہ اس زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ قادیان کے احمدی باشندوں پر صادق آتا ہے۔ان کے متعلق بھی جو مضمون میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ غربت اور تنگی اور مشکلات کا دور گزرا ہے یہ جسمانی قید تو کوئی نہیں تھی کہ جس کے نتیجہ میں وہ ان مشکلات کے دور میں سے گزرے اور آج تک گزر رہے ہیں بلکہ محض ایک اعلیٰ مقصد کی خاطر خود اپنے آپ کو انہوں نے محصور کر رکھا ہے اور وہ مقاماتِ مقدّسہ کی حفاظت ہے ۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الدّار کی حفاظت ہے اور قادیان کی مقدّس بستی کو ہمیشہ آباد رکھنے کا عزم ہے ۔

پس ایک اصحاب الصفہ وہ تھے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں تھے ۔ کچھ وہ تھے جو مدینہ میں بستے تھے ۔محمد رسول اللہؐ ان کو پہچانتے تھے اور باقی سب کو دکھائی نہیں بھی دیتے تھے کیونکہ وہ سائل نہیں تھے ، مانگنے کے عادی نہیں تھے ۔عزت دار لوگ تھے اور ایک وہ بھی ہیں جو آخرین میں پیدا ہوئے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں پیدا ہوئے اور وہ اصحاب الصفّہ خاص طور پر آج قادیان میں بسنے والے درویش ہیں ۔درویش کی اصطلاح تو اب انہوں نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر لی ہے جو قادیان سے ہجرت کے دوران وہاں ٹھہرے تھے لیکن میں جب درویش کہتا ہوں تو مراد یہ ہے کہ وہ سارے جو قادیان کی عزت

اور اس کے تقدّس کی خاطر قربانی کی روح کے ساتھ قادیان آبسے۔ یہ سارے دور یشانِ قادیان ہی ہیں اور ان پر اصحاب الصفّہ کا اور ان آیات کا مضمون بہت عمدگی سے صادق آتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے فیوض میں سے ایک فیض قرآن کریم میں یہ بھی بیان ہوا کہ وہ آخرین کو اولین سے ملانے والا ہے یعنی ان کے غلاموں میں سے ایک ایسا پیدا ہوگا جو دورِ آخر میں بسنے والے محمد مصطفیٰؐ کے غلاموں کو اوّل دور میں پیدا ہونے والے غلاموں کا ہم عصر کر دے گا، ان کا ساتھی بنادے گا۔ پس قادیان کے یہ درویش بھی انہی ساتھیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے تیرا سو سے لے کر چودہ سو سال تک کے زمانے کی فصیل پاٹ دی اور خدا کے فضل سے اوّلین میں شمار ہوئے۔

ان کے متعلق جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا بہت سی ایسی تجویزیں ہیں جو میرے زیر غور ہیں اور جن کے متعلق مختصراً مختلف وقتوں میں قادیان میں بھی میں جماعت کے سامنے گزارش کرتا رہا ہوں۔ پچھلے خطبہ میں بھی میں نے کچھ بیان کیا تھا۔ اب اسی مضمون کو کچھ اور آگے بڑھا کر جماعت کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ کس رنگ میں ہمیں قادیان کے ان دریشوں کے حقوق ادا کرنے ہیں کیونکہ ان کا ہم پر احسان ہے۔ ہمارا ان پر احسان نہیں ہوگا اگر ہم ان کی خاطر کچھ کریں۔ وہ صحابیؓ جس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا تھا کہ یا رسول اللہؐ! آپ اصحاب الصفہ کو حکم کیوں نہیں دیتے کہ یہ باہر نکل جائیں، اس کا ایک بھائی اصحاب الصفہ میں شامل تھا خود باہر نکلتا تھا اور کماتا تھا اور اچھا کھاتا پیتا تھا۔ اس کے ذہن میں دراصل خاص طور پر اپنا بھائی تھا کہ یہ بھی ہاتھ پاؤں کا ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ کیوں پاگلوں کی طرح یہاں بیٹھ رہا ہے، نکما ہے۔ آنحضرت ﷺ اس کو حکم دیں تو یہ بھی باہر نکلے۔ اس کے جواب میں جو بات آنحضور ﷺ نے بیان فرمائی جس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ تم نہیں اس کا حال جانتے۔ وہ یہ بات تھی کہ بعض دفعہ خدا بعضوں کی وجہ سے دوسروں کو رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں کیا پتہ کہ تمہیں جو رزق مل رہا ہے وہ اس کی برکت سے مل رہا ہو۔ یہ ان کے وہ چھپے ہوئے حال تھے جن کا ایک ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اس جواب میں کیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ قادیان کے درویشوں کی برکت بھی اسی طرح سب دنیا کی جماعتوں کے اموال میں شامل ہو چکی ہے۔ ان کی سہولتوں اور ان کی آسائشوں میں شامل ہو چکی ہے۔ وہ لوگ جو شعائر اللہ کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں ان کی برکتیں پھیلتی ہیں اور ہم اگر ان کی خاطر کچھ کریں

گے تو ان پر احسان کے طور پر نہیں بلکہ ان کے احسان کا بدلہ اتارنے کی کوشش میں کچھ کریں گے۔ اگر ان کی برکت سے خدا تعالیٰ نے ہمیں مثلاً وسیع رزق عطا نہ بھی کیا ہو تب بھی ان کا حق ہے کہ وہ ساری جماعت کی خاطر ایک فرضِ کفایہ ادا کرتے ہوئے قادیان میں بیٹھ رہے اور انہوں نے بہت ہی عظیم خدمت سرانجام دی ہے لیکن جیسا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کی ہے اس میں ادنیٰ سا بھی شک نہیں کہ وہ لوگ جو خدا کی خاطر اسیر ہو جاتے ہیں جیسا کہ پاکستان میں اسیر ہیں جن کو باہر نکلنے کی اس لئے طاقت نہیں کہ زنجیروں نے باندھ رکھا ہے یا جیل خانے کی دیواریں حائل ہیں یا وہ گیٹ حائل ہیں جن میں سلاخیں جڑی ہوئی ہیں۔ وہ بھی اصحاب الصفہ کی ایک قسم ہیں اور قادیان کے وہ درویش خصوصیت کے ساتھ جن پر ظاہری پابندیاں کوئی نہیں ہیں۔ کوئی زنجیریں ان کے پاؤں باندھنے والی نہیں۔ کوئی ہتھکڑیاں ان کے ہاتھوں کو جکڑنے والی نہیں لیکن ایک فرض کی ادائیگی کے طور پر ایک اعلیٰ مقصد کی خاطر قربانی کرتے ہوئے وہ نسلاً بعد نسلٍ قادیان کے ہو رہے ہیں ان کا حق ہے اور ان کے حقوق ہمارے اموال میں داخل ہیں اور ہماری سہولتوں میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ وہ مضمون ہے جو قرآنِ کریم نے ایک دوسری جگہ بیان فرمایا ہے۔ جہاں فرمایا وَفِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (الذّاریات: ۲۰) کہ جو لوگ امیر ہیں کھاتے پیتے ہیں جن کو آسائشیں عطا ہوئی ہیں ان کے اموال میں سائل کے حق بھی ہیں اور محروم کے حق بھی ہیں۔ محروم سے یہاں مراد وہ مسکین ہے جس کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمائی اور یہ تعریف اصحاب الصفہ کے ضمن میں بیان ہوئی تھی۔ پس قادیان والے سائل تو نہیں ہیں لیکن بہت سے خاندان محرومین میں داخل ہیں۔ ان کے لئے جو تحائف جماعت نے بھجوائے، بہت ہی اچھا کام کیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سے بہت فوائد حاصل ہوئے لیکن یہ ایسا کام ہے جو مستقلاً باقاعدہ منصوبے کے تحت کرنے والا کام ہے۔

وقفِ جدید کا میں نے جو نیا اعلان کیا تھا کہ وقفِ جدید کو باہر کی دنیا میں بھی عام کر دیا جائے صرف پاکستان تک محدود نہ کیا جائے۔ اس سے اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت اس میں اللہ تعالیٰ کی یہی تقدیر تھی کہ قادیان اور ہندوستان کی محصور جماعتوں کے لئے ہمیں باہر سے بہت کچھ کرنا تھا اور اگر یہ تحریک نہ ہوتی تو بہت سے ایسے اہم کام جو سرانجام دینے کی توفیق ملی ہے ان سے

ہم محروم رہتے۔ پس اس کے لئے جہاں تک چندوں کا تعلق ہے میں کوئی اور خصوصی تحریک نہیں کرنا چاہتا۔ وقف جدید کی تحریک کو آپ مزید تقویت دیں۔ اس وقت تک وقف جدید بیرون میں تقریباً ایک لاکھ پاؤنڈ کے وعدے ہو چکے ہیں اور وقف جدید کا قادیان سے یا ہندوستان کی جماعتوں سے جو گہرا تعلق ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اشارے کی صورت میں اس طرح بھی ظاہر ہوا کہ میں نے قادیان میں جلسہ کے دوران پڑھائے جانے والے جمعہ میں یہ بیان کیا تھا کہ جب وقف جدید کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے ربوہ میں پہلا خطبہ دیا ہے تو وہ ۲۷؍ دسمبر تھی اور جلسہ کا درمیانی دن تھا اور قادیان میں اب جب میں حاضر ہوا تو جلسہ کے عین درمیان میں جمعہ آیا اور وہ ۲۷؍ دسمبر کا دن تھا اور اسی دن وقفِ جدید کا مجھے بھی اعلان کرنا تھا کیونکہ دستور یہی ہے کہ سال کے آخری جمعہ میں اعلان کیا جاتا ہے۔ تو اس وقت میری توجہ اس طرف مبذول کروائی گئی کہ یہ توارد کوئی خاص معنی رکھتا ہے۔ پس یقیناً یہ توارد اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ وقفِ جدید کا ایک تعلق تو پاکستان سے تھا جس کا آغاز پاکستان سے کیا گیا لیکن وہ دوسرا تعلق جس کے لئے میں نے تحریک کی تھی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا یافتہ فعل ہے اور خدا کے منشاء اور تائید کے مطابق ہی ایسا ہوا ہے اور قادیان اور ہندوستان کی جماعتوں کو بھی تمام بیرونی دنیا کے احمدیوں کی غیر معمولی مالی امداد اور قربانی کی ضرورت ہے اور وہ وقفِ جدید کے راستے سے کی جائے۔

چنانچہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس وقت تک ایک لاکھ پاؤنڈ سالانہ کے وعدے ہو چکے ہیں لیکن جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے ہمیں قادیان اور ہندوستان پر سالانہ کم از کم ایک کروڑ خرچ کرنا ہوگا اور آئندہ کئی سالوں تک اس کو مسلسل بڑھانے کی کوشش کرنی ہوگی کیونکہ جو تفصیلی منصوبے قادیان کی عزت اور احترام کو بحال کرنے کے لئے میں نے بنائے ہیں اور جو تفصیلی منصوبے ہندوستان میں جماعت کے وقار اور جماعت کی تعداد اور رعب اور عظمت کو بڑھانے کے لئے بنائے ہیں وہ کروڑ ہا روپے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے جلسہ قادیان میں بھی بیان کیا تھا کہ میرا یہ تجربہ ہے کہ جب بھی ہم کوئی نیک کام خدا کی خاطر، اس کی رضا کی خاطر شروع کرتے ہیں تو خواہ کتنے بڑے اموال کی ضرورت ہو اللہ تعالیٰ رستے کی سب روکیں دور فرما دیتا ہے اور وہ اموال مہیا ہو جاتے ہیں اور اگر کم بھی ہوں تو ان میں برکت بہت پڑتی ہے اور کبھی بھی میں نے یہ

نہیں دیکھا کہ کوئی منصوبہ خالصۃً للہ بنایا گیا ہو اور جب اس پر عمل کرنا ہو تو روپے کی کمی یا دیگر ایسی مجبوریاں حائل ہو جائیں اور ہم اس پر عمل درآمد کرنے سے محروم رہ جائیں ایسا کبھی نہیں ہوا نہ آئندہ کبھی انشاء اللہ ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت سے خاص سلوک ہے۔ یہ ایک زندہ خدا کا تعلق ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا جب تک جماعت خدا تعالیٰ سے تعلق قائم رکھے گی۔ پس فکر کے طور پر میں عرض نہیں کر رہا بلکہ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ آئندہ قادیان اور ہندوستان کی محصور جماعتوں کے لئے جو بھی خدمتیں کرنی ہوں ان کے لئے رخ، رستہ وقف جدید کے چندے کا رستہ ہے۔ اس راہ سے باقاعدہ مسلسل قربانی پیش کرتے رہیں جو وقتی طور پر تحریکیں ہیں وہ ایک دو سال کے کام تو کر دیتی ہیں لیکن مستقل ضرورتیں پوری نہیں کرسکتیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قادیان اور ہندوستان کی ضرورتیں لمبے عرصہ کی ضرورتیں ہیں اور جماعت کے بہت بڑے مفادات ان سے وابستہ ہیں۔ ہندوستان میں جماعت کی خدمت کرنے میں اتنے عظیم الشان عالمی مفادات ہیں کہ اگر آپ کو ان کا تصوّر ہو تو دل میں غیر معمولی جوش پیدا ہو اور کبھی بھی اس خدمت سے نہ تھکیں۔ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ صدی کے ساتھ ہندوستان کی جماعتوں کے بیدار ہونے، قادیان کی عظمت کے بحال ہونے اور وہاں کثرت سے جماعت کے پھیلنے کا ایک بہت ہی گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق مقدّر رہے۔ اس کے نتیجہ میں عظیم انقلابات برپا ہوں گے اس لئے اس بات کو معمولی اور چھوٹا نہ سمجھیں۔ جب خدا آپ کو غور کی توفیق عطا فرمائے گا تو آپ اندازہ کریں گے کہ کتنے بڑے بڑے عظیم مقاصد اس منصوبے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

جہاں تک قادیان کے اندر بعض منصوبوں پر عملدرآمد کا تعلق ہے، ہسپتال بھی ان منصوبوں میں سے ایک تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہسپتال کو بہت بہتر حال تک پہنچانے کی توفیق مل چکی ہے۔ گزشتہ دو تین سال سے ہم یہ کوشش کر رہے تھے کہ بجائے اس کے کہ ایک چھوٹی سی ڈسپنسری جہاں ایک اَن کوالیفائیڈ غیر تعلیم یافتہ ڈاکٹر بیٹھا ہوا ور آنے والے کی مرہم پٹی کر لے یا پیٹ درد کے لئے کوئی مکسچر بنا کر دے دے، قادیان کا ہسپتال تو چوٹی کا ہسپتال ہونا چاہئے۔ اس میں ہر قسم کی جرّاحی کے سامان ہونے چاہئیں۔ ہر قسم کے جدید سامان اور آلات مہیا ہونے چاہئیں۔ اس ہسپتال

کا نام روشن ہونا چاہئے ۔ بجائے اس کے کہ قادیان کے ہر مریض کو کٹھیوں میں ڈال کر بٹالہ یا امرتسر یا جالندھر بھجوایا جائے ، بٹالہ یا امرتسر یا جالندھر یا دیگر علاقوں سے لوگ قادیان کے ہسپتال میں شفاء کے لئے آئیں ۔ کیونکہ جو شفا خدا نے قادیان کے ساتھ وابستہ کر رکھی ہے اُس سے اردگرد کا علاقہ فی الواقعہ ہی محروم ہے کیونکہ اس شفا کے ساتھ دعاؤں کا بھی تعلق ہے ۔ اس شفاء کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیئے گئے وعدوں کا تعلق ہے ۔ پس اگر ہسپتال کی ظاہری حالت بہتر بنائی جائے تو مجھے یقین ہے کہ جو شفا اس ہسپتال میں تمام پنجاب کے باشندوں کو یا باہر سے آنے والوں کو نصیب ہوگی اس کا عشر عشیر بھی وہ باہر نہیں دیکھیں گے ۔ چنانچہ ابھی سے یہ محسوس ہونا شروع ہوا ہے کہ اگر چہ ابھی پوری طرح قادیان کے ہسپتال کے وقار کو بحال نہیں کیا جا سکا ۔ لیکن جو کچھ بھی کیا جا چکا ہے اس کے نتیجہ میں مریضوں کا غیر معمولی رخ ہو چکا ہے اور بہت سے مریض دور دور سے آتے ہیں جن کو توفیق ہے کہ بہت بڑے ہسپتالوں میں جا کر زیادہ سے زیادہ اخراجات کر سکیں وہ بھی قادیان یہ کہہ کر اس نیت کے ساتھ آتے ہیں کہ جو شفاء یہاں میسر ہے وہ باہر نہیں مل سکتی ۔ پس اس ضمن میں ابھی آنے سے پہلے ان کی بعض ضروریات کے سامان مہیا کر کے آیا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت نے جو کچھ پیش کیا تھا اسی میں سے وہ خرچ بھی کیا گیا ۔ بہترین ایکسرے کی مشینیں وہاں لگ چکی ہیں ۔ تجربات کی بہترین مشینیں کچھ وہاں لگ چکی ہیں کچھ مہیا کی جارہی ہیں ۔ ہر قسم کے جدید آلات جو مریضوں کی سہولت کے لئے ضروری ہیں اُن کے لئے اخراجات مہیا کر دیئے گئے ہیں اور موجودہ ہسپتال کے ساتھ قادیان کا جو رہائشی علاقہ تھا سر دست اس میں سے ایک حصہ ہسپتال کے لئے وقف کر دیا گیا ہے ۔ اس سے پہلے خدا تعالیٰ نے جو توفیق بخشی تھی کہ مکانات بنائے جائیں اور ان میں سے کچھ تقسیم کے لئے بھی ہوں ۔ یہ سکیم تھی جو بیوت الحمد کے نام سے جاری کی گئی تھی اس میں تقسیم کے لئے جو مکانات تھے وہ تو بیس تھے لیکن ۲۳ مکانات بنائے گئے تھے ۔ اب ان کا یہ فائدہ پہنچ رہا ہے کہ قادیان کے مرکزی علاقے سے بعض درویش خاندانوں کو دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری ہو تو بڑی سہولت سے ایسا ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ یہ تجویز مکمل ہوگئی ہے ۔ مکانوں کی نشاندہی ہوگئی ہے ۔ اب دوسرے دَور میں یہاں سے انشاء اللہ عبدالرشید صاحب آرکیٹیکٹ وہاں جا کر اُن مکانوں کو ہسپتال کے اندر جذب کرنے کے لئے نہایت جدید طریق

پر ایک ایسا منصوبہ پیش کریں گے کہ جس سے یہ نہیں لگے گا کہ گویا پرانے مکان ساتھ مدغم کئے گئے ہیں بلکہ ایک ہی رنگ کا مکمل ہسپتال رونما ہوگا تو آئندہ چھ سات مہینے کے اندر اندر انشاء اللہ وہاں کے ہسپتال کے اندر ایک نئی شان وشوکت پیدا ہوگی اور یہ ساری عالمی جماعت کی قربانیوں کا نتیجہ ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی جماعت قربانیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہے گی۔

ہسپتال کے سلسلہ میں ایک یہ بھی منصوبہ بنایا گیا ہے کہ بیرونی ڈاکٹر جو کسی نہ کسی فن میں غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں یا ملکہ ان کو عطا ہوا ہے اور وہ جب بھی ان کو توفیق ملے قادیان کے ہسپتال کے لئے وقف کریں اور اس صورت میں ہم وہاں کیمپ لگایا کریں گے ۔ مثلاً کوئی آنکھوں کے آپریشن کا ماہر ہے اور وہ ایک مہینہ دو مہینے وقف کرتا ہے تو دور دور کے علاقے سے لوگوں کو یہ دعوت دی جائے گی کہ آئیں اور قادیان سے مفت فیض حاصل کریں اور ان آپریشنوں کی کوئی فیس نہیں لی جائے گی یا اگر لی گئی تو اس رنگ میں کہ صاحب حیثیت امراء سے کچھ لے لیا جائے گا اور غرباء کا محض مفت علاج ہوگا اسی طرح دل کے ماہرین ہیں ۔ پھیپھڑوں کے ماہرین ہیں اور انتڑیوں وغیرہ کی بیماریوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین ہیں ۔ اعصابی امراض کے ماہرین ہیں، سرجری میں ہڈیوں کی سرجری کے سپیشلسٹ ، دل کی سرجری کے سپیشلسٹ وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک میں نظر ڈال کر دیکھ رہا ہوں خدا کے فضل سے ہر مرض کے علاج میں اس وقت احمدی ماہرین مہیا ہو چکے ہیں اور خدا کے فضل سے اپنے اپنے دائرے میں بہت شہرت یافتہ لوگ ہیں۔

ہر قسم کی جراحی کا کام اگر چہ اس وقت وہاں نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے لئے ایک سپورٹ کمپلیکس کی ضرورت ہوا کرتی ہے ۔ مثلاً دل کا سرجن یعنی جو دل کا ماہر جرّاح ہے وہ ہر جگہ تو ہسپتال میں جا کر آپریشن نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے بہت سے ایسے متعلقہ سامان چاہئیں ، بہت سے ایسے ماہرین چاہئیں جو سب مل کر وہ فضا قائم کرتے ہیں جس میں جرّاحی کا وہ درخت لگتا ہے تو امید یہی ہے کہ انشاء اللہ رفتہ رفتہ اس ہسپتال کو بڑھاتے بڑھاتے اس مقام تک پہنچا دیں گے کہ جس میں دنیا کے بہترین ہسپتالوں میں اس کا شمار ہو اور خدا کے فضل سے آغاز ہو چکا ہے۔

ایک اور پہلو تعلیم کا ہے ۔ اس حصہ میں میں جماعت کو دعاؤں کی تحریک کرتا ہوں کہ ابھی بہت سی روکیں ہیں ۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کے سکول اور کالج کا تعلق ہے اگر چہ حکومت نے

صدر انجمن کے نام یہ جائیدادیں بحال کر دی ہیں اور اس میں ہم ہندوستان کی عدلیہ کے بڑے ممنون ہیں جنہوں نے بہت ہی اعلیٰ انصاف کے ساتھ کارروائی کی ۔ کسی تعصب کو انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا اور اس ثبوت کے مہیا کرنے پر کہ وہ صدر انجمن احمدیہ جو اُن چیزوں کی مالک تھی بلا انقطاع قادیان میں موجود رہی ہے اور وہی مالک ہے اس لئے اس کو مہاجر قرار دے کر تمہیں ان جائیدادوں پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں ۔ اس دلیل پر ہندوستان کی عدلیہ نے انصاف کا بہت ہی اعلیٰ نمونہ دکھایا اور یہ جائیدادیں بحال کر دیں ۔ لیکن جب تک یہ جائیدادیں بحال ہوئیں اس وقت تک بہت سے اداروں پر دوسرے قابض ہو چکے تھے ۔ مثلاً تعلیم الاسلام کالج جو پہلے تعلیم الاسلام سکول ہوا کرتا تھا اسے اس وقت سکھوں کا ایک ادارہ ہے جو چلا رہا ہے ۔ نام اس کا مجھے یاد نہیں ، خالصہ نام سے کوئی ادارہ ہے اور وہ انہی کے قبضہ میں ہے مگر صورتحال یہ ہے کہ اس کا معیار اتنا گر چکا ہے کہ دیکھ کر رونا آتا ہے ۔ جس حال میں ہم نے تقسیم کے وقت اس عمارت کو چھوڑا تھا اس حال سے بہت زیادہ بدتر ہو چکی ہے لیکن اس کو بحال کرنے کے لئے یا اس میں مزید اضافے کی خاطر کوئی بھی خرچ نہیں کیا گیا یہانتک کہ جو کمرہ زیرِ تعمیر تھا ، جس کی چھت پڑنے والی تھی ، جس حالت میں اینٹیں پڑی تھیں اسی طرح آج بھی پڑی ہیں اور وہ تالاب جسے پیچھے چھوڑ کر آئے تھے جو سکول کا سوئمنگ پول (Swimming Pool) تھا بعد میں کالج کا بن گیا اسے اس زمانہ میں ٹینک (Tank) کہا کرتے تھے اور اس کی حالت یہ ہے کہ اس میں اب گندا پانی جمع ہے کوئی دیکھ بھال کا انتظام نہیں ۔ لیکن وہ وقارِ عمل سے اور بڑی دعاؤں کے ساتھ تیار کیا گیا تھا ۔ اسکی تعمیر ایسی اعلیٰ اور پختہ ہے کہ میں نے پھر کر دیکھا ہے ایک اینٹ بھی ابھی اپنی جگہ سے نیچے نہیں بیٹھی حالانکہ کھلے آسمان کے نیچے بغیر دیکھ بھال کے پڑا ہوا ہے ۔ تو اصل دعا تو یہی کرنی چاہئے کہ قادیان میں تعلیمی اداروں کو بحال کرنا ہے تو یہ عمارتیں جماعت کو واپس ملیں ۔ اس سلسلہ میں کچھ گفت وشنید کا میں وہاں آغاز کر آیا ہوں ۔ کچھ یہاں سے سکھوں کی اس لیڈر شپ سے بھی بات کریں گے جو باہر ہے اور پنجاب میں بھی اس تحریک کو چلایا جائے گا ۔ اگر وہ ہمیں یہ ادارہ واپس کر دیں تو بہت وسیع کھیل کے میدان بھی اس کے ساتھ ہیں اور ایسا شاندار کالج دوبارہ وہاں قائم کیا جا سکتا ہے جو تمام پنجاب بلکہ ہندوستان میں ایک شہرت اختیار کر جائے ۔ دور دور سے طلباء وہاں آئیں ۔ بہترین اس کے

معیار ہوں اور اس کے ساتھ ہی سکول کا قیام بھی تعلق رکھتا ہے۔ پہلے خیال تھا کہ کالج کے قرب میں الگ سکول تعمیر کیا جائے جو بہترین معیار کا ہو۔

مگر سوال یہ ہے کہ اگر سکول بہترین معیار کا بنا دیا جائے اور کالج جس حال میں ہے اسی حال میں ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ۔سکول کے چند سالوں کے بعد بچوں کو پھر باہر نکلنا پڑے گا اور پھر غیر فضا سے بداثرات قبول کرنے کے احتمال باقی رہیں گے اور محض سکول سے کسی مقام کی شان نہیں بڑھا کرتی ۔اس کے ساتھ ایک تعلیمی تسلسل ہونا چاہئے ۔آئندہ تعلیم کا انتظام ۔اس سے آگے تعلیم ۔حتّٰی کہ اس معیار کو زیادہ سے زیادہ بلند کیا جائے اور پھر وسیع کیا جائے ۔ یہ مقاصد ہیں جن کے پیش نظر ہمیں قادیان میں تعلیمی سہولتیں مہیا کرنی ہیں اور بہت اعلیٰ پیمانے کی تعلیمی سہولتیں مہیا کرنی ہیں ۔میرے ذہن میں جو نقشہ ہے وہ یہ ہے کہ زبانوں کے لحاظ سے بھی یہ بہترین سکول اور بہترین کالج ہو جائیں اگر جرمن زبان پڑھانی ہے تو باہر سے جرمن قوم کے لوگ وہاں جا کر ٹھہریں اور خدا کے فضل سے ایسے موجود ہیں جو میری تحریک پر اپنے آپ کو پیش کر دیں گے۔انگریز انگریزی پڑھائیں ۔عرب عربی پڑھائیں اور اسی طرح مختلف زبانوں کے ماہرین جو اپنے ہاں اہل زبان کہلاتے ہیں وہ جا کر ان بچوں کو تعلیم دیں تو اس پہلو سے پنجاب میں خصوصیت کے ساتھ اتنا بڑا خلا ہے۔اگر ہمیں یہ توفیق ملے تو انشاء اللہ تعالیٰ بڑی دور دور تک اس تعلیمی ادارے کا شہرہ ہوگا۔ کیونکہ بدنصیبی سے سکھوں نے توہّم پرستی کے تابع ہو کر پنجابی پر اتنا زور دے دیا ہے کہ اب وہاں تقریباً تمام اداروں میں پنجابی میں ہی تعلیم دی جارہی ہے اور باقی زبانیں عملاً کالعدم ہیں یا انہیں کالجوں سے اگر باقاعدہ دیس نکالا نہیں ملا تو ان کی حوصلہ افزائی کا ایسا انتظام نہیں ہے جس کی وجہ سے باقی زبانیں عملاً مر چکی ہیں یا محض رسمی طور پر پڑھائی جاتی ہیں اور اس کا شدید نقصان سکھ قوم کو پہنچے گا ۔میں نے ان کے لیڈروں کو یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ تم لوگ بہت ہی غلط فیصلہ کر چکے ہو۔پنجابی کو مقام دو، بے شک اس کی خدمت کرو، یہ تمہارے لئے جائز ہے،قومی لحاظ سے ضروری بھی ہوگا،لیکن بین الاقوامی زبانوں کو چھوڑ کر اگر صرف پنجابی میں تعلیم دی تو باہر نکل کر یعنی پنجاب سے باہر جا کر یا تم جتنی تعلیم دے سکتے ہو ان حدود سے اوپر جا کر یہ بچے کیا کریں گے ۔دنیا میں سائنس کی ساری کتابیں یا انگریزی میں ملیں گی یا جرمن میں ملیں گی یا فرنچ میں ملیں گی یا جاپانی

میں ملیں گی اور پنجابی میں تو کوئی کتاب نظر نہیں آئے گی اور دنیا کے دوسرے ادارے ان کو قبول ہی نہیں کریں گے تو یہ دراصل ایک وسیع پیمانے پر علمی خودکشی ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہندوستان کی حکومت کا ایک قانون یہ ہے کہ کسی صوبے میں جو تعلیمی پالیسی ہے، اس صوبے سے متعلق ادارے اس تعلیمی پالیسی کے اختیار کرنے کے پابند ہیں لیکن ہر صوبے میں مرکزی تعلیمی اداروں سے تعلق رکھنے کے امکانات ہیں اس لئے پنجاب کا کوئی تعلیمی ادارہ دہلی کے تعلیمی نظام سے متعلق ہونا چاہے تو وہ ہوسکتا ہے۔علی گڑھ کے تعلیمی نظام سے متعلق ہونا چاہے تو وہ ہوسکتا ہے اور اس پر پھر اسی ادارے کا قانون صادر ہوگا جس سے وہ متعلق ہے تو اس لئے جماعت احمدیہ کی راہ میں ایک نہایت اعلیٰ پیمانے کا تعلیم اور تدریس کا نظام جاری کرنا مشکل نہیں ہے اور قانوناً کوئی روک نہیں ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ یہ نمونہ جب قائم ہوگا تو باقی سکھ اداروں کو بھی ہوش آئے گی اور وہ بھی ہماری تقلید کی کوشش کریں گے اور قومی فائدہ پہنچے گا۔تو اس ضمن میں جب باہر سے اساتذہ بلانے کا یا اور خدمات کا وقت آئے گا تو میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ ساری دنیا کی جماعتیں اس میں حصہ لیں گی۔

سرِ دست تو میں دعا کی تحریک کررہا ہوں کہ بہت باقاعدگی سے، سنجیدگی سے دل لگا کر دعا کریں کہ قادیان کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرنے کے لئے خدا پھر ہمیں توفیق بخشے کہ پرانے تعلیمی اداروں کی روایات کو زندہ کرسکیں اور جو کردار وہ پہلے ادا کرتے رہے ہیں ازسرِ نو پھر وہ یہ کردار ادا کرسکیں ۔ قادیان کو تو ساری دنیا میں علم کا مرکز بننا ہے اور خدا نے اس کام کے لئے اُسے چن رکھا ہے۔ پارٹیشن سے پہلے کی بات کررہا ہوں کہ جن دنوں میں قادیان ایک چھوٹی سی بستی تھا مگر علمی لحاظ سے اس کی بڑی شان تھی اور پنجاب میں دور دور تک قادیان کے سکول سے نکلے ہوئے طلبا کی عزت کی جاتی تھی ، احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ کالجوں میں داخل کرنے کی راہ میں کوئی روک نہیں ہوا کرتی تھی ۔انگریزی زبان کا معیار اتنا بلند تھا اور کھیلوں کا معیار اتنا بلند تھا کہ ان دو غیر معمولی استثنائی امتیازات کی وجہ سے قادیان کے طلباء جب چاہیں گورنمنٹ کالج میں، ایف سی کالج میں ،کسی بہترین ادارے میں داخل ہونا چاہیں تو ان کو عزت کے ساتھ لیا جاتا تھا۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو خدا کے فضل سے یہ دونوں امتیاز حاصل تھے کہ

انگریزی زبان میں بھی غیر معمولی ملکہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، ایک قدرت حاصل تھی اور فٹ بال کے بھی بہترین کھلاڑی تھے یہاں تک کہ جب میں گورنمنٹ کالج میں داخل ہوا ہوں تو اس وقت تک حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی تصویر اُن طلباء کی صف میں لٹکی ہوئی تھی جنہوں نے گورنمنٹ کالج میں غیر معمولی اعزازی نشانات حاصل کئے تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے مجھے بتایا کہ ان کا انگریز پروفیسر غالباً Stefencen نام تھا، مجھے پوری طرح یاد نہیں، اس نے ایک دفعہ اُن سے کہا کہ قادیان میں تم لوگ کیا کرتے ہو؟ وہاں تو میں نے دیکھا ہے کہ دو چیزوں کے کارخانے لگے ہوئے ہیں، اچھے انگریزی دان اور اچھے کھلاڑی۔ جو بھی قادیان کا طالب علم آتا ہے اس کا زبان کا معیار بہت بلند ہے اور کھیلوں کا معیار بہت بلند ہے اور کھیلوں کا معیار واقعۃً اتنا بلند تھا کہ قادیان کی سکول کی ٹیم پنجاب کے چوٹی کے کالجوں سے ٹکرایا کرتی تھی اور اکثر ان کو شکست دے دیتی تھی۔ قادیان کی کبڈی کی ٹیم سارے پنجاب میں اوّل درجے کی ٹیم تھی۔ تو کھیلوں کا معیار بھی تعلیم کے ساتھ ساتھ بلند تھا اور ان دونوں چیزوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ اچھے تعلیمی اداروں میں ہمیشہ اچھے کھلاڑی بھی پیدا ہوتے ہیں اور لازماً عقل اور ذہن کی صحت کے ساتھ جسمانی صحت کی طرف بھی یہ ادارے توجہ دیتے ہیں۔

اب قادیان میں دوسری مشکل یہ درپیش ہے کہ ان کے لئے کھیلوں کا کوئی انتظام نہیں ہے میں نے سکول کے بچوں سے بچیوں سے سوالات کئے۔ وہاں لجنہ سے، خدام الاحمدیہ سے جائزے لئے تو یہ دیکھ کر بہت ہی تکلیف ہوئی کہ غیروں نے تو تعلیم کی طرح کھیلوں کی طرف بھی توجہ چھوڑ دی ہے اور قادیان کے سکولوں اور کالجوں میں کوئی بھی معیار نہیں رہا، نہ تعلیم کا نہ کھیل کا، ہر لحاظ سے پیچھے جا پڑے ہیں حالانکہ اللہ کے فضل سے علاقے میں صحت کا معیار بہت بلند ہے اور اگر جذبہ ہوتا، ایک انتظام کے تحت علم اور صحت دونوں کی طرف توجہ کی جاتی تو قادیان ابھی بھی خدا کے فضل سے یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ پنجاب میں اسی طرح چمکے جس طرح پہلے چمک کر دکھا چکا ہے تو کھیلوں کی طرف ہمارے اندرون میں یعنی قادیان کے اس حصہ میں بھی کوئی توجہ نہیں جس میں درویش بستے ہیں اور اس طرح بچوں کی زندگیاں ضائع ہو رہی ہیں۔ لڑکیوں کے لئے کھیلنے کا کوئی انتظام نہیں۔ محدود علاقے میں قید ہیں۔ پس تعلیمی منصوبے کے علاوہ ایک منصوبہ یہ بنایا گیا ہے کہ ان کے لئے

ہر قسم کی صحت جسمانی کے سامان مہیا کئے جائیں۔ بہترین Gymnasium بنائے جائیں۔ لجنہ کے لئے ایک کھلی زمین خرید کر یا اگر کوئی موجودہ زمین اس کام کے لئے مل سکتی ہو تو اسے احاطہ کر کے لڑکیوں اور عورتوں اور طالبات وغیرہ کے لئے وقف کر دیا جائے۔ وہاں ہر قسم کی جدید کھیلوں کے انتظام ہونے چاہئیں اور باہر سے کوئی احمدی بچیاں کسی فن میں مہارت رکھتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی کئی کھیلوں کی اچھی اچھی ماہر بچیاں ہیں تو وہ وہاں اپنا وقت لگائیں۔ وہاں جا کر ان کو تعلیم و تربیت دیں۔ تو ان کے لئے کچھ تو ایسا سامان ہونا چاہئے جس سے وہ دل کی فرحت اور سکینت محسوس کریں۔ محض ایک سنجیدہ ماحول میں جو روحانی سہی لیکن اتنا تنگ ماحول ہے کہ اس میں زندگی گھٹی گھٹی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے ماحول میں ان بچیوں کو اور لڑکوں اور بڑوں کو زندگی بسر کرنے پر مجبور رکھنا یہ ظلم ہے اس لئے عالمی جماعت کا یہ فرض ہے کہ ان کی اس قسم کی علمی اور صحت جسمانی کی ضرورتیں ضرور پوری کریں اور اس شان سے پوری کریں کہ علاقے میں اسکی کوئی مثال نہ ہو۔ پس اس بارہ میں میں ہدایات دے آیا ہوں کہ اب تفصیلی منصوبے بنانا تمہارا کام ہے۔ بناؤ اور جو بھی بناؤ گے انشاء اللہ عالمی جماعت فراخدلی کے ساتھ ان پر عمل درآمد کرنے میں تمہاری مدد کرے گی۔ اور میری خواہش ہے کہ آئندہ جلسہ سے پہلے پہلے عورتوں اور مردوں کے لئے یہ سپورٹس کمپلیکس مکمل ہو چکے ہوں یا مکمل نہ سہی تو نظر آنے شروع ہوں اور ان کا فیض دکھائی دینے لگے۔ ہمارے احمدی بچوں کے چہروں پر صحت دکھائی دے اس لئے یہ بھی وہ ایک ضروری منصوبہ ہے جو شروع کیا جا چکا ہے لیکن یہ قادیان تک محدود نہیں رکھنا۔ علمی اور صحت کے یہ دونوں منصوبے ہندوستان کی باقی جماعتوں میں ممتد ہوں گے کیونکہ ان کی بھی محصور کی سی ایک کیفیت ہے۔ بہت سے ایسے علاقے ہیں جہاں مسلمان بعض راہنماؤں کی غلطیوں کی وجہ سے اپنے بنیادی حقوق سے محروم رکھے جا رہے ہیں۔ ان میں جماعت احمدیہ بھی ان تکلیفوں میں حصہ دار بنی ہوئی ہے اگر چہ غلط پالیسیوں کے ساتھ جماعت احمدیہ کا کوئی تعلق نہیں لیکن دوسری مصیبت یہ ہے کہ پاکستان کی طرح کے ملاں وہاں بھی جماعت کے خلاف نفرت کی تحریکات چلاتے اور بھڑکاتے ہیں اور کوئی ہوش نہیں کر رہے کہ باہر کی دنیا میں کیا گندا اثر پیدا کر رہے ہیں اس لئے احمدیوں کے لئے دوہری مشکلات ہیں اور وہ ان مخالفتوں میں محصور ہو چکے ہیں۔ چنانچہ بعض جماعتوں کے ساتھ جب تفصیلی انٹرویو ہوئے تو پتا لگا

کہ واقعتاً ان کی محصور کی سی کیفیت ہے۔ وہ عام روزمرّہ کے اپنی زندگی کے حقوق سے کلیۃً محروم ہیں۔ مسلمان ان سے کنی کتراتے ہیں۔ ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات نہیں رکھتے کیونکہ ان کو نفرتوں کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ہندو ویسے ہی دور ہٹتے چلے جارہے اور دن بدن ہندو قوم پرستی یا تشدّد پرستی کی جو تحریکات ہیں وہ زیادہ قوی ہوتی جارہی ہیں اور یہ دراصل پاکستان اور بعض دوسرے مسلمان ممالک کی جہالت کا طبعی نتیجہ ہے۔ سورَنگ میں ان کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اسے قومیائی حدود میں جکڑو نہیں اور غیروں کے مقابل پر ایسے ذرائع اختیار نہ کرو کہ وہ سمجھیں کہ تم اپنے مذہب کو زبردستی ان پر ٹھونستے اور ان کو ان کے حقوق سے محروم کرتے ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو اس کا ردعمل پیدا ہوگا۔ اور اگر اس کے بعد ہندو منوسمرتی کی تعلیم کی طرف رخ کریں اور یہ اعلان کریں کہ اگر پاکستان میں مسلمانوں کو حق ہے کہ قرآن کی تعلیم کو ساری قوم پر ٹھونس دیں خواہ کوئی اسے قبول کرے نہ کرے تو ہمارا کیوں حق نہیں کہ ہم منوسمرتی کی تعلیم کو ساری ہندوستانی قوم پر ٹھونسیں خواہ کوئی قبول کرے یا نہ قبول کرے۔ پس غلطیوں کے یہ جو دوررس نتائج ہیں ان سے آنکھیں بند ہیں۔ دو قدم سے زیادہ دیکھ نہیں سکتے اور یہ جو نظر کی کمزوری کی بیماری ہے یہ جب راہنماؤں میں ہو جائے تو ساری قوم کے لئے ہلاکت کا موجب بنتی ہے۔ بہر حال ہندوستان میں جو یہ شدید رَو چل پڑی ہے یہ بہت ہی خطرناک عزائم کو ظاہر کر رہی ہے اور دن بدن مجھے ڈر ہے کہ اگر یہ رَو اسی طرح چلتی رہی تو سارے مسلمان وہاں محصور ہو کر رہ جائیں گے اور احمدیوں پر تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے دوہری حصار ہے ایک حصار غیروں کی غلطی کی وجہ سے ہے اور ایک حصار دل کی مجبوری کی وجہ سے خدا کی خاطر جو بھی مخالفت ہو انہوں نے بہر حال قبول کرنی ہے اور بڑی وفا کے ساتھ احمدیت سے وابستہ رہنا ہے۔ یہ وہ اصحاب الصفہ ہیں جو وسیع تر دائرے سے تعلق رکھنے والے اصحاب الصفہ ہیں۔

پس قادیان کے لئے بہبود کی جو سکیمیں ہیں ان سے ہندوستان کی باقی جماعتوں کو محروم نہیں رکھا جائے گا اور وہاں بھی صوبائی امارتیں قائم کر کے جہاں نہیں تھیں وہاں قائم کر دی گئی ہیں اور جہاں تھیں ان کو بیدار کیا گیا ہے۔ یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ جہاں اقتصادی ترقی کے منصوبے بناؤ وہاں تعلیمی ترقی کے بھی منصوبے بناؤ۔ چنانچہ کشمیر میں خدا کے فضل سے پہلے ہی بہت سے سکول بڑی

اعلیٰ روایات کے ساتھ چل رہے ہیں۔ باقی صوبوں کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اسی طرح مدارس قائم کریں اور جہاں جہاں ممکن ہو کالجز قائم کریں۔ ٹیکنیکل کالجز کی وہاں بڑی ضرورت ہے اور قادیان میں بھی انشاء اللہ خیال ہے کہ اعلیٰ پائے کا ٹیکنیکل کالج بھی قائم کیا جائے گا۔ تو سارے ہندوستان کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو ایک کروڑ سالانہ کی رقم بھی کوئی چیز نہیں ہے لیکن اگر وقف جدید کے ذریعہ ایک سال کے اندر اندر ایک کروڑ کی رقم بھی مہیا ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ شروع کرنے کے لحاظ سے خدا کے فضل سے کچھ نہ کچھ سرمایہ میسر آ جائے گا اور باقی اللہ تعالیٰ اور رستے عطا کرتا رہتا ہے۔ جماعت احمدیہ کی عالمی قربانیوں کا جو مجموعہ ہے اس میں سے جہاں مرکزی منصوبوں پر خرچ ہو رہے ہیں مختلف ممالک پر خرچ ہو رہے ہیں ایک حصہ اس میں سے بھی قادیان اور ہندوستان کی احمدی جماعتوں کے لئے مزید مخصوص کیا جا سکتا ہے تو آپ دعاؤں میں یاد رکھیں اور مالی قربانیوں کی جہاں تک توفیق ملے اسے بڑھانے کی کوشش کریں۔ وقف جدید کی مالی قربانی پر نظر ثانی کریں۔ بہت سے احمدی ہیں جو غربت اور تنگی کی حالت میں بھی ہر چندے میں شامل ہیں۔ وہ تقریباً اپنی استطاعت کی حدّ کو پہنچے ہوئے ہیں لیکن میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا کی خاطر وہ جو قربانیاں پیش کرتے ہیں یا کریں گے اللہ تعالیٰ ان کے اموال میں برکت دے گا اور ان کی حدود وسیع تر کرتا چلا جائے گا۔

وہ آیت جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھی اس سے پہلے اس مضمون کی آیات ہیں جو میں اب آپ کے سامنے رکھ کر اس خطبہ کو ختم کروں گا جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے خدا کی خاطر خود محصور ہو گئے اور جن کے رزق کی راہیں تنگ ہو گئیں پابند ہو گئیں جو لوگ قربانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دین اور دنیا دونوں جگہ جزاء دینے والا ہے اور ان کے اموال کو رکھتا نہیں بلکہ ان میں بہت برکت دیتا ہے۔ پس وہ برکت جو درویشوں کے ذریعے دوسروں کو پہنچتی ہے اس مضمون کو قرآن کریم نے یہاں ایک خاص رنگ میں کھول کر بیان فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی اس نصیحت کا اس آیت سے ہی تعلق ہے جس کا میں نے شروع میں ذکر کیا تھا کہ تمہیں کیا پتہ کہ کن لوگوں کی وجہ سے تمہارے اموال میں برکت پڑ رہی ہے۔ پس جو لوگ ان غریبوں پر خرچ کرتے ہیں جو خدا کی خاطر محصور ہوئے خدا کا واضح وعدہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں بہت برکت دے گا۔ فصاحت و بلاغت

کا عجیب انداز ہے کہ پہلے یہ مضمون بیان فرمایا اور پھر بعد میں ان لوگوں کا ذکر کیا جن کی خاطر ان لوگوں کو برکت ملنے والی ہے ۔فرمایا: اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ اگر تم خدا کی راہ میں اخراجات کو قربانیوں کو کھول کر پیش کرو، اعلانیہ کردو تا کہ دوسروں کو تحریک ہو تو فَنِعِمَّا هِيَ ۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ :یہ بھی اچھی بات ہے ۔ اس میں کوئی برائی نہیں ۔ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لیکن اگر تم ان کو مخفی رکھو اور خدا کی راہ کے فقیروں پر خرچ کرو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ان غریبوں کی خدمت کا جو سب سے بڑا فیض تمہیں پہنچے گا وہ یہ ہے کہ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری بدیاں دور کرے گا۔تمہاری کمزوریاں دور فرمائے گا۔پس تمام دنیا میں ہمیں تربیت کے جو مسائل درپیش ہیں خاص طور پر ترقی یافتہ یا آزاد منش ممالک میں ان کا ایک حل قرآن کریم نے یہ بھی پیش فرمایا ہے کہ خدا کی راہ میں محصور اور غرباء پر خرچ کرو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ کی کمزوریاں دور فرمائے گا اور خود تمہاری اصلاح کے سامان مہیا فرمائے گا۔ پھر فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔یادرکھو کہ تم جہاں بھی جو کچھ بھی خدا کی راہ میں کرتے ہو تمہارے اعمال سے خدا خوب واقف ہے۔ ہر چیز پر اس کی نظر ہے۔تمہارا کوئی عمل بھی ایسا نہیں جو خدا کی نظر میں نہ ہو۔ پھر فرمایا لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اے محمدؐ! تجھ پر ان کی ہدایت فرض نہیں ہے۔تو نے پیغام پہنچانا ہے۔نصیحت کرنی ہے اور تو بہترین نصیحت کرنے والا ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ہاں اللہ ہی ہے جس کو چاہے گا ہدایت بخشے گا۔جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ پھر اس جملہ معترضہ کے بعد واپس اس مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ جو کچھ تم یادرکھو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو فَلِاَنْفُسِكُمْ وہ دراصل اپنی جانوں پر خرچ کررہے ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ دوسروں پر کوئی احسان کررہے ہو۔تمہارا خرچ اپنے فوائد کے لحاظ سے اور برکتوں کے لحاظ سے خود تم پر ہورہا ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ لیکن ہم جانتے ہیں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے تربیت یافتہ ساتھی اپنے نفوس میں برکت کی خاطر خرچ نہیں کررہے بلکہ اللہ کی رضا کی خاطر خرچ کررہے ہیں۔ پس یہ مراد نہ سمجھی جائے ۔کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ یہ تعلیم دے رہا ہے کہ اپنے

نفس پر خرچ کرنے کی خاطر خرچ کرو۔ فرمایا ہم جانتے ہیں کہ تمہارا اعلیٰ مقصد خدا کی رضا ہے مگر جب خدا کی رضا حاصل ہو جاتی ہے تو محض دین میں نہیں ہوتی بلکہ دنیا میں بھی رضا مل جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا ایک نتیجہ ہے کہ جو یہ فرمایا گیا کہ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنی جانوں پر خرچ کرتے ہو۔ ان دونوں آیات کے ٹکڑوں کو ملا کر پڑھا جائے تو مضمون یہ بنے گا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ تم جو کچھ بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو محض اللہ کے پیار کی خاطر اس کی محبت جیتنے کے لئے اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرتے ہو لیکن اس رضا کا ایک ظاہری نتیجہ بھی ضرور نکلے گا اور وہ یہ کہ تمہارے اموال میں ایسی برکت ملے گی کہ گویا تم دوسروں پر نہیں بلکہ خود اپنی جانوں پر خرچ کرنے والے تھے اور اس کی مزید تفسیر یہ فرمائی کہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (البقرہ: ۲۷۳) اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے یقین جانو وہ تمہیں خوب لوٹایا جائے گا۔ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ میں صرف لوٹانے کا مضمون نہیں بلکہ بھر پور طور پر لوٹایا جائے گا اور تم سے کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ طرزِ بیان ہے۔ جب کہا جائے کہ کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا تو مراد یہ نہیں ہے کہ محض عدل کیا جائے گا بلکہ بالکل برعکس مضمون ہوتا ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (البقرہ: ۲۸۲) ان سے ظلم نہیں کیا جائے گا تو مراد یہ ہوتی ہے کہ انہیں بہت زیادہ دیا جائے گا۔ ظلم تو درکنار اتنا عطا ہو گا کہ احسانات ہی احسانات ہوں گے۔ یہ ایک طرز بیان ہے جو مختلف زبانوں میں ہے۔ عربی میں اور خصوصیت کے ساتھ قرآن کریم میں اس طرز بیان کو اختیار فرمایا گیا تو لَا تُظْلَمُوْنَ، وَلَا يُظْلَمُوْنَ (النساء: ۱۲۴) کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ ظلم نہیں کرے گا جتنا دیا اتنا واپس کر دے گا۔ مراد یہ ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اتنا دے گا کہ تمہارے پیٹ بھر جائیں گے تم کانوں تک راضی ہو جاؤ گے۔ یہ معنی ہے اس آیت کا۔ یہ سب بیان کرنے کے بعد فرمایا لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس وقت جو ہم خرچ کرنے کی تاکید کر رہے ہیں تو یہ عام خرچ نہیں بلکہ خصوصیت سے ان فقراء کی خاطر خرچ ہے جو خدا کے رستے میں گھیرے میں آگئے اور ان میں زمین پر چل کر اپنے کمانے کے لئے گنجائش نہیں رہی۔ وہ محبت کی رسیوں میں باندھے گئے اور ہمیشہ کے لئے محمد مصطفیٰ ﷺ کے قرب میں انہوں نے ڈیرے ڈال دیئے حالانکہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ کھانے کے بھی وہ محتاج ہیں۔ پہننے کے

بھی ، اوڑھنے کے بھی محتاج ہیں ۔ ان کی ساری ضرورتیں خدا پر چھوڑ دی گئی ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ تمہیں فرماتا ہے کہ تم ان کی ضرورتیں پوری کرو خدا تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرنے میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو بھی انہی معنوں میں اصحاب الصفہ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ جس رنگ میں بھی ہوں جہاں بھی ہوں خدا تعالیٰ جماعت احمدیہ کو ان کی خدمت کی توفیق بخشے اور ان کا فیض خدا تعالیٰ کے فضلوں کی صورت میں ساری دنیا کی جماعت پر نازل ہوتا رہے۔ آمین۔

غلبہ اسلام کی عظیم الشان پیشگوئی امام مہدی سے وابستہ ہے۔

پہلا خطبہ جمعہ جو تمام یورپ میں سیٹلائٹ کے ذریعہ براہ راست سنا اور دیکھا گیا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱ر جنوری ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰﴾ (الصّف:۱۰)

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (الفتح ۲۹)

پھر فرمایا:۔

یہ دو آیاتِ قرآنیہ جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں سے پہلی سورۃ الصّف سے لی گئی ہے اور اس کی دسویں آیت ہے اور دوسری سورۃ الفتح سے۔ سورۃ الصّف کی آیت میں یہ ذکر ہے کہ وہی خدا ہے جس نے اپنے اس رسول یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تا کہ وہ اس دین حق کو تمام دنیا کے ادیان پر غالب کر دے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ خواہ مشرک اُسے کتنا ہی ناپسند کریں۔ بعینہٖ انہی الفاظ میں یہ آیت

سورۂ توبہ میں بھی آئی ہے لیکن ذرا سے اختلاف کے ساتھ یہ مضمون اس دوسری آیت میں بیان فرمایا گیا جو سورۃ الفتح کی ۲۹ ویں آیت ہے اور جس کی میں نے بعد میں تلاوت کی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہی اللہ ہے جس نے اِس رسول یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس دین کو تمام دنیا کے ادیان پر غالب کر دے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور خدا سے بڑھ کر کوئی قابل اعتماد گواہ نہیں ہوسکتا۔ اِس بات کے لئے خدا کی گواہی بہت کافی ہے کہ یہ تقدیر لازمًا رونما ہو کر رہے گی اور دُنیا کی کوئی طاقت اس کو تبدیل نہیں کر سکتی۔

یہ وہ پیشگوئی ہے جس کا تعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور سے ہے اور تمام گزشتہ مفسرین اس بات کو یا لکھ چکے ہیں یا دوسروں کی کتابوں میں پڑھ کر ان سے اختلاف نہیں کیا کہ ان پیشگوئیوں کا تعلق حضرت مسیح سے یعنی مسیح کی بعثت ثانیہ سے اور امام مہدیؑ سے ہے۔ اس کے دور میں تمام دنیا کو دین واحد پر جمع کیا جائے گا اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے کامل غلام اور بروز کے طور پر وہ کام جس کا آغاز حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے شروع فرمایا اس کا انجام اور اتمام مہدی اور مسیح کے زمانہ میں ہوگا۔ گویا مہدی اور مسیح کے لئے تمام دُنیا کو جمع کرنا مقدر تھا۔ سورہ جمعہ میں بھی جو جمع کا مضمون آنحضرت ﷺ کے بروزی ظہور کے سلسلہ میں بیان فرمایا گیا اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ دو زمانوں کو جمع کرنے والا ہوگا۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (الجمعہ:۴) وہ اُس شان کا وجود ہوگا کہ جو حضور اکرم ﷺ کی بعثت ثانیہ کا مرتبہ رکھتا ہوگا اور آپؐ ہی کی غلامی میں اور آپؐ ہی کے آغاز کئے ہوئے کاموں کی تکمیل کی خاطر آئے گا اور اٰخَرِيْنَ میں بسنے والوں کو اوّلین سے ملا دے گا یعنی ان کے ساتھ جمع کر دے گا تو جمع کے مضمون کا سورۂ جمعہ کے ساتھ جو گہرا تعلق رکھتا ہے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ساتھ ایک گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے اور یہ وہ دعویٰ ہے جو صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی نہیں فرمایا بلکہ آپؑ کی تائید میں بڑے بڑے مفسرین اور مفکرین یہی بات لکھتے چلے آئے ہیں۔ سب سے پہلے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عبارت آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

آپؑ فرماتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے جو اتمام نعمت کی ہے (یعنی نعمت کو تمام کیا ہے) وہ یہی

دین ہے جس کا نام اسلام رکھا ہے۔ پھر نعمت میں جمعہ کا دن بھی ہے جس روز اتمام نعمت ہوا۔ (یعنی جمعہ کے دن ہی نعمت اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچی) یہ اس کی طرف اشارہ تھا کہ پھر تمام نعمت جو لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی صورت میں ہوگا وہ بھی ایک عظیم الشان جمعہ ہوگا۔ وہ جمعہ اب آ گیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے وہ جمعہ مسیح موعود کے لئے مخصوص رکھا ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں۔

یہ وقت وہی وقت ہے جس کی پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے کے ذریعے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہہ کر فرمائی تھی۔ یہ وہی زمانہ ہے جو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ کی شان کو بلند کرنے والا اور تکمیل اشاعت و ہدایت کی صورت میں دوبارہ اتمام نعمت کا زمانہ ہے اور پھر یہ وہی وقت اور جمعہ ہے جس میں وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے۔''

یعنی ایک زمانہ میں تمام بنی نوع انسان کو حضرت محمد مصطفی ﷺ کے جھنڈے تلے جمع کرنے والا جمعہ اور دو مختلف زمانوں کے غلامان محمد مصطفی ﷺ کو ایک جگہ اکٹھا کر دینے والا جمعہ وہی جمعہ ہے جو امام مہدیؑ اور مسیح موعودؑ کی بعثت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

''اِس وقت رسول اللہ ﷺ کا ظہور بروزی رنگ میں ہوا ہے اور ایک جماعت صحابہؓ کی پھر قائم ہوئی ہے۔ اتمام نعمت کا وقت آ پہنچا ہے لیکن تھوڑے ہیں جو اس سے آگاہ ہیں اور بہت ہیں جو ہنسی کرتے اور ٹھٹھوں میں اُڑاتے ہیں مگر وہ وقت قریب ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق تجلی فرمائے گا اور اپنے زور آور حملوں سے دکھا دے گا کہ اس کا نذیر سچا ہے۔''

(ملفوظات جلد ۳ صفحہ: ۱۰۴)

اب میں پُرانے مفسرین کے بعض حوالے آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان تصریحات کی بڑی قوت کے ساتھ تائید ہوتی ہے۔ تفسیر

قرطبی میں اسی آیت کے تحت یعنی لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ کے تحت لکھا ہے کہ

''قال ابو هريرة والضّحاکُ هذاعند نزول عيسىٰ عليه السلام و قال السّدی ذاک عند خروج المهدی.''

(تفسیر قرطبی جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۸۳-۱۸۴)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ اور ضحاکؒ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا نزول مسیح کے وقت پورا ہوگا اور سدّی کہتے ہیں کہ ظہور مہدی پر یہ وعدہ پورا ہوگا۔ دراصل تو یہ ایک ہی وجود کے دو نام ہیں اور ان دونوں کا یہ کہنا اختلاف کا رنگ نہیں رکھتا بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس وجود کے ذریعے یہ وعدہ پورا ہوگا اس کا ایک نام مسیح ہے اور ایک نام مہدی ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں میں ترجمہ پڑھ کر سناتا ہوں۔

''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اس آیت میں وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام دینوں پر اسلام کو غالب کرے گا اور اس وعدہ کی تکمیل مسیح موعود کے وقت میں ہوگی اور سدّی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ مہدی موعود کے زمانہ میں پورا ہوگا۔'' (تفسیر کبیر جزو نمبر ۶ تفسیر سورۃ التوبہ زیر آیت ہذا)

حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید بالاکوٹ اسی آیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''ظاہر ہے کہ دین کی ابتداء حضرت رسول مقبول ﷺ سے ہوئی لیکن اس کا اتمام مہدی کے ہاتھ پر ہوگا۔'' (منصب امامت صفحہ: ۷۰)

اب ایک اور دلچسپ چیز میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس سے عموماً احمدی بھی واقف نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموں میں سے ایک نام جمعہ بھی ہے جو پیشگوئی کے طور پر آپ کے رکھے گئے یعنی امام مہدیؑ کا نام جمعہ بھی ہے جو پہلے سے ہی مذکور چلا آتا ہے۔ چنانچہ النجم الثاقب جلد نمبر ا مؤلفہ مولانا ابوالحسنات محمد عبدالغفور میں یہ درج ہے کہ

جمعہ مہدیؑ کے مبارک ناموں میں سے ہے یا آپ کی ذات شریف سے کنایہ ہے یا اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ اس کا لوگوں کو جمع کرنا ہے۔

حضرت امام علی تقی علیہ السلام نے فرمایا۔

”جمعہ میرا بیٹا ہے (یعنی امام مہدی جس کا نام جمعہ ہے وہ میرا بیٹا ہے) اور اسی کی طرف اہل حق اور صادق لوگ جمع ہوں گے۔... وہ تمام دینوں کو ایک دین پر جمع کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر اتمام نعمت کرے گا اور حق کو اس کے ذریعے ظاہر و ثابت اور باطل کو محو کرے گا اور وہ مہدی ہے۔“

(النجم الثاقب جلد نمبر ا مؤلفہ مولانا ابوالحسنات محمد عبدالغفور ۱۳۰۸ ھجری)

آج کا دن احمدیت کی تاریخ میں ایک بہت ہی مبارک دن ہے۔ یہ جمعہ جماعت کی دوسری صدی کے آغاز میں ایک بہت ہی عظیم سنگ میل نصب کر رہا ہے اور جماعت کو جمع ہونے کے ایک نئے دور میں داخل کر رہا ہے۔ جماعت احمدیہ ہی ہے جس کے ذریعہ سب سے پہلے خطبات کے نظام کو مواصلاتی رابطوں کے ذریعے صوتی لحاظ سے نہ صرف ایک برّ اعظم میں بلکہ دنیا کے بہت سے برّ اعظموں میں دور دراز کے ممالک تک پہنچانے کی توفیق ملی۔ یہ بھی جمع کا ایک نیا رنگ تھا اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آئندہ دور میں بنی نوع انسان کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع کرنا مقدر تھا اس لئے یہ ظاہری علامتیں بھی جماعت احمدیہ کے ہی حق میں پوری ہو رہی ہیں اور کسی جماعت کو بھی یہ توفیق نہیں ملی حالانکہ جماعت احمدیہ ایک غریب اور چھوٹی سی جماعت ہے اور اس کے مدمقابل جو دشمن ہیں وہ دنیا کے لحاظ سے اتنے طاقتور ہیں کہ بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں اور اتنے ارب ہا ارب روپے کے مالک ہیں کہ عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پس اس پہلو سے آج کا جمعہ جماعت احمدیہ کی صداقت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے اظہار کے لئے ایک بہت عظیم نشان بن کر ظاہر ہوا ہے۔ صوتی لحاظ سے ہی نہیں آج تصویری لحاظ سے بھی بنی نوع انسان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عاجز غلام اور خلیفۃ المسیح کو یہ توفیق ملی ہے کہ ایسا خطبہ دے رہا ہے اور ایسا جمعہ پڑھا رہا ہے جو ایک بہت ہی طاقتور براعظم کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک صوتی لحاظ سے بھی پہنچ رہا ہے اور تصویری لحاظ سے بھی پہنچ رہا ہے یعنی ٹیلی ویژن کے ذریعے روس کے انتہائی مشرق یعنی ولاڈی واسکٹ سے لے کر یورپ کے انتہائی مغربی علاقوں تک یعنی غالباً اس میں آئر لینڈ کا مغربی کنارہ ہوگا یا Britain کا مجھے اس وقت پوری طرح ذہن میں نہیں لیکن جو بھی یورپ کے جزائر ہیں ان میں بھی جو انتہائی مغرب کی طرف ہے ان سب میں یہ خطبہ ٹیلی ویژن کے ذریعے دیکھا اور سُنا جا سکتا ہے اور اسی طرح ناروے

کے شمال سے لے کر سپین کے جنوب میں جبل الطارق تک یہ خطبہ خدا کے فضل سے دیکھا اور سُنا جا سکتا ہے اور ترکی کے اس حصہ میں بھی جو یورپ کا حصہ کہلاتا ہے اس میں بھی یہ خطبہ اسی طرح مواصلاتی ذرائع سے صوتی اور تصویری لحاظ سے نشر ہو رہا ہے۔ پس یہ دن ہمارے لئے جذباتی لحاظ سے ایک بہت ہی ہیجانی دن ہے لیکن اس کا صرف جذبات سے تعلق نہیں یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوا ہے۔ دُنیا کو ان ذرائع سے جمع کرنا اور دین میں جمع کرنا اور خطبہ کے ذریعے جمعہ کے دن جمع کرنا یہ وہ سارے مقدّرات ہیں جن کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے اور ان آیات کریمہ سے ہے جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ یعنی سورۃ جمعہ، سورۃ صف، سورۃ توبہ اور سورۃ فتح کی ان پیشگوئیوں سے ہے جن کا مظہر آج دنیا میں صرف اور صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام یعنی جماعت احمدیہ ہے اور یہ ایسا اعزاز ہے جو مل چکا اور دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی اب اس اعزاز کو جماعت احمدیہ سے چھین نہیں سکتیں۔ ایسی سعادت ہے کہ جس کے حصے آ گئی جسے خدا نے عطا فرما دی وہ اب دنیا کی تمام عظمتیں رکھنے والی سلطنتیں بھی مل کر چاہیں تو اب اُس سے چھین نہیں سکتیں۔ جو سبقت جماعت کو نصیب ہو گئی وہ نصیب ہو گئی اور اب ان کے لئے تو اگر وہ ظالم ہیں اور دشمنی رکھتے ہیں تو سر پیٹنے اور واویلا کرنے کے سوا کچھ باقی نہیں رہا مگر ہمیں اس بات پر کوئی خوشی نہیں کہ دشمن اس کے نتیجہ میں غیظ و غضب دکھاتا ہے اور جوش دکھاتا ہے اور نفرت میں پہلے سے بڑھ جاتا ہے۔ ہماری تو دعا یہ ہے کہ اس نئے ذریعہ سے کثرت کے ساتھ غیر احمدی مسلمانوں کو یہ خطبات براہ راست سننے اور دیکھنے کی توفیق ملے اور اس کے نتیجہ میں جو دوریاں ہیں وہ کم ہو جائیں، جو فاصلے ہیں وہ پاٹے جائیں اور جن جن کو خدا نے فراست عطا فرمائی ہے وہ نہ صرف اپنے کانوں سے سنیں بلکہ آنکھوں سے دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ یہ جھوٹے اور جھوٹوں کے مونہوں کی باتیں ہیں یا سچوں کے کلام ہیں اور اس رنگ میں اللہ تعالیٰ ان کے لئے ہدایت کے نئے سامان پیدا فرمائے۔ ہمیں اس بات میں خوشی ہے کہ اگر ایک بھی سعید روح اس نئے ذریعہ سے سچ کو پا جاتی ہے اور حق کی آغوش میں آ جاتی ہے تو ہمارے لئے یہ ایک اور جمعہ یعنی عید کا دن ہوگا۔ جہاں تک جمعہ کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے اب میں ان سے متعلق آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہوں۔ آپ نے یہ تو دیکھ لیا کہ خدا کی تقدیر نے خوب کھول کر روز روشن کی طرح واضح فرما دیا کہ جماعت احمدیہ اور جمعہ کا ایک بہت ہی گہرا رشتہ ہے۔

ایک تاریخی رشتہ بھی اور ایک حال کے زمانے پر پھیلا ہوا رشتہ ہے اور ایک مستقبل کے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات کا رشتہ ہے۔اور یہ ایسے گہرے تقدیری رشتے ہیں جن کے نتیجہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح امام مہدی جمعہ بھی تھے اور امام مہدی بھی تو۔ جماعت احمدیہ، جماعت احمدیہ بھی ہے اور جمعہ بھی ہے۔ پس جمعہ کے ساتھ ہماری ساری بقاء وابستہ ہے۔ ہمارے تمام کاموں کا نیک انجام تک پہنچنا وابستہ ہے اور اس دن کے جو حقوق ہیں وہ ہمیں لازماً ادا کرنے ہوں گے اگر ہم نے اس دن کے حقوق ادا نہ کئے تو احمدیت تو ان برکتوں سے محروم نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو لازماً پورا ہوگا۔ محمد مصطفی ﷺ کی خوشخبریاں ہیں جن کو دنیا کی کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی۔ مگر بعض نسلیں ان برکتوں سے ضرور محروم رہ سکتی ہیں۔ وہ نسلیں جن کو خدا تعالےٰ نے کھول کر برکتوں کی راہیں دکھا دی ہوں وہ ان پر آگے قدم بڑھا کر ان برکتوں کے حصول کی کوشش نہ کریں ان کی محرومی ضرور ہوسکتی ہے۔ **پس خدا نہ کرے کہ ہماری نسل محروموں کی نسل شمار ہو کیونکہ ہماری نسل کو ہی خدا نے یہ معجزے دکھائے ہیں اور اوپر تلے مسلسل ظاہر ہونے والے نشانات کی صورت میں یہ معجزے دکھائے ہیں۔ جب سے احمدیت اپنی دوسری صدی میں داخل ہوئی ہے نئے نئے اعجازی نشان احمدیت کے حق میں ظاہر ہورہے ہیں اور یہ نشان ان نشانوں میں سے ایک بہت ہی عظیم الشان بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ سب سے بڑا عظیم نشان ہے کیونکہ اس نشان نے کھول کر اسلام کے غلبہ کو احمدیت کے غلبہ کے ساتھ نہ ٹوٹنے والے رشتوں میں جوڑ دیا ہے۔**

جمعہ کے تعلق میں مَیں اس سے پہلے جماعت کو نصیحت کر چکا ہوں کہ جمعہ کے حقوق ادا کریں، خود بھی جمعہ میں حاضر ہوں اور اپنے بچوں کو بھی لایا کریں۔ جن لوگوں کو توفیق نہیں ملتی کہ وہ ہر جمعہ میں حاضر ہوسکیں ان کو چاہئے کہ وہ کم سے کم تین میں سے ایک جمعہ تو ضرور پڑھ لیا کریں اور جن کے بچوں کو تعلیمی اداروں کی پابندیوں کے نتیجہ میں ہر جمعہ میں شامل ہونے کی توفیق نہیں مل سکتی کوشش کریں کہ ان کے اساتذہ ان کے لئے استثنائی فیصلہ کرتے ہوئے ان کو اجازت دیں اگر نہ دیں تو کم از کم تین جمعوں میں سے ایک جمعہ ان کو سکول جانے سے روک دیں اور وہ جمعہ میں حاضر ہوا کریں یہ جو میں نے کہا تھا اس کا تعلق آنحضرت ﷺ کے بعض واضح فرمودات سے ہے اور انہی سے متعلق میں کچھ مزید روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

جامع ترمذی، **ابواب الجمعة باب ماجاء فی ترک الجمعه من غیر عذرٍ** میں یہ روایت درج ہے کہ حضرت ابو جعد ضمریؓ (ان کے صحابی ہونے کے متعلق محمد ابن عمرؓ کی روایت ہے اور انہی کے حوالے سے ان کو صحابی کہا جاتا ہے۔) اسی لئے بریکٹ میں یہ درج ہوتا ہے کہ ان کو بھی فلاں وجہ سے صحابی شمار کیا گیا ورنہ معروف صحابہ میں، معلوم صحابہ میں ان کا نام نمایاں نہیں ہے مگر بہرحال تمام محدثین جنہوں نے ان کی روایات درج کی ہیں بطور صحابی ہی ان کی روایات درج کرتے ہیں) فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسلسل تین جمعہ اپنی سُستی اور غفلت کی وجہ سے یا جمعہ کو حقیر سمجھتے ہوئے ترک کرتا ہے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا ایک دوسری روایت میں درج ہے کہ جو تین جمعہ عمداً چھوڑ دے وہ منافق ہے۔

یہ حدیث جو میں نے پیش کی ہے سنن ابوداؤد میں بھی ہے سنن النسائی میں بھی ہے، سنن ابنِ ماجہ میں بھی ہے اور ترمذی میں بھی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ پس بہت سے رستوں سے بہت ہی قابلِ اعتماد احادیث کی کتب میں کثرت کے ساتھ اس حدیث کو بیان فرمایا گیا جو اصل الفاظ ہیں وہ قابل غور ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

''من ترک الجمعة ثلٰث مرات تهاوناً بها طبع الله علی قلبه'' (ترمذی کتاب الجمعہ حدیث نمبر: ۴۶۰)

تھاوناً کا ترجمہ یہ کیا گیا کہ ہلکے پھلکے رنگ میں سُستی کے طور پر غفلت کے طور پر وہ جمعہ چھوڑ دیا اور **تھاوناً** کا ایک مطلب ہے کہ جمعہ کی Institution کو جمعہ کے مقدس دن کو خفیف سمجھتے ہوئے بے حقیقت اور بے وزن سمجھتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے میرے نزدیک یہ دوسرا معنٰی زیادہ مضبوطی کے ساتھ اس صورت حال پر اطلاق پاتا ہے کیونکہ اس کی سزا بہت سخت بیان ہوئی ہے۔ غفلت کی وجہ سے اگر کوئی فرض رہ جائے تو اس پر ایسی سخت سزا یقیناً تعجب انگیز ہے لیکن جب یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دے گا تو اس کا تعلق عام غفلت اور سُستی سے نہیں بلکہ جمعہ کو معمولی سمجھنے سے اور حقارت کی نظر سے دیکھنے سے، تخفیف کی نگاہ سے دیکھنے سے ہے۔ پس وہ لوگ جو رفتہ رفتہ جمعہ کی قدر چھوڑ دیتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی فرق ہی نہیں پڑتا جمعہ پر حاضر ہوں یا نہ ہوں، ہو گئے تو ٹھیک ہے نہ ہوئے تو کیا ہے ان کے لئے اس میں بہت بڑا انتباہ ہے۔

ہم نے جمعہ کی عظمت کو دوبارہ قائم کرنا ہے کیونکہ ہماری بقاء کا جمعہ سے تعلق ہے۔ یہ مضمون میں نے قرآن کریم کی آیات اور احادیث کی روشنی میں خوب کھول دیا ہے۔ جمعہ کے جو عظیم الشان پھل ہمیں عطا ہونے ہیں وہ جمعہ کی عظمت کو قائم کرنے کے نتیجہ میں عطا ہوں گے اور آج کا جمعہ اس ضمن میں ایک عظیم قدم ہے جو ہم آگے اُٹھا رہے ہیں۔ یورپ کے ممالک میں خصوصیت کے ساتھ اور اسی طرح دوسرے مغربی ممالک میں جماعت احمدیہ جگہ جگہ بکھری ہوئی ہے اور اتنی تعداد میں مساجد کے قریب احمدی نہیں رہتے کہ ان کے لئے عملاً ہر جمعہ میں شامل ہونا ممکن ہو بعض تو مساجد سے اتنے دور رہتے ہیں کہ ان کے لئے شاید ہی کسی جمعہ میں شامل ہونا ممکن ہو پھر مختلف کاموں پر ہوتے ہیں، مختلف کاروبار ہیں ان میں پھنسے ہوئے تو جن کے لئے اس تھوڑے سے وقفے میں جو درمیان میں کھانے کی چھٹی کا وقفہ ہوتا ہے۔ جمعہ میں حاضر ہونا ممکن نہیں ہوتا اسی لئے میں اس سے پہلے زور دیتا رہا کہ کوشش یہ ضرور کریں کہ تین میں سے ایک جمعہ ضرور پڑھیں تا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اس انذار کی حد میں نہ آئیں کیونکہ بہت ہی بدنصیبی ہوگی کہ آنحضرت ﷺ نے کھلا کھلا انذار فرمایا ہو اور ایک آدمی جمعہ کو بھی تخفیف کی نظر سے دیکھے اور اس انذار کو بھی تخفیف کی نظر سے دیکھے اس لئے میں نے ایک دفعہ یہ تحریک چلائی اور اللہ کے فضل سے جماعت نے اس کے نتیجہ میں مثبت ردعمل دکھایا۔ بعض لوگوں نے اپنی نوکریاں چھوڑ دیں، بعض بچوں نے اپنے ہیڈ ماسٹروں سے کہا سکول سے نکالتے ہو تو نکالو ہم تین میں سے ایک جمعہ جا کر تو ضرور پڑھیں گے اور بہت سی جگہ سے ایسی اطلاعیں ملیں کہ اساتذہ کو ان کے سامنے سر جھکانا پڑا اور انہوں نے زور کے ساتھ، اپنے عزم کے ساتھ جمعہ کی عظمت منوا کر چھوڑی۔ بعض احمدیوں نے نوکریوں سے استعفیٰ دیئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ ان کو نئی نوکریاں عطا کیں جن میں یہ شرط تھی کہ جمعہ کے دن ان کو ضرور چھٹی ملا کرے گی۔ اور ایک صاحب نے لکھا کہ میری نوکری تو چھٹی لیکن جو دوسری نوکری ملی ہے اس میں تین دن چھٹیاں ہیں یعنی جمعہ کی بھی چھٹی ہے۔ ہفتہ کو بھی اور اتوار کو بھی تو اس لحاظ سے ان کو جمعہ کا سارا دن دینی کاموں میں صرف کرنے کے لئے میسر آ گیا تو جو لوگ خلوص نیت کے ساتھ اللہ کی راہ میں قربانیاں کرتے ہیں اور دین کی خدمت میں عزم دکھاتے ہیں اللہ ان کی ان کوششوں کو ضائع نہیں فرماتا اور ان پر ہمیشہ رحمت کی نظر رکھتا ہے اور اپنے فضل کے ساتھ ان کی ضرورتیں خود پوری کرتا ہے۔ لیکن اب خدا

نے ہمارے لئے ایک اور سہولت پیدا کر دی ہے۔ وہ Dish (ڈش) ہے جس کے ذریعے جمعہ کے اس خطبہ میں شامل ہوا جا سکتا ہے وہ انگلستان میں تو غالباً تین سو پاؤنڈ یا ساڑھے تین سو پچاس پاؤنڈ میں ملتا ہے لیکن جرمنی میں ڈیڑھ سو پاؤنڈ کے لگ بھگ قیمت کے مارک میں یہ مل جاتا ہے اور جرمنی کے امیر صاحب نے آج جو فیکس بھیجی ہے اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ تمام احمدی مراکز میں جہاں Missionaries ہیں یعنی تمام مشن ہاؤسز میں خدا کے فضل کے ساتھ ڈش نصب کر دیئے گئے ہیں اور آج کا خطبہ وہاں براہ راست دیکھا بھی جائے گا اور سنا بھی جائے گا اور اس کے علاوہ تین سو احمدی احباب نے یہ ڈش حاصل کرنے کے لئے درخواست دے دی ہے۔ کچھ کو مل چکے ہوں گے اور کچھ کو مل جائیں گے تو اس صورت میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اس کثرت کے ساتھ جمعہ کے مراکز قائم کر دیئے جائیں اور یہ نظام کے تحت ہونا چاہئے کہ ہر احمدی کو اپنی سہولت کے تحت جمعہ میسر آ سکے اور اس کے لئے مسجد بھی ضروری نہیں ہے۔ وہ عارضی مقام جسے نماز کی ادائیگی کے لیے استعمال کیا جائے یعنی نمازوں کا مرکز وہاں بھی جمعہ ہو سکتا ہے لیکن جمعہ کے لئے امام کا مقرر ہونا ضروری ہے ورنہ ہم خود جمع نہیں رہیں گے۔ احمدیت نے جو جمعیت دنیا کے سامنے پیش کی ہے یہ ہر پہلو سے جمعہ کے باریک معانی کو پورا کرنے والی ہے۔ تو جمعیت میں امامت کا ایک نظام کے ساتھ منسلک ہونا بھی لازماً داخل ہے۔ اس لئے یہ نہیں ہوگا کہ ہر شخص جس کے پاس ڈش خریدنے کی استطاعت ہے وہ اپنی مرضی سے ڈش خریدے اور اپنے گھر میں جمعہ پڑھانے لگ جائے۔ اس سے تو بجائے جمعہ کے افتراق پیدا ہو گا۔ اس لئے خطبہ سُن لینا اپنی ذات میں ایک بابرکت کام ہے یہ تو گھروں میں سُنا جا سکتا ہے اور اس کا فائدہ ہوگا لیکن اس کو جمعہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ جب تک نظام جماعت کی طرف سے باقاعدہ جمعہ کے مراکز قائم نہ ہوں اور وہاں امام مقرر نہ ہوں اور وہ امیر کی طرف سے مقرر ہوں گے ہر شخص اپنی مرضی سے امام نہیں بن سکتا۔

پس جمعہ کا یہ مفہوم ہے جو اب ہر لحاظ سے اس نئے دور میں بھی صادق آنا چاہئے۔ آج تو صرف یورپ میں یہ آواز پہنچ رہی ہے۔ لیکن اب وہ دن آنے والے ہیں اور بہت دور نہیں کہ مختلف برّ اعظم بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غلاموں کی آواز کے ذریعہ اور تصویر کے ذریعہ جمع کئے جائیں گے اور اس طرح جمعہ کا نظام سارے عالم میں پھیلتا چلا جائے گا اور یہ ایک رنگ میں آئندہ

پوری ہونے والی عظیم الشان پیشگوئیوں کا پیش خیمہ ہوگا۔ پس دوسری صدی کے سر پر جماعت احمدیہ کو یہ توفیق ملنا کوئی معمولی بات نہیں۔ محض جذباتی ہیجان کا قصہ نہیں ہے۔ واقعۃً ایک بہت ہی عظیم الشان پیشگوئی کے پورے ہونے کے آثار ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں اور وہ آثار انشاء اللہ دن بدن زیادہ شان کے ساتھ ظاہر ہوتے چلے جائیں گے اور قوت پکڑتے چلے جائیں گے۔

جمعہ کی اہمیت کے سلسلہ میں ایک اور روایت حضرت سمرہؓ سے مروی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ **احضروا الجمعه و ادنوا من الامام فان الرجل ليتخلف عن الجمعه حتى انه ليتخلف عن الجنة و انه لمن اهلها.** (مسند احمد بن حنبل حدیث نمبر: ۱۹۲۵۳)

فرمایا جمعہ پر حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھا کرو کیونکہ جو شخص جمعہ سے پیچھے ہٹتا ہے وہ جنت سے بھی دور ہو جاتا ہے حالانکہ وہ اس کا اہل ہوتا ہے۔

یہ سادہ سے چند الفاظ ہیں لیکن دیکھیں ان میں کتنی گہری حکمتیں بیان فرما دی گئی ہیں اور باتوں باتوں میں عرفان کے عظیم خزانے ہیں جو لٹائے جا رہے ہیں۔ جمعہ پر حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھا کرو ان کا کیا تعلق ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ جمعہ کا امام سے تعلق ہے اور دراصل اس امام سے تعلق ہے جو خدا مقرر فرماتا ہے۔ اور امام مہدی ہی کے ذریعہ جمعہ کے ہر معنی میں جمعہ سے تعلق رکھنے والی برکتیں مسلمانوں کو نصیب ہونی تھیں اور درمیانی عرصہ میں لوگوں نے ان برکتوں سے محروم رہنا تھا۔ مقدّر یہ تھا کہ جن عظیم کاموں کا آغاز حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کی تکمیل آپؐ کے کامل غلام امام مہدی کے ذریعہ ہونی تھی۔ پس امامت کا جمعہ سے گہرا تعلق ہے اور جمعہ کے قریب ہونے کے ساتھ آپؐ نے امام کے قریب ہونے کا مضمون بھی بیان فرما دیا۔ سادہ سی باتوں میں حکمت کے کیسے کیسے خزانے دفن ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث کو سرسری نظر سے پڑھنے والا ایسا ہی ہوتا ہے جو سمندروں کو سرسری نظر سے دیکھے دنیا کے نظاروں کو سرسری نظر سے دیکھے اور گزر جائے اس بیچارے کو پتا ہی نہیں چلتا کہ سمندر کی تہہ میں ڈوبے ہوئے کتنے موتی ہیں، کتنے خزانے ہیں، بعض بنجر زمینوں کی گہرائی میں خدا تعالیٰ نے کتنی نعمتیں انسان کے لئے دفن کر رکھی ہیں، صحراؤں میں تیل کے چشمے ہیں۔ پس کائنات ایک زندہ خدا کی مظہر ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس زندہ خدا کی روحانیت کا مظہر تھے اور ہیں اور اس لحاظ سے آپؐ کی باتوں کو سطحی نظر سے دیکھنا اپنی جان پر ظلم

کرنا ہے۔ اب ضمناً چلتے چلتے آپؐ فرماتے ہیں کہ جمعہ پر حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھا کرو۔ اب ان دونوں باتوں کو جوڑ کر دیکھیں تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ دراصل امام کے قریب ہونا ہی جمعہ ہے ایک امام کے ذریعے ہی دنیا میں اسلام کی جمعیت قائم ہو سکتی ہے اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پس فرمایا کہ جمعہ کو ظاہری طور پر حاضر ہو کر اس کے تقاضے پورے نہ کرو بلکہ اس کے معنوں پر نظر رکھا کرو۔ امام سے قربت اختیار کرو اسی کے ذریعے تمہیں حقیقی معنوں میں جمعہ نصیب ہوگا پھر فرمایا کیونکہ جو شخص جمعہ سے پیچھے ہٹتا ہے وہ جنت سے بھی دور ہو جاتا ہے اس ارشادِ نبوی کا پہلی دونوں باتوں سے تعلق ہے۔ جو شخص جمعہ سے پیچھے ہٹنا شروع ہوتا ہے اس کے دل پر آہستہ آہستہ زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے اور وہ اہلیت کے باوجود جنت سے محروم رہ جاتا ہے اسی طرح جو امام سے پیچھے ہٹنے لگتا ہے اس کے دل پر بھی رفتہ رفتہ زنگ لگنے شروع ہو جاتے ہیں، اس کے اندر بھی بُعد پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے بدظنیوں کی طرف میلان شروع ہو جاتا ہے اور اگر وہ روحانی ترقی کی صلاحیت بھی رکھتا ہو تو اپنی جان پر اس ظلم کے نتیجہ میں وہ اس صلاحیت کے پھل سے محروم رہ جاتا ہے۔ پس حضور اکرم ﷺ نے جمعہ پر حاضر ہونے پر ہی زور نہیں دیا۔ جمعہ میں حاضر ہو کر اس کا عرفان حاصل کرنے پر زور دیا ہے اور گہرائی میں اُتر کر اس کی نعمتوں سے استفادہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

جہاں تک اہلیت کا تعلق ہے مراد یہ ہے کہ جو لوگ امام سے وابستہ ہو چکے ہوں۔ یہ انہی کا ذکر چل رہا ہے ان سب کو خدا تعالیٰ جنت میں داخل ہونے کی اہلیت عطا کر دیتا ہے اور اہلیت کا آغاز ہی اس تعلق سے ہوتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کے ساتھ وابستہ ہونا اہلیت کا ٹکٹ نہیں ہے بلکہ اہلیت والوں میں داخل ہونے کا اعلان ہے اور اس داخلے کے بعد دیگر شرطیں پوری کرنا ہوں گی اور ان شرطوں میں تقرّب الی الامام بھی ایک شرط بیان فرمائی گئی ہے جمعہ کا تقرب کرو، جمعہ کی عظمت کو پیش نظر رکھو۔ اس میں حاضر ہوا کرو اس دن کی بہت ہی عظیم الشّان برکتیں ہیں۔ احادیث میں اس کثرت سے بیان ہوئی ہیں کہ ان پر ایک پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ ان سب برکتوں کا حاصل کرنا جمعہ سے تعلق رکھتا ہے جمعہ کے آغاز سے پہلے بھی تعلق رکھتا ہے جمعہ کے بعد بھی تعلق رکھتا ہے۔ سورۂ جمعہ جہاں یہ بیان فرمایا گیا کہ جب اذان دی جائے تو جمعہ کی طرف دوڑ کر آؤ۔ اس کے بعد فرمایا گیا کہ جمعہ کے بعد پھر بے شک دنیا میں پھرا کرو، اپنے کاموں میں مشغول ہو

جایا کرو اور خدا کے فضل حاصل کیا کرو مگر اس کا ذکر بلند کرتے ہوئے۔ پہلے بھی ذکر ہے اور بعد میں بھی ذکر ہے، اور بہت سی برکتیں جن کا جمعہ کی تیاری سے تعلق ہے، بہت سی برکتیں ہیں جن کا جمعہ کے دوران فرشتوں کے نزول سے تعلق ہے، بہت سی برکتیں ہیں جو جمعہ کے بعد بکھرنے کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں اور وہ کام جو انسان چھوڑ کر جمعہ کے لئے حاضر ہوتا ہے جب دوبارہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو سورۂ جمعہ کی تصریح کے مطابق اس میں پہلے سے زیادہ برکتیں ملتی ہیں اور خدا کا فضل پہلے کی نسبت زیادہ میسّر آتا ہے اس لئے جو وقت انسان بظاہر قربان کرتا ہے وہ وقت ضائع نہیں جاتا بلکہ کم پھل کی بجائے زیادہ پھل لے کر آتا ہے۔ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا (الانفال:۴۶) اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کثرت کے ساتھ کیا کرو۔ یہ مضمون قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے اور سورۂ جمعہ کے تعلق میں بھی بیان ہے۔

پس جمعہ کے تقرب کا معنی محض جمعہ میں حاضر ہو جانا نہیں بلکہ جمعہ کی برکات کے اوپر غور کرتے رہنا اور کوشش کرتے رہنا کہ وہ ساری برکتیں انسان کو نصیب ہوں اور اذان کی آواز پر حاضر ہونے کا مضمون امامت سے تعلق رکھتا ہے اور تقرب الی الامام کے مضمون کو بھی اس نے ڈھانپا ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب خدا کے نام پر آواز دی جائے۔ جب جمعہ ہونے کا اعلان کیا جائے تو بلا تاخیر اس پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جانا۔ امام مہدی نے جو ساری دنیا میں اذان دی ہے یہ وہی اذان ہے جس کا سورۃ جمعہ میں ذکر ہے۔ جب بھی اذان دی جائے اور تمہیں بلایا جائے تو تم دوڑتے ہوئے تیزی کے ساتھ جمعہ کے لئے حاضر ہو جایا کرو۔ یہ جمعہ ظاہری جمعہ بھی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا اور تقرب الی الامام کا مضمون بھی اس میں شامل ہے جو حضرت رسول اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے کھولا۔ احضروا الجمعة وادنوا من الامام. جمعہ میں حاضر ہوا کرو اور امام کا قرب اختیار کرو یہ وہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یا امام مہدی پر اپنی پوری شان کے ساتھ صادق آتا ہے اور آپ نے جو اذان دی ہے وہ سارے عالم کو اکٹھا کرنے کی اذان دی ہے اور اس کا ذکر آپ احادیث میں سُن چکے ہیں اور تفاسیر میں پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح گزشتہ بزرگ اور آئمہ اور اہل فلسفہ اس مضمون کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقعہ پر لکھا کہ ایک بھی مفسّر نہیں ہے جس نے اس بات سے اختلاف کیا ہو یا جس نے یہ بیان نہ کیا ہو۔ جہاں تک تفصیل

سے جائزہ لینے کا تعلق ہے مجھے تو اس کا موقع نہیں ملا لیکن اگر کسی مفسّر نے ذکر نہ بھی کیا ہو اور غیر احمدی مولویوں کی عادت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قسم کے دُعاوی پر وہ کوشش کرتے ہیں، تلاش کرتے ہیں کہ کسی ایک مفسّر کو جو چاہے کیسی بھی ثانوی حیثیت رکھتا ہو تلاش کر کے اس کی کتاب نکال کر دکھائیں کہ اس میں تو ذکر نہیں ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عارفانہ کلام کو سمجھتے ہی نہیں اور نہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے کلام کو سمجھتے ہیں اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ ذکر عام ہوتا اور اگر کسی ایک بھی مفسر کو اس سے اختلاف ہوتا اور وہ اتفاق نہ کرتا تو وہ ضرور اس بات کا اظہار کرتا۔ اسی لئے شروع میں مَیں نے ان معنوں میں یہ دعویٰ کیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس دعویٰ کو میں انہی معنوں میں ہمیشہ سمجھتا ہوں کہ آپؑ کی مراد یہ ہے کہ بڑے بڑے مفسرین نے کھول کھول کر آئندہ زمانہ کے غلبۂ اسلام اور بنی نوع انسان کے ایک ہاتھ پر جمع ہو جانے کو مسیح موعودؑ کے دور سے وابستہ فرمایا اور امام مہدیؑ کے دور سے وابستہ فرمایا اور جنہوں نے یہ ذکر نہیں کیا انہوں نے خاموشی کے ساتھ اس بات پر صاد کر دیا کہ ان کو بھی اس مضمون سے اتفاق ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کی آواز پر لبیک کہنا آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرنا یہ یہی مضمون ہے کوئی باہر کا مضمون نہیں۔ چنانچہ اس مضمون پر مزید روشنی آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث سے پڑتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ جب تمہیں پتا چلے کہ امام مہدیؑ ظاہر ہوا ہے۔ امام مہدیؑ نے کسی جگہ اپنے آنے کا اعلان کیا ہے تو اُس کی طرف جاؤ خواہ تمہیں برف کے تودوں پر گھٹنوں کے بل بھی اس تک پہنچنا پڑے۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن حدیث نمبر:۴) یہ وہی اذان کا جواب ہے جو میں بیان کر رہا ہوں کہ سورہ جمعہ میں ذکر ہے اور امام مہدی علیہ السلام کی اذان سے اس کا تعلق ہے ورنہ آنحضرت ﷺ اپنی طرف سے تو کوئی بات نہیں فرمایا کرتے تھے۔ وحی پر مبنی باتیں تھیں اور قرآنی مضامین کو سمجھ کر انہی مضامین کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے تھے کہ اگر تم سنو کہ امام مہدیؑ ظاہر ہو گیا ہے تو خواہ برف کے تودوں پر یعنی گلیشیرز پر سے گھٹنوں کے بل بھی چل کر جانا پڑے تو اس تک پہنچو اور پہنچ کر کیا کرو۔ ایک حدیث میں آتا ہے اُسے میرا اسلام کہو۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے عاشقوں کا کتنا خیال ہے کہ آخر تک کے تمام زمانے پر نظر ڈال کر ایک ایسا عاشق نظر آیا جس کے متعلق آپؐ کا دل یقین کے ساتھ گواہی

دے رہا تھا کہ ایسا عشق مجھ سے اور کوئی نہیں کرے گا اور اس کے جواب میں اس کو بتانے کی خاطر کہ میری تیرے دل پر نظر ہے، خدا نے مجھے تیری کیفیات سے آگاہ فرمادیا ہے۔ یہ حکم دیا کہ جو کوئی بھی اس آواز کو سنے وہ برف کے تودوں پر سے بھی گھٹنوں کے بل چلے اور وہاں پہنچے اور امام مہدی علیہ السلام کو میرا سلام کہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب لدھیانہ میں تشریف لے گئے اور وہاں غیروں نے اکٹھے ہو کر شور کیا اور بڑے گندے رنگ میں بہت مخالفت کا اظہار کیا تو اس وقت چوٹی کے ایک مولوی جن پر اُن کی نظر تھی کہ یہ مسیح موعود علیہ السلام کو نعوذ باللہ مغلوب کر سکتے ہیں اُن کو اوپر بھیجا گیا اور ان کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھتے ہی اُن کے دل نے یہ گواہی دی کہ یہ سچا ہے۔ کوئی کج بحثی کی بجائے مخالفت کی بات کرنے کی بجائے آپ نے کھڑے ہو کر ایک مختصر تقریر کی اور کہا کہ میں آج محمد مصطفی ﷺ کا سلام آپ کو پہنچا تا ہوں کیونکہ آپ ہی سچے مہدیؑ ہیں، آپ ہی کے متعلق ہمیں حکم ملا ہے۔ پس وہ قرب جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اسی قرب کا سورۃ جمعہ میں بھی ذکر ہے اور اس آواز پر کیسے لبیک کہنا ہے اس کا اِن کھلی کھلی احادیث میں ذکر ہے۔

پس جماعت احمدیہ کو جمعہ کے ساتھ بہت گہری وابستگی ہے اور جمعہ کے عظیم معنوں میں جمعہ کے ساتھ ایک ایسا تعلق قائم ہوا ہے جو دُنیا کی کسی جماعت کو کبھی اس طرح نصیب نہیں ہوا۔ پس جمعہ کے ساتھ جیسا کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہہ کر تعلق جوڑا ہے اسی طرح اس جمعہ سے بھی تعلق جوڑیں کیونکہ یہ جمعہ اور مسیح موعود علیہ السلام کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کا نام جمعہ رکھا گیا اس لئے لازم ہے کہ ہم اس جمعہ کی ظاہری تقریب کو بھی ایک تقدس کا مقام دیں۔ ایک محبت کا مقام دیں۔ ایک عزت اور احترام کا مقام دیں۔ آپ بھی اس کے ساتھ وابستہ ہوں۔ اپنی اولادوں کو بھی اس کے ساتھ وابستہ کریں اور اب جبکہ خدا تعالیٰ نے یورپ کے براعظم کے ساتھ یہ احسان کا سلوک فرمایا ہے اور اس احسان کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ کی ہجرت کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ جس علاقے نے خدا تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والے کو پناہ دی ہو اس علاقے کے مقدر میں کچھ برکتیں لکھی جاتی ہیں۔ کچھ سعادتیں اس کو نصیب ہوتی ہیں، پس یہ سعادت بے وجہ نہیں ہے۔ انگلستان نے اس ہجرت میں جماعت احمدیہ کے مرکز کو پناہ دی ہے اور یہ مقدر تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشفی طور پر اپنے نام کو آدھا عربی رسم الخط میں اور آدھا انگریزی رسم الخط میں لکھا ہوا دیکھا۔ (تذکرہ صفحہ نمبر : ۲۶) یہ ایک پیشگوئی تھی کہ کسی وقت آپ کا ایک ایسا خلیفہ کچھ عمر مشرق میں بسر کرنے کے بعد وہاں کے مرکز سے تعلق رکھتے ہوئے کچھ عمر کا حصہ مغرب میں بسر کرے گا۔ یہ عرصہ کتنا ہوگا یہ اللہ بہتر جانتا ہے لیکن یہ پیشگوئی یقینی طور پر بتا رہی تھی کہ حضرت مسیح موعودؑ کے کسی خلیفہ کو آپ کی نمائندگی میں ہجرت کرنی ہوگی اور انگلستان میں اس کو پناہ دی جائے گی ورنہ مسیح موعود علیہ السلام کا آدھا نام انگریزی میں لکھنے کا کوئی اور مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ پس یہ وہی برکت ہے مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ کو پناہ دینے کی برکت جس کو خدا تعالیٰ نے مختلف رنگ میں مغرب کی جماعتوں کے لئے ظاہر فرمایا ہوا ہے اور فرماتا چلا جارہا ہے انگلستان اس برّ اعظم کا حصہ ہے یہ برکتیں اس سارے براعظم پر پھیل رہی ہیں اور آج کا مبارک جمعہ جس نے یہ تقریب پیدا کر دی کہ ایک وسیع برّ اعظم میں دور دراز کے لوگ عملاً امام وقت کے خطبہ کو سُن بھی سکیں اور دیکھ بھی سکیں اور ایک گونہ بدنی شمولیت کا احساس اور لطف حاصل کر سکیں۔ یہ بھی ہجرت کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے یورپ کو عطا فرمایا۔

جمعیت کا جو یہ آغاز ہوا ہے اس میں چونکہ جمعہ کا بہت گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق میں بار بار بیان کر چکا ہوں اس لئے میں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ جماعت اس سے حتی المقدور استفادہ کرے۔ جہاں جہاں ممکن ہو وہاں باقاعدہ مراکز مقرر کئے جائیں۔ امام مقرر کئے جائیں ان کی متابعت میں یہ خطبہ سننے کے بعد جو پیشگوئی کے رنگ میں پورا ہو رہا ہے اس لئے ہرگز اسے ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس خطبہ کو کوئی بھی اہمیت نہ دی جائے کیونکہ یہ واقعہ اور یہ نظام عظیم الشان پیشگوئیوں کا مصداق ہے کہ امام جماعت احمدیہ کا خطبہ براہ راست دور دراز علاقوں میں سُنا بھی جاسکتا ہے اور دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نظام قائم ہونا چاہئے کہ یہ خطبہ اگر باقاعدہ جمعہ کا وقت ہو تو اس رنگ میں سُنا جائے کہ باقاعدہ مراکز قائم ہوں وہاں ائمہ مقرر ہوں اور وہاں یہ خطبہ سننے کے بعد پھر سنت کی ادائیگی کے رنگ میں ایک مختصر خطبہ امام دے دے۔ عربی کا مسنونہ خطبہ پڑھ سکتا ہے اور ضروری باتیں جو مقامی حالات کے مطابق کہنی ہیں مختصر کہہ دے اور پھر جمعہ کی باجماعت نماز کروائے۔ اس رنگ میں اس خطبہ کا ان کے مقامی جمعوں کے ساتھ امتزاج ہوسکتا ہے لیکن پورا جمعہ

میرے ساتھ وہاں نہیں پڑھا جا سکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کے آگے ہونا اور بھی بہت سی ظاہری شرطیں ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ جائز ہوگا کہ جمعہ کی نماز میں وہ میرے ساتھ شامل ہو کر سمجھیں کہ ان کی باقاعدہ جمعہ کی نماز ہوگئی ہے۔اس لئے میں تاکیداً یہ کہتا ہوں کہ خطبہ سُنیں اُس سے استفادہ کریں۔اس کے بعد مختصر خطبہ مسنونہ یا کچھ زائد دے کر اپنی نماز جمعہ پڑھیں۔ اس طرح انشاء اللہ بہت ہی بابرکت نظام قائم ہو جائے گا۔ جو آنحضرت ﷺ کی مقرر کردہ راہوں پر چلتے ہوئے اس زمانے کی برکتیں بھی حاصل کر رہا ہوگا۔

اس کے علاوہ گھر میں جو خواتین اور بچے ہیں جن کے لئے یہاں پہنچنا ممکن نہیں ان کو تو یہ تاکید ہے کہ جس جس کو استطاعت ہے اگر ایک گھر کو استطاعت ہے تو وہ خود اپنے لئے ڈش خریدے جس کے ذریعے یہ خطبہ دیکھا اور سُنا جا سکے اور اگر ایک گھر میں استطاعت نہ ہو تو محلّہ کے دو چار گھر مل کر خواہ جمعہ وہاں باقاعدہ ادا ہو یا نہ ہو کوشش کریں کہ وہ خود بھی شامل ہوں اور اپنے بچوں کو بھی شامل کریں۔ چھوٹی عمر کے بچوں کو بھی ساتھ شامل کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ بچپن میں انسان جو چیزیں دیکھتا اور سُنتا ہے ان کا بہت گہرا اثر دل پر پڑتا ہے اور ہمیشہ کے لئے وہ دل پر انمٹ نقوش بن جاتے ہیں۔ وہ نقوش دل پر بھی قائم ہوتے ہیں اور دماغ پر بھی قائم ہوتے ہیں۔ مجھے یاد ہے جب میں قادیان کی گلیوں میں پھرتا تھا تو سب سے زیادہ وہ پرانے زمانے یاد آتے تھے وہ صحابہؓ یاد آتے تھے جو وہاں گزرا کرتے تھے۔ ہم ان کو پہلے سلام کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اکثر وہ ہم سے بھی پہل کر جاتے تھے۔ گلیوں میں اتنی کثرت سے صحابہؓ پھرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ وہ فقیر درویش جو وہاں تھڑوں پر پڑے نظر آتے تھے۔ ان کے اندر بھی ایسا تقدس تھا کہ بچپن کی وہ یادیں انمٹ نقوش بن چکی ہیں اور قادیان کی گلیوں میں پھرتے ہوئے ظاہری طور پر دوسرے نظارے بھی میں دیکھ رہا ہوتا تھا لیکن دل اور دماغ ان پُرانی یادوں میں بھی محو ہوتا تھا اور ان نظاروں کو دوبارہ نظر کے سامنے لے آتا تھا۔ تو اس لئے اگر بچپن میں اس قسم کی تقریبات میں شمولیت کی توفیق ملی ہو تو اس سے جماعت کے ساتھ ایک گہری وابستگی ہو جاتی ہے اور خلافت کے نظام کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ پس بچوں کے لئے بھی ایک بہت خوبصورت موقع ہے۔ ان کو ایک دلکش سعادت مل رہی ہے کہ وہ بھی گھر بیٹھے اپنے ماں باپ کے ساتھ یہ چیزیں دیکھیں ان کو پھر خدا خود یہ توفیق دے گا کہ وہ موازنہ کریں

گے کہ یہ کس قسم کے ٹیلی ویژن کا نظارہ تھا اور وہ جو ہم دنیا کے ٹیلی وژنز پر دیکھتے ہیں وہ کس قسم کے نظارے ہوتے ہیں اور دل لازماً رفتہ رفتہ ان چیزوں کی طرف کھنچتے چلے جائیں گے کیونکہ نیکی کو اللہ تعالیٰ نے ایک طاقت عطا فرمائی ہے جو کوئی اس سے چھین نہیں سکتا۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے۔ اس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق بتایا کہ آپؐ کو ہم نے ممبر پر خطبہ دیتے ہوئے سُنا کہ لوگوں کے جمعہ ترک کرنے کی وجہ سے وہ اس حال کو پہنچ جائیں گے کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور پھر وہ غافلوں میں جا شامل ہوں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ)

پس خدا کرے کہ ہمیں توفیق ملے کہ جمعہ کی عظمت کو قائم کریں اور ایک بھی احمدی ایسا نہ ہو جو آنحضرت ﷺ کے اس انذار کا مصداق بنے اور خدا کرے کہ باقی دنیا میں بھی رفتہ رفتہ یہ رابطے قائم اور مضبوط ہوں اور گھر گھر میں جمعہ کی برکتیں پہنچیں۔

اس کا تبلیغ عالم کے ساتھ جو گہرا تعلق ہے اس سلسلہ میں میں کچھ خطبات پہلے دے چکا ہوں اور انشاء اللہ آئندہ جب بھی توفیق ملے گی میں مزید بیان کروں گا کیونکہ جمعہ کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ سارے عالم کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کیا جائے۔ جو مقدر ہے وہ تو ہے ہی لیکن اس مقدر کا ہماری تدبیروں سے ایک گہرا تعلق ہے اور جس احمدی نسل کو زیادہ قوت اور خلوص کے ساتھ اور زیادہ حکمت کے ساتھ وہ تدبیریں سوچنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق ملے گی روحانی پھل انہی کے مقدر میں ہوگا وہ سارے وعدے انہی کے حق میں پورے ہوں گے۔ خدا کرے کہ ہماری یہ نسل وہ نسل نکلے جس کو خدا کے فضل کے ساتھ یہ توفیق ملے کہ قرآن کریم میں مندرج جمعہ سے متعلق پیشگوئیاں اور احادیث میں درج شدہ جمعہ سے متعلق پیشگوئیاں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ظاہر فرمائی گئی جمعہ سے متعلق پیشگوئیاں تمام تر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور یہ نسل مبارک اور غیر معمولی سعادتوں والی وہ نسل ثابت ہو جو خود خدا کے ساتھ گہرا تعلق قائم رکھتے ہوئے یہ عظیم الشان فیض حاصل کرے اور پھر ہمارے ہاتھوں سے ساری دنیا کو یہ فیض نصیب ہو۔ ہم وہ کوثر بن جائیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی کوثر ہے جس کا فیض کبھی ختم نہیں ہوتا اور تمام دنیا میں اس کے فیض پھیلانے کے لئے آج ہمیں چنا گیا ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس منصب کے اہل ثابت ہوں۔ آمین۔

مسیح محمدیؑ کی غلامی میں مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ کا اعلان

دعوت الی اللہ کے کام کو تیز سے تیز تر کر دیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ رفروری ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیاتِ کریمہ تلاوت کیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنۡجِیۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُجَاهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۱۲﴾ یَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ وَ یُدۡخِلۡكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿ۙ۱۳﴾ وَ اُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَهَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَ كَفَرَتۡ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَیَّدۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰی عَدُوِّهِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰهِرِیۡنَ ﴿۱۵﴾ (الصف: ۱۱ تا ۱۵)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ میں میں نے یہ مضمون کھول کر بیان کیا تھا کہ جمعہ کا ایک معنی جمع کرنے کے ہیں اور آخری زمانہ میں جب تمام دنیا کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع کیا جانا مقدر

ہے اس کا ذکر سورۃ جمعہ میں ملتا ہے اور اٰخَرِیْنَ (الجمعہ:۴) میں ظاہر ہونے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جس غلام کامل کا ذکر سورہ جمعہ میں کیا گیا ہے اسی کے زمانہ میں تمام دنیا کو امت واحدہ بنانا مقدر ہو چکا تھا اور اسی کا ذکر ہے جو قرآن کریم کی دیگر آیات میں ملتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ خوشخبری دی گئی کہ آپ کے دین کو لازماً دنیا کے تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے گا لیکن یہ کیسے ہوگا اور اس ضمن میں وہ اٰخَرِیْنَ یعنی جماعت احمدیہ سے منسلک وہ سعید بخت روحیں جن کو خدا تعالیٰ نے اس عظیم الشان کام کے لئے منتخب فرمایا ہے وہ کیا کریں اور کیسے کوشش اور جدوجہد کریں کہ اس عظیم الشان بلند مقصد کو حاصل کر سکیں؟ عاجز بندے ہیں، بے اختیار ہیں، بے کس ہیں، بے بس ہیں، دنیا کے لحاظ سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے لیکن ایک بہت بڑا مقصد اور ایک بہت عظیم الشان فریضہ ہے جو مسیح موعود علیہ السلام کے ان عاجز غلاموں کے سپرد فرمایا گیا اسے کیسے حاصل کیا جائے گا؟ اس ضمن میں قرآن کریم نے جو طریق بتایا ہے وہ آج میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

سورہ جمعہ سے پہلے سورہ صف ہے اور الصّف اور الجمعہ کے مضامین ایک دوسرے سے گہرا رابطہ رکھتے ہیں۔ اور سورہ جمعہ میں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا جس اذان کا ذکر ہے وہ تو ایک ایسی اذان بھی ہے جو ہر جمعہ کو ہر مسجد سے دی جاتی ہے لیکن ایک وہ عالمی اذان بھی ہے جس کو امام مہدی نے آنحضرت ﷺ کے دین کی طرف بلاتے ہوئے دینا تھا اور سورۃ الصّف میں اس امام مہدیؑ کے ظہور کا ذکر موجود ہے جس نے مسیح کی شکل میں احمد کی تمثیل بن کر اس دنیا میں آنا تھا۔ یہ ایک تفصیلی اور لمبا مضمون ہے لیکن اگر آپ سورۃ الصّف کا بغور مطالعہ کریں اور اس کے بعد سورۃ الجمعہ کے مضامین پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ الصّف میں جس غلام کامل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خبر دی گئی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کی احمد شان کا مظہر بن کر دنیا میں آئے گا اس کے سپرد جو عظیم الشان کام ہونا تھا وہ کیسے سرانجام پانا تھا؟ اس کا ذکر سورۃ الصّف میں تفصیل سے موجود ہے۔ اور سورۃ جمعہ میں بتایا گیا کہ وہ لازماً کامیاب ہوگا اور ایک ایسا وقت آئے گا کہ تمام بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر جمع کر دیا جائے گا۔

پس ہر احمدی کے لئے ضروری ہے کہ سورۃ الصّف میں بیان کردہ اُن صفات پر غور کرے جو مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی صفات ہیں۔ جن کے متعلق فرمایا گیا کہ اگر تم یہ صفات اختیار کرو گے، یہ اطوار اپناؤ گے اپنی زندگی کو اس طرز پر ڈھال لو گے تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ فتح جو

بظاہر دور دکھائی دیتی ہے۔ وہ قریب لائی جائے گی اور وہ نصرت جس کے وعدے تم سے کئے گئے تھے تم اپنی آنکھوں کے سامنے اس کو دیکھ لو گے۔ جو آیات قرآنیہ میں نے تلاوت کی ہیں یعنی جو سورۃ الصّف سے اخذ کی ہیں ان کا اب میں ترجمہ کرتا ہوں اس سے آپ کو کھلا کھلا وہ پیغام مل جائے گا جو آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کی آنے والی جماعت کی صفات کے طور پر کھول کر دیا۔ یہ کہنا کہ اس کا تعلق صرف مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت سے ہے درست نہیں اس لئے پیشتر اس سے کہ میں ان آیات کا ترجمہ کروں اس مضمون کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے اول اور سب سے آخر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے ساتھی ہیں۔ تمام پیشگوئیاں جن میں احمد کی پیشگوئی بھی شامل ہے اول طور پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق ہی ہیں۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کے متعلق یہ پیشگوئی ہے اور آپ کی صفات کا ذکر ہے تو ان معنوں میں نہیں کہ صرف آپ کے لئے یہ مخصوص تھیں اور کسی اور کے لئے نہیں بلکہ ان معنوں میں کہ یہ تمام پیشگوئیاں حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپؐ کے غلاموں کے لئے ہیں اور جو صفات حسنہ بیان ہوئیں وہ بھی آپؐ کے غلاموں پر صادق آتی ہیں لیکن آخرین کے پُل کے ذریعہ، آخرین کے رابطے کے ذریعہ جسے سورۃ جمعہ نے ہمارے سامنے رکھا آپ کو اولین سے ملایا گیا ہے اور ملانے کے معانی یہ تو بہرحال نہیں لئے جاسکتے کہ ایک وقت میں یا ایک جگہ پر اکٹھے ہو جائیں گے۔ نہ ہم جگہ کے لحاظ سے، نہ ہم وقت کے لحاظ سے ان اولین میں شامل ہو سکتے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں بارہا فرمایا گیا۔ پس ملنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ صفات کے ذریعے ملنے کی صورت ہے، اخلاق کے ذریعے ملنے کی صورت ہے، کردار کے ذریعے ملنے کی صورت ہے اور لگن کے ذریعے ملنے کی صورت ہے۔ پس یہی وہ مضمون ہے جو سورہ صف میں اس رنگ میں بیان فرمایا گیا کہ اولین پر تو ضرور صادق آیا لیکن آخرین پر بھی صادق آئے گا اور لازم تھا کہ صادق آتا کیونکہ اس کے بغیر آخرین کو اولین سے ملایا جانا ممکن نہیں پس اس وضاحت کے ساتھ اب آپ اس ترجمہ کو پیش نظر رکھیں جو میں آپ کے سامنے پڑھ کر سنا تا ہوں فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۱۱﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں ایک تجارت کی اطلاع نہ دوں۔ ایک تجارت کی

خبر نہ دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گی۔ دنیا کی کوئی تجارت ایسی نہیں جو کسی کو دردناک عذاب سے بچا سکے۔ پس تجارتوں کے دور میں جبکہ دنیا کی توجہ بیع کی طرف ہو اس وقت ایک ایسی تجارت کی خوشخبری دینا جو ہر قسم کے دردناک عذاب سے نجات کی ضمانت دیتی ہو ایک بہت عظیم الشان خوشخبری ہے فرمایا وہ کیسے ہوگا؟ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یہ تجارت اس طرح کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور پھر اُس کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں کا جہاد کرو یعنی اس تجارت کو تم اس طرح پاؤ گے کہ تم خدا پر ایمان لاؤ گے اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ گے اور خدا اور اس کے رسول کی راہ میں اپنے اموال کا بھی جہاد کرو گے اور اپنی جانوں کا بھی جہاد کرو گے۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں پتا ہو کہ اس تجارت کے کیسے کیسے فوائد ہیں اگر تم اس تجارت کی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ تو تمہیں سمجھ آئے گی کہ یہ تجارت تمہارے لئے ہر دوسری چیز سے بہتر ہے۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ . یہ ایسی تجارت ہے جس میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور کوئی نقصان کی بات نہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا یہ بھی معنی لیا جا سکتا ہے کہ کاش تمہیں علم ہوتا، کاش تم سمجھ سکتے اگر تم سمجھ سکتے تو ضرور یہ بات مان لیتے کہ اس تجارت میں بہت بڑے فوائد ہیں اور کچھ فوائد خدا اس کے بعد گن کر بتاتا ہے۔ فرمایا: يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ اس تجارت کا ایک بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ خدا تمہارے گناہوں سے مغفرت کا سلوک فرمائے گا۔ کون انسان ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں گناہ گار نہیں ہوں؟ جو گناہ گار نہیں تھے وہ بھی استغفار ہی کرتے رہے۔ سب سے بڑھ کر معصوم اور قطعی طور پر معصوم حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات تھی۔ آپؐ کا بھی لمحہ لمحہ استغفار میں گزرا۔ پس وہ لوگ جو حقیقۃً گناہوں میں ڈوبے پڑے ہیں اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب کسی نہ کسی گناہ میں ملوث نہ ہو جاتے ہوں ان کے لئے کتنی بڑی خوشخبری ہے۔ فرمایا تم اس تجارت میں لگ جاؤ تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے گناہوں سے صرف نظر فرمائیں گے اور انہیں بخش دیں گے۔ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور ایسی جنتوں میں تمہیں داخل کریں گے جہاں نہریں بہتی ہوں۔ تمہارے قدموں تلے نہریں بہہ رہی ہوں۔ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً اور بہت ہی پاکیزہ گھر میسر ہوں۔ فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ ایسی جنتوں میں جو ہمیشگی کی جنتیں ہیں کوئی عارضی مقام نہیں ہے، کوئی ایسا گھر نہیں ہے جو آج لیا اور کل بیچ دیا آج ملا

اور کل کسی نے باہر نکال دیا بلکہ ایسا گھر ہے جو ہمیشگی کا ہے اور کوئی اس میں سے تمہیں باہر نہیں نکال سکے گا۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اسے کہتے ہیں عظیم کامیابی یعنی یہ مقصد حاصل ہو جائے کہ انسان کے گناہ بخشے جائیں، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو، اسے ہمیشگی کی جنتیں عطا ہو جائیں تو اسی کا نام فوز عظیم ہے۔ یہ فوائد ہیں جو اس تجارت سے ہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا لیکن ان فوائد کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے سے ہے۔ یعنی آخرت سے ہے۔ دور کے فوائد ہیں اگر چہ وہ دور ہر انسان کے قریب بھی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کس وقت وہ مرکر خدا کے حضور حاضر ہو جائے گا لیکن جو لوگ اس دور میں مگن رہتے ہیں ان کو وہ دنیا جو مرنے کے بعد نصیب ہونی ہے بہت دور دکھائی دیتی ہے۔ پس پہلے وہ فوائد بیان کئے جو حقیقی ہیں، جو اصلی ہیں جو لازماً نصیب ہوں گے اور ہمیشہ کے لئے ہوں گے اور اوّلیت ان ہی کو ملنی چاہئے لیکن پھر دنیا کے فوائد کے متعلق اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا کہ تمہیں جو برکتیں اس جہاد سے نصیب ہوں گی وہ صرف مرنے کے بعد نہیں ہوں گی بلکہ اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے، اپنے جیتے جی تم اُن برکتوں کو دیکھ لو گے اور وہ کیا ہیں فرمایا: وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا اور ایک دوسری بڑی کامیابی تم کو یہ نصیب ہوگی جو تم دل وجاں سے چاہتے ہو اس سے تمہیں محبت ہے یعنی نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں نُصرت عطا ہوگی اور فتح تمہارے قریب لائی جائے گی۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اے محمد ﷺ! مومنوں کو بشارت دے دو کہ ایسا ہوگا اور ضرور ہو کر رہے گا۔

اب یہاں نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ کی جو خوشخبری ہے اسی کی تفصیل سورۃ النصر میں ہمیں یوں ملتی ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۲ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۳ کہ وہ وقت یاد کرو جب تم خدا کی نصرت اور فتح کو دیکھو گے۔ جب نصرت اور فتح تمہیں عطا کی جائے گی اور اس شکل میں کہ فوج درفوج لوگ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہوں گے اور فرمایا کہ مومنوں کو سب سے زیادہ اس چیز سے محبت ہے۔ ہر وقت وہ چاہتے ہیں کہ ایسا ہو کاش ہم اپنی آنکھوں سے فتح کا وہ دن دیکھ لیں تو فرمایا جس تجارت کی طرف ہم تمہیں بلا رہے ہیں اس تجارت کے دائمی فائدے تو ہیں ہی جو لازماً نصیب ہوں گے لیکن تم تو چاہتے ہو کہ مرنے سے پہلے فتح اور نصرت کا دن بھی دیکھ لو۔ اگر یہی تمہاری تمنّا ہے، اسی مقصد سے تمہیں دلی محبت ہے تو فرمایا

جو تجارت کرنے کے لئے ہم تمہیں ہدایت دے رہے ہیں وہ تجارت کرو۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ نصرت اور فتح ضرور عطا فرمائے گا اور یہ یقین دلانے کے لئے فتح کو قریب لا کر دکھایا گیا کہ اگر چہ آخری زمانہ میں فتح دور دکھائی دے گی اور بظاہر ناممکن ہوگا کہ کوئی ایک نسل اپنی آنکھوں سے اس فتح کو دیکھ لے لیکن اگر اس تجارت میں مگن ہو جائے جس تجارت کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اس فتح کو قریب کیا جائے گا۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کو بشارت دو اعلان عام کر دو کہ خدا کے فضل کے ساتھ یہ ساری نعمتیں تمہیں عطا ہونے والی ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ جس تجارت کا ذکر گزرا ہے اس تجارت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دو۔ كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ تم خدا سے نصرت چاہتے ہو تو خدا کی نصرت تو کرو جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ نصرت کے لئے خدا کے حضور حاضر کر دو یعنی اپنی سب طاقتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نصرت کرو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت فرمائے گا۔ یہ وہ مضمون ہے جو انسان اپنی ساری زندگی کے روزمرہ تجربہ میں دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے اگر کوئی شخص اپنا سب کچھ آپ کے حضور پیش کر دے تو فطری تقاضا ہے کہ آپ اپنا سب کچھ اس کو پیش کرنا چاہیں لیکن جب میں فطری تقاضا کہتا ہوں تو مراد ان لوگوں کا فطری تقاضا ہے جن کی فطرت سلیم ہو، جن کی فطرت پر میل نہ پڑ گئی ہو، جو وہی فطرت رکھتے ہوں جس فطرت پر پیدا کئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر انسان کو صحیح سچی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ پس یہ جو مضمون ہے کہ اللہ کی فطرت پر انسان پیدا کئے گئے اس مضمون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر آپ کی فطرت صحیح ہو اور اس میں دنیا کی ملونی کی وجہ سے گندگی شامل نہ ہوگئی ہو تو خدا تعالیٰ آپ سے جو سلوک کرے گا اسے پہچاننے کے لئے اپنے نفس کو پہچانیں۔ جو سلوک آپ خدا تعالیٰ سے چاہتے ہیں یہ دیکھیں کہ آپ وہ سلوک لوگوں سے کس صورت میں کیا کرتے ہیں اور لوگ وہ سلوک آپ سے کب کیا کرتے ہیں۔ پس اپنے نفس کو پہچاننے کے ذریعہ تم خدا کو پہچان سکو گے اور خدا تعالیٰ سے تعلقات کو درست کر سکو گے۔ پس یہ وہی مضمون ہے جو بیان فرمایا گیا پہلے فرمایا کہ نصرت تمہیں ضرور عطا ہوگی اگر تم وہ تجارت کرو جس کی طرف تمہیں بلایا جا رہا ہے لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا گیا کہ اس تجارت کے لئے شرط ہے کہ خدا کی خاطر مسیح کے انصار بنو۔ جو لفظی ترجمہ ہے وہ یہ ہے مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ کہ اللہ کے

مسیح نے کہا کہ کون ہے جو میرے انصار بنیں اللہ کے لئے۔ تو مراد یہ ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام تو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا مسیح جو مسیح مہدی ہوگا۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دین کو تمام دوسرے ادیان پر غالب کرنے کے لئے آئے گا تمہیں اس کا انصار ہونا پڑے گا اور انصار بھی دل وجان کے ساتھ جو کچھ تمہارے حضور ہے، تمہارے پاس ہے اس کے حضور حاضر کرنا ہوگا اپنی جان کے تحفے بھی پیش کرنا ہوں گے۔ اپنے اموال کے بھی تحفے پیش کرنا ہوں گے اور دن رات یہ لگن لگانی ہوگی کہ ہم جس طرح بھی بس چلے اور جو کچھ بھی ہمارا اختیار ہے ہم نصرت دین کے لئے اپنے آپ کو ناصر بنادیں اور خدا کی راہ میں ہم جو کچھ بھی خدمت کر سکتے ہیں وہ بجالائیں۔

انصار اللہ میں ایک دائمی حالت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اگر نصرت طلب کی جائے تو نصرت وقتی بھی ہوسکتی ہے لیکن مسیح ناصری کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے وقتی نصرت طلب نہیں کی تھی۔ چند قربانیوں کی طرف نہیں بلایا تھا اُس نے کہا تھا کہ۔ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ کون ہے جو اللہ کی خاطر میرا مددگار بنتا ہے اور یہاں انصار سے مراد ہے ساری زندگی کے لئے مددگار بنا رہنا کسی عارضی مدد کے لئے پیش نہ کرنا بلکہ ہمیشہ کے لئے خادموں کی فہرست میں شامل ہو جانا۔ چنانچہ اس مضمون کو سمجھتے ہوئے انہوں نے یہی جواب دیا کہ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ان کے جواب میں یہ نہیں تھا کہ ہاں ہم اللہ کے لئے تیرے مددگار بنتے ہیں بلکہ وہ اس مضمون کو خوب سمجھ گئے تھے کہ مسیح کا مددگار بننا اور اللہ کا مددگار بننا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ پس مسیح نے تو خوب وضاحت کر دی کہ اللہ کی خاطر میرے مددگار بنو۔ جواب میں انہوں نے کہا نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ۔ ہاں ہم حاضر ہیں ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہمیشہ اللہ کے مددگار رہیں گے تو مضمون ایک ہی ہے لیکن اختصار کے ساتھ بیان فرمایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ دونوں باتیں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

پس مسیح مہدی کے انصار بننا اور اللہ کے انصار بننا یہ دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ فرمایا کہ جب تم تجارت کرو گے اور اس رنگ میں تجارت کرو گے تو پھر یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ ضرور تمہارا مددگار ہوگا اور وہ فتح جو تمہیں دور دکھائی دیتی ہے وہ تمہارے قریب لائی جائے گی۔ یہ وہ مضمون ہے جسے جماعت احمدیہ کو خوب اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل درآمد کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اس کے بغیر ہم اگلی سورۃ میں دی گئی خوشخبری کے اہل نہیں ہوسکیں گے اور وہ سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ مسیح محمدیؐ

جب یہ اعلان کرے گا کہ میرے انصار بنو تو اس شان کے ساتھ اس کی آواز پر لبیک کہا جائے گا کہ خدا تعالیٰ سورہ جمعہ میں گواہی دیتا ہے کہ وہ لوگ جو آئندہ زمانے میں ظاہر ہونے والے مسیح کے انصار بنیں گے ان کو اولین سے ملایا جائے گا اور ان کو ایک ہی مقام پر جمع کر دیا جائے گا یعنی محمد مصطفی ﷺ کے اولین غلاموں کے ساتھ ان کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ پس کتنا بڑا انعام ہے، کتنی بڑی خوشخبری ہے جو آپ کے لئے، جو آخرین کی جماعت میں مقدر ہو چکی ہے جس کا قرآن کریم میں بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر موجود ہے اور وہ طریق کار بھی بتا دیا گیا جس طریق پر آپ نے مسیح کی نصرت کرنی ہے اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا اور آپ کو بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کی توفیق بخشے گا۔

اس ضمن میں مَیں بہت سے خطبات پہلے بھی دے چکا ہوں اور ان خطبات میں میں نے جماعت کی تنظیموں کو نصیحت کی تھی کہ آپ اس کام کو اس طرح مرتب کریں، اس طرح منصوبہ بندی کے ساتھ بجالائیں کہ تمام احمدی جن کے دل میں خدمت کا کچھ بھی جذبہ ہے وہ اس نظام سے وابستہ ہو جائیں اور اس سے استفادہ کریں اور پھر اس کی نگرانی رکھیں اور حتی المقدور کوشش کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھانا شروع کریں۔ میں نہیں جانتا کہ منتظمین نے یا اصلاح و ارشاد کے سیکرٹریوں یا دعوت الی اللہ کے سیکرٹریوں نے کس حد تک اس طرف توجہ کی یا امراء نے اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھ کر انہیں بجالانے کی کوشش کی۔ تمام دنیا کی جماعتوں میں مختلف ردعمل ہوں گے۔ کہیں کوئی امیر زیادہ مستعد ہیں کہیں کوئی امیر ذاتی طور پر دعوت الی اللہ سے قلبی تعلق رکھتے ہیں ایسی جگہوں میں یقیناً خدا کے فضل سے اچھے نتائج نکلے ہوں گے لیکن بہت سی ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں امراء کے پاس یا وقت نہیں ہے یا مزاج اور دماغ نہیں ہے کہ ان باتوں کو سن کر اس طرح ان پر عمل درآمد کریں یا بعض دفعہ ان کو ایسے مددگار میسر نہیں ہوتے جو ان کی باتوں کو سُن کر توجہ کریں اور ان کی مدد کریں۔ پس اسی لئے میں نے ان خطبات کے آخر پر دعا کی طرف توجہ دلائی تھی کہ تمام عہدیداران جو ان نصیحتوں پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ خدا تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ یہ مدد مانگیں کہ:

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ
وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا (بنی اسرائیل:۸۱)

کہ اے میرے اللہ! مجھے اس اعلیٰ مرتبہ اور اس اعلیٰ مقام پر فائز فرما۔ مجھے اس اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما اَدۡخِلۡنِیۡ سے مراد مجھے داخل کر دے۔ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ، سچائی کے ساتھ کس میں داخل کر دے؟۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اس مقام محمود کی طرف لے جا۔ اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دے جس کا تو محمد مصطفی ﷺ سے وعدہ فرماتا ہے اور آپؐ کی غلامی میں اس کا کچھ نہ کچھ فیض ہمیں بھی میسر آنا ہے۔ ساتھ ہی میں نے توجہ دلائی کہ اس دُعا کا انجام یہ بیان فرمایا گیا اور آخرت پر یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا۔ میں کامیابی کی طرف کوئی بھی قدم کامیابی کے ساتھ اُٹھا نہیں سکتا جب تک مجھے تیری طرف سے کوئی مدد میسر نہ ہو جو سلطان ہو جو غالب آنے کی طاقت رکھتا ہوا ایسا مددگار مجھے ضرور مہیا فرما کہ اس کے بغیر میرا سفر طے نہیں ہوسکتا تو یہاں بھی ایک نصیر کا ذکر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی نصرت کرنے کے لئے بھی ایک نصیر کی ضرورت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ نصیر ملکوتی طاقتوں سے تعلق رکھنے والا نصیر ہے۔ اگرچہ دنیا میں بھی یہ نصیر میسر آتے ہیں اور بارہا ہم نے ان دعاؤں کے نتیجہ میں انسانوں کو ان معنوں میں نصیر بنتے دیکھا ہے جن معنوں میں قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اول طور پر یہاں ملکوتی طاقتیں مراد ہیں یہاں جبرائیلؑ کی طرف اشارہ ہے اور جبرائیلؑ کے تابع جتنی قوتیں انسان کو نیکی کی طرف لے جاتی ہیں اور اندھیروں سے نکالتی ہیں ان سب طاقتوں سے مدد مانگنے کی ایک التجا ہے جو اس دُعا میں کی گئی ہے۔

پس خدا تعالیٰ کی نصرت کرنے کے لیے بھی خدا تعالیٰ سے نصرت مانگنی پڑے گی۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کا مضمون آپ دیکھیں ہر جگہ پھیلا پڑا ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں ہے جو اس دعا کے اثر سے باہر ہو۔

تو پہلی نصیحت میری آپ کو بھی یہی ہے جیسا کہ تمام عہدیداران کو کی تھی کہ بحیثیت احمدی ہر شخص کا کام ہے کہ وہ نصرت کے لئے تیار ہو اور نصرت کے لئے ہر وقت اللہ سے نصرت طلب

کرے۔ایک نصرت آغاز میں ہوگی اس کے نتیجہ میں آپ کو نصیر یا انصار بنایا جائے گا۔اور ایک نصرت اس کے بعد آئے گی جو اس کے نتیجہ میں ظاہر ہوگی اس مضمون کو آپ سمجھیں تو خدا تعالیٰ کی دو صفات کے مضمون کو آپ سمجھ لیں گے کہ خدا تعالیٰ اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ پہلا بھی ہے اور سب سے بعد بھی ہے یعنی خدا کے بغیر کوئی برکت والی بات شروع ہو ہی نہیں سکتی اور جب آپ شروع کرتے ہیں تو ہر نیک انجام جو ظاہر ہوتا ہے ہر نیک نتیجہ جو نکلتا ہے اس میں بھی آپ خدا تعالیٰ کا تصور دیکھتے ہیں اور بالآخر خدا کو اپنی جزا دینے کیلئے آخر پر منتظر پاتے ہیں۔

پس نصیر بننے کے لئے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بار بار یہ دعا مانگنی ضروری ہے کہ اے خدا ہمیں نصیر عطا فرما یعنی روحانی طور پر ہمارے دلوں کو طاقت بخشنے والا، ہمارے دماغوں کو اس نہج پر چلانے والا ، ہماری سوچوں کو روشن کرنے والا ، ہماری کوششوں میں برکت ڈالنے والا ، ایسا نصرت کرنے والا عطا فرما جو سلطان ہو جس میں یہ طاقت ہو کہ جب کسی کی مدد کرے تو اس کی مدد کامیابی اور قوت کے ساتھ کرے اور اس مدد کا نیک نتیجہ ظاہر ہو۔

پس آج کے خطبہ میں اور شاید اس کے بعد بھی ایک دو اور خطبوں میں میں جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے ہر فرد بشر کو جو احمدیت سے تعلق رکھتا ہے براہ راست یہ پیغام دیتا ہوں کہ آپ تبلیغ کریں اور تبلیغ اس طرح کریں جس طرح قرآن کریم میں ذکر فرمایا گیا ہے اور اس کی تفصیل میں کچھ اور باتیں میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

اس آیت میں جو عمومی تصویر کھینچی گئی ہے اسے ہم اُردو میں اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ تن من دھن کی بازی لگا دو اپنا سب کچھ اس راہ میں جھونک دو کچھ بھی باہر نہ رکھو۔ یہ وہ چیز ہے جو لگن سے تعلق رکھتی ہیں جیسے کسی چیز کی لو لگ جاتی ہے، کسی چیز سے انسان کو عشق ہو جائے۔ وہ کیفیت ہے جو بیان فرمائی گئی ہے اور یہ ایک مضمون نگاری نہیں بلکہ فی الحقیقت ہے یہی معنی ہیں اور اس کے سوا کوئی اور معنی نہیں بنتے ہیں جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے کیونکہ عشق کے بغیر انسان نہ تو اپنا مال پیش کر سکتا ہے نہ جان پیش کر سکتا ہے۔کوئی پاگل تو نہیں ہو گیا کہ کسی کو اپنا سب کچھ دے دے، مال بھی دے دے اور جان بھی دے دے۔ یہ مضمون عشق سے تعلق رکھتا ہے اگر انسان محبت میں پاگل ہو تب ہی وہ ایسی حرکت کرتا ہے ورنہ کوئی سر پھرا تو نہیں کہ بے وجہ کسی کو اپنا مال بھی دے دے اپنی جان بھی اس

کے حضور حاضر کر دے جب فرمایا: مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ ۔ تو دراصل کن معنوں میں انصار بننا تھا اس کا نقشہ پہلے ہی کھینچا گیا ہے اور اس کے بعد مسیح کا یہ پیغام دیا گیا تا کہ انسان خوب اچھی طرح سمجھ لے کہ جب میں نے خدا کی راہ میں مسیح کے انصار میں داخل ہونا ہے تو مجھ سے کیا توقع کی جاتی ہے۔ ناصر بننا کس کو کہتے ہیں؟ پہلے خوب سمجھایا گیا پھر مسیح کا دعویٰ پیش کیا گیا پھر مسیح موسوی کی قوم کا جواب پیش کیا گیا اور عملاً یہ صلائے عام دی گئی کہ اے محمد مصطفی ﷺ کے غلامو! مسیح موسوی سے اس کی قوم نے جو محبت اور عشق کا سلوک کیا تھا کیا تم مسیح محمدیؑ سے اس سے بڑھ کر محبت اور عشق کا سلوک نہیں کرو گے؟ اگر مسیح موسوی کے غلاموں نے بڑی شان کے ساتھ اور بڑی عاجزی کے ساتھ اور کامل خلوص اور صدق کے ساتھ خدا کی خاطر مسیح کے حضور اپنے اموال اور جانیں پیش کر دیئے تھے تو کیا تم بھی ایسا نہیں کرو گے یہ وہ سوال ہے جو اس میں مضمر ہے، اس میں شامل ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ ایک عشق کا نظارہ ہے۔

حضرت مسیحؑ کے انصار کے حالات پر آپ نظر ڈالیں تو واقعۃً یوں لگتا ہے جیسے وہ دیوانے ہو گئے۔ ایک وہ کیفیت تھی جب حضرت مسیحؑ صلیب کی آزمائش سے ابھی گزرے نہیں تھے۔ اس کیفیت میں آپ بعض دفعہ ان کے متعلق ایسے تبصرے بھی کر دیتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ایمان میں کوئی جلا نہیں تھی، کوئی خاص شان نہیں تھی، ایسے بھی تھے جنہوں نے دنیا کی لالچ میں مسیح پر لعنت بھیج دی۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی جان بچانے کی خاطر مسیح کو سولی پر لٹکوانا گوارا کر لیا لیکن میں بعد کی بات کر رہا ہوں۔ جب مسیح نے قربانی کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا تو اس وقت ان کے اندر ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہوا ہے اور وہی انصار جو ڈرے ڈرے، چھپے چھپے کمزور دکھائی دیتے تھے انہوں نے پھر اتنی عظیم الشان قربانیاں پیش کی ہیں کہ تاریخ نبوت میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دور کے سوا آپ کو کہیں ایسی عظیم الشان قربانیاں دکھائی نہیں دیں گی۔ تین سو سال کے عرصہ پر پھیلی ہوئی ایسی دردناک قربانیاں ہیں اور ایسی مستقل مزاجی رکھنے والی قربانیاں ہیں کہ جن میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی کبھی کوئی کمزوری نہیں آئی ایک نسل بھی بعض دفعہ قربانیاں کرتے ہوئے تھک جاتی ہے اور یہ پوچھنا شروع کر دیتی ہے کہ کب خدا کی مدد آئے گی؟ کب ہمارے دن بدلیں گے؟ لیکن مسیح کی دعوت پر جن لوگوں نے نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں انہوں نے اس وعدہ کا حق ادا

کر دیا اور جانیں دیں، جانوروں کے سامنے ڈالے گئے، درندوں کے سامنے ڈالے گئے، لوگ بڑے بڑے تھیٹرز میں اور تماشہ گاہوں میں بیٹھے ہوتے تھے اور ان کے سامنے پنجروں سے بھوکے شیر یا بیل یا اور قسم کے خوفناک جانور حضرت مسیحؑ کے غلاموں پر چھوڑے جاتے تھے کیونکہ وہ دنیا کی خاطر دین کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ ان کو پہلے ڈرایا جاتا تھا اور ان کی عاقبت کے بارہ میں خوب اچھی طرح خبردار کر دیا جاتا تھا بار بار ان کو سمجھایا جاتا تھا کہ توبہ کر لو اور مسیح کو چھوڑ واور ہمارے خداؤں کے سامنے سر جھکاؤ ورنہ تمہارا یہ انجام ہوگا۔ یہ ساری باتیں سننے کے بعد یقین کرنے کے بعد وہ یہی کہا کرتے تھے۔ کہ ہم مسیح کو کبھی نہیں چھوڑیں گے جو چاہو کر لو اور اس کے نتیجہ میں پھر ان پر بڑے بڑے ابتلاء آئے ان کی سچائی کو طرح طرح سے آزمایا گیا اور یہ جو باتیں میں بیان کر رہا ہوں یہ حقیقت ہے اور اس میں کوئی بھی افسانہ نہیں یہ تاریخی حقائق ہیں کہ ان ایمان لانے والوں کمزوروں اور بھوکوں کو تماشہ گاہوں میں میدان کی طرف سے نکالا جاتا تھا اور دوسری طرف سے بھوکے شیروں یا بھیڑیوں یا اور درندوں کو چھوڑا جاتا تھا اور وہ آناً فاناً ان کو چیر پھاڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتے تھے ان کی ہڈیوں کو جھنجھوڑتے تھے ان کے گوشت کو کھاتے اور ان کے خون کو پیتے تھے اور سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھتا تھا اور خوشی سے نعرے لگائے جاتے تھے کہ یہ مسیح کے ایک اور ماننے والے کو ہم نے اس بدانجام کو پہنچایا یہ ایک نسل کی بات نہیں دو نسل کی بات نہیں ایک سو سال میں کئی نسلیں گزر جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آئے ہوئے ابھی ایک سو سال ہوئے ہیں اور آپ دیکھیں کہ ہماری چوتھی پانچویں نسل بلکہ چھٹی نسل تک میں نے ایک خاندان میں گن کر دیکھے تھے اور یہ چھ نسلیں ایک سو سال کے اندر اندر پیدا ہوگئی ہیں تو تین سو سال تک کتنی نسلیں ہیں جنہوں نے کامل وفا کے ساتھ اس عہد کو نبھایا ہے اور مسیح ناصریؑ سے وفا کی ہے۔ یہ مطلب ہے انصار اللہ بننے کا لیکن میں بعض دفعہ تعجب سے اور دُکھ سے دیکھتا ہوں کہ پاکستان سے بعض احمدی لکھ دیتے ہیں کہ اب تو حد ہوگئی کہ اب اور کتنی مدت تک خدا ہم سے انتظار کروائے گا؟ اتنی تکلیفیں پہنچ گئیں خدا کی مدد کیوں نہیں آتی۔ کیوں نقشے نہیں بدلتے، کیوں دشمن ہلاک نہیں ہوتا؟ میں حیرت سے دیکھتا ہوں اور میرا دل خون ہو جاتا ہے ان باتوں کو سن کر کہ تم نے مسیح مہدی سے وعدہ کیا ہے کہ ہم اپنی جان مال عزت سب کچھ پیش کر دیں گے اور جو اپنی جان دے دے اس کو پھر اس سے کیا غرض کہ میرے بعد کیا ہوگا یا میں کیا دیکھتا ہوں اور کیا

نہیں دیکھتا۔ اَنۡصَارُ اللّٰهِ جب کہہ دیا تو سب کچھ خدا کے سپرد کر دیا مسیح محمدیؐ کی طرف منسوب ہو کر سو سال نہیں صرف ایک نسل کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے تم ہمت ہار دو تو کیا تمہیں زیب دیتا ہے کہ مسیح محمدیؐ کے انصار ہونے کا دعویٰ کرو۔

پس اس سورۃ الصّف میں ہمارے لئے ایک پوری تاریخ کھول کر بیان فرمادی گئی ہے ہمارا کیا کردار ہونا چاہئے، کن کن قربانیوں کی اللہ تعالیٰ ہم سے توقع رکھتا ہے کس عہد و پیمان کی ہم سے توقع رکھتا ہے اور پھر سابق مسیح کی طرف اشارہ کر کے پوری مسیحیت کی تاریخ کھول کر ہمارے سامنے رکھ دی اور بتایا کہ اس راہ میں یہ یہ ابتلاء آئیں گے، یہ یہ مشکلات پیش ہوں گی۔ایک نسل کی فتح کا سوال نہیں، دو نسلوں کی فتح کا سوال نہیں تمہاری فتح کا زمانہ لمبا بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک وعدہ فرما دیا اور وہ وعدہ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ کا وعدہ ہے۔یہ وہ پہلو ہے جو میں آپ کے سامنے خوب اچھی طرح کھولنا چاہتا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بارہا اس مضمون کو کھول کر بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ مجھے مسیح ناصری سے تشبیہ دی گئی لیکن محمد ﷺ کی برکت سے میری تکلیفیں بھی کم کی گئی ہیں اور اسی نسبت سے تمہاری تکلیفیں بھی کم کی گئی ہیں۔

فرمایا اگر محمد مصطفی ﷺ کی برکت نہ ہوتی تو میں بھی روئے صلیب ضرور دیکھتا کیونکہ میں واقعۃً مسیحؑ کا مثیل ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی برکت سے اور آپؐ کی دعاؤں کی برکت سے ہماری آزمائشوں کو چھوٹا بھی کر دیا اور آسان بھی فرما دیا ہے۔پس آپ نے اس مضمون کو بھی خوب کھول کر بیان فرمایا کہ اگرچہ مسیحؑ کو تین سو سال کے بعد غلبہ عطا ہوا تھا اس لئے اگر مجھے اور میری جماعت کو بھی تین سو سال میں غلبہ عطا ہو تو کوئی تعجب یا اعتراض کی بات نہیں لیکن میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ محمد ﷺ کی برکت سے ہمارے غلبے کی مدت کو کم کر دیا جائے گا۔وہ زمانہ جو قربانیوں کا زمانہ ہے وہ چھوٹا کر دیا جائے گا اور جزا کے زمانہ کو لمبا کر دیا جائے گا۔پس فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ نے یہاں یہ وعدہ کیا ہے کہ اے محمد مصطفی ﷺ کے غلامو! اگر تم یہ وعدہ پورا کرو اس تجارت کی طرف آ جاؤ جس کی طرف ہم تمہیں بلاتے ہیں تو خدا تعالیٰ تمہاری فتح کے دن قریب کر دے گا اور تمہیں تین سو سال کے انتظار کی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

پس اس وجہ سے میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ بات ایک معنوں میں ہمارے اختیار میں

ہے۔ بظاہر ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں لیکن جن شرطوں کے ساتھ ہمیں خدا تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کے لئے ہمیں بلایا ہے اُن شرطوں کو پورا کرنا فی الحقیقت ہر انسان کے اختیار میں ہے ان معنوں میں اختیار میں ہے کہ اگر وہ خدا سے نصرت طلب کرتے ہوئے یہ عہد کرے کہ اے خدا! میں تیری راہ میں ناصر بننا چاہتا ہوں۔ میں اَنْصَارُ اللّٰہِ میں شامل ہونا چاہتا ہوں تو پھر ضرور ہر انسان کے بس میں اور اختیار میں ہے کہ وہ خدا کے اَنْصَارُ میں ان معنوں میں شامل ہو جائے جن معنوں میں قرآن کریم نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے اور اگر ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نصرت کو محمد مصطفی ﷺ کی برکت سے قریب کر دیا جائے گا تمہاری فتح کے دن قریب کر دیئے جائیں گے اور تمہیں اتنے لمبے انتظار کی زحمت گوارا نہیں کرنی ہوگی۔ پس جماعت احمدیہ کی ہر نسل جو گزر رہی ہے وہ ایک امکانی حالت سے گزر رہی ہے اور وہ امکانی حالت فتح کی طرف بلا رہی ہے۔ اگر ساری جماعت وہ کوشش کرے جس کا اس سورۃ میں ذکر ہے تو لازماً تمام دنیا کی فتح کا سہرا ایک نسل کے سر بھی لکھا جا سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جن لوگوں نے نصرت کا وعدہ کیا وہ تعداد میں بہت تھوڑے تھے لیکن اس کثرت سے ان کو پھل لگے کہ دیکھتے ہی دیکھتے احمدیت کا پودا صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر کے ممالک میں بھی نصب ہو چکا تھا اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوئی جس کی نسل میں سے اکثر احمدی آج دنیا میں موجود ہیں۔ میں نے تبلیغ کے ذریعہ پھیلاؤ کا جو جائزہ لیا ہے میں آپ کو یقین سے بتا سکتا ہوں کہ جس کثرت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تبلیغ ہوئی اور جس کثرت سے جماعتیں اس زمانہ میں پھیلی ہیں اس کا عُشر عشیر بھی کبھی بعد میں نہیں ہوا۔

تمام صحابہؓ ثمر دار شجر تھے وہ شجر طیبہ بن چکے تھے جن سے ہر حالت میں پھل کے وعدے کئے گئے ہیں جن کے متعلق قرآن کریم اعلان فرماتا ہے کہ وہ زمین میں مضبوطی کے ساتھ پیوستہ ہیں لیکن شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور ہر موسم میں ان کو پھل لگتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کثرت سے ایسے صحابہؓ عطا ہوئے جو طیب درختوں کی صورت میں لہلہاتے رہے۔ پھولتے پھلتے رہے اور ہر موسم میں ان کو پھل لگتے رہے۔ اب جب میں قادیان گیا تو بہشتی مقبرہ میں گھوم پھر کے کتبات پڑھتا تھا ان میں سے بہت سے ایسے کتبات تھے جن سے مجھے یاد آ جاتا تھا کہ ہاں میں

نے بھی ان کو دیکھا ہوا ہے اس شکل وصورت کے تھے۔ یہ وہ بزرگ صحابیؓ تھے جو اس زمانے میں سادہ سے کپڑوں میں عام لباس میں غریبانہ چال کے ساتھ چلتے تھے اور ہم وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ خدا کے حضور ان کا کتنا بڑا مرتبہ اور مقام ہے لیکن خدا نے ہمیں یہ سعادت عطا فرمائی تھی کہ ان پاک چہروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ پس ان قبروں پر گزرتے ہوئے دعائیں بھی کرتا تھا اور اپنی سعادت پر خدا کا شکر بھی ادا کرتا تھا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ وہ صحابہؓ ہیں جن کا انصار کی جماعت میں قرآن کریم میں ذکر موجود ہے۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے آخرین کو اوّلین سے ملایا تھا اور خدا نے ان سے اپنے وعدے پورے کئے۔ اتنی بڑی مخالفت کا طوفان تھا کہ آج پاکستان میں جو مخالفت ہو رہی ہے اُس مخالفت کے سامنے اس مخالفت کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں ملاّں پھرے اور ہندوستان سے لے کر عرب ممالک کے آخر تک انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف عناد اور دشمنی کی ایک آگ لگا دی اور بڑے فخر سے یہ اعلان کئے کہ ہم نے تمام دنیا میں اس شخص کے خلاف ایسی نفرت پیدا کر دی ہے کہ ایک آگ بھڑک رہی ہے جو اس کو خاکستر کر کے رکھ دے گی۔ تمام دنیا کے علماء نے اس کو دنیا کا بدترین انسان قرار دے دیا اور یہ فتویٰ دیا کہ اس کو مارنا، لوٹنا، قتل کرنا اس کی اولاد و جان عزت پر ہاتھ ڈالنا سب کچھ خدا کے نزدیک جائز ہے بلکہ باعث ثواب بن گیا ہے۔ اس کو اور اس کے ماننے والوں کو جس کے بس میں آئے جس طرح لوٹے، مارے، کوٹے، جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے۔ یہ دین کا فتویٰ ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو خدا کے حضور بڑی عزت پائے گا۔ اس قسم کی آگ تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چاروں طرف بھڑکائی گئی۔ اس آگ کو گلزار بنانے والے وہ صحابہؓ تھے جگہ جگہ ابراہیمی طیور تھے جو پیدا کئے گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان کے ساتھ خدا نے اپنے سارے وعدے پورے کئے ورنہ آج آپ یہاں نہ ہوتے۔ آج آپ ہندوستان میں بھی نہ ہوتے کہیں آپکا وجود ممکن نہیں تھا کیونکہ جس قسم کی مخالفت اور ملیا میٹ کر دینے والی نفرتیں پھیلا دی گئی تھیں وہ ایسی نفرتیں تھیں کہ یوں لگتا تھا کہ نظریں لوگوں کو کھا جائیں گی۔ ان واقعات کو آپ پڑھیں جن مشکلات سے احمدی اس زمانہ میں گزرے ہیں تو آج بھی دل خون کے آنسو روتا ہے کہ کس طرح ان معصوموں کو کتنی بڑی بڑی تکلیفیں دی گئیں لیکن جب خدا نے فَتۡحٌ قَرِيۡبٌ فرمایا تو اس زمانہ کے لحاظ سے جو فتح ہوئی وہ بہت بڑی فتح تھی۔ احمدیت

کا ان خطروں سے بچ کر سلامت گزر جانا اور خزاں کے دور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کثرت سے اشجار طیبہ عطا ہونا یعنی ایسے درخت عطا ہونا جو پھولنے پھلنے والے ہوں اور جن کو دنیا میں کوئی کاٹ نہ سکے، برباد نہ کر سکے، کوئی ان کو بے ثمر نہ بنا سکے۔ یہ نصرت کا وعدہ تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پورا ہوا۔

اب آپ کو نصرت کے دوسرے دور میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اس دوسری صدی نے نصرتوں کا اور فتوحات کا ایک نیا باب کھولا ہے اور اس صدی کے سر پر کھڑے ہونے والوں کی ایک مثال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صدی کے سر پر کھڑے ہونے والے بزرگ صحابہؓ سے ملتی ہے اور یہ دور کئی معنوں میں نئی برکتیں لے کر دوبارہ آپ کے سامنے آیا ہے۔

پس اگر آپ انصار ہونے کا حق ادا کریں گے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ جان مال عزت جو کچھ بھی ہے خدا کے حضور پیش کریں گے اور ایک لگن لگا لیں گے، ایک دھن سر پر سوار کر لیں گے کہ ہم نے ضرور احمدیت کو فتح یاب کرنا ہے اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں کثرت سے لوگوں کو داخل کرنا ہے تو پھر نصرت کا وہ وعدہ جس کا سورہ نصر میں ذکر ہے کہ فوج در فوج لوگ داخل ہوں گے اس وعدے کو آپ اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھیں گے اور اگر ہم ان نصیحتوں پر عمل کریں جو قرآن کریم نے ہمارے سامنے رکھی ہیں اور اس خلوص اور وفا کے ساتھ عمل کریں جس کی توقع کی جاتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہرگز بعید نہیں کہ اس صدی میں ہی تمام دنیا پر اسلام غالب آجائے۔ اس صدی کے آخر تک تو ہم میں سے شائد ہی کوئی پہنچے یعنی اگر ان میں سے پہنچے تو وہ بچے پہنچیں گے کہ جو میری بات کو سنیں بھی تو سمجھ نہیں سکتے۔

لیکن اس صدی میں کیا ہوگا ہم اپنی زندگیوں میں یہ ضرور دیکھ سکتے ہیں اگر ہم اپنی کوشش کو انتہا تک پہنچا دیں اور جیسا کہ اس مضمون کا حق ہے منصوبہ بنائیں۔ صرف جماعتی منصوبہ نہ بنائیں بلکہ انفرادی منصوبے بنائیں، دعائیں کریں، جدوجہد کریں، دن رات اس کام میں اپنے دل کو لگائیں اور اپنے ذہنوں کی سب سے بڑی فکر یہ بنالیں تو مجھے یقین ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہر جگہ عظیم الشان انقلاب رونما ہونے شروع ہو جائیں گے اور ہم صرف وعدوں پر نہیں جئیں گے بلکہ ان وعدوں کو پورا ہوتے دیکھ لیں گے جیسے بعض دفعہ برسات آنے سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں جو بتا دیتی ہیں کہ برسات آنے والی ہے

پس آپ صرف ان ہواؤں کو ہی نہیں دیکھیں گے بلکہ پھر برسات کے ابتدائی چھینٹوں کو بھی دیکھ لیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ بعض جگہ کے ملکوں میں وہ زور سے برستی ہوئی بارش کو بھی پالیں اور ایسا بعض جگہ ہونا شروع ہو چکا ہے۔ پس دنیا کے سب احمدیوں کو چاہئے کہ وہ اپنے مقام اور مرتبہ کو سمجھیں۔

گزشتہ جمعہ میں ان سعادتوں کا جو میں نے ذکر کیا تھا۔ اس کے متعلق مجھے خطوط آرہے ہیں اور احمدی جائز طور پر خدا کے حضور سر بسجود ہیں کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں اس رنگ میں فرمایا گیا اور یہ عظیم سعادت انہیں نصیب ہوئی کہ دنیا کو جمع کرنے کی بعض نئی صورتیں بھی انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں ۔ میں ان کو بتاتا ہوں کہ یہ سعادت تو ہمیں اللہ کی طرف سے نصیب ہو گئی لیکن اس سعادت کے پیچھے جو سعادتیں کثرت کے ساتھ ہماری منتظر ہیں ان کی طرف چل کر جانا ہوگا۔ وہ ایسی سعادتیں نہیں کہ آپ کسی وقت پیدا ہو جائیں اور اتفاقاً وہ سعادتیں آپ تک پہنچ جائیں ۔ وہ ایسی سعادتیں ہیں کہ جن کی طرف چل کر جانا ہوگا۔ کچھ پھلوں کو لینے کے لئے ہاتھ بڑھانا ہوں گے، کچھ تو کوشش کرنی ہوگی اس کوشش اور جدوجہد کی طرف میں آپ کو بلاتا ہوں اور آخر پر انہی الفاظ میں بلاتا ہوں جن الفاظ میں مسیح ناصری نے اپنے ماننے والوں کو خدا کی راہ میں قربانیاں کرنے کے لئے بلایا تھا اور جو دراصل مسیح محمدی ﷺ کی آواز تھی جو آغاز میں مسیح ناصریؑ کے ذریعے اٹھائی گئی۔ مسیح ناصریؑ کے ذریعہ جو انصار پیدا ہونے تھے ان کو تمام دنیا کو ایک جگہ جمع کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہونی تھی لیکن مسیح محمدیؑ کے ذریعے انصار اللہ کا جو نیا دور چلنا تھا ان کو تمام دنیا کی فتوحات کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ پس انہی الفاظ میں مَیں آپ کو پھر مسیح محمدیؑ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں اس منصب پر فائز ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے فائز فرمایا ہے اور آپ کو خدا کی طرف نصرت کے لئے بلاتا ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں۔ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰہِ کون ہے جو میرے انصار کی جماعت میں داخل ہو اللہ کی خاطر یعنی مسیح موعود علیہ السلام کے انصار کی جماعت میں اللہ کی خاطر داخل ہو۔ اسی اسلوب میں اسی طرز میں، انہی اداؤں کے ساتھ جن اداؤں کا قرآن کریم میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اگر آپ سچے دل سے اس آواز پر لبیک کہیں گے تو میں آپ کو فَتْحٌ قَرِیْبٌ کی خوشخبری دیتا ہوں اور کوئی نہیں ہے جو اس خوشخبری کو ٹال سکے۔ آمین

دعوت الی اللہ کے لئے پہلے انفرادی منصوبے بنائیں اور سب سے پہلا منصوبہ دعا کا بنائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴ فروری ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾ (الرعد:۳)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ خطبہ میں، میں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ دعوت الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ دل میں ایک جوش پیدا ہو جائے، ایک گہری لگن اس کام سے پیدا ہو جائے جو محبت اور عشق میں تبدیل ہو جائے اور انسان نہ صرف دوسروں کے کہنے کی مجبوری سے بلکہ اپنے دل کی مجبوری سے دعوت الی اللہ میں مصروف رہے اور اس کی زندگی کا سکون اور چین دعوت الی اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ یہ وہ طریق ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں عظیم روحانی انقلاب برپا کرتا ہے۔ ولولے اور محبت اور جوش کا اپنا ایک مقام ہے لیکن صرف یہی کافی نہیں کیونکہ ولولے اور جوش اور محبت ایندھن سے مشابہت رکھتے ہیں جو توانائی مہیا کرتے ہیں لیکن محض پٹرول لے کر تو آپ سفر نہیں کر سکتے اس توانائی کے استعمال کے لئے جتنی اچھی مشین آپ کو مہیا ہو گی اتنا ہی بہتر اس توانائی کا نتیجہ نکلے گا اور اس سے

آپ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں گے۔ پس دوسری بات منصوبہ بندی کی ہے۔ایک منصوبہ بندی کا میں نے ذکر کیا تھا کہ جماعتوں کو ملکی سطح پر بھی اور مقامی سطح پر بھی منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔آج میں انفرادی منصوبہ بندی سے متعلق بعض باتیں کہنی چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے تو منصوبہ بندی کی اہمیت آپ پر واضح کرنے کے لئے میں نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کا انتخاب کیا جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔اللہ تعالیٰ تقدیر کا مالک ہے اور قرآن کریم میں کُنْ فَیَکُوْنُ (البقرہ:۱۱۸) کا جو ذکر ہمیں ملتا ہے اس سے یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی بات کے متعلق فیصلہ کرے اور کہہ دے کہ یہ ہو جائے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔یہ بات درست ہے اور یہ تأثر درست ہے لیکن یہ بہت مختصر سی بات ہے۔کیسے ہوتی ہے اور کیونکر رونما ہوتی ہے؟ اس کا ذکر قرآن کریم میں تفصیل سے مختلف جگہ ملتا ہے اور بارہا خدا تعالیٰ اس سلسلہ میں تدبیر کا ذکر فرماتا ہے۔باوجود اس کے کہ وہ قادر مطلق ہے جس چیز کا فیصلہ چاہے آناً فاناً بھی کر سکتا ہے لیکن فرماتا ہے کہ میرے وقار اور میری شان کے خلاف ہے کہ بغیر کسی حکمت اور بغیر کسی تدبیر کے کسی چیز کو ظاہر کروں۔پس میرے حکم کے ساتھ تدبیر کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پس یہاں تدبیر کا تعلق ثانوی ہے۔جو تقدیر کے ماتحت ہے سب سے پہلے خدا کی تقدیر ظاہر ہوتی ہے پھر وہ تقدیر تدبیر کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اسی سے پھر قانون قدرت جاری ہوتے ہیں اور ہر قسم کی تخلیق کا نظام چلتا ہے۔

قرآن کریم کی جو آیت کریمہ میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے یہ سورۃ الرعد کی تیسری آیت ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اللہ کی ذات وہ ذات ہے کہ جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں پر بلند کر رکھا ہے۔جن کو تم دیکھ نہیں سکتے بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا کا ایک مطلب یہ ہے کہ بغیر ستونوں کے جن کو تم دیکھتے ہو لیکن اس کا معنی وہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے کہ ایسے ستونوں کے بغیر بلند کئے رکھا ہے جن کو تم دیکھ سکتے ہو یعنی وہ ستون جو تمہیں نظر آتے ہیں جن کو تم عام طور پر دیکھتے ہو۔ویسے ستون استعمال نہیں فرمائے بلکہ نہ نظر آنے والے ستونوں پر اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو اپنے اپنے مقام پر سنبھال رکھا ہے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یہ سب نظام مکمل کرنے کے بعد پھر وہ اپنی کرسی

حکومت پر اَسْتَوٰی فرمایا گیا اور شمس اور قمر کو اس نے مسخر کر دیا۔ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى یہ سب اپنے اپنے منتہیٰ کی طرف مسلسل حرکت میں ہیں۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ اس طرح خدا تدبیر فرماتا ہے۔ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ اور اپنے نشانوں کو کھول کھول کر تمہارے سامنے رکھتا ہے لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ تاکہ تم اپنے رب کی لقاء کا یقین پیدا کر سکو۔

ان آیات میں جو ستونوں کا نہ نظر آنا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ہماری آنکھیں بہت سے ایسے ذرائع کو دیکھ نہیں سکتیں جن کے ذریعہ ایک نظام چل رہا ہو لیکن ہماری آنکھوں کا نہ دیکھنا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ذریعے موجود نہیں ہیں بلکہ ذریعے موجود ہوتے ہیں اور ایسے ذرائع بھی خدا استعمال فرماتا ہے جو دوسروں کو نظر نہیں آتے اور اس کا نام اللہ تعالیٰ نے تدبیر رکھا ہے۔ قرآن کریم میں تدبیر سے متعلق جو مختلف آیات ہیں ان کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ خدا کی بعض تدبیریں ظاہر و باہر ہیں وہ ہر ایک کو دکھائی دیتی ہیں۔ بعض تدبیریں مخفی ہیں اور جہاں تک مخفی تدبیروں کا تعلق ہے اگر خدا ہمیں خبر نہ دیتا تو جس زمانہ میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں اس زمانہ میں کسی کو ان تدبیروں پر اطلاع نہ ہوتی۔

آج کے زمانہ میں خدا کی ان تدبیروں کو بنی نوع انسان میں سے جو سائنس دان ہیں اور جنہوں نے کھوج لگائے ہیں انہوں نے دیکھنا شروع کر دیا ہے اور تدبیروں کی تہہ تک اُترنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے پس پردہ اور بھی تدبیریں ہیں جو مخفی ہیں اور نظر نہیں آرہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کے پیچھے اور بھی تدبیریں ہیں جو ہمارے علم سے ابھی مخفی ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں تو خدا تعالیٰ کی تدبیر کا جو سلسلہ ہے یہ تہہ در تہہ چلتا ہے بطن در بطن جاری ہے اور بہت سی تدبیریں ہیں جو ظاہر دکھائی دیتی ہیں بہت سی ہیں جو نہیں دکھائی دیتیں اور آج سائنس دانوں کو جو یہ تدبیریں دکھائی دینے والی ہیں تو ان کا بھی قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات خود اپنے حکم سے ان تدبیروں کو ظاہر فرماتا ہے اور ایسی تقدیر جاری کرتا ہے جس کے نتیجہ میں لوگوں کو خدا تعالیٰ کے نظام کے مخفی راز معلوم ہونے شروع ہو جاتے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں سورۃ الزلزال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۳﴾ وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۴﴾ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۵﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰی لَهَا ؕ﴿۶﴾

(الزلزال: ۲ تا ۶)

کہ ایک ایسا وقت آئے گا جبکہ زمین اپنے گہرے اور بھاری راز اگلنے لگے گی اور زلزلے کی سی کیفیت طاری ہوگی جس طرح زلزلے میں زمین لاوہ اُگلتی ہے اور بہت ہی بڑی مقدار میں Heavy Metals کو بعض دفعہ لاوے کے ذریعے باہر نکالتی ہے اسی طرح زمین کے گہرے راز اور بھاری راز بھی ہیں۔ فرمایا ایک ایسا وقت آئے گا گویا زمین پر زلزلہ طاری ہو جائے گا۔ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۔ اس وقت انسان کہے گا کہ یہ کیا ہو گیا ہے؟ کتنی حیرت انگیز دریافتیں ہو رہی ہیں وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۔ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے یہ کیسی حرکتیں کر رہی ہے کیسی کیسی عجیب باتیں اور اپنے سینے کے راز اُگل کر ہمارے سامنے لا رہی ہے فرمایا۔ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۵﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰی لَهَا ؕ﴿۶﴾ ۔ اس دن یہ زمین اپنے راز اُگلے گی لیکن اتفاقاً نہیں بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰی لَهَا ۔ اس لئے کہ اے محمد ﷺ! تیرے رب نے زمین پر یہ وحی نازل فرمائی ہے کہ جب خدا تعالیٰ اشارہ فرمائے تو اس وقت راز اگلنے لگو تو وہ سائنس دان اپنی تحقیق کے ماحصل کے نتیجہ میں مغرور ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑے بڑے کھوج لگا لئے ہیں، بہت سے راز معلوم کر لئے ہیں ان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن کریم نے پہلے ہی یہ راز ہم پر روشن فرما دیا تھا کہ آئندہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جبکہ سائنس دانوں کو خدا تعالیٰ اپنے فضل سے یہ توفیق عطا فرمائے گا اور اگر خدا تعالیٰ یہ توفیق عطا نہ فرمائے تو کسی کی طاقت نہیں ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے مخفی رازوں کو معلوم کر سکے۔ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ: ۲۵۶) کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے علم میں سے ایک ذرے پر بھی احاطہ کر سکے مگر خدا کے اذن کے ساتھ ایسا ہوتا ہے یہ تو خیر ایک تمہیدی بیان تھا جو میں نے دیا ہے۔ اصل مقصد آج اس آیت کو آپ کے سامنے پیش کرنے کا یہ ہے کہ آپ کو بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے وہ بھی تدبیر فرماتا ہے اور بعض موقع پر وہ تدبیر مخفی رہتی ہے اور نظر نہیں آتی لیکن کام کر رہی ہوتی ہے چنانچہ آگے فرمایا کہ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ یہ

تدبیر ایسی ہے کہ اگر خدا خود کھول کر بیان نہ کرتا تو تمہیں معلوم نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی بعض آیات خود کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم خدا تعالیٰ سے ملاقات کے دن کے بارہ میں یا خدا تعالیٰ سے ملاقات کے مضمون پر یقین حاصل کر سکو کیونکہ ان باتوں سے خدا تعالیٰ جو اپنے نشانات کھول کر بیان فرماتا ہے انسان کے دل میں ایمان بڑھتا ہے اور اس ہستی کی لقاء کی تمنا بھی پیدا ہوتی ہے۔ اُمید بھی بندھتی ہے اور بالآخر یقین بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک عام آدمی جس کا علم تھوڑا ہے یا عمر کے لحاظ سے بچہ ہے یا بہت بوڑھا ہے یا اپنے وسائل کے لحاظ سے بہت ہی محدود طاقتیں رکھتا ہے وہ کیسے منصوبہ بنائے منصوبہ بنانا تو فرض ہو گیا۔ اگر خدا منصوبہ بناتا ہے تو خدا کے بندوں کو بھی محض کُن کہہ کر کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔

خدا کے بندوں کا کُن تو ان کا مصمم ارادہ ہوا کرتا ہے یہ عہد ہوتا ہے کہ ہم یہ کام ضرور کریں گے۔ پس جب دعوت الی اللہ کی تحریک کی جاتی ہے تو ہزاروں لاکھوں احمدی ہیں جن کے دل میں کُن کا لفظ اس طرح ظاہر نہیں ہوتا کہ کُن کی شکل میں ظاہر ہو مگر نیک ارادوں کی صورت میں نیک تمناؤں کی صورت میں کُن کا لفظ اُن کے دلوں میں اُٹھتا ہے ان کے ذہنوں پر چھا جاتا ہے اور وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم نے بھی کچھ کرنا ہے اور آگے ہوتا کچھ نہیں۔ کچھ دیر کے بعد یہ کُن کی آواز دھیمی ہوتی ہوتی آہستہ آہستہ غائب ہو جاتی ہے اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے تخلیق کا طریق نہیں سیکھا۔ کُن کہہ کر خدا تعالیٰ معاملے کو وہیں ختم نہیں فرما دیتا بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے سلسلہ میں بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتا ہے اور یہ ساری کائنات خدا کی تدبیر کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے جو تقدیر کے تابع ہے۔ پس خدا کا بندہ کس طرح تدبیر سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ تدبیر کیا ہے اور کس طرح اختیار کرنی چاہئے اس سلسلہ میں اب آپ کو کچھ بتاؤں گا لیکن میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فیصلے کے بعد تدبیر کا سلسلہ تقدیر اور تدبیر کا ایک تعلق قائم کرتا ہے اور تدبیر وہ وسیلہ ہے جو خالق کو مخلوق سے ملاتی ہے تدبیر نہ ہو تو خدا تعالیٰ کی تقدیر ہمارے تصور اور ادراک سے بہت بالا کہیں کام کرتی رہتی اور ہمیں اس کا علم نہ ہوتا یہ جو کائنات میں قوانین جاری ہیں یہ تدبیریں ہیں اور ان تدبیروں کے راستے ہم خدا کی تقدیر کو پہچاننے لگتے ہیں گویا یہ پُل کا سا کام دیتی ہے جو مخلوق کو خالق سے ملاتی ہے۔ یہاں تقدیر پہلے ہے اور تدبیر بعد میں ہے۔ جب انسانی سطح سے ہم

بات کرتے ہیں، انسانی زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں تو تدبیر پہلے آتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف بلند ہوتی ہے اور پھر خدا کی تقدیر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مضمون ہے جس کے متعلق حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا بعض الجھے ہوئے پراگندہ بالوں والے انسان جن کے سر میں خاک پڑی ہو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب وہ کہتے ہیں کہ خدا ایسا ضرور کرے گا تو خدا ایسا ضرور کر دیتا ہے۔ (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر: ۳۷۸۹) تو بعض دفعہ نیک بندے کی تدبیر جو خدا کی خاطر بنائی جاتی ہے خدا تعالیٰ کو ایسی پیاری لگتی ہے کہ وہ اس کی تقدیر میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر خدا کی تقدیر دنیا میں تدبیریں اختیار کرتی ہے اور وہ خدا کی غالب تدبیریں ہیں جو انقلاب برپا کیا کرتی ہیں۔

پس اس مضمون کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ تدبیر بندے کے لئے بہت ضروری ہے اور مخلصانہ تدبیر ہے جو دراصل خدا تعالیٰ کی تقدیر کو حرکت میں لاتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یہی تدبیر اللہ کی تقدیر بن جایا کرتی ہے۔ تو ہر وہ دعوت الی اللہ کرنے والا جو دل میں نیک ارادے باندھتا ہے اگر وہ ان ارادوں کے بعد کسی وقت آرام سے بیٹھ کر تدبیر نہیں سوچتا، منصوبہ نہیں بناتا تو ایسا ہی ہے جیسے ایک خیال دل میں پیدا ہوا اور اس پر عمل نہیں ہوا اور وہ محض ضائع گیا اور اس کا کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا اس لئے جماعتوں کو تو اپنے طور پر منصوبے بنانے ہوں گے لیکن ہر فرد کا اپنا کام ہے کہ وہ بھی منصوبہ بنائے اور جب وہ منصوبے بنانے بیٹھے گا تو اس وقت اس کو سمجھ آئے گی کہ کیوں اب تک وہ دعوت الی اللہ میں کوئی نمایاں کارکردگی نہیں دکھا سکا۔ بغیر منصوبے کے کوئی بات ڈھب سے چل ہی نہیں سکتی اور منصوبہ Grass root Level پر بنانا چاہئے یعنی انفرادی سطح پر، عوامی سطح پر، ہر شخص کا اپنا منصوبہ بننا ضروری ہے یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر یہ منصوبہ نہ بنا ہو تو جماعتی اونچی سطح کے سارے منصوبے فرضی ہوں گے اور ان میں حقیقت نہیں ہوگی۔ وہ لوگ جنہوں نے کام کرنے ہیں وہ بہتر جانتے ہیں کہ ان کی صلاحیتیں کیا ہیں، وہ بہتر جانتے ہیں کہ ان کے اخلاص کا مرتبہ کیا ہے وہ بہتر جانتے ہیں کہ وہ کتنا وقت دے سکتے ہیں اور کتنا علم ان کو حاصل ہے، کون کون سے ذرائع ان کے پاس ہیں، اگر عمومی منصوبے میں کچھ کام ان کے سپرد کر دیئے جائیں تو منصوبہ بنانے والے اگر لندن میں بیٹھے ہیں تو ان کو کیا پتا کہ لیسٹر میں فلاں گھر میں جو بچی ہے اس پر اس منصوبے کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا یا کسی اور ملک میں ملک کے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھ کر ایک عظیم الشان منصوبہ بنایا جا رہا ہو تو وہ اس منصوبہ

کے وقت تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اس منصوبے کو انفرادی منصوبوں میں ڈھالنے کی راہ میں کتنی دقتیں حائل ہیں۔ ایک اور طریقہ منصوبہ بنانے کا یہ ہوا کرتا ہے کہ انفرادی منصوبہ بنوایا جائے اور ان منصوبوں کو اکٹھا کر کے ان کی روشنی میں مرکزی منصوبہ بنایا جائے یہی مقبول طریق ہے یہی درست طریق ہے ورنہ حقیقت میں اکثر جو مرکزی منصوبے ہوتے ہیں وہ الا ماشاء اللہ فرضی اور خیالی رہتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک دفعہ ایک موقع پر ہدایت دی کہ اس طرح تفصیل کے ساتھ کاموں کو تقسیم کیا جائے اور مجھے مرکزی شعبے کی طرف سے رپورٹ ملی کہ ہم نے اس طرح تقسیم کر دیئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میرا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ آپ گھر بیٹھیں ایک فقرہ لکھ دیں کہ ہم نے کام تقسیم کر دیئے ہیں۔ چند منٹ میں آپ الاٹمنٹس کر دیں کہ تم نے اتنا کرنا ہے۔تم نے اتنا کرنا ہے مراد یہ ہے کہ پہلے آپ اُن سے پتا کریں کہ ان کی صلاحیتیں کیا ہیں؟ کتنے دوست ان کاموں میں شامل ہو سکتے ہیں؟ ان دوستوں سے وعدے لیں اور معلوم کریں کہ واقعۃً وہ تیار ہیں بھی کہ نہیں۔ پھر ان کوائف کو اکٹھا کریں۔ان کے نتیجہ میں جو مرکزی منصوبہ بنے گا وہ حقیقی ہوگا ورنہ یہ سب فرضی باتیں ہیں۔ پس جماعت کے عمومی منصوبے کی کامیابی کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہر وہ شخص جو دعوت الی اللہ کا ارادہ رکھتا ہے وہ اپنے لئے کسی وقت بیٹھ کر الگ منصوبہ بنائے۔

اب دیکھیں دعوت الی اللہ کرنے والوں میں بڑی عمر کے لوگ بھی ہیں چھوٹے بچے بھی ہیں، عورتیں بھی ہیں، مرد بھی ہیں، کالج کی پڑھنے والی لڑکیاں بھی ہیں اور کام کرنے والے لوگ ہیں، ہر ایک کے حالات مختلف ہیں، ہر ایک کا علم مختلف ہے، ہر ایک کو مختلف وقتوں میں مختلف دنوں میں وقت میسر آتے ہیں اور ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو کسی مرکزی کلاس میں شامل ہو ہی نہیں سکتے لیکن نیک ارادہ رکھتے ہیں۔ان سب کو میری نصیحت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے تو دعا کریں، دو نفل پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں اور خدا سے یہ عرض کریں کہ اے خدا! تو جانتا ہے کہ ہمارے پاس بہت ہی معمولی ذرائع ہیں اور ہمیں ہر لحاظ سے کمزوری کا احساس ہے اپنی بے بسی کا احساس ہے۔اس لئے آج ہم تیری خاطر منصوبہ بنانے کے لئے بیٹھے ہیں تو ہمیں روشنی عطا فرما اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ جو منصوبہ بنائیں تیری رضا کو حاصل کرنے والا ہو اور جو منصوبہ بنائیں وہ ثمر دار بنے اس کو پھل

ملیں اور پھل لگنے تک جو محنت مجھے کرنی چاہئے مجھے اس محنت کی توفیق بھی عطا فرما۔ یہ دعا کر کے دو نفل پڑھ کے اگر کوئی شخص منصوبہ بنانے کے لئے بیٹھے گا تو یقیناً اس کے بعد وہ کام شروع ہو جائے گا اکثر دعوت الی اللہ کرنے والے جو غافل ہیں وہ اس لئے ہیں کہ نہ وہ دعا کرتے ہیں نہ سنجیدگی سے اپنی ذات کے لئے کوئی منصوبہ بناتے ہیں۔ آپ کے علم میں مختلف طبقات کے احمدی ہوں گے آپ ان پر نظر ڈال کر دیکھ لیں، اپنے نفس کا بھی جائزہ لے کر دیکھیں آپ کو معلوم ہو گا کہ دعوت الی اللہ کی خواہش تو پیدا ہوئی لیکن عملاً ٹھوس کام کرنے کی طرف بہتوں نے پہلا قدم بھی نہیں اُٹھایا۔ تعلقات کے دائرے ہیں وسیع سوشل رابطے موجود ہیں لیکن یہ سمجھ نہیں آتی کہ دعوت الی اللہ کیسے کریں گے؟ سکول جانے والے بچے ہیں، بچیاں ہیں اگر وہ چاہیں تو اپنے دائرے میں تبلیغ کی توفیق مل سکتی ہے مگر کیسے کریں اس کی ان کو سمجھ نہیں آتی اس لئے باہر سے جو پیغام ان کو ملتے ہیں کہ تبلیغ کرو، وہ کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتے۔ پس ہر شخص کو بیٹھ کر جیسا کہ میں نے کہا ہے دعا کرنے کے بعد اپنا منصوبہ خود بنانا چاہئے مثلاً ایک سکول کی بچی جب کاغذ لے کر بیٹھے گی تو پہلے تو خالی دماغ کے ساتھ اس کو سمجھ نہیں آئے گی کہ کیا لکھوں، کیسے منصوبہ بناؤں؟ یہ جو بے بسی کا احساس ہے یہ کچھ دیر رہے گا پھر وہ سوچے گی اور غور کرے گی تو کہے گی اچھا! میری فلاں فلاں سہیلیاں ہیں، فلاں مس ہے اس کے ساتھ میرے اچھے تعلقات ہیں تو میں ان کو کوئی لٹریچر دے دیتی ہوں ان کو گھر پر دعوت پر بُلا لیتی ہوں۔ اپنے امام صاحب کو یا کسی اور بزرگ سے درخواست کرتی ہوں کہ میں اپنی سہیلیوں کو یا اپنی مس وغیرہ کو دعوت پر بُلانا چاہتی ہوں آپ اگر تشریف لاسکیں یا آپ کی بیگم میں یہ صلاحیت ہو کہ ان سے گفتگو کر سکیں تو وہ آجائیں یا پھر لجنہ سے درخواست کر سکتی ہے غرضیکہ اس کے منصوبے کا آغاز ہو جائے گا۔ پھر آگے منصوبہ کیسے بڑھے اس سلسلہ میں جب میں یہ مضمون آگے بڑھاؤں گا تو اس بچی کو جس کے متعلق میں سوچ رہا ہوں کہ وہ اس طرح کاغذ لے کر منصوبہ بنانے کیلئے بیٹھے گی اور چھوٹوں بڑوں سب کو کئی قسم کے اور خیالات، کئی قسم کے ایسے طریق معلوم ہوں گے جن کے ذریعہ وہ خدا کے فضل سے اپنے لئے چھوٹا سا منصوبہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

منصوبوں کے سلسلہ میں سب سے پہلے دعاؤں کا منصوبہ بنانا چاہئے۔ بجائے اس کے کہ انسان یہ سوچے کہ میں اپنے دوستوں کو بلاؤں اور پھر کسی کو ڈھونڈوں کہ ان کو تبلیغ کر سکے۔ سب سے

پہلے خدا کو بلائیں کیونکہ خدا کی خاطر کام ہونے ہیں اور سب سے زیادہ معین اور مددگار تو اللہ ہے اور جب تک خدا کا وجود ذہن پر غالب نہ رہے اور تبلیغ کے سلسلہ میں ہر وقت توجہ خدا کی طرف مبذول نہ ہو اس وقت تک کوئی تبلیغ بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس لئے منصوبے میں سب سے پہلے دعائیں لکھیں۔ آپ نے نمازوں میں بہت سی دعائیں سُنی ہوں گی اگر روزمرہ توفیق نہیں ملتی تو جلسے کی نمازوں میں ہی کئی دفعہ آپ دعاؤں والی آیات سُنتے ہیں یا سُنتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اکثر کو ان کے معانی نہ آتے ہوں اس لئے پتا ہی نہ لگے کہ ہم کیا سُن رہے تھے اور ان دعاؤں میں کیا طاقتیں ہیں۔ اس سلسلہ میں جب مَیں نے خطبات میں بعض نیک لوگوں کی جو دعائیں بیان کی تھیں وہ آپ کی مدد کر سکتی ہیں۔ خطبات کا وہ سلسلہ جس میں عبادات میں جان ڈالنے کا مضمون چل رہا تھا اس میں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے تابع نیک لوگوں کی دعائیں ہیں جو قرآن کریم میں درج ہیں جن پر خدا نے انعام فرمایا وہ بیان کی گئی ہیں۔ ان دعاؤں میں بہت سی ایسی دعائیں ہیں جن کا دعوت الی اللہ سے تعلق ہے۔ پس جب آپ دعا کا منصوبہ بنائیں تو سب سے پہلے ان دعاؤں کی طرف دھیان جانا چاہئے اور چونکہ یہ مضمون سورہ فاتحہ سے شروع ہوا تھا اس لئے سب سے پہلی دعا جو آپ کے ذہن میں آنی چاہئے وہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی دعا ہے۔ اب اس سے معاملہ اس حد تک آسان ہوگیا کہ یہ دعا ہے جو اکثر احمدیوں کو آتی ہے یا آنی چاہیے اور اس کے بغیر نہ نماز مکمل اور نہ کوئی اور نیک کام مکمل۔

تو جب منصوبہ بناتے وقت ایک بچہ یا بچی جب سوچ رہے ہوں تو ان کو سوچنا چاہئے کہ میں دعاؤں کا منصوبہ بنا رہی ہوں یا بنا رہا ہوں اور اگر مجھے بنیادی دُعا سورہ فاتحہ ہی یاد نہیں تو میں کام کو کیسے آگے چلاؤں۔ پس ایسی صورت میں منصوبہ بنانے والا سب سے پہلے اپنے اوپر لازم کرے گا اور یہ لکھے گا کہ مجھے نماز پڑھنی چاہئے اور سورۃ فاتحہ کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے اور سورۃ فاتحہ میں جو مرکزی دعا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ وہ دعا کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے لئے خاص طور پر یہ مضمون ذہن میں رکھتے ہوئے دعا مانگنی چاہئے کہ اے خدا! کہ میں تیری ہی عبادت کرتی ہوں یا کرتا ہوں یا جب لفظ ہم بولتے ہیں تو اس میں مذکر مونث کا سوال اُٹھ جاتا ہے اس لئے میں ''ہم'' کے صیغہ میں بات کروں گا۔ ہم جو عبادت کرتے ہیں یا کریں گے صرف تیری کرتے ہیں اور صرف تیری

عبادت کریں گے۔ یہ فیصلہ ہے مگر تیری توفیق کے بغیر یہ ممکن نہیں۔اس لئے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور ہمیشہ تجھ سے ہی مدد مانگتے رہیں گے۔

یہ بنیادی دُعا کرنے کے بعد اس دعا کے ذریعے مختلف مضامین میں دعائیں مانگی جاسکتی ہیں مثلاً ایک دعوت الی اللہ کرنے والا پھر دوبارہ اس مضمون پر غور کرتے ہوئے یہ دعا مانگ سکتا ہے کہ اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تیری ہی کریں گے اور ہم میں ساری دنیا اس کے ساتھ شامل ہو اور یہ دعا ارادہ بن جائے کہ ہم دنیا سے غیر اللہ کی عبادت کو مٹانے کا عزم رکھتے ہیں، ہم بطور بنی نوع انسان جن کی نمائندگی میں کر رہا ہوں یا کر رہی ہوں۔ ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اے خدا! تیرے سوا دنیا میں اب کسی اور کی عبادت نہیں ہوگی اور اس غرض کے لئے ہم جو کوشش کرنا چاہتے ہیں اس میں تیری مدد چاہئے اور تو ہماری مدد فرما تا کہ ہم کامیابی کے ساتھ تیرا پیغام دنیا میں پھیلا سکیں اور تیری عبادت کو قائم کرسکیں۔ پس اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی دعا جو روزانہ ہر نماز کی ہر رکعت میں خدا کا ہر بندہ خدا سے مانگتا ہی ہے اس دعا کو دعوت الی اللہ کی دعا کے لئے ظرف بنا دیں، وہ برتن بنا دیں جس میں آپ اللہ سے اللہ کے فضلوں کی بھیک مانگیں اور پھر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ان لوگوں کی دعائیں یاد کریں جن لوگوں نے خدا سے انعام پائے اور دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں انہوں نے عاجزانہ دعائیں کیں۔ ایسی دعائیں کیں جن کو خدا نے اس حد تک پسند فرمایا کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کو وحی کے ذریعہ مطلع فرمایا کہ یہ بندہ فلاں زمانے میں میری خاطر دُعا کے لیے نکلا تھا اور یہ دعا کرتا تھا۔ یہ اس لئے کیا کہ آپؐ کی امت ہمیشہ دعاؤں سے فائدہ اُٹھاتی رہے تو ایک دعوت الی اللہ کرنے والے کو یہ پتا ہی نہ ہو کہ اس سے پہلے دعوت الی اللہ کرنے والوں نے خدا سے کس کس رنگ میں مدد مانگی تھی، جو مقبول ہوئی، جو خدا کو پسند آئی وہ کیسے اپنے لئے خدا تعالیٰ سے اچھے فیض کی توقع رکھ سکتا ہے۔ اس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہی نہیں ہوگا نہ ادھر سے جواب آئے گا۔ پس ان دعاؤں میں سے مثلاً حضرت موسیٰ کی دُعا ہے:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝۲۶ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝۲۷ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝۲۸ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝۲۹ (طٰہٰ:۲۶تا۲۹)

ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کے لیے یہ دعا ضروری ہے۔ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ اے اللہ! مجھے شرح صدر عطا فرما۔ شرح صدر کے مضمون میں لگن اور ولولہ بھی داخل ہے اور وہ کامل یقین بھی داخل ہے جو اپنے پیغام پر ایک انسان کو حاصل ہوسکتا ہے۔ اے خدا میں جو بات کہوں اس کے متعلق میرا دل اپنی گہرائیوں تک مطمئن ہو کہ میں صحیح بات کر رہا ہوں اور درست بات کہہ رہا ہوں پوری طرح شرح صدر نصیب ہو اور اس مضمون میں میرے دل میں ایک ولولہ پیدا ہو کیونکہ جو بات یقین کی طرح میخ کی طرح میرے دل میں گڑ جاتی ہے اس سے لازماً ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں جہاں بڑے جوش کے ساتھ بنی نوع انسان کو پیغام دیئے ہیں وہاں آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ ان مقامات پر واضح طور پر یہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسی سچائی ہے جس کے لئے میرے دل میں بے حد جوش پیدا ہوا ہے اور میں رُک نہیں سکتا، مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ میں اس موقع پر خاموش رہوں۔ پس شرح صدر یقین سے پیدا ہوتا ہے اور یقین کے نتیجہ میں بے انتہا جوش پیدا ہوتا ہے اور دل میں ولولہ موجیں مارنے لگتا ہے۔ پس رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ کی دعا کرتے وقت یہ مضمون ذہن میں رکھیں۔ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ اور میرا کام میرے لئے آسان فرما دے۔ اب دیکھیں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا مختلف لوگ مختلف علم رکھتے ہیں، مختلف طاقتیں رکھتے ہیں، مختلف ان کی صلاحیتیں ہیں اور ہر دعوت الی اللہ کرنے والا آغاز میں طبعاً ایک جھجک محسوس کرتا ہے اور اپنی لاعلمی اور بے بضاعتی کے احساس کے نتیجہ میں وہ سمجھتا ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس میدان میں کوئی کامیابی حاصل کرسکوں تو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے یہ دعائیں ہمارے سامنے رکھیں کہ ان دعاؤں سے فائدہ اُٹھاؤ اور ان دعاؤں میں یہ دعا شامل ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ اے خدا میرا کام بہت مشکل ہے میرے بس کی بات نہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے جابر بادشاہ کو پیغام ہدایت دینے کے لیے تو نے مجھے چُنا ہے اور مجھے ارشاد ہے کہ میں جا کر اپنی اس کمزوری کے باوجود جو میں محسوس کر رہا ہوں اس کو یہ پیغام دوں اور اس عظیم مقصد کو حاصل کروں۔ فرمایا وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ میرا یہ معاملہ آسان فرما دے۔ اس دعا کے ساتھ بڑے بڑے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں اور آسان ہوتے دیکھے گئے ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں جن دعوت الی اللہ کرنے والوں نے یہ دعائیں کیں ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے

فضل سے ان کے نتیجہ میں مشکلوں کو آسان فرما دیتا ہے۔ کئی دعوت الی اللہ کرنے والے ایسے ہیں جنہوں نے اس مضمون کی دعا کے ساتھ اپنے واقعات لکھے ہیں کہ اس طرح ایک موقع پر ہم تبلیغی گفتگو کے دوران سخت مشکل میں پھنس گئے اس وقت ذہن اسی دعا کی طرف متوجہ ہوا اور دعا کی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر وہ مشکل حل فرما دی اور اس مشکل کام کو آسان فرما دیا اور مخالف کو خدا کے فضل سے شکست کھانی پڑی۔ پس یہ دُعائیں بہت طاقتور دعائیں ہیں یہ وہ روحانی ہتھیار ہیں جن کے بغیر کوئی داعی الی اللہ میدان میں نکلنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا کیونکہ اس پر وہی بات صادق آئے گی کہ

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

کیسی لڑائی کو نکلو گے جب کہ وہ ہتھیار آپ کے پاس نہ ہوں جو آزمودہ ہتھیار ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے خود آپ کے لئے مہیا فرما دیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ پہلے بھی بڑے لوگوں نے یہ ہتھیار استعمال کئے تھے اور کامیابی سے استعمال کئے تھے۔ آؤ اور میرے اسلحہ خانے سے یہ ہتھیار لو اور ان ہتھیاروں سے سج دھج کر پھر میدان میں نکلو۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ۔ اے خدا میری زبان کی گانٹھ کھول دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آتا ہے کہ آپ کو لکنت تھی اور لکنت کے نتیجہ میں وہ سمجھتے تھے کہ میں پیغام صحیح پہنچا نہیں سکوں گا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بشری کمزوری تک اس دعا کو محدود رکھنا درست نہیں ہے کیونکہ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ میں بغیر لکنت کے بات کرسکوں۔ مراد یہ ہے کہ مجھے فصیح و بلیغ کلام کی قدرت عطا فرمانا، میں جو مضمون بیان کروں کسی مضمون کے بیان کے وقت میری زبان میں گانٹھ نہ پڑے۔ کوئی تردد نہ آئے۔ پس یہ تبلیغی میدان میں گفتگو کے وقت فصاحت و بلاغت مانگنے کی عجیب دعا ہے۔ دیکھیں کیسی نیک انجام دعا ہے کسی پہلو کو خالی نہیں چھوڑتی۔ پھر عرض کیا کہ اے خدا! میری فصاحت و بلاغت کس کام کی اگر دشمن میری بات سمجھے ہی نہ۔ ایسی فصاحت و بلاغت عطا فرما کہ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ کے میرے مخاطب میری باتوں کو سمجھنا شروع کر دیں۔ پھر اگر وہ انکار کریں گے تو ان پر حجت تمام ہو چکی ہوگی پھر خدا کی تقدیر حرکت میں آئے گی۔ پس فرعون اور اس کے ساتھیوں کا غرق اس دعا کے نتیجہ میں حجّت تمام ہونے کے بعد ہوا ہے۔ لاعلمی کی حالت میں اُن سے یہ سلوک نہیں کیا گیا۔ پس بہت عظیم الشان دُعا

ہے اور بہت گہرے مطالب رکھتی ہے پس جو بھی دعوت الی اللہ کا منصوبہ بنانے بیٹھے وہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے سورۃ فاتحہ کے مضمون کو ذہن میں رکھے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کی آیت پہلے لکھے پھر سوچے کہ اس آیت کے تابع اور کونسی آیات قرآنی ہیں جو میرے کام میں ممدومعاون ثابت ہوسکتی ہیں ان میں سے یہ آیت جیسا کہ میں نے چن کر پیش کی ہے یہ بھی شامل کرے پھر وہ دعا ہے۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (البقرہ:۲۵۱)

کہ اے ہمارے رب! اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا ہم پر اپنے فضل سے صبر نازل فرمادے۔

اَفْرِغْ کی دُعا میں ایک بہت ہی لطیف بات یہ ہے کہ صبر کرنا مشکل ہوتا ہے اور اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا کا مطلب ہے کہ صبر کو ہمارے لئے آسان فرمادے صبر میں ہمیں شرح صدر عطا فرما ایسے صبر کی طاقت عطا فرما جس سے طبیعت میں فراغت کا احساس ہو اور کھلے دل سے صبر کرے ورنہ بعض ایسے صبر کرنے والے بھی ہوتے ہیں جو واویلا بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں صبر آ گیا اور ساتھ ان کا دل بھی غم میں گھلتا رہتا ہے تو اَفْرِغْ کی دُعا بہت ہی عظیم الشان دُعا ہے۔ اس راہ میں تکلیفیں آئیں گی۔ یہ بھی اس دعا کا پیغام ہے اس دعا سے دعوت الی اللہ کرنے والے کو یہ تنبیہہ بھی ہو جاتی ہے کہ جو کام ہے اس راہ میں مشکلات ہوں گی، دل آزاریاں ہوں گی، طرح طرح کے دُکھ دیئے جائیں گے، عزتوں پر حملہ کیا جائے گا، جان مال پر بھی حملہ ممکن ہے، پس یہ راستہ بہت مشکل راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس راستہ کا طے کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے تو یہ دُعا سکھائی۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا۔ اے خدا! وہ صبر دے جو دل میں کشائش پیدا کر دے۔ دل میں ایک اطمینان کا احساس بھی پیدا کر دے کہ ہم اس صبر سے خوب راضی ہو جائیں۔ وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔ اور اس راہ میں ہمارے قدموں کو مضبوط کر۔

اب دیکھیں اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا کے ساتھ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا کا گہرا تعلق ہے۔ وہ صبر جو طوعاً و کرہاً اس طرح اختیار کیا جائے کہ انسان اس صبر پر راضی نہ ہو۔ اس کے نتیجہ میں اس کو جدوجہد کی طاقت نصیب نہیں ہوسکتی وہ صبر طاقت بخشتا ہے جس کے ساتھ شرح صدر عطا ہو۔ جو کچھ

کسی نے انسان سے کرنا ہے کر گزرے۔ ہر قسم کے دُکھوں میں مبتلا ہونے کے بعد خدا کی خاطر اس کو کُھلے دل کے ساتھ صبر نصیب ہو جائے پھر وہ کہتا ہے اب ٹھیک ہے۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب تو میں سب کچھ اپنی ساری طاقتیں اس راہ میں جھونک دوں گا اور کسی منزل پر میرے قدم نہیں ڈگمگا ئیں گے۔ یہ وہ آرزو ہے جو اس دُعا کی صورت میں مانگی گئی ہے۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا ہمارے قدموں کو مضبوط فرمادے۔ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہماری یہ جدوجہد رائیگاں نہ جائے۔ وہ جدوجہد جس کا آغاز یکطرفہ مظالم سے شروع ہوا۔ مدمقابل نے نصیحت فرمانے کی بجائے ہمیں دُکھ دیئے۔ یہاں تک کہ ہمیں تُجھ سے صبر کی التجا کرنی پڑی۔ اس کا انجام یہ کر کہ ہمیں فتح نصیب فرما اور ہمیں دُکھ دینے والے مغلوب ہو جائیں۔

اب یہ وہ دعا ہے کہ اگر یہ بھی منصوبہ میں داخل ہو تو دیکھیں کیسے کیسے لطف دے گی اور کتنی عظیم طاقتیں آپ کو عطا کرے گی اور دعا مانگتے وقت آپ کے حوصلے بڑھیں گے، آپ کا یقین بڑھے گا اور عزم میں مضبوطی پیدا ہوگی کیونکہ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا کی دُعا اگر قبول ہو تو عزم کی مضبوطی اس میں شامل ہے۔ جس کے عزم مضبوط نہ ہوں اس کے قدم بھی مضبوط نہیں ہو سکتے۔ پس یہ اور اس جیسی اور دعائیں ہیں۔ میں اس وقت دُعاؤں کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ میں صرف یہ سمجھا رہا ہوں کہ آپ منصوبے کیسے بنائیں گے۔ ہر منصوبہ بنانے والا پہلے دُعاؤں کا منصوبہ بنائے اور دعاؤں کا منصوبہ بناتے وقت یاد رکھے کہ عبادت کا قیام ضروری ہے۔ عبادت کے قیام کے بغیر اور نیک اعمال کے بغیر دعاؤں کو رفعت عطا نہیں ہوتی۔ کسی کلمہ کو بلندی نصیب نہیں ہوتی تو منصوبہ بناتے وقت انسان سوچتا بھی رہے اپنے نفس کا محاسبہ بھی کرتا رہے اور اگر نیک ارادے کے ساتھ، عزم صمیم کے ساتھ منصوبہ کے لئے بیٹھا ہے تو لازماً منصوبہ بناتے وقت کی جو فکریں ہیں وہ اس کے دل پر نیک اثر ڈالیں گی اور بہت سی پاک تبدیلیاں اس کے اندر پیدا کریں گی۔ بہر حال دعاؤں کے مضمون میں ایک اور بات کو بھی داخل کر لیں کہ منصوبہ بناتے وقت یہ بھی فیصلہ کریں کہ جن لوگوں کو میں یا ہم تبلیغ کریں گے ان کے لئے بھی دعائیں کیا کریں گے اور اپنی دعاؤں کی طاقت کے کرشمے ان کو دکھائیں گے اور ان کو بتائیں گے کہ جس خدا کی طرف سے ہم آرہے ہیں اور جس خدا کی طرف تمہیں بلانے کے لئے دعوت دے رہے ہیں اس خدا سے ہمارا تعلق ہے اور وہ ہماری دُعاؤں کو سُنتا ہے۔ پس ہم خدا کے

رستے سے آرہے ہیں اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہم تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان دُعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور تم پر ہمارا خدا سے تعلق ثابت کر دیتا ہے۔

سب دلیلوں سے بڑی دلیل دُعا کی دلیل ہے اور مقبول دُعا کی دلیل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغی ہتھیاروں میں سب سے بڑی فوقیت دُعا کو دی اور اپنی صداقت کے نشانوں کے طور پر سب سے زیادہ مقبول دعاؤں کو پیش فرمایا۔ ایسی کتابیں تحریر فرمائیں جیسے حقیقۃ الوحی۔ نشانِ آسمانی وغیرہ۔ جن میں کثرت سے ان دعاؤں کا ذکر ہے جن کی قبولیت کے خدا نے ظاہر و باہر نشان دکھائے اور بہت سے احمدی ہیں جن کے آباؤ اجداد ان مقبول دعاؤں کو دیکھ کر احمدی ہوئے تھے۔ شائد ہی آج احمدیت میں کوئی ایسا گھر ہو جن کے آباؤ اجداد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں احمدی ہوئے ہوں اور ان کی احمدیت میں دُعاؤں کا دخل نہ ہو یا اُن کی اپنی دُعاؤں کا دخل ہے یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگ صحابہ کی دُعاؤں کا دخل ہے یا انہوں نے براہ راست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کا فیض پایا ہے یا حضرت مسیح موعودؑ کی دُعاؤں کو قبول ہوتے دیکھا ہے اور اس سے مرعوب ہو کر انہوں نے احمدیت کی سچائی کو قبول کیا۔ پس سارے دلائل ایک طرف اور مقبول دُعائیں ایک طرف اس کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اب کثرت سے یہ رجحان پیدا ہو گیا ہے مختلف ممالک سے لوگ خط لکھتے ہیں کہ میں عیسائی ہوں، میں ہندو ہوں، میں سکھ ہوں، میں فلاں ہوں، میں مسلمان ہوں، لیکن احمدی نہیں۔ لیکن آپ کی مقبول دُعا کے بعض واقعات میں نے سُنے ہیں۔ بعض احمدیوں نے مجھے بتایا ہے اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے اس معاملہ میں دُعا کریں اور پھر بسا اوقات ان کا ایک خط آتا ہے کہ اللہ کے فضل کے ساتھ یا وہ بھگوان کہتا ہے تو بھگوان کی کرپا سے وہ کام جو بظاہر ممکن نہیں تھا وہ ہو گیا ہے اور میرے فلاں فلاں دوست نے بھی دُعا کے لئے کہا ہے اور فلاں نے بھی کہا ہے گویا کہ دُعا کروانے والوں کا سلسلہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ بعض دفعہ لڑکوں کے لئے دُعا مانگنے کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ اس میں میں شرط لگاتا ہوں کہ دُعا کے لئے کوئی شرط نہیں ہوا کرتی مگر میں اپنی دل کی مجبوری سے یہ شرط لگاتا ہوں کہ لڑکے کو موحّد بناؤ گے مشرک نہیں بناؤ گے۔ ایک خدا کی عبادت کرنے والا بناؤ گے کیونکہ اگر میں یہ شرط نہ لگاؤں تو وہ مجھے نعوذ باللہ خدائی طاقتوں والا سمجھنے لگیں گے اور دُعا کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ جس کے لئے

دعا کرے اس کو توحید پر قائم رکھے۔ اس کا سر اپنے سامنے نہ جھکائے بلکہ اس خدا کے سامنے جھکائے جس کی طرف سے اور جس سے گریہ وزاری کے ساتھ وہ فیض مانگتے ہوئے اس کے لئے دعا کر رہا ہے اور اللہ کے فضل سے اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی بھی توفیق ملی۔ یہاں ایک بنگالی دوست ہیں۔ ان کی بیوی بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ پڑھتے ہیں۔ وہ ایک دفعہ اپنی بیماری کے سلسلہ میں آئے اور پھر ہومیو پیتھک دواؤں سے تو توجہ ہٹ گئی لیکن دعاؤں کی طرف زیادہ ہوگئی اور سب سے زیادہ دعاؤں کے لئے کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور ان کی بہت سی مرادیں پوری ہوئیں۔ اب وہ کل باوجود اس کے کہ وقت نہیں لیا ہوا تھا وہ پہنچے کہ میں نے ضرور ملنا ہے۔ ساقی صاحب نے کہا کہ وہ بڑا زور دے رہے ہیں۔ میں نے کہا بلا لیں اُن کو۔ جب ملے تو کہنے لگے کہ ہم تو سب ٹھیک ہیں لیکن میری بیوی کی ایک دوست ہیں اُن کو بڑا سخت ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ اس وقت بہت ہی خطرناک حالت میں ہسپتال میں ہیں۔ وہ چونکہ میری بیوی سے آپ کے متعلق سنتی رہتی ہیں اس لئے اس نے مجھے اصرار کے ساتھ بھجوایا ہے کہ فوری طور پر جاؤ اور ان کو دعا کے لئے کہو تب مجھے چین آئے گا۔ **پس دعا کا معجزہ ایک زندہ معجزہ ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کا تعلق صرف خلیفہ وقت سے نہیں ہے بلکہ ہر اُس شخص سے ہے جو خلافت احمدیہ سے خلوص کا تعلق باندھتا ہے** اور اس راستے سے وہ اپنے تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد مصطفی ﷺ سے بھی مضبوط کرتا ہے اور آخری مقصد اس تعلق کا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ یہ وہ توحید ہے جس پر قائم ہونے کے نتیجہ میں دعاؤں کو برکت ملتی ہے۔ مقبولیت کا فیض عطا ہوتا ہے اور ان دعاؤں کے فیض سے آپ جگہ جگہ دیکھیں گے کہ لوگ احمدیت کی صداقت کے قائل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ دعاؤں کے مضمون میں دعوت الی اللہ کرنے والے پوری طرح استفادہ نہیں کر رہے۔ بعض دعوت الی اللہ کرنے والے دعاؤں کی طرف متوجہ تو ہیں لیکن سمجھتے ہیں کہ دعا سے مراد صرف اتنا ہے کہ مجھے لکھ دیں کہ میں ان کے لئے دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو پھل لگائے یا خود اپنی کوششوں کو پھل لگانے کے لئے خدا سے دعا مانگتے رہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ یہ درست طریق ہے لیکن صرف یہی طریق نہیں ہے بلکہ **دعا ایک ایسا زندہ درخت ہے جو ہر موسم میں ہر حال میں اعجازی پھل دکھاتا ہے۔** حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی جیسا کہ حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک روایت ملتی ہے۔ یہ ایک شہادت ہے کہ ایک دفعہ حضرت مصلح موعودؓ نے جو اُس وقت بچے تھے اور آپ کے ساتھ غالباً بہشتی مقبرہ کے باغ میں جارہے ہیں ایک ایسے پھل کی درخواست کی جس کا موسم نہیں تھا اور آپ نے دُعا کے ساتھ درخت کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وہ پھل اُن کو دے دیا کہ یہ لو۔ خدا تعالیٰ نے تمہیں پھل عطا فرمایا ہے۔ اگر یہ روایت کرنے والے صادق نہ ہوتے تو اس واقعہ کو قبول کرنا بہت مشکل ہوتا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کے حالات سے ہم سب لوگ واقف ہیں اور روایت کرنے والوں کے متعلق ہزار ہا گواہیاں ہیں کہ اُن کو جھوٹ سے کوئی دور کا بھی علاقہ نہیں تھا۔ اس لئے ان باتوں پر یقین کرنا پڑتا ہے جن کے متعلق جب تاریخ بتاتی ہے تو یقین نہیں آتا۔

پس دُعا میں یہ بہت بڑی طاقت ہے کہ وہ اعجازی پھل عطا کرتی ہے۔ اس یقین کے ساتھ آپ ان لوگوں کے لئے دُعا کریں جن کو آپ تبلیغ کرتے ہیں اور ان کے لئے صرف احمدیت کی دُعا نہ کریں کیونکہ احمدیت کی دُعا میں ان کی تمنائیں ساتھ شامل نہیں ہیں۔ ان کے لئے وہ دُعا کریں جس دُعا کا فیض وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ان کی دل کی تمنا پوری ہوں تب اُن کو یقین آئے گا۔ ایک بیمار ہے جو حالت زار تک پہنچا ہوا ہے۔ کئی ایسے مریض ہیں جن کے متعلق ڈاکٹر جواب دے دیتے ہیں، کئی ایسے مصائب ہیں جن میں انسان پھنس کر نجات کی کوئی راہ نہیں پاتا اور گھیرے میں آجاتا ہے کئی ایسی تکلیفیں ہیں جو قریبیوں سے پہنچتی ہیں، کئی ایسی تکلیفیں ہیں جو دُشمنوں سے پہنچتی ہیں۔ انسان کو سو قسم کے آزار ہیں اور ہر انسان جو بظاہر خوش بھی دکھائی دیتا ہے اُس کو کوئی نہ کوئی فکر ضرور ہوتی ہے پس دعوت الی اللہ کرنے والے کو اپنے منصوبہ میں یہ بات لکھ لینی چاہئے کہ میں انبیاءؑ کی زبان میں بھی دُعائیں مانگوں گا اور دُعا کے لئے دوسروں کو بھی لکھوں گا اپنے لئے بھی دُعا کروں گا لیکن خُدا تعالیٰ سے یہ اعجاز بھی مانگوں گا جن لوگوں کو میں تبلیغ کرتا ہوں اُن کو میری دُعا سے دُنیاوی فوائد بھی حاصل ہوں، مادی فوائد بھی عطا ہوں تاکہ ان کا دل اس یقین سے بھر جائے کہ یہ شخص جو مجھے خدا تعالیٰ کی طرف بُلاتا ہے یہ گھر سے آنے والا ہے، کوئی دور کی آواز نہیں ہے بلکہ گھر کے اندر سے اُٹھنے والی آواز ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے جب یہ منزل طے ہو جائے تو ہر دوسری روک رستے سے اُٹھا دی جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ضروری نہیں کہ ایک انسان حق کو قبول کرلے لیکن جس شخص کی دُعاؤں

کا فیض کوئی پا تا ہے اس کے لئے دل میں ایک ملائمت پیدا ہو جاتی ہے، نرم نرم گوشے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی بات کو ادب اور احترام سے سُنتا ہے اور بے وجہ کی حجت بازیوں میں مبتلا ہو کر اس کے پیش کردہ دلائل کو رد نہیں کیا کرتا بلکہ اس کو بہت ہی ادب اور احترام سے اس خواہش کے ساتھ سُنتا ہے کہ میرے دل میں جاگزین ہوں میں بات کو سمجھ جاؤں چنانچہ میرا ابھی یہ تجربہ ہے کہ بسا اوقات ایسے لوگ کچھ دیر کے بعد اس دُعا کی بھی درخواست شروع کر دیتے ہیں کہ دُعا کریں ہمیں ہدایت نصیب ہو۔ دعا کریں ہمیں توفیق ملے کہ ہم آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں اور یہ سلسلہ بعض دفعہ اس تیزی سے بڑھتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے قادیان کے سفر میں ایک سکھ خاندان سے رستہ چلتے تھوڑا سا تعلق قائم ہوا وہ اتنی تیزی سے بڑھا پہلے تو انہوں نے اپنے بچوں کے لئے اپنی مشکلات کے لئے دُعا کا کہنا شروع کیا پھر ایک دفعہ وقت لے کر آئے کہ میں نے ضرور ملنا ہے ان کو میں نے وقت دیا تو مجھے کہا کہ آپ میرے لئے اب یہ دُعا کریں کہ اللہ مجھے ہدایت دے۔ میں نے کہا۔ ہاں ہاں میں آپ کے لئے دُعا کرتا ہوں تو کہا کہ نہیں نہیں آپ بات نہیں سمجھے مطلب ہے مجھے طاقت دے کہ میں آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ اب یہ جو باتیں ہیں یہ دُعا کے کرشمے ہیں اور دعوت الی اللہ کے لئے سب سے زیادہ ضروری دعا ہے۔ باقی باتیں میں انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں بیان کروں گا۔ میں نے اس مضمون کو بہت کھول کر آپ پر روشن کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھی فرمایا کہ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ۔ بعض معاملات وہ خوب کھول کھول کر بیان کرتا ہے کیونکہ بعض ایسے اسباب ہیں جو نظر سے مخفی ہوتے ہیں جیسے وہ عمود جن پر ساری کائنات اُٹھالی گئی ہے دکھائی نہیں دیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کھول کھول کر بیان نہ کرے تو لوگوں کو پتا بھی نہ لگے کہ ایسے عمود موجود ہیں پس دُعا کا عمل بھی ان عمود میں سے ہے جو سب سے زیادہ طاقت رکھتا ہے ساری کائنات کو یہ عمود اُٹھا سکتا ہے لیکن لوگوں کو نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ پس اس آیت کریمہ سے نصیحت پاتے ہوئے میں نے بھی اس مضمون کو آج خُوب کھول کر آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اپنے لئے ہر منصوبہ بنانے والا اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرے گا۔ آمین

دعوت الی اللہ اپنے گھروں سے شروع کریں۔

اسوۂ رسولؐ پر چلتے ہوئے اپنے گھروں کو جنت نشان بنادیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ فروری ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (الانفال: ۳۰-۳۱)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ خطبہ میں میں نے جماعت کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اور جب چاہے جس چیز کا فیصلہ فرمائے۔ جس انداز سے چاہے اُسے عدم سے وجود میں لاسکتا ہے۔ اس کے باوجود وہ منصوبہ بناتا ہے اور ہر کام جس کا فیصلہ کرتا ہے اس کے لئے ایک باقاعدہ منصوبہ بناتا ہے تو اس منصوبے کے تحت وہ کام جاری ہوجاتے ہیں۔ تو مومن کا کام ہے جو خدا کا سچا بندہ ہے کہ اللہ ہی کے رنگ اختیار کرے اور جس طرح خدا تعالیٰ ایک فیصلے کے بعد منصوبہ بناتا ہے مومن بھی اپنے کاموں میں منصوبہ بنائے۔ مومنوں کے منصوبے سے متعلق گفتگو چل رہی ہے اس سلسلہ میں میں

یہ بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ کافر بھی منصوبہ بناتا ہے۔پس مومن کے لئے یہ کسی صورت ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ منصوبے کے بغیر اپنی زندگی کو کسی بہتر رنگ میں ڈھال سکے۔ایک طرف اس کے آقا و مالک کا مزاج ہے جو منصوبے بناتا ہے۔اگر اس سے محبت ہے اور اس سے پیار ہے، اگر اُسے عقلِ کل سمجھتا ہے تو لازماً اُس کی پیروی کرنی ہوگی اور اگر نہ کرے تو دشمن کے ہاتھوں مارا جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ دشمن بھی منصوبے بنا رہا ہے۔ یہ دو آیات جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے ان میں انہی منصوبوں کا ذکر ہے اور ان منصوبوں کے ذکر سے پہلے ہی ان کا علاج بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وہ تمہیں کھلی کھلی واضح فتح عطا فرمائے گا۔ فرقان ایسی دلیل کو بھی کہتے ہیں اور ایسی قوت کو بھی کہتے ہیں جو کھرے کھوٹے میں تمیز کر دے۔ جو حق کو باطل کے مقابل پر کھول کر سامنے لے آئے اور اس میں غلبے کا مفہوم بھی ہے کیونکہ سب سے بڑی دلیل جو عوام الناس سمجھتے ہیں وہ غلبے کی دلیل ہے۔

پس یوم الفرقان قرآن کریم میں بیان فرمایا یہ جنگ بدر کا وہ دن تھا جبکہ دشمن نے پہچان لیا کہ اب یہ جیتے ہوئے لوگ ہیں اب ان سے مقابلہ نہیں ہو سکتا ۔ اس دن حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپؐ کے غلاموں کی فضیلت کھلے کھلے نشان کے طور پر روشن ہوگئی۔پس فرمایا کہ تمہارے لئے ایک ہی طریق ہے کہ تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تعالیٰ وعدہ دیتا ہے کہ وہ تمہیں فرقان عطا فرمائے گا اور فرقان کے ساتھ وَ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ تمہاری برائیاں دور فرمائے گا۔ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ اور تم سے جو پہلے گناہ سرزد ہو گئے اُن سے بخشش کا سلوک فرمائے گا۔وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل والا ہے وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔فرمایا ہم تمہیں مطلع کرتے ہیں کہ دشمن تمہارے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو واحد کے صیغے میں مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بھی یہ دشمن تیرے خلاف منصوبے بناتے ہیں جن کا تین نکاتی پروگرام ہے لِیُثْبِتُوْكَ ایک یہ کہ تیرے قدم اکھاڑ دیں ۔جس پیغام کو لے کر تو چلا ہے اور جس عزم کے ساتھ اس پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا اقدام کر رہا ہے اس عزم میں تمہارا یقین ہٹا دیں یا اُس عزم کی پیروی میں تمہارے قدم

لڑکھڑا دیں گویا کہ اپنے پیغام کا حق ادا کرنے کے اہل نہ رہو۔ اَوْ يَقْتُلُوْكَ یا تجھے قتل کر دیں۔ یہ پہلے منصوبے کی ناکامی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اگر تیرے ثبات قدم کو وہ نقصان نہ پہنچا سکیں تیرے قدم نہ لڑکھڑائیں تو پورے عزم اور قوت کے ساتھ، پوری شان کے ساتھ، پورے صبر کے ساتھ، پورے حوصلے اور توکّل کے ساتھ، اپنے مقصد کی پیروی میں ثابت قدم رہے تو پھر ان کے لئے کوئی چارہ نہیں رہے گا سوائے اس کے کہ تیرے قتل کا منصوبہ بنائیں اور اگر قتل میں ناکام ہوں تو يُخْرِجُوْكَ کم سے کم اتنا تو ضرور کریں کہ تجھے ملک بدر کر دیں۔

یہ ایک طبعی ترتیب ہے جس کا انسانی نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ بالکل اسی طرح دشمن الٰہی جماعتوں کا مقابلہ کیا کرتا ہے اور اسی طرح آغاز ہوتا ہے، اسی طرح اس کا وسط آتا ہے، اسی طرح اس کا انجام ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر پیغام کو دلائل کے ذریعہ اور منطقی طاقتوں کے ذریعہ ناکام کیا جا سکے تو کوئی نہیں جو بے وجہ تلوار کو ہاتھ میں اٹھائے اس لئے تلوار ہاتھ میں لینے کا خیال آتا ہی اس وقت ہے جبکہ دشمن دلائل کی دنیا میں کلیۃً نامراد ہو چکا ہوتا ہے۔ پس جب وہ نامراد ہوگا تو کیا کرے گا۔ جب ایمان سے تمہیں متزلزل نہ کر سکے اور اپنے منصوبوں میں تم ثابت قدم رہو تو پھر تلوار اُٹھتی ہے اس کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں اور اگر تلوار ناکام نظر آئے اور ایسے حالات نہ پیدا ہوں کہ ان کے دشمن کو تلوار کے ذریعہ نیست و نابود کیا جا سکے تو پھر ملک بدر کرنے کی ضرور کوشش کرتے ہیں کہ یہ فتنہ ملک سے باہر ہی نکل جائے اور مصیبت سے ہمارا پیچھا چھوٹے اور تو کوئی راہ نہیں ہے۔

فرمایا یہ تین منصوبے ہیں جو وہ تیرے خلاف بنا رہے ہیں وَيَمْكُرُوْنَ اور ہم پھر تاکیداً بتاتے ہیں کہ وہ مسلسل دن رات مکر کرنے میں مصروف ہیں۔ ناپاک منصوبے بنانے میں وہ دن رات لگے ہوئے ہیں لیکن وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ اللہ بھی ان منصوبوں کا توڑ کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منصوبے جو دشمن بناتا ہے اس کی اگر مومن کو اطلاع نہ بھی ہو تو خدا تعالیٰ ان منصوبوں کا توڑ کر رہا ہوتا ہے اس لئے مومن کے منصوبے بناتے وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی کامیابی کا انحصار Intelegence پر ہو۔ دشمن کے منصوبوں پر اطلاع کے نتیجہ وہ منصوبے بنا رہا ہوتا ہے۔ اس نے مثبت پہلو میں منصوبے بنانے ہی ہیں کیونکہ اللہ کی پیروی کرتا ہے لیکن دشمن بھی مسلسل منصوبے بنانے میں مصروف ہے۔ اگر ان منصوبوں پر مومن کو اطلاع

ہو جائے تو اس کا بھی فرض ہے کہ اللہ جوابی کارروائی کرتا ہے مومن بھی جوابی منصوبہ بنائے لیکن اگر اطلاع نہ ہو تو اُسے کامل یقین رکھنا چاہیے کہ اس کا خدا ہمہ وقت اس کا نگران ہے اور دشمن کے شر پر اطلاع رکھتا ہے اور اس کے شر کو توڑنے کے لئے اُس کے ناپاک منصوبوں کو ناکام بنانے کے لئے خدا تعالیٰ بھی جوابی منصوبے بنا رہا ہے۔ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ کا مطلب ہے کہ دشمن تو ناپاک اور گندے منصوبے بناتا ہے لیکن اللہ اچھے اور پاک منصوبے بناتا ہے۔

اچھے اور گندے میں فرق ایک تو مقصود کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے، ایک لائحہ عمل کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص بعض دفعہ یہ کہتا ہے کہ میں نے نیک مقصود سامنے رکھا ہوا ہے۔ اس لئے جھوٹ کے ذریعہ نیک مقصد حاصل کرلوں، شر کے ذریعہ نیک مقصد حاصل کروں، کیا فرق پڑتا ہے اور جماعت کے اکثر معاندین کا یہی حال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں جماعت کے خلاف جھوٹ بھی جائز، گند بھی جائز، ہر قسم کی لغو حرکت جائز کیونکہ ہمارا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ جس کو ہم شر سمجھتے ہیں جس کو ہم جھوٹ سمجھتے ہیں مٹا دیں۔ پس اس کو مٹانے کے لئے ہم ہر قسم کے گندے حربے کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا ایسا نہیں کیا کرتا اللہ کا جوابی مکر جھوٹ اور گند اور بہتان اور ہر قسم کے ظلم اور سفا کی کے مقابل پر ایک صاف ستھرا پروگرام ہوتا ہے جس کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو کسی غلط کام میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اس کا منصوبہ ہمیشہ صاف رہے گا۔ پس جماعت احمدیہ کی تاریخ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ جب بھی جماعت کو دشمن کے منصوبوں کی اطلاع ہوئی ہے جھوٹ کے مقابل پر کبھی جھوٹ نہیں بولا گیا، شر اور فتنہ پھیلانے کے مقابل پر کبھی شر اور فتنہ نہیں پھیلایا گیا۔ بعض دفعہ یہ بھی بہتان لگاتے ہیں کہ احمدیوں نے شیعہ سنی فساد برپا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ بھٹو صاحب اپنے آخری دور حکومت میں اپنی جان اسی طرح بچایا کرتے تھے کہ ہر فساد کی ذمہ داری احمدیوں پر ڈالنے کے لئے وہ Intelegence کے ذریعہ پہلے ہی یہ خبریں پھیلا دیا کرتے تھے، اخباروں میں اشتہار دے دیا کرتے تھے کہ احمدی فلاں شرارت کرنے لگے ہیں اس سے بچ جاؤ حالانکہ احمدیت کے مزاج میں ہی وہ بات نہیں چنانچہ بسا اوقات ایسا ہوا کہ جب احمدیوں کے خلاف کوئی الزام لگایا گیا یعنی اسی قسم کا گندہ قتل کا الزام، شر پھیلانے کا الزام تو بڑے چوٹی کے تجربہ کار پولیس افسروں نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہم احمدیت کا مزاج جانتے ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا ان کی سوسالہ تاریخ

سامنے کھڑی ہے۔ یہ اگر منصوبہ بنائیں گے تو خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ والا منصوبہ ہوگا۔ شر الماکرین والا نہیں ہوسکتا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ مومن کو بھی جب جوابی منصوبہ بنانا ہو تو خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ہونا پڑے گا۔ خیر کا دوسرا مطلب بہتر کا ہے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اس منصوبے میں غالب آنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ دشمن کے ہر منصوبے کو یہ بہتر منصوبہ لازماً ناکام کر دیتا ہے۔ پس صلاحیتوں کے لحاظ سے بہتر کے معنی میں خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ابتداء ہی میں مومن کو جو نصیحت فرمائی ہے وہ دراصل دشمن کے سارے منصوبوں کا توڑ ہے اور خدا تعالیٰ کا مومن کے لئے منصوبے بنانا اس مرکزی نقطہ سے تعلق رکھتا ہے جس کا بیان اس سے پہلے ہو گیا ہے کہ اس کو مضبوطی سے پکڑ لو تمہارے سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے۔ وہ تقویٰ ہے۔ اس ساری آیت میں ایک ہی چابی رکھی گئی ہے۔ باقی سب اس چابی کے ذریعہ کھلتے ہوئے تالوں کے مناظر دکھائے گئے ہیں لیکن خدا کے منصوبے بنانے کا تعلق بھی مومن کے تقویٰ سے ہے۔ جس مومن میں تقویٰ نہ ہو اس کے لئے خدا منصوبے نہیں بنایا کرتا، اس کے حق میں کوئی بھی وعدہ پورا نہیں ہوتا، اُسے کوئی فرقان عطا نہیں کی جاتی۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے لئے انفرادی طور پر منصوبہ بنائیں تو اس میں دعا کے بعد سب سے اہم قابل توجہ بات یہ ہے کہ اپنے تقویٰ کا منصوبہ بنائیں اور **تقویٰ کا منصوبہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو علم ہو آپ میں کیا کیا کمی ہے اور وہ کمی بعض دفعہ ایسی بھی ہوتی ہے کہ جو آپ کے بس میں ہو کہ اُسے دور کر دیں اور بعض دفعہ ایسی بھی ہوتی ہے کہ آپ اپنی برائیوں کے ہاتھوں مغلوب ہو چکے ہوتے ہیں اور کوئی پیش نہیں جاتی۔** ان دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ نے آپ کو متقی ہی قرار دیا ہے۔ یہ بہت ہی قابل ذکر نکتہ ہے، یہ بہت ہی توجہ کے لائق نکتہ ہے کہ یہاں متقی کی یہ تعریف نہیں فرمائی کہ متقی وہ ہے جو نیتوں میں بھی کامل ہو اور عمل میں بھی کامل ہو اس میں نقائص نہ ہوں میں صرف ان کی مدد کروں گا۔ اگر یہ ہوتا تو دعوت الی اللہ کرنے کے لئے خدا کے ہاتھ کچھ بھی باقی نہ رہتا کیونکہ تقویٰ کی مصیبت یہ ہے کہ جتنا تقویٰ بڑھتا ہے اُتنا ہی انسان اپنے آپ کو گناہ گار بھی سمجھنے لگ جاتا ہے اور بسا اوقات درست ہوتا ہے کیونکہ اس کا نیکی کا معیار بڑھتا رہتا ہے جس چیز کو وہ نیکی سمجھتا ہے وہ ایک مقام پر نہیں رہتی بلکہ اس کا معیار بلند ہوتا رہتا ہے اسی کا نام عرفان ہے۔ تو تقویٰ اُس کے نقائص کھول کھول کر سامنے

لاتا ہے اور جب نقائص سامنے لاتا ہے تو وہ کہتا ہے میں متقی نہیں ہوں۔ جب اپنے آپ کو متقی نہیں سمجھتا تو وہ کہے گا مجھے فرقان عطا نہیں ہوگی ، مجھ سے خدا یہ سلوک نہیں فرمائے گا، وہ سلوک نہیں فرمائے گا، میرے لئے منصوبے نہیں بنائے گا تو پہلا قدم اُٹھانے سے پہلے ہی اس کی کمر ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔

یہاں دیکھیں خدا نے کیسی عجیب تعریف فرمائی ہے۔ یہ دراصل وہی تعریف ہے جو قرآن کریم میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہی بیان کی گئی ہے۔ فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۔ وہاں متقی سے مراد اعلیٰ درجے کے تربیت یافتہ لوگ نہیں ہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی ہدایت پا چکے ہوتے ہیں۔ وہاں تقویٰ کی وہ تعریف ہے جو اس آیت میں پیش نظر ہے کہ انسان سچائی کے ساتھ، خالص نیت کے ساتھ پاک ہونے کا ارادہ کرے۔ یہ فیصلہ کرے کہ اس راہ پر چلنے کے لئے مجھے اس راہ کے اسلوب بھی سیکھنے ہوں گے اور میں اپنی موجودہ کمزوریوں کے ساتھ اس رستے پر چلتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔ یہ ارادہ کر کے جب وہ یہ فیصلہ کرے کہ میں پوری کوشش کروں گا کہ اپنے نقائص کو دور کروں اور اپنی خوبیوں میں اضافہ کروں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے متقی قرار دے دیا ہے۔ تیرا یہ ارادہ ہی مجھے منظور اور مقبول ہے اگر یہ خالص ہے اگر یہ سچائی کے ساتھ کیا ہوا ارادہ ہے تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ تجھے ضرور فرقان عطا کرے گا کیونکہ میری خاطر میرے رستے پر چلنے کے لئے تو نے یہ پروگرام بنایا ہے۔ فرقان کا مضمون یہ بات کھول رہا ہے اور بعد میں آنے والی آیت یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر کر رہی ہے کہ یہاں وہ متقی مراد ہے جو دعوت الی اللہ کا ارادہ کر کے گھر سے نکلتا ہے یا دعوت الی اللہ کے ارادے گھر بیٹھے باندھتا ہے اور ان سوچوں میں غلطاں ہے اور پریشان ہے کہ اے خدا میں تو کمزور ہوں۔ میرے اندر یہ بیماری ہے وہ بیماری ہے طرح طرح کے عوارض مجھے لاحق ہیں میں تو اپنے آپ کو اس لائق نہیں پاتا کہ باہر نکل کر تیری طرف دنیا کو بلاؤں کیونکہ جو تیری طرف بلانے والا ہو اس میں تیرے جیسے اخلاق چاہئیں۔ دنیا دیکھ تو سکے کہ کس کی طرف سے آیا ہے۔

یہ وہ شکوک اور شبہات ہیں جن کے رد کے طور پر آیت کا بقیہ حصہ ہے اور بقیہ حصہ یہ بتا رہا ہے کہ یہ وہم پہلے پیدا ہوئے ہیں تو سب سے پہلے سب سے بڑی خوشخبری رکھ دی۔ ہم تجھے فرقان کی بشارت دیتے ہیں، تیرے اور غیر میں تفریق کی جائے گی۔ یہاں لفظ فرقان دوہرے معنی رکھتا ہے۔ اس پر آپ غور کریں تو انسان قرآن کی فصاحت و بلاغت پر وجد میں آ جاتا ہے۔ دعوت الی اللہ کرنے

والے میں اور جس کو دعوت الی اللہ کی جاتی ہے اس میں ایک فرق تو ہونا چاہئے۔ اگر فرق نہ ہو تو بلانے والا کس طرف بلاتا ہے اگر وہ اعلیٰ اخلاق کا مالک نہیں، اگر وہ اعلیٰ خوبیوں کا حامل نہیں، اگر وہ خدا کی صفات اپنے اندر نہیں رکھتا اور اس میں اور غیر میں تفریق ہی کوئی نہیں ہے تو اندھا اندھے کو بصارت کی بشارت دے رہا ہے۔ کوئی بلانے والا اگر خود بھوکا ہو تو خوراک کی طرف کیسے بلا سکتا ہے۔ تو یہ مضمون ہے کہ پھر کچھ نہ کچھ تمہارے اندر ہونا چاہئے اور خدا فرماتا ہے ہم تمہیں فرقان عطا کریں گے اور فرقان عطا کرنے کی تشریح یہ ہے کہ وَ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری برائیاں دور فرمادے گا۔ جب برائیاں دور فرمادے گا تو تم میں اور تمہارے غیر میں تمیز ہو جائے گی بہت نمایاں فرق نظر آئے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: ۳۲) اور تمہارے گناہوں سے بخشش کا سلوک فرمائے گا۔

بخشش سے مراد اخروی بخشش ہی نہیں وہ تو ہے ہی لیکن اس دنیا میں جب بخشش ہوتی ہے تو انسان اپنے اعمال کے بدنتائج سے بچایا جاتا ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ جو بد اعمالیاں تم سے سرزد ہو رہی ہیں یا ہو چکی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بدنتائج سے تمہیں محفوظ رکھے گا، سو مرتبہ وہ تمہاری پردہ پوشیاں فرمائے گا۔ بے شمار مرتبہ تم پریشان ہو گے کہ اب میں ان برائیوں کا برا نتیجہ دیکھنے والا ہوں اور دشمن بھی دیکھے گا اور کیا کہے گا کہ کون تھا کس کی طرف بلاتا تھا اور کیسی حرکتیں کرتا رہا؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تیری مدد کو آؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تیری نیت متقی بننے کی ہے۔ پس یہاں متقی سے مراد وہ پاک نیت انسان ہے جو نیک بننے کا فیصلہ کرے اور خدا کی خاطر ایسا کرے اور تبلیغ کی خاطر ایسا کرے کیونکہ اگلی آیت کھلا کھلا بتا رہی ہے کہ یہ تبلیغ کا مضمون ہے اور دعوت الی اللہ والے کے سوا کسی اور کا ذکر نہیں ہے کوئی عام ذکر نہیں۔ فرمایا پھر ہم تمہیں فرقان کے دوسرے معنوں میں بھی فرقان دیں گے یعنی تمہیں دشمن پر ایک ایسا غلبہ عطا کر دیں گے کہ تمہارا مقصود تمہیں حاصل ہو جائے گا اس کے لئے فرمایا کہ دیکھو اللہ کے پاس بے شمار بہت بڑے بڑے فضل ہیں۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ کہ اللہ بہت بڑے بڑے فضلوں والا ہے۔ اس کے پاس کسی قسم کی کمی نہیں ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو چونکہ متقیوں کا سردار ہے اس لئے دیکھ ہم تیرے سے یہ یہ سلوک کر رہے ہیں۔ تو سویا ہوا ہوتا ہے تو دشمن کی شرارتوں سے دن کو بھی اور رات کو بھی غافل

بیٹھا ہوا ہوتا ہے تو تیرے لئے خدا جاگتا ہے اور تیرے لئے دشمن کے ہر منصوبے کو ناکام کرنے کے لئے ایک مقابل کا منصوبہ بنا رہا ہوتا ہے۔ پس تقویٰ آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھنے کا نام ہے کیونکہ آپؐ نے ہمیں زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل کے ذریعہ تقویٰ کے مضمون سکھائے ہیں۔ پس ان معنوں میں فرمایا کہ تمہیں دشمن سے ڈرنے کی ضرورت نہیں مگر یہ متنبہ بھی فرمادیا کہ جب تم متقی بنو گے، جب خدا تمہاری کمزوریاں دور فرمائے گا، تمہیں فرقان عطا کرے گا۔ تو پھر یاد رکھنا بڑی مصیبتیں پڑیں گی تمہارے قتل کے منصوبے بنائے جائیں گے۔ سب سے پہلے تو تمہیں گالیاں دے کر یا مغلظات بک کر اور ہر قسم کے بہتان تم پر لگا کر تمہیں ڈرا دھمکا کر اپنے مقصد سے ہٹانے کی کوشش کی جائے گی اور یہ تأثر پیدا کر کے کہ اس مقصد کی پیروی میں گھاٹا ہی گھاٹا ہے، متزلزل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ تم کہو گے کہ کس مصیبت میں مبتلا ہو گئے، کیا ضرورت تھی اس مشکل میں پڑنے کی؟ آرام سے گھر بیٹھو اور دشمن بھی یہی کہے گا کہ تم نے خود اپنے اوپر مصیبتیں ڈالی ہوئی ہیں آرام سے گھر کیوں نہیں بیٹھتے اور یہی وہ پروپیگنڈا ہے جو حکومت پاکستان نے ۱۹۷۴ء کے بعد اور پھر ۸۴ء کے بعد بڑے زور سے ساری دنیا میں کیا۔ جب بھی احمدی اپنے دردناک حالات بیان کرتے رہے تو بسا اوقات عدالتوں نے جن کے ہاں اُن کے کیس پیش تھے انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ہمیں حکومت پاکستان کی طرف سے یا اُن کے فلاں فلاں نمائندے کی طرف سے یا Ambessidor کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ تم خود شرارت پیدا کرتے ہو، تمہیں کیا ضرورت ہے کہ باہر نکل کر لوگوں کو اپنی طرف بلاؤ۔ جب تم تبلیغ کرو گے تو پھر جوتیاں کھاؤ گے، مار پڑے گی حالانکہ نیک کام کی طرف بلانا جرم نہیں ہے اور ان لوگوں کے اپنے قانون کے مطابق جرم نہیں ہے جو یہ اعتراض کرتے ہیں۔ وہ تو احمدیوں کو اپنے مقصد میں ناکام کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو یہ ہے تمہیں اپنے ملک میں جگہ نہیں ملی ہم بھی اپنے ملک میں جگہ نہیں دینا چاہتے اور اس وجہ سے یہ دلیل بناتے ہیں کہ تم آرام سے گھر بیٹھے رہو کوئی تمہیں کچھ نہیں کہتا۔ ظلم تب ہو گا جب تم گھر بیٹھے رہو کسی کو کچھ نہ کہو کسی کو اپنی طرف بلاؤ نہیں اور پھر لوگ تمہیں گھر جا کر ماریں پھر تمہارا حق ہے ہمارے ملک میں آجاؤ لیکن دعوت دیتے ہوئے مار کھاؤ گے تو پھر یہ تمہارا قصور ہے۔ یہ دلیل واقعۃً بہت سی عدالتوں میں پیش کی گئی اور پھر جماعت کی طرف سے اس کا معقول مؤثر رد بھی پیش کیا جاتا رہا لیکن بعض ججوں نے نہیں تسلیم کیا۔

تو مومن تو بغیر دعوت کے رہ نہیں سکتا اور دنیا کے کسی مہذب معاشرے میں دعوت الیٰ الخیر دینا یا آپ خیر کو چھوڑ بھی دیں تو ایسی دعوت دینا جس میں ایک شخص زبانی بغیر کسی زبردستی کے، بغیر کسی لالچ کے کسی کو اپنا ہم خیال ہونے کی طرف بلاتا ہو یہ جرم نہیں ہے اور اس دعوت کے نتیجہ میں کسی کو مارکٹائی کا کوئی حق نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ تم سے فرقان کا وعدہ تو ہے لیکن فرقان کے اور آج کے درمیان کافی منازل ہیں۔ وہ چھوٹا سا ذرہ، ریزہ جو سیپی کے منہ میں جاتا ہے ایک دن ہی میں تو موتی نہیں بن جایا کرتا۔ سب سے پہلے خوشخبری رکھ کر حوصلہ بڑھا دیا ہے کہ تمہیں فرقان تو ملنی ہی ملنی ہے لیکن ملنے سے پہلے کچھ مشکلات آئیں گی، کچھ مراحل ایسے بھی آئیں گے جن میں بہت خوف ہیں ہم تمہیں پہلے سے متنبہ کرتے ہیں اور یہ بھی وعدہ کر رہے ہیں کہ ان خوفوں کو دور کیا جائے گا اور خدا تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ پس ہر تبلیغ کرنے والے کو یہ وارننگ ہے، یہ تنبیہ ہے کہ خواہ وہ کیسی ہی ہمدردی کے ساتھ، نیک نیّت کے ساتھ، نیک طریق پر پیار اور محبت کے طریق پر ملائمت کے ساتھ تبلیغ کرے گا چونکہ اس کی تبلیغ میں غالب آنے کی طاقت موجود ہے اس لئے لازماً اس کی مخالفت غلط طریق اختیار کرے گی اور دلائل میں ناکامی کی وجہ سے دشمن دوسرے طریق اختیار کرے گا۔

تو داعی الی اللہ کے لئے جو عام تنبیہ فرما دی گئی اس کا علاج بھی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تقویٰ کے طور پر آپ کے سامنے رکھا اور تقویٰ کی آسان تعریف کر کے اس کو آپ کے سامنے رکھا ہے۔ خالص نیّت اور خلوص کے ساتھ تم فیصلہ کر لو۔ اب جو احمدی منصوبہ بنانے والا ہے خواہ وہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے اُسے اب تقویٰ کے موضوع کو اپنے سامنے رکھ کر بیٹھنا ہوگا، یہ دیکھنا ہوگا کہ روزمرہ کی زندگی میں اس میں کیا کیا بداخلاقیاں پائی جاتی ہیں؟ کیا کیا ایسی کمزوریاں ہیں جن کے ذریعے جس کو آپ دعوت الیٰ اللہ کرتے ہیں وہ قریب آنے کی بجائے آپ سے دور ہٹ سکتا ہے، اگر وہ بیرونی زندگی کی کمزوریاں ہیں تو وہ نکتہ بہ نکتہ لکھ کر ان کے متعلق توجہ کرنا تقویٰ ہے۔ اگر ان کمزوریوں سے آپ آنکھیں بند رکھیں اور تسلیم نہ کریں تو یہ تقویٰ نہیں ہے۔ تقویٰ کا لفظی ترجمہ ''بچنا'' ہے تو جس کو گڑھوں کا پتا ہی نہیں وہ بچے گا کیسے؟

پس تقویٰ کی ابتدائی تعریف کی رو سے آپ کو سروے کرنا ہوگا، ایک جائزہ لینا ہوگا کہ کہاں کہاں میرے گڑھے ہیں کہاں کہاں میں ٹھوکر کھا سکتا ہوں، کون کون سی مجھ میں کمزوریاں ہیں جن

کے رستے دشمن مجھ پر حملہ آور ہوگا اس لئے اپنی کمزوریوں کا باقاعدہ چارٹ بنانا ہوگا۔ کھلا کھلا نہ لکھیں لیکن اپنے علم میں ضرور لے آئیں، ذہن میں ان چیزوں کو حاضر کر لیں اور ان کو دور کرنے کے منصوبے کا نام تقویٰ ہے۔ وہ ہوگا خدا کی مدد سے اور خدا کے فضل سے لیکن آپ کے ذہن میں وہ باتیں حاضر ہوں گی تو پھر اگلا قدم اٹھے گا ورنہ اس ابتدائی تعریف میں آپ متقی نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ سچے دل سے، خلوص نیت کے ساتھ نیکی کی کوشش کرنا تقویٰ ہے لیکن نیکی کیا ہے؟ اس کا آغاز ہے بدیوں سے بچنا، اور بدیوں سے بچنے کے لئے بدیوں کا علم ہونا ضروری ہے۔

پس قرآن کریم کے ایک ایک لفظ میں اگر آپ اُتر کر دیکھیں تو اور بہت سی نئی راہیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ آپ کے سامنے کئی ایسے ایوان کھلتے ہیں جن میں آپ نے پہلی دفعہ جھانک کر دیکھا ہوتا ہے۔ پس ہر داعی الیٰ اللہ کو اپنی کمزوریاں دور کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنانا چاہئے اور ان کو لکھنا چاہئے۔ وہ بھی جو بیرونی کمزوریاں ہیں اور جن کا معاشرے سے تعلق ہے اور جو اندرونی کمزوریاں ہیں وہ بھی بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ بیرونی کمزوریوں کا تعلق زیادہ تر آپ کی ذات سے ہے۔ آپ جب کسی کو دعوت دیتے ہیں اور آپ لین دین میں بدنام ہیں تو لاکھ دعوتیں دیتے پھریں لوگوں کو پتا ہے کہ یہ لین دین کا کچا آدمی ہے باتیں بناتا ہے۔ اگر مبالغے کی عادت ہے۔ جھوٹ بول دیتے ہیں تو آپ کی بات کا اعتماد اٹھ جائے گا، اس میں وزن نہیں رہے گا، آپ جتنی مرضی چرب زبانی استعمال کریں جھوٹے کی بات کا وزن ہی کوئی نہیں ہوتا اور دیکھا گیا ہے کہ ایک آدمی خوب باتیں کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے ساری مجلس کو مسحور کر لیا لیکن جب وہ مجلس چھوڑ کر جاتا ہے تو سارے ہنس پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بڑا ہی گپی ہے، بڑا ہی جھوٹا ہے اور وہ سمجھتا ہے لوگ مسحور ہو گئے ہیں لیکن لوگ دل میں سوچ رہے ہوتے ہیں کہ جائے تو ہم بتائیں کہ یہ ہے کیا؟ اور سچا آدمی چھوٹی سی بات کرتا ہے۔ بظاہر لوگ رد بھی کر دیتے ہیں، ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اس نے بات کی ہے کسی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بعض مخالفت کرتے ہیں لیکن سچی بات دل میں ڈوبنے کی تاثیر رکھتی ہے۔ اس وقت نہیں تو کچھ اور دیر کے بعد سچی بات اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے یا دکھانے کی کوشش کرتی ہے، اس میں طاقت ہے۔

پس بیرونی تعلقات میں اس قسم کی کمزوریاں دور کرنا فہرست کے اول پر آئے گا۔ جن کے نتیجہ میں آپ بدنام ہوں اور آپ کی نیک بات کا اثر نہ پڑے اور اس کا زیادہ تر آپ کی ذات سے

تعلق ہے۔ پھر جب بدنامی والی باتوں سے نیچے اُتر کر دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بدنامی والی باتیں جڑیں رکھتی تھیں اور وہ جڑیں آپ کے دل اور مزاج اور دماغ میں گہری پیوستہ ہیں۔ ایک پھل آپ نے کاٹ لیا تو دوسرا پھل بھی اس جڑ سے پیدا ہوگا اور وہ بدنیتوں کی جڑ ہے، وہ خودغرضیوں کی جڑ ہے، وہ ایسی کجیاں ہیں جو فطرت کے اندر گہری پیوستہ ہیں اور جب تک ان کجیوں کو ان کی جڑوں سے کھینچ کر باہر نکال کر نہ پھینکا جائے ایک شاخ کو کاٹیں گے تو دوسری شاخ پھر نکل آئے گی۔ ایک تنا گرے گا تو دوسرا تنا اپنی جڑوں سے باہر آ جائے گا اور پھر انسان کو نمبر ۲ طریق پر اپنی فطرت کا گہرا اندرونی جائزہ لینا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ میں مالی لین دین میں کمزوری کیوں دکھاتا تھا، کیا توکل کی کمی ہے یا طبیعت میں شوخی اور چالاکی ہے؟ سچ جھوٹ کا فرق معلوم نہیں اور بدی کا اور حرام پیسے کا بھی اتنا ہی مزا آتا ہے جتنا حلال پیسے کا۔ تو یہ بیماری جو ہے زیادہ گہری ہے اور یہ صرف لین دین سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اور بہت سے اس کے اثرات ہیں جو سارے انسانی اخلاق کے دائرے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس طرح منصوبہ بنائیں گے تو پھر منصوبہ درمنصوبہ بننا شروع ہو جائے گا۔

یہ تو بیرونی حالت سے تعلق رکھنے والا منصوبہ ہے۔ ایک اندرونی حالت ہے جو گھر میں ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کا اپنے بچوں سے سلوک ہے، آپ کا اپنی بیوی سے سلوک ہے، آپ کا اپنی والدہ سے، اپنی بہنوں سے سلوک ہے، اپنی بیوی کی والدہ اس کی بہنوں سے اس کے باپ اس کے رشتہ داروں سے سلوک ہے، ایک اور دنیا آپ کے گھر سے نکل آئی جو گھر کی دنیا ہے لیکن بہت اہمیت رکھتی ہے اور اس کا تعلق نہ صرف آپ کی موجودہ زندگی سے ہے بلکہ آپ کی اولاد کی قیامت تک کی آئندہ زندگی سے ہے۔ آپ باہر بدنام ہوں گے تو غیر آپ کی بات کو توجہ سے نہیں سنے گا یا وزن نہیں دے گا لیکن گھر میں اگر آپ بگڑ گئے تو آپ کی نسلیں بگڑ جائیں گی۔ بجائے اس کے کہ آپ دعوت الی اللہ کے ذریعہ دوسروں کو باہر سے اسلام کے اندر داخل کرنے والے بنیں یا خدا کی راہ میں ان کے قدم کھینچیں ان کو دھکا دے کر پیچھے ہٹانے والے بن جائیں گے۔ ان کو ہی نہیں اپنی اولاد کو بھی وہ تو آپ کے نہیں بن سکے لیکن آپ کی اولاد جو آپ کی کہلاتی تھی وہ بھی آپ کی نہیں رہے گی۔ بسا اوقات بداخلاق خاوندوں کی بیویاں ایمان کھو بیٹھتی ہیں اور ان کی اولادان کو اس طرح دیکھتی ہے کہ ذلیل لوگ ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نیکیاں باہر کی دنیا کے لئے دعوؤں کے طور پر ہیں

حقیقت میں اس شخص کے اندر کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ میں نے ایسی اولادوں کو بارہا اتنا برباد ہوتے دیکھا ہے کہ دل اس بدی کے بدنتائج پر نظر ڈال کر لرزتا ہے۔ گھر میں اپنے اخلاق کو لازماً اچھا بنانا ہوگا جب دعوت الی اللہ کے مثبت نتائج کی بجائے منفی نتائج نکل رہے ہوں گے اور جو کچھ آپ کے پاس ہے وہ بھی کھو رہے ہوں گے لیکن اس طرف جماعت نے ابھی پوری توجہ نہیں دی، سنجیدگی سے توجہ نہیں دی اور وہ سمجھتے ہی نہیں کہ اس کی اہمیت کیا ہے؟ ساری جماعت مراد نہیں بلکہ جماعت میں ایک طبقہ ہے جو اللہ کے فضل سے زرخیز زمین کی طرح ہے ان پر جب نصیحت کا بیج گرتا ہے تو وہ اس کو مٹا نہیں دیتے۔ بلکہ اس کے خواص کو ابھارتے ہیں اور اپنے سینے میں اس کو جگہ دیتے ہیں، وہ نشوونما پاتا ہے اور اس سے آگے پھر اور آگے نیکیاں بڑھتی ہیں، نیکیوں کے نئے نئے پھل لگتے ہیں چنانچہ پھر بسا اوقات بعض لوگ خوشی سے دعائیں لینے کی خاطر لکھتے ہیں کہ ہم نے گھر میں یہ یہ بدسلوکی کی تھی یا کیا کرتے تھے اور آپ کا فلاں خطبہ پہنچا تو اس کے بعد ہم نے سوچا اور خدا کے فضل سے توفیق مل گئی کہ اب ہم اس بدخلقی سے تائب ہو چکے ہیں، گھر صاف ہو گیا ہے اور نتیجۃً کہتے ہیں کہ اب گھر کا مزا آیا ہے۔ اتنی خوشی ہوئی ہے اور ہمارے گھر میں ایسے اچھے تعلقات پیدا ہو گئے ہیں کہ دیکھنے والے بھی رشک کریں۔

تو جماعت کو جب میں کہتا ہوں کہ ابھی توجہ نہیں دی تو مراد یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ ساری جماعت ہی بہری گونگی ہے، چند ایسے ہیں اور میرے خیال میں گھر کے معاملے میں چند سے بھی زائد ایسے ہیں جو اپنے گھر میں کم سے کم بنیادی اخلاق کا مظاہرہ بھی نہیں کرتے۔ میں نے بیویوں کی بات کی ہے، خاوندوں سے بیویوں کے تعلقات بعض دفعہ خاوندوں کی وجہ سے بگڑتے ہیں بعض دفعہ خاوندوں کے بیویوں کی وجہ سے بگڑتے ہیں۔ دونوں طرف احتمالات ہیں اور امکان موجود ہے لیکن زیادہ تر مرد کا قصور ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ. (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر: ۳۸۳۰) تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے، اپنی بیوی، اپنے گھر والوں کے لئے اور اپنے اہل خانہ کے لئے سب سے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم میں سب سے اچھا ہوں۔ بعض دفعہ لوگوں کو جب نصیحت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) ہم نے

ان عورتوں کو سیدھا رکھنا ہے خواہ ڈنڈے کے ساتھ سیدھا رکھنا پڑے، بدتمیزی کے ساتھ سیدھا رکھنا پڑے گالی گلوچ دے کر سیدھا رکھنا پڑے یہ ہمارا کام ہے۔اس لئے عورت ذات کو ٹھیک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تحکم ہو، رعب ہو اور اس کی مجال نہ ہو کہ خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر سکے۔ یہ اس آیت پر تہمت ہے اور ایسی تہمت ہے جس نے سارے اسلام کو دنیا میں بدنام کر رکھا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس غلط تشریح کا کوئی رستہ ہی باقی نہیں چھوڑا۔ فرمایا **خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلہ** ۔آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ قوّام تھے اور آپؐ کے قوّام ہونے نے کبھی بھی بدخلقی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کبھی بھی بدخلقی کا لباس نہیں اوڑھا تو وہ کیسے بدقسمت اور بدنصیب قوّام ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی قوّامی سے سبق لینے کی بجائے ایسے غلط معنی کرتے ہیں جن کا اس آیت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔آنحضرت ﷺ کے اسوہ پر غور کریں کہ کس طرح وہ تحمل کے ساتھ اور حوصلے کے ساتھ اپنی بیگمات کی بعض دفعہ سخت باتیں بھی سن لیا کرتے تھے۔تکلیف دہ باتوں پر بھی اپنے آپ کو دکھی محسوس کرتے تھے مگر کبھی ایک دفعہ بھی حضرت اقدس محمد ﷺ نے گھر میں بدکلامی نہیں کی۔ایک دفعہ بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔پس قوّام کے کیا معنی ہیں آپ آنحضرت ﷺ سے سیکھیں۔پھر آپ کو پتا لگے گا کہ آپ کی بدتمیزیاں قابل مواخذہ ہیں اور خدا کے نزدیک یہ یقیناً پکڑی جائیں گی۔ چنانچہ اس کا ایک بدپھل، کڑوا پھل تو یہ ملتا ہے کہ اولاد برباد ہو جاتی ہے۔اچھے دعوت دینے والے نکلے کہ نئی زمینیں فتح کرنے کی بجائے جو زمین حاصل تھی وہی ہاتھ سے جاتی رہی۔جس جگہ سے غیر قوموں کو فتح کرنے نکلے تھے وہ قوم ہی اپنی نہ رہی۔اپنی سرزمین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ پس دعوت الی اللہ کے وقت ایسی بدنصیبی نہیں ہونی چاہئے۔

پس منصوبے میں یہ بات شامل کریں۔خاص طور پر میں اُن احمدی بدنصیب مردوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ بعض دفعہ نمازوں میں تو بڑے پکے ہوتے ہیں، جماعتی کاموں میں بھی آگے ہوتے ہیں لیکن گھروں میں ظلم کرتے ہیں۔وہ اپنی ساری نیکیوں کو اپنے ہاتھ سے مٹا رہے ہوتے ہیں کچھ بھی اس کا باقی نہیں رہتا۔بعض دفعہ عورتوں کے بڑے دردناک خط ملتے ہیں اور اُن کی ظلموں کی وہ داستانیں اگر سچی ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کہتے تو یہ ہیں کہ یہ نمازی بھی ہے، جماعت کا عہدیدار بھی ہے لیکن گھر آتا ہے تو بدتمیزیاں کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر گالیاں دیتا ہے۔میرے ماں باپ کو

گالیاں دیتا ہے۔ میرے گھر والوں کو دیتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے کوئی رشتہ دار ہمارے گھر آجائے اور میں اس کو چائے پلا رہی ہوں تو اس کا منہ بگڑ جاتا ہے کہتا ہے تم نے میرا مال کیوں اس کو کھلا دیا؟ ایسا بدنصیب اور بدخلق انسان دعوت الی اللہ کے لائق کیسے ہوسکتا ہے اور وہ یہ نہیں سوچتا کہ صرف یہی نقصان نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ایسا ہے جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ ایسے شخص سے ضرور مؤاخذہ کرے گا۔ کسی کی بچی تمہارے گھر آئی تو اس کے ساتھ تم اس قسم کی بدتمیزیاں کرو اور اس کی زندگی اجیرن کر دو لیکن وہ بے بس ہو اور تمہارے مقابل پر بے اختیار ہو، ذرا احتجاج کرے تو تم اس کو بدنی سزائیں دو اور کہو کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ بدنی سزا دو۔ یعنی قرآن کریم پر بھی حملہ، حدیث پر بھی حملہ۔ کلام اللہ پر بھی اور سنت پر بھی حملہ اور ان سب کو تحریف کے ساتھ، اپنی زبان اور اپنے عمل کی تحریف کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر کے تم ساری دنیا پر ظلم کر رہے ہوتے ہو اور اسلام کی ایک ایسی تصویر پیش کرتے ہو جسے کوئی مہذب دنیا میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ پھر دعوت الی اللہ کو بھی نکلتے ہو اپنے نام بھی لکھوا دیتے ہو۔ اِس لئے اگر اور کچھ نہیں تو مظلوم کی بددعا سے ہی ڈرو۔ وہ عورت جو نہتی اور بے بس ہے اس کو اپنے گھر ڈال کر اس پر زیادتیاں، اس کے رشتہ داروں پر زیادتیاں، ایسی کمینی حرکتیں کہ اگر اس کا کوئی عزیز چائے پی لے تو تم بپھر جاؤ کہ میرے پیسے کو تم اپنے عزیزوں پر تقسیم کر رہی ہو حالانکہ قرآن کریم نے ذِی الْقُرْبٰی کا جو حکم دیا ہے کہ خبردار ہم تمہیں نیکی کی نصیحت کرتے ہیں خیرات کی نصیحت کرتے ہیں لیکن ذِی الْقُرْبٰی کو نہیں بھولنا تو ذِی الْقُرْبٰی میں بیوی اور اس کے بھائی، اس کے ماں باپ، اس کے غریب رشتے دار سب شامل ہوتے ہیں اور تمہارا اخلاقی فرض ہے کہ ان کا خیال کرو۔ ان سے حسن سلوک کرو، عزت کا سلوک کرو اور رحمی رشتوں کو توڑو نہیں۔ پس یہاں جب آپ بداخلاقی کرتے ہیں تو اس کا ایک اور بدنتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ ایسے گھر میں آپ کسی کو دعوت پر بلا نہیں سکتے اور جب آپ منصوبہ بنائیں گے تو اس منصوبے میں یہ بات بھی شامل ہونی چاہئے کہ میں اپنے دوستوں کو کبھی کبھی دعوت پر بلاؤں، بیوی اپنی سہیلیوں کو اپنے گھر دعوت پر بلائے، بچے اپنے دوستوں کو اپنے گھر دعوت پر بلائیں اور گھر میں لا کر دکھائیں کہ گھر ہوتا کیا ہے آپس کے تعلقات ان کو دکھائی دیں ایک پیار اور محبت کی جنت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں وہ محسوس کریں کہ اسلامی گھر میں تو آئندہ کی جنت کا وعدہ نہیں بلکہ اس دنیا کی جنت

کا نمونہ پیش کر دیا گیا ہے اور اس کے بغیر مغربی دنیا میں تو دعوت الی اللہ بہت مشکل ہے۔ آپ کے بہت سے ایسے ملنے جلنے والے ہو سکتے ہیں جنہوں نے اسلام کے متعلق غلط تصور باندھے ہوئے ہیں اور وہی وجوہات ہیں جو میں بیان کر رہا ہوں کہ کسی جہالت کے دور میں قرآن کے معنی بگاڑ بھی دیئے گئے، سنت کے معنی بھی بگاڑ دیئے گئے اور بد بخت جاہلوں نے اپنی بداخلاقیوں کو نعوذ باللہ قرآنی تعلیم کی طرف اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اسوہ حسنہ کی طرف منسوب کر کے سندات حاصل کیں اور اپنی بدبختیوں کو چھپانے کے لئے اسلام کا حوالہ دے کر دنیا کے سامنے کہا کہ ہم تو نیکی کر رہے ہیں۔ ہمیں تو خدا نے یہ اجازت دی ہے کہ اس قسم کی بدتمیزیاں کرتے پھریں تو دیکھئے اسلام کی کیا تصویر دنیا کے سامنے بنے گی۔ یہ وہ منفی دعوت الی اللہ کرنے والے ہیں جو منہ سے تو یہی کہیں گے کہ آؤ ہم تمہیں اسلام کی طرف بلاتے ہیں لیکن ان کی ساری زندگیاں اور پوری نسلیں تاریخ میں گواہ ہیں کہ انہوں نے دنیا کو اسلام سے بدکا دیا ہے، متنفر کر دیا ہے۔ پیچھے پھینک دیا ہے۔ پس آپ نے اپنا ہی حساب نہیں دینا۔ ان گزرے ہوئے بد بخت زمانوں کا بھی حساب دینا ہے جبکہ محمد مصطفی ﷺ کی سنت اور خدا کے کلام سے کی گئیں، جب کہ اسلامی معاشرے کو ایسا بدزینت، بدزیب بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا کہ اس کے نتیجہ میں تبلیغ ممکن ہی نہیں رہی۔

پس آج اگر احمدی نے اپنے گھر کو جنت کا نمونہ نہ بنایا اور اپنے گھر میں ان اسلامی اخلاق کو جو حضرت محمد مصطفیؐ کی سیرت سے روشن ہوئے ہیں جن کے بعد کسی ابہام کی کوئی گنجائش نہیں رہی کوئی غبی سے غبی اور شقی سے شقی مولوی بھی جو قرآن کے غلط معنی کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ایک واقعہ ایسا نہیں دکھا سکتا جس میں آپ نے اپنے گھر والوں سے زیادتیاں کی ہوں اور پھر اس کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر مارنے میں جلدی کرتا ہے کہتا ہے مارنے کا مطلب یہ ہے کہ اٹھاؤ ڈنڈا اور بیوی کو سیدھا کر دو۔ پس اخلاقِ حسنہ کے ساتھ گھر کی اصلاح کرنا یہ قوّام کے معنی ہیں آنحضرت ﷺ نے یہی قوّامی دکھائی تھی جس کے اعجاز میں آپ کی بیگمات امہات المؤمنین سب دنیا کے لئے نمونہ بن گئی تھیں۔ پس اپنے بیرونی اخلاق کی بھی حفاظت کرنی پڑے گی۔ اپنے اندرونی اخلاق کی بھی حفاظت کرنی پڑے گی۔

یہ دعوت الی اللہ کے پروگرام کا ایک لازمی حصہ ہے کوئی معمولی حصہ نہیں اور آپ اپنے

منصوبے میں اس کو ضرور داخل کریں۔ پھر قوّام ہونے کی حیثیت سے آپ کو اپنے بچوں کے اخلاق کے متعلق بھی منصوبہ بنانا ہوگا اگر منصوبہ بنانے والا باپ ہے اور اگر منصوبہ بنانے والی ماں ہے تو چونکہ گھر کی سپرداری اس کے پاس ہے اس لئے اسے بھی اپنے بچوں کا منصوبہ بنانا ہوگا اور اپنے خاوند کی اصلاح کرنے کے لئے بھی اُسے کچھ منصوبہ بنانا ہوگا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے بعض عورتیں مجھے خط لکھ دیتی ہیں اور پھر میں کوشش کرتا ہوں۔ نظارتیں حرکت میں آتی ہیں۔ ذیلی تنظیمیں حرکت میں آتی ہیں۔ دور دراز تک بعض دفعہ ان کے درد کی آواز کا ردعمل پیدا ہوتا ہے اور خدا کا فضل ہے۔ یہ جماعت احمدیہ پر اللہ کا احسان ہے ورنہ دنیا کی اور کسی جماعت میں یہ ممکن نہیں کہ اس طرح کسی دور دراز کے ملک میں کوئی مظلوم عورت آواز اٹھائے اور خلیفہ وقت کے سینے سے ٹکرا کر وہ آواز نظامِ جماعت کو پہنچے اور اس کو بیدار کرے اور پھر دور دراز کا سفر کر کے افریقہ کے جنگلوں میں یا فجی میں یا کسی اور ملک میں ایک احمدی گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور گھر کے مالک کو بلاتا ہے کہ میں نے تم سے مخفی بات کرنی ہے اور وہ کہتا ہے کہ تمہارے متعلق خلیفۂ وقت کا یہ تاثر ہے اپنی اصلاح کرو اور پھر وہ اصلاح کرتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد دونوں کی طرف سے دعاؤں کے خط ملتے ہیں کہ الحمدللہ ہم نے اطاعت کا ایسا شیریں پھل پایا ہے کہ آپ کی طرف سے اگر پیغام نہ ملتا تو شاید ہم یہ برائی کبھی محسوس بھی نہ کرتے لیکن اللہ نے فضل فرمایا اور اب ہم ٹھیک ٹھاک ہیں۔ اسی طرح بعض دفعہ احمدی بچیوں کی کمزوریاں، بعض دفعہ بیویوں کی کمزوریاں گھر والوں کی طرف سے ہی بطور اطلاع بھجوائی جاتی ہیں اور خدا کے فضل سے نظام حرکت میں آتا ہے تو نظام آپ کی پوری طرح مدد کرنے پر مستعد کھڑا ہے اور ہم دعائیں بھی کرتے ہیں لیکن دعوت الی اللہ کرنے والے کو لازماً اپنی اصلاح کا، اپنے گھر کی اصلاح کا ایک منصوبہ بنانا ہوگا۔ یہ اس کے تقویٰ کی تعریف ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمادی کہ نیک بنو اور بدیوں سے بچنے کی کوشش شروع کردو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہیں فرقان عطا فرمائے گا۔ تم میں اور تمہارے غیروں میں ایک تفریق کردی جائے گی۔ جس طرح رات اور دن میں اشتباہ نہیں رہتا۔ دن رات سے جدا ہے اور ہمیشہ جدا رہے گا اور رات دن سے جدا ہے اور جن میں ذرا بھی دیکھنے کی طاقت ہو وہ دن اور رات میں ذرا بھی شبہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرقان نصیب ہوگا۔ تمہارے اخلاق حسنہ تمہاری شخصیت کو ایسا صیقل کریں گے، ایسی

روشنی عطا کریں گے کہ تمہارے مقابل پر دوسرے اندھیرے دکھائی دیں گے اور لوگ تمہاری طرف متوجہ ہوں گے کیونکہ تم روشنی کے نمائندہ بن چکے ہو گے۔ روشنی خواہ چھوٹی سی بھی ہو وہ ضرور کھینچتی ہے۔ آپ اندھیری رات میں چمکتے ہوئے ایک جگنو کو دیکھتے ہیں اور آپ کا دل خوش ہوتا ہے اور بچے لپکتے ہیں کہ کسی طرح ہمارے ہاتھ میں آجائے ہم اُسے اپنے کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے کر جائیں دوسروں کو بھی دکھائیں۔ پس روشنی میں ایک طبعی جذب ہے اور جتنا اندھیرا زیادہ ہوا تنا ہی روشنی زیادہ کشش رکھتی ہے۔ پس آج دنیا اندھیری ہے۔ دنیا پر ایک تاریک رات چھائی ہوئی ہے۔ آپ روشنی کا انتظام کریں۔ اپنے اعلیٰ اخلاق کی روشنی کا انتظام کریں اور یہ روشنی آپ کو تقویٰ سے نصیب ہوگی اور اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کے لئے کھڑا ہے۔ میں نے جب کہا کہ نظام جماعت آپ کی مدد کے لئے کھڑا ہے تو یہ بھی خدا کی مدد کا ایک اظہار ہے ورنہ کسی اور کا نظام جماعت کیوں آپ کی مدد کے لئے کھڑا نہیں ہوتا یا کمزوروں کی مدد کے لئے کھڑا نہیں ہوتا۔ وہ جو اللہ کے نمائندے ہیں انہی کو توفیق ملتی ہے۔ پس اللہ کئی طریق پر آپ کی مدد فرمائے گا۔ جب نظام کی طرف سے آپ کو آواز جاتی ہے تو وہ خدا کی آواز ہی ہوتی ہے اور اس پر اگر آپ لبیک نہیں کہیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ تقویٰ سے عاری ہیں۔ پس تقویٰ کا ایک یہ معنی بھی ہے کہ اگر خود توفیق نہیں تھی تو جب باہر سے نیکی کی آواز آئی تو کم سے کم اس آواز پر ہی لبیک کہنے کی کوشش کریں۔

پس اس طرح جماعت احمدیہ میں متقی لوگ پیدا ہوں گے اور جتنے متقی لوگ پیدا ہوں گے اتنے ہی دعوت الی اللہ کو زیادہ پھل لگیں گے۔ پس اب آخر پر میں یہ گزارش کروں گا کہ اپنے گھروں میں اب یہ بات رائج کر دیں اگر آپ اکیلے داعی الی اللہ ہیں تو اپنا منصوبہ بنائیں اور گھر میں بچوں کو بھی آمادہ کریں، بیوی کو بھی اس سکیم میں شامل ہونے کے لئے آمادہ کریں اور پھر جب بچے منصوبے بنائیں تو آپ ان سے منصوبہ لے کر ان کے ساتھ بیٹھا کریں اور ان کو بتائیں کہ اس منصوبہ میں یہ یہ کمزوری ہے آگے وہ منصوبہ تفصیل سے کیسے بنانا ہے اس کا میں انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں ذکر کروں گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کیونکہ اس وقت دنیا کو دعوت الی اللہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور ایسے عالمی حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ لوگ دعوت الی اللہ قبول کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہوئے ہیں۔ بہت زیادہ توجہ ہے۔ میں نے جیسا کہ ایک دفعہ پہلے بھی بتایا تھا قادیان کے سفر پر مجھے یہ تجربہ

ہوا ہے کہ جن کے متعلق ہم یہ سمجھتے تھے کہ ان کے دل میں اسلام کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ قادیان جانے کے نتیجہ میں یہ پتا لگا کہ سب کے دلوں میں دروازے کھلے ہوئے ہیں کوئی پیغام پہنچ ہی نہیں رہا اور دل پیاسے ہیں متمنی ہیں، دور دراز سے سکھوں کے بھی ہندوؤں کے بھی حیرت انگیز خط آتے ہیں۔ وہ میاں وسیم احمد صاحب کو قادیان خط لکھتے ہیں۔ کئی لوگوں نے ٹیلی ویژن پر تقریریں سنی ہیں، کئی نے قادیان کے جلسے خود دیکھے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو یہ لکھتے ہیں کہ ہم نہیں جا سکے مگر قادیان والے کچھ ہمارے واقف ہیں۔ وہ آ کر ہمیں باتیں بتاتے ہیں اور بعض یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم دوکاندار ہیں ہمارے پاس دوسرے دوکاندار آتے ہیں اور وہ آ کر یہ باتیں کرتے ہیں۔ ایک میڈیکل سٹور والے کا خط تھا کہ میں دوائیاں بیچتا ہوں اور قادیان سے کئی دفعہ مریض آتے ہیں اور آتے ہی وہ قادیان کی باتیں شروع کر دیتے ہیں کہتے ہیں کہ قادیان والے تو ہم نے اب دیکھے ہیں کہ کیا چیز ہیں اور اگر امن ہے تو جماعت احمدیہ سے ہوگا اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوگا۔ تو دل تو تیار بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ میں روشنی ہو تو وہ روشنی دلوں میں جائے گی ناں۔ وہ نور پیدا کریں جس کے بغیر اندھیرے دور نہیں ہوا کرتے۔ چھوٹا سہی جگنو ہی کا نور سہی مگر جگنو کی طرف بھی تو لوگ لپکتے ہیں اور اس سے پیار کرتے ہیں۔ آپ سے بھی اسی طرح دنیا پیار کرے گی اور آپ کے نور سے اپنے سینوں کو روشن کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

حضرت رسول کریمؐ کی خَاتَمَ ، سِرَاجًا مُّنِيرًا اور شَاهِدًا ہونے کا مفہوم

ہر داعی الی اللہ کو اپنے دائرہ میں سراج بننا ہوگا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ رفروری ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَّسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيلًا ۝ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّورِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيمًا ۝ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَالْمُنٰفِقِينَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝ (الاحزاب: ۴۲ تا ۴۹)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات جو سورۂ احزاب سے لی گئی ہیں اور جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ یہ آیت خاتم النبیین سے معاً بعد واقع ہیں اور ان کا آیت خاتم النبیین کے مضمون سے گہرا تعلق ہے۔ ان کا تشریحی ترجمہ یوں ہے کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرو، کثرت

سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرو اور ذکر کیا کرو۔ وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا یہاں تک کہ سوتے جاگتے، صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرو بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ صبح بھی اور شام بھی مگر محاورہ میں ہم جب صبح وشام کہتے ہیں تو جیسے اُردو میں دوام کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے ویسے عربی محاورہ میں بھی بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا کا یہ مطلب نہیں کہ صبح کر لیا کرو اور پھر شام کو بلکہ دن رات صبح وشام خدا کی یاد کیا کرو اور تسبیح کیا کرو۔ هُوَالَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ۔ یہ وہ خدا ہے، وہ اللہ ہے جو تم پر سلام بھیجتا ہے اور تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی اس کی متابعت میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ تاکہ وہ تمہیں اندھیروں میں سے روشنی کی طرف نکال لائے وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا اور وہ مومنوں پر بہت ہی رحم کرنے والا ہے تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جس دن وہ اپنے رب سے ملیں گے تحفۃً ان کو سلام کہا جائے گا۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بہت ہی معزز اجر تیار فرما رکھا ہے۔ اے نبی! اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے تجھے شاہد بنا کر بھیجا اور مبشر بنا کر بھیجا اور نذیر بنا کر بھیجا یعنی ان قوموں پر جن کو تو مخاطب کر رہا ہے۔ ان پر بھی تجھے گواہ بنایا اور کیونکہ تو تمام عالمین کا پیامبر ہے اس لئے تمام عالمین پر تجھے گواہ بنا کر بھیجا گیا اور جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے ثابت ہے تمام انبیاءؑ پر بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ شاہد ہیں تو شَاهِدًا کا مطلب یہ ہوگا کہ اے وہ نبی جسے ہم نے سب مخاطبین کے لئے تمام جہانوں کے لئے اس زمانہ کے لئے اور اگلے زمانوں کے لئے بھی اور پہلے انبیاءؑ کے لئے بھی اور آئندہ آنے والوں کے لئے بھی گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ وَمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا۔

گواہ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان پر نگران مقرر فرمایا گیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وہ جو پہلے گزر گئے اور وہ جو بعد میں آنے ہیں یعنی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے وصال کے بعد جنہوں نے پیدا ہونا ہے اور وہ جو اُس زمانے میں تھے مگر اُن پر آنحضور ﷺ کی براہ راست ذاتی نظر نہیں تھی اُن پر آپ ؐ کیسے گواہ ٹھہرے یا گواہ ٹھہریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گواہ سے مراد ایسی کسوٹی ہے جس پر کسی دوسرے کے اعمال اور سچائی کو پرکھا جاتا ہے۔ گواہ جو گواہی

دیتا ہے کہ فلاں شخص نے جرم کیا یا فلاں شخص معصوم ہے اس کی گواہی سے اس کے اعمال کی برائی یا اچھائی ثابت ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں اس سے ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ تو نبی کی گواہی سے مراد یہ ہے کہ نبی کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کے اسوۂ حسنہ پر ان لوگوں کو پرکھا جائے گا اور اس پہلو سے آپ کا زمانہ ماضی پر بھی ممتد ہے یعنی تمام انبیاءؑ کی سچائی کے آپ ﷺ گواہ ہیں آپؐ کی کسوٹی پر انبیاءؑ کی صداقت کو اور ان کے مرتبے اور مقام کو پرکھا جائے گا۔ اب دیکھئے اس بات کا آیت خاتم کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ خاتم کا معنی ہے تصدیق کرنے والا تو تصدیق گواہ کیا کرتا ہے اور اگر وہ پختہ تصدیق ہو تو مہر کے ذریعہ اس کا مزید اثبات ہوتا ہے ورنہ بنیادی طور پر تصدیق اور گواہی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ تو خاتم سے مراد یہ ہوئی کہ ایسا گواہ آیا جو اگلوں پچھلوں، اس زمانے اور اُس زمانے سے تعلق رکھنے والوں کے لئے اور تمام جہانوں کے لئے ایک کسوٹی بنا دیا گیا۔ اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی نصیحت، اس کی ہدایات پر تمام گزشتہ انبیاء کے اعمال بھی پرکھے جائیں گے اور ان کے مقامات کی تعیین کی جائے گی اور آئندہ آنے والوں کے لئے بھی اور اس زمانے میں بھی ان سب کے جو خُدا کے حضور کسی رنگ میں جوابدہ ہیں آنحضرت ﷺ کے نمونے کے مطابق اور اس کے پیشِ نظر فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ کس مرتبے کس مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔ بخشش کے لائق ہیں یا سزاوار تو شَاهِدًا سے مراد یہ ہے جس کا گہرا تعلق لفظِ خَاتَمَ سے ہے۔

وَ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ان معنوں میں جب کوئی شاہد بنتا ہے تو بعضوں کے لئے وہ خوشخبریاں لے کر آتا ہے اور بعضوں کے لئے وہ انذار لے کر آتا ہے یعنی ان کو ڈراتا ہے۔ جس کا مطلب دو طرح سے ہے۔ وہ جو گزر گئے یا جن تک براہ راست آنحضرت ﷺ کی رسائی نہیں ہوئی ان کے متعلق تبشیر اور انذار کا معاملہ ان کی عاقبت سے تعلق رکھتا ہے وہ خوش نصیب ہیں جو آنحضور ﷺ کے اسوہ کے مطابق بخشش کے لائق ٹھہرائے گئے اور وہ بدنصیب ہیں جو اس امتحان میں پاس نہیں ہو سکے، اس پر پورا نہیں اُتر سکے۔ تو اُن کے لئے بشارت اور ڈرانا یہ دونوں چیزیں اس دنیا میں فائدے کا موجب تو نہیں بن سکتیں لیکن ان کے انجام کے متعلق گواہ بن جاتی ہیں لیکن بہت سے ایسے لوگ ہیں جن تک نصیحت پہنچتی ہے اُن کے لئے بشیر اور نذیر ہونے کا مضمون یہ ہے کہ اگر تم

ایسا کرو گے تو تمہارے لئے خوشخبریاں مقدر ہیں۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تمہارے لئے بہت بڑی رسوائیاں اور ذلتیں اور عذاب اور نامرادیاں ہیں۔ تو بشیر اور نذیر کا مضمون اس دنیا پر ہمارے اعمال کی اصلاح کی خاطر بھی استعمال ہوتا ہے اور اس دنیا پر ہمارے اعمال کے عواقب کو ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بعد ازاں فرمایا وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ اور ہم نے تجھے داعی الی اللہ بنایا ہے۔ بِإِذْنِهِ اللہ کے حکم سے۔ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔ اور ایک روشن چراغ بنایا جو دوسرے چراغوں کو بھی روشن کرنے والا ہے۔ جہاں تک یہ داعی الی اللہ کا محاورہ ہے ممکن ہے کسی اور نبی کے متعلق بھی ایسا محاورہ استعمال ہوا ہو لیکن میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ ایک ایسا محاورہ ہے جس کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے لئے گویا خاص کیا گیا حالانکہ ہر نبی کا متبع داعی الی اللہ ہوتا ہے۔ دوسرے معنوں میں تو ضرور انبیاءؑ کے متعلق یہ لفظ ملتے ہیں لیکن اس ترکیب کے ساتھ کہ اے نبی! تو داعی الی اللہ ہے اُسے مخاطب کر کے لقب کے طور پر میرا مطلب ہے کہ کسی نبی کے متعلق میں نے یہ لفظ نہیں پڑھا کہ خدا نے اُسے اس لقب سے نوازا ہو کہ تجھے میں داعی الی اللہ بناتا ہوں اور تجھے داعی الی اللہ مقرر کیا جاتا ہے۔ بِإِذْنِهِ، اللہ کے حکم سے۔ داعی الی اللہ تو سب ہیں لیکن تو ایک ایسا داعی الی اللہ ہے جسے خصوصیت کے ساتھ خُدا کے اذن کے ساتھ دعوت پر مقرر فرمایا گیا۔ یہ لقب خصوصیت سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے اعزاز کے لئے اور آپ کے عالی مرتبہ کے اظہار کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہاں بِإِذْنِهِ نے ایک اور معنی پیدا کر دیا اور وہ یہ ہے کہ بہت سے ایسے کام ہیں جو انسان کے بس میں نہیں ہوتے اور ان کی طاقت سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اُس حد سے پرے دعاؤں کے اعجاز کا مضمون شروع ہوتا ہے اور وہ طاقتیں جو انسان کو میسر نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کو میسّر ہیں اس لئے اپنے بندوں کو وہ بعض دفعہ ایسے کاموں کے لئے کہتا ہے جو بظاہر ناممکن ہیں مگر خدا کی طاقت کے شامل ہونے سے وہ ظاہر ہو جاتے ہیں اور دنیا سمجھتی ہے کہ یہ خدائی کام تھا جو ایک بندے سے سرزد ہوا مگر انبیاءؑ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ہماری طاقت نہیں ہے یہ اللہ کے حکم سے ایسا ہوا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جہاں مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر ہے اور معجزے دکھانے کا ذکر ہے وہاں وہ ساتھ ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے، اللہ کے حکم سے، میرا اس میں کوئی دخل نہیں۔

تو داعی الیٰ اللہ کا کام عام حالات میں آسان دکھائی دیتا ہے۔ مگر نتیجہ پیدا کرنے کے لحاظ

سے بہت مشکل کام ہے کیونکہ دراصل یہ مُردے کو زندہ کرنے والا کام ہے اور جیسا کہ حضرت مسیحؑ کے مُردوں کو زندہ کرنے کے مضمون کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اِذۡنِہٖ کی وضاحت فرمادی اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی مُردوں کو زندہ کر دینے والا قرار دیا، بیان فرمایا اور یہ وہی مضمون ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ آپؐ کیسے مُردوں کو زندہ کرتے تھے؟ دعوت الی اللہ کے ذریعہ اور جب دعوت الی اللہ کے ذریعہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور اللہ کے اذن سے ایسا ہوا کرتا تھا ورنہ روحانی مُردوں کو زندہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا خود تو روشن ہیں ہی لیکن روشن کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور یہ وہ مضمون ہے جس کا لفظ خَاتَمَ سے گہرا تعلق ہے۔ خَاتَمَ اُس مُہر کو کہتے ہیں جس میں کچھ تصویر کندہ ہو یا الفاظ کندہ ہوں اور اس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ جس چیز پر لگے اس میں اپنی جیسی شکل کے نشان پیدا کر دے، اپنی جیسی شکل کے نقوش پیدا کر دے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا خَاتَمَ قرار دیا جانا آپؐ کے فیوض کو بند کرنے کی طرف اشارہ نہیں بلکہ تمام فیوض کے جاری کرنے کی طرف کھلی دلالت ہے یعنی خَاتَمَ سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے آثار کو دوسروں میں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ رجولیت کی نشانی ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ کوئی شخص نامراد اور لا ولد نہیں ہے بلکہ اس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ آگے اپنے جیسے انسان پیدا کر سکے، اپنے جیسے مرد پیدا کر سکے۔ پس چونکہ آیت خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کا پس منظر یہی بیان ہوا کہ دشمن آپ کو لا ولد کہتے تھے یعنی کسی مرد کا والد نہ ہونے کی وجہ سے گویا آپؐ کی نسل منقطع ہونے پر دلالت کرتے ہوئے آپؐ کے لئے بعض سخت الفاظ استعمال کیا کرتے تھے جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے تو اُس پس منظر میں جب آپ لفظ خَاتَمَ کو پڑھتے ہیں تو یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے کہ جو جو الزامات ہیں، جو جو پس منظر بیان کیا گیا ہے اس سب کی نفی فرمائی جارہی ہے اور نفی ان معنوں میں فرمائی جارہی ہے کہ دنیاوی لحاظ سے اگرچہ بظاہر تو مردوں کا باپ نہیں لیکن اے محمدؐ! ہم نے تجھے خَاتَمَ بنا دیا، تجھ میں وہ صفات حسنہ پیدا کیں جو آگے تو دوسروں میں پیدا کر سکتا ہے اور روحانی میدان کے، تیرے جیسے مرد تجھ سے پیدا ہوں گے اور بکثرت پیدا ہوں گے۔ اسی مضمون کو دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ میں بیان فرمادیا گیا اور سِرَاجًا مُّنِیۡرًا میں بیان فرمایا گیا۔ تو روشن چراغ ہے، ایسا چراغ جو دوسرے اندھے چراغوں کو بھی روشن کر سکتا ہے اور ایک کی بجائے دو تین چار پانچ

شمعیں روشن ہوتی چلی جائیں گی اور اس طرح کثرت کے ساتھ تیرا نور دنیا میں پھیل جائے گا۔

اس مضمون کی تائید میں اس سے پہلے جو آیات گزری ہیں وہ بہت بڑی گواہ بن جاتی ہیں کیونکہ خاتم النبین کی آیت کے معاً بعد خدا تعالیٰ نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا یہ ایک ایسا مضمون بیان ہوا ہے جس کے نتیجہ میں مومنوں پر واجب ہو گیا ہے کہ اب کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور دن رات خدا تعالیٰ کی تسبیح کرو۔ اس مضمون کا ولادت کے ساتھ تعلق ہے، ایسی ولادت کے ساتھ تعلق ہے جو بہت عظیم الشان ہو اور اعجازی رنگ رکھتی ہو اور خاتم النبیین کا مضمون ان دو باتوں کے درمیان بیان ہوا۔ ایک طرف دشمن کا اعتراض کہ تم جیسے کسی مرد کا باپ نہیں اس طرح بیان فرما دیا گیا کہ اس اعتراض کی بے حقیقتی کو بھی ساتھ ظاہر کر دیا گیا دشمن کہتا تھا کہ مردوں کا باپ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا کہ ہاں تم جیسے مردوں کا باپ نہیں اور تم جیسے مردوں کا باپ ہونا عزت کا نہیں ذلت کا موجب ہے، رسوائی کا موجب ہے، نامرادی کا موجب ہے۔ ایسی ناپاک نسلیں چھوڑ کر جانے والا جو تمہاری جیسی نسلیں ہوں ہرگز کسی فخر کے لائق نہیں، کسی فخر کا حقدار نہیں تو دیکھیں اس اعتراض کو کیسے پیارے رنگ میں بیان فرمایا۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب:۴۱) ہاں ہاں یہ درست ہے کہ محمد تم جیسے مردوں کا باپ نہیں ہے۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہاں اللہ کا رسول ہے اور رسول پیدا کرنے والا باپ ہے۔ ایسا باپ ہے جو کثرت سے ایسے انعام یافتہ لوگ پیدا کر سکتا ہے، کرتا رہا ہے اور کرے گا جن کی شان نبوت تک پہنچتی ہے۔

اسی مضمون کو اگلی آیات میں ایک اور رنگ میں یہ بتانے کے لئے بیان فرما دیا گیا کہ یہاں عظیم الشان روحانی ولادت کی خوشخبری دی جارہی ہے۔ ایک تو روحانی لحاظ سے عام پیدائش ہے وہ تو کثرت سے آنحضرت ﷺ نے مُردے زندہ فرمائے اور صحابہ میں نبوت کی شان رکھنے والے بڑے بڑے عظیم صحابہ پیدا ہوئے لیکن اس کے علاوہ کسی مخصوص ولادت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ اس طرز بیان کی وضاحت کے لئے میں سورۂ آل عمران کی بیالیسویں آیت آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے کہ حضرت زکریاؑ نے جب خدا تعالیٰ سے نشان کے طور پر ایک بیٹا

ایسی عمر میں مانگا جبکہ بظاہر بیٹا عطا نہیں ہوسکتا اور انسانی خواص اور صلاحیتیں مضمحل ہو چکی ہوتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی اولاد پیدا کرنے کی استطاعت باقی نہیں رہتی بال سفید ہو گئے، ہڈیاں گل گئیں، بڑھاپا سر پر چڑھ گیا۔ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے تو اس کے بعد خدا تعالیٰ نے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک عظیم بیٹا عطا فرمائے گا۔ اس پر متعجب ہو کر حضرت زکریاؑ نے یہ عرض کیا کہ اے خدا! اگر یہ بات ہے تو مجھے کوئی نشان عطا کر کس طرح مجھے یقین ہو کہ ایسا ممکن ہے، میں کیا ترکیب کروں؟ کیا مجھ پر واجب ہے جس کے بعد مجھے تسلی ہو کہ ہاں اس کے نتیجہ میں وہ عظیم الشان بیٹا جو موعود بیٹا ہے مجھے عطا کیا جائے گا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا! قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا (ال عمران: ۴۲) کہ آئندہ تین دن تُو بھی انسان سے کلیۃً تعلق توڑ کر محض خدا کی یاد میں مصروف ہو جا۔ یعنی آئندہ تین دن ایک قسم کا تبتل اختیار کر لے۔ اپنے ساتھیوں، دوستوں، عزیزوں کسی سے بات نہ کر۔ اشارۃً ان سے کہہ دے کہ میرے یہ ایام اللہ کے لئے خاص ہیں اور میں ان ایام میں تمہیں کسی پہلو سے شامل نہیں کرنا چاہتا۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا (ال عمران: ۴۲) اور کثرت سے اللہ کا ذکر کر۔ وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ اور رات دن اس کی تسبیح کر۔

اب دیکھیں بعینہ وہی مضمون ہے جو آیت خاتم النبیین کے معاً بعد بیان فرمایا گیا۔ وہاں نبوت کے بند ہونے کی خبر نہیں بلکہ حضرت اقدس محمد مصطفٰے ﷺ کی روحانی نسل میں سے ایک عظیم الشان نبی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے اور اس مضمون کو یہ دعا ثابت کرتی ہے جو اس کے معاً بعد رکھی گئی کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا یہ وہی دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود الہاماً حضرت زکریاؑ کو سکھائی اور اس بات کے نشان کے طور پر کہ اس دعا کے بعد یقیناً اللہ تعالیٰ پھر رجوع برحمت فرماتا ہے اور روحانی اولاد عطا فرمایا کرتا ہے۔ اسی دُعا کو خاتم النبیین کی آیت کے بعد مومنوں کو کثرت سے کرنے کی ہدایت فرمائی جس کا مطلب یہ ہے۔ کثرت سے خُدا کو یاد کرو اور دن رات صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تم پر مزید سلامتیاں بھیجے گا جو پہلے ہی تم پر درود اور سلام بھیج رہا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفٰے ﷺ کے عظیم الشان کوثر کا یہاں ذکر ہے اور میرے نزدیک خاتم کا مضمون اور کوثر کا مضمون دراصل ایک ہی

چیز کے دو نام ہیں، دو طرز بیان ہیں لیکن بنیادی طور پر بات یہی ہے کہ فیض مصطفےٰ ﷺ ناپیدا کنار ہے اس کی حد بندی ممکن نہیں۔ نہ مراتب کے لحاظ سے حد بندی ممکن ہے، نہ زمانے کے لحاظ سے، نہ جگہ کے اعتبار سے، پس وہ کون ومکان اور وقت کی قید سے آزاد اور بالاتر ایک مرتبہ ہے جو ایسا فیض ہے جو ہر حالت میں پہلوں کو بھی پہنچ سکتا تھا اور پہنچا۔ اس زمانے کے لوگوں کو بھی پہنچ سکتا تھا اور پہنچا اور آئندہ بھی پہنچتا رہے گا اور یہ فیض ایک عظیم الشان وجود کی صورت میں بھی ظاہر ہونے والا ہے جسے آنحضرت ﷺ کا عظیم روحانی فرزند قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس تشریح کے بعد اب جو داعی الی اللہ کا مضمون ہے اس کی طرف واپس آتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا فیض کیسے بنی نوع انسان تک پہنچے اور وسعت پذیر ہو اور پھیل جائے۔ اس مضمون میں مومنوں نے کیا کام کرنے ہیں۔ ان کا ذکر اس طرح فرمایا گیا کہ پہلے خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرائض کی تعیین فرمادی۔ فرمایا۔ یہ وہ خاتم ہے جس کا فیض ان ذرائع سے دنیا میں پھیل رہا ہے اور پھیلتا چلا جائے گا اور خاتم کا فیض پھیلانے کے لئے سب سے زیادہ اہم ترین ذمہ داری خود حضرت اقدس محمد مصطفےٰ ﷺ پر عائد ہوتی تھی تو فرمایا کہ تُو اس طرح اس فیض کو عام کر۔ فرمایا ہم نے تجھے شاہد بنا کر بھیجا ہے، مبشر بنا کر بھیجا ہے، نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ پیغام لوگوں کو دے۔ اس کے بغیر تیرے آنے کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ اور ہم نے تجھے اللہ کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا ہے اور یہ تینوں صفات جو تجھے عطا کی گئی ہیں اسی مقصد کو پورا کرنے کے ذرائع ہیں۔

خُدا کی طرف بلانے کا ایک ذریعہ شہادت کا بھی ہوتا ہے اور تبشیر بھی ایک ذریعہ ہے اور انذار بھی ایک ذریعہ ہے اور آنحضرت ﷺ کو یہ سارے ذرائع بڑی شان اور قوت کے ساتھ عطا فرمائے گئے۔ پس آج اگر ہم داعی الی اللہ بننا چاہتے ہیں تو اوّل یہ کہ ہر داعی الی اللہ کو مبارک ہو کہ یہ وہ لقب ہے جو خود خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد مصطفےٰ ﷺ کو عطا فرمایا اور اس لقب میں شامل ہونے کے لئے اپنی توفیق کے مطابق اس میں حصہ پانے کے لئے ہر دعوت الی اللہ کرنے والا کوشش کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے ایک گونا مماثلت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو دعوت کے لئے کیا کرنا چاہئے فرمایا نگران ہو، نگران سے مراد داروغہ نہیں ہے اس کی وضاحت

خدا تعالیٰ دوسری جگہ فرما چکا ہے ۔نگران سے مراد یہ ہے کہ تمہارے قول ،تمہارے فعل کا حسن، تمہارے اعمال کی دلکشی لوگوں کے لئے ایک ایسا نمونہ بن جائے کہ وہ اُن کے اپنے اعمال پر گواہ بن جائے ۔وہ تمہارے آئینہ میں اپنی شکل دیکھا کریں اور معلوم کرلیا کریں کہ ان میں کیا کیا نقائص ہیں اور کن کن خوبیوں سے وہ محروم ہیں ۔پس ان معنوں میں ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کو اپنے ماحول اور اپنے گردو پیش کے لئے اور خود اپنے گھر میں اپنی اولاد کے لئے گواہ بننا ہوگا اور وہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی گواہی کے معنوں میں گواہ نہیں ہے،ان معنوں میں گواہی نہیں دے رہا جن معنوں میں آنحضرت ﷺ کی گواہی کا فیض دنیا کو پہنچا ہے تو اُس حد تک وہ دعوت الی اللہ کے کام کی اہلیت سے محروم ہوتا جاتا ہے۔

پس اسی لئے میں نے گزشتہ خطبہ میں اپنے روزمرہ کے اعمال کو سنوارنے اور اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی ہدایت کی تھی اس کا دعوت الی اللہ کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے ۔آپ کو باہر بھی اور گھر میں بھی گواہ بننا ہوگا اور آپ کے خوبصورت اعمال دنیا کے لئے آئینہ کے طور پر پیش ہوں جن میں وہ اپنے چہرے دیکھیں اور آپ کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اپنے اندر بھی ویسی خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں گویا کہ ایک دلکش وجود پیدا ہونا شروع ہو جائے اور یہی ہے جو دراصل خاتمیت کی مہر ہے جو آپ کے اوپر لگ رہی ہوگی ۔محمد مصطفیٰ ﷺ کے حُسن کی بے نظیر مہر بالکل ویسی تو نہیں ظاہر ہوا کرتی لیکن جہاں تک آنحضرت ﷺ کی کوشش کا تعلق ہے آپ ؐ نے کامل سچائی کے ساتھ وہ مہر بعینہٖ اسی طرح ہر شخص پر لگانے کی کوشش ضرور کی ہے۔

یہ دو باتیں ایسی ہیں جن کو خوب باریکی سے سمجھنا ضروری ہے ۔مہر سچی ہو تو وہ لازماً اپنی تمام صفات کو دوسرے تک پوری صفائی کے ساتھ منتقل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے اور مہر کی سچائی اس کی اس خاصیت سے پرکھی جاتی ہے لیکن دوسری طرف بعض دفعہ مادہ کمزور ہوتا ہے ۔میں نے دیکھا ہے کہ بعض کاغذ ایسے ہوتے ہیں جو اچھی بھلی مہر اوپر لگاؤ تو وہ اس کے نقوش کو پھیلا دیتے ہیں اور ان کے اوپر صحیح تصویر ابھرتی نہیں ۔بعض چکنے کاغذ ہیں ان کے اوپر آپ جتنا چاہیں لکھنے کی کوشش کریں کوئی نقش بھی نہیں ابھرتا یا ابھرتا ہے تو جلدی مٹ جاتا ہے تو یہ قصور مہر قبول کرنے والے کے قصور ہیں ۔جہاں تک مہر کی ذات ہے آنحضرت ﷺ کی مہر اپنی ذات میں کامل ہے اور اس مہر کے تین نقوش

ایسے بیان ہوئے ہیں جو ہر داعی الی اللہ کے لئے لازم ہے کہ انہیں اپنائے اور مستقل طور پر ان کو اپنے اوپر مرتسم کر لے اور ایک ان میں سے شَاهِدًا ہے، ایک ہے مُبَشِّرًا، اور ایک ہے، نَذِيرًا۔ شاہد کے متعلق میں پچھلے خطبہ میں بھی بیان کر چکا ہوں اور آج بھی کچھ وضاحت کی ہے۔

مبشر سے متعلق میں خصوصیت سے دعوت الی اللہ کرنے والوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ انبیاء پہلے خوشخبریاں دیا کرتے ہیں اور ڈرانے کی باری بعد میں آتی ہے۔ اس لئے جہاں بشیر اور نذیر کا ذکر آیا ہے، انذار بشارت کے بعد بیان ہوا ہے، بالکل واضح بات ہے۔ تو پہلے اس کے کہ آپ لوگوں کو ڈرا کر اپنے سے بھی بھگا دیں اور بدکا دیں ضروری ہے کہ ان کو وہ خوشخبریاں بتائیں جن کے نتیجہ میں ان کی زندگیاں بدل جائیں گی تکلیفیں دور ہوں گی ان کے مسائل حل ہوں گے، ان کو کچھ حاصل ہوگا۔ ایسی بات کی طرف ان کو بلائیں جس کے نتیجہ میں ان پر واضح ہو چکا ہو کہ ہمیں ہر قسم کے فوائد میسر آئیں گے، ہماری دنیا بھی سنورے گی اور ہماری عاقبت بھی سنورے گی۔

پس تبلیغ کے لئے بشیر ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے اور شاہد کے بعد سب سے اول ہے۔ شاہد کا تعلق آپ کی ذات سے ہے۔ آپ اپنی ذات کو چمکائیں اور خوب تر بنائیں یہاں تک کہ آپ لوگوں کے لئے دلکشی کا موجب بن جائیں تا کہ آپ صحیح معنوں میں شاہد بن سکیں پھر بشارت کی باری آتی ہے۔ پھر آپ لوگوں کو خوشخبریاں دیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بچانے کے لئے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ خدا تعالیٰ قریب آ گیا، وہ ظاہر ہو گیا اس کے لئے کسی دوسرے واسطے کی ضرورت نہیں وہ تمہاری دعائیں بھی سنے گا۔ یہ وہ زمانہ ہے جہاں وہ بچوں کی دعائیں بھی سنتا ہے۔ اور اس کا فیض عام ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تم اس خدا سے تعلق جوڑو تو تمہیں یہ فائدے ہوں گے۔ اور ان فوائد کو وہ اپنی شہادت کی نسبت سے بیان کرے کیونکہ سب سے پہلے اس کا اپنا وجود اس کے سامنے ہے بعض لوگ دوسروں کی مثالیں دے دے کر خدا کے پیار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مضمون کا بھی فائدہ ہے اور ضرورت پیش آتی ہے۔ جو کمی انسان میں ہو وہ کمی دوسروں کی نسبتاً اعلیٰ درجہ کے وجودوں کی مثالوں سے پوری کی جا سکتی ہے۔ درحقیقت اسی کا نام شفاعت ہے لیکن اس کی باری بعد میں آئے گی پہلے اپنے متعلق تو بتائیں کہ میں نے خدا میں کیا دیکھا اور خدا سے کیا پایا۔

پس یہاں آپ کی شہادت سے مبشر کا ایک ایسا تعلق بھی قائم ہوا ہے جس نے شہادت

کا ایک نیا رُخ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ آپ کو اس بات کا شاہد بننا ہوگا کہ ہاں ایک زندہ خدا موجود ہے اور یہ گواہی اپنی ذات میں دینی ہوگی۔ خدا کی ہستی کے سب سے زیادہ قوی ثبوت کے طور پر خود انبیاء کی ذات خدا کے سامنے پیش کی جاتی ہے دنیا کا کوئی مفکر، کوئی فلسفی کسی دلیل کے ذریعہ قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت نہیں کرسکتا جیسا کہ انبیاء کی ذات اپنی ذات میں خدا پر گواہ بن جاتی ہے۔ پس ان معنوں میں شاہد بننے کے لئے وہ خوبیاں جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے عمومی خوبیاں، اخلاقی خوبیاں، کمزوریوں سے پاک ہونے کی کوشش یہ ابتدائی قدم ہیں لیکن جب دعوت الی اللہ کے لئے نکلیں گے تو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ دور کے کوئی گواہ ان کے سامنے نہ رکھو، کوئی دور کی شہادتیں پیش نہ کرو۔ پہلے اپنی شہادت پیش کرواور بتاؤ کہ میں نے خدا کو کیا دیکھا ہے، میں نے کیا پایا ہے، مجھ سے اس نے کیا سلوک کیا ہے، مجھے اس کے قریب ہونے سے کیا فائدے پہنچے۔ ان معنوں میں اگر آپ شاہد ہوں گے تو آپ مبشر بھی ہوجائیں گے۔

اگر ان معنوں میں شاہد نہیں ہوں گے تو آپ کی تبشیر بے معنی ہوگی۔ خود ہر قسم کے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے مصیبتوں میں مبتلا، جب سہاروں کی ضرورت ہو تو بے سہارا محسوس کرنے والے، لوگوں کو خوشخبریاں دے رہے ہوں گے کہ آؤ ایک ایسے خدا کی طرف آؤ جو ہر قسم کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، ہر قسم کے اندھیروں سے نکالتا ہے ہر قسم کے مصائب کو آسانیوں میں بدل دیتا ہے۔ ہر قسم کے غموں کو خوشیوں میں تبدیل فرماتا ہے ہر قسم کے رنجوں کو دور کرتا ہے، ہر قسم کے فکروں کو امیدوں میں تبدیل فرمادیتا ہے، یہ بشارتیں آپ کیسے دیں گے؟ یہ کہہ کر کہ تیرہ سو سال پہلے ایسا ہوا تھا اور دو ہزار سال پہلے ایسا ہوا اور اس سے پہلے ایسا ہوا تھا یہ باتیں تو پھر کسی کے دل کو لگیں گی نہیں۔ اپنی ذات میں ضرور آپ کو کوئی گواہی دینی ہوگی۔ اور میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ ہر احمدی کو اللہ تعالیٰ ایسے ذاتی تجارب عطا فرماتا ہے کہ جس کے نتیجہ میں وہ گواہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اگر ایک انسان اپنی ذات کو خوب ٹٹول کر دیکھے تو اُسے خدا کے وجود کی وہ جھلکیاں اپنی ذات میں دکھائی دینے لگیں گی۔ روزمرہ کی زندگی میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہر احمدی کو ایسے تجارب ہوتے رہتے ہیں جن کے ذریعہ اس کا ایمان تقویت پاتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانہ خدا کے ایمان والا زمانہ نہیں رہا۔ اس قدر دہریت کا شہرہ ہے اور اس قدر مادہ پرستی ہے کہ بقول اکبر

؎ یہ بُت پردہ نہیں کرتے ،خُدا ظاہر نہیں ہوتا

کہ یہ بُت جو ہیں یہ پردہ نہیں کررہے، اللہ ظاہر نہیں ہورہا۔ اُس کے بعد کہتا ہے غنیمت ہے کہ میں کافر نہیں ہوتا یہ بھی شکر ہے کہ ان باتوں کے ہوتے ہوئے میں ابھی مومن ہوں اور کافر نہیں ہوا تو زمانہ ایسا ہے کہ جن پر خدا ظاہر نہ ہو جن پر دنیا کے بُت بے نقاب ہو چکے ہوں اور ہوتے چلے جارہے ہوں۔ مادہ پرستی اپنی تمام شان اور ظاہری سطحی حسن کے ساتھ ان کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہو تو وہ اگر ابھی بھی خدا کے قائل ہیں تو یہ اللہ کا احسان ہے نعمت ہے، خدا کا شکر ہے کہ وہ کافر نہیں ہوئے۔

پس اس پہلو سے احمدی اور غیر احمدی میں ایک فرق ہے احمدی اس لئے کافر نہیں ہوتا کہ اس نے خدا کو دیکھا ہے اور دیکھ رہا ہے اور ہر روز خدا اس پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ شدید سے شدید مصائب میں ہر تکلیف اور تنگی کے دور میں احمدی کے لئے خدا تعالیٰ کی دوستی کے نشان ملتے ہیں۔ اس کی زیارت کی جھلکیاں وہ دیکھتا ہے اور ہر شخص اپنی توفیق کے مطابق ایسا کرتا ہے یہ نہیں کہ ہر آدمی ولایت کے ایسے اعلیٰ مقام پر ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو کھلا کھلا صاف عظیم نشانات کے ذریعہ دکھائی دینے لگے مگر حسب توفیق جتنی کسی کی صلاحیت ہو اس کے مطابق خدا تعالیٰ اس پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

پس تبلیغ کے لئے ایک زندہ خدا کا اپنی ذات کے آئینہ میں دکھانا بہت ہی ضروری ہے۔ باقی سب دلائل اُس کے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور بعد میں آنے والی باتیں ہیں۔ پس مبشر بنیں اور پھر اُس کے بعد انذار کی باری آئے گی یعنی ڈرانے والی باتیں جن کو نذُر کہتے ہیں وہ بتانے کے لئے بعد کا مضمون ہے۔ بعد کا وقت اس کے لئے مناسب ہے پہلے تبشیر، پھر ڈرانا۔ اور اس پہلو سے آپ پھر اُن کو آگاہ کریں کہ ان کے معاشرے میں کیا ہو رہا ہے۔ کتنے دکھ پھیل رہے ہیں، دن بدن مصیبتیں ان کو گھیرتی چلی جارہی ہیں، ان کے دلوں کے سکون اٹھتے چلے جارہے ہیں، ان کے گھر بے چین ہو گئے ہیں اور کسی کو کچھ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

آج کل بڑے زور سے انگلستان کے دانشوروں اور سیاستدانوں میں یہ بحث چل رہی ہے کہ جرم کیوں بڑھ رہا ہے اور ایک پارٹی دوسری پارٹی کو اس کا ذمہ دار قرار دیتی ہے۔ جو اپوزیشن والے ہیں وہ حکومت کی پالیسیز پر کہتے ہیں تمہاری وجہ سے تمہاری غلط پالیسیز کی وجہ سے یہ سب نقصان ہو رہا ہے حالانکہ یہ سب باتیں فرضی ہیں۔ جرم خدا سے دوری کے نتیجہ میں بڑھتا ہے اور اس کا

اس سے گہرا تعلق ہے یہ ایک Equation ہے جو سائنسی Equation ہے۔اس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ ناممکن ہے کہ کوئی سوسائٹی خدا سے دور جارہی ہو اور دنیا کے کوئی ذرائع اُسے جرائم سے پاک وصاف کرسکیں، کوئی دنیا کا قانون ایسا نہیں کرسکتا۔قانون تو انسانی جسم کی حدود سے باہر تک کام کرتا ہے اور جُرم کرنے ، نہ کرنے یا اس کے رجحانات کا تعلق انسانی نیتوں سے ہے اور اُن خواہشات سے ہے جنہیں وہ آزاد بھی چھوڑ سکتا ہے اور پابند بھی کرسکتا ہے اور یہ وہ جگہ ہے ، یہ انسان کی وہ کائنات ہے جس تک صرف خدا کی رسائی ہے۔

پس خدا پر ایمان جتنا کمزور ہوگا، خدا سے تعلق جتنا ہلکا ہوتا چلا جائے گا اسی قدر جرائم نے لازماً بڑھنا ہے۔پس اس نسبت سے ان کو سمجھنا چاہئے اور پھر ان معنوں میں بھی یہاں شہادت دینی چاہئے کہ ہم نے تو خدا سے قریب ہوکر، ان برائیوں سے نسبتاً پاک ہوکر اس دنیا میں ہی ایک قسم کی جنت حاصل کرلی ہے۔ہم غریب بھی ہیں تو ہمیں تسکین قلب نصیب ہے، ہم قربانیاں دیتے ہیں تو تکلیف کی بجائے لطف محسوس کرتے ہیں،تم چار آنے ٹیکس زیادہ دے دو تو ذہنی عذاب میں مبتلا ہوجاتے ہو۔ہم ہزاروں روپے دے کر بھی اگر تکلیف محسوس کرتے ہیں تو صرف یہ کہ کاش ہم زیادہ دے سکتے لیکن اس میں بھی ایک لطف ہے۔پس ہماری تکلیفوں میں بھی ایک سکینت ہے اس میں بھی جنت کا مزہ ہے اور تمہارے دنیا کے آراموں میں بھی ایک جہنم ہے۔یہ ایک ایسا مضمون ہے جو بالکل سچا ہے۔آپ اپنے گردوپیش میں اپنے دوستوں کے حالات پر نظر ڈالیں جتنے بے تکلف ہوتے جائیں گے اتنا ہی آپ پورے یقین کے ساتھ خود بھی سمجھیں گے اور اُسے بھی سمجھا سکیں گے کہ دنیا کی لذتوں کی پیروی کے نتیجہ میں ایک قسم کا ہیجان تو مل جاتا ہے لیکن سکینت نہیں ملتی تسکین قلب نصیب نہیں ہوتا یہ صرف اللہ کی محبت اور اس کے ذکر سے ملتی ہے تو انذار سے یہ مراد نہیں ہے کہ کسی کو کہہ دیں کہ جاؤ تم جہنمی ہو۔انذار سے مراد یہ ہے کہ اس کی جہنم اس کو اس طرح دکھائیں کہ آپ اُس کی تکلیف میں شامل ہوں، اُس کا دکھ محسوس کرنے والے ہوں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا انذار بعینہٖ اس طرز کا انذار تھا۔ملّاں والا انذار نہیں تھا کہ مانتے ہو تو مانو نہیں تو جاؤ جہنم میں شلوار کا ایک پائنچہ ٹخنے تک اونچا ہوگیا تو کہہ دیا کہ جاؤ تم جہنمی ہو چکے ہو۔کوئی سوال کر بیٹھے تو کہہ دیا کہ تم نے سوال ایسا کیا ہے کہ تم کافر ہوگئے۔یہ انذار تو ظالمانہ انذار ہے، جہالت کا انذار ہے، تاریکیوں کی پیدائش ہے،

اس کا نور سے کوئی تعلق نہیں ۔نور محمد مصطفے ﷺ سے اس کا دور کا بھی علاقہ نہیں ۔حضرت اقدس محمد مصطفے ﷺ کے انذار کا یہ رنگ ہے کہ دوسروں کو ڈراتے ہیں اور اُن کے غم میں خود ہلاک ہوتے چلے جارہے ہیں۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:۴) اے محمد ﷺ تو کیسا انذار کررہا ہے۔لوگوں کو ڈرار ہا ہے اور اُن کے خوف سے اپنی جان کو ہلکان کرتا چلا جارہا ہے۔اُن کے دکھ میں خود مبتلا ہو گیا ہے۔اس رنگ سے،اس محمدی طریق سے انذار کریں تو پھر آپ کے انذار کے نتیجہ میں زندگی پیدا ہوگی ۔خوف سے لوگ بدک کر دور نہیں بھاگیں گے بلکہ اس انذار کے باوجود آپ کے قریب آئیں گے ۔پس مومن کی وہ تبشیر اور مومن کا وہ انذار جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کے داب اور اسلوب اور طریق پر ہو وہ ایسا انذار ہے اور وہ ایسی تبشیر ہے جو لوگوں کو بڑی شان کے ساتھ اور بڑی قوت کے ساتھ کھینچتے ہیں اور اس طرح دعوت الی اللہ کا حق ادا کرنے کے اہل بن جاتے ہیں۔

بِاِذْنِهٖ فرمایا کہ تم جو چاہو کوشش کرلو یہ وہ کھیتی ہے جو پھل دعاؤں کے ذریعہ دے گی محض ہل چلانے اور محنت کرنے کے نتیجہ میں خود بخود اس میں پھل نہیں لگیں گے کیونکہ یہ مُردوں کو زندہ کرنے والا معاملہ ہے ۔یہ دنیا کے عام قوانین سے بالا ایک قانون ہے جبکہ ساری دنیا کی توجہ مادہ پرستی کی طرف ہو اور ان کو ہر قسم کی ظاہری لذتیں میسر ہوں ان کو بظاہر ایک اجاڑ زندگی کی طرف کھینچ لانا،کامل آزادی کی زندگی سے پابندیوں کی ایک زندگی کی طرف دعوت دینا ،باہر کی آزاد دنیا میں سانس لینے کی بجائے محمد مصطفی ﷺ پر نازل ہونے والے قوانین کے زنداں خانے میں داخل ہونے کی دعوت دینا۔ جہاں صبح شام اٹھتے بیٹھتے ہر قدم پر قدغنیں ہوں گی ۔ایسی پابندیاں ہوں گی کہ یہ نہیں کرنا، یہ کرنا ہے اور وہ کرنا ہے تو ایسی زندگی کی طرف دعوت دینا کوئی آسان کام تو نہیں ۔دعوت آپ جس طرح چاہیں دے دیں دلوں کو بدلنا آپ کے قبضہ میں نہیں ہے وہ دعا سے حاصل ہوتا ہے۔تو بِاِذْنِهٖ سے مراد یہ ہے کہ اگر محمد مصطفی ﷺ نے خدا کے اذن سے مردے زندہ کئے تھے،اگر آپ کی دعوت کو اللہ کے اذن سے پھل لگے تھے تو پھر اے محمد مصطفی ﷺ کے غلامو! تم جو بہت ادنیٰ مقامات پر فائز ہو تم اس وہم کا کیڑا ابھی اپنے دماغ میں داخل نہ ہونے دینا کہ محض تمہاری کوششوں سے تمہاری دعوت الی اللہ کامیاب ہو جائے گی بِاِذْنِهٖ کی طرف نظر رہے اور اللہ سے اذن حاصل کرنے کے

لئے دعائیں کرنی ہوں گی۔

ان معنوں میں اگر آپ دعوت کریں اور ان شرطوں کے ساتھ دعوت کریں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کی دعوت بے اثر اور بے ثمر رہ جائے۔ چنانچہ اس کے معاً بعد ایک دوسرا پہلو یہ بیان فرمایا کہ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ تُو ایسا چراغ ہے جو اپنی روشنی کو اس طرح دوسروں میں منتقل کرتا ہے کہ وہ بھی چراغ بن جاتے ہیں یعنی ایسا خَاتَم ہے جو آگے چھوٹے چھوٹے خَاتَم پیدا کرتا ہے اور اگرچہ آنحضرت ﷺ کی خاتمیت بے مثل اور بے نظیر ہے مگر اپنے مرتبے اور اپنے مقام کے لحاظ سے بے مثل اور بے نظیر ہے اپنی بنیادی صفات کے لحاظ سے بے مثل اور بے نظیر ورنہ خاتمیت رہے ہی نہ۔ خاتمیت کے بے مثل اور بے نظیر ہونے کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ویسا اور کوئی پیدا نہیں ہوگا۔ ایک یہ کہ جس صفائی اور شان کے ساتھ آپ کو اپنی صفات دوسروں میں منتقل کرنے کی طاقت بخشی گئی ہے ویسی کبھی دنیا میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ ان معنوں میں آپ کی خاتمیت بے نظیر ہے لیکن اگر خاتمیت کے بے نظیر ہونے کا یہ معنی لیا جائے کہ وہ صفات کسی دوسرے میں منتقل ہو ہی نہیں سکتیں۔ وہ نقوش کسی قیمت پر آگے کسی اور میں ظاہر نہیں ہوں گے خواہ کتنی مہریں لگائیں تو یہ خاتمیت کے انکار کرنے کے مترادف ہے، یہ تو خاتمیت کو کالعدم قرار دینے کے مترادف ہے۔ ایک طرف مہریں بناتے جائیں اور دوسری طرف مہریں مٹاتے چلے جائیں۔ ایسا غیر معقول تصور خدا کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ پس ان معنوں میں آپ کو بھی خَاتَم بننا ہوگا اور اپنی صفات کو دوسروں کی طرف منتقل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی گویا ایسے سراج بننا ہوگا جو آگے چراغ روشن کر سکیں اور یہ بات بہت ہی فصیح و بلیغ مثال کے ذریعہ بیان فرمائی گئی ہے آنحضرت ﷺ جو چراغ روشن فرماتے تھے وہ چراغ آنحضرت ﷺ کی مثل نہیں بن جایا کرتا تھا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کا چراغ بے مثل اور بے نظیر رہا لیکن چراغ کی بنیادی صفات ضرور دوسرے میں منتقل فرما دیا کرتے تھے۔ پس ان معنوں میں ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کو اپنے نور کو دوسروں میں منتقل کرنے کی صلاحیت اختیار کرنی ہوگی اور یہاں دعوت الی اللہ کا ایک بہت ہی اہم نکتہ بیان فرما دیا گیا جس سے غفلت کے نتیجہ میں ہم بہت سے پھلوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ جس نے دعوت الی اللہ کی ہے اس کا فرض ہے کہ جس کو خدا کی طرف بلایا ہے۔ اس کی تربیت بھی کرے اور اس وقت تک مطمئن نہ ہو جب تک اس حد تک مستحکم نہ کر لے

جس حد تک وہ خود مستحکم ہے۔ اسوقت تک مطمئن نہ ہو جب تک وہ ساری صفات حسنہ جو اس نے اسلام سے اخذ کی ہیں اُس دوسرے شخص میں جاری کرنے کی کوشش نہ کرلے گویا اپنا Duplicate پیدا کرلے۔ اپنے جیسا دوسرا وجود پیدا کرے ور یہاں وہ بے مثل ہونے والا مضمون صادق نہیں آتا جو آنحضرت ﷺ کے تعلق میں میں نے بیان کیا ہے۔ یہاں یہ ہوسکتا ہے کہ جس کو آپ اپنا نور عطا کررہے ہیں وہ چراغ آپ سے بھی زیادہ روشن ہو جائے اور یہی وہ کوشش ہے جو ہر مومن کو کرنی چاہئے چراغ بنانا آپ کا کام ہے، اپنے نور کو اس میں منتقل کرنے کی کوشش کرنا آپ کا کام ہے اور پھر یہ بھی دعا کرنی چاہئے اے خدا اگر اس کی صلاحیتیں زیادہ ہیں تو اُسے روشن تر بنادے۔ ایسے احمدی آپ پیدا کریں گے تو وہ محفوظ احمدی ہیں ان تک شیطان کی رسائی نہیں ہوسکتی، ان کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، اُس کے گرد آپ نے حصار بنادی ہے۔ ان معنوں میں دعوت الی اللہ کے جو پھل ہیں ان کو دوام بخشا جاتا ہے اور یہ وہ کام ہے جو بڑے اور چھوٹے سب برابر کرسکتے ہیں آنحضرت ﷺ کی خاتمیت کا فیض حاصل کرنا اور شاہد بننا یہ بچوں کے بس کی بھی بات ہے۔ احمدی بچوں کے متعلق میں نے کئی دفعہ واقعات سُنے ہیں کہ اُن کے اردگرد کے بچے کیونکہ اُن سے مختلف دکھائی دیتے ہیں اس لئے جب ماں باپ کبھی سکول جائیں تو ان کے بچوں کے اساتذہ اُن سے واضح طور پر پوچھتے ہیں کہ تم کیسی تربیت کررہے ہو۔ تمہارے بچوں کے اخلاق اور عادات ان دنیا کے عام بچوں سے حیرت انگیز طور پر بہتر ہیں اور بہت سی جگہ احمدی بچوں کو عملاً داد دینے کے لحاظ سے کلاس کے لئے نمونہ بنا کر پیش کیا گیا۔ بعض احمدی بچوں نے مجھے خطوں میں لکھا کہ ہماری استانی نے یا استاد نے ہمیں کہا کہ کلاس میں لیکچر دو کہ تم کیا ہو اور جو تم ہو یہ کس طرح بنے ہو تو شاہد تو وہ بن گئے۔ اس لئے شاہد بننے کے لئے بڑھاپے کا انتظار نہیں کرنا۔ بچپن سے ہی آپ شاہد بن سکتے ہیں۔ بچپن ہی سے آپ کو شاہد بنانے چاہئیں اور ان معنوں میں آپ کی خاتمیت کا اثر آپ کے بچوں پر پڑنا چاہئے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کی صفاتِ حسنہ کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں اور پھر وہ آگے تبشیر بھی کریں اور انذار بھی کریں۔

جو احمدی طالب علم ایسا کرتے ہیں خدا کے فضل سے اگر وہ دعا گو ہوں اور نیکی ہو تو ان کو پھل لگتے ہیں اور بالعموم میں نے دیکھا ہے کہ جیسا تبلیغ کرنے والا ہو عموماً اس سے فیض یافتہ نو احمدی بھی اُس کے اخلاق کی کچھ نہ کچھ جھلکیاں ضرور اخذ کر لیتا ہے۔ اس کی ادائیں ویسی ہی ہو جاتی ہیں۔

اس کی قلبی کیفیات بھی اسی نہج پر چل پڑتی ہیں۔ابھی چند دن ہوئے ایک احمدی لڑکی جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے نیک اعمال، نیک فطرت اور اچھا اثر رکھنے والی بچی ہے، کالج میں پڑھتی ہے وہ ایک لڑکی کو لے کر آئی جسے وہ ایک دفعہ پہلے بھی لے کر آئی تھی۔ وہ ایک انگریز لڑکی ہے۔ جب پچھلی دفعہ وہ مجھے ملی تو اس نے چند سوالات کئے اور مجھے کہا کہ اسلام میں میری دلچسپی تو صرف اس لڑکی کی وجہ سے ہے۔ یہ سب سے مختلف ہے۔اس میں سب سے زیادہ اعلیٰ اخلاق ہیں اور اس کی ذات میں ایک ایسی روحانی کشش ہے کہ میں فطرتاً اپنے آپ کو اس کی طرف مائل پاتی ہوں اس لئے میں نے تو جو کچھ اثر قبول کیا ہے اس کی ذات سے کیا ہے۔اب آگے جب یہ مجھے مسائل بتاتی ہے تو انہیں سمجھنا بھی ضروری ہے کیونکہ صرف ذات کافی نہیں۔اس نے شاید چند سوال کئے یا ایک دو کئے اور باقیوں کے متعلق بعد میں بات کرنے کا فیصلہ ہوا اور وہ بچی چلی گئی۔اب جو چند دن پہلے آئی تو اُس نے کہا اس عرصہ میں میں کافی مطالعہ بھی کر چکی ہوں۔مطالعہ تو جاری رہے گا لیکن یہ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرا دل یقین سے بھر گیا ہے اور میں بیعت کرنا چاہتی ہوں لیکن خدا کے لئے مجھے رمضان سے پہلے پہلے مسلمان بنالیں تاکہ میرا رمضان ضائع نہ جائے۔میں نے کہا تم ابھی بنو۔یہ بات جو تم نے کہی ہے اس کے بعد میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی چین محسوس نہیں کروں گا اگر میں تمہیں فوراً اسلام میں باقاعدہ داخل نہ کرلوں۔ملاقاتیں ختم ہونے پر آخر پر اُس نے بیعت کی۔آخری ملاقات تھی۔بیعت کے بعد مجھے اتنی خوشی محسوس ہوئی کہ میں نے بے اختیار اُسے کہا You have made my day اُس نے بے ساختہ اس کے جواب میں یہ کہا کہ and you have made my life میں نے کہا کہ تم نے میرا دن بنا دیا۔اُس نے کہا آپ نے تو میری زندگی بنا دی۔مگر میں دعوت الی اللہ کرنے والوں کو خوشخبری دیتا ہوں کہ جب وہ کسی کی زندگی بنائیں گے تو خدا اُن کی ایک اَور زندگی بنا دے گا اور یہ ایک ایسا جاری فیض ہے جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔اس سے محرومی، زندگی کو ضائع کرنا ہے۔اس لئے ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ دعائیں کرتے ہوئے اس کام کو آگے بڑھائیں۔اپنے روحانی پھلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ان کی لذّتوں سے فیضاب ہوں اور آگے اُن کو سراج بنا دیں ایسا سراج جو اَور چراغ روشن کرنے والا سراج بن جائے۔آمین

روزہ زکوۃ کا معراج ہے اور روزے کا معراج رمضان ہے۔
اپنے گھروں میں عبادات کا ماحول پیدا کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ / مارچ ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۞ (البقرہ: ۱۸۴ تا ۱۸۷)

پھر فرمایا:۔

جماعتِ احمد یہ مسلمہ کے نزدیک آج یورپ میں رمضان المبارک کا پہلا دن ہے اور آج پہلا روزہ ہے لیکن 'جنگ' کی ایک خبر سے مجھے معلوم ہوا کہ یہاں بہت سے دوسرے فرقوں نے جمعرات ہی کو پہلا روزہ شمار کر کے رمضان شروع کر دیا تھا۔اس سے متعلق مختصر وضاحت پیش کرنی چاہتا ہوں۔

علمِ فلکیات کے ماہرین اِس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر چہ بعض دنوں میں چاند مطلع پر ظاہر تو ہوتا ہے اور زمین کے کنارے سے اُبھرتا تو ہے لیکن اس کی عمر اگر چھوٹی ہو اور دیکھنے والے کے ساتھ اس کا زاویہ بہت چھوٹا ہو تو کسی طرح بھی نظر آنا ممکن ہی نہیں ہے۔خواہ مطلع کیسا ہی صاف کیوں نہ ہو لیکن وہ چاند جو چھوٹی عمر کا ہو اور اس کی عمر ماہرین نے معین کر رکھی ہے مثلاً ۱۵ منٹ سے کم عمر کا ہو تو کسی قیمت پر بھی کسی صورت میں بھی وہ نظر آ نہیں سکتا۔ پس قرآن کریم نے مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ کی شرط لگائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چاند کی آنکھوں کے ساتھ رؤیت ممکن ہو اور اس کی شہادت دی جا سکے۔ پس جب ایسا چاند جو چھوٹی سی عمر کا ہو کر، چھوٹی عمر میں ہی مر جاتا ہے وہ کسی طرح بھی آنکھ سے نظر آنا ممکن ہی نہیں تو اس پر شریعت کے احکامات کی بنیاد رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفے ﷺ کے زمانے میں اس قسم کا چاند نہ کبھی دکھائی دیا نہ کبھی بعد میں دکھائی دے سکتا ہے۔ پس جماعتِ احمدیہ کا موقف سو فیصد درست ہے اور بعض دوسرے مسلمانوں نے بھی اس موقف کی تائید کی ہے اور اخبارات میں اس کی تائید میں بعض خطوط بھی لکھے ہیں۔ بہر حال یہ ایسی فقہی باتیں ہیں جن میں افسوس ہے کہ اُمّت مسلمہ میں اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں اور ہوتے چلے جائیں گے۔ جب تک عقلیں ایک طرز فکر پر سوچنا نہ شروع کریں اور دل ہم آہنگ نہ ہوں ایسے اختلافات کا رستہ بند نہیں کیا جا سکتا۔

جن آیاتِ کریمہ کی میں نے تلاوت کی ہے یہ رمضان المبارک سے تعلق رکھتی ہیں۔ان کا ترجمہ یہ ہے کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر بھی روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تھے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تا کہ تم تقوی اختیار کرو اور تقوی حاصل کرو گویا کہ روزے رکھنے کا مقصد تقویٰ بیان فرمایا گیا اس سے تقوی میں ترقی ہوتی ہے۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۔گنتی کے چند دن ہیں اور اُن میں بہت سے فوائد تمہارے لئے مضمر ہیں ۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ میں یہ لفظ ظاہر تو نہیں ہے کہ بہت سے فوائد مضمر ہیں مگر یہ مضمون اس کے اندر شامل ہے کہ چند دن کی بات ہے اس کے مقابل پر تمہیں اتنے فوائد ہوں گے، تھوڑی سی تکالیف اُٹھا لو تو نقصان نہیں بلکہ بہت سے فائدے ہوں گے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ۔ہاں تم میں سے اگر کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو۔ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۔تو اسے اجازت ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں روزے پورے کر لے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ اور وہ لوگ جو اس کی طاقت رکھتے ہوں اُن کو فدیہ طعام دینا ہوگا جو کہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

یہاں يُطِيْقُوْنَهٗ کے دو طرح سے ترجمے کئے جاسکتے ہیں ۔ایک ترجمہ يُطِيْقُوْنَهٗ کا یہ ہوگا جو طاقت نہیں رکھتے اور ایک ترجمہ یہ ہوگا جو طاقت رکھتے ہیں تو یہ دونوں مضمون بہت عمدگی کے ساتھ اس موقعہ پر اطلاق پاتے ہیں۔ جب ہم طاقت نہیں رکھتے کی بات کریں گے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اُن کے لئے فدیہ طعام ہے حضرت مصلح موعودؓ نے یہی معنی شمار کئے ہیں اور یہ مطلب لیا ہے کہ کچھ ایسے ہیں جو روزے کی ویسے طاقت رکھتے ہیں مگر سفر کی وجہ سے طاقت کے باوجود روزہ چھوڑتے ہیں وہ فدیہ کے ذریعہ اس کمی کو پورا کرسکتے ہیں اور احساس محرومی کو پورا کرسکتے ہیں اور يُطِيْقُوْنَهٗ جہاں مثبت معنی لئے جائیں یعنی جو اس کی طاقت رکھتے ہیں تو یہاں طاقت سے مراد فدیہ کی طاقت ہوگی نہ کہ روزہ کی طاقت ۔تو مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ روزہ کی طاقت تو رکھتے ہوں مگر الٰہی رخصت سے استفادہ کرتے ہوئے روزہ نہ رکھتے ہوں اور انہیں نہ رکھنے کا احساس ہو اور وہ یہ طاقت رکھتے ہوں کہ کسی غریب کو کھانا کھلاسکیں تو غریب کو کھانا کھلا کر اپنے احساس محرومی کی تسکین کرلیں۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ اور جو شخص طوعی طور پر یہ نیکی جس کو لفظوں میں ظاہر نہیں کیا گیا کہ کون سی نیکی؟ فَمَنْ تَطَوَّعَ ۔پس جو شوق سے اپنی مرضی سے کسی جبر سے نہیں اس نیکی کو اختیار کرنا چاہے تو اس کے لئے بہتر ہے اس سے غالباً فدیہ کی ادائیگی مراد ہے یعنی وہ لوگ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اُن کو بھی فدیہ دینا چاہئے اگر وہ فدیہ دیں تو اُن کے لئے بہتر ہے۔ دوسرے اس سے مراد طوعی روزوں کا ذکر ہوسکتا ہے۔ نفلی روزوں کا ذکر ہو سکتا ہے، ایک تو فرضی روزوں کی بات ختم ہوئی اس موقع پر نفلی روزوں کا ذکر بھی ہونا چاہئے تھا کیا نفلی

طور پر بھی روزے رکھے جاسکتے ہیں تو قرآن کریم نے اس کی بھی تعلیم دے دی کہ فرضی روزوں میں تو شرائط کے ساتھ بات کھول دی گئی۔ اس کے علاوہ اگر تم نفلی روزے رکھنا چاہو تو بہت ہی بہتر ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اس کثرت سے نفلی روزے رکھتے تھے کہ ایک مہینہ کے فرضی روزوں کے ساتھ تین مہینے کے یعنی اگر سارے دنوں کو شمار کر لیا جائے تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کے حساب سے آپ تین مہینے نفلی روزے بھی رکھتے تھے۔ گویا ایک قسم کی وصیت کی آخری حد یعنی ۱/۳ اس رنگ میں پوری ہوگئی۔ بعض لوگ دسویں حصہ کی وصیت کرتے ہیں اور سال میں ایک مہینہ دسویں حصہ کے قریب تر ہے اور اگر چار مہینے کے روزے رکھے جائیں تو وہ قربانی وصیت کی انتہائی حد ۱/۳ کو چھوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس چیز کی دوسروں کو اجازت دیتے تھے اور جس حد تک اجازت دیتے تھے اس کا مکمل نمونہ خود پیش فرمایا کرتے تھے۔ آپ ۱/۳ سے زائد مالی قربانی یا جانی قربانی کی بالعموم اجازت نہیں دیتے تھے۔ سوائے اس کے کہ کوئی غیر معمولی استثنائی صورت ہو جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے آپؐ نے آپ ؓ کے گھر کا پورا مال وصول فرما لیا اور وہ بھی مخصوص آدمیوں کے لئے اُن کی طاقتوں کو دیکھ کر آپ ایسا فیصلہ فرماتے تھے مگر عمومی دستور جو آپؐ کے نمونے سے اور قول سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ قربانی کو ۱/۳ کی حد تک پہنچاؤ۔ کیونکہ اس میں دوسروں کے بھی حقوق ہیں، تمہاری بیوی کے بھی حقوق ہیں، بچوں کے بھی حقوق ہیں، عزیزوں ہمسایوں کے حقوق ہیں، غرباء کے حقوق ہیں، وہ قربانیاں اُن کے علاوہ ہیں اور اگر انسان اُن کو عبادت سمجھ کر خدا کی مرضی کی خاطر سرانجام دے تو ان معنوں میں ساری ساری زندگی اور تمام اموال اور جو کچھ انسان خرچ کرتا ہے وہ سب کچھ خدا کے ہاں عبادت ہی شمار ہوگا۔ فرمایا فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ یہاں یہ بات بتانی ضروری ہے کہ یہاں یہ بات نہیں ہے کہ مریض ہو اور سفر پر ہو اور خدا کی طرف سے تمہیں رخصت دی گئی ہو کہ روزے نہیں رکھنے تو تم شوق سے بے شک روزے رکھ لیا کرو۔ سفر میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے ان معنوں میں کہ خدا نے رخصت عطا فرمادی ہے اور رخصت سے فائدہ نہ اٹھانا بھی ایک قسم کی ناشکری بن جاتی ہے اِس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسّلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جب سفر اختیار کرو تو زبردستی خدا کو خوش کرنے کی کوشش نہ کرو اور اسی مضمون کو قرآن کریم کی یہ آیات آگے جا کر کھولتی ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور صرف عام ہدایت نہیں۔ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ۔ اور ہدایت میں سے بھی جو اعلیٰ درجہ کی کھلی کھلی ہدایت، روشن ہدایات، جو چمکتے ہوئے جواہر کی طرح روشن اور چمکدار ہیں وہ ہدایات قرآن کریم اپنے اندر رکھتا ہے۔ وَالْفُرْقَانِ اور ایسی دلیلیں جو کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے والی ہوں، جو دن کو رات سے الگ کرنے والی ہوں وہ چوٹی کی کھلی کھلی دلیلیں بھی اپنے اندر رکھتا ہے یعنی فرقان خود مضمون کو کھولنے والی دلیل کو کہتے ہیں یا ایسی بات جو الٰہی شان وشوکت رکھنے کی وجہ سے اپنی ذات میں ایک چمکتا ہوا نشان بن جائے۔ اس پر پھر بَيِّنٰتٍ مزید لگا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے پہلے انبیاءؑ کو بھی فرقان عطا کی گئی بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ کا یہ محاورہ مَیں نے پرانے انبیاءؑ کے متعلق نہیں پڑھا۔ اگر کہیں ہوگا تو میرے علم میں نہیں۔ تو مراد یہ ہے کہ قرآن کریم نہ صرف ہدایت رکھتا ہے نہ صرف فرقان رکھتا ہے بلکہ ہدایت اور فرقان میں جو چوٹی کی اعلیٰ درجے کی ہدایات اور اعلیٰ درجے کی فرقان ہیں وہ قرآن کریم میں آپ کو ملیں گی۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط پس جو بھی اس مہینے کو دیکھے اس کا گواہ بنے یا اس مہینے کو پالے اس مہینے میں سے گزرے۔ شَهِدَ کے اندر یہ سارے معنے شامل ہیں فَلْيَصُمْهُ تو اس کا فرض ہے کہ وہ روزے رکھے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ پھر اس بات کو دہرایا گیا کہ جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے ایام میں روزے رکھے۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ جب پہلے اجازت دی گئی تو وہاں مَنْ تَطَوَّعَ کا مضمون اطلاق نہیں پاتا تھا۔ اس سے پہلے یہی مضمون گزر چکا ہے کہ جو بھی مریض ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے ایام میں روزے رکھے اور اس کے معًا بعد فرمایا کہ ہاں کوئی شوقیہ نفلی نیکی کرنا چاہے تو اس کے لئے بہتر ہے۔ یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا تو ایک طرف خدا نے اجازت دی اور دوسرے ایام میں روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ ساتھ ہی فرمادیا کہ جو شوقیہ نیکی کرے تو شوق سے کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہدایت ان معنوں میں اہمیت نہیں رکھتی کہ ضرور اس پر عمل کیا جائے۔ عمل کرسکو تو بہتر نہ کرو تو کوئی حرج نہیں بلکہ اگر نفلی روزے رکھ لو تو اور بھی بہتر ہے۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی اس لئے اس مضمون کو دہرایا گیا ہے اور یہاں شوق

سے روزہ رکھنے کی اجازت اگر ذہن میں ہوتو اس کا ذکر نہ کر کے اس خیال کو رد فرما دیا گیا۔ پس قرآن کریم جب تکرار کرتا ہے تو بے وجہ تکرار نہیں کرتا۔ کسی احتمالی غلطی کو دور کرنے کی خاطر قرآن کریم تکرار کرتا ہے یا نئے مضامین کی طرف توجہ دلانے کے لئے تکرار فرماتا ہے۔ فرمایا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۔ یادرکھو اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو تو تمہیں دوسرے ایام میں روزے رکھنے ہوں گے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اس بات کو کھول دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کو پسند فرماتا ہے تکلیف کو پسند نہیں کرتا۔

مریض کے لئے اگر وہ حقیقی مریض ہو یعنی اپنے نفس کے توہمات کا مریض نہ ہو بلکہ واقعۃً مجبور ہو، روزہ رکھنے کی اجازت نہ دینے میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ روزے کے ساتھ عبادات چلتی ہیں اور بہت سی نیکیاں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ ایک شخص جو حقیقتاً مریض ہو اس کو اگر روزے کی مشقت میں ڈال دیا جائے تو اس کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ اُس کے لئے خیالات کی پاکیزگی اور یکجہتی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ممکن نہیں رہتا اور وہ عبادات کا حق ادا نہیں کرسکتا اس لئے محض اس وجہ سے کہ سب نے روزے رکھے ہوئے ہیں اب روزہ رکھ لوں تو آسانی پیدا ہو جائے گی اگر وہ روزے رکھتا ہے تو یہ نیکی نہیں ہے بلکہ کمزوری کا نشان ہے۔ پس قرآن کریم نے جو احکامات نازل فرمائے ہیں ان میں گہری حکمتیں ہیں اُن سے پوری طرح استفادہ کرنا چاہئے لیکن شرط یہ ہے کہ مریض حقیقی ہو اور نفس کا بہانا نہ ہو۔

پھر فرمایا وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ تا کہ تم اس عدت کو پورا کرسکو۔ جب یہ فرمایا کہ اگر بیمار ہو یا سفر پر ہو تو تم نے رمضان میں روزے نہیں رکھنے، بعد میں رکھنے ہیں تو بعد میں رکھنے کی حکمت اب بیان فرمائی ہے کہ ہم بعد میں اس لئے کہہ رہے ہیں تا کہ اس عدت کو جو مومنوں پر فرض کی گئی ہے پورا کرسکو اور اس میں محروم نہ رہ جاؤ۔ پس بعد کے روزے رکھ کر تم مہینے کے تیس ۳۰ روزوں کی تعداد کو پوری کرلو گے یا ۲۹ کی تعداد کو پوری کرلو گے تو تمہیں اطمینان ہو جائے گا کہ ہمیں کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

اس میں مریضوں اور سفر والوں کو یہ تسلّی دی گئی ہے اگر چہ تم رمضان کے مبارک مہینے میں

روزے نہیں رکھ سکے لیکن تمہارے بعد کے روزے خدا کے نزدیک ایسے ہوں گے جیسے تم نے رمضان کے روزوں کی عدّت پوری کر لی ہو اور تمہیں کوئی روحانی نقصان نہیں ہے۔ جب نقصان کوئی نہیں ہے تو بے وجہ پھر تکلف کر کے رمضان میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ۔ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمدؐ! وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ۔ اگر تجھ سے میرے بندے میرے بارہ میں دریافت کریں فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ تو میں قریب ہوں۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعوت کو سنتا ہوں اور اس کا جواب دیتا ہوں۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ شرط یہ ہے کہ وہ بھی میری باتوں پر لبیک کہا کریں اور جن نیکیوں کی طرف میں ان کو بلاتا ہوں اُن پر عمل کیا کریں۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ اور مجھ پر ایمان لائیں لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ تا کہ وہ ہدایت پائیں۔

اِس مضمون کا روزوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور اس رکوع سے روزوں کا جو ذکر چلا ہے اس کا پہلے رکوع میں مذکور عبادات کے ساتھ گہرا تعلق ہے کیونکہ اس سے پہلے رکوع میں زکوٰۃ کا یعنی مالی قربانی کا ذکر چل رہا تھا اور پہلے رکوع سے بھی پہلے کا یہ مضمون شروع ہوا ہے۔ تو درحقیقت یہ دو الگ الگ باتیں بیان نہیں بلکہ ایک ہی چیز کے دو مختلف پہلو بیان ہو رہے ہیں۔ خدا کی خاطر مالی اور جانی قربانی کیسے کی جاتی ہے اور خدا تم سے کیا توقع رکھتا ہے؟ کن شرائط کے ساتھ اس قربانی کو قبول فرمائے گا اور ان قربانیوں کے نتیجہ میں تمہیں کیا کچھ حاصل ہوگا؟ زکوٰۃ کے مالی حصے کے متعلق ذکر فرما کر اُس کے فوائد بیان کر دیئے اور بتایا اس سے تمہارے اموال میں کمی نہیں آئے گی بلکہ وہ بڑھیں گے تمہارے اعمال میں پاکیزگی پیدا ہوگی اور تمہیں برکتیں نصیب ہوں گی ہر طرف سے نشو ونما ہوگی۔ ان آیات میں جس زکوٰۃ کا ذکر فرمایا ہے اس کی جزاء خدا خود ہے اور یہ یعنی روزہ مالی اور جانی قربانی جو زکوٰۃ کے عنوان کے تابع آتی ہیں ان کا معراج ہیں۔ دوسری عبادتیں جیسا کہ نماز ہے وہ اپنا ایک الگ مرتبہ اور مقام رکھتی ہیں وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمازوں کی عبادت کو زکوٰۃ سے الگ بیان فرمایا ہے اور بعض پہلوؤں سے روزوں پر فضیلت دی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس مضمون پر جو روشنی ڈالی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ سارا مضمون مربوط ہے اور یہ باتیں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا حضرت ابو ہریرہؓ

کی حدیث ہے **قال رسول اللہ ﷺ لکل شئ زکوٰۃ وزکوٰۃ الجسد الصوم ...... والصیام نصف الصبر** ۔(سنن ابن ماجہ کتاب حدیث نمبر:۱۷۳۵) آپ نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں اور روزہ نصف صبر ہے۔نصف صبر اس لئے فرمایا کہ صبر میں کسی چیز سے کلیۃً محرومی پر انسان جو حوصلہ دکھائے اور راضی برضا رہے یہ سارا مضمون بھی داخل ہے لیکن رمضان شریف میں روزے کے دنوں میں انسان جو صبر دکھاتا ہے اس اُمید پر دکھاتا ہے کہ تھوڑی دیر کی بات ہے یا چند دنوں کی بات ہے پھر مجھے کھانے پینے کی ہر جائز چیز سے استفادہ کی کھلی چھٹی مل جائے گی تو نصف صبر فرمایا۔آنحضرت ﷺ کے ارشادات پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ جہاں حدیثیں صحیح ہیں اور درست ہیں اور کوئی ملاوٹ نہیں ہے ان میں۔ وہاں ان کی عظیم الشان روشن نشانیاں موجود ہیں۔ایسی گہری حکمت کی باتیں ہیں جو حدیث وضع کرنے والے کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتیں۔اب مثلاً صبر کہہ دینا کافی تھا۔آج جو آپ نے بات سنی ہے جنہوں نے پہلی دفعہ سنی ہے ان کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ نصف صبر کی بات کریں۔پس یہ عارف باللہ کا کلام ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے کلام پر کھلی کھلی شہادت ہے۔پس آپ نے فرمایا کہ یہ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کی ایک قسم ہے اور اس قسم میں نصف صبر کا ثواب بھی شامل ہو جاتا ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اس سے پہلے رکوع میں زکوٰۃ کا مضمون چل رہا ہے تو دیکھیں قرآن کریم کی آیات کس طرح ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں ،مضبوط رشتے ہیں اور ایک تسلسل ہے جس میں عرفان کا ایک دریا بہتا چلا جا رہا ہے۔

اسی ضمن میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک اور حدیث بھی آپ کے سامنے رکھتا ہوں (وقت بچانے کے لئے صرف ترجمہ پر ہی اکتفا کروں گا) یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی بیان فرمودہ حدیث ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کے سب کام اُس کے اپنے لئے ہیں مگر روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا بنوں گا۔(صحیح بخاری کتاب الصوم حدیث نمبر:۱۷۷۱) یہ وہی مضمون ہے جس کی طرف میں نے قرآن کریم کی ان آیات پر روشنی ڈالتے ہوئے اشارہ کیا تھا۔روزے کی ہدایت کے معًا بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ** ۔کہ اگر لوگ میرے متعلق تجھ سے سوال کریں یا جب میرے بندے تجھ سے سوال

کریں تو میں قریب ہوں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص جب خدا کے متعلق پوچھے تو خدا وہیں اس کی باتوں کا جواب دینے لگے گا۔جو روزے کی عبادت جیسا کہ حق ہے ادا کرے اُس کی جزاء کا بیان ہو رہا ہے اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزے کی جزاء میں خود ہوں۔قرآن کریم کی یہ آیات اسی مضمون کو بیان فرماتی ہیں اور یہی اس مضمون کا پہلے مضمون سے تعلق ہے کہ جو شخص خدا کی خاطر خدا تعالیٰ کی فرمودہ شرائط کے مطابق روزے رکھتا ہے ان کو کیا جزا ملے گی جیسا کہ زکوۃ کی جزاء پہلے بیان ہوئی ہے اس زکوۃ کی جزاء یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے میں خود اس کی جزاء ہوں۔ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ۔ان کو بتا دے کہ روزوں کے نتیجہ میں، ان عبادات کے نتیجہ میں مَیں ان کے قریب ہو جاؤں گا یا ان کو اپنے قریب دکھائی دوں گا اور اتنا قریب کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔جب پکارنے والا مجھے پکارے گا تو میں اس کی باتوں کا جواب دوں گا۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ اس معنی میں فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ یہ نشانات دیکھیں گے تو پہلے سے بڑھ کر میری اطاعت کریں گے۔پس ایسے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں جن پر میں خود جزا بن کر ظاہر ہوں کہ پہلے سے بڑھ کر میری ہدایات پر لبیک کہیں اور وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ اور ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہوئے مجھ پر ایمان لائیں۔بغیر ایمان کے تو خدا کو دیکھنا ممکن ہی نہیں۔

خدا سے سوال و جواب اور دُعاؤں کی قبولیت کا نشان بے ایمان لوگوں کو عطا ہوا ہی نہیں کرتا تو وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ کا مطلب ہے کہ ایمان کے اعلیٰ تر مقامات بھی آتے چلے جاتے ہیں۔ایمان کا ایک مقام ہے جس سے انسان سفر کا آغاز کرتا ہے دن بدن جتنا وہ خدا کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اس کے ایمان میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔مزید نشانات ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ خدا تعالیٰ سے الہامات کا شرف حاصل کرلے مکالمہ مخاطبہ کی سعادت اس کو نصیب ہو،صاحب کشف ہو جائے، سچی رؤیا اس کو دکھائی دینے لگیں یہ ساری باتیں اور تجربے ہیں جو خدا کا قرب رکھنے والوں کے تجارب ہیں جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو فرمایا اس کا ایمان اور ترقی کرتا ہے،اس کی اطاعت کی طاقت بڑھتی ہے۔پس ان معنوں میں فرماتا ہے کہ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔تا کہ وہ مزید ہدایت پاتے چلے جائیں اور یہ ایک نہ ختم ہونے والا رستہ ہے۔ يَرْشُدُوْنَ میں ایک جاری

دریا کا سا مضمون بیان ہوا۔ ایک ایسے مسافر کا سا مضمون ہے جو رستے پر چلتا چلا جاتا ہے اور ہر قدم اسے مزید ہدایت کی طرف لے جاتا ہے۔

پھر فرمایا **فانّہ لی و انا اجزی بہ** (بخاری کتاب الصوم حدیث نمبر ۱۹۰۴) وہ میرے لئے عمل کرتا ہے پس میں اس کا اجر ہوں۔ اس میں ایک چھوٹی سی مشکل ہے جس کا حل کرنا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان جو دوسرے اعمال کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور روزہ میرے لئے رکھتا ہے حالانکہ کوئی عمل بھی جو خدا کے لئے نہ کیا جائے وہ بے معنی اور نامراد ہوتا ہے۔

اور مومن کی شان کے تو خلاف ہے کہ وہ سارے عمل اپنے لئے کرے اور صرف ایک روزے کا عمل خدا کی خاطر کرے۔ حضرت اقدس محمد ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ کوئی ایک ادنیٰ سی حرکت بھی اور ادنیٰ سا سکون بھی ایسا نہیں فرماتے تھے جو خدا کی خاطر نہ ہو۔ بیوی کے منہ میں لقمہ بھی ڈالتے تھے تو اللہ کی خاطر تو پھر آپؐ یہ کیا فرما رہے ہیں اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے ورنہ کسی غلط فہمی کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔ مومن کی ہر قسم کی عبادت بالآخر خدا کی خاطر ہوتی ہے پھر روزے میں اور عام عبادت میں یہ کون سی تفریق ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی اس مضمون کو سمجھنا چاہئے۔

ہم روزمرہ جو عبادتیں کرتے ہیں ان عبادتوں پر اگر ہم قائم رہیں تو ہمارے لئے فی ذاتہٖ وہ کافی ہے اور خاص طور پر یہ بات سمجھنی چاہئے کہ کھانا پینا جائز ہے۔ اپنی اہلیہ سے تعلقات جائز ہیں اور اس قسم کی بہت سی باتیں جائز ہیں جن کی خدا نے ہمیں اجازت دے رکھی ہے۔ پس اس حالت میں زندگی بسر کرنا جس میں خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے استفادہ کی اجازت ہے اور بعض جگہ پابندی ہے دراصل اس مضمون کو ظاہر کرتا ہے کہ پابندیاں سو فیصدی ہماری خاطر ہیں۔ اگر ہم ان پابندیوں کو توڑیں گے تو نقصان اٹھائیں گے اور استفادہ جن شرائط کے ساتھ کرنے کی اجازت ہے اس طرح استفادہ کریں تو ہمیں کوئی نقصان نہیں ہے اور ہمیں فائدہ پہنچ رہا ہے۔ پس اس سود و زیاں کے مضمون کو خوب کھول کر روزمرہ کی زندگی میں ظاہر فرما دیا گیا اور انسان جو حقیقت میں نیکی کو سمجھتے ہوئے نیکی بجا لاتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ اپنی خاطر کر رہا ہے اور رکنے میں اس کا فائدہ ہے جہاں روکا گیا ہے۔ چلنے میں اس کا فائدہ ہے جہاں اس کو چلنے کی اجازت دی گئی ہے۔ پس یہ سارا مضمون اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ہر چیز جو انسان بظاہر خدا کی خاطر کر رہا ہے درحقیقت اس کے اپنے فائدہ کے لئے

ہے۔ رمضان میں ان چیزوں سے رُکنا پڑتا ہے جن کی اجازت ہے جن کے فائدے اور نقصان خوب کھول کر بیان ہونے کے باوجود بعض صورتوں میں جہاں فائدہ نقصان سے بڑھ کر ہو ہمیں ان سے استفادہ کی اجازت دی گئی ہے۔ پس جائز چیزوں سے رکنا یہ خدا کی خاطر ہے یعنی ہر چیز خدا کی خاطر ہی ہے لیکن رمضان مبارک میں یا عام روزوں کے وقت انسان جائز چیزوں سے جو رکتا ہے ان جائز چیزوں میں اگر نقصان ہوتا تو عام حالات میں بھی خدا روک دیتا اس لئے باوجود اس کے کہ عام فائدہ کے لحاظ سے وہ روزمرہ کی زندگی میں اپنے فائدہ کے سارے کام کرتا ہے۔ رمضان میں جو زائد مشقت اٹھاتا ہے اور جائز ضرورتوں کو بھی تج دیتا ہے اور بعض صورتوں میں اس کی صحت کو خطرات بھی لاحق ہوتے ہیں۔ بہت سی تنگی برداشت کرنی پڑتی ہے بہت سے کاموں میں حرج بھی واقعہ ہوتا ہے لیکن خدا کی خاطر ایسا کرتا ہے۔ پس اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو ان معنوں میں خدا کی خاطر قرار دیا ہے کہ ایک زائد فعل ہے جو عام نیکی سے بالا ہے اور اس میں انسان ضروری نہیں ہے کہ اپنے ذاتی فوائد سمجھ کر اس پر عمل کر رہا ہو۔ تبھی بہت سے لوگ ہیں کہ جب روزوں کا مہینہ گزرتا ہے تو وہ اچانک سکون میں آجاتے ہیں وہ کہتے ہیں الحمدللہ۔ خدا نے موقع دیا۔ بڑا بوجھ تھا اس بوجھ سے ہم نکل آئے یہ ان کی فطری آواز ہوتی ہے۔ وہی لوگ ہیں جو رمضان میں سکون پاتے ہیں جو بہت اعلیٰ مقامات پر پہنچ چکے ہوتے ہیں اور وہ بھی شرط صحت اور شرط جوانی کے ساتھ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوانی کے ایام میں ایک بار چھ مہینے کے روزے مسلسل رکھے لیکن بڑی عمر میں خود فرماتے ہیں یہ تو جوانی کے مزے تھے اب تو مجھ میں یہ طاقت نہیں رہی۔ فرماتے ہیں ایک وقت تھا کہ میں پیدل ۱۲ میل چل کر بٹالے چلا جاتا تھا اور پھر واپس بھی آجایا کرتا تھا اور مجھے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی تھی اب میں پانچ چھ میل چلتا ہوں تو مجھے تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔ کھانے میں تاخیر ہو تو میں دقت اور نقصان محسوس کرتا ہوں تو فرمایا کہ روزوں کے مزے بھی جوانی کی باتیں ہیں تو اس لئے بعض صورتوں میں روزوں سے جسم کو نقصان بھی پہنچتا ہے اور ہر حالت میں انسان یہ نیکی نہیں کر سکتا۔ پس آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ عام نیکیوں سے یہ مختلف چیز ہے اور خدا کی خاطر توفیق کی حد تک یہ نیکی اختیار کرنی چاہئے۔

پس ان معنوں میں فَمَنْ تَطَوَّعَ کا ایک اور معنی ہمارے سامنے ابھرا کہ روزے کی نیکی

ایسی ہے جو مستقلاً ایک حالت پر نہیں رکھی جاسکتی جبکہ وہ ساری نیکیاں جو انسان اپنے لئے اختیار کرتا ہے وہ مستقلاً ایک حالت پر رکھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً نماز ہے بیمار بھی ہو، بڑھاپے کی آخری حد کو بھی چھو رہا ہو نماز فرض ہی رہے گی خواہ اندرونی طور پر نماز پڑھنے کی سہولتیں مل چکی ہوں مگر روزے کی یہ بات نہیں ہے روزہ پوری شرطوں کے ساتھ رکھیں گے یا نہیں رکھیں گے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ بیمار ہیں تو اللہ تعالیٰ کہے کہ چلو پانی پی لو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب تک بیمار ہو تھوڑا کھالیا کرو پھل کھا کر دودھ پی کر گزارا کر لو لیکن روزہ ضرور رکھو پس روزے کی نیکی کا استطاعت سے گہرا تعلق ہے۔ پس فَمَنْ تَطَوَّعَ کے ایک معنی یہ بنے کہ روزہ ایک ایسی نیکی ہے جس کا انسانی استطاعت سے گہرا تعلق ہے کہ استطاعت نہ ہو تو اس کو اختیار نہیں کرنا چاہئے اور اس سے نقصان ہو سکتا ہے۔ پس صاحب استطاعت لوگ جب تک استطاعت کے زمانہ میں ہوں اس استطاعت سے استفادہ کریں تو اس کی جزا خدا بنے گا اور اللہ تعالیٰ محض اپنی خاطر ایک چیز چھوڑنے والے کو جس کی عام حالت میں اجازت ہو غیر معمولی طور پر عزت بخشتا ہے اور اسے اپنا قرب عطا کرتا ہے۔ اب روزے کے ساتھ بعض ایسی برائیاں بھی لگی ہوئی ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ ظاہری جسمانی کمزوریاں بعض برائیاں بھی اس کے اندر نظر آتی ہیں لیکن خدا کی خاطر انسان برداشت کر سکتا ہے ان میں سے ایک منہ کی بدبو ہے۔ اب آنحضرت ﷺ ایسے لطیف مزاج کے حامل تھے کہ آپؐ کو جو طبعی شوق تھا آپؐ خود فرماتے ہیں جن سے میری فطرت کو ایک طبعی لگاؤ ہے ان میں ایک خوشبو تھی اور بدبو سے سخت متنفر تھے اور یہ لطافت اور یہ نظافت آپؐ نے خدا سے پائی تھی۔ ہر چیز ہم خدا ہی سے پاتے ہیں مگر خدا سے ان معنوں میں پانا کہ خدا کے مزاج اختیار کر کے انسان الٰہی رنگوں میں رنگین ہو جائے اور ویسی ہی لطافت کے مظاہرے کرے لیکن روزے کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے دار کی منہ کی بو بھی مجھے ایسی پسند ہے کہ مشک کی بو بھی اس کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتی اس لئے کہ میری خاطر کیا ہے۔ تو روزے کے کچھ ظاہری نقصانات بھی دکھائی دیتے ہیں لیکن چونکہ وہ محض اللہ کی محبت کی خاطر اختیار کئے جاتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ ان صورتوں کو جو عام حالات میں قابلِ نفرت ہیں ان کو بھی قابلِ محبت حالتوں میں بدل دیتا ہے ورنہ بدبو اور بدبو کی پسندیدگی ایک وقت میں اکٹھے رہتے ہوئے نظر نہیں آتے ایک دوسرے سے متضاد دکھائی دیتے ہیں اور چونکہ یہ محبت کا مضمون ہے اس لئے

اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

اس پر آپ مزید غور کریں تو آپ کو اپنی زندگی کے تجارب میں ایسے واقعات دکھائی دیں گے جس شخص سے پیار ہو اور محبت ہو اس کی بیماری کی حالت کی بدبو اور کئی ایسی چیزیں انسان کو نہ صرف یہ کہ برداشت ہوتی ہیں بلکہ اس کی خاطر اس کے قریب رہتے ہوئے ان چیزوں سے ایک لگاؤ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ بری لگنی بند ہو جاتی ہیں۔ اپنی ذات سے انسان محبت کرتا ہے اور روزانہ غسل خانہ وغیرہ میں حاجات کے لئے جاتا ہے تو اپنی بو بری نہیں لگتی۔ بعض لوگوں کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ ہم بو والے حصہ سے آئے ہیں لیکن کوئی شخص وہاں چلا گیا ہو تو اس کی بو سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے تو یہ قرب کی علامتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے محبت کا پیغام دیا ہے۔ فرمایا اے روزے دارو! تم میرے محبوب بن گئے ہو تمہاری بظاہر بری باتیں بھی مجھے پیاری لگنے لگ گئی ہیں اور یہ عشق کا مضمون ہے پس روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا عشق سے گہرا تعلق ہے اور محبوب کی خاطر اللہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کے پیار کے لئے جن چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں جن کی عام حالات میں اجازت ہے اس کی جزاء بھی پھر اللہ تعالیٰ خود بن جاتا ہے کیونکہ عاشق کی جزاء تو محبوب ہی ہے پس **یہ روزہ زکوٰۃ کا معراج ہے اور روزے کا معراج رمضان ہے**۔ جس میں قرآن کریم نازل ہوا وہ تمام برکتیں جوامتِ محمدیہ کو عطا ہوئیں ان کا رمضان شریف سے گہرا تعلق ہے۔

آنحضرت ﷺ مزید فرماتے ہیں کہ روزے کے تو دو مزے ہیں اور ہر روزے دار کی دو موجیں ہیں۔ ایک جب وہ روزہ کھولتا ہے اور ایک جب خدا اس کو ملتا ہے۔ اب یہ اصل توجہ والی بات ہے جس کی طرف میں ساری جماعت کو خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

جب انسان روزہ کھولتا ہے تو اس کو اس لئے مزہ آتا ہے کہ ایک چیز کی بہت طلب پیدا ہو چکی ہوتی ہے اور جب اس طلب کی سیرابی ہو، جب بھوک کے وقت روٹی ملے، پیاس کے وقت پانی یا اور نعمتیں نصیب ہوں تو انسان کو عام حالتوں سے بہت زیادہ مزہ آتا ہے۔ اگر رمضان میں سے ہم گزر جائیں اور بھوک کی طلب اور اس کے بعد اس طلب کی سیرابی سے تو واقف ہوں لیکن خدا کی طلب اور خدا کے دیدار کی لذت سے ناآشنا رہیں تو یہ رمضان ایک بے معنی اور بے حقیقت سا رمضان ہو جائے گا اور اپنے مقصد کو کھودے گا کیونکہ مقصد یہ بیان فرمایا کہ اِنِّيْ قَرِيْبٌ۔ تم رمضان میں

گزرو تو مجھے اپنے قریب پاؤ گے۔ مقصد یہ بیان فرمایا کہ میں روزے دار کی خود جزا بن جاتا ہوں۔ پس وہ کیسا رمضان ہے جس میں بھوکے رہنے کی جزا تو ملتی ہو لیکن روح کی تشنگی کی کوئی جزا نصیب نہ ہو اور اس کا تعلق تشنگی سے بھی ہے کہ تشنگی ہی محسوس نہ ہو یعنی خدا کی طلب پیدا نہ ہو اور اس کے لئے دن بدن خواہش زیادہ بڑھتی چلی نہ جائے تو یہ مرض ہے۔ وہ مریض جو لمبا عرصہ بھوکا رہتے ہیں اور اس کے باوجود کھانے کی خواہش پیدا نہیں ہوتی ان کی کھانے کی خواہش پیدا نہ ہونا ان کے لئے نعمت تو نہیں ہے کہ تکلیف نہیں ہو رہی، کھانا نہیں کھاتے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ علامتیں گہرے مرض میں ظاہر ہوتی ہیں اور کھانے کی طلب نہ ہونا یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ مریض دن بدن موت کی طرف حرکت کر رہا ہے اور اس کی زندگی کے گہرے سر چشمے ہیں وہ سوکھنے لگ گئے ہیں۔ طلب کا زندگی کے گہرے سر چشموں سے بہت گہرا تعلق ہے اسی لئے میں نے اپنے ہومیو پیتھک کے ہمیشہ کے تجربہ میں یہ بات محسوس کی ہے کہ جب کسی دوا سے فائدہ ہو تو کھوئی ہوئی طلب زندہ ہونا شروع ہو جاتی ہے اور مریض جب یہ علامتیں ظاہر کرتا ہے کہ مجھے فلاں چیز دو جس سے پہلے نفرت ہو چکی تھی تو میں سمجھتا ہوں کہ اب خدا کے فضل سے مرض سے افاقہ ہو رہا ہے اور زندگی لوٹ کے آ رہی ہے تو اس رمضان میں ہر احمدی کو اس پہلو سے اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ وہ کہیں بیمار تو نہیں رمضان سے گزر رہا ہے بھوک کے بعد کھانے کی لذت سے آشنا ہو گیا ہے۔ پیاسے رہتے ہوئے جب پانی ملا یا کوئی اور نعمت ملی۔ مثلاً بعضوں کو کوکا کولا کا شوق ہے، کسی کو شربت والے دودھ کا مزہ آ رہا ہوتا ہے ٹھنڈے مشروب کئی قسم کے ہیں اُن سے اُس نے عام حالات سے بہت بڑھ کر پیاس کی وجہ سے بہت لذت پائی تو یہ وہ تجارب ہیں جو ہر کس و ناکس کو نصیب ہوتے ہیں کیونکہ یہ بدنی تجارب ہیں لیکن رمضان کا مقصد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکلیف دینا نہیں ہے بلکہ روحانی فوائد حاصل کرنا ہے۔ اگر ہمارے تجربے بدنی حدود تک رہیں اور روحانی لذات کی طرف ذہن ہی نہ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عُسر تو ہم نے حاصل کر لیا یُسر حاصل نہ کی کیونکہ قرآن کریم جب فرماتا ہے کہ اللہ یُسر چاہتا ہے تو یہاں وہ یُسر مراد ہے جو خدا تعالیٰ کی لِقاء کا یسر ہے۔ جس کا قرآن کریم کی ایک اور سورۃ میں ذکر ہے کہ

فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۸﴾ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ﴿۹﴾ (الم نشرح: ۶-۹)

وہاں یسر کی اعلیٰ درجے کی تعریف قرآن کریم نے خود بیان فرمادی۔ فرمایا: اے محمد ﷺ! ہر تنگی کے بعد ہم نے آسانی رکھ دی (عسر کا معنی ہے تنگی، یسر کا معنی ہے۔ آسانی) ہر تنگی کے بعد ہم نے آسانی رکھ دی اور تیری آسائش کا منتہیٰ یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت کر۔ فَاِذَا فَرَغْتَ۔ پس جب دنیا کے دھندوں سے، دنیا کی مصیبتوں اور مشکلات سے تو فارغ ہو جایا کرے، فَانْصَبْ تو خدا کے حضور کھڑا ہو جایا کر وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ اور اپنے رب سے اپنا یسر چاہ۔ تو وہ یسر جو اس صورت میں بیان ہوا ہے وہی یسر یہاں مراد ہے کیونکہ یہاں بھی لِقائے باری تعالیٰ کے مضمون پر یہ آیات منتج ہوتی ہیں اور وہاں جا کر انتہا پکڑتی ہیں۔

روزے کی تنگی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ اس کے نتیجہ میں ایک آسائش پیدا کرنا مقصود ہے۔ یاد رکھو اگر تم نے اس آسائش کو نہ پایا تو روزے کی تنگی محض بیکار جائے گی اور تمہارے اوپر یہ بات صادق آئے گی کہ ہر عسر کے ساتھ عسر ہی ہے اور اس کے بعد کوئی یسر نہیں ہے۔ پس دنیاوی آسائش کو جو ہر بدن کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے جو تنگی کے بعد تنگی دور ہونے پر انسان محسوس کرتا ہے اس کو مقصود نہ سمجھیں۔ یہاں یسر سے مراد وہ اصطلاحی یسر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی لِقاء مراد ہے۔ اور قرآن کریم نے خوب کھول کر بیان فرمادیا ہے کہ اِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ میں قریب ہوں۔ بطور جزا کے تمہارے قریب ہوں۔ آنحضور ﷺ نے اس مضمون کو خوب روشن فرمادیا تو یہ رمضان اس بات کی نگرانی کا رمضان بنا دیں کہ آپ اور آپ کے اہل وعیال لِقائے باری تعالیٰ کی تلاش کریں۔ اس کے لئے دل میں طلب پیدا کریں اور پیاس پیدا کریں اور اگر یہ نہیں ہوتا تو پھر بیمار ہیں۔ پھر اس بیماری کا علاج ضروری ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلقہ ملفوظات میں بہت سے مضامین پھیلے پڑے ہیں جن کا رمضان سے تعلق ہے۔ اگرچہ تحریروں میں بھی ہے لیکن ملفوظات میں جو بے ساختگی پائی جاتی ہے اور جو گہرا اثر پایا جاتا ہے وہ اپنا ایک الگ مزاج رکھتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ عام تربیت کیلئے ملفوظات کا استعمال بہت زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

پس جماعتوں کو بھی متعلقہ ملفوظات کو تلاش کر کے عام کرنا چاہئے اور اس رمضان میں انتظامیہ کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ روحانی تربیت کی طرف توجہ ہو اور مقصود بالذات خدا تعالیٰ ہو۔ یعنی اس رمضان سے گزر کر اولیاء اللہ پیدا ہوں اس رمضان سے گزر کر اعلیٰ درجے کے

معنوں میں اولیا اللہ نہ سہی مگر کثرت سے ایسے احمدی پیدا ہوں جو خدا کے قرب کا لطف اُٹھا چکے ہوں جن کی باتوں کا خدا نے کسی نہ کسی رنگ میں جواب دے دیا ہو خواہ سچی خوابوں کے ذریعہ دیا ہو، خواہ دل کے اندر خاص تموج پیدا کر کے دیا ہو بعض دعاؤں کی حالتوں میں غیر معمولی طور پر گریہ کی توفیق عطا فرمائی ہو اور اس کے نتیجہ میں سکینت بخشی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے اظہار کے کئی طریق ہیں کچھ چھوٹے چھوٹے ابتدائی ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو آگے بڑھتے ہوئے اولیاء اللہ کے قریب ہو جاتے ہیں اور پھر انسان وہ لطف بھی اُٹھاتا ہے جو اولیاء کے لطف ہیں اور جب میں اولیاء اللہ کی بات کرتا ہوں تو اس میں تمام انبیاءؑ شامل ہیں۔ سب سے بڑا ولی نبی ہوا کرتا ہے اور اولیاء اللہ کی اصطلاح عملاً روحانی مراتب میں سے چاروں مراتب پر اطلاق پاتی ہے یعنی صالح، شہید، صدیق اور نبی۔ پس ان وسیع تر معنوں میں ہمیں خدا تعالیٰ کا ولی بننے کی کوشش کرنی چاہئے اور روزہ ہمیں اس ولایت کے حصول کے قریب تر کر دیتا ہے۔ سب سے بہتر سواری جس پر بیٹھ کر ہم خدا کا قرب اختیار کر سکتے ہیں وہ روزے کی سواری ہے کیونکہ اس میں بیٹھنے سے پیشتر اس سے کہ آپ سفر شروع کریں اللہ تعالیٰ کی آواز آتی ہے۔ اِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ یعنی اگر صحیح معنوں میں آپ روزہ دار بن جائیں۔

اور اس کے سارے حقوق ادا کریں تو اللہ تعالیٰ کے قرب کی آواز آپ کو عطا ہوگی۔ اس ضمن میں سارے گھر کا ماحول درست کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً گھروں میں عبادات کا ایک ذوق شوق پیدا کرنا چاہئے۔ بڑے چھوٹے سارے فرضی عبادات بھی بڑی توجہ سے ادا کریں اس کے علاوہ نفلی عبادات کریں۔ تہجد کے وقت ماں باپ اُٹھیں تو بچوں کو بھی اُٹھائیں اور ان کو بتائیں کہ کھانا مقصود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی لِقاء مقصود ہے، پہلے عبادتیں کرو پھر وقت نکالو اور کھانے لئے آؤ اور ان کو ان کی عقلوں اور ان کے علم کے مطابق خدا تعالیٰ کا پیار پیدا کرنے کے لئے کچھ باتیں بتائیں۔ کوئی ذوق شوق ان کے دل میں پیدا کریں۔ بچپن میں یہ آسان ہوتا ہے اور اگر انسان خدا تعالیٰ سے دوری کی حالت میں لمبا عرصہ گزار دے تو بڑی عمر میں اس کی گندی عادتیں دنیا پر منہ مارنے کے رجحانات سختی اختیار کر جاتے ہیں اور اس کے لئے پھر نرمی کے مضامین کی طرف لوٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس نرمی کے مضامین جو دل کو نرم کریں، جو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے انسان کو تیار کریں وہ بچپن سے ہی دلوں میں ڈالنے چاہیں اور عبادات کا ماحول گھروں میں پیدا کرنا چاہئے۔

تلاوت کی عادت ڈالنی چاہئے ۔ ہر بچے کو آپ جب تلاوت کی عادت ڈالنے کی کوشش کریں گے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اکثر بچوں کو تلاوت کرنی ہی نہیں آتی اور وہ جو میں کئی سال سے انصار، خدام، لجنہ کے پیچھے پڑا ہوا ہوں کہ خدا کے لئے اس طرف توجہ کرو۔ اس نسل کو کم از کم صحیح تلاوت تو سکھا دو ورنہ ہم خدا کے حضور پوچھے جائیں گے اور ہماری اگلی نسلوں کی بے اعمالیاں بھی ہم سے سوال کریں گی۔ ان تینوں تنظیموں کے عہدیداروں کو اس دوران تجربہ ہو جائے گا کہ کس حد تک ہم نے ان نصیحتوں پر عمل کیا ہے اور ہر گھر کو پتا چل جائے گا کہ کس حد تک انہوں نے ان خدمت کرنے والوں سے خود اپنی بھلائی کی خاطر تعاون کیا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس پہلو سے بہت سے خلا ہیں۔

پس یہ رمضان ایک بیداری کا رمضان بن جائے۔ ہوش کا رمضان بن جائے۔ اپنے تجزیہ کا رمضان بن جائے اور انسان ان دونوں پہلوؤں سے اپنا جائزہ لے کہ کیا میں دین کی ابتدائی ضروری باتیں پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو چکا ہوں کہ نہیں۔ کیا میرے گھر میں ہر بچے ہر بڑے کو قرآن کریم کی تلاوت کرنی آ گئی ہے کہ نہیں اور کیا اس رمضان کے ساتھ عبادتوں میں ذوق شوق بڑھا ہے کہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طلب پیدا ہوئی ہے کہ نہیں۔ خدا کرے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی کی مدد سے سب کچھ ہونا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ اے ہمارے رب! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ تو ہمیں توفیق عطا فرما کہ آج دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ عبادت گزار احمدی بن جائیں اور ان کی عبادات تیرے حضور قبولیت کا درجہ پائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

دعوت الی اللہ کے روحانی جہاد سے روحانی مردوں کو زندہ کریں۔
دعوت الی اللہ سے آپ کی قوت قدسیہ زندہ ہوگی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ / مارچ ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ سے پہلے جمعہ میں دعوت الی اللہ کا مضمون چل رہا تھا جو ابھی باقی ہے۔ بیچ میں رمضان کا پہلا جمعہ آیا اس لئے میں نے مضمون کو وقتی طور پر چھوڑ کر رمضان کے مضمون پر خطاب کیا تھا اب واپس اسی مضمون کی طرف لوٹتا ہوں۔

میں یہ بیان کرتا رہا ہوں کہ اجتماعی منصوبہ بندی سے پہلے انفرادی منصوبہ بندی ضروری ہے اور انفرادی منصوبہ بندی کے بغیر اجتماعی منصوبہ بندی حقیقی نہیں ہوسکتی ایک فرضی خیالی منصوبہ بندی رہے گی۔ پس جڑوں تک پہنچ کر ان کی کیفیت، ان کی صلاحیت کو جانچنا ضروری ہے اس کے مطابق پھل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں آج سب سے پہلی بات یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب پوچھا جاتا ہے کہ آپ کتنے غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کریں گے تو بسا اوقات حیرت انگیز طور پر ایسے خیالی اندازے پیش کئے جاتے ہیں کہ جن میں ظاہری طور پر کوئی حقیقت نہیں ہوتی بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم سو بنائیں گے، بعض کہتے ہیں ہزار بنائیں گے بعض کہتے ہیں ہم پانچ سو بنائیں گے اور اسی طرح مختلف اندازے لگا کر وہ جو اندازے منصوبہ بندی کمیٹی کو پیش کرتے ہیں تعجب کی بات یہ ہے کہ منصوبہ بندی کمیٹی ان کو اس طرح قبول بھی کر لیتی ہے اور ان کے ملک کا احمدی بنانے کا حقیقی

مسلمان بنانے کا تخمینہ ہے یہ فرضی طور پر ایک غبارے کی طرح پھول جاتا ہے بعض دوست دعا کے مضمون اور منصوبے کے مضمون میں فرق نہیں کر سکتے انہوں نے یہ سن رکھا ہے اور بجا سن رکھا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ جب خدا سے مانگو تو کھلا مانگا کرو تھوڑا نہ مانگا کرو آگے اس کی مرضی ہے کہ وہ دے نہ دے یہ دعا کا مضمون ہے۔ منصوبے کا مضمون نہیں ہے۔ جس قادر مطلق سے بے انتہا مانگنے کی ہدایت ہے وہی قادر مطلق جب خود مسلمانوں کے لئے منصوبہ بناتا ہے تو دنیاوی حسابات کو حقیقی اسباب کو پیش نظر رکھ کر منصوبہ بناتا ہے حالانکہ وہ چاہے تو لامتناہی منصوبہ بنا سکتا ہے چنانچہ دیکھیں کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کو خدا تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی کہ تمہارے لئے ابتدائی منصوبہ یہ ہے کہ تم ایک ہو گے تو دو پر غالب آؤ گے اگر ایک سچا مومن ہُوا تو وہ دو پر غالب آئے گا لیکن بعد ازاں اس منصوبے میں تدریجی ترقی ہوگی بالآخر میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ایک مومن دس پر غالب آئے گا لیکن الفاظ یہ نہیں تھے کہ ایک مومن دس پر غالب آئے گا۔ بلکہ پہلے یہ تھا ایک دو کی بجائے سوٗ دوسو پر غالب آئے گا اور پھر بعد میں جو دس کا مضمون ہے وہ بھی ایک سے شروع نہیں ہوتا بلکہ فرمایا کہ بیس دوسو پر غالب آئیں گے۔

اس میں بڑی گہری حکمت ہے اللہ چاہے تو ہر مومن کو دو پر بھی غالب کر سکتا ہے اور چاہے تو ہر مومن کو دس پر بھی غالب کر سکتا ہے لیکن بعض باتوں کا تعداد سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ Large Numbers ایک سائنس ایجاد ہو چکی ہے جس کا مطلب یہ کہ ضروری نہیں کہ ایک شخص ایک جماعت کا حصہ ہو اور اس جماعت کے ہر شخص کو برابر استعداد حاصل ہو مگر ایک کمزور شخص ایک جماعت کا حصہ ہو سکتا ہے جبکہ جماعت کی مجموعی طاقت اس ایک کمزور شخص کی طاقت کو جمع کرنے سے زیادہ بنتی ہے۔ مثلاً ایک کمزور شخص ہے جسے دوسرے ساتھی سے نصف طاقت حاصل ہے اب اگر اسے ایک بڑی جماعت میں شامل کر لیا جائے تو ممکن ہے کہ اس کی طاقت مجموعہ کے ساتھ مل کر دگنی ہو جائے۔ پس ایسی گفتگو انفرادی طور پر نہیں کی جاتی بلکہ جماعتی طور پر کی جاتی ہے چنانچہ قرآن کریم نے جب یہ وعدہ فرمایا کہ ایک دو پر غالب آئے گا اور ایک دس پر غالب آئے گا تو اس کو جماعتی اندازے کے مطابق پیش فرمایا ہے انفرادی اندازے کے طور پر پیش نہیں فرمایا۔ تو دیکھیں اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اس نے کتنی گہری حکمت کے ساتھ منصوبہ بنایا ہے اور کتنا واقعاتی منصوبہ بنایا ہے۔ کوئی فرضی بات

اس میں داخل نہیں فرمائی جبکہ اللہ تعالیٰ کا کسی بات کو داخل فرمانا اس کا امر بن جاتا ہے اور جیسا وہ فرماتا ہے ویسا ہو کر رہتا تھا مگر مسلمانوں کے حالات ان کی طاقتوں کو دیکھ کر ایک حقیقی منصوبہ بنایا پھر اس منصوبے میں اور عام انسانی منصوبے میں ایک اَور نمایاں فرق ہے۔ ہم آج جب مڑ کر تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں سب سے زیادہ طاقتور اور ایمان میں مضبوط مومن محمد مصطفی ﷺ کے ساتھی مومن دکھائی دیتے ہیں۔ اس وقت بھی جو لوگ ان روحانی تجربوں میں سے گزر رہے تھے وہ جانتے تھے کہ اس سے زیادہ شان کے مومن نہ پہلے پیدا ہوئے نہ بعد میں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ منصوبہ بناتے وقت ان اولین مومنین سے یہ وعدہ نہیں کیا کہ تم ایک دو پر غالب آؤ گے بلکہ یہ وعدہ لمبا کر دیا یعنی بعد میں آنے والے ایک دس پر غالب آجائیں گے اور ابتداء کے جو پختہ مومن ہیں وہ ایک دو پر غالب آئیں گے اس میں آخر کیا بات تھی۔

انسانی منصوبے کے لحاظ سے کچھ غلط ہو گیا ہے لیکن الٰہی منصوبہ چونکہ لازماً درست ہوتا ہے اس لئے خدا نے گہرے نفسیاتی حالات پر غور فرما کر یہ منصوبہ پیش کیا۔ ابتداء میں جب مومن اپنے غیر سے ٹکراتا ہے تو غیر کو مومن کا تجربہ نہیں ہوتا اس لئے غیر کا حوصلہ بڑا ہوتا ہے اور مومن کی اصل طاقت کو نہیں سمجھتا اس لئے زیادہ زور کے ساتھ اور اپنے لحاظ سے یقین کے ساتھ مومن سے مقابلہ کرتا ہے کہ میں اس کو شکست دے لوں گا لیکن جوں جوں مومن کا رعب بڑھتا جاتا ہے اسی نسبت سے غیر کے مقابلے کی طاقت کمزور پڑتی چلی جاتی ہے۔ پس حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ابتدائی ساتھیوں کا رعب تھا جب وہ قائم ہوا تو اس نے بعد میں آنے والوں کو بھی عظیم طاقتیں عطا کر دیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یا بعد کے زمانوں میں آپ جو عظیم فتوحات دیکھتے ہیں کہ تھوڑے بہتوں پر غالب آگئے یہ ان کا کمال نہیں تھا بلکہ الٰہی منصوبے میں یہ بات داخل تھی کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ساتھی مومنوں کی شان جوں جوں ظاہر ہوتی چلی جائے گی غیروں پر رعب پڑتا چلا جائے گا اور اپنوں میں مزید حوصلہ پیدا ہوتا چلا جائے گا، مزید یقین ہوتا پیدا چلا جائے گا۔ پس دیکھیں الٰہی منصوبہ کتنا واقعاتی کتنا حقیقی ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے مضمون کو اس منصوبہ میں داخل نہیں فرمایا۔

پس مومن جب منصوبہ بناتا ہے تو دعا کے مضمون کے ساتھ کیوں منصوبے کا اختلاط کرتا ہے اللہ سے اس کے رنگ سیکھنے چاہئیں۔ منصوبہ خالصۃً حقیقی ہونا چاہئے، واقعاتی ہونا چاہئے چنانچہ وہ لوگ

جولکھ دیتے ہیں کہ جی! ہم نے سو بنانے ہیں پھر سارا سال Panic میں بڑی گھبراہٹ میں خط لکھتے ہیں کہ اتنے مہینے رہ گئے ابھی تک ایک بھی نہیں بنا، اتنے ہفتے رہ گئے ابھی تک ایک نہیں بنا خدا کیلئے دعا کریں۔ دعا اپنی جگہ ہے اس کا ایک الگ مضمون ہے، الگ دائرہ ہے۔ منصوبہ ایک الگ چیز ہے اگر آپ منصوبہ خدا کے رنگ میں رنگین ہو کر نہیں بنائیں گے تو وہ دعا جو خدا کے رنگ سے الگ دعا کی جاتی ہے اس میں بھی طاقت پیدا نہیں ہوگی۔ منصوبہ حقیقی بنائیں پھر اس کو دعاؤں سے طاقت دیں پھر دیکھیں کہ وہ منصوبہ کیسے کیسے رنگ دکھاتا ہے۔ ایک صاحب ہیں جن کے دو قسم کے کام ہیں ایک دنیوی کام ہے اس میں بھی وہ منصوبہ بناتے ہیں ایک تبلیغی منصوبہ ہے جو دنیوی منصوبہ ہے۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ میرا یہ منصوبہ ہے کہ یہ تجارت یہاں تک پہنچ جائے اور جو تبلیغی منصوبہ ہے وہ یہ ہے کہ میں سال میں ایک سو احمدی بناؤں گزشتہ سات آٹھ سال سے میرا یہ تجربہ ہے کہ ہر سال ان کا دنیوی منصوبہ کامیاب ہو جاتا ہے اور روحانی منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی نیت میں فتور ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ وہ اس طرف توجہ کم دیتے ہیں اور زیادہ سنجیدگی سے اپنے دنیوی منصوبے کی طرف متوجہ ہیں میں یہ بتانا چاہتا ہوں چونکہ ایک تجربہ کار تاجر ہیں وہ دنیوی منصوبہ بناتے وقت حقائق کو سامنے رکھتے ہیں اور جو ان کی صلاحیتیں ہیں انہی کے پیش نظر منصوبہ بناتے ہیں لیکن جب وہ اپنا روحانی منصوبہ بناتے ہیں تو اپنی صلاحیتوں کو جانچتے ہی نہیں۔ دیکھتے ہی نہیں کہ ان میں توفیق کتنی ہے کبھی کسی غیر سے بات کر کے دیکھی اس کا دل جیت کے دیکھا یا دکھایا اس پہلو سے اپنے نفس کا جائزہ لینے کے بعد اگر وہ منصوبہ بناتے تو حقیقی ہوتا۔

پس کوئی بچہ ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت جیسا کہ میں نے گزارش کی ہے جب بھی اپنے گھر میں بیٹھ کر منصوبہ بنائے تو اس کو اپنی حیثیت کا، اپنی توفیق کا، اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لینا ہوگا اور اس کے مطابق منصوبہ بنانا ہوگا اور ایسا منصوبہ بنانے میں کوئی حرج نہیں کہ ایک انسان واقعۃً یہ سمجھے کہ میں ایک سال میں ایک احمدی نہیں بنا سکوں گا تو یہ کہے کہ میں اس سال کوشش شروع کروں گا۔ اور اس سال کے تجربہ کی روشنی میں مَیں سمجھتا ہوں کہ شاید آئندہ سال مجھے پھل لگ جائے اور ایک آدمی یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ تین سال میں مجھے پھل لگ جائے اور اس تجربہ میں اگر وہ ساتھ ساتھ دعائیں بھی کرے گا تو پہلے سال کا تجربہ، دوسرے سال کا تجربہ اور تیسرے سال کا تجربہ اس کو اس بات کی لیاقت

عطا کریں گے کہ وہ آئندہ بہتر اور صحیح منصوبہ بنا سکے۔ اب اس سلسلہ میں تمام جماعت کو براہ راست یہی ہدایت ہے کہ اپنا منصوبہ بناتے وقت خود غور کیا کریں۔ صلاحیتوں کو جانچا کریں، اپنے ماحول کو دیکھا کریں کہ کس زمین میں کام کررہے ہیں۔ پتھریلی ہے، سنگلاخ ہے یا زرخیز ہے۔ ان لوگوں کے احمدیت کے متعلق کیا تاثرات ہیں، دنیاداری میں وہ کہاں پہنچے ہوئے ہیں، ان کو دین کی ضرورت محسوس بھی ہوتی ہے کہ نہیں۔ یہ بہت سے ایسے امور ہیں جن کا تبلیغ کو پھل لگنے سے براہ راست تعلق ہے۔ افریقہ کے بعض ممالک ہیں جن میں دین کی طلب بھی ہے اور فطرتیں سعید ہیں چونکہ غربت ہے اس لئے دنیا داری کے تکبّر حائل نہیں ہیں، مادہ پرستی ان کے اور دین کی راہ میں حائل نہیں ہوئی اِن امور کے پیش نظر وہاں زمینیں زیادہ زرخیز ہیں اور بعض دنیا دار قومیں ہیں جو نہ صرف یہ کہ دنیاوی اموال اور سیاسی برتری کی وجہ سے باقی دنیا کو نیچا دیکھتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں وہ کسی اور کی احتیاج محسوس نہیں کرتیں، وہ قومیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہمیں کسی اور سے کچھ لینے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے ہم تو دنیا کو دینے والے ہیں، ہم سیاسی اقتصادی ہر لحاظ سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں۔ پس جتنی ان کی احتیاج کم ہوگی اتنا ہی وہ غیر کی بات کم سنیں گے ضرورت محسوس نہیں کریں گے لیکن اس کے علاوہ دنیا کی دولتیں ان کو دنیا کی لذتّوں میں اس طرح مگن کر دیتی ہیں کہ اگر غیر کی بات سنیں اور سمجھ بھی آجائے تو وہ لذتّیں چھوڑی نہیں جاتیں۔ اس معاشرے سے الگ نہیں ہوا جاتا جو معاشرہ ان کی زندگی کے رگ وپے میں پیوست ہو چکا ہے۔

پس یہاں انگلستان میں جو منصوبہ بنایا جائے یا جرمنی میں بنایا جائے وہ اور ہے افریقہ کا منصوبہ اور ہے جاپان کا منصوبہ اور ہے۔ ملکی حالات کو بھی دیکھنا ہوگا صرف اپنے نفس کا جائزہ نہیں لینا ہوگا پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ میں کتنا وقت دے سکتا ہوں اور کس کو میں نے بلانا ہے اور جس کو بلانا چاہتا ہوں اُس کے لئے میرے پاس بلانے کی صلاحیت بھی ہے کہ نہیں، علم بھی ہے کہ نہیں چنانچہ اس پہلو سے ہر شخص اپنے گردوپیش پر نظر دوڑائے اور معلوم کرے کہ کون اس کا امکانی ٹارگٹ ہوسکتا ہے۔ ٹارگٹ سے مراد ہے نشانہ لیکن یہ نشانہ دوسری اصطلاح کا نشانہ ہے دنیوی اصطلاح کا نہیں۔ اس مضمون کو سردست یہاں چھوڑتے ہوئے اب میں نشانے کی بات شروع کرتا ہوں اور پھر دوبارہ اس مضمون کی طرف واپس آؤں گا۔

ہم ایک روحانی جہاد کر رہے ہیں اور اس کا نام دعوت اِلی اللہ ہے۔ روحانی جہاد اور مذہبی مادی جہاد ان دو چیزوں میں فرق ہے۔ دونوں مذہبی جہاد ہیں لیکن مذہبی مادی جہاد سے میری مراد یہ ہے کہ یہاں مادی ہتھیار استعمال کرنے پڑتے ہیں توپ وتفنگ، تلوار، بندوقیں، جو کچھ بھی ہتھیار کسی کو میسّر ہوں ان کے ذریعہ لڑا جاتا ہے۔ دونوں جہاد ہیں لیکن ان دونوں جہاد کے مقاصد اوّل اوّل ایک دوسرے سے بالکل مختلف دکھائی دے رہے ہیں ایک جہاد کا مقصد زندہ کرنا ہے اور ایک جہاد کا مقصد مارنا ہے۔ جو تلوار کا جہاد ہے اس کے نتیجہ میں موت وارد کی جاتی ہے، سر اڑائے جاتے ہیں گردنیں کاٹی جاتی ہیں نیزوں کی اَنی میں لوگوں کو پرویا جاتا ہے اور یہ بھی جہاد ہے اس کا اول مقصد مارنا ہے لیکن اعلیٰ مقصد زندہ کرنا ہی ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن جو پہلا ظاہری مقصد دکھائی دیتا ہے وہ مارنا ہے جو زیادہ مارے گا وہی زیادہ کامیاب مجاہد ہوگا۔ حضرت علیؓ کے قصے جو آپ سنتے ہیں کہ اس طرح انہوں نے دشمن قتل کئے وہاں قتل ایک قابل فخر چیز دکھائی دے رہی ہے کیونکہ خدا کی خاطر خدا کے نام پر مظلوموں نے تلوار اٹھائی اور دشمن کو مارا لیکن روحانی جہاد جو ہم کر رہے ہیں اس کا اول مضمون بالکل مختلف ہے اور وہ ہے زندہ کرنا مردوں کو زندگی عطا کرنا اور یہ وہ جہاد ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے فنِ جہاد سیکھا اور یہ عرض کیا۔ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (البقرہ: ۲۶۱) اے اللہ! مجھے دنیا کو زندہ کرنے کا عظیم مشن تو سپرد فرما دیا، مجھے یہ بھی تو بتا کہ میں کیسے زندہ کروں گا۔ تُو کیسے زندہ کرتا ہے؟ زندگی پیدا کرنے کے اپنے اسلوب بتا دے میں وہی سیکھوں گا میں تجھ سے ہی ہر چیز سیکھتا ہوں۔ پس دیکھیں خدا تعالیٰ سے تبلیغ کے گُر سیکھنے کا کیسا عمدہ طریق ہے رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۔ اے میرے خدا! تو مجھے دِکھا کہ مردوں کو تو کیسے زندہ کرتا ہے چنانچہ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے آپ کو جو مضمون سکھایا وہ بارہا میں بیان کر چکا ہوں فرمایا چار پرندے پکڑ لے اور ان کو کیا کر؟ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ (البقرہ: ۲۶۲)، فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے سے مانوس کر لے، ان کا دل اپنے ساتھ لگا لے وہ تجھ سے پیار کرنے لگیں۔ پھر ان کو چار مختلف سمتوں میں چھوڑ دے اور جب تو ان کو بلائے گا وہ اڑتے ہوئے لپکتے ہوئے تیری طرف آئیں گے۔ اس مضمون میں دعوت الی اللہ کے گُر سکھائے گئے۔ یہ بتایا گیا کہ مردوں کو کیسا زندہ کیا جاتا ہے۔ پہلے روحانی مردوں کے ساتھ ذاتی تعلق قائم کرنا پڑتا ہے اور

ان کا اپنے ساتھ تعلق قائم کرنا پڑتا ہے اس کے بغیر کوئی بات نہیں سنے گا۔

پس وہ قومیں جو متکبر قومیں ہیں ان میں بھی جب آپ منصوبہ بنائیں تو منصوبہ بناتے وقت پہلے اپنی صلاحیت کا بھی جائزہ لیں کہ آپ میں کسی کو اپنے ساتھ لگانے کی کتنی توفیق ہے۔اس کے مختلف طریق ہیں جن کے متعلق میں ذکر کرتا ہوں لیکن پہلے میں اس مضمون کو ختم کرلوں ۔فرمایا: چار سمتوں میں ان کو پھیلا دے اس میں ایک بہت بڑا انکشاف یہ فرمایا گیا کہ کسی ایک سمت میں تبلیغ نہیں کرنی خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے۔ ہر طرف سے زندگیوں کو کھینچتا ہے اور مُردوں کو زندہ کرتا ہے انسان نہ عالم الغیب ہے نہ قادرِ مطلق ہے اسے اپنی کوششوں کو ہر سمت پھیلانا چاہئے اگر انگلستان میں بھی بیٹھا ہوا ہے تو صرف انگریزوں کو تبلیغ نہ کرے، یہاں دوسری قومیں بھی آباد ہیں مشرق کی بھی مغرب کی بھی ،شمال کی بھی اور جنوب کی بھی چنانچہ چاروں سمت کے پرندوں کو پکڑنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں بھی وہ تبلیغ کے لئے جاتا ہے وہاں ضروری نہیں کہ ہر رنگ اور نسل کے آدمی اس کو میسر ہوں لیکن ہر مزاج کے آدمی میسر ہوتے ہیں اور مزاج کے اعتبار سے بھی کوئی شمال سے تعلق رکھتا ہے، کوئی جنوب سے' کوئی مشرق سے' کوئی مغرب سے' ہر مزاج کے انسان ہر قوم میں میسر آتے ہیں تو دوسری نصیحت گویا یہ ہوئی کہ ہر مزاج کے آدمی کو ڈھونڈ و اور تم نہیں جانتے کہ کس مزاج سے کیا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایسے پتھر بھی تو ہیں جن سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں پس پتھر کو بھی ابتداءً ردّ نہ کرو اس پر زور لگاؤ کوشش کرو اور جب تم دعا کر کے ساتھ مناسب کوشش کرو گے تو بعید نہیں کہ پتھر سے بھی رحمت کے چشمے پھوٹ پڑیں۔تو چاروں طرف تبلیغ کرنا، ہر قسم کے مزاج کے آدمی کی تلاش رکھنا ان پر کوشش کرنا اور پھر ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لینا یہ تبلیغ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

یہاں ایک اور امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ وہ لوگ جو مانوس نہیں ہوتے ان سے مسلسل سر ٹکرانا اس منصوبے کے خلاف ہے جو خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو سکھایا۔بعض لوگ اس خیال سے کہ پتھر سے بھی تو چشمے پھوٹتے ہیں بعض ایسے آدمیوں پر اپنا وقت ضائع کرتے چلے جاتے ہیں جن کے دل کی سختی ان کے پیار اور محبت سے نرم نہیں پڑتی، ان کو ان سے کوئی لگاؤ پیدا نہیں ہوتا اور تبلیغ کے نتیجہ میں قریب آنے کی بجائے بسا اوقات ان کے دل میں نفرتیں پیدا ہوتی ہیں یا

نفرتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں اور یہ تجربہ بھی بسا اوقات میرے سامنے احمدیوں نے بیان کیا ہے کہ بعض دوست دیکھنے میں بہت اچھے، بہت شریف النفس بڑا تعلق رکھنے والے تھے لیکن جب ان کو تبلیغ شروع کی گئی تو اندر سے ایسی نفرتوں کے لاوے اُبلے ہیں کہ ہم حیران رہ گئے کہ یہ شخص ان نفرتوں کو اندر پال رہا تھا اور ظاہری طور پر ہم سے اچھے تعلقات رکھتا تھا تو تبلیغ کے نتیجہ میں یہ معلوم ہوگا کہ پتھر کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ وہ پتھر ہے جس کا ذکر وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ:۲۵) میں ہے کہ یہ جہنم کے وہ ایندھن ہیں جس میں انسان بھی ہے اور خاص طور پر پتھر دل انسان ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ پتھر کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد پھر اس پر وقت ضائع کرنا اس منصوبے کی روح کے منافی ہے۔ جو پرندہ مانوس نہ ہو اس پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ باز کو آپ مانوس کر لیتے ہیں لیکن مُمولے کو آپ مانوس نہیں کر سکتے اور جتنے بھی لوگ پرندے پالتے ہیں ان میں مَیں نے آج تک مملوے کو پالتے کسی کو نہیں دیکھا لیکن باز پل جاتے ہیں تو مراد یہ ہے کہ ہر طرف کوشش کرو تمہیں علم نہیں کہ کون تم سے مانوس ہوگا۔ کہیں پتھر دل بھی موم ہو جائیں گے کہیں موم سخت ہو جائے گی اور پتھر میں تبدیلی ہو جائے گی اس لئے چاروں طرف ہاتھ مارو لیکن جلد جائزہ لو کہ کون اس لائق ہے کہ اس پر تمہارا وقت صرف ہو اور تمہاری توجہ اس پر نتیجہ خیز ثابت ہو۔

اس پہلو سے جائزہ لینے کے بعد پھر آپ اپنے ذاتی منصوبے کی طرف لوٹیں اور دیکھیں کہ آپ میں کتنی توفیق ہے اور یہ منصوبہ فوراً نہیں بن سکتا اس لئے یہ طریق ہی غلط ہے کہ فارم تقسیم ہو گئے اور ہر ایک نے کہا جی! میں ایک بناؤں گا ایک کی حد تک تو چلیں کسی حد تک قبول ہو جائے۔ ابتدائی تجربے کے لئے کوئی نمبر لکھنا ہے لکھ لیں لیکن اگر یہ ایک' ایک سال کے اندر پورا نہ ہو تو پھر لازم ہے کہ سارے منصوبے پر نظر ثانی کی جائے۔ اس پہلو سے کام نہیں ہوتا جو چیز میرے دل میں فکر پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ منتظمین جب منصوبوں کو اعداد و شمار میں ڈھالتے ہیں تو اس کے بعد کاغذ سمجھ کر اس سے غافل ہو جاتے ہیں وہ کاغذ کسی نہ کسی تہہ میں چلا جاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں جس نے وعدہ کیا تھا اب اس کا کام ہے اور ہمارا یہ کام ہی نہیں کہ ہم جائزہ لیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ کتنی اس نے دلچسپی لی اور اس کی حقیقی صلاحیت کیا تھی لیکن اگر مقامی یا ملکی نظام باشعور ہو اور باہوش ہو تو وہ وقتاً فوقتاً ان افراد سے رابطہ رکھے گا اور معلوم کرے گا کہ انہوں نے اس ضمن میں کتنے آگے بڑھائے، کن لوگوں میں کوشش کی اور

اگر اس کے منصوبے کو پھل لگنے کے کوئی آثار ظاہر نہ ہوں تو پھر بھی ضروری نہیں کہ اس کو رد کیا جائے اگر کوششیں ہو رہی ہیں تو بعض دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک سال کی بجائے جیسا کہ بعض درخت دو تین سال، چار پانچ سال، چھ سال بعد پھل دیتے ہیں ایک انسان کی کوششیں اثر کر رہی ہوتی ہیں اور پھل کچھ دیر کے بعد لگتا ہے لیکن پھل کے آثار ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ پس انتظامیہ کا کام ہے کہ آثار کا جائزہ لے اور ہر فرد کا بھی کام ہے جب خدا تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے تو اس کے لئے کوشش تو کرے۔ جس نے سو کا وعدہ کیا ہے اس کو کم از کم ہزار پر کام کرنا چاہئے اور ہزار پر بیک وقت کام تو کر نہیں سکتا اسے ہر روز تبلیغ کرنی ہوگی اور دن رات کرنی ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سو غیر حقیقی ہے بعض علاقوں میں ہزار بھی حقیقی ہو جاتا ہے جیسا کہ افریقہ کے بعض علاقوں میں ہے ایک شخص نے مجھ سے پانچ سو کا وعدہ کیا تھا لیکن خدا کے فضل سے اس سال چالیس ہزار احمدی ہوئے۔ تو منصوبوں کا تعلق اپنی ذات سے بھی ہے، اپنے ماحول سے بھی ہے، نیک نیتوں سے بھی ہے، پاک ارادوں سے ہے، نیک اعمال سے ہے ان خداداد صلاحیتوں سے ہے کہ جن کے نتیجہ میں بعضوں کی باتیں اثر دکھاتی ہیں بعضوں کی باتیں کوئی اثر نہیں دکھاتیں۔

پس اس پہلو سے جب آپ ماحول کا جائزہ لیں گے تو ساتھ ساتھ اپنا جائزہ بھی لیتے چلے جائیں گے اور آپ یہ محسوس کریں گے کہ کچھ لوگ آپ کے قریب آرہے ہیں اور ان میں نرمی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ نرمی کے آثار یہ فیصلہ کرنے میں مدد کریں گے کہ آپ کا منصوبہ حقیقی تھا یا غیر حقیقی تھا ایک سال میں ایک نہیں بنا تین سال میں پانچ بن گئے تو ایک ہی بات ہے بعض دفعہ دو دو تین تین سال انتظار کے بعد پھر اچانک پھل لگ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت پھل لگتے ہیں پس میں سو کے خلاف نہیں کہہ رہا کہ منصوبے میں سو کا عدد نہ آئے یا ہزار کا عدد نہ آئے۔ میں یہ سمجھا رہا ہوں کہ حقیقی ہو اور جب آپ فیصلہ کریں تو آپ کی تمام قوتیں اس فیصلے کی تائید میں اٹھ کھڑی ہوں اور آپ کا خلوص بتائے کہ آپ نے سچائی سے اور دیانتداری سے منصوبہ بنایا تھا منشی عبداللہ صاحب آف سیالکوٹ یا مولوی عبداللہ صاحب سیالکوٹی کا پہلے بھی کئی دفعہ میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دفعہ تحریک فرمائی کہ ہر شخص سال میں کم از کم ایک احمدی ضرور بنائے اور منشی عبداللہ صاحب یا غالباً مولوی عبداللہ صاحب جو بڑے مخلص صحابی تھے بزرگ تھے انہوں

نے وعدہ کیا کہ میں سو بناؤں گا۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھے کہ شوق اور جوش میں انہوں نے یہ وعدہ کرلیا ہے تو ٹھیک ہے لیکن ان سے سو کہاں بننے ہیں۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بیان فرماتے ہیں لیکن اس کے بعد ہر سال یہ دستور قائم ہو گیا جب بھی جلسہ سالانہ پر بیعتوں کا دن آتا تھا تو مولوی عبداللہ صاحب اپنی سو بیعتیں الگ رکھتے تھے۔فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے یہ دلچسپ نظارہ دیکھا کہ مَیں اس میدان کی طرف جہاں دوستوں کو بیعتوں کے لئے اکٹھا کیا گیا تھا جارہا تھا تو مولوی عبداللہ صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف جھپٹے کہ یہ میرا آدمی تم نے یہاں سے نہیں اٹھانا۔اُس نے بازو پکڑ کر اس کو کہا ہو گا یہاں نہیں بیٹھنا وہاں بیٹھو جس طرح عقاب شکار پر جھپٹتا ہے اس طرح جھپٹے کہ خبردار جو میرے آدمی کو یہاں سے اٹھایا میں حضرت خلیفۃ المسیح ؓ کو سو پورے کرادوں پھر جہاں مرضی لے جاؤ۔اُس سے پہلے میں نے ہاتھ نہیں لگانے دینا اور وہ جب تک زندہ رہے سو پورے کرتے رہے تو سو پورا کرنا ناممکن نہیں ہے۔ان کا منصوبہ حقیقی تھا، فرضی نہیں تھا اور دعائیں بھی ساتھ شامل تھیں حقیقی اس لئے تھا کہ وہ ایک وقت میں تو ہزار پر کام نہیں کرسکتے تھے لیکن ایک سال میں کئی ہزار پر کام کرتے تھے، روزانہ تبلیغ کے لئے نکلتے تھے اور صبح کے وقت کسی کو پکڑا، دوپہر کے وقت کسی کو پکڑا، شام کے وقت کسی کو پکڑا، اپنے وقت کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ دن میں چار پانچ آدمیوں سے ضرور رابطہ ہوتا تھا۔خدا تعالیٰ نے فراست عطا فرمائی تھی، خدا تعالیٰ نے دل موہنے والی طبیعت عطا فرمائی تھی، دعاؤں کی عادت تھی اس لئے مہینے میں وقتاً فوقتاً کئی دفعہ ان کی کھیتی پھل دیتی تھی۔پس اس قسم کا منصوبہ ہو جو حقیقی بھی ہو اور اگر وقتی طور پر حقیقی نہ بھی دکھائی دے تو اتنا مخلصانہ ہو کہ آپ کی تمام صلاحیتیں اس کی تائید میں جاگ پڑیں، اٹھ کھڑی ہوں اور اس کی تائید میں دن رات لگ جائیں اور خدا سے یہ عہد کریں کہ میں نے فرضی منصوبہ نہیں بنانا۔میں نے اپنی اندرونی صلاحیتوں کا اندازہ لگا کر زیادہ سے زیادہ منصوبہ بنالیا ہے۔اب تو میری مدد فرما اور دن رات اگر محنت بھی کرے گا اور دعائیں بھی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کرے گا۔پھر منصوبہ کے ساتھ اس کے تفصیلی عوامل کو دیکھنا چاہئے جو تبلیغ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ہر ملک کے عوامل مختلف ہیں۔بعض باتیں ایسی ہیں جن سے وقتی طور پر تبلیغ میں مدد ملتی ہے لیکن بالآخر وہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں ان سے پرہیز ضروری ہے۔بعض باتیں بظاہر وقتی طور پر فائدہ نہیں دیتیں لیکن بالآخر فائدہ دیتی ہیں ان کو اختیار کرنا ضروری

ہے۔ پس تبلیغی منصوبہ کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ ایک دم بیٹھے ہوئے منصوبہ بن جائے ۔ جو بھی منصوبہ بنائے گا وہ ابتداء میں اپنی توفیق کے مطابق جو بھی بنتا ہے بنائے لیکن جو باتیں مَیں سمجھا رہا ہوں ان کو پیش نظر ضرور رکھے ورنہ اس کو نقصان ہو گا۔

اب حضرت نوحؑ نے جب تبلیغ شروع کی تو جتنے طریق ممکن تھے ان سب طریق کو اختیار کیا اور ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ مَیں تمہیں یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزائن ہیں ۔ یہ کیوں کہا گیا ؟ اس لئے کہ بہت سے لوگ دنیا کے لالچ میں دین کو قبول کر لیا کرتے ہیں اور کئی احمدی بھی اپنی نادانی میں ایسے وعدے کر دیتے ہیں جن کے نتیجہ میں لوگوں کے دل میں بڑی طلب بیدار ہو جاتی ہے کسی نئی جگہ گئے وہاں کہا جی ! دیکھو احمدی ہو گے تو یہ فائدہ ہو گا ، ہم تمہیں ہسپتال بنا کر دیں گے ہم کالج بنا کر دیں گے یہ خرچ ہو گا ،غریبوں کے لئے یہ یہ کام کریں گے ، انڈسٹری قائم کریں گے ، یہ وعدے وہ اپنے طور پر کرنے شروع کر دیتے ہیں اور غالباً چونکہ انہوں نے یہ سوونیئرز دیکھے ہیں کہ افریقہ میں کیا ہو رہا ہے اور فلاں ملک میں کیا ہو رہا ہے ۔ اس کی وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم یہ باتیں کریں گے تو لوگ جلدی ہماری طرف مائل ہوں گے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ہسپتالوں کی طرف مائل ہوتے ہیں ،سکولوں کی طرف ہوتے ہیں ، اقتصادی فوائد کی طرف ہوتے ہیں یا خدا کی طرف نہیں ہوتے ہیں ۔

پس آپ وہ آیات پڑھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ حضرت نوحؑ نے کس طرح کھول کھول کر بتا دیا ہے اور جہاں فائدہ کی لالچ دی ہے ۔ وہاں اس رنگ میں دی ہے کہ اس کا انسان کی ذات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ۔ فرمایا اگر تم سچائی کو قبول کر لو گے تو خدا آسمان سے ایسی بارشیں برسائے گا جو تمہارے لئے مفید ہوں گی اور تمہاری اقتصادی حالت میں ایک حیرت انگیز تبدیلی کر دیں گی ۔ زمین پہلے سے بڑھ کر اگائے گی اور تمہیں بہت ہی زیادہ اقتصادی فوائد حاصل ہوں گے ۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہیں دوں گا یا ہماری جماعتی کوششوں سے تمہاری اقتصادی حالت بہتر ہو گی ۔

پس ہم جب خدمت کی باتیں کرتے ہیں تو تبلیغ کی غرض سے لوگوں کے دل جیتنے کے لئے ان کو لالچ نہیں دے رہے ہوتے ۔ یہ جماعت کا مزاج ہے کہ اس نے خدمت کرنی ہے اور اس مزاج کو دنیا میں روشناس کرایا جاتا ہے لیکن براہ راست وعدہ دے کر کہ ہم تمہارے لئے یہ کریں گے تم

ہماری طرف آجاؤ۔ یہ تبلیغ کا طریق اختیار کرنا گمراہی ہے اس کا قرآن کریم کے بیان کردہ طریق سے کوئی تعلق نہیں ۔ ہاں جو ایمان لے آتے ہیں ان کی تالیف کا مضمون الگ ہے اور ان کی تالیف کا مضمون قرآن کریم میں کھلا کھلا بیان ہوا ہے۔

پس تبلیغ کرتے وقت جب آپ تبشیر سے کام لیں گے تو یاد رکھیں کہ یہ تبشیر خدا کے حوالے سے ہونی چاہئے اور گزشتہ زمانوں کی قوتوں کی تاریخ کے حوالے سے ہونی چاہئے نہ کہ اپنی طرف سے ایسے وعدے کئے جائیں کہ جن کے نتیجہ میں ان میں حرص و ہوا بیدار ہو اور دنیا کی لالچ کے نتیجہ میں وہ دین کو قبول کرنے والے ہوں ۔ پس تبلیغی منصوبے میں بہت ہی باریک باتیں پیشِ نظر رکھنی پڑتی ہیں ۔ احتیاطیں پیشِ نظر رکھنی پڑتی ہیں لیکن سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اگر آپ تقویٰ پر قائم رہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کا تبلیغی منصوبہ غلط نہیں ہوسکتا۔ تقویٰ ایک عظیم مضمون ہے جو زندگی کے ہر دائرے پر حاوی ہے اور اس کے نتیجہ میں آپ کے منصوبے کی اس وقت بھی اصلاح ہو رہی ہوتی ہے جب آپ بنا رہے ہوتے ہیں اور اس وقت بھی اصلاح ہو رہی ہوتی ہے۔ جب اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور تقویٰ آپ کو صاف صاف روشنی دیتا ہے ۔ ابتداء کی روشنی نہیں ہے نہ یہ انتہا کی روشنی ہے یہ ایسی روشنی ہے جو ساتھ ساتھ چلتی ہے جیسے اندھیرے میں کوئی روشن ٹارچ لے کر سفر کر رہا ہو۔

پس تقویٰ کو پیش نظر رکھ کر اگر آپ تبلیغی منصوبہ بنائیں گے تو آپ کے اندر بہت ہی حیرت انگیز نفسیاتی تبدیلیاں پیدا ہوں گی سب سے پہلے آپ اپنی نیت کو پرکھیں گے کہ آپ کیوں تبلیغ کر رہے ہیں ۔ کیا محض للہ ہے یا تعداد بڑھانے کے لئے ہے یا اپنے نفس کے دکھاوے کے لئے ہے ۔ کئی قسم کی نیتیں نیکیوں میں داخل ہو جایا کرتی ہیں اور ان کو گندا کر دیتی ہیں ۔ پس تقویٰ کے ساتھ پہلے نیتوں کو کھنگالنا اور ان کو صاف کرنا بے انتہا ضروری ہے ورنہ اگر آپ تعداد بڑھانے کے لئے تبلیغ کریں گے تو یہ ایک قسم Territorial Movement بن جائے گی یعنی جس طرح دنیا کے بادشاہ تلوار کے ذریعے علاقے فتح کرتے ہیں اس طرح نظریات کے حامل لوگ نظریات کے ذریعہ انسانوں کے ملک اپنے لئے بناتے ہیں اور انسان کو سرزمین کے طور پر دیکھتے اور ویسا ہی اس سے سلوک کرتے ہیں اور انسان کو سرزمین کے طور پر شمار کرنا تقویٰ کے بالکل منافی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کجی کی نشاندہی کرتا ہے اسی وجہ سے دنیا میں اکثر تباہیاں پیدا ہوئی ہیں ۔ انبیاءؑ کے رستے میں

سب سے بڑی روک یہی رجحان ہے۔ جب انبیاءؑ دعویٰ کرتے ہیں۔ ایک سچائی کی طرف بلاتے ہیں تو مدمقابل جتنی قوتیں ہیں وہ اپنے پیروکاروں کو اپنی سرزمین کے طور پر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری زمین، ہماری راج دھانی پر حملہ ہو گیا ہے اور ان میں سے ایک بھی ٹوٹ کر خدا کے بھیجے ہوئے کی طرف جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اتنی زمین ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اس طریق کار کو اسی اصطلاح میں بیان فرما کر اُن کو دکھا دیا کہ تم زمینوں کے طور پر دیکھتے ہو تو یاد رکھو کہ تمہاری زمینیں کم ہوں گی اور محمد مصطفی ﷺ کی زمینیں بڑھیں گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ روز بروز تمہاری زمین کو کم کرتا چلا جا رہا ہے۔ پس اگر زمینیں ہی ہیں تو تمہاری زمینیں تمہاری نہیں رہیں گی اور تمہارے ہاتھ سے نکلنے والی ہیں مگر یہ نہیں فرمایا کہ محمد مصطفی ﷺ اپنی زمین بڑھا رہے ہیں اس لئے کہ آپؐ ان کو اپنی زمین کے طور پر دیکھتے ہی نہیں تھے۔ آپؐ تو سچائی کو دیکھتے تھے خدا تعالیٰ کے قرب اور خدا تعالیٰ کی محبت کو دیکھتے تھے، آپؐ یہ چاہتے تھے کہ خدا کا قرب بڑھے، خدا کی محبت بڑھے، سچائی پھیلے، اخلاق اور اعمال میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوں جو انسانوں کو سرزمین بنا لیتے ہیں، ان کا اخلاق کی پاک تبدیلیوں سے کوئی علاقہ نہیں رہتا علاقے سے واسطہ تو ہوتا ہے اور خوبیوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

پس یہ ایک بہت ہی احتیاط کا مضمون ہے جس کا تبلیغی منصوبے سے گہرا تعلق ہے۔ اگر آپ نے اس کو صحیح نہیں سمجھا اور تعداد بڑھانے کی خاطر آپ نے تبلیغیں کیں تو آپ کی تبلیغ بھی بے برکت ہو جائے گی اور خطرہ ہے کہ جماعت کا رخ بدل جائے اور اس میں مولویانہ رنگ پیدا ہونا شروع ہو جائیں۔ اس وقت جماعت کا سب سے بڑا مسئلہ مولویوں کا یہی ٹیڑھا رجحان ہے یا پادریوں کا یہ ٹیڑھا رجحان ہے یا پنڈتوں کا یہ ٹیڑھا رجحان ہے انہوں نے خدا کی مخلوق کو اپنی سرزمین بنا رکھا ہے اور یہ دیکھتے ہیں کہ یہ زمین کم نہ ہو جائے اور خدا کی سرزمین کم ہوتی ہے تو بداخلاقی کی وجہ سے کم ہو رہی ہوتی ہے۔ پس جس زمین کے وہ مالک ہیں اُس کے اخلاق کی ان کو کوئی پرواہ نہیں۔ وہ جتنے مرضی گرتے چلے جائیں خواہ انسان سے حیوان اور حیوان سے بدترین حیوان بن جائیں، نہ ملّاں کو فکر ہے نہ پنڈت کو فکر ہے، نہ پادری کو فکر ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میرے پیروکار اُتنے ہی رہیں یا بڑھ جائیں۔ اب پاکستان میں دیکھ لیجئے کیا ہو رہا ہے۔ کثرت کے ساتھ مولوی بظاہر اسلامی جہاد میں مصروف ہیں، ایک

دوسرے کے فرقے کے خلاف اسلامی جہاد میں مصروف ہیں، سیاستدان کے خلاف اسلامی جہاد میں مصروف ہیں، جماعت احمدیہ کے خلاف اسلامی جہاد میں مصروف ہیں اگر نہیں مصروف تو اسلامی تعلیم کے جہاد میں مصروف نہیں ہیں وہ۔ وہ اعلیٰ اخلاق جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے دنیا کو عطا کئے جن کے بغیر اسلام کا ڈھانچہ ہی نہیں بنتا وہ اخلاق نہ صرف یہ کہ پاکستان سے ناپید ہو رہے ہیں بلکہ اس تیزی سے ناپید ہو رہے ہیں جیسے زمینیں بنجر اور شور بن رہی ہوں ان کی طرف توجہ نہیں، زمین بڑھانے کی طرف توجہ ہے۔ پس وہ کیسے بدنصیب راہنما ہیں جن کی زمینیں تو بڑھیں لیکن بنجر، شور زمینیں بڑھیں، جن میں کچھ بھی نہ اُگ سکے، کوئی روئیدگی پیدا نہ ہو۔ ایسی بدبختی بدنصیبی حق کے دشمنوں کو تو زیب دیتی ہوگی حق داروں کو زیب نہیں دیتی، مومن کو زیب نہیں دیتی اس لئے اپنے اعلیٰ مقصد کے طور پر ہمیشہ خدا اور خدا والوں کا مضمون پیش نظر رکھا کریں۔

دعوت الی اللہ ہے دعوت الی الاحمدیہ نہیں ہے دعوت الی الاسلام بھی نہیں ہے۔ دعوت الی اللہ ہے اور اسی مضمون کا لقب خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا کہ تُو تو اللہ کی طرف بلانے والا ہے۔ پس جب اللہ کی طرف بلانے والا ہے تو ہمیشہ پیش نظر یہ ہو کہ خدا کی زمین بڑھے اور اللہ کی زمین ان اخلاق حسنہ کے پھیلانے سے بڑھتی ہے جو خدا والوں کے اخلاق ہوتے ہیں، سچائی کے پھیلانے سے بڑھتی ہے۔ پس آپ کا مقصد خالصۃً اللہ کی طرف دعوت دینا ہے اور یہی مقصد پیش نظر رہنا چاہئے۔ تعداد خود بخود اس کے اندر داخل ہوتی ہے۔ جب خدا والے خدا والوں کے اخلاق لے کر پھیلتے ہیں تو تعداد تو بڑھتی ہی بڑھتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صفت بغیر موصوف کے موجود ہو۔ ان دو چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جب خدا والی صفات بڑھیں گی تو وہ انسان بھی ہونے چاہئیں جو خدا والی صفات ساتھ لے کر بڑھتے ہیں۔

پس یہ دو باتیں یہاں ایک دوسرے کے ساتھ الجھ کر بظاہر ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتی ہیں لیکن نیت میں جو فرق ہے وہ بہت ہی ضروری ہے۔ جب آپ یہ نیت رکھیں گے کہ میں نے خدا والے لوگ پیدا کرنے ہیں تو آپ کی توجہ ہمیشہ صفات حسنہ کی طرف رہے گی، نیکیوں کی طرف رہے گی اور نیک لوگ جو صفات حسنہ لے کر پیدا ہوں گے ان کی ایک تعداد بھی ہوگی۔ پس تعداد سے نفرت پیش نظر نہیں ہے۔ خدا والوں کی تعداد جتنی بڑھے بہت ہی اچھا ہے اور بغیر تعداد بڑھے صرف

خدائی صفات تو بڑھ ہی نہیں سکتیں سوائے اس کے کہ اندرونی طور پر تربیت کے ذریعہ بڑھیں لیکن مَیں تربیت کا مضمون نہیں بلکہ مَیں دعوت الی اللہ کا مضمون بیان کر رہا ہوں اس میں جو تربیت کا پہلو ہے وہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ جس کو آپ مسلمان بنائیں جس کو احمدیت کی طرف بلائیں اس نیت سے بلائیں کہ اس کے اندر پاک تبدیلی پیدا ہو وہ پہلے سے بہتر انسان بنے اور اس کے لئے پھر کوشش کرنی ہوگی۔

پس وہ دعوت الی اللہ کرنے والے جو دلائل کے ذریعہ مدّ مقابل کو مغلوب کر دیتے ہیں اور اگر اس کی جماعت میں یا اسلام میں بھرتی کرا بھی لیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ میرا مقصد پورا ہو گیا وہ دھوکے میں ہیں۔ ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کو لازماً دیکھنا ہوگا جس کو میں احمدی مسلمان بنانے میں کامیاب ہوا ہوں اس کے اندر پہلے کے مقابل پر کیا پاک تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں اور آئندہ پاک تبدیلیوں کے رجحان کو جاری رکھنے کے سلسلہ میں مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ پس ہر داعی الی اللہ کو اگر وہ خدا کی خاطر دعوت دیتا ہے دعوت میں کامیاب ہوتے ہی پھر اس کا مربی بننا ضرور ہوگا اس کے بغیر اس کی نیت کی صفائی اور پاکیزگی ثابت نہیں ہو سکتی۔ پس جو لوگ بنا بنا کر پھینکے جاتے ہیں ان کا تعداد بڑھنے کا رجحان ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو لوگ بنا کر پھر ان کی پرورش کرتے ہیں وہ خالصۃً اللہ کے لئے بناتے ہیں وہ سچے داعی الی اللہ ہیں۔ اب مائیں اگر بچے پیدا کر کے پھینکتی چلی جائیں تو ان کو کون سنبھالے گا ایک طرف سے وہ زندگی پا رہے ہوں گے دوسری طرف سے موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہوں گے۔ پس ہر داعی الی اللہ کو اس کا مربی بننا ہوگا جس کو وہ دعوت دیتا ہے اور اس پہلو سے اس کے وقت پر بہت بڑے تقاضے ہوں گے۔ صرف تبلیغ کا تقاضا نہیں بلکہ تربیت کا تقاضا بھی اس کے وقت پر قائم ہوگا۔

پس اس پہلو سے جب وہ منصوبہ بناتا ہے تو ان باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ وہ بزرگ صحابہؓ جنہوں نے سوسو بیعتیں کروائیں یا ہزار ہزار بیعتیں کروائی ہیں ان کے اندر نقش پیدا کرنے کی صلاحیتیں بہت تھیں اور یہ ایک فرضی بات نہیں ہے بلکہ میں ان صحابہؓ کو ان میں سے بہتوں کو ذاتی طور پر جانتا تھا اور ان کے بنائے ہوئے احمدیوں سے ان کی وفات کے بعد بھی بہت دیر تک ملتا رہا ہوں اور میں نے یہ بات مشاہدہ کی ہے کہ بعض داعین الی اللہ ایسے تھے جن کو پھل لگتا تھا لیکن پھل کے ساتھ وہ اپنی صلاحیت بھی اس پھل میں منتقل کیا کرتے تھے جیسے وہ روحانی وجود تھے ویسی روحانیت

بھی اس پھل کو عطا کیا کرتے تھے۔ جیسے ان کی ذات میں شیرینی پائی جاتی تھی ویسے وہ شیرینی اس پھل کو بھی عطا کر دیا کرتے تھے۔ یہ تو طاقت نہیں تھی کہ جس کو احمدی بنائیں ہر وقت اس کی تربیت میں لگیں رہیں لیکن میں نے اس مضمون پر غور کر کے جو اس کا حل معلوم کیا ہے وہ یہ تھا کہ وہ احمدی بنتے ہی اس وقت تھے جب ان کی نیکی کا اثر قبول کر چکے ہوتے تھے اور یہ صحیح احمدی بنانے کا اصل راز ہے۔ آپ کسی شخص میں اپنی نیکی کے اثرات، اپنی پاک صلاحیتوں کو سرایت کر دیں یہاں تک کہ نام کے لحاظ سے وہ جو چاہے رہے عملاً وہ آپ کے اندر جذب ہو رہا ہو اور آپ کی نیکیاں اختیار کر رہا ہو۔ ایسے شخص پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا تو صرف نام کا ہی فرق ہے میں تو بیچ میں سے آپ کا ہی ہوں اور بہت سے اچھے دعوت الی اللہ کرنے والے جب اپنے بنائے ہوئے احمدیوں کو لے کر آتے ہیں تو بسا اوقات میں یہ نظارہ دیکھتا ہوں کہ ایمان لانے سے پہلے ان کی تربیت ہو چکی ہوتی ہے اور دراصل تربیت ہے جو ان کو اس فیصلے کی طاقت بخشتی ہے کہ میں اب وہاں کا نہیں رہا یہاں کا ہو چکا ہوں۔

پس اس رنگ میں آپ کو تبلیغ کرنی ہوگی کہ تربیت کے تقاضے بھی ساتھ ساتھ پورے ہوں اور اگر وہ پورے نہیں ہوئے تو جس طرح مرغی کو اپنے چوزوں کو کچھ عرصے تک اپنے پروں میں رکھنا پڑتا ہے، جیسے ماں کو کچھ عرصہ تک اپنے نوزائیدہ بچوں کے اوپر اپنی رحمت کا سایہ دراز رکھنا پڑتا ہے، ان کی ساری ضرورتیں پوری کرنی پڑتی ہیں اس طرح آپ کو بھی نومبائعین کی کسی حد تک روحانی، بعض جسمانی ضرورتیں بھی پوری کرنی ہوں گی۔ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر منصوبہ بنائیں گے تو وہ حقیقی منصوبہ ہوگا لیکن اگر ان کو بھلا کر بنائیں گے تو آپ چاہے ہزار کہیں، چاہے دس ہزار کہیں فرضی اور غیر حقیقی باتیں ہیں۔ پس تجربے کے ساتھ ساتھ آپ کے منصوبے کی اصلیت ظاہر ہونی شروع ہوگی لیکن بنانا ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ نیت خالص ہو تو اللہ تعالیٰ اس نیت کو پھل لگاتا ہے اور طاقتوں کو بھی بڑھا دیتا ہے۔ پس وہ شخص جس کی نیت خالص ہو اور پاک ہو آغاز میں اگر اس کو کچھ پھل نہ بھی ملے لیکن وہ دعائیں کرتا رہے اور حکمت کے ساتھ کہ جیسا میں بیان کر رہا ہوں تفصیلی طور پر تمام تبلیغی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے آگے بڑھے گا تو اس سفر کے دوران اس کی اپنی اتنی تربیت ہوگی ایک سال، دو سال، تین سال کے اندر اندر خدا کے فضل سے وہ بہت ہی باثمر درخت بن جائے گا اور جب وہ باثمر درخت بن جائے تو پھر خدا کی حفاظت میں آجاتا ہے اور کوئی نہیں جو اس پر ہاتھ ڈال سکے۔ اس

کونئی جرأت عطا ہوتی ہے۔انبیاءؑ سے جو عصمت کا وعدہ ہے اس میں یہ عصمت بھی شامل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جو فرماتے ہیں۔

اے آنکہ، سوئے من بدویدی، بصد تبر
از باغباں بترس، کہ من شاخِ مُثمرم
(درثمین فارسی:۱۰۶)

تو یہی مضمون آپ نے بیان فرمایا ہے۔مَیں تو وہ شاخ ہوں جس کو پھل لگنے شروع ہو گئے کیسے ممکن ہے کہ باغباں تمہیں اجازت دے کہ تم مجھ پر بدنیتوں سے حملے کرو اور مجھے کاٹ کر خاک میں ملا دو۔مَیں پھل دار شاخ ہوں جس کو ثمر لگتے ہیں تو دعوت الی اللہ کرنے والا جب آگے بڑھتا ہے تو اس کو خدا تعالیٰ کی قربت کا احساس بھی پہلے سے بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے اور یہ روحانی جماعتوں کی تربیت کے لئے بہت ہی اہم بات ہے۔دعوت الی اللہ غیر کو اپنی طرف بلانے کا نام نہیں ہے بلکہ غیر کے ساتھ خود بھی خدا کی طرف حرکت کرنے کا نام اور جوں جوں آپ دعوت الی اللہ کے تقاضے پورے کرتے ہیں تو آپ کو روحانی تجربہ بتائے گا اور جس میں ایک ذرہ بھی شک باقی نہیں رہے گا کہ آپ خدا کو پہلے سے بڑھ کر اپنے قریب دیکھیں گے اور خدا کے قریب ہونے کا احساس ایک عجیب شان سے آپ پر جلوہ گر ہوگا اور وہ شان آپ میں عاجزی پیدا کرے گی۔ہاں متکبر دشمن کے مقابل پر آپ کو للکارنے کی یہ صلاحیت عطا ہوگی۔

اے آنکہ، سُوئے من بدویدی، بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخِ مثمرم

اس ضمن میں آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہؓ کے واقعات پڑھ کر دیکھیں حیاتِ قدسی مثلاً ایک کتاب ہے جس کو میں سمجھتا ہوں کہ جماعت میں عام کرنا چاہئے کیونکہ دعوت الی اللہ کے دور میں ایک کامیاب داعی الی اللہ جیسا کہ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ تھے ان کے حالات کا پڑھنا بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔اس میں آپ یہ راز پائیں گے کہ آپ کو قرب الٰہی کے جو غیر معمولی نشانات عطا ہوئے ان میں سے اکثر کا تعلق دعوت الی اللہ سے ہے اور دعوت الی اللہ کو چونکہ آپ نے حرزِ جان بنا لیا تھا۔آپ نے مقصود بنا لیا تھا کسی بیمار کے سہارے بیٹھ کر بھی دعائیں کرتے

تھے تو یہ دعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ ! مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا معاملہ ہے ان لوگوں پر میں تیرے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت روشن کرنی چاہتا ہوں اپنی صداقت ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ میری ولایت مانیں نہ مانیں مگر مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ان پر ثابت ہو جائے چونکہ نیت دعوت الی اللہ کی ہوتی تھی اس لئے مردے جی اُٹھتے تھے۔ خدا کے فضل سے ایسے بیمار شفایاب ہو جاتے تھے جن کے متعلق صحت کی امید بظاہر کوئی نہیں رہتی تھی اور اس کے علاوہ کثرت سے اور بھی معجزے آپؑ کی ذات سے ظاہر ہوئے لیکن ان پر آپ غور کر کے دیکھ لیں آپ کو ان معجزوں کی تہہ میں دعوتِ الی اللہ کی سچی روح دکھائی دے گی ۔ پس آپؑ کی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں دعوت الی اللہ زندہ نہیں ہوئی دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں آپؑ کی قوت قدسیہ زندہ ہوئی ہے۔ آپؑ نے دعوت کو زندہ نہیں کیا دعوت نے آپ کو زندہ کیا اور آپ میں سے ہر ایک کو دعوت الی اللہ زندہ کر سکتی ہے۔ ہر شخص اگر دعوت الی اللہ کے مضمون کو سمجھ کر اس کے حق ادا کرے گا تو ہر شخص ولی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دعوت غیروں کو ہی خدا کے قریب نہیں کرے گی بلکہ آپ کو خدا کے قریب تر کرتی چلی جائے گی اور جماعت میں کثرت کے ساتھ اولیاء اللہ پیدا ہوں گے ۔ جن کی خاطر خدا عظیم نشان دکھائے گا اور دنیا میں ہر جگہ وہ یہ نشان دکھا رہا ہے ۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے کثرت سے ایسی اطلاعات ملتی ہیں کوئی عام احمدی جس کو نہ زیادہ علم ہے نہ کبھی نیکوں میں شمار ہوا۔ سادہ سا عام آدمی ہے لیکن دعوت الی اللہ کی برکت سے وہ خدا کے قریب ہونے لگا اور اس کی باتوں میں اعجاز پیدا ہو گیا۔ اس کے دعاوی کو خدا تعالیٰ نے قبول فرمایا اور اس کی تائید میں آسمانی ہوائیں چلائیں۔

پس آپ دعوت الی اللہ کے لئے تیار ہوں اٹھ کھڑے ہوں، منصوبے حقیقی بنائیں، ان سے دعوت کے راز سیکھیں جنہوں نے کامیاب دعوت کی ہوئی ہے ۔ ابراہیمی صفات اختیار کریں جو خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھیں اور وہ راز سیکھیں جو خدا تعالیٰ نے آپؑ کو خود بتلائے تھے پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے کامیاب دعوت الی اللہ کرنے والے صحابہؓ کی زندگیوں پر نظر ڈالیں ان کا مطالعہ کریں اور جماعتوں کو چاہئے کہ ایسے واقعات کو کثرت کے ساتھ اپنے اخبارات میں شائع کریں یا چھوٹے چھوٹے مضامین کی صورت میں لوگوں تک پہنچائیں۔ آج جو دعوت الی اللہ کے تجربے ہو رہے ہیں ان کو کثرت کے ساتھ احبابِ جماعت کے سامنے لانا بھی تمام ملکوں کی

جماعتوں کا فرض ہے اپنے اپنے ملک کی سطح پر ایسا کریں اور جو غیر معمولی اثر کرنے والے واقعات ہیں آنکھیں کھولنے والے واقعات ہیں ان کو دوسرے ممالک میں بھی بھجوائیں، اُن کے رسالوں میں بھی شائع ہوں۔ ایک ماحول پیدا ہوگا، ایک فضا بنے گی ایک موسم ظاہر ہوگا اور یہ موسم دعوت الی اللہ کے پھلوں کا موسم بن جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اس رمضان المبارک کی دعاؤں میں خاص طور پر اپنے لئے دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب داعی الی اللہ بنائے اور دوسروں کو خدا کی طرف بلانے کی برکت سے آپ بھی بڑی قوت کے ساتھ خدا کی طرف کھینچے جائیں اور خدا کے ہو جائیں اور یہی سب سے بڑا پھل اور سب سے بڑی جزاء ہے جو دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں آپ کو عطا ہوگی۔ خدا تعالیٰ ہمیں اُس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

دعوت الی اللہ میں حکمت سے کام لیں۔
خدمت خلق اور دعوت الی اللہ کو الگ الگ رکھیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ مارچ ۱۹۹۲ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۷﴾ (الانفال: ۶۶-۶۷)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ میں نے آیات پڑھے بغیر جن آیات کا حوالہ دیا تھا اُن سے متعلق ایک سوال آیا ہے۔ کسی نے یہ توجہ دلائی ہے کہ ابتداء میں خود اللہ تعالیٰ نے نرمی فرماتے ہوئے نسبت کو ہلکا رکھ دیا اور ایک مومن کے مقابل پر دو کفار کی نسبت قائم فرمائی اور بعد ازاں اس نسبت کو بڑھا کر ایک اور دس کی نسبت بنا دیا لیکن قرآن کریم میں پہلے ایک اور دس کی نسبت کا ذکر آتا ہے اور بعد میں ایک اور دو کی

نسبت کا۔ چنانچہ ان آیات کی تلاوت میں نے اسی غرض سے کی ہے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اگر چہ پہلے ایک اور دس کی نسبت کا ہی ذکر ہے لیکن ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ بعد کی بات ہے۔

پہلے بیان کرنے میں ایک حکمت ہے میں اسی کی طرف ابھی آپ کی توجہ دلاؤں گا۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی۔ مومنوں کو قتال کی تحریص دلا۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے سوایسے ہوں تو وہ ایک ہزار پر غالب آ جائیں گے۔ کن لوگوں پر؟ اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں، ناسمجھ لوگ ہیں۔ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ لیکن سر دست اللہ تعالیٰ تم سے رعایت کا سلوک فرماتا ہے۔ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا اور جانتا ہے کہ ابھی تم میں کچھ کمزوری ہے۔ پس اب یہ دستور ہے کہ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۔ اگر تم میں ایک سوصبر کرنے والے ہوئے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار صبر کرنے والے ہوئے تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ پس ان آیات کے ترجمہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابتداء میں کمزوری کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن جیسا کہ میں نے متوجہ کیا تھا اس سے مراد نعوذ باللہ ایمان یا صلاحیتوں کی کمزوری نہیں بلکہ پہلے ایک اور دس کی نسبت کا ذکر فرمانا یہ بات بتا رہا ہے کہ اس نسبت کا حقیقی اور سچا اطلاق حضرت محمد ﷺ اور آپ ؐ کے متبعین پر ہوتا ہے اور آپ ؐ کی برکت سے بعد میں جب اسلام میں مزید طاقتیں پیدا ہو جائیں گی، رعب بڑھ جائے گا، اقتصادی کمزوریاں دور ہو جائیں گی، ہتھیاروں کی کمزوریاں دور ہو جائیں گی تو وہ جو ہر محمد ﷺ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الاعراف: ۶۵) اور ان لوگوں میں جو آپ ؐ کے ساتھ ہیں پوری طرح چمکے گا اور ایک کو دس پر غلبہ نصیب ہونے کا دور بھی شروع ہو جائے گا۔

جہاں تک دلیل کا تعلق ہے یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم اس موقعہ پر یہ دلیل دیتا ہے کہ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۔ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ حقیقت میں اپنے پورے مقصد کا ادراک، اُس کی گہری سمجھ اور اس پر پورا یقین ہے جو غیر معمولی طاقت پیدا کرتا ہے اور جس شخص کو اپنے مقصد کا کوئی ادراک نہ ہو، سمجھ نہ ہو کہ میں کیوں یہ کام کر رہا ہوں، وہ طاقت ور ہوتے ہوئے بھی اندرونی طور پر کمزور ہو جاتا ہے۔ پس ایک بہت ہی عظیم الشان نفسیاتی حکمت کی طرف متوجہ فرمایا گیا

ہے۔فرمایا مومن اور صبر کرنے والا مومن وہ ہے جسے اپنے مقصد پر اتنا کامل یقین ہے اور اتنی گہرائی سے اس کو سمجھتا ہے کہ تکلیف اُٹھاتے ہوئے بھی وہ اُس صبر پر قائم رہتا ہے اور صبر کا مقصد کے فہم سے گہرا تعلق ہے۔ جب انسان پر تکلیف وارد ہوتی ہے تو اس وقت اس کا مقصد دوبارہ اُس کے سامنے آتا ہے یعنی ظاہری طور پر باشعور طور پر اُس کے سامنے اُبھرتا ہے اور دوبارہ وہ اپنے مقصد کو کھنگالتا ہے اور اس وقت وہ دیکھتا ہے کہ ہاں یہ مقصد اس لائق ہے بھی یا نہیں کہ میں اس کی خاطر جان دوں اور اس کی خاطر قربانیاں پیش کروں۔ یہ ایک ایسی نفسیاتی حقیقت ہے جس میں کوئی استثنیٰ نہیں۔ مذہبی قومیں ہوں یا غیر مذہبی قومیں ہوں ان کی تاریخ میں ہمیشہ ایسے صبر آزما وقت آتے ہیں جن میں مقصد پر یقین سب سے نمایاں کردار ادا کرتا ہے اور اگر اس موقع پر انسان اپنے ذہن میں یا سپاہی اپنے ذہن میں مقصد کو کھنگال کر سمجھیں کہ یہ تو بے مقصد لڑائی ہے، بے فائدہ لڑائی ہے تو وہ اپنے ہتھیار پھینک دیتے ہیں، دل چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ عظیم ثانی میں خصوصیت سے جرمن قوم نے اس حربے کو اپنے مدمقابل پر استعمال کیا اور پروپیگنڈا کے ذریعہ جسے وہ Fifth Column کہتے تھے، مقصد سے تعلق کاٹنے کی کوشش کی جاتی تھی اور مقصد کو اجنبی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی اور مقصد کو باطل اور بے معنی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں کثرت سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا تھا کہ تم کن کی خاطر لڑ رہے ہو وہ لوگ جنہوں نے تمہیں اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ کس قوم کی خاطر؟ کیا اپنی غلامی کو ہمیشگی بخشنے کے لئے تم یہ قربانیاں دے رہے ہو۔ اس قسم کی باتیں قہوہ خانوں میں ہر جگہ ہوا کرتی تھیں۔

تو دیکھیں قرآن کریم نے کیسی عمدہ بات بیان فرمائی ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی مدد کا تعلق ہے وہ مضمون دوسری جگہ بیان فرمایا لیکن جہاں ایک ایسا دعویٰ کیا ہے جو حسابی دعویٰ ہے اور اس حسابی دعویٰ کے لئے کوئی قطعی منطقی دلیل ہونی چاہئے تھی اور وہ دلیل یہ بیان فرمائی کہ تم اپنے اعلیٰ مقصد کو سمجھتے ہو اس کے نتیجہ میں تمہیں صبر عطا ہوتا ہے اور یہ لوگ بے مقصد لڑائی کر رہے ہیں اور جب مشکل دور میں سے گزرتے ہیں تو اُس وقت اپنے مقصد کا کھوکھلا پن ان پر ظاہر ہونے لگتا ہے اور ان میں صبر کی طاقت نہیں رہتی۔ چنانچہ آپ ابتدائی اسلامی جنگوں پہ نظر ڈال کر دیکھیں تو ہمیشہ آپ کو یہ دو باتیں نمایاں طور پر کارفرما دکھائی دیں گی، مسلمانوں کو صبر عطا ہوا ہے اور دشمنوں کو بے صبری اور بہت تھوڑی

آزمائش سے گزر کر وہ اپنے مقصد سے تعلق توڑ بیٹھتے تھے اور اسی لئے بعد میں تیزی کے ساتھ مسلمان ہونے لگتے ہیں۔ پس یہ مضمون ہے جس کو ہر داعی الی اللہ کو آج بھی اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے۔

جہاں تک تاریخ اسلام کے آغاز کے غزوات اور سریّہ وغیرہ کا تعلق ہے میں نے جائزہ لیا تو حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں جتنے بھی غزوات پیش آئے یعنی ایسے جہاد جن میں آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور اسی طرح بہت سے سریہ بھی یعنی جن میں حضور اکرم ﷺ نے خود شرکت نہیں فرمائی لیکن وہ جہاد ہی تھا اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے تابع غیروں سے مقابلہ ہوا۔ اُن میں ایک اور تین سے نسبت نہیں بڑھی اس لئے ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم سے تخفیف کی جاتی ہے تو یہ سامان بھی فرما دیا کہ ایک اور دس کی نسبت کا سوال ہی نہ پیدا ہو۔

اگر اس آیت کے نزول کے بعد اور اس راز کو سمجھ لینے کے بعد اس وقت دشمن ایک کے مقابل پر دس کی تعداد میں حملہ آور ہوتا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو خدا کی طرف سے وہ ضمانت نہیں تھی لیکن حفاظت کے اور طریق اللہ تعالیٰ استعمال فرماتا ہے اور ان طریقوں میں سے ایک طریق یہ ہے کہ دشمن کو اس بات کی نہ عقل دی نہ توفیق دی کہ ایک مسلمان کے مقابل پر دس آجائیں یا سو کے مقابل پر ہزار نکل کھڑے ہوں۔ صرف ایک موقع ایسا ہے جس میں جنگ موتہ پر حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں لشکر رومیوں کے علاقہ کی طرف بھیجا گیا مسلمانوں کی تعداد ۳ ہزار تھی اور رومیوں کی تعداد ایک لاکھ تھی یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے بچانے کی یہ صورت پیدا فرما دی کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو یہ سمجھ دی کہ اس موقع پر دشمن سے ٹکرانا معقول بات نہیں ہے، دشمن کے نرغے سے بچ کر نکل آنا معقول بات ہے۔ چنانچہ بہت ہی حیرت انگیز صلاحیت کا استعمال کرتے ہوئے آپ نے دشمن کے اس گھیرے سے نکل کر مسلمان فوج کو بچا لیا اور یہ آپ کا بھاگنا نہیں تھا بلکہ الٰہی تقدیر کے تابع ایسا واقعہ ہوا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، اس وقت نسبت ایک اور دس کی نہیں رہی تھی بلکہ ۳ ہزار کے مقابل پر ایک لاکھ تھے تو نسبت بہت بڑھ چکی تھی۔

پس اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حساب پیش فرمایا آنحضرت ﷺ کے دور میں اسی حساب کا اطلاق ہوا ہے اور ایک دو سے کچھ تھوڑا سا جب بڑھا تو اس کے مقابل پر غیر معمولی امداد کی گئی جس کو فرشتوں کی امداد بیان فرمایا گیا اور حسب موقع دشمن کی تعداد کو ملحوظ رکھتے

ہوئے قرآن کریم بتاتا ہے کہ فرشتے نازل کئے گئے یہ فرشتے کیا تھے؟ اس کے متعلق دوسری جگہ خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا ہے کہ فرشتوں کا مضمون تمہارے دل کی تسلی کے لئے ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ رسد یعنی مدد اللہ ہی کی طرف سے آیا کرتی ہے۔ تم ان باتوں کی کنہہ کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے مستقل طور پر تمہیں فرشتوں کی تعداد بتائی گئی ہے مگر اصل مقصد مدد کرنا ہے اور خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کیسے مدد کی جاتی ہے چنانچہ وقتی طور پر رعب بڑھا کر اور دشمن سے غلطیاں کروا کر خدا تعالیٰ اس طرح مدد فرماتا ہے لیکن بالعموم جہاں تک مقابلے کے نتیجہ کا تعلق ہے وہاں ایک اور دو کی نسبت دکھائی دیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جتنے مقابلے ہوئے ہیں اُس دور میں اگر کل کفار مقتول کا شمار کریں اور مسلمان شہداء کا شمار کریں تو بالعموم یہی نسبت دکھائی دیتی ہے چنانچہ قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب **رحمة للعالمین** میں تمام اعداد و شمار اکٹھے کر کے یہ نکتہ پیش کیا لیکن اس میں انہوں نے بعد کے بھی بہت سے اعداد و شمار اکٹھے کئے اور کچھ زبردستی بھی کی ہے اس لئے مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب ''رسولِ رحمت'' میں اس کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حساب کو رد کیا ہے لیکن جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے مسلمانوں کو نتیجہ کے لحاظ سے بالعموم ایک اور دو کا یا ایک اور دو سے زیادہ کا غلبہ عطا ہوا ہے۔ پس امید رکھتا ہوں کہ جو وعدے اللہ تعالیٰ نے آغاز میں حضرت اقدس محمد ﷺ کے اولین ساتھیوں سے کئے تھے اور ان کی برکت سے تابعین کو غیر معمولی جو رعب اور غیر معمولی غلبے عطا ہوئے اس دوسرے دور میں یعنی آخرین کے دور میں بھی اللہ تعالیٰ دعوت الی اللہ کرنے والوں سے ایسا ہی سلوک فرمائے گا اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور آپؑ کے صحابہؓ کو غیر پر جو غلبہ عطا ہوا اس میں وقت کے گزرنے سے کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اب اس دور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے آثار نمایاں طور پر نظر آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اپنے فضل کے ساتھ جماعت کو وہاں ایک اور دس کی نسبت سے بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ نسبت کے ساتھ کامیابیاں عطا فرمارہا ہے۔

اس میں ایک اور مضمون یہ پیش نظر ہے اور رکھنا چاہئے کہ اس سے مراد محض ظاہری قتال نہیں ہے بلکہ ہر قسم کا مقابلہ اس میں شامل ہے اور یہ ایک عمومی دستور بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ قومیں جو بامقصد ہوں، جو صبر کرنے والی ہوں، منظّم ہوں اور اپنے آپ کو ایک اعلیٰ مقصد کے لئے قربان کرنے

کیلئے ہمیشہ تیار رہیں تو اگر کسی ملک میں ان کی تعداد دس فیصد ہو جائے تو وہ ضرور غالب آجاتی ہیں، اس کے بعد حساب یکسر بدل جاتا ہے۔ پہلے رفتہ رفتہ آہستگی کے ساتھ ترقی ہوتی ہے لیکن جب آپ ایک اور دس کی نسبت حاصل کر لیتے ہیں تو سارا ملک آپ کے قدموں میں آجاتا ہے۔ یہ وہ خوشخبری ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں بعض ملکوں میں پہلے سے بہت بڑھ کر تیزی سے کام کرنا چاہئے کیونکہ ہم اُس موڑ تک پہنچ رہے ہیں جس کے بعد چڑھائی ختم ہے اور پھر تیزی کے ساتھ سارا ملک خدا تعالیٰ کی طرف بلانے والے مخلصین کی جھولی میں ہوگا۔

میں ذرا رُکا اس لئے کہ ظاہری طور پر ''قدموں میں ہوگا'' کا محاورہ آرہا تھا مگر مضمون کی مناسبت سے یہاں سجتا نہیں تھا۔ تو فصاحت و بلاغت کو بعض موقع پر ایک طرف رکھنا چاہئے اور مضمون کو بہر حال ترجیح دینی چاہئے تو اس پہلو سے ان کی جھولی میں ہوگا۔ اس طرح جھولی میں ہوگا جیسے ایک چمن سے محبت کرنے والا پھول چن چن کر اپنی جھولی میں ڈالتا ہے اور اس غرض سے جھولی میں ہوگا کہ ان پھولوں کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں میں ڈالا جائے اس نیت سے اس مضمون کو سمجھ کر آپ دعوت الی اللہ کریں۔

اب میں واپس اس مضمون کی طرف لوٹتا ہوں۔ میں بتا رہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی کہ پہلے پرندوں کو مانوس کرو پھر وہ تمہارے ہو جائیں گے اور تمہاری آواز کے نتیجہ میں لبیّک کہیں گے پھر وہ غیروں میں رہ کر بھی تمہارے رہیں گے۔

اس میں ایک اور بہت بڑی حکمت کی بات ہے کہ وہ مذہبی قومیں جو رفتہ رفتہ آہستگی سے پھیلتی ہیں اُن کو اکثر صورتوں میں معاشروں میں غلبہ نصیب نہیں ہوتا اور اُن کے بنائے ہوئے مسلمان یا مومنین عموماً غیر معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہیں جہاں غیر معاشرے کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسی صورت میں ان کے ضائع ہونے کا بہت بڑا خطرہ درپیش ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسی تربیت کا مسئلے کا حل بھی حضرت ابراہیمؑ کو سکھلا دیا۔ فرمایا اگر تم نے اُن کو اپنی ذات کے ساتھ مانوس کر لیا تو پھر وہ تمہارے رہیں گے۔ مختلف سمتوں میں چلے جائیں گے مختلف پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر بیٹھیں گے مگر تمہاری ایک آواز کے نتیجہ میں دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آئیں گے۔ ان کو مستقل اپنا بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اُن کے ساتھ محبت کرو اور اس محبت کے نتیجہ میں اُن کے دلوں کا تعلق اپنے

دل کے ساتھ باندھ لو۔ دعوت الی اللہ کرنے والے پر بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ جس کو وہ خدا کی طرف بلائے اس کا خدا کی طرف آنا عارضی نہ ہو۔

یہ نہ ہو کہ چند دن کے بعد وہ غیر معاشرے میں جائے اور پھر غیروں کا ہو رہے۔ پس جہاں تبلیغ میں خشکی ہوتی ہے وہاں عموماً ایسے آنے والے ضائع ہو جاتے ہیں۔ جہاں تبلیغ میں محبت اور تعلق کے جذبات غالب ہوتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آنے والے ہمیشہ مستقل دین کے ہی ہو رہتے ہیں اور ضائع ہونے والوں میں عموماً میں نے یہی محسوس کیا ہے کہ ان کو دعوت الی اللہ کرنے والوں کے تعلق میں ایک خشکی تھی کوئی روحانی نرمی اور گرمی نہیں تھی۔

بہر حال اب سوال یہ ہے کہ مانوس کیسے کیا جائے۔ مانوس کرنے کے متعلق میں پہلے بھی ایک دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ تعلقات بنانے کے بہت سے طریق ہیں اور سب سے نمایاں اور واضح طریق احسان کا طریق ہے اور اگر احسان ایسا ہو کہ جس کے نتیجہ میں جس پر احسان کیا جائے وہ یہ نہ سمجھے کہ اپنی کسی غرض سے کر رہا ہے۔ تھوڑا احسان بھی ہوتا ہے اور غیر معمولی اثر ڈالتا ہے۔ ایک آدمی کو ایک چائے کی پیالی پلانا کون سی احسان کی بات ہے، معمولی بات ہے بعض دفعہ پلانے والا اُس سے بہت زیادہ غریب ہوتا ہے جس کو وہ پلائی جاتی ہے لیکن اگر امیر آدمی کو ایک غریب آدمی چائے کی پیالی پلائے اور امیر جانتا ہو کہ اسے مجھ سے کوئی غرض نہیں، مجھ سے کوئی کام نہیں تو چائے کی ایک پیالی ہی اس کے دل میں ایک بھاری احسان بن کر بیٹھ رہے گی اور اس طرح احسان کا مضمون عام دنیا کے حسابات سے مختلف ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی کو مانوس کرنا ہو تو قرآن کریم نے جو طریق احسان کا بیان فرمایا ہے اس کے مطابق مانوس کریں۔ فرمایا: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر: ۷) ایسا احسان نہ کیا کرو جس کے نتیجہ میں زیادہ حاصل کرنا مقصود ہو اور جس کا مقصد کچھ اور لینا اور اپنی دولت کو یا اپنی طاقت کو بڑھانا ہو۔ اب یہ جو پیغام ہے اس میں دعوت الی اللہ کرنے والوں کے لئے بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ وہ غیروں سے اس رنگ میں حسن سلوک کریں کہ اُن کو حُسن سلوک کرنے والے کا کوئی فائدہ اس میں دکھائی نہ دے۔ بعض لوگ ہسپتالوں میں جاتے ہیں، مریضوں کی تیمارداری کرتے ہیں، جیلوں میں جاتے ہیں، وہاں ضرورت مندوں کا خیال رکھتے ہیں، پھر بعض دفعہ ان غریبوں کے لئے جن کا کوئی سہارا نہ ہو بعد میں کوشش بھی کرتے ہیں۔

میں نے اُس کی ایک مثال دی تھی کہ پاکستان کی جیلوں میں سے ایک جیل جانے والے داعی الی اللہ نے مجھے ایک شخص کے حالات لکھے جو بہت ہی دردناک تھے اور وہ شخص کوئی پچیس تیس سال سے بغیر کسی مقدمہ کے صعوبتوں میں مبتلاء تھا اور کوئی اس کا پاسبان نہیں تھا، کوئی اس کا پُرسان حال نہیں تھا۔اس کا معاملہ ہم نے ایمنسٹی کو دیا اور ایمنسٹی نے اس کے لئے کوشش کی اور کامیابی نصیب ہوئی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ آزاد ہوا لیکن آزاد ہوتے ہی حضرت محمدﷺ کا غلام بن گیا۔ پہلے وہ ہندو تھا، پھر موحد بنا اور موحد بھی ایسا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰﷺ کے کلام کا، آپؐ کے پیغام کا، آپؐ کی ذات کا عاشق ہو گیا اور اُس نے آزادی کے بعد مجھے ایک بہت ہی دلچسپ خط لکھا کہ اب اس دور میں جبکہ احمدیت کے ذریعہ مجھے اسلام کی حقیقی تعلیم سے تعارف ہوا ہے تو مجھے پتا چلا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ پس وہ احسان کریں جو چھوٹا بھی ہو تو خود غرضی کا نہ ہو جس میں خود غرضی کا کوئی پہلو نہ ہو۔جس کا مطلب یہ ہے کہ احسان کرتے ہی تبلیغ شروع نہ کردیں، اگرچہ تبلیغ بھی احسان ہے لیکن جب آپ احسان کرتے ہی تبلیغ شروع کرتے ہیں تو اگلا سمجھتا ہے کہ اب سمجھ آگئی ہے کہ کس لئے مجھے بلا رہا ہے۔ چائے کی پیالی پر بلایا اور ساتھ تقریر شروع کردی اور ایسے لوگ بیچارے جن کو چائے کی پیالی پلائی جارہی ہوتی ہے وہ پھر چائے زہر مار کرتے ہیں لطف نہیں اٹھاتے۔ وہ کہتے ہیں میں کس مصیبت میں پھنس گیا، اس مصیبت سے نجات ملے۔ایک پیالی چائے کے بدلے اس شخص نے اتنی لمبی تقریر جھاڑ دی اور پھر وہ دامن بچاتے ہیں اور آئندہ اس شخص سے ملنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔تو احسان سے مراد ایسا احسان ہے جس کے بعد اردگرد کوئی غرض دکھائی نہ دے رہی ہو اور وہ غرض جو آپ رکھتے ہیں یہ اس وقت ظاہر ہو جب کہ یہ غرض احسان کا رنگ اختیار کر چکی ہو اور جس شخص پر یہ غرض ظاہر ہو رہی ہے احسان کے رنگ میں ظاہر ہو رہی ہے۔اس کے بہت سے طریق ہیں اور مانوس کرنے کا جو علم ہے یہ تو اللہ تعالیٰ فطرتاً عطا کرتا ہے اور پھر تجربہ سے یہ علم بڑھتا ہے۔ بے چارے بعض مبلغ ہیں وہ اپنی سادگی میں اس طرح تبلیغ کرتے ہیں مثلاً ایک خاتون ہیں ان کو تبلیغ کا بڑا شوق ہے وہ مجھے ملنے آئیں میں نے ان سے پوچھا کہ بتائیں کس طرح تبلیغ کی؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ جو اعتراضات کے جواب کے رسالے شائع ہوئے تھے ان میں سے تین رسالے اس کو دے آئی ہوں۔ میں نے کہا اس طرح تقسیم کرنا مقصود تو نہیں تھا۔تو پھر میں نے کہا کیا نتیجہ نکلا تو کہنے لگیں کہ

میں دوسری دفعہ ملی تو اور بھی ناراض تھی۔

اس طرح تو پھر ناراض ہوں گے۔ تبلیغ کے ساتھ جو حکمت کو باندھا گیا ہے اس حکمت کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے اور مانوس کرنے میں مضمون سے مانوس کرنا داخل ہے۔ دیکھیں! ایک عورت ہے جس کے گھر کی گائے یا بھینس ہے، وہ روزانہ اس کا دودھ دھوتی ہے لیکن جب تک پسمائے نہیں اس وقت تک وہ گائے یا بھینس اس کو دودھ نہیں دیتی۔ پانی ڈالتی ہے، نرم ہاتھوں سے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرتی ہے اور یہاں تک کہ دودھ آجاتا ہے اور جب وہ دودھ دوہتی ہے تو اس گائے یا بھینس پر احسان کرتی ہے کیونکہ دودھ سے بھرا ہوا وہ تھن اُس کے لئے بوجھ بن جاتا ہے تو غرض پوری ہو رہی ہے لیکن احسان کے رنگ میں اور اس سے پہلے پیار اور محبت سے دل لبھانا جس کو ہم بچپن میں پتا نہیں پنجابی تھی یا اُردو مگر 'پسمانا' کہا کرتے تھے کہ گائے بھینسوں کو پسمایا جاتا تھا تو بغیر پسمائے آپ مضمون کی طرف لے آئیں گے اور جس طرح گائے دولتی مارتی ہے اور اگر تھوڑا سا دودھ پہلے دوہا ہوا ہو تو بعض دفعہ وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے تو ایسا کام نہ کریں کہ آپ خدا کی خاطر کسی کو پسمائے بغیر خدا کا ذکر شروع کر دیں اور بجائے اس کے کہ وہ آپ کی طرف مائل ہو وہ دولتی مارے اور آپ کی ساری محنت ضائع چلی جائے۔ میری مراد یہ ہے کہ صرف ذاتی تعلق قائم کرنا ہی نہیں بلکہ مضمون کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں بھی مراحل ہوتے ہیں اور اُن کو درجہ بدرجہ اختیار کرنا چاہئے۔ بعض لوگ بڑی حکمت سے کام کرتے ہیں۔ ایسی کتابیں دیتے ہیں جن کا براہ راست تبلیغ کا کوئی مضمون نہیں ہوتا یا ایسی کتابیں دیتے ہیں جن میں کتاب وصول کرنے والے کو اپنے مقصد کے لئے ایک بہت عمدہ ہتھیار ہاتھ آجاتا ہے۔ مثلاً عیسائی علاقوں میں مسلمان ہیں جن کو عیسائیوں سے مقابلے کی استطاعت نہیں ہے یا صلاحیت نہیں ہے ان کو آپ احمدیت کا وہ لٹریچر دیں جس میں عیسائیوں کے مدمقابل بڑے قوی دلائل پیش کئے گئے ہیں تو ایسا لٹریچر وصول کرنے والا یہ نہیں سمجھے گا کہ مجھے کھینچا جا رہا ہے بلکہ اس کے لئے تقویت کا سامان ہوگا۔ اگر مسلمانوں کو جن کو خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی محبت ودیعت فرمائی ہے جیسے دودھ میں پلائی گئی ہو، بد سے بد بھی حضرت محمد مصطفی ﷺ سے محبت ضرور رکھتا ہے آنحضرت ﷺ کی سیرت کی وہ کتب دی جائیں جن میں آنحضرت ﷺ کی سیرت کو ایسی شان سے پیش کیا گیا ہے، ایسے عظیم طریق پر پیش کیا گیا ہے کہ اس کی مثال دوسری کتب میں دکھائی نہیں

دیتی ۔مثلاً ''سیرت خاتم النبیینؐ'' ہے مثلاً مصلح موعودؓ کی کتاب Life of Muhammad ہے۔ اگر یہ آپ ان کو دے دیں تو ان کے اندر نہ صرف یہ کہ پہلے سے بڑھ کر آپ کے لئے تعلق پیدا ہوگا بلکہ احمدیت سے ایک تعلق قائم ہو جائے گا اور اُن کو اس مطالعے کے دوران رفتہ رفتہ یہ سمجھ آئے گی کہ احمدیت تو کچھ اور چیز ہے جو ہم سمجھتے تھے وہ نہیں ۔ پھر طلب پیدا ہوگی اور وہ طلب آپ کے لئے مواقع پیدا کر دے گی کہ آپ ان کو کتابیں بھی دیں اور احسان بھی کر رہے ہوں گے۔

پاکستان میں ایک دفعہ ایک دوست نے مجھے بتایا میں اس طرح تبلیغ کرتا ہوں کہ دانشوروں اور پروفیسروں میں میرا آنا جانا ہے ان میں سے ایسے بھی ہیں جو خدا کی ہستی کے قائل نہیں یا شک رکھتے ہیں ،فرشتوں وغیرہ کے مضمون پر مذاق اڑاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اُن کے مدمقابل اُن سے لڑتے جھگڑتے ہیں اور بحثیں کرتے ہیں تو میں اُن کو ایسی کتابیں جیسے حضرت مصلح موعودؓ کی کتاب ''ملائکۃ اللہ'' ہے یا ''تقدیر الٰہی'' ہے یہ دیتا ہوں اور اس سے دونوں فریق میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ''ملائکۃ اللہ'' کا دفاع کر رہے ہوتے ہیں وہ حضرت مصلح موعود کی کتاب ''ملائکۃ اللہ'' جب پڑھتے ہیں تو ان کو ''ملائکۃ اللہ'' کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس لائق ہو جاتے ہیں کہ واقعۃً ٹھوس دلائل سے ملائکہ کی حقیقت کا دفاع کریں اور ملائکہ کے وجود کا دفاع کریں اور دوسروں کے دل میں جو شکوک ہوتے ہیں وہ اس لئے زائل ہو جاتے ہیں کہ اُن کے ہاں ملائکہ کا تصور ہی اُوٹ پٹانگ اور عجیب وغریب سا ہے اور ملائکہ کا سچا تصور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت پا کر ہمیں عطا کیا لیکن نیا تصور نہیں عطا کیا۔سو فیصدی قرآن کریم پر مبنی سو فیصدی احادیث اور اقوال حضرت محمد ﷺ پر مبنی لیکن اُس نور تک غیروں کی نظر نہیں گئی اور فرضی کہانیوں کو اپنا بیٹھے اور قرآن اور حدیث کی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا۔بعض دفعہ انسان فرضی کہانیوں میں بستا ہوا حقیقت کو دیکھتے ہوئے بھی پہچان نہیں سکتا یہ بھی ایک قسم کا اندھا پن ہے۔ چنانچہ بہت سے غلط عقائد جو احمدی ہونے سے پہلے نئے احمدی ہونے والوں کے ہوا کرتے تھے جب احمدی ہونے کے بعد وہ مڑ کر اُن کو دیکھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ ہمیں پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔کیسی بے وقوفوں والی باتیں تھیں جن پر ہم ایمان رکھا کرتے تھے اور اُن کو کبھی سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ ہوا کیا تھا؟ مگر غفلت کی آنکھ اندھی آنکھ ہوا کرتی ہے۔اُسے دیکھتے ہوئے بھی دکھائی نہیں دے رہا ہوتا۔پس جب آپ اپنے دوستوں کو ان کے

مناسب حال اس قسم کی کتابیں دیں گے تو اُس کے نتیجہ میں اُن کی غلط فہمیاں دور ہوں گی ان کو احمدیت میں اس لحاظ سے دلچسپی پیدا ہوگی کہ ان کا دل گواہی دے گا کہ یہ نور ہے یہ روشنی عطا کرنے والی چیز ہے۔اسی طرح مثلاً

Introduction to the study of the Holy Quran ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے قرآن کریم کے تعارف میں ایک بہت ہی عمدہ مقالہ لکھا ہوا ہے۔بعض لوگ وہ پہلے عیسائیوں کو دیتے ہیں۔اب میرے نزدیک یہ بعض صورتوں میں تو درست ہے مگر بہت سی صورتوں میں یہ درست نہیں ہے کیونکہ وہ عیسائیوں کے خلاف اس قدر شدید حملہ ہے جس کو آپ سے مضبوط تعلق قائم نہ ہو یا اسلام میں گہری دلچسپی پیدا نہ ہوئی ہو بعض دفعہ وہ اس حملے کی تاب نہ لا کر آپ سے بھی بھاگتا ہے اور اسلام سے بھی بھاگتا ہے اور بعض دفعہ اس کے دل میں محبت کی بجائے ایک نفرت پیدا ہوتی ہے جو کمزوری کے احساس سے پیدا ہوتی ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ میں اس دشمن سے لڑ نہیں سکتا اور اس کے نتیجہ میں اس کی کمزوری نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔حضرت مصلح موعودؓ کے پاس ایک دفعہ ایک امریکن سفیر نے یہ شکایت کی کہ مجھے (اسلام میں) تھوڑی سی دلچسپی پیدا ہوئی تھی تو مجھے کسی نے آپ کی کتاب Introduction to the study of the Holy Quran دی۔آپ نے تو بہت سخت حملے کئے ہیں بالکل ناواجب حملے کئے ہیں۔حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا تم نے وہ حملے نہیں دیکھے جو غیر سینکڑوں سال سے اسلام پر کر رہے ہیں اب اگر ہم ان کا دفاع کریں تو تم لوگ کہتے ہو کہ یہ سخت ہیں۔جب تم سختی کرتے ہو تو تمہیں اس وقت احساس نہیں ہوتا۔ایک ہندو پرائم منسٹر نے بھی مجھ سے بات کی کہ آپ کی فلاں کتاب میں بہت سختی کی گئی ہے اور وہ یہی کتاب تھی۔

اب اگر یہی کتاب کسی مسلمان کو دیں تو بالکل برعکس نتیجہ نکلے گا۔پہلے مسلمانوں کو دیں اور مسلمان جب یہ پڑھ لیں گے تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ احمدیت اس طرح اسلام کا دفاع کرتی ہے تو اُن کے لئے یہ تبلیغ کا ذریعہ بن جاتی ہے اور یہی کتاب ایک عیسائی کے لئے اس وقت تبلیغ کا ذریعہ بنتی ہے جب آپ چند منازل طے کر چکے ہوں کسی حد تک اس کے مضمون سے شناسا کر چکے ہوں اور جیسا کہ میں ''پیمانے'' کا لفظ استعمال کرتا رہا ہوں اُس کے لئے ''پیمانے'' کی منزل ذرا دیر میں آئے گی۔بعض گائیں بڑی کڑوے مزاج کی ہوتی ہیں ان کے لئے کافی محنت کرنی پڑتی ہے

ہاتھ واتھ پھیرنے ،تھپکانا، پیار کرنا۔ پانی کے چھینٹے دینے ورنہ وہ دولتیاں بھی مارتی ہیں اور سینگ بھی مارتی ہیں۔تو مختلف مزاج کے لوگ ہیں ان کو سمجھنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کے مضمون میں ہر جگہ حکمت کو پہلے رکھا ہے ہر دوسری چیز کو بعد میں۔پس حکمت کے تقاضے یہ ہیں کہ پہلے اس کے دل کو اپنے لئے نرم کرو، اپنے لئے دل نرم کرنے کے بعد پھر ایسے ذرائع اختیار کرو کہ اسلام کے لئے اس کا دل نرم ہونا شروع ہو اور جوں جوں دل نرم ہو اُس سے استفادہ کرو اور مناسب حال تبلیغ کرو، مناسب حال اس کو کتب مہیا کرو اور یہ وہ سلسلہ ہے جو پھر رفتہ رفتہ خود بخود بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے طلب پیدا کرنی ضروری ہے،اس نکتہ کو آپ اچھی طرح سمجھ جائیں۔ اگر طلب پیدا کئے بغیر آپ نے احسان کا بدلہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو یہ احسان اُلٹ ہو جائے گا اور بے کار جائے گا۔پس تعلقات کے دائرے وسیع کر کے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے رفتہ رفتہ مضمون کھول کر آگے بڑھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام ایک بہت زیادہ گہرا اثر رکھنے والا کلام ہے اور اس سے بھی بھر پور استفادہ کرنا چاہئے۔بعض دفعہ آنحضرت ﷺ کی محبت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نعتیہ کلام سنایا جائے تو اس سے دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔پھر بعض دفعہ ابتدا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ اقتباسات پیش کئے جائیں جو حضور اکرم ﷺ کی شان میں ہیں تو اس کے دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

پس ہر شخص کے حالات دیکھ کر اُس کے مطابق اس کے ساتھ رفتہ رفتہ سلوک ہونا چاہئے۔ بہت سے احمدی ایسے ہیں جنہوں نے مجھے بتایا کہ ہم نے تبلیغ سے پہلے آپ کے خطبات سنانے شروع کئے اور وہ خطبات سنائے جن میں براہ راست کوئی تبلیغ نہیں ہے۔تربیت کے مضمون سے تعلق رکھنے والے ہیں ،عبادت کے مضمون سے ،گلف کے مضمون سے وغیرہ وغیرہ اور ان کو سننے کے بعد سننے والے کے دل میں خود ایک طلب پیدا ہوئی اور انہوں نے ہم سے مطالبے شروع کئے اور ہم نے ان کو لٹریچر دینا شروع کیا۔

ایک پٹھان دوست جو آزاد علاقے کے رہنے والے ہیں وہ اس وقت جمعہ میں میرے سامنے موجود ہیں انہوں نے مجھے خود بتایا ہے کہ میرے دل میں تو احمدیت کی محبت کی وجہ خطبات

تھے۔ مجھے ایک احمدی دوست ایک دفعہ مسجد پہنچا گیا یہ دکھانے کے لئے دیکھو تو سہی ہم کیسے نماز پڑھتے ہیں خطبہ کیسا ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر ایسا شوق پیدا ہوا کہ ہر خطبہ میں یہیں آکر سنتا ہوں اور ہر جمعہ یہیں ادا کرتا ہوں اُن کو سننے کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے دل میں یہ بات میخ کی طرح گڑ گئی ہے کہ آپ سچے ہیں اس لئے مجھے اب اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ جو آپ کہیں گے میں ٹھیک سمجھوں گا اور ٹھیک کہوں گا اور چنانچہ وہ اللہ کے فضل سے بڑی وفا کے ساتھ احمدیت کے ساتھ تعلق میں نہ صرف قائم رہے بلکہ بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور اپنے ماحول میں بھی اردگرد احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ تو طریق کار کا صحیح ہونا بہت ہی اہم ہے اور طلب پیدا کرنے سے پہلے دعوت دینا ظلم کے مترادف ہے۔ ایسی زمین میں بیج پھینکنے کے مترادف ہے جو پتھریلی ہو جسے نرم نہ کیا گیا ہو جس پر محنت نہ کی گئی ہو جس میں نمی موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بہت سے دعوت الی اللہ کرنے والے یہی روتے رہتے ہیں اور ہمیشہ ان کا یہی شکوہ رہتا ہے کہ ہم تو تبلیغ کرتے ہیں کوئی سنتا ہی نہیں۔ کوئی سنانے والی بات کرو تو سُنے گا ناں۔ تبلیغ کا مضمون تو تبلیغ کا ذکر کئے بغیر غالبؔ نے بڑے عمدہ رنگ میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اَے جذبۂ دل

اُس پر بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے (دیوان غالب صفحہ:۲۹۶)

میں تو بلاتا ہوں مگر آئیں گے جذبہ دل سے ہی۔ پس اے جذبہ دل ایسا کوئی کرشمہ دکھا کہ اُن پر ایسی بن جائے کہ اُن سے بن آئے بنے ہی نہ۔ تیری طرف آنے پر مجبور ہو جائیں۔ تو امر واقعہ یہ ہے بڑی گہری بات کر گیا ہے باتوں سے بلایا جاتا ہے مگر کھینچتا جذبۂ دل ہی ہے۔ اگر جذبۂ دل نہیں ہوگا تو باتیں بالکل بے اثر رہیں گی۔ کچے دھاگے کی طرح ہوں گی ان میں کھینچنے کی کوئی طاقت پیدا نہیں ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کتب جن کا خصوصیت کے ساتھ مشرقی یورپ اور روس کی سوسائٹی پر ایک دم گہرا اثر پڑتا ہے ان کتب میں سب سے نمایاں میں نے ''مسیح ہندوستان میں'' پائی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے سابقہ عیسائی دنیا جو دہریہ ہوگئی اور اشترا کی دنیا کہلاتی ہے اس کے باشندوں پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ ایک دم گہری دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور وہ خدا کو ابھی نہیں مان

رہے ہوتے لیکن اس کتاب میں وہ حقیقت پاتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں وہ پھر مطالبہ شروع کر دیتے ہیں ۔ابھی بھی جب ہم نے اپنا ایک نمائندہ روس بھیجا اور ایک نمائندہ وفد بلغاریہ بھجوایا اور دونوں کی یہی رپورٹ تھی کہ یہ کتاب فوراً شائع ہونی چاہئے اور روس کی طرف سے شدّت سے مطالبہ ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ طبع کروائی ہے اور بھی بہت سی کتابیں طبع کروائی ہیں۔

اگلی بات میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ دعوت الی اللہ کرنے والے کو جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اپنے منصوبے میں اس بات کو شامل کرنا چاہئے کہ کن لوگوں میں وہ زیادہ عمدگی کے ساتھ تبلیغ کر سکتا ہے۔بعض لوگ رشین سپیشلسٹ ہوتے ہیں اور اُن کو پھر انہی میں دن رات کام کرنا چاہئے۔ دوسروں تک بھی بات پہنچانا فرض ہے لیکن جہاں زیادہ سہولت سے شکار حاصل ہوتا ہو شکاری پہلے وہیں جایا کرتا ہے اور بعض دفعہ ایک بڑے شکار کے لئے چھوٹے شکار کو چھوڑا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ اچھے شکاری وہ ہیں جو جائزے لیتے ہیں کہ کہاں کہاں موجود ہیں اور ان کی مرضی کا شکار، ایسا شکار جس کو شکار کرنے کے فن آتے ہوں وہ ماہر ہوں وہ کہاں ملتا ہے چنانچہ وہ تیزی کے ساتھ اُنہی جگہوں پر جاتے ہیں اور رستے کے شکار کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں تاکہ وقت ضائع نہ ہو اور اصل مقصد کو نقصان نہ پہنچے۔پس شکار ہے تو بظاہر مارنے والا لفظ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے وضاحت کر دی ہے تمثیلات کی باتیں ضروری نہیں کہ سو فیصدی اطلاق پائیں۔ یہ مضمون سمجھانے کی خاطر بیان کئے جاتے ہیں اور جہاں تک تبلیغی شکار کا تعلق ہے اس کا تعلق اس شکار سے ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھایا گیا ہے مارنے کے لئے نہیں بلکہ اپنا بنانے کے لئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں خاص طور پر مغربی دنیا میں کثرت سے آپ کو ایسے شکاری ملیں گے جو پرندوں کی حفاظت کے لئے ان کو پھنساتے ہیں۔ Extinction سے بچانے کے لئے ،فنا سے بچانے کی خاطر وہ ان کو جالوں میں قابو کرتے ہیں اور پھر بعض دفعہ وہ ان کو خاص قسم کے ٹیکے لگاتے ہیں بعض دفعہ ایسے نشان لگاتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص غلطی سے ان کو مار نہ بیٹھے۔کئی ذرائع اختیار کئے جارہے ہیں لیکن پہلے قابو کرتے ہیں اور ایسی مہمات بھی آپ کے دیکھنے میں آئیں گی جہاں ہاتھیوں کو بے ہوش کر کے پہلے قابو کیا جاتا ہے اور پھر ان کی بقا کے سامان کی خاطر اُن کو مناسب جگہ پہنچا دیا جاتا ہے جہاں اُن کی زندگی کم خطرے میں ہو اور خوراک وغیرہ کافی مہیا ہو تو یہ وہ طریق ہیں جن سے شکار بظاہر شکار ہے لیکن نیّتوں کے فرق کے نتیجہ

میں بہت زیادہ فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

پس آپ کی نیت زندہ کرنے کی ہے، آپ کی نیت بچانے کی ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس زمانے کے لئے مسیحا نفس بنائے گئے ہیں۔ اگر آپ نے زمانے کو نہ بچایا تو اس کے بچنے کے آثار نہیں ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً بتایا گیا کہ یہ لوگ

''زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں۔'' (تذکرہ صفحہ: ۴۲۶)

دیکھیں کتنا پیارا اظہار ہے، ''زندگی کے فیشن سے....ان کو زندگی کی ادائیں ہی نہیں یاد ہیں اور بظاہر فیشن میں مبتلا ہیں لیکن یہ موت کے فیشن ہیں جو قوموں کو ہلاک کر دیا کرتے ہیں۔ زندگی کے فیشن نہیں ہیں۔ زندہ رہنے کے گر ان کو یاد نہیں رہے اس لئے آپ نے ان کو زندگی کے فیشن سکھانے ہیں اور واقعۃً دعوت الی اللہ زندہ کرنے کی خاطر کرنی ہے ورنہ اگر آپ نے ان کو زندہ نہ کیا تو یہ نہیں بچائے جائیں گے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق خدا تعالیٰ نے اسی لحاظ سے فرمایا کہ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال: ۲۵) یہ تمہیں زندہ کرنے کی خاطر بلاتا ہے مارنے کی خاطر نہیں۔

پس ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کو ہمیشہ یہ مقصد پیش نظر رکھنا چاہئے کہ میں نے زندہ کرنا ہے اور یہ اعلیٰ مقصد پیش نظر رہے تو اُس کے من پر اس کا بہت ہی صالح اثر پڑے گا اور اس کے نتیجہ میں اس کو خدا تعالیٰ خود بخود ایسے آداب اور ایسے اسلوب سکھلائے گا جن سے دعوت الی اللہ کرنے والے میں زندگی کے آثار دن بدن نمایاں ہونے شروع ہو جائیں گے۔ ایسا شخص تبلیغ کو محض دلائل میں محدود نہیں کرے گا، اس کا مقصد زندہ کرنا ہے، وہ اس کی نیکیوں کو تلاش کر کے اُن کو اُبھارنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ وہ کوشش کرے گا کہ اس کے اندر کوئی دبی ہوئی چنگاری، کوئی زندگی کی رمق موجود ہے تو اُسے ہوا دوں، اُسے پھونکوں، اُس کو آہستہ آہستہ طاقت بخشوں اور اُس کے اندر جو ادھر اُدھر بیکار لکڑیوں کا انبار لگا پڑا ہے اُسے اُس چنگاری کے ذریعہ ایک زندہ نور کی شکل میں تبدیل کر دوں۔

پس یہ وہ نکتہ ہے جسے میں خاص طور پر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ زندہ کرنے والے ہیں اور زندگی پیدا کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ پہلے کوئی پیغام کو تسلیم کرلے۔ ہر شخص کے اندر مخفی خوبیاں ہوتی ہیں۔ آج کل تو دیا سلائیوں اور لائیٹروں (Lighters) کے زمانے ہیں۔

پرانے زمانوں میں ہندوستان میں مجھے یاد ہے عورتیں راکھ میں آگ دبا دیا کرتی تھیں اور صبح صبح خشک لکڑیاں لے کر بیچ میں سے چنگاری تلاش کیا کرتی تھیں اور اس چنگاری پر کاغذ رکھ کر یا باریک خشک لکڑیاں رکھ کر پھونکیں مار کر اس آگ کو زندہ کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ یاد رکھیں ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ دب جاتی ہیں بعض دفعہ راکھ کے ڈھیر کے تلے نظروں سے غائب ہو جاتی ہیں مگر ضرور ہوتی ہیں۔ بد سے بد آدمی میں بھی بعض ایسی خوبیاں ہیں جن سے تعلق پیدا کر کے آپ اس کو زندہ کرنا شروع کر سکتے ہیں یعنی اس شخص کی زندگی کے سامان فراہم کر سکتے ہیں۔ پس جب آپ کسی شخص سے ایسا تعلق پیدا کریں گے تو اُس کو آپ سے اسی قسم کا ایک تعلق پیدا ہوگا اور یہ وہ تعلق ہے جو زبان سے کسی پیغام کی طرف بلانے کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوا کرتا۔ یہ زندگی کا گہرا تعلق ہے جس میں ایک انسان محسوس کر لیتا ہے اور اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص سچا ہے، اسے میری بقا میں دلچسپی ہے اور میری بھلائی میں دلچسپی ہے اسے مجھ سے کوئی اپنا مقصد نہیں ہے بلکہ میرے سارے مقاصد اس سے وابستہ ہیں۔ پس جب آپ فرض کریں کسی مریض کے پاس ہسپتال جاتے ہیں تو اس طرح ہمدردی کریں کہ اس کا ظاہری آزار دور ہو، اس کو مشورے دیں اس کا خیال رکھیں۔ اگر ایسے مرض کا کوئی تجزیہ ہو تو بتائیں کہ فلاں جگہ ایسا مریض شفا پا گیا اور اس تک پہنچنے میں جو مدد دے سکتے ہیں اس کو دیں۔ اب میں اپنی بیگم کی بیماری کے سلسلہ میں ہسپتال جاتا ہوں تو اردگرد کے مریضوں سے جن سے بھی رابطہ ہو اُن کو میں مشورے دیتا ہوں آپ یہ کریں وہ کریں۔ میں خود تو آپ کا علاج نہیں کر سکتا کیونکہ میرے پاس لائسنس نہیں ہے لیکن آپ فلاں فلاں ڈاکٹر سے رابطہ کریں امریکہ میں یا انگلستان میں فلاں قسم کے علاج ایجاد ہو چکے ہیں اور خدا کے فضل سے اس کے نتیجہ میں مریضوں میں بڑی گہری دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور اُن کے رشتہ داروں میں بڑی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگ بعد میں پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص تھا جو یہ باتیں ہم سے کر گیا ہے تو آپ کو انسان کی ذات میں دلچسپی لینی چاہئے اور اس ضمن میں جو میں اب بات کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کی خوبیوں کو تلاش کرنا چاہئے۔ اس کی خوبیوں سے اپنا تعلق جوڑنا چاہئے اور اس کی خوبیوں کی افزائش کا انتظام کرنا چاہئے اور اس کو بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پھر اس ضمن میں قیدیوں کے ساتھ رابطے میں جماعت احمدیہ کے لئے بڑے مواقع ہیں۔

کئی ایسے قیدی ہیں جن کے ساتھ احمدیوں نے رابطے کئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان میں بہت سی پاک تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ابھی کچھ دن پہلے مجھ سے بھی ایک انگلستان کے قیدی ملنے کے لئے آئے، وہ پیرول پر کچھ دیر کے لئے باہر آئے تھے، انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک احمدی نے مجھ سے بات شروع کی، میں اُس کے کردار اور اُس کی گہری ہمدردی سے جو وہ میری بھلائی چاہتا تھا اور دوسرے قیدیوں کی بھلائی چاہتا تھا اس سے اتنا متاثر ہوا ہوں کہ میں بڑی تیزی کے ساتھ احمدیت میں دلچسپی لینے لگا۔اُس نے بتایا کہ جب دوسرے مسلمانوں کو علم ہوا اور بعض مولوی بھی وہاں آتے ہیں تو انہوں نے مجھے پورے زور سے روکنے کی کوشش کی۔انہوں نے کہا کہ یہ بہت گندے ہیں اور خبیث لوگ ہیں۔اس سے بہتر ہے کہ تم عیسائی رہو لیکن اُن کے جال میں نہ پھنسنا۔کہتا ہے میں نے اُن کو بتایا کہ تمہیں پتا کیا ہے؟ میں اُن کو جانتا ہوں اگر کوئی شرافت، نجابت انسانی قدریں ہیں تو ان لوگوں میں ہیں۔اگر مذہب یہ قدریں پیدا کرنے کے لئے نہیں آتا تو مجھے ایسے مذہب میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو تم اپنی دلیلیں اپنے پاس رکھو۔میں نے تو جن کا ہونا تھا ہو چکا ہوں چنانچہ وہ بڑے خلوص کے ساتھ اور محبت کے ساتھ مجھے ملنے کے لئے آئے اور کہا کہ اب میں کل واپس جیل جاؤں گا اور میرا بقیہ جتنا عرصہ وہاں بسر ہوگا میں نے احمدیت کی تبلیغ کے لئے وقف رکھنا ہے تو قیدی ہوں یا اور کئی قسم کے مریض اور بیمار اور گندی عادتوں میں مبتلا اور ڈرگز (Drugs) میں پھنسے ہوئے ہیں اور کئی قسم کی مشکلات میں گرفتار لوگ ایسے ہیں کہ جن کے اندر اگر آپ دلچسپی لیں گے اور دلچسپی لیتے ہی پیغام نہیں دیں گے بلکہ دلچسپی لیتے ہوئے ان کی ایسی بھلائی کے انتظام کریں گے جس میں ان کو دلچسپی ہو تو پھر وہ منزل آئے گی کہ وہ آپ میں اور آپ کے پیغام میں دلچسپی لینے لگیں گے۔ان کے اندر وہ طلب پیدا ہوگی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کو خدا تعالیٰ وہ پرندے عطا کرے گا جنہیں ابراہیمی طیور کہہ سکتے ہیں جو آپ کے ہو جائیں گے۔پھر جس ماحول میں بھی جائیں گے آپ کی ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے وہ آپ کے قدموں میں یا آپ کی جھولی میں آجایا کریں گے۔آپ کے ہاتھوں پر بیٹھ جایا کریں گے۔آپ کے ہو جائیں گے اور خدا کے ہو جائیں گے۔یہ وہ نیّت ہے جس کو لے کر آپ نے دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہے۔

اس ضمن میں میں آپ کو ایک دلچسپ حدیث سناتا ہوں۔آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ

فرمایا کہ مومن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔ یہ حدیث حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی اور اس کی کوئی سند نہیں ملتی تھی۔ میاں انس احمد صاحب کو علمی شوق ہے آخر انہوں نے ایک کتاب سے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں لیکن صحیح کتاب ہے جو مؤقر کتاب ہے سے اس سند کو تلاش کر کے مجھے بھجوایا۔ جب میں نے اس حدیث پر غور کیا تو مجھے تعجّب ہوا کہ عمل جو نیک نیتی کے ساتھ کیا جائے وہ بہر حال بہتر ہوتا ہے۔ خالی نیت عمل سے بہتر کیسے ہوگی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مضمون سمجھایا کہ اس میں گہری حکمت یہ ہے کہ مومن کی نیتیں جو دل کی گہرائی سے نکلتی ہیں بہت زیادہ نیک عمل کی خواہاں ہوتی ہیں اور کسی انسان میں یہ طاقت ہی نہیں کہ اپنی خواہشوں کے مطابق اپنی ہر نیّت کو عمل میں ڈھال سکے۔ اسی طرح بدلوگ بدی کی نیتیں بہت رکھتے ہیں لیکن کس بد کو توفیق ملتی ہے کہ وہ ہر بدی کر سکے اسی لئے تو غالب نے یہ کہا ہے کہ

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

یارب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے (دیوان غالب صفحہ:۳۴۶)

تو مومن کو ناکردہ وہ نیکیوں کی حسرت کی داد چاہئے اور کئی نیکیاں اُس کے دل میں ہوتی ہیں۔ نیّت میں موجود ہوتی ہیں لیکن انہیں وہ کر نہیں سکتا اور اس مضمون کو جب آپ احمدی زندگی پر اطلاق کر کے دیکھیں تو آپ کو کثرت سے ایسے احمدی دکھائی دیں گے جن کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ میں بھی روس میں تبلیغ کے لئے جاؤں، میں فلاں چندے میں حصہ لوں، وہ چند قدم بڑھ سکتے ہیں پورا کام نہیں کر سکتے ہیں۔ پس اس پہلو سے مومن کی نیتیں اس کے عمل سے بڑھ جاتی ہیں اور اس حدیث میں یہ خوشخبری ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ اُس کی اس نیت کا بھی ثواب دیتا ہے جو وہ کر نہیں سکا جسے وہ عمل میں نہیں ڈھال سکا۔ تو اپنی نیتوں کو خوبصورت اور حسین بنا دیں اور للہ وقف کر دیں۔ پھر دیکھیں کہ آپ کی دعوت الی اللہ میں کتنی برکت پڑتی ہے۔ خدا کرے کہ ہماری نیّتیں زیادہ سے زیادہ عمل کے سانچوں میں ڈھل سکیں اور جو نہیں ڈھل سکیں ان کو بھی خدا تعالیٰ قبول فرمالے اور ان کا ثواب مترتب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کا انسان کی ساری زندگی سے تعلق ہے۔
لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کی قطعی نشانی یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوئے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ / مارچ ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیات تلاوت کیں:

حٰمٓ ۚ﴿۲﴾ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۳﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۴﴾ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۙ﴿۵﴾ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۚ﴿۶﴾ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷﴾ (الدخان: ۲-۷)

پھر فرمایا:۔

رمضان ایک دفعہ پھر اپنے اس عشرے میں داخل ہو گیا ہے جس میں رمضان کی راتیں نسبتاً زیادہ بھیگ جاتی ہیں اور دن بھی بھیگ جاتے ہیں۔ یہ وہ عشرہ ہے جو دعاؤں کی قبولیت کا عشرہ ہے اگر چہ ہر دن انسان پر دعا کی قبولیت کا دن بن کر چڑھ سکتا ہے اگر اسے سچی توبہ اور استغفار کی توفیق ملے لیکن یہ وہ دن ہیں جو خصوصیت کے ساتھ قبولیت دعا کے دن کہلاتے ہیں اور یہ وہ راتیں ہیں جو خصوصیت کے ساتھ قبولیت دعا کی راتیں کہلاتی ہیں کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ہمیں یہی خبر دی ہے کہ ان راتوں میں گویا خدا اپنے بندوں کے زیادہ قریب آجاتا ہے۔ ان راتوں کے ساتھ کچھ خاص تقدیریں وابستہ ہیں اور ان تقدیروں کو اَلۡقَدۡرِ کے طور پر قرآن کریم نے بیان

فرمایا ہے۔ اَلْقَدْرِ سے مراد سارا نظامِ تقدیر بھی ہے اور اس کے اور بھی بہت سے معنی ہیں جن سے متعلق میں مزید کچھ گفتگو کروں گا۔ مگر یہ وہ راتیں ہیں جن میں انسان کی تقدیر بنائی جاتی ہے اور انسان اس تقدیر کے بننے کی راہ میں روک بھی بن جاتا ہے اور خود اپنے مقدر کو بگاڑ بھی لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ کس کا مقدر بنا ہے اور کس کا بگڑا ہے۔ ان معنوں میں بھی لیلۃ القدر کا تعلق ساری انسانی زندگی کے ماحصل سے ہے اور انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہزار مہینہ انسان کی اوسط زندگی کو ظاہر کرتا ہے اور قدر کی ایک رات جس میں انسان کی تقدیر بن جائے وہ اس کی ساری زندگی سے بہتر ہے کیونکہ اس کی ساری زندگی کی غفلتیں، اس کے گناہ اس رات دھوئے جاسکتے ہیں اور اگر یہ رات اسے نصیب نہ ہو تو ساری زندگی باطل ٹھہرتی ہے۔

لیلۃ القدر جس کی تلاش کا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے آخری عشرے میں طاق راتوں میں حکم دیا ہے اس کا ایک تعلق تو فرد کے ساتھ ہے اور ایک معین رات کے ساتھ ہے یعنی ایسی رات آتی ہے جس میں قبولیت کا ایک خاص لمحہ انسان کو عطا کیا جاتا ہے اور یہ رات ایک معین رات بن کر آتی ہے اور آخری عشرے میں اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں رات لیلۃ القدر ہوسکتی ہے۔ فرمایا اس کو تلاش کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ آخری عشرے میں غیر معمولی طور پر جدوجہد کرو اور اپنی کمریں کس لو جیسا حضرت محمد ﷺ کے متعلق حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آخری عشرے میں اپنی کمر کس لیا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ التراویح حدیث نمبر ۱۸۸۴) پہلے بھی بہت عبادت کرنے والے تھے مگر عبادت کا جوش آخری عشرے میں ظاہر ہوتا تھا اس کی کوئی مثال نہیں، اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور تلاش کرو کہ تمہیں بھی نصیب ہو جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ رات ہے تو معین لیکن ہر شخص کے مقدر میں نہیں ہے اور قدر کے ایک معنی یہ بھی اس رات پر صادق آتے ہیں کہ یہ رات خود بخود ہاتھ بڑھا کر ہر ایک کو نصیب نہیں ہوسکتی بلکہ یہ رات خود فیصلہ کرے گی کہ میں نے کس کا مقدر بننا اور کس کا مقدر نہیں بننا۔ پس ان معنوں میں افراد کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہے۔ ایک معین رات آتی ہے، معین اشخاص کو نصیب ہوتی ہے اور بہت سے ہیں جو بدنصیبی میں محروم رہ جاتے ہیں۔

اس کی پہچان میں نور کی تلاش کی بہت باتیں کی جاتی ہیں اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ روشنی

نازل ہو، آسمان میں بادل ہوں، چھینٹے پڑیں اور خاص قسم کی روشنی کا آپ مشاہدہ کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مغفرت کی رات ہے، بخشش کی رات ہے اور پاک تبدیلی کی رات ہے، یہ نور ہے جس کو تلاش کرنا چاہئے اور یہ نور ظاہری طور پر بھی متمثل ہوسکتا ہے اس سے انکار نہیں لیکن یہ دل میں ایک شعلے کے طور پر گرتا ہے اور جس کے دل پر یہ نور نازل ہو وہ جان لیتا ہے کہ آئندہ اس کی زندگی ایک تبدیل شدہ زندگی ہے، اس پر ایک انقلاب آچکا ہے پہلی زندگی نہیں رہی اور پہلی زندگی جس کے مقابل پر ایک رات دکھائی دیتی ہے جس کے آخر پر وہ توبہ اور قبولیت کی فجر نمودار ہوتی ہے جس کے متعلق فرمایا گیا کہ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ کہ مَطْلَعِ الْفَجْرِ تک یہ رات جاری رہے گی یعنی قدر کا آخری مقام مَطْلَعِ الْفَجْرِ ہے اور یہ مَطْلَعِ الْفَجْرِ جس کو نصیب ہو جائے گویا اس کو قدر کی رات مل گئی اگر مطلع فجر نہ ہوا تو اندھیرا تو اس کے مقدر میں رہا لیکن قدر کی رات نصیب نہ ہوئی۔

لیل اور لیلۃ میں ایک فرق ہے جو مرزوقی نے خصوصیت سے بیان کیا ورنہ بہت سے اہل لغت یہ کہتے تھے یا کہتے رہے ہیں اب بھی کہتے ہوں گے کہ لیل اور لیلۃ ایک ہی چیز کے دونام ہیں لیکن مرزوقی نے بہت ہی حکمت کی بات ہے۔ مرزوقی نے کہا کہ لیل اور لیلۃ مشترک معنی بھی رکھتے ہیں۔ دن کے مقابل پر رات، نہار کے مقابل پر لیل یہ ممکن ہے کہ اسی طرح ہم وزن اور ہم معنی ہوں جیسے یوم کے مقابل میں لیلہ کہا جاتا ہے۔ لیکن مرزوقی نے کہا کہ حقیقت میں جس طرح لیل اور نہار کا جوڑ ہے اسی طرح یوم اور لیلہ کا جوڑ ہے اور ان دونوں کے اندر مشترک معنی پائے جاتے ہیں۔ نہار ایک عام دن کو کہتے ہیں، زمانے کو نہیں کہتے چنانچہ قرآن کریم میں آپ کو کہیں بھی نہار کا لفظ ایک وسیع زمانے پر اطلاق پاتا ہوا دکھائی نہیں دے گا لیکن یوم کا لفظ قرآن کریم میں ہمیشہ ایک معین دن سے بہت بڑھ کر ایک پھیلے ہوئے وسیع زمانے کو ظاہر کرنے کے لئے بیان فرمایا گیا چنانچہ چھ ایام میں زمین و آسمان کی پیدائش یہ ظاہر کرتا کہ بہت وسیع زمانے سے بھی یوم کا تعلق ہے۔ پھر قرآن کریم میں ایسے یوم کا ذکر فرمایا جو اس شمار کے مطابق جو ہم کرتے ہیں ایک ہزار سال کی مدت کے برابر ہے۔ پانچ ہزار سال کا دن بھی بتایا گیا اور پچاس ہزار سال کا یوم بھی بیان کیا گیا تو اگر مرزوقی کی بات درست ہے اور یقیناً درست ہے تو لیلہ میں بھی اسی طرح وسعت پائی جائے گی اور

وسیع زمانہ پایا جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے پیغام کا اور قرآن کریم کا کسی ایک معین رات سے جو نہار کے مقابل کی لیل ہو تعلق نہیں ہے بلکہ ایک ایسی وسیع رات سے تعلق ہے جس کے مقابل پر یوم آتا ہے اور جو وسیع زمانہ رکھتی ہے۔ افراد کو تو ایک رات کا ایک لمحہ نصیب ہو جائے تو ان کی زندگی بن جاتی ہے اور ان کی زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے مگر حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا مقصد اس سے بہت زیادہ وسیع تھا اس لئے آپؐ کے اوپر لَيْلَةُ الْقَدْرِ کا مضمون اپنی پوری وسعت اور اپنی پوری شان کے ساتھ چسپاں ہوگا اور ہرگز اسے ایک عام انسان کے اوپر صادق آنے والے لَيْلَةُ الْقَدْرِ کے مضمون کے مساوی قرار نہیں دیا جاسکتا یا مشابہ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ وہ معنی ہیں جن کی طرف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توجہ دلائی اور فرمایا کہ لیلہ سے مراد حضرت محمد ﷺ کی نسبت سے یہ بنتی ہے کہ سارا زمانہ معصیتوں اور دکھوں میں کلیۃً ڈوب چکا تھا۔ ایسی مصائب کی رات تھی، ایسی گناہوں کے غیر معمولی طور پر بڑھ کر چھا جانے کی رات تھی گویا ظلمت ہر جگہ مسلط ہو چکی تھی۔ ان اندھیروں میں محمد مصطفی ﷺ کا نور چمکا اور یہ اس رات کی فجر تھی یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ پر جو اللہ کا نور نازل ہوا ہے۔ یہ وہ نور ہے جس نے رات کی تقدیر بدلی اور حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ میں محمد مصطفی ﷺ کا طلوع مراد ہے اور اسی کی نسبت سے حضور اکرم ﷺ کو سورج بیان فرمایا گیا ہے جبکہ دیگر انبیاءؑ کو مختلف القابات ملے ہیں۔ سورج کا لفظ خصوصیت کے ساتھ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے لئے مقدر فرمایا گیا۔ اور اس میں یعنی خدا کے اس فیصلے میں کہ محمد مصطفی ﷺ کو سورج بیان فرمایا گیا لَيْلَةُ الْقَدْرِ کے معنی اور فجر کے معنی مضمر ہیں۔ لیل کبھی نصف دنیا پر آتی ہے کبھی دوسری نصف دنیا پر آتی ہے اور سورج وہ ہے جو دونوں دنیاؤں کی قسمت بدل دیتا ہے، دونوں دنیاؤں کے اندھیروں کو باطل کر کے دن چڑھا دیتا ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جو عالمی انقلاب برپا فرمانا تھا اس کا تعلق زمین کے کسی ایک خطہ سے نہیں تھا بلکہ تمام کائنات پر جو رات چھا جانی تھی اور چھا چکی تھی۔ چھا جانے کے معنوں پر میں مزید روشنی ڈالوں گا جو رات چھا چکی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے میں اس مضمون کو شروع کرتا ہوں۔ وہ ایسی رات تھی جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) یعنی خشکی

اور تری سارے فساد سے بھر گئے تھے اس رات کو قدر کی رات کیوں قرار دیا گیا جو گنا ہوں اور ظلمات کے دنیا پر غیر معمولی طور پر چھا جانے اور اس کو مغلوب کرنے کی رات تھی اس لئے کہ قدر کی رات میں خدا نے آخر اس رات کی سن لی اور اس رات کو دن میں تبدیل کرنے والا سورج چڑھا دیا اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کی فجر ظاہر ہوئی۔ ان معنوں میں آنحضور ﷺ فجر بن کر دنیائے معصیت پر طلوع ہوئے اور جس نے بھی آنحضور ﷺ کی روشنی کے حصول کے لئے اپنے کواڑ کھولے، اپنے روشندان کھول دیئے، اپنے دل کے دریچے کھول دیئے، اس نے آنحضور ﷺ کے نور کو پالیا اور اس کے تمام اندھیرے روشنیوں میں بدل گئے، جس نے اس نور کے سامنے آنے سے گریز کیا یا اس نور کی روشنی کے قبول کرنے میں اپنی ذات کے خلاف خساست سے کام لیا اور کنجوسی سے کام لیا کچھ کونوں پر پردے ڈال رکھے اور کچھ حصے اس نور کے لئے پیش کر دیئےاُن کی حالت ملی جلی سی حالت ہے۔ آنحضور ﷺ کے فیض سے کسی حد تک فیضیاب ہوئے اور کچھ اندھیرے کو نے باقی رکھ دیئے۔ ان سے کیا سلوک ہوگا اس کے متعلق قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی مغفرت فرمادے، چاہے تو ان کو پکڑ لے ان کا معاملہ محفوظ معاملہ نہیں ہے اور ان کے لئے مقام خوف موجود ہے۔

پس اس مقام خوف کو دور کرنے کے لئے یہ رات آتی ہے جو انفرادی پیغام بن کر آتی ہے۔ امتِ محمدیہ ﷺ میں بھاری تعداد ایسے انسانوں کی ہے جو مقامِ خوف پر موجود ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے نور کی پوری طرح قدر نہیں کر سکے، ان کی زندگی کے بہت سے گوشے اندھیرے ہیں، اُن کے بہت سے اخلاق تاریک اخلاق ہیں اور وہ اِن اخلاق کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کے نور کو منعکس نہیں کرتے بلکہ اپنی ذات کی تاریکیوں کو اخلاق کی شکل میں دنیا پر ظاہر کر رہے ہوتے ہیں۔ پس یہ ایک قسم کا ایک مجموعہ تضاد بن جاتا ہے۔ کچھ نور ہے جو حضور اکرم ﷺ کی نمائندگی میں ظاہر ہو رہا ہے اور کچھ اندھیرے ہیں جو اپنی ذات سے پھوٹ رہے ہیں۔ اس کیفیت میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت مبتلا ہے۔ ان کے لئے صبح کیسے نازل ہوگی، ان کے اندھیرے کس طرح روشنیوں میں تبدیل کئے جائیں گے۔ اس کے جواب کے طور پر ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ لیلۃ القدر ایک نعمت عطا ہوئی ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ تم سارا سال جتنی کوشش کرتے ہو، ساری زندگی جتنی کوشش کرتے ہو اور تم ان کوششوں کے نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہ جاتے ہو، تمہارے لئے مایوسی کی کوئی بات نہیں، جس

ذات کو میں نے دنیا کے اندھیروں کو روشنی میں تبدیل کرنے کے لئے بھیجا ہے اس ذات پر جس رات میں نے یا جن راتوں میں میں نے قرآن کریم کا نزول فرمایا یہ راتیں مجھے اتنی پیاری ہیں کہ اگر ان راتوں میں اُٹھ کر میرا کوئی بندہ مجھ سے کامل خلوص کے ساتھ بخشش طلب کرے گا اور اپنے پرانے گناہوں سے تائب ہوتے ہوئے میرے غفران کی چادر میں لپٹنے کے لئے بے چین ہو جائے گا تو میں اس سے وعدہ کرتا ہوں یہ رات اس کی زندگی کی تمام راتوں اور تمام دنوں سے بہتر ہوگی اور وہ اپنی زندگی کے مقصود اور مطلوب کو پا جائے گا۔

پس آنحضرت ﷺ کی زندگی کا مقصود اور مطلوب دونوں دنیاؤں کو روشن کرنا اور ہر زمانے کے لئے روشن کرنا اور ہر زمانے کے لئے روشن کرتے چلے جانا تھا اور افراد کے لئے پیغام یہ تھا کہ وہ ایسی رات کو تلاش کریں جس سے ان کی ساری زندگی روشن ہوتی چلی جائے۔ چنانچہ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کا دور یعنی اس آخری عشرے کا دور ہمارے لئے وہ مبارک رات لے کر آتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم اکثر خاص راتوں میں سے گزرنے کے اس عشرے کی خاص راتوں میں سے لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کو تلاش کرتے ہوئے گزرنے کے باوجود پھر واپس اپنی تاریک راتوں میں لوٹ جاتے ہیں۔ وہ تاریک راتیں جو ہمارے اپنے گناہوں اور اپنی کمزوریوں کی راتیں ہیں جن کو لیلۃ القدر نہیں کہا گیا جو صرف راتیں ہی ہیں کیونکہ ان کے ساتھ قدر کی کوئی خوشخبری نہیں دی گئی۔

پس یہی وہ راتیں ہیں جو قدر کی راتیں ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی تقدیر خیر بھی ظاہر ہوتی ہے اور تقدیر شر بھی۔ تقدیر شر ان بدنصیبوں کے لئے جو ان راتوں سے فائدے اٹھائے بغیر ان سے گزر جاتے ہیں اور تقدیر خیر ان کے لئے جو اُن راتوں میں سے کوئی ایک ایسا لمحہ پا جاتے ہیں جس کی چمک دمک، جس کی لمس ان کی ساری زندگی کی تاریکیوں کو روشن کر دیتی ہے۔ پس یہ وہ خاص مبارک راتیں ہیں جن میں ہم داخل ہو چکے ہیں اور جماعت احمدیہ کو ان کی طرف خصوصیت سے توجہ کرنی چاہئے اور ہم میں سے ہر شخص کو انفرادی طور پر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ان راتوں سے گزر کر وہ ایک نیا انسان بن کر نکلے اور اس کی اپنی تاریک راتیں ہمیشہ کے لئے اُس سے منہ موڑ لیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا سورج ہمیشہ کے لئے اس پر روشن ہو اُس کے ہر تاریک گوشے کو روشنی میں تبدیل فرما دے۔

دوسرا معنی جو زمانے کے ساتھ تعلق رکھنے والا جو معنی ہے اس کی تکرار کی طرف قرآن کریم

میں اشارہ ہے۔اس لئے میں نے آج کی تلاوت کے لئے سورۃ قدر کو نہیں چنا بلکہ سورۃ دخان کی ان آیات کو چنا ہے جن میں لیلۃ القدر کے دوبارہ ظہور کا ذکر فرمایا گیا ہے۔اور یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ آئندہ زمانے کے اندھیروں کو بھی حضرت محمد مصطفی ﷺ کی بعثت ثانیہ کے ذریعہ روشنی میں تبدیل فرمایا جائے گا اور یہ آنحضرت ﷺ کا ہی فیض ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کا ہی نور ہوگا جو دوبارہ آخری زمانے میں چمکے گا۔

سورۃ دخان میں ان آیات کو رکھنے میں ایک بڑی حکمت ہے۔سورۃ دخان وہ سورۃ ہے جو اندھیروں سے تعلق رکھتی ہے۔جس کے متعلق فرمایا گیا کہ دھواں دنیا پر چھا جائے گا اور بڑا مہلک دھواں ہوگا۔مادی لحاظ سے بھی وہ مہلک دھواں ہوگا۔اس کی Radiation زندگی کو ہلاک کرنے والی ہوگی اور روحانی لحاظ سے بھی ایک ایسی تہذیب کا دھواں ہوگا جو ساری دنیا کو روحانی ہلاکتوں میں مبتلا کر دے گا۔جس پر اس دھوئیں کا سایہ آیا اس کے لئے روحانی موت کا پیغام بن کر آئے گا اور جس نے اُس کو قبول کیا اور اُس سے محفوظ نہ رہا اُس کی اُخروی زندگی گویا کہ ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہوگئی۔

ایسے موقع پر کوئی خوشخبری بھی تو ہونی چاہئے تھی ،کوئی بچنے کی راہ بھی تجویز ہونی چاہئے تھی۔ آنحضرت ﷺ نے دجّال سے ڈرایا اور سورۃ دخان کے مضمون کو دجال کے ساتھ باندھا اور ہمیں اس بات کی عقل عطا فرمائی کہ دجّال کا زمانہ سورۃ دخان میں بیان ہوا ہے اور اس کے بچنے کے لئے ہمیں بہت سی نصائح فرمائیں۔اُن نصائح میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم دجّال کے زمانے سے بچنے کے لئے سورۃ کہف کی پہلی دس آیات اور آخری دس آیات کی تلاوت کیا کریں کیونکہ ان میں دجّال کی دونوں حیثیتوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔اس کے مذہب کی بھی کھلے کھلے لفظوں میں تعیین کی گئی ہے اور اس کی سائنسی ترقی کا بھی آخری آیات میں ذکر ہے۔یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (الکہف:۱۰۵) کہہ کر فرمایا کہ وہ صنعت وحرفت میں اتنی حیرت انگیز ترقی کرے گا کہ وہ خود بڑے فخر سے یہ سمجھا کرے گا اور سوچا کرے گا کہ دیکھو میں کس شان کا خالق بن گیا ہوں۔کیسی کیسی عجیب اور عظیم صنعتیں پیدا کر رہا ہوں گویا وہ خدا کے مقابل پر خدائی کا دعویدار بھی بن بیٹھے گا۔ایسے موقع پر دجال کے دو فتنوں سے بچنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ایک فتنہ مذہب کا فتنہ ہے یعنی خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا لینا اور عاجز بندہ کو واقعۃً خدا کا بیٹا قرار دے دینا اور دوسرا فتنہ ان کی تہذیب اور تمدن اور صنعتوں کے نتیجہ میں

پھیلنے والے شر کا فتنہ ہے۔

پس اس موقع پر ان سے بچنے کے لئے کیا ظہور پذیر ہوگا۔فرمایا کہ گویا ایک اور لیلۃ القدر جو محمد مصطفی ﷺ کی لیلۃ القدر ہے آخری زمانہ میں بھی ظاہر ہوگی اور اُس زمانے کی بھی سنی جائے گی۔اس مضمون کو قرآن کریم میں مختلف جگہ پر مختلف رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (العصر : ۲-۴) یعنی زمانے کی قسم کہ سارا زمانہ گھاٹے میں چلا گیا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:۴۲) کا نقشہ ہے لیکن ایک استثنٰی کے ساتھ۔یہ اُس زمانے کی بات ہے جب محمد مصطفی ﷺ کے ماننے والے بھی موجود ہوں گے اور اُن کا استثنٰی فرمایا گیا اس لئے اگر آپ باریک نظر سے دیکھیں تو یہ دو مختلف زمانے کی باتیں ہیں۔ایک وہ زمانہ ہے جس کے متعلق فرمایا کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور وہ زمانہ ہے جبکہ اس فساد کو دور کرنے کے لئے ایک ہی سورج ظاہر ہوا ہے اور وہ محمد مصطفی ﷺ کا سورج ہے اور اُس کی شعاعوں اور اُس کی روشنی کے نتیجہ میں پھر نورانی وجود پیدا ہونے شروع ہوئے لیکن جب محمد مصطفی ﷺ ظاہر نہیں ہوئے جب تک آپ کی فجر طلوع نہیں ہوئی یہ رات مکمل رات تھی۔مگر آخری زمانے کی جس رات کا ذکر سورۂ عصر میں فرمایا گیا اس میں مستثنٰی ساتھ ہی کر دیا اور اس میں ایک یہ بھی خوشخبری ہے کہ آنحضور ﷺ کے ماننے والوں پر قیامت تک کوئی ایک ایسا دور نہیں آئے گا جس میں کچھ مومن اور کچھ صالحین ایسے نہ ہوں جن کو خدا تعالیٰ ہلاک ہونے والوں سے مستثنٰی قرار نہ دے دے۔لازماً قیامت تک محمد رسول اللہ ﷺ کا نور کسی نہ کسی شکل میں ضرور زمین پر جلوہ گر رہے گا اور ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آسکتا خواہ سارا زمانہ تاریکیوں میں ڈوب جائے کہ وہ تاریکیاں اس نور کو بھی غرق کر دیں یہ ضرور چمکتا رہے گا اور امید کی کرنیں دنیا کو عطا کرتا رہے گا۔پس وَالْعَصْرِ نے جس اندھیری رات کا ذکر فرمایا وہاں لَيْلَةُ الْقَدْرِ کے مضمون کو ایک اور رنگ میں بیان فرمایا ہے۔فرمایا روشنی پوری طرح مٹی نہیں ہے ابھی موجود ہے۔تم ٹٹولو اور دیکھو، اپنے دل کو ٹٹول کے دیکھو اگر تم مومن ہو اور خدا کے پاک رسول محمد مصطفی ﷺ سے وابستہ ہو تو تم میں سے ہر ایک کے اندر استثناء کے امکانات موجود ہیں اور وہ استثناء کامل اس طرح بنے گا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ایسے لوگوں کو مستثنٰی کیا جائے گا جو صرف آنحضور

ﷺ پر ایمان ہی نہیں لاتے بلکہ عمل صالح سے اُس ایمان کی تصدیق کرتے ہیں اور پھر اکیلے نہیں رہتے بلکہ اجتماعی کوشش کرتے ہیں۔ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۔تو اُن کے ذریعہ رات کس طرح تبدیل کی جائے گی اور وہ کیسے تبدیل کی جاتی ہے اس مضمون کو بیان فرمایا۔وہ ایسے بندے ہوں گے جو گھاٹے والے زمانہ سے مستثنیٰ ہوں گے لیکن استثناء صرف اُن کی ذات تک محدود نہیں رہے گا۔وہ اسی بات پر راضی نہیں رہیں گے کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا اور ہم ہلاک ہونے والے نہیں بلکہ اُن کی صفات یہ بیان فرمائیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے ہیں، نیک اعمال کرنے والے ہیں اور ان دونوں باتوں کو اپنی ذات تک محدود رکھنے والے نہیں بلکہ دعوت الی اللہ کرنے والے ہیں، اپنی خوبیوں کو زمانے میں پھیلانے والے اور اپنی نیکیوں کو دنیا میں بانٹنے والے ہیں اور اُن کا طریق کیا ہے؟ فرمایا وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۔نیک نصیحت اُن کے پیغام پہنچانے کا ذریعہ ہے۔کوئی تلوار اُن کے ہاتھ میں نہیں، کوئی نیزے کی اَنی اُن کے پاس نہیں ہیں جس سے ڈرا کر اور سینوں کو چھید کر وہ دلوں میں ایمان داخل کریں۔وہ نیک نصیحت کرنے والے لوگ ہیں اور نیک نصیحت ایسی جو حق کے ساتھ کرتے ہیں، حق بات کی کرتے ہیں اور حق پر قائم رہتے ہوئے نیک نصیحت کرتے ہیں اور پھر دنیا خواہ سنے یا نہ سنے مایوس نہیں ہوتے اور اپنی نصیحت پر قائم رہتے ہیں اور مستحکم رہتے ہیں، ان کے پائے ثبات پر لغزش نہیں آتی۔وہ اس بات سے قطع نظر کہ کوئی کیسے ان کی نصیحت کا جواب دیتا ہے، نیک نصیحت کرتے ہیں اور کرتے چلے جاتے ہیں۔چنانچہ فرمایا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۔وہ صبر کے ذریعہ نیک نصیحت کرتے ہیں، مسلسل کرتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی نہیں تھکتے اور پھر دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں۔جس کا مطلب ہے کہ وہ زمانہ بہت سے دکھوں میں مبتلا ہوگا اور اُن انسانوں کو صبر کی تلقین کرنا اُن کی اُمیدوں کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہوگا۔پس وہ خود بھی خدا کے صابر بندے ہیں، نیک نصیحت پر صبر کر کے بیٹھ رہتے ہیں، حق بات کی نصیحت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو بے چین ہوتے ہیں کہ زمانے کا کیا بنے گا اور ان کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ان کو بتاتے ہیں کہ یہ وہ نور ہے جو ضائع ہونے کے لئے نہیں آیا ہے، یہ وہ نور ہے جس کی سرشت میں ناکامی نہیں لکھی گئی۔یہ لازماً غالب آنے والا نور ہے کیونکہ یہ وہی نور ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے پہلے بیان فرمایا ہے کہ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ کہ فجر تو لازماً طلوع ہوگی اور

محمد مصطفی ﷺ جن کے وجود سے یہ اندھیری رات ایک قدر کی رات میں تبدیل ہوئی ہے وہ بالآخر اس روشنی پر منتج ہو جائے گی جسے فجر کی روشنی کہا جاتا ہے جو سارے عالم کو ڈھانپ لیتی ہے اور یہ روشنی آدھے زمانے کے لئے نہیں رہے گی بلکہ یہ دن دوسری دنیا پر بھی چڑھے گا اور لازماً اس کے نور سے تمام دنیا استفادہ کرے گی۔ یہ وہ مضمون ہے جو قرآن کریم کی مختلف آیات کے اکٹھے مطالعہ سے بلاشبہ بڑے واضح طور پر روشن ہوتا ہے۔

یہ جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں اور جن کا سورۃ دخان سے تعلق ہے ان کا آنحضرت ﷺ کی آخرین میں بعثت سے تعلق ہے جس کی خوشخبری سورہ جمعہ میں دی گئی تھی اور اسی لئے اس لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ کے دوبارہ ذکر کو سورہ دخان کے ساتھ وابستہ فرمایا گیا کیونکہ اس سورۃ میں ایک بہت ہی خطرناک عالمی اندھیرے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حٰمٓ حمد اور مجد والا خدا ہے۔ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ اور اس کھلی کھلی کتاب کی قسم، اس کھلی کھلی کتاب کی گواہی ہے۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کہ ہم نے اس قرآن کو جو صاحب حمد اور صاحب مجد خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے ایک ایسے تاریک زمانہ میں اُتارا ہے جسے برکت دی گئی ہے۔ تاریک ہوتے ہوئے بھی وہ برکتوں کا زمانہ ہے کیونکہ تاریک راتوں میں جو روشنی پا جاتا ہے اُس سے بڑھ کر مبارک اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ دن کے ظاہر ہونے پر جو روشنی پاتے ہیں وہ روشنی تو ہر کس و ناکس کو مل جاتی ہے مگر اصل برکتیں ان لوگوں کے مقدر میں ہوتی ہیں جو اندھیری راتوں میں روشنیاں پا جاتے ہیں تو فرمایا ایک ایسی لمبی طویل رات کا زمانہ آنے والا ہے جس کے متعلق ہم تمہیں پہلے سے ہی خوشخبری دیتے ہیں کہ اس رات کے تمام دکھوں کا علاج قرآن کریم میں ہے جو حمید اور مجید خدا کی طرف سے نازل کیا گیا۔ اسی کتاب کے نزول نے آنحضرت ﷺ کے طفیل دنیا کی اندھیری راتوں کو مبارک راتوں میں تبدیل کر دیا ہے لیکن یہ مبارک راتیں صرف اُن کے لئے مبارک ہوں گی جو قرآن کریم کی روشنی سے فیض اُٹھائیں۔ باقیوں کے لئے تو وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۳﴾ کی تقدیر جاری و ساری رہے گی۔ پھر فرمایا۔ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ اب دیکھیں خدا تعالیٰ کا کلام کیسا فصیح و بلیغ ہے۔ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کے بعد بظاہر یہ آنا چاہئے کہ خوش ہو جاؤ، مبارک راتوں کا زمانہ آ گیا ہے لیکن فرماتا ہے۔ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ۔ ہم تمہیں ڈرا رہے ہیں۔ پیغام کو سمجھو، راتیں راتیں ہی ہیں اور ان کے خطرات اسی

طرح ہی ہیں۔ہم یہ خوشخبری دے رہے ہیں کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ سے تعلق جوڑ کر تمہاری ظلم کی اندھیری راتیں مبارک راتوں میں تبدیل ہوسکتی ہیں لیکن تمہیں ضرور کچھ کرنا ہوگا اگر تم کچھ نہیں کرو گے اور کوشش نہیں کرو گے اور محنت کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کے نور سے تعلق نہیں باندھو گے تو پھر تمہاری راتیں مبارک راتیں نہیں بن سکیں گی تو مُنْذِرِیْنَ کہہ کر یہ بات بیان فرما دی اور پھر اگلی آیت میں فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ میں اسی مضمون کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ یہ کیسی راتیں ہیں۔ یہ کیسا دور ہے جس میں قرآن کریم نازل فرمایا گیا ہے۔ یہ ایسا دور ہے جس میں فرق کر کے دکھایا گیا ہے۔فرمایا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ، يُفْرَقُ کا مطلب ہے کھول کر بیان کر دیا گیا، تشہیر کر دی گئی اور فرق کر کے، تمیز کر کے دکھا دیا گیا۔کس بات میں؟ اَمْرٍ حَكِيْمٍ میں۔حکمت والے امر میں یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کا جو امر نازل ہوا ہے اس میں ہے اور پھر اَمْرٍ کا مطلب تقدیر بھی ہے ہر اہم بات جس کا انسان سے تعلق ہے امر الٰہی سے تعلق رکھتی ہے اور اَمْرٍ کا مطلب حکومت بھی ہے۔پس صاحب حکومت، صاحب قدر، صاحب جلال خدا کی طرف سے جس کے سامنے تمام دنیا بالکل بے اختیار اور بے حیثیت ہے۔جس کا اَمْرٍ چلتا ہے کسی اور کا اَمْرٍ اُس کے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔وہ جب اپنا اَمْرٍ جاری فرماتا ہے تو کوئی صاحب امر رہتا نہیں ہے۔

اندھیروں میں، اپنی جہالتوں میں بسنے والے لوگ بعض دفعہ اپنے آپ کو صاحب امر سمجھتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں تھوڑی دیر کے لئے اَمْرٍ عطا ہوا ہے اب ہم ہی صاحب امر ہیں مگر قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ امر صرف خدا کے لئے ہے اور جب خدا اپنا اَمْرٍ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو سارے اَمْرٍ باطل ہو جاتے ہیں۔فرمایا کہ ہم نے فرق کر کے دکھانے والا کلام نازل فرمایا ہے۔ ایسا کلام جس میں ہر ایسے معاملے میں فرق کر کے دکھایا گیا ہے جو صاحب حکمت ہے اور انسان کی تقدیر سے اس کا تعلق ہے۔ہر اَمْرٍ حَكِيْمٍ کو ہر بد امر سے الگ کر کے دکھایا گیا ہے یہ معنی ہیں یعنی حکمتوں کے خزانے لٹائے گئے ہیں اور ان میں کوئی بھی کنجوسی نہیں کی گئی۔ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی مصالح اور اس کے فوائد کے لئے جتنی بھی حکمتیں ضروری تھیں ان حکمتوں سے تعلق میں تمام اُمور بیان فرما دیئے گئے اور کھول کر فرما دیئے گئے یعنی انسان کی تمام ضرورتیں

قرآن کریم نے پوری دیں اور جس انسان کی ساری ضرورتیں پوری ہو جائیں اس کو کسی رات کا کیا ڈر رہتا ہے۔ یہی وہ قرآن ہے جو لَیۡلَۃُ یعنی اندھیروں کے زمانوں کو ایک دائمی روشنی کے زمانے میں تبدیل کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ پر یہ کلام نازل ہوا آنحضور ﷺ اسی لحاظ سے خدا کا نور کہلائے یعنی آپؐ میں اور کلام میں حقیقۃً کوئی فرق نہیں رہا۔ جیسا کلام الٰہی تھا ویسے آپؐ بن گئے۔ جن سانچوں میں کلام الٰہی انسان کو ڈھالنا چاہتا ہے حضرت محمد مصطفی ﷺ انہی سانچوں میں ڈھلتے چلے گئے۔ کلام مجسم نور تھا۔ پس حضرت محمد مصطفی ﷺ بھی مجسم نور ہو گئے اور یہ وہ نور ہے جو لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کو دکھائی دینا چاہئے یعنی محمد مصطفی ﷺ کا نور، کلام الٰہی کا نور جو در حقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ **پس آپ اگر ایک ظاہری چمک کو، ایک بجلی کی چمک کو لیلۃ القدر سمجھ کر اپنی ذات میں خوش ہوتے رہیں تو آپ کی مرضی ہے جو چاہیں سوچیں اور جو چاہیں کریں لیکن وہ نور جو دل پر نازل نہیں ہوتا تو جیسا کہ میں نے کھول کر بیان کیا ہے قرآن کا نور اور محمد مصطفی ﷺ کا نور ہے وہ نور اگر آپ کو نصیب نہیں ہوتا تو ہزار بجلیاں آپ پر چمکتی رہیں آپ کے لئے یہ روشنی کا پیغام نہیں بلکہ ہلاکت کا پیغام لے کر آئیں گی آپ کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے والی ہوں گی، آپ دھوکوں میں مبتلا ہو جائیں گے، نفس کے اندھیروں میں اور زیادہ ڈوب جائیں گے۔ آپ سمجھیں گے کہ آپ اہل اللہ بن گئے ہیں۔ اس رات ولی بن کر اُبھرے ہیں لیکن اگر دل نے یہ گواہی نہ دی کہ آپ پر کلام الٰہی کا نور نازل ہوا ہے، آپ کے اندر ایک پاک تبدیلی کی گئی ہے اور محمد مصطفی ﷺ سے آپ کا ایک اٹوٹ رشتہ جوڑ دیا گیا ہے تب تک یہ ظاہری علامتیں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہاں اگر یہ نصیب ہو جائے تو اور پھر بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پیار اور محبت کے سلوک کے اظہار کے طور پر یہ ظاہری علامتیں بھی ظاہر فرماتا ہے۔**

قادیان میں بچپن کے زمانہ میں مجھے یاد ہے کہ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کی راتوں کی صبح اکثر لوگ سوال کیا کرتے تھے کہ کچھ ظاہر ہوا لیکن بزرگ صحابہ، عارف باللہ لوگوں سے جب بھی یہ سوال کیا گیا ہے تو انہوں نے اپنی قلبی کیفیت کو نشان بتایا ہے اور ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل کے ساتھ دل پر جو کیفیت طاری ہوئی ہے وہ ایک انشراح کی کیفیت تھی، انبساط کی کیفیت تھی، روحانی سرور کی کیفیت تھی اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے کچھ ظاہری نظارے ایسے بھی دکھائے جن سے اندرونی

کیفیتوں کو مزید تقویت ملی لیکن بچے بعض دفعہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جی ہم نے لیلۃ القدر دیکھ لی۔ اتفاق سے موسم ایسا تھا کہ رات بجلیاں چمکیں اور روشنی کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہوئی اور بچوں نے سمجھ لیا کہ جی ہم نے لیلۃ القدر دیکھ لی۔ ان کا شغل ٹھیک تھا، نیکی کی خاطر یہ بچپن کی باتیں تھیں مگر بڑوں کو بچپن کی یہ باتیں زیب نہیں دیتیں کیونکہ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کا ساری زندگی سے تعلق ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے رہیں کہ آپ کو یہ مبارک لمحہ نصیب ہو گیا ہے اور زندگی تاریک ہے تو کتنا بڑا دھوکہ ہے۔ اس کی قطعی نشانی یہ ہے کہ **انسان کے اندر ایک ایسی پاک تبدیلی پیدا ہو کہ اس کا ماضی اس کے مستقبل سے جدا ہو جائے۔ اس کے اندر ایک نیا وجود پیدا ہو اور اس وجود کی روشنی پھر ہمیشہ بڑھتی رہے گی کیونکہ ایک ہی آن میں نہ اُسے کامل طور پر قرآن کریم کا نور نصیب ہو سکتا ہے نہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور سے اس کا کامل تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کون سا نور ہے جس کی میں بات کر رہا ہوں۔ یہ نور قدر کا نور ہے، فیصلے کا نور ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے ایک فیصلہ اُترتا ہے اور دل کے نور سے تعلق قائم کرنے کے لئے دل کا فیصلہ بنتا ہے۔** یہ دو نور ہیں جو ملائے جاتے ہیں اور یہی وہ نور ہیں جن کو قرآن کریم نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ (النور: ۳۶) کہہ کر بیان فرماتا ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو نور آسمان سے نازل ہوا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دل سے ایک شعلہ چمکا تھا اور پھر آسمان سے وہ نور اُترا جسے محمد مصطفیٰ ﷺ کا یا قرآن کا نور یا خدا کا نور کہا جاتا ہے۔

پس ایسا نور ہر دل سے ایک شعلے کی صورت میں اُٹھنا چاہئے۔ یہ نور اُٹھے گا تو خدا کی طرف سے وہ نور نازل ہو گا اور یہ تقدیر ہے جو لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کی تقدیر سے تعلق رکھنے والی تقدیر ہے جو ہر انسان پر آ سکتی ہے اور اگر وہ چاہے تو ہر انسان کے نصیب میں ہے۔ پس دعاؤں کے وقت اپنے اندر کوئی ایسی پاک تبدیلی پیدا کرنا جس کے بعد آپ دنیا کے نہ رہیں بلکہ خدا کے ہو جائیں اور پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کی کچھ علامتیں مشاہدہ کرنا جو آپ کے دل کو ہلا کر رکھ دیں اور آپ کی موت کو زندگی کا ایک نیا پیغام دے دیں۔ وہ موت جو آپ نے خدا کی خاطر قبول کی تھی اُس موت کو زندگی میں تبدیل کریں اور خدا کی خاطر دنیا سے تعلق کاٹ کر، توڑ کر دنیا کی روشنیوں سے منہ موڑ کر جب آپ نے اپنے لئے ایک قسم کا اندھیرا قبول کیا تو خدا تعالیٰ کا نازل ہونے والا نور اس اندھیرے کو یک

دفعہ روشنی میں بدل دیتا ہے۔ یعنی ایسی امید میں تبدیل کر دیتا ہے جس کے بعد آپ کا نور خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کے منشاء کے مطابق تدریجاً بڑھتا رہتا ہے۔ بعضوں میں زیادہ تیز رفتاری سے بڑھتا ہے، بعضوں میں نسبتاً کم تیز رفتاری سے بڑھتا ہے اور یہ نور انسان کی حفاظت کرتا ہے اور انسان کے لئے اس حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ وہ استغفار سے کام لے۔ مغفرت کا اس نور کو بچانے اور سنبھالنے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

حقیقی لَيْلَةُ الْقَدْرِ تو اس کی ہے جس کے پاس یہ نور ہمیشہ کے لئے رہے لیکن بعض دفعہ ایک انسان کو نور عطا ہوتا ہے اور اپنی غفلت سے اس کو سنبھال نہیں سکتا۔ اسے بچانے کے لئے اس کو جو کوشش کرنی پڑتی ہے اس کا نام استغفار ہے۔ جیسے بعض دفعہ آپ دیا لے کر چلتی ہوئی ہواؤں میں نکلیں تو کس طرح آگے ہاتھ رکھ رکھ کر یا عورتیں بعض دفعہ اپنی چادر کے پلّو ڈال ڈال کر اس کو بچانے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہی استغفار ہے۔

استغفار کا مطلب یہ ہے کہ پناہ میں آنا، چھپنا، کسی بد اثر سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا، اُس سے تعلق توڑنا۔ پس ہواؤں سے اس طرح اپنے آپ کو بچانا یہ استغفار ہے۔ ہمیں یہ خوشخبری تو دی گئی ہے کہ جو نور آنحضرت ﷺ کو عطا ہوا اس کو دنیا کی کوئی آندھی بجھا نہیں سکے گی وہ ہمیشہ چمکتا رہے گا لیکن ہر شخص کو اس بات کی ضمانت نہیں دی گئی کہ اس کا نور محفوظ رہے گا بلکہ استغفار کے ذریعہ ہمیں نصیحت فرمائی گئی کہ مسلسل اس نور کی حفاظت کی کوشش کرو۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا نور لوگوں کی پھونکوں سے بجھایا نہیں سکتا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ ہمیشگی کا نور ہے اور خدا اس کی حفاظت فرما رہا ہے **لیکن اس ضمانت کے باوجود حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ بھی ہمیشہ اس نور کی والہانہ حفاظت فرمایا کرتے تھے۔ دن کو بھی استغفار فرماتے تھے، راتوں کو بھی استغفار کیا کرتے تھے، زندگی کا ہر لمحہ اس نور کے گرد استغفار کی حیطانیں میں قائم کرتا رہتا تھا اور ان کو مضبوط بناتا چلا جاتا تھا اور اونچا کرتا چلا جاتا تھا۔**

پس خدا کی طرف سے اس نور کی حفاظت کا جو وعدہ ہے اس نے آنحضور ﷺ کو غافل نہیں کیا بلکہ اس کی اور زیادہ قدر کر دی۔ اور زیادہ آپؐ کی طرف سے اس نور کو قائم دائم رکھنے کے لئے کوششیں ہوئیں۔ پس ہم جو کمزور ہیں ہم پر بھی لازم ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہمیں لَيْلَةُ الْقَدْرِ عطا

فرمائے اور خدا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک کو یہ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ نصیب ہو تو ہم بھی اس نور کی حفاظت کریں اور دل و جان سے اس پر نگران رہیں۔ اپنے نفس کی پھونکیں ہیں جن سے ہمیں ڈرنے کی زیادہ ضرورت رہتی ہے۔

دشمن کی پھونکیں بے حقیقت اور بے معنی ہیں لیکن نفس کی پھونکیں زیادہ خطرناک ہیں۔ وہ اس نور کو بجھانے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ اس لئے یہ دعا بھی سکھائی گئی **من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا** (ترمذی کتاب النکاح حدیث نمبر: ۱۰۲۳) کہ اے خدا ہم تجھ سے **من شرور انفسنا** اپنے نفس کے شرور سے پناہ مانگتے ہیں۔ **و من سیات اعمالنا** اور اپنے اعمال کی بدیوں سے۔ یہ سب سے زیادہ خطرناک حملہ ہے جو انسان پر ہو سکتا ہے اور وہ شیطان اس نور کے بجھانے کے درپے ہوتا ہے جو انسان کے رگ و ریشے میں موجود ہے اور یہ اس انسان کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ **شرور انفسنا و من سیات اعمالنا**۔ ہمارے اندر دبے ہوئے کچھ شرور ہیں اور شر کا بھی شعلے سے ایک تعلق ہے لیکن یہ شیطانی شعلہ ہے۔ یہ خدا کے نور کو بجھانے کے لئے کوشش کرنے والا شعلہ ہے۔ اور اس کے مقابل پر جو آسمانی نور ہے اس کو نور کہا گیا ہے نار نہیں فرمایا گیا۔

پس دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس رمضان کے اس آخری عشرے میں اس حالت میں داخل فرمائے کہ ہم میں کثرت سے لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کی زیارت کرنے والے پیدا ہوں، ایسے خوش نصیب پیدا ہوں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن اور محمد مصطفی ﷺ کے نور کے ساتھ ایک دائمی تعلق عطا ہو اور وہ تعلق ان کی سابقہ زندگی کے تمام اندھیروں کو روشنی میں بدل دے۔ ایسے لوگ اگر پیدا ہوں گے تو پھر زمانے کی تقدیریں ان سے وابستہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا سورۂ عصر میں ذکر فرمایا گیا۔ وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۔ ہم زمانے کی قسم کھاتے ہیں۔ سارا زمانہ اس بات پر گواہ ہے کہ انسان بحیثیت انسان گھاٹے میں چلا گیا۔ مشرق بھی گھاٹے میں چلی گئی، مغرب بھی گھاٹے میں چلی گئی۔ شمال اور جنوب بھی، کالے اور گورے اور زرد اور سرخ تمام قومیں اس وقت گھاٹے کی حالت میں ہیں۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ ہاں خدا کے پاک رسول محمد مصطفی ﷺ کے شیروں کے، وہ مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حقیقی معنوں میں حضرت رسول اکرم ﷺ کو قبول کیا اور آپؐ پر ایمان لائے اور اس کے نتیجہ میں آپ

کے اعمال میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوئیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کے ساتھ اور صبر کے ساتھ زمانے کی تقدیر بدلنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور یہ وہ قدر ہے جو آپ کو عطا کی گئی ۔ **اے جماعت احمدیہ اس قدر کی رات کی قدر کرو۔ تم نے وہ صبح طلوع کرنی ہے جو نور مصطفی ﷺ** کی ہوگی، تم نے وہ صبح طلوع کرنی ہے جو نور فرقان کی صبح ہو گی لیکن دعاؤں عاجزی اور انکساری کے ساتھ، صبر کے ساتھ اور حق کے ساتھ مستقل مزاجی کے ساتھ یہ جدو جہد کرتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ کیا تمہیں خود یہ صبح نصیب ہوگئی ہے کہ نہیں اگر تمہیں یہ صبح نصیب ہوگئی ہے تو یادرکھو کہ دنیا کی تقدیر بھی روشن ہو جائے گی اور اگر تمہیں یہ صبح نصیب نہیں ہوئی تو کس روشنی سے دنیا کی تقدیر بدلو گے؟

حضرت آصفہ بیگم صاحبہؒ کی وفات اور اُن کا ذکر خیر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ / اپریل ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کی تلاوت کی۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۷﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۹﴾ (الرحمٰن: ۲۷-۲۹)

پھر فرمایا:۔

سورۂ رحمٰن کی جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں ایک ایسا عظیم الشان دائمی اعلان کیا گیا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں اور توحید کا گہرا راز اس میں بیان فرمایا گیا ہے اور خدا کے واحد اور احد ہونے کے باوجود مخلوقات سے اس کے تعلقات کا راز اس میں کھولا گیا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ ہر وہ چیز جو سطح ارض پر موجود ہے وہ مٹ جائے گی باقی نہیں رہے گی فَانٍ۔ ہلاک ہونے والی ہے وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تیرے رب کا چہرہ جو جلال اور اکرام والا چہرہ ہے صرف وہی باقی رہے گا لیکن اس آیت کے ترجمہ میں ترجمہ کرنے والوں کو دقت پیش آتی ہے اور اس لئے مختلف ترجمے پیش کیے جاتے ہیں ''خدا کا چہرہ'' سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگ اس سے ذات باری تعالیٰ مراد لیتے ہیں اور ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ خدا کی ذات باقی رہے گی اور ہر دوسری چیز مٹ جائے گی بعض یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نگاہیں جس پر پڑیں اور جس کو خدا کا وجہ نصیب ہو جائے وہ مستثنیٰ ہے وہی باقی رہے گا جسے اللہ کی رضا حاصل ہوگی اور خدا کی رضا باقی رکھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے یہی عارفانہ ترجمہ تفسیر صغیر میں فرمایا

ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہر چیز فانی اور بے معنی اور بے حقیقت ہے اور ان کی بقا کے کوئی معنی نہیں جو بظاہر نظر بھی آئیں وہی چیز باقی ہے جو رب کی رضا کے ساتھ باقی ہے اور رب کی رضا کے ساتھ زندہ ہے۔

اس کے علاوہ اس میں ایک اور بھی راز بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی چیزیں باقی رہتی ہیں تو وہ فی ذاتہٖ باقی نہیں رہ سکتیں۔ اِلَّآ نے یہ استثناء کر کے متوجہ فرمایا کہ ہم خدا کے سوا بھی تو بے انتہا وجود دیکھتے ہیں اور مرنے کے بعد کی زندگی کا ہم سے وعدہ بھی کیا گیا ہے تو کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ سے کیا صرف یہ مراد ہے کہ ہر چیز اس دنیا سے مٹ کر ایک نئی زندگی میں داخل ہوگی لیکن یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ جس کی وابستگی ہوگی اُسے نئی زندگی ملے گی اور اُسے بقا نصیب ہوگی۔ سوائے اس کے جسے خدا کا وجہ نصیب نہ ہو تو وجہ سے مراد توجہ بھی ہے۔ رحمت شفقت پیار اور محبت کا تعلق یہ ساری باتیں پیار کی توجہ میں داخل ہوتی ہیں۔ پس وَجْهُ رَبِّكَ کا مطلب یہ ہوگا سوائے ان کے جن کو خدا کے پیار کی توجہ نصیب ہو وہ فنا ہونے والے وجود نہیں ہیں وہ ہمیشہ باقی رکھے جائیں گے۔ پس ان معنوں میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سب سے اوّل اس آیت سے مراد ہیں اور سب سے اوّل یہ آیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی پر اطلاق پاتی ہے۔

آج جمعہ کا مبارک دن ہے اور ۲۹ رمضان ہے یہ جمعۃ الوداع کہلاتا ہے اس جمعہ کے آغاز ہی میں یعنی جب جمعرات کا سورج ڈھل گیا اور اسلامی نقطہ نگاہ سے جمعہ کی رات شروع ہوگئی اور جب انگریزی نقطہ نگاہ سے بھی رات کے بارہ بجے ایک دو منٹ اُوپر ہوئے تو اس وقت میری بیوی کو رب کا بلاوا آ گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اس سے پہلے مَیں نے ان کا ذکر نہیں کیا کرتا تھا اُس کی وجوہات یہ ہیں اوّل یہ کہ مجھے ڈر تھا کہ اگر جذبات پر قابو نہ رہا جماعت جو پہلے ہی نڈھال ہے بالکل ذبح کی حالت کو پہنچ جائے گی۔ **جماعت سے جو میرا تعلق ہے ایسا ہے کہ مَیں جماعت کے دل میں رہتا ہوں اور جماعت میرے دل میں رہتی ہے یہ ایسا تعلق ہے جو خطوں کا محتاج نہیں پیغاموں کا محتاج نہیں کسی کو بتانا نہیں پڑتا کہ اُسے مجھ سے کتنی محبت ہے** یہ ایسے جاری وساری زندہ رشتے ہیں جو وَجْهُ رَبِّكَ کے طفیل ہمیں نصیب ہوئے ہیں اور وَجْهُ رَبِّكَ کی یہ علامات ہیں کہ للٰہی محبتیں اتنی شدت پکڑ جائیں کہ دوسری دنیاوی محبتیں ان کے مقابل پر کوئی حیثیت نہ رکھیں تو ایک تو یہ خوف دامنگیر تھا کہ کہیں میرے جذبات کے غلبہ کے نتیجہ میں وہ احمدی جو پہلے ہی شدت کے ساتھ میرا دکھ

محسوس کر رہے ہیں ان کی حالت غیر نہ ہو جائے۔

دوسرے یہ بات پیش نظر تھی کہ ضرورت ہی کیا ہے وہ جانتے ہیں مَیں جانتا ہوں، اطلاعیں مل رہی ہیں اور سب کو علم ہے کہ کیا صورت حال ہے تیسری ایک وجہ یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ بعض رؤیا ایسی ملتی رہیں جن سے یہ خیال گزرتا تھا کہ شاید خدا تعالیٰ کی تقدیر شفا کی صورت میں ظاہر ہو لیکن بعض اور کچھ ایسی علامتیں ساتھ ساتھ جاری رہیں کہ جن کے نتیجہ میں مَیں یقین کے ساتھ جماعت کے سامنے کوئی نظریہ پیش نہیں کر سکتا تھا اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے واضح طور پر وصال کی خبر ملتی تو تب بھی میں جماعت کو کسی نہ کسی رنگ میں تیار کرتا اگر واضح طور پر شفا کی خبر ملتی تو تب بھی میں تیار کرتا اور بتا دیتا کہ خدا نے یہ خوشخبری عطا فرمائی ہے جس طرح اس سے پہلے بتایا گیا اور بڑی شان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق میں وہ نظارہ پورا فرمایا تو اس وقت کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ مثلاً میں آپ کے سامنے اب اس عرصہ کے کچھ واقعات کھول کر بیان کروں گا اس سے کچھ آپ کو اندازہ ہوگا کس گومگو کشمکش کی حالت سے ہم گزر رہے ہیں۔

لیکن سب سے پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ آپ کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں ۲۱ / جنوری کو ہوئی اور اس لحاظ سے مجھ سے تقریباً آٹھ برس چھوٹی تھیں اور ہماری شادی ۱۹۵۷ء میں جلسہ سالانہ کے بالکل قریب ہوئی تاریخ تو مجھے یاد نہیں لیکن ۱۷ کا خیال آتا ہے غالباً ۱۷ / دسمبر کو ہوئی اور ایک لمبا عرصہ ہمارا اس طرح اکٹھے گزرا کہ باوجود بعض اختلافات کے انہوں نے بڑے صبر کے ساتھ مجھ سے گزارا کیا۔ ذہنی اور معاشرتی اختلافات جو روزمرہ کے رہن سہن کے معیار ہیں ان کے نتیجہ میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے والدین نے ہمیں بچپن میں بہت ہی سادہ حالت میں رکھا اور نہایت غریبانہ حالت میں زندگی بسر ہوئی۔ باوجود اس کے کہ وہ ساری ضرورتیں بھی پوری ہوتی رہیں جو امیروں کے بچوں کو ان معنوں میں نصیب ہوتی ہیں کہ پہاڑوں پر جانا اور شکار وغیرہ دوسرے شوق پورے کرنا تا کہ کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے بالا ارادہ ہمیں Tough بنانے کی کوشش کی اور سادہ زندگی کی تعلیم جو دوسروں کو دیتے تھے اپنے گھر میں بھی یہی تعلیم عملاً جاری تھی۔ ان کے ہاں معیار زندگی ہمارے ہاں معیار زندگی سے بہت اونچا تھا۔ جب ہمارے گھر آئیں تو ایک واقف زندگی کے ساتھ بیاہی گئیں جس کا روزمرہ کا گزارا بھی بہت معمولی تھا۔ تو بہت تکلیف میں وقت کاٹا

لیکن بڑے ہی صبر کے ساتھ کبھی مطالبے نہیں کئے۔ ساری زندگی میں مجھ پر یہ بوجھ نہیں ڈالا وہ لاؤ جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ مزاج کے اختلاف کی وجہ سے اور دینی پس منظر کے اختلاف کی وجہ سے رفتہ رفتہ بہت توجہ اور پیار کے ساتھ اور سمجھا بجھا کر ان کی تربیت کرنی پڑی شروع میں ان کو جماعت کی خواتین اور جماعت کی تنظیموں سے کوئی ذاتی تعلق نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ اس تعلق کو قائم کیا لیکن اس سے پہلے میں شادی کے استخارہ سے متعلق ایک بات بتا دوں۔

قادیان میں ۴۶۔۱۹۴۵ء کی بات ہے کہ جب میں نے ان کے ساتھ شادی کا پیغام دینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کی یہ عادت تھی کہ بیٹوں سے بھی پوچھا کرتے تھے بیٹیوں سے بھی پوچھا کرتے تھے، اپنی مرضی نہیں ٹھونستے تھے لیکن اگر کوئی غلط فیصلہ ہو تو اُسے سمجھا دیا کرتے کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ اس طرح ایک بہت اعلیٰ پاکیزہ افہام و تفہیم کے ماحول میں سب کے رشتے طے ہوئے۔ تو میں نے جب ان سے شادی کا فیصلہ کرنا تھا اس سے پہلے استخارہ کیا اور رؤیا کی حالت میں یعنی جاگتے ہوئے نہیں بلکہ نیند کی حالت میں الہام ہوا اور اس کے الفاظ یہ تھے کہ ”تیرے کام کے ساتھ اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔“ اس وقت مجھے بڑا تعجب ہوا کہ میرے کون سے کام ہیں؟ وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے کیا کام لے گا۔ اس میں یہ عجیب پیغام تھا کہ عملاً کاموں میں ان کو شرکت کی اتنی توفیق نہیں ملے گی لیکن میرے تعلق کی وجہ سے خدا ان کو میرے کاموں میں شریک فرما دے گا اور ان کو بھی اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ اس ثواب میں یہ ہمیشہ بڑے صبر اور رضا کے ساتھ حصہ لیتی رہیں اور مجھ سے ان کا جس حد تک تعاون ممکن تھا ہمیشہ کیا لیکن خاص طور پر قادیان کے اس سفر پر میرے دل پر بہت گہرا اثر ہے۔

جانے سے دو تین ہفتے پہلے اچانک ان کی حالت بگڑی ہے اور دراصل وہی وقت تھا جب پتے کا کینسر شروع ہو چکا تھا اور تفصیل سے اس کا علم نہیں تھا۔ ڈاکٹروں کا بھی اس طرف ذہن نہیں گیا پتھری سمجھتے رہے اور بعض ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ پہلے یہاں آپریشن کروایا جائے پھر قادیان کا سفر اختیار کیا جائے ورنہ خطرناک ہے۔ میرے لئے یہ اس لئے ممکن نہیں تھا کہ اگر مَیں اُن کو چھوڑ تا تو ان کے مزاج کا مجھے علم تھا یہ میری موجودگی کے بغیر دوسرے خیال کرنے والے ہاتھوں میں تسلی نہیں پا سکتی تھیں۔ پھر بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ایلوپیتھی کی دوائیاں کام نہیں کرتیں تو ہومیوپیتھی دینی پڑتی

تھی اور خاص طور پر درد کے دوروں میں وہ بہت زیادہ مددگار ثابت ہوئیں۔ تو میں نے ان کے سامنے یہ معاملہ رکھا کہ میں ٹھہر سکتا ہوں پھر قادیان کا پروگرام کینسل کرنا پڑے گا اور ساری دنیا سے احمدی آرہے ہیں اور ہندوستان کے کونے کونے سے احمدی آرہے ہیں لیکن آپ کا فیصلہ ہے۔ آپ بتائیں کہ آپ ٹھہریں گی یا جانا چاہیں گی انہوں نے کہا میں جاؤں گی۔ چنانچہ یہ جو قربانی تھی اس نے قادیان کا تاریخی جلسہ ممکن بنادیا۔ پس ان معنوں میں ہمارے اُن سب کاموں میں شریک ہوگئیں جو نیکی کے کام ہمیں قادیان میں کرنے کی توفیق ملی اور یہ احسان مجھ پر بہت بھاری ہے۔

قادیان کے دنوں میں جب بیماری شدت اختیار کرتی تھی اور درد سے تڑپتی تھیں تو مجھے کہا کرتی تھیں کہ کوئی دوائی دو اور میں بعض دوائیاں دیتا تھا۔ ایلوپیتھی دوائیاں بھی ساتھ جاری تھیں مگر اُن سے پورا آرام نہیں آتا تھا کیونکہ وہ کینسر کے نقطہ نظر سے نہیں دی جارہی تھیں تو اللہ کے فضل سے بعض دفعہ تو چند منٹ کے اندر اندر سکون سے سوجایا کرتی تھیں۔ لیکن یہ بات دل میں جاگزیں ہوگئی تھی کہ میری بیماری بہت گہری ہے اور ڈاکٹروں کو پتا نہیں لگ رہا۔ مجھے کہتی تھیں کہ کینسر تو نہیں ہے۔ تو میں نے پھر جب ایک دفعہ دعا کی تو ایک عجیب رؤیا دیکھی۔ جس کی وجہ سے مجھے تسلی ہوئی لیکن بعد کے حالات سے مجھے پتا چلا کہ اللہ کی خاص شان تھی ایک خاص رنگ میں اس نے تسلی کا اظہار فرمایا لیکن اس کے باوجود تقدیر بدلنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ تقدیر اپنی جگہ قائم رہی۔

ایک رؤیا میں میں نے دیکھا کہ ان کی والدہ امۃ السلام ایک گھر میں کھڑی ہیں اور گھر کا نقشہ اس طرح ہے جس طرح یہ مسجد لمبائی میں ہے اور یہاں تقریباً ۲-۳ چوتھائی جگہ کے سامنے وہ یوں اس طرف منہ کر کے جدھر سے میں آرہا ہوں کھڑی ہیں اور بائیں ہاتھ ایک نالی سے پار ایک کچن یعنی باورچی خانہ ہے جس میں کوئی کھڑا ہے اور کھانے پکے ہوئے ہیں اور آپا میرا انتظار کرتی ہیں۔ پھر مجھے دیکھ کر خوشی سے کہتی ہیں وہ آگیا ہے اور گھر کی حالت وہ یہ مجھے بتاتی ہیں کہ ساری نالیاں بند ہیں اور کھانا ساتھ تیار ہے لیکن اس طرف نہیں آسکتا اور کوئی نہیں کھا رہا اور کچن میں بالکل ٹھیک اسی طرح کھانا موجود ہے۔ ساتھ یہ کہا کہ ایک دفعہ پہلے بھی اس طرح نالیاں بند ہوئی تھیں۔ جب یہ آیا تو اس نے کوئی چیز چلائی اور آسمان کی طرف اڑ کر پھر کوئی چیز گری اور نالیاں کھل گئیں اب پھر ایسا ہی ہوگا کہ نالیاں کھل جائیں گی۔ تو اس پر صبح اٹھ کر مجھے تاویل یہ سمجھ آئی کہ پہلے جب دل کی بیماری کا حملہ ہوا ہے

تو اس وقت بھی معدہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا تھا اور الٹ دیتا تھا اور ہمیں وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ ڈاکٹروں نے ہر قسم کی دوائیں دیں لیکن کارگر ثابت نہیں ہوتی تھیں۔ جب ہسپتال میں داخل کرائی گئیں تو پتا لگا کہ دل کی نالیاں بند ہیں اور نالیاں بند ہونے کی وجہ سے یہ ساری تکلیف تھی۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے وہ نالیاں کھولیں اور بعد میں Angioplasty بھی ہوئی لیکن اس وقت تو وقتی طور پر سنبھال لیا اور پھر جب امریکہ لے کر گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ نالیاں کھولنی پڑے گی اور اس وقت مجھے یہ ذہن میں نہیں تھا لیکن جب یہ خواب آئی تو مجھے پہلی دفعہ سے مراد یہی نظر آئی کہ پہلے بھی نالیاں بند تھیں۔قادیان میں بھی اور دلّی میں بھی کوئی چیز معدہ میں نہیں ٹھہرتی تھی اور الٹی آتی تھی اور بہت تکلیف کی حالت تھی جو بھی کھاتی تھیں وہ الٹ جاتا تھا اس لئے بڑی تیزی سے کمزور ہورہی تھیں تو اس وقت خواب کے باوجود یہ اندازہ نہیں تھا کہ نالیاں بند ہونے سے کیا مراد ہے۔لیکن جب یہاں آکر ڈاکٹر نے آپریشن کیا اور پتا کی پتھری تشخیص کرتے ہوئے پتھری نکالنے کے لئے آپریشن کیا تو اس نے بغیر آپریشن کے پیٹ بند کر دیا اور مجھے یہ اطلاع بھیجی کہ ان کے معدے کی انتڑیوں کے ساتھ تعلق رکھنے والی نالیاں بند ہیں اور اس وجہ سے کھانا الٹتا ہے،اندر جا ہی نہیں رہا۔ میں نے اس کے متبادل کے طور پر انتڑی کو کاٹ کر معدہ سے براہ راست جوڑ دیا ہے اور نالی کھل گئی ہے۔چنانچہ اس کے بعد خدا کے فضل سے یہ سلسلہ جاری رہا پھر جب کیموتھراپی کا وقت آیا تو ڈاکٹروں نے دیکھا کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بہت ہی زیادہ لمبی بیماری اور تکلیفوں سے متاثر ہو چکی ہیں۔جگر کا بڑا حصہ کینسر سے کھایا گیا تھا،گردے جواب دے رہے تھے اور خطرہ تھا کہ اگر گردے کی نالیاں بند ہو گئیں تو کسی قسم کی Chemotherapy نہیں کی جاسکتی ہمیں جب انہوں نے بتایا تو میں نے اپنی دوائی بھی شروع کی اور خاص طور پر دعا پر بہت زور دیا تو جب نتیجہ نکلا تو ڈاکٹر Evans کے یہ الفاظ تھے کہ Ducts are open نالیاں کھلی ہیں اور بڑے تعجب کا اظہار کیا کہ یہ نالیاں کس طرح کھل گئیں؟ وہ سمجھتے تھے کہ بند ہو چکی ہونگی۔جب مَیں نے یہ رویا گھر میں بچیوں کو بتائی تو انہوں نے کہا اس کا کیا مطلب ہے کہ شفا ہو جائے گی؟ مَیں نے کہا اللہ بہتر جانتا ہے۔مجھے نالیاں کھلنے تک کا پیغام ہے اور یہ بات تو ہو چکی ہے تو عزیزہ فائزہ نے اپنے طور پر یہی تعبیر کی کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ابھی فکر کی بات ہے کیونکہ اتنا حصہ پورا ہو گیا ہے اللہ نے بعد میں کوئی خبر دی ہے کہ نہیں میں نے کہا کہ مجھے تو اس

کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی ۔عزیزہ فائزہ نے ایک اور رؤیا بیان کی جو بالکل واضح تھی اور اس وقت سے پھر باوجود اس کے کہ دعا میں کوئی کمی نہیں کی اور خدا کے فضل سے توکل قائم رہا ہے لیکن پیغام نظر آ گیا تھا کہ کیا ہے۔انہوں نے رؤیا میں دیکھا کہ عزیزہ نعیمہ کھوکھر جو یہاں لجنہ کی بڑی اچھی کارکن اور بی بی سے خصوصیت سے بہت تعلق رکھنے والی ہیں اور ہمیشہ ہر رنگ میں بہت خدمت کرتی رہیں وہ آئی ہیں اور بی بی فائزہ کو کہتی ہیں کہ آپ نے جلسہ میں نظم پڑھنی ہے اور اس کے لئے میں آپ کو تیاری کرواؤں گی۔تو فائزہ کہتی ہیں کہ مجھے درعدن دو میں اس میں سے نظم پڑھوں گی۔وہ کہتی ہیں نہیں، درعدن سے نہیں پڑھنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک نظم ہے وہ چنی ہوئی ہے ایک عورت آپ کو پڑھ کر سنائے گی اور وہی پڑھنی ہے دوسری کوئی نہیں پڑھنی حالانکہ ان کی عادت تحکم کی بالکل نہیں لیکن فائزہ حیران ہوتی ہے جب وہ عورت نظم پڑھتی ہے تو وہ یہ ہے۔

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے

چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے (درثمین:۱۵۷)

کہتی ہیں اتنی سریلی اور اتنی پر اثر آواز ہے کہ وہ دل میں ڈوب گئی اور سارے وجود پر ایک عجیب قسم کی سکینت طاری ہوگئی باوجود اس کے کہ بظاہر ڈراؤنی تھی یعنی پیغام موت کا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے سکینت طاری فرما دی تو جب انہوں نے مجھے رؤیا سنائی تو ساری بات بالکل واضح نظر آ رہی تھی۔

بہت سے احمدی دوست ایسی رؤیا بھیجتے رہے ہیں جن میں بظاہر خوشخبری تھی لیکن جن کو رؤیا کی پہچان ہو ان کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس میں کوئی معنی نہیں ہے رؤیا میں جو پیغامات ملا کرتے ہیں وہ تصویری زبان میں ملتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انداز ہے جو عام نظاروں سے خدا کی بھیجی ہوئی رؤیا کو مختلف کر دیتا ہے چنانچہ اکثر یہ جو رؤیا آتی ہے کہ ہم نے دیکھا بی بی بہت بیمار ہے، بہت خطرناک حالت ہے پھر ایک دم اچھی ہو جاتی ہیں یہ اگر کوئی پیغام رکھتی ہیں تو خطرناک پیغام ہے کیونکہ اکثر میرا تجربہ ہے کہ جب کسی بہت خطرناک مریض کے متعلق دکھایا جائے کہ ایک دم اچھا ہو گیا تو اس سے مراد صحت نہیں بلکہ وصال ہوا کرتا ہے۔تو ایسی رؤیا کثرت سے آتی رہیں اور بعض رؤیا ایسی تھیں جن کی رؤیا دیکھنے والوں نے اور تعبیر کی لیکن تعبیر بالکل مختلف تھی۔مثلاً ایک بچی نے مجھے رؤیا بھیجی یا کسی نے

اپنی بیٹی کی رؤیا بھیجی کہ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ لجنہ کا اجتماع ہے وہاں ایک غیر احمدی اُٹھ کر یہ اعلان کرتی ہے کہ اشتہار میں اعلان آیا ہے کہ مرزا طاہر احمد کی بیوی فوت ہوگئی ہیں میں اپنی امی سے کہتی ہوں کہ اس نے اس کے نیچے یہ لکھا ہوا نہیں سنایا کہ **الیس اللہ بکاف عبدہ**

کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے؟ اس رؤیا کی بھی عزیزہ فائزہ نے تعبیر سمجھ لی اور یہ سن کر مجھے اشارۃً بات کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے والد کے وصال کی خبر تھی تو آپ کے متعلق **الیس اللہ بکاف عبدہ** تھا جانے والے کے متعلق نہیں تھا اس سے مَیں سمجھ گیا کہ ان کو پیغام مل گیا ہے۔ تو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ رؤیا یونہی بیکار ہے یا ہم نے یہ تعبیر کی تھی اور وہ نکلی لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ رؤیا کا علم ایک بڑا گہرا علم ہے اور بہت ہی سائنٹیفک علم ہے اس میں گہرے اندرونی روابط پائے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے کلام کی نشانیاں پائی جاتی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے (درثمین:۶)

اور حقیقت یہ ہے کہ الٰہی پیغامات ایک خاص رنگ رکھتے ہیں اور اُن کی اپنی ایک پہچان ہے۔ مگر علاوہ ازیں بعض دفعہ پیغام الٰہی ہوتا ہے لیکن تعبیر سمجھ نہیں آرہی ہوتی۔ اس میں حکمتیں بھی ہوتی ہیں۔ مجھے اپنی اس رؤیا کی جس میں نالیاں کھلنے تک کی بشارت ہے آگے نہیں تھی، حکمت یہ سمجھ آئی کہ بی بی مجھ سے روزانہ پوچھتی تھیں کہ آپ نے کوئی رؤیا دیکھی اور ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ میں آپ کی دعا سے اچھی ہوں گی۔ اس پر میں بالکل بے بس تھا۔ جب خدا کی طرف سے کوئی واضح بشارت ہی نہیں تھی تو مَیں کیا کہتا اس سے ان کا دل اس بات سے ڈوبتا تھا کہ مجھے کوئی بشارت نہیں ہوئی۔ چنانچہ پھر اس کا علاج مجھے یہ سوجھا کہ یہی رؤیا بار بار بتایا کرتا تھا کہ آپ نے دیکھا نہیں قادیان میں خدا نے مجھے بتایا تھا کہ نالیاں کھل گئیں اب دیکھیں نالیاں ہی کھل رہی ہیں۔ دونوں ڈاکٹروں نے یہی بات کی پہلے ڈاکٹر نے بھی دل کی نالیاں کھلنے کی بات کی اور دوسرے ڈاکٹر نے بھی انتڑیوں وغیرہ کی نالیاں کھلنے کی بات کی گردوں کی نالیاں کھلنے کی بات کی اور معدہ ایک قسم کا باورچی خانہ ساتھ لگا ہوا تھا وہاں بہترین کھانا ہوتا تھا لیکن نالیاں بند ہونے کی وجہ سے دوسری طرف پہنچ نہیں سکتا تھا تو مَیں نے کہا کہ جب یہ ساری

باتیں پوری ہوگئی ہیں تو پھر پریشانی کی کیا وجہ ہے اس رنگ میں میں ان کو ٹالتا رہا لیکن تقریباً دس پندرہ دن کی بات ہے میں نے قرآن کریم کھولنے سے پہلے اس خواہش کا شدید اظہار کیا کہ اے خدا مجھے کچھ تو بتا اور جس آیت پر میری نظر پڑے وہی میرا پیغام ہو تو جس آیت پر نظر پڑی وہ یہ تھی۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ اس جنت میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔اس کے پہلے ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (الحجر:۴۶) کہ جَنّٰتٍ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ اس میں تم سلام اور امن کے ساتھ داخل ہو تو وہ پیغام بالکل واضح تھا۔اس سے پھر میرے دل میں ایک بات گڑ گئی اور یہ اس کی بنا پر نہیں بلکہ ویسے ہی مجھے یقین تھا کہ آپ جمعہ کے دن فوت ہوں گی۔پچھلے جمعہ بہت سخت Crises آیا ہے۔چند دن پہلے بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں اور جمعہ کو بڑی تیزی سے حالت بگڑی اور اب پھر جمعرات کو تیزی سے حالت بگڑنی شروع ہوئی ہے۔تو جب تک جمعہ نہیں آیا۔اس وقت تک آپ کی حالت سنبھل چکی تھی اور بڑے سکون کے ساتھ بات کرتی تھیں لیکن اس سکون کی بھی ایک وجہ تھی وہ صرف بیماری سے تعلق رکھنے والی بات نہیں تھی بلکہ ایمانیات سے تعلق رکھنے والی بات تھی۔

کچھ عرصہ پہلے Hospital کے ڈاکٹروں نے مجھے یہ پیغام بھیجا کہ آپ نے جو ہمیں کہا تھا کہ Growth کہا کریں تو آپ کے کہنے کی وجہ سے ہم اب تک کینسر کا نام نہیں لے رہے مَیں نے کہا تھا Growth کہا کریں Growth بھی تو کینسر کی ایک قسم ہے اور جھوٹ بھی کوئی نہیں ہے لیکن لفظ کینسر نہ بولیں اس سے ان کا دل بیٹھے گا اور پہلے ہی نصف دل کام کر رہا ہے۔بیماری بھی اتنی شدید ہے تعاون انہوں نے بڑا اچھا کیا۔عام طور پر اس قسم کی باتوں میں تعاون نہیں کیا کرتے لیکن بہت ہی تعاون کیا لیکن آخر مس ہار پر جو ڈاکٹر ہیں انہوں نے مجھے کہا کہ اب مزید مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا اب میں کل لازماً بتاؤں گی اس پر مَیں نے کہا کہ وہ جو بتائیں تو پھر مَیں بتاؤں گا اور ان کو میں نے کہا کہ آئندہ اگر آپ سے پوچھیں گی تو آپ بے شک بتائیں لیکن مَیں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ آپ سے کبھی نہیں پوچھیں گی چنانچہ میں نے ان کو آرام سے آہستہ سے سمجھایا میں نے کہا آپ جو غیروں سے پوچھتی ہیں کہ آپ کو کینسر ہے کہ نہیں آپ یہ بتائیں کہ کینسر کوئی ایسی بیماری ہے جسے خدا ٹھیک نہیں کرسکتا اور اگر وہ مارنا چاہے تو وہ کینسر کا ہی محتاج ہے۔نزلے والے بھی مر جاتے ہیں شہد کی

مکھی کاٹے تو وہ اس سے بھی مرجاتے ہیں، چھینک آنے سے مرجاتے ہیں ۔مرنے والے بغیر بہانے کے بھی مرجاتے ہیں تو اللہ کے بلانے کے ہزار لاکھ، کروڑ رستے ہیں اور کینسر کوئی نعوذ باللہ خدا تو نہیں ہے اگر آپ کا پورا ایمان ہے اور آپ یقین رکھتی ہیں کہ خدا ہے اور خدا تعالیٰ میں قدرت ہے تو پھر دعا کریں لیکن کینسر کے اوپر اتنا زور نہ دیں گویا یہ بلا ایسی ہے جس کا کوئی علاج نہیں پھر میں نے ان کو سمجھایا کہ دیکھیں آپ کو لاحق بے چینی کی وجہ ہے۔آپ دعا کرتی ہیں تو دعا کے ساتھ دعا کے قبول نہ ہونے کا تصور ہی نہیں ہے آپ سمجھتی ہیں کہ دعا ضرور اسی رنگ میں قبول ہو جس طرح آپ کر رہی ہیں یا جس طرح لوگ آپ کے لئے کر رہے ہیں میں نے کہا کہ یہ دعا کے اندر نہیں ہے میں آپ کو سمجھاتا ہوں کہ دعا اس طرح کرنی چاہئے کہ پہلے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کریں اور یہ کہہ دیں کہ ہم ہر طرح راضی ہیں، تیری رضا کے مطابق ہمارا دل سو فیصدی راضی رہے گا، مطمئن ہے کوئی شکوہ نہیں اب ہماری التجا ہے کہ ایسا کردے لیکن وعدہ ہے کہ ایسا نہیں کرے گا تو پھر بھی ہم تیرے ہی ہیں کوئی اور رستہ نہیں ہے۔

پھر میں نے ان کو سمجھایا کہ دیکھیں میں بھی تو جاؤں گا ہم میں سے ہر ایک نے جانا ہے یہ تو ایسی چیز ہے جو اٹل ہے۔بچوں کے نام لئے گھر جو مہمان ٹھہرے ہوئے تھے ان کے بارہ میں کہا کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ آخری جان کنی حالت میں بستر پر ہوگا۔میرے بچے بھی ہوں گے ان کی اولادیں بھی ہوں گی پہلے کوئی اس چیز سے بچ گئے تھے جو آپ کو یہ خیال ہے کہ شاید یہ بات ٹل جائے ایک دفعہ یہ کہا کہ مولوی ہنسیں گے میں نے کہا کہ جن کی قسمت میں بدبختی ہو ان کا میں کیا علاج کرسکتا ہوں۔تقدیر الٰہی پر اگر کوئی ہنستا ہے تو اس کی بدبختی ہے لیکن میں یہ دعا نہیں کروں گا کہ مولوی ہنستے ہیں اس لئے خدایوں کرے میں نے جو آپ کو دعا کا طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے اور مجھے تو یہی پسند ہے یہ سنتے سنتے رقت پیدا ہوگئی۔آہستہ اشارہ سے کہا کہ بس کریں ۔بس بس بہت ہوگئی اور یہ کہا میں خدا سے معافی مانگتی ہوں ۔میں خدا سے معافی مانگتی ہوں میں خدا سے معافی مانگتی ہوں ۔مجھ سے گناہ ہوا غلطی ہوگئی ۔اے خدا! مجھے معاف کردے آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گی ۔کبھی کسی سے ایسے نہیں پوچھوں گی اور اس عہد پر آخری دم تک قائم رہیں یہاں تک کہ Miss Harper نے کل حیرت سے کسی کو کہا کہ عجیب بات ہے جب تک انہوں نے

(میرا کہا انہوں نے) ان سے کوئی بات نہیں کی (اور مجھے نہیں پتا کہ کیا بات کی ہے) سخت بے چین تھیں اور بار بار مجھے پوچھتی تھیں کہ بتائیں کیا بیماری ہے۔ مَیں ٹھیک ہو جاؤں گی کہ نہیں لیکن اس کے بعد ایسا اطمینان ہے کہ بے چینی کا کوئی اظہار نہیں اور بے قراری کا بالکل اظہار نہیں' نہ مجھ سے پوچھا نہ بات کی مجھے ضرورت ہی نہیں پڑی تو اللہ کے فضل سے وہ بات کو سمجھ کر آخری دم تک دعا کے ساتھ اس سلسلہ میں قائم رہیں اور غیر اللہ کی طرف نہیں دیکھا۔ آخر پر یہ حالت تھی کہ بجائے اس کے کہ ہم ان کو تسلی دیتے وہ ہمیں تسلی دیتی تھیں۔ مجھے کہا کہ آپ بس کریں اتنا نہ غم فکر کریں اتنا غم نہ لگائیں۔ میں نے جواب دیا کہ بی آپی میں مجبور ہوں۔ مجھے تو دور کے غم بھی تکلیف دیتے ہیں کوئی کسی کونے میں بیمار ہو میں بے چین ہو جاتا ہوں۔

پاکستان میں احمدیوں نے میری جان نکالے رکھی ہے کبھی اتنا عذاب میں مبتلا نہیں ہوا جتنا پاکستان سے خبریں آنے پر اور احمدیوں کی تکلیف پر عذاب میں مبتلا ہوتا رہا ہوں تم تو میرے قریب ہو تمہارا تو دکھ میری آنکھوں کے سامنے بالکل پاس ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں محسوس نہ کروں ہاں اللہ صبر کی توفیق دیتا ہے۔ میرا حال غم تک ہی ہے میں کوشش کرتا ہوں کہ غیروں پر نہ کھلے لیکن یہ کہو کہ تکلیف نہ ہو میں نے کہا یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ تو پھر اشارے سے کہا ٹھیک ہے میں سمجھ گئی ہوں لیکن بعض دفعہ مجھے یہی کہا کرتیں کہ آپ نے گھبرانا نہیں۔ باوجود اس کے کہ کینسر کی اس بیماری میں شدید تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہو کر لوگ مرتے ہیں لیکن کل یہ اللہ کا عجیب احسان تھا کہ آخری وقت میں بڑی ہی پرسکون تھیں۔ مَیں نے کہا میں بچیوں کو بلاتا ہوں بلایا بھی لیکن کہتی تھیں کہ نہیں بلانا' ان کو گھبراہٹ ہوگی۔ میں نے کہا کہ یہ بات میں نہیں مانوں گا ان کا حق ہے۔ میں مجبور ہوں ان کو ضرور بلانا ہے نظر آرہا تھا کہ اب جارہی ہیں تو بچیاں آئیں ان سب کو یہی کہا کہ گھبرانا نہیں میں ٹھیک ہو جاؤں گی آپ نہ گھبرائیں۔ پھر مجھے کہا کہ آپ جائیں آپ نے روزہ رکھا ہے نماز پر جانا ہے میں نے کہا میں آجاتا ہوں لیکن نہیں آپ نے واپس نہیں آنا۔ میں نے کہا کہ نہیں وہ تو میں نے آنا ہی آنا ہے چنانچہ رات بارہ بجے کے قریب جو اطلاع ملی ہے وہ مبشر کی طرف سے یہی تھی (ڈاکٹر مبشر نے بڑی خدمت کی ہے) کہ اطلاع آئی ہے کہ حالت سخت تشویشناک ہے تو چنانچہ اسی وقت میں بچیوں کو لے کر گیا تو رستے میں عزیزم ڈاکٹر مبشر احمد کا ٹرانسمیشن کے ذریعہ یہ پیغام ملا کہ میں نیچے لفٹ کے

سامنے انتظار کر رہا ہوں۔ میرے ساتھ جو بیٹیاں بیٹھی ہوئی تھیں میں نے انہیں کہا کہ اب تمہیں بات کی سمجھ آ گئی ہے۔ اگر حالت تشویشناک ہوتی تو مبشر بی آپی کے بستر کا پہلو چھوڑ کر نہ آتا یہ نیچے جو آ گیا ہے اس لئے اب تم تیار ہو جاؤ اور مجھ سے وعدہ کرو کہ صبر کا نمونہ دکھاؤ گی اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گی جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو میں نے کہا ہم نے دنیا کو صبر سکھانے ہیں ہم اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح بے چین ہو جائیں اور واویلا شروع کریں تو ٹھیک نہیں ہے اور عجیب بات ہے کہ ان کی والدہ نے بھی کسی کو مخاطب کر کے کہا کہ اب تم واویلا نہ کرنا اور صبر سے کام لینا چنانچہ اللہ کے فضل سے بچیوں نے عظیم الشان نمونہ دکھایا ہے اور پوری وفا کے ساتھ اپنے عہدوں پر قائم ہیں اور آئندہ انشاء اللہ ان کو قائم رکھے گا۔

یہ ان کی بیماری کے مختصر حالات تھے۔ ایک خاص بات جو میرے دل کو بہت بھائی وہ یہ تھی کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ بی بی میں آپ کے لئے بہت دعا کر رہا ہوں آپ کو تصور نہیں کہ کس طرح کر رہا ہوں تو کہتی ہیں صرف میرے لئے نہ کریں۔ ساری دنیا کے بیماروں کے لئے کریں اور بھی تو بیمار ہیں وہ بھی تو دکھوں میں مبتلا ہیں۔ میں نے کہا میں پہلے ہی ان کے لئے دعا کر رہا ہوں اور کبھی ہوا ہی نہیں کہ تمہارے لئے کروں اور توجہ پھیل کر ساری دنیا کے بیماروں تک نہ پہنچے جس جس ملک میں، مختلف Continents میں لوگ تکلیف میں مبتلا ہیں تمہارے دکھ کا فیض دعاؤں کی صورت میں سب کو پہنچ رہا ہے اس پر چہرے پر بڑا اطمینان آیا اور کہا کہ ہاں یہ ٹھیک ہے اس طرح دعا کیا کریں۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ابتداء سے آپ کا لجنہ وغیرہ سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ تربیت اور رنگ کی تھی لیکن میرے کاموں میں بہت ہی بوجھ اُٹھایا ہے کیونکہ میرے تعلقات بہت وسیع تھے اور ہر وقت مہمانوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا گھروں میں میٹنگز ہوتی میرا بے وقت گھر سے باہر نکل جانا، صبح ایک سفر پر روانہ ہوا کہ رات کو آجاؤں گا لیکن وہاں سے آگے بنگال چلا گیا۔ کئی دفعہ دو دو ہفتے بعد تین تین ہفتے بعد لوٹا لیکن کبھی بھی عدم تعاون کا اظہار نہیں کیا یہ شکوہ نہیں کیا کہ آپ یہ مجھ سے کیا کرتے ہیں مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بتاتے بھی کچھ نہیں۔ میں سلسلہ کے کام کیا کرتا تھا تو بہت سی ایسی باتیں تھیں جن کا گھر میں اشارۃً بھی ذکر نہیں کرتا تھا اس پر یہ شکوہ کبھی کیا کرتی تھیں کہ باقیوں کو پتا ہے آپ مجھ سے ہی راز رکھتے ہیں مجھ سے فلاں نے پوچھا کہ آپ نے فلاں کام کیا فلاں جگہ گئے مجھے

نہیں بتایا۔ میں نے کہا کہ مَیں جماعتی کاموں کو اور گھر کے معاملات کو الگ الگ رکھتا ہوں اور میں نہیں پسند کرتا کہ مجھ پر جو جماعتی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں میں ان کا گھر والوں سے ذکر کروں اس طرح پھر گھروں کے دخل شروع ہو جاتے ہیں اور پھر تبصرے اور بہت سی باتیں شروع ہو جاتی ہیں اس طرح میرے کاموں پر غلط اثر پڑنے کا خطرہ ہے تو اس بات کو ہمیشہ قبول کئے رکھا اور وفات کے دن تک کبھی بھی جماعتی کاموں میں دخل اندازی نہیں کی نہ کوشش کی نہ مجھ سے جستجو کی نہ مشورے دئے اگر مشورے دئے ہیں تو معمولی مثلاً ۴۱ نمبر انگلستان میں مسجد فضل لندن کے پاس جماعت کے گیسٹ ہاؤس کو ٹھیک کرنا ہے، مہمان آتے ہیں اور وہ بہت گندی حالت میں ہیں۔ وہاں جا کر کام بھی کیا لیکن رفتہ رفتہ جماعت کی خواتین سے تعلق بہت بڑھ گیا اور خاص طور پر ہجرت کے بعد بہت وسیع تعلق ہوا۔ آسٹریلیا میں، فجی میں، سنگاپور میں، پھر یورپ کے Continent کے سب ممالک میں، کینیڈا میں، امریکہ میں جہاں جہاں گئیں بہت ہی انکساری کے ساتھ خواتین سے ملتی تھیں اور یہ ایک ایسی خوبی ہے جو فطرتاً ودیعت ہوئی تھی اس میں کوئی تکلف نہیں تھا کبھی بھی اپنے آپ کو کسی معنوں میں بڑا نہیں سمجھا اور ہر ایک سے برابر محبت سے پیار سے ملتی تھیں۔ خاص طور پر انگلستان کی خواتین سے تو بہت ہی تعلق تھا اور کہا کرتی تھیں کہ ان کے بہت ہی احسانات ہیں۔ بہت خدمت کی ہے لیکن یہ تکلیف تھی کہ میں ان سے بیماری کی حالت میں نہیں مل سکتی کیا کروں؟ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ اس حالت میں آکر لوگ مجھے دیکھیں۔ اس لئے میں اچھی ہوں گی تو پھر ملوں گی پیغام دے دو کہ میرے دل میں قدر ہے میں احسان فراموش نہیں ہوں، میں جوں روکتی ہوں وہ میری مجبوری ہے چنانچہ میں نے جس حد تک بھی مجھ سے ہو سکا لجنہ والیوں کو پیغام بھیجے کہ بی بی کے متعلق وہ غلط تصور نہ کریں۔ **نعوذ باللّٰہ من ذلک**۔ ایسا آپ سے عدم تعلق کی وجہ سے نہیں بلکہ تعلق کی وجہ سے ہے اور اور بہت چند ایک تھے جن کے ساتھ اتنی بے تکلفی تھی یا بیماری کے دوران ہو گئی۔ جن کو آپ اپنے ساتھ برداشت کر لیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ انہی کے سپرد خدمت کرو۔ ان میں ایک کیپٹن بشریٰ نرس، سردار رفیق صاحب کی بیگم ہیں انہوں نے بہت خدمت کی ہے۔ ایک لئیقہ احمد کرائیڈن کی ہیں انہوں نے دن رات خدمت کی ان دونوں کی خدمت بہت سراہتی تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ایسی خواتین تھیں جن کو خدمت کا موقعہ ملا ہے امۃ القدوس ایاز جو ڈاکٹری کے چوتھے سال میں پڑھ رہی ہیں اور افتخار ایاز صاحب کی بیٹی ہیں

ان سے بہت خوش تھیں ۔ایک تو وہ ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے ان کے مرض کو سمجھتی تھیں ۔دوسرے ان کا مزاج اتنا دھیما، میٹھا، محبت کرنے والا ہے کہ بہت ہی پیار کے ساتھ ان کو سمجھاتی تھیں ۔ چنانچہ ان سے بہت خوش رہتی تھیں کئی دفعہ قدوس مجھے بتاتی تھیں کہ آپ پہلے آتے تو حیران ہو جاتے کہ کتنے اچھے موڈ میں مجھ سے باتیں کرتی رہیں اور اپنی پرانی باتیں بتاتی رہیں جو سفر آپ کے ساتھ کئے ، یہ وہ سب قصے سناتی رہیں ۔ان تین خواتین کو تو بہت ہی غیر معمولی خدمت کی توفیق ملی ہے۔اس کے علاوہ صبیحہ لون صاحبہ ہیں، نعیمہ کھوکھر صاحبہ ہیں اور سب کو جہاں جہاں موقع ملا خدمت تو انہوں نے کی لیکن مجبوری کی وجہ سے ان کو زیادہ موقع دیا نہیں جا سکا۔

باہر سے جو آئے ہیں ان کو پہلے تو میں بہت روکتا رہا کیونکہ میری طبیعت پر بوجھ پڑتا تھا کہ لوگ آجائیں اور خاص طور پر ان کو اپنی ذہانت کی وجہ سے فوراً اپتا لگ جاتا تھا کہ کوئی بات ہوگئی ہے۔ جو لوگ آرہے ہیں مگر بہر حال بہنوں بھائیوں کا حق ہے مَیں اس کو روک نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ بہت مشکل سے ذہنی طور پر تیار کیا اور کہا کہ میں نے روک تو دیا ہے کہ کیا ضرورت ہے آنے کی ۔وہ بہت اصرار کر رہے ہیں کہ ہمارا دل ملنے کو چاہتا ہے آپ کیوں روکتے ہیں؟ تو کیا پھر میں اجازت دے دوں؟ شروع میں تو کہتی تھیں کہ اجازت نہ دو لیکن میرے بار بار مختلف طریق سے کہنے پر آخر آمادہ ہو گئیں تو عزیزہ شاہدہ نسیم ان کے بھائی نسیم کی بیوی اور نسیم دونوں آ گئے صبیحہ آ گئیں جو ان کی بڑی بہن ہیں ۔فوزیہ بھی چند دن ہوئے پہنچ گئیں میری بہنوں نے بہت زور دیا مگر میں نے کہا کہ نہیں مناسب نہیں ہے۔آپ لوگ ٹھہریں، اپنی بہنوں کی تو اور بات ہے۔میری بہنیں بھی پہنچنی شروع ہو گئیں تو ان کو خطرہ ہو گا کہ معاملہ بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے لیکن امتہ الجمیل اور باجی امتہ القیوم جو میری بڑی باجی ہیں اور بھائی صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی بیگم ہیں یہ یہاں پہنچ گئی تھیں ۔کل ہی پہنچیں اور ملاقات ہوگئی دیکھ لیا یہ ان کا عرصہ حیات اور بیماری کا دور تھا۔

بعض دفعہ تسلی کے لئے میں جو باتیں ڈھونڈتا تھا۔ان میں ایک یہ بات بھی تھی جس کو بڑے ہی جذبہ تشکر کے ساتھ سنا کرتی تھیں میں نے کہا دیکھو! آج دنیا میں ایک مریض ہے جس کے لئے اتنی دعائیں ہو رہی ہیں کہ خدا کی قسم ساری دنیا میں کوئی مریض ایسا نہیں جس کے لئے اتنی دعائیں ہو رہی ہوں۔مشرق سے مغرب تک دنیا ہے مَیں نے کہا کہ مجھے خط ملتے ہیں تم اندازہ نہیں کر سکتی کہ کتنے

تڑپانے والے خط ہیں۔ آدمی حیران ہو جاتا ہے کالے گورے ہر رنگ کے لوگ دور دراز ملکوں میں اس قدر بے قرار ہیں تو خدا نے تمہیں یہ سعادت نصیب کی ہے کہاں سے کہاں تمہیں پہنچا دیا شکر کرو مجھے کہا کہ آپ لاکھ لاکھ شکر کریں۔ مَیں نے کہا کہ ہاں مَیں تو لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں تو آخری دور میں دعاؤں کی طرف، نیک باتوں کی طرف، ذکر الٰہی کی طرف بہت ہی توجہ رہی اور جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے آخری دنوں میں پوری طرح بغیر کسی تردّد کے، بغیر کسی استثناء کے کامل طور پر راضی برضا ہو چکی تھیں اور اپنے آخری وقت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

رات جس وقت دم توڑا ہے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ باتیں کر رہی تھیں اور یہی اللہ سے میری بہت زیادہ دعا تھی کہ اے خدا! آرام سے اُٹھانا بشریٰ نرس جو ساتھ تھیں انہوں نے کہا کہ باتیں کر رہی تھیں کوئی تکلیف نہیں تھی بڑے سکون میں تھیں تو ایک بات کے بعد دوسری بات نہیں آئی مَیں نے دیکھا تو گھبرا کر باہر گئی ڈاکٹر نے آکر دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ تو دم توڑ چکی ہے۔ اس طرح خدا نے اس التجا کو قبول فرما لیا اور بڑے سکون کے ساتھ رخصت ہوئیں۔ ان کی نمازِ جنازہ انشاء اللہ کل اسلام آباد میں ظہر کی نماز کے بعد ہوگی لیکن اس نماز جنازہ کے ساتھ مَیں ایک نمازِ جنازہ غائب بھی شامل کرنا چاہتا ہوں اور وہ ایک ایسی خاتون کی نمازِ جنازہ ہے جن کے متعلق ایک خاص بات محرک ہے۔

ہمارے چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ جو انڈونیشیا میں مستقل طور پر مبلغ فائز ہوئے ہیں ان کی بیگم فاطمہ بیگم صاحبہ کو بھی بی آبی والا کینسر تھا۔ یعنی پتے کا کینسر جو کینسر میں سب سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات پیش نظر رکھیں اب جو اصل محرک بنا وہ ایک اور بات ہے وہ یہ ہے کہ حضرت بھائی جانؓ کی بیگم طاہرہ صدیقہ ناصر صاحبہ نے مجھے ایک خواب لکھی اور لکھا کہ مَیں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اس دنیا میں کہیں مجھ سے ناراض نہ ہوں کہتی ہیں کہ میں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ وہ آتے ہیں اور میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتے اور ایک معمولی سی عام سی لڑکی ہے اس کے ساتھ شادی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شادی کر کے اس کو لے جاتے ہیں اور اس کے باپ کا نام دوست محمد ہے جب میں نے یہ رؤیا پڑھی تو اسی وقت میں نے آفاقی نظر ڈال کر دیکھا کہ خدا کے نزدیک کون ایسا ہے کہ جس کا اتنا مرتبہ کہ عالم بالا میں خلیفہ ہو اس کے استقبال کے لئے تیاری کرے اور ویسے دیکھنے میں وہ معمولی سی انسان ہو۔ مَیں نے ان کو تعبیر تو اسی وقت لکھ

دی لیکن جب میں نے نظر ڈالی تو مجھے یہی فاطمہ بیگم نظر آئیں میں نے لکھا کہ فاطمہ بیگم کے وصال کی خبر ہے آپ کے لئے پریشانی کی کوئی خبر نہیں ان کو ملیں اور میری طرف سے عیادت کریں اور سلام پہنچائیں چنانچہ وہ گئیں اور مجھ سے تعجب کا اظہار بھی کیا کہ آپ نے یہ کیسی تعبیر کی ہے اصل بات یہ ہے کہ وہ بہت ہی فدائی اور غیر معمولی صابرہ واقف زندگی عورت تھیں خاوند نے وقف کیا شادی کے ۴۱ سال کے عرصہ میں سے صرف ۱۱ سال اکٹھے رہنا نصیب ہُوا اور ۳۰ سال جدا رہے اور نہایت غربت کی حالت میں زندگی بسر کی شادی کے ۴۱ سال جماعت کے کوارٹروں میں بسر ہوئے ان کی چار بیٹیاں ہیں ان کو پڑھانا اور ان کی دیکھ بھال کی، شادیاں بھی خود کیں اور خاوند تو الگ دنیا میں بسنے والے انسان تھے ان کا اپنی بیوی اور بچیوں کے سود وزیاں سے گویا کوئی بھی تعلق نہیں تھا اور کلیۃً ذمہ داری انہوں نے پوری کی۔

میری ان سے پہلے وقف جدید میں واقفیت ہوئی میں فارغ ہو کر ہومیو پیتھک کیا کرتا تھا۔ تو کوارٹرز کے اکثر مریض وہاں آتے تھے۔ فاطمہ بیگم بھی اپنی ایک بچی کو لے کر آئیں جن کو الرجی کی بڑی تکلیف تھی۔ غالباً طیبہ چیمہ تھیں یا امتہ الحمید یا بشریٰ یا ثمینہ مجھے اب یاد نہیں ثمینہ تو نہیں تھیں وہ بہت چھوٹی ہیں۔ طیبہ اور امتہ الحمید میں سے کوئی تھیں۔ غالباً طیبہ تھیں وہ بی ایس سی میں یا ایم ایس سی میں پڑھ رہی تھیں۔ سائنس کی سٹوڈنٹ تھیں مَیں نے بہت علاج کیا مگر میرے علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا لیکن مسلسل آتی تھیں اور کہتی تھیں آپ پر مجھے اعتماد ہے آپ جو بھی ہے علاج کریں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے پھر کسی اور ذریعہ سے شفا بخش دی۔ اس وقت مَیں نے ان کو قریب سے دیکھا ہے اور اتنی ہی واقفیت ہے۔ بڑی صابرہ شاکرہ کسی قسم کا کوئی تصنع نہیں، کوئی ریاء نہیں بہت سادہ زندگی، سلسلہ کی فدائی۔ دس سال تک صدر لجنہ بھی رہیں۔ اور قرآن کریم پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ خود بھی بڑے شوق سے سیکھا۔

دوست محمد کے متعلق مجھے خیال آیا کہ ان کے والد ضرور کوئی صحابی ہوں گے یا کوئی بزرگ ہوں گے ورنہ ان کا نام دوست محمد نہ بتایا جاتا جب تحقیق کی تو پتا چلا کہ ان کے والد چوہدری محمد عبد اللہ صاحب جو قلعہ صوبہ سنگھ سیالکوٹ کے رہنے والے تھے انہوں نے ۱۴ سال کی عمر میں ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بیعت کی اور وہ صحابی تھے اور بہت ہی فدائی اور عاشق انسان

تھے۔ زندگی کا اکثر حصہ وہی جماعت کے امیر رہے اور گھٹیالیاں کالج بنانے میں بھی انہوں نے بڑی محنت کی۔ یہ اس دور کے لوگ ہیں جن میں پٹواریوں میں ولی پیدا ہونا بہت شاذ کی بات ہوا کرتی تھی۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی صداقت کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ پٹوار خانوں سے اولیاء پیدا کر دیئے۔ ان کی بھی چار بیٹیاں تھیں اور فاطمہ بیگم کی بھی چار بیٹیاں اور میری بھی چار بیٹیاں تو جب مَیں نے غور کیا تو یہ سارا تعلق قریب آ گیا اور بیماری بھی وہی تھی۔ ان کے کوائف وغیرہ پہلے مل چکے تھے۔ مگر چونکہ مجھے بعض رؤیا وغیرہ کی وجہ سے اور جیسا کہ مَیں نے ذکر کیا ہے۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ (الحجر:۴۷) کی خوشخبری سے دل میں یقین تھا کہ اب دن قریب ہیں اس لئے مَیں نے سوچا کہ ان کا جنازہ بھی بی بی کے جنازے کے ساتھ ہی پڑھاؤں گا۔

ایک جنازہ حاضر اور ایک جنازہ غائب اور ساتھ واقفین کو یہ تلقین کرنے کا بہانہ بھی ہاتھ آ جائے گا کہ اس کو وقف کہتے ہیں خاوند نے وقف کیا اور کامل وفا کے ساتھ بیوی نے اپنی زندگی کی ساری جوانی دین کے حضور پیش کر دی اور سارے دکھ خود اٹھائے اور خاوند کو بے فکر کر کے دین کے لئے چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس آج کے زمانہ میں ایسے واقفین ہیں کہ جب وہ باہر آتے ہیں اور جماعت کے صدقے ان کو مقامی نیشنلٹی نظر آنے لگتی ہے تو آنکھیں پھیر لیتے ہیں اور اس میں بڑی حد تک بیویاں ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اپنے خاوندوں کو کہتی ہیں کہ اب کیا ضرورت ہے بس ٹھیک ہے۔ اپنی نیشنلٹی لو اور وظیفے لو۔ اپنے بچوں کو یہاں تعلیم دلاؤ جماعت میں کیا رکھا ہے۔ اگر نہیں بھی کہتیں تو عملاً یہی ہے۔ مجھے تحریک جدید کی طرف سے بعض لوگوں نے یہ متنبہ کیا ہے۔ آپ اس معاملہ میں بہت زیادہ سہولت دئے رہے ہیں۔ بہت زیادہ نرمی کر رہے ہیں۔ واقفین کو ان کی بیگمات کے ساتھ اجازت ہے اور پھر لمبا عرصہ ٹھہرے رہتے ہیں تو اس سے تو خطرہ ہے کہ وہ بھاگ جائیں گے۔ مَیں نے ہمیشہ ان کو جواب دیا کہ جو خدا کے ہیں، وہ خدا کے پاس رہیں گے، اور جو نہیں ہیں وہ بھاگ جائیں گے۔ مجھے ان کو رکھنے کی ضرورت نہیں ہے جو خدا کا ہے وہ نہیں بھاگ سکتا اس کا آخری سانس خدا کے قدموں میں ہوتا ہے اور وفا کے ساتھ وہ خدمتِ دین پر قائم رہتا ہے۔ یہ وقف ہوا کرتا ہے تو کئی لوگ ایسے آئے، چلے گئے وہ سمجھتے ہیں ہم چالاکیاں کر گئے ہیں مگر وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (البقرہ:۱۰) وہ اپنے نفسوں کے خلاف چالاکیاں کر رہے ہیں، دھوکہ دے رہے ہیں تو

اپنے وجودوں کو اپنی اولاد کی زندگیاں برباد کر رہے ہیں، ان کا کچھ بھی نہیں رہا، نہ دین رہا نہ دنیا رہی۔ تو یہ گھاٹا کھانے والے لوگ ہیں۔ وفادار اور کامل وفادار ہی ہے جس کا وقف قبول ہوتا ہے اور اس ضمن میں بیویاں ایک غیر معمولی کردار ادا کرسکتی ہیں اور یہ وہ ہیں جن کے متعلق تاریخ خاموش رہ جاتی ہے۔ تو آپ لوگ متعجب نہ ہوں کہ میں نے آج کیوں خصوصیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ احمدیت کی تاریخ میں کچھ ابواب ہیں جو سیاہی سے کتابوں میں لکھے جارہے ہیں کچھ ان کے پس منظر میں روشنائی سے لکھے جانے والے ایسے ابواب بھی ہیں جن کو ظاہری آنکھ نہیں دیکھ رہی۔ کتنی قربانی کرنے والی عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کے بغیر اپنی جوانیاں ڈھال دیں اور زندگی کے آرام تج دیئے۔ اور بڑے صبر کے ساتھ اپنے دکھوں کو اپنی حد تک اپنی چھاتیوں میں محفوظ کئے ہوئے وہ وفا کے ساتھ سلسلہ کی خدمت پر قائم رہیں، عہد بیعت پر قائم رہیں عہد وقف پر نہ صرف قائم رہیں بلکہ خاوندوں کو قائم رکھا اور جب ان میں کمزوری آئی تو اٹھ کھڑی ہوئیں اور کہا خبردار! یہ وہ رستہ ہے جس سے واپسی کا کوئی سوال ہی نہیں تو ان کا بھی تاریخ میں ذکر آنا چاہئے۔

میں نے سوچا کہ اب وقت ہے صرف میری بیوی کا حق نہیں اور واقفین زندگی ہیں جن کی بیویاں ہیں جنہوں نے بڑی بڑی اور بہت زیادہ قربانیاں کی ہیں ان کو بھی حق ہے کہ تاریخ ان کے ناموں کو زندہ رکھے اور ان کے لئے دعائیں کی جائیں۔ صرف مشکل یہ ہوتی ہے کہ عورتوں کے معاملات میں بعض دفعہ جب باقاعدہ کوائف اکٹھے کئے جائیں تو مبالغہ آمیزی' کوئی مقابلے کچھ ریاکاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے مَیں نے ابھی تک ایسا نہیں کہا لیکن دوسرے جن کے علم میں ایسی مخلص خواتین آتی ہیں جو فوت ہو چکی ہوں یا ابھی زندہ ہوں ان کو چاہئے کہ وہ ان کی تاریخ محفوظ کر کے تحریک جدید کو بھجوائیں تاکہ ان کے نام بھی کتابوں میں دعاؤں کی خاطر لکھے جائیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے وہ تو کسی ظاہری ذکر کا محتاج نہیں ہے اس کے ہاں تو ان واقفین کی یہ پاک مقدس بیویاں بھی وقف کے طور پر ہی شمار ہوں گی اور ان کا فیض انشاء اللہ ان کی آئندہ نسلوں کو پہنچتا رہے گا۔

اس کے بعد اب میں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔ بی بی کی طرف سے آپ سب کو سلام کیوں کہ وہ بار بار اظہار تشکر کرتی تھیں کہ جماعت کتنی پیاری ہے اور کتنی دعائیں کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ

انہیں بھی غریق رحمت کرے اور ہم سب کا بھی نیک انجام کرے اور ہماری اولادوں کو پوری وفا کے ساتھ دین حق پر قائم رکھے اور خدمت دین کی توفیق صرف یہی نسلیں نہ پائیں بلکہ نسلاً بعد نسلٍ قیامت تک ہماری اولادیں پوری وفا کے ساتھ خدمتِ دین کی توفیق پاتی رہیں۔آمین

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور انور نے فرمایا:۔

مجھے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے کہا ہے کہ پاسپورٹ پر تاریخ پیدائش ۲۱/جنوری ۱۹۳۵ء لکھی ہوئی ہے مجھے علم ہے غلطی سے لکھی گئی تھی اور پھر ٹھیک نہیں ہوسکی تو وہی چل رہی ہے مگر اصل تاریخ پیدائش ۱۹۳۶ء رہے کیونکہ میرے پاس جو پہلا پاسپورٹ پڑا ہوا ہے اس پر ۱۹۳۶ء ہی لکھی ہوئی ہے بعد میں کسی وجہ سے غلطی ہوگئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کا پیغام موت سے بے خوف کرتا ہے۔ عائلی زندگی میں اسوۂ رسول ﷺ اپنائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰/اپریل ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

عید کے خطبہ پر میں نے اپنی اہلیہ کی وفات کے حوالے سے جماعت کے مردوں کو پُر درد اور پُر زور نصیحت کی تھی کہ اپنی بیویوں سے حسن سلوک کیا کریں اور ان کے اہل وعیال کو، ان کے والداؤں کو اور ان کی بہنوں وغیرہ کو بھی اس نصیحت میں شامل کیا تھا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ بعض اوقات بے بس اور کمزور عورتیں اپنے سسرال کی طرف سے طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنتی ہیں اور کچھ کر نہیں سکتیں۔ ان کی مظلومیت میں بے اختیاری کی حالت ایک ایسی دردناک کیفیت ہے جو یقیناً ظالموں کو عذاب میں مبتلا کر سکتی ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اُن دعاؤں کے ذکر میں جو بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ پاتی ہیں مظلوم کی دعا کو بہت اہمیت دی ہے کہ یہ دعا ایسی ہے جو رد نہیں کی جاتی تو اس وجہ سے جو نصیحت کی گئی وہ مردوں یا اُن کے خاندان والوں کے خلاف بات نہیں تھی کسی غصے یا بغض کے نتیجہ میں نہیں تھی نہ اس کا کوئی موقع تھا نہ اس کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے بلکہ از راہ ہمدردی میں نے ایسا کہا لیکن عید کی ملاقات کے دوران ایک صاحب ایسے ملے جو اس پر بہت ہی خفا اور ناراض تھے اور مجھ سے شکوہ کیا کہ آپ بعض دفعہ ایک ہی طرف کی باتیں کرتے رہتے ہیں دوسری طرف کا خیال ہی نہیں کرتے کیا عورتیں ظالم نہیں ہوسکتیں۔ بڑی

بڑی ظالم عورتیں بھی ہوتی ہیں۔

اس بات پر میں نے اُن کو سمجھایا کہ ابھی میں مستورات کی طرف سے ہو کر آیا ہوں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں اُن کو بھی نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے حقوق ادا کریں لیکن یہ موقع ایسا تھا جس سے میں نے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اگر کسی ایک غم کے نتیجہ میں کثرت سے خوشیاں پھیل جائیں تو یہ تو بہت اچھا سودا ہے اس میں شکوے یا ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ میں اس بات سے خوب باخبر ہوں کہ عورتیں بھی ظالم ہوتی ہیں، ہوسکتی ہیں، عورتیں بھی ایسی ہوتی ہیں جو گھروں کو برباد کرنے کا موجب بن جاتی ہیں، عورتیں بھی ایسی ہوتی ہیں جن کی طبیعت میں فساد پایا جاتا ہے اور نشــــوز پایا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ مرد جو بعد ازاں بڑے ہو کر عورتوں پر ظلم کا موجب بنتے ہیں وہ ایسی ہی ماؤں کی گود میں پلتے ہیں جو ظالم صفت ہوتی ہیں اور اُن کے اندر خاص طور پر ایک یہ صفت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی بچیوں کے مقابل پر اپنے بیٹوں کو خدا بناتی ہیں اور اُن کی بہت زیادہ عزت کی جاتی ہے اور اُن کی ہر جائز ناجائز بات کو برداشت کیا جاتا ہے۔ ان کی اپنی بہنیں ان کے سامنے گھر میں لونڈیوں کی سی حیثیت رکھتی ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اپنے بھائی کے خلاف کوئی شکایت بھی کرسکیں۔ چنانچہ ایسے گھر بھی ہیں جہاں عورتیں واقعۃً مردوں کی عملاً پرستش کرتی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی ایسی معاشرتی خرابیاں ہیں جو عورتوں سے جنم لیتی ہیں اولاد میں پنپتی ہیں اور اولاد جب بڑی ہوتی ہے تو ساتھ ساتھ وہ برائیاں بھی نشوونما پاتی ہیں اور معاشرہ گندہ ہو جاتا ہے لیکن یہ بات اُن کے ذہن میں نہیں آئی کہ ان سب نصیحتوں کا وہ موقع نہیں تھا۔

ایک عورت کی موت کے حوالے سے اگر عورتوں کو نصیحت کی جاتی کہ تم ظلم نہ کرو تو بہت ہی بدزیب اور بیہودہ سی بات ہوتی، مزاج سے گری ہوئی ایک بات تھی اور اس کا پیغام دنیا کو یہ ملتا کہ گویا میں اپنی بیوی کے مظالم کی شکایت کر رہا ہوں۔ براہ راست اس کو کچھ نہیں کہتا لیکن اس نصیحت کے بہانے اس کو کوس رہا ہوں کہ تم مجھ پر یہ ظلم کر کے گئی ہو تو موقع اور محل کی مناسبت سے بات ہونی چاہئے۔ یہ ہرگز مطلب نہیں تھا کہ میں دوسری طرف کی کمزوریوں سے ناواقف ہوں۔ ایک پہلو تو یہ تھا جو وضاحت کے طور پر بیان کرنے کے لائق تھا لیکن اس ضمن میں اور بھی کچھ باتیں ہیں جو میں

آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں۔

ظلم کے مختلف معیار ہیں اور اس کا انسان کے احساس کے معیار سے بہت گہرا تعلق ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو انسان اپنے مزاج کے مطابق کرتا ہے اور اُن کو ظلم نہیں سمجھتا اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کو انسان بعض دفعہ عام اخلاق سے گرا ہوا نہیں دیکھتا لیکن خدا کے نزدیک یا ان لوگوں کے نزدیک جن کے اخلاق بلند ہوں وہ باتیں اخلاق سے گری ہوئی ہوتی ہیں۔ تو مختلف انسانی معیار ہیں جن کے ساتھ انسان کی نظر نئے پیمانے تراشتی رہتی ہے اور ان پیمانوں میں نئی صورتیں دیکھتی رہتی ہے۔ پس اپنے سلوک کو جو غیر کے ساتھ کیا جاتا ہے دیکھنے کے بھی مختلف پیمانے ہیں جو نظر کی لطافت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نظر میں لطافت ایسی تھی اور آپؐ کے اخلاق کا مرتبہ اور مقام اتنا بلند تھا کہ وہ باتیں جو آپؐ اپنے لحاظ سے کمزوریاں سمجھتے تھے اور کثرت سے ان پر استغفار فرمایا کرتے تھے۔ ایک ولی اللہ کی نظر میں وہ نیکیاں شمار ہو سکتی تھیں اور ان اعمال پر اسے وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ کوئی مغفرت طلب کرنے یعنی استغفار کا مقام ہے۔

پس میری مراد یہ تھی اور یہ ہے کہ جماعت کے اخلاق کے معیار بلند کروں اور اُن کی طبیعتوں میں لطافت اور نظافت پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ اس کے نتیجہ میں وہ خود اپنے اعمال کے بہترین نگران بن سکتے ہیں اگر ذوق کا معیار بلند نہ کیا جائے تو اخلاق کا معیار بلند نہیں ہو سکتا اور بسا اوقات انسان خود اپنے سے اندھیرے میں رہتا ہے۔ پردے اُٹھنے کا محاورہ آپ نے جو صوفیا کی زبان سے سنا ہوا ہے۔ یہ ایک حقیقی بات ہے یہ محض صوفیانہ خیالات کی نازک خیالی نہیں ہے بلکہ بہت گہرے تجربہ کے نتیجہ میں بعض صوفیا نے تمثیل کے طور پر یہ بات پیش کی ہے کہ انسان پردوں میں رہتا ہے اور جب اس کے پردے اُٹھتے ہیں تو پھر وہ عارف باللہ بننا شروع ہوتا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے پہلے اپنے نفس سے پردے اٹھا کر اپنے وجود کو دیکھنا شروع کریں تب آپ اس بات کے اہل ہوں گے کہ آپ دنیا کے ساتھ حسن سلوک کر سکیں جو لوگ پردوں میں رہتے ہیں وہ ہمیشہ مظلوم رہتے ہیں۔

چنانچہ مَیں نے بعض اوقات ایسے میاں بیوی کے جھگڑے سنے ہیں جو بدنصیبی سے دونوں ہی پردوں میں تھے۔ ساری عمر میاں اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا رہا اور ساری عمر بیوی اپنے آپ کو مظلوم سمجھتی رہی اور کسی نے یہ کوشش نہیں کی کہ اپنی ذات سے بالا ہو کر انسان اپنے نفس پر اندھیروں کے جو پردے چڑھاتا

چلا جاتا ہے اور پھر آخر ان میں ڈوب جاتا ہے۔ان پردوں سے باہر آ کر وہ حقائق کا مشاہدہ کرے اور اس کے کئی طریق ہیں۔وہ ذات جو انسان کے لئے ظلمات پیدا کرتی ہے۔ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو وہی ذات انسان کی ظلمت دور کرنے کا موجب بھی بن جاتی ہے۔حقیقت میں آخری طاقت انانیّت ہی ہے۔اپنے نفس کے ساتھ پیار ہی ہے جو منفی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے اور مثبت چیزیں بھی پیدا کرتا ہے۔مثلاً ایسے خاوند جن کا مَیں نے ذکر کیا جن کے ساتھ مائیں اور دوسرے عزیز بھی شامل ہوتے ہیں۔ایک نہتی بے بس عورت ان کے گھر میں ہے اس کو طعنوں کا نشانہ بناتے ہیں،طرح طرح کی بدسلوکیاں کرتے ہیں اور وہ بے اختیار اور بے بس گھلتی چلی جاتی ہے۔اُن کو کبھی اس بات کا خیال آ ہی نہیں سکتا کہ وہ زیادتی کر رہے ہیں کیونکہ وہ بعض ایسی کمزوریاں دیکھتے ہیں جو اس عورت میں موجود ہوتی ہیں اور پھر فرضی طور پر ان کمزوریوں کو بڑھایا بھی جاتا ہے۔معمولی سے نقص بھی ان کو بڑے بڑے دکھائی دیتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں جب تشدد کرتے ہیں اور سختی کرتے ہیں تو ان کو پتا نہیں لگتا کہ کتنا دکھ ہو رہا ہے۔اس بات کو سمجھنے کے لئے وہ اپنی ذات کے حوالے سے ایک اور رنگ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ان کی بہنیں ہیں ان کی مائیں ہیں ان کے اور عزیز ہیں جن سے ان کو گہرا پیار ہے وہ اگر یہ سوچیں کہ ان کے ساتھ اگر ایسے سلوک ہوں جب یہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہوں تو پھر ان کا کیا حال ہوگا۔ایسی صورت میں ان کی غیرت بہت بھڑک اٹھتی ہے اور وہ جان دینے اور جان لینے پر آمادہ ہو جایا کرتے ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اگر وہ اپنی عزت کے حوالے سے مزید غور کریں تو وہ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ کس بے باکی کے ساتھ وہ ایسے کاموں پر آمادہ ہوتے تھے جو اگر ان سے کیا جائے تو وہ اپنی جان دینے اور دوسرے کی جان لینے پر تیار ہوں۔تو نفس کا حوالہ دو طرح سے ہو سکتا ہے نفس کا ایک حوالہ وہ ہے جس میں ظالم اپنے اندرونے سے بے خبر دوسرے کے نقائص ڈھونڈتا چلا جاتا ہے اور اپنے بدلے دوسرے سے لیتا چلا جاتا ہے۔ایک حوالہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو انسان ظالم سمجھے یا ان لوگوں کے خلاف ظلم کا تصوّر باندھے جو اس کو پیارے ہوں اور پھر دیکھے کہ کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا نہیں ہو رہا اس طرح انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ کچھ نظر آنے لگتا ہے جو پہلے نظر نہیں آ سکتا۔

دوسرے زندگی کے سفر میں سب سے زیادہ لطافت پیدا کرنے والی چیز تقویٰ ہے اگر انسان

تقویٰ اختیار کرے اور خدا کی طرف اُس کے پیار کو حاصل کرنے کا سفر شروع کردے تو اس سفر کے آداب کا نام تقویٰ ہے۔ مُراد یہ ہے کہ انسان ایک پیارے کا دل جیتنا چاہتا ہے اور ہر وقت اس بات پر نگران رہتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس سے یہ مجھ سے ناراض ہو جائے جو اس کو بری لگے۔ یہ خوف ہی دراصل تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا مطلب بعض چیزوں سے بچنا ہے اور عرف عام میں اس کا ترجمہ خدا کا خوف کیا جاتا ہے۔ خوف کن معنوں میں؟ اس بارہ میں پہلے بھی مَیں روشنی ڈال چکا ہوں آج میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ غالبًا پہلے بھی کہہ چکا ہوں گا لیکن دوبارہ اس بات پر اصرار کرنا چاہتا ہوں کہ تقویٰ سے مُراد یہ خوف ہے کہ مَیں ان باتوں سے بچوں جن باتوں سے مجھے اپنے محبوب کی ناراضگی دیکھنی پڑے اور وہ مجھ سے خفا ہو جائے۔ یہ ایک منفی طاقت ہے جو مثبت نتائج پیدا کرتی ہے۔ تقویٰ بظاہر ایک منفی طاقت ہے بچنے کا نام تقویٰ ہے اور بچنے سے مراد جیسا کہ آپ سفر پر جارہے ہوں تو ٹھوکروں سے بچنا' راہزنوں سے بچنا' کئی قسم کے اتفاقی حادثات اور نقصانات سے بچنا۔ یہ سارے بچنے کے مفہوم اس میں داخل ہیں جو منفی پہلو رکھتے ہیں لیکن ان کا جو مثبت نتیجہ ہے وہ جان، مال، عزت اور خوشیوں کی حفاظت ہے اسی لئے قرآن کریم نے خوشیوں کے موقع پر خصوصیت سے بیان فرمایا۔ شادی بیاہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ جن آیات کی تلاوت فرمایا کرتے تھے ان تین آیات میں پانچ مرتبہ تقویٰ کا ذکر ہے خوشی کا موقع اور خوف کی باتیں مراد یہ ہے کہ یہ خوف تمہاری خوشیوں کی حفاظت کرے گا اور تمہیں کئی قسم کے عذابوں سے پناہ میں رکھے گا۔ چلتے چلتے آپ کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ خدانخواستہ گر جاتے ہیں کوئی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے بعض دفعہ ایسے بھی نقصان ہو جاتے ہیں کہ انسان عمر بھر چلنے سے محروم رہ جاتا ہے ایک چھوٹی سی غفلت کے نتیجہ میں ساری زندگی کا عذاب ہے تقویٰ کا سفر بھی اسی قسم کا سفر ہے۔ اس کو معمولی بات نہ سمجھیں تقویٰ کے فقدان کے نتیجہ میں بعض دفعہ انسان ایسی ٹھوکر بھی کھا جاتا ہے جو اس کے لئے ہمیشہ کے لئے روحانی عذاب کا موجب بن جاتی ہے۔

پس اس پہلو سے میں مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی خدا کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں مردوں کے متعلق اس لئے بات کو خصوصیت سے بار بار دُہراتا ہوں کہ مرد اگر مظلوم ہو تو اس کے لئے نجات کے رستے نسبتاً زیادہ ہیں اور آسان ہیں مرد باہر کی دنیا میں ایک آزاد زندگی بسر کرسکتا ہے۔

مرد عموماً طاقت ور ہوتا ہے اس لئے اس پر جسمانی دباؤ اور جبر بھی نہیں ہوسکتا۔ مرد کو اختیار ہے جب چاہے گھر چھوڑ کر باہر نکل جائے اور ناراضگی کا اظہار کرنا چاہے تو دو دو تین تین راتیں پھر نہ آئے۔ مرد کے اوپر عورت بالعموم ہاتھ نہیں اٹھاتی۔ اگر اٹھاتی ہے تو پھر اسے زیادہ نقصان پہنچتا ہے تو مرد کو بعض طبعی فوقیتیں حاصل ہیں اس کے نتیجہ میں مَیں خصوصیت سے مردوں کو نصیحت کرتا ہوں کیونکہ جس کو طبعی فوقیتیں حاصل ہوں جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) مرد عورتوں سے زیادہ قوی اور اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ انہیں صراط مستقیم پر رکھ سکیں۔ پس اس پہلو سے مردوں کو اپنے متعلق جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ میں اپنی طاقت اور فوقیت کا ناجائز استعمال تو نہیں کر رہا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ نے مرد کو جو قوام کی صفت عطا کی ہے وہ رحم دلی کے نام پر اپنی قوامیت کو قربان کر دے۔ مَیں ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ بات بھی آپ کو سمجھاؤں۔ بیویوں سے حسن سلوک، عورتوں سے نرمی اور خوش خلقی، ان کے ظلم کو حوصلے کے ساتھ برداشت کرنا اور ان سے عفو کا سلوک کرنا اور رحم کا سلوک کرنا یہ ساری خوبیاں ہیں، یہ مرد کے زیور ہیں جو اُسے خدا کی نظر میں اور زیادہ دیدہ زیب بنا دیتے ہیں لیکن نرمی کے نام پر، پیار اور محبت کے نام پر اصولوں کے سودے کر لینا اور اپنی قوامیت کو قربان کر دینا یہ حسنِ خلق نہیں ہے بلکہ سوٗ الخلق ہے بد خلقی کا نام ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاں یہ چیز قابل قبول نہیں ہے چنانچہ ایسے مرد جو اپنی عورتوں کو بے راہ روی میں مبتلا دیکھتے ہیں اور نرمی کے نام پر، حسنِ سلوک کے نام پر ان سے صرف نظر کرتے ہیں یا دوسروں پر زیادتی کرتے دیکھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورت ہے، کوئی حرج نہیں کہ ہم اس سے نرمی کا سلوک کریں اور یہ بے شک کسی کے متعلق زبان درازی کرتی رہے ہم حوصلے سے اسے برداشت کریں۔ وہ مرد یقیناً غلطی پر ہیں حُسن سلوک یہ نہیں ہے۔ کسی کو کسی کے خلاف چغلی کرتے دیکھتے ہیں اور مزے کے ساتھ بیٹھ کر اس کی بات سنتے ہیں اور اس کو ٹوکتے نہیں اور اسے سمجھاتے نہیں اس کا نام حسن خلق نہیں ہے اور بظاہر نرمی پھر ظلم بن جاتی ہے۔ پس جب میں ظلم کی بات کرتا ہوں تو اسلام کی وسیع تر اصطلاح میں ظلم کی بات کرتا ہوں۔ بعض دفعہ سختی ظلم ہے، بعض دفعہ نرمی ظلم ہے۔ چنانچہ بات کو مختصر کرنے کے لئے میں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا حوالہ دیا کیونکہ وہ موقع ایسا نہیں تھا کہ بہت تفصیل سے یہ باتیں سب کو سمجھاتا میں نے کہا کہ آپ پر اگر زیادتی بھی ہو تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا رنگ اختیار کریں

اور آپؐ نے عورتوں کے ساتھ سلوک کے جو پاک نمونے ہمارے لئے ہمیشہ کے لئے چھوڑے ہیں جو ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے ان سے استفادہ کریں۔

آنحضرت ﷺ کا طریق یہ تھا کہ بہت سی باتوں میں اپنی بیگمات کی زیادتیاں برداشت فرماتے تھے اور ایسے مواقع بھی آئے کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہدایت فرمائی کہ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگیاں چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کے مال دیتا ہوں اور رخصت کر دیتا ہوں حسن سلوک کے ساتھ علیحدہ کروں گا کوئی سختی نہیں ہوگی لیکن میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ یہ آخری اور بہت ہی تکلیف دہ فیصلہ تھا۔ جس کے پس منظر میں کچھ باتیں ہوں گی۔ قرآن کریم نے ان کی تفصیل بیان نہیں فرمائی اس لئے ہمارا بھی کام نہیں ہے کہ ہم ان تفاصیل کو تلاش کریں ویسے بھی ادب کا مقام ہے کہ ان باتوں میں ہرگز کھوج نہ لگائیں لیکن بالعموم یہ یقین کریں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے یقیناً کچھ دکھ محسوس فرمایا ہوگا، کوئی تکلیف پہنچی ہوگی اس دکھ کے ازالے کے لئے، اس تکلیف کو رفع فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ اعلان عام کرنے کی ہدایت فرمائی اور آپؐ کو بری الذمہ فرمادیا۔ اس کے بعد یقیناً آپ کی ازواجِ مطہرات میں کوئی غیر معمولی پاک تبدیلی پیدا ہوئی ہوگی کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی تنبیہہ نظر نہیں آتی اور پھر کوئی ایسا واقعہ دکھائی نہیں دیتا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کسی بیگم سے شکوہ کے نتیجہ میں اس کو علیحدہ فرمایا ہو۔ یہ تو بالعموم حضور اکرم ﷺ کا اسوہ ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں کہ آپؐ کو بھی کچھ نہ کچھ تکلیفیں ضرور پہنچیں لیکن آپؐ نے وسیع حوصلگی کا اظہار فرمایا اور بہت بڑے کھلے دل کے ساتھ ان چیزوں سے صرف نظر فرماتے رہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خود نصیحت فرمائی کہ اس صورت حال میں آخری علاج علیحدگی ہے۔

احباب جماعت کو اس مضمون کو بھی خوب ذہن نشین رکھنا چاہئے بہت سی ایسی باتیں ہیں جن میں اصلاح کی کوشش نرمی سے ہی جاری رہنی چاہئے اور جہاں تک نصیحت کا تعلق ہے نصیحت سے کام لینا چاہئے لیکن اگر پانی سر سے گزرتا دیکھیں تو اسی قرآنی ہدایت کے پیش نظر اپنی بیویوں کے سامنے بات کھول دینی چاہئے کہ اس صورت حال میں ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے اور یہ بات جتنی جلدی ہو تو اتنا ہی بہتر ہے۔ بعض لوگ تقریباً ساری عمر بیویوں کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔ پانچ پانچ، چھ چھ

بچے ہو گئے اور پھر اس کے بعد ڈنڈا اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو جاہلانہ بات ہے اگر وہ ظالم ہی تھی تو اتنا لمبا عرصہ تم کیا کرتے رہے ہو؟ قرآن کریم نے بڑے لطیف انداز میں یوں بیان فرمایا ہے کہ جب تم بیویوں کو علیحدہ کرتے ہو تو حسن سلوک سے کیا کرو۔ یاد کرو کہ تم ان سے استراحت کرتے رہے ہو، بے تکلف لطف اُٹھاتے رہے ہو ان باتوں کا کچھ تو پاس کرو، کچھ تو حیا کرو۔ الفاظ یہ نہیں مگر مضمون بعینہ یہی بیان ہوا ہے تو مردوں کو آنحضرت ﷺ کا اسوہ اختیار کرنا چاہئے اور اس اسوہ میں یہ بات داخل ہے کہ اصول کی قربانی آپؐ نے کبھی نہیں کی بے حد محبت اور بے حد عفو کا سلوک کرنے کے باوجود آپؐ نے کبھی ایک دفعہ بھی کسی اصول کی قربانی نہیں دی چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ ایک موقع پر کسی بیوی کی طرف سے کوئی تحفہ آیا جس سے ان کو تکلیف ہوئی اور آپؓ نے وہ برتن توڑ دیا آنحضرت ﷺ خود اُٹھے اور برتن اپنے ہاتھ سے جوڑا اور پھر نصیحت فرمائی کہ اس کے بدلے صحیح اچھا برتن بھجواؤ اور آپؐ کی ناراضگی آپؐ کے چہرے پر ایسی واضح لکھی گئی تھی کہ باوجود اس کے کہ کوئی سخت کلامی نہیں کی لیکن اس کا دکھ ہمیشہ کے لئے حضرت عائشہؓ کے دل پر نقش ہو گیا۔ (نسائی کتاب عشرۃ النسائی حدیث نمبر:۳۸۹۳)

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں کسی زوجہ محترمہ کا ذکر آیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے چھوٹی انگلی اٹھا کر فرمایا۔ وہ یعنی وہ چھوٹے سے قد والی چھنگلی کے برابر۔ غالباً وہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات تھی۔ (ابوداؤد کتاب الادب حدیث نمبر:۴۲۳۲)

آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عائشہؓ تم نے ایک ایسی چھوٹی سی بات کی ہے کہ اسے اگر سمندر میں پھینکا جائے تو سارا سمندر متغیر ہو جائے۔ کتنا عظیم الشّان کلام ہے۔ کیسی پاکیزہ نصیحت ہے اور کتنا سخت جواب اس نرمی کے اندر ہے لیکن بہت ہی ملائمت اور بہت ہی زیادہ لطف کے ساتھ آپؐ نے بات کو پیش فرمایا لیکن اگر حساس آدمی ہو تو وہ ہمیشہ اس بات کی تکلیف محسوس کرتا رہے گا کہ مجھ سے کیوں ایسی غلطی سرزدہ ہوئی جس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ کو مجھے اس طرح نصیحت فرمانی پڑی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے وصال کے بعد وہ خود مدتوں یہ بات اپنے متعلق بیان فرماتی رہیں کہ مجھے بھی وہ دن دیکھنا پڑا جب میں نے ایسی بات کر دی تھی تو آنحضرت ﷺ نے جواباً فرمایا کہ دیکھو عائشہؓ ! تم نے چھوٹی سی بات کی

ہے لیکن اتنی تلخ ہے کہ اگر سمندر میں ڈالا جائے تو سمندر متغیر ہو جائے یعنی اس کا رنگ بدل جائے اس کا مزا بدل جائے ، اس کی کیفیت میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی اپنی محبت پر اصول کو قربان نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آنحضور ﷺ کو جو پیار تھا وہ ظاہر و باہر ہے اور ہمیشہ اسلام کی تاریخ میں وہ ایک درخشندہ پیار کی مثال کے طور پر زندہ رہے گا کہ مرد کو عورت سے کیسا پیار ہونا چاہئے لیکن اس پیار کے نتیجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اصولوں کو قربان کرنے کی اجازت کبھی نہیں دی گئی اور ہمیشہ موقع پر صحیح نصیحت فرمائی اس کو قوآم کہتے ہیں یہی وہ قوآم لفظ ہے جو قرآن کریم میں مردوں کے متعلق آیا ہے۔ تو میں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ آپ قوام ہیں آپ ظلم سے باز رہیں اور مطلب یہ بھی تھا کہ ظلم سے باز رکھیں دونوں باتیں قوآم میں آتی ہیں لیکن اگر مغلوب الغضب ہو جائیں ، اگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر طیش میں آجائیں اور نہ صرف اپنی بیوی کو کوسنا شروع کریں بلکہ اس کے ماں باپ کو بھی چھید جائیں اور طرح طرح سے ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنادیں تو نہ یہ حسن خلق ہے، نہ یہ قوامیت ہے، نہ یہ مردانگی ہے، یہ تو گھٹیا کمینی ذلیل بات ہے۔ تو میں اگر احمدیوں کو ایسی گھٹیا، کمینی، ذلیل باتوں سے روکتا ہوں تو کسی کو اس بات میں ناراضگی کی ضرورت نہیں۔ احمدیوں سے اپنی محبت کے نتیجہ میں ایسا کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہم میں بہت سی کمزوریاں ہیں اور میرے فرائض میں داخل ہے کہ ان کمزوریوں کو دور کروں۔ میری تمنّا ہے کہ ہمارا ہر گھر جنت نشاں ہو جائے۔

پس اس طبعی تمنا کے نتیجہ میں جب نصیحت کرتا ہوں تو بعض دفعہ اس میں سخت الفاظ بھی آجاتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ کسی تلخی کے نتیجہ میں بات نہیں ہوتی۔ مثلاً میرا یہ کہنا کہ ایسی صورت میں میں تمہیں **عذاب الیم** میں خوشخبری دیتا ہوں قرآن کریم نے بعض عذابوں سے متنبہ کرنے کے لئے یہی خوشخبری کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ تمہیں ہم عذاب کی خوشخبری دیتے ہیں اور یہ خوشخبری ایسی صورت میں دی جاتی ہے جب انسان ایسی حالت میں جان دے کہ وہ ظالم ہو اور بخشش طلب کرنے کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔ پس مراد یہ ہے کہ **نعوذ باللہ من ذٰلک** سارے مرد ہی ظالم ہیں مراد یہ تھی کہ موت سے پہلے پہلے اپنے اندر ایسی پاک تبدیلی پیدا کرلو کہ تمہیں قرآن کے الفاظ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تنبیہہ **عذاب الیم** کی خوشخبری نہ دے رہی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ

اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بھی اللہ ہی کی پناہ مانگی جاتی ہے اللہ ہی کی پناہ میں آنا چاہئے۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ اس بات کو سمجھ کر ہمارے مرد اور عورتیں اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کریں گے۔

دوسرے اس موقع پر نصیحت کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ میری ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ **بری چیز اگر ہو جائے تو اس سے اچھی بات نکالی جائے** اور یہ اسلوب میں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے ہی سیکھا ہے۔ موت سے زندگی طلب کرنے کی خواہش ایک ایسا رجحان ہے جو قوموں کو ترقی کی راہ میں بہت آگے بڑھا دیتا ہے۔ ہر تکلیف کو اچھی حالت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرنا یہ ایک ایسی بات ہے جو طبعی رجحان سے تعلق رکھتی ہے ورنہ بعض لوگ ایک موت کے نتیجہ میں مر جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے ہیں بعض لوگ موت سے زندگی پاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ زندگی کی راہوں پر قدم مارنے لگتے ہیں تو یہ وجہ تھی جو میں نے اس موقع پر خصوصیت سے نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا کہ ایک عورت کی وفات کے نتیجہ میں جو غم پہنچتا ہے وہ سینکڑوں زندہ عورتوں کی خوشیوں میں کیوں نہ تبدیل کر دیا جائے۔ کیوں نہ اس سے ایسا فائدہ اٹھائیں جس کے نتیجہ میں ہر گھر میں خوشیوں کی لہریں دوڑیں اور اس کا طبعی فیض اس مرنے والی کو بھی پہنچتا رہے گا جو اس پاک نصیحت کا بہانہ بن گئی جس سے گھروں میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ اس نیک نیت اور نیک تمنا کے ساتھ میں نے وہ نصیحت کی تھی اس میں ہرگز کوئی یکطرفہ ظلم نہیں تھا جس کے نتیجہ میں کسی مرد کے لئے کوئی ناراضگی کی وجہ ہو۔

اس ضمن میں میں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ: ۱۵۷) سے متعلق بھی آپ کو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ دوست تعزیت کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ مرد بھی خواتین بھی دور دور سے بڑی محبت کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں اور خطوط بھی کثرت کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔ میں نے امیر صاحب (یو۔ کے) سے گزارش کی تھی کہ میرا دل بخوبی واقف ہے میں سب احمدیوں کے متعلق جنہوں نے مجھے بتایا ہے ان کے متعلق بھی اور جنہوں نے نہیں بتایا ان کے متعلق بھی خوب احساس رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری احمدیوں کے حال پر جس حد تک نظر ہے میں ان کے جذبات اور ان کی کیفیت سے واقف ہوں اور دل کی گہرائی سے ان کا احترام بھی کرتا ہوں لیکن اگر مسلسل اس طرح باقاعدہ جماعت کے بعد جماعت نے آنا شروع کیا تو اس میں کچھ قباحتیں بھی ہیں

اس لئے آپ نرمی اور محبت اور پیار سے ان کو سمجھائیں کہ ناقدری کی وجہ سے میں ان کو نہیں روکتا بلکہ بعض قباحتیں ہیں جو میرے پیش نظر ہیں اس کی وجہ سے روکتا ہوں۔

ایک تو یہ کچھ دن کے بعد غم اپنی شدت کے مقام سے اترنا شروع ہو جاتا ہے جس طرح پارہ گرمی سے چڑھتا بھی ہے اور سردی سے اترتا بھی ہے غم کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے جب اترنا شروع ہو جاتا ہے پھر ایک ایسے مقام پر آجاتا ہے کہ اس غم کی ہمدردی کے لئے پھر ایک طبعی جذبہ زبردستی انسان کو مجبور نہیں کر رہا ہوتا بلکہ ارادے اور کوشش سے سوچ کر بعض باتیں کرنی پڑتی ہیں جب وفات کی خبر تازہ تھی یا کچھ دن تک تازہ رہتی ہے تو اس وقت بے اختیاری سے از خود لوگ چلے آتے ہیں ان کو روکنا جائز نہیں لیکن جب غم اس مقام سے اتر چکا ہو اور پھر یہ سوچ کر کہ ہمیں بھی جانا چاہئے فلاں گیا ہے اور فلاں گیا ہے ہم کیوں نہ جائیں۔ جب ایک منظّم طریق پر تحریک کے نتیجہ میں لوگوں کے وفود تیار کئے جائیں تو اس میں کچھ تصنّع پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ایسے لوگ بھی بیچ میں شامل ہو سکتے ہیں جن کو تکلیف ہو جو مالی لحاظ سے دقت محسوس کر رہے ہوں یا مصروف الاوقات ہونے کی وجہ سے وہ مجبور ہوں کہ کسی اور کام کو قربان کر کے آئیں تو ان کے دل پر بوجھ پڑتا ہے اور بعض لوگ یہ بھی بیان نہیں کر سکتے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کہا کہ نہیں تو جس نے ہمیں نصیحت کی ہے یا توجہ دلائی ہے وہ یہ سمجھے گا کہ اس کو شاید کم محبت ہے، اس کو کم تعلق ہے۔ ایسے نیک کام کے لئے کہا اور اس نے آگے سے جواب دے دیا تو بہت سے لوگ بے وجہ ابتلاؤں میں پڑ جاتے ہیں اور تصنع اور تکلفات کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر میرا وقت بھی مجبوراً ایسے کام پر صرف ہوتا ہے جس کی میں ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ غم کا جو ابتدائی ریلا تھا۔ اس میں ساری جماعت مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک شریک تھی اور اس کا اظہار ہو یا نہ ہو جس طرح ساری دنیا میں بے ساختہ دعائیں ہو رہی تھیں ان دعاؤں کا علم بھی اس بات کے لئے کافی ہے کہ جماعت کو اس وفات کے نتیجہ میں غیر معمولی صدمہ پہنچا ہوگا بلکہ بعض صورتوں میں ایسا صدمہ کہ میں نہیں جانتا کہ ان کو مجھ سے تعزیت کرنی چاہئے یا مجھے ان سے تعزیت کرنی چاہئے تو جب ان سب کیفیات پر میری نگاہ ہے تو پھر کیوں رسمی طور پر ہم ان باتوں کو لمبا کر دیں اور اتنا کھینچیں کہ اس کے نتیجہ میں تکلفات پیدا ہوں اور ابتدائی جذبات کی پاکیزگی پر کچھ میل آجائے اس لحاظ سے میں نے امیر صاحب (یو۔ کے) سے

گزارش کی تھی کہ آپ میری طرف سے جماعتوں کو پیغام دے دیں کہ کبھی عام ملاقاتوں کے درمیان یا ویسے اگر ضرورت سمجھیں تو ذکر کر دیں مگر اس کی بھی ضرورت نہیں ہے اس سے بعض اوقات بجائے فائدے کے تکلیف پہنچتی ہے اور طبیعت میں اضطراب پیدا ہوتا ہے اس لئے حتی المقدور اب اس معاملے کو رفتہ رفتہ ختم کرنا چاہئے۔

ساتھ ہی آنے والوں کو نصیحت کرتا رہا ہوں جس میں اب میں ساری جماعت کو شامل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اب اس کے بعد میں امید رکھتا ہوں کہ رسمی طور پر وفود کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ وہ نصیحت یہ ہے، یہ رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ کے پیغام کو سمجھنا چاہئے۔

ہمیں یہ نصیحت ہے کہ جب کسی جان کا یا مال کا نقصان ہو تو اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ پڑھیں۔ اس کا پیغام بالعموم لوگ سمجھتے نہیں اور بالعموم رجحان یہ ہوتا ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ اس چیز پر پڑھا جا رہا ہے جو چیز ہاتھ سے ضائع ہوگئی یا نکل گئی حالانکہ یہ اِنَّا لِلّٰهِ اپنے اوپر پڑھا جاتا ہے خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انـه لله و انّه اليه راجعون ۔ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکلی ہے وہ اللہ کی تھی وہ اللہ کی طرف لوٹنی ہی تھی پھر کیا غم ہے فرماتا ہے یہ پڑھا کرو اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ۔ ہم اللہ کے ہیں اور لازماً اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ پس ہر موت انسان کو زندگی کا پیغام دے رہی ہوتی ہے کوئی نقصان کا پیغام نہیں دے رہی ہوتی ہے اگر آپ اِنَّا لِلّٰهِ کے پیغام کو سمجھ جائیں تو دراصل یہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ مرنے والے پر نہیں بلکہ زندہ رہنے والے پر پڑھا جا رہا ہے۔ وہ خود اپنے اوپر پڑھ رہا ہے اور اپنے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ تو چلا گیا جس نے جانا تھا اس نے خدا کی تقدیر کے سامنے سر خم کر دیا لیکن میں نے بھی جانا ہے اس کی تیاری کے وقت ختم ہو چکے ہیں اور یہ کچھ بھی نہیں کر سکتا لیکن میرے لئے ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ پس وہ انجام جس کو آپ اپنی آنکھوں کے سامنے غیب کی صورت میں دیکھ رہے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ آپ کو یہ متوجہ کرتا ہے یہ تمہارا بھی انجام ہوگا ایک دن تم بھی اس طرح جان دے رہے ہو گے یا دے چکے ہو گے اور لوگ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ پڑھ رہے ہو گے اور ان بیچاروں کو غفلت کی حالت میں پتا نہیں ہوگا کہ یہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ اس

پرتو نہیں بلکہ ہمیں اپنے اوپر پڑھنا چاہئے پس اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کا پیغام یہ ہے کہ اے خدا! ہم سمجھ گئے ہم نے اس حقیقت کو پالیا کہ ہم تیرے ہی ہیں تجھ ہی سے وجود میں آئے تھے لِلّٰہِ کا مطلب صرف یہ نہیں کہ تیرے ہیں بلکہ یہ ہے کہ تجھ سے ہی پیدا ہوئے، تیری ہی ذات حقیقی اور دائمی ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں جو کچھ وجود میں آتا ہے وہ تجھ سے وجود میں آتا ہے اور جو خالق ہے وہی مالک بھی ہوا کرتا ہے۔ پس اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ میں یہ ساری باتیں شامل ہیں کہ اے خدا! ہم اس لئے تیرے ہیں کہ تیرے ہی سے وجود میں آئے تو نے عدم سے ہمیں وجود کی خلعت بخشی اور ہمارا تجھ سے جدائی کا سفر ایک دن ختم ہو جائے گا اور پھر لوٹ کر تیری ہی طرف واپس آئیں گے۔ تجھ سے الگ رہ کر جو ہماری زندگی کا عرصہ گزرا اس عرصہ میں ہم نے جو کچھ پایا کیا اس کا جواب ہم نے تجھے دینا ہے اور کس کیفیت میں یہ جدائی کا عرصہ گزرا اس کیفیت کی طرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ آپ کو متوجہ کر رہا ہے اور آپ کو خبردار کر رہا ہے۔ کیا خدا کے ہوتے ہوئے اور خدا کا رہتے ہوئے آپ نے خدا سے علیحدگی کا یہ وقت گزارا یا غیروں کا بن کر یہ وقت گزارتے رہے اگر اس عرصہ میں غیر کے ہو گئے تو پھر کس منہ سے خدا کی طرف واپس جائیں گے۔

یہ پیغام ہے جس کو ہر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھنے والے کو سمجھنا چاہئے اور اس کے نتیجہ میں اپنے اندر کچھ پاک تبدیلیاں کرنی چاہئیں۔ سب سے پہلے تو یہ شعور بیدار ہونا چاہئے کہ ہم اس دنیا میں جس کے مرضی ہو چکے ہوں حقیقت میں ہم خدا کے ہیں وہی مالک ہے۔ نہ ہم اپنی بیوی کے، نہ اپنی بہن کے، نہ ماں کے نہ باپ کے نہ بچوں کے جس کے ہیں اسی کی طرف جائیں گے اور جب وہ بلائے گا ہمیں اختیار نہیں ہے کہ نہ کر سکیں تو ہم جب دوسروں کے بنتے ہیں تو کیا دوسروں کے بنتے ہوئے خدا کو چھوڑ تو نہیں دیتے؟ کیا خدا سے تعلق قطع کر کے غیروں کے تو نہیں بن رہے؟ اگر ایسی حالت میں غیروں کے بن رہے ہیں تو جب آپ خدا کی طرف جائیں گے تو غیر بن جائیں گے غیر ہو کر جائیں گے اور اس صورت میں آپ خدا کے سامنے جواب دہ بھی ہوں گے اور محاورے کے مطابق فی الحقیقت اسے منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گے۔ پس ہر موت سے زندگی کا ایک پیغام ملتا ہے اور ہر موت سے ہمیں زندگی کا پیغام حاصل کرنا چاہئے۔ اگر ایک مرنے والا اپنے پیار کرنے والوں کو زندہ کر جائے تو کتنی مبارک موت ہے۔ اگر ان کے اندر زندگی کا ایک شعور بیدار کر جائے اور

ان کو یاد دلایا جائے کہ تم نے وہیں آنا ہے جہاں مَیں جا رہا ہوں لیکن تیاری کر کے آنا۔ اگر مجھ سے غفلت کی حالت میں کچھ دن بسر ہو گئے تو میرے لئے بخشش کی دعا مانگنا لیکن خود اس بات کو خوب باہوش طرح ذہن نشین کر کے رکھنا کہ میں نے بھی آخر خدا کی طرف لوٹنا ہے اور اس کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ یہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا جو پیغام ہے یہ بہت ہی زندگی بخش ہے اور موت سے زندگی حاصل کرنے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بکثرت اور بار بار نصیحت فرمائی ہے۔ آپ کے ملفوظات میں بھی اور کتب میں بھی عام تحریرات میں بھی یہ بات کثرت سے ملتی ہے کہ موت سے سبق سیکھو اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھو کہ تم نے خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ نظم کہ

اِک نہ اِک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے (درثمین صفحہ:۱۵۷)

یہی مفہوم پیش کر رہی ہے اور یہی توجہ دلا رہی ہے کہ اپنے مرنے کی تیاری رکھو۔

بعض دفعہ نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی لمبی زندگی پڑی ہوئی ہے بڑا وقت ہے۔ کچھ دیر دنیا کی عیش کر لیں بعد میں دیکھی جائے گی لیکن موت کی تو خبر ہی کوئی نہیں، اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ خدا جب چاہے جس کو چاہے بلا لے اس لئے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا پیغام سمجھنے کے بعد اس دعا کی طرف بھی انسان کی توجہ ہوتی ہے کہ وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران:۱۹۴) کہ اے اللہ! ہم غفلت کی حالت میں بہت سا وقت گزار چکے اور ایسی حالتیں اور بھی ہم پر آسکتی ہیں کہ جب ہم تیرے ہوتے ہوئے غیر کے ہو جائیں لیکن ہماری یہ التجا ہے کہ ہمیں نہ بلانا جب تک کہ ہم تیرے نہ ہو چکے ہوں۔ وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ کا یہی مطلب ہے کہ ابرار کے ساتھ شمار کرنا اور اَبرار اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کی نیکیاں ان کی کمزوریوں پر غالب آچکی ہوں۔ جب وہ مریں تو خدا کے حضور نیکوں میں شمار ہو جائیں۔ پس اپنے لئے یہ دعائیں بھی کرتے رہنا چاہئے۔

جو شخص موت سے باخبر رہے اُسے زندگی میں ہی ایک نئی زندگی مل جاتی ہے اور اِنَّا لِلّٰهِ کے پیغام کے سمجھنے کے نتیجہ میں ایک انسان عالم بقا میں داخل ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ کا پیغام آپ کو موت سے ڈراتا نہیں بلکہ موت کے خوف کو مار دیتا ہے۔ اگر آپ اس پیغام کو پوری طرح سمجھ لیں تو

آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ خدا کے ہیں خدا کے ساتھ رہ رہے ہیں اور خدا کے ساتھ رہیں گے اور اسی طرف واپس جائیں گے۔ خدا تعالیٰ کے قرب کا جو دائمی احساس ہے اور اس کا ہو رہنے کا احساس ہے۔ یہ پیغام جو آپ کو ملتا ہے کہ تم اس کے ہوتو اس کے بن کر دکھاؤ یہ ایک ایسا زندگی بخش پیغام ہے جو انسان کو عالم بقا میں لے جاتا ہے۔ موت کی دہلیز اس کی پہلی اور دوسری زندگی میں کوئی فرق نہیں کرتی بلکہ ایک قدم اُٹھانے والی بات ہے۔ ایک قدم یہاں سے اُٹھا دوسری طرف چلا گیا لیکن یہ لوگ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ پس اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ کے پیغام میں بقاء کا پیغام ہے۔

میں نے اپنی بچیوں کو ان کی والدہ کی وفات پر جو باتیں سمجھائیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ میں نے بہت غور کیا ہے۔ مجھے موت کا کوئی ڈر خوف نہیں ہے، خدا کے حضور پیشی کا ڈر ہے لیکن موت کا ڈر کوئی نہیں۔ میرے لئے تو بالکل معمولی حیثیت ہے جس طرح آج آئے کل آئے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر فکر ہوتی ہے تو صرف ان لوگوں کے غم کی جو پیچھے رہ جائیں گے۔ اس کے سوا مجھے موت کے تصور میں کوئی بھی اجنبیت دکھائی نہیں دیتی، کوئی بھی تکلیف دہ بات نہیں ہے جس کے نتیجہ میں پریشان ہوں اور یہ جو پیغام مجھے ملا ہے یہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ کے نتیجہ میں ملا ہے۔ میں نے جب اس پر غور کیا تو مجھے سمجھ آئی کہ ہم جس کے ہیں کل جب اس کی طرف لوٹیں گے تو اس وقت اس کے نہیں ہوں گے بلکہ اس لئے لوٹیں گے کہ اس کے ہیں۔ ان دو چیزوں میں فرق ہے۔ اس کی طرف لوٹ کر اُس کے نہیں ہوں گے بلکہ ہیں اس لئے لوٹیں گے اور اگر اس کے ہیں اور اس کے باوجود اس کے نہ رہے ہوں تو پھر خوف کا مقام ہے۔ پھر بہت ہی دردناک اور تکلیف دہ صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں تک لوٹنے کا تعلق ہے اس انجام کو تو کوئی ٹال ہی نہیں سکتا جو چاہے کر لے۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی جائے گا، چھوٹے سے چھوٹا بھی آدمی جائے گا، بوڑھا، بچہ، ہر ایک نے آخر وہاں ضرور جانا ہے۔ بڑے بڑے اطباء جن امراض کے ماہر ہوتے ہیں بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی تقدیر ان کو دکھاتی ہے کہ اصل غلبہ میرا ہی ہے اور وہ انہی مرضوں سے مرتے ہیں جن مرضوں کی شفا میں وہ شہرت پا چکے ہوتے ہیں۔ ہمارے پاکستان کے بڑے بڑے ہارٹ سپیشلسٹ تھے جو دل کی بیماری سے گئے۔ اُن کا علم ان کے کام نہیں آسکا۔ پس شفاء کا علم بھی اور دعا بھی یہ دونوں چیزیں موت کے سامنے عاجز آجاتی ہیں اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ نے جس قوت کے ساتھ اس مضمون کو ہمارے

سامنے رکھا ہے اس کا اس سے تعلق ہے تبھی موت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھا جاتا ہے۔خدا کا ہونا ایک غالب حقیقت ہے اور ایک دائمی حقیقت ہے۔اس کی ملکیت ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔باقی سب چیزیں عارضی ہیں اور موت کا ملکیت سے تعلق ہے کیونکہ جس کی اصل ملکیت ہے وہ بالآخر نمایاں ہو کر دکھائی دے گی اور بیچ کے سب دھوکے اُڑ جائیں گے جس میں انسان اپنے آپ کو خواہ عارضی طور پر خواہ مستقل طور پر مالک سمجھتا رہا۔سب ملکیتیں فنا ہو جائیں گی۔کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔قرآن کریم نے مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کی یہی تعریف فرمائی ہے کہ

وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۹﴾ یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡـًٔا ؕ وَ الۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ ﴿۲۰﴾

(الانفطار:۱۸-۲۰)

کہ تمہیں کیا پتا کہ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کیا چیز ہے۔جب ہم مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کہتے ہیں تو خدا فرماتا ہے کہ کبھی سوچا بھی ہے کہ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ہوتا کیا ہے۔کیسے تمہیں سمجھائیں کہ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کیا ہے؟ یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡـًٔا۔کوئی ذات نہ اپنے لئے، نہ کسی اور کے لئے کسی چیز کی مالک ہوگی، کوئی جان نہ کسی جان کی مالک ہوگی، نہ کسی اور جان کی امین ہوگی نہ اپنی مالک ہوگی۔نہ اپنے لئے کوئی امانت اپنے پاس رکھتی ہوگی۔سب کچھ خدا کی طرف لوٹ جائے گا۔صرف ایک مالک رہے گا اور وہ خدا کی ذات ہے اس کے سوا کوئی مالک نہیں رہے گا۔جب ملکیتیں ساری فنا ہو جانے والی ہیں تو اسی کا نام موت ہے یعنی غیر اللہ کی ملکیت کی ذات میں موت شامل ہے کیونکہ وہ ملکیت دائمی ہو نہیں سکتی اس لئے کسی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں مل سکتی۔

خدا کی طرف لوٹنے کا مطلب اس کی ملکیت کا ادراک کروانا ہے یہ بتانا ہے کہ حقیقی مالک وہی ہے اس لئے تم اس کی طرف لوٹو گے اور اگر آپ وہ ملکیت چوری کر چکے ہیں۔مالک نہ ہوتے ہوئے اس کا غلط استعمال کر بیٹھے ہوں اور لوگوں کے مالک بن چکے ہوں اور ان پر ناجائز قبضے کئے ہوں۔ان کی عزتیں ان کی جانیں ان کے اموال ان کی خوشیاں آپ کے ہاتھ میں محفوظ نہ ہوں اور آپ نے ان پر ناجائز تصرف کر لئے ہوں تو پھر جب مالک حقیقی کے سامنے پیش ہوں گے تو یقیناً

جواب دہ ہوں گے۔ پس اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کے اندر بڑے گہرے بڑے تفصیلی زندگی کے پیغام ہیں اور ہر موت مومن کو یہ زندگی بخش جام پلا کر جاتی ہے۔ جب وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھتا ہے تو یہ اس کا آبِ بقا ہے جسے وہ پیتا ہے لیکن عجیب طرح لوگ پیتے ہیں کہ یہ آبِ بقاء ان کو ہضم نہیں ہوتا ان کو یہ پتا ہی نہیں کہ یہ کیا پی رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اس مرنے والے کے لئے زہر کا پیالہ تھا جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ مَیں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ تو گیا اور ختم ہو گیا۔ پس اس کے آگے کچھ نہیں، میں باقی ہوں، بالکل الٹ بات ہے۔ پیغام تو یہ تھا کہ تم باقی نہیں رہو گے اور عارضی طور پر کسی غلط فہمی میں بھی مبتلا نہ ہو جانا۔ یہ جانے والا اس بات کو یقینی بنا کر جا رہا ہے کہ تم بھی نہیں رہو گے اور لازماً تم نے اپنے خدا کی طرف جانا ہے۔ پس اتنی قطعی حقیقت کو بھلا دینا اور اپنی زندگی کو غفلت کی حالت میں بسر کرنا اور ظلم کی حالت میں بسر کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت اس نصیحت سے فائدہ اُٹھائے گی۔ اپنے حال پر غور کریں۔ اپنے آپ کو تنقید کا نشانہ بنائیں تو آپ کو اپنی ذات میں سے ہی ہر ناکامی میں سے مرادیں مل جائیں گی اگر اس کے برعکس غیروں کو تنقید کا نشانہ بنانے کی عادت ڈالی اور دوسروں میں ظلم تلاش کئے اور اپنے ظلم سے غافل رہے تو پھر آپ کا ہر قدم موت کی طرف اُٹھ رہا ہے غیر اللہ کی طرف اٹھ رہا ہے، آپ خدا کے نہیں رہے اور خدا کے نہیں ہو رہے اس ظلم کی حالت میں جان نہ دیں۔ خدا کرے کہ ہم میں سے ہر مرنے والا ایسی حالت میں جان دے رہا ہو کہ اس پر رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (الفجر:۲۹) کی آیت صادق آ رہی ہو۔ وہ راضی حالت میں خدا کے حضور حاضر ہو رہا ہو اور خدا کی رضا پا کر خدا کے حضور حاضر ہو رہا ہو۔ آمین

غلبہ اور عزت حاصل کرنے کے لئے خدا کے رنگ اختیار کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ اپریل ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ

اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝۱۲۲ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۲۳ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۴ (ھود: ۱۱۳ تا ۱۲۴)

پھر فرمایا:۔

آج زمانہ بڑی تیزی کے ساتھ اخلاقی انحطاط کی طرف بڑھ رہا ہے اور وہ روکیں جو فساد کے بڑھنے کی راہ میں حائل تھیں وہ دنیاوی اغراض کی روکیں تھیں، اعلیٰ اقدار کی روکیں نہیں تھیں اور جب وہ روکیں اُٹھیں تو تیزی کے ساتھ دنیا خودغرضی سے اپنے مطالب کے حصول میں کوشاں ہے اور خودغرضی کی جو یہ نئی لہر اُٹھی ہے اس نے تمام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ یہ وہی لہر ہے جو پہلے ایک دبی ہوئی قوت کے طور پر موجود تھی لیکن بعض بیرونی عوامل کے نتیجہ میں پوری طرح کُھل کھیلنے کی طاقت نہیں پاتی تھی۔ اب وہ بیرونی عوامل اُٹھا دیئے گئے ہیں اور ہر قوم ایک دوسری قوم کے خلاف موج کرنے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔ یہ وہ صورتحال ہے جو انتہائی خطرناک ہے اور تمام دنیا کے امن کو برباد کرنے کے لئے گویا سارے عالم میں تیاری ہو رہی ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ مغرب کو متہم کرنا اور مشرق کو مستثنیٰ کرنا ایسا ہی غلط ہوگا جیسے مشرق کو متہم کرنا اور مغرب کو مستثنیٰ کرنا۔

میں نے قوموں کے حالات کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مغرب ظالم ہے اور مشرق نہیں یا مشرق ظالم ہے اور مغرب نہیں ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) کا ایک نیا نقشہ دنیا میں ابھر رہا ہے اور اس کی سب سے بڑی تکلیف اور اس تکلیف کو دُور کرنے کی سب سے بڑی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر عائد ہوتی ہے کیونکہ ہم یہ کامل یقین رکھتے ہیں کہ زمانے کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لئے ہمیں کھڑا کیا گیا ہے۔ یا ڈوبتے ہوئے زمانے کو بچانے کے لئے ہمیں وہ کشتی عطا فرمائی گئی ہے جس نے نوحؑ کی کشتی کا سا کام کرنا ہے۔ یہ کشتی جتنی وسیع ہوگی اتنے ہی زیادہ بنی نوع انسان کو بچانے کی اہلیت رکھے گی۔

اس پہلو سے میں دعوت الی اللہ پر خصوصیت سے زور دیتا رہا ہوں۔ ہم کیسے ہی مخلص کیوں نہ ہوں۔ ہم کتنے ہی بنی نوع انسان کی ہمدردی چاہنے والے کیوں نہ ہوں جب تک ہم میں انفرادی طاقت

اتنی پیدا نہیں ہوتی کہ تمام عالم میں پھیل کر تمام عالم کے مسائل کا حل تلاش کرنے میں دنیا کی مدد کریں۔ تو اس وقت تک ہماری آوازیں صدا بصحرا کی حیثیت رکھتی رہیں گی اور اس سے زیادہ ان کا فائدہ نہیں پہنچے گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس جدوجہد کو چھوڑ دیا جائے اور تعداد بڑھنے کا انتظار کیا جائے۔

قرآن کریم نے انبیاءؑ کی سنت اسی طرح محفوظ فرمائی ہے اور بار بار یہ تاریخ دُہرائی ہے کہ انبیاءؑ نے نیکی پھیلانے اور بدی کو روکنے کے لئے تعداد کا انتظار نہیں کیا بلکہ جب وہ اکیلے تھے اس وقت بھی دنیا کو یہی تعلیم دیتے رہے اور جب وہ زیادہ ہوئے تو اس وقت بھی یہی تعلیم دیتے رہے حقیقت میں دعوت الی اللہ کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ایک گہرا تعلق ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں ایک کو طاقت ملے تو دوسرے کو ضرور طاقت ملتی ہے لیکن ایک دوسرے کا انتظار نہیں کرتا۔ جس حد تک ممکن ہو یہ دونوں بنیادی فرائض جو ہم پر عائد فرمائے گئے ہیں ان کی ادائیگی میں جماعت کو مستعدی دکھانی چاہئے۔

جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے یہ سورۂ ھود کا آخری رکوع ہے۔ سورۂ ھود کے متعلق حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر بعض اور سورتوں کے متعلق بھی لیکن ھود کی خصوصیت سے آپؐ نے بیان فرمایا کہ مجھے تو اس سورۃ نے بوڑھا کر دیا ہے۔ میرے بال اس سورۃ نے سفید کر دیئے ہیں۔ اس سورۃ میں وہ کیا بات تھی جس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے آپؐ نے بتایا کہ میں نے اتنا دکھ محسوس کیا ہے کہ گویا میرے بال اس سورۃ میں بیان فرمودہ قوموں کے دردناک حالات کی وجہ سے سفید ہوئے۔ جہاں تک تفصیلات کا تعلق ہے سورہ ھود پڑھنے سے ہر احمدی کو ان بدنصیب قوموں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں جو باوجود اس کے کہ انبیاءؑ اور ان کی جماعتوں نے ان کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ گویا رسیّاں تڑوا کر اپنے ہلاکت کے گڑھے کی طرف سرپٹ دوڑنے لگیں اور بالآخر ہلاک ہو گئیں۔ وہ تاریخ آپ کو قرآن کریم میں مختلف جگہ مذکور دکھائی دے گی مگر سورۂ ھود میں بہت تیز لہروں کے ساتھ اور بار بار اٹھنے والی لہروں کے ساتھ اس تاریخ کا اعادہ فرمایا گیا ہے اور ایک ہی بیٹھک میں جب آپ سورۂ ھود پوری پڑھ جاتے ہیں تو پھر آپ کو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیا غم تھا جس نے حضرت اقدس محمد ﷺ کے مقدس بالوں کو سفید کر دیا۔

آخری رکوع جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں ان فتنوں کا علاج بیان فرمایا گیا ہے اور وہ نصیحتیں بیان فرمائی گئی ہیں کہ اگر وہ قومیں جو اصلاح کا دعویٰ لے کر اٹھتی ہیں ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہوں تو وہ تاریخ تبدیل ہو سکتی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر قوموں میں پاک تبدیلی پیدا ہو بھی جائے تب بھی بدوں کی تاریخ دہرائی جائے گی۔ تاریخ دہرانے میں دو اطراف کارفرما ہوتی ہیں اگر دونوں طرفیں ویسا ہی رویہ اختیار کریں تو لازماً پہلی تاریخ دہرائی جائے گی کیونکہ خدا کی تقدیر کسی سے ناانصافی کا سلوک نہیں فرماتی اور کسی کو ناواجب رعایت نہیں دیتی۔ اگر قوم کے نیک و بد کے دو حصے بنائے جائیں تو اگر نیکوں نے اپنی کوشش میں کمی کر دی ہو یا نیک کسی وجہ سے مجبور ہو چکے ہوں اور ان کا پیغام نہ سنا جائے تو قوموں کی ہلاکت کی تاریخ لازماً دہرائی جائے گی اور بدقوموں کا اس میں یہ کردار ہوگا کہ وہ بار بار کی نصیحتوں کے باوجود نیک لوگوں کی نصیحتوں پر ایک دفعہ پھر عمل کرنے سے انکار کر دیں اور اپنی ضد پر مصر رہیں۔ پس یہ قوم کے دو حصے ہیں اگر یہ اپنی عادات کو تبدیل نہ کریں اور بعینہ وہی اعمال اختیار کریں اور طریق اختیار کریں جو پہلے کئے گئے تو تاریخ دہرائی جائے گی اور یہ تاریخ ضروری نہیں کہ بد ہو۔ چنانچہ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم کا ذکر فرمایا جس کی تاریخ ویسی نہیں تھی جیسی پچھلی قوموں کی تھی یعنی تاریخ کا نتیجہ وہ ہلاکت نہ نکلا جو پہلی قوموں کی تاریخ کا نتیجہ نکلا اس لئے کہ بالآخر اس قوم نے توبہ کی، استغفار سے کام لیا اور ان کی وہ ہلاکت جو گویا اس طرح مقدر ہو چکی تھی کہ نبی کو مشروط طور پر ان کی ہلاکت کی اطلاع دے دی گئی تھی لیکن جب قوم نے پاک تبدیلی کر دکھائی تو وہ ہلاکت کی خبر بھی ٹال دی گئی اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ کاش یونسؑ کی قوم کی طرح اور بھی قومیں ہوتیں کہ جو اس طرح نبی وقت کی ہدایت سے استفادہ کرنے کے بعد بالآخر اصلاح کرتیں اور ہلاکت سے بچ جاتیں۔

پس جب میں تاریخ دہرانے کی بات کرتا ہوں تو دونوں قسم کی تاریخوں کا قرآن کریم میں ذکر ہے وہ قومیں جنہوں نے آخر نصیحت پکڑی اور بچ گئیں۔ ان میں سب سے بڑی اور پاکیزہ اور سب سے اونچی مثال حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کی ہے۔ آپؐ کی مثال اور حضرت یونسؑ کی مثال میں ایک کھلا کھلا فرق ہے۔ حضرت یونس کی مثال بیان کرنے کے بعد میرا فرض ہے کہ آپ کو اس پاکیزہ اور سب مثالوں سے بڑھ کر پاکیزہ مثال سے بھی آشنا کروں اور اس فرض

سے مطلع کروں تا کہ آپ حضرت یونسؑ کی قوم والی دعائیں نہ کریں بلکہ وہ دعائیں کریں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کے لئے کی تھیں۔

حضرت یونسؑ کی قوم کو نجات ملی لیکن یونسؑ کی دعا کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اس قوم نے جب عذاب کو اپنے سر پر کھڑے دیکھا اور حضرت یونسؑ کے اپنے ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جانے کے بعد اُن کو اچانک یہ احساس ہوا کہ سب سے نیک انسان وہی تھا جو ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے اور اب اگر عذاب آ جائے تو بعید نہیں ہے۔ اس قسم کے اور اس سے ملتے جلتے احساسات نے انہیں گریہ وزاری پر مجبور کیا اور جب ان کا عذاب ٹل گیا تو حضرت یونسؑ کا ردّ عمل اس سے بالکل مختلف تھا جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ردّ عمل تھا۔ آپؐ کا ردّ عمل اور قوم کے ساتھ آپؐ کا جو رشتہ تھا وہ بھی تاریخ کو دہرانے والا ایک رشتہ تھا مگر بہتر کر کے دہرانے والا۔ یونسؑ کی تاریخ کو اس رشتے نے دُہرایا مگر بہت بہتر شکل میں اور بدلے ہوئے انداز کے ساتھ۔ قوم بچ تو گئی جس طرح یونسؑ کی قوم بچی تھی مگر ایک نئی شان کے ساتھ بچائی گئی اور وہ شان، شانِ محمدی ہے جس کے نتیجہ میں قوم پر فضل ہوا۔

سفر طائف کے دوران حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہل طائف نے جو انتہائی ظالمانہ اور بہیمانہ سلوک فرمایا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس بات پر آمادہ دکھائی دیتا ہے اور اس غرض سے فرشتے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغامبر بنا کے بھیجے جاتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ قوم ان پہاڑوں کے نیچے کچلی جائے اور ہمیشہ کے لئے ان کا نشان مٹ جائے۔ یہ فرشتے بھیجنا اس بات کو ظاہر نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا بلکہ خدا تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو نمایاں کر کے دنیا کے سامنے سورج کی طرح روشن صورت میں دکھانا چاہتا تھا اور یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس شان کے نبی بھی دنیا میں آئے ہیں اور سب شانوں سے بڑھ کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہے۔ جب ابھی زخموں سے خون رس رہا تھا، جب بدن کا انگ انگ دکھ رہا تھا، انتہائی دردناک حالت میں آپؐ دعا کر رہے تھے تو اس وقت فرشتے ظاہر ہوتے ہیں اور آپؐ کا یہ جواب ہے کہ اے خدا! میں نہیں چاہتا کہ یہ قوم ہلاک ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں اور کس سے کر رہے ہیں؟ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے وہاں بھی یہ دعا کی جو ایک اور موقع پر بھی فرمائی کہ **اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعلمون** (مسند احمد جلد ۴ صفحہ: ۳۳۵)

قبل ازیں میں یہ بیان تو کرتا رہا لیکن بعض علماء کہتے تھے کہ طائف کے ساتھ اس روایت کا تعلق نہیں یہ دعا کسی اور موقع پر کی گئی تھی مگر چند دن ہوئے ہیں مجھے قطعی طور پر تاریخی حوالہ مل گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کے موقع پر بھی یہ دعا کی کہ **اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون** اے میرے اللہ! اس قوم کو ہدایت دے یہ نہیں جانتے۔ تو دیکھیں سنت یونسؑ اور سنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کتنا فرق ہے وہاں قوم کی ندامت اور پشیمانی نے قوم کو بچایا ہے۔ یہاں قوم کو کوئی ندامت نہیں تھی، کوئی پشیمانی نہیں تھی لیکن حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت بیکراں نے ان کو بچایا ہے۔ آپؐ کے دل میں رحمت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر رتھا۔ ظالموں کے حق میں بھی آپؐ دعا کرنے والے تھے۔

یہ واقعہ میں نے خصوصیت کے ساتھ جماعت کے سامنے اس لئے رکھا ہے کہ صرف پاکستان کے مظالم کا سوال نہیں ہے۔ تمام دنیا میں جماعت کے خلاف مظالم کرنے کا Potential بنیادی طور پر اہلیت موجود ہے۔ جہاں بھی آپ ترقی کریں گے آپ کے خلاف سازشیں ہوں گی، جہاں بھی آپ ترقی کریں گے آپ کے خلاف مظالم ہوں گے اور مظالم کی یہ تاریخ بار بار دُہرائی جانے والی تاریخ ہے۔ یہ نہ سمجھیں کہ پاکستان میں حالات تبدیل ہو گئے تو اس کے بعد ہمیشہ کے لئے آپ کے لئے آسانی اور سبک رفتاری کا سفر ہوگا ہر قدم پر روکیں پڑنے والی ہیں۔ جس جس ملک میں آپ سر اٹھائیں گے اور جس جس ملک میں آپ کا سر اٹھانا ایک قوت کے ساتھ ہوگا، ایسی علامتیں رکھتا ہوگا کہ اُس سے دشمن یہ سمجھے کہ اب یہ غالب آنے والے ہیں وہاں کیسا ہی مہذّب ملک کیوں نہ ہو لازماً آپ کی شدید مخالفت ہوگی اور یہ لمبا سفر ہے تو کس کس کی ہلاکت کی دعا کریں گے، کس کس کی تباہی چاہیں گے۔ گویا آپ سب دنیا کو بچانے کی بجائے ساری دنیا کو ہلاک کرنے کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ اس لئے آج پاکستان کے حق میں جو ردّعمل دکھانا ہے وہی ردّعمل ساری دنیا کے متعلق ہمیشہ کے لئے آپ کا طے شدہ ردّعمل ہے اس لئے قرآن کریم نے جو نصیحتیں سورۂ ھود کے آخر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمائیں وہ میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنا دی ہیں اور اب میں ان کا ترجمہ بھی کرتا جاتا ہوں اور جہاں مناسب ہوا اُس کی تشریح کروں گا تا کہ آپ کو بتاؤں کہ جماعت کو کس کردار کو اپنانا ہے اور اس سے چمٹ جانا ہے۔ بدی چاہتے ہوئے اپنے

انتقام کی جو طبعی بات ہے پیاس کو پورا نہ کریں بلکہ وہ انتقام لیں جو حضرت محمد ﷺ کا انتقام تھا جس نے فتح مکّہ کے وقت انتقام کی ایک ایسی نئی تاریخ قائم کر دی جس کی ایک چھوٹی سی مثال یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کے معاملے کے طور پر قرآن کریم میں بیان ہوئی لیکن بہت محدود مثال تھی۔ایک بھائی نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا لیکن حضرت محمد مصطفی ﷺ ایک نئی شان یوسفی کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوئے اور شدید ترین دشمنوں کو بھی آپؐ نے ان واحد میں معاف فرما دیا۔ایسے دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا جنہوں نے آپؐ کے محبوب صحابہؓ جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ان کا کلیجہ نکال کر چبا لیا ان کو بھی معاف فرما دیا گیا۔پس وہ شان یوسفی ہے جو دنیا کو بچانے والی شان ہے جس کے نتیجہ میں اس عالم کی بقا کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں اگر جماعت احمدیہ نے وہ شان نہ دکھائی تو یہ دنیا ہلاک شدہ سمجھیں۔جو آثار میں دیکھ رہا ہوں نہایت ہولناک اور خوفناک ہیں۔قومیں خواہ وہ ترقی یافتہ ہوں یا غیر ترقی یافتہ ہوں سب ظالم ہو چکی ہیں اور ظلم ایک دوسرے کے خلاف چڑھائی کر رہا ہے، ظلم ایک دوسرے کے خلاف موجیں مار رہا ہے۔بعض حالات میں طاقتور ظالم دکھائی دیتا ہے اور کمزور ظالم نہیں دکھائی دیتا لیکن کمزوری کو جب پردے میسر آجائیں جب وہ چھپ کر ظلم کر سکے اُس وقت اگر وہ ظلم سے باز رہے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کمزوری تو ہے ظلم نہیں ہے لیکن جہاں کمزوری کو کوئی ناواجب سہارا مل جائے ، جہاں اِخفاء کے پردے پڑ جائیں وہاں اگر کمزوری ظلم کرے تو اس کمزوری کو بھی ظالم کمزوری کہیں گے مظلوم کمزوری نہیں کہیں گے۔

پس انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ تقویٰ سے لو لگائیں اور تقویٰ کی وفا اختیار کریں۔سچائی سے چمٹیں اور قومیتوں کے فساد سے کنارہ کش ہو جائیں کیونکہ یہ فساد دنیا کو ہلاک کرنے والے فساد میں۔رنگ ونسل کی تمیز سے بالا ہو کر اگر آپ نے دنیا کو ہدایت اور نیکی کی طرف بلایا تو پھر آپ میں یہ قدرت ہو گی کہ آپ تمام عالم کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کر دیں۔اگر آپ نے رنگ ونسل سے بالا ہونے کی صلاحیت اختیار نہ کی تو آپ خود بھی ڈوبیں گے اور دوسری قوموں کو بھی لے ڈوبیں گے اور احمدیت کی فتح کا ان اداؤں کے ساتھ کوئی امکان نہیں ہے۔لیکن ہم نے ضرور فتح یاب ہونا۔اس لئے مجھے یقین ہے کہ جماعت احمدیہ انشاء اللہ تعالیٰ وقتی تکلیفوں اور جذبات کو قربان کرتے ہوئے اعلیٰ اقدار کی لازماً حفاظت کرے گی اور قومی تفریقات اور نسلی امتیازات سے بالا ہو کر حق کے ساتھ چمٹی رہے گی اور حق کے ساتھ اور صبر

کے ساتھ نصیحت کرتی رہے گی۔

اب میں آپ کے سامنے ان آیات کا ترجمہ رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ کہ اے محمدؐ! مضبوطی کے ساتھ اس بات پر قائم ہو جا جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ اور وہ سارے لوگ بھی تیری پیروی میں میرے احکامات کو مضبوطی سے پکڑ لیں جنہوں نے توبہ کر کے تیرے ساتھ شمولیت اختیار کی ہے۔ وَلَا تَطْغَوْا اور تم حدوں کو نہ پھلانگو، حدوں سے تجاوز نہ کرو یعنی توازن کو ہاتھ سے نہ جانے دو تَطْغَوْا کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ قرآن کریم نے جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان کو پھلانگ کر بے راہ روی اختیار نہ کرنا اور دوسرا تَطْغَوْا کا مطلب یہ ہے کہ توازن اختیار کرو کسی معاملے میں بھی خواہ وہ دنیا کے ہوں یا دین کے ہوں درمیانی حد سے تجاوز نہ کرو اپنے معاملات کو متوازن رکھو اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال پر نظر رکھ رہا ہے اور چونکہ اعمال کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے مترتب فرمانا ہے۔ اس لئے اگر ہمارے اعمال کی گہرائیوں میں بھی رخنے ہوئے اور نیتوں میں فتور رہا تو نیک نتیجہ بہر حال نہیں نکلے گا۔ فرمایا وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ اور ہرگز ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنہوں نے ظلم سے کام لیا ہے، جنہوں نے ظلم کو اپنا شیوہ بنالیا ہے فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ایسی صورت میں تمہیں ضرور آگ کا عذاب پہنچے گا وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ اور یاد رکھو کہ خدا کے سوا تمہارا دوست کوئی ہے ہی نہیں ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ اُس دوستی کو چھوڑ و گے تو پھر کہیں سے مدد نہیں دیئے جاؤ گے۔

کیسا عظیم کلام ہے اور الٰہی جماعتوں کے حالات اور تعلقات کا کتنا پیارا اور واضح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جو لوگ ظلم کرتے ہیں ان کے ظلم کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں یعنی ظلم کے نتیجہ میں دوست بنانا چاہتے ہیں۔ یہ عجیب اُلٹی عقل کی بات ہے لیکن مذہب کے معاملے میں یہی ہوا کرتا ہے۔ ظالم ظلم کرتا چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ظلم سے باز نہیں آؤں گا جب تک میرے ساتھ شامل نہ ہو اور میری طرز اختیار نہ کرو، میرے جیسے نہ بن جاؤ تو میں تمہیں مارتا چلا جاؤں

گا۔ فرمایا ہرگز ان کے جیسا نہیں بننا کیونکہ ظالم تمہارا کیسے ہوسکتا ہے جو تم سے نفرت کا سلوک کر رہا ہے اور ظلم کا سلوک کر رہا ہے وہ تمہارا ہو ہی نہیں سکتا اور یاد رکھو دنیا میں کوئی بھی تمہارا نہیں ہے۔ جب تم خدا کے ہو گئے تو سب تمہارے دشمن ہو چکے ہیں۔ اسی لئے میں آپ کو بتا رہا تھا کہ دنیا میں ہر جگہ جہاں بھی جماعت کی ترقی کے امکانات پیدا ہوں گے لازماً آپ پر ظلم ہوگا۔ قرآن کریم یہ فرما رہا ہے اور قرآن کریم کی ہر بات لازماً اور قطعی طور پر سچی ہوتی ہے۔

تو یہ ظلم ایک فطری ظلم کی کیفیت کا نام ہے۔ جب بھی کوئی خدا والا بنتا ہے اور خدائی جماعتیں دنیا میں قائم ہوتی ہیں تو ان کے خلاف ساری دنیا کا ظلم ایک لازمی نتیجہ ہے خواہ وہ پہلے ظاہر ہو یا بعد میں ظاہر ہو لیکن فطرتاً اہلیت کے لحاظ سے وہ ظلم ان سب قوموں میں موجود ہے اور قرآن کریم نے متنبہ فرمایا کہ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ یاد رکھو خدا کے سوا کوئی تمہارا ولی نہیں ہے، کوئی تمہارا دوست نہیں ہے اس کو چھوڑ دو گے تو ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ پھر کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا خواہ تم ظلم کے سامنے سر تسلیم خم کرو یا نہ کرو اس سے قطع نظر یہ ظالم تمہارے کبھی نہیں ہوسکیں گے اور ظالموں کا یہ رویہ ہے۔ وہ ایک دفعہ اپنے ساتھ شامل کرنے کے بعد دو چار دن ہی دیگیں چڑھایا کرتے ہیں، دو چار دن ہی پھولوں کے ہار پہناتے ہیں پھر کبھی بھی ان کے نہیں رہتے، ان کی مصیبتوں میں ساتھ شامل نہیں ہوتے۔ کبھی ظالموں کو آپ اس طرح نہیں دیکھیں گے کہ کسی کو مرتد کیا اور پھر اس کے لئے دردِ دل سے دعائیں ہو رہی ہیں اس کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، اس کے اخلاق کی اصلاح کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ارتداد کی ساری تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھ لیں ایک بھی جگہ آپ کو استثناء دکھائی نہیں دے گا۔ کتنا سچا کلام ہے۔ فرمایا ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، ساتھ شامل کر کے خدا سے تعلق کاٹ دیں گے لیکن تمہارے نہیں بن سکیں گے۔

پس ایک تو یہ ہے کہ ان جیسا نہیں بننا اور دوسرا یہ فرمایا کہ اس میں صرف مذہب کی تبدیلی مراد نہیں بلکہ عادات کی تبدیلی بھی مراد ہے۔ مشرق میں اگر مذہب کی تبدیلی پر زور دیا جا رہا ہے تو مغرب میں بنیادی اسلامی معاشرے کو چھوڑ کر غیر اسلامی معاشرہ اختیار کرنے پر زور دیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر تم نے ہمارے ملکوں میں بسنا ہے، ہمارے اندر شامل ہونا ہے تو تمہیں اپنے معاشرے کو ترک کرنا ہوگا اور ہمارے معاشرے کو اپنانا ہوگا۔ اب یہ وہ ایسا مقام ہے جہاں ایک مومن کا کام

ہے کہ فراست سے کام کرے۔

معاشرے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک قومی عادات اور روایات کی بناء پر جن کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ۔ وہاں ہر احمدی کی قوم سے محبت اور وفا کا تقاضا یہ ہے کہ ان حصوں کو اپنالے جن حصوں میں خدا چھوڑ کر کوئی معاشرہ اختیار نہیں کرنا پڑتا یا معاشرتی اطوار اختیار نہیں کرنے پڑتے۔ لیکن ایک وہ معاشرہ ہے جو کل عالم کا مشترکہ معاشرہ ہے جسے اسلام قائم کرنا چاہتا ہے وہ اعلیٰ اخلاقی کردار پر مبنی معاشرہ ہے اس کا کسی قومیت سے تعلق نہیں ۔ وہ اسی طرح انگریز کا ہے جیسے ہندوستانی کا، اسی طرح جاپانی کا ہے، جیسے پاکستانی کا ، نہ مشرق کا فرق نہ مغرب کا وہ معاشرہ بین الاقوامی معاشرہ ہے یعنی نورِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشرہ ہے جس کے متعلق فرمایا لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ (النور:۳۶) وہ ایسا معاشرہ ہے جس کو نہ تم مشرق کا قرار دے سکتے ہو نہ مغرب کا۔ یہ وہ معاشرہ ہے جس کی حفاظت ہر احمدی کا فرض ہے ورنہ اس آیت کا بطلان لازم آئے گا، اس کا انکار لازم آئے گا۔ فرمایا وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ ظَلَمُوْا سے مراد ضروری نہیں کہ جسمانی طور پر یا اقتصادی طور پر کسی پر ظلم کیا جائے۔ ظَلَمُوْا سے مراد شرک ہے۔ شرک کرنے والے، بدیاں کرنے والے، گناہ کرنے والے لوگ، خدا ہر قسم کی دوری اختیار کرنے والے، یہ سارے ظالم ہیں اور قرآن کریم میں ظلم کی اصطلاح ہر قسم کی تاریکی پر اطلاق پاتی ہے تو فرمایا کہ جن معاشروں میں خدا سے دوری کی تاریکی موجود ہے اس تاریکی کو نہ اپنا لینا اگر تم نے اپنالیا تو یہ بھی جھوٹ بولتے ہیں کہ تمہیں اپنا سمجھ لیں گے۔

اگر تم مشرقی ہو تو مشرق مشرق ہی رہے گی۔ یاد رکھنا کہ مغرب مغرب ہی رہے گی یہ دونوں اس طرح امتزاج اختیار نہیں کر سکتے کہ ایک ہو جائیں۔ اس کی وجہ مشرقیت اور مغربیت نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض قومیں طاقتور ہیں اور بعض کمزور ہیں اور کمزور قومیں جب طاقت والوں کے رنگ اختیار کرتی ہیں اور ان کی نقلیں اتارتی ہیں تو طاقتور قومیں ظاہری طور پر ان سے حسن سلوک بھی کریں لیکن نفسیاتی طور پر وہ اس یقین پر اور زیادہ قائم ہو جاتی ہیں کہ یہ گھٹیا اور ذلیل لوگ ہیں اور اُن کا احساس برتری پہلے سے بھی بڑھ جاتا ہے اس لئے کمزور قومیں خواہ احساس کمتری کا شکار ہوں یا اس کے بغیر ہوں جب تک وہ عقل اور اقتصادیات اور دنیاوی ترقی کے لحاظ سے اسی پلیٹ فارم پر برابر

کے نہ ہو جائیں جس پر آج بعض قومیں فائز ہیں۔ اس وقت تک ان کا معاشرہ اختیار کرنے سے آپ کو عزت نصیب نہیں ہوسکتی، یہ ناممکن ہے۔ مشرق میں جاپان ایک بڑی قوم کے طور پر ابھرا ہے اس کے متعلق بعض دانشوروں نے لکھا۔ یہ غالباً جاپان ہی کے کسی دانشور کی بات ہے کہ جاپان نے ہر طرح مغرب کی نقل اتاری لیکن برابری نہ ہوسکی لیکن جب جاپان نے طاقت اختیار کر لی اور اقتصادی لحاظ سے غالب آ گیا اسلحہ کے لحاظ سے بھی اور فنون حرب کے لحاظ سے بھی ایک طاقت بن کر اُبھرا تو پھر ہم برابر کے ہو گئے۔ تو یہاں برابری اور غیر برابری کا مسئلہ قومیتوں کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ دنیا میں طبعی طور پر بعض فوقیتوں کے رکھنے اور بعض فوقیتوں کے نہ رکھنے کے نتیجہ میں ہوا گر مشرق کے وہ حالات ہوں جو آج مغرب کے ہیں تو مغرب بھی خواہ جتنا چاہیں مشرق کی نقل اتارے ان کے برابر نہیں ہو سکے گا۔ پس ان معنوں میں مَیں سمجھا رہا ہوں کہ اس میں قومی اور نسلی تفریق کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔ جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا۔

فرمایا وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا تمہیں اس کے نتیجہ میں نقصان تو پہنچے گا، تمہارے حصہ میں آگ تو آئے گی لیکن اولیاء نصیب نہیں ہوں گے۔ کمزوروں اور غریبوں کا ایک ہی ولی ہے اور وہ اللہ ہے۔ وہی ہے جو آسمان سے اتنا جھکتا ہے کہ زمین کے پست ترین رہنے والوں سے بھی تعلق قائم کر لیتا ہے اور تحت الثریٰ میں بسنے والوں سے بھی ایک تعلق قائم کر لینا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا ولی ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان تو بنیادی طور پر متکبّر ہے اور ذرا سی اس کو فضیلت حاصل ہو جائے تو نچلے آدمی کو نچلا ہی سمجھتا ہے۔ اور اس کے ساتھ جھک کر اُس سے برابری اختیار نہیں کیا کرتا۔ تو مشرق میں بسنے والے احمدیوں پر جہاں ظلم ہو رہے ہیں ان کے لئے بھی یہ نصیحت اُسی طرح کارگر ہے جس طرح مغرب میں بسنے والے احمدیوں پر جو غیر اسلامی معاشرے سے متاثر ہو کر ان لوگوں کے رنگ اختیار کرنے لگتے ہیں۔ جہاں جہاں اسلامی قدروں کو قربان کر کے وہ رنگ اختیار کرتے ہیں، وہاں وہ گھاٹے میں ہیں جہاں ان قدروں کو قربان کئے بغیر اچھی باتیں اور دنیا کے لحاظ سے بے ضرر باتیں اختیار کرتے ہیں وہاں وہ خوبی بن جاتی ہے۔

پس احمدی کو بالغ نظر ہوتے ہوئے اس طرح معاملات کا تجزیہ کرنے کے بعد آخری فیصلہ سچائی کے حق میں دینا چاہئے اور اسی کا نام تقویٰ ہے، اس کا نام عقل کل ہے اگر جماعت احمدیہ سچے

معنوں میں گہری تفصیل کے ساتھ متقی ہو جائے تو اتنی عقلمند جماعت بنے گی کہ دنیا کی کوئی جماعت، کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی کیونکہ آخری بات عقل اور حکمت کی بات ہی ہوا کرتی ہے جو جیتا کرتی ہے۔ جن قوموں نے بھی ترقی کی ہے عقل اور حکمت سے ہی ترقی کی ہے۔ اسی سے ان کو دنیوی طاقتیں بھی نصیب ہوئی ہیں اور عقلِ کُل تقویٰ کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔

پھر فرمایا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ یہ جو تمہیں کہا گیا ہے کہ ان کی طرف نہ جھکو اور خدا ہی تمہارا ولی ہے تو خدا کو پھر ولی بنانے کی بھی تو کوشش کرو اور اس کی ولایت کو پکّا کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ تمہیں یہ بات سمجھ آ چکی ہے کہ خدا کے سوا کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ اس کا طریق بیان فرما کہ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ اپنے دنوں کو عبادتوں سے گھیر لو صبح بھی عبادت کرو اور شام کو بھی عبادت کرو اور راتوں کو بھی اپنے لئے عبادت کے محافظ قائم کرو یعنی اپنی راتوں کی عبادت کے ذریعہ خود اپنی حفاظت کے سامان کرو۔ یہ ولایت کا معنی ہے جس کو قرآن کریم نے اس نصیحت کے معاً بعد بیان فرمایا کہ خدا کے سوا تمہارا کوئی ولی نہیں ہے۔ مدد ملے گی تو وہاں سے ملے گی۔ کن کو ملے گی؟ کیسے ملے گی؟ کس طرح؟ پھر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ فرمایا یہ اعلیٰ مقصد تمہیں عبادتوں کے ذریعہ نصیب ہوگا۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ دن کے دونوں کناروں پر عبادت کے نگہبان مقرر کر دو۔ صبح بھی عبادت کرو اور شام کو بھی عبادت کرو اور کچھ رات کو بھی اٹھ کر عبادت کیا کرو اور پھر یاد رکھو اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ نیکیاں ضرور بدیوں کو مٹا دیا کرتی ہیں۔ اب یہ ایک عجیب بیان ہے اور ایسا بیان ہے جس کو ٹھہر کر، نسبتاً زیادہ گہرائی میں جا کر سمجھنا چاہئے۔

عام طور پر ہم دنیا کی تاریخ میں یہ دیکھتے ہیں کہ نیکیاں ظاہر ہوتی ہیں، سچائیاں ظاہر ہوتی ہیں اور بار بار بدیاں اُن پر غالب آتی ہیں اور سچائیاں کالعدم ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ کتنے نبی دنیا میں آئے آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک، بار بار نیکیوں کی لہریں اٹھیں لیکن بالآخر وہ دب گئیں اور ہم نے نیکیوں کو بدیوں میں تبدیل ہوتے دیکھا۔ قرآن کریم ایک عجیب اعلان فرما رہا ہے۔ حیرت انگیز طور پر ایک انقلابی اور مختلف اعلان ہے جو بظاہر تاریخ کے مخالف ہے اور وہ ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ حسنات ہیں جو برائیوں کو کھا جایا کرتی ہیں اور ختم کر دیا

کرتی ہیں۔ اسی نیکی اور بدی کے مقابلے کی تاریخ کو اب ایک اور طرح سے دیکھیں تو ایک دم تبدیل شدہ منظر آنکھوں کے سامنے ابھرتا ہے۔

انسان کے لئے بدی کرنا آسان کام ہے اور یہ پہاڑ سے نیچے اترنے والی بات ہے اور نیکی کرنا ایک مشکل کام ہے اور یہ پہاڑ پر چڑھنے والی بات ہے اور قرآن کریم نے اسی مثال کے طور پر نیکی کو بیان فرمایا۔ جب بدیاں پھیلتی ہیں۔ میں یہ بعد میں بتاؤں گا کہ اس وقت حسنات کی کیفیت کیا ہوتی ہے تو ایک آسان کام ہے اور ہر قسم کے طبعی محرکات اور عوامل بدیوں کی تائید میں حرکت کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنی نیکی کو سنبھال کر رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ اور جب بدیاں زور مارتی ہیں تو ایک دفعہ انسان نیچے جانا شروع ہو تو وہ گرتا چلا جاتا ہے اس کے مقابل پر بدیوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنا یہ ایک بہت بڑی قوت چاہتا ہے اور اگر یہ ہو تو یہ معجزہ ہے اور ہر نبی کے وقت یہی ہوا کرتا ہے اور سب سے زیادہ شان کے ساتھ یہ معجزہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوا۔ جہاں خدا نے ایک دفعہ یہ اعلان فرمایا کہ اے محمد ﷺ ہم تجھے ایسی تاریک رات میں یعنی اس لیلۃ القدر میں جو زمانے کی لیلۃ القدر ہے بھیج رہے ہیں کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ساری دنیا میں ہر طرف خشکی ہو یا تری ہو، مذہبی دنیا ہو یا غیر مذہبی فساد پھیل چکا اور غالب آ گیا ہے ظَهَرَ کا مطلب ہے چڑھ دوڑا ہے۔ دنیا پر جس طرح موجیں چڑھ جایا کرتی ہیں اس طرح ہر چیز پر فساد چڑھ گیا ہے ایسی حالت میں خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ یاد رکھو کہ جو نیکیاں ہم نے تجھے بخشی ہیں ان نیکیوں میں یہ طاقت ہے کہ بدیوں پر غالب آ جائیں اور وہ نیکیاں جن کا خدا کی ذات سے گہرا تعلق ہوتا ہے، جو عبادت کے نتیجہ میں نصیب ہوتی ہیں، جو ولایت کے نتیجہ میں نصیب ہوتی ہیں وہ نیکیاں کبھی مغلوب نہیں ہوا کرتیں اور ہر نبی کے زمانے میں تھوڑا یا بہت یہ معجزہ رونما ہوتا آپ دیکھیں گے کہ کامل بدی میں سے نیکی نکلنی شروع ہوتی ہے۔ راتوں سے دن کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سعید روحوں کی ایک درخشندہ صبح نمودار ہو جایا کرتی ہے۔ کہیں تھوڑی کہیں زیادہ مگر تھوڑی بھی ہو تو ایک عظیم فتح ہے۔ حسنات نے یہ ثابت کر دیا کہ ہر طاقت اُن کے مقابلے میں جتھا کر لے اور انسانی فطرت ان طاقتوں کی تائید میں کھڑی ہو تب بھی جو سچی نیکیاں ہیں ان کو غالب آنے کی استطاعت ہے اور خدا تعالیٰ کی

تقدیر یہ ہے کہ وہ ضرور غالب آئیں گی۔

پس اگر نیکیاں غالب نہ رہیں اور مغلوب ہو جائیں تو یاد رکھیں وہ نیکیاں نہیں ہیں ان کا جو چاہیں نام رکھ لیں نیکیاں مغلوب نہیں ہوا کرتیں۔ وہ اُس دور کی باتیں ہیں جبکہ لوگ اپنے دین کو بدل چکے ہوتے ہیں جبکہ تعلق باللہ کی بجائے ریاکاری شروع ہو چکی ہوتی ہے، جبکہ وحدانیت کی بجائے انانیت جگہ لے لیتی ہے اور انسان نفس پرست ہو جاتا ہے اس وقت آپ کو جو عبادتیں دکھائی دیتی ہیں وہ بالکل کھوکھلی اور بے معنی عبادتیں ہوتی ہیں اور وہی زمانہ ہے جبکہ بدیاں نیکیوں پر جو بظاہر نیکیاں ہوتی ہیں غالب آنے لگتی ہیں چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو بارہا مختلف رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ فرماتا ہے اس کے بعد ایسے لوگ ان کے وارث بن گئے جو حقیقی طور پر نیک نہیں رہے تھے، وہ بدیوں کے شکار ہو چکے تھے پس وہ نسل جو نیکیوں پر قائم ہو اور سچی نیکیوں پر قائم ہو وہ مغلوب نہیں ہوا کرتی۔ تین صدیوں تک ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ نیکیاں دنیا پر غالب آتی چلی گئی ہیں۔ معاشرہ میں بُرائیاں بھی آئیں تو بہت محدود حصہ میں اور بالعموم وہ معاشرہ نیکی کا معاشرہ تھا جہاں نیکی پنپتی ہے اور نیکی کے پنپنے کے نتیجہ میں قوموں کو جو دوسری سعادتیں نصیب ہوا کرتی ہیں وہ ساری نصیب ہوئیں۔ جب نیکی آتی ہے تو یہ صرف روحانی طور پر کسی قوم کو فضیلت نہیں بخشتی بلکہ دنیاوی فضیلتوں کے پیغام بھی ساتھ لاتی ہے۔ وہ مقصود نہیں ہوتے لیکن نیکی کے اندر ایک بنیادی صفت ہے کہ نیک آدمی غالب آنے کے لئے بنایا گیا اور اس کا غلبہ صرف مذہب کے دائرے میں محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ غلبہ ایک عمومی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور قوم بحیثیت قوم غالب آجاتی ہے۔ مذہب کی تاریخ میں آپ کو یہ بات ہر جگہ بار بار دہرائی جاتی دکھائی دے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا۔

پس یہ بات اللہ تعالیٰ نے یاد کروادی ہے کہ تم راتوں کو اٹھ کر عبادت کرنا لیکن اس کے لئے ایک کسوٹی بھی ہم تمہیں دیتے ہیں اگر تم سچے عبادت گزار ہوئے ایسے عبادت گزار ہوئے کہ تمہیں ولایت نصیب ہو تو اس کی علامت یہ ہوگی کہ تمہاری نیکیاں بدیوں پر غالب آئیں گی اور یہ مضمون دو طرح سے ظاہر ہوگا۔ ایک یہ جو شخص سچے معنوں میں ایک نیکی اختیار کرتا ہے اس کی نیکی پرورش پاتی ہے، بڑھتی ہے، پھولتی اور پھلتی ہے اور رفتہ رفتہ گناہوں کو سرکا سرکا کر باہر نکالنا شروع کر دیتی ہے۔

بعض لوگ ہیں انہوں نے نیکی کا ایک چھوٹا سا عہد کیا ہوتا ہے، ایک وقت میں ایک نیکی کا عہد کر لیتے ہیں اور پھر ان کا انجام ولایت پر ہوتا ہے، ابرار میں موت ہوتی ہے۔ یہ مضمون ہے جو انفرادی حیثیت سے صادق آتا ہے اور بالکل سچا اور قطعی مضمون ہے۔

جو شخص خدا کی خاطر نیکی کا عہد کرے اور نیکی پر قائم ہو جائے خواہ وہ چھوٹی ہی نیکی کیوں نہ ہو، ابتداء میں نیکی کا ایک معمولی حصہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں نشو ونما کی طاقت ہوتی ہے اور وہ ضرور رفتہ رفتہ انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ کے حالات کا آپ مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ایک دن یا ایک رات میں آناً فاناً ولی نہیں بنائے گئے تھے۔ انہوں نے سچے دل سے بعض باتوں سے توبہ کی اور بعض نیکیاں اختیار کیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ اُن نیکیوں کو اتنا بڑھا دیا جیسے زرخیز زمین میں بیج پڑتا ہے اور بعض دفعہ سینکڑوں گنا بڑھ کر وہ دنیا کے لئے فوائد کا موجب بن جاتا ہے۔ پس نیک آدمی کی ذات میں نیکی پرورش پاتی ہے، یہ اس کا ایک مطلب ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ قومی طور پر اگر آپ نیک ہوں گے اور سچے نیک ہوں گے تو غیر سوسائٹی پر آپ کو غلبہ نصیب ہوگا اور ضرور ہوگا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سچے نیکوں پر بدوں کو غلبہ عطا ہو جائے اور یہ بات ہم دنیا میں ہر جگہ مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ ہر قسم کے مخالف حالات میں بھی ترقی پذیر ہے اور مخالفت خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، معمولی ہو یا شدید ہو یہ جماعت میں برکت ہی پیدا کر رہی ہے۔ پس کتنی سچی بات ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ لیکن اس راز کو اچھی طرح پلّے باندھ لیں کہ یہ حسنہ وہی ہے جو خدا سے تعلق کے نتیجہ میں پیدا ہو۔ دنیاوی عادت کے طور پر نہ ہو، دکھاوے کے طور پر نہ ہو، اقتصادی فوائد کی غرض سے نہ ہو۔ جس طرح بعض قومیں لمبا اقتصادی تجربہ رکھتی ہیں تو تجارتی معاملات میں بالکل صاف ہوتی ہیں اور بعض نادان سمجھتے ہیں بڑی سچی قومیں ہیں حالانکہ جہاں ان کی تجارت کو حقیقی معنوں میں خطرہ درپیش ہو وہاں یہ سب نیکیاں ٹوٹ پھوٹ کر بالکل بیکار اور ضائع ہو جاتی ہیں اور بکھر جاتی ہیں۔ وہ قائم نہیں رہ سکتیں، وہ وفا کرنے والی نیکیاں نہیں ہوتیں۔ وفا کرنے والی نیکی وہی ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو اور خدا کی عبادت کے نتیجہ میں وہ پرورش پائیں۔ ایسی نیکی ہر قسم کے مخالفانہ حالات میں بھی زندہ رہنے اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی لئے میں بارہا جماعت کو متوجہ کر چکا ہوں کہ قرآن کریم نے نیکی کی

تعریف میں باقی ہونا داخل فرما دیا۔ صالحات وہی ہیں جو باقیات بھی ہیں۔ کتنی عظیم کتاب ہے، کیسا فصیح و بلیغ کلام ہے؟ ایک جگہ جس بات کا ذکر فرمایا گیا ہے لازماً ہر جگہ اس قرآن میں جو تئیس سال میں نازل ہوا ہے۔ اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے اور اس کو تقویت دی گئی ہے اور مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا ہے۔ سارے قرآن کریم میں ایک بھی تضاد آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔

پس اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ کا باقیات ہونا یہ دراصل ایک ہی مضمون کی دو شکلیں ہیں۔ پس جماعت احمدیہ کو جو مقابلے درپیش ہیں ان کی باقی باتیں میں انشاء اللہ آئندہ بیان کروں گا کیونکہ جتنی آیات تلاوت کی گئی ہیں وہ زیادہ ہیں اور تشریح کے ساتھ بیان کرنے کا وقت تھوڑا تھا اس لئے میں اسی آیت پر اس خطبہ کو ختم کروں گا۔ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ کے مضمون کو سمجھیں اور اس میں ایک گہرا راز ہے چنانچہ قرآن کریم نے متنبہ فرمایا ہے کہ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ یاد رکھو! کوئی معمولی بات نہیں ہے، یونہی کوئی محاورہ نہیں ہے جس طرح بعض دانشور محاورے گھڑ دیا کرتے ہیں اور وہ بڑے ہر دلعزیز بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ جو اللہ کا ذکر کرنے والے لوگ ہیں، جو گہری فہم رکھنے والے لوگ ہیں ان کے لئے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے۔ پس آپ کو غالب آنے کا راز سمجھایا گیا ہے۔ ایسا راز جو اتنا قطعی اور قوی ہے جو ناکام نہیں ہوگا اور کبھی آپ سے بے وفائی نہیں کرے گا۔ آپ کی تبلیغ کی کامیابی کا ایک ایسا راز آپ کو بتلا دیا گیا کہ وہ بے شک آپ کو براہِ راست دکھائی نہ دے کہ تبلیغ میں مدد ہوگا لیکن قرآن کریم کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ آپ اپنی ذات میں حسنات کو قائم فرمائیں اور قائم کرنے کا طریق یہ ہے کہ عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا ذاتی تعلق بڑھائیں۔ دن کو بھی عبادت کریں، رات کو بھی عبادت کریں اور ذِکۡرٰی سے نصیحت حاصل کریں۔ ذِکۡرٰی خدا کے ذکر کو بھی کہتے ہیں۔ ذِکۡرٰی تاریخ میں آنے والی قوموں کے حالات کو بھی کہتے ہیں جو سبق آموز حالات ہوں تو فرمایا کہ تم قوموں کی تاریخ کا، ان کے عروج و زوال کا مطالعہ کیا کرو اور مذہبی نقطہ نگاہ سے تم ہمیشہ یہ بات دیکھو گے جب قومیں خدا سے دور ہٹی ہیں تو ہلاک کر دی گئی ہیں اور دنیاوی طاقت ان کو بچا نہیں سکی اور جن قوموں نے اپنے معاشرے کو غیر معاشرے سے مرعوب ہو کر چھوڑ دیا ہے اور وہ سمجھی ہیں کہ یہ زیادہ ترقی یافتہ لوگ ہیں۔ ہمیں ان جیسی عادتیں اختیار کرنی چاہئیں۔ ان کے ساتھ ڈانس کریں، ان کے ساتھ شرابیں پئیں، ان

کے ساتھ آزادی سے پھریں تو ہمیں عزت کا مقام ملے گا۔ یہ قوم پھر ہمیں اپنے جیسا درجہ دے گی۔ فرمایا یہ سب دھوکہ ہے۔ ذِکْرٰی کا یہ بھی معنی ہے۔قرآن کریم ذِکْرٰی کی پہلے مثال بیان فرما چکا ہے۔ کہتا ہے کہ بیوقوف نہ بننا۔ انسانی نفسیات کے خلاف باتیں ہیں۔ **ناممکن ہے کہ بدوں کے رنگ اختیار کر کے تمہیں عزت نصیب ہو جائے۔عزت حاصل کرنے کے لئے خدا کے رنگ اختیار کرنے ہوں گے۔**اس جیسے اخلاق اپنانے ہوں گے۔عزت حاصل کرنے کے لئے ایسی حسنات کو اختیار کرنا ہوگا جن کے اندر یہ غالب طاقت موجود ہے کہ وہ بدیوں کو زائل اور باطل کرتی چلی جاتی ہیں اور نیکی وہی ہے جو غالب ہو کر چمکے جیسے کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ حقیقت میں جب ایک احمدی سچی نیکی اختیار کرتا ہے تو اس کا معاشرہ اس سے متاثر ہو رہا ہوتا ہے۔ اس سے مرعوب ہو رہا ہوتا ہے۔

ظاہری طور پر چند دن باتیں ہوتی ہیں کہ جی تم پاگل لوگ کس زمانے کے انسان ہو۔ آج کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا لیکن نیکی دل میں گہرا اثر کرنے والی چیز ہے اور کچھ عرصے کے بعد جو لوگ ایک نیک کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں وہ اس سے مرعوب ہوتے چلے جاتے ہیں، اس کی عزت کرتے چلے جاتے ہیں، اس سے نیکی کے رنگ سیکھنے لگتے ہیں اور نیک انسان اکیلا نہیں رہتا۔

وہ ایک جاگ کے قطرے کی طرح ہوتا ہے جسے خواہ سمندر میں بھی پھینک دیا جائے۔ اس کے مقدر میں بڑھنا ہی بڑھنا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ تاریخ یعنی نیکیوں کی تاریخ اسی طرح دہرائی گئی تھی لیکن بہت بڑی شان کے ساتھ جو پہلے برتنوں میں دہرائی جاتی تھی، جو پہلے تالابوں میں دہرائی جاتی تھی وہ تمام عالم کے سمندروں میں دہرائی گئی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری دنیا کی اصلاح کے لئے قائم فرمایا گیا۔ آپؐ نے وہی کام کرنا ہے تو اسی طریق پر کرنا ہوگا جس طریق پر خدا نے آپؐ کو سمجھایا اور آپؐ نے کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دنیا کو کمزوریوں سے پاک کرنے کے لئے آپ کو مامور فرمایا گیا ہے۔
آپ اس پر قائم ہو جائیں خدا آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ / اپریل ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰ لِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۚ﴿۱۱۵﴾ وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۱۶﴾ فَلَوۡلَا كَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اُولُوۡا بَقِيَّةٍ يَّنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَيۡنَا مِنۡهُمۡ‌ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِيۡهِ وَكَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۱۷﴾ (ھود: ۱۱۵-۱۱۷)

پھر فرمایا:-

یہ آیاتِ کریمہ جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان سے متعلق کچھ بیان کرنے سے پہلے اپنے ایک گزشتہ خطبہ کے حوالے سے ایک تصحیح کرنی چاہتا ہوں۔

میں نے ۳ / اپریل کے خطبہ میں اپنی اہلیہ آصفہ بیگم کی تاریخ پیدائش ۲۱ / جنوری ۱۹۳۶ء بیان کی تھی اور حوالہ یہ دیا تھا کہ ان کے پہلے پاسپورٹ میں یہ تاریخ درج ہے۔ میں نے جا کر دیکھا تو واقعۃً یہی تاریخ پاسپورٹ پر درج ہے لیکن پاسپورٹ پر اندراج میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ اب مجھے چھوٹی آپا حضرت سیدہ امّ متین صاحبہ نے پرانے الفضل دیکھ کر وہاں سے حوالہ بھیجا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سن بھی اور تاریخ بھی غلط درج تھی ان کی پیدائش ۲۱ / جنوری ۱۹۳۵ء کو نہیں بلکہ ۱۶ / جنوری بروز بدھ ہوئی تھی یعنی ۱۵ اور ۱۶ کی درمیانی رات کو جبکہ ۱۶ کی تاریخ شروع ہو

چکی تھی۔اسی طرح تاریخ شادی میں بھی غلطی ہوگئی تھی میں نے کہا تھا کہ مجھے یاد نہیں ہے لیکن غالباً کہا تھا کہ سترہ ہے۔وہ بھی وہاں سے حضرت چھوٹی آپا نے الفضل دیکھ کر بتایا ہے کہ ۸/ تاریخ کو ربوہ سے بارات لاہور کے لئے روانہ ہوئی تھی اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں یہ بارات گئی تھی۔حضرت مصلح موعودؓ بوجہ بیماری خود شرکت نہیں فرما سکے تھے اور ۹/ دسمبر کو پیر کے روز لاہور میں شادی ہوئی اور پھر اسی روز وہاں سے واپس ہوئی پس یہ دو تاریخیں درست کرنے والی تھیں معمولی باتیں ہیں لیکن چونکہ یہ خطبات تاریخ کا حصہ بننے والے ہیں اس لئے ان میں غلطی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کی تصحیح ساتھ ساتھ ہوتی رہنی چاہئے۔

آج میں نے جو آیات کریمہ تلاوت کی ہیں یہ انہی آیات میں سے لی گئی ہیں یا انہی کا حصہ ہیں جو پہلے بھی تلاوت کی جا چکی ہیں۔پہلے تقریباً پورا رکوع میں نے تلاوت کیا تھا۔پہلی آیت یعنی اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اگر چہ زیر بحث لائی جا چکی ہے لیکن آج اس آیت سے دوبارہ تلاوت اس لئے شروع کی کہ مجھے جمعہ کے بعد یہ بتایا گیا کہ زُلَفًا کی بجائے میں زُلْفًا پڑھ گیا تھا جہاں تک اس کی تصحیح کا تعلق ہے وہ تو کیسٹ میں کر دی گئی تھی اور جماعتوں کو مطلع بھی کر دیا گیا تھا لیکن آج اس بات کو دہرانے کا مقصد اور ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے اس سلسلہ میں مزید تحقیق کی قرآن کریم میں یہ لفظ جس طرح مستعمل ہوا ہے اُن جگہوں کو دیکھا اور لغت کے حوالے سے مزید غور کیا کہ زُلَفًا اور زُلْفًا میں کیا فرق ہے۔قرآن کریم میں مثلاً لفظ زُلفیٰ کی کھڑی زبر کے ساتھ تین مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کا معنی قرب ہے لیکن زُلَفًا لفظ کی لغت کا جب میں نے مستند کتب سے جائزہ لیا تو ایک ایسا امر سامنے آیا جو ایک بہت قیمتی چھپا ہوا موتی تھا۔جسے اس آیت کے ضمن میں بیان ہونا چاہئے تھا لیکن وہ نظر سے اوجھل ہو گیا اور میں نے سوچا کہ بعض غلطیوں سے بھی اللہ تعالیٰ بہت سی برکتیں نکال دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حکمتیں بہت باریک ہیں۔

پہلے میں آپ کے سامنے مختصراً لغوی بحث رکھتا ہوں،قرآن کریم کی اس آیت میں لفظ زُلَفًا جو استعمال ہوا ہے اس کا مصدر ہے زَلْفًا وَ زَلَفاً و زَلِيْفًا یہ تین مصادر آئے ہیں اور ان مصادر میں کہیں بھی ف کلمہ یعنی ''ز'' پر ضمہ یعنی پیش نہیں ہے زُلْفًا و زَلَفَا و زَلِيْفًا اور زُلَفًا کا لفظ مصدر میں یہاں استعمال نہیں ہوا لیکن اس مصدر سے ایک اور اشتقاق ہوا ہے یعنی اس سے مشتق نکلا ہوا ایک اور

لفظ ہے اور وہ ہے۔ الزُّلْفَةُ زلف اور اس آیت کریمہ میں جو لفظ زُلَفاً استعمال ہوا ہے۔ وہ اسی زُلْف سے لیا گیا ہے۔ اس سے آگے پھر زُلَفاً بنتا ہے۔ جو قابل ذکر بات تھی وہ یہ تھی کہ میں اس مضمون کے متعلق یہ رجحان رکھتا تھا کہ اس آیت میں لفظ زُلَفاً صرف رات کے ٹکڑے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ قرب الٰہی کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے کیونکہ لفظ زُلْفٰی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس میں قرب کے معنی ہیں، رات کے معنی نہیں ہیں۔ (ز ل ف ی، کھڑی الف سے جو زلفٰی لفظ ہے اس میں قرب کے معنی ہیں اور رات کے معنی نہیں ہیں) اسی طرح اور مصادر میں بھی قرب کے معنی ہیں اور رات کے معنی نہیں مثلاً یہیں جو اصل مصدر زُلْفًا وَ زَلَفًا و زَلوُفًا ہے اس میں قربت اور کسی سے دوستی چاہنا اس کے قریب ہو جانے کے معنی تو ہیں مگر رات کے معنی نہیں لیکن اس سے جو مشتق ہوا ہے زُلْفَةً اس میں خدا تعالیٰ کا یہ عجیب تصرّف ہے کہ رات کے معنی بھی ہیں اور قربت کے معنی بھی ہیں اور یہ دونوں معنی یہاں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ پس قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا یہ کرشمہ ہے کہ ان تمام لفظوں میں سے وہ لفظ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا جس میں محض رات کے ٹکڑے کے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے قریب ہونے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں اور یہ مضمون ویسے ہی ہے جیسے فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل : ۸۰) میں بیان ہوا ہے کہ رات کو اُٹھ کر اگر تم نوافل پڑھو گے اور تہجد پڑھو گے تو یہ ایک بہت ہی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہیں پیار عطا ہوگا اور مقام محمود عطا ہوگا۔

پس اس آیت کے اب یہ معنی بنیں گے۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ نماز کو قائم کرو، عبادت کیا کرو، دن کے دونوں کناروں کے وقت یعنی صبح بھی سورج نکلنے کے بعد دن کے پہلے حصہ میں بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے دن کے آخری حصے میں بھی وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اور رات کے کسی حصہ میں بھی لیکن زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ میں کسی حصے سے زیادہ معنے پائے جاتے ہیں کیونکہ زُلَفًا کا مطلب رات کا وہ حصہ بھی ہے جو دن کے ساتھ لگا ہوا ہو اور دونوں طرف زُلَفًا کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔ تو مراد یہ ہے کہ دن کے دونوں کناروں پر بھی، ابھی دن ہو تو نماز پڑھا کرو، عبادت کیا کرو اور رات کے دونوں کناروں پر بھی یعنی ان کناروں پر جو دن سے ملتے ہیں عبادت کیا کرو اور وَ زُلَفًا کا الگ آزاد معنٰی یہ ہوگا اور رات کے کسی حصہ میں اٹھ کر الگ عبادت بھی کیا کرو۔ پانچوں

وقت کی ساری نمازیں اور ان کے اوقات اس آیتِ کریمہ میں بیان ہو گئے اور زُلَفًا میں ہمیں یہ مزید معنی ملے کہ اگر تم رات کو اُٹھ کر الگ عبادت کرو گے تو تمہیں قرب الٰہی عطا ہو گا۔ ایسا قرب الٰہی جو عام نمازوں سے بڑھ کر ہے اور یہ نماز تمہیں اپنے رب کے قریب تر کر دے گی۔ پس اس مزید اضافی تشریح کے ساتھ اب میں اگلی آیت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کیونکہ اس آیت کریمہ کے دوسرے پہلوؤں پر گزشتہ خطبہ میں گفتگو ہو چکی ہے۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ صبر سے کام لے کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ محسنین کون لوگ ہیں؟ اس کا ایک تعلق نماز سے بھی ہے اور چونکہ نماز کی بات ہو رہی ہے اس لئے سب سے پہلے نماز سے تعلق رکھنے والے معنی بیان ہونے چاہئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسن کی یہ تعریف فرمائی کہ جو اس طرح عبادت کرے گا کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ ایسی عبادت کے مقام پر ابھی فائز نہیں ہوا اُسے یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا خدا کو سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے تو کم سے کم اتنا تو کرے کہ یہ احساس بیدار رکھے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے اور ساری عبادت کے وقت اس کے ذہن پر یہ ایک تصور مستولی ہو اور یہ بات طاری ہو کہ میں خدا کے حضور کھڑا ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ محسن ہے جو ایسی نماز ادا کرتا ہے تو اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا وَاصْبِرْ پھر فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا۔

صبر کا جہاں تک تعلق ہے اس کے مختلف معانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں عام غم کی حالت میں انسان خدا کی خاطر جو برداشت کرتا ہے اور حوصلہ نہیں چھوڑتا اسے بھی صبر کہا جاتا ہے لیکن نیکیوں کے ساتھ چمٹ جانے کو بھی صبر کہا جاتا ہے۔ مضبوطی سے نیکی پر ہاتھ ڈالنا اور اس پر قائم ہو جانا اسے صبر کہتے ہیں۔ صبر کا اس مضمون سے کیا تعلق ہے۔ پہلے میں یہ بیان کرلوں پھر محسنین کے تعلق میں اگلی بات بیان کروں گا۔

نیکی کے دو کنارے ہیں ایک وہ جب انسان نیکی میں داخل ہوتا ہے اس وقت نیکی پر انسان کو دوام حاصل نہیں ہو جاتا بلکہ نیکی کو اختیار کرنے میں کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ نیکی عقل کے لحاظ سے تو اچھی لگتی ہے لیکن عادت اور مزاج کے لحاظ سے مشکل معلوم ہوتی ہے اور

جہاں بھی مشکل اور تکلیف کا مضمون ہوگا وہیں صبر کا مضمون ہوگا۔ پس صبر کی اس لئے ضرورت پڑتی ہے کہ ایک شخص اگر نئی نئی نماز شروع کرے، نیا نیا سچ بولنا شروع کرے، نیا نیا لین دین میں معاملہ صاف رکھنے کی کوشش کرے تو شروع میں اُسے بہت دقّت پیش آتی ہے نماز کے لئے اٹھنا اور اس پر قائم ہونا بھی مشکل، سچ بولنا بھی مشکل اور معاملات صاف کرنا بھی مشکل غرضیکہ ہر نیکی، یہ ایک لازمہ ہے کہ نیکی کی ابتداء میں انسان دقت محسوس کرتا ہے، تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس لئے حضرت اقدس محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا یہ معنی کیا کہ نیکی سے چمٹ جائے، کسی حالت میں اُسے چھوڑے نہیں اور جب نیکی اس سے آگے ترقی کر جاتی ہے تو پھر وہ احسان میں داخل ہو جاتی ہے۔ ہر نیکی انسان کو احسان کی طرف لے کر جاتی ہے اور اس وقت نیکی میں ایک لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ محسن کا ایک یہ معنی بھی ہے کہ اپنے فعل کو زیادہ خوبصورت بنانے والا۔ پس عبادت کے لحاظ سے محسن کا مطلب ہے، وہ شخص جو عبادت کرتے وقت گویا خدا کو دیکھ رہا ہو اور آمنے سامنے اس سے گفتگو کر رہا ہو اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر یہ نہیں تو کم سے کم حاضر باش رہے یہ خیال ہمیشہ اُسے دامن گیر رہے کہ میں سب سے اعلیٰ اور اجلّ ہستی کے سامنے کھڑا ہوں اور اس حضوری کے جو تقاضے ہیں، جو ادب اور احترام اس احساس کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کی عبادت اور اس کی حرکات وسکنات میں پیدا ہو جائے۔

محسن کا دوسرا مطلب ہے کسی چیز کو خوبصورت بنانے والا پہلے سے بہتر کر دینے والا، کسی چیز میں حسن داخل کرنے والا پس وہ لوگ جو نیکی پر صبر سے قائم ہو جاتے ہیں ان کی نیکی پھر حسین ہو جاتی ہے اس میں دلکشی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ نیکی محض جبر سے نہیں کرتے بلکہ اسکی محبت میں کرتے ہیں۔ نیکی کے ساتھ ایک لطف وابستہ ہوتا ہے جو ابتداء میں حاصل نہیں ہوا کرتا کچھ عرصے کے تجربہ کے بعد اس میں سے وہ حُسن پھوٹتا ہے اور نیکی سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو صبر کے بعد محسن کی تعریف پھر یہ ہوئی کہ وہ لوگ جو نیکیاں اختیار کرتے ہیں اور صبر سے مستقل مزاجی کے ساتھ کوشش کے ساتھ، باوجود اس کے کہ دل مائل نہ ہو وہ اس نیکی کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور پھر کسی حالت میں اس کو چھوڑتے نہیں رفتہ رفتہ ان کی نیکی میں سے ایک حُسن پھوٹتا ہے اور ان کی نیکی میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے اور ایک دلکشی پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ نیکیوں سے جبر کے ساتھ نہیں بلکہ محبت کے نتیجہ میں تعلق رکھنے لگ جاتے ہیں اور وہ نیکیاں بغیر کسی کوشش اور بغیر جدوجہد کے ان کی زندگی کا مستقل حصہ بن جاتی ہیں۔

ایسی حالت میں جب نماز میں داخل ہو تو پھر وہ محسنین کی نماز بنتی ہے۔ایسی حالت میں انہیں دیدار نصیب ہوتا ہے اور حسن کے دیدار سے زیادہ اور کسی چیز میں لذت نہیں۔پس اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صبر کے ساتھ نماز ادا کرنے والے اگر چہ آغاز میں انہیں نماز کے مزے نہ بھی آتے ہوں تو وہ اس یقین کے ساتھ کہ یہ اچھی چیز ہے اُس سے چمٹے رہتے ہیں پھر نماز میں ایک حُسن پھوٹتا ہے اور اس کے نتیجہ میں پھر خدا تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے اور وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کا آنحضور ﷺ نے ذکر فرمایا کہ وہ خدا کو اپنے سامنے دیکھنے لگ جاتے ہیں اور اسی میں نماز کی اصل لذت ہے اور اس سے پہلے کا مرتبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے کھڑا ہوا محسوس کرنے لگ جاتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ مرتبہ کو پہلے بیان فرمایا کہ یہ مقصود ہونا چاہئے اور بیچ کی منزل کو بعد میں بیان فرمایا جس میں سے ہر محسن ضرور گزرتا ہے۔پس جب نمازیں جاگ اٹھتی ہیں اور ان میں روشنی پیدا ہوتی ہے تو پہلے ان کے اندر اپنا ایک ذاتی حسن پیدا ہوتا ہے پھر خدا تعالیٰ کے قرب کا احساس نمایاں ہو جاتا ہے اور نماز کے ہر حصہ پر غالب آجاتا ہے۔اس قرب سے پھر دیدار الٰہی پھوٹتا ہے اور نمازی کو اپنا محبوب خدا اپنے سامنے کھڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔سجدہ کرتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ خدا کے قدموں میں سجدہ کر رہا ہے اور یہ نماز کی وہ لذت ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ کہ یاد رکھو! اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔پس جو لوگ دعوت الی اللہ اس طریق پر کریں جس طریق پر قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور عبادت اور نیکیوں کے ساتھ ایسا تعلق قائم کریں جیسا کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہے تو بالآخر وہ ضرور کامیاب ہوں گے اور صبر کے یہ بھی معنی ہیں کہ اپنے نیک انجام پر یقین رکھیں۔اگر یہ یقین نہ ہو تو صبر آ ہی نہیں سکتا۔حقیقی صبر اُسی کو نصیب ہوتا ہے جو خدا پر ایمان لاتا ہے اور آخرت پر ایمان لاتا ہے کیونکہ آخرت اچھے انجام کی خبر دیتی ہے۔دنیا میں کوئی کتنی ہی تکلیفوں میں سے گزر رہا ہو یا اس کا کوئی قریبی گزر رہا ہو جب دل میں یہ کامل یقین جاگزیں ہو کہ بالآخر ان تکلیفوں سے صرف چھٹکارا ہی نصیب نہیں ہونا بلکہ اس سے بہت بہتر حالت عطا ہو گی جو دنیا کی سب تکلیفوں کے مقابل پر اتنی عظیم الشان نعمت ہو گی کہ سب تکلیفیں بھول جائیں گی تو اس کے نتیجہ میں صبر عطا ہوتا ہے۔صبر کا یقین سے ایک بہت گہرا تعلق ہے تو فرمایا کہ جب نماز کو پکڑو یا نیکیوں کو پکڑو تو دل میں یہ کامل یقین ہونا چاہئے کہ بالآخر یہ

نیکیاں یا یہ عبادتیں تمہیں نیک انجام تک پہنچائیں گی اور اگر تم ایسا کرو گے تو یاد رکھو خدا تعالیٰ بھی ایسا ہی سلوک تم سے فرمائے گا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ ہرگز کبھی بھی احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرمایا کرتا۔

پھر فرمایا۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ اے کاش ایسا ہوتا، ایسا کیوں نہ ہوا۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ کہ پرانے لوگوں میں سے، پرانی بستیوں میں سے، پرانی قوموں میں سے جو تم سے پہلے گزریں ایسے عقل والے لوگ کیوں نہ پیدا ہوئے کہ جو فساد سے روکتے اور زمین کو فساد سے پاک کرنے کی کوشش کرتے اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ ہاں چند ایسے لوگ تھے جو مستثنیٰ تھے۔ پہلے لوگوں میں سے بھی ایسے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق بخشی کہ وہ فساد کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہے اور اس کے نتیجہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات بخش دی۔ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ لیکن یہ لوگ جنہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی۔ انہوں نے کس چیز کی پیروی کی فرمایا وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ ان لوگوں نے ان آسائشوں کی پیروی کی جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھیں یا مضمون یوں ہے کہ مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ جو ان کو میسر آئیں یا ان کو دی گئی تھیں یعنی نعمت کی زندگی، آسائش کی زندگی عیش و عشرت کی زندگی، ان چیزوں کو انہوں نے ترجیح دی وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ اور وہ مجرم بن گئے یا مجرم تھے۔ اس آیت میں جو تدریج بیان ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مجرم بننا ظَلَمُوْا کے نتیجہ میں ہوا۔ اور ظَلَمُوْا کی تشریح یہ فرمائی کہ وہ آسائشوں کے پرستار ہو گئے آسائشوں کی پیروی کرنے والے ہو گئے دنیا کی لذتوں کے لئے وقف ہو گئے۔ اس سے پہلے یہی لفظ ظَلَمُوْا ان آیات میں گزرا ہے جو میں پہلے تلاوت کر چکا ہوں۔ فرمایا وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ان لوگوں کی طرف ہرگز نہ جھکو جن کی طرف تمہارا کوئی میلان نہ ہو جو ظالم ہوئے اب اس آیت میں ظلم کی تشریح فرما دی ہے کہ ہم نے جو تمہیں خبردار کیا ہے کہ ظالموں کے قریب بھی نہ ہونا ان کی طرف جھکنا نہیں تو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ یہاں اس مضمون میں ظلم سے کیا مراد ہے۔

اس مضمون کے تعلق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ظلم سے یہ مراد ہے کہ انسان دنیا کی لذتوں میں کھویا جائے اور ان کی پیروی کو اپنا مقصود اور مطلوب بنا بیٹھے۔ دنیا کی لذتیں اور آسائشیں ان کا مقصود اور قبلہ بن جائے۔ ایسے لوگ جن کا یہ قبلہ بن جاتی ہیں فرمایا ان کی طرف کوئی میلان نہیں ہونا چاہئے، ان کی طرف کوئی جھکاؤ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ ظالم لوگ ایسا کیا کرتے ہیں اور جب ظالم ایسا کرتے ہیں تو خدا کے حضور مجرم کے طور پر حاضر ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے یا ہوگا اس کے متعلق آگے پھر تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

اس میں جماعت احمدیہ کے لئے بہت ہی گہری نصیحت ہے جو اس زمانے میں آج کل کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں بہت کام دینے والی ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جب کل عالم میں تبلیغ کا منصوبہ بنایا تو اس کے ساتھ تحریک جدید کا اعلان فرمایا اور تحریک جدید صرف مالی قربانی کا نام نہیں جس کے نتیجہ میں ساری دنیا میں تبلیغ ہونی تھی بلکہ تحریک جدید اُس پروگرام کا نام ہے جس کے نتیجہ میں احمدیوں کو یہ تلقین کی گئی کہ عمداً آسائشوں سے روگردانی کرو اور دنیا کی لذتوں میں غرق نہ ہو۔ جہاں تک ممکن ہے، توفیق ہے سادہ زندگی اختیار کرو اور عیش و عشرت کی دنیا کو چھوڑ دو اور اپنی تمام تر توجہات خدمت دین کی طرف مائل کر دو۔ تو لَا تَرْكَنُوْٓا میں جو نصیحت قرآن کریم نے فرمائی ہے وہ ہے ظالموں کی طرف نہ جھکو۔ حضرت مصلح موعودؓ کا جو پروگرام تھا وہ محسنین کی طرف جھکنے کا پروگرام تھا اور اس آیت کا جو مثبت نتیجہ نکلتا ہے اسی کا وہ پروگرام تھا کہ یہ نہ کرو تو پھر کیا کرو فرمایا محسنین کی طرف جھکو اور اس کے متعلق ایک تفصیلی پروگرام دیا گیا۔

آج کل جو مغربی معاشرہ ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی لذتوں کی طرف بلانے والا معاشرہ ہے لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس پہلو سے اب مغرب اور مشرق میں کوئی تمیز نہیں رہی۔ پاکستان میں بھی مادہ پرستی کے اسی طرح ابتلاء ہیں جیسے مغرب میں ہیں۔ ہندوستان میں بھی ویسے ہیں جیسے مغرب کے دوسرے ممالک میں ہیں۔ چین اور جاپان دوسرے ایشیائی ملک جس طرف بھی آپ نظر ڈالیں سب میں یہی بلا قوموں کو کھاتی ہوئی دکھائی دے گی کہ دنیا کی لذتیں اور ان کا تتبع اور ان کی طرف دوڑنا اور پاگلوں کی طرح عیش و آرام کی زندگی کے طلبگار ہو جانا اور اسی کے لئے وقف ہو جانا یہ آج قومی رجحانات کا خلاصہ ہے خواہ مغرب کی دنیا ہو یا مشرقی ہو اس پہلو سے سب برابر ہو

چکے ہیں اور یہی وہ بڑی مصیبت ہے جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کی رفتار پر نہایت ہی مضر اثر پڑ سکتا ہے۔ جماعت احمدیہ خواہ مغربی معاشرے میں نبرد آزما ہو یا مشرقی معاشرے میں نبرد آزما ہو یعنی جہاد میں مصروف ہو جماعت کا وہ حصہ جو تنعّم کی زندگی کو اپنا قبلہ بنالیتا ہے سوسائٹی کی طرف دوڑتا ہے اور سوسائٹی کی رنگینیوں کو دین کی سادگی پر فوقیت دیتا ہے اور ترجیح دیتا ہے وہ حصہ عملاً جماعت سے کٹنا شروع ہو جاتا ہے اور نیک کاموں میں وہ ممد اور مددگار رہنے کی اہلیت نہیں رکھتا دل میں اگر نیکیاں ہیں بھی تو جن کا قبلہ دنیا ہو جائے ، جن کی زندگی کا مقصود عیش وطرب ہو اُن کے لئے نیک کام کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی اور دو طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ ساری جماعت ساری دنیا میں جہاد میں مصروف ہے اور کہیں دعوت الی اللہ کے پروگرام بیان کئے جارہے ہیں، کہیں خدمت خلق کے پروگرام بیان کئے جارہے ہوں، کہیں دنیا کے بڑے بڑے عظیم ممالک کو فتح کرنے کے منصوبے پیش کئے جارہے ہوں۔ وہاں یہ حصہ جس کا دنیا کی طرف رجحان ہو جاتا ہے اوّل تو ایسے مواقع پر حاضر ہی نہیں ہوتا جہاں یہ نیک نصیحتیں کی جاتی ہیں۔ یہ جمعوں سے دور ہو جاتے ہیں، جماعت کی مجالس سے دور ہو جاتے ہیں ان کی اولادیں خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ اور ان کی بچیاں لجنات سے رفتہ رفتہ کنارہ کش ہونے لگ جاتی ہیں اور ان میں اور جماعت کے نیک کاموں میں فاصلے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اس کا بالآخر یہ نقصان پہنچتا ہے کہ صرف ان کا حال ہی ہاتھ سے نہیں جاتا بلکہ ان کی آئندہ نسلیں ہاتھ سے نکل جاتی ہیں اور ایسے لوگوں کے بچے پھر اپنے والدین کے مقابل پر جماعت سے بہت زیادہ دور ہٹ جاتے ہیں کیونکہ والدین نے کم سے کم نیک لوگوں کی گود میں پرورش پائی ہوتی ہے ایسی جو نسلیں میرے پیش نظر ہیں ان میں اکثر وہ بڑے لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد صحابہؓ یا صحابہ نہیں بھی تھے تو بزرگ تابعین تھے اور بہت ہی پاکیزہ لوگ تھے۔ نیک خلق اور نیک عمل کرنے والے اور ان کو مل کر ہی انسان کے دل میں نیکی کی ایک بشاشت پیدا ہوتی تھی ایسے لوگوں کو انہوں نے اپنے گھروں میں چلتے پھرتے دیکھا ہوا ہے۔ وہ اب موجود نہ بھی رہے ہوں تو ان کی نیکی کا یہ اثر ضرور ان کے دل میں جاگزیں ہو چکا ہے کہ احمدیت سچی ہے اور احمدیت کے نتیجہ میں خدا ملتا ہے لیکن دنیا داری کی حرص اور عیش وطرب کی لالچ نے احمدیت سے تعلق کمزور کر دیا لیکن ایمان بہر حال موجود ہے۔ جن بیچارے بچوں نے یہ کمزور

ہوئے ماں باپ دیکھے اور ان کے آباؤ اجداد نہیں دیکھے ان کے دل پر وہ اثر بھی باقی نہیں رہا جو اس پہلی نسل کے دل پر باقی تھا۔ ایمان میں بھی کمزوری آ گئی۔ اپنے ماں باپ کو انہوں نے دنیا کے عیش و عشرت میں اور اس عیش وعشرت کی تلاش میں سرگرداں دیکھا ہے اور دنیا کی لذتوں کی طرف دوڑتا ہوا دیکھا ہے تو اس سے ان کو ایمان کا تو کوئی پیغام نہیں ملا۔ احمدیت کی سچائی کا جو پیغام ملا ہے وہ ایک لفظی سا پیغام ہے اور نیک اثر کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں پر جاگزیں نہیں ہوا، نقش نہیں بنا، اس لحاظ سے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی آئندہ نسلوں کو بھی تباہ کر جاتے ہیں اور وہ نسلیں پھر اور دور ہٹ جاتی ہیں۔ شروع میں احمدیت کے نام کی شرم رہتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں امیری کے ابتلاء کے ذریعہ آزمائے تو پھر وہ بیچارے بدنصیب خاندان ہٹتے ہٹتے جماعت سے بالکل ہی تعلق توڑ بیٹھے ہیں۔ ایسی بہت سی نسلیں ہیں جن کا مختلف وقتوں میں مجھے جائزہ لینے کا بھی موقعہ ملا اور اعداد وشمار اکٹھے کرنے کا بھی موقع ملا مختلف وجوہات سے ایسا ہوا لیکن ایک بڑا ابتلاء دنیا پرستی کا ابتلاء تھا جس نے جماعت کے بہت سے خاندانوں کو رفتہ رفتہ جماعت سے کاٹ دیا اور اگر جماعت میں رہے بھی تو ایک نیم جان کی حالت میں، نہ زندوں میں نہ مردوں میں اور آئندہ نسلیں پھر ان کی بالکل ختم ہوگئیں۔ جو موجودہ نسل ہے جو اللہ کے فضل سے اس وقت اخلاص میں ترقی کر رہی ہے اور میں نے اپنے تجربے سے دیکھا ہے جہاں تک بھی خدا تعالیٰ نے مجھے جماعت سے رابطے کی توفیق بخشی ہے میں خدا کے فضل سے یہ گواہی دے سکتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کے چھوٹے بڑے مرد اور عورتیں سب ہی رفتہ رفتہ دین میں ترقی کر رہے ہیں اور ان کی جماعت احمدیہ اور اس کے مقاصد سے محبت بڑھتی جارہی ہے اور تعلق مضبوط ہو رہا ہے۔ بہت سے ایسے نوجوان بھی تھے اور بڑے بھی جو کناروں تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ واپس آ رہے ہیں اور ایک نیا ولولہ پیدا ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نئی صدی کے سر پر آپ کو رکھنے کی یہ جزادی ہے کہ اپنی طرف سے آپ کے قدم مضبوط کر دیئے ہیں اور آپ کو خدا تعالیٰ گھیر کر واپس جماعت کے دل کی طرف لا رہا ہے تا کہ آپ آئندہ دنیا کے لئے دل بن جائیں اور مرکزی کردار ادا کریں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اسی طرح نمونہ بنیں جس طرح حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت کی نسل آج تک ہمارے لئے ایک نمونہ ہے اور ہمیشہ نمونہ بنی رہے گی۔

پس یہ وہ مضمون ہے جسے میں اچھی طرح ذہن نشین کروانا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ مشرق

میں ہوں یا مغرب میں ۔ جیسا کہ قرآن کریم نے نصیحت فرمائی ہے دنیا کی لذتوں سے اس حد تک لازماً روگردانی کرنی ہوگی کہ آپ کا دل گواہی دے کہ آپ ایک سرسری سی نظر سے ان باتوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان کے ہو نہیں گئے ورنہ خدا تعالیٰ نے دنیا میں جو نعمتیں پیدا کی ہیں وہ مومنین کے لئے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نعمت جو پاک ہو وہ مومن کے لئے ہے اس سے کنارہ کشی کرنے کی تعلیم نہیں ہے ۔ نعمتوں کی طرف رجحان کو درست کیا گیا ہے ۔ یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارا قبلہ اور مقصود دنیا کی نعمتیں نہ بن جائیں ورنہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ نعمتیں تو ہم نے مومنوں کے لئے پیدا کی ہیں اس دنیا میں بھی اور آخری دنیا میں تو خالصۃً مومنوں کے لئے ہوں گی ۔ پس جہاں تک نعمتوں کا تعلق ہے اُن سے استفادہ کرنا منع نہیں لیکن عیش و طرب یعنی نعمتوں کا غلط استعمال اور پھر نعمتوں کی طرف غلط رجحان یہاں تک کہ وہ زندگی کا مقصود بن جائیں اور ان کے بغیر انسان سمجھے کہ میری ساری عمر ضائع ہوگئی یہ باتیں غلط ہیں ۔ اس جدوجہد کو آسان کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے وہ تعلیم فرمائی کہ صبر کرو اور یاد رکھو کہ اگر تم محسن بن جاؤ گے تو تمہارا کوئی عمل ضائع نہیں جائے گا ۔ پس صبر کے ایک اور معنی بھی اس صورتحال پر اطلاق پا رہے ہیں کہ دنیا طلبی سے روگردانی کے وقت بھی کچھ صبر کرنا پڑتا ہے اور جب آپ مضبوطی سے صبر پر قائم ہو جائیں گے تو اس صبر سے بھی ایک حسن پھوٹے گا ۔ معاشرتی لحاظ سے وہ حسن کیا ہے یہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں ۔

دنیا کی مثلاً جو لذتیں ہم مغرب میں دیکھ رہے ہیں وہ خاندان خواہ احمدی ہوں یا غیر احمدی ہوں ، مسلم یا غیر مسلم ، عیسائی غیر عیسائی ، دہریہ ، سارے خاندان اس پہلو سے یکجائی صورت میں میرے پیشِ نظر ہیں جو لوگ دنیا طلبی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں ان کی زندگی سے سکون اٹھ جاتا ہے ۔ ان کے گھروں سے امن اٹھ جاتا ہے ، ان کے ہاں کسی چیز کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں رہتی ۔ معاشرہ دن بدن دکھوں میں مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک ایسا موقع آتا ہے کہ نہ بیٹی باپ کی ہے ، نہ باپ بیٹی کا ، نہ بیٹا ماں کا ہے نہ ماں بیٹے کی ، بہن بھائی سے جُدا ہو جاتی ہے اور اس طرح اس گھر میں اکٹھے رہتے ہیں جیسے کچھ جانور اتفاقاً ایک جگہ اکٹھے کر دیئے گئے ہوں ۔ ان کی معیشت اکٹھی ہوگئی ہے لیکن صرف کچھ عرصے کے لئے اور جب ذرا بڑے ہوئے تو پھر جس طرح کبوتر چونچیں مار کر اپنے چھوٹے بچوں کو جب وہ ذرا سا الگ ہونے کی صلاحیت اختیار کر لیتے ہیں تو گھونسلے سے باہر نکال دیتا ہے ۔

اسی طرح آجکل کی مغربی دنیا میں بہت سی جگہ بچوں سے یہ سلوک ہوتا ہے۔ جرمنی میں خصوصیت سے بعض جرمن احمدیوں نے میرے سامنے بعض واقعات بیان کئے۔ مجھے تو یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے لیکن انہوں نے کہا کہ یہ تو روزمرہ کی بات ہے۔ بیٹا بڑا ہوا تو اس کے بعد وہ اپنے گھر میں اپنے رہنے کا بل ادا کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح اگر باپ بعد میں آ کر اس کے پاس ٹھہرے تو باپ اس کو اپنا بل دے گا۔

وہ جو ایک خاندان کی اعلیٰ قدریں ہیں اور ایک دوسرے کے لئے ایثار اور قربانی کی اور ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کی وہ ساری قدریں قصہ پارینہ بن چکی ہیں اور ماضی کی بات ہو چکی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ پھر ایک دوسرے کے ساتھ سختی ہے ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا تو کیا سوال عدل بھی باقی نہیں رہتا۔ کئی مستثنیٰ بھی ہیں۔ کئی ایسے خاندان بھی جانتا ہوں، انگلستان میں بھی اور جرمنی میں بھی اور دوسرے ممالک میں بھی جن میں بہت قرب ہے اور ایک دوسرے سے بہت پیار کرنے والے ہیں۔ ساری قوم ایک سی نہیں لیکن رجحان وہی ہے جو میں بتا رہا ہوں اور یہ بڑھتا ہوا رجحان ہے اور ایک ایسا خطرناک رجحان ہے جب سے یہ قائم ہوا ہے آگے ہی بڑھا ہے پیچھے نہیں ہٹا۔ پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کے وہ خاندان جو مغرب میں زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لئے بہت بڑی نصیحت ہے۔ شروع میں ان کو صبر کرنا پڑے گا اپنے بچوں کو بھی، اپنی بیویوں کو بھی، اپنی بچیوں کو بھی سمجھانا ہوگا کہ اس معاشرے میں کچھ نہیں ہے صرف دکھ ہی دکھ ہیں، وقتی عارضی لذتیں ہیں ان سے کنارہ کشی کرو اور اس میں ہی صبر ہے اور اس کے لئے لازماً کچھ عرصہ صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں پھر گھر کا جو محبت اور پیار کا پاکیزہ ماحول پیدا ہوتا ہے وہ حسن ہے جو صبر کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور جن گھروں میں یہ حسن ہو ان کی باہر کی طرف نظر ہی نہیں رہتی۔ وہ گھر خود کشش کا موجب بن جاتے ہیں اور ہر وہ شخص جو اُن گھروں سے وابستہ ہوتا ہے باہر سے گھبرا کر جلد از جلد گھر لوٹنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کو اپنے باپ سے، اپنی ماں سے، اپنی بہنوں سے، اپنے بھائیوں سے، اپنے عزیزوں سے جو پیار ملتا ہے اور جو اپنائیت ہوتی ہے، جو یقین ہے کہ یہ ہمارے ہیں اور ہم ان کے ہیں اس کے نتیجہ میں ایک ایسا خوبصورت سکون نصیب ہوتا ہے کہ اس کی مثال باہر کی دنیا میں کم پائی جاتی ہے اور وہ لوگ جو دنیا کی لذتوں کی پیروی کرنے والے ہیں ان کو پتا ہی نہیں کہ یہ لذت کیا چیز

ہے۔ پس اس کے نتیجہ میں پھر یہ لوگ رفتہ رفتہ محسن بن جاتے ہیں۔ اپنے معاشرے کا حسن دوسروں کو دینے لگ جاتے ہیں وہ لوگ جو ان کے گھروں میں آتے ہیں وہ ان گھروں کی لذت کو دیکھ کر محسوس بھی کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں حسرتیں اٹھتی ہیں کہ کاش ہمیں بھی ایسے پاکیزہ گھر نصیب ہوتے۔ ان سے وہ دوستیاں کرتے ہیں ان سے تعلق بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے نمونے دیکھ کر پھر ان میں سے کئی اسلام اور اسلام کی سچی تشریح یعنی حقیقی اسلام، احمدیت کو قبول کر لیتے ہیں ایک بچی کی میں نے مثال دی تھی اس نے پچھلے رمضان سے ایک دو روز پہلے بیعت کی تھی۔ اُسے جب میں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ جو احمدی بچیاں ہیں اور ان کے گھر کا ماحول ہے۔ یہ مجھے ایسا پُرکشش لگتا تھا، ایسا پیارا لگتا تھا کہ اس کے نتیجہ میں لازماً مجھے اس مذہب کی تحقیق کرنی پڑی اور جب میں نے تحقیق کی تو مجھے دل سے یہ مذہب پیارا لگنے لگا تو محسن کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ وہ کسی حسن کو اختیار کر لے۔

فرمایا صبر کے نتیجہ میں محسن بنو گے اور جب محسن بنو گے تو وہ حسن جو تمہیں صبر نے بخشا ہے وہ تم دوسروں کو بانٹنے لگ جاؤ گے۔ موتی بن جاؤ گے، تمہارا فیض دنیا کو پہنچے گا اور اس طرح یہ حُسن پھیلتا چلا جائے گا۔ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ کا ایک یہ مطلب بھی ہے کہ وہ اس کے پھل اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے۔ اُس کے احسان کی زندگی ضائع نہیں جائے گی بلکہ اس زندگی کو وہ اس دنیا پر غالب دیکھیں گے اور کامیاب دیکھیں گے اور جان لیں گے کہ اس میں ایک طاقت ہے اور اسی طرز زندگی نے بالآخر دنیا پر غالب آنا ہے۔ پس ان معنوں میں جماعت کو صبر پر قائم ہونا چاہئے اور جہاں تک مشرقی دنیا کا تعلق ہے پاکستان ہو یا ہندوستان، جو حالات ہم جانتے ہیں، ہمیں علم ہے کہ نئی نسلیں بہت تیزی کے ساتھ اُن ساری برائیوں کا شکار ہو رہی ہیں جن میں سے اکثر کا آغاز امریکہ میں ہوتا ہے۔ وہاں وہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر ساری دنیا میں برآمد کی جاتی ہیں اور بہت تیزی کے ساتھ امیر بھی اور غریب بھی نشوں کے مریض، گناہ کے ہر طریق پر منہ مارنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے سچ اور جھوٹ کی تمیز اٹھ چکی ہے، حلال اور حرام کمائی کی تمیز اٹھ چکی ہے، انصاف اور ظلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں رہی اور ہر پہلو سے ہمارا معاشرہ اتنا داغدار اور گندہ ہو چکا ہے اور اس قدر زخمی ہو چکا ہے کہ وہ خواہ ان دکھوں کو محسوس کریں نہ کریں دیکھنے والے

جانتے ہیں کہ یہ زخم دراصل موت کی طرف لے جانے والے زخم ہیں، ایسے زخم ہیں جن میں سے بہت سے ناسور بن چکے ہیں، ایسے ہیں جو کینسر کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان سے بچنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ ان لوگوں کی اصلاح کے لئے جماعت احمدیہ کو قائم فرمایا گیا ہے۔ اگر اُن ہتھیاروں سے لیس ہو جائیں جن ہتھیاروں کا قرآن کریم نے یہاں ذکر فرمایا ہے تو پھر جدوجہد کا آغاز ہوگا اور وہ آغاز کیسے ہوگا؟ فرمایا فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اے کاش! تم سے پہلی قوموں کو یہ عقل آ گئی ہوتی کہ وہ بات سمجھ جاتے کہ جب معاشرہ چاروں طرف بیمار ہو چکا ہو اور دن بدن موت کی طرف آگے بڑھ رہا ہو تو ان کو بچانے والے ہلاکت کے گڑھوں سے واپس بلانے والے، ایسے آواز دینے والے ہونے چاہئیں جو بار بار اُن کو متنبہ کریں اور کہیں کہ تم ہلاکت کی طرف جا رہے ہو واپس آؤ۔ ان آواز دینے والوں کی صفات کیا ہیں، وہ پہلے بیان ہو چکیں۔ وہ صبر کرنے والے ہیں، وہ احسان کرنے والے ہیں، احسان کے ہر معنے میں وہ احسان کرنے والے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو خدا کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادتیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ ان کی راتیں روشن ہو جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور پیار کا تعلق باندھ لیتے ہیں اور خدا اُن کا قبلہ بن جاتا ہے۔ ایسا قبلہ جو قبلے کی طرف کہیں نہیں بلکہ سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ اگر وہ اُسے دیکھ نہیں سکتے تو وہ انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن کریم نے اُولُوْا بَقِيَّةٍ فرمایا صاحب عقل لوگ یہ ہیں اور یہ لوگ لازماً پھر معاشرے کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں یہ خاموش رہ ہی نہیں سکتے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان مراتب کو حاصل کر چکے ہوں اور معاشرے سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو جائیں۔ لازماً وہ خدا کی طرف بلانے والے بنتے ہیں اور خدا کی طرف بلانے کے لئے پہلا قدم بدیوں سے روکنا ہے، برائیوں سے معاشرے کو پاک کرنے کی کوشش کرنا، فرمایا اگر وہ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ سے لوگوں کو روکتے تو سوائے ان تھوڑے سے لوگوں کے جن پر اللہ نے احسان فرمایا، قومیں اس بدانجام کو نہ پہنچتیں۔

اب یہ وہ ایک ایسی آیت ہے جو ہمارے اور ہمارے دشمن مولویوں میں نمایاں تفریق اور تمیز کرنے والی آیت ہے۔ وہ دین کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن برائیوں کے خلاف کوئی جہاد نہیں کرتے۔ ان کا اگر جہاد ہے تو گھوم پھر کر بالآخر احمدیوں پر ظلم کرنا اُن کے جہاد کا نام ہے اور

قرآن کریم فرماتا ہے کہ جہاد ظلم کے خلاف ہونا چاہئے نہ کہ ظلم کے ذریعہ تو کیا اُن کی سچائی ہے؟ کیا ان میں حقیقت ہے؟ وہ احمدی جو بعض دفعہ ان لوگوں کے چکر میں آ کر کمزوری دکھاتے ہیں میں ان کی عقل پر حیران ہوتا ہوں کہ اتنی کھلی کھلی تمیز اللہ تعالیٰ نے دکھا دی ہے۔ ایسا واضح فرق کر دیا ہے کہ گویا احمدیت کو فرقان عطا فرما دیا ہے اور پھر بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سچے ہیں کہ وہ سچے ہیں۔ قرآن کریم کی ان آیات کی کسوٹی پر اُن کو پرکھ کر دیکھیں تو کسی میں اگر معمولی سی بھی عقل ہو تو اُسے دور کا بھی یہ واہمہ نہیں ہوگا کہ احمدیت کا مُعاندِ ملاں سچا ہو سکتا ہے۔ اس کی ساری زندگی ظلم کی تعلیم دینے پر وقف ہو چکی ہے اور وہ ظلم جس کو خدا تعالیٰ ظالم قرار دیتا ہے دنیا کی عیش پرستی اور اس کی لذتوں میں کھو جانا اور اس کے نتیجہ میں بنی نوع انسان سے ناانصافی کا سلوک کرنا، معاشرے میں ہر قسم کی بدی کا پیدا ہو جانا اس ظلم کے خلاف ان کے تمام احساسات یوں ہیں گویا مر چکے ہیں۔

میں نے پہلے بھی ایک دفعہ پاکستان کے علماء کو نصیحتاً یہ بات کہی تھی اگر چہ میں جانتا ہوں کہ وہ نصیحت کو سننے والے نہیں مگر خواہ کوئی سنے یا نہ سنے نصیحت کرنا تو ہمارا فرض ہے اور قرآن کریم کی یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ نصیحت کرو۔ میں نے اُن سے کہا کہ کچھ دیر کے لئے تم احمدیت کا پیچھا چھوڑو اور اسلام کو بچانے کی کوشش کرو۔ گلی گلی میں، گھر گھر میں اسلام مر رہا ہے اسلامی اقدار مر رہی ہیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ کو نقصان پہنچ رہا ہے اور اسلامی معاشرے سے یہ سنت غائب ہو رہی ہے۔ اس پر تمہارا دل کیوں نہیں روتا، اس پر تمہاری جان کیوں نہیں نکلتی، اس پر تمہاری راتوں کی نیند کیوں حرام نہیں ہو جاتی۔ تم اُٹھو اور یہ عظیم جہاد کرو۔ ملک کی گلی گلی، شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، بستی بستی میں اور مسلمانوں کو جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو بتاؤ اور دکھاؤ کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے کتنا دور جا چکے ہیں اور کتنا دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آج پاکستان کے کسی شہر میں نمونۃً ہزار، پندرہ سو، دو ہزار آدمی منتخب کریں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی کسوٹی پر اُن کو پرکھنے کی کوشش کریں وہ پرکھنے کی کوشش ہی گستاخی رسول معلوم ہوگی۔ یعنی مثال کے طور پر وہ لوگ جو سندھ میں ڈاکے ڈال رہے ہیں اور اغوا کر رہے ہیں اور جس طرح گلی گلی میں ظلم اور سفاکی سے کام لیا جا رہا ہے، بے حیائی عام ہو رہی ہے، زندگی کا مقصد گندے گانے سننا ہی ہے اس کے سوا کچھ باقی رہا ہی نہیں یا گندی فلمیں

میسر آ جائیں تو عیش و عشرت کی انتہا ہو جاتی ہے۔ ہر قسم کی برائیوں کی پیروی ہو رہی ہے، جھوٹ بولا جا رہا ہے، رشوت لی جا رہی ہے، دی جا رہی ہے، ان لوگوں میں سے نمونے چنیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی کسوٹی پر پرکھو تو جس کو آنحضورؐ سے محبت ہے اس کو اس پر بے انتہا غیرت محسوس ہوگی۔ وہ کہے گا ان کو پرکھوں، ان کی حیثیت کیا ہے؟ یہ تو میرے آقا پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی ہے کہ ان کی کسوٹی پر ان لوگوں کو پرکھ کر دیکھا جائے۔ یہ تو دکھائی دے رہے ہیں، نظر آ رہے ہیں کہ کن کے ہیں اور کن کے ہو چکے ہیں۔ یہ ملاّں کو نظر نہیں آ رہا۔ میں نے کہا! خدا کے لئے اگر تمہیں اسلام سے محبت ہے تو یہ کام کیوں نہیں کرتے۔ جو چند مسلمان رہ گئے ہیں اُن کو ہی غیر مسلم بنا کر اسلام کو تم نے پاک کرنا ہے جو غیر مسلم یعنی اپنے عمل کے ذریعہ غیر مسلم اسلام میں بھر گئے ہیں ان کی اصلاح کی طرف تمہیں کوئی توجہ نہیں ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ آپ ہی کا کام ہے۔ آپ وہ اُولُوْا بَقِيَّةٍ ہیں جو معدودِ چند ہیں اُس اُمت کے مقابل پر جو محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو رہی ہیں چند لیکن آپ کو خدا نے یہ عقل دی ہے۔ آپ کا یہ کام ہے کہ تمام دنیا کے معاشرے کو بدیوں سے پاک کرنے کے لئے اعلانِ جنگ کریں۔ یہ جہاد شروع کریں، ہر جگہ اپنے دفتر کے ماحول میں، اپنے کاروبار، اپنی دکان کے ماحول میں، اپنے تعلیمی ماحول میں، اپنے دوستوں کے تعلقات کے ماحول میں، جہاں بھی آپ جائیں وہاں بُرائیوں کے خلاف جہاد شروع کر دیں اور ہر قوم کی مخصوص بُرائیاں ہیں۔ پاکستان کی اپنی بُرائیاں ہیں، ہندوستان کی اپنی ہیں اور انگلستان کی اپنی ہیں، اور ضروری نہیں کہ ہندو پاکستان کے معاشرے چونکہ ملتے ہیں اس لئے ان کی بُرائیاں بھی ایک جیسی ہوں۔ ایک لطیفہ ہے لیکن اس میں برائیوں کا فرق کر کے دکھایا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک کتا پاکستان کا بارڈر کراس کر کے ہندوستان جا رہا تھا اور ایک کتا ہندوستان کا بارڈر کراس کر کے پاکستان آ رہا تھا۔ جو ہندوستان سے آ رہا تھا وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا، غریب بھوکا، فاقوں کا شکار اور جو پاکستان سے جا رہا تھا وہ بڑا مسٹنڈا، موٹا تازہ، اچھی خوراک سے پلا ہوا کتا تھا تو اس پاکستانی کتے نے ہندوستان والے کتے سے جب پوچھا کہ تم بارڈر کراس کر کے پاکستان کیوں آ رہے ہو۔ اُس نے کہا بھوکے مر گئے، نظر نہیں آ رہا تمہیں۔ میری شکل دیکھو، میری صورت دیکھو۔ فاقوں کا شکار ہوں پھر اُس نے کہا کہ میری بات تو قابل فہم ہے لیکن تم بتاؤ کہ تمہیں کیا

سوجھی ہے، تم کیوں ہندوستان جا رہے ہو تو اس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ پاکستان میں روٹی تو بہت ملتی ہے مگر بھونکنے نہیں دیتے۔ آزادی ضمیر ہی نہیں تو دیکھ لیں ہمسایہ ملک ہیں۔ ایک ہی قسم کا پس منظر ہے یہاں ایک بُرائی ہے وہاں دوسری بُرائی ہے۔ وہاں اور قسم کا جہاد ہے یہاں اور قسم کا جہاد ہے لیکن بنیادی طور پر جہاد اللہ کی خاطر ہونا چاہئے۔ خدا کی خاطر دنیا کے معاشروں کو کمزوریوں اور بُرائیوں سے پاک کرنے کے لئے آپ کو مامور فرمایا گیا ہے آپ اس پر قائم ہو جائیں۔ خدا آپ کی نسلوں کی حفاظت فرمائے گا، آئندہ نسلوں کی حفاظت فرمائے گا۔ آپ کا فیض اس صدی کے آخری کنارے تک پہنچے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

جہاد اکبر یعنی تربیت کے جہاد کا معیار بلند کریں

اصلاحی کمیٹیوں کے قیام کا اعلان

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم مئی ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیاتِ کریمہ تلاوت کیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ (ھود: ۱۱۸ تا ۱۲۱)

پھر فرمایا:۔

جن آیات کریمہ کی دو جمعہ پہلے تلاوت کی گئی تھی انہی کا مضمون جاری ہے آج جس آیت سے میں نے یہ مضمون شروع کیا ہے وہ ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ کہ خدا ہرگز ایسا نہیں کرتا کہ کسی بستی والوں کو بِظُلْمٍ ظلم کی رو سے ہلاک کر دے وَاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ جبکہ اس کے رہنے والے اصلاح میں مصروف ہوں۔ اَهْلُهَا کا ایک معنی تو ''عام رہنے والے'' ہے یہاں اَهْلُهَا سے مراد ہے وہ جو بستی کا حق ادا کرنے والے

لوگ ہیں جو اس بستی کے اہل ہیں اور وہ تھوڑی تعداد میں ہوا کرتے ہیں، قرآن کریم کی کسی آیت پر اگر صحیح غور کرنا ہو تو اس کے سیاق وسباق کے ساتھ اس آیت کو دیکھا جائے تو پھر اصل مضمون ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تمام آیات بتا رہی ہیں کہ بہت تھوڑے ہیں جو حق کو پانے والے ہیں، بہت تھوڑے ہیں جن کو نیکی کی توفیق ملتی ہے اور اکثر ایسے ہیں جو ضائع چلے جاتے ہیں۔ پس اَهْلُهَا سے ساری بستی کے اہل مراد نہیں ہیں بلکہ وہ جو بستی کے اہل کہلانے کا حق رکھتے ہیں اور انکی تعریف یہ ہے کہ وہ اصلاح میں مصروف رہتے ہیں۔

جہاں تک خدا تعالیٰ کی طرف ظلم کے منسوخ ہونے کا تعلق ہے یہ ظلم کے معانی کے اس طرح منافی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم منسوب ہو کیونکہ ظلم عدل کے فقدان کو کہتے ہیں اور اندھیروں کو کہتے ہیں۔ ہر قسم کی تاریکی ظلم کے تابع ہے ہر قسم کی ناانصافی ظلم کے تابع ہے۔ تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ جو نور کا منبع ہو اور جس سے عدل کے میزان نکلیں، جو عدل کے سلیقے دنیا کو سکھائے، جس کی ساری کائنات عدل کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنی رہے اس کی طرف ظلم منسوب ہو سکے۔ اس لئے جب بھی قوموں کی ہلاکت کے فیصلے کئے جاتے ہیں تو لازماً ان قوموں کی کمزوریوں کے نتیجہ میں، ان کی خرابیوں کے نتیجہ میں ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور جن کو بچایا جاتا ہے ان کو بھی عدل کے پیمانوں سے نہیں بلکہ رحم کے پیمانوں سے بچایا جاتا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو خوب اچھی طرح سے سمجھنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں جبکہ فرشتوں نے آپ کو حضرت لوطؑ کی قوم کی ہلاکت کی خبر دی۔ یہ خدا تعالیٰ سے آپ کی گفتگو اور مناجات کا ذکر ہے فرشتوں سے انہوں نے بحث کی اور مراد یہ تھی کہ خدا تعالیٰ تک یہ بات پہنچے اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے میں تبدیلی فرمائے۔ اس کا تفصیلی ذکر بائبل میں ملتا ہے۔ بارہا پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ کوشش تھی کہ خدا تعالیٰ چند نیکوں کے بدلے ساری قوم کو معاف فرما دے۔ چنانچہ فرشتوں سے لمبی بحث چلی ہے یہاں تک کہ آخر پر آ کر حضرت ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر وہاں دس نیک ہوں تب بھی خدا اس قوم کو ہلاک کر دے گا تو فرشتوں نے کہا دس نیک ہوں تب بھی ہلاک نہیں کرے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پھر اپنا ہاتھ اُٹھا لیا کہ ایسی بدنصیب قوم جہاں دس بھی نیک نہ ہوں ان کے لئے اسقدر بحث کرنا اور

مناجات کرنا بالکل بے فائدہ اور ناحق ہے۔ پس جہاں جہاں مُصۡلِحُوۡنَ کا ذکر ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری بستی اگر اصلاح کرنے والی ہو تو اس کو اللہ ہلاک نہیں کرتا لیکن ہرگز یہ مراد نہیں ہے۔ بستی میں جو اہلیت رکھنے والے لوگ ہیں (اہل سے مراد باشندے ہیں مگر اہل کا ایک اور معنی بھی ہے کہ جو اہل کہلانے کے مستحق ہیں) وہ گنتی کے چند افراد ہوں وہ اگر کوشش میں مصروف ہوں اور ان کی اتنی تعداد ہو کہ اس نتیجہ میں قوم کی زندگی کے امکانات پیدا ہو جائیں تو جب تک ان کی کوشش کا نتیجہ نہیں نکلتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کو موقع دیتا چلا جاتا ہے اور اس حالت میں قوم کو ہلاک نہیں کرتا کہ مُصۡلِحُوۡنَ اپنی کوششوں میں مصروف ہوں۔

پس اس آیت کو آپ دوبارہ دیکھیں تو آپ کو پتا لگے گا کہ وَاَهۡلُهَا مُصۡلِحُوۡنَ میں اصلاح کی ایک جاری کوشش کا ذکر ہے، وہ اصلاح میں مصروف لوگ ہیں جو اپنے کام میں لگے چلے جاتے ہیں اور حتی المقدور کوشش کرتے چلے جاتے ہیں جب تک ان کو پورا موقع عطا نہیں کر دیا جاتا جب تک ان کی کوششوں کا آخری نتیجہ نہیں نکلتا اس وقت تک قوم کو ہلاک نہیں کیا جاتا۔ آخری نتیجہ نکلنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان کی اصلاح کے نتیجہ میں کچھ لوگ اصلاح کے اثر کے نیچے اپنے آپ کو درست کرنے لگ جاتے ہیں، ان کے اعمال اچھے ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت شروع کر دیتے ہیں خواہ جزوی ہو خواہ کلی ہو نیکی کی بات کا نیک ردعمل دکھانا یہ نتیجہ ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ فوری طور پر ایمان لے آئیں ایمان لانے کا مسئلہ بعض دفعہ دیر میں طے ہوتا ہے۔ اگر اصلاح کی طرف کوئی توجہ شروع کر دے تو بالآخر لازماً وہ ایمان پر منتج ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو نیک باتوں کا مثبت جواب دینے لگتا ہے، شرافت کے ساتھ اور تقویٰ کے ساتھ نیک نصیحت کو قبول کرتا ہے وہ بالآخر ایمان دار بن جاتا ہے اور اس کا انجام نیکوں کے ساتھ ہوتا ہے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

؎ جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار (درثمین: ۱۳۷)

جس کے اندر نیکی کے آثار ہوں اس نے لازماً یہیں آ کر مرنا ہے، اس کو خدا تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا۔ پس وہ قومیں جن میں خرابیاں کثرت سے پھیل رہی ہوں اگر ان میں مصلحین پیدا ہو جائیں اور ان کی کوششوں کا نیک اثر ظاہر ہونا شروع ہو جائے تو ان قوموں کی آزمائش کو خدا تعالیٰ ان

معنوں میں لمبا کر دیتا ہے کہ مصلحین کو خوب موقع دیتا ہے اور قوم کو بھی خوب موقع دیتا ہے کہ صورتحال سے فائدہ اُٹھا کر اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کریں۔

پس کسی قوم کو بچانا ہو تو محض دُعائیں کام نہیں آئیں گی۔ دعاؤں کے ساتھ تدبیر کا ایک مضمون ہے جو ساتھ کے ساتھ چلتا ہے اور ضروری ہے کہ تدبیر کو اس کی انتہاء تک پہنچایا جائے۔ اس کے ساتھ پھر دُعاؤں کو بھی انتہاء تک پہنچایا جائے۔ یہ دونوں قوتیں ایسی ہیں جو مل کر یقیناً قوموں کی کایا پلٹ سکتی ہیں۔ یہ ایسی قوی طاقتیں ہیں کہ جس کے نتیجہ میں پھر قوموں کی تقدیریں بدلتی ہیں۔ مردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ حیرت انگیز روحانی انقلاب برپا ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ میں اس آیت کا زندہ نقشہ اس شان سے دکھائی دیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ نہ آئندہ کبھی نظر آسکتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے کوششوں کو انتہاء تک پہنچا دیا اور دعاؤں کو بھی انتہاء تک پہنچا دیا اس کے نتیجہ میں دیکھتے دیکھتے مردہ بستیاں زندہ ہونی شروع ہوئیں اور ساری قوم کی کایا پلٹ گئی اور حیرت انگیز روحانی انقلاب برپا ہوا جس کا اثر پھر صدیوں تک جاری رہا ہے۔ آج بھی اس کا فیض دنیا میں جاری وساری ہے اگر چہ اس شان کے ساتھ وہ فیض دکھائی نہیں دیتا۔ امت مسلمہ گر کر خواہ کسی بھی گراوٹ کے مقام تک پہنچ گئی ہو آنحضرت ﷺ کی تعلیم کی پیروی اور دعاؤں کی برکت سے اپنے مقابل پر دوسری امتوں کی نسبت ان کے دلوں میں کم شقاوت ہے۔ ان میں نیکی کا جو پانی ہے وہ بہت گہرا نیچے نہیں گیا۔ تھوڑا سا کھودنے سے پھوٹ پڑتا ہے اور بڑی بھاری تعداد ایسی ہے جو فطرتاً نیک ہے اور اس کے نتیجہ میں اگر ان پر کوشش کی جائے تو باقی قوموں کی نسبت ان پر کوشش کرنا زیادہ مفید ہے پس خصوصیت سے وہ احمدی جو پاکستان میں ہونے والے لمبے مظالم سے بہت دُکھی ہیں اور بعض دفعہ بددُعا کی طرف مائل ہوتے ہیں اور بعض دفعہ یہ فیصلے کر دیتے ہیں کہ بس یہ قوم گئی ان کو میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ اصلاح کی کوششوں کو انتہاء تک پہنچانا ضروری ہے اور جیسا کہ اس سے پہلے مضمون گزر چکا ہے یہ چیز صبر کے سوا ممکن نہیں ہے۔ صبر کا مطلب ہے کہ کسی موقع پر بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اپنے اوپر تکلیف لے لیں دوسرے کی تکلیف کی تمنا نہ کریں اور ظالم کے لئے بھی بددُعا میں جلدی نہ کریں۔ صبر کے ساتھ اگر وہ اصلاح کی کوشش کریں گے تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں بہت گہری خوبیاں موجود

ہیں۔ان کی بدیاں نسبتاً سطحی ہیں چنانچہ ہر بڑے ابتلاء کے وقت مسلمانوں کی خوبیاں بہت جلد چمک کر باہر نکلتی ہیں اور حیرت انگیز قربانیاں یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام پر کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں صرف مصیبت یہ ہے کہ ان کی لیڈرشپ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک لیڈرشپ نازل فرمائی حضرت امام مہدی اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور اسی بات کی علامت تھی کہ تمہارا بدن گندہ نہیں ہے اسی بدن پر نیا سر لگایا جائے گا اور وہ سر ہے جو خدا سے روشنی پائے گا اس لئے سر بدلنے کی ضرورت ہے بدن بدلنے کی ضرورت نہیں سر خود بخود اس بدن کی اصلاح کرلے گا جو اس کے ساتھ وابستہ ہو جائے لیکن جو بدن سر سے وابستہ نہ ہونا چاہے اس کا تو کوئی علاج نہیں۔

یہ مثال میں ضمناً اس لئے پیش کررہا ہوں کہ آپ اصلاح کی حکمتوں کو سمجھیں۔اللہ تعالیٰ نے امت محمدؐیہ میں مصلح بھیجا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بدن میں اصلاح کی صلاحیتیں موجود ہیں اور ان سے پوری طرح استفادہ کرنا چاہئے اور اس معاملہ میں صبر کا دامن نہیں چھوڑنا اور اُمید کا دامن نہیں چھوڑنا۔دعا کرتے چلے جائیں اور اصلاح کرتے چلے جائیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے نتیجہ میں اگر ایک قوم کی ظاہراً ہلاکت مقدر بھی ہو چکی ہو تو وہ ظاہری ہلاکت کی تقدیر تبدیل ہو جائے گی یہی حال دوسری دنیا کا ہے۔یہ مطلب نہیں کہ صرف مسلمانوں کو بچایا جائے گا مراد یہ ہے کہ جو بھی نیکی کی طرف قدم اُٹھانے کی کوشش کرے گا لبیک کہے گا اس کو بچایا جاسکتا ہے پس جس جس ملک میں کوئی احمدی موجود ہے اس کا اپنے ملک سے وفا کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں بھی اصلاح کی کوشش شروع کردے۔

کچھ عرصہ قبل میں نے اندرونی اصلاح کے لئے پاکستان میں کچھ اصلاحی کمیٹیاں بنائیں کچھ ہندوستان میں اصلاحی کمیٹیاں بنائیں اور مقصد یہ تھا کہ وہ نوجوان مرد ہوں یا عورتیں جو بُری تہذیب کے اثر سے ضائع ہو رہے ہیں، بد اثرات کو قبول کررہے ہیں۔کوئی Drug کا Addict ہو رہا ہے،کوئی کسی اور بُرائی میں مبتلا ہو رہا ہے۔جب سارا معاشرہ گندہ ہو تو اس معاشرے میں ڈوبے ہوئے کپڑے کا کلیۃً اس اثر سے الگ رہنا اور اس اثر کو ہمیشہ رد کرتے چلے جانا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے لئے بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے اور اندرونی طور پر ایک نظام ہونا چاہئے جو مقابلہ کرے۔ اس غرض سے میں نے اصلاحی کمیٹیاں بنائیں کہ وہ جماعت احمدیہ کے کمزوروں پر نظر رکھ کر پیشتر اس سے کہ وہ اثر کو قبول کرلیں آثار دیکھ کر ان کی اصلاح کی کوشش شروع کردیں۔اس سے پہلے غلطی سے

یہ رجحان پیدا ہو رہا تھا کہ جو شخص کسی بُرائی میں اتنا بڑھ جائے کہ اس کے خلاف آپریشن کا، جراحی کا فیصلہ کرنا پڑے اس کا معاملہ زیر نظر لایا جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ مجبوری ہوگئی ہے اب اس کو کاٹ کر پھینکا جائے۔ یہ بات اس آیت کے منافی ہے کاٹ کر پھینکنے کا عمل تو دراصل خدا کی طرف سے فیصلہ ہوتا ہے اور اس وقت ہوتا ہے جب خدا فیصلہ کرتا ہے کہ یہ قوم بگڑ کر ضائع ہو چکی ہے اس وقت دنیا کی کوئی طاقت اس عمل کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔ ہمارا کام مُصۡلِحُوۡنَ کا ہے۔یعنی یہ کوشش کرتے چلے جانا کہ کوئی بھی کاٹ کر نہ پھینکا جائے تو ہماری کوشش تو اس سے بہت پہلے شروع ہونی چاہئے بجائے اس کے کہ یہ انتظار کرتے رہیں کہ کوئی شخص بیماری کی انتہا تک پہنچ جائے تو کہا جائے کہ بس اب یہ گیا اب اس کو دفن کردو۔

ان کمیٹیوں سے متعلق میرا پروگرام یہ ہے کہ ساری دنیا میں ان کمیٹیوں کو رائج کرنا چاہئے انگلستان میں بھی، امریکہ میں بھی یورپ کے اور مشرق کے تمام ممالک میں بھی کیونکہ بیرونی اصلاح سے پہلے اندرونی اصلاح کی ضرورت ہے اگر اندرونی اصلاح کا معیار بلند ہو گا تو جماعت بیرونی اصلاح کے لائق ہو گی اگر اندرونی اصلاح کا معیار بلند نہیں ہو گا تو باہر سے بُرائیاں آپ کے اندر سرایت کرنے لگ جائیں گی بجائے اس کے کہ آپ دوسروں کی بُرائیاں دور کریں آپ ان کی بُرائیوں کا شکار ہو جائیں گے اس لئے میں مُصۡلِحُوۡنَ کا صرف یہ معانی نہیں سمجھتا کہ غیروں کی اصلاح کرو۔ مُصۡلِحُوۡنَ کا جو عمل ہے وہ دونوں صورتوں میں جاری وساری ہے دونوں ہی جہاد ہیں۔

تربیت کا جہاد بھی اور تبلیغ کا جہاد بھی اور تبلیغ کے جہاد کا معیار براہ راست تربیت کے جہاد کے معیار سے متعلق ہے۔ جتنا تربیت کا جہاد بلند معیار کا ہو گا اتنا ہی تبلیغ کا معیار ازخود بلند ہوتا چلا جائے گا اس لئے ہر ملک میں نظام جماعت کی طرف سے اور طرز کی اصلاحی کمیٹیاں بنی چاہئیں۔یعنی اس بات کا انتظار کرنے والی نہیں کہ جیسے مکڑی جالے میں بیٹھ کر انتظار کرتی ہے کہ کوئی بے وقوف مکھی پھنسے تو اس کے مارنے کا انتظام کیا جائے صرف ایسے بیماروں کو ان کی طرف منتقل نہ کیا جائے کہ جن کے متعلق فیصلہ ہو کہ ان کو اب کیا سزا دی جائے بلکہ کمیٹی کا فرض ہو کہ وہ یہ نظر رکھے کہ آثار کے لحاظ سے کس خاندان میں کمزوریاں آ رہی ہیں۔کن کی بچیاں بے پرواہ ہوتی چلی جارہی ہیں، کن کے لڑکے باہر کی طرف رُخ کر چکے ہیں اور جماعت سے محبت کی بجائے ان کا تعلق رفتہ رفتہ کٹ کر

غیروں سے محبت کی طرف منتقل ہو رہا ہے، ان لوگوں پر نظر رکھ کر ان کو پیار اور محبت سے واپس لانا بہت زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ جب معاملہ حد سے گزر جائے اور بدیاں کسی میں سرایت کر جائیں اس وقت ان بدیوں کو نوچ کر جسم سے باہر نکال پھینکنا بڑا مشکل ہے۔ تو اس آیت پر غور کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اب ضروری ہے کہ تمام دنیا میں جماعتیں اس غرض سے اصلاحی کمیٹیاں قائم کریں کہ جو بیماریوں کی پیش بندیاں کرنے والی ہوں۔

اس سلسلہ میں ایک مرکزی اصلاح کمیٹی ہر امیر کے تابع کام کرے گی اور ان کو اختیار ہے اور حق ہے کہ اپنے اپنے دائرے میں مجلس خدام الاحمدیہ، مجلس انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھائیں۔ وہ اگر مناسب سمجھیں تو بعض معاملات کو خدام کی معرفت طے کریں، بعض کو لجنات کی معرفت طے کریں بعض جگہ تینوں کو بیک وقت کوشش کرنی پڑے گی۔ ایک خاندان کا معاملہ ہے وہاں نیک اثر ڈالنے کے لئے خدام کو بھی حرکت دینی ہوگی، انصار کو بھی اور لجنات کو بھی اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر آپ یہ کام شروع کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ آپ کے حق میں ضرور پورا ہوگا کہ آپ کی وجہ سے قومیں بچائی جائیں گی۔ آپ کی وجہ سے اگر جماعتیں بچائی جائیں گی تو یہی جماعتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قوموں کو بچانے کی اہل قرار دی جائیں گی اور جب تک وَ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ کا عمل جاری ہے خدا تعالیٰ کے عذاب کی تقدیر نہیں اُترے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ فیصلہ اس رنگ میں ہو جائے کہ کوششیں انتہا تک پہنچ جائیں اور مقابل پر رد عمل بھی انتہاء تک پہنچ جائے اور پتھر کی طرح لوگ ہوں جو اثر کو قبول نہ کریں تو ایسی صورت میں پھر ہلاکت کی تقدیر کی راہ میں دنیا کی مصلحین کی کوئی جماعت حائل نہیں ہوسکتی۔ وہ تقدیر لازماً آتی ہے اور پھر مُصْلِحُوْنَ سے کیا سلوک ہوتا ہے؟ یہاں اھْلُهَا کا دوسرا معنی نمایاں طور پر اُبھر کر کارفرما ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ میں نے یہ ترجمہ کیا تھا کہ اھــــــل کا مطلب صرف رہنے والے نہیں بلکہ رہنے والے کہلانے کا حق رکھنے والے لوگ ہیں جو حقیقت میں اہلیت رکھتے ہیں کہ اس ملک کی طرف منسوب ہوں جن کے اندر زندگی کے آثار اور کردار موجود ہیں جو اہل ملک اور ملک کے باشندہ کہلانے کے مستحق لوگ ہیں۔ اس کے متعلق قرآن کریم سے پتا چلتا ہے دوسری آیت میں بہت کھل کر یہ مضمون آیا ہے کہ جب قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو وہ لوگ جو اس فیصلہ تک

مسلسل اصلاح میں مصروف رہتے ہیں ان کو ان جگہوں کو وارث بنا دیا جاتا ہے اور یہ مضمون قرآن کریم میں بارہا بہت کھل کر بیان ہوا ہے۔

پس اہلیت کا مضمون وراثت کے مضمون کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو بات بالکل کھل جاتی ہے آپ اصلاح میں مصروف رہیں دیانتداری اور تقویٰ کے ساتھ اپنی اصلاح بھی کریں اور ماحول کی اور غیروں کی اصلاح بھی کریں اور یہی اصلاحی کمیٹیاں نہیں تو کچھ اور اصلاحی کمیٹیاں پہلو بہ پہلو مقرر کی جائیں جو معاشرے کی بُرائیوں کے خلاف علم بلند کرنا شروع کر دیں۔ان میں لکھنے والے نوجوان اخبارات سے رابطے کریں، دانشوروں سے رابطے کریں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو اگر ہے، تو ان کو لکھا جائے پروگراموں میں شامل ہوں۔ایسے سیمینار مقرر کئے جائیں جن میں بُرائیوں کے خلاف مذہب کی تمیز کو نظر انداز کرتے ہوئے جہاد کا پروگرام شروع کیا جائے اور یہ جو جہاد ہے یہ ملکی سطح پر ہوگا اس میں لیڈر شپ احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہئے کیونکہ حقیقت میں احمدی ہی مفاد پرستی کے چھوٹے چھوٹے خیالات سے بالا ہو کر اصلاح کا کام کر سکتا ہے احمدی Racialism سے پاک ہے، تعصّبات سے پاک ہے، مذہبی تعصّبات سے پاک ہے ورنہ وہ آنحضور ﷺ کی طرف منسوب ہونے کا حق ہی نہیں رکھتا کیونکہ آنحضور ﷺ کی طرف منسوب ہونے کا حق وہی رکھتا ہے جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء: ۱۰۸) کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے اور عالمین میں کوئی تفریق ہی نہیں کی گئی۔کالوں کا عالم اور گوروں کا عالم شمالیوں کا عالم اور جنوبیوں کا عالم مشرق اور مغرب کے عالم میں کوئی فرق نہیں دکھایا گیا، مذہبی عالم کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔آنحضور ﷺ اسی طرح عالمین کے لئے رحمت ہیں جس طرح رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نے آپ کو اپنی ربوبیت کے تابع رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ قرار دیا ہے۔رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی ربوبیت جس طرح تمام عالموں پر یکساں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کی برابر تربیت فرماتا ہے اسی طرح رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا جو یہ لقب ہے۔یہ کوئی معمولی لقب نہیں ہے اپنی وسعت اور گہرائی میں اس سے بڑا لقب دنیا کے کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں ہوا۔

پس احمدی کے لئے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کے مضمون کو سمجھ کر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے تعلق جوڑنا چاہئے اور جب یہ تعلق قائم ہو جائے گا تو آپ کی نظر بہت بلند ہو جائے گی۔آپ کے حوصلے بہت وسیع ہو جائیں گے۔آپ Racialism کا شکار ہو ہی نہیں سکتے ناممکن ہے کہ آپ

کالوں اور گوروں اور سفیدوں اور سرخوں کی تفریق میں کسی قسم کی پارٹی بن سکیں آپ کے دل میں رحمت کا خیال موجزن رہے گا۔ ہر بنی نوع انسان کے دُکھ کو دور کرنے کا سچا جذبہ دل میں پیدا ہوگا۔ ہر ایک کا پیار دل میں پیدا ہوگا اور **رحمۃ للعالمین کے ساتھ انصاف کا گہرا تعلق ہے**۔ ایک عالمی انصاف کے بغیر کوئی شخص کسی کے لئے رحمت بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ ان دونوں مضمونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن اس تفصیل میں جانے کی نہ سر دست ضرورت ہے نہ موقع لیکن یاد رکھیں کہ بین الاقوامی تعلقات میں یا بین المذاہب تعلقات میں جس شخص کو انصاف نصیب نہ ہو وہ رحمت نہیں بن سکتا لازماً آپ کو وسیع پیمانے پر انصاف کے سلوک کی اہلیت پیدا کرنی ہوگی اس کے بعد آپ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بنائے جائیں گے اس سے پہلے نہیں اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کی آج دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ایسی صورت میں جب آپ مُصْلِحُوْنَ کا کردار ادا کرتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں حیرت انگیز انقلاب برپا ہوگا اور اس گُر کو سمجھنے کے بعد آپ کو سچے مصلح اور جھوٹے مصلح میں تفریق کی بھی سمجھ آجائے گی۔

قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ بہت سے مفسدین ہیں کہ جب ان کو کہا جائے کہ اصلاح کرو تو قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (البقرہ:۱۲) وہ کہتے ہیں ہم تو بڑے مصلح ہیں ہم تو اصلاح کرنے کی غرض سے قائم ہوئے ہیں فرمایا اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۳) خبردار یہی وہ مفسدین ہیں جن کا ہم ذکر کرتے چلے آرہے ہیں ان کے اندر فساد کی ساری باتیں موجود ہیں وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ لیکن بیوقوفوں کو شعور ہی نہیں ہے کہ وہ مفسد ہیں۔

میں نے جو دو باتیں آپ کے سامنے بیان کی ہیں یہ شعور پیدا کرنے والی باتیں ہیں۔ ان پر آپ غور کریں تو آپ کے اندر مفسد اور مصلح کی تفریق کا شعور پیدا ہو جائے گا۔ یہ وہی **مفسدین** ہیں جن پر آپ نظر ڈال کر دیکھ لیجئے کہ اصلاح کے نام پر ناانصافیاں کرتے ہیں۔ اصلاح کے دعوے کر کے اپنے مخالفوں سے جن کے خلاف انہوں نے کئی بہانوں سے جدوجہد کے آغاز کئے ہوتے ہیں ان سے جب بھی انصاف کا معاملہ آئے ناانصافی کا سلوک کرتے ہیں۔ یہ جماعت اسلامی دیکھ لیں **مصلحین** کا دعویٰ کرنے والے یہ **مصلحین** کی جماعت بنتی ہے۔ پاکستان میں جماعت احمدیہ

کے معاملہ میں جب بھی فیصلہ کا وقت آیا ان بدنصیبوں نے ہمیشہ ناانصافی سے کام لیا ہے۔ تقویٰ کو چھوڑ دیا، قرآن کے انصاف کے اصولوں کو چھوڑ دیا ان کے جج ہوں یا غیر جج ہوں جب بھی فیصلہ کا وقت آیا ہے انہوں نے احمدی سے ہمیشہ ناانصافی کی ہے تو ناانصافی بتاتی ہے کہ کون مفسد ہے۔ آزمائش کے وقت انصاف پر قائم ہو جانا اور بظاہر اپنے قریب کے خلاف فیصلہ دے دینا اور اپنے دور کے حق میں فیصلہ دے دینا یہ انصاف کا ایسا تقاضا ہے جس پر پورے اُترے بغیر کوئی شخص منصف نہیں کہلا سکتا اور جو منصف نہ ہو وہ رحمت نہیں بن سکتا وہ ہمیشہ زحمت بنے گا کیونکہ عدل اور انصاف کے فقدان کا نام زحمت ہے اور عدل اور انصاف کے قیام کے بعد رحمت پیدا ہوتی ہے۔

اس مضمون کو میں نے مختصراً بیان کیا ہے تا کہ آپ اس کو خوب سمجھ لیں اس کو سمجھنے کے بعد ہر احمدی کا دل یقین سے بھر جاتا ہے کہ وہ یقیناً مصلح ہے اور اس کے متعلق یہ اعلان نہیں کیا جا سکتا کہ وَلٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ کہ ہیں تو مفسد لیکن وہ سمجھتے نہیں کیونکہ جو انصاف پر قائم ہو اس کو خدا تعالیٰ رحمت کی خوبیاں بھی عطا فرماتا ہے اور ایسے شخص کو مفسد کہا ہی نہیں جا سکتا یہ عقل کے خلاف بات ہے۔

پس ان معنوں میں آپ اصلاح کی کوشش کریں۔ اول تقاضا انصاف کا ہے، انصاف پر قائم ہوں پھر آپ کے اندر مصلح بننے کی صلاحیت پیدا ہوگی اور مصلح بنیں تو پہلے اپنوں کی طرف توجہ کریں کیونکہ جنہوں نے دنیا کی اصلاح کرنی ہے جب تک وہ اندرونی اصلاح نہ کریں وہ غیر کی اصلاح نہیں کر سکتے اور اصلاح کے وقت فساد کے بڑھنے کا انتظار نہ کریں بلکہ آثار سے پہچانیں کہ کہاں کہاں فساد کے احتمالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان خاندانوں تک پہنچیں، ان نوجوانوں تک پہنچیں ان بڑوں تک پہنچیں اور پیشتر اس سے کہ ان کا قدم اتنا آگے نکل جائے کہ آپ بھاگ کر بھی ان کو پکڑ نہ سکیں ان تک پہنچیں اور پیار کے ساتھ گھیر کر اُن کو واپس لے آئیں اس کے ساتھ ساتھ آپ غیروں کی اصلاح کی طرف توجہ کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ آپ کے حق میں ضرور پورا ہوگا کہ آپ کے فیض سے قومیں بچائی جائیں گی اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ اگر قومیں بچتی ہیں تو ان کا کریڈٹ کس کو جاتا ہے۔ دنیا میں جو تاریخ بن رہی ہے یہ دو طرح سے بن رہی ہے ایک تاریخ مہروں کی تاریخ ہے ایک پس پردہ ہاتھ کی تحریر ہے جو مہریں چلا رہا ہے اگر آپ مذہبی دنیا سے تاریخ کا مطالعہ کریں تو بالکل اور قسم کی تاریخ اُبھرتی ہے۔ قرآن کریم نے جب یہ فرمایا کہ ہم نے عہد کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ جو سچے

لوگ ہیں، جو مصلحین ہیں وہ خواہ تھوڑے بھی ہوں ان کو زمین کا وارث کیا جائے گا۔ اس نقطہ نگاہ سے جب آپ تاریخ کو دیکھیں تو وہ تاریخ جو دنیا کے نقطہ نگاہ سے مورخین کی لکھی ہوئی تحریر ہے اسے آپ بالکل مختلف پائیں گے اور زمین و آسمان کا فرق ان دونوں تاریخوں میں نظر آئے گا۔ ایک تاریخ کے علمی ثبوت آپ کے پاس نہ بھی ہوں مگر سارا عالم واقعاتی طور پر اس کے حق میں گواہی دے رہا ہے اور ایک تاریخ لکھنے والے ہیں جو ان حقائق کو کلیۃً نظر انداز کر کے ایک اور قسم کی تاریخ لکھتے ہیں اب مثال کے طور پر دیکھیں کہ جب آپ مصر کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے چوٹی کے علماء، مؤرخین نے بڑی محنت کر کے بہت کھوج لگا کر مصر کی تاریخ کو محفوظ کیا ہے اور مختلف زاویوں سے اس کا جائزہ لیا ہے اس تاریخ کے بنانے میں جو عوامل کارفرما تھے ان کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، اس کے جو نتائج نکلے ہیں ان کا مطالعہ کیا ہے، آپ یہ سارا کچھ پڑھ کر دیکھ لیں آپ کو بنی اسرائیل اور یہود کا اس تاریخ میں کوئی کردار دکھائی نہیں دے گا۔ کہیں اشارۃً وہم کے طور پر مؤرخ لکھ دے گا کہ سُنا ہے کہ موسیٰؑ بھی اس زمانہ میں ہوا کرتا تھا سُنا ہے بنی اسرائیل بھی رہتے تھے، یہود بھی تھے لیکن ہمارے پاس کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ فرعون ڈوبا بھی تھا کہ نہیں اور اس کے ساتھ کیا بنا؟ اور یہ بھی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ موسیٰؑ کس زمانے میں گزرا تھا اور پھر بعض مورخین لکھیں گے کہ یہ بھی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ موسیٰؑ تھا بھی کہ نہیں تھا اور قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ ہم نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے اور ہمیشہ سے یہی فیصلہ کارفرما ہوتا چلا آیا ہے کہ جو خدا کے نزدیک سچے رہنے کی اہلیت رکھتے ہیں اللہ ان کو وارث بنائے گا۔

اب آپ مڑ کر دیکھیں کہ مصر اور اس کا سارا علاقہ کن لوگوں کے قبضہ میں دیا گیا۔ بالآخر یہود تو موجود ہیں جو بطور وارث بڑے بڑے علاقوں میں حکومتیں کرتے رہے اور آج تک چلے آرہے ہیں لیکن فرعونیوں اور مصریوں کے دیگر ایسے طبقات جو اس وقت مصر کی سلطنت پر قابض تھے جن کا ذکر مؤرخ بڑی عزت اور احترام کے ساتھ کرتا ہے ان کے دبدبے بھی چلے گئے ان کی شوکتیں بھی مٹ گئیں وہ زیر زمین دفن ہو گئے۔ وارث کون ہے؟ وارث یہود ہیں پھر عیسائیوں کو دیکھ لیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ کے زمانہ کا مطالعہ کریں تو اکثر تاریخوں میں آپ کو عیسائیت کا کہیں نشان بھی نہیں ملے گا۔ صلیب کے واقعہ کو گزرے ۳۴ سال ہو جاتے ہیں تو پہلی مرتبہ کہیں تاریخ

میں آپ کو حضرت عیسیٰؑ کا معمولی سا ذکر نظر آتا ہے اور مؤرخ جب اس زمانہ کی تاریخ لکھتا ہے تو اس کو عیسائیوں کا کوئی خاص کردار دکھائی نہیں دیتا۔ سینکڑوں سال کے بعد وہ اس لائق ہوتے ہیں کہ ان کو تاریخ کا حصہ بنایا جائے لیکن قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ یہی لوگ وارث ہوں گے۔

پس وہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو بالکل بے طاقت اور نہتے تھے اور اپنے دشمنوں کے مقابل پر کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے چند ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر گئے لیکن اب دیکھیں کہ عیسائیت ساری دنیا میں کتنے وسیع علاقوں کی وارث بنائی گئی ہے۔ تو یہ جو وراثت کا مضمون ہے یہ بہت گہرا ہے اور بہت سچا ہے حضرت کرشنؑ اور حضرت رام چندرؑ کے ماننے والے ہندوستان کے وارث بنا دیئے گئے، حضرت زرتشتؑ کے ماننے والے فارس کے وارث بنا دئے گئے۔ حضرت کنفیوشسؑ کے ماننے والے چین کے وارث اور دوسرے مشرقی ممالک کے وارث بنائے گئے۔ تو اگر وراثت کے نقطہ نگاہ سے آپ تاریخ پر نظر ڈالیں تو وہی لوگ وارث ہیں جو اپنے زمانہ میں اس لائق ہی نہیں سمجھے جاتے تھے کہ تاریخ ان کا ذکر کرے اور اگر کرتی تھی تو بہت ہی حقارت کے ساتھ بالکل معمولی سا ذکر کہ سنا ہے کنفیوشس بھی ایک بادشاہ کے سہارے ہوتا تھا اس کے دربار سے لٹکا ہوا ایک شخص تھا یا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے جن کا یہ ذکر چلتا ہے۔ قرآن کی تاریخ دیکھیں کتنی سچی اور کتنی قطعی ہے۔ اس کی زندہ شہادت ہے سارا عالم اس بات کا گواہ ہے کہ وراثت نیکوں اور کمزوروں کو عطا کی جاتی ہے۔ پس مُصۡلِحُوۡنَ کے ساتھ وراثت کا تعلق ہے اگر آپ نے اس دنیا کا وارث بننا ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ کی تقدیر نے آپ کو وارث بنانے کے لئے کھڑا کیا ہے تو آپ کو لازماً مصلح ہونا پڑے گا اور مصلح ہونے کے لئے پہلے اندرونی اصلاح کرنی ہوگی اور پہلے سے مراد ہے کہ اولیت اس کو دینی ہوگی ورنہ دوسرے درجہ پر ساتھ ہی ساتھ باقی دنیا کی اصلاح کے لئے بھی آپ اُٹھ کھڑے ہوں۔ دعوت الی اللہ میں مصروف ہوں اور اپنے بچوں اور بڑوں کی تربیت میں مصروف ہوں۔ تو دیکھیں خدا کی تقدیر کس طرح آپ کے لئے عظیم الشان کام دکھائے گی۔ آج اگر کوئی احمدی یہ دعویٰ کرے کہ آئندہ وہ دنیا کا وارث ہوگا اور مستقبل اس کے ہاتھوں میں دیا گیا ہے تو ساری دنیا اسے پاگل سمجھے گی کہ یہ کتنے بے وقوف لوگ ہیں کتنے جاہل ہیں۔ ان کی کسی ملک میں بھی کوئی حیثیت نہیں اور مستقبل کا مالک بننے کا دعویٰ کرتے ہیں ایک دفعہ ایک Correspondent نے مجھ سے یہ سوال شروع کئے اور وہ اسی

طرح مجھے دیکھ رہا تھا جیسے عجیب بے وقوفوں والی باتیں کر رہے ہیں کہ جی! ہم دنیا کے آئندہ مالک ہیں ہم دنیا کا مستقبل ہیں۔ میں نے کہا تمہیں بات سمجھ نہیں آئے گی تم عیسائی ہو تم پہلے حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں واپس جاؤ وہاں جا کر دیکھو کہ حضرت عیسیٰؑ کا دعویٰ ہمارے دعویٰ کے مقابل پر کتنا مضحکہ خیز دکھائی دیتا تھا۔ ہم نے تو ایک سو سال میں اتنی عظیم الشان ترقی کی ہے کہ ۱۲۶ ممالک میں پھیل گئے ہیں۔ عیسائیت کا ایک سو سال کے بعد کیا حال تھا۔ واپس مڑو۔ وہاں جا کر دیکھو اور پھر غور کرو اور پھر بیشک اُس زمانہ میں تمسخر آمیز مضامین لکھو کہ یہ پاگل، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اپنے ملک سے نکالے گئے کسی ملک میں بھی ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے، کوئی سیاسی حیثیت نہیں ہے، کوئی معاشرتی اور علمی حیثیت نہیں ہے کوئی اقتصادی حیثیت نہیں ہے بالکل معمولی معمولی تعداد میں چند جماعتیں ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ دنیا کے وارث بنائے جائیں گے۔ میں نے کہا کہ واپس جاؤ اور وہاں بیٹھ کر پھر دوبارہ یہ مضمون لکھو کہ عیسائی کتنے بے وقوف لوگ ہیں پہلے سو سال کے اندر جب کوئی رومن بادشاہ چاہتا تھا ان کو اپنے گھروں کے اندر زندہ جلا دیا کرتا تھا اور جب چاہتا تھا ان کو پکڑ کر عدالتوں میں پیش کرتا تھا اور پھر عدالتوں سے یہ فیصلے ہوتے تھے کہ جانوروں کے سامنے ان کو پھینکا جائے اور بھوکے جانور ان کو پھاڑ کھائیں۔ ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کریں، بھنبھوڑیں اور ساری دنیا جو تماشا دیکھنے والی ہو وہ ہنسے اور مذاق اُڑائے یہ ان کی طاقت تھی۔ میں نے کہا اس وقت پر مضمون لکھو کہ یہ پاگل کے بچے، ان کی حیثیت کیا ہے۔ جانوروں کو زندہ کھلائے جاتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ساری دنیا کے وارث بنائے جائیں گے اور آج واپس آ کر پھر دیکھو تو دنیا کی کونسی طاقت ہے جہاں یہ وارث نہیں بنائے گئے۔ یہ قرآن کریم کی سچائی کا اعلان ہے اور تاریخ کا ایک مختلف منظر ہے جس کو قرآن کریم نے ایک خاص زاویے سے پیش فرمایا ہے اور اس کا تعلق اصلاح سے ہے۔

پس آپ مُصۡلِحُوۡنَ ہو جائیں اور وراثت کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں، اس خدا پر چھوڑ دیں وہ خدا جس نے ہمیشہ مُصۡلِحُوۡنَ کو وارث بنایا ہے اور بناتا چلا آیا ہے اور کبھی اس میں فرق نہیں کیا وہ ضرور آپ کو اس زمین کا وارث بنائے گا اور اس لئے بھی وارث بنائے گا کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ لازماً اسلام کو آخر اس تمام زمین کا وارث بنایا جائے گا۔ آپؐ کے طفیل ایسا

ہوگا لیکن وہ صفات اپنے اندر پیدا کرنی ہوں گی جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور قرآن کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یاد رکھیں کہ مُصْلِحُوْنَ اپنے زور سے اصلاح نہیں کر سکتے۔ اور اصلاح میں ناکام بھی رہیں تب بھی وہی جیتتے ہیں اور مُصْلِحُوْنَ اس لئے کامیاب قرار نہیں دیئے جاتے کہ ان کے اندر حقیقۃً اصلاح کی صلاحیتیں پوری طرح پیدا ہو چکی ہوتی ہیں۔ مُصْلِحُوْنَ تو بعض دفعہ خود اپنی اصلاح بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی موت کا حکم آجاتا ہے اور وہ خدا کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان کی بخشش کا تعلق رحم سے ہے ان کی بخشش کا تعلق اصلاح میں کامیابی سے نہیں ہے۔ چنانچہ وہ قومیں جو اصلاح میں مصروف ہوں اگر اس حالت میں مریں کہ خود ان کے اندر برائیاں موجود رہیں تو ان کو بھی خدا تعالیٰ بخش دیتا ہے اور رحم کے نتیجہ میں بخشا ہے اور اس میں ایک انصاف بھی پایا جاتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دستور بنالیا ہے کہ جو لوگ نیکی کی کوشش شروع کر دیں اگر نیکی میں کامیاب ہونے سے پہلے مارے جائیں گے تو میں انہیں بخشوں گا۔ رحم سے یقیناً تعلق ہے لیکن ایک بہت باریک اور پاکیزہ انصاف سے بھی اس کا تعلق ہے کیونکہ عمر کا فیصلہ کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ ایسا شخص جو نیکی کی کوشش شروع کر دیتا ہے اگر وہ مرجاتا ہے تو نہایت لطیف انصاف کی رو سے اگر دیکھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ نہیں پتا کہ آخری نتیجہ کیا نکلتا تھا لیکن تو جانتا ہے کہ جب میں مرا ہوں تو اندرونی طور پر بھی اور بیرونی طور پر بھی اصلاح کی کوشش کر رہا تھا اس لئے خدا تعالیٰ کے نہایت اعلیٰ اور لطیف انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر رحم فرمائے اور اس کے اندھیرے مستقبل کا سوال نہ اُٹھائے وہ جانتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو کیا بن جاتا لیکن جس حالت پر موت دی ہے اس حالت کو مستقبل میں لمبا کر دے۔

یہی وہ مضمون ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے اس مثال میں بیان فرمایا کہ ایک بد، بدشہر سے ہجرت کر کے نیکوں کے شہر کی طرف اس نیت سے روانہ ہوا تھا کہ ان کی صحبت میں رہ کر اسکی اصلاح ہو جائے۔ ساری بدیاں اس کے جسم کے ساتھ چمٹی ہوئی تھیں رستے میں اُس کو موت آجاتی ہے اور مرتا اس حالت میں ہے کہ زمین پر گھسٹتا ہوا (آنحضور ﷺ نے یہ نقشہ کھینچا ہے) کہنیوں کے بل، گھٹنوں کے بل کوشش کر رہا ہے کہ کسی طرح میں اس شہر کے قریب ہو کر جان دوں۔ (مسلم کتاب التوبہ حدیث نمبر: ۴۹۲۷) وہ

حدیث آپ نے بارہا سُنی ہے کتنی عظیم اور حیرت انگیز لطیف مضمون پر مشتمل ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے حق میں فیصلہ کرے گا اور خواہ اس کی موت بدوں کے شہر کے قریب ہو خدا ایسا انتظام کرے گا کہ جب فرشتے فاصلہ ناپیں (یہ ایک تمثیل ہے) تو وہ فاصلہ جو نیکوں کے شہر کی طرف ہے چھوٹا کر دیا جائے گا اور جو بدوں کے شہر کی طرف ہے اُسے لمبا کر دیا جائے گا تا کہ اس شخص کی موت نیکی کے قریب شمار ہو۔ یہ رحم کا مضمون ہے اور کوشش میں جان دینا یہ انصاف کا مضمون ہے۔ تو انصاف کا رحم کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اس لئے میں نے آپ کو کہا کہ منصف بنیں گے تو مصلح بنیں گے اور منصف بنیں گے تو رحم کے لائق قرار دیئے جائیں گے۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ آگے بڑھا کر اور کھول کر اس کا تعلق رحم سے باندھتا ہے تو آپ مصلح بنیں اور مصلح بننے کی کوشش میں اگر جان جاتی ہے تو کسی خوف کی ضرورت نہیں۔ اللہ بہت رحم کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ انصاف آپ کے لئے رحم میں تبدیل ہو جائے گا لیکن آپ کے متعلق خدا تعالیٰ نے یہ بھی ایک خبر دی ہے کہ کوشش فرض ہے اس کا نتیجہ نکلنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ نتیجہ نکلنے کا ایک تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے اور ایک تعلق لوگوں سے ہے اور خدا کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سابق میں جن لوگوں نے کبھی بھی انکار پر ضد کی ہے ان کی زبردستی اصلاح نہیں کی اس لئے کوششیں خواہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہوں، کتنی ہی زیادہ دعائیں اس کے ساتھ کیوں نہ ہوں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ: ۱۲۵) کا مضمون ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنی بات پر مصر ہوں ان کی تقدیر نہ کسی کی دُعاؤں سے بدلتی ہے نہ اصلاحی کوششوں سے۔ تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، اُسے اختیار ہے۔ قدرت ہے تو تمام بنی نوع انسان کو نیکی پر اکٹھا کر دیتا اور ایک جان بنا دیتا، ایک اُمت بنا دیتا۔ وَ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے کیوں؟ اس لئے کہ خدا تعالیٰ زبردستی کسی کی اصلاح نہیں کرتا اور ٹیڑھے لوگ پھر اپنی کجی پر مصر ہو جایا کرتے ہیں تو **مصلحین** بظاہر ناکام ہوتے ہیں لیکن جن معنوں میں اب میں نے تفصیل بیان کی ہے فی الحقیقت وہ ناکام نہیں ہوا کرتے کیونکہ پھر وہ زمین کے وارث بنائے جاتے ہیں۔ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ سوائے ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے۔ یہاں وہی مُصْلِحُوْنَ مراد ہیں جن کے

متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ وہ رحم کے نتیجہ میں بچائے جاتے ہیں ورنہ ان کی کوششیں حقیقت میں بنیادی طور پر اتنی اہلیت نہیں رکھتیں کہ ساری دنیا کو تبدیل کرسکیں، نہ بیچاری تبدیل کرسکتی ہیں لیکن کوشش بڑی مخلصانہ ہوتی ہے پھر اندرونی کمزوریاں بھی رہ جاتی ہیں۔ اگر کمزوریوں پر نظر کر کے اللہ پکڑنا چاہے تو ہم میں سے کوئی بھی بخشا نہیں جاسکتا۔ تو رحم کا انصاف سے یہ گہرا تعلق ہے۔ تم کوشش شروع کردو۔ دیانت داری سے کوشش شروع کرو پھر جس حالت میں بھی موت آئے گی اللہ تعالیٰ تمہیں نیکوں میں شمار کردے گا۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ کا یہ معنی ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ رحم فرمائے اور خدا کے رحم کا انصاف سے تعلق ہے۔ ناانصافی سے تعلق نہیں ہے۔ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ اللہ نے اسی لئے پیدا کیا تھا کہ ان کے لئے مواقع مہیا کردے کہ خدا کا رحم ان کو نصیب ہو جائے اور وہ بچائے جائیں لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ بہت تھوڑے ہیں جو خدا تعالیٰ کے رحم کا فیض پانے والے بنتے ہیں۔ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ اور یقیناً خدا کا یہ فیصلہ اپنے کمال کو پہنچا اور رونما ہو گیا کہ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ کہ میں ضرور جہنم کو جنات یعنی بڑے لوگوں سے وَالنَّاسِ اور عوام الناس سے بھر دوں گا۔

جو مضمون بیان ہو رہا ہے اسی کی روشنی میں اس آیت کی سمجھ آجاتی ہے ورنہ یہ آیت بہت الجھنیں پیدا کرنے والی نظر آتی ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس لئے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور بنی نوع انسان کو پیدا فرمایا تا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ان کے سوا نہیں بچائے جاتے جن پر خدا رحم کر دیتا ہے اور فرمایا کہ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ اس رحم کی خاطر، اس بچائے جانے کی خاطر ان کو پیدا فرمایا ہے اور ساتھ ہی کہہ رہا ہے کہ ہم نے عہد کر لیا تھا کہ جہنم کو چھوٹوں بڑوں سے بھر دیں گے تو جب عہد کر دیا تھا تو پھر رحم کا کیا سوال باقی رہتا ہے؟ لیکن وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ اور وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ کو اکٹھا پڑھیں تو مضمون سمجھ میں آجاتا ہے۔

اس سے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ زبردستی کسی کو تبدیل نہیں کرتا اور چونکہ وہ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ (الانعام:۷۴) ہے اس لئے وہ جانتا تھا کہ اکثر لوگ رحم سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے۔ اکثر

لوگوں کی خاطر بہت نیک بندے اپنی جان کھپائیں گے، اپنی ساری طاقتیں ان کی اصلاح کے لئے صرف کر رہے ہوں گے۔ وہ آرام سے سو رہے ہوں گے تو وہ راتوں کو اٹھ کر ان کے لئے دعائیں کر رہے ہوں گے وہ ان پر ظلم کر رہے ہوں گے لیکن وہ خدا تعالیٰ سے ان کے لئے رحم کی بھیک مانگ رہے ہوں گے۔

یہ ساری کوششیں بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحم کے لئے پیدا کیا تھا۔ خدا کی تقدیر، اس کی رحمت کی تقدیر ان پاک بندوں کی صورت میں ان بدنصیب لوگوں کو بچانے کے لئے پوری کوشش کرتی ہے۔ دنیا کی ہر تدبیر وہ اختیار کرتے ہیں اور عقل کے ذریعہ، دلائل کے ذریعہ، تاریخی، علمی، عقلی، نقلی دلائل کے ذریعہ ان پر بات خوب روشن کر دیتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو سمجھ جاتے ہیں کہ ہاں یہی سچا رستہ ہے۔ پھر ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں پھر ان کے ساتھ ماریں کھاتے ہیں اور ان کو بچانے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ ان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ان کے لئے وہ غمناک ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی کسی غیر کے دکھوں میں اجیرن بن جاتی ہے۔

یہ باتیں ہیں جن کے لئے خدا نے پیدا کیا تھا یعنی اپنی طرف سے خدا کی جماعت ہر کوشش کر دیتی ہے پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ نہیں مانیں گے تو زبردستی نہیں بچایا جائے گا۔ اگر اللہ چاہتا تو اکٹھا کر دیتا لیکن پھر کائنات کا منصوبہ بے معنی ہو جاتا ہے کہ زبردستی کسی کو بچایا جائے اور زبردستی کسی کو ہلاک کیا جائے۔ اگر ہلاکت میں زبردستی کا مضمون اطلاق نہیں پاتا تو بچانے پر بھی زبردستی کا مضمون اطلاق نہیں پائے گا۔ پس وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی بات سچی نکلی کہ ان بدنصیبوں نے ان کوششوں کے باوجود بھی ان سے استفادہ نہیں کرنا تھا اور ان میں سے بھاری تعداد ایسی تھی جس نے ضائع ہو جانا تھا اور ہدایت کا موقع پاتے ہوئے بھی ہدایت سے بدنصیب رہنا تھا لیکن اس مضمون کو سمجھنے کے بعد پھر بھی مایوسی کا کوئی سوال نہیں ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے جس کثرت سے بنی نوع انسان کا بچایا جانا مقدر ہے اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی پس ہمیں لازماً بنی نوع انسان کو بچانے کی کوشش کرنی چاہئے اور دعائیں کرتے رہنا چاہئے اور پھر اس بات کو خدا پر چھوڑ دینا چاہئے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ کا مضمون تو بہر حال ظاہر ہوگا لیکن وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ کا مضمون بھی لازماً صادر ہوگا اور ظالموں کی صف

لپیٹی جائے گی اور ان ظالموں کے پیچھے ان کے ایسے وارث پیدا ہوں گے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک زندہ رہنے کی اور بنی نوع انسان کی راہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ زمین ان کے سپرد کی جائے گی اور یہ وارث آئندہ دنیا میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے سچے غلاموں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ آپ کو خدا نے توفیق بخشی ہے کہ اس میدان کو جو خالی پڑا ہے آگے بڑھیں اور بھر دیں خدا تعالیٰ آپ کا فیض ساری دنیا میں پھیلائے اور آپ کے ذریعہ تمام دنیا کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمت کا وارث بنادے۔ یہی دعائیں کرتے رہیں یہی کوشش ہو یہی مطلوب ہو، یہی مقصود زندگی ہو۔

خدا کرے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس کے رحم کے نتیجہ میں اس سارے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین

کامیاب دعوت الی اللہ کے لئے دعاؤں پر زور دیں۔
داعی الی اللہ کے دل میں بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی ہونی چاہئے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸ رمئی ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کیں۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (ھود: ۱۲۱ تا ۱۲۴)

پھر فرمایا:۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ وہ سب چیزیں جو انبیاء کے واقعات سے متعلق ہم تجھے بتاتے ہیں ہم تجھے پڑھ کے سناتے ہیں۔ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ان سے تیرے دل کو تقویت ملتی ہے اور تیرے دل کو ثبات نصیب ہوتا ہے۔ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ اور اس میں جو کچھ بھی ہے حق ہے۔ وَمَوْعِظَةٌ اور نصیحت ہے۔ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ اور یاد رکھنے کی باتیں اور یاد کر کے لوگوں کو سنانے والی باتیں ہیں مومنوں کے لئے۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ مومنوں کیلئے تو حَقٌّ بھی ہے مَوْعِظَةٌ بھی ہے اور ذِكْرٰى بھی ہے لیکن وہ لوگ جو بہر حال ایمان نہیں لائیں گے۔ ان سے کہہ دے اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ تم اپنی جگہ کوششیں کرتے رہو اِنَّا عٰمِلُوْنَ ہم بھی تو مسلسل کوشش میں مصروف ہیں۔ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ اللہ ہی کیلئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ابھی پردہ غیب میں ہے وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ اور امر بالآخر اسی کی طرف لوٹنے والا ہے كُلُّهٗ تمام تر، ہر قسم کا امر بالآخر خدا ہی کی طرف لوٹنے والا ہے۔ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اے محمد ﷺ ظاہر کا خطاب شروع ہو گیا۔ اے محمد ﷺ فَاعْبُدْهُ اللہ کی عبادت کر وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اور اللہ ہی پر توکل کر۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تیرا رب اس بات سے غافل نہیں ہے جو تم سب لوگ کرتے ہو۔

اس میں بہت ہی لطیف ضمائر کی تبدیلی ہے۔ واحد کا صیغہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے چلتا ہے فَاعْبُدْهُ سے لے کر۔ فَاعْبُدْهُ تو اس کی عبادت کر وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اور اسی پر توکل کر وَمَا رَبُّكَ اب تیرا رب غافل نہیں ہے عَمَّا تَعْمَلُوْنَ یہ نہیں فرمایا کہ اس چیز سے جو تو کرتا ہے عَمَّا تَعْمَلُوْنَ جو تم سب لوگ کرتے ہو۔ اگر اس میں کوئی انذار کا پہلو ہے تو وہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر اطلاق نہیں پاتا۔ اگر کوئی مخفی ناراضگی کا اظہار عَمَّا تَعْمَلُوْنَ میں ہو رہا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ خدا غافل ہے یہی رنگ ہے اس عبارت کا کہ کچھ خفگی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں تو اس سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بچانے کیلئے اچانک جمع کا صیغہ استعمال فرمالیا اور واحد کا صیغہ جس میں اپنائیت چل رہی تھی، پیار کا اظہار ہو رہا تھا اسے ترک فرمادیا۔

یہ وہ آیات ہیں اُس رکوع کی آخری آیات جس کی میں نے تین جمعہ پہلے تلاوت کی تھی اور اسی مضمون کو میں آگے بڑھا رہا ہوں۔ یہ بات اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر رحم فرمائے اسے بچالیتا ہے اور مصلحین کو بچاتا ہے اور مصلحین میں سے بھی وہ جن کو خدا رحم کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ان کے اندر بعض ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں سے صرفِ نظر فرماتا ہے اور ان سے بخشش کا سلوک فرماتا ہے۔ ہر شخص رحم ہی سے بچایا جائے گا اپنے زور بازو سے کوئی بچایا نہیں جا سکتا لیکن رحم بچانے پر مستعد اور لوگ نہ بچنے پر کوشاں۔ یہ مضمون ہے جو اس رکوع

میں شروع سے آخر تک بیان ہو رہا ہے۔ بہت زور لگایا آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے متبعین نے اور اس پہلے انبیاء نے لیکن وہ بدنصیب قومیں جو بچنے پر آمادہ نہ ہوں انہیں پھر کوئی چیز خدا کی تقدیر اور اس کے پکڑ سے بچا نہیں سکتی۔ یہ اعلان فرمانے کے بعد آنحضرت ﷺ کے دلی جذبات پر نظر ڈالی گئی ہے، آپؐ کے کیفیات پر نظر ڈالی گئی ہے۔ اس سے پہلے یہ بات میں بیان کر چکا ہوں کہ آنحضور ﷺ نے جن سورتوں میں عذاب کا ذکر تھا اور پرانی قوموں کا ہلاک ہونے کا ذکر تھا ان سے متعلق فرمایا اور خصوصاً سورۂ ھود کے متعلق تھا کہ اس نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ سارے واقعات پڑھتے ہوئے آنحضور ﷺ کے دل کو گہری تکلیف پہنچتی تھی اور یہ خوف دامن گیر ہو جاتا تھا کہ کہیں میری قوم سے بھی یہ سلوک نہ ہو اور یہ لوگ بھی اسی طرح عذاب کا نشانہ نہ بنیں اور صفحہ ہستی سے مٹا نہ دیئے جائیں جیسے پہلی قومیں مٹائی گئی تھیں اور اسی دکھ کا آپؐ نے ذکر فرمایا کہ دیکھو میرے بال سورۃ ھود نے سفید کر دیئے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ہم جو گزشتہ انبیاء کے قصے تجھے سنا رہے ہیں ڈرانے کیلئے نہیں بلکہ تیرے دل کو تقویت دینے کیلئے اور اس میں ایک پیشگوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی قوم بچائی جائے گی۔ اپنے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض مصلحین کی وجہ سے اور بعض ایسے نیک لوگوں کی وجہ سے جن کی نیکی ان کی بدیوں پر بالآخر لازماً غالب آجائے گی۔ یہ وہ مضمون ہے جو یہاں بیان ہوا ہے۔ ایک طرف یہ فرمادیا کہ خدا تعالیٰ زبردستی کسی کو ہدایت نہیں دیتا، جو قوم بچنا نہ چاہے اسے بچاتا نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سارے ایک جیسے ہو جاتے مگر ایسا نہیں کیا جاتا اور نہیں کیا جائے گا اور یہ ساری باتیں سن کر آنحضور ﷺ کے دل پر جو گزرتی تھی اور جس کا بیان آپؐ نے فرمایا اس کیفیت پر نظر ڈال کر اگلی آیت نازل ہوئی معلوم ہوتی ہے فرمایا۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ یہ ساری رسولوں کی باتیں یہ پرانے قصے جو ہم تیرے ساتھ دوہرا رہے ہیں تجھے ڈرانے کیلئے نہیں تیرے دل کو تقویت دینے کیلئے اس میں یہ خوشخبری تھی کہ تیری قوم ہلاکت سے بچ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم کے ساتھ ایمان لے آئے گی بالآخر نجات پائے گی لیکن اس کا ذریعہ کیا ہے ایک طرف ایک تقدیر عام بیان ہو چکی ہے کہ ایسی قومیں جو توجہ نہیں کرتی جو مصلحین

پر ظلم کرتی ہیں وہ ہلاک کر دی جاتی ہیں۔

اگلا مضمون اسی سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بات کی تشریح ہے اسی معمہ کا حل ہے کہ یہ قوم پھر کیوں بچائے جائے گی۔ فرماتا ہے وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۖ اِنَّا عٰمِلُوْنَ تم نے دلائل کے ذریعے پیغام پہنچانے میں انتہا کر دی، نرمی اور محبت اور خلوص کے ساتھ ان کے دل جیتنے کے لئے جتنی کوشش ہوسکتی تھی وہ سب کوشش کر بیٹھے، اب تم ان سے کہہ دو کہ تم جو کر سکتے ہو کرتے چلے جاؤ لیکن ہماری کوششوں کو انتہا تک پہنچانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کوششیں چھوڑ دیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم ضد کر بیٹھے ہو، جانتے ہیں کہ تم اس عمل سے باز آنے والے دکھائی نہیں دیتے جس عمل پر تم بڑی شدت کے ساتھ قائم ہوئے ہو لیکن ہم بھی نیکیوں کے معاملے میں اور نصیحت کے معاملے میں تم سے کم صبر دکھانے والے نہیں ثابت ہوں گے۔ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ہم بھی وہ کرتے چلے جائیں گے جو کچھ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ اس میں آج کل بھی داعین الی اللہ کیلئے بہت بڑی نصیحت ہے اور بہت بڑا پیغام ہے۔ وہ پیغام یہ ہے کہ اگر کوئی قوم اپنے اخلاق سے بظاہر ہلاک ہونے کے لائق دکھائی دی جائے، اگر کوئی قوم اپنے ضد اور تعصب اور مظالم کے نتیجے میں یوں محسوس ہو کہ اب ان کی ہلاکت لکھی جا چکی ہے اور ان کو کوئی بچا نہیں سکتا اور گزشتہ قوموں میں جو تباہی کے آثار ظاہر ہوا کرتے تھے اور جن کے نتیجے میں وہ تباہ کر دی جاتی تھیں وہ سارے آثار ان میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اس کے باوجود کام چھوڑنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ کہہ کر ان سے الگ ہو جانے کی اجازت نہیں ہے کہ ہم تو تمہیں ہلاک شدہ دیکھتے ہیں اس لئے تم جاؤ اپنا کام کرو ہم اب کوشش چھوڑ بیٹھیں گے اور مزید تمہیں پیغام نہیں دیں گے۔

پہلا سبق یہ دیا گیا ہے اس صورتحال میں کہ عمل نہیں چھوڑنا اگر دشمن اپنا عمل نہیں چھوڑتا تو مومن کو ہرگز زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنا عمل چھوڑ بیٹھے۔ اس لئے سنے یا نہ سنے تم نے پیغام دیتے چلے جانا ہے، دیتے چلے جانا ہے اور دیتے چلے جانا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (الاعلیٰ: ۱۰) اے محمد مصطفی ﷺ تو نصیحت کرتا چلا جا اور کرتا چلا جا اور کرتا چلا جا اور یہ یقین رکھ کہ تیری نصیحت بالآخر رائیگاں جانے والی نہیں اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى۔ الذِّكْرٰى میں بالعموم بھی نصیحت اور پرانے ایام کی یادوں کو تازہ کر کے لوگوں کو ڈرانے کا مضمون ہے لیکن میرے نزدیک

یہاں الذِّكْرٰى سے مراد خصوصیت سے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی زبان سے جاری ہونے والا الذِّكْرٰى ہے اور یہ خوشخبری تھی کہ تیری نصیحت رائیگاں جانے والی چیز ہی نہیں ہے۔ یہ یقین رکھ اور مسلسل نصیحت کرتا چلا جا۔ تو وہی مضمون اس رنگ میں بیان ہوا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نے ہرگز ایمان نہیں لانا جو اپنے اعمال سے ہی نہیں بلکہ زبان سے بھی کہتے ہیں ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ ہرگز ہی ایمان نہیں لائیں گے۔ ان سے کہہ دے اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ تم اپنی جگہ کام کرتے چلے جاؤ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ہم بھی ضرور یہ کام کریں گے اور ہمارا جو فریضہ تبلیغ فرمایا گیا ہے اس سے کبھی کوتاہی نہیں کریں گے لیکن اس کے باوجود اس سے تقدیر نہیں بدل سکتی فرمایا وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ کسی اور چیز کی ہم خواہاں ہیں تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ ہونے والا ہے، کوئی ایسی بات نازل ہونے والی ہے جس کے نتیجہ میں حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس وقت جو دکھائی دے رہا ہے وہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ انکار کر بیٹھے ہیں اور بچائے نہیں جا سکتے لیکن پردہ غیب میں جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے بھی اپنے عمل کو جاری رکھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو حال میں ہوتے ہوئے بھی پردہ غیب میں ہوتی ہیں اور جو مستقبل سے تعلق رکھنے والی غیب کی باتیں ہیں وہ بہر حال انسان سے اوجھل ہی رہتی ہیں۔ فرمایا تمہاری نظر میں یہ ہلاک شدہ ہیں لیکن ان کے اندر کچھ واقعات، کچھ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ان کے دلوں میں کچھ تحریکات چل رہی ہیں اور ان پر تمہاری نظر نہیں ہو سکتی ان پر اللہ تعالیٰ کی نظر ہو سکتی ہیں۔ فرمایا اس لئے غیب کا علم سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ نہ تمہیں حال کا علم ہے نہ تمہیں مستقبل کا علم ہے تم ظاہر پر فتوے لگاتے ہو لیکن قوموں میں جو تبدیلی آیا کرتی ہیں بعض دفعہ مخفی تبدیلیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں اور تمہیں ان کا اندازہ نہیں ہوتا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس قوم سے متعلق جس کے آپ اولین مخاطب تھے یعنی ہندوستان کے باشندگان جو بعد میں ہندو پاکستان کے باشندگان میں تبدیل ہوئے ان کے متعلق فرمایا کہ رائیں تبدیل کر دی جائیں گی، نیا آسمان بنے گا، نئی زمینیں بنیں گی اور آراء کی تبدیلی کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ نے سورۃ البروج کی تفسیر میں یہ لکھا کہ ایسا وقت جب آئے گا جب

احمدیوں کے گھر جلائے جائیں گے، ان پر مظالم کئے جائیں گے، ان کو جیلوں میں ٹھونسا جائے گا اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوگا۔ اس وقت ان کی قربانیوں کے نتیجے میں دلوں میں اندر ہی اندر تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہوں گی اور بظاہر وہ دکھائی نہیں دیں گی لیکن دل بالآخر قوم کے اندر پیدا ہونے والے ردعمل ایک بم کے دھماکے کی طرح پھٹیں گے اور اسی قوم میں سے احمدیوں کے فدائی، شیدائی، ان سے محبت کرنے والے اور احمدیت کی خاطر قربانیاں کرنے والے پیدا ہوں گے۔

یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم کی ان آیات میں بیان ہوا اور مختلف آیات میں مختلف رنگ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ پس داعین الی اللہ کے لئے ان آیات میں بہت گہری نصیحت ہے۔ فرمایا کہ ٹھیک ہے بعض قومیں ضد کر بیٹھتی ہیں اور اَڑ جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر بھی یہی ہے کہ جو ضد کر بیٹھے گا اس کو زبردستی تبدیل نہیں کرے گا مگر یہ کہنا کہ انسانی فتویٰ کہ فلاں قوم ضد کر کے اس مقام تک پہنچ گئی ہے کہ اس پر حجت تمام ہوگئی ہے، یہ انسان کا کام نہیں ہے۔ حقیقی فتویٰ اللہ دے سکتا ہے۔ اس لئے انسان کا کام یہ ہے کہ ایسے مایوس کن حالات دیکھتے ہوئے بھی مایوس نہ ہو۔ دشمن ہر وقت تمہارے مٹانے کی کوشش کر رہا ہے نکما تو نہیں بیٹھا ہوا ہے۔ تم کس طرح ہاتھ چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گے۔ یہ بچیں یا نا بچیں اس سے قطع نظر تمہیں اس کام کو لازماً جاری رکھنا ہوگا۔ جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے اور ان سے کہہ دو کہ ٹھیک ہے تم بھی جو کر سکتے ہو کرتے چلے جاؤ جو ہمارے بس میں ہے ہم ضرور کرتے چلے جائیں گے۔ پھر ان سے کہو کہ انتظار کرو کیونکہ اس لڑائی کا فیصلہ زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر ہونا ہے۔ تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور اس کی حکمت یہ بیان فرمائی وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ غیب تو اللہ کے پاس ہے، تمہیں کیا پتا کہ غیب کی کیا باتیں ہیں۔ غیب سے منصۂ شہود میں کیا کیا چیزیں ابھرنے والی ہیں کہ ساری ایسی باتیں ہیں جن کا خدا تعالیٰ کے علم غیب سے تعلق ہے بندے سے تعلق نہیں۔

پھر فرمایا وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ اسی کی طرف ہر امر بالآخر لٹایا جاتا ہے۔ امر کے لٹائے جانے کے متعلق قرآن کریم میں بکثرت آیات موجود ہیں لیکن امر کے خدا کی طرف لٹائے جانے کا ایک مطلب ہے قضاء قدر کی تقدیر کا ظاہر ہو جانا۔ آسمان پر جو فیصلے ہیں ان کا زمین پر نازل ہونا یعنی فیصلوں کے متعلق آخری اختیار بندوں سے کھینچ لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع پا کر جاتا ہے۔

پھر آسمان سے ایک تقدیر بنائی جاتی ہے اور وہ تقدیر زمین پر نازل ہوتی ہے اور اس کے نتیجے

میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ایک آیت سورۃ بقرہ آیت ۲۱۱ میں فرمایا هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ کیا وہ اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر اندھیروں کے پردوں میں جو بادلوں کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں، ایک مثال دی گئی ہے کہ بادلوں میں جن کے اندر ظلمات ہوتی ہیں اور اندھیروں کے پردے ہوتے ہیں ان میں خدا تعالیٰ نازل ہو اور الۡاَمۡرُ كُلُّهٗ ہر معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے اور اس قسم کے فیصلے کے متعلق فرمایا وَاِلَيۡهِ يُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ ایسے فیصلے اس وقت ہوتے ہیں جب سارے امور خدا کھینچ کر واپس اپنی طرف لے جاتا ہے جب دنیا والوں سے فیصلوں کی طاقت تلف کردی جاتی ہے اور ایسا وقت آتا ہے کہ جب قوموں کے فیصلے زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر کئے جاتے ہیں۔

ایک تو یہ قضاء قدر بھی ہے جس کے نتیجے میں قومیں ہلاک کی جاتی ہیں لیکن ایک اور بھی ہے جس کے نتیجے میں قومیں بچائی جاتی ہیں اور وہ قضاء قدر ہے جس کی طرف اس آیت میں نصیحت فرمائی گئی ہے۔وَاِلَيۡهِ يُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ كُلُّهٗ فَاعۡبُدۡهُ وَتَوَكَّلۡ عَلَيۡهِ اگر ہلاکت کی قضاء قدر کا ظاہر ہونا ہوتا تو اس مضمون کو اس طرح بیان نہ فرمایا جاتا جس طرح اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس میں امید کو زندہ رکھا گیا ہے اور فرمایا تو عبادت میں مصروف ہو جا اور عبادت کرتا چلا جا وَتَوَكَّلۡ عَلَيۡهِ اور اللہ پر توکل رکھ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ اور اللہ تعالیٰ اس بات سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ اس دنیا میں کرتے رہتے ہو اور کرتے رہو گے۔

اس سے پتا چلتا ہے بعض دفعہ جب قومیں ضد کر بیٹھتی ہیں اور بظاہر ان کو بچانے کا کوئی رستہ دکھائی نہیں دیتا اس وقت عبادت کے نتیجے میں اور توکل کے نتیجے میں آسمان سے فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس فیصلے کا بھی انسانی کوشش سے گہرا تعلق ہے۔جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ زبردستی کسی کو تبدیل نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی کوششوں کے نتیجے میں جو بھی ماحصل اس کا انسان کے انجام سے گہرا تعلق ہے وہ لوگ جو ضد کر بیٹھے ہیں ان کو زبردستی بچایا نہیں جاتا لیکن ایک تدبیر ایسی ہے جس سے ان کی ضد کی حالت بدل سکتی ہے اور وہ دعا ہے اور وہ عبادت ہے اگر تم عبادت پر زور دو تو خدا تعالیٰ ان کے اندرونی حالات کو بدل سکتا ہے اور ان کے اندر سے ہی پشیمانی پیدا ہو سکتی ہے اور جب ان کے اندر پشیمانی کے جذبات پیدا ہوں گے تو پھر خدا تعالیٰ کی دوسری تقدیر کہ پشیمان لوگوں کو

ہلاک نہیں کیا کرتا وہ کارفرما ہو جاتی ہے اور پھر ایسی قوموں کو بچا لیا جاتا ہے۔ یہ بہت باریک تعلق ہے دعا اور تدبیر کا جس کو آخری علاج کے طور پر یہاں بیان فرمایا گیا ہے۔

پس نصیحت یہ بنی کہ وہ قومیں جو ضد کر بیٹھیں اور ان میں مصلحین نہ رہیں وہ ہلاک کی جاتی ہیں لیکن اگر مصلحین ان میں موجود ہوں اور کوشش کرتے رہیں تو پھر وہ بچائی جاسکتی ہیں لیکن زبردستی خدا تعالیٰ کسی کو نہیں بچایا کرتا۔

پھر فرمایا کہ یہ قوم جس کو تو مخاطب ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضد کے آخری مقام پر پہنچ چکی ہے اس لئے ان کو صاف یہ کہہ دے کہ تم بھی کوشش کرو اور ہم بھی کوشش کرتے چلے جائیں گے۔ تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کریں گے اور ان کی کیفیت بدلانے کیلئے تم عبادت پہ زور دو۔ عبادت پر مستعد ہو جاؤ اور خدا پر توکل رکھو اور یہ یقین کرو کہ زمین کے بعض فیصلے آسمان پر کئے جاتے ہیں اور جب خدا یہ فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو پھر سب سے زیادہ فیصلہ کن امر عبادت ہے۔ عبادت کے نتیجے میں پھر تقدیریں بدلا کرتی ہیں۔

یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی گہرائی کے ساتھ سمجھا اور ایک ایسی بات لکھی جو چودہ سو سال کے عرصے میں سوائے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور کسی نے نہیں لکھی۔ ایک عارف باللہ کا کلام اتنا ممتاز اور نمایاں ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے دوسرے علماء بھی اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

> ’’اگر بارش کیلئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبیعہ جو بارش کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔۔۔‘‘
>
> (برکات الدعا، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ: ۱۰)

یعنی اسباب تو ضروری ہیں اور خدا تعالیٰ کی جو یہ تقدیر ہے یہ اپنی جگہ جاری وساری رہے گی تو تم تبدیل نہیں کر سکتے۔ تم فیصلہ دیتے ہو اسباب کے نہ ہونے کے نتیجے میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم دعا کرو تو اسباب تو میں نے ہی پیدا کرنے ہیں۔ دعا اسباب پر غالب آجاتی ہے ان معنوں میں کہ دعا کے نتیجے میں پھر خدا کی دوسری تقدیر حرکت میں آتی ہیں اور اسباب پیدا کر دیتی ہیں۔

یہ وہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا۔

''۔۔۔اور اگر قحط کیلئے بددعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہیں ۔۔۔''

ارباب کشف اور کمال وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ کشوف کے ذریعہ اسرار غیب سے مطلع فرماتا ہے اور جو اپنے اندر صالحیت کے کمالات رکھتے ہیں ،نیکی اور پاکیزگی کے کمال رکھتے ہیں ۔۔۔ان پر بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہیں کہ'' کامل کی دعا میں ایک قوت تقویم پیدا ہو جاتی ہے ۔۔۔'' جو شخص کامل ہو اس کی دعا میں ایک تخلیق کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اپنے رب کی صفت خالقیت میں وہ حصہ پاتا ہے اور جو چیز وجود میں نہیں ہے وہ عدم سے وجود میں آجاتی ہے اس کی دعا کی طاقت سے'' ۔۔۔یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے ۔۔۔''

دنیاوی حالت سے ہی وہ تصرف کرتی ہے اور آسمان میں پیدا ہونے والی حرکتوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے'' ۔۔۔اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے ۔۔۔''اس کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان اپنے مقصود کے حق میں ، اس کی تائید میں ایک خاص پہلو کی تلاش رکھتا ہے وہ خاص پہلو ان دعاؤں کے نتیجہ میں پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے مقصود کو حاصل کرنے کیلئے جتنی تائیدی ہوائیں ہیں وہ چل پڑتی ہیں۔

''۔۔۔خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔۔۔''

آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ کے تمام صحیفوں میں اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں صرف قرآن کا سوال نہیں ہے۔تمام انبیاء کی کتب میں اور خدا تعالیٰ نے جو صحائف ان کو عطا فرمائے ان میں اس کی بکثرت مثالیں ملیں گی اور

''۔۔۔اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔۔۔''

جو اعجاز کا نام آپ نے سنا، معجزہ دکھانا، حیرت انگیز طور پر ایک بظاہر ناممکن چیز کا وقوع پذیر ہو جانا، فرمایا یہ ہی اس کی ایک قسم استجابت دعا سے تعلق رکھتی ہے۔

”۔۔۔اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا
جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع
یہی دعا ہے۔۔۔“

اور یہ عبارت بھی لطیف ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام بڑا ہی محتاط ہے۔آپ فرماتے ہیں”۔۔۔اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء کے ظہور میں آئے ہیں۔۔۔“ماضی میں جتنے بھی انبیاء نے معجزات دکھائے یا جو کچھ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے آئے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے بعد وہ عجائب دکھلانے والے علماء بھی لد گئے اور صاحب کرامات لوگ ختم ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکار کی دنیا میں پھر عجائب دکھانے والے لوگ باقی نہیں رہے۔یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ ختم ہو گئے فرمایا اب تک امت محمدؐیہ میں کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں آیا کہ کرامات دکھانے والے،عجائب دکھانے والے بزرگ اور اولیاء موجود نہیں تھے۔میرے زمانے تک یہ ان کا کام تھا اور وہ دکھاتے رہے ہیں۔آخر پر جو بات ظاہر ہوئی آپ فرماتے ہیں میرے ذریعہ خدا تعالیٰ ان اعجازات کو جاری و ساری فرماتا ہے فرماتا رہے گا”۔۔۔اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔۔۔“اور وہ یہی دعائیں ہیں جن کے اثر سے خوارق ظاہر ہوتے ہیں۔خوارق کہتے ہیں ایسی چیز کو جو عام عادت سے ہٹ کر ہو۔عام طور پر جو دستور دکھائی دیتا ہے۔اس سے ہٹ کر کوئی عجیب سی بات رونما ہو جو ظاہری قانون کے تابع دکھائی نہ دے۔اس کو خارق عادت کہتے ہیں۔عادت سے ہٹی ہوئی چیز قدرت قادر کا تماشہ دکھلا رہے ہیں وہ خوارق ہیں۔وہ خدا کے قانون پر غالب آنے کا تماشا نہیں دکھلا رہے۔وہ قدرت قادر کا تماشا دکھلاتے ہیں۔وہ یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں نہاں در نہاں ہیں۔ایک قدرت کے پردے میں ایک دوسری قدرت بھی کارفرما ہوتی ہے اور جس کو تم خارق سمجھتے ہو،جس کو تم سمجھتے ہو کہ قانون سے ہٹی چیز ہے وہ دراصل خدا کی ایک بالا قدرت کا تماشا دکھا رہی ہوتی ہے۔یہ وہ کلام ہے جو ایک عارف باللہ کا،جو خدا سے گہرا تعلق رکھنے والا ہے اس سے ظہور پاتا ہے۔اس کا کلام ہے اور سارا کلام الٰہی نور سے منور ہے۔کتنا محتاط کلام ہے،کتنا باریک لطافتوں

میں اتر کر حقائق و معارف کو پیش فرما رہا ہے۔

اب سنئے کہ وہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی تھی اور جو مضمون بیان کیا تھا۔ان کا آنحضرت ﷺ کی دعا سے کیا تعلق تھا اور ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

''۔۔۔وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں عجیب ماجرہ گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے۔۔۔''

وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں، کیسا خوبصورت کلام ہے بیابانی ملک میں صحرائی ملک ہے جس میں کچھ اُگتا نہیں، نہ پانی ہے نہ زندگی کے آثار ہیں۔

''۔۔۔بیابانی ملک میں عجیب ماجرہ گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔''

وہ اُمّی جس کو دنیاوی کوئی علم نہیں ہے بے کس و بے بس ہے ساری قوم اس کو چھوڑ بیٹھتی ہے اس کی ہلاکت کے درپے ہے کیسے ممکن تھا وہ یہ حیرت انگیز معجزات دکھاتا دنیا کو۔اس کی فانی فی اللہ کی دعائیں ہی تو تھیں اور انہوں نے دنیا میں ایک شور مچا دیا۔

''اللّٰھم صل و سلم و بارک علیه و آله بعدد همه و غمه و حزنه لھٰذه الامة و انزل علیه انوار رحمتک الی الابد۔''

اے اللہ سلامتی بھیج اور درود بھیج اور برکتیں بھیج اس وجود پر اور اس کی آل پر اتنی برکتیں اور اتنی سلامتیاں بھیج کہ **بعدد همه و غمه و حزنه لھٰذه الا مة**۔ جتنا اس کو اس امت کیلئے غم تھا، دکھ تھا اور ان غموں اور دکھوں میں امت کی خاطر ہلکان ہوا کرتا تھا، جس شدت سے اس کے غم تھے اور جس کثرت سے اس کے غم تھے، اسی کثرت اور اسی شدت کے ساتھ اس کی امت پہ رحمتیں نازل فرما اور اس پر ہمیشہ رحمتیں نازل فرماتا رہ۔کتنی عجیب دعا ہے آج کے داعی الی اللہ کیلئے اس سے بڑا کامیابی

کا اور کوئی نسخہ بیان نہیں ہوسکتا۔آگے فرماتے ہیں۔

۔۔۔اور میں اپنے ذاتی تجربے سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب وآتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبیعہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دعا ہے۔'' (برکات الدعا، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ:۱۱)

وہ داعی الی اللہ جو یہ کہتے ہیں ہم نے کوشش کو بھی انتہا تک پہنچا دیا اور دعا کو بھی بوجوہ کمال تک پہنچا دیا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ان کو میں سمجھا تا ہوں کہ ان کے نفس کا دھوکہ ہے۔جب کوشش درجہ کمال کو پہنچادی جائے اور مایوس ہوئے بغیر توکل کے ساتھ اور صبر کے ساتھ خدا کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور راتوں کو اٹھ کر ان لوگوں کیلئے دعا کی جائے جن کو بچانے کیلئے آپ کوشاں ہیں تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ دعائیں نامقبول ہوں۔وہ لازماً کارگر ہوں گی مگر اگر وہ مقبول نہیں ہوتی آپ دعائیں کرتے ہیں تو ان میں کوئی نقص ہے ایک ایسا نقص ہے جس کو میں نے محسوس کیا ہے اور میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

عموماً یہ دعا کرنے والے جب دعا کرتے ہیں تو بڑی سخت گھبراہٹ میں گڑگڑاہٹ میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ میرے وعدے کا وقت آ گیا، میرا وعدہ جھوٹا نکلے گا میں کیا کروں گا، میں نے تو سو کا وعدہ کیا تھا ایک بھی نہیں بن رہا۔اپنے حوالے سے دعائیں کر رہے ہوتے ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعاؤں کی قبولیت کا راز یہ نہیں بتایا گیا کہ آپؐ یہ فرماتے تھے کہ اے اللہ میں کیا کروں گا، میں کن لوگوں میں شمار ہوں گا اگر میری قوم ہلاک ہوگئی تو مجھے شرمندگی ہوگی ہرگز نہیں فرمایا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تجزیہ فرمایا ہے کہ آپؐ کو ان لوگوں کا بے حد غم تھا، ان کی ہلاکت کا فکر تھا جو آپؐ کو دامن گیر تھا ان کیلئے آپؐ کی جان ہلاک ہو رہی ہوتی تھی۔اس قدر گہرا تعلق تھا بنی نوع انسان سے ایسی سچی ہمدردی تھی ان سے کہ ان کیلئے آپؐ راتوں کو اٹھ کر ان کی بھلائی کیلئے رویا کرتے تھے۔اپنے حوالے سے دعائیں نہیں کیا کرتے تھے بلکہ یہ عرض کیا کرتے تھے کہ میں ان کے غم میں ہلاک ہوا جارہا ہوں اور اس مضمون کو قرآن کریم میں دوسری جگہ بڑی شان اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔یہی طرز دعا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی۔فرماتے ہیں۔

؎ شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا (درثمین صفحہ: ۱۰)

کس قدر راتوں کو اٹھ کر گڑ گڑاتے تھے اور دردناک دعائیں کرتے تھے مگر لوگوں کی بھلائی میں اور ان کی خاطر کہ خدا اس قوم کو بچالے۔ پھر فرمایا۔ ے ایک عالم مر رہا ہے تیرے پانی کے بغیر اے خدا! پیاس سے مرا جا رہا ہے تمام عالم۔ آگے پھر فرماتے ہیں کہ

ے ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار (درثمین صفحہ:۱۲۸)

بنی نوع انسان کیلئے جو ہم وغم ہے اس میں اگر شدت پیدا ہو اور انسان گہری تکلیف محسوس کرلے دوسرے کیلئے تو اس سے دعاؤں میں ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر صرف اپنی نیک نامی کا فکر رہے تو دعائیں خواہ کتنے زور شور سے کی جا رہی ہوں اور دعائیں خالی جانے والی، خطا جانے والی تیروں کی طرح ہوتی ہیں۔ پس آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں کو اگر گہری نظر سے پڑھیں تو ان میں حیرت انگیز طور پر ہمارے ان مسائل کا حل موجود ہے جو ہمیں لاینحل دکھائی دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کا کوئی حل نہیں۔ ہم نے کوششیں بھی کر دیں، ہم نے دعائیں بھی کر لی ہیں پھر بھی کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔

پس داعی الی اللہ کے دل میں اگر بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی اور پیار ہے اور جن کیلئے دعا کرتا ہے ان کی ہلاکت کیلئے وہ خود اپنے آپ کو ہلکان کر رہا ہے۔ تو پھر یقین جانیں اس کی دعائیں ضرور رنگ لائیں گی۔ جس طرح پہلے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے زمانے میں وہ معجزات دکھا چکی ہیں اس زمانے میں بھی دکھائیں گی۔

لیکن اس میں مزید اس حکمت کو شامل کر لیں کہ ہمیشہ ہواؤں کے رخ پر چلنے والوں کی رفتار ہواؤں کے مخالف چلنے والوں سے تیز ہوا کرتی ہے۔ آپ کی دعا اگر ہلکے چلنی والی ہے تیز ہوا میں اگر شامل کر لیں تو وہ بھی تیز رفتار ہو جائے گی۔ تو اپنی دعاؤں کو مقبول بنانے کا ایک یہ طریقہ ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ نے جو ہمیشہ کیلئے ابدالا باد تک بنی نوع انسان کیلئے اپنی امت کیلئے دعائیں کی ہیں ان کا حوالہ دے کر اپنی دعاؤں کو ہمیشہ ان میں شامل کر لیا کریں اور ان کے ساتھ آپ کی دعاؤں میں ایک نئی قوت اور تیز رفتاری رونما ہوگی جو اس سے پہلے آپ کے مشاہدے میں کبھی نہیں آئی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے الی الابد کا لکھا

ہوا ہے کہ جس طرح تیرا غم دعائیں بن کر ابد تک ان کیلئے رحمتیں چھوڑ گیا ہے اسی طرح اے میرے خدا تو اس اپنے پیارے بندے کیلئے ہمیشہ ہمیش کے لئے اسی غم اور اسی دکھ اور اس کی ہمیشگی کے جاری ہونے کی نسبت سے ہمیشہ اس پر رحمتیں فرماتا جا۔ تو آپ کی دعائیں آج بھی جاری ہیں ان دعاؤں میں اپنی دعائیں شامل کر دیں تو ان دعاؤں کا فیض آپ کی دعاؤں کو ملے گا، ان میں ایک نئی طاقت پیدا ہوگی، ان میں حیرت انگیز معجزے دکھانے کی شان پیدا ہو جائے گی، ان کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

پس دعاؤں سے غافل نہ ہوں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور دعاؤں کے نتیجے میں قوموں کی تقدیریں بدل دیا کرتا ہے، وہ اسباب پیدا کر دیا کرتا ہے۔ وہ اسباب قوموں کے حالات بدلنے کے موجب ہوتے ہیں۔

اس پہلو سے اب واپس پاکستان کی طرف چل کر دیکھتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس وقت میرے سامنے پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان ہیں۔ دن بدن ان کے حالات بگڑ رہے ہیں۔ اگر یہ دعا کی غیر معمولی تقدیر ان کو بچانے کیلئے آسمان سے نہ اتری اور اس پہلو سے اَلْاَمْرُ کا خدا کی طرف لوٹنا اور پھر زمین پر نازل ہونا یونہی بیان کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا امر الٰہی بن کر آسمان پر اٹھیں اور امر الٰہی بن کر نازل ہوئیں ہیں۔ خدا کے اذن اور اس کی توفیق سے آپ کو دعا کی توفیق ملی اس میں ایک ایسی غیر معمولی قوت پیدا ہوئی کہ وہ آسمان تک رفع کر گئی اور پھر آسمان سے وہ اَلْاَمْرُ نازل ہوا جس نے زمین کی تقدیر بدلی ہے۔ اس پہلو سے جب ہم پاکستان کے اور ہندوستان کے مسلمانوں کے خصوصیت سے حالات دیکھتے ہیں اور اسی طرح باقی دنیا کے مسلمانوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک تکلیف دہ بات جو دکھائی دیتی ہے کہ قرآن کریم کا بیان کردہ اصل وہ بالکل بھلا چکے ہیں کہ جب تک لوگ صالح نہ ہوں اس وقت تک ان قوموں کو ہلاکت سے بچایا نہیں جا سکتا۔ سارے عالم اسلام میں معلوم ہوتا ہے یہ اطلاع ہی نہیں ملی کہ قرآن کریم میں یہ نسخہ بیان فرمایا ہے۔ ایک نیا نسخہ بنا رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب تک شریعت کا قانون نازل نہ کیا جائے اس وقت تک قومیں بچ نہیں سکتیں۔

اب پاکستان میں دن بدن حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ بداخلاقی اپنے درجہ کمال تک پہنچ چکی ہے، بے حیائی، ظلم، سفاکی، ڈاکے، معصوم بچوں کو اس وجہ سے قتل کر دینا کہ وہ پیسے نہ دئے گئے ان کے بدلے غریب ماں باپ پر اتنے بڑے بڑے تاوان ڈالے جاتے ہیں کہ ان

کو یقین ہو کہ بچہ ہلاک کر دیا جائے گا تب بھی تاوان نہیں دے سکتے۔ یہاں تک ظلم پہنچ گیا ہے اور علماء کا تجزیہ یہ ہے کہ یہ ساری تباہیاں اسی لئے ہیں کہ پاکستان کی حکومت شریعت کا قانون جاری نہیں کرتی۔ اگر شریعت کا قانون جاری کر دے تو ہماری قوم بچ جائے گی اور کیونکہ شریعت کا قانون جاری نہیں کرتی اسی لئے خدا تعالیٰ بندوں کو حکم دے رہا ہے تم سفاک، ظالم، بدخلق، بدطنیت ہر لحاظ سے بدیوں میں ڈوب جاؤ، سب کچھ ہو جاؤ سوائے نیکی کے ہر راہ اختیار کرلو۔ یہ ان کی عقلیں بتا رہی ہیں۔ یہ عجیب عقلیں ہیں جو ان کو یہ سمجھا رہی ہیں کہ اصل ہلاکت کی یہ وجہ ہے۔

حالانکہ جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (ھود: ۱۱۸) فرمایا ہے اگر ہمارے عذاب سے بچنا ہے کسی بستی نے تو ان کے اہل کو مُصْلِحُوْنَ ہونا پڑے گا۔ یہ نہیں فرمایا کہ شریعت کا قانون جاری کرنا پڑے گا۔ اگر لوگ بدبخت ہیں، لوگ گندے ہیں، ظالم ہیں، سفاک ہیں تو شریعت کا قانون کیسے ان کو بچا سکتا ہے۔ شریعت کا قانون تو جاری ہو چکا ہے۔ ان بے وقوفوں کو یہ بھی سمجھ نہیں آرہی کہ انہوں نے کیا جاری کرنا ہے۔ وہ تو چودہ سو سال پہلے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہو کر جاری ہو چکا ہے اور اس قانون پر عمل کرنے سے دنیا کی کوئی حکومت روک نہیں رہی۔ کیا پاکستان کی حکومت نے یہ قانون بنالیا ہے کہ جب تک ہم شریعت کو نافذ نہ کرلیں کسی مسلمان نے سچ نہیں بولنا، کسی مسلمان نے حسن خلق سے کام نہیں لینا ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی بے حیائیوں میں مبتلا ہو جائے، شرابیں پیئے، ڈاکے مارے، غریبوں کے مال ضبط کرے، معصوم بچوں کو ہلاک کرے ہر قسم کی بدامنی پھیلانے کی تمام کارروائیوں میں مصروف ہو جائے کیونکہ ہم نے ابھی شریعت کے نافذ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔ کتنی بیوقوفوں والی بات ہے شریعت ملاں نے نافذ کرنی ہے؟ شریعت تو اللہ نافذ فرما چکا اور ہر مسلمان پر شریعت پر عمل فرض ہو چکا ہے اور کوئی حکومت کسی مسلمان کو روک نہیں سکتی صرف احمدیوں کو روکنے کی کوشش کر رہی ہے یعنی شریعت کے نفوذ کی خبر ان کو تو ہوئی نہیں احمدیوں کو ہوئی ہے۔ وہ بیچارے شریعت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حکومت کہتی ہے کہ نہیں ہم نے شریعت پر عمل نہیں کرنے دینا اور جو عمل نہیں کرتے ان کو اگر زندہ بھی جلائیں گے تو وہ نہیں کریں گے اور ملاں یہ کہتا ہے کہ نہیں ڈنڈا چلاؤ گے تو شاید یہ عمل کرلیں اور اسی وجہ سے

قوم ہلاک ہو رہی ہے کہ تم شریعت نافذ نہیں کر رہے حالانکہ ان کو تو پتا ہی نہیں کہ چودہ سو سال پہلے سے شریعت نافذ ہوئی ہے۔ اگر تو ان کو خبر ہی نہیں ہوئی اس بات کی اور اگر مسلمان شریعت پر عمل نہیں کر رہے اور محمد مصطفی ﷺ کی شریعت پر عمل نہیں کر رہے تو ضیاء یا نواز شریف کی شریعت پر کیسے عمل کریں گے۔ کیا یہ خدا سے بڑے لوگ ہیں؟ ان کو علم ہے کہ شریعت محمد مصطفی ﷺ پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی پھر بھی وہ عمل نہیں کر رہے اور یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ضیاء یا نواز شریف کا قانون جاری ہو اور ہم پھر عمل شروع کریں تو اس شریعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے کہ جہنم میں چلے جائیں کیونکہ جو شریعت خدا کی خاطر نہیں بلکہ بندے کی خاطر اطلاق پاتی ہے تو اس شریعت کی کوئی بھی حقیقت نہیں وہ تو شرک ہے۔

پس یہ بیوقوفی کی حد ہے۔ اس قوم کو اگر بچنا ہے تو وہی نسخہ استعمال کرنا ہوگا جو قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے۔ وہاں نفاذ شریعت کا کوئی حکومت کے تعلق میں ذکر نہیں ملتا۔ نفاذ شریعت کا بندوں، انسانوں سے تعلق میں ذکر ملتا ہے۔ فرمایا لوگ مصلح ہو جائیں گے۔ اپنی اصلاح کریں گے، دوسروں کی اصلاح کریں گے۔ تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ وہ بچائے جائیں گے۔ یہ مشکل ہے جو ہمیں درپیش ہے اور اب تک ہم جو کوشش کر چکے ہیں ان کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہو رہا اور بعض دفعہ احمدی مایوس ہو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قوم کے ہلاک ہونے کا وقت آ گیا، پکڑے جانے کا وقت آ گیا۔ یہ ساری صورت حال سمجھا کر میں آپ کو دعا کی طرف متوجہ کرتا ہوں یقین رکھیں کہ جو کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے ہم عالم الغیب نہیں، بنیادی طور پر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی امت میں بہت سی خوبیاں مضمر ہیں، بہت فطری نیکیاں ان میں چھپی ہوئی ہیں۔ **ذرا اس مٹی کو نم کرنے کی ضرورت ہے، سوز و گداز پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ آپ کی آنکھوں کے پانی سے نم ہے، آپ کا سوز و گداز ہے امت محمدیہ کے ان کے غافلوں کے دلوں میں منتقل ہوگا اور ان کے اندر زندگی کی گرمائی پیدا کر دے گا۔**

پس دعائیں کریں اور دعاؤں سے غافل نہ ہوں اور اپنے عمل کو جاری رکھیں جو کوششیں ہیں ان سے باز نہ آئیں اور یاد رکھیں کہ دشمن اپنی کوششیں کرتا چلا جائے گا۔ آپ کو بھی یہی حکم ہے کہ آپ نے لازماً ان کوششوں پر ثبات دکھانا ہے، مضبوطی سے قائم ہونا ہے اور پھر وہ دعائیں کریں جو دعائیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کیں اور اس انداز سے دعائیں کریں جس انداز سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے دعائیں کیں۔ پھر آپ کو یہ حق ہے کہ ان سے کہیں تم بھی انتظار کرو، ہم بھی

انتظار کریں گے پھر یقیناً آپ کے حق میں ویسی ہی تقدیر نازل ہوگی جیسے آنحضور ﷺ کے حق میں نازل ہوئی تھی اور صدیوں کے مردے قبریں پھاڑ کر زندہ ہو کر اس زمین سے باہر نکل آئے تھے اور پشتوں کے بگڑے الٰہی رنگ پکڑ گئے تھے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور ہم اپنی آنکھوں سے یہ ہوتا دیکھ لیں یہی ہماری زندگی کا مقصود و مطلوب ہے۔ اے اللہ ایسا ہی کر۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

انشاء اللہ آئندہ جمعہ سے پہلے میں سفر کرنے والا ہوں اور انشاء اللہ فرانس اور سپین وغیرہ میں کچھ ہفتے گزار کر واپس آؤں گا۔ اس عرصے میں آئندہ جمعہ تو پیرس میں ہوگا وہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ وڈیو اسی رات کو بھجوا دیں گے اور آئندہ کے متعلق یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ایک جمعہ کی وڈیو اگلے جمعہ اسی طرح سیٹلائٹ کے ذریعے دکھائی جائے تا کہ جن دوستوں کو ایک دفعہ عادت پڑ گئی ہے، شوق پیدا ہو چکا ہے ان کو اس عرصہ میں بھی کچھ نہ کچھ دیکھنے کیلئے ملتا رہے۔ انشاء اللہ باقی پھر واپسی پر فوری Live کا سلسلہ جاری ہے، وہ اسی طرح ہو جائے گا۔ سفر میں ہر لحاظ سے، ہر پہلو سے کامیابی کیلئے احباب دعائیں ضرور کریں۔

اخلاق محمدیؐ اپناتے ہوئے ہمت، صبر سے دعوت الی اللہ کریں۔

لیڈر صفات لوگوں کو دعوت الی اللہ کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ رمئی ۱۹۹۲ء بمقام احمدیہ مشن ہاؤس فرانس)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیاتِ کریمہ کی تلاوت کی۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (حٰمٓ السجدہ ۳۴ تا ۳۶)

پھر فرمایا:۔

قرآن کریم کی جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان سے جماعت بہت حد تک متعارف ہو چکی ہے کیونکہ نمازوں میں بارہا ان کی تلاوت کرتا ہوں اور بارہا خطبات میں اس مضمون کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں۔ جو ان آیات کریمہ میں بیان ہوا ہے یعنی دعوت الی اللہ کا مضمون۔ قرآن کریم کی آیات میں یہ عظیم بات پائی جاتی ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ اپنی طرف سے ایک مرتبہ ان آیات کے مضمون کو خود کھول کر بیان کر دیں لیکن پھر جب دوبارہ ان پر غور کرتے ہیں تو ضرور کوئی نئی چیز انہی آیات میں سے پھوٹتی ہے جن کی طرف پہلے توجہ نہیں گئی ہوتی اور جن سے بنی نوع انسان کے لئے مزید فائدے کے سامان ہوتے ہیں۔

ان آیات پر بھی میں نے جب بھی غور کیا ہمیشہ کچھ نہ کچھ نئی بات نظر آئی ، کوئی نہ کوئی نیا نکتہ ہاتھ آیا اس لئے میں نے آج دوبارہ اس مضمون کو چھیڑتے ہوئے ان آیات کا سہارا لیا ہے۔ قرآن کریم جہاں تبلیغ کا مضمون بیان کرتا ہے وہاں صبر کے مضمون کو ضرور ساتھ باندھتا ہے کبھی براہ راست کبھی بالواسطہ لیکن تبلیغ اور صبر کو الگ الگ کر کے انفرادی طور پر ایک دوسرے سے جداگانہ شکل میں پیش نہیں کیا گیا لیکن ان آیات میں جس صبر کی طرف اشارہ ہے وہ ایک بہت بڑے چیلنج کے نتیجہ میں پیش آنے والا صبر ہے۔ عام حالات میں جب انسان کسی کو تبلیغ کرتا ہے تو طبعاً ایک منفی ردعمل سامنے آتا ہے اور تبلیغ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ مجھے یہ بے وجہ اپنی طرف کھینچ رہا ہے مجھے شکار کرنا چاہتا ہے اور شکار کا ردعمل خواہ وہ حیوانی شکار ہو، پرندوں کا ہو، چوپایوں کا ہو یا انسانوں کا ہو ایک ہی طرح کا ہوا کرتا ہے۔ شکار اوّل طور پر شکاری سے بھاگتا ہے اس لئے شکار کے ساتھ صبر کا مضمون خود بخود وابستہ ہو جاتا ہے لیکن یہاں ایک اور بات بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا شکار جو خود شکاری ہوں اور جو دشمنی میں اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے ہوں۔

اس مضمون پر غور کرتے ہوئے میرے سامنے جو باتیں ہیں ان پر میں تفصیل سے آپ کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ عام طور پر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ مؤیّد ہو، نرم مزاج ہو اور جس میں شر نہ پایا جاتا ہو صرف اسی کو تبلیغ کرنی چاہئے۔ جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے یہ درست ہے کہ وہ لوگ جن میں سعادت پائی جاتی ہے جو ظاہری طور پر نرم مزاج رکھتے ہیں ان میں تبلیغ نسبتاً زیادہ فائدہ دیتی ہے لیکن اس کا کوئی قاعدہ کلیّہ نہیں بنایا جا سکتا۔ بعض لوگ ایسے ہیں جن کی طبیعتوں میں نرمی پائی جاتی ہے اور مداہنت پائی جاتی ہے، ترقی اخلاق کی وجہ سے نہیں بلکہ منافقت کی وجہ سے پائی جاتی ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ جب احمدیوں کا تبلیغ کا واسطہ پڑتا ہے تو بعض دفعہ عمریں گزار دیتے ہیں لیکن ایک انچ بھی آگے نہیں آتے اور بیچارے بھولے بھالے احمدی سمجھتے ہیں کہ وہ بہت شریف آدمی ہے۔ کبھی مخالفت نہیں کرتا ہمیشہ اچھی بات کرتا ہے مگر اپنی جگہ اسی طرح قائم جس طرح کہ پہلے تھا اور اس کے ساتھ تعلقات میں انسان اپنی عمر ضائع کر دیتا ہے۔ جہاں تک انسانی تعلقات کا معاملہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر شخص سے اچھا تعلق رکھنا چاہئے لیکن جب تبلیغ کی نیت سے تعلق رکھا جاتا ہے تو ایک مقصد پیش نظر ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ جس کو تبلیغ کی جائے وہ قریب تر آئے یہاں تک کہ وہ کلیۃً

صداقت کی جھولی میں آپڑے۔ پس جہاں تک عام تعلق کی بات ہے اس سے کوئی بھی کسی کو منع نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم نے نصیحت فرمائی ہے کہ دنیاداری کے تعلقات میں تم ہر ایک سے تعلقات رکھو لیکن جہاں بامقصد تعلق ہے وہاں مقصد راہنمائی کرے گا کہ یہ تعلق کتنی دیر تک قائم رہنا چاہئے اور کہیں بے سود تعلق تو نہیں ہے۔

پس جو تعلق تبلیغ کی نیّت سے رکھا جاتا ہے۔ اس میں ضروری ہے کہ انسان اس بات پر نظر رکھے کہ جس سے تعلق رکھا جارہا ہے وہ وقت کو ضائع تو نہیں کررہا وہ قریب آرہا ہے یا نہیں آرہا۔ اگر ایک شخص اپنی جگہ پر اٹکا رہے اور انسان اس کے ساتھ عمر گنوادے تو اس کی عمر ضائع جائے گی صرف اس کی نہیں بلکہ اور بھی بہت سے لوگوں کی عمریں ضائع جارہی ہیں جن کی طرف وہ توجہ دے سکتا تھا۔ پس جب ایک شکاری کا وقت ضائع جاتا ہے تو بہت سے نقصانات اس کو پہنچ رہے ہوتے ہیں ایسے شکار کے پیچھے لگا رہتا ہے جس کو چھوڑ کر دوسرا شکار اس کے ہاتھ آسکتا تھا مگر یہ روحانی شکار ہے۔ دنیا کے شکار میں تو یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک شکاری ایک شکار کے ساتھ لگ جائے تو باقی پرندوں کے لئے غنیمت ہے ان کی قسمت جاگ گئی کہ ایک بے وقوف شکاری غلط سمت میں چلا گیا لیکن وہ روحانی پرندے جو ابراہیمؑ کے پرندے ہیں وہ تو زندہ کرنے کے لئے مارے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے جب خدا سے شکار کا طریقہ سیکھا تھا تو یہی پوچھا تھا کہ مُردوں کو کیسے زندہ کیا جاتا ہے؟ پس مومن کا شکار اگرچہ باتیں شکار کی ہی ہوں بالکل برعکس نتیجہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ **دنیا کا عام شکاری مارنے کے لئے شکار کرتا ہے اور مومن زندہ کرنے کے لئے شکار کرتا ہے۔** آنحضرت ﷺ کی بھی یہی صفت بیان فرمائی گئی کہ جب بھی اللہ اور اس کے رسول تمہیں بُلائیں یُحۡیِیۡکُمۡ (الانفال: ۲۵) تا کہ وہ تمہیں زندہ کریں تو اِسۡتَجِیۡبُوۡا (الانفال: ۲۵) اس وقت ان کی آواز پر لبیک کہا کرو۔

پس جب میں شکار کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں تو یاد رکھیں ہم نے زندہ کرنے کے لئے شکار کرنا ہے پس وہ شکار جو کسی آدمی کی غفلت کی وجہ سے زندگی سے محروم رہ گیا اور غلط توجہ کے نتیجہ میں عدم توجہ کا شکار ہو گیا اور اسی حالت میں اس کی جان نکل گئی اس کا گناہ بھی تو کچھ اس کے سر آئے گا اس لئے مومن کو اپنی زندگی کے اوقات کی بڑی تفصیل سے نگرانی کرنی ہوتی ہے **اس کے وقت کی ایک قیمت ہے اس کے وقت کے لمحہ لمحہ کا ایک حساب ہے اور عام وقت کی طرح اس کا وقت نہیں ہے** اسے

اپنے وقت کے ہر حصہ کی قیمت حاصل کرنی ہے یا اس کا حساب چکانا ہے اگر قیمت حاصل نہیں کرتا تو خدا کے سامنے اسے حساب دینا ہے۔

پس جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ شرفاء میں تبلیغ ہونی چاہئے نرم لوگوں میں تبلیغ ہونی چاہئے اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ساتھ ساتھ نگرانی بہت ضروری ہے کہ اس تبلیغ کا فائدہ ہے، نہیں ہے؟ کس حد تک ہے؟ اور ایک حد کے بعد اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور انسان ایسے شخص سے ہاتھ کھینچ لے جو کسی طرح اثر قبول نہیں کرتا لیکن اس کے برعکس بھی ایک شکل ہے کہ بعض لوگ شدید مخالف ہوتے ہیں اور عام طور پر لوگ ان مخالفوں کا شکار نہیں کرتے اس طرف رخ ہی نہیں کرتے قرآن کریم کی ان آیات میں خصوصیت سے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔

فرمایا فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ اے محمد مصطفی ﷺ اور ان کے ساتھی شکاریو! تم بڑے بڑے خوں خواروں کا شکار کرنے نکلے ہو۔ ایسے لوگوں پر ہاتھ ڈالنے نکلے ہو جو تمہاری جان کے دشمن ہیں ان کا جب بس چلے وہ تمہیں ہلاک کر دیں، تمہیں تباہ و برباد کر دیں، تمہارا کچھ بھی باقی نہ چھوڑیں۔ جاؤ اور خدا کا نام لے کر ان پر ہاتھ ڈالو اور ہم تمہیں گر سکھاتے ہیں کہ کس طرح ان پر فتحیاب ہونا ہے۔ گُر کی بات بعد میں آتی ہے لیکن یہاں دیکھیں کہ مومن کے لئے کتنا بلند مقصد بیان کر دیا۔ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ دیکھو! اچانک تم کیا دیکھو گے کہ وہ شخص جو تمہارا شدید دشمن ہے کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وہ جاںنثار دوست میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس میں اس بات کی نصیحت ہے کہ دین میں جو بڑے بڑے مخالف اور بظاہر سختی سے دین کے ساتھ ٹکرانے والے لوگ ہیں جن سے بظاہر تمہیں خیر کی کوئی اُمید نہیں ہے ان کا بھی رُخ کیا کرو ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے جواہر پوشیدہ رکھے ہوئے ہیں کہ جب وہ ہاتھ آئیں گے تو بہت قیمتی خزانہ ہاتھ آئے گا۔ پس اسلام کے آغاز میں ہم یہی حالات دیکھتے ہیں کہ وہ جو جاہلیت میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے وہ جب مسلمان ہوئے ہیں تو اسلام کے سب سے بڑے دوست بن گئے اور اسلام کو ان کی وجہ سے غیر معمولی تقویت حاصل ہوئی۔

پس آپ اپنی تبلیغ میں دشمنوں پر بھی ہاتھ ڈالیں کیونکہ آپ محمد مصطفی ﷺ کے غلام ہیں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (فتح : ۳۰)

ان لوگوں میں سے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہونے کے دعویدار ہیں اور آپ کی غلامی کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ پس شکار کے وہ انداز سیکھیں جو آنحضور ﷺ کے انداز ہیں۔ ابراہیمی انداز کو آگے بڑھا دیا گیا ہے۔ ابراہیمؑ کی سنت کو مزید صیقل کر دیا گیا ہے۔ مزید چمکایا گیا ہے۔ ابراہیمؑ کو تو یہ حکم تھا کہ ان پرندوں کو پکڑو جو تم سے مانوس ہو سکتے ہوں اور یہ تبلیغ کا پہلا دور ہے وہ لوگ جو شرافت سے بات کو سنیں ان کے ساتھ تھوڑا سا پیار کیا جائے تو وہ طبعاً نرمی رکھتے ہوں اور پیار کا جواب پیار سے دینے والے ہوں۔ یہ ابراہیمی طیور ہیں مگر محمد مصطفی ﷺ کے سپرد جو پرندے کئے گئے ہیں وہ خوں خوار دشمن ہیں وہ برداشت نہیں کر سکتے کہ آپ کو دیکھیں بھی چنانچہ آنحضور ﷺ نے جو پاک تبدیلیاں کر کے دکھائیں وہ ایسے ہی لوگ ہیں جیسا کہ بیان فرمایا گیا ہے کہ تم دیکھو گے کہ تمہارے خونخوار دشمن جانثار دوست بن جائیں گے۔ آنحضور ﷺ نے ایسے پتھروں کو موم کر دیا اور ایسے پتھر پھاڑے اور زندگی کے چشمے بہا دیئے کہ انبیاءؑ کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال دکھائی نہیں دیتی۔ ایک موقع پر ایک صحابیؓ جنہوں نے آنحضور ﷺ کی زندگی میں آپ کی صحبت میں کچھ سال گزارے تھے ان سے آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد کسی نے سوال کیا کہ آپ ہمیں آنحضور ﷺ کا حلیہ بتائیں ہم آپؓ کے منہ سے سننا چاہتے ہیں آپؓ کی آنکھوں نے ان کو دیکھا ہے جس پیار اور محبت سے آپ وہ تذکرہ کر سکتے ہیں کوئی اور نہیں کر سکتا تو آپؓ ہمیں بتائیں کہ آنحضور ﷺ کیسے تھے؟ یہ بات سُن کر وہ صحابیؓ جواب دینے کے لئے زاروقطار رونے لگے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ پوچھنے والے نے تعجّب کیا کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے میں نے تو صرف اتنا سا سوال کیا تھا کہ آنحضور ﷺ کا حلیہ بتائیں آپ ﷺ کی شکل کیسی تھی؟ اور یہ صاحب بجائے حلیہ بتانے کے رونے لگے۔ جب کچھ دیر بعد انہوں نے اپنے جذبات پر قابو پایا تو جواب دیا کہ دیکھو آنحضور ﷺ کے زمانہ میں میری زندگی پر دو ہی وقت آئے ایک وقت وہ تھا کہ میں دشمنی میں اتنا شدید تھا کہ نفرت کی وجہ سے میں اس چہرہ کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ان کے نام سے ہی ایسی کراہت آتی تھی ایسا غصہ آتا تھا کہ بارہا مواقع آئے مگر میں نفرت کی وجہ سے آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکا پھر جب محمد مصطفی ﷺ کے عشق کا غلام بنا تو ایسی کایا پلٹی کہ محبت نے جوش مارا اور محبت کی وجہ سے اس وجود پر میری نظر نہیں ٹکتی تھی تو آج اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ محمد مصطفی ﷺ کا حلیہ کیسا تھا تو خدا کی قسم میں نہیں بتا سکتا کیونکہ میری نظروں نے کبھی نفرت سے نہیں دیکھا اور کبھی محبت کے وفور سے نہیں دیکھا

اور واقعۃً میں نہیں جانتا کہ محمد مصطفی ﷺ کا حلیہ تفصیلاً کیا تھا۔(مسلم کتاب الایمان حدیث نمبر:۳۲۱) پس دیکھیں کہ وہ اس آیت کریمہ کا کیسا زندہ ثبوت تھے کہ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ جس طرح ہم کہتے ہیں اس طرح تم تبلیغ کر کے دیکھو اور ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ دشمنوں میں سے تمہیں حیرت انگیز طور پر محبت کرنے والے وجود ملیں گے پس دشمنوں کو نظر انداز نہیں کرنا اور آنحضور ﷺ کی زندگی میں تو یہ معجزے اتنی دفعہ ہوئے ہیں اور اس کثرت سے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی شمار نہیں ہے سارے عرب کی بھی تو نفرت میں تقریباً وہی کیفیت تھی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کو دیکھیں کیسے سخت دشمن تھے وہ ایک واقعہ جو اُحد میں گزرا ہے جس کا دکھ جب بھی اسے پڑھتے ہیں انسان کے دل میں اس طرح تازہ ہو جاتا ہے جیسے کل کا واقعہ ہو یعنی آنحضور ﷺ زخمی ہو کر نڈھال ہو کر شہیدوں کی طرح زمین پر جا پڑے اور آپؐ کے اوپر دوسری لاشیں آ گریں ایسا تکلیف دہ واقعہ ہے کہ جب بھی انسان پڑھے تو اس کی عجیب گداز کی کیفیت ہوتی ہے بھیگی آنکھوں کے بغیر یہ واقعہ پڑھا ہی نہیں جاتا اور اس واقعہ میں سب سے بڑا نمایاں کردار خالد بن ولیدؓ نے ادا کیا تھا۔ یہ وہ جرنیل تھا جس نے موقع کی نزاکت کو سمجھا اور معلوم کر لیا کہ مسلمانوں سے کیا غلطی ہوئی ہے اور کفار کے بھاگتے ہوئے لشکر کو ایک دم پلٹ دیا اُن کا رُخ بدل دیا اور اپنے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کے عقب سے حملہ کر کے وہ فتح جو تقریباً مکمل ہو چکی تھی اسے وقتی طور پر ایک شکست میں بدل دیا۔ یہ وہ خالد ہے لیکن جب وہ آنحضور ﷺ کی محبت کے اسیر ہوئے جب آپؐ کے عشق کا تیر ان پر لگا تو ایسی کایا پلٹی کہ اس کے بعد پھر تمام زندگی ہر جہاد میں اس شوق سے حصہ لیا کہ کاش میں بھی شہید ہوں لیکن یہ حسرت پوری نہ ہو سکی۔ آپ نے اسلام کے لئے اس کثرت سے جہاد کیا ہے اور ایسی شاندار سپہ سالاری کی ہے کہ اسلام کے جہاد کے نام کے ساتھ ہی خالد بن ولید کا نام اچانک اُبھر کر سامنے آجاتا ہے لیکن ایسی حالت میں جان دی کہ بستر پر پڑے ہوئے ہیں جان کنی کی حالت تھی ساتھیوں سے کہا کہ میرے پیٹ سے کپڑا تو اُٹھاؤ۔ انہوں نے کپڑا اُٹھایا تو کہا کوئی ایک انچ تو دکھاؤ جہاں زخموں کے نشان نہ ہوں۔ میرا سارا جسم زخموں سے چور ہے اور داغدار ہے جانتے ہو میں نے یہ زخم کیوں کھائے؟ اس شوق میں کہ میں محمد مصطفی ﷺ کے دین کی خاطر جان دوں اور میں بھی شہیدوں میں شمار ہوں لیکن وائے حسرت کہ میرے مقدر میں یہ نہیں تھا اور آج بستر پر جان دے

رہا ہوں۔ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ یہ اس آیت کی سچائی کی ایک اور زندہ اور تابندہ مثال بن گئے کہ آنحضورﷺ عام پرندوں کے شکاری نہیں ہیں۔ یہ تو شکاری پرندوں کے شکاری ہیں ان خونخوار جانوروں کے شکاری ہیں اوران کی ایسی کایا پلٹتے ہیں کہ حیوانوں کو انسان اورانسانوں کوخدا نما انسان بنادینے والے ہیں یہ اس آیت کا مضمون ہے۔

پس اگر ہم جیسا کہ ہمارا یقین ہے محمد مصطفیٰ ﷺ کے نہ صرف غلام بلکہ عاشق غلام ہیں اگر ہم اس خاطر دنیا میں قائم کئے گئے ہیں کہ محمدﷺ کی سنت کو دوبارہ زندہ کریں اور زندہ کر کے سارے عالم میں جاری کردیں تو پھر ہمارا فرض ہے۔ ہمارا فرض کیا ہے؟ ہمیں تو اس بات کی لو لگ جانی چاہئے یہ دھن لگ جانی چاہئے کہ اپنی ذات میں اُسوۂ محمدیﷺ کو زندہ کر کے دکھائیں۔

محمد مصطفیٰﷺ کی زندگی دو طریق پر ہے ایک تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنے خدا کے ساتھ زندہ ہیں اس زندگی پر کوئی کبھی موت نہیں آسکتی لیکن آپؐ کی ایک زندگی امت محمدؐیہ میں ہو کر ہے جہاں کوئی مسلمان روحانی طور پر مرتا ہے وہاں اس زندگی میں کمی آجاتی ہے۔ جہاں کوئی مسلمان روحانی طور پر زندہ ہوتا ہے وہاں محمد مصطفیٰﷺ کو ایک اور زندگی ملتی ہے یہ وہ زندگی ہے جس کا ہر غلام محمدﷺ سے تعلق ہے، یہ وہ زندگی ہے جس کا آج جماعت احمدیہ کے ساتھ تعلق ہے۔ پس حضرت محمد مصطفیٰﷺ کے اسوہ کو ہر میدان میں جب بھی زندہ کرنے کی آپ توفیق پائیں گے تو آپ یقین رکھیں کہ آپ نے محمدﷺ کی شان کو اپنے اندر زندہ کیا دعوت الی اللہ کی شان کو بھی پوری طرح اپنے اندر زندہ کریں۔ یہ مضمون ہے جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دشمنوں اور دشمنوں کے لیڈروں سے ڈریں نہیں بلکہ ان تک پہنچیں اور حکمت اور پیار کے ساتھ اس طریق پر جس طریق پر اس آیت نے آپ کو تبلیغ کا گُر سکھایا ہے ان کو بھی ضرور پیغام پہنچائیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو بعض دفعہ خدا تعالیٰ کے فضل سے حیرت انگیز طور پر بے شمار پھل عطا ہوتے ہیں کیونکہ دشمنوں میں سے جو لیڈر ہیں اگر وہ آئیں تو اکثر وہ اکیلے نہیں آتے بلکہ ان کے ساتھ قوم کی قوم آیا کرتی ہے۔ بعض ملکوں سے تبلیغ کی رپورٹیں آتی ہیں ان میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں کہ فلاں علاقے میں کوئی احمدیت کا نام نہیں سننا چاہتا تھا وہاں کا جو سب سے بڑا دشمن تھا ہم اس تک پہنچے اور جب باتیں کیں تو یہ معلوم کر کے حیران رہ گئے کہ اس کے اندر یہ سعادت پائی جاتی تھی۔

کچھ دیر میں اس نے اپنے رویہ کو تبدیل کیا پھر اس نے دلچسپی لینی شروع کی پھر وہ خدا کے فضل سے احمدی ہوا اور اس کے نتیجہ میں اب گاؤں گاؤں میں احمدیت پھیلنی شروع ہوگئی ہے ایسی ایک رپورٹ کچھ عرصہ ہوا انڈونیشیا سے بھی ملی کہ وہ صاحب جو ایک علاقہ کے چیف کہلاتے تھے بڑے معزز اور کافی وسیع طور پر لوگوں میں اثر رکھنے والے۔ وہ پہلے احمدیت کی دشمنی میں اوّل اوّل تھے جب وہ احمدی ہوئے تو ان کا مشغلہ ہی یہ بن گیا کہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے ہیں اور وہاں اعلان کرتے ہیں کہ دیکھو تم نے مجھے کیسا پایا وہ جب ان کو بتاتے ہیں کہ ہاں تم ہمارے پیر تھے اور پیر تو کہتے ہیں کہ میں تو اب کسی اور کا مرید بن چکا ہوں ۔ میں تو اب پیر نہیں رہا اب بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے تو پھر بعض دفعہ گاؤں والے جن میں شرافت ہے وہ کہتے ہیں تم ہمارے اب بھی پیر ہو جدھر تم نے قدم رکھا ہے وہیں ہمارا قدم پڑے گا اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس علاقہ میں جہاں پہلے احمدیت کا نشان بھی نہیں تھا وہاں کثرت سے جماعتیں بننی شروع ہوگئیں ۔ یہ ایک ملک کی بات نہیں ہر ملک پر یہ بات اسی طرح صادق آتی ہے۔ یہاں بھی بہت سے ایسے نوجوان ہیں یا دوسری عمر کے لوگ ہیں جن کے اندر لیڈری کی صفات پائی جاتی ہیں ایسے ہیں جن کے اندر لیڈری کی صفات کے ساتھ اسلام دشمنی بھی پائی جاتی ہے اور وہ اسلام کی مخالفت میں یا حق کی مخالفت میں نمایاں طور پر جس رنگ میں بھی وہ کوشش کر سکتے ہیں وہ کرتے ہیں ان تک بھی پہنچنا چاہئے اور اس طرح پہنچنے کے بہت سے ذرائع ہیں ۔

فرانس کو پیش نظر رکھ کر جب میں بات کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہے کہ آج یہاں جماعت بہت چھوٹی ہے اور ابھی تک فرانسیسی قوم تک ان کا رابطہ گہرا نہیں ہوسکا۔ نتیجۃً آج تک فرانس میں جتنی بھی تبلیغ ہوئی ہے اکثر و بیشتر وہ غیر فرانسیسی کو ہی ہوئی ہے مثلاً یہاں مراکو سے آنے والے لوگ ہیں، یہاں افریقہ کے مختلف ممالک سے آکر بسنے والے لوگ ہیں، یہاں پاکستانی ہیں جہاں تک تبلیغ ہوئی ہے عام طور پر ان لوگوں میں ہوئی ہے اور فرانسیسی کی جب بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ دنیا پرست ہیں، وہ دنیا دار ہیں، انہیں دین میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جب بات کرتے ہیں تو وہ کورا سا جواب دے دیتا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ہر قوم میں خدا تعالیٰ نے نیک فطرت لوگ رکھے ہوئے ہیں اور دشمنوں کی دشمنی کے بھیس میں بھی آپ کو بڑے نیک فطرت لوگ ملیں گے ۔ جو شاید مخالف دکھائی دیتے ہیں جب وہ نرم پڑتے ہیں تو ان کے اندر ایک حیرت انگیز انقلاب برپا ہو جایا کرتا ہے۔

پس آپ کی ہمت اگر ٹوٹ جائے تو فرانس کی ہمت ٹوٹ جائے گی ایک قوم کی قسمت آپ کے سپرد کی گئی ہے آپ نے ہمت نہیں ہارنی کیونکہ جب داعی الی اللہ ہمت ہار دیتا ہے تو درحقیقت اُس ساری قوم کی ہمت ٹوٹتی ہے۔ نصیحت کرنا بڑا مشکل کام ہے، نصیحت کرنے کے لیے غیر معمولی طاقتوں کی ضرورت ہے اسی لئے قرآن کریم نے صبر کی تلقین فرمائی۔

اور یہ وہ دوسرا پہلو ہے جو میں آج آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں فرمایا۔ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۵﴾ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ لیکن یاد رکھو یہ معجزے یونہی رونما نہیں ہو جایا کرتے دشمنوں کو دوست بنانا آسان کام نہیں ہے ۔ اس کے لئے صبر کی ضرورت ہے ۔ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا لیکن اس کے علاوہ کچھ اور بھی ضرورت ہے کیونکہ سارا خطاب واحد میں ہے اور اس میں اول مخاطب حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں اور آپ کو جو صبر عطا ہوا تھا وہ لفظ صبر کے تابع پوری طرح بیان نہیں ہو سکتا تھا اس لئے جہاں عام مومنوں کے صبر کا ذکر فرما کر جمع کے صیغہ میں یہ کہا کہ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ تو وہاں ساتھ ہی پھر واحد کی بات کی ہے کہ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ اس جمع کا ذکر چھوڑ دیا ہے جس طرح پہلے کَ . کَ . کَ. یعنی تو، تو، تو، کر کے مخاطب کیا جا رہا تھا۔ مومنوں کا عمومی ذکر کرتے ہی خدا پھر واپس اسی مضمون کی طرف پلٹا ہے اور محمد مصطفی ﷺ کے متعلق فرمایا ہے وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ۔ اس عظیم مقصد کو ایک عظیم اخلاق کا حصہ دیئے گئے انسان کے سوا اور کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں ان کو بھی ملے گا اور اصل کامیابی جو غیر معمولی اور اعجازی کامیابی ہے وہ اس کو ملے گی جس کو حَظٍّ عَظِیۡمٍ عطا ہوا ہے۔ حظ حصے کو کہتے ہیں ٹکڑے کو کہتے ہیں اور بہت عظیم ٹکڑا ملا ہے کس چیز کا ٹکڑا یہ بیان نہیں فرمایا۔ صبر کی بات ہو رہی ہے اس لئے پہلے ذہن صبر کی طرف جاتا ہے اور اس پہلو سے جب ہم آنحضور ﷺ کو دیکھتے ہیں تو بلاشبہ ان سے بڑا صابر انسان کبھی اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ ہر میدان میں، صبر کی ہر آزمائش میں آپؐ اس شان سے پورے اُترے ہیں کہ اس کی کوئی مثال کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ذاتی نقصان کی کیفیت دیکھ لیجئے اپنے عزیزوں اور پیاروں کے دُکھ برداشت کرنے کی کیفیت دیکھ لیجئے۔ صبر کے جتنے بھی امتحان آسکتے ہیں وہ سب آنحضور ﷺ پر زندگی کے مختلف حصّوں

میں مختلف شکلوں میں آئے اور حیرت انگیز طور پر آپ ﷺ نے ہر امتحان میں نمایاں کامیابی عطا فرمائی ایسی جو چاند سورج کی طرح روشن کامیابی تھی اوّل زندگی میں آپ ؐ کے والد کا وصال بعض روایات میں آپ ؐ کی پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا۔ یعنی پیدا ہی یتیم ہوئے ہیں اور چھوٹی عمر تھی کہ والدہ کا وصال ہو گیا اب بچپن میں والد اور والدہ کے بالکل بغیر آپ کو دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنا پڑی اور اس صبر کے ساتھ اور اس شان کے ساتھ آپ نے یہ دور گزارہ ہے کہ اس میں احساس کمتری کو ایک ذرّہ بھی داخل نہیں ہونے دیا صبر کے امتحان، کے وقت لوگ عام طور پر منفی صفات دیکھتے ہیں لیکن میں نے انسانی فطرت پر جہاں تک غور کیا ہے یتامیٰ کے لئے سب سے بڑا امتحان احساس کمتری کا امتحان ہوتا ہے وہ یتیم جو صبر نہ کر سکے وہ لازماً احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور احساس کمتری پھر بہت بھیانک کردار پر منتج ہوتا ہے۔ دنیا میں اکثر ٹیڑھے دماغ، خطرناک سوچیں سوچنے والے، دنیا کو غلط فلسفے دینے والے، اگر آپ ان کی زندگی کا جائزہ لیں تو زندگی کے کسی نہ کسی دور میں احساس کمتری کا شکار ہوئے ہوتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے اپنی عسر اور یتیمی کا دوران کیفیتوں سے متاثر ہوئے بغیر اس شان کے ساتھ گزارہ ہے کہ آپ ؐ کے سپرد دنیا کا عظیم ترین کام کیا گیا ہے۔ یعنی نبیوں میں سے بھی جو کام آپ کے سپرد ہوا ہے وہ کسی اور نبی کو نہ صرف یہ کہ دیا نہیں گیا بلکہ اس کا ایک معمولی حصہ بھی نہیں دیا گیا۔ سارے عالم کو خدا تعالیٰ کی چوکھٹ پر لا ڈالا۔ ایک ایسے شخص کے سپرد کیا گیا جس کا نہ باپ تھا اور نہ ماں تھی۔ لوگوں کے رحم وکرم پر پلتا رہا اور جس نے جب دعویٰ کیا تو اپنی ساری قوم کلیۃً اس کی دشمن ہو گئی یہ حَظٍّ عَظِيْمٍ کی بات ہو رہی تھی۔ صبر کا حصہ ملا تو اتنا بڑا کہ اس کی کوئی مثال دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ پھر آپ ؐ کے بیٹے ہوئے۔ کہتے ہیں گیارہ بیٹے پیدا ہوئے اور گیارہ کے گیارہ چھوٹی عمر میں بہت بچپن میں یا چند سالوں کے بعد فوت ہو گئے اور ہر بچے کی موت پر دشمن ہنستا تھا اور کہتا تھا کہ دیکھو یہ تو لاولد مرا جاتا ہے اور دنیا کی بادشاہی کے دعوے کرتا ہے۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق جب ہم یہ ذکر پڑھتے تھے کہ بشیر اوّل فوت ہوا تو کس طرح دشمن نے بغلیں بجائیں، کس طرح صحابہؓ کے دل خون ہوئے اور صحابہؓ کے بعض واقعات جب پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شدید تکلیف کی حالت میں تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی اثر نہیں تھا۔ آپ جانتے تھے کہ خدا کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ یہ بچہ

فوت ہو گیا ہے تو کوئی اور مقدر والا بچہ بعد میں عطا ہو گا لیکن جو صحابہؓ تھے وہ جانتے ہیں کہ ان کے دل کی کیا کیفیت تھی اس واقعہ کو دیکھ کر جب میرا ذہن حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی طرف جاتا ہے تو ساری روح پگھل کر آپؐ کے لئے درود بن جاتی ہے۔ کتنی عظیم آزمائش تھی؟ ابتر کہنے والے چاروں طرف پھیلے پڑے تھے۔ ہر بچے کی وفات کے بعد ابتر ابتر کے نعرے اُٹھتے تھے تبھی تو قرآن کریم نے یہ ذکر محفوظ فرمایا ہے کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر:۴)

اے محمدؐ! تو دیکھے گا کہ تیرے دشمن ابتر رہ جائیں گے اور ان کی اولادیں تیری اولادیں بن جائیں گی لیکن جہاں تک اس وقت کی دنیا کا تعلق ہے ان کو تو ان باتوں کی سمجھ نہیں تھی کہ روحانی طور پر یہ ساری کی ساری قوم محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لاکر ڈال دی جانے والی تھی وہ تو یہ دیکھتے تھے کہ ایک بیٹا فوت ہوا پھر دوسرا ہوا، پھر تیسرا ہوا، پھر چوتھا ہوا اور ہر دفعہ ہنسی مذاق اُڑا کر اسے اپنی دانست میں ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں اور نہ محمد ﷺ کچھ کر سکتا ہے نہ محمد ﷺ کا خدا کچھ کر سکتا ہے۔ اب دیکھیں! ہر پیدائش اور ہر موت کے بعد کتنی شدّت کے ساتھ یہ طعنہ آپ کے دل کو چیرتا ہو گا لیکن آپؐ صبر اور عزم کا ایک پہاڑ تھے۔

ایک روایت آتی ہے کہ ایک عورت کا بیٹا فوت ہو گیا اور وہ اسکی قبر پر کھڑی شدید تکلیف کی حالت میں گریہ وزاری کر رہی تھی۔ آنحضور ﷺ اس کے پاس سے گزرے اور فرمایا بی بی! صبر کرو۔ اس بے چاری کو پتا ہی نہیں تھا کہ یہ کہنے والا کون ہے اس نے کہا کہ صبر اپنا بیٹا فوت ہو تو پتا چلتا ہے کہ صبر کیا ہوتا ہے؟ پاس سے گزرتے ہوئے آرام سے کہہ دیا کہ صبر کرو۔ یہ کوئی آسان بات نہیں ہے آنحضور ﷺ نے صرف اتنا کہا بی بی میرے گیارہ بچے پیدا ہوئے اور گیارہ ہی فوت ہو گئے اور یہ کہہ کر آگے چل پڑے۔ کسی نے کہا کہ اے ناداں بے وقوف بڑھیا! تو نے کیا بات کی ہے یہ تو محمد مصطفی ﷺ تھے وہ دوڑی دوڑی پیچھے گئی کہ یا رسول اللہ! مجھے معاف کر دیں میں صبر کرتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا صبر کا ایک وقت ہوا کرتا ہے وہ وقت گزر چکا ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز حدیث نمبر:۱۳۵۲) وقت تو ہر ایک کو صبر دے ہی دیتا ہے۔ پس آنحضور ﷺ کے متعلق جب یہ فرمایا کہ وہ صبر کرنے والا ہے تو صبر کہہ کر نہیں فرمایا۔ عام مسلمانوں کے ذکر پر فرمایا۔ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اس عظیم مقصد کو صبر کرنے والوں کے سوا کوئی نہیں پا سکتا اور پھر دیکھیں کہ ہمارے آقا و مولا کو کس طرح جدا کر کے ممتاز

کر کے ان کا ذکر آیت کے اس حصہ میں فرمایا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ اس عظیم مقصد کو حقیقت میں پانے والا ہمارا محمد ﷺ ہے کیونکہ اسی صبر میں اسے حَظٍّ عَظِيْمٍ عطا کیا گیا ہے اور حَظٍّ عَظِيْمٍ تو چونکہ پوری طرح کسی ایک مضمون سے باندھا نہیں گیا اس لئے حَظٍّ عَظِيْمٍ میں وہ سارا پچھلا مضمون آ گیا ہے جو اس آیت کے شروع میں ہے اور اس پہلو سے ہمیں آنحضور ﷺ کی پیروی میں نہ صرف صبر سیکھنا ہوگا بلکہ حَظٍّ عَظِيْمٍ میں سے کچھ نہ کچھ حصہ تو پانا ہوگا۔

اور اس کا پہلا حصہ تو یہ ہے کہ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ داعی الی اللہ بنو گے تو تمہاری بات اچھی ہوگی ورنہ ساری باتیں بے کار اور بے معنی ہیں تم ساری عمر باتیں کرتے گزارو گے ان میں حسن پیدا نہیں ہوگا۔ ہاں اگر تم اللہ کی طرف بلانے والے ہو تو تمہارا کام بہت ہی حسین ہے بات کرنی ہے تو یہ کرو وَعَمِلَ صَالِحًا مگر خالی اللہ کی طرف نہیں بلانا نیک اعمال کر کے دکھاؤ۔ بتاؤ کہ جس کی طرف بلانے آئے ہو اس کے ساتھ تعلق ہے اللہ کے ساتھ تعلق ہو تو تمہارے اعمال میں پاک تبدیلی ہونی چاہئے، تمہارے اندر کشش ہونی چاہئے، تمہارے اندر روز بروز تبدیلیاں رونما ہوتی رہنی چاہئیں کیونکہ خدا تعالیٰ لامتناہی ہے اور اس سے تعلق والا کبھی ایک مقام پر نہیں رہا کرتا اس کی زندگی مسلسل ایک سفر ہے جو خدا کی طرف ہے اور کبھی بھی کسی حالت میں بھی آپ یہ نہیں کہہ سکتے آپ نے اپنا سفر مکمل کر لیا۔ پس یہ مضمون ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے اور جس کے متعلق بعد میں شہادت دی کہ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ اس مضمون کو اپنے درجہ کمال تک محمد مصطفی ﷺ نے پہنچایا اور آپ نے ہر اس صفت سے بڑا حصہ پایا ہے جو صفات اس آیت کریمہ میں بیان ہوئی ہیں۔ پھر فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ جو چیز اچھی ہے اس کے ساتھ بُری چیزوں کا دفاع کرو یعنی جب بھی کوئی تمہارے ساتھ بُرائی سے پیش آئے اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور نیکی کی بات کرو اور تبلیغ میں انسان کو روزمرّہ اس چیز سے واسطہ پڑتا ہے۔ انسان روزمرّہ ایسے دشمن کی باتیں سنتا ہے جن کو پیار اور محبت سے سچائی کی طرف بلایا جا رہا ہے لیکن وہ آگے سے بیہودہ بات کرتے ہیں، سخت کلامی سے پیش آتے ہیں، تمسخر سے پیش آتے ہیں اور جہاں جہاں بھی ممکن ہو وہاں پھر وہ جبر اور تشدد سے بھی پیش آتے ہیں، قتل کے بھی درپے ہو جاتے

ہیں اس قسم کے مد مقابل سے ہر انسان کو جو دعوت الی اللہ کرنے والا ہے زندگی کے مختلف حصوں میں واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے فرمایا یاد رکھو اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ احسن بات سے دفاع کرنا اور یہاں تو سیّئہ کا لفظ نہیں لیکن دوسری آیات کریمہ میں سیّئہ کا ذکر ہے اور یہاں بعض باتیں عملاً چھوڑ دی گئی ہیں، اس سے مضمون میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ جب بھی تبلیغ کرنے نکلو اچھی بات تلاش کرو دلائل میں سے بھی بہترین چنو، طرز بھی وہ اختیار کرو جو سب سے اچھی نظر آئے جس میں کشش پائی جائے اور جب بُرائی دیکھو تو اُسے حُسن کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کریں۔ یہ صفات اگر تم میں آجائیں تو پھر تم دشمن کو دوست میں بدلنے کی اہلیت حاصل کرلو گے اور فرمایا جو مومن صبر کرتے ہیں انہیں ضرور یہ صفات ملتی ہیں اور ان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں لیکن ان تمام خوبیوں میں سے سب سے زیادہ شاندار حصّہ اگر کسی کو ملا ہے تو وہ محمد مصطفیٰ ﷺ تھے وہ ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ تھے۔ بدی کا جواب حسن سے دینے میں موزوں کلام کے لئے بہترین انتخاب کرنے کے لحاظ سے آپؐ سے بہتر دنیا میں کبھی کوئی پیدا نہیں ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی نصائح آپ احادیث میں پڑھیں، آپؐ کی طرز بیان کو دیکھیں دل عش عش کر اُٹھتا ہے۔ چودہ سو سال سے اوپر گزر گئے کہ وہ باتیں کہی گئی تھیں مگر آج بھی زندہ ہیں، وہ سادہ سا کلام ایسی عجیب چمک اور ایسی شان رکھتا ہے کہ آنکھوں کو چُندھیا دینے والا ہے۔ ایسا جذب رکھتا ہے کہ دل بے ساختہ اس کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔

پس یہ نصیحت ہو رہی ہے کہ جب تم تبلیغ کے میدان میں نکلو تو صبر کرو۔ صبر کے بغیر تو گزارہ ہونا ہی نہیں مگر اس سے آگے قدم بڑھاؤ اور اس کی پیروی کرو جسے حَظٍّ عَظِیۡمٍ عطا ہوا تھا۔ جس کو تبلیغ کی ہر شان اپنے پورے عروج کے ساتھ عطا کی گئی تھی۔ پس آنحضرت ﷺ کے اسوہ پر اگر چلنا ہے تو پہلی بات یہ یاد رکھیں کہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے شخص سے تبلیغی رابطہ رکھنا ہے خواہ وہ بظاہر نرم مزاج کا ہو یا سخت مزاج کا ہو۔ بڑے سے بڑا دشمن بھی ہو تو اس تک بھی بات پہنچانی ضروری ہے اور بغیر خوف کے اُسے بات پہنچانی ہے۔ یہ بات یاد رکھتے ہوئے اسے بات پہنچانی ہے کہ آنحضرت ﷺ بڑے سے بڑے دشمن تک بھی حق بات پہنچاتے تھے اور بے خوف ہو کر پہنچاتے تھے۔ ایک موقع پر ابو جہل جو آنحضور ﷺ کے معاندین میں چوٹی کا معاند مشہور ہے۔ جب بھی آنحضور ﷺ کے دشمنوں کی بات کرتے ہیں تو ابو جہل کا نام سب سے پہلے ذہن میں اُبھرتا ہے اور دنیائے اسلام

میں کسی اور دشمن کا نام معروف ہو یا نہ ہو لیکن اسلامی دنیا میں مشرق سے مغرب تک دشمن کا ایک نام ایسا ہے جو ہر مسلمان کو معلوم ہے اور وہ ابوجہل کا نام ہے ایسا شدید معاند لیکن ایک مرتبہ ایک شخص فریاد لے کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ابوجہل نے میرا کچھ قرض دینا ہے اور وہ دیتا نہیں۔ آپؐ نے **حلف الفضول** کیا ہوا ہے۔ آپؐ نے ایک زمانہ میں یہ قسم کھائی تھی کہ جب بھی کسی غریب اور بے کس کو مدد کی ضرورت ہو گی آپؐ آگے آئیں گے، میں اس **حلف الفضول** کا حوالہ دیتا ہوں آیئے میری مدد کریں۔ ایک لفظ کہے بغیر، ذرا سے تردد کے بغیر آنحضورؐ اس سمت روانہ ہوئے جہاں ابوجہل کے متعلق بیان کیا جاتا تھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہوگا، وہ کہیں مجلس لگایا کرتا تھا۔ پس آپ اُٹھ کر انہیں مجالس کی طرف چل پڑے اور جا کر سیدھا ابوجہل کو مخاطب کر کے کہا کہ اے فلاں! یہ شخص ہے اس کے تو نے اتنے پیسے دینے ہیں۔ ٹال مٹول کرتے ہوئے بہت لمبا عرصہ ہو گیا ہے اب اسے ادا کرواور اس نے بغیر اعتراض کئے، بغیر تردد کئے، بغیر بہانے کے اسی وقت رقم کی ادائیگی کے لئے احکام جاری کئے۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ: ۱۳۴) جب آنحضور ﷺ وہاں سے روانہ ہو گئے تو اس کے ساتھیوں نے اسے شرمندہ کیا، اُسے ذلیل کیا کہ تم کیسے دشمن ہو۔ ہمیں تو اس شخص کی مخالفت میں ایسے بھڑ کاتے ہو کہ آگ لگا دیتے ہو اور آج وہ آیا ہے اور اس نے تم سے ایک بات کی ہے لیکن تمہاری مجال نہیں تھی کہ اس کا انکار کر سکو اور وہیں تابع فرمان کی طرح اس کی بات پر عمل کر دیا۔ ابوجہل نے کہا کہ تم نے وہ نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا ہے۔ عام حالات ہوتے تو میں اس شخص سے وہی سلوک کرتا جیسا میں ہمیشہ کرتا ہوں مگر جب یہ مجھے کہہ رہا تھا کہ اس شخص کا حق ادا کرو اور میرے دل میں بغاوت کے جذبات اُٹھ رہے تھے تو اس وقت میں دیکھ رہا تھا کہ جیسے دو مست اونٹ ہوں اور مجھ پر حملہ کے لئے تیار کھڑے ہوں۔ ان کے منہ سے جھاگیں بہہ رہی ہوں اگر میں انکار کرتا تو مجھے نظر آ رہا تھا کہ یہ اونٹ مجھ پر پل پڑیں گے۔ یہ کیا واقعہ ہوا؟ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید کا جو وعدہ ہے اور اپنے غلاموں کے حق میں جو وہ نشان دکھاتا ہے ان کی ایک مثال ہے۔ دشمن بھی ایسا جیسا ابوجہل لیکن آنحضرت ﷺ محض خدا کی خاطر اپنے ایفائے عہد کی خاطر ہر قسم کی جسمانی اور جانی خطرے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کی طرف چل پڑے تھے۔ اللہ نے اس کی ایسی قدر فرمائی کہ کشفاً ابوجہل کو دو اونٹ دکھائے جو مست اونٹ تھے اور جیسے حملہ کے لئے تیار بیٹھے ہوں۔

یہ جو کیفیت ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ کشف اور الہام بھی مختلف نوعیت کے ہوا کرتے ہیں۔ بعض کشوف مخالفانہ کشوف ہوتے ہیں اور بعض کشوف موافقانہ کشوف ہوتے ہیں۔ نیک اور بد کی تمیز کشفوں اور الہاموں کی کیفیات سے بھی پتا چلتی ہیں۔ پس ابو جہل کا یہ جو کشف ہے یہ اس کے مخالف کشف تھا، اس کی تائید میں کشف نہیں تھا اور آنحضورﷺ کی تائید کا کشف تھا لیکن دکھایا اس کو گیا مگر یہ بات اس وقت ظاہر ہوئی جب خدا کی خاطر ایک بندے نے ہر قسم کی قربانی کا فیصلہ کر لیا اور بظاہر اپنی ہلاکت کے سامان اپنے ہاتھوں سے کئے۔ ایک دشمن کے منہ میں چلے جانا ایسی ہی بات ہے جیسے شیر کی غار میں انسان داخل ہو جائے اور پھر بغیر کسی اور ساتھی کو لئے، بغیر کسی محافظ کو لئے اُٹھ کر چل پڑتے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اس جذبہ کی قدر فرمائی اس لئے آپؐ کو بچایا۔ پس یہ ہے وہ عظیم حصہ جو حضرت رسول اکرمﷺ کو ہر خلق میں عطا ہوا ہے اور آپ کو بھی ہر خلق میں سے کچھ نہ کچھ آنحضورﷺ سے حصہ لینا ہوگا۔ آنحضورؐ نے تو ہر خلق میں سے حصہ عظیم لے لیا ہے لیکن جو حصّے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی اتنے ہیں کہ سارے مسلمانوں میں تقسیم ہو جائیں تب بھی ختم نہ ہوں اور جو حصّے اپنائے ہیں اصل میں تو اپنانے والے وہی حصے ہیں۔ خلق عظیم میں سے جو حصّے آپ نے اپنائے ہیں ان کی طرف توجہ کرنی چاہئے میں نے ابھی یہ بات کی ہے کہ جو حصّے چھوڑے ہیں وہی مسلمانوں میں تقسیم ہو جائیں تو ختم نہ ہوں۔ یہ فقرہ ایسا ہے جو اکثر لوگوں کو سنتے ہی سمجھ نہیں آئے گا اس لئے کچھ وضاحت کرنی پڑے گی۔

آنحضورﷺ کے متعلق آتا ہے کہ آپؐ **مکارم الاخلاق** پر فائز کئے گئے تھے۔ (سنن الکبریٰ بیہقی جز ا صفحہ:۱۹۱) اخلاق کی بہت سی قسمیں ہیں۔ کچھ چھوٹی چھوٹی قسمیں ہیں، کچھ بہت ہی اعلیٰ درجے کی قسمیں ہیں۔ پس آنحضرتﷺ کے متعلق جب یہ فرمایا کہ حصہ لیا ہے تو یہ شبہ پڑ سکتا ہے کہ بعض اخلاق چھوڑ دیئے ہیں بعض لے لئے ہیں۔ اس کی وضاحت ضروری ہے یہ ہرگز مراد نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ سچ میں سے وہ حصہ لیا جو سب سے زیادہ اعلیٰ درجے کا حصہ تھا اور اس کا اختیار کرنا سب سے زیادہ مشکل تھا۔ حیاء میں سے وہ حصہ لیا جو سب سے زیادہ اعلیٰ پائے کا تھا اور جسے اختیار کرنا سب سے زیادہ مشکل تھا۔ ایثار میں سے وہ حصہ لیا جو اس سے پہلے اور کسی اور کو نصیب نہیں ہوا تھا صبر میں سے وہ حصہ لیا جس کی کوئی اور مثال دنیا میں دکھائی نہیں دیتی تو **حَظٍّ عَظِيمٍ** کہہ کر یہ نہیں فرمایا

کہ بعض اخلاق میں آپؐ پیچھے رہ گئے۔ کچھ کو اختیار کیا اور کچھ چھوڑ دیتے۔ حَظٍّ عَظِیْمٍ میں عظیم کا لفظ بتا رہا ہے کہ سب سے بالا سب سے شاندار اخلاق کو آپؐ نے اپنا لیا اور جو چھوڑ دیئے ہیں وہ عام لوگوں کے اخلاق سنوارنے کے لئے بھی کافی ہیں۔ وہ ایسے اخلاق ہیں جو عام طور پر دنیا میں کوئی اختیار کرے تو وہی دنیا میں بہت ہی خلیق اور اعلیٰ اخلاق کے انسان کے طور پر شہرت پالے۔

پس جب میں نے کہا کہ باقی اخلاق بھی اگر مسلمان اپنالیں اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا میں تو وہ بھی داخل ہو جائیں مگر ہمارے سپرد جو کام ہے وہ بہت عظیم ہے اس لئے ہمیں عام اخلاق سے بڑھ کر وہ حصہ جو محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے چنا ہے اس میں سے بھی کچھ آپ سے مانگنا چاہئے او راس میں سے بھی کچھ اپنے لئے اختیار کرنا چاہئے۔ یہ وہ مضمون ہے جسے اگر آپ اچھی طرح سمجھ جائیں تو آپ کی دعوت الی اللہ کا کام مشکل ہونے کی بجائے آسان ہو جائے گا۔ مصیبت بننے کی بجائے ایک راحت میں تبدیل ہو جائے گا۔ ساری زندگی آپ اس کام میں لگے رہیں کبھی آپ نہیں تھکیں گے کیونکہ آنحضور ﷺ آخری سانس تک اس کام سے نہیں تھکے۔ آپ کو اس تکلیف میں راحت ملے گی جو اس راہ میں آپ اُٹھاتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کو اس تکلیف میں راحت ملا کرتی تھی جو آپ اس راہ میں اُٹھاتے تھے۔

پس حَظٍّ عَظِیْمٍ کی طرف توجہ کریں اور کام اتنا بڑا ہے اور اتنا مشکل ہے کہ اس کے بغیر یہ مشکل ہمارے لئے آسان نہیں ہوگی۔ اب تک جو میں دیکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ بہت ہی کم ہیں جنہوں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ اس طرف توجہ کی ہے۔ جماعتوں میں سے بھاری اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو جذبہ تو رکھتے ہیں لیکن ان کو ان کے نظام نے نہ تو باقاعدہ بچے کی طرح تربیت کرتے ہوئے اپنایا اور طریقہ سکھایا کہ کیسے تبلیغ کرنی ہے اور نہ ان میں یہ استعداد ہے کہ از خود وہ کر سکیں۔ پس بہت سے امکانی داعیان الی اللہ ایسے ہیں جو بن سکتے تھے لیکن نہیں بن سکے۔ اس سلسلہ میں میں انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں امراء کو نصیحت کروں گا۔ انفرادی طور پر نصیحتیں ہیں جو جماعت کے ہر فرد سے تعلق رکھتی ہیں لیکن بہت سے ایسے ہیں جو نصیحت سنتے ہیں۔ نصیحت پر عمل کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے ان کے لئے مربی کی ضرورت ہوتی ہے اور مربیوں کے لئے پھر باقاعدہ ایک نظام کی ضرورت ہے۔ باقاعدہ نظام کے تابع ایسے مربی ہوں جو ان بندوں تک پہنچیں ان کی تربیت کریں۔

ان کو ادنیٰ سے اعلیٰ مقامات تک پہنچائیں۔ پس ہمیں دونوں طرف با قاعدہ نگرانی کرنی ہوگی کتنے احمدی ہیں جو خطبات کے اثر سے واقعۃً داعی الی اللہ بن گئے ہیں۔ کتنے ہیں جن کے اندر تمنائیں پیدا ہوئی ہیں لیکن وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ کتنی جماعتیں ہیں جہاں تبلیغ کے نتیجہ میں نمایاں طور پر کثرت سے لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ کتنی ہیں جہاں شاید تبلیغ ہو رہی ہے لیکن اثر کوئی نہیں ہو رہا۔ اگر آپ جماعت کے حالات کو Categories کے طور پر تقسیم کرنا شروع کریں تو آپ کو بہت سے ایسے گروہ ملیں گے جن کی طرف نظام جماعت کو با قاعدہ توجہ کرنی ہو گی۔ اگر وہ نہیں کریں گے تو وہ گروہ ضائع ہو جائیں گے۔ ان کے اندر ذاتی طور پر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کو عمل میں ڈھال سکیں۔

پس بہت سے کام ہیں جو نظام جماعت کو ادا کرنے ہیں۔ بہت سے کام ہیں جو انفرادی ہیں لیکن امیر جماعت کی ذمہ داری ہے کہ وہ نظر رکھے کہ کتنے افراد ان انفرادی پروگراموں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اگر وہ ایک دفعہ کہہ کر غافل ہو جاتا ہے تو اس نے اپنی امارت کا حق ادا نہیں کیا کیونکہ اس کے لئے بھی صبر کا مضمون ہے اور نصیحت کرنے والے کو سب سے زیادہ صبر میں سے حصہ لینا چاہئے۔ یہ مضمون بھی میں نے اسی آیت کریمہ سے سیکھا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کو جو یہ فرمایا کہ وہ حَظٍّ عَظِيمٍ رکھنے والے انسان ہے تو پہلے صابرین کا ذکر کر دیا تھا۔ اس میں ایک بہت گہرا راز ہے اور وہ یہ ہے کہ صابر بنانے والا جس نے اپنے ساتھیوں کو ایسا صابر بنا دیا کہ خدا بڑے پیار سے ان کا ذکر کر رہا ہے۔ اندازہ کرو کہ وہ خود کتنے بڑے صبر والا ہوگا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جو خود صبر والا ہو وہی دوسرے کو صابر بنا سکتا ہے اور جس میں آپ صبر نہ ہو وہ کسی کو صبر کی تلقین نہیں کر سکتا تو فرمایا محمد مصطفیٰ ﷺ کے صبر کا اندازہ کرو کتنا بڑا حصہ پایا ہوگا کہ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا جتنے ایمان والے صابر تم دیکھ رہے ہو یہ محمد ﷺ کی کوششوں کا ہی پھل ہیں۔ انہی کے اخلاق کی خیرات ہیں کہ اتنے صبر کرنے والے پیدا ہوئے ہیں۔ پس تم بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کے در سے صبر کی خیرات حاصل کرو۔ پھر تم دیکھو گے کہ تمہیں عظیم تبدیلیاں پیدا کرنے کی طاقت عطا ہوگی اور تم واقعۃً وہ کام کر دکھاؤ گے جو بظاہر ناممکن دکھائی دیتے ہیں۔

پس فرانس ہو یا جرمنی ہو یا ہالینڈ ہو یا دنیا کا کوئی اور ملک ہر ملک محمد مصطفیٰ ﷺ کا ملک ہے

کیونکہ آپؐ کو رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہر ملک کی جماعت کا اولین فرض ہے کہ جس ملک میں رہتے ہیں جس ملک کا نمک کھاتے ہیں جس ملک کا پانی پیتے ہیں اس کے باشندوں کی طرف بھر پور توجہ کریں اور ان میں سے لیڈر صفات لوگ چُنیں خواہ وہ دشمنی میں آگے بڑھے ہوئے ہوں۔ ہمت اور صبر اور اخلاق محمدی کے ساتھ ان کو تبلیغ کریں گے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ انہی دشمنوں میں سے آنحضرت ﷺ کے دین پر جان نچھاور کرنے والے دوست پیدا ہو جائیں گے۔

خدا کرے کہ فرانس کی جماعت کو فرانس میں اور دیگر ملکوں کی جماعتوں کو دیگر ملکوں میں یہ روحانی انقلاب برپا کرنے کی توفیق عطا ہو۔ آمین

اپنی ذات کیلئے خود مربی بنیں۔
نو مبائع کا اول ذمہ دار داعی الی اللہ ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ رمئی ۱۹۹۲ء بمقام سپین)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ احمدیت اب ایک ایسے دور میں داخل ہو رہی ہے جبکہ ہر احمدی خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا بالآخر انشاء اللہ تعالیٰ داعی الی اللہ بن جائے گا اور وہ دور پیچھے رہ جائے گا جب احمدی یہ سمجھا کرتے تھے کہ تبلیغ کرنا مبلغ یا مربی کا کام ہے۔امرِ واقعہ یہ ہے کہ مبلغ اور مربی تو بہت بعد کی پیداوار ہیں۔احمدیت کا آغاز وہی اچھا آغاز ہے جو اسلام کے آغاز جیسا ہو کیونکہ احمدیت اسلام کے ہی آغازِ نَو کا نام ہے۔حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے تو کوئی مربی کسی ظاہری طور پر رسمی طور پر واقفِ زندگی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا، کوئی مدرسہ نہیں تھا سوائے اس روحانی مدرسہ کے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے جاری فرمایا اور جس کی درسی کتاب صرف قرآن تھی۔اس کے سوا نہ کوئی مدرسہ تھا نہ کوئی اور کتب تھیں۔حدیثیں بھی زبانی نصیحت کے طور پر آپؐ کے عشاق میں گھوما کرتی تھیں۔تو پڑھنے کے لئے حدیثوں کی کتاب بھی موجود نہیں تھی۔ایسی حالت میں اسلام پھیلا ہے کہ ہر وہ شخص جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لایا اُس نے آپ ہی کے رنگ اختیار کرنے کی کوشش کی۔ جیسا مبلغ، جیسا مربی آپؐ کو پایا، ویسا مبلغ اور ویسا مربی بننا تو کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں تھی مگر پوری دیانتداری کے ساتھ، پورے تقویٰ کے ساتھ، انتہائی خلوص کے ساتھ اپنی تمام صلاحیتوں کو کام

لاتے ہوئے ان سب نے کوشش ضرور کی کہ اپنے آقا ومولیٰ کے قدم پر قدم رکھیں۔ اور جیسے آپ کو خدا کا پیغام پہنچانے کا اس قدر ولولہ تھا کہ لوگ کہتے تھے کہ اپنے رب کی محبت میں یہ پاگل ہو گیا ہے۔ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّهُ. (غزالی صفحہ:۱۵۱) محمد تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے اور اسی کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے تھے یہ مجنون ہے اِنَّكَ لَمَجْنُونٌ (سورۃ الحجر: ۷) تُو تو مجنون ہے، تجھے تو جنون ہو چکا ہے۔ درحقیقت بظاہر یہ ایک بہت ہی بیہودہ اور تکلیف دہ بات تھی لیکن درحقیقت اس میں ایک گہرا راز ہے اور ایک بہت عارفانہ نکتہ ہے جسے بطور عارفانہ نکتہ کے تو انہوں نے نہیں سمجھا۔ جہاں تک ان کی زبانوں کا تعلق ہے وہ ہرزہ سرائی تھی لیکن فی الحقیقت اس میں ایک بہت گہرا عارفانہ نکتہ ہے کہ تبلیغ کا جنون اسی کو ہو سکتا ہے جو اپنے رب کا عاشق ہو جائے۔ جو شخص اپنے رب پر عاشق ہو وہ لازماً اپنے عشق کی دھن میں دنیا کو اس طرف بلاتا رہے گا۔ اس سے بے نیاز اور قطع نظر کہ دنیا اسے کیا کہتی ہے، کیا سمجھتی ہے۔

پس ان دونوں باتوں میں ایک گہرا جوڑ تھا۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق سارا عرب جانتا تھا کہ ان سب میں سب سے زیادہ صاحب عقل اور صاحبِ دانش تھے بچپن سے جوانی تک، جوانی سے پختگی کی عمر تک آپ نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو اپنے میں سے سب سے زیادہ امین، سب سے زیادہ صدیق، سب سے زیادہ عقل اور حکمت کی باتیں کرتے ہوئے پایا چنانچہ ہر ایسے مشورے کے لئے جس میں قوم کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہوتا یا ہر ایسے مشورے کے لئے جس کے لئے ایک صائب الرائے کے لئے نظریں کسی معقول انسان کو تلاش کیا کرتی تھیں سب نظریں بلاشبہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہی کی طرف اٹھا کرتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ بچپن ہی سے آپ کے عقل و دانش کی ایسی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت بھی جبکہ آپ کی عمر چھوٹی تھی جب عرب سرداروں میں خوب جھگڑا ہوا کہ کس قوم کو پہلا حق دیا جائے کہ وہ حجرِ اسود کو اٹھا کر اس جگہ نصب کرے جو اس کے لئے مقرر کی گئی تھی اور یہ جھگڑا کسی طرح طے نہیں ہوتا تھا۔ تو اچانک لوگوں کی نگاہیں اٹھیں اور انہوں نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو جب وہ خدا کے نبی بنائے نہیں گئے تھے، ابھی بچپن کی عمر میں تھے اپنی طرف آتے دیکھا اور سب نے بے اختیار کہا کہ وہ آنے والا آ گیا ہے۔ یہ سب جھگڑے طے کر دے گا، اسی کی طرف بات کو لوٹا دو۔ چنانچہ آنحضور ﷺ جب اس مقام پر پہنچے

تو سب سرداروں نے بغیر کسی اختلاف کے اپنی عمر اور سرداری کے رعب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس چھوٹی عمر کے نوجوان سے یہ کہا کہ آپؐ بتائیں کہ ہم میں سے کون زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس پتھر کو اٹھا کر اس موعود جگہ پر نصب کرے جو مقرر کی گئی ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے بغیر جھجک کے ایک ایسا فیصلہ دیا جو علم و حکمت اور دانش کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک چادر لاؤ اس چادر کو بچھایا گیا۔ فرمایا تم سب سردار اس چادر کے کونے پکڑ لو اور خود پتھر اٹھا کر اس چادر کے بیچ میں رکھ دیا۔ جس کا حق تھا اُسے پہنچ گیا اور کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ کسی کے ذہن میں یہ بات نہ گئی کہ اس پتھر کو نصب کرنے کا اولیٰ حق حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہی کو ہے لیکن یہ بات ابھی منصۂ شہود پر ابھری نہیں تھی، ابھی حقیقت بن کر سامنے نہیں آئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی صلاحیتوں سے تو وہ باخبر تھے مگر یہ بھی جانتے تھے کہ اس نور پر ایک آسمان سے اترنے والا ایک نور ہے جو اس نور کو ایسا دوبالا کر دے گا کہ اس کی کوئی مثال دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دے گی۔

پس آنحضرت ﷺ کی عقل نے اپنی معصومیت میں وہ فیصلہ کیا جو دیکھنے والے کی نگاہ میں خود غرضی کا بھی ہو سکتا تھا لیکن سارا عرب گواہ ہے کہ کسی دماغ کے گوشے میں بھی یہ وہم نہیں گیا کہ آنحضور ﷺ نے خود اپنی خاطر پتھر پہلے اٹھانے کی خاطر یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس کے سوا حل کوئی نہیں تھا۔ خود بخود تو پتھر لڑھک کر اُس چادر پہ جا نہیں سکتا تھا۔ منصفانہ تقسیم اس سے زیادہ ہو نہیں سکتی تھی کہ سب سرداروں کو کہا جائے کہ تم بیک وقت چادر کو پکڑ لو اور اس پتھر کو اٹھا کر اس چادر پر رکھتا کون؟ وہی معصوم انسان جس کے ذہن میں یہ ترکیب آئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ میں اٹھا کر رکھ دیتا ہوں تا کہ سرداروں کا جھگڑا ختم ہو لیکن دراصل اس میں آئندہ ہونے والے واقعات کا ایک بیج تھا جو بڑی عمدگی اور پاکیزگی کے ساتھ بویا گیا۔ سارے عرب کی سرداری نہیں، تمام دنیا کی سرداری آپؐ کو عطا ہونی تھی کیونکہ خانۂ کعبہ عربوں کی آماجگاہ نہیں بلکہ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ (آل عمران: ۹۷) یہ وہ پہلا گھر ہے خدا کا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے بنایا گیا اور بَکَّۃ میں بنایا گیا ہے۔ پس آپؐ کو اس گھر کی سرداری عطا ہونی تھی جو تمام دنیا میں خدا کی خاطر بنانے والے گھروں میں سب سے پہلا گھر تھا اور سارے بنی نوع انسان کے لئے مشترک اس لئے یہ کہنا کسی عرب سے یہ ممکن نہیں تھا کہ آپؐ کو مجنون کہہ دیتا۔ جانتا تھا اور بچہ بچہ جانتا تھا، کوئی اس بات سے عرب میں

بے خبر نہیں تھا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ علم و دانش کا سر چشمہ ہیں۔ پس جنون کہنے کے ساتھ اس کی کوئی توجیہہ بتانی ضروری تھی، یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ عشق کا جنون ہے اس کے بغیر کوئی سننے والا اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ عشق کا جنون ایسا جنون ہے جو عاقل کو بھی دیوانہ کر دیتا ہے اور عقل اور دیوانگی میں جو دوری پائی جاتی ہے جو بُعد ہے، عشق کا پُل ہے جو اُسے پاٹ دیتا ہے، یکجا کر دیا کرتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مضمون کو ایسی پیاری زبان میں بیان فرمایا جب یہ کہا

تا نہ دیوانہ شدم، ہوش نیامد بسرم
اے جنوں، گرد تو گردم کہ چہ احساں کر دی (درثمین فارسی صفحہ: ۲۱۷)

جب تک میں دیوانہ نہیں ہو گیا مجھے ہوش نہیں آیا، لیکن یہ دیوانگی آئی کہاں سے۔ اے جنوں، گرد تو گردم کہ چہ احساں کر دی۔ یہ عشق کا جنوں تھا جس نے یہ دیوانگی عطا فرمائی۔ تو جس کا مضمون محبت اور عشق کا چل رہا ہے۔ پہلا شعر یہ ہے

اے محبت عجب آثار نمایاں کر دی
زخم و مرہم برہِ یار تو یکساں کر دی (درثمین فارسی صفحہ: ۲۱۷)

پس اس پہلے شعر کی روشنی میں جب آپ اس شعر کو پڑھتے اور سمجھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ محبت کا مضمون ہے اور محبت ہی وہ چیز ہے جو عقل اور جنون کو اکٹھا کر دیا کرتی ہے۔ پہلے شعر کا مطلب جن کو فارسی نہیں آتی ان کی خاطر بتاتا ہوں۔ فرماتے ہیں: اے محبت عجب آثار نمایاں کر دی۔ اے محبت تو نے عجیب قسم کے نشان ظاہر کئے ہیں۔ زخم و مرہم برہِ یار تو یکساں کر دی۔ تو نے زخم اور مرہم کو یار کے رستے میں اکٹھا کر دیا ہے۔ زخم اور مرہم دو جدا چیزیں ہیں۔ ایک ہی چیز جو زخم بھی ہو جائے اور مرہم بھی بن جائے اسی کا نام جنون ہے۔ تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم

دیکھیں اسی مضمون کو کس عمدگی سے آپ نے آگے بڑھایا۔ یہ جو بات میں کہہ رہا ہوں یہ تو دیوانگی کی بات ہے۔ زخم اور مرہم ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی چیز کے دو نام کیسے بن سکتے ہیں۔ فرمایا اس طرح کہ تمہیں عشق میں جنون ہو جائے۔ تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم۔ جب تک میں دیوانہ نہیں ہو گیا مجھے ہوش نہیں آئی۔ اے جنوں گردِ تو گردم۔ اے جنوں تو میرا کعبہ بن جا۔ تیرے گرد میں گھوموں۔ تو نے کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

پس یہی وہ نکتہ تھا جس کو عرب حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ذات میں پہچان گئے تھے، جانتے تھے اس عقل و دانش کے سرچشمے کو اگر عشق کا دیوانہ نہ کہا جائے تو کوئی ہماری بات کو تسلیم نہیں کرے گا اور اس لحاظ سے یہ بات عارفانہ تھی حقیقت یہی ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو اپنے رب سے عشق ہو گیا تھا۔ ورنہ جو راہِ خدا میں دیوانگی کے کام آپؐ سے ظاہر ہوئے جو حیرت انگیز کام جو دیکھنے والے کو ناممکن دکھائی دیتے تھے آپؐ کی ظاہری طور پر بے بس اور بے کس ذات سے وہ عظیم معجزے جو ظاہر ہوئے ہیں یہ حقیقت میں عشق ہی کے معجزے تھے۔ اور حقیقی عشق ہی ہے جو عقل و دانش کو کامل کرتا ہے اور پختہ کرتا ہے۔ عشق کی دیوانگی کے بعد انسان جانتا ہے کہ عقل کے کیا معنی ہیں۔

پس جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا احمدیت کا آغاز وہی آغاز سچا ہوگا جو اسلام کا آغاز تھا جس کے بغیر احمدیت کے کسی دوسرے آغاز کے کوئی معنی نہیں اور ان معنوں میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شعر پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اسی طرح احمدیت کا آغاز فرمایا جیسا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو عشق کے نتیجے میں جنون عطا ہوا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ ﷺ کی غلامی میں پہلے عشق اور پھر جنون عطا ہوا تھا پھر جنون کا عرفان عطا ہوا اور آپؑ سمجھ گئے کہ اس کے بغیر دنیا میں انقلاب برپا کرنا ممکن نہیں اور آپؑ کے زمانے میں ایسا ہی ہوا۔ کوئی مدرسہ جاری نہیں ہوا جس میں مبلغ تیار ہوتے ہوں، کوئی ایسی کتابیں نہیں تھیں جو تدریس کے طور پر پڑھائی جاتی ہوں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے ادنیٰ ادنیٰ غلام بھی جن کو کوئی تعلیم حاصل نہیں تھی، دنیا کی بھی کوئی تعلیم حاصل نہیں تھی، لفظوں کی شُدھ بُدھ سے بھی واقف نہیں تھے۔ وہ بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی میں آکر ایسے صاحبِ عرفان بنے کہ بڑے بڑے لوگوں کے منہ اُنہوں نے بند کر دیئے۔ ایسا علم ان کو عطا ہوا جو روحانی علم تھا، جو قرآن کا علم تھا، جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے روحانی چشموں کی صورت میں جاری رہتا تھا اور آپ کے دل سے نور کے سوتوں کی طرح پھوٹا کرتا تھا، ان کے دماغوں کو بھی معطر کر دیتا تھا اور دلوں کو بھی روشن کر دیتا تھا۔ وہ یہ نور لئے پھرتے تھے جس سے وہ اپنے علاقوں کو روشنی عطا کرتے رہے۔

چنانچہ احمدیت کے آغاز کی تاریخ میں جب میں نے پاکستان میں دورے کے وقت مختلف

دیہات میں معلوم کیا کہ کون لوگ تھے جو پہلے احمدی ہوئے، تو بسا اوقات یہ معلوم کر کے حیران رہ جاتا تھا کہ ابتدائی احمدی ہونے والے کوئی بڑے عالم نہیں تھے، سیدھے سادھے سادہ لوح زمیندار۔ اگر پڑھنا جانتے تھے تو بس شُدھ بُدھ کی حد تک اس سے زیادہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو ایک نظر دیکھا وہ نظر عشق میں تبدیل ہوگئی۔ وہ عشق جنون میں بدل گیا اور وہی جنون تھا جس نے ان کے علاقوں میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ حیرت انگیز بات ہے کہ تھوڑے تھوڑے سادہ لوح تقریباً ان پڑھ زمینداروں نے اپنے علاقوں میں ہر طرف ایک تہلکہ مچا دیا۔ پس احمدیت کا آغاز حقیقتاً وہی آغاز ہے جو اسلام کا آغاز تھا اور ہمیشہ کے لئے سچا آغاز کہلانے کا مستحق یہی آغاز ہے جو آج بھی ہے، کل بھی ایسا ہی ہوگا۔

پس آج احمدیت خدا کے فضل کے ساتھ دوبارہ اسی مضمون کی طرف لوٹ رہی ہے اور جگہ جگہ میں نظر دوڑا کے دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہر شخص خواہ وہ علم میں کسی مقام پر ہو یا لاعلمی میں کسی جگہ کھڑا ہو اس کا اب ایک ہی جیسا حال ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان پڑھ بھی تبلیغ کر رہے ہیں، پڑھے لکھے بھی تبلیغ کر رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ جوش اور ولولہ پھیلتا چلا جا رہا ہے، بچوں میں بھی شوق پیدا ہو گیا ہے، لڑکیاں بھی اپنی اپنی توفیق کے مطابق اپنے سکولوں میں تبلیغ کرتی ہیں اور ہر دورے کے وقت مجھے نئے دلکش مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے پہلے جب میں سپین میں آیا تھا میں نے آپ کو خود بتایا تھا کہ ایک لحاظ سے طبیعت بڑی برگشتہ اور مایوس تھی ایک لمبے عرصے سے یہاں مشن قائم تھا لیکن سوائے ایک خاندان کے اور سوائے ایک دو اور افراد کے کسی کو تبلیغ کا شوق نہیں تھا۔

جب میں آیا میرے ساتھ نوجوان سیروں پر گئے ان کو سمجھایا، مجلسوں میں بیٹھ کر باتیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ زمین زرخیز تھی اور بیج کو قبول کرنے والی تھی۔ چنانچہ اب جب میں نے یہاں دیکھا ہے تو خدا کے فضل سے ایسے ایسے نوجوان اور مرد اور عورتیں اور بچے تبلیغ میں مصروف ہو چکے ہیں کہ ان کی کوشش کے نتیجے میں جن لوگوں کو دلچسپی پیدا ہوئی ہے وہ آ کر گواہی دیتے ہیں، وہ ملتے ہیں تو بتاتے ہیں کہ کیوں ان کو احمدیت کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ اور سب سے اچھی رپورٹ وہی ہے جو متاثر آدمی دیا کرتے ہیں ورنہ اپنے ہاتھ سے لکھ لکھ کر خط بھجوانا کہ ہم اتنی تبلیغ کر رہے ہیں اور اتنی تبلیغ کر رہے ہیں وقتی طور پر وہ خوشی تو پہنچا دیتا ہے لیکن یقین کے مقام تک نہیں

پہنچاتا۔ بہت سے ایسے ہیں جو ہر لحاظ سے سچے ہیں۔ ان کی زبان بھی سچی ان کی تحریر بھی سچی ان میں مبالغہ نہیں ہوتا۔ ایسے خطوں سے سچی رپورٹیں ملتی ہیں اور دل خوش ہوتا ہے لیکن ایسے بھی ہم میں کمزور ہیں جو اپنی بات کو سجا کر پیش کرنا جانتے ہیں۔ خواہ نیت نیک ہی ہو خواہ نیت یہ ہو کہ اس طرح ہم زیادہ دعائیں کھینچیں گے مگر زیادہ دعاؤں کے شوق میں جو مبالغہ کر جاتے ہیں اسی حد تک دعاؤں کے فیض سے وہ محروم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ **دعا زمین سے تو اٹھے گی مگر صرف ایک کنارے پر دعا نہیں بنا کرتی۔ دعا مکمل تب ہوتی ہے جب دوسرے کنارے تک پہنچے اور وہاں مقبول ہو جائے۔ اگر وہاں نہ پہنچے اور اس کا دوسرا سرا عرش کے پاؤں سے نہ باندھا جائے تو خواہ زمین سے عرش تک اٹھتی ہوئی دعا دکھائی دے وہ بیکار جائے گی۔ اصل دعا اس کو ملتی ہے جو پاکیزگی اور سچائی کے ساتھ بات بیان کرتا ہے۔** مگر بہر حال میری دعا تو یہی ہے کہ جو کمزور ہیں جو کسی وجہ سے اپنی رپورٹوں میں مبالغہ بھی کر دیتے ہیں اگر کوئی کمی رہ جاتی ہے تو اللہ اپنے فضل سے پوری کر دے۔ ان کے حق میں بھی دعائیں سنے لیکن جو دل کی گہرائی سے نکل کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچنے والی دعا ہے وہ وہی ہے جب انسان کسی کی محنتوں کے پھل کو دیکھتا ہے۔ ایک زمیندار آپ سے کہے کہ میں نے اتنی محنت کی، اتنے ہل چلائے، اتنے پانی دیئے، اتنی راتوں کو جاگا۔ بہت خوشی ہوگی اس کی باتیں سن کر لیکن جب آپ پوچھیں کہ گھر میں گندم کتنی ہاتھ آئی تو کہے کہ گندم تو ضائع ہوگئی کچھ بھی ہاتھ نہ آیا تو ساری خوشی ملیا میٹ ہو جائے گی اور افسوس میں بدل جائے گی لیکن ایک شخص کچھ نہ بتائے صرف یہ بتائے کہ میرے گھر خدا کے فضل سے میری زمینوں سے فی ایکڑ ستر من گندم ہاتھ آئی ہے۔ وہ ستر من کا لفظ اس کی سارے سال کی محنتوں کی تصویر ایسی خوبصورتی سے آپ کے سامنے کھینچ دے گا کہ کسی رپورٹ کی ضرورت نہیں رہتی۔

پس میں نے جو اس دورے میں محسوس کیا ہے۔ فرانس میں بھی اور سپین میں بھی وہ یہ ہے کہ وہ لوگ ملے ہیں آ کر جن کو تبلیغ پہنچی ہے اور وہ بتاتے ہیں کہ کہاں سے پہنچی ہے۔ جو بیعتیں ہوئی ہیں وہ اس کے علاوہ خود گواہ ہیں اور ہمیشہ کے لئے گواہ بنی رہیں گی کہ خدا کے فضل سے آپ کی چھوٹی سی جماعت میں زندگی کی ایک نئی روح دوڑ رہی ہے اور ابھی آغاز ہے اگر اسی طرح باہمی محبت کے ساتھ، امیر کی اطاعت میں یکجان ہوتے ہوئے جو بہت ہی ضروری ہے ایک دوسرے پر بدظنیاں کرتے ہوئے نہیں بلکہ حسن ظنیاں کرتے ہوئے، ایک دوسرے کی کمزوریوں سے درگزر کرتے ہوئے خدا کی

راہ میں دعوت الی اللہ کرتے رہیں گے تو یہ آپ کے نیک اعمال یعنی اندرونی نیکیاں لازماً خدا کے حضور مقبول ہوں گی اور اس کے نتیجے میں آپ کا بیرونی کام پھل دار بنے گا۔

بار ہا میں نے جماعت کو سمجھایا ہے کہ قرآنِ کریم جو ایک اعجاز ہے، کلام اور حسنِ کلام کا اعجاز، اس نے دعوت الی اللہ کے مضمون کو نیک عمل کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ فرماتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (حٰم السجدۃ: ۳۴) اس سے زیادہ حسین قول والا کون ہوسکتا ہے اس سے زیادہ جاذبِ نظر پُرکشش بات اور کس کی ہوسکتی ہے جس نے خدا کی طرف بلایا اور خوبصورت اعمال سے اپنے قول کو تقویت بخشی۔

پس دوسری بات جو میں نے محسوس کی ہے اور جس کا پہلی بات سے گہرا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ آپ سپین میں آپس میں چھوٹی چھوٹی کمینی باتوں پر جھگڑے نہیں کریں۔ اس سے پہلے لوگ ملاقاتیں مانگا کرتے تھے اور مجھے اندازہ ہو جاتا تھا کہ مربی کے خلاف شکایتیں کرنی ہیں۔ ایک نے شکایت کی دوسرے نے اس کی شکایت کو توڑا، ایک اور نے وقت مانگا اس نے اس کے متعلق کیڑے ڈالے جس نے بات کی تھی، ایک چوتھے کو خیال آیا کہ میں اس کی بات کا جواب دوں۔ عجیب وغریب قسم کی کھچڑیاں بیہودہ سی پکتی تھیں اور دال میں کہتے ہیں کالا کالا لیکن یہ ایسی کھچڑی تھی جس میں دال نہیں صرف کالا کالا ہی ہوتا تھا نہایت طبیعت متنفر ہوتی تھی۔ کچھ کو ڈانٹا، کچھ کو سمجھایا پیار سے، کچھ سے خط و کتابت کی، لمبا عرصہ بحثیں کیں، سمجھایا اور میں نے کہا کہ میں اس بات کو سمجھا کے چھوڑوں گا ورنہ نہیں چھوڑوں گا کہ جب تک امیر کی اطاعت پر تم اکٹھے نہیں ہو جاتے جب تک امیر کے ساتھ نرمی کا سلوک نہیں کرتے، ادب اور محبت کا سلوک نہیں کرتے۔ جب تک تمہارا حوصلہ اتنا نہیں بلند ہوتا کہ امیر تم پر سختی بھی کرے اور ناواجب سختی بھی کرے تب بھی جس طرح بچہ اپنے باپ کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کی سخت باتوں کو بھی سن لیتا ہے۔ جب تک اس جذبے کے ساتھ اپنے امیر کی باتیں سننے کی عادت نہیں ڈالو گے تمہارے کاموں میں برکت نہیں پڑے گی جو چاہو کرتے رہو۔ تمہاری نیکیاں ساری ضائع چلی جائیں گی ان کو پھل نہیں لگے گا کیونکہ قرآنِ کریم نے تبلیغ کے پھل کے سلسلے میں یہی انداز ہمیں سمجھایا ہے مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا اس سے بہتر کس کے قول میں کشش ہوسکتی ہے۔ اَحْسَنُ معنی حسین، جاذبِ نظر، دلوں کو

کھینچنے والا۔ جس کا عمل نیک ہو اگر عمل نیک نہیں ہے تو باتیں خواہ کتنی پیاری ہوں ساری ہوا میں ہر طرف اُڑ کر بکھر جائیں گی اور ان کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ کسی زمین میں پیوست نہیں ہوں گی۔ وہ کوئی ایسا بیج نہیں بنیں گی جن سے آگے نونہال درخت پھوٹیں اور ان درختوں کو پھر پھل لگیں۔ اس لئے تم خواہ مخواہ اپنی باتوں کو ضائع نہ کرو بلکہ اکٹھے رہو، پیار اور محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ جُڑ کر رہو، ایک امیر کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرو اور اگر اس کی کمزوریوں سے درگزر نہیں کر سکتے۔ تو اس کی معرفت مجھے لکھو، میں اسے سمجھاؤں گا چنانچہ اس کے نتیجے میں مجھے بہت سے لوگوں نے بعض شکایتیں لکھیں، تحقیق ہوئی اور کئی دفعہ سچی نکلی۔ اس پر مجھے کوئی شکوہ نہیں ہوا۔ میں نے کہا آپ کو یہ حق دیا تھا آپ نے اس کو استعمال کیا ہے چنانچہ اس شخص کو جس کے خلاف وہ درست رپورٹ تھی اس کو بھی سمجھایا گیا۔ بڑی سرزنش کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ جماعت کے اندر سعادت کا مادہ پایا جاتا تھا۔ کوئی ایک شخص بھی خدا کے فضل سے ضائع نہیں ہوا۔ بعضوں سے بہت سختی کی، بعضوں کو عہدوں سے ہٹایا گیا، کہا گیا کہ آئندہ تمہارے سپرد کوئی خدمت نہیں کی جائے گی لیکن چونکہ سعادت تھی اس لئے انہوں نے میری سختی کو بھی شرح صدر کے ساتھ قبول کیا، سرِ تسلیم خم کیا، اپنی غلطیوں کو سمجھا، یا نہیں بھی سمجھا تو معافی مانگی اور عہد کیا کہ آئندہ پھر آپ کو ہماری طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ نتیجۃً اب یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بالکل نئی حالت پر آچکی ہے۔

اب ضرورت ہے کہ اس جماعت کو خود اپنی تربیت کی طرف توجہ کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس بارے میں ان کو سمجھایا جائے کہ سب سے اچھی تربیت وہی ہوتی ہے جو انسان خود کرے۔ جس کے دل میں ایک مربی پیدا ہو جائے، جس شخص کو یہ محسوس ہو کہ میرے سپرد بڑے بڑے کام ہو چکے ہیں اور میں کرنا شروع کر چکا ہوں لیکن میرے اندر پوری استطاعت نہیں ہے، میں پوری طرح ان کاموں کا اہل نہیں ہوں، تبلیغ کرتا ہوں لیکن میرا دینی علم کمزور ہے، نیکی کی تعلیم دیتا ہوں لیکن بنیادی کمزوریاں ہیں۔ عبادت کی طرف سے غافل ہوں یا نماز پڑھتا ہوں تو ترجمہ نہیں جانتا۔ لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ نماز کیا ہے تو میں کیا سمجھاؤں گا۔ یہ وہ سوالات ہیں جو خود بخود ایک مبلغ کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس سفر کا ایک لازمی حصہ ہیں۔

پس اب ضرورت ہے کہ جماعت کو اس اہم شعبے کی طرف متوجہ کیا جائے یعنی خود اپنی

تربیت کا شعبہ اور جماعت کو سمجھایا جائے کہ باہر کا مربی ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک انسان کے اپنے دل میں ایک مربی نہ پیدا ہو جائے۔ اپنی علمی کمزوری کی طرف توجہ ہو اور دل اس بات پر بار بار زور لگائے اور اپنی ذات میں آپ سے احتجاج کرے اور کہے کہ مجھے کچھ بتاؤ میں کیا کروں۔ میرے لئے کچھ کرو کیونکہ مجھے موجودہ حالت پر چین نہیں آتا۔ دل کا یہ کام ہے، دل کی زبان بظاہر گونگی ہے علمی لحاظ سے تفاصیل میں نہیں جاتا لیکن بہت ہی پیارا کام ہے جو یہ کرتا ہے۔ مچلتا ہے، بیقراری کا اظہار کرتا ہے، مطالبے کرتا ہے خواہ وہ بالکل سادہ ستھرے، خواہ معمولی زبان میں مطالبے ہوں یا زبان نہ بھی ہو تو ان کے مطالبوں کا مطلب سمجھ آجاتا ہے۔ چھوٹے بچے جن کو بولنا نہیں آتا جب وہ اپنی ماؤں سے مطالبے کرتے ہیں تو زبان سے تو نہیں کیا کرتے وہ اپنے چھوٹے سے بستر پہ تڑپتے ہیں، ٹانگیں مارتے ہیں، روتے ہیں، چیختے ہیں۔ ماں کا کام ہے سمجھے اور جب تک وہ سمجھ نہ جائے وہ بچے اپنی ضد نہیں چھوڑتے اپنا مطالبہ نہیں چھوڑتے۔

پس دل کا یہی حال ہے۔ عقل اگر ماں باپ کا مقام رکھتی ہے، عقل زبان رکھتی ہے، عقل سمجھتی ہے اور سمجھانا جانتی ہے۔ تو دل بھی اپنی زبان رکھتا ہے اور اپنے طور طریق ہیں جن کے ذریعہ یہ دوسرے کو بات سمجھا دیا کرتا ہے۔ اور دل کے سمجھانے کے طریق ایک معصوم بچے کی طرح اس کی بے چینی اور بیقراری ہے۔ پس ایک انسان جسے اپنی کمزوری کا احساس ہو اور وہ احساس بے چینی میں بدل جائے۔ اس احساس کے نتیجے میں وہ نہ دن کو چین پائے نہ رات کو چین پائے وہ ضرور کچھ نہ کچھ دماغ کو آمادہ کر کے چھوڑے گا کہ وہ اس کے لئے کچھ کرے۔ پس وہ لوگ جو علمی ترقی کرتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی مدرسے میں تعلیم پائیں۔ بہت سے ایسے احمدی میرے علم میں ہیں جنہوں نے خود اپنی تربیت کی ہے اس لئے کہ ان کا دل پہلے تڑپا تھا، ان کے دل نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ جو مقام اور مرتبہ مجھے عطا ہوا ہے اس کے مطابق مجھے علم نہیں ہے اور اس لحاظ سے میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ چنانچہ اس وجہ سے ان کے دلوں میں شوق پیدا ہوئے انہوں نے از خود محنتیں کیں، خود پڑھنا شروع کیا، اپنی کمزوریوں کو دور کیا، اگر دلائل میں کمزور تھے تو دلائل کی طرف توجہ کی غرضیکہ مربی دل میں پہلے پیدا ہوتا ہے۔ تب انسان حقیقت میں علمی اور دینی تربیت حاصل کرتا ہے۔ اگر دل سے وہ مطالبہ نہ پیدا ہو، دل سے کسی چیز کی تڑپ کی آواز سنائی نہ دے تو باہر سے لاکھ کوشش کی جائے ایسے

شخص پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

خدام الاحمدیہ کی تربیتی کلاسز لگا کرتی ہیں، انصار اللہ بھی کرتے ہیں، لجنہ بھی، کتنے ہیں جو ان میں آتے ہیں؟ کتنے فائدہ اٹھاتے ہیں؟ وہ چند گنتی کے لوگ جن کے دل میں پہلے سے ہی احساس ہوتا ہے کہ ضرورت ہے۔ جب آواز پہنچتی ہے کہ ایسا انتظام ہو گیا ہے تو وہ شوق سے مزے سے اس میں حصہ لیتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کے دل میں مربی پیدا نہیں ہوتا ان تک لاکھ آوازیں پہنچائی جائیں، ہر خطبے میں اعلان ہو بلکہ ہر نماز میں بھی اعلان کیا جائے تو ایسے لوگ جن کے دل کے اندر سے طلب پیدا نہیں ہوتی وہ سُنی ان سُنی کر کے وہاں سے گزر جاتے ہیں اور ان کو کوئی پیغام نہیں ملتا۔ کوئی فیض ان کو نہیں ملتا ۔

پس میں جب کہتا ہوں کہ جماعت سپین کو اب یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ اپنے اندر مربی پیدا کرو۔ تبلیغ کے جو کام شروع کئے ہیں اس کے دوران جو خامیاں ہمیں نظر آئی ہیں کسی باہر سے آنے والے نے وہ خامیاں تمہیں نہیں بتانی۔ تبلیغ کے دوران تمہیں خود معلوم ہو گا، تم سے بہتر کوئی نہیں جانتا کہ کس علمی کمی کو تم نے محسوس کیا ہے، کس دینی تربیت کی کمی کو تم نے محسوس کیا ہے۔ یہ احساس ایک ایسا احساس ہے جسے ان مِٹ بنانا ضروری ہے کیونکہ ایسا احساس تو ہر شخص کو کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بعضوں کے احساس آئے اور مِٹ گئے جیسے ریت پر لکھی ہوئی تحریریں ہوا کرتی ہیں۔ آج آندھی ایک طرف سے چلی ہے ایک سمت کی لہریں ڈال گئی ہے۔ دوسری دن دوسری سمت سے چلی ہے ان لہروں کو بدل کر اس نے ان کا رُخ بدل دیا، نئی سمت کی لہریں بن گئیں۔ کبھی جھکڑ اس طرح چلتے ہیں کہ کچھ بھی باقی نہیں رہتا کھچڑی سی بن جاتی ہے۔ تو ایسا شخص جو نیک نصیحتوں کو اس طرح قبول کرتا ہے جیسے ریت ہواؤں کے اثر کو قبول کرتی ہے اس کی قبول کرنے کی صلاحیت کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا، وہ بغیر شک کے مٹ جایا کرتی ہے لیکن بعض ایسے لوگ ہیں جن کو ایک چھوٹی سی بات بھی اس طرح گہرا اثر کر جاتی ہے کہ ان کے دل کی اَن مِٹ تحریر بن جایا کرتی ہے۔ ان کی زندگیاں اس پیغام سے پھر ہمیشہ فائدہ اٹھاتی رہتی ہیں اور ہمیشہ تبلیغ ہوتی رہتی ہے۔

بڑے لوگوں کے واقعات آپ پڑھیں، ان کی زندگیوں کے سرگزشت خواہ خود انہوں نے لکھی ہو یا کسی نے لکھی ہو ان کو پڑھ کر دیکھیں آپ کو بسا اوقات یہ معلوم ہوگا کہ ایک انسان جس کو

اللہ تعالیٰ نے بڑا مرتبہ عطا کیا جب اس سے پوچھا جائے کہ بتاؤ کس چیز نے تمہیں اتنی لمبی اور اتنی مسلسل ایک ہی سمت میں جاری وساری محنت پر آمادہ کیا۔تو وہ سوچ کر تمہیں یہ بتائے گا کہ فلاں وقت یہ واقعہ ہوا تھا، میں بچہ تھا یا میری اتنی عمر تھی، میں نے یہ نظارہ دیکھا تھا اور وہ پیغام ایسا میرے دل پر نقش ہوا کہ پتھر کی لکیر بن گیا اور ہمیشہ اس نے مجھے آئندہ میرے نشوونما کے زمانے میں میرا مقصد یاد کرایا، میرا رُخ معین کیا اور مجھے اس محنت پر آمادہ کرتا رہا اس کی طاقت بخشتا رہا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل کے ساتھ اس مقام پر پہنچایا ہے۔

پس ایسے دل پہلے بنائیں جوان تحریکات کو جو وقتاً فوقتاً آپ کے دل میں ضرور اٹھتی ہیں اور ہر مبلغ کے دل میں اٹھتی ہیں، ان کو مستقل کر دے، ان کو دائمی بنا دے، اس بات کی ضمانت دے کہ یہ نیک تحریکات جو آپ کے دل میں اٹھتی ہیں وہ ضائع نہیں جائیں گی۔ چنانچہ فرشتوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اُن میں ایک یہ بات بھی ہے کہ فرشتے جب نیکی کی تحریک کرتے ہیں تو بعض دل ہیں جوان کو قبول کر لیتے ہیں اور پھر ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔بعض دل ہیں جو متاثر ہوتے ہیں اور پھر ان کو بھول جاتے ہیں۔اور وہ وقتی طور پر ایک لذت کو محسوس کرتے ہیں لیکن وہ دائمی لذت نہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیکی کی طرف کئی ٹھوس اقدام کرنے کی توفیق بخشی ہے وہاں اس ضروری قدم کی طرف بھی آپ متوجہ ہوں گے۔آپ میں سے ہر ایک خود اپنی تربیت کی کوشش کرے گا اور اپنی تربیت کی کوشش میں وہ جماعت سے جس حد تک مدد ممکن ہے طلب کرے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ مربی پیچھے پھرتا رہے کہ تم اس سے یہ بات حاصل کرو، وہ بات حاصل کرو بلکہ شاگرد مربی کے پیچھے پھرے اور کہے مجھے وقت دو میں نے یہ بھی تم سے سیکھنا ہے اور یہ بھی سیکھنا ہے۔

چنانچہ واقعۃً ایک زمانہ تھا جب پنجاب میں خصوصیت کے ساتھ یہ رواج تھا کہ لوگ مولویوں کی تلاش میں نکلا کرتے تھے۔اب حالات بدل گئے ہیں، اب بیچارہ مولوی یا مدرس اپنے شاگردوں کی تلاش میں نکلتا ہے کہ کوئی آئے اور میری بات سُنے۔نصیحت کرنے والا ڈھونڈتا ہے ایسے دلوں کو جو اس کی نصیحت کی طرف متوجہ ہوں لیکن ایک نیک دور ایسا بھی تھا جبکہ طالبِ علم اساتذہ کی تلاش میں نکلا کرتے تھے اور اب بھی ترقی یافتہ ملکوں میں ایسے ہی ہوتا ہے۔جنہوں نے علوم وفنون

میں ترقی کی ہے، سائنسوں میں ترقی کی ہے وہ ممالک آج بھی اچھے اساتذہ کے نام کی قدر کرنے والے ہیں اوران کی تلاش میں لوگ جاتے ہیں۔ ایسی یونیورسٹیوں میں داخل ہونے کے لئے محنت کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں جن میں اچھے مدرس موجود ہوں لیکن تیسری دنیا میں بدقسمتی سے بات اُلٹ چکی ہے۔ آوازیں دی جاتی ہیں کہ آؤ اور ہم سے پڑھو لیکن کوئی نہیں پڑھتا۔ یہ تو خیر ظاہری دنیا کا حال ہے۔ دین کا جہاں تک تعلق ہے وہاں ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔ پہلے بھی یہی تھا آج بھی ہے، کل بھی یہی رہے گا کہ مذکّر اور مدرس، نصیحت کرنے والا اور علم عطا کرنے والا آوازیں دیتا رہتا ہے آؤ اور مجھ سے نصیحت حاصل کرو، آؤ اور مجھ سے علم سیکھو لیکن لوگ پیٹھ پھیر کر منہ موڑ کر چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اسی مضمون کو بیان فرمایا وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ‌ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا (بنی اسرائیل:۸۴) کہ دیکھو جب ہم نعمت نازل کرتے ہیں یعنی نبوت، نعمت کی سب سے اعلیٰ قسم نبوت ہی ہے اور یہاں نبوت ہی کے معنوں میں نعمت کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کا تذکرہ چل رہا ہے اس کے بعد یہ آیت آتی ہے فرمایا وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ دیکھو وہ نعمت جب ہم نے سب سے اعلیٰ انسان پر نازل فرمائی یعنی محمد رسول اللہؐ پر تو دوسرا انسان۔ یہاں الۡاِنۡسَانِ سے مراد ایک تو محمد رسول اللہؐ ہیں جن کو نعمت بنا کر بھیجا گیا اور ایک وہ انسان ہے جس کو آپ نے مخاطب کر کے نعمت عطا کرنے کے لئے اپنی طرف بلایا اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ پس محمد رسول اللہ ﷺ کی نعمت سے استفادہ کرنے کی بجائے ان جاہلوں نے یہ طریق اختیار کیا کہ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ پہلو تہی کی اور پیٹھ پھیر لی اور دوسری طرف منہ کر کے چل پڑے۔ یہ نعمت اپنے گھر رکھو، ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

پس اس وجہ سے اس مضمون کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ دنیا کے لحاظ سے خواہ دنیاوی علوم میں کسی قوم کی کیسی ہی حالت کیوں نہ ہو، دینی علوم کے متعلق قرآنِ کریم کا یہ فتویٰ جس طرح پہلے صادق آتا تھا اُس طرح آج بھی صادق آتا ہے۔ جب خدا کی طرف سے نعمت بانٹنے کا اعلان ہوا کرتا ہے تو بدقسمت انسان اکثر اوقات اس کی طرف پیٹھ کر دیتا ہے اور اس سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر جماعت احمدیہ تو بدقسمتوں میں سے نہیں ہے، جماعت احمدیہ تو ان خوش نصیبوں میں سے ہے جنہوں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کو قبول کیا اور ایمان لائے اور اس

نعمت کو جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی صورت میں دنیا میں نازل ہوئی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبول کر کے آگے بڑھنے کا اعلان کیا تو جماعت احمدیہ ہی وہ جماعت ہے جس نے لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف آگے بڑھنے کا تہیّہ کیا اور حسبِ توفیق کسی نے تھوڑا پایا کسی نے زیادہ پایا اور بہت ہی خوش نصیب ثابت ہوگئے۔

پس آج بھی ضرورت ہے کہ اس نعمت کی طرف توجہ کے لئے دل پیدا کیا جائے اور دینی تربیت کے لئے جب تک آپ کے دل میں خواہش پیدا نہیں ہوگی، جب تک آپ کے دل میں تمنا بیدار نہیں ہوگی، جب تک آپ کے اندر ایک خود مربی پیدا نہیں ہوگا، جو آپ کو بتائے کہ آپ کو ضرورت ہے علم حاصل کرنے کی، آگے بڑھیں اور حاصل کریں اس وقت تک جماعت کا تربیتی اور علمی نظام آپ کے حق میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ نظام تو آنحضرت ﷺ کا جاری کردہ نظام ہے، یہ نظام وہ ہے جس کی تجدید حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے اور اس کے متعلق جیسا کہ میں نے قرآن کی گواہی پیش کی ہے جب تک کوئی توجہ نہیں دے گا اسے کچھ عطا نہیں ہوگا۔

پس اس پہلو سے ہمیں جماعت سپین کو بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور چونکہ جماعت سپین سے جو میں باتیں کرتا ہوں یہ ساری دنیا میں پھیلیں گی اور ہر جماعت تک پہنچیں گی اس لئے جماعت کے حوالے سے ساری دنیا کی جماعتوں کو میرا یہی پیغام ہے کہ احباب جماعت میں اپنی تربیت کرنے کی طرف کوشش کرنی چاہئے یا جوڑنا چاہئے دلوں کو اور بتانا چاہئے تم خود سیکھنے کی خواہش کرو، خود تمہارے دل میں تڑپ پیدا ہو پھر تم پیچھے پڑو، پھر تم مربیوں کو ڈھونڈو، پھر اگر وہ سستی کرتے ہیں اور تمہاری طرف توجہ نہیں کرتے تو ان سے بھی شکوے کرو ان کی بات سے مرکز کو بھی مطلع کرو۔ پس ہر احمدی کے لئے خدا کے فضل سے اب نئے نئے چشمے کھولے جارہے ہیں اور وہ چشمے جو پہلے سے موجود تھے لیکن ان کا پانی رُک چکا تھا اس پانی کو دوبارہ جاری کیا جارہا ہے۔ اب وقت ہے کہ آپ اپنی تربیت کی طرف پہلے سے بڑھ کر توجہ کریں اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور خود دیکھیں کہ آپ کی بات میں خدا کے فضل سے پہلے کی نسبت کتنا زیادہ اثر پیدا ہو جاتا ہے۔

ابھی چند دن پہلے میں مسجد بشارت پیدرو آباد میں ایک جماعت کی چھوٹی سی مجلسِ شوریٰ بلا کران کو میں نے سپین میں تبلیغ کے متعلق کچھ ہدایتیں دی تھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان ہدایتوں سے متعلق

ساری جماعت کو مطلع کیا جائے گا۔ ریکارڈنگ موجود ہے، میں امید رکھتا ہوں کہ امیر صاحب سب تک وہ پہنچائیں گے، بڑے چھوٹے، مرد عورت سب کا خود اپنے کانوں سے وہ سُننا ضروری ہے۔ وہ جب آپ سنیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ایک دو سال کے اندر سپین کو وسیع پیمانے پر اور سائنسی طریق پر حکمت کے ساتھ احمدیت کا پیغام پہنچانے کا ایک منصوبہ تیار ہوا ہے۔ اس میں آپ سب کا حصہ لینا ضروری ہے۔ وہ لوگ جو مربی یا مبلغ بن چکے ہیں اللہ کے فضل سے ان کے لئے خوشخبری ہے کہ ان کو یہ بتایا جائے گا کہ کس طرح تبلیغ کرنی ہے لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں تبلیغ کے بعد پھر اپنی تربیت کی بڑی ضرورت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تبلیغ کے کام پھیلتے ہیں تو تربیت کے تقاضے خود بخود پھیل جاتے ہیں اور ہر نیا آنے والا تربیت کی طلب کرتا ہے۔ وہ آپ سے پوچھے گا کہ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ اب جو تو نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے تو میں کیسا وجود بنوں؟ کس طرح میں اسلام اور احمدیت سے استفادہ کروں؟ یہ سارے سوال ہیں جو اٹھنے والے ہیں۔ اگر آپ نے اس سے پہلے پہلے کہ یہ تبلیغ کثرت سے پھیل جائے اپنی تربیت نہ کی تو آنے والے کل کو سنبھال نہیں سکیں گے اور جو شخص خواہ وہ کیسا ہی محنتی زمیندار کیوں نہ ہو اپنے پھل کو سنبھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کی محنتیں پھل لانے کے باوجود ضائع ہو جائیں گی۔ بعض دفعہ اپنے اختیار میں ہوتا ہے پھل کو سنبھالنا بعض دفعہ نہیں ہوتا اور ہر زمیندار کو تجربہ ہے کہ جب تک دانے گھر نہ آجائیں اس وقت تک اس کا دل اطمینان نہیں پکڑتا۔ دانوں کا گھر میں آجانا تربیت سے تعلق رکھتا ہے۔ پھل سنبھالنے کا یہی مطلب ہے۔ ورنہ ہم نے دیکھا ہے سارا سال محنتیں کرنے کے باوجود بعض دفعہ آخری چند دنوں میں ایسی آندھی آتی ہے ایسا طوفان برپا ہوتا ہے کہ ساری فصل جو پکی ہوئی ہے، کٹ کر چند دنوں کے اندر گھر پہنچنے والی تھی وہ مٹی میں گھل جاتی ہے اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

تو آپ جن کی تربیت کر رہے ہیں ان کے پیچھے تو ہمیشہ دن رات بعض مخالف طاقتیں لگی رہتی ہیں اور جب وہ احمدی ہو جاتے ہیں تو اور زیادہ شدت کے ساتھ منصوبے بنا کر اُن کو آپ سے توڑنے کی کوشش کی جائے گی اس لئے کسی اتفاقی آندھی کا سوال نہیں ہے، ہر روز چلنے والی ایک مصیبت کا نام ہے یعنی تبلیغ کی راہ میں جو لوگ حائل ہوتے ہیں وہ ایک مصیبت ہیں جو ہمیشہ ہر نئے ہونے والے احمدی کے پیچھے پڑ کر واپس مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے راہ میں مشکلات

حائل کرتے ہیں کئی طرح سے اس کو آپ سے توڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ادھر مخالفانہ طاقتیں اس کو آپ سے جدا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں اُدھر آپ کی غفلت خود اس کو دھکے دے رہی ہے۔ایسی حالت بہت ہی دردناک حالت ہوتی ہے۔یعنی سارا سال محنت کے بعد یا ایک، دو، تین، چار، پانچ سال بعض دفعہ دس سال کی محنت کے بعد ایک پھل لگا ہے اور اسے سنبھالنے کی بجائے اسے مخالفانہ طاقتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

سنبھالنے میں دو طرح کے کام ضروری ہیں۔**ایک یہ کہ جس نے تبلیغ کی ہے اس کو لازماً یہ سمجھنا چاہئے کہ اولین ذمہ داری اس کی ہے۔اس کو خدا تعالیٰ نے روحانی اولاد عطا کی ہے یہ اس کی کھیتی کا پھل ہے اور اس کو سنبھالنے میں سب سے پہلی ذمہ داری اس کی ہے اور سب سے زیادہ اہلیت بھی اسی کی ہے۔**اسے چاہئے کہ ہر آنے والے کے ساتھ ایسا گہرا ذاتی تعلق بنائے جیسے اپنے خاندان کا وہ کوئی فرد ہو۔اس کے ساتھ پیار اور محبت کا سلوک کرے، اس کو اپنے گھر میں بلائے، اس کے گھر آنا جانا شروع کرے، اس کے مسائل میں اس کا معین اور مددگار ہو، اس کا مشیر بن جائے، ہر بات میں وہ سمجھے کہ سب سے پہلے اگر مجھے کسی طرف سے مدد مل سکتی ہے تو میرے روحانی مربی کی طرف سے مل سکتی ہے۔ایسے تبلیغ کرنے والے جو پھل حاصل کرنے کے بعد اس طرح اپنے اُس پھل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو خدا اُنہیں عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان کی تبلیغ پھر نئے نئے رنگ لاتی ہے اور وہی پھل آئندہ کے لئے بیج بن جاتا ہے اور وہی بیج ہے جو آئندہ لہلہاتی ہوئی کھیتیوں میں تبدیل ہو جایا کرتا ہے۔ایسے لوگوں کی تبلیغ ایک مقام پر پہنچ کر ضائع نہیں ہوتی بلکہ اور نشوونما پاتی ہے، پلتی ہے، پھولتی ہے، پھلتی ہے اور پھیلتی ہے۔

پس تبلیغ کے مضمون کو اگر آپ گہرائی میں سمجھیں تو یہ نہ ختم ہونے والا مضمون ہے جو لوگ آپ کی تبلیغ کے ذریعہ احمدی ہوئے ہیں ان کو ایسا احمدی بنانا ہے کہ وہ خود آگے مبلغ بن جائیں۔ایسے ان کی تربیت کرنا کہ وہ آپ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے گہرے طور پر وابستہ ہو جائیں۔آپ سے محبت کرنے لگے آپ سے تعلق رکھنے لگے اور ذاتی طور پر آپ سے اُس کا پیار پیدا ہو جائے ۔ یہ نہ صرف یہ کہ انتہائی ضروری ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں کھلم کھلا یہی پیغام ہے جو آپ کو دیا گیا ہے۔چنانچہ وہ آیت جس کی بارہا میں نے تلاوت کی، بارہا اس کے مضامین آپ کو سمجھائے ہیں۔اُن

میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ (حم السجدۃ:۳۵)
دیکھو تبلیغ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ پھل صرف حاصل کرو اور پھر ان کو چھوڑتے چلے جاؤ۔ تبلیغ کا مقصد یہ ہے کہ کسی شخص کو جب تم مسلمان بناتے ہو تو ایسا مسلمان بناؤ کہ وہ تم سے محبت کرنے لگے، تمہارا عاشق ہو جائے اور اتنا گہرا رابطہ تم سے پیدا ہو جائے کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ کہ گویا وہ جانثار دوست بن گیا ہے۔

اس رنگ میں آپ نے جب غیروں کو تبلیغ کرنی ہے، تو یاد رکھیں جو آپ کا جانثار دوست ہے وہ آپ کے رنگ پکڑے گا۔ جیسے احمدی آپ ہیں ویسا ہی وہ بنے گا اسی لئے بہت ہی ضروری ہے کہ آپ کی محبت کے نتیجے میں وہ نقصان نہ اٹھائے۔ آپ کی بدعادتیں اس میں منتقل نہ ہو جائیں، آپ کی لغزشیں اس کی لغزشیں نہ بن جائیں، آپ کی کمزوریاں اس کی کمزوریاں نہ ہو جائیں۔ پس تبلیغ کا مضمون بہت ہی گہرا مضمون ہے، بڑی تفصیل کے ساتھ غور کرنے والا مضمون ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ ذمہ داریاں عائد کرنے والا مضمون ہے۔ پس جب میں کہتا ہوں کہ اپنی تربیت کریں تو ان سارے تقاضوں کو، ان احتمالات کو، ان امکانات کو مدِّ نظر رکھ کر کہتا ہوں۔

خدا کرے کہ ہر احمدی ایسا مبلغ بنے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس تبلیغ کی برکت سے اس کے نفس کا مربی بیدار ہو جائے۔ اپنے نفس کی تربیت کی طرف وہ متوجہ ہو اور اس تربیت کے نتیجے میں اس کے اعمال زیادہ حسین ہوتے چلے جائیں اور پھر اس کے حق میں پہلے سے زیادہ خدا کا یہ وعدہ پورا ہو کہ جس کے اعمال اچھے ہوں گے اس کے قول میں اور زیادہ تاثیر پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ پھر اس کی تربیت کے نتیجے میں جو نئے احمدی اپنی اصلاح کریں وہ بھی خدا کے فضل کے ساتھ ایسے داعی الی اللہ بن جائیں جن کی آواز میں غیر معمولی کشش ہو، جن کے عمل پہلے سے بڑھ کر حسین ہوتے چلے جائیں۔ یہ وہ طریق ہے جس کے نتیجے میں روحانی انقلاب برپا ہوا کرتے ہیں، یہی وہ طریق ہے جس کے نتیجے میں آغازِ اسلام میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس نے دشمن کی آندھیوں کے رُخ موڑ دیئے اور کوئی طاقت اس انقلاب پر غالب نہ آسکی۔ یہی وہ انقلاب تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بڑی شان اور شوکت کے ساتھ جاری ہوا اور باوجود اس کے کہ اس وقت احمدیت نہایت کمزور حالت میں تھی اس کے باوجود ایسی غیر معمولی طاقت کے ساتھ احمدیت نے نشوونما اختیار کی، اس شان کے ساتھ آگے بڑھی ہے کہ ہر مقابل کے منہ پھر گئے لیکن وہ احمدیت کا منہ

پھیرنے میں ناکام رہا۔

یہ وہ صفاتِ حسنہ ہیں جو آج بھی آپ کے اندر پیدا ہوں گی تو آج بھی ویسے ہی نتائج نکلیں گے جیسے کل نکلے تھے، جیسے آج نکلے ہیں، ویسے ہی نتائج پھر کل بھی نکلیں گے اور آئندہ آنے والی نسلیں آپ کو دعائیں دیں گی کہ جو انہیں تبلیغ کے اسلوب سکھائے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ خدا کرے کہ جب سپین میں آئندہ آؤں تو اس سے بھی بہت بہتر حالت ہو اور آپ کے نمونے بتا کر باقی دنیا کو بھی تبلیغ کی تحریک کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سپین اور روس میں وقف عارضی کرنے کی تحریک

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵/ جون ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

چند دن قبل میں فرانس اور سپین کے دورے سے واپس آیا ہوں اس سے پہلے دو خطبات میں جو دونوں ہی سپین میں دیئے تھے اس سفر سے متعلق میں کچھ باتیں بیان کر چکا ہوں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ چونکہ ریکارڈنگ خراب ہوئی تھی اس لئے ان خطبات کو Televise نہیں کیا جا سکا اور جس طرح پہلے کثرت سے احباب براہ راست استفادہ کر سکتے تھے اُس طرح استفادہ نہیں کر سکے اب میں آپ کے سامنے چند باتیں مختصراً رکھوں گا ان دو خطبات کے مضمون کو دہرانا تو یہاں ممکن نہیں ہے۔

پہلی خوشکن بات جو آپ کے علم میں آنی چاہئے وہ یہ ہے کہ فرانس اور سپین دونوں جماعتوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت نمایاں بیداری ہے اور دعوت الی اللہ کے کام میں وہ اس سے بہت زیادہ مستعد ہیں جیسا میں نے ان کو پہلے دیکھا تھا جس حالت میں ان کو میں نے گزشتہ سفر کے دوران پایا تھا اس سے کئی حصے آگے نکل چکے ہیں۔ مردوں میں بھی عورتوں میں بھی اور بچوں میں بھی دعوت الی اللہ کا شوق پایا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں نشو ونما کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ خدا کے فضل سے دونوں جگہ میرے جانے سے پہلے بھی مقامی لوگوں کی توجہ تھی مختلف ممالک سے آئے ہوئے مختلف علاقوں میں بسنے والوں کی توجہ تھی بیعتیں بھی ہو رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے جانے پر بھی غیر مسلموں کی طرف سے کافی دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ مجالس میں آتے رہے، سوال و جواب میں حصہ لیتے رہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے مجالس کے بعد بیعتیں بھی ہوتی رہیں۔ فرانس میں جو سب سے

بڑا خوشکن پھل ملا وہ یہ تھا کہ **جزائر غرب الھند** کے ایک نئے ملک میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ احمدیت کا پودا لگا ہے۔ یہ فرانسیسی بولنے والا ملک ہے وہاں کے باشندے جو تقریباً کلیۃً رومن کیتھولک عیسائی تھے ان میں سے ایک صاحب کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی اور وہ صاحب اثر ہیں اور ان کا ایک بڑا خاندان ہے انہوں نے باہر سے آئے ہوئے کچھ اور مسلمان افریقنوں کی مدد کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کا کام کیا انہوں نے مجھے بتایا کہ تقریباً دو تین سو مسلمان وہاں پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ جب ہمارے اجلاس میں تشریف لائے تو رفتہ رفتہ بڑی تیزی کے ساتھ ان کے اندر احمدیت کی محبت پیدا ہونی شروع ہوئی لیکن بعد میں گفتگو سے پتا چلا کہ یہ دراصل اس سے پہلے ہی دلچسپی لیتے تھے اور مشن میں ان کا آنا جانا تھا۔ وجہ یہ بیان کی کہ مسلمان تو ہو گئے تھے، توحید سے محبت تھی لیکن جتنے دوسرے مسلمان فرقے دیکھے ان پر دل ٹکتا نہیں تھا اور اُکھڑا اُکھڑا محسوس کرتے تھے کہ جس چیز کو میں حاصل کرنا چاہتا تھا وہ حاصل ہو نہیں سکی اس احساس محرومی کے ساتھ یہ متلاشی رہے۔ جب فرانس مشن سے ان کا رابطہ ہوا تو بڑی تیزی سے احمدیت میں دلچسپی بڑھنا شروع ہوئی۔ جب میں وہاں گیا تو ملاقات کے دوران میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس علاقے میں جب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تسلی ہو تو خدا کرے کہ آپ وہ پہلے ہوں جو احمدیت کا پودا لگانے والے ہوں اور ایک منظّم طریق کے ذریعہ سارا ملک اسلام کے لئے فتح کرنے والے ہوں تو انہوں نے کہا کہ میرے دل کی تسلی کا تو یہ حال ہے کہ دل چاہتا ہے ابھی بیعت لیں۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ کچھ اور پڑھ لیں انہوں نے کہا کہ پڑھنے کی سب باتیں تو ایک طرف ہیں۔ میں تو آپ سے مل کر اتنا مطمئن ہو چکا ہوں کہ میرے لئے اب مزید انتظار کی گنجائش نہیں۔ ان کا جوان بیٹا بھی ساتھ تھا چنانچہ ان دونوں نے بڑی محبت اور اخلاص سے اسی وقت بیعت کی اور مجھ سے یہ عہد کیا کہ میں اپنے ملک کے ان باشندوں کو بھی تبلیغ کروں گا جو یہاں موجود ہیں اور خط و کتابت کے ذریعے اپنے ملک میں بھی تبلیغ کروں گا اور پھر اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ بہت جلد وہاں ایک بڑی تعداد میں احمدی پیدا ہو چکے ہوں گے تو اس وقت میں آپ کو وہاں آنے کی دعوت دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ ایک بہت ہی اچھا پھل تھا جو ہمیں عطا ہوا۔ دونوں جگہ مبلغ انچارج ماشاء اللہ بہت عمدہ کام کر رہے ہیں اور سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اس سے پہلے جماعتوں میں آپس میں جو کچھ اختلافات اور شکر رنجیاں پائی جاتی

تھیں وہ بالکل نابود ہو چکی ہیں اور ایک لمبا عرصہ خط و کتابت کے ذریعے بھی اور دیگر ذرائع سے بھی سمجھانے کی توفیق ملی۔ خصوصاً سپین میں ایک لمبے عرصہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے ناراضگیاں، مربی سے دوریاں اور بدظنیاں وغیرہ وغیرہ امراض پائی جاتی تھیں لیکن اس دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ خدا کے فضل سے سب ایک جان ہیں نظام کا احترام ہے۔ مربی کے ساتھ گہرا ادب کا تعلق ہی نہیں بلکہ پیار اور محبت کا تعلق قائم ہو چکا ہے اور یہ اسی کی برکتیں ہیں۔ پس اس حوالے سے میں دنیا کی ساری جماعتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ محض دینی علم کوئی چیز نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ حسین عمل شامل نہ ہو، اس کے بغیر تبلیغ مکمل نہیں ہوتی اور حسین عمل میں آپس کا نفاق ایک زہر کی طرح گھل جاتا ہے۔ حسین عمل انفرادی طور پر خواہ کیسا ہی ہو اگر جماعتوں میں آپس میں نفاق پایا جاتا ہے، دل بٹے ہوئے ہوں یا نظام جماعت سے بار بار شکوے پیدا ہوتے ہوں اور انسان کی انانیت اس کو امیر سے دور کر دے تو انفرادی حُسن عمل سارا بیکار جاتا ہے کیونکہ دودھ خواہ کیسا ہی خالص کیوں نہ ہو اس میں اگر زہر کا قطرہ گھول دیا جائے تو وہ سارا دودھ زہریلا ہو جاتا ہے۔

پس نفاق جماعتوں کے لئے ایک زہر ہے۔ بعض لوگ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں۔ ہماری بات سُنی جائے اور دوسرے کو سزا دی جائے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری انانیت کو اس سے تسکین مل جائے اور میں کسی کو سزا دے بھی دوں تو تمہیں اس سے کیا ثواب پہنچے گا لیکن اگر تم اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ’’سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو‘‘ (’کشتی نوح‘ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ: ۱۲) تو میں یقین دلاتا ہوں کہ اس میں بہت بڑا ثواب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق کی سچائی کا اظہار ہوگا اور جس کو امام وقت سے سچا تعلق ہو وہ اس کی باتوں کو تخفیف سے نہیں دیکھ سکتا اور جس کا تعلق اس کی ذاتی جذباتی قربانی سے ثابت ہو جائے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس پر پیار کی نظر ڈالتا ہے۔ تو جھگڑا خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو ایک موقع ہے اس میں ذاتی انتقام لینے کا بھی موقع ہے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے اگر واقعۃً کوئی مظلوم ہے اس کا حق ہے کہ وہ اتنا ہی بدلہ لے جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے اور اس سے زیادہ نہیں لیکن اگر وہ اس حق کو چھوڑ دے اور خدا کے لئے صبر اختیار کرے اور عفو سے کام لے تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے، وہ اجر کیا ہے؟ اس کی تفاصیل نہیں بیان فرمائی گئیں وہ اللہ کی

محبت اور اس کی رضا کا اجر ہے کسی کے منہ کی خاطر کوئی انسان اپنا حق چھوڑتا ہے تو اسے اس سے لازماً بہت تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے مختلف جماعتی سفروں کے دوران خود ذاتی طور پر یہ تجربہ کر کے دیکھا ہے بعض جھگڑنے والے لوگوں کو سمجھایا جن کے جھگڑے بڑی دیر سے چلے آ رہے تھے اس سے پہلے اور بھی لوگ سمجھا چکے تھے لیکن چونکہ اس زمانہ میں میں صرف وقف جدید یا خدام الاحمدیہ کی حیثیت سے ہی سفر کرتا تھا مگر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک خونی تعلق ہونے کی وجہ سے جماعت میں نسبتاً زیادہ نرمی کا گوشہ دل میں پایا جاتا تھا۔ پس جہاں دیگر معلم، مبلغ وغیرہ اس سے پہلے ناکام ہوئے وہاں غالباً اسی تعلق کی وجہ سے میں یہی سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خونی رشتہ کی برکت ہی سے ان لوگوں نے اپنے حقوق کو چھوڑا اور اس کے بعد کبھی بھی ان کی محبت میرے دل سے نہیں مٹی۔ میں یہ تجربہ اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ یہ تجربہ کر کے دیکھ لیں آپ کی خاطر اگر کوئی شخص اپنا حق چھوڑتا ہے تو اس کا آپ کے دل میں ایک مستقل مقام بن جاتا ہے اور اگر آپ کے اندر شرافت ہے اور شکر گزاری کے جذبات ہیں تو کبھی بھی آپ اس شخص کی محبت کو اپنے دل سے نکال نہیں سکیں گے جس نے آپ کی خاطر اپنے ایک حق کو چھوڑا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کے حضور اپنا مقام بنانے کا اتنا قیمتی نسخہ عطا فرمایا ہے کہ اس کی اور کوئی مثال آپ کو دکھائی نہیں دے گی۔ فرمایا سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو اللہ کی خاطر یہ قربانی کر کے دیکھو۔ لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں فریق اپنے آپ کو سچا سمجھ رہے ہوتے ہیں پس اس نسخہ کی خوبی دیکھیں کہ دونوں طرف کارگر ہے محبت کی ایسی دو دھاری تلوار ہے کہ دونوں دلوں پر یکساں اثر کرتی ہے کیونکہ فریقین دونوں اپنے آپ کو سچا سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ فرمایا سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو دونوں خدا کی خاطر اپنے آپ کو جھوٹوں کی طرح گرا دو اور عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنے بھائی کا دل جیتنے کی کوشش کرو، بھائی کا دل جیتا جائے یا نہ جائے جو ایسی کوشش کرے گا خدا کا دل ضرور جیت لے گا۔

پس ایک انتقام کا رستہ ہے اس میں ایک بہت ہی بڑی تنبیہ بھی حائل ہے فرمایا دیکھنا اتنا ہی بدلہ لینا جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے۔ ایک ذرہ بھی اس سے زیادہ جانے کی اجازت نہیں اور کون انسان ہے جو انصاف کے معاملہ میں عین اس حد پر رُک جائے جہاں دوسرے سے ناانصافی نہ ہو سکے۔ جب

غصے ہوتے ہیں تو بالعموم جتنی کسی کو تکلیف پہنچے جب تک اس سے زیادہ تکلیف نہ پہنچا لیں دل ٹھنڈا نہیں ہوا کرتا اور وہ بہت خوش نصیب لوگ ہیں مگر بہت کم جو انتقام میں انصاف کو پیش نظر رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ تو پہلا رستہ اگر کسی نے اختیار کرنا ہے تو وہ ایک حد تک تو جائز ہے لیکن اگر ایک دو قدم بھی اس سے آگے نکل جائے تو وہی انتقام اس کے اوپر اُلٹ پڑے گا اور وہ خدا کی ناراضگی کا موجب بن جائے گا۔ دوسرا پہلو وہ ہے جو سراسر نفع کا پہلو ہے کوئی نقصان کا سودا نہیں کوئی نقصان کا خطرہ ہی نہیں۔ تمام تر فائدے ہی فائدے ہیں بھائی کی محبت جیتیں گے اور جو اس کا لطف ہے وہ ایسا دائمی لطف ہے جو انتقام کا لطف نہیں ہے اور اگر وہ محبت جیتنے میں ناکام بھی ہو جائیں تو خدا کی محبت لازماً جیتیں گے اور اس کے فضل کئی طرح سے نازل ہوتے ہیں جماعت میں بہت برکت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی طور پر فضل نازل ہوتے ہیں صرف انفرادی طور پر ہی ایک انسان کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ ساری جماعت کو اس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ پس میں نے آپ کے سامنے یہ جو دو مثالیں رکھی ہیں ان میں ایک بڑا عنصر یہی تھا کہ پہلے اگر اختلافات پائے جاتے تھے اور خصوصیت سے مربی سے یا مقرر کردہ امیر سے کچھ شکوے تھے تو میرے سمجھانے کے نتیجہ میں ان شریف، نیک نفس احمدیوں نے اپنے پرانے کردار کو یکسر بدل ڈالا اور خدا کی خاطر شیر و شکر ہو گئے اور اب اس کا خود لطف اُٹھا رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت نشو و نما پانے والی جماعتیں بن چکی ہیں۔

سپین کے سلسلہ میں یہ بتانا ضروری ہے کہ میں ویسے تو وہاں بہت دیر سے نہیں گیا تھا اور جانا ہی تھا لیکن فوری بہانہ Expo بن گیا۔ سپین میں Expo کا انعقاد ہوا ہے یعنی ساری دنیا سے مختلف قسم کی انڈسٹریل اور دیگر نمائش وہاں لگائی گئی ہیں اس Expo میں جماعت احمدیہ کو بھی چھوٹا سا سٹال لگانے کی توفیق ملی اور وہ سٹال سب دوسرے سٹالوں سے مختلف اور منفرد تھا ایک تو اس لحاظ سے مختلف اور منفرد تھا کہ سب سے چھوٹا اور غریبانہ سٹال وہی تھا اس سے چھوٹا کوئی اور سٹال آپ کو وہاں دکھائی نہیں دے گا۔ آئس کریم بیچنے والے چھوٹے چھوٹے کھوکھے بھی اس سے بڑے تھے اور معمولی معمولی ممالک کے جو سٹال تھے وہ بھی مقابلۃً بہت بڑے اور عظیم الشان دکھائی دیتے تھے لیکن جو بڑے ممالک ہیں انہوں نے تو اربوں روپیہ وہاں خرچ کیا۔ بڑے بڑے محلّات تعمیر کئے اور اپنی نمائش پر اتنا غیر معمولی زرکثیر خرچ کیا ہے کہ اس سے انسان مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بڑی بڑی حکومتوں

میں سے امریکہ کا سٹال تھا، کینیڈا کا سٹال تھا، جاپان کا سٹال تھا، چین کا سٹال تھا۔ وہ سارے دیکھنے والے تھے لیکن وہ سارے سٹال ایسے تھے جن کا لطف دنیا کے لطفوں سے تعلق رکھتا تھا اور دائمی نہیں تھا۔ ایک انسان جاتا ہے اور ان چیزوں کو دیکھتا ہے لطف اندوز ہوتا ہے اور کچھ دیر کے بعد وہ بھول جاتا ہے لیکن جماعت احمدیہ کے سٹال میں ابدی اور دائمی لطف اور سکینت کے سامان تھے وہ لوگ جن کو وہاں آنے کی توفیق ملی جب انہوں نے تمام دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم دیکھے اور ایک سو سے زائد زبانوں میں انہوں نے قرآن کریم کی منتخب آیات کے تراجم دیکھے احادیث کے تراجم دیکھے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں کے تراجم دیکھے تو ان کے اندر ایک عجیب غیر معمولی شوق پیدا ہوا۔ ان کی آنکھوں میں چمک آئی انہوں نے کہا کہ ہماری زبان بتائیں وہ بھی ہے کہ نہیں جب وہ زبان ان کو دکھائی جاتی تھی تو عجیب فرطِ طرب سے یوں لگتا تھا جیسے ایک بلب اچانک روشن ہو جائے اور بڑی گہری دلچسپی وہ لینے لگ جاتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں بہت سی کتابیں خریدی بھی گئیں کچھ لٹریچر مفت بھی تقسیم کیا گیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ پوری دنیا میں اسلام کا نور پھیلانے کا جو موقع جماعت احمدیہ کو وہاں ملا ہے یہ بہت بڑی سعادت ہے اللہ تعالیٰ اس میں بہت برکت ڈالے۔

وہاں جا کر سٹال دیکھنے کا اور نمائش دیکھنے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سٹال کے منتظمین کے ساتھ اور سپین کی جماعت کے ساتھ اس سٹال سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ عام طور پر گزرتے گزرتے کوئی شخص اتفاقاً دیکھتا اور اگر اس کے پاس وقت ہوتا تو وہ اندر آجاتا تھا حالانکہ یورپ سے اور دیگر ممالک سے لوگ اور خود سپین کے باشندے بھی اس کثرت سے وہاں آرہے ہیں کہ گزشتہ دو مہینے کے اندر اندر ساٹھ لاکھ آدمی وہ نمائش دیکھ چکا ہے اور ساٹھ لاکھ میں سے کئی ایسے ہیں جو کئی کئی دن آتے ہیں کیونکہ بہت بڑی نمائش ہے تو اس میں سے ابھی جماعت کا حصہ جتنا چھوٹا سٹال ہے اس کی نسبت سے بھی نہیں ملا یعنی آنے والوں کے مقابلہ پر جو نمائش پر آتے ہیں بہت کم لوگ اس سٹال پر آسکے ہیں یا استفادہ کر سکے ہیں چنانچہ میں نے ان کو سمجھایا کہ آپ کس طرح خوبصورت اشتہار بنائیں اور اس میں یہی بات لکھیں کہ دنیا کے لطف لے رہے ہو ایک لطف یہ بھی لو جو کبھی نہیں مٹے گا، ایک ایسی خوشبو بھی لگاؤ جس کو کوئی دھوبی اور کوئی لانڈری بھی دھو کر اُسے زائل نہیں

کر سکتا ، جو مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی ، اسلام کے پیغام کا یہ ایک چھوٹا سا سٹال ہے آؤ اور اس کو بھی دیکھو۔ اس طرح جو مختلف لوگ Queue میں گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں ان میں وہ اشتہار تقسیم کرو لوگوں سے ملو ، رابطے پیدا کرو تو خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہمارے سٹال کی توجہ دسیوں گنا زیادہ بڑھ سکتی ہے اور بھی بہت سے منصوبے بنائے گئے کہ کس طرح لوگوں کے دل جیتنے ہیں ۔ کس طرح لوگوں کو لانا ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سفر کے بعد اس سٹال سے استفادہ پہلے سے بہت بڑھ چکا ہوگا۔

اس کے علاوہ سپین میں کئی تبلیغی منصوبے بھی بنائے گئے اور ایک ایسا منصوبہ پیش کیا گیا جو اس سے پہلے ذہن میں نہیں آیا تھا اور اس کی جو کیسٹ ہے میں نے ہدایت کی ہے کہ وہ تمام ملکوں کے امراء کو بھجوائی جائے وہ اپنے اپنے ملک کے حالات کے مطابق ان تدبیروں پر عمل کر کے دیکھیں جو اس میں بیان کی گئی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ سب ملکوں کے اندر تبلیغ کا ایک نیا انداز پیدا ہو جائے گا جو انشاء اللہ تعالیٰ بہت مفید ثابت ہوگا۔

سپین میں وقف عارضی کے متعلق میں اس سے پہلے بھی تحریک کر چکا ہوں لیکن وہاں وقف عارضی کے کوئی ایسے سامان مہیا نہیں تھے جس کے نتیجہ میں لوگ مطمئن ہو کر وہاں جا کر اپنے وقت کو بہترین مصرف میں لا سکتے اور پوری قیمت وصول کر سکتے ۔ اس سلسلہ میں بھی ایک منصوبہ اس دفعہ سپین میں تیار کیا گیا ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ وقف عارضی جو سپین جائیں گے وہ واپس آکر جو قصے سُنائیں گے اس سے لوگوں میں بھی تحریک پیدا ہوگی کیونکہ ایک آدمی جب اپنے روحانی تجارب بیان کرتا ہے بسا اوقات اس کے گردو پیش ماحول میں بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ قادیان کے سفر سے واپس آنے والوں نے مختلف ممالک میں جو اپنے قصے سُنائے ہیں تو بعض لوگوں کے مجھے خطوط موصول ہوئے ہیں اور بعضوں نے فون پر مجھ سے کہا کہ ایسی حسرت پیدا ہوئی ہے اور ہم ایسا پچھتا رہے ہیں کہ کاش سب کچھ خرچ کر کے بھی ہم وہاں پہنچ سکتے تو پہنچ جاتے اور یہ ایسا موقع ضائع ہوا ہے جو پھر کبھی ہاتھ نہیں آ سکے گا لیکن وہ آئندہ جلسوں کیلئے بھی ابھی سے تیاری کر رہے ہیں تو جو آنکھوں دیکھا حال واپس آ کر سناتا ہے اس کا اور اثر پڑتا ہے اس لئے میں اُمید رکھتا ہوں کہ اب جو واقفین عارضی سپین جائیں گے وہ پہلے سے بہت بہتر حالات میں وہاں منظم طریق پر

کام کر سکیں گے اور سپین کی جماعت کی ٹیم اس کام کے لئے تیار ہو رہی ہے وہ سارے سپین کے جائزے لے گی، ہر قسم کی معلومات ان کو مہیا کرے گی۔ایک کمزوری جو بڑی نمایاں طور پر دکھائی دیتی تھی وہ یہ تھی کہ وقف عارضی کے لئے شرط ہے کہ واقف عارضی اپنے خرچ پر ٹھہرے، اپنے خرچ پر سفر اختیار کرے، اپنی رہائش کا انتظام کرے۔اپنا کھانا خود پکائے لیکن مسجد بشارت پیدرو آباد کے پاس رہائش کی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جو ہر آنے والے کے مزاج کے مطابق ہو اور مسجد سے بہت دور ٹھہر کر وقف عارضی سے پورا استفادہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مشن کے ساتھ مضبوط رابطہ ہو، مبلغ انچارج سے ہدایات لے کر اس کی مرضی کے مطابق اگر کام ہو تو اس میں بہت زیادہ برکت پڑتی ہے لیکن اس کا اب یہ ایک حل خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہو گیا ہے میرے گزشتہ سفر اور اس سفر کے دوران جماعت احمدیہ سپین نے بہت عظیم الشان وقار عمل کر کے مسجد کے احاطہ میں ایک بنگلہ بنایا ہے اور جو انہوں نے اس نیت سے بنایا ہے کہ جب میں وہاں جاتا ہوں تو میرے لئے بھی ٹھہرنے کی جگہ بہت مشکل سے ملتی ہے لیکن میرے ساتھ جو سٹاف کے لوگ اپنا وقت وقف کر کے بعض دوسرے ساتھ جانے والے جو ہیں ان کو بھی ٹھہرنے میں دقّت پیش آتی ہے۔تو اس خیال سے انہوں نے میرے لئے ایک چھوٹا سا بنگلہ بنایا اور ساتھ جو دوسری عمارت تھی اس کی توسیع کی۔اب اس میں کافی اضافے ہو چکے ہیں۔ رہائش اور دفاتر کے انتظامات پہلے سے کئی گنا بڑھ گئے ہیں، مسجد بھی خدا کے فضل سے بہت وسیع ہو گئی ہے تو جماعت سپین نے ایک بہت عظیم تاریخی خدمت کی ہے۔وہاں نوجوان محنت کر کے بہت مشکل حالات میں بسر اوقات کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مسلسل اتنی لمبی قربانی کر رہے ہیں۔ مالی لحاظ سے بھی بہت قربانی پیش کی گئی ہے مگر جانی قربانی جو وقار عمل کر کے وہاں کی گئی ہے وہ غیر معمولی ہے اس سے مجھے خیال آیا کہ اس بنگلہ کا ایک حصہ واقفین عارضی کے لئے رکھا جائے۔سپین میں معمولی ہوٹل، ایسے ہوٹل جن میں ٹھہرنا گزر اوقات کے لئے بس ٹھیک ہے لیکن کوئی بہت زیادہ خوشکن نہیں ہوتا وہ روزانہ جتنا کرایہ وصول کرتے ہیں اگر ایک ہفتے کے لئے ایک خاندان سے اتنا وصول کیا جائے مثلاً اگر دو افراد وقف عارضی پر جا رہے ہیں اور کرایہ 100 پاؤنڈ ہفتہ ہو تو یہ تقریباً 16 پاؤنڈ روز کا ہو جائے گا اور میاں بیوی کے لئے فی کس روزانہ 8 پاؤنڈ ہے جو سپین کے لحاظ سے زیادہ نہیں مگر اس میں بڑی بات یہ ہے کہ ساتھ بہت بڑا بیٹھنے والا کمرہ ہے کھانے کا کمرہ الگ ہے، باورچی خانہ، بہت عمدہ

ٹائلٹ الگ صحن ہر لحاظ سے Furnish اگر اس معیار کا ہوٹل وہاں تلاش کیا جائے تو پچیس، تیس پاؤنڈ روزانہ خرچ پر وہ عمارت میسر آئے گی تو بہر حال یہ تحریک جدید ان سے طے کرے گی اگر واقفین عارضی کو سو پاؤنڈ ہفتہ آسان دکھائی دے تو وہ سو پاؤنڈ ہفتہ میں اس بنگلہ میں ٹھہر سکتے ہیں اور ساتھ بیٹھنے والے کمرہ میں ان کے ایسے بچے سو سکتے ہیں جو گند کرنے والے نہ ہوں اور ایسے شریر نہ ہوں جو ہاتھ سے نکلے جاتے ہوں اور ان کو سنبھال کر رکھنا ممکن نہ ہو۔ ایسے بچوں کو تو واقفین ساتھ نہ ہی لے کر جائیں تو بہتر ہے مگر مہذب، عقل والے بچے اور نسبتاً پختہ عمر کے بچے ساتھ ہوں تو تین چار بچے زائد وہاں آرام سے سو سکتے ہیں۔ ہمارے بچے بھی اسی فیملی روم میں سوتے رہے یا اس کو Furnished room کہہ لیجئے وہاں سوتے رہے تو ایک فیملی سے اگر ایک سو بیس پچیس پاؤنڈ ہفتے کا کرایہ وصول کر لیا جائے تو اسے جماعت اپنے فائدے میں استعمال کر لے گی اور وقف کی جو یہ شرط ہے کہ اپنے خرچ پر رہے وہ شرط بھی پوری ہو جائے گی اور باہر ٹھہرنے کی نسبت ہر قسم کی زیادہ سہولت یہاں میسر آئے گی اور اسی طرح مبلغ کی راہنمائی بھی میسر آئے گی تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ اس تجربہ سے لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔

بہت سے احمدی احباب سیر و سیاحت کے لئے گرمی کی چھٹیوں میں جاتے ہیں اگر وہ وقف کر لیں یا سیر و سیاحت کی نیت سے ہی جائیں تو ان کو بھی وہاں ٹھہرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اپنی سیر کے ساتھ خدمت دین کو بھی شامل کریں اور جس حد تک ممکن ہے دونوں کام بیک وقت سرانجام دیں تو اس بنگلہ سے یہ ایک مستقل فائدہ پہنچ جائے گا اور اس کا جاری ثواب ان خدمت کرنے والوں کو بھی پہنچتا رہے گا جنہوں نے بڑی محنت سے اس بنگلہ کو تیار کیا ہے۔

اس کے علاوہ سپین سے متعلق میں یہ بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ جب بھی ہم وہاں جاتے ہیں اور بہت عظیم الشان پُرانی عمارتوں کو دیکھتے ہیں تو بڑی حسرت سے اسلام کی ترقی کے اس دور پر نظر ڈالتے ہیں جس کے کھنڈرات باقی بچے ہوئے ہیں اور ان عظیم الشان سلطنتوں کی کامیابیوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ان ناکامیوں سے دُکھ اُٹھاتے ہیں جو کہ بالآخر وہاں اسلام کے صفایا پر منتج ہوئیں لیکن ان عمارتوں کو دیکھتے ہوئے، ان شاندار محلات سے محظوظ ہوتے ہوئے، ان کھنڈرات کی موجودہ حالت سے دُکھ اُٹھاتے ہوئے بہت کم ہیں جو حقیقت حال کا تجزیہ کر سکتے ہیں

اگر آپ اسلام کی عظمت ان حکومتوں میں سمجھیں جو غیر ملکوں پر قائم کی گئیں تو اس لحاظ سے ہر وہ ملک جس نے مسلمان ممالک پر قبضہ کیا ہے اس کی عظمت کے بھی گیت گانے چاہئیں انہوں نے بھی دوسری زمینوں پر جا کر مسلمان ممالک پر قبضے کئے تو کیا ان کا حق نہیں ہے کہ وہ عیسائیت کی عظمت کے گیت گائیں اور وہاں سے عیسائیوں کے نکل جانے پر کف افسوس ملیں اور دکھ محسوس کریں۔ اس سوچ میں کچھ ٹیڑھا پن ہے، کچھ غیر اسلامی سی بات پائی جاتی ہے وہ لوگ جو کسی ملک کے باشندے ہیں ان کا حق ہے کہ وہ غیر قوموں کو جو ان پر مسلط ہو جائیں ان کو اپنے ملک سے باہر نکالیں اگر ہندوستان کا یہ حق تھا کہ وہ انگریز کو باہر نکالے، اگر پاکستانی کا حق یہ تھا کہ انگریز کو باہر نکالے، اگر دنیا کی دوسری نوآبادیات اور کالونیز کا، سب کا یہ حق تھا جیسا کہ ہے چین کا حق تھا افریقہ کے تمام ممالک کا حق تھا کہ وہ غیر قوموں کو اپنی سرزمین سے باہر نکالیں تو یہ سوال ذہن میں اُٹھتا ہے کہ اہل سپین کا کیوں حق نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں کو جو غیر قوموں سے تعلق رکھنے والے تھے اور وہاں بزور شمشیر مسلط ہوئے ان کو اپنی سرزمین سے باہر نکال دیں۔ تو اگر آپ نے اپنی سوچ کی راہیں Nationalism کی راہیں بنا لیں۔ اگر آپ نے قومیت کے تصور سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو ایک قوم کے طور پر سمجھا اور ان کھنڈرات پر ایک قوم کے نقصان کے طور پر آنسو بہائے تو یہ سب جھوٹ ہے اور بے معنی ہے اور بے حقیقت ہے اور انصاف کے تقاضے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس قسم کی سوچوں کو بالکل ترک کر دیا جائے۔

دوسری ایک اور سوچ ہے وہ یہ ہے کہ اسلام اس ملک میں سات آٹھ سو سال تک رہا ہے لیکن کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ ظاہری طور پر اتنی عظیم عمارتیں بنانے کے باوجود جن کی عظمت، شان اور شوکت آج بھی دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ اس طرح وہاں سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے اور ہمیشہ کے لئے باطل کر کے نکال دیئے گئے کہ ان کے مذہب ان کی تہذیب کے کوئی نشانات وہاں دکھائی نہیں دیتے۔ سارا سپین کٹر کیتھولک عیسائی بن گیا اور مسلمانوں کا بطور مسلمان وہاں سے نام و نشان مٹا دیا گیا یہ واقعہ آناً فاناً نہیں ہوا۔ اسلام کو مٹاتے ہوئے اور مسلمانوں کو وہاں سے نکالتے ہوئے ان کو تقریباً دو سو سال لگے۔ سوال یہ ہے کہ سات آٹھ سو سال میں ان فاتح قوموں نے اسلام کو وہاں نافذ کرنے کے لئے کیا کیا؟ کیا یہ ممکن ہے اور عقلاً انسان اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ اسلام کا پیغام اس طرح پہنچایا جائے جس طرح حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ایک

شدید مخالف عرب کو پہنچایا تھا اور پھر ان کی وساطت سے باقی دنیا کو پہنچایا اور اس سختی کے ساتھ آٹھ صدیوں تک رد کیا جائے کہ ساری قوم کلیۃً اس سے نابلد رہے، یہ ہو نہیں سکتا کوئی بنیادی دینی خرابیاں ان لوگوں میں پیدا ہو چکی ہوں گی جس کے نتیجہ میں وہ دنیا کی عظمتوں کے سامنے ہی سرنگوں ہو گئے اور اسلام کو ظاہری زینت کا سبب تو بنا لیا لیکن دلوں میں انقلاب برپا کرنے کے لئے اسے استعمال نہیں کیا گیا۔

اس نقطہ نگاہ سے جب میں نے اندلس کے محلات کو اس دفعہ دیکھا تو مجھے یہ دیکھ کر بہت ہی گہری تکلیف پہنچی کہ ایک طرف ہم اس بات کی لذت محسوس کرتے ہیں کہ ان محلات کو سجانے والوں نے نہایت ہی اعلیٰ فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے، نہایت باریک فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیت کو قلعہ پر لکھوکھہا بار کندہ کیا ہے اتنی بار کندہ کیا ہے کہ لکھوکھہا کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہوسکتا ہے ان تمام محلات میں جس طرح بار بار قرآن کریم کی آیات بھی اور **لا غـــالــب الا اللہ** اور اسی قسم کے دوسرے کلمات کندہ کئے گئے ہیں اگر یہ نقوش ایک کروڑ سے زائد بنیں تو ہرگز بعید از عقل نہیں ہیں ممکن ہے کئی کروڑ تک یہ بات پہنچ جائے کیونکہ صرف غرناطہ میں نہیں اور غرناطہ کے الحضراء میں ہی نہیں بلکہ دوسرے محلات میں بھی ہر جگہ اس فن کو دُہرایا گیا ہے۔ مسجد قرطبہ میں بھی جا کر آپ دیکھیں، مسلمانوں کے جو دیگر قلعے ہیں ان سب میں قرآنی آیات کو اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور حمد کے بعض کلمات کو اس خوبصورتی سے کندہ کیا گیا ہے کہ سات آٹھ سو سال گزرنے کے بعد بھی اب تک وہ اسی طرح موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو تو سات آٹھ سو سال نہیں گزرے لیکن بعضوں کو پانچ سو سال گزرے ہیں۔ بعضوں کو سات سو سال یعنی آخری دفعہ جب مسلمانوں کو نکالا گیا ہے تو وہ ۱۴۹۲ء میں نکالا گیا تھا اس کے بعد دو سو سال تک یعنی ۹۲-۱۶۹۰ء تک کچھ آثار باقی رہے پھر مٹا دیئے گئے تو یہ عرصہ اور اس سے پہلے جو عرصے ہیں مثلاً عبدالرحمٰن ثالث جنہوں نے اس فن کو فروغ دیا ہے اور سپین میں دنیاوی طور پر جو سب سے زیادہ عظمتیں حاصل کی گئی ہیں وہ ان کے دور میں یعنی عبدالرحمٰن ثالث کے دور میں حاصل کی گئی ہیں۔ یہ دور دسویں صدی کے آخر اور گیارہویں صدی کے آغاز سے تعلق رکھتا ہے تو اس زمانہ کی تحریریں بھی اس طرح چمک رہی ہیں۔ پس پندرہ سو سال پہلے کی ہوں یا سات آٹھ سو سال پہلے کی تحریریں ہوں بالکل یوں لگتا ہے کہ جیسے انہیں آج نقش کیا گیا ہے۔

میں یہ سوچتا رہا کہ انسان ظاہری طور پر استقرار کو دیکھ کر واقعۃً کتنا مرعوب ہو جاتا ہے اور

اگر یہ کوشش کی جاتی کہ یہ تحریریں دلوں پر کندہ ہوتیں اور تمام اہل سپین کے دلوں پر **لا غالب الا اللہ** لکھا جاتا تو یہ تحریریں ایسی انمٹ تحریریں ثابت ہوتیں کہ قیامت تک چلتی رہتیں بظاہر پڑھی نہ جاتیں لیکن خدا کی تقدیر یہ ثابت کر دکھاتی کہ یہ وہ تحریر ہے جو دل پر ایک دفعہ نقش ہو جائے تو پھر مٹائی نہیں جاسکتی۔ ایسے لوگوں کی گردنیں تو تلوار سے کاٹی جاسکتی ہیں مگر دلوں پر **لا الہ الا اللہ** یا **لا غالب الا اللہ** کی کندہ ہوئی تحریریں مٹائی نہیں جاسکتیں۔ نسلاً بعد نسلٍ چلتی ہیں اور چلتی چلی جاتی ہیں تو یہ سوچتے ہوئے میں بہت ہی گہرے غم میں مبتلا ہو گیا اور میں نے سوچا کہ اب اس ظلم کی تلافی اگر کسی جماعت کے ذمہ ہے تو وہ جماعت احمدیہ ہے۔ ہم نے وہاں ایک نئے جہاد کا آغاز کر دیا ہے اور اس جہاد کو لازماً جاری رکھنا ہے اور آگے بڑھاتے چلے جانا ہے۔ ایک دو دفعہ تحریک کرتا ہوں تو کچھ لوگ لبیک کہتے ہیں پھر کچھ عرصہ کے بعد دوسرے کاموں میں مشغول ہو کر میری نظر دوسری طرف چلی جاتی ہے تو احباب کی توجہ بھی دوسرے کاموں کی طرف پڑ جاتی ہے۔ خلیفہ وقت تو ایک قبلہ نما کی حیثیت رکھتا ہے جدھر وہ منہ کر لیتا ہے ساری جماعت رفتہ رفتہ اسی طرف منہ کر لیتی ہے لیکن یہ وہ قبلہ نما ہے جسے ہر اس قبلہ کی طرف منہ کرنا ہوگا جس کی طرف توحید بلا رہی ہے اور توحید کی عظمتوں کے تقاضے ہیں کہ قبلوں کو بار بار نظر کے سامنے رکھا جائے۔ ایک تو قبلہ وہ ہے جو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے میسر آتا ہے لیکن خدا کی توحید کے قبلے بہت پھیلے پڑے ہیں فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: ۱۱۶) یہ وہ آیت کریمہ ہے جو اسی مضمون کو بیان فرما رہی ہے کہ جہاں تک سمجھ آسکے جہاں تک ممکن ہو قبلہ درست کر لیا کرو۔ کعبہ ہی کی طرف منہ کرو مگر یاد رکھو کہ اصل قبلہ خدا کی طرف منہ کرنا ہے۔ جس طرف بھی تم رُخ کرو گے وہیں تم خدا کو پاؤ گے تو ان معنوں میں توحید کے قبلے چاروں طرف پھیلے پڑے ہیں اور ہر قبلے کا اپنا ایک محاذ ہے اور ہمیں جماعت کو بار بار یاد دہانی کروانی پڑے گی کہ اس محاذ کی طرف بھی رُخ کرو اور خدا کی خاطر یہاں بھی جہاد کرو اور اس جہاد کی طرف بھی رخ کرو اور خدا کی خاطر یہاں بھی جہاد کرو اور اس تیسرے اور چوتھے اور پانچویں اور چھٹے اور ساتویں محاذ کی طرف بھی رُخ کرو کیونکہ ہر طرف ایک ہی خدا کا قبلہ ہے جس کی طرف منہ کرتے ہوئے تم نے اسلام کا عظیم جہاد کرنا ہے۔ پس سپین کے جہاد کو بھی بھلانے نہیں دینا اسے نظر انداز نہیں کرنا کسی ایسی فائل میں اسے دفن نہیں کرنا جس کی طرف پھر مدتوں نظر نہیں پڑتی۔ بار بار یاد کروانا میرا کام ہے اور میں

یقین رکھتا ہوں کہ بار بار اس یاد دہانی کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ دلوں میں تحریک پیدا فرمائے گا اور نئے واقفین بڑے عزم اور ولولے کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کریں گے۔

پس اہل یورپ کے لئے خصوصیت سے ایک اچھا موقع ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ اب وہاں ٹھہرنے کی ایسی سہولت مہیا ہوگئی ہے کہ مارکیٹ ریٹ پر ویسی سہولت آپ کو اتنی کم قیمت میں میسر نہیں آسکتی اور جو مسجد کے پاس ٹھہرنے کا لطف ہے وہ اس کے سوا ہے یعنی ان سب باتوں پر اضافہ ہے۔ وہاں سے آپ کو وقف عارضی کے نئے پروگرام ملیں گے اور جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے باقاعدہ ایک منصوبہ ان کو سمجھایا گیا ہے جس کے نتیجہ میں اب جب واقفین عارضی وہاں پہنچیں گے تو ان کو اپنے سامنے ایک ٹھوس پروگرام دکھائی دے گا اور اس کے لئے ہر قسم کی سہولتیں ان کو مہیا کی جائیں گی یعنی لٹریچر وغیرہ کی معلومات کی سہولتیں اور اس وقت تک انشاء اللہ بعض علاقوں میں ہمارے بعض ایسے رابطے بھی قائم ہو چکے ہوں گے کہ واقفین عارضی جب وہاں جائیں تو اپنے آپ کو بالکل اجنبی علاقوں میں نہ پائیں گے بلکہ احمدیت سے تعلق رکھنے والے اور اسلام سے محبت رکھنے والے کچھ گھرانے پہلے سے وہاں موجود ہوں گے جو ان کی تائید کریں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔ تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ اس نئے پروگرام سے سپین میں انشاء اللہ تعالیٰ زندگی کی ایک نئی لہر دوڑے گی۔

جب میں پچھلے دورہ پر گیا تھا تو اس وقت جو احمدی ہوئے تھے وہ اللہ کے فضل کے ساتھ بہت ہی ثابت قدم ہیں اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیرے اور جواہر بن کر چمکے ہیں کہ بار بار رشک کے ساتھ میں ان کا ذکر کرتا رہا۔ ایک عورت سولیداء جو ملک کی مشہور شاعرہ تھی وہ احمدی ہوئی اس نے جماعت کے لٹریچر کا مسلسل اپنی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور نہایت اعلیٰ زبان ہے اور دن رات وہ خدمت میں مصروف رہتی ہے۔ خود ہی ترجمے کرتی ہے، پھر خود ہی ٹائپ کرتی ہے اور اسے احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے ایسی محبت ہے کہ وہاں مجالس میں بھی جب میں عیسائیت اور اسلام کے موازنے کرتا تھا یا اور ایسی باتیں بیان کرتا تھا تو اس پر جب نظر پڑتی تھی تو یوں لگتا تھا جیسے اسلام کے عشق میں وہ پگھلی جارہی ہے۔ ان کے دو بچے بھی ہیں جو بیمار اور معذور بچے ہیں مگر اس کے باوجود یہ اتنا وقت خدمت دین کے لئے نکالتی ہے۔

ایک اور صاحب تھے جو فرنیچر کی ایک بڑی دوکان کے مالک تھے وہ بھی ایک دفعہ تشریف

لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے تین دن کے قریب وہاں قیام کیا اور ان کی حالت میں بھی میں نے غیر معمولی پاک تبدیلی دیکھی۔ تو اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اہل سپین اب پہلے کی نسبت بڑھ کر اسلام کی آواز پر لبیک کہیں گے ماحول ایسا دکھائی دیتا ہے۔ میں نے سوال و جواب کی جتنی مجالس وہاں منعقد کی ہیں اس سے میں سمجھتا ہوں کہ اب ان لوگوں میں بہت جلد تبدیلی کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک مجلس میں عیسائیت کو خالصۃً عقلی لحاظ سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ وہ چونکہ لمبے عرصہ سے متشدد عیسائیوں کا ملک رہا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ ناراض ہو جائیں بعض لوگ ناپسندیدگی کے اظہار کے طور پر مجلس سے اُٹھ کر چلے جائیں لیکن ہر موضوع پر تفصیلی بحث کے بعد جب میں سوالات کا موقع دیتا تھا تو اکثر سر جھکے رہے اور اگر کسی نے سوال کیا بھی تو وہ اس کا جواب سنتے ہوئے بہت جلدی تائید میں سر ہلانے لگ گیا اور جب وہ دو روزہ مجالس اپنے اختتام کو پہنچیں اور میں نے پھر اعلان کیا کہ کوئی سوال کرنا ہو تو اب پھر بتائیں تو کوئی شخص بھی کوئی سوال پیش نہ کر سکا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سب مطمئن ہیں۔ بعض خاندان بطور خاندان آئے ہوئے تھے۔ وہ ایک مجلس کے بعد بہت دیر تک وہاں رہے۔ وہیں کھانا کھایا اور بہت گہری دلچسپی لینے لگے تو اس لئے یہ مشاہدہ تو میں خود کر چکا ہوں کہ سپین میں بڑی تیزی سے تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں اور اسلام کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔ اور امید ہے کہ واقفین عارضی بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس عظیم موقع سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ درخت کبھی ایسی حالت میں بھی ہلائے جاتے ہیں جب پھل نہیں ہوتا۔ کبھی ایسی حالت میں بھی کہ پھل کچا ہوتا ہے اور کبھی ایسی حالت میں بھی کہ پھل پکا ہوتا ہے۔ ہم بچپن میں جب شکار وغیرہ پر جاتے تھے تو کئی جگہ بیریوں کو ہلاتے تھے۔ پھل جب کچے ہوتے ہیں تو وہ اُترتے نہیں اور اگر اُترے بھی تو کوئی تلخ پھل ہاتھ آتا ہے لیکن جب پھل تیار ہو تو ذرا سا جھکور نا دینے سے ہی کثرت سے پھل گرتا ہے کہ انسان سے سنبھالا نہیں جاتا۔ تو مجھے لگ رہا ہے کہ اب اللہ کے فضل کے ساتھ بہت سے ممالک میں پھل پکنے لگے ہیں اور ہمیں ان کو جھنجوڑ کر پھل اکٹھا کرنے والے کثرت سے درکار ہیں۔ جب پھل پکنے کا وقت آتا ہے تو پھل کا سنبھالنا واقعۃً مشکل ہو جاتا ہے۔ اہل یورپ جانتے ہیں کہ جب یہاں چیریز (Cherries) کے پکنے کا وقت آتا ہے تو زمیندار کس طرح بڑے بڑے بورڈ لکھ کر لگا دیتے ہیں کہ آؤ جتنا چاہتے ہو توڑ کر خود کھاؤ اور جتنے لے کر جاؤ گے صرف اس کے

پیسے لیں گے۔ ان کو پتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھل ان سے سنبھالا نہیں جا سکتا۔ تو یہ پھل تو بہت ہی قیمتی ہے۔ اس پھل کے لئے ہمیں کثرت سے ایسے واقفین عارضی چاہئیں جو اس پھل کی لذت سے خود بھی وہاں مستفید ہوں اور یہ پھل ایسا ہے جس کو جتنا کھائیں گے اتنا ہی یہ بچتا رہے گا اور دائمی ہوتا رہے گا۔ یہ ایسا پھل نہیں جسے آپ کھا کر ختم کر سکیں لیکن سنبھالنا ضروری ہے۔ پس اس کو سنبھالنے کے لئے وہ خاندان جن میں سیر کا بھی اور خدمت دین کا بھی جذبہ ہے ان کے لئے ایک بہترین موقع ہے۔

آخری چند منٹ میں میں روس سے متعلق بھی کچھ توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ خدا کے فضل سے اب روس میں بھی بہت تیزی سے احمدیت میں دلچسپی پیدا ہو رہی ہے اور جتنے وفد یہاں سے گئے ہیں وہ بہت ہی مثبت نتائج کی خوشخبریاں دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر وفد کے دورہ کے دوران بڑے بڑے رابطے پیدا ہوئے اور اس دفعہ جب مولوی منیر الدین صاحب شمس گئے ہیں تو کئی جگہ باقاعدہ ٹھوس جماعتیں پیدا ہوئی ہیں۔ بڑے اچھے اچھے صاحب اثر لوگ احمدیت سے مستقلاً وابستہ ہوئے ہیں اور وہاں جا کر پتا چلا ہے کہ کس طرح غیر معمولی طور پر احمدیت کا پیغام قبول کرنے کے لئے وہاں صلاحیت موجود ہے۔ بعض لوگوں نے اپنے طور پر جماعت کا لٹریچر وہاں پھیلانا شروع کیا ہے۔

U.S.S.R. یعنی یونین آف سوویت سوشلسٹ ریپبلک جو پہلے ہوا کرتی تھی اب یہ ٹکڑوں میں بٹ چکی ہے یا عملاً ٹکڑوں میں بٹ چکی ہے اس کو عام باہر کی زبان میں Russia کہتے ہیں حالانکہ رشیا ان میں سے صرف ایک ریاست کا نام ہے تو جب میرے منہ سے رشیا نکلے تو مراد یہ ساری ریاستیں ہیں۔ ان میں جو مسلمان ریاستیں ہیں ان میں تو اس پیغام کے نتیجہ میں ایسا مثبت ردعمل دکھایا گیا ہے کہ کئی اخبارات نے فوری طور پر اسے اپنے اخبارات میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور روس یعنی جو واقعۃً رشیا ہے اس میں بھی ایک وسیع چھپنے والے اخبار نے بڑے شوق سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں یہ پیغام اپنے ملک کے لئے شائع کروں گا اور سب کا یہ ردعمل تھا کہ اہل روس کو اس کی شدید ضرورت ہے۔ وہاں جو جائزے لئے گئے ہیں ان کے نتیجہ میں واقفین عارضی کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ بنتی تھی کہ اگر وہ مثلاً ماسکو جا کر ٹھہریں یا لاعلمی کی حالت میں سفر کریں تو حکومت کا قانون ایسا ہے کہ باہر کے مسافر کو بہت زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ یعنی ماسکو میں روزانہ ایک سو تیس

سے ایک سو چالیس ڈالر پر روزانہ ہوٹل ملے گا اور لازماً اس کو یہ بیرونی کرنسی میں ادا کرنا ہوگا تو یہ اکثر واقفین عارضی کی توفیق سے باہر بات تھی۔ اس کا حل یہ کیا گیا ہے کہ ماسکو میں ہم نے اپنا ایک فلیٹ لے لیا ہے اس فلیٹ کو بھی اسی طرح جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بہت سستے کرائے پر واقفین عارضی کے لئے پیش کیا جائے گا۔ جس نے وقف کرنا ہے وہاں جائے وہاں ہم نے مستقل سٹاف بھی مقرر کر لیا ہے۔ ایک اچھا انگریزی سمجھنے والا ایک اچھا روسی بولنے والا سکالر جماعت نے وہاں باقاعدہ (Employ) کر لیا ہے۔ وہ اس فلیٹ میں موجود ہوگا اور آپ کی ہر قسم کی راہنمائی بھی کرے گا اور اس کی وساطت سے دوسری جگہ جو ہمارے روابط ہوئے ہیں وہاں تک پہنچنا آسان ہوگا۔ کم سے کم روپیہ خرچ کر کے سفر کرنے کے متعلق وہ ہر قسم کی مدد کرے گا اور اس کے لئے یہاں بھی معلومات اکٹھی کی جا چکی ہیں۔ یعنی وہ صاحب اگر وہاں ہوں یا نہ ہوں اس سے قطع نظر فلیٹ کی چابی یہاں تبشیر سے حاصل کریں اور وقف عارضی کا گروپ سیدھا ماسکو جا کر تسلی سے ٹھہرے۔ اگر وہ بیس ڈالر روزانہ پر کمرہ لے لیں تو کہاں یہ بیس ڈالر اور کہاں ڈیڑھ سو ڈالر روزانہ اور اگر کسی میں توفیق کم ہو تو اس سے بھی سستا کیا جا سکتا ہے مگر سستا کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ جماعت نے تو مستقلاً اس پر خرچ کیا ہے۔ اس کی بجلی، پانی وغیرہ ہر چیز کا خرچ ہوگا، گیس کی سہولت ہے، ٹیلی فون کی سہولت ہے سینٹر میں واقع ہے۔ اگر کوئی اس قسم کی سہولت والا مکان وہاں کرایہ پر عارضی طور پر لے تو اسے روزانہ دو اڑھائی سو ڈالر دینے پڑیں گے۔ بہر حال یہ روپیہ زیر بحث نہیں ہے۔ میں تو یہ سمجھا رہا ہوں کہ واقفین عارضی کی سہولت کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے کہ کم سے کم خرچ پر ان کا سفر مکمل ہو اور زیادہ سے زیادہ معلومات ان کو سفر اختیار کرنے سے پہلے مہیا کر دی جائیں۔ اس سلسلہ میں لمبی محنت کے بعد اب ہم نے تبشیر میں بہت سی معلومات اکٹھی کر لی ہیں۔ بہت سے روابط اور ان کے پتا جات اکٹھے کر لئے گئے ہیں۔ روسی زبان میں لٹریچر شائع ہو چکا ہے اور مزید ہو رہا ہے اور جتنا شائع ہوا ہے بہت ہی مفید پایا گیا ہے۔ تو اب ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر اور ہر قسم کے ایسے جہاد کے سامانوں سے مرصّع ہو کر واقفین روس جا سکتے ہیں اور مختلف علاقوں میں جا کر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدمت دین کا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک آخری بات میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ وہاں رابطوں کے لئے ہمیں تبلیغ

کے علاوہ بھی کچھ باتیں کرنی ہوں گی۔ روس اس وقت خطرناک اقتصادی بدحالی کا شکار ہے اور باہر کی دنیا سے جو تاجر جا رہے ہیں وہ اکثر لوٹنے کی نیت سے جا رہے ہیں۔ میں احمدی تاجروں کو یا واقفین عارضی کو جو تاجر نہ بھی ہوں دعوت دیتا ہوں کہ اگر وہ وہاں جا کر کچھ تجارتی رابطے قائم کر سکتے ہوں تو اس کے کئی فوائد ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو سفر خالصةً دین کے لئے اختیار کیا گیا ہو اگر اس کے نتیجہ میں دنیا بھی حاصل ہو جائے جو پھر دین کی خدمت کے لئے استعمال ہو تو اس سے اچھا سودا اور کیا ہو سکتا ہے اور وہاں اس کے بہت مواقع ہیں۔ جو معلومات ہمیں میسر آسکی ہیں وہ ہم نے اکٹھی کی ہیں اور تاجر، Industrialist اور اس قسم کے دوست جو مثلاً ہوٹل کا کام جانتے ہوں ان کے وہاں جا کر ذرائع معاش حاصل کرنے کے بہت مواقع ہیں اور حاصل کرنے سے زیادہ مہیا کرنے کے بہت مواقع ہیں اور مجھے اس وقت دوسرے حصہ میں زیادہ دلچسپی ہے۔ اگر احمدی تاجر اس نیت سے وہاں زیادہ روابط پیدا کرے اور احمدی کارخانہ دار اس نیت سے وہاں کارخانہ بنائے اور ریسٹوران کا تجربہ رکھنے والے احمدی اس نیت سے وہاں ریسٹوران کھولیں کہ مقامی طور پر لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر بنائی جائے تو جہاں احمدیت قائم ہو چکی ہے وہاں احمدیت کو خدا کے فضل سے بہت سی مالی سہولتیں حاصل ہو جائیں گی اور انتہائی غربت کی حالت میں بھی ان لوگوں نے چندے شروع کئے ہیں تو اگر خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ احمدیت سے ان کو دین کے علاوہ دنیا بھی مل جائے تو بہت بڑا استحکام حاصل ہو گا اور ان کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کی توجہ بھی پیدا ہو گی اور جب بھی آپ ایسے ملک سے تجارت کرتے ہیں جیسا روس اس دور میں ہے تو اس میں تجارت کرنے والے کے لئے نقصان کا کوئی احتمال نہیں رہتا۔ کچھ نہ کچھ فائدہ اس کو ضرور پہنچے گا لیکن اگر آپ اپنے فائدہ کو پیش نظر نہ رکھیں اور دین کی خاطر ضرورت مند لوگوں کے فائدہ کو پیش نظر رکھیں تو دنیا کا فائدہ تو ہو گا ہی روحانی طور پر عاقبت کا فائدہ بہت ہو گا۔ اس دنیا میں بھی آپ کی عاقبت سنور جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔ ان دونوں تحریکوں میں بھر پور حصہ لیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ جو واقفین عارضی دیر سے منتظر تھے وہ اب میدان میں جھونکنے کا لفظ میں بول رہا تھا رک گیا لیکن اب میں ان کو اس نیت سے کہتا ہوں کہ اگر یہ خدا کی خاطر بھی ہے تو ہمیں اپنی جان، مال، عزتیں واقعةً اس میں جھونک دینی چاہئیں لیکن یہ بھٹی ایسی بھٹی ہے جسے خدا تعالیٰ نے گلزار بنانے کا

فیصلہ کرلیا ہے اس لئے بے دھڑک ہوکر اس میں چھلانگیں لگا ئیں۔آپ یقیناً اسے گلزار پا ئیں گے اور خدا کی رضا کی ابدی جنتیں حاصل کرنے کی جگہ آپ کو میسر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

دعاؤں کی قبولیت کے لئے اعمال صالحہ ضروری ہیں۔
اپنے گھروں کو جنت نشاں بنائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ / جون ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۵﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۷﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۸﴾

(الفرقان: ۷۱-۷۸)

پھر فرمایا:-

گزشتہ ایک لمبے عرصہ سے کئی خطبات میں خصوصیت کے ساتھ عائلی زندگی کو بہتر بنانے

سے متعلق نصیحتیں کرتا رہا ہوں اور اگر چہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت سے مخلصین ہیں جنہوں نے ان نصیحتوں کی طرف کان دھرے اور اخلاص اور تقویٰ کے ساتھ ان باتوں کو قبول کر کے اپنی گھریلو زندگی کو جنت نشان بنانے کی کوشش کی اور مختلف خطوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فضل سے مردوں نے بھی اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کی اور عورتوں نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اس کے باوجود آج بھی ایسے ہی تکلیف دہ واقعات نظروں کے سامنے آتے رہتے ہیں جیسے کل آیا کرتے تھے۔ تعداد میں کچھ کمی ہوگئی ہوگی، کچھ لوگوں نے اصلاح کر لی ہوگی اس میں تو کوئی شک نہیں لیکن احمدیوں میں اب بھی ایسے خاوندوں کی بھی اور ایسی بیویوں کی بھی ایک تعداد موجود ہے جن کی طرز عمل گھروں کو جنت بنانے والی نہیں بلکہ جہنم بنانے والی ہے اور جیسا کہ میں نے اس سے پہلے اس بات پر روشنی ڈالی تھی کہ عائلی زندگی کی خرابیاں ساری قوم پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ایک ہی نسل پر نہیں بلکہ آئندہ کئی نسلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس بات کو معمولی بات نہ سمجھو گھر ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف انسان جب لوٹ کر آتا ہے اگر وہ مرد ہے تو وہ بھی اس تصور سے گھر کی طرف لوٹتا ہے کہ وہاں جا کر تسکین ملے گی دنیا کے جھنجٹوں میں پڑنے سے جو تھکاوٹ ہوگئی ہے وہ دور ہوگی اور راحت اور تسکین کے سامان میسر آئیں گے۔ عورت بھی اسی خیال سے گھر کی طرف لوٹتی ہے یا اسی خیال سے اس کو بھی گھر کی طرف لوٹنا چاہئے مگر ایسے گھر جہاں میاں بیوی میں جھگڑے چلتے ہوں، ایسے گھر جو سیاست کا شکار ہوں جہاں صرف میاں بیوی کے آپس کے اختلاف ہی کارفرمانہ ہوں بلکہ ان کے رشتہ داروں کی دخل اندازیوں کی وجہ سے کئی قسم کی سیاستیں کھیلی جاتی ہوں ایسے گھر ہمیشہ جہنم کا نمونہ بنے رہتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں بہت گہرے اور وسیع نقصانات ہوئے ہیں۔ میں دوبارہ ان کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ اس سے پہلے تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں، ایک گھر ہی نہیں اُجڑتا بلکہ نسلیں اُجڑ جاتی ہیں، اردگرد کے رہنے والوں پر بڑا اثر پڑتا ہے، معاشرے پر بد اثرات پڑتے ہیں اور کئی قسم کی بدعادتیں قوم میں پھیل جاتی ہیں، ایسے لوگوں کے اندر کوئی کشش نہیں رہتی جن کی عائلی زندگیاں جہنم کا نمونہ ہوں اور لوگ قریب آنے کی بجائے ان سے دور بھاگتے ہیں۔

میں نے یہ نصیحت بھی کی کہ اگر اصلاح آپ کے بس میں نہیں ہے تو قرآن کریم نے ایک دُعا سکھائی ہے جو ایسی مؤثر ہے کہ جہاں جہاں عائلی خرابیوں کے اثرات پہنچتے ہیں وہاں وہاں اس دُعا

کا اثر تریاق کے طور پر سرایت کر جاتا ہے۔ یہ آئندہ نسلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور موجودہ زمانے کو بھی ہر قسم کی خرابیوں کا توڑ اس دعا میں سکھایا گیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باوجود کئی گھر بدنصیبی سے اس دعا کے فائدے سے محروم رہے۔ میں نے اس خیال سے دوبارہ ان آیات پر غور کیا کہ ایسی مؤثر دعا قبول کیوں نہیں ہو رہی یا کم سے کم بعض گھروں کی صورت میں نہیں ہو رہی تو معرفت کے بعض ایسے نکتے ہاتھ آئے کہ میں نے سوچا کہ جماعت کو بھی ان میں شریک کروں۔

قرآن کریم نے جہاں جہاں دعائیں سکھائی ہیں وہاں ان دُعاؤں کا ایک ماحول بھی بتایا ہے۔ جیسے بیج بونے کے موسم ہوتے ہیں، جیسے فصلیں کاٹنے کے موسم ہوتے ہیں اور انہی موسموں میں بیج بوئے جاتے ہیں جو بونے کے موسم ہیں اور انہی موسموں میں فصلیں کاٹی جاتی ہیں جو کاٹنے کے موسم ہوتے ہیں وہ موسم ایک زمیندار کے لئے یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کب کاشت کرنی ہے، کب پھل کاٹنا ہے پھر زمینیں مختلف قسم کی ہیں آب و ہوا کا اختلاف ہے۔ یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ کون سا پودا کس جگہ صحیح معنوں میں کاشت کیا جا سکتا ہے یا نصب کیا جا سکتا ہے اور کس فضا میں وہ پھل دے گا۔ تو قرآن کریم کی دعاؤں پر جب میں نے اس نقطہ نگاہ سے غور کیا اور توجہ اسی دعا کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہر دعا کا موسم بیان فرمایا گیا ہے اس کا پس منظر بیان فرمایا گیا ہے۔ تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ کونسی دعائیں کس طرح کی جائیں تو مقبول ہوتی ہیں اور کیوں مقبول ہوتی ہیں۔ کیا باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ نہ پیدا ہوں تو دُعاؤں میں اثر پیدا نہیں ہوتا۔ اصولی طور پر بھی دعا سے متعلق نصیحتیں موجود ہیں کہ اگر دعا کرنی ہے تو مثلاً نیک اعمال کے ذریعہ اس کو طاقت دو۔ کلمہ طیبہ دعا کی صورت میں بھی اُٹھتا ہے لیکن خدا کے دربار تک تب پہنچتا ہے اگر عمل صالح، نیک اعمال اُسے پمپ کر کے اوپر بھیج رہے ہوں اگر نیک اعمال اس میں اُڑنے کی طاقت ہی پیدا نہ کریں تو جانور خالی پروں سے تو نہیں اڑ سکتا اس کے اندر طاقت ہونی چاہئے۔ پس دعا کا مضمون بہت ہی دلچسپ ہے اور قرآن کریم میں جس رنگ میں بیان ہوا ہے اس کی روشنی میں دعاؤں کی مقبولیت یا نا مقبولیت سے متعلق کوئی پہلو ایسا نہیں جو قرآن نے پیش نہ فرمایا ہو۔

اب یہی عائلی زندگی کی بحث ہے۔ میں نے اس سے پہلے کی چند آیات اور اس کے بعد کی آیات چُنی ہیں جن میں یہ آیت دُعا کے طور پر نصب ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ

لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کہ خدا کے وہ بندے جن کا ذکر ہو رہا ہے یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے جوڑوں سے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اپنے ساتھیوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما وَذُرِّيّٰتِنَا اور آئندہ جو نسلیں جاری ہونی ہیں ان سے بھی آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اور ہمیں متقیوں کا امام بنانا۔ اس دعا کا اثر بہت وسیع ہے اور عائلی زندگی سے تعلق رکھنے والے سارے مضامین اس کے تابع آجاتے ہیں۔ کچھ کے متعلق میں نے پہلے ذکر کیا تھا۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میاں بیوی میں بہت سے اختلافات مثلاً بچوں کے متعلق پیدا ہو جاتے ہیں اور بچوں کی تربیت کے متعلق بھی جو اختلافات ہیں وہ بعض دفعہ بہت سخت سنگین صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ بعض دفعہ بچیوں کی شادیاں نہیں ہو رہی ہوتیں اور اس کی وجہ سے ایک مصیبت بن جاتی ہے، بعض دفعہ شادیاں کی جاتی ہیں تو اس انداز سے نہیں کی جاتیں جو خدا کو منظور ہے اور اس کے نتیجہ میں اپنا گھر بھی اور دوسروں کا گھر بھی جہنم بن جاتا ہے تو اس دُعا نے ہمیں یہ سکھایا کہ اے خدا! ہمیں ایک دوسرے سے بھی آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما بلکہ اپنی اولاد کی طرف سے بھی آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما۔ وہ لوگ جو اولاد کے حق میں یہ دُعا کرتے ہیں ان کو اس دعا کے سیاق وسباق پر بھی نظر رکھنی ہوگی کہ خدا کے نزدیک آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی کیا ہے ورنہ ایک انسان اس نیت سے یہ دُعا کرے کہ اے خدا! میری اولاد بڑے بڑے مراتب تک پہنچے، بڑی دولتیں سمیٹے خواہ رشوت کھا کر ہی وہ امیر بنی ہو تو میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی۔ اس کی نیت میں اگر فتور ہے، اگر وہ آنکھوں کی ٹھنڈک کی تعریف ہی نہیں سمجھتا تو ہزار یہ دُعا کرے وہ قبول نہیں ہوسکتی۔ اس دُعا کا ایک موسم ہے جو اس کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ اس موسم کے پیش نظر یہ دُعا مانگی جائے گی اور اس موسم میں جب مانگی جائے گی تو ضرور قبول ہوگی۔ اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک کی تعریف بھی بیان فرمادی ہے۔ ان لوگوں کی محبتیں کس چیز میں ہیں۔ ان کی چاہتیں کیا ہوتی ہیں، ان کی آرزوئیں کیا ہیں، ان کو کیا چیز پسند ہے؟ یعنی وہ مومن جس کی پسند یہ ہو، جن کی چاہتیں یہ ہوں، جن کی آرزوئیں یہ ہوں، وہ جب خدا سے دُعا مانگتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما تو پھر ان کو یہ ٹھنڈک عطا کی جاتی ہے اور ضرور کی جاتی ہے۔

اب بہت سے ایسے جھگڑے ہیں جس میں میں سمجھتا ہوں کہ اس دُعا کے مضمون کو نہ سمجھنے

کے نتیجہ میں اعمال بگڑتے ہیں اور پھر ایک انسان جتنا چاہے یہ دُعا مانگے وہ دُعا قبول ہی نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر اعمال کا رُخ مشرق کی طرف ہے اور دُعا کا رُخ مغرب کی طرف ہے تو نتیجہ وہی رہے گا جو اعمال کا رُخ ہے کیونکہ یہ قانون قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردستی کسی قوم کی تقدیر نہیں بدلا کرتا۔ عمل بتاتے ہیں کہ اصل نیت کیا ہے اور عمل کے بغیر دُعا رفعت نہیں پاتی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے عمل مشرق کا ہو تو مغرب کی طرف کی دُعا کیسے آگے بڑھ سکتی ہے۔ وہ بھی گھسیٹتی ہوئی مشرق کی طرف نکلتی چلی جائے گی اور بالکل اُلٹ نتیجہ پیدا کرے گی۔ میرے سامنے ایسے تکلیف دہ واقعات آتے رہتے ہیں۔ میں چند نمونے آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور اس کے بعد میں آپ کو سمجھاؤں گا اور آپ خود ہی سمجھیں گے کہ جن لوگوں کے یہ اعمال ہوں ان کی دعائیں ان کے حق میں کیسے پوری ہوسکتی ہیں کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔

بعض خاندان ایسے ہیں جن میں سیاست کے رشتے ہوتے ہیں۔ بہنیں آپس میں مل کر سر جوڑتی ہیں، ساس بھی شاید شامل ہو جاتی ہو بعض اوقات بھائی بھی شامل ہو جاتے ہیں اور ایک قسم کا نجویٰ ہوتا ہے اور بہت سے ایسے گھر ہیں جہاں رشتوں سے پہلے ایسی سیاستیں برتی جاتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ امیر کی لڑکی لے کر آئیں گے اس کے نتیجہ میں بیٹے کا مستقبل بھی بنے گا اس کے لئے کار لی جائے گی اس کے لیے فریج مانگے جائیں گے۔ شروع میں بے شک نرمی دکھاؤ، بے شک شروع میں یہی کہو کہ جی ہمیں تو بیٹی چاہئے اور کچھ نہیں چاہئے اور جب یہ وعدے کرلو اور اگلے کو دھوکہ دے لو تو پھر جب بیٹی قابو آئے گی تو پھر اس کے ذریعے جیسے لیور ہاتھ آجاتا ہے اس کے لئے دباؤ ڈالیں گے اور کہیں گے کہ اب یہ کرو اب وہ کرو۔ بیٹا اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ گیا ہوا ہے مگر جب تک تم مدد نہ کرو گے اس کا گزارا ہی نہیں ہوسکتا نہیں کرو گے تو تمہاری بیٹی کی زندگی جہنم بنے گی۔ یہ باتیں جو میں بیان کر رہا ہوں یہ کوئی فرضی باتیں نہیں ہیں واقعۃً خاندانوں میں ایسی بدبختی کی باتیں ہوئی ہیں اور اس کے نتیجہ میں ہر طرف درد بکھر گیا ہے، عذاب پیدا ہو گیا ہے، ایک معصوم بچی کی زندگی برباد، اس کے رشتہ داروں کی زندگی برباد۔ ایسے ایسے معزز شریف خاندانوں میں ایسی باتیں ہوئی ہیں جن کو میں دیر سے جانتا ہوں۔ ان کے اندر خدا کے فضل سے تقویٰ ہے، نیکی ہے، سادگی ہے اور اس سادگی کی وجہ سے وہ فتنے کی ایسی باتوں میں مبتلا ہو گئے اور دھوکا میں آگئے اور اب اُن کی بچی کی زندگی عذاب بنی

ہوئی ہے سارے گھر والوں کے لئے عذاب بن گئی ہے۔ اب ایسا خاندان اگر یہ دُعائیں کرے گا کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ اے خدا! ہماری بیویوں سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، ہمارے خاوندوں سے ٹھنڈک عطا فرما، ہماری اولادوں سے ٹھنڈک عطا فرما تو عملاً وہ جنت مانگ رہے ہیں لیکن انکے عمل جہنم مانگ رہے ہیں زبان جنت مانگے گی تو خدا زبان کی بات نہیں مانے گا عمل کی بات سُنے گا اور جیسا کہ قرآن کریم نے اس بات پر خوب اچھی طرح روشنی ڈال دی ہے کہ جو نیتوں کا پھل ہے وہ ان کو ملے گا اور اعمال کے نتیجے ظاہر ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو قُرَّةَ اَعْيُنٍ کی بجائے آنکھوں کا عذاب نصیب ہوگا اور آج اگر انہوں نے کسی کو دھوکا دے بھی دیا تو کل دنیا ان کو دھوکے دے گی کیونکہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ یہ دھوکے اُلٹا کرتے ہیں آگے بدنسلیں پیدا ہوں گی، کئی قسم کے بہت سے عذاب ہیں جو یہ لوگ مستقبل کے لئے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

بعض ایسے لوگ ہیں جو اپنے مطلب کے لئے شادیاں کرتے ہیں، ایسے مرد بھی ہیں صرف عورتوں کا قصور نہیں۔ ایسے مرد ہیں جو مثلاً انگلستان، جرمنی یا دوسرے ملکوں میں آتے ہیں اور پناہ ڈھونڈتے ہیں یا کوئی اور بہانے تلاش کرتے ہیں کہ انہیں یہاں Nationality مل جائے مگر ان کی کوئی پیش نہیں جاتی پھر وہ ترکیب سوچتے ہیں کہ شادی کی جائے اور بعض دفعہ ایسی جگہ شادی کرتے ہیں جہاں وہ سمجھتے ہیں کہ اگلے بھی مجبور ہیں بعض بچیوں کی شکلیں خراب ہوتی ہیں۔ بعض کی عمریں زیادہ ہو رہی ہوتی ہیں اور وہ اٹکی ہوئی ہوتی ہیں۔ بچارے ماں باپ بڑی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ بھی ایسی صورت میں شادی کر دیتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اگر وہ غور کریں تو ان کو دکھائی دے سکتا ہے کہ یہ لڑکا مطلب پرست ہے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے شادی کر رہا ہے۔ اس وقت جان کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ایک چیز ایک معمولی عقل والے انسان کو دکھائی دینی چاہئے لیکن وہ نہیں دیکھتے اور لڑکا بھی بدنیتی اور بدبختی سے کچھ دیر کے بعد جب اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے تو ان کی بیٹی کو طعنے دینے لگتا ہے کہ تو بدصورت ہے، تو ایسی خبیث ہے، تو ایسی ہے کہ تجھ سے اور کس نے شادی کرنی تھی وہ کہتی ہے کہ پھر مجھ سے تو نے کیوں کی، میں ویسی ہی ہوں جیسی تم لے کر آئے تھے پہلے تو نے مجھے دیکھا تھا اگر یہ بدیاں ایسی ہیں جن سے تمہاری زندگی کا گزارہ نہیں ہو سکتا تھا تو کیوں مجھے ماں باپ کے گھر سے اکھیڑا۔ تو کہتا ہے مجھے تو بہت مل سکتی تھیں اگر میں نے Asylum لینا تھا تو

کوئی گوری نہ گھر میں اُٹھا لاتا۔اس لئے مجھے تمہاری کیا ضرورت تھی؟ تم تو ہو ہی بد بخت اور بدنصیب۔اب سوال یہ ہے کہ ایسا شخص اگر ایک گھر کی زندگی برباد کرتا ہے تو وہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے جنت عطا کرے گا۔ایسے لوگوں کے لئے بسا اوقات اس دنیا میں بھی جہنم کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔اول تو یہ کہ انسان خود اپنی شکل وصورت نہیں بنا سکتا۔ یہ بھی درست ہے کہ طبیعت پر بھی جبر نہیں کر سکتا اگر ایک شخص مزاج کا حُسن پرست ہے یا حُسن پرست نہ سہی اس کے مزاج میں کم سے کم بعض ایسی لطافتیں پائی جاتی ہیں بعض قسم کی شکلوں سے چاہیں بھی تو گزارہ نہیں کر سکتا۔ یہ ایسی چیز نہیں ہے جو شادی سے پہلے اس کے علم میں نہ ہو۔اپنے آپ کو وہ جانتا ہے جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو دیکھا بھالا ہے جب وہ فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بعد اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ جس قسم کی بھی چیز ہے لازماً اس کے ساتھ آخر تک گزارہ کرے اور اگر نہیں کر سکتا تو عزت واحترام کے ساتھ پوری کوشش کے بعد ناکامی دیکھتے ہوئے اسے اس طرح رُخصت کرے کہ اس کی عزت پر،اس کے ماں باپ کی عزت پر حرف نہ آئے لیکن یہ تو چند کوڑیاں کمانے کے لئے گھر سے نکلتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں کہ چاہے خاندانوں کے سکون برباد ہو جائیں انہوں نے کسی قوم میں Asylum ضرور لینا ہے خواہ شادی کے بہانے ملے یا کسی اور بہانے۔ یہ اگر اس وہم میں مبتلاء ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت ملے گی جزا ملے گی ان کی دُعائیں قبول ہوں گی ان کی آئندہ جب بھی شادی کریں گے بیویوں کی طرف سے یا اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک ملے گی تو یہ سب فرضی قصے ہیں جھوٹ ہے۔ایسے لوگوں کی دُعائیں مقبول نہیں ہوتیں جو دعاؤں کے آداب سے ناواقف ہیں ان دُعاؤں کے جو تقاضے ہیں ان کے ساتھ جو لوازمات ہیں ان سے بے پرواہی کرتے ہیں۔

اس دعا کے لوازمات ہیں جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں اور وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔جس شخص نے ان لوازمات کا جو ان دُعاؤں کے گرد لپٹے ہوئے ہیں جو ان کا موسم بنا رہے ہیں اس لحاظ سے کیا لازماً اس کی یہ دعا قبول ہو گی؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ ان تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا حق ادا کرتے ہوئے ان لوازمات کو پورا کرتے ہوئے کوئی دعا مانگے اور خدا اس کو رد کر دے۔ جن کی بھی مقبول ہوئی ہیں اسی طرح مقبول ہوئی ہیں اور جو ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتا وہ فرضی جنت میں ہے کہ میری دُعا قبول ہو رہی ہے یا میں نے دُعا کا حق ادا کر لیا۔

یہ بہت لمبا مضمون ہے اس میں سے میں نے چند آیات جو ساتھ جڑی ہوئی ہیں وہ میں نے چنی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۷۱﴾ وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوۡبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۲﴾ بہت سے لوگ ہیں جو گناہوں میں ملوث رہتے ہیں، بددیانتیاں کرتے ہیں، خیانتیں کرتے ہیں ان کی سزا کا اس سے پہلے ذکر ہے فرمایا لیکن مایوس نہیں ہونا چاہئے ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو توبہ کرتے ہیں ان کا استثناء ہے۔ اللہ تعالیٰ ان توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اگر وہ اخلاص سے توبہ کریں۔ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ پھر از سر نو ایمان لائیں۔ پہلے اپنی بداعمالیوں سے توبہ کریں پھر حقیقی خدا پر ایمان لائیں جو توبہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے اس سے پہلے ایک فرضی خدا ہے جس کی عبادت کی جارہی ہے اس پر ایمان لائیں۔ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا اور توبہ کے بعد سچے خدا پر ایمان لانے کے نتیجہ میں نیک اعمال ضرور ظہور پذیر ہوتے ہیں وَعَمِلَ عَمَلًا اس کا طبعی نتیجہ ہے۔ فَاِنَّهٗ يَتُوۡبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا یہی وہ شخص ہے جو توبہ میں اللہ کی طرف یوں جھپٹتا ہے جیسے بچہ ماں کی گود کی طرف جاتا ہے مَتَابًا کہتے ہیں یہی سچی توبہ ہے اسی کا نام توبہ ہے، اس طرح یہ لوگ توبہ کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف لپکتے ہیں فرمایا وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ان کی بعض اور صفات ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں جھوٹ نہیں بولا کرتے۔

اب ایسا معاشرہ جس میں رات دن جھوٹ بولے جارہے ہیں، فریب کاری سے کام لیا جارہا ہے وہ خود بخود مستثنیٰ ہوتا چلا جارہا ہے۔ یہ اِلَّا جو ہے ایک طرف بدیوں سے استثناء پیدا کر کے نیکیوں کا ذکر کرتا ہے اور یہ نیک لوگوں کے لئے خوشخبری ہے اور دوسری طرف از خود ان کو جو اس استثناء کے اندر ہیں محفوظ نہیں ہوتے، نکال کر باہر پھینکتا چلا جاتا ہے۔ فرمایا وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ یہ وہ لوگ ہیں جو پھر جھوٹ نہیں بولتے وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا كِرَامًا وہ جب لغو باتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو ان میں ملوث نہیں ہوتے۔ عزت کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں، اپنا دامن بچاتے ہوئے وہاں سے نکل جاتے ہیں وَالَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ یہ وہ لوگ ہیں ان پر جب ان کے رب کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو لَمۡ يَخِرُّوۡا عَلَيۡهَا

صُمًّا وَّ عُمْيَانًا وہ اندھوں اور بہروں کی طرح ان سے سلوک نہیں کرتے کہ سنی ان سنی کر دیں۔

اس آیت پر پہنچ کر مجھے سمجھ آئی کہ میں بھی تو آیات پڑھ کر ہی سمجھا تا ہوں، اپنی طرف سے تو کوئی بات نہیں کہتا تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس کا ذکر فرما دیا تھا کہ تم لاکھ آیتیں پڑھو جو لوگ خود آیتوں سے صاحب بصیرت والا سلوک نہیں کرتے اور ایسے لوگوں والا سلوک نہیں کرتے جو پوری توجہ سے سُنتے ہیں ان کے لئے یہ آیات کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گی، بے کار جائیں گی۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا یہ سب کرنے والے لوگ وہ ہیں جن کی یہ دُعا قبول ہوتی ہے کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا کہ اے خدا! ہمارے لئے بطور رحمت نازل فرما مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا ہمارے جوڑوں سے اور ہماری اولاد سے قُرَّةَ اَعْيُنٍ آنکھوں کی ٹھنڈک وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اور ہمیں ایسی اولاد عطا فرما اور اولاد در اولاد عطا فرما کہ ہم متقیوں کے امام بننے والے ہوں۔ تو اگر دل میں تقویٰ کی قیمت ہے تو پھر ہی انسان متقیوں کا امام بننے کی دُعا مانگتا ہے اور جو گھر اپنی اولاد میں تقویٰ پیدا نہیں کر رہا اور اس کی لذت تقویٰ کے سوا اور باتوں میں ہے تو اس کی دُعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ جن کے گھروں کی لذتیں دنیا داریوں میں، دنیاوی فوائد حاصل کرنے میں ہیں ان کی شادیاں اسی طرح دنیا کی خاطر ہوتی ہیں اور ایسی شادیوں کے نتیجہ میں یہ دُعا بالکل ہی بے محل اور تمسخر کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے کوئی بھی اس کا فائدہ نہیں ہوتا۔

پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تقویٰ سے کام لیں، اپنے معاشرے کو درست کریں، یہ جو ایک دوسرے سے شادی کی دھوکے بازیاں ہیں یا حرص و ہوا میں شادی کرنا جو ہے اس کے بہت بڑے نقصانات ہیں اس کے نتیجہ میں آپ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں اور آپ کو علم بھی نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو جیسا کہ نصیحتیں کی گئی ہیں ان لوگوں میں شامل ہو جن کا ذکر ہے کہ وہ توبہ کرتے ہیں اور سچی توبہ کرتے ہیں اللہ کی طرف جُھکتے ہیں اور جس طرح بچہ ماں کی گود میں پناہ مانگتا ہے اس طرح وہ توبہ کرتے ہوئے اس کی طرف لپکتے ہیں پھر ان میں ایک وقار پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ جھوٹ سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی آیات اُن پر پڑھی جاتی ہیں تو احترام سے ان کو سنتے ہیں، وقار کے ساتھ ان کے ساتھ سلوک کرتے ہیں۔ جب یہ دُعا کرتے ہیں تو اس دُعا کا لازماً نتیجہ نکلتا ہے اور وہ نتیجہ دہرا ہے۔ اس دنیا کی

جزا ہی نہیں بلکہ آخری دنیا کی جزا بھی ہے فرمایا اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جنت میں دہری منزلوں والے بلند و بالا مکان عطا کئے جائیں گے۔ جیسا کہ میں نے ایک دفعہ پہلے بیان کیا تھا کہ ان کی جنت کی ایک منزل دنیا میں بن جاتی ہے یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ جنت میں واقعی دو منزلہ مکان ہوں گے یہ قرآن کریم کا حُسن بیان ہے یہ بتانے کے لئے کہ خدا کی رضا کا ایک گھر تمہیں پہلے اس دنیا میں مل چکا ہوگا، جنت میں اس سے بالا مکان ملے گا اس کے اوپر اللہ کی رضا کی ایک اور منزل تیار ہوگی۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو دہرے فائدے ہیں اس دنیا کی جنت بھی پا جائیں گے اور اُس دنیا کی جنت بھی نصیب ہوگی جو اس دنیا کی جنت سے بالاتر ہوگی بلند تر ہوگی۔ اِس دنیا کی جنت سے انہوں نے نکالے جانا ہے، ہر انسان نے آخر نکالے جانا ہے۔

پس فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا ہے۔ یہ جو صبر والی دوسری بات ہے یہ بھی عائلی زندگی کو بہتر بنانے والوں کو یاد رکھنی چاہئے۔ دُعائیں کریں اور دیانتداری کے ساتھ کوشش کریں کہ حالات بہتر ہوں۔ ایک دوسرے کی کمزوریوں سے درگزر کریں اور معاف کرنے کی عادت ڈالیں اس کے باوجود پھر بھی صبر کی ضرورت ہوگی کیونکہ بعض عادتیں انسانوں میں اس حد تک داخل ہو چکی ہوتی ہیں کہ وہ زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں، بعض مردوں کو بعض عورتوں کی بعض عادتیں پسند نہیں بعض عورتوں کو بھی بعض مردوں کی بعض عادتیں پسند نہیں ہوتیں اور وہ لوگ جو صبر کرنے والے نہ ہوں وہ ہمیشہ ان عادتوں کو اچھالتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو بار بار تنگ کرتے رہتے ہیں اور طعنے دیتے رہتے ہیں اور وہ چند معمولی عادتیں ہیں جو ان کی زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا دیتی ہیں۔ ایسی حرکتیں کرنے والے لوگ اور ایسے کمینے خیالات والے لوگ جو ایک دوسرے کی معمولی سی کمزوری سے بھی درگزر نہیں کر سکتے۔ وہ دعا بھی کریں گے تو ان کو فائدہ نہیں دے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان میں صبر کا مادہ نہیں ہوتا جنت ان کو ملے گی جو ساتھ صبر کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ سب کچھ کرنے کے بعد، کوششوں کے بعد، دعاؤں کے بعد پھر بھی دیکھیں گے مثلاً عورتیں دیکھیں گی کہ بے چارے مردوں کی بعض کمزوریاں ہیں جو دور نہیں ہو رہیں تو وہ صبر کے ساتھ ان سے گزارہ کریں گی۔ مرد دیکھیں گے کہ بعض بیویوں کی کمزوریاں ہیں جو دور نہیں ہو رہیں بعض ان کے اختیار میں ہی نہیں ہوتیں۔ مثلاً شکل و صورت سے لازماً وہ شخص جو دُعا

کرتا ہے کہ اے اللہ! کہ میری بیوی کی طرف سے مجھے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما وہ اگر صبر نہیں کر سکتا تو یہ دُعا اس کو کیا فائدہ دے گی۔ جب بدصورت بیوی پر نظر پڑے گی تو اس کا دل بھڑکے گا اور جذبات اس کے دل میں اشتعال پیدا کریں گے اور وہ کہے گا کہ یہ میں کس مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ اب شکل تو بیوی نہیں بدل سکتی عادتیں تو کسی حد تک بدل سکتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقت پسند بنو۔ زندگی میں تمہیں مکمل جنت نصیب ہو ہی نہیں سکتی لیکن اگر صبر کرو گے تو اس کے نتیجہ میں تمہارے اندر پاک تبدیلیاں پیدا ہوں گی اور صبر کرنے والا مشکل حالات میں بھی زیادہ سکون سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ بعض لوگ غریب ہیں روکھی سوکھی کھاتے ہیں اور ان کے اندر بے صبری پائی جاتی ہے۔ ان کے حالات جب بدلتے ہیں ناخوش ہی رہتے ہیں اچھا کھانا مل گیا تو اچھے مکان کے لئے بے چین ہو گئے۔ اچھا مکان مل گیا تو اس سے بڑے محل کے لئے بے قرار ہو گئے۔ ہر وقت دل میں ایک کھجلی سی رہتی ہے کہ کچھ کمی ہے جس کو ہم پورا نہیں کر سکتے اور یہ بے قراری ہمیشہ ان کو بے سکون رکھتی ہے لیکن بعض ہیں جو روکھی سوکھی بھی کھا رہے ہیں تو آپس میں اکٹھے بیٹھ کر خدا کا شکر کرتے ہوئے کھاتے ہیں اور اس کی لذت اُٹھا رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے اندر صبر کا مادہ پایا جاتا ہے اور صبر کے نتیجہ میں واقعۃً وہ سوکھی روٹی بھی زیادہ مزا دیتی ہے بہ نسبت اس امیر کی مرغن روٹیوں کے جو بے صبرا ہے۔ تو خدا تعالیٰ نے اس دُعا کی کاشت کے جو موسم بیان فرمائے ہیں اور اس کے پھل لانے کے لئے جو شرائط بیان فرمائی ہیں اُن کا حق ادا کریں پھر دیکھیں کہ خدا کے فضل سے کیسا پاک نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا ان کو جو بالا جنتیں نصیب ہوں گی، دو منزلہ مکان نصیب ہوں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دُنیا میں انہوں نے صبر سے کام لیا ہے۔ جو کچھ ملا اُسی کو جنت بنا لیا اور خدا کی رضا پر راضی رہے اس کے بدلے خدا تعالیٰ ان کو دوسری دنیا میں جو جنت دے گا وہ دائمی ہو گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا وہ ہمیشہ ہمیش اس جنت میں رہیں گے۔ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ان کا مستقر بھی اچھا اور مقام بھی اچھا یہاں حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا میں میرے نزدیک مُسْتَقَرًّ سے مراد دنیا کی زندگی کا تجربہ ہے اور مُقَامًا سے وہ آخری دائمی قیام گاہ ہے جو جنت میں نصیب ہو گی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو دنیا میں

خدا کی رضا کی خاطر اپنے گھروں سے عارضی طور پر جنت تعمیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے صبر کی وجہ سے ان کی دُعاؤں کی وجہ سے ان کی پاک تبدیلیوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں بھی واقعۃً ایک جنت عطا کر دیتا ہے لیکن وہ جنت تو مُسْتَقَرًّا ہے، ایک عارضی ٹھکانہ ہے جیسے موسمی پرندوں کا گھر ہو لیکن ہم ان کو بتاتے ہیں کہ ہم نے ان کے لئے ایک دائمی جنت بھی بنا رکھی ہے جو ان کا آخری مقام ہے اور وہ اس جنت سے بہت بلند تر ہے جو اس دنیا میں انہوں نے پائی ہوگی اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

پھر فرمایا قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۔ ان کو خوب اچھی طرح سمجھا دو کہ اگر تم دُعا نہیں کرو گے جس طرح کہ دُعا کا حق ہے تو پھر خدا کو تمہاری کچھ بھی پرواہ نہیں ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو دُعا کا حق اس طرح ادا نہیں کرتے جیسا بیان فرمایا گیا ہے وہ لاکھ کوشش کر لیں خدا کی مدد کے بغیر ان کی دنیا کی زندگی سنور نہیں سکتی اور جس کو دنیا کی جنت نصیب نہیں ہوگی اس کو آخرت کی جنت بھی نصیب نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق عطا فرمائے کیونکہ یہ میرے لئے بہت ہی تکلیف دہ بات ہے کہ مسلسل نصیحتوں کے باوجود آئے دن ایسے خاندانوں کے متعلق جن کو میں دونوں طرف سے جانتا ہوں ایسی خبریں سُنتا رہتا ہوں کہ اپنی بے وقوفیوں اور حماقتوں کی وجہ سے یا چھوٹی نظر کی وجہ سے آپ بھی تکلیف میں مبتلا ہوئے اور دوسروں کے لئے بھی عذاب بنا دیا اور آئندہ نسلوں کے لئے بھی انہوں نے جنت کی تعمیر نہیں کی بلکہ اپنے ہاتھوں سے وہ ایسی بنیادیں کھڑی کر گئے ہیں کہ جن کے نتیجہ میں آئندہ گھروں میں بھی ان کے لئے جہنم ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم آج آنکھیں کھول کر ان آیات کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھیں جو ہم پر پڑھی جاتی ہیں اور اندھوں اور بہروں کی طرح ان سے سلوک نہ کریں اور اگر ہم ایسا کریں گے تو پھر خدا کا وعدہ ہے کہ دنیا میں بھی جنت نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی جنت نصیب ہوگی اور آخرت کی جنت بلند تر اور دائمی اور ہمیشہ رہنے والی ہوگی اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا عرفان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سب سے بڑھ کر حاصل ہوا۔

دَنَا فَتَدَلّٰی کے نتیجہ میں آپ ؐ شفیع الوریٰ بن گئے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹؍ جون ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیاتِ کریمہ تلاوت کیں۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۲﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۳﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۵﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۶﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۷﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۸﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۹﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۱۰﴾ (النجم: ۲ تا ۱۰)

پھر فرمایا:۔

دنیا میں بلند مراتب کی طرف یا اعلیٰ مقامات کی طرف یا اونچے مقاصد کی طرف راہنمائی کرنے والے تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ایک وہ جو آثار سے یہ اندازہ لگائیں کہ کوئی اعلیٰ چیز جو مقصود اور مطلوب ہے کس طرف ہوگی اور پھر ان کو جو آثار کا مطالعہ کر کے براہ راست نتائج اخذ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ان کو اپنے پیچھے آنے کی دعوت دیتے ہیں اور اس طرح ان کو اعلیٰ اور بلند مقاصد کی

طرف ہدایت کرتے ہوئے ، راہنمائی کرتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ایک وہ ہیں جو بلند مراتب یا اعلیٰ مقاصد کو پا چکتے ہیں ان کو حاصل کر لیتے ہیں اور حاصل کرنے کے بعد، ان سب راہوں سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد جن راہوں کو ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کرنا پڑتا ہے پھر دنیا کو اپنی طرف بلاتے ہیں اور دنیا کو یا اپنے دوسرے ساتھیوں کو ان مقاصد کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے بالآخر وہاں پہنچا دیتے ہیں اور ایک تیسری قسم یہ ہے کہ نہ وہ آثار پڑھ سکتے ہیں نہ وہ مقصد کو پانے والے ہوتے ہیں بلکہ محض سرداری کے شوق میں دنیا کو دھوکہ دیتے ہوئے دنیا کو ایسی چیزوں کی طرف بلاتے ہیں جن کی ان کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی اور یہ بھی دو قسم کے ہیں۔

ایک وہ جو بالا رادہ دھوکہ دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جس کی طرف بلا رہے ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہے اور ایک وہ جو غفلت کی حالت میں بعض عقائد یا بعض جاہلانہ خیالات کو ورثہ میں پا لیتے ہیں اور کبھی ہوش کی آنکھ سے یہ نہیں دیکھتے کہ ان باتوں میں کوئی حقیقت بھی ہے کہ نہیں۔ چنانچہ اس طرح خود بھی اندھے ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اندھوں کی طرح ایک ایسی چیز کی طرف ہدایت دیتے ہیں جس طرف جانے کی ان میں صلاحیت ہی کوئی نہیں اور جس کی حقیقت کا ان کو علم نہیں ہے۔

قرآن کریم نے ان سب مثالوں کو خوب کھول کر واضح فرمایا ہے۔عجیب بات یہ کہ پہلی دو قسم کی مثالیں جانوروں میں ملتی ہیں لیکن آخری قسم کی مثال جانوروں میں دکھائی نہیں دیتی۔آپ کو جانور کہیں بھی دوسرے جانوروں کو دھوکہ دیتے ہوئے دکھائی نہیں دیں گے۔کہیں جانور ایک ایسے بلند مقصد کی طرف بلاتے ہوئے دکھائی نہیں دیں گے جن کے متعلق ان کو کچھ بھی علم نہ ہو لیکن اشرف المخلوقات میں یہ تینوں قسمیں ملتی ہیں اور سب سے زیادہ قسم آخری قسم ہے یعنی دھوکہ دینے کی حالت میں لوگوں کو ایک بلند مقصد کی طرف بلانا یا غفلت کی اور جہالت کی حالت میں اس کوچہ سے کلیۃً بے خبر ہونے کے باوجود لوگوں کو ایسے مقصد کی طرف بلانا جس سے ان کو کوئی آگاہی نہیں۔

قرآن کریم نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو ان لوگوں میں سرفہرست رکھا ہے جو مقصد کو پا لینے کے بعد، اس کے کوچوں کے آداب سے خوب آشنا ہونے کے بعد اُن کی کنہ کو سمجھنے کے بعد اور ہر پہلو سے ان کی خوبیوں اور ان کے خطرات سے واقف ہونے کے بعد پھر وہ دنیا کو یا دوسروں کو اُس بلند مقصد کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ کیسے ہوا؟ کس طرح حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اس کے اہل

بنائے گئے ؟ کس طرح آپؐ کو تیار فرمایا گیا ؟ یہ وہ مضمون ہے جو اُن آیات میں ملتا ہے جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلنَّجۡمِ اِذَا ھَوٰی میں ثریا ستارے کو گواہ بناتا ہوں ۔ کس وقت وہ گواہ بنے گا ؟ جب وہ نیچے جھک جائے گا اور دنیا کے قریب آجائے گا ۔ یعنی مستقبل کا کوئی گواہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے ۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ جب بھی وہ جھکتا ہے اور قریب آتا ہے ۔ جہاں تک اس معنی کا تعلق ہے بالعموم ترجمہ کرنے والوں کا رجحان اس دوسرے معنی کی طرف جاتا ہے حالانکہ ثریا ستارا تو ویسے کبھی بھی زمین کی طرف نہیں جھکتا ۔ معنوی لحاظ سے مستقبل میں اس نے ضرور جھکنا تھا اور انہی معنوں میں قرآن کریم نے ایک پیشگوئی کے رنگ میں اس گواہ کو پیش فرمایا ہے ۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَ مَا غَوٰی یہ جو تمہارا ساتھی ہے یعنی محمد مصطفی ﷺ اس نے ہرگز اپنی راہ کو کھویا نہیں یعنی جس راہ پر وہ چلا ہے اس راہ کو آخر تک مضبوطی سے پکڑے رکھا ، وہ سیدھی راہ تھی ، مقصد تک پہنچانے والی راہ تھی اور اس راہ کو اس نے گم نہیں کیا ، اس سے بھٹکا نہیں وَ مَا غَوٰی اور غَوٰی کا مطلب ہے گمراہ نہیں ہوا یعنی راہ چھوڑ کر ، بھول کر ، کسی پہلو سے بھی وہ اس راہ سے الگ نہیں ہوا ۔ وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی ۔ یہ وہ شخص ہے جو تمنا کے مطابق کلام نہیں کرتا بلکہ حقیقت پر مبنی کلام کرتا ہے خواہشوں پر مبنی کلام نہیں کرتا اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی وہی کہتا ہے جو اس پر الہام کیا گیا ہے ۔ جس کی اس پر وحی فرمائی گئی ہے ۔ پھر فرمایا: عَلَّمَہٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۔ اس مضمون کو جو یہ تمہارے سامنے بیان فرماتا ہے بہت ہی طاقتور صلاحیتوں والے نے اس سے بیان فرمایا ہے یعنی خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ۔ ذُوۡ مِرَّۃٍ ۔ وہ بار بار اپنے جلوؤں کو دُہراتا ہے ۔ بار بار ان صفات کی جلوہ گری فرماتا ہے جن صفات کا اس مضمون سے تعلق ہے یعنی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی بعثت اور بعد میں ہونے والے واقعات ۔ وَ ھُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ۔ وہ خدا جس نے اس بندے یعنی محمد ﷺ سے کلام کیا ہے اس نے اس وقت کلام کیا جب وہ اُفق اعلیٰ پر تھا ۔ اس مضمون کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہر نبی کا ایک اُفق ہے وہ نبی اُس اُفق سے بلند حرکت خدا کی طرف نہیں کرسکتا ۔ اس کی ایک استعداد ہے اس استعداد سے بڑھ کر آگے قدم نہیں رکھ سکتا اور ہر دوسرے نبی کا اُفق حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اُفق سے نیچے تھا تو فرمایا اس خدا نے اس سے کلام کیا ہے جو بلند ترین اُفق پر تھا اور اس سے ملنے کے لئے اسے اس

بلندی تک اُٹھنا لازم تھا۔ جب تک یہ اس بلندی تک رفعت نہ پاتا اس خدا کو پا نہیں سکتا تھا جو خدا اُفق اعلیٰ پر جلوہ گر تھا۔ پھر فرمایا ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى پھر یہ قریب ہوا اور پھر یہ نیچے جھکا فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى اس طرح وہ دو کمانوں کا درمیانی وتر بن گیا۔

اس مضمون سے متعلق مزید کچھ بیان کرنے سے پہلے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جیسا کہ جانوروں میں بھی خدا تعالیٰ نے انسانوں کے لئے بہت سی اچھی مثالیں رکھیں ہیں اور جانوروں میں بھی بیان کردہ پہلی دو صلاحیتیں موجود ہیں۔ چنانچہ آپ لوگوں میں سے جن لوگوں نے زندگی سے متعلق فلمیں دیکھی ہوں یعنی محققین نے زندگی کی بقاء سے متعلق بہت محنت کر کے جو فلمیں تیار کی ہیں ان میں وہ بعض دفعہ ایسے مناظر دکھاتے ہیں کہ لاکھوں پر مبنی بڑے بڑے ریوڑ ہیں گلے ہیں جن میں ہر قسم کے مویشی اور حیوانات وغیرہ بھی شامل ہو جاتے ہیں اور پانی کی کمی کی وجہ سے سخت بے چین ہوتے ہیں ان کو اپنے میں سے ہی بعض ایسے صاحب صلاحیت جانور راہنمائی کرتے ہوئے ایک سمت میں لے جاتے ہیں جس سمت میں ان کو پانی کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور باقی سب اندھا دھند اُن کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ ایک اتنا بڑا جلوس بن جاتا ہے کہ تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے بھی گھنٹوں میں اس کا آخری کنارا پہنچتا ہے اور آگے لگے ہوئے کچھ جانور ہیں جن پر اُن کو پورا اعتماد ہوتا ہے اور یہ اعتماد کبھی جھوٹا نہیں نکلا یہ الگ بات ہے کہ پانی تک پہنچنے سے پہلے یہ سارے جانور پیاس اور بھوک سے مر جائیں لیکن وہ سمت کبھی غلط نہیں ہوتی جس سمت کی طرف وہ حرکت کر رہے ہوتے ہیں اگر کہیں پانی میسر آ سکتا ہے تو وہاں آ سکتا ہے اس کے سوا اور کسی سمت میں اس سے قریب تر پانی میسر نہیں آ سکتا۔ تو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں بھی ہمارے لئے کیسی اعلیٰ اور پاکیزہ مثال رکھی ہے کہ یہ وہ بظاہر بے وقوف اور بے سمجھ حیوانات ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے ان کی فطرت میں جو بعض خوبیاں ودیعت فرما دی ہیں ان میں وہ بنی نوع انسان کے لئے مثال بن جاتے ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی مثال دی ہے اور شہد کی مکھی کو خاص طور پر اس رنگ میں پیش فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر وحی فرمائی۔ جس کا مطلب ہے کہ جانوروں میں سے یہ سب سے زیادہ غیر معمولی روحانی صلاحیتیں رکھنے والی چیز ہے جس کے متعلق اگر تحقیق کی جائے دن بدن اعلیٰ سے اعلیٰ نئے مضامین روشن ہوتے چلے جائیں گے اور عقل دنگ ہوتی چلی جائے گی کہ کس طرح اس چھوٹی سی

مکھی کے اندر جو چھوٹا سا دماغ ہے وہ کتنے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیتا ہے الٰہی کارناموں میں سے وہ ایک ہے جس کا میں نے ذکر کیا کہ بعض لوگ یا بعض مخلوقات یہ صلاحیت رکھتی ہیں کہ پہلے جگہ کو دریافت کرتی ہیں، اعلیٰ مقصد کو خود حاصل کرتی ہیں پھر دعوت دیتی ہیں اس کے بغیر نہیں۔ چنانچہ شہد کی مکھی میں یہ خوبی پائی جاتی ہے۔ شہد کی مکھیوں میں سے بعض اس مقصد کے لئے خصوصی طور پر فطرتاً تیار فرمائی گئی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وحی فرمائی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر بعض غیر معمولی صلاحیتیں ودیعت فرما دی ہیں اور اسی کا نام وحی ہے یعنی شہد کی مکھی کے تعلق میں اس کو وحی کہا جائے گا۔

شہد کی مکھیوں کا ایک حصہ ایسا ہے کہ جب مکھیوں نے اُڑ کر کہیں جانا ہو، جب ایک چھتا بے کار ہو چکا ہو اور نئے چھتے کی تلاش ہو تو یہ مکھیاں اُڑ کر پہلے چاروں سمت میں پہلے رائیکی کرتی ہیں یعنی جائزہ لیتی ہیں کہ ہر پہلو سے سب سے اچھا چھتا کون سا ہو سکتا ہے اور ہر ایک مکھی ہر سمت میں اُڑ کر اپنے اپنے جائزے کی رپورٹ لے کر واپس اپنے چھتے تک پہنچتی ہے اور پھر یہ بھی معلوم کرتی ہے کہ رس والے پھول قریب ترین کہاں اور کتنے پائے جاتے ہیں۔ ان تمام معلومات سے پوری طرح مرصّع ہو کر وہ جب واپس پہنچتی ہیں تو ایک قسم کا ناچ ناچتی ہے، وہ ایک ایسا ناچ ہے جس پر سائنسدان ابھی تک تحقیق کر رہے ہیں اور ابھی تک مکمل طور پر اس کی زبان کو سمجھ نہیں سکے کہ وہ کیسے یہ ناچ ناچتی ہیں، کیسے اُس زبان کو دوسری مکھیاں سمجھتی ہیں لیکن اس حد تک اس مضمون پر ان کی رسائی ہو چکی ہے کہ قطعی شواہد کے طور پر اس بات کو پیش کر سکتے ہیں کہ اس ناچ میں اشاروں کی ایک زبان ہے جو معین طور پر شہد کی مکھیوں کی ملکہ اور اس کی ساتھیوں کو یہ اطلاع دیتی ہے کہ ہم نے ایک جگہ دریافت کی ہے وہ جگہ یہاں سے اتنے فاصلہ پر ہے، اس کا زاویہ یہ ہے اور اس جگہ کی نوعیت یہ ہے اور دوسری مکھی دوسری طرف سے اُڑ کر آئے گی اور وہ یہ رپورٹ پیش کرے گی کہ ہم نے بھی ایک جگہ دیکھی ہے اور وہ اتنے فاصلہ پر ہے اور اس میں یہ یہ خوبیاں ہیں اور یہ یہ سہولتیں مہیا ہیں پھر بھی ابھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ اور مکھیاں آئیں گی۔ ہر مکھی اپنی اپنی رپورٹ ناچ کی شکل میں پیش کرتی ہے۔ اس ناچ کی تصویریں، اس کے زاویے مختلف شکلوں میں محفوظ کئے گئے ہیں اور وہ مضامین جن میں اس ناچ کی تصویریں ملتی ہیں ان کو پڑھتے ہوئے انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور کلام الٰہی کی تائید میں

اس کی صداقت میں دل بے اختیار اچھل اچھل کر گواہی دیتا ہے۔ کسی جانور کے متعلق قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے اس پر وحی فرمائی سوائے شہد کی مکھی کے اور شہد کی مکھی کی صلاحیتیں واقعۃً وحی سے سجائی گئی ہیں اور وحی سے مزین ہوئی ہیں اور وحی سے ترتیب پا گئی ہیں ورنہ ایک مکھی ویسی ہی مکھی تو ہے جیسی گندگی پر گرنے والی مکھی ہے۔ کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ ایک ہے جو بیماریاں پھیلاتی اور گندگی پر منہ مارتی ہے اور ایک ہے جو دنیا میں شفاء پھیلاتی اور نہایت پاکیزہ خوراک کے سوا کسی اور خوراک کو پسند نہیں کرتی اور اس کے اندر جو صلاحیتیں ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا وہ ایسی عظیم الشان ہیں کہ انسانوں میں سے بھی بلند پایا قلبی اور ذہنی صلاحیتوں کے مالک اس ناچ کی زبان کو نہ پوری طرح سمجھ سکتے ہیں نہ اس زبان کو پوری طرح دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔ آج اگر ان کو کہا جائے کہ باہر سے جائزہ لے کر واپس آؤ اور ہر ایک یہ رپورٹ پیش کرے کہ کون سی چیز کتنے فاصلہ پر ہے اور اس کو ایک ناچ کے ذریعے تفصیل کے ساتھ بیان کرو تو بہت مشکل مضمون ہے۔ انسان حیوان ناطق ہے اور اپنی نطق کو استعمال کر کے بعض اشاروں کی زبانیں بنا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اگر ایسی زبان نہ بنائی گئی ہو اور انسانوں پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ ازخود ایک ناچ ایجاد کریں، ازخود وہ اس کی زبان بنائیں اور پھر بغیر دوسروں کو بتائے اس سے یہ توقع رکھیں کہ وہ ان کی ہر بات کو صحیح سمجھے گا، یہ بات ناممکن ہے لیکن شہد کی مکھی میں یہ بات پوری ہے۔ چنانچہ وہ پہلے مقصد کو پاتی ہے، اس کو حاصل کرتی ہے، اس کے تمام مثبت اور منفی پہلوؤں سے واقف ہوتی ہے اور اس راہ کے خطرات سے آگاہ ہوتی ہے اور پھر اپنے چھتّے کی طرف لوٹتی ہے اور پھر ان اطلاعات کو بتا کر کہتی ہے کہ آؤ میرے پیچھے آؤ۔ شہد کی مکھیاں ان ساری اطلاع دینے والوں کی اطلاع کا موازنہ کرتی ہیں بلکہ ہر چیز کو ذہن میں محفوظ رکھتی ہے اور بالآخر اس ایک سمت میں روانہ ہو جاتی ہے جو اس کے نزدیک سب سمتوں میں سے سب سے بہتر ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اُن انبیاء کے سرفہرست ہیں، ان انبیاء کے سردار ہیں جن سب انبیاء کو خدا تعالیٰ نے ایسی ہی صفات سے مرصّع فرمایا اور وحی کی طاقت سے ایسا ہوا۔ ان کے سوا انسانوں میں اور کوئی نہیں ہے جو ان خوبیوں سے پوری طرح آراستہ اور مزین ہو جن کا میں ذکر کر رہا ہوں پورے یقین اور سچائی کے ساتھ ایک اعلیٰ مقصد کو حاصل کرتے ہیں، پوری تحقیق کرتے ہیں، اس

کے **ماله وما علیها** سے واقف ہوتے، مثبت اور منفی پہلوؤں سے پوری طرح باخبر ہو جاتے ہیں۔ نقصانات سے باخبر ہوتے ہیں فوائد سے باخبر ہوتے ہیں اور جب بلاتے ہیں تو کامل یقین کے ساتھ بلاتے ہیں۔ ایک ذرّہ بھی شک نہیں ہوتا کہ جس سمت میں ہم بلا رہے ہیں ہم ہو کر آئے ہیں، ہم نے دیکھ لیا ہے۔ وہ چیز جو تمہیں بتا رہے ہیں کہ وہاں ہے وہاں ہے اور لینے کے لائق ہے۔

اس مضمون کو سب سے زیادہ شان کے ساتھ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اپنے رب سے سیکھا اور سب سے زیادہ صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ اسے دوسروں کے سامنے پیش فرمایا۔ یہ وہ مضمون ہے جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے جن کا ترجمہ ابھی میں نے آپ کے سامنے رکھا۔ فرمایا وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی۔ بلند مرتبہ ستارہ ثریا ایک وقت زمین کی طرف جھکے گا اور ایک بات کی گواہی دے گا اور وہ یہ ہے کہ یہ محمد مصطفی ﷺ ایسا نہیں جو کبھی بھی رستہ کھو دے۔ اگر اس کے جانے کے چودہ سو سال بعد بھی یہ واقعہ رونما ہوا تو چودہ سو سالہ تاریخ پر وہ ثریا گواہ بن کر اُترے گا اور آئندہ کے زمانہ پر بھی یہ گواہی دے گا کہ جس پاک رسول نے آج تک رستہ نہیں کھویا۔ جس کی تعلیم آج بھی مستقیم ہے وہ کل بھی اسی سمت میں ہمیشہ روانہ رہے گا اور جس طرح پہلوں کے لئے وہ ایک سچا اور قابل اعتماد راہنما تھا کہ جس کی باتوں میں کوئی لغزش، کوئی غلطی نہیں اسی طرح آئندہ زمانوں میں بھی ایسا ہوگا۔ اس پیشگوئی کو جو قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ایک حدیث کی روشنی میں جب ہم پڑھتے ہیں تو ایک بہت ہی لطیف مضمون آنکھوں کے سامنے اُبھرتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ **لو کان الا یمان معلقاًعندالثریا لنا له رجل اَوْرجال من هولاء** (بخاری کتاب التفسیر حدیث نمبر: ۴۵۱۸) یہ مضمون اس وقت بیان فرمایا جب یہ گفتگو تھی کہ آنحضور ﷺ اگر دوبارہ آئیں گے جیسا کہ سورہ جمعہ میں بیان فرمایا گیا ہے تو کیسے آئیں گے؟ کیوں آئیں گے؟ کیا مقاصد ہوں گے؟ تو فرمایا کہ اس واپسی کے مضمون کو نہایت ہی لطیف رنگ میں ثریا کے ساتھ باندھ دیا فرمایا ثریا سے تعلیم دوبارہ نیچے اُترے گی۔ ثریا تک چلی جائے گی اور پھر دوبارہ نیچے اُترے گی اور ایک شخص ثریا تک بلند ہوگا اور اس تعلیم کو واپس لے کر آئے گا۔ ثریا کے نیچے اُترنے کے یہ معنی ہیں اگر یہ معنی نہیں ہیں تو ثریا ستارہ تو نیچے اُتر نہیں سکتا۔ اگر وہ اپنا محور چھوڑ کر زمین کی طرف جھکے گا تو فائدے کی بجائے ایسا نقصان پہنچا دے کہ اس کا پھر کوئی ازالہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ثریا کا اپنے محور کو چھوڑ

کر زمین کی طرف جھک جانا لازماً قیامت کی بربادی پیدا کر دے گا اور سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اس لئے لازماً اس کو معنوی طور پر سمجھنا ہوگا اور اس زبان کو مذہب کی زبان کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہوگا۔ فرمایا وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى۔ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ثریا سے گواہی اُترے گی ثریا کے اترنے سے مراد یہ ہے کہ ثریا سے گواہی زمین پر اترے گی اور وہ اعلان یہ کرے گی کہ میرے آقا و مولا محمد مصطفیٰ ﷺ ایک لغزش نہ کرنے والے پاک رسول ہیں جن کی تعلیم کو زمانہ بدل نہیں سکتا جن کی تعلیم کو زمانہ ہمیشہ کا نقصان پہنچا نہیں سکتا، اس تعلیم کی حفاظت آسمان سے کی جائے گی اور آسمان سے کی جارہی ہے۔ اسی مقصد سے خدا تعالیٰ نے اس گواہ کو ثریا تک بلند فرمایا اور پھر ثریا سے نیچے اُتارا۔ اسی مضمون کو آگے جا کر قرآن کریم اس سے بہت بڑھ کر شان کے ساتھ دُہرانے والا ہے۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک غلام کی خبر ہے کہ وہ ثریا تک بلند ہو گا اور ثریا سے ایمان کو واپس لا کر زمین پر یہ گواہی دے گا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ سچے ہیں اور آپؐ ہی کا دین ہے جو سب دنیا کی نجات کا موجب بن سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی نجات کی راہ نہیں لیکن وہ آقا جس سے یہ فیض پائے گا اس کا مرتبہ کیا ہے، اس نے کیا سیکھا اور کس سے سیکھا تھا یہ مضمون ہے جو اس کے بعد بیان ہوا ہے۔ فرمایا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اس کی گواہی میں یہ بات بھی شامل ہوگی کہ محمد مصطفیٰ ﷺ جو کچھ بیان فرماتے ہیں اپنی ذات سے اپنی خواہشات کے مطابق بیان نہیں فرماتے، آپؐ کی تمناؤں کا اس میں کوئی بھی دخل نہیں۔

پس جھوٹے دعویدار جو کہتے ہیں کہ آؤ! ہم تمہیں بھلائی کی راہ دکھاتے ہیں، اعلیٰ مقاصد کی طرف لے کر جاتے ہیں ان کی طرف نظر ڈالیں تو سوائے انبیاء کے باقی ضرور کسی نہ کسی شک میں مبتلاء ہوتے ہیں اور جب بلاتے ہیں تو دل کی کوئی تمنائیں ان کے بلانے کے اخلاص کو گندا کر چکی ہوتی ہیں۔ بہت سی خواہشات ہیں۔ لیڈر بننے کی خواہشات، راہنما بننے کی تمنا اور دیگر فوائد حاصل کرنے کی تمنائیں، ان کے اس دعوے کو گدلا کر دیتی ہیں اور میلا کر دیتی ہیں لیکن ایک وہ وجود ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ جس کی دعوت میں نفس کی کوئی بھی میل نہیں، ایک ذرہ ایک ادنیٰ سی میل بھی نہیں ہے۔ اپنی طرف سے کہتا ہی کچھ نہیں، وہی کچھ کہتا ہے جس کی اُس پر وحی فرمائی جاتی ہے اور وحی فرمانے والے میں کوئی کمزوری نہیں۔ دیکھیں اس مضمون کو کتنا طاقتور بنا دیا گیا ہے۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔ سکھانے

والا بھی ایسا ہے کہ اس سے بڑھ کر مضبوط قوٰی کی کوئی چیز ممکن نہیں ہے یعنی خالق و مالک اللہ تعالیٰ خود اس کا اُستاد ہے اور وہ شَدِیْدُ الْقُوٰی جس کی صفات بہت ہی عظیم اور غیر معمولی طاقتیں رکھتی ہیں ایسی طاقتیں جن کی کوئی اور مثال تمہیں کہیں دکھائی نہیں دے گی۔ وہ استاد ہے جس نے اس شاگرد یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ پر وحی فرمائی اور خود اسکو سکھایا یعنی وحی فرمانے کے بعد علم کا مضمون بھی اس میں بیان فرمایا گیا جیسا کہ سورہ جمعہ میں فرمایا گیا ہے کہ آیات پڑھ کر سُناتا ہے اور پھر علم دیتا ہے تو وہی ترتیب ہے اور وہی مضمون کی گہرائی اور وہی وسعتیں ہیں لیکن ایک اور شان اور ایک اور رنگ کے ساتھ اس مضمون پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔ فرمایا ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰی۔ خدا تعالیٰ اس مضمون کو بار بار ظاہر کرنے والا ہے۔ اس جلوہ کو کئی رنگ میں ظاہر فرمانے والا ہے جس کا ایک مطلب تو یہ ہے اور اوّل مطلب یہی ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر خدا صرف ایک دفعہ جلوہ گر نہیں ہوا بلکہ بار بار ہوا ہے اور بار بار عظیم شان کے ساتھ ہوا ہے اور اس جلوہ گری نے بالآخر ایک ایسی شکل اختیار فرمالی کہ گویا مستقل محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ رہنے لگا اور آپؐ کے وجود پر اپنا عرش پکڑ لیا۔ چنانچہ فرماتا ہے، ذُوْ مِرَّةٍ ؕ۔ وہ بار بار جلوہ دکھانے والا خدا ہے، بار بار اپنی طاقتوں کو ظاہر کرنے والا خدا ہے۔ فَاسْتَوٰی پھر وہ عرش پر مستحکم ہو گیا اور یہاں عرش سے مراد قلب محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہی مضمون بیان ہو رہا ہے۔

بعد میں ان آیات میں اس قلب کا خصوصیت سے ذکر فرمایا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا: مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم: ۱۲) کہ اس قلب نے جو کچھ دیکھا ہے، اس قلب پر خدا کا جو جلوہ ظاہر ہوا اور وہاں قرار پکڑ گیا اس کے متعلق یہ قلب جو کچھ بتاتا ہے جھوٹ نہیں بتاتا۔ بالکل سچی باتیں بتارہا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی باوجود اس کے کہ خدا اُفق اعلیٰ پر تھا اور اُفق اعلیٰ پر ہے۔ اس کے قریب آنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کی بلند شان میں کسی قسم کی کمی آئی ہو اور وہ نیچے اُتر آیا ہو۔ اپنے وجود اور تمکنت اور شان کے لحاظ سے اس کے اندر کسی قسم کا کوئی تنزل ممکن نہیں ہے۔ پھر حضرت محمد ﷺ کی لقاء اپنے رب سے کیسے ہوئی؟ فرماتا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی وہ اُفق اعلیٰ پر تھا یا ہے اور محمد ﷺ نے معراج کیا ہے اُس اُفق اعلیٰ تک بلند ہوا ہے۔ یہ بجا ہے کہ اللہ کی طاقت اور اس کی راہنمائی اور اس کی غیر معمولی نصرت کے ساتھ ایسا ہوا مگر محمد ﷺ کا مرتبہ اُفق اعلیٰ

تک بلند کیا گیا ہے اور اُفق اعلیٰ سے مراد وہ اُفق ہے جس سے بلند تر کوئی اُفق ہو نہیں سکتا اور معراج کے اُفق کے سوا اور کسی اُفق کا یہاں ذکر نہیں ہے کیونکہ معراج کا اُفق وہ تھا جس پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کوئی اور کبھی شریک نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے نہ کبھی ہو سکے گا۔ تمام دوسرے انبیاء اپنے اپنے اُفق تک بلند ہوئے اور پھر اس اُفق پر قرار پا کر اپنی قوم کی طرف واپس آئے لیکن اُفق اعلیٰ تک سوائے حضرت محمد ﷺ کے اور کوئی بلند نہیں ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ تمام صفات حسنہ اور اس کے کمالات کی وہ ہر شان جس کا انسان متحمل ہو سکتا تھا، جس تک انسان رسائی پا سکتا تھا اور اسے قبول کرنے کی اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے طاقت بخشی گئی تھی، وہ حد امکان تک آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئی اور اس ظرف کے مطابق اس کے کناروں تک خدا تعالیٰ نے اسے اپنے جلوے سے بھر دیا۔ یہ اُفق اعلیٰ تک آپؐ کا معراج ہے اور پھر چھوڑ کر نہیں گیا۔ بار بار اس جلوے میں تموّج ضرور آیا ہے لیکن عرش پھر ہمیشہ محمد ﷺ کے قلب پر ہی رہا ہے اور ہمیشہ قلب محمد مصطفیٰ ﷺ جس حالت اور جس شان میں پایا جاتا ہے اس میں خدا تعالیٰ کا عرش ہمیشہ اسی طرح قرار پکڑا رہے گا اور جلوہ گر رہے گا۔

پھر فرمایا ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی دَنَا سے مراد جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ اُفق اعلیٰ کی طرف دَنَا ہے۔ مفسرین نے بالعموم اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے دنا کیا یعنی آپ خدا کی طرف بلند ہوئے اور اس کے قریب بڑھے فَتَدَلّٰی اور اللہ تعالیٰ نیچے اُترا اور گویا کہ بین بین ایک مقام ایسا تھا جہاں جا کر انسانیت اور الوہیت کا اتصال ہوتا ہے۔

حضرت اقدس محمد ﷺ نے دَنَا فرمایا اور خدا تعالیٰ نے تَدَلّٰی فرمایا۔ یہ معنی مشہور اور عام ہیں اور تفسیر صغیر میں بھی حضرت مصلح موعودؓ نے یہی معنی کئے ہیں۔ اس معنی کو غلط نہیں کہا جا سکتا کیونکہ قرآن کریم نے بعض دفعہ ضمائر کو مجہول چھوڑ دیا اور وضاحت کے ساتھ ان کی تعیین نہیں فرمائی تا کہ تھوڑے لفظوں میں ایک سے زیادہ مطالب بیان ہو سکیں۔ پس اس پہلو سے ہرگز تعجب نہیں کہ دَنَا اور تَدَلّٰی کی ضمائر کو خدا تعالیٰ نے واضح کئے بغیر کیوں چھوڑ دیا تا کہ اس سے اور بہت سے مضامین نکلیں لیکن ایک وہ مضمون جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے وہ اس آیت کا ایک ایسا مضمون ہے جو اس آیت کی شان کو اُفق اعلیٰ تک پہنچا دیتا ہے اور اس سے بلند مرتبہ مضمون آپ کے علم میں دنیا کی کسی تفسیر میں نہیں آئے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

فرماتے ہیں۔ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى

جب یہ آیت شریفہ یعنی دَنَا فَتَدَلّٰى نازل ہوئی جس کا مطلب ہے کہ قرب ہوا اور نیچے جھک گیا۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ تو دو کمانوں کا ایک واحد وتر بن گیا۔ فرماتے ہیں جب یہ آیت شریفہ جو قرآن شریف کی آیت ہے الہام ہوئی یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے خاص معنی سمجھانے کی خاطر تبرکاً اللہ تعالیٰ نے یہی آیت الہام فرمائی۔ تو اس کے معنے کی تشخیص اور تعین میں تامّل تھا۔ میں متردّد تھا کہ یہ آیت میرے متعلق کیوں نازل ہوئی اگر یہی مطلب لیا جائے کہ یہ تمہارے متعلق ہے تو فرمایا کہ مجھے تامّل تھا۔ میں اس کو قبول نہیں کر سکتا تھا اور تشخیص نہیں کر سکتا تھا تب طبیعت دعا کی طرف مائل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کی کہ اے خدا! اس آیت کا مجھ پر نازل فرمانا کیا مقصد رکھتا ہے۔ اس معنی کو خود مجھ پر روشن فرمادے۔ فرماتے ہیں، اسی تامل میں کچھ خفیف سی خواب آگئی۔ ایک نیند کی غنودگی کی حالت طاری ہوگئی۔ اور اس خواب میں اس کے معنے حل کئے گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

”دنو سے مراد قرب الٰہی ہے۔۔۔

یعنی بندے کا خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، اس کی طرف بڑھنا اور

۔۔۔ تَدَلّٰى سے مراد وہ ھبوط اور نزول ہے کہ جب انسان تــخــلــق باخلاق الله حاصل کر کے اس ذات رحمان رحیم کی طرح **شفقته علی العباد** عالم خلق کی طرف رجوع کرے“ (براہین احمدیہ ہر چہار حصص روحانی خزائن جلد ا صفحہ: ۵۸۸)

اب دیکھیں اس مضمون کے ساتھ اس آیت میں کتنی عظیم رفعت عظمت اور وسعت دکھائی دینے لگتی ہے۔ جو پہلے ہی موجود تھی لیکن کبھی انسان کی نظر اس بلندی تک نہیں اُٹھی تھی۔ جس بلندی تک الہام نے اور پھر خود اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ تشریح نے اس مضمون کو اوپر پہنچا دیا ہے۔ اس نظر کو اس حد تک بلند کروا دیا کہ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى کا مضمون ذہن میں روشن ہو جاتا ہے اور اب سمجھ آتی ہے کہ بیک وقت دونوں معنے کیوں درست ہیں۔ اس آیت کا پہلا معنی یہ بتاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اپنی تمام تر تمناؤں اور خواہشات کو خالص خدا تعالیٰ کی خاطر کر کے اپنے رب کی طرف بلند ہوئے اور جب اپنے تمام دین کو کلیۃً خالص کر کے اسی کے ہو گئے اور اس کی طرف بڑھے تو انسانی

طاقت میں یہ نہیں تھا کہ وہ محض اپنی طاقتوں سے خدا کو حاصل کر سکے، فَتَدَلّٰی تو پھر خدا تعالیٰ نے تَدَلّٰی فرمایا خود اُترا اور اس پاک بندے کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے ان بلندیوں تک پہنچا دیا جن بلندیوں تک پہنچنے کا یہ حق دار تھا لیکن بشری تقاضوں کے پیش نظر الٰہی مدد اور نصرت کے بغیر اس کے لئے تنہا یہ کام کرنا مشکل تھا۔ پس دنـو کے نتیجہ میں ایک تَدَلّٰی ہوا اور اس تَدَلّٰی اور دنـو نے آپؐ کو ان معنوں میں ایک جان بنا دیا کہ جیسا کہ فرمایا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۔ جس طرح آپس میں یوں جُڑی ہوئی دو کمانیں ہوں اور وتر ان کے بیچ کا ہو جو ان دونوں کو اکٹھا کر رہا ہو۔ اس کا ایک اور معنی بھی ہے کہ دونوں کمانوں کا رُخ ہو اور پھر بیچ میں ایک وتر ہو۔ یہ الگ مضمون ہے۔ اس وقت میں اس پہلے والے مضمون کو بیان کرتا ہوں۔

فرمایا کہ جس طرح دو کمانوں کو ایک وتر جو ان دونوں کے درمیان اکٹھا باندھا گیا ہو یک جان کر دیتا ہے اور ان کو جوڑنے کی وہی تنہا وجہ بن جاتا ہے اسی طرح مخلوق اور خالق کے درمیان محمد مصطفیٰ ﷺ نے دَنَا اور تَدَلّٰی کے نتیجہ میں وہ مرتبہ اور مقام حاصل فرمایا کہ آپ شفیع الورٰی بن گئے۔ آپؐ کے ذریعے خالق کا مخلوق سے رشتہ اپنے کمال کو پہنچا اور تعلق کا یہ رشتہ اس سے بلند تر کبھی پہلے قائم نہیں ہوا تھا اور کبھی یہ مضمون اپنے معراج کو نہیں پہنچا تھا جیسا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دنّـو سے اور اللہ کی تَدَلّٰی سے ایسا ہوا اور اس اشتراک کا نتیجہ کیا نکلا۔ اگر صرف اپنی ذات میں آنحضور ﷺ نے کچھ پایا ہے تو ہمیں کیا؟ بنی نوع انسان کو اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور اگر وہ پایا ہے لیکن خدا کی صفات نہیں پائیں تو پھر اس دنّـــو کی کوئی بھی حقیقت نہیں رہتی۔ اس موقع پر خدا کی جو سب سے بڑی شان جلوہ گر ہوئی ہے وہ اپنی طرف آنے والے ایک بندے کی خاطر خود جھکنا ہے اور یہ خدا کی شان انکسار ہے۔ اس کو انکسار کا نام بے شک نہ دے سکیں لیکن شان وہی ہے کہ اتنا مستغنی ہونے کے باوجود، اتنا بلند مرتبہ ہونے کے باوجود کائنات میں سے کچھ بھی نہ ہو تب بھی اس کی شان غنیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ ایسا مستغنی ہے لیکن پھر جھکتا ہے تو اگر اس عظیم شان سے جو اس موقع پر سب سے بڑھ کر جلوہ گر ہوئی ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حصہ نہ پاتے تو یہ مضمون نامکمل رہتا۔ آپؐ کا اتصال بے معنی ہو جاتا تو خدا تعالیٰ نے ان ضمائر کو تعین کئے بغیر چھوڑ کر کیسی شان کا مضمون پیدا فرما دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس مضمون کو الہام کر کے پہلی آیت کے حق میں بھی گواہی دے

دی کہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى محمد مصطفی ﷺ کی صداقت کا ایک عظیم گواہ آنے والا ہے۔ وہ ثریا سے آپ کی سچائی کی شہادتیں لے کر نیچے اُترے گا، ایمان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور بعد کے ہمیشہ ہمیش کے آنے والے زمانوں کے لئے یہ اعلان کر دے گا کہ جیسا کہ گزشتہ چودہ سو سال میں اس رسول نے کبھی کوئی ٹھوکر نہیں کھائی، کبھی لغزش نہیں کھائی اس کی تعلیم کی حفاظت کی ذمہ داری آسمان کے طاقتور ذُوْمِرَّةٍ خدا نے اٹھائی ہے میں اس کا گواہ ہوں کہ اسکی ہر بات سچی نکلی ہے۔

انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ نے جب آپ پر یہ مضمون ظاہر فرمایا اور آپ نے اس کی گواہی دی تو گویا وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى کی زندہ مثال بن گئے۔ ثریا کے اترنے اور گواہی کا مضمون کس شان کے ساتھ اس موقع پر پورا ہوتا ہے۔ یہ الہام کا وہ مقصد تھا جو اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکسار اور تضرّع اور دعا کے نتیجہ میں آپ پر ایک رویا کے ذریعہ روشن فرمایا گیا۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ نے دنـــو کیا اور پھر آپ ہی نے تَدَلّٰى کیا۔ جب خدا کو پالیا اور خدا کی صفات سے مرصّع ہو گئے تب آپؐ کا دل بنی نوع انسان کی ہمدردی میں پگھلا اور اس بلندی سے نیچے اترے تا کہ آپؐ نے جس اعلیٰ مقصد کو حاصل کیا ہے اس میں تمام بنی نوع انسان کو شریک کریں اور ہر ایک کو بتائیں کہ میں نے ایک عظیم چیز کو پالیا ہے جس سے عظیم تر چیز کا تصور ممکن نہیں ہے۔ تمام زندگیوں کا وہ سر چشمہ ہے۔ سب نعمتوں کا وہ منبع ہے جیسا میں نے اس کو پایا ہے آؤ میں تمہیں بلاتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ میں تمہیں ان بلندیوں تک پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہوں کیونکہ میں سب کچھ دیکھ آیا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے سارے وجود سے اس کو پایا۔ میرے دل پر وہ خدا جلوہ گر ہوا اور میں ان سب نعمتوں کی طرف تمہیں بلانے کے لئے واپس آیا ہوں جو نعمتیں مجھے اپنی تمام شان کے ساتھ اور اتمام نعمت کے ساتھ عطا فرمائی گئی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی مضمون کو خدا تعالیٰ کے تعلق میں بیان فرمایا ہے اور یہ جو مشابہتیں ہیں یہ بتاتی ہیں کہ یہ عظیم روحانی کائنات ہے جن کے آپس میں گہرے اندرونی رشتے ہیں۔ ایک جاہل ملاں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بدتمیزی کی زبان کھولتا ہے تو اس بے چارے بدنصیب بد بخت کو پتا نہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا جیسا عرفان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوا ہے اس کی مثال آپ کو کہیں

اور دکھائی نہیں دے گی اور اس عرفان کے نتیجہ میں اللہ کا جو عرفان اس زمانہ میں آپ کو عطا ہوا اس کی بھی کوئی اور مثال آپ کو دکھائی نہیں دے گی۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

''... ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق اور وفا سے اس کے ہو گئے ہیں۔ وہ غیروں پر جو اس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔...''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ: ۲۱)

پس آنحضرت ﷺ کو اگر خدا نے اپنے عجائبات کے اظہار کے لئے چنا ہے اور آپؐ کے قلب کو اپنے عرش کی تختہ گاہ بنانے کے لئے چنا ہے تو اس لئے کہ محمد مصطفی ﷺ میں اعلیٰ صفات پائی جاتی تھیں اور وہ صفات وہی ہیں جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آپؐ صادق تھے اور وفادار تھے اور خدا تعالیٰ کی کامل قدرتوں پر کامل یقین رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

''... کیا بد بخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتا نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اُس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگر چہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگر چہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ: ۲۱)

''اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو۔'' محرومو، دیکھیں اس تعلق میں کیسا پیارا لفظ بیان فرمایا ہے۔ میں نے تو پالیا ہے تم جو محروم ہو جنہوں نے نہیں پایا۔ میں پانے کے بعد اور اس چشمے سے سیراب ہونے کے بعد تمہیں بلا رہا ہوں کس درد، بے قراری اور تڑپ کے ساتھ آپ بنی نوع انسان کو بلا رہے ہیں۔ ایک پانے والا ہی اس شان اور اس کرب کے ساتھ اور اس بے قراری کے ساتھ بلا سکتا ہے محروم کبھی نہیں بُلا سکتا۔ بڑے ہی اندھے اور بدنصیب وہ لوگ ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عبارت کو پڑھ کر بھی آپ کا عرفان حاصل نہ کر سکے۔ ساری دنیا کے جھوٹے بھی مل کر اس شان کی سچی گواہی نہیں دے سکتے جو اپنے اندر اپنی صداقت کی عظمتیں خود رکھتی ہے۔ کسی جھوٹے

کے وہم وگمان میں بھی یہ عبارت نہیں آسکتی۔فرماتے ہیں۔

”اگر چہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں، کس دَف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔“

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ:۲۱-۲۲)

یہ ہے دعوت الی اللہ اور اس طرح دعوت الی اللہ کے مضمون کا حق ادا ہوتا ہے۔ہر بلانے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور پانا ہوگا۔اگر اس کی رسائی اُفق اعلیٰ تک نہیں تو جس کی رسائی ہے اس کے پیچھے چل کر کچھ نہ کچھ بلندیاں اسے ضرور حاصل کرنی ہوں گی، اس چشمہ سے کچھ نہ کچھ سیراب ہونا تو اس کے لئے لازم ہے ورنہ اس دعوت میں نہ جان پڑے گی نہ اس میں صداقت کی وہ عظمت ہوگی جو بڑی قوت کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔یہ مقناطیسی طاقت ایک حقیقت ہے اور اسی کو ملتی ہے جس کا مقناطیس سے رابطہ پیدا ہو جائے۔پس اپنے اندر وہ آہنی صفات پیدا کریں جو مقناطیس سے جڑ کر آپ کو مقناطیس بنا دیں اور مقناطیس کے قریب ہونے کی کوشش کریں پھر اُن صفات کی جلوہ گری آپ میں ہوگی جن صفات کا ذکر اس سورۃ کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے جس کی کچھ تلاوت میں نے آپ کے سامنے کی ہے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی اور اس بلند تر آقا کی غلامی کا حق آپ کو عطا ہوگا جس کی غلامی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کچھ پایا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کی اس شان کے حق میں گواہی دیتے ہوئے کہ آپ نے جب بلایا تو پہلے پایا پھر بلایا۔

آپؑ فرماتے ہیں۔

؎ آنکھ اس کی دُور بیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیاء یہی ہے (درثمین صفحہ: ۸۳)

آنکھ اس کی دور بیں ہے، دور کی باتیں دیکھتا ہے، اُفق اعلیٰ پر نظر ہے مگر دل یار کے قریں

ہے۔اس کے دل پر یار جلوہ گر ہو چکا اور اسے اپنا تخت بنالیا۔

پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے
دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے (درثمین صفحہ: ۸۳)

اندر والا یہ کام کر سکتا ہے۔ بیرونی نظر سے دیکھنے والا جو اندر نہ پہنچا ہو وہ پردے ہٹا کر کسی کو اندر آنے کی دعوت نہیں دے سکتا۔ دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے۔ پس وہ سب احمدی جو مرد ہوں یا خواتین، بڑے ہوں یا بچے اگر دعوت الی اللہ کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں تو دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قربت کے کچھ آثار اپنے اندر پیدا کریں۔ جتنے یہ آثار پیدا ہوں گے جتنی آپ کی یافت اور جتنا آپ کے پانے کا مرتبہ بلند ہوگا اتنی ہی آپ کے اندر غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ آپ اس بات کے حقدار ہوں گے اور بنی نوع انسان مجبور ہوں گے کہ آپ کی آواز کو سنیں اور اُسے قبول کریں اور آپ کے پیچھے چلیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مُزَّمِّلْ سے مراد ہے کہ آپؐ استغفار کی چادر میں لپٹ گئے۔

تبتّل الی اللہ کے ذریعہ اپنے جسم کے زخم صاف کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / جون ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۲﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۴﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۵﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ؕ﴿۷﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۸﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ﴿۹﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۱۰﴾ (المزمل: ۲-۱۰)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات قرآنیہ جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے چادر میں لپٹے ہوئے خدا کی رحمت کا انتظار کرنے والے قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا رات جاگ کر کاٹا کر سوائے اس کے کہ اس کا کچھ حصہ آرام کے لئے رکھ لے۔ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا یا تو نصف رات جاگ کر کاٹ اور نصف آرام کے لئے رکھ یا اس میں سے کچھ کم کرلے۔ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ

تَرْتِيْلًا اس میں سے کچھ اضافہ کر دے اور قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھا کر۔ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ہم تجھے ایک بہت ہی بوجھل بات بتانے والے ہیں ایسی بوجھل بات جس کو برداشت کرنا، جس کے تقاضے پورے کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا لیکن اس کا علاج بھی تجھے بتاتے ہیں۔ رات کو اُٹھنا اور خدا کی عبادت کرنا نفس کو پاؤں تلے روندنے کے لئے سب سے بڑا اور طاقتور ذریعہ ہے وَاَقْوَمُ قِيْلًا اور سچی بات اور مضبوط بات وہی ہے جو رات کو اُٹھ کر کی جاتی ہے۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا دن بھر تیرے لئے بہت کام ہیں تو کاموں میں بے حد مصروف رہتا ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اپنے رب کا نام بلند کیا کر اور اس کا ذکر کیا کر وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا اور غیروں سے تعلق کاٹ کر کلیۃً اس کی طرف خالص ہو جا یعنی کاملۃً اس کا ہو جا یہاں تک کہ کسی غیر سے کوئی بھی تعلق نہ رہے رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی رب ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہی ایک خدا ہے جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا اسی پر توکل کر اور وہی تیرا وکیل ہے۔

ان آیات میں جو مضمون تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے اس سے متعلق حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا ایک بہت ہی عارفانہ اقتباس میں نے آج آپ کے سامنے پڑھنے کے لئے مخصوص کیا ہے لیکن اس سے پہلے میں مختصراً آپ کو بتاتا ہوں کہ دَنَا کے مضمون کے ساتھ ان آیات کا بہت گہرا تعلق ہے۔

اس سے پہلے گزشتہ خطبہ میں مَیں نے یہ بیان کیا تھا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سب سے اعلیٰ شان یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ اپنے رب کے قریب ہوئے اور اتنا قریب ہوئے کہ اُفق اعلیٰ تک آپ ﷺ کی رسائی ہوئی وہ اُفق اعلیٰ جس پر کسی اور نبی کی رسائی نہیں ہوئی تھی وہاں آپ ﷺ نے اپنے رب سے وہ سب کچھ پایا جو ایک بندہ پا سکتا ہے اور پھر اس سے بوجھل ہو کر، اس رحمت سے لد کر زمین کی طرف جھکے اور بنی نوع انسان کے لئے رحمۃ للعالمینؐ بنا کر بھیجے گئے۔

یہ مضمون اتنی عظمتوں اور رفعتوں والا مضمون ہے کہ عام انسان یہ سوچتا ہے کہ شاید میری وہاں تک رسائی ممکن ہی نہیں اس لئے یہ باتیں میرے لئے نہیں بلکہ مجھ سے بہت اونچی باتیں ہیں اور اس مضمون پر غور کرنے کے بعد بعض دفعہ دل میں تحریک اور تحریص ہونے کی بجائے عام انسان بجھ سا

جاتا ہے کہ کہاں وہ عظمتیں اور رفعتیں جن تک حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی رسائی ہوئی اور کہاں وہ بلند پروازیاں اور کہاں عاجز زمین کا کیڑا؟ یہ باتیں تو صرف حضورؐ ہی کے لئے خاص ہیں ہم لوگ اس میں مخاطب ہی نہیں اور ان باتوں کو قبول کرنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔ یہ خیال غلط ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مضمون فصاحت و بلاغت کے ساتھ رفعتوں کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے تو انسان کا ذہن ایک ایسی فضاء میں اُڑنے لگتا ہے کہ اس کو حقیقت کی دنیا میں اس مضمون کو چسپاں کرنے کی توفیق نہیں ملتی اور اس کی تفصیل سے آگاہ نہیں ہوتا۔

قرآن کریم نے ان آیات میں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں دَنَا کی کیفیت بیان فرمائی ہے فرمایا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا دَنّو کیسے ہوا تھا۔ اور یہ وہ دنو ہے جس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ہر مومن پا سکتا ہے کیونکہ یہ ایک Realistic مضمون ہے ایک حقیقت پر مبنی مضمون ہے۔ اب یہ اونچی فضاؤں کی باتیں نہیں ہو رہیں۔ اس دنیا میں دنیا سے تعلق توڑنے اور خدا سے تعلق جوڑنے کا مضمون بیان ہوا ہے اور ایسے واقعاتی رنگ میں بیان ہوا ہے کہ انسانی ذہن رفعتوں میں نہیں الجھتا بلکہ دنیا کے عام حالات میں چلتے پھرتے اپنی زندگی پر اس مضمون کو چسپاں کرتے ہوئے اپنے حالات کا جائزہ بھی لے سکتا ہے اور اپنے لئے آئندہ لائحہ عمل بھی معین کر سکتا ہے۔ پس دَنَا کے مضمون میں آنحضور ﷺ کی رفعتوں کا ذکر فرما کر خدا تعالیٰ نے اس موقع پر آنحضور ﷺ کے ان کمالات کا ذکر فرمایا، ان محنتوں اور جدوجہد کا ذکر فرمایا جن کے نتیجہ میں آنحضور ﷺ کو رفعتیں عطا ہوئیں۔ یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے چادر میں لپٹے ہوئے انسان مُزَّمِّلُ کی ایک عام تشریح یہ کی جاتی ہے کہ آنحضور ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی تو واپس جا کر آپ نے اس وحی کے اثر کے نتیجے میں ایسی کیفیت محسوس کی جیسی کیفیت بخار چڑھنے سے پہلے ہوتی ہے یعنی آپؐ کی طبیعت پر اتنا غیر معمولی اثر تھا، اتنی قوی وحی تھی کہ اس کے بوجھ سے آپؐ کانپ رہے تھے اور اس موقع پر آپؐ نے زملونی فرمایا کہ مجھے چادر اوڑھ دو، مجھے کپڑے پہنا دو۔ یعنی جس طرح بیمار آدمی کہتا ہے کہ مجھ پر لحاف ڈال دو میں سردی محسوس کر رہا ہوں تو یہ کوئی ملیریا والی کیفیت تو نہیں تھی کہ زملونی فرما رہے تھے یہ تو ایک غیر معمولی طاقت ور وحی کے نزول کے نتیجہ میں جسم پر جو دباؤ پڑا ہے اس سے یوں معلوم ہوتا ہے بدن پارہ پارہ ہو رہا تھا جیسے کہا جاتا

ہے کہ جسم Shatter ہو گیا اس وقت جو آپؐ نے سردی محسوس کی ہے اس کے نتیجہ میں فرمایا زملونی تو ایک معنی اس کا یہ کیا جاتا ہے کہ یَاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اے وہ شخص جو میری وحی کے رعب تلے چادر میں لپٹ گیا ہے اور ایک مستقل معنی اس کا یہ ہے کہ وہ شخص جو دنیا سے تعلق توڑنے کے لئے اللہ کے لئے خالص ہونا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو سمیٹ رہا ہے اور لپیٹ رہا ہے۔ چادر گرمی سے بچاؤ کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے اور سردی سے بچاؤ کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ ایک قسم کی Insulation ہے۔ ایک ایسی چیز جو ماحول سے کاٹتی ہے اور آپ کے بدن کو ماحول کے اثرات سے محفوظ رکھتی ہے تو اس کا دائمی اور مستقل معنی یہ ہے کہ اے میرے وہ بندے جو تمام دنیا سے کٹ کر میرے لئے خالص ہو جانا چاہتا ہے جو دنیا کے ہر قسم کے اثرات سے بچ کر اپنا قبلہ صرف مجھے بنانا چاہتا ہے اور میری تحویل میں آجانا چاہتا ہے میں تجھے اس کا علاج بتاتا ہوں کہ یہ کیسے ہوگا۔

پس پہلے دنیا سے کٹنے کا اور خدا کے لئے خالص ہو جانے کا ارادہ ہے۔ اس ارادے کے بعد اگلا قدم کیا ہے۔ فرمایا قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ رات کو اُٹھا کر وہ لوگ جو پانچ وقت کی عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت میں کچھ نہ کچھ رات کا حصہ پایا جاتا ہے، مغرب کی نماز بھی رات کی نماز ہے عشاء کی نماز بھی رات کی نماز ہے اور صبح کی نماز کا ایک حصہ بھی رات ہی کی نماز کہلاتا ہے کیونکہ سورج غروب ہونے اور سورج چڑھنے کے مابین جو زمانہ ہے وہ رات کا زمانہ ہے لیکن اس میں جس عبادت کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ہے اور وہ تہجد کی عبادت کا ذکر ہے۔ پس رات کے نصف سے مراد یہ نہیں ہے کہ سونے کے بعد اور عام طور پر صبح کی نماز پر اُٹھنے سے پہلے جو وقت ہے اس کا نصف اگر اس کا نصف کیا جائے تو آرام کے لئے بہت ہی تھوڑا وقت ملتا ہے پس رات کے نصف سے مراد یہ ہے کہ کچھ حصہ پہلے ہی عبادت میں کٹ جاتا ہے۔ مغرب کی نماز ہے وہ بھی عبادت میں صرف ہوتی ہے، پھر سُنتیں ہیں نوافل ہیں ہر شخص کو اپنی اپنی توفیق کے مطابق اس پر کچھ نہ کچھ وقت لگانا پڑتا ہے۔ پھر عشاء کی نماز اور اس کے تقاضے اور آگے اور پیچھے سُنتیں اور عبادتیں ہیں، پھر صبح کی نماز کی تیاری اور صبح کے وقت کی تلاوت یا نماز پر جانے سے پہلے سُنتیں یہ تو وہ حصے ہیں جو ہر مومن کو کچھ نہ کچھ نصیب ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نصف رات اس کے علاوہ خدا کی خاطر صرف کیا کر۔

وہ جو نصف رات ہے۔ اس کے متعلق مختلف مفسرین نے مختلف اندازے لگائے ہیں یہ

مضمون جو یہاں بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص موسم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور بعد کے بدلتے ہوئے موسموں کو مدنظر رکھتے ہوئے، سال کے مختلف حصوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ سب سے چھوٹی رات گرمیوں کی رات ہوتی ہے۔ پس گرمیوں کی رات میں اگر نصف عبادت کی جائے تو کوئی بڑا وقت عبادت کا نہیں ہے۔ پس میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس آیت کا نزول گرمیوں میں ہوا ہے اور گرمیوں ہی سے بات شروع ہوئی ہے۔ فرمایا۔ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا گرمیوں کی راتیں تو اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ مغرب اور عشاء اور صبح کی عبادتوں کو اگر نکال دیا جائے تو پچھلی رات میں بہت تھوڑا وقت رہتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ بقیہ رات کا اکثر حصہ عبادت ہی میں خرچ ہو۔ پس فرمایا قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا تھوڑا سا وقت آرام کا ملے گا باقی وقت عبادت میں صرف کر۔ آگے پھر جب گرمیاں سردیوں کی طرف مائل ہوتی ہیں تو راتیں بڑی ہونے لگتی ہیں۔ پھر فرمایا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا پھر اِلَّا قَلِيْلًا کی بجائے نِّصْفَهٗٓ فرمادیا کہ ٹھیک ہے آگے راتیں لمبی ہونے والی ہیں اب اس کو آدھا کردے اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اور بھی تھوڑا سا کم کردے پھر فرمایا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا جب لمبی راتیں آئیں گی تو پھر عبادت کو کچھ لمبا بھی کر دیا کر کیونکہ جہاں آرام لمبا ہوگا وہاں عبادت بھی تو لمبی ہو جانی چاہئے تو ان معنوں میں سارے سال کی عبادتوں کا ذکر ان تین آیات میں بڑی لطافت کے ساتھ تدریجی اور ارتقائی رنگ میں بیان فرمادیا۔

اس کے بعد فرمایا اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ہم جو تجھے تیار کر رہے ہیں تو یہ دراصل اس وجہ سے تیار کر رہے ہیں کہ ہم تجھے ایک بہت ہی بوجھل بات بتانے والے ہیں بہت ہی عظیم بات بتانے والے ہیں اور اس نصیحت سے پہلے کی یہ تیاری ہے جو بات بیان فرمائی جائے گی اس کا تعلق اَلْمُزَّمِّلُ سے ہے۔ ایک ایسے شخص سے ہے جو پہلے ہی دنیا سے قطع تعلق ہو کر خدا کی طرف مائل ہونا چاہتا ہے فرمایا اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا تمہیں دنیا سے تعلق توڑنے اور خدا کی طرف مائل ہونے کے لئے محنت چاہئے کیونکہ دنیا کے تقاضے اور اس کے لوازمات ہر طرف سے انسان کو چمٹے ہوئے ہیں ان سے الگ ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لئے رات کو اُٹھا کر کیونکہ رات کی عبادت نفس کو کچلنے کے لئے سب سے زیادہ طاقتور ذریعہ ہے وَطْـًٔا کہتے ہیں

پاؤں تلے روندنا یعنی اتنی محنت اس کام کے لئے کرنی پڑے گی کہ گویا اپنے نفس کو پاؤں تلے روندنا ہوگا، بار بار کچلنا ہوگا، جیسے ایک کیڑے کو کچلا جاتا ہے اور یہ روندنا ایک دن اور ایک رات کا روندنا نہیں ہے بلکہ زندگی بھر کا ساتھ ہے۔ تمہیں زندگی کی ہر رات اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا ہوگا اور رات کو اس لئے فرمایا کہ دن کے وقت زندگی کے سو دوسرے تقاضے انسان کو لاحق ہو جاتے ہیں۔ کہیں ریاء کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کوئی شخص دیکھ رہا ہے، کہیں شرم و حیا مانع ہو جاتے ہیں۔ دن کی عبادت میں اگر ریا نہ بھی ہو تو دوسرے کے دیکھنے کے نتیجہ میں انسان خدا کے حضور تنہائی کا لطف حاصل نہیں کر سکتا اور بعض دفعہ دل میں جو بے اختیار کیفیت پیدا ہوتی ہے اور انسان ان کیفیات میں ایسی حرکتیں کرتا ہے، ایسے چہرے بناتا ہے، ایسے کلمات منہ سے نکالتا ہے کہ جن میں ایک قسم کا جنون سا پایا جاتا ہے اور یہ پسند نہیں کرتا کہ دنیا اس حالت کو دیکھ رہی ہو اس لئے رات کے وقت سے بہتر اور کوئی وقت نہیں ہے جبکہ باقی دنیا سوئی ہوئی ہوتی ہے گھر والے بھی یا آرام کر رہے ہیں یا دوسرے کمروں میں ہوں گے۔ تو رات کے وقت خدا تعالیٰ کے لئے علیحدگی اختیار کرنا یہ فطرتی لحاظ سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ سب سے زیادہ اس بات کے قریب ہے کہ آپ واقعۃً اللہ تعالیٰ کے لئے الگ ہو جائیں اور اس حالت میں آپ کو اللہ سے ایسی باتیں کرنے کا موقع مل سکتا ہے جو عام دنیا کے روزمرہ کے زندگی کے حالات میں نہیں مل سکتا۔ فرمایا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا اور رات کی بات میں اصل وزن ہے کیونکہ اس وقت تم خدا سے جو باتیں کرتے ہو اس میں کسی اَور مقصد کی ملونی ہو ہی نہیں سکتی۔ کوئی آدمی پاگل تو نہیں کہ گرمیوں کی رات، چھوٹی سی رات جس کا کچھ وقت مغرب اور عشاء میں گزر گیا کچھ صبح کی تیاری میں اور جو تھوڑا سا وقت ملا اس کو بھی نصف یا اس سے کچھ زیادہ عبادت میں صرف کر دے۔ تو رات کا وہ اُٹھنا اس کی سنجیدگی، اس کے اخلاص اور اس کے محض للہ عبادت کرنے پر گواہ بن جاتا ہے۔ فرمایا ایسی صورت میں جب تم خدا سے بات کرو گے تو خدا اس پر زیادہ توجہ دے گا اور خدا تعالیٰ یہ جان لے گا کہ تمہاری بات میں سچائی کا وزن ہے، سچی اور سیدھی بات کر رہے ہو اور اس کے نتیجہ میں تمہیں وہ طاقت ملے گی جس طاقت کی تمہیں اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا سے الگ ہونے کے لئے سخت ضرورت ہے۔ خدا سے طاقت حاصل کئے بغیر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ انسان کلیۃً دنیا سے تعلق توڑ کر خدا کا ہو جائے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا یعنی

دلیل دے رہا ہے کہ دن کو تو اور بھی بہت سے کام ہیں رات میں جو مصلحتیں ہیں ان کے علاوہ ایک مشکل یہ بھی ہے کہ دن کے وقت اگر تم علیحدہ کوٹھڑی میں چھپنا بھی چاہو تو چھپ نہیں سکتے۔ لوگ تمہیں ہر وقت کاموں کے لئے بلا رہے ہیں ادھر سے آواز آ رہی ہے اُدھر سے آواز پڑ رہی ہے یہاں تک کہ قرآن سے پتا چلتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرت ﷺ کے گھر کی طرف چلتے ہوئے دور سے آوازیں دینے لگ جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا ادب کا مقام ہے۔ آہستہ بولا کرو اگر تم رسول کے سامنے اونچی آواز کرو گے تو تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا، تمہارے اعمال بے کار جائیں گے تو خدا تعالیٰ کا یہ شدت کے ساتھ ناراضگی کا اظہار ہے یہ صاف بتا رہا ہے کہ بکثرت ایسا ہو رہا تھا اور ضرورت مند دیوانے ہوتے ہیں وہ آنحضور ﷺ کی طرف لپکتے ہوئے بعض دفعہ اونچی آوازوں سے بلانا شروع کر دیا کرتے تھے مگر دن رات میں سے بہت تھوڑا وقت تھا جو آنحضور ﷺ کا اپنا وقت تھا۔ باقی سب بنی نوع انسان کے لئے خدا کے کاموں کے لئے وقف تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ اس وقت میں سے اُٹھا کرو جو خالصۃً تمہارا ہے اس میں جب خدا کو دو گے تو یہ تمہارے اخلاص پر بھی دلالت کرے گا اور عقلاً بھی اس کے سوا کچھ کیا نہیں جا سکتا۔

دن کے وقت تو تم عبادت کے لئے کلیۃً الگ نہیں ہو سکتے وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ جو بات بیان فرمائی گئی تھی کہ ہم تجھے بہت ہی بوجھل بات بتانے والے ہیں وہ یہ ہے کہ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا اللہ کا نام بلند کیا کرو اور مقصد یہ ہے کہ خدا کا نام لیتے لیتے دنیا کے سب نام رفتہ رفتہ تمہارے ذہن سے اُٹھ جائیں اور دنیا سے کامل طور پر تعلق ٹوٹ جائے تَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا تَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا دنیا کی ہر چیز سے تعلق توڑ کر کلیۃً خدا کے ہو جاؤ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ تب تمہارے لئے تمہارا رب مشرق اور مغرب کا رب بن کر اُبھرے گا پھر جس طرف تم منہ کرو گے وہاں رب ہی رب ہوگا اور کوئی وجود باقی نہیں رہے گا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یہ معنی ہیں لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کے زبان سے تو لاکھوں کروڑوں اربوں لوگ اقرار کرتے رہے، کرتے رہیں گے مگر ان کو کیا پتا کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کیا ہوتا ہے۔ فرمایا پھر ایک ہی خدا رہ جائے گا اور کچھ نہیں رہے گا فَاتَّخِذۡهُ وَكِيۡلًا پھر اس کو اپنا وکیل بنا۔ لوگ کہتے ہیں ہم خدا پر توکل کرتے ہیں یہ نہیں پتا کہ توکل کیسے کیا جاتا ہے؟ اس کے دو حصے ہیں۔ ایک ہے دَنَا کا حصہ اور

دَنَا جب ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ سے قرب حاصل کر کے اس سے طاقت حاصل کر کے جب انسان دنیا کی طرف دوبارہ جھکتا ہے تو وہ کامل طور پر متوکل ہو جاتا ہے اور خدا ہر معاملے میں اس کا وکیل رہتا ہے اور کبھی بھی وہ خدا کی وکالت سے باہر نہیں ہوتا۔

تَبَتَّلْ کا مضمون ایسا ہے کہ اگر انسان پوری طرح سمجھ جائے تو خوف سے لرزنے لگے اور اس وقت زملونی کے معنی سمجھ آتے ہیں اس کے بغیر سمجھ نہیں آسکتے۔ دنیا کے ہر تعلق سے اپنا تعلق اس طرح توڑنا کہ خدا کے مقابل پر اس کو ذہنی طور پر اور قلبی طور پر قربان کرنے کا فیصلہ کر لینا اس کا نام تَبَتَّلْ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو تو آپ کا چونکہ تَبَتَّلْ ہو چکا تھا اس لئے آپ ذہنی طور پر اور قلبی طور پر اس وقت سے تیار بیٹھے تھے۔ صرف انتظار فرما رہے تھے کہ کب یہ بیٹا جوان ہو اور اس کو خدا تعالیٰ نے جو انفرادی حق عطا فرمایا ہے اس حق کو خود استعمال کرے اور میری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے خود اپنے آپ کو پیش کرے تب میں اسے ذبح کروں گا لیکن اپنے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام ذبح کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ پس تَبَتَّلْ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر تعلق کو کلیۃً توڑ ڈالے۔ تَبَتَّلْ کا مطلب یہ ہے کہ ہر تعلق کو ذہنی اور قلبی طور پر توڑنے کے لئے اس سچائی کے ساتھ تیار ہو جائے کہ جب بھی آزمائش میں ڈالا جائے ہمیشہ پورا اُترے اور یہی مضمون حضرت ابراہیمؑ کے لئے قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ جب بھی اللہ نے اس کو آزمایا اس کو پورا پایا اس کو سچا پایا۔ ہر آزمائش پر وہ پورا اُترا۔

اب تَبَتَّلْ ایک ذہنی اور قلبی Exercies ، ایک کسرت اور ورزش کا نام ہے اور یہ ورزش رات کو اُٹھ کر صحیح معنوں میں ہوتی ہے اور انسان اپنے اوپر نظر ڈالتا ہے۔ اپنے حالات پر نظر ڈالتا ہے تو جگہ جگہ اپنے آپ کو وہ اس طرح باطل سے چمٹا ہوا دیکھتا ہے یا دنیاوی لذتوں کے ساتھ اس طرح آلودہ پاتا ہے کہ اس وقت اس کو سمجھ آتی ہے کہ اگر اس حالت میں میں ان سے علیحدگی اختیار کروں تو سخت زخمی ہو جاؤں گا اور مجھے توفیق نہیں ملے گی کہ اس درد کو برداشت کرسکوں۔ اس کے لئے تیاری کیسے کی جاتی ہے یہ شفاء پانے کا ایک مستقل سلسلہ ہے جو رفتہ رفتہ قدم قدم جاری رہتا ہے اور اپنے منتہیٰ کو اور کامل منتہیٰ کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ذات میں پہنچا اور باقی سب کے لئے ایک سفر کا نام ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے زخم کے اوپر کھرنڈ یا ایک چھلکا سا آجاتا ہے۔ اس

چھلکے کے ساتھ بدن کا ایک تعلق ہوتا ہے۔ جب تک وہ زخم شفاء نہ پا جائے وہ چھلکا علیحدہ نہیں کیا جاسکتا، علیحدہ کرنے کی کوشش کریں گے تو شدید تکلیف بھی ہوگی اور فائدہ بھی کچھ نہیں ہوگا کیونکہ بدن کا وہ حصہ علیحدگی کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔ جو بیمار حصہ ہے اس کی بیماری کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس چھلکے کی ضرورت ہے اس کے بغیر وہ رہ ہی نہیں سکتا اور صحت مند بدن کا ایک بیرونی چھلکے پر انحصار یہی ایک گناہ ہے اور یہی بیماری ہے پس بدن کا بیمار حصہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا شفاء نہ پا جائے اور اس چھلکے کی ضرورت سے آزاد نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے چھلکے کا رہنا لازم ہے اس کو زبردستی کاٹ کر پھینکیں گے تو بے فائدہ ہوگا۔

شفاء پانے کا جو یہ مضمون ہے اسے قرآن کریم نے بہت کھول کر بیان فرمایا کہ یہ محنتیں کرو تو پھر تم رفتہ رفتہ شفاء پاؤ گے، ہم نے دنیا میں دیکھا ہے کہ بعض لوگوں کے چھلکے خود بخود اُترتے ہیں کیونکہ وہ ان کو چھیڑتے نہیں ہیں اور ان کے بدن کو کلیۃً یہ موقع میسر آتا ہے کہ غیر کی دخل اندازی کے بغیر وہ آہستہ آہستہ صحت پاتے چلے جاتے ہیں۔ پس وہ بیمار حصے جب صحت پا جاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس چھلکے کی ضرورت ہی کوئی نہیں تھی۔ ذرا سی انگلی لگی کپڑا سرکایا تو ساتھ ہی وہ چھلکا اتر کر نیچے گر جاتا ہے اور آپ کو کبھی احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کے نتیجہ میں آپ کو کوئی نقصان ہوا ہے لیکن اس کے بعد کچھ کھجلی رہتی ہے اور وہ جو کھجلی ہے وہ پھر بیماری کو دعوت دینے کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔ جب گناہوں سے انسان اپنا تعلق توڑتا ہے تو شفاء کی ایک منزل تو وہ ہے کہ چھلکا اتر جاتا ہے۔ تَبَتَّلْ کا ایک مقام حاصل ہو گیا لیکن جب تک کھجلی باقی ہے پورا تَبَتَّلْ نہیں ہوسکتا۔ کھجلی کے نتیجہ میں بندر مثلاً بار بار اس صحت والے حصے کو کھجاتے ہیں اور زخم بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح بچوں کے متعلق آتا ہے کہ بندر اور بچے دونوں ہی اپنے زخم کو صحت پانے کے بعد پھر کھجا کھجا کر دوبارہ بیمار کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق خاص احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ انسانوں میں سے بھی ایسے ہوتے ہیں اور اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ بڑی محنت کر کے ایک گناہ سے تعلق توڑا اور تَبَتَّلْ اختیار کیا، گناہ کا چھلکا اُتر گیا اور کھجلی باقی رہ گئی اور کھجلی نے پھر آخر چھیلنے پر مجبور کر دیا اور پھر وہی چھلکا اور پھر وہی سلسلہ۔ تو بجائے اس کے کہ ایک زخم کے بعد دوسرا زخم مندمل ہو ایک ہی زخم کے ساتھ جھگڑے ساری عمر کے جھگڑے بن جاتے ہیں اور عام دنیا میں اکثر آدمی ایسے ہیں کہ ان کا بدن چھلنی ہوتا ہے۔ آپ

اپنے اوپر غور کر کے دیکھیں جن کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے برکت نصیب ہوئی ہے۔حضرت امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا اور آپ کی وساطت سے اور آپ کے زاویے سے آنحضورﷺ کا نور آپ کی ذات پر بڑی شان کے ساتھ چمکا ہے۔اس کے باوجود اگر رات کو اُٹھ کر اپنے نفس کا تجزیہ کریں تو آپ حیران ہوں گے کہ آپ کے بدن پر کتنے پھوڑے ہیں۔ہم میں سے ہر ایک کا یہی حال ہے۔ان پھوڑوں کی نشاندہی شفاء کی طرف پہلی منزل ہے اور وہ لوگ جو سو جاتے ہیں وہ نشاندہی نہیں کر سکتے۔راتوں کو اُٹھنے کا اس مضمون سے دہرا تہرا تعلق ہے۔روحانی معنوں میں ایک پیغام ہے کہ تم سوئے رہو گے تو کیسے پتا چلے گا کہ تمہارے زخم پر کیا کیا داغ ہیں اور کہاں کہاں سے چھلنی ہوا پڑا ہے۔اُٹھو گے یعنی نفس کو بیدار کرو گے تو پھر ان باتوں کی سمجھ آئے گی پس راتوں کو تمہارا جسم بھی بیدار ہو اور نفس بھی بیدار ہو اور ان دونوں بیداریوں کے ساتھ تم اپنے حالات کا جائزہ لو تو پھر تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہارے جسم پر جگہ جگہ کئی قسم کے پھوڑے پھنسیاں اور زخم موجود ہیں اور ان زخموں کی وساطت سے تم دنیا سے چمٹے ہوئے ہو۔پس تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا خدا کی طرف تَبَتَّلْ اختیار کرو۔

آنحضورﷺ کو جو مثال بنایا گیا تو اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک آنحضورﷺ کے بدن پر زخم تھے۔اس مضمون کی نفی پہلی آیت نے کر دی ہے فرمایا يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ تجھ پر تو استغفار کی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے تیرے بدن سے باہر کی فضا کا تعلق ٹوٹ چکا ہے اب اندر کا ایک سفر ہے جو چادر کے اندر سفر ہوتا ہے یعنی دنیا سے تعلق توڑنے کے بعد پھر ایک اور تَبَتَّلْ کا مضمون شروع ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ باریک در باریک تعلقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اندرونی صفائی۔اس کا تعلق جلد کے زخموں سے نہیں ہے۔اس کا تعلق روح کے اندر چھپی ہوئی مخفی حالتوں اور کیفیات سے ہے اور ان کیفیات میں اتر کر جب انسان اپنے آپ کو کھنگالتا رہتا ہے تو پھر کثرت سے استغفار کرتا ہے اور یہی وہ استغفار تھی جو حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ کی استغفار تھی۔ آپؐ کے بدن پر کوئی چھلکے نہیں تھے چادر تھی اور وہ استغفار کی چادر تھی اس کے بعد آپؐ نے اندرونی سفر اختیار فرمایا اور اس سفر کے دوران آپؐ کے درجات بلند ہوتے رہے یہاں تک کہ آپؐ اس آخری مقام پر پہنچے جس کا نام اُفق اعلیٰ ہے۔یعنی سب اُفقوں سے بلند اُفق جس تک انسان کی رسائی ہو سکتی تھی آپؐ وہاں تک پہنچے۔

اور دنیا کی طرف واپس لوٹنے سے پہلے یہ تَبَتَّلْ ضروری ہے اس لئے اس مضمون کا سمجھنا آپ کے لئے بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ جنہوں نے دنیا کو دعوت الی اللہ دینی ہے ہر دعوت الی اللہ دینے والا بعض حصوں میں دعوت دینے کا اہل ہے اور بعض حصوں میں دعوت دینے کا اہل نہیں ہے۔ جن زخموں سے وہ شفاء پا چکا ہے جن زخموں کے چھلکے اس کے بدن سے اتر چکے ہیں جن زخموں کی کھجلی بھی مندمل ہو چکی ہے اور اس کے ناخن کو اپنی طرف کھینچتی نہیں ہے ان حصوں میں ایک انسان دعوت الی اللہ کا مستحق ہوتا جاتا ہے اور ان حصوں میں خدا کا تعلق قائم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ مضمون سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر آپ یہ مضمون نہیں سمجھیں گے تو بڑی سخت مایوسی پیدا ہوگی۔ اگر یہ انتظار کیا جائے کہ سارا بدن صحت مند ہو جائے سارے چھلکے اُتر جائیں۔ ان چھوڑی ہوئی جگہوں کو کامل شفاء ہو جائے اور چھلکوں کی ضرورت کا وہم وگمان بھی دوبارہ دل میں نہ گزرے اور ناخن اس طرف کبھی نہ بڑھیں تو اس کے بعد ہم پوری طرح تبتل الی اللہ کریں گے اور خدا کی طرف دنو کریں گے اگر یہ خیال ہو تو ہم میں سے اس زمانہ میں اللہ کی عطا کردہ توفیق سے شاید ہی کوئی ہو جسے یہ مرتبہ عطا ہو جائے ورنہ یہ ناممکن ہے لیکن قدم قدم بلندیوں کی طرف بڑھنا ممکن ہے۔

اس لئے اس مضمون کو سمجھنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں آپ سُنیں گے تو پہلے آپ کا دل دہل جائے گا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان رفعتوں سے کلام کر رہے ہیں جن تک پہنچنے کی خدا نے آپ کو توفیق بخشی۔

آنحضور ﷺ کی پیروی میں آپ نے بھی ایک تَبَتَّلْ اختیار فرمایا اور ان فضاؤں میں اُڑنے لگے جن فضاؤں کی طرف آنحضور ﷺ نے تمام بنی نوع انسان کو اُڑنے کی دعوت دی تھی اور بلندیوں سے مخاطب ہو رہے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نفس کے کیڑوں کو کوئی اوپر سے آواز دے رہا ہے کہ ادھر آؤ اور ادھر آؤ اور ادھر آؤ اور جس طرح میں جدوجہد کر کے اور قربانیاں کر کے ان بلند مقامات پر فائز کیا گیا ہوں تم بھی انہی مقامات کی طرف آگے بڑھو لیکن سُننے والے کیڑے ہیں مکوڑے ہیں ایسے ہیں جن کے پر جل چکے ہیں اور ایسے ہیں جن کو ابھی پر عطا ہی نہیں ہوئے اور ہزار ہا قسم کی گندگیوں میں ملوث ہیں ان کے لئے کتنی لمبی منازل ہیں جن سے گزر کر انہیں پر پرواز عطا ہوگا۔ ان باتوں کو سوچ کر انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے لیکن جب آپ اس مضمون کو سمجھتے ہیں کہ بے شمار

بیمار ایسے ہوتے ہیں جن کے بدن پر کئی قسم کی آلائشیں لگی ہوتی ہیں کئی قسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور زخم لاحق ہوتے ہیں وہ ایک دم تو شفاء نہیں پا جایا کرتے۔ شفاء کی کوشش کرتے ہیں اور جب اخلاص کے ساتھ کوشش کرتے ہیں تو ایک زخم ٹھیک کرنے کے بعد رک نہیں جایا کرتے بلکہ آگے بڑھتے ہیں اور دوسرے زخم کو بھی ٹھیک کرتے ہیں اور تیسرے کو بھی کرتے ہیں اور چوتھے کو بھی کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض ایسے جسم ہیں جن پر مچھلی کے چانوں کی طرح زخم ہوتے ہیں اور ایک ایک زخم کو مندمل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ تو جس کو اللہ سے تعلق ہے تو وہ پہلے اپنی ذات میں تَبَتَّلْ کا مضمون جاری کرے گا تب یہ حق اس کو عطا ہوگا کہ وہ بنی نوع انسان کو خدا کی طرف بُلائے یہ ضروری نہیں کہ کامل شفاء کے بعد بلائے۔ وہ ایک داغ بھی تو دکھا سکتا ہے کہ دیکھو مجھ میں یہ داغ تھا جو خدا نے اپنے فضل سے دور فرما دیا اور صحت عطا فرمائی تم بھی اسی راستہ کو پکڑو، تم بھی اپنے رب سے تعلق باندھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں شفاء عطا فرمائے گا اور اس کے نتیجہ میں تمہیں توکل نصیب ہوگا۔

دَنَا کے بعد تَدَلّٰی کا جو مضمون ہے اس پر جیسا کہ میں نے بیان کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک انقلابی روشنی ڈالی ہے، عرفان کا ایک حیرت انگیز سمندر ہے جو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جوش مار رہا ہے اور اس سمندر سے وہ موتی نکلے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر میں جُڑے ہوئے ہیں۔ بہرحال جس رنگ میں بھی آپ اس کو بیان کریں جب آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے دَنَا اور تَدَلّٰی کا مضمون پڑھتے اور سمجھتے ہیں تب آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا مقام اور مرتبہ تھا۔ اس سلسلہ میں جو تحریر میں نے آج پڑھنے کے لئے اختیار کی ہے اس کا تو اب وقت نہیں رہا میں گھڑی دیکھ رہا ہوں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں اور وہ تحریر لمبی ہے اور اس میں بعض جگہ ٹھہر ٹھہر کر آپ کو مضمون سمجھانے بھی ہوں گے۔ اسے تو میں اگلے جمعہ کے لئے رکھتا ہوں لیکن آنحضور ﷺ کی ایک اور تحریر دَنَا اور تَدَلّٰی کے سلسلہ میں میں پیش کر دیتا ہوں اور آج کے خطبہ میں اسی پر اکتفا کروں گا۔

فرماتے ہیں۔

> ”دَنَا فَتَدَلّٰی (النجم: ۹) آنحضور ﷺ کی شان میں آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر کی طرف ہو کر نوعِ انسان کی طرف جھکا۔ ...“
>
> (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۳۵۶)

پہلے خدا سے تعلق جوڑا پھر اس کے بعد بنی نوع انسان کی طرف جھکا۔

”... آنحضرت ﷺ کا کمال اعلیٰ درجہ کا کمال ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور اس کمال میں آپ کے دو درجے بیان ہوئے ہیں ایک صعود اور دوسرا نزول...“

صعود معنی اوپر چڑھنا اور نزول معنی واپس آنا۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق جو نزول کا لفظ آیا ہے اگر آپ انہی معنوں کو اس پر اطلاق کر کے سمجھیں تو آپ کو سمجھ آئے گی نزول کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے خدا کی طرف جائے گا خدا سے حاصل کرے گا پھر وہ تمہاری طرف جھکے گا ورنہ دنیا میں کسی انسان کو یہ توفیق نہیں ہے نہ اس منصب پر اسے فائز کیا جا سکتا ہے کہ وہ مہدی بن جائے یا عیسیٰ دوراں ہو، مسیح دوراں بن جائے جب تک وہ پہلے خدا کی طرف رجوع نہ کرے اور صعود نہ کرے اور پھر نزول نہ کرے۔ اس وقت تک وہ تمہیں شفاء دینے کی اہلیت نہیں رکھ سکتا۔ پس نزول میں یہ وہ پیغام تھا جو دنیا کے اندھے نہیں سمجھ سکے اور اپنی زبان میں اس کے پتا نہیں کیا کیا مطلب کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس مضمون کو ناممکن بنا دیا جسم کی حد تک محدود کر دیا۔ نہ کبھی کوئی جسم اُترے اور نہ کبھی دنیا کو اس پر ایمان لانے کی توفیق ملے گویا اس مضمون کو نہ سمجھ کر ہمیشہ کے لئے مسیحیت کی صف لپیٹ دی گئی ہے۔ بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ پہلا صعود ہے پھر نزول ہے۔ اسی کو اچھی طرح یاد رکھو جس کا صعود ہوتا ہے اس کا نزول ہوتا ہے اور قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے سوا دنیا کے کسی نبی کے لئے نزول کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔

میں نے بہت غور کیا حالانکہ تمام نبیوں کا صعود ہوتا ہے اور نزول ہوتا ہے لیکن اپنے معنوں میں سب سے اعلیٰ درجے کا صعود آنحضرت ﷺ کو نصیب ہوا اور انہی معنوں میں آنحضور ﷺ کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ نہ ابراہیمؑ کے نازل ہونے کا ذکر، نہ موسیٰؑ کے نازل ہونے کا ذکر، نہ عیسیٰ کے نازل ہونے کا ذکر یعنی پہلے عیسیٰؑ کا اور نہ آدمؑ کا نہ کسی اور نبی کا۔ قرآن میں خدا نے محمد رسول اللہ ﷺ کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا اور آپؐ نے اپنے غلام کامل کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا۔ یہ وہ مضمون ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں کہ پہلے صعود ہوگا پھر نزول ہوگا۔

''... اللہ تعالیٰ کی طرف تو آپؐ کا صعود ہوا یعنی خدا تعالیٰ کی محبت اور صدق و وفا میں ایسے کھینچے گئے کہ خود اس ذات اقدس کے دنّو کا درجہ آپؐ کو عطا ہوا۔...''

کھینچے جانے کا مطلب دراصل تبتل ہے اور اس مضمون کو میں آئندہ انشاء اللہ مزید تفصیل سے بیان کروں گا۔ فرماتے ہیں ایسے کھینچے گئے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو دنّو کا درجہ عطا ہوا ہے۔

''...دنو اقرب سے ابلغ ہے۔...''

یعنی ایک لفظ ہے اقرب یعنی قریب ترین۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اقرب کے مقابل پر دنّو کا لفظ زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اس سے زیادہ فصیح و بلیغ لفظ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اقرب میں تو یہ معنی بھی پائے جاسکتے ہیں کہ ویسے ہی خدا نے تقدیراً کسی کو اپنے قریب رکھ لیا ہے مگر دَنو میں پورے سفر کا حال بیان ہوا ہے۔ دنیا سے سفر شروع کیا ہے اور عروج کے اس اعلیٰ مقام تک پہنچے ہیں اور اس سارے سفر کی تمام منازل سے واقف ہوئے اور درجہ بدرجہ ترقی پانے کے سارے راز آپؐ نے پائے۔ تب آپؐ بنی نوع انسان کے استاد مقرر ہوئے کیونکہ ہر منزل کے ہر راز سے واقف بنائے گئے پس جب آپ ان معنوں میں لفظ دَنو پر غور کرتے ہیں تو اقرب کا لفظ اس کے مقابل پر محض ایک سطحی سا لفظ اور بے معنی سا لفظ دکھائی دیتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ دنو اقرب سے ابلغ ہے اگر کوئی صاحب نظر انسان ہو تو اسی ایک فقرے پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا قائل ہوسکتا ہے۔ سخت ہی متعصب اور جاہل اور اندھا ہوگا جو یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا راز نہ پاسکے۔ پھر فرماتے ہیں۔

''... اس لئے یہاں یہ لفظ اختیار کیا جب اللہ تعالیٰ کے فیوضات اور برکات سے آپ نے حصہ لیا۔...''

یعنی دنیا سے کٹنے کے بعد خالی نہ رہے۔ خدا کے فیوض اور برکتوں سے حصہ پایا تو

''... پھر بنی نوع پر رحمت کے لئے نزول فرمایا۔ یہ وہی رحمت تھی جس کا اشارہ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:۱۰۸) میں

فرمایا ہے۔آنحضرت ﷺ کے اسم قاسم کا بھی یہی سرّ ہے۔...‘‘

آپؐ کو جو تقسیم کرنے والا بیان فرمایا ہے اس میں بھی یہی راز ہے فرماتے ہیں:

’’... آپؐ اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں اور پھر مخلوق کو پہنچاتے ہیں پس مخلوق کو پہنچانے کے واسطے آپ کا نزول ہوا۔...‘‘

یعنی تقسیم کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ آپ کی جھولی میں روحانی رزق ڈالتا ہے تو آگے آپ تقسیم کرتے ہیں اس کا نام ہے قاسم پھر فرمایا۔

’’...اس دَنَا فَتَدَلّٰی میں اسی صعود اور نزول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ آنحضرت ﷺ کے علوّ مرتبہ کی دلیل ہے۔...‘‘

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ:۳۵۶)

آج کا مضمون میں یہیں تک پہنچا کر میں جماعت کو مختصراً یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ نے حقیقی معنوں میں داعی الی اللہ بننا ہے تو وہ سارے ذرائع جو میں آپ کے سامنے بیان کرتا رہا ہوں اور جدوجہد کے وہ تمام طریق جو آپ کو سمجھاتا رہا ہوں ان کو اختیار کریں لیکن ان ذرائع اور ان طریقوں میں جان تب پڑے گی اگر آپ کے اندر آسمان سے خدا تعالیٰ کی محبت کی جان پڑے گی اگر وہ جان آپ میں نہ پڑی تو وہ سارے ذرائع بیکار ہوں گے وہ مٹی کی مورتیں ہوں گی جن میں نفس نہیں پھونکا گیا۔پس جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات سے آپ کی ذات میں اور آپ کی کوششوں میں امر نہ پھونکا جائے اس وقت تک آپ زندہ نہیں ہوسکتے اور آپ کی کوششیں بالکل بیکار اور بے معنیٰ ہوں گی۔پس آپ کو لازم ہے کہ اس جدوجہد میں خدا تعالیٰ سے زندگی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور خدا تعالیٰ سے زندگی حاصل کرنے کا راز یہ ہے کہ دنیا کے تعلقات پر موت وارد کریں ایک حصہ ایک طرف سے مرے گا تو دوسری طرف سے زندہ ہوگا۔جب تک موت اور زندگی کا یہ سلسلہ جاری نہیں ہوتا اس وقت تک ایک احمدی حقیقت میں داعی الی اللہ بننے کا حق ادا نہیں کرسکتا۔حق ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے اس سفر کا کوئی قدم بھی اس کو نصیب نہیں ہوسکتا۔یہ تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سعید فطرت کو اس کی وجہ سے اس کی دعوت پر حق پانے کی توفیق عطا فرمادے لیکن ایسی دعوت جس کے نتیجہ میں غیر تو زندگی پا رہے ہیں اور انسان خود زندگی سے محروم ہو، یہ کیسی محرومی کی دعوت ہے کیسی بدنصیبی کی دعوت ہے۔یہ تو

ایسی ہی دعوت ہے جیسے کہ کشمیریوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غریب لوگوں کے لئے کپڑے بُنتے ہیں اور آپ ان کے بدن خالی اور ننگے ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اِسے یوں بیان کیا کہ غریب کشمیری کی مثال تو ایک سوئی کی طرح ہے جو لوگوں کے لئے ہر وقت محنت کے ساتھ ہر غوطے کے ساتھ ایک ٹانکا بھرتی اور اُن کے بدن ڈھانپنے کے سامان کرتی ہے لیکن آپ ہمیشہ ننگی رہتی ہے۔ تو خدا کرے کہ آپ وہ سوئی نہ بنیں جو لوگوں کے بدن ڈھانپے اور آپ ننگی رہے۔ خدا کرے کہ آپ محمد مصطفی ﷺ کی طرح وہ اوڑھنی پہننے والے بن جائیں جن کو مُزَّمِّلُ کہہ کر مخاطب فرمایا گیا آپ کے گرد خدا کی رضا کی چادر ہو، مغفرت کی چادر ہو، استغفار کی چادر ہو اور اس چادر میں لپٹ کر آپ دنیا کو اپنی طرف بلائیں اور اس چادر میں رہتے ہوئے عبادت کے حق ادا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی روشنی میں

تَبَتُّل وتوکل کی عارفانہ تشریح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ / جولائی ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

پھر فرمایا:۔

سورة المزمل کی جن آیات کی میں نے گزشتہ جمعہ تلاوت کی تھی اور اس مضمون کا ایک حصہ بیان کیا تھا اسی کے متعلق آج انشاء اللہ اس مضمون کا دوسرا حصہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تحریر کی روشنی میں پیش کرتا ہوں۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ اللہ کو یاد کیا کر اور اس کی طرف انقطاع کر یعنی ہر دوسری چیز سے تعلق کاٹ کر خدا کا ہو جا۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ جب تیرا تعلق مشرق سے کٹ جائے گا اور مغرب سے بھی کٹ جائے گا۔ جب اس دنیا میں تو خود اپنے ارادے کے نتیجہ میں نہ کہ بے بسی کے نتیجہ میں تنہا رہ جائے گا۔ جب تو عمداً سب دنیا سے منہ موڑے گا۔ نہ مشرق تیرا رہے گا نہ مغرب تیرا رہے گا تو یاد رکھ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مشرق بھی خدا کا ہے اور مغرب بھی خدا کا ہے۔ خدا کے سوا کوئی معبود تیرے لئے باقی نہیں رہے گا۔ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔ پس اس پر توکل

کر۔ جب دنیا تجھ سے کاٹی گئی تو خدا سارے کا سارا تیرا ہو جائے گا۔ اس کے بعد کا مضمون پھر کیا ہوتا ہے؟ دنیا سے کٹنے کے معنی کیا ہیں؟ کیا دنیا سے بے تعلقی کے نتیجہ میں دنیا سے کاٹا جاتا ہے یا اور وجوہات ہیں؟

تَبَتُّل کا یہ معنی کرنا کہ دنیا سے بے رغبتی کر لے اور دنیا سے نفرت کر لے درست نہیں ہے کیونکہ اگر دنیا سے نفرت ہو جائے تو پھر اُس دنیا میں واپسی کا کوئی سامان پیدا نہیں ہوتا۔ وہ دنیا جسے نفرت اور دلی قلبی تعلق کے کٹنے کی وجہ سے انسان چھوڑتا ہے پھر وہاں دوبارہ واپس آ کر کیا کرنا ہے لیکن یہ جو بے تعلقی ہے اس میں تعلق کا ایک مضمون بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ دنیا کے تعلقات موجود ہیں لیکن ان تعلقات کو اس طرح منقطع کر دے کہ ان میں قوت اور غلبہ نہ رہے اور جب بھی وہ خدا کے تعلق کے مقابل پر آئیں ان کی کوئی حیثیت باقی نہ رہے لیکن فی ذاتہٖ دنیا ہے کلیۃً تعلق توڑنا مراد نہیں ہے۔ تعلق رکھتے ہوئے بھی عملاً ایسی صورت اختیار کرنا جیسے یہ تعلق ثانوی اور بے حیثیت ہے اور بے حقیقت ہے۔ تو پھر اس تعلق میں ایک نئی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اس زندگی کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے پہلے تَبَتُّل کی تفصیلی تشریح فرمائی اس کے بعد زندگی پر روشنی ڈالی پھر بنی نوع انسان سے ایک نیا تعلق جو پیدا ہوتا ہے اس مضمون کو بڑی گہری فراست اور عرفان کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تشریح فرمائی ہے اس کا ایک پس منظر ہے۔ چنانچہ ۱۳ر ستمبر ۱۹۰۱ء میں یہ بات الحکم میں شائع ہوئی ہے۔ ایڈیٹر لکھتے ہیں کہ تَبَتُّل کی حقیقت جو ۱۳ر ستمبر ۱۹۰۱ء کو جو مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدس حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود دام اللہ فیوضہم نے سید امیر علی شاہ صاحب ملہم سیالکوٹی کے استفسار پر بیان فرمائی۔

سید امیر علی شاہ سیالکوٹ کے ایک بزرگ تھے، صاحب الہام تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تَبَتُّل کے معنی سیکھنے ہیں تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کریں۔ اس بنا پر انہوں نے سوال کیا اور حضرت اقدسؑ نے اس کی تشریح فرمائی۔ آگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں وہ تشریح یہ ہے۔

> ''میرے نزدیک رؤیا میں یہ بتانا کہ تَبَتُّل کے معنی مجھ سے دریافت کئے جائیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو مذہب میرا مذہب اس بارہ میں ہے وہ

اختیار کیا جائے۔منطقیوں یا نحویوں کی طرح معنی کرنا نہیں ہوتا بلکہ حال کے موافق معنی کرنے چاہئیں۔ ہمارے نزدیک اُس وقت کسی کو متبتل کہیں گے جب وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور رضا کو دنیا اور اس کی متعلقات ومکروہات پر مقدم کرے کوئی رسم وعادت کوئی قومی اصول اس کا رہزن نہ ہو سکے۔۔۔“

کوئی رسم، کوئی عادت، کوئی قومی جذبہ یا قومی وفاداریاں خدا کے تعلق پر ڈاکے نہ ڈالیں اس کے رہزن نہ بن جائیں۔۔۔“

”۔۔۔نہ نفس رہزن ہو سکے، نہ بھائی نہ جورو نہ بیٹا نہ باپ۔غرض کوئی شئے اور کوئی بھی متنفس اس کو خدا تعالیٰ کے احکام اور رضا کے مقابلہ میں اپنے اثر کے نیچے نہ لا سکے اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں ایسا اپنے آپ کو کھودے کہ اس پر فنائے اتّم طاری ہو جائے اور اس کی ساری خواہشوں اور ارادوں پر ایک موت وارد ہو کر خدا ہی خدا رہ جاوے۔دنیا کے تعلقات بسا اوقات خطرناک رہزن ہو جاتے ہیں۔حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رہزن حضرت حوّا ہوگئی۔پس تَبَتُّل تام کی صورت میں یہ ضروری امر ہے کہ ایک سکر اور فنا انسان پر وارد ہو مگر نہ ایسی کہ وہ اسے خدا سے گم کرے بلکہ خدا میں گم کرے۔غرض عملی طور پر تَبَتُّل کی حقیقت تب ہی کھلتی ہے جبکہ ساری روکیں دور ہو جائیں اور ہر قسم کے حجاب دور ہو کر محبت ذاتی تک انسان کا رابطہ پہنچ جاوے اور فناء اتم ایسی حاصل ہو جاوے۔قیل وقال کے طور پر تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور انسانی الفاظ اور بیان میں بہت کچھ ظاہر کر سکتا ہے مگر مشکل ہے تو یہ کہ عملی طور پر اسے دکھا بھی دے جو وہ کچھ کہتا ہے۔یوں تو ہر ایک جو خدا کو ماننے والا ہے پسند بھی کرتا ہے اور کہہ بھی دیتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کو سب پر مقدم کروں اور مقدم کرنے کا مدعی بھی ہو سکتا ہے لیکن جب ان آثار اور علامات کا معائنہ کرنا چاہیں جو خدا کے مقدّم کرنے کے ساتھ ہی عطا ہوتے ہیں تو ایک مشکل کا سامنا ہوگا۔بات بات پر انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔خدا تعالیٰ کی راہ میں

جب اس کو مال اور جان کے دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اُن سے اُن کی جانوں اور مالوں یا اور عزیز ترین اشیاء کی قربانی چاہتا ہے حالانکہ وہ اشیاء اُن کی اپنی بھی نہیں ہوتی۔۔۔''

یعنی خدا کی دی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ میں نے اپنی طرف سے تشریح کی ہے۔

''۔۔۔لیکن پھر بھی وہ مضائقہ کرتے ہیں۔ ابتداً بعض صحابہ کو اس قسم کا ابتلاء پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کو بناءِ مسجد کے واسطے زمین کی ضرورت تھی۔ ایک شخص سے زمین مانگی تو اُس نے کئی عذر کر کے بتا دیا کہ میں زمین نہیں دے سکتا۔ اب وہ شخص رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا تھا اور نہ اللہ کے رسول کو سب پر مقدم کرنے کا عہد کیا تھا لیکن جب آزمائش اور امتحان کا وقت آیا تو اُس کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ گو آخر کار اُس نے وہ قطعہ دے دیا۔ تو بات اصل میں یہی ہے کہ کوئی امر محض بات سے نہیں ہوسکتا جب تک عمل اس کے ساتھ نہ ہو اور عملی طور پر صحیح ثابت نہ ہوتا جب تک امتحان ساتھ نہ ہو۔

ہمارے ہاتھ پر بیعت تو یہی کی جاتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا اور ایک شخص کو جسے خدا نے اپنا مامور کر کے دنیا میں بھیجا ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے۔ جس کا نام حکم اور عدل رکھا گیا ہے اپنا امام سمجھوں گا۔ اس کے فیصلے پر ٹھنڈے دل اور انشراح قلب کے ساتھ رضا مند ہو جاؤں گا لیکن اگر کوئی شخص یہ عہد اور اقرار کرنے کے بعد بھی ہمارے کسی فیصلہ پر خوشی کے ساتھ رضا مند نہیں ہوتا۔۔۔''

فیصلے پر رضا مند ہونے کا نہیں فرما رہے بلکہ فرما رہے ہیں کہ فیصلہ پر خوشی کے ساتھ رضا مند نہیں ہوتا۔

''۔۔۔ بلکہ اپنے سینہ میں کوئی روک اور اٹک پاتا ہے تو یقیناً کہنا پڑے گا کہ اس نے پورا تبتّل حاصل نہیں کیا اور وہ اس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا جو تبتّل کا مقام کہلاتا ہے بلکہ اس کی راہ میں ہوائے نفس اور دنیوی تعلقات کی روکیں اور زنجیریں باقی ہیں اور ان حجابوں سے وہ باہر نہیں نکلا جن کو پھاڑ کر

انسان اس درجہ کو حاصل کرتا ہے۔ جب تک وہ دنیا کے درخت سے کاٹا جا کر الوہیت کی شاخ کے ساتھ ایک پیوند حاصل نہیں کرتا اس کی سرسبزی اور شادابی محال ہے۔۔۔‘‘

پس دنیا سے کٹنے کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ سے وابستہ ہونے کا مضمون تَبَتُّل میں پایا جاتا ہے جسے تبتــل الــی کے الفاظ کے استعمال سے بیان فرمایا گیا۔ یعنی ایک چیز سے کٹنا اور ساتھ ہی دوسری چیز سے پیوستہ ہو جانا کیونکہ درمیان کی حالت خطرے کی حالت ہے اور اگر ایک چیز کو اس کی اصل سے اکھیڑ کر دوسری طرف جلدی منتقل نہ کیا جائے تو زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ مگر قرآن کریم نے جو مضمون بیان فرمایا ہے وہ ایک ساتھ ہی جاری ہونے والا مضمون ہے۔ ایک طرف انسان کٹتا جاتا ہے اور دوسری طرف پیوست ہوتا چلا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں۔

’’۔۔۔دیکھو جب ایک درخت کی شاخ اُس سے کاٹ دی جاوے تو وہ پھل پھول نہیں دے سکتی خواہ اسے پانی کے اندر ہی کیوں نہ رکھو اور ان تمام اسباب کو جو پہلی صورت میں اس کے لئے مایۂ حیات تھے، استعمال کرو لیکن وہ کبھی بھی بارآور نہ ہوگی۔ اسی طرح پر جب تک ایک صادق کے ساتھ انسان کا پیوند قائم نہیں ہوتا وہ روحانیت کو جذب کرنے کی قوت نہیں پاسکتا جیسے وہ شاخ تنہا اور الگ ہو کر پانی سے سرسبز نہیں ہوتی۔ اسی طرح پر یہ بے تعلق اور الگ ہو کر بارآور نہیں ہوسکتا۔ پس انسان کو متبتــــل ہونے کے لئے ایک قطع کی ضرورت بھی ہے اور ایک پیوند کی بھی۔

خدا کے ساتھ اُسے پیوند کرنا اور دنیا اور اس کے تمام تعلقات اور جذبات سے الگ بھی ہونا پڑے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بالکل دنیا سے الگ رہ کر یہ تعلق اور پیوند حاصل کرے گا۔ نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر پھر اس سے الگ رہے۔ یہی تو مردانگی اور شجاعت ہے اور الگ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی تحریکیں اور جذبات اس کو اپنا زیر اثر نہ کرلیں اور وہ ان کو مقدم نہ

کرے بلکہ خدا کو مقدم کرے۔ دنیا کی کوئی تحریک اور روک اس کی راہ میں نہ
آوے اور اپنی طرف اس کو جذب نہ کر سکے۔ میں نے ابھی کہا ہے کہ دنیا میں
بہت سی روکیں انسان کے لئے ہیں۔ ایک جورو یا بیوی بھی بہت کچھ رہزن ہو
سکتی ہے۔ خدا نے اس کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ خدا نے صرف ایک نہی کی تعلیم
دی تھی اس کا اثر پہلے عورت پر ہوا پھر آدمؑ پر ہوا۔۔۔''

یہ عرفان کا بہت بڑا نکتہ ہے جسے ازدواجی تعلقات میں اور عائلی تعلقات میں ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اپنے گھر والوں سے حسن سلوک کرو اور اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔ خوش اخلاقی سے پیش آؤ تو اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ اصولوں کے سودے کرو اور خدا کے تعلق کو ازدواجی تعلق پر قربان کر دو۔ پس یہ توازن رکھنا تَبَتُّل میں بہت زیادہ ضروری ہے اور یہ توازن تبھی ہو سکتا ہے کہ انسان دنیا میں رہے بھی اور دنیا کا نہ ہو کر دنیا میں رہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ آدمؑ کی کہانی میں تمہیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ خدا نے جب نہی کا حکم دیا تو اس کا پہلا اثر عورت پر پڑا تھا۔ یعنی اس کے انکار کی طرف میلان عورت کے دل میں ہوا اور اس سے متاثر ہو کر پھر آدم سے غلطی ہوئی۔ پس تمہارے لئے گھر میں ایک ٹھوکر کا بھی مقام ہے اور اس مقام سے ہمیشہ بچتے رہنا یہ بھی تَبَتُّل کی تعلیم کے تابع ہے اور ہمیشہ اس کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ پھر فرماتے ہیں۔

''۔۔۔غرض تَبَتُّل کیا ہے؟ خدا کی طرف انقطاع کر کے دوسروں کو
محض مردہ سمجھ لینا۔ بہت سے لوگ ہیں جو ہماری باتوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ یہ سب کچھ بجا اور درست ہے مگر جب اُن سے کہا جاوے کہ پھر تم اس کو
قبول کیوں نہیں کرتے تو وہ یہی کہیں گے کہ لوگ ہم کو برا کہتے ہیں ۔۔۔''

جیسا کہ ہم دعوت الی اللہ کے تعلق میں روزمرّہ محسوس کرتے ہیں اور بعض احمدی بسا اوقات خط بھی لکھتے ہیں اور زبانی بھی بتاتے ہیں کہ ایک شخص احمدیت کے بہت قریب آ گیا ہے۔ علیحدگی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا اقرار کرتا ہے۔ کہتا ہے احمدیت سچی ہے لیکن جب کہا جائے کہ بیعت کیوں نہیں کرتے تو کہتا ہے کہ دنیا کے تعلقات حائل ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے؟ مجھ

میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ دنیا کے طعنے برداشت کر سکوں یا اپنے عزیزوں اور اقربا کی مخالفت سہہ سکوں۔ پس یہی وہ مضمون ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرمار ہے ہیں کہ

”...جب اُن سے کہا جاوے کہ پھر تم اس کو قبول کیوں نہیں کرتے تو وہ یہی کہیں گے کہ لوگ ہم کو برا کہتے ہیں۔ پس یہ خیال کہ لوگ اس کو برا کہتے ہیں یہی ایک رگ ہے جو خدا سے قطع کراتی ہے۔...“

یعنی تَبَتُّل اُلٹ ہو جاتا ہے۔ خدا سے کٹ کر بنی نوع انسان سے تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ رخ بالکل پلٹ جاتا ہے۔ پس فرمایا۔

”۔۔۔ جو خدا سے قطع کراتی ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا خوف دل میں ہو اور اس کی عظمت اور جبروت کی حکومت کے ماتحت انسان ہو پھر اس کو کسی دوسرے کی پرواہ کیا ہو سکتی ہے وہ کیا کہتا ہے کیا نہیں؟ ابھی اُس کے دل میں لوگوں کی حکومت ہے نہ خدا کی۔ جب یہ مشرکانہ خیال دل سے دور ہو جاوے پھر سب کے سب مردے اور کیڑے سے بھی کم تر اور کمزور نظر آتے ہیں۔ اگر ساری دنیا مل کر بھی مقابلہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں کہ ایسا شخص حق کو قبول کرنے سے رک جائے۔ تَبَتُّل تام کا پورا نمونہ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے ماموروں میں مشاہدہ کرنا چاہئے کہ وہ کس طرح دنیا داروں کی مخالفتوں کی باوجود پوری بے کسی اور ناتوانی کے پرواہ تک نہیں کرتے۔ اُن کی رفتار اور حالات سے سبق لینا چاہئے۔“

قرآن کریم میں انبیاءؑ کے حالات کا مطالعہ کریں بلا استثناء ہر نبیؑ جب وہ خدا کی خاطر ساری قوم سے کاٹا جاتا ہے اور ساری قوم اس کے مخالف اور اس کے مٹانے کے در پہ ہو جاتی ہے تو متبتل کا عظیم پاک نمونہ دکھاتا ہے۔ پس تَبَتُّل تام وہ ہے جس کے ساتھ امتحان بھی شامل ہو۔

ایک تَبَتُّل وہ ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ ایک اندرونی کیفیت کا نام ہے اور تَبَتُّل حاصل کرنا بھی بڑا مشکل ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہمیشہ ٹٹولتا رہے اور دیکھتا رہے کہ کہاں کہاں اس کا تعلق ابھی بنی نوع انسان کے کسی حصہ سے یا دنیاوی

خواہشات کے کسی حصے سے ہے اور ہر جگہ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اپنے نفس کی صحت کا انتظام کرتے ہوئے اس تعلق کے چھلکے کو الگ کرتا رہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے اگلا قدم سمجھا رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ تَبَتُّل اور توکل کے درمیان ایک امتحان کا مقام ہے اور تَبَتُّل کا سچا ہونا امتحان کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تشریح کی روشنی میں جب ہم آپ کے اس کلام کا مطالعہ کرتے ہیں کہ تبتل کا اعلیٰ اور پاک اور سچا نمونہ خدا کے انبیاءؑ دکھاتے ہیں تو یہ سو فیصدی درست بات ہے کیونکہ ہر نبی کے تَبَتُّل کے ساتھ ایک امتحان لگا ہوتا ہے اور اس کا تَبَتُّل بار بار آزمایا جاتا ہے اور ایسے خوفناک طریقوں پر آزمایا جاتا ہے کہ عام انسان کے بس میں نہیں کہ اتنے شدید مخالفانہ حالات کا اس طرح مستحکم ہو کر مقابلہ کر سکے۔ ایک درخت پر جس طرح آندھیاں چلتی ہیں اگر وہ زمین میں پیوست اور مستحکم نہ ہو تو جڑوں سے اکھیڑا جاتا ہے۔ اسی طرح انبیاءؑ پر خدا کے اقرار کے بعد اور خدا کی توحید کے اعلان کے بعد آندھیاں چلتی ہیں اور وہ اس امتحان میں اسی طرح پورے اُترتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حم السجدہ: ۳۱)

کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم خدا کے ہیں اور خدا ہمارا رب ہے وہ معاً آزمائے جاتے ہیں۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ اُس آزمائش پر پھر وہ پورا اترتے ہیں اور استقامت دکھاتے ہیں۔ یہ کہنا کہ رب ہمارا ہے اس میں استقامت کا کیا سوال ہے؟ استقامت کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس رب کہنے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے نزول کے درمیان کچھ واقعات گزر گئے ہیں۔ کچھ شدید آزمائشیں آن پڑی ہیں، مخالفتوں کی آندھیاں چلائی گئی ہیں اور ان کے قدم اکھیڑنے کی کوشش کی گئی ہے تب وہ اپنے قدموں میں قائم رہتے ہیں ایک ذرہ بھی اپنے اقرار سے اور اپنے ایمان سے ٹلتے نہیں۔ اس کے نتیجہ میں پھر توکل کا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ توکل محض ایک فرضی توکل نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اللہ کی طرف سے ان پر بکثرت فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔ ہرگز کسی خوف کا مقام نہیں، کسی غم کا مقام نہیں، خدا تمہارے

ساتھ ہے، خدا نے ہمیں تمہاری حفاظت کے لئے بھیجا ہے۔ تو تَبَتُّل کا مضمون یہ وہ ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انبیاءؑ میں اس کو تلاش کرو۔ فرماتے ہیں کہ انبیاءؑ اور خدا کے ماموروں میں مشاہدہ کرنا چاہئے کہ تَبَتُّل تام کیا ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:۔

> ''۔۔۔بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں ایسے لوگ جو برا نہیں کہتے مگر پورے طور پر اظہار بھی نہیں کرتے محض اس وجہ سے کہ لوگ برا کہیں گے کیا اُن کے پیچھے نماز پڑھ لیں؟ میں کہتا ہوں ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ ابھی تک اُن کے قبول حق کی راہ میں ایک ٹھوکر کا پتھر ہے اور وہ ابھی تک اسی درخت کی شاخ ہیں جس کا پھل زہریلا اور ہلاک کرنے والا ہے۔۔۔''

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تَبَتُّل کے بغیر دنیا پر انحصار کی زندگی کو شرک قرار دے رہے ہیں اور شرک کی حقیقی اور آخری تعریف یہی ہے کہ خدا پر کسی اور چیز کا مقدّم کیا جائے ۔ یہ وہ درخت ہے جس کا پھل زہریلا ہے۔ یہ وہ درخت ہے جس سے حضرت آدمؑ کو منع فرمایا گیا تھا۔ اسی درخت کی طرف اشارہ کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: اس زہریلے درخت سے اس کا تعلق ٹوٹا نہیں تو اس کے پیچھے تمہاری نمازیں کیسے صحت مند ہو جائیں گی۔ وہ ابھی تک اسی درخت کی شاخ ہیں جس کا پھل زہریلا اور ہلاک کرنے والا ہے۔

یاد رکھیں یہاں فرقہ مراد نہیں ہے۔ نہ کسی مذہب کی طرف اشارہ ہے۔ اسی درخت کی بات ہو رہی ہے جسے حضرت آدمؑ کے زمانہ میں حضرت اقدس جل شانہٗ نے زہریلا اور ناپاک اور ممنوعہ درخت قرار دیا تھا۔ اسی درخت کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے فرما چکے ہیں۔ فرماتے ہیں یہ ایسا درخت ہے کہ اس کی شاخ کو زہریلے پھل لگیں گے، کوئی میٹھا پھل نہیں لگ سکتا۔ پھر فرمایا۔

''۔۔۔اگر وہ دنیاداروں کو اپنا معبود اور قبلہ نہ سمجھتے۔۔۔'' اس سے ثابت ہوا کہ اشارہ شرک کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ پر غیر اللہ کو ترجیح دینے کا ذکر فرما رہے ہیں۔

> ''۔۔۔اگر وہ دنیا داروں کو اپنا معبود اور قبلہ نہ سمجھتے تو ان سارے حجابوں کو چیر کر باہر نکل آتے اور کسی کے لعن طعن کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے

اور کوئی خوف شماتت کا انہیں دامنگیر نہ ہوتا بلکہ وہ خدا کی طرف دوڑتے پس تم یاد رکھو کہ تم ہر کام میں دیکھ لو کہ اس میں خدا راضی ہے یا مخلوق خدا۔ جب تک یہ حالت نہ ہو جاوے کہ خدا کی رضا مقدم ہو جاوے اور کوئی شیطان اور رہزن نہ ہو سکے اس وقت تک ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہے لیکن جب دنیا کی برائی بھلائی محسوس ہی نہ ہو بلکہ خدا کی خوشنودی اور ناراضگی اس پر اثر کرنے والی ہو یہ وہ حالت ہوتی ہے جب انسان ہر قسم کے خوف وحُزن کے مقامات سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہماری جماعت میں شامل ہو کر پھر اس سے نکل بھی جاتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کا شیطان اس لباس میں ہنوز اس کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اگر وہ عزم کر لے کہ آئندہ کسی وسوسہ انداز کی بات کو سنوں گا ہی نہیں۔ تو خدا اسے بچالیتا ہے۔ ٹھوکر لگنے کا عموماً یہی سبب ہوتا ہے کہ دوسرے تعلقات قائم تھے۔ اُن کو پرورش کے لئے ضرورت پڑی کہ ادھر سے سست ہوں۔ سستی سے اجنبیت پیدا ہوئی۔۔۔''

مراد یہ ہے کہ جب دوسرے تعلقات ابھی قائم رہیں اور اُن شاخوں کو انسان سرسبز رکھنا چاہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو بیان فرمار ہے ہیں۔ ان کو تازہ کرنے کے لئے ضرورت پڑی کہ ادھر سے سست ہوں تو وہ زندگی کا چشمہ جو انسان کے دل سے پھوٹتا ہے وہ بیک وقت دو رخوں پر نہیں بہہ سکتا۔ جس طرح زمیندار کھالے کے آگے بند باندھ کر ایک کھیت سے تعلق توڑتا ہے تو پھر دوسرے کھیت کو پانی دیتا ہے۔ بالکل وہی مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرمار ہے ہیں کہ ادھر ضرورت پڑی تو ادھر سے سستی ہو گئی۔ خدا کا تعلق کاٹ کر پھر دنیا کے تعلقات کو سنبھالا جارہا ہے اور ان کی نشو ونما کی جارہی ہے۔ ''سستی سے اجنبیّت پیدا ہوئی'' جب خدا سے تعلق میں سستی پیدا ہو تو اس سے اجنبیت آجاتی ہے۔''

پھر فرماتے ہیں۔

''پھر اس سے تکبر اور پھر انکار تک نوبت پہنچتی ۔۔۔ تَبَتُّل کا عملی نمونہ ہمارے پیغمبر خدا ﷺ ہیں۔ نہ آپؐ کو کسی کی مدح کی پرواہ نہ ذم کی۔ کیا

کیا آپ کو تکالیف پیش آئیں مگر کچھ بھی پرواہ نہیں کی کوئی لالچ اور طمع آپ کو کام سے روک نہ سکا جو آپ خدا کی طرف سے کرنے آئے تھے۔ جب تک انسان اس حالت کو اپنے اندر مشاہدہ نہ کرلے اور امتحان میں پاس نہ ہولے کبھی بھی بے فکر نہ ہو پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص متبتل ہوگا متوکل بھی وہی ہوگا۔۔۔''

پھر اس آیت کریمہ کے آخر پر جو میں نے ابھی تلاوت کی تھی اللہ تعالیٰ تَبَتُّل کے بعد توکل الیہ کا مضمون بیان فرماتا ہے۔ ادھر تبتل کرو اُدھر توکل کرو اور یہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ بعض دفعہ توکل کے نتیجہ میں تَبَتُّل پیدا ہوتا ہے اور بعض دفعہ تَبَتُّل کے نتیجہ میں توکل پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں مضمون بعض دفعہ ایک دم بیک وقت اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ ایک انسان کے لئے تفریق کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن اگر آپ اپنے نفس کے حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے عادی ہوں اور اپنی نیتّوں کی کنہہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان باوجود اس خوف کے دنیا سے قطع تعلق کرتا ہے کہ اس کے بعد کوئی بھی اس کا سہارا نہیں رہا۔ وہ ایک قسم کا خلاء میں چھلانگ مارتا ہے اور اس چھلانگ لگانے کے نتیجہ میں وہ خدا کے پیار کے ہاتھوں میں آجاتا ہے اور وہ پیار کے ہاتھ اسے گرنے سے بچا لیتے ہیں۔ پس بعض دفعہ تَبَتَّلْ پہلے پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں توکل پیدا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ توکلّ ایک صاحب عرفان کو اتنا گہرائی کی حد تک نصیب ہوتا ہے کہ اس کے لئے تَبَتَّلْ کے معنی کوئی نہیں رہتے۔ اور تَبَتَّلْ توکل کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ وہ جسے ہر طرف خدا ہی خدا دکھائی دینے لگے اور اس کے سوا ہر دوسری چیز بے حقیقت اور بے معنی نظر آنے لگ جائے اور دل کو محسوس ہونے لگ جائے تو اس کا تبتّل ایک طبعی تبتّل ہے۔ اُس کے تعلقات غیر اللہ سے کمزور پڑتے پڑتے از خود بالکل مٹ جاتے ہیں اور ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جو شخص متبّتل ہوگا متوکلّ بھی ہوگا۔

''گویا متوکل ہونے کے واسطے متبتل ہونا شرط ہے کیونکہ جب تک اوروں کے ساتھ تعلقات ایسے ہیں کہ اُن پر بھروسہ اور تکیہ کرتا ہے۔ اُس وقت تک خالصۃً اللہ پر توکل کب ہو سکتا ہے۔ جب خدا کی طرف انقطاع کرتا

ہے۔تو وہ دنیا کی طرف سے توڑتا ہے اور خدا میں پیوند کرتا ہے اور یہ تب ہوتا ہے جبکہ کامل توکل ہو۔۔۔‘‘

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فقرے میں دونوں کنارے بیان فرما دیئے ہیں اور یہ جو مضمون ہے یہ روزمرہ کی زندگی میں ایسے لوگوں پر بھی صادق آتا ہے تا کہ اُن کو خدا کے پیار کے نمونے دیکھنے اور ان کو سمجھنے کی توفیق ملے جن کا کامل تَبَتُّــل نہیں ہوتا لیکن کسی ایک موقع پر وہ آزمائش پر پورا اترتے ہیں۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو کہ جہاں احمدی ہوں اور اُن کو یہ تجربے نہ ہوئے ہوں۔ مجھے بعض دفعہ خطوں کے ذریعہ لوگ ان تجارب سے مطلع کرتے ہیں اور ان کی تحریر میں ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے۔وہ کہتے ہیں فلاں وقت تھا جب دنیا کا ایک سہارا تھا جس کے متعلق ہم جانتے تھے کہ یہ سہارا جھوٹ کے بغیر اختیار کرنا ممکن نہیں اور خدا کے حکموں کی نافرمانی کے بغیر اس بچاؤ کی تدبیر کو ہم اختیار نہیں کر سکتے تھے۔اس وقت ہم بڑی آزمائش میں پڑے۔

آخر یہ فیصلہ کیا کہ جو ہوتا ہے ہو گزرے لیکن ہم خدا کے فرمان کو توڑتے ہوئے اس پناہ میں نہیں آئیں گے۔کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ ہوا اور اچانک حالات ایسے بدلے کہ جو ناممکن دکھائی دیتا تھا وہ ممکن ہو گیا اور ہر وہ شخص جس کے ساتھ بچاؤ کے امکانات وابستہ تھے لیکن جو پہلے دشمن تھا، جو پہلے صریح مخالف تھا اُس کے دل میں پاک تبدیلیاں ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ عجیب معجزہ ہوا کہ وہ لوگ جو پہلے مخالفانہ کوششیں کر رہے تھے وہ تائید میں کوشش کرنے لگے۔یہ مضمون اس طرح بھی صادق آتا ہے بالکل ناممکن دکھائی دینے والے کام پر وہ غیب سے ممکن ہو کر ابھرتے ہیں اور انسان اپنے خدا کو نئی صورت میں پاتا ہے اور اس فیض کے جلوؤں کو دیکھتا ہے۔یہ تبتّل کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے جبکہ ابھی توکل نہیں ہوا لیکن یہ نمونے اس لئے دکھائے جاتے ہیں تا کہ توکّل کے نتیجہ میں پھر تبتّل پیدا ہو۔جب انسان تبتّل کے بعد توکّل کو پالیتا ہے۔جب دیکھتا ہے کہ مجھے گرتے ہوئے کو خدا کے ایک غیبی ہاتھ نے سنبھال لیا تو پھر خدا کی خاطر گرنا طبیعت پر دوبھر نہیں ہوتا۔خدا کی خاطر ہر خطرے میں چھلانگ لگانے کے لئے اس کو آسمان سے ایک نئی طاقت عطا ہوتی ہے۔خدا کے فضل کے یہ جزوی نمونے اور اس کا ولی اور متوکّل بن جانا اس غرض سے ہے تا کہ مومن اس سے اگلے قدم اٹھائے

اور تَبَتُّل اور توکل کے اعلیٰ مقامات کی طرف آگے بڑھے۔ پھر فرماتے ہیں۔

> ”۔۔۔ جب خدا کی طرف انقطاع کرتا ہے تو وہ دنیا کی طرف سے توڑتا ہے اور خدا میں پیوند کرتا ہے اور یہ تب ہوتا ہے جبکہ کامل توکل ہو جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ کامل متبتّل تھے ویسے ہی کامل متوّکل بھی تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اتنے وجاہت والے اور قوم وقبائل کے سرداروں کی ذرّہ بھی پرواہ نہیں کی اور ان کی مخالفت سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔ آپؐ میں ایک فوق العادت یقین خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا اسی لئے اس قدر عظیم الشان بوجھ کو آپؐ نے اٹھا لیا اور ساری دنیا کی مخالفت کی اور ان کی کچھ بھی ہستی نہ سمجھی۔ یہ بڑا نمونہ ہے توّکل کا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ اس لئے کہ اس میں خدا کو پسند کر کے دنیا کو مخالف بنالیا جاتا ہے مگر یہ حالت پیدا نہیں ہوتی جب تک گویا خدا کو نہ دیکھ لے۔۔۔“

یعنی یہ اعلیٰ مقام جس میں توّکل تبتّل کا موجب بنتا ہے یہ تب ہوتا ہے جب انسان خدا کو دیکھ لیتا ہے۔

> ”۔۔۔ جب تک یہ امید نہ ہو کہ اس کے بعد دوسرا دروازہ ضرور کھلنے والا ہے۔ جب یہ امید اور یقین ہو جاتا ہے تو وہ عزیزوں کو خدا کی راہ میں دشمن بنالیتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ خدا اور دوست بنا دے گا۔ جائیداد کھو دیتا ہے کہ اس سے بہتر ملنے کا یقین ہوتا ہے۔۔۔“

یہ مضمون بھی ایسا ہے جو جماعت کے مشاہدہ میں روزمرہ آتا رہتا ہے۔ بہت سے احمدی ایسے ہیں جن میں سے کچھ مجھے لکھتے ہیں اور کچھ نہیں بھی لکھتے لیکن میں جانتا ہوں کہ جو خدا پر توّکل کرنے والے اور خدا کے خاص فیض کے مظہر احمدی ہیں ان کے چہرے بتا دیتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ وہ خدا کی خاطر مالی قربانی کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ غیب سے ایسے حالات میں جب ان کو کوئی توقع نہیں ہوتی ان کی ضرورتیں پوری فرما دیتا ہے اور بعض لوگوں کے ساتھ یہ مضمون روزمرّہ اس طرح جاری رہتا ہے کہ شاید ہی کوئی دن ہو جب وہ خدا کے فیض کے ایسے جلوے نہ دیکھیں۔ چنانچہ ان کا دل خدا کے لئے مالی قربانی پر اور خدا کی خاطر بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے پہلے سے زیادہ کشادہ

ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی حالت کو بیان فرما رہیں کہ جب وہ دیکھ لیتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ ایک جائیداد گئی تو خدا اس سے بہتر دوسری جائیداد ضرور دے گا۔ ایک مالی نقصان ہوا تو خدا اپنے فضل سے نقصان کو اس طرح پورا کرے گا کہ پہلے سے بہت بڑھ کر عطا فرمائے گا۔ پھر تبتّل کا ہونا توکّل کا ایک لازمہ ہے اور ان معنوں میں یہ دونوں لازم اور ملزوم بن جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

> ’’خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا ہی کی رضا کو مقدم کرنا تو تبتّل ہے اور پھر تبتّل اور توکّل توام ہیں۔ تبتّل کا راز ہے توکّل اور توکّل کی شرط ہے تبتّل یہی ہمارا مذہب اس امر میں ہے۔‘‘

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۷ صفحہ ۱ تا ۳ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء)

یہی عبارت ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۵۵۱ تا ۵۵۵ پر بھی درج ہے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عبارت پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

> ’’۔۔۔مرشد کامل کی ضرورت انسان کو ہے۔ مرشد کامل کے بغیر انسان کا عبادت کرنا اسی رنگ کا ہے جیسے ایک نادان و ناواقف بچہ ایک کھیت میں بیٹھا ہوا اصل پودوں کو کاٹ رہا ہے اور اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ وہ گوڈی کر رہا ہے۔۔۔‘‘

ہم نے بارہا ایسے نظارے دیکھے ہیں کہ کوئی اچھا سا پودا بہت پیار کے ساتھ گھر میں نصب کیا تو آ کر دیکھا کہ بچے اس کی کھدائی کر رہے ہیں۔ شاخیں کاٹ رہے ہیں اور ان کے اس حفاظتی اقدام کے بعد جو وہ اپنی طرف سے اس پودے کی حفاظت کی خاطر کر رہے ہوتے ہیں اس پودے کے بچنے کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ بالکل مضمحل ہو جاتا ہے۔ نڈھال ہو کر گر پڑتا ہے اور ان کی وہ گوڈی ختم ہی نہیں ہو رہی ہوتی تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی ایسا ہی نظارہ دیکھا ہے اور وہ نظارہ اس موقع پر یاد آ گیا ہے کہ بعض لوگ ایک صاحب عرفان آدمی کو اپنا مطاع بنائے بغیر مرشد پکڑے بغیر اپنی ذات سے اس رنگ میں عبادت کرتے ہیں کہ ان کی جان ہلکان تو ہو جاتی ہے لیکن نہ انہیں تبتّل نصیب ہوتا ہے اور نہ انہیں توکّل عطا ہوتا ہے اور ایک طرف سے اگر کاٹے جاتے

ہیں تو دوسری طرف پیوست نہیں ہوتے۔ پس ایک نادان بچے کی گوڈی کا معاملہ ہے جو اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں

”۔۔۔اپنے خیال میں سمجھتا ہے وہ گوڈی کر رہا ہے۔ یہ گمان ہرگز نہ کرو کہ عبادت خود ہی آجائے گی۔ نہیں جب تک رسول نہ سکھلائے انقطاع الی اللہ اور تَبَتُّل تام کی راہیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔۔۔“

پھر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشکل کام کیونکر حل ہو۔ اس کا علاج خود بتلایا۔

اس کے بعد یہ مضمون استغفار میں داخل ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ھود:۴)

یاد رکھو کہ دو چیزیں اس امت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے۔ دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔

قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔۔۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ:۵)

میں ہم خدا سے جو استعانت کرتے ہیں یہ وہی مضمون ہے فرمایا۔

”۔۔۔صوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے ورزش کرنے سے مثلاً مگدروں اور موگریوں کے اٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے اسی طرح پر روحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ روح کو ایک قوت ملتی ہے اور دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے جسے قوت لینی مطلوب ہو وہ استغفار کرے۔“ (ملفوظات جلد ۲ صفحہ: ۶۶۔۶۷)

اس مضمون کا تعلق اپنی نفسانی خواہشات سے علیحدگی سے ہے۔ اس مضمون کا تعلق ایسے انسان سے ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ اس میں ارادہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس میں خواہش بیدار ہوگئی ہے کہ میں ان تعلقات کو خدا کی خاطر اس طرح توڑ دوں کہ یہ تعلقات خدا کے

تابع ہو کر قائم رہیں۔خدا سے آزاد رہ کر قائم نہ ہوں۔یہ تبتّل کا مضمون ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ استغفار کے بغیر یہ ممکن نہیں اور وہ مرشد کامل جس کو ہم نے پکڑا ہے وہ تمام بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ استغفار کرنے والا تھا۔ بعض نادان جاہل معاندین اسلام آنحضرت ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اتنے استغفار جو کیا کرتے تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی گناہ گار تھے۔ان جاہلوں کو پتا نہیں کہ استغفار نہ کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔استغفار کے بغیر گناہ سے نجات ممکن ہی نہیں ہے۔گناہ کے خلاف سب سے طاقتور دفاع استغفار ہے جو شخص ہر وقت استغفار میں مصروف رہتا ہے اس سے گناہ کی اہلیت چھین لی جاتی ہے۔اس کی گناہ کی طاقت مر جاتی ہے کیونکہ استغفار میں ہر وقت خدا کی طرف یہ توجہ ہے کہ اے خدا! مجھے اس بدی سے بھی بچا،اس بدی سے بھی بچا، اپنی امان میں لے، اپنی حفاظت میں رکھ، اپنی رضا کی چادر اوڑھا دے اور میرے بنی نوع انسان سے تعلق اسی حد تک قائم رہیں جس حد تک تیری رضا ہے۔اس رضا سے باہر میرا ہر تعلق کاٹا جائے۔جو شخص دن رات یہ دعائیں کرتا ہے نفسیاتی لحاظ سے اس کے لئے گناہ کی گنجائش ہی کوئی نہیں رہتی کیونکہ گناہ سے تعلق کے لئے دل میں ایک خواہش کا پیدا ہونا ضروری ہے۔اس خواہش کی انسان پہلے اپنی سوچوں میں پرورش کرتا ہے اس کو طاقت دیتا ہے یہاں تک کہ وہ توانا ہو کر دل میں اچھلتی ہے اور عمل میں چھلانگ لگانے کی کوشش کرتی ہے۔تب دماغ اس کے ساتھ شامل ہو کر اس کے لئے تدبیر کرتا ہے، اس کو سمجھاتا ہے، بتاتا ہے کہ اس خواہش کو عمل میں ڈھالنے کے لئے تمہیں یہ یہ طریق اختیار کرنے چاہئیں۔اس طرح گناہ پرورش پا کر ایک ایسے بچے کی طرح وجود میں آجاتا ہے جو ماں کے پیٹ سے اپنی مدت پوری کر کے پیدا ہوتا ہے۔اس طرح جب یہ گناہ کے تابع ہوتا چلا جاتا ہے۔یہ جو کیفیات ہیں ان کی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بہت سی منازل ہیں۔بہت سے مرحلے ہیں جن مرحلوں سے خواہشات گزر کر پھر گناہ بنتی ہیں۔ استغفار ان کی جڑ پر تبر رکھتا ہے اور یہ وہ گوڈی ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا۔بظاہر ایک ایسا مضمون بیان فرمایا جس کا بعد میں بیان کئے جانے والے مضمون استغفار سے تعلق نہیں تھا اور ایک آدمی جو سرسری نظر سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کا مطالعہ کرتا ہے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ابھی تو گوڈی کی باتیں کر رہے تھے، ابھی استغفار کی باتیں شروع

کر دیں۔ پہلے فرما رہے تھے کہ رسول سے سیکھو۔ اب یہ رسول کا ذکر کوئی نہیں اور قرآن کریم کا ذکر فرما دیا۔ ان تینوں باتوں میں کیا تعلق ہے جیسا کہ میں نے آپ کو سمجھایا ہے اگر آپ گہرائی کے ساتھ غور کریں تو ایک ہی مضمون کے مختلف مراحل ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرمارہے ہیں اور آنحضورﷺ کے استغفار کے تعلق کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کثرت سے بیان فرمایا ہے کہ اس گفتگو میں جو مجلس میں ہو رہی تھی آپ نے اپنی جماعت پر یہ حسن ظنی فرمائی اور درست حُسن ظنی فرمائی کہ جب میں استغفار کہوں گا تو سب سے پہلے ان کا ذہن حضرت اقدس محمدﷺ کی طرف منتقل ہوگا اور استغفار میں گوڈی کا جو مضمون ہے وہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہا پہلے بیان فرما چکے ہیں۔ پس استغفار ناپاک خواہشات کی گوڈی کرتا ہے اور اُن کو انسان کے نفس کی زمین سے اکھیڑ کر باہر پھینک دیتا ہے اور بیجوں کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے اوپر مٹی ڈالتا ہے یعنی نیک اور پاک نیتوں کی حفاظت کرتا ہے اور نیک اعمال کو قوت دیتا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرمارہے ہیں کہ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف کمزوری کے خلاف، گناہ کے خلاف انسان کے اندر یہ طاقت ہونا کہ اُس سے اپنے آپ کو کاٹ کر الگ کرے اور دوسری طرف نیکیوں کے لئے مثبت طاقت عطا ہونا۔

پس استغفار کے نتیجہ میں دونوں باتیں حاصل ہو رہی ہوتی ہیں۔ ایک طرف ناپاک پودے اکھیڑ کر پھینکے جا رہے ہیں دوسری طرف پاکیزہ پودوں کے لئے ان کو چوروں اور ڈاکوؤں سے بچا کر لٹیروں سے محفوظ کر کے نشو ونما کے سامان پیدا کئے جا رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر مختلف جگہ مختلف رنگ میں روشنی ڈالی ہے۔

اب میں آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ اس تبتّل کے بعد جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا پھر بنی نوع انسان کی طرف جھکنا ضروری ہو جاتا ہے لیکن وہ تعلق ایک اور رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ تو تَبَتُّــــل کے معنی خدا کی مخلوق سے نفرت تو ہرگز نہیں ہیں۔ محبت ہے لیکن محبت کو درست کرنا اور صحت مند بنانا اور خدا کے تابع کر دینا۔ جب انسان کے تمام جذبات اور اس کی کیفیات اور اس کے خیالات اور اس کی نیتیں کلیۃً خدا کے تابع ہو کر خدا کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں تو پھر بنی نوع انسان اور خدا کی مخلوقات کا ایک نیا عرفان اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ خدا کی نظر سے اور خالق کی نظر سے ان

چیزوں کو دیکھتا ہے اور خلق کی نظر سے دیکھنا اور مخلوق کی نظر سے دیکھنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک انسان جب ایک مخلوق کی حیثیت میں دوسری مخلوق سے اپنے تعلقات قائم کرتا ہے تو اس میں ہمیشہ یہ خوف دامنگیر رہتا ہے کہ خدا کی کسی اور مخلوق سے جس سے کم تعلق ہے اپنے تعلق کی خاطر انسان ظلم نہ کرے۔ اس سے ناانصافی کا برتاؤ نہ کرے کیونکہ مخلوق تو ساری خدا کی ہے۔ ایک مخلوق پسندیدہ ہوگئی۔ ایک اس کے مقابل پر مغضوب بن گئی۔ ایک مخلوق کی محبت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسری مخلوق کو معیوب بنایا گیا یا اس کی نفرتیں بو دی گئیں؟ کیونکہ انسان کا تعلق ایک مخلوق سے ایک غیرت کا تعلق ہے۔ مخلوق ہونے کے نتیجہ میں ہم جنسی کا بھی تعلق ہے لیکن اس کے باوجود دوسری مخلوق غیر رہتی ہے۔ جب انسان خالق کی نظر سے مخلوق کو دیکھتا ہے تو ایسے ہے جیسے ماں کی نظر سے بچوں کو دیکھ رہا ہو۔ جیسے ایک تخلیق کرنے والا اپنی سب تخلیق کو پیار کی نظر سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس کی اس محبت کے نتیجہ میں اس کی بعض تخلیقات کو بعض دوسری تخلیقات سے کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو عارف باللہ ہیں اور ان تمام مراحل سے گزرے ہوئے ہیں وہ ان کیفیات کو اندر سے جانتے ہیں۔ آپ اپنے ایک عربی کلام میں فرماتے ہیں اور اس میں اس مضمون کو اور زیادہ آگے بڑھا دیا گیا۔

العاقلون بعالمین یرونہ
والعارفون بہ رَأَوُ اشیاء (القصائد الاحمدیہ صفحہ:۲۲۹)

فرمایا ہے کچھ عالمین ہیں اور عالمین وہ ہیں جو خدا کی مخلوق پر اس طرح غور کرتے ہیں کہ مخلوق خدا اُن کو خدا کی طرف لے جاتی ہے۔ تعلق باللہ مخلوق سے ایک عام تعلق کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور گہرائی سے اس کا مطالعہ ان کو خدا کی طرف لے جاتا ہے۔ فرمایا۔ **والعارفون بہ رأَوُ اشیاء**۔ لیکن عارف وہ ہوتا ہے جو خدا کو پالینے کے بعد پھر خدا کی نظر سے اُن چیزوں کو دیکھنے لگ جاتا ہے۔ پہلے علم نے مخلوق کی نظر سے اس کو خدا کی طرف راہنمائی کی جیسا کہ **اولی الالباب** والی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ خدا کی مخلوقات پر غور کیا ہر مخلوق خدا کی طرف انگلی اٹھا رہی ہے۔ اسی کی طرف اشارے کر رہی ہے۔ اسی کی طرف چلے جانے کا اعلان کرتی یا ہدایت کرتی چلی جاتی ہے۔ پھر خدا کو پالیتا ہے تو مخلوق سے قطع تعلق وائمی نہیں ہو جاتا بلکہ دائمی ہو جاتا

ہے لیکن اصلاح شدہ تعلق ۔ وہ تعلق جیسا خدا کو اپنی مخلوق سے تعلق ہے ویسا تعلق بن جاتا ہے۔ کتنا گہرا عارفانہ شعر ہے۔

العا قلون بعالمین یرونہ
والعارفون بہ رَأَوْ اشیاء

پھر جب انسان عرفان کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ عارف باللہ بن جاتا ہے تو پھر اللہ کی نظر سے ساری مخلوق کو دیکھنے لگ جاتا ہے۔

اِنَّا غمسنا من عناية ربنا
فى النور بعد تمزق الا هواِ (القصائد الاحمدیہ صفحہ:۲۳۰)

ہم نے اپنے رب اللہ کی عنایت سے، فی النور ، خدا کے نور میں غوطے لگائے بعد تمزق الا ھو اء اور یہ غوطے تب لگائے جب اپنی ھواو نفس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ان سے کلیۃً تعلق توڑ یا۔

انی شربت کئُوسَ موت للھدٰی
فو جدت بعد الموت عین بقاء (القصائد الاحمدیہ صفحہ:۲۳۱)

میں نے موت کے پیالے پر پیالے پیئے للھدی: ہدایت کی خاطر۔ فو جد ت بعد الموت عین بقاء پس موت کو اختیار کرنے کے بعد میں نے آب بقا کا چشمہ حاصل کیا۔ بقا کا پانی، بقا کا سرچشمہ مجھے اس موت کو اختیار کرنے کے بعد نصیب ہوا۔ فرمایا:

یا ایھا الناس اشربوا من قر بتی
قد ملیٔ من نور المفیض سقائی (القصائد الاحمدیہ صفحہ:۲۳۱)

اے بنی نوع انسان آؤ اور میری مشک سے خوب پانی پیو۔ قد ملیٔ من نور المفیض سقائی کیونکہ یہ مشک فیضان کرنے والے خدا کے نور سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں دنیاوی تعلقات کی کوئی ملونی باقی نہیں رہی۔

یہ بنی نوع انسان کی طرح وہ لوٹنا ہے جسے تَدَلّٰی کہا جاتا ہے دَنَا فَتَدَلّٰی ۔ جب حضرت محمد ﷺ نے خدا کی طرف رجوع کیا اور خدا کا فیضان حاصل کیا۔ خدا نما بن گئے ۔ سارے خدا کو اپنے وجود میں اس طرح داخل فرمالیا کہ غیر اللہ کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ آپ کا ہاتھ اٹھتا تھا تو خدا

کا ہاتھ اٹھتا تھا۔ آپ کی نظر کسی پر پڑتی تھی تو خدا کی نظر پڑتی تھی۔ آپ کا دل کسی کی طرف مائل ہوتا تھا تو خدا کا دل مائل ہوتا تھا۔ آپ کا دل کسی سے اچاٹ ہوتا تھا تو خدا کا دل اچاٹ ہوتا تھا۔ یہ وہ کیفیت تھی جس کے بعد آپ بنی نوع انسان کی طرف دوبارہ جھکے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ہی کی غلامی سے یہ فیض پایا اور ایک دفعہ پھر دنیا کو دَنَا فَتَدَلّٰى کا یہ نظارہ دکھایا ہے۔ جماعت احمدیہ اگر ابدی زندگی چاہتی ہے۔ اگر جماعت احمدیہ دعوت الی اللہ کا حق ادا کرنا چاہتی ہے تو اس مضمون کو پوری طرح سمجھ کر اسے دلوں پر، اپنے دماغوں پر، اپنے اعمال میں جاری کر دیں پھر دیکھیں کہ آپ خدا کے ہو جائیں گے اور خدا آپ کا ہو جائے گا اور دنیا کا کوئی تعلق اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا۔

خدا کی رضا کی خاطر کی گئی مالی قربانی ہر موسم میں پھل لاتی ہے۔

اخلاص کا معیار بڑھائیں چندہ خود بخود بڑھ جائے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍ جولائی ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۶﴾ (البقرہ:۲۶۶)

پھر فرمایا:-

جماعت احمدیہ کا ایک مالی سال ختم ہوا اور جماعت اب اپنے دوسرے مالی سال میں داخل ہو چکی ہے یعنی ۳۰؍ جون پر جس سال کا اختتام ہوا اس کے بعد یکم جولائی سے دوسرا مالی سال شروع ہو چکا ہے۔ اس مالی سال کی تطبیق بعض دوسرے مالی سالوں کے ساتھ نہیں ہوتی۔ مثلاً تحریک جدید ہے اس کا مالی سال مختلف وقت میں شروع ہوتا ہے اور وقف جدید ہے اس کا مالی سال بھی ایک اور وقت میں شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح مختلف تحریکات ہیں جن کے مالی سال اس وقت سے شروع ہوتے ہیں جب وہ تحریک شروع کی گئی لیکن جماعت کے سامنے اعداد و شمار رکھنے کی خاطر ہم نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ گزشتہ ایک سال میں جو بھی وصولی ہوئی ہے اس کو شمار کر لیا جائے تا کہ احباب جماعت کے سامنے گزشتہ مالی سال کی صورت حال واضح کی جا سکے۔ یعنی تحریک جدید کا سال خواہ کسی

وقت شروع ہو، کسی وقت ختم ہو جو تحریک جدید کا سال گزشتہ تھا اس کی آمد کو ایک سال کی آمد کے طور پر ان اعداد و شمار میں شامل کر لیا ہے۔ جو میں آپ کے سامنے پیش کروں گا اس سے پہلے قرآن کریم کی جس آیت کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۶۶ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ راہ کا لفظ تو محاورۃً بولا گیا ہے۔ لفظی ترجمہ اس کا یہ بنتا ہے کہ ان لوگوں کی مثال جو اپنے اموال ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ اللہ کی رضا چاہتے ہوئے رضا نہیں بلکہ رضائیں چاہتے ہوئے کثرت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا پر نظر رکھتے ہوئے اس کی حرص میں خرچ کرتے ہیں کہ شاید اس قربانی سے خدا کی رضا حاصل ہو جائے۔

تو رضا کی تمنا میں جب بھی توفیق ملتی ہے وہ مال خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اور اموال کے خرچ کا دوسرا مقصد اپنے نفسوں کو مضبوط کرنا ہے۔ آپ نے لفظ ثبات قدم سنا ہوا ہے۔ بار بار استعمال بھی کرتے ہیں۔ دعاؤں میں ثبات کا لفظ آتا ہے۔ ثبات سے مراد ہے مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جانا تو اس غرض سے وہ خرچ کرتے ہیں کہ اس سے اُن کے نفس مضبوط ہو جاتے ہیں اور قائم ہو جاتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی جنت کی سی ہے، ایسے باغ کی سی ہے جو ایک پہاڑی پر ہو، ایک اونچی جگہ پر واقع ہو۔ اَصَابَهَا وَابِلٌ اور اُسے موسلا دھار بارش پہنچے۔ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ایسی صورت میں ایسا باغ جو پہاڑی پر واقع ہوا سے موسلا دھار بارش بھی پہنچے تو نقصان نہیں ہوتا بلکہ دگنا پھل دیتا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ۔ اور اگر موسلا دھار بارش نصیب نہ ہو تو شبنم ہی اس کے کام آجاتی ہے اور اسی سے وہ باغ لہلہانے لگتے ہیں۔ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو تم کرتے ہو بہت جانتا ہے۔

یہاں مومنوں کے خرچ کے لئے دو ہی مقاصد پیش فرمائے گئے ہیں کوئی تیسرا مقصد بیان نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ بعض دوسری آیات میں جو اسی تسلسل میں ملتی ہیں ایسے مقاصد بھی پیش فرمائے جو ان کے علاوہ ہیں اور ان سب کو باطل قرار دیا گیا۔ ایسے مقاصد جن میں ریاء کسی کو خرچ کرنے کے بعد تکلیف پہنچانا، اس پر احسان جتانا اور اسی طرح بعض دوسری آیات میں ایک یہ مقصد

بیان ہوا ہے کہ دے کر زیادہ لیں۔ یہ وہ تمام مقاصد ہیں جن کو باطل مقاصد کے طور پر قرآن کریم بیان فرماتا ہے اور اس تسلسل میں جو آیات ملتی ہیں ان میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے سخت چٹان پر تھوڑی سی مٹی والی جگہ پر کوئی سبزی اُگ آئے اور جب زور سے بارش پڑے تو اس کی ساری مٹی بہہ کر اُٹھ جاتی ہے اور سبزی سمیت بہا کر لے جاتی ہے۔ پس یہ عارضی اور بے معنی ہے۔ اس کو ثبات کے مقابلے پر رکھا ہے۔ ثبات اس چیز کا ہوتا ہے جس کو کوئی زلزلہ، کوئی ٹھوکر، کوئی طوفان اپنی جگہ سے اکھاڑ نہ سکے تو جو دو مقاصد بیان ہوئے ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر جو لوگ خرچ کرتے ہیں ان کو لازماً ثبات نصیب ہوتا ہے اور ثبات کے نتیجہ میں ان کی کھیتی لہلہاتی ہے اور دوہرا پھل لاتی ہے اور خزاں کی حالت میں بھی پھل دیتی ہے۔ لیکن اگر بارش نہ ہو یا جب خشک سالی ہو تو اُس وقت ایسی جگہوں کے لئے شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے کیونکہ ایسے بلند مقامات، جیسا کہ نقشہ کھینچا گیا ہے وہاں کی مٹی عموماً پانی اپنے اندر جذب رکھتی ہے اور موسلا دھار بارش کا پانی آناً فاناً اڑ نہیں جاتا جیسا کہ پتلی سطح کی مٹی سے اڑ جایا کرتا ہے۔ آج بارش ہوئی کل وہ مٹی خشک دکھائی دیتی ہے جس کی سطح پتلی ہو یا ریتلی ہو لیکن اچھی مضبوط مٹی ہو اور گاڑھی مٹی ہو اُونچی جگہ پر واقع ہو تو اُس کو نہ زیادہ بارش سے نقصان نہ کم بارش سے نقصان۔

پہاڑ کی مثال کے بیچ میں ایک لفظ رَبْوَۃٍ رکھ کر عظیم الشان مضمون بیان فرما دیا گیا۔ اس میں ایک تو یہ تصویر کھینچی گئی ہے کہ مومن کی جو قربانیاں ہیں وہ بلند مرتبہ رکھتی ہیں۔ اُن کا اونچا مقام ہے، ان کی قربانیاں ایسی ہیں جیسے پہاڑی پر ایک باغ لگایا گیا ہو۔ اگر عام دوسرے باغ کی مثال ہوتی تو تیز بارش تو عام میدان کی فصلوں کو نقصان پہنچا دیا کرتی ہے۔ اچھی سے اچھی فصلیں بھی زیادہ بارش کے نتیجہ میں تباہ ہو جایا کرتی ہیں لیکن جو فصل پہاڑ پر واقع ہو وہ ضائع نہیں ہوا کرتی کیونکہ پہاڑ زائد پانی کو نیچے پھینک دیتا ہے اور بہتے پانی سے کبھی فصل کو نقصان نہیں ہوتا۔ چنانچہ جن پہاڑوں پر چائے کی فصل کاشت کی جاتی ہے وہ اسی وجہ سے کی جاتی ہے کہ چائے کو بہتا ہوا پانی چاہئے۔ ذرا پانی کھڑا ہوا اور چائے کی فصل تباہ ہو گئی لیکن بہتا ہوا پانی خواہ کتنی ہی بارش ہو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ قرآن کریم نے ایک لفظ رَبْوَۃٍ رکھ کر اس مضمون کو کیسی وسعت دے دی اور کیسی شان عطا کر دی ہے۔ یعنی مومن کی قربانی کا بلند مرتبہ بھی بیان فرما دیا اور پھر ثبات کے ساتھ اس مضمون کو جوڑ

دیا کیونکہ ثبات قدم میں ٹھوکر نہیں ہوتی ،کوئی ابتلاء کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔تو جس پانی کا ذکر فرمایا یہ ابتدائی حالت کا پانی ہے یعنی درمیانی بارش کا ذکر ہی نہیں فرمایا ایک موسلا دھار بارش کی انتہا ہے اور دوسری انتہاء خشک سالی کی ہے جہاں صرف شبنم گرتی ہے۔ثبات قدم اس کو کہتے ہیں کہ جب مثلاً خدا تعالیٰ کے فضل سے دولت کی ریل پیل اور خدا نے رزق کی موسلا دھار بارش برسائی ہو تب بھی مومن کی نیکیوں پر قدم مضبوط رہتا ہے اور کوئی ابتلاء اس کے دین کو،اس کے ایمان کو،اس کے اخلاص کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور جب غربت کی حالت ہو تو غربت کا رزق شبنم کی طرح ہے لیکن اس کے باوجود مومن کے ایمان اور اخلاص کو وہ شبنم بھی تقویت دے جاتی ہے۔نہ غربت کا ابتلاء اس کو نقصان پہنچاتا ہے۔نہ کثرت اموال کا ابتلاء اس کو نقصان پہنچاتا ہے اور دونوں حالتوں میں وہ کھیتی کونسی ہے جو اُگتی ہے۔وہ خدا کی خاطر خرچ کرنے کی کھیتی ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرماتا ہے کہ مومن وہ ہیں جو خوشحالی میں بھی خرچ کرتے ہیں اور تنگی میں بھی خرچ کرتے ہیں۔تو اس خوبصورت مثال میں جو قرآن کریم کے الفاظ میں میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے دراصل تنگی اور ترشی کا خرچ اور دولت کی فروانی کا خرچ سب شامل ہو گئے ہیں۔یہ مومن کو ثبات ہے کہ ہر حالت میں وہ خدا ہی کا رہتا ہے اور خدا ہی کی خاطر اس کی قربانیاں ہوئی ہیں۔

اموال اور ثبات کے تعلق میں ایک اور معنی یہ ہیں کہ **وہ لوگ جو خدا کی خاطر خرچ کرتے ہیں ان کو دنیا کے دوسرے عام ابتلاؤں میں بھی ٹھوکر پڑا نہیں کرتی اور لوگ جو خدا کی خاطر خرچ نہیں کیا کرتے وہ بظاہر کتنے ہی اخلاص کے دعوے کرتے ہوں ان کو جب بھی مشکل وقت پیش آئے ان کے قدم ڈگمگا جایا کرتے ہیں اور وہ پھسل جاتے ہیں۔تو اگر کسی مومن نے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں اسے ثابت قدم رکھے تو خدا تعالیٰ نے اس کا نسخہ بیان فرمادیا ہے کہ تم خدا کی خاطر خرچ کرو تو تمہیں ثبات قدم نصیب ہوگا۔**

پہلے مقصد اور دوسرے میں ایک گہرا تعلق ہے۔دو ہی نیک مقاصد بیان فرمائے گئے۔ بندوں کی رضا کا کہیں ذکر نہیں ہے۔اپنے نفس کی نرمی اور قلبی جذبات کے نتیجہ میں خرچ کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ وہ کوئی برا محرک نہیں ہے۔خدا تعالیٰ نے باطل محرکات میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔میرا

مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ خدا کی رضا کی خاطر انسان خرچ کرتا ہے۔ بعض دفعہ ایک غریب کی ہمدردی میں اپنے نفس سے مجبور ہو کر خرچ کر دیتا ہے۔ وہ خرچ بھی اچھا ہے لیکن چونکہ اس کے نتیجہ میں جزا نہیں ہے سوائے اس جزا کے جو انسان کے دل کو تسکین کی صورت میں ملتی ہے اس لئے اس کا یہاں ذکر نہیں فرمایا لیکن باطل مقاصد میں بھی اس کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ تو سوال یہ ہے یہ دو کیوں چنے گئے؟ وہ اصل خرچ جو خدا کی رضا میں جزاء کا مستحق ہوتا ہے وہ انہی دو مقاصد والا خرچ ہے اس کے سوا کوئی خرچ ایسا نہیں ہے جس کو جزا کے لائق قرار دیا گیا ہو۔

خرچ کرنا ہے تو اللہ کی رضا چاہو، بندوں کی رضا نہ چاہو، اپنے دل کی رضا نہ چاہو، اپنے اقرباء کی رضا نہ چاہو، کوئی اور رضا مقصود نہ ہو، مَرۡضَاتِ اللّٰہِ مقصود ہوں کہ بار بار خدا کی رضا نصیب ہو۔ خرچ کرتے وقت انسان مختلف کیفیات کے ساتھ خرچ کرتا ہے اور ان کیفیات میں خدا کی مختلف رضا حاصل ہوتی ہے۔ بظاہر ایک ہی خرچ ہے لیکن حقیقت میں خرچ کے ساتھ جو نیتیں شامل ہو رہی ہوتی ہیں جو جذبات شامل ہو جاتے ہیں وہ خرچ کی نوعیت بدلتے رہتے ہیں۔

آپ بھی اپنے چندوں پر غور کر کے دیکھیں۔ کبھی کوئی چندہ خدا کی خاص رضا کی خاطر کسی خاص ادا کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، کبھی کوئی چندہ خدا کی کسی اور رضا کی خاطر کسی اور ادا کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، کبھی اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ بچے بھوکے ہیں، ضرورتمند ہیں، کپڑوں کے محتاج ہیں اور انسان جانتے بوجھتے ہوئے کہ میرے بچوں کو سخت ضرورت درپیش ہے کچھ نہ کچھ خدا کی خاطر نکالتا ہے۔ وہ رضا کا ایک اور انداز ہے۔ ایک امیر آدمی ہے جس کے پاس دولت کی ریل پیل ہے وہ سرمایہ کاری کر سکتا ہے اور بڑے اچھے مواقع ہیں لیکن اپنے سرمایہ کاری کی خواہش کو پورا کرنے کے بجائے وہ اس میں سے ایک ٹکڑا نکال کر خدا کے حضور پیش کر دیتا ہے۔ ایک اور شخص ہے جس کے پاس جتنا روپیہ ہے اس نے کسی ایسے مقصد کے لئے رکھا ہوا ہے کہ آئندہ کسی ضرورت کے وقت کام آئے چنانچہ جب آواز آتی ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو تو اس وقت اس کے دل کی جو کیفیت ہے وہ خدا کی خاص قسم کی رضا کی طالب ہو جاتی ہے۔ تو یہ تین بڑی بڑی مثالیں ہیں لیکن اس کی تفصیل کے ساتھ بہت سی قسمیں بیان کی جاسکتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہر خرچ کرنے والا اگر خدا کے تعلق میں خرچ کرتا ہے تو اس کے دل کی ایک خاص کیفیت ہوا کرتی ہے۔ وہ کیفیت اس قربانی کو ایک خاص رنگ

عطا کر دیتی ہے اور وہ جو مضمون ہے وہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ اللہ کی مرضیاں حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ خرچ کے محل مختلف ہوتے ہیں، مواقع مختلف ہوتے ہیں لیکن مقصود ایک ہی رہتا ہے۔

دوسرا ہے۔ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اپنے نفس سنبھالنے اور مضبوط کرنے کے لئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی خاطر چندے دیتے ہیں ان کے پیش نظر یہ بات بھی ہوتی ہے کہ ہماری مالی قربانیوں کے نتیجہ میں ہمیں ثبات قدم نصیب ہو۔ ہم مستقل خدا کے ہوئے رہیں، غیر ہمیں خدا سے چھین کر نہ لے جا سکے اور یہ دونوں مقاصد ہیں جو بڑی شان کے ساتھ پورے ہوتے ہیں اور جب آپ رَبْوَةٍ والی مثال میں پہنچتے ہیں تو وہاں آپ کو اللہ کی رضا کا مضمون دکھائی دینے لگتا ہے اور ثبات قدم کا مضمون بھی دکھائی دینے لگتا ہے۔ وہ جو کھیتیاں نکلتی ہیں وہ قربانی کی کھیتیاں بھی ہیں اور جزا کی کھیتیاں بھی ہیں اور قرآن کریم نے اسی تعلق میں ایک اور مثال دی ہے کہ جو خدا کی خاطر ایک دانہ زمین میں بوتا ہے۔ مثال تو دانہ بونے کی دی ہے مگر مراد اس کی یہی ہے کہ جو خدا کی خاطر مثلاً ایک آنہ خرچ کرتا ہے، خدا کی خاطر ایک دانہ زمین میں بوتا ہے تو بعض دفعہ وہ سات بالیاں نکالتا ہے اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوتے ہیں تو ایک دانے کے سات سو دانے بن جاتے ہیں اور اگر ان سات سو دانوں کی جزا اس دنیا میں نصیب ہو جائے تو آپ اندازہ کریں کہ خدا کی خاطر قربانی کرنے والوں کے اموال میں کتنی برکت پڑ سکتی ہے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی پر اکتفا نہیں ہے جس کو چاہے اس کے علاوہ بھی بہت دیتا ہے اور پھر دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی دیتا ہے۔

اس مضمون پر غور کرتے ہوئے جب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کی مالی قربانی پر نظر کی تو مجموعی طور پر جماعت کا وہ چندہ جو ہمیں حالات سے اندازہ لگانا پڑتا ہے اور نظر آتا ہے آج اس سے سات سو گنا سے بھی زیادہ ہو چکا ہے یعنی یہ کھیتی ایک سو سال میں ۷۰۰ کی حد کو پار کر کے خدا کی لامتناہی عطا کی حد میں داخل ہو چکی ہے اور کوئی نسبت نہیں رہی اور وہ لوگ جو قربانیاں پیش کیا کرتے تھے ان کی اولادیں بھی، اگر آپ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے لے کر آج تک Trace کرتے ہوئے ان کی نشاندہی کرتے ہوئے، کھوج لگاتے ہوئے تلاش کریں تو ایسے ایسے بزرگوں کی اولادیں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں جن کا بمشکل گزارا

ہوا کرتا تھا مگر خدا کی راہ میں بڑی قربانی کرنے والے تھے۔آج ان کی اولادوں میں بعض لوگوں پر نظر ڈال کر میں بتاتا ہوں کہ وہ ایسے ہیں کہ جتنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جتنی قربانی ہوئی تھی ان میں سے ہر ایک اس سے زیادہ کر رہا ہے یعنی بعض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ساری جماعت کو جو تمام مالی قربانی پیش کرنے کی توفیق ملتی تھی آج ان بزرگوں کی اولادوں میں سے بعض ایسے صاحب دولت اور صاحب ثروت اور صاحب غنا لوگ ہیں جن کا دل غنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس زمانے کی ساری مالی قربانی کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر اکیلے پیش کر رہے ہیں لیکن سب کچھ بھی پیش کر دیں تب بھی اس مرتبے کو حاصل نہیں کر سکتے جو اس زمانے میں قربانی کرنے والے کا مرتبہ تھا۔اس پر اللہ کی رضا کی جو نظریں پڑتی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا کی جو نظریں پڑتی تھیں ان کی کیفیت بیان کرنا تو ممکن نہیں ہے لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ غرباء جنہوں نے اس زمانے میں دو پیسے بھی پیش کیے وہ ایسے تھے جنہوں نے آئندہ زمانوں میں اپنی اولاد کے مقدر جگا دیئے، ان کی اولاد میں دو کروڑ خرچ کرنے والے بھی پیدا ہوں گے تب بھی وہ اُن دو پیسوں کے مرتبے کو نہیں پاسکیں گے۔تو یہ خدا کی قبولیت کا سلسلہ ہے۔ وہ دانہ جس کو پھل لگا تھا اس کا اپنا ایک مقام ہے اس پر آپ نظر رکھا کریں۔جس دانے نے سات سو دانے پیدا کئے اور سات سو کو خدا نے پھر بڑھا کر بیشمار کر دیا۔وہ اصل دانہ اُن سب نعمتوں کا باپ ہے، بے شمار ان سب نعمتوں کی ماں ہے، سب کچھ وہ ہی ہے۔کثرت کے ساتھ پیدا ہونے والے وہ دانے اپنے اس دانے کا تو مقابلہ نہیں کر سکتے جس کا فیض پا کر بڑھے اور پھولے اور پھلے۔اس لئے وہ مالی قربانی کرنے والے جو آج ان اعداد و شمار کو سنیں گے اور جب ان کا دل حمد سے بھرے گا وہ ان بزرگوں کو دعاؤں میں یاد رکھیں جن کی قربانیوں نے یہ پھل لگائے۔ان کے اموال میں بھی برکت پڑی اور ان کی قربانیوں میں بھی برکت پڑی اور جماعت احمدیہ کے اموال میں بحیثیت مجموعی ایسی برکت پڑی ہے کہ آدمی حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ سو سال کے عرصہ میں اتنی عظیم قربانی کرنے والی جماعت کیسے پیدا ہوگئی۔

اب اس تمہید کے بعد میں آپ کے سامنے اعداد و شمار کی صورت میں حتی المقدور اختصار کے ساتھ جماعت احمدیہ کی گزشتہ سال کی مالی قربانی کا نقشہ رکھتا ہوں۔لازمی چندہ جات جن میں

چندہ عام، چندہ وصیت اور جلسہ سالانہ شامل ہیں ان میں گزشتہ سال خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت نے 5190888 پاؤنڈ پیش کئے ہیں جو 246192380 روپے کی رقم بنتی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں چند ہزار کی باتیں ہوا کرتی تھیں اور سارے سال میں بھی اعداد و شمار ہزاروں سے نہیں بڑھا کرتے تھے لیکن اب خدا کے فضل سے لازمی چندہ جات کی تعداد بھی 246192 ہو چکی ہے جبکہ دیگر بڑی تحریکات ،تحریک جدید، وقف جدید وغیرہ جو جاری ہیں۔ان میں اس کے علاوہ 1960000 پاؤنڈ کی مالی قربانی جماعت کو ایک سال میں پیش کرنے کی توفیق مل رہی ہے جس کی رقم 2888851 پاکستانی روپے بنتی ہے اس کے علاوہ متفرق تحریکات ہیں جو میں نے مختلف وقتوں میں کی ہیں اور کچھ صدقات وزکوٰۃ وغیرہ کی رقمیں ہیں۔ کچھ عید فنڈ اور فطرانہ وغیرہ کی رقمیں ہیں۔ان سب کو ملا لیں تو ان کے علاوہ یہ 135742 پاؤنڈ بنتے ہیں جن کی رقم (پاکستانی کرنسی میں) 643098 روپے ہے۔

آج سے قریباً ۴۰ سال پہلے ۱۹۵۳ء میں آپ جائیں جبکہ فساد ہوئے ہیں تو جماعت کا سالانہ بجٹ 25 لاکھ کے قریب ہوا کرتا تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زمانے کے لحاظ سے آگے آکر ۵۳ء میں پہنچیں تو اس وقت جماعت کی مالی قربانی کو دیکھ کر عبدالرحیم اشرف جو ایک معاند مولوی تھے اپنے اخبار میں جس کو وہ فیصل آباد سے شائع کیا کرتے تھے بہت درد کے ساتھ یہ اعتراف کیا کہ جس جماعت کو مٹانے کے لئے ہم نے تحریکات پر تحریکات چلائیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے اور مالی قربانی کے لحاظ سے آپ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو جائیں گے کہ یہ 25 لاکھ روپے سالانہ قربانی پیش کر رہے ہیں۔ کہاں وہ ۵۳ء کا وقت جبکہ دشمن 25 لاکھ سے ششدر اور حیران رہ گیا تھا اور وہ سمجھا کہ ہم شکست کھا گئے ہیں اور آج وہ وقت آ گیا ہے کہ اگر ان سب چندوں کو ملا لیا جائے تو خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کی ایک سال کی مالی قربانی، جو میں نے حساب لگایا تھا 44 کروڑ روپے کے قریب بنتی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ذمہ داری ڈالی تو اس کے بعد کسی خطبہ میں میں نے جماعت کے سامنے یہ اظہار کیا تھا کہ میں نے جہاں تک جماعت کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے ہر ابتلاء کے بعد اعداد و شمار کی کیفیت بدل گئی ہے۔اگر ہزاروں میں چندے ہوتے تھے تو جماعت کے

خلاف کوئی تحریک چلائی گئی تو اس کے بعد اگلی تحریک سے پہلے لاکھوں میں پہنچ گئے اور لاکھوں میں جو چندے ہوتے تھے جب ایک اور تحریک چلائی گئی تو کروڑوں میں پہنچ گئے۔ چنانچہ میں نے یہ دعا کی تھی اور جماعت کو کہا تھا کہ اس دعا میں میرے ساتھ شریک ہوں کہ خدا کرے ہمارے دیکھتے دیکھتے اب یہ کروڑ اربوں میں بدل جائیں تو جب میں نے یہ تحریک کی تھی اس وقت چند کروڑ بھی چندے نہیں تھے۔ میں اعداد و شمار نکال کر انشاء اللہ جلسہ پر بیان کروں گا لیکن آج خدا کے فضل سے قریباً نصف ارب تک معاملہ پہنچ چکا ہے اور یہ جو اعداد و شمار ہیں یہ ساری دنیا کی جماعتوں کے نہیں ہیں۔ دنیا کی جماعتوں میں یہ 44 بڑی جماعتوں کے ہیں اور باقی دنیا میں جماعتیں پھیل رہی ہیں، کثرت کے ساتھ شامل ہو رہی ہیں۔ بہت سی ایسی جماعتیں ہیں جہاں ابھی چندے کا نظام مستحکم نہیں ہوا۔ بعض تعداد میں تھوڑی ہیں بعض غربت کی وجہ سے قربانیوں میں زیادہ آگے نہیں بڑھ سکتی لیکن 126 ممالک نے بہرحال آپ کے ساتھ شامل ہونا ہے۔ وہ تیزی کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں، بڑھ رہے ہیں، پھیل رہے ہیں۔ چندے کا نظام رفتہ رفتہ ان میں داخل ہو رہا ہے مثلاً روس کی ریاستیں ہیں جنہیں USSR کہنا چاہئے ان میں اب جہاں خدا کے فضل سے احمدی جماعتیں قائم ہوئی ہیں انہوں نے کچھ نہ کچھ چندہ دینا شروع کر دیا ہے۔ تو یہ سب لوگ آخر آپ کے ساتھ شامل ہوں گے۔ ہمیں اول یہ دعا کرنی چاہئے کہ جیسا کہ میں نے اس تمنا کا اظہار کیا تھا کہ خدا اب جلد ہماری جماعت کو کروڑوں کی بجائے اربوں کے بجٹ عطا کرے اور دوسرا یہ کہ مالی قربانی جتنی بڑھے اس کی شان وہی رہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے کہ رَبْوَةٍ پر ہو، خدا کے نزدیک بلند مرتبہ قربانیاں ہوں۔ ایسی قربانیاں ہوں جن کو کوئی ابتلاء نقصان نہ پہنچا سکے، نہ موسلا دھار بارش نقصان پہنچا سکے، نہ خشک سالی نقصان پہنچا سکے۔ ہر حالت میں وہ تر و تازہ رہیں اور نئے نئے پھل دیتی رہیں اور پھر ان سے خدا کا سلوک وہی ہو جو پچھلوں کی قربانیوں سے ہوا تھا۔ جن بزرگوں کی قربانیوں نے وہ منزل بنائی ہے جس پر ہم آج کھڑے ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری قربانیاں اسی نسبت سے خدا کی راہ میں ایک اور اونچی منزل بنا دیں اور آئندہ نسلیں ہمارا ذکر اس طرح محبت اور پیار اور دعاؤں کے ساتھ کیا کریں جس طرح ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھیوں اور غلاموں کا ذکر محبت اور پیار اور دعاؤں کے ساتھ کرتے ہیں۔

جہاں تک جماعتی موازنہ کا تعلق ہے پاکستان کے علاوہ جو بعض بڑے بڑے ممالک ہیں ان میں سے میں نے 15 ممالک آپ کے سامنے پیش کرنے کے لئے رکھے ہیں۔اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ خدا کے فضل سے کس تیزی کے ساتھ بیرونی جماعتیں قربانی میں ترقی کر رہی ہیں۔ جرمن صف اول پر ہے۔ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا ہے اور واقعةً رَبْوَةٍ کا مقام حاصل کر لیا ہے جرمنی کی ایک سال کی قربانی 1052717 پاؤنڈ کی ہے اور یہ سلسلہ ہر سال بڑھے چلا جارہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ 49870000 روپے کی قربانی صرف جماعت جرمنی کی ہے جو چند سال پہلے ساری دنیا کی جماعتوں کی مل کر بھی نہیں تھی۔اگر آپ دس پندرہ سال پہلے چلے جائیں تو آپ حیران ہوں گے کہ خدا نے جماعت کے اموال میں اور قربانی کی روح میں کس قدر برکت دی ہے۔

امریکہ جرمن کے پیچھے پیچھے دوسرے نمبر پر آرہا ہے اور خدا کے فضل سے بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ وہاں مالی نظام مستحکم ہوتا چلا جارہا ہے اور ابھی وہاں بہت گنجائش ہے۔اس لئے اگر چہ جرمنی سے کافی پیچھے ہے لیکن جرمنی کے لئے چیلنج ضرور ہے کیونکہ جس رفتار سے وہ لوگ بیدار ہور ہے ہیں احساس قربانی بیدار ہو رہا ہے اور نشو ونما پا رہا ہے، بعید نہیں کہ چند سالوں میں وہ جرمنی کو پکڑ لیں تو خیر مشکل ہے مگر پکڑنے کی کوشش ضرور کریں گے۔قریب ضرور پہنچ سکتے ہیں تو نمبر دو پر امریکہ کی قربانی۔501930 پاؤنڈ ہے۔ مجھے یاد ہے کہ پندرہ بیس سال پہلے کا ایک وقت تھا یا شاید اس سے بھی کم ہو کہ امریکہ کو باہر سے امداد ملا کرتی تھی۔ میں جب ۱۹۷۸ء میں گیا ہوں تو اس وقت بھی یہی صورت حال تھی اور میں نے ان کو بتایا کہ دیکھو ابھی تک باہر سے مدد لے رہے ہو۔یعنی جہاں تک مساجد اور مشنز کے قیام کا تعلق تھا وہ محتاج تھے کہ باہر سے مدد آئے تو بنا سکیں۔ان کو میں نے یاد دلایا کہ ایک زمانہ تھا جبکہ قادیان سے نہایت غریب لوگ دو دو پیسے کی قربانیاں پیش کیا کرتے تھے کوئی انڈہ دے کر، کوئی مرغی دے کر کوئی بکری دے کر روپے جمع کیا کرتی اور وہ جماعت جو بھی قربانی کرتی تھی تمہارے جیسے امیر ملکوں کی طرف وہ روانہ ہوا کرتی تھی۔تمہیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اب باہر کے غریب ملکوں کے لئے قربانیاں پیش کرنی چاہئیں۔وہ جو احسان ہے وہ حروف میں یا اعداد و شمار میں شمار کیا نہیں جایا کرتا اس زمانے کی جو قربانی ہے وہ چاہے 5 ہزار یا 10 ہزار روپے کی ہو لیکن جس روح کے ساتھ وہ قربانیاں پیش کی گئی ہیں وہ ایسی روح ہے جو ہمیشہ غالب رہنے والی روح ہے اور اس

قربانی کا بدلہ کبھی نہیں اتارا جاسکتا۔ ہاں بدلہ اتارنے کی ایک تمنا دل میں ہمیشہ بے قرار رہنی چاہئے یہی اس کا بدلہ ہے۔ تو وہ جماعتیں جن میں سے بعض اس بات کی شاکی تھیں کہ فلاں جگہ خرچ کر دیا، فلاں جگہ خرچ کر دیا، امریکہ کو نظر انداز کیا جارہا ہے، اُن کو میں نے اس طرح سمجھایا تھا آج خدا کے فضل سے امریکہ کی یہ حالت ہے کہ وہ واقعۃً باہر کی غریب جماعتوں کی مدد کر رہا ہے اور افریقہ میں بھی جنوبی امریکہ میں بھی اور دوسری جگہ بھی، یورپ کے بعض ممالک میں بھی ہم امریکہ کی زائد آمدن سے خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعتوں کی مدد کرتے ہیں۔

برطانیہ تیسرے نمبر پر ہے لیکن امریکہ کے قریب ہے 488575 پاؤنڈ کی ایک سال کی قربانی ہے اور اگر یہ بھی زور لگا ئیں تو امید ہے امریکہ کے قریب یا کبھی ان کے آگے ہو جائے کبھی دوسرا آگے ہو جائے ایسی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

انڈونیشیا خدا کے فضل سے پچھلے چند سالوں میں کافی اوپر آیا ہے۔ نمبر شمار کے لحاظ سے اس کا مقام بہت ہی نیچے تھا اب چوتھے نمبر پر آ گیا ہے۔ ان کی سال کی مالی قربانی 310497 پاؤنڈز بنتی ہے۔ کینیڈا پانچویں نمبر پر ہے 285563 پاؤنڈز اور غانا چھٹے نمبر پر ہے۔ 71822 پاؤنڈز کی قربانی ہے۔

غانا کا ذکر خاص طور پر دعا کی تحریک کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک بہت غریب ملک ہے۔ ایک زمانے میں اسے گولڈ کوسٹ (Gold coast) کہا جاتا تھا کیونکہ یہاں سونا بہت تھا اور مغربی ملکوں نے یہاں سے خوب دولت لوٹی ہے لیکن بہت سے ایسے حالات پیدا ہوئے جن کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ غانا دن بدن غریب ہوتا چلا گیا۔ چند سال پہلے تک تو یہ حال تھا کہ عام فاقہ کشی کا عالم تھا اور ایک دفعہ ایک مبلغ نے مجھے لکھا کہ غربت اور فاقہ کشی کا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ رات کو میرا دروازہ کھٹکا۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا کہ کون ہے تو وہ شخص بھوکا تھا۔ روٹی مانگنے کے لئے آیا تھا لیکن میرے پہنچنے سے پہلے وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا تھا یعنی نقاہت غالب آ گئی اور اس کو تھوڑا تھوڑا کچھ پلا کر آہستہ آہستہ اس میں جان ڈالی گئی تو پھر وہ کچھ کھانے کے قابل ہوا اور اس غربت کے باوجود جو ابھی تک جاری ہے، ویسی کیفیت تو نہیں، اللہ کے فضل سے فرق پڑ چکا ہے لیکن بالعموم غانا کی جماعتیں غریب ہیں مگر قربانی کی روح سے بہت عظیم جماعتیں ہیں۔ وہاں

غریب سے غریب لوگوں میں بھی میں نے قربانی کا بڑا جذبہ دیکھا ہے۔ بڑے کھلے دل کے لوگ ہیں، بڑے حوصلے کے لوگ ہیں اور جماعت سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ وہاں دورے کے دوران دور دور کے بعض گاؤں میں بھی میں نے جا کر دیکھا ہے کہ وہاں کے لوگوں کے متعلق آدمی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنا گہرا اخلاص ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیغام سے عشق ہے۔ اگر یہ جماعت مالی قربانی کی طرح تبلیغ میں بھی اُٹھ کھڑی ہو جیسا کہ اب شروع ہوگئی ہے تو انشاء اللہ چند سالوں میں غانا میں انقلاب برپا ہو سکتا تو اس پہلو سے اس جماعت کو خصوصیت سے یاد رکھیں اور یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ باقی افریقن ملکوں کو بھی مالی قربانی اور وسیع حوصلگی میں غانا کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔

ماریشس بھی اللہ کے فضل کے ساتھ بڑی مستعد جماعتوں میں سے ہے اس نے بھی اپنا نمبر اونچا کیا ہے اور ساتویں نمبر پر ماریشس کی قربانی 71659 پاؤنڈ کی ہے۔ پھر ہندوستان کی باری ہے یہ بھی کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ اب اوپر آنا شروع ہوا ہے اور اب جماعتوں میں کافی بیداری پائی جاتی ہے اور اب میں امید رکھتا ہوں کہ جس طرح ہم نے مہم شروع کی ہے انشاء اللہ ہندوستان کی جماعتیں اب بڑی تیزی کے ساتھ نشوونما پائیں گی اور جیسا کہ میں ان کو بار بار یاد دہانی کرا رہا ہوں وہ اللہ کے فضل سے اپنا پرانا کھویا ہوا مقام حاصل کریں گی۔ وہ عظمت کا مرتبہ جب ہندوستان ساری دنیا کو اپنے چندوں سے خدمت دین کے لئے رقم مہیا کیا کرتا تھا تو اب بھی میں امید رکھتا ہوں۔ جماعتیں اگر بیدار ہو جائیں اور عزم کے ساتھ کام شروع کریں تو وہ دن دوبارہ لوٹ سکتے ہیں۔ قادیان کی ہمارے دل میں ایک محبت ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے۔ جہاں سے پیغام پھیلا وہ محبت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہندوستان کو پھر صف اوّل میں دیکھیں اور وہاں سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا نور پھر ساری دنیا میں پہنچے۔

ناروے بھی بڑی مستعد جماعت ہے آگے بڑھ رہی ہے۔ ہندوستان کے بعد ناروے کی باری ہے ناروے نویں نمبر پر ہے، پھر جاپان باوجود اس کے کہ بہت کم تعداد ہے دسویں نمبر پر آ گیا ہے۔ پھر سوئٹزرلینڈ گیارھویں ہے۔ پھر بنگلہ دیش بارہویں ہے۔ پھر سویڈن آتا ہے۔ اس کے بعد نائیجیریا آیا اس کا چودھواں نمبر ہے۔ نائیجیریا میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اقتصادی لحاظ سے اللہ نے بہت برکتیں عطا کی ہیں Potential کے لحاظ سے امیر ملک ہے۔ انفرادی طور پر مقابلہ کر کے

دیکھیں جس کو Man to man مقابلہ کہتے ہیں تو غانا کے مقابلے پر نائیجیرین احمدی کی حالت بہت بہتر ہے اس لئے وہاں کی جماعت کو کوشش کرنی چاہئے کہ اور اخلاص میں بھی وہ آگے بڑھیں اور جس طرح خدا نے ان پر فضل فرمایا ہے اور اس نسبت سے مالی قربانیوں میں آگے بڑھیں تعداد کے لحاظ سے وہ پیچھے ہیں لیکن اتنا پیچھے نہیں کہ غانا سے اتنا پیچھے رہ جائیں۔

ہالینڈ پندرھویں نمبر پر ہے۔ ہالینڈ کی جماعت بھی یورپ کی دیگر جماعتوں کے مقابل پر تعداد کے لحاظ سے خدا کے فضل سے بہت مخلص اور مالی قربانی میں پیش پیش ہے۔

بہر حال ہم امید رکھتے ہیں خدا تعالیٰ باقی سب جماعتوں پر بھی ان پندرہ کی طرح بے شمار فضل نازل فرمائے گا جو مالی قربانی میں مسلسل محنت اور اخلاص اور استقلال کے ساتھ پوری وفا کے ساتھ احیائے کلمۃ اللہ کے لئے خدا کے حضور سالانہ پیش کرتی چلی جارہی ہیں اور ان کا معیار دن بدن بڑھتا چلا جارہا ہے۔

جیسا کہ میں نے امریکہ کے معاملہ میں بیان کیا ہے کہ ابھی بہت سے ایسے احباب ہیں جو اگر حسب توفیق خرچ کریں تو امریکہ میں ابھی بہت آگے آنے کی گنجائش ہے۔ یہ صورت حال کم و بیش دنیا کے ہر ملک پر پورا اترتی ہے کیونکہ کبھی بھی کسی ملک میں ایک جیسی ایمان کی حالت کے لوگ نہیں ہوا کرتے اگر چندے بڑھانے ہیں تو سب سے اہم چیز یہ ہے کہ **اخلاص کا معیار بڑھانے کی کوشش کریں۔ اخلاص کا پانی جتنا اونچا ہوگا اتنا ہی چندہ خود بخود اچھل کر باہر آئے گا** اور اگر اخلاص کا معیار بڑھانے کی کوشش نہ کی جائے اور چندوں کے مطالبے پر زور دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں بعض دفعہ لوگ آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے لگ جاتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ وہ کمزور لوگ جو چندوں میں پیچھے ہوں ان کے پیچھے جب سیکرٹری مال وغیرہ پڑتے ہیں تو وہ دور بھاگنے لگ جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے ایڈریس بدل لیتے ہیں کہ کہیں سیکرٹری مال ہمارے تک نہ پہنچ جائے تو اخلاص نہ ہو تو پھر تحریک بجائے ادھر لانے کے اور زیادہ دھکیل دیتی ہے لیکن اخلاص کا معیار اونچا ہو تو پھر تحریک ہو۔ پھر دیکھیں وہ کس جوش کے ساتھ آگے بڑھتا ہے دونوں باتیں ضروری ہیں۔

چندہ طلب کرنے والا جو نظام ہے وہ بھی بہت مستحکم ہونا چاہئے اور اس نظام کا بروقت واسطہ ساری جماعت سے قائم رہنا چاہئے۔ بروقت لفظ بہت اہم ہے۔ بعض دفعہ چندہ وصول کرنے

والے جماعت کے مختلف افراد تک پہنچتے تو ہیں لیکن بر وقت نہیں پہنچتے ۔مثلاً ایک سال گزرنے کو ہے۔گیارہ مہینے ہو گئے ہیں اور سیکرٹری مال اچانک جاگ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اوہو ہوا بھی تو میری کافی رقم وصول ہونے والی ہے۔وہ پھر دروازے کھٹکھٹاتا ہے۔پہنچ تو جاتا ہے لیکن بر وقت نہیں پہنچتا۔ اگر پہلے مہینے میں پہنچے تو بالعموم ہمارا یہ تجربہ ہے کہ پھر کسی شخص نے جتنا چندہ دینا ہوتا ہے سال کے آخر تک اس سے زیادہ دیتا ہے۔پیچھے نہیں رہا کرتا۔تو نظام جماعت میں جو چندہ وصول کرنے کا نظام ہے اس کو مستحکم کرنا بہت ہی اہم کام ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ نظام جس کا تعلق اخلاص کا معیار بڑھانے سے ہے وہ ساتھ ساتھ مستعد ہو کر قدم بقدم چلے بلکہ آگے بڑھ کر چلے اور اگر اخلاص کا معیار بڑھانے والا نظام یعنی تعلیم وتربیت کا نظام اور نمازوں پر قائم کرنے کا نظام جو تربیت کا ہی حصہ ہے اور خدا سے تعلق بڑھانے کا نظام ، یہ نظام اگر پوری طرح مستعدی کے ساتھ عمل پیرا ہو تو پھر چندہ وصول کرنے والے نظام میں کمزوریاں بھی رہ جائیں تو اتنا نقصان نہیں ہوا کرتا۔اخلاص بڑھ جائے تو جیسے بچے کے لئے ماں کا دودھ بعض دفعہ اچھلتا ہے اور چھاتیوں سے باہر آجاتا ہے حالانکہ بچے نے طلب بھی نہیں کی ہوتی بلکہ یہی کیفیت اخلاص کی ہے۔اگر خدا سے محبت بڑھ جائے ،انسان نمازوں پر قائم ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پیار کا تعلق قائم ہو جائے تو پھر انسان از خود بغیر تحریک کے بھی ادا کرتا ہے تو یہ دونوں چیزیں ہیں جن کو جماعت کے مالی نظام کو مستحکم کرنے کے لئے ہمیں ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہوگا اور ایک تیسری چیز جس کا اخلاص سے بھی تعلق ہے لیکن اس کو عموماً اخلاص کے دائرے میں شامل نہیں کیا جاتا وہ دیانتداری ہے۔

دیانت اس سارے نظام کو مضبوطی بخشتی ہے۔اگر دیانت نہ ہو تو اخلاص بھی ہو اور مالی نظام بھی مضبوط ہو تب بھی لوگ چندہ دینے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔عالم اسلام کی آج جو بہت بڑی بدنصیبی ہے جس میں خدا تعالیٰ نے ہمیں مستثنیٰ رکھا ہوا ہے اس میں ایک یہ مابہ الامتیاز ہے کہ باقی عالم اسلام کو وہ دیانت نصیب نہیں ہے اور ان میں باوجود اس کے کہ بہت سے لوگ ہیں جو قربانی کرنے کی تمنا رکھتے ہیں اور بے شمار روپیہ بھی ان کے پاس ہے وہ اس وجہ سے نہیں دیتے کہ ان کو پتا ہے جو دیں گے کھا جائیں گے اور جب اعتماد نہ رہے کہ جس مقصد کے لئے خرچ کیا جارہا ہے اس مقصد کو پہنچے گا تو دل قربانی کے لئے کھلتا نہیں ہے تو جماعت احمدیہ کی کامیابی کا راز اور نظام جماعت کی استقامت کا جو

مرکزی راز ہے وہ دیانت میں ہے۔اخلاص کے نتیجہ میں چندہ آئے گا۔مال کا نظام مضبوط ہو گا تو چندے کو سنبھالا جائے گا لیکن اگر دیانت کا فقدان ہو جائے تو یہ دونوں باتیں بالکل بیکار اور باطل ہو جائیں گی۔کوئی بھی ان کی حیثیت نہیں رہے گی۔پس ہمارے آڈٹ کے نظام کو بھی مستعد ہونا چاہئے اور بالعموم جماعت کا دیانت کا معیار اونچا کرتے رہنا چاہئے میری نظر تو اس پر پڑتی ہے کہ مجھے مالی لین دین میں کتنی شکائتیں بد دیانتی کے متعلق پہنچتی ہیں۔اس کو میں بڑے غور اور فکر سے دیکھتا ہوں اور اس سے اندازہ لگا تا رہتا ہوں کہ اس وقت جماعت کی کیا حالت ہے۔وہ لوگ جو اپنے ذاتی لین دین میں بد دیانتی اختیار کر جائیں جب وہ جماعتی لین دین میں ملوث ہوں گے تو ابتداءً وہ بد دیانتی نہیں کریں گے کیونکہ کچھ لوگ فرق کرتے ہیں اور یہ ایک طبعی بات ہے۔مثلاً ایک شخص کوئی بات کر رہا ہو۔آپ کہیں کہ تم جھوٹ بولتے ہو تو وہ کہتا ہے: ہیں میں آپ کے سامنے بھی جھوٹ بولوں گا۔یہ بات بھول جاتا ہے کہ خدا کے سامنے کھڑا ہے اور اس کے سامنے جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں کر رہا لیکن ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہتا ہے کہ توبہ توبہ میں آپ کے سامنے بات کر رہا ہوں، میں آپ کے سامنے بھی جھوٹ بولوں گا؟ تو اس نفسیاتی رجحان کے پیش نظر کئی لوگ بد دیانت بھی ہوں تو جماعت کے معاملے میں احتیاط کرتے ہیں اور جماعت کے معاملہ میں چندہ کھانے کے لئے ان کو حوصلے نہیں پڑتے لیکن جب معیار اور گر جائے تو پھر یہ باتیں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔اب تو یہ ہے کہ لکھو کھا چندہ دینے والوں میں سے شاید کسی ایک کو شکایت پیدا ہو کہ اس کا روپیہ کسی نے جماعت کے خزانے میں جمع کرنے کی بجائے خود استعمال کر لیا لیکن اگر جماعت کی دیانت کا معیار اتنا نہ رہا جتنی کہ ہم توقع رکھتے ہیں تو خطرہ ہے کہ پھر یہ باتیں عام شروع ہو جائیں گی اور اگر خدانخواستہ یہ شروع ہو گیا تو پھر نظام جماعت کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔تو دعا میں پھر اس کو بھی داخل کر لیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اخلاص کے معیار کو بھی بلند رکھے ہمارے مالی نظام کو بھی مضبوطی عطا کرے۔استقامت بخشے۔ان کو طاقت بخشے۔ان کو محنت کی توفیق بخشے کہ وہ برابر بروقت ہر جماعت کو مالی قربانی کی یاد دہانی کراتے رہیں اور ہمیں دیانت کا بلند معیار عطا فرمائے۔یہ تینوں چیزیں اتنے بلند معیار کی ہوں کہ خدا کے نزدیک ہمارا باغ رَبْوَةٍ پر قائم ہو جائے۔اس بلندی پر قائم ہو جائے جس پر قرآن کی نظر پیار سے پڑ رہی ہے۔جس پر قرآن کے خدا کی نظر پیار سے پڑ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

رسول کریم ﷺ کل عالم کیلئے شفیع اور حقیقی وسیلہ ہیں۔

داعی الی اللہ کو خدا کی صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷؍ جولائی ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۶﴾ (المائدہ:۳۶)

پھر فرمایا:-

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی طرف جانے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو۔ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ اس کی راہ میں جہاد کرو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تم نجات پاؤ۔

وسیلہ کا ایک عام معنی ''ذریعہ'' ہے یعنی ایسا راستہ جس سے انسان کسی جگہ تک پہنچتا ہے کوئی ایسا طریق جس سے انسان کسی چیز کو اختیار کرتا ہے، کوئی آلہ کار جس سے مقصود حاصل ہو اور ان معنوں میں ہر وہ عمل جو خدا کی طرف لے کے جاتا ہو وہ وسیلہ ہے۔ ہر وہ دوست جس کا تعلق خدا کی طرف لے کر جائے وہ بھی وسیلہ ہے لیکن سب سے بڑھ کر خاص معنوں میں حضرت اقدس محمد ﷺ ہی وہ وسیلہ ہیں جن کا بطور خاص یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ ہمیں حضرت اقدس محمد ﷺ نے جو دعا سکھائی کہ اذان کے بعد یہ دعا کیا کرو اس دعا میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ اٰتِ محمدنِ الوسیلۃ والفضیلۃ

والدرجة الرفيعة وابعثه مقاما محمودا ن الذى وعدته (بخاری کتاب الاذھان حدیث نمبر:۵۷۹)
اے اللہ! محمدؐ کو وسیلہ بنا دے یا وسیلہ عطا فرما۔ میں نے ''وسیلہ بنادے'' کا ترجمہ ان معنوں میں کیا ہے کہ وہ مقام عطا فرما جو وسیلہ کا مقام ہے۔ یہ اس کے معنی ہیں کیونکہ باقی سب مضمون اعلیٰ مراتب کے عطا کرنے کی دعا ہے۔ پس ان معنوں میں خدا سے تعلق کا سب سے زیادہ یقینی اور قطعی اور آسان اور عمدہ رستہ حضرت اقدس محمد ﷺ سے تعلق جوڑنا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے شفاعت کا مضمون سامنے آتا ہے کیونکہ اس تعلق کے نتیجہ میں شفاعت نصیب ہوتی ہے۔

عوام الناس میں شفاعت کا ایک ایسا مفہوم پایا جاتا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور شفاعت کے مفہوم میں جو بہت ہی لطیف اور باریک در باریک مطالب ہیں ان سے نہ عوام الناس کو کوئی آگاہی ہے نہ اُن علماء کو جو اُن کی تربیت کرتے ہیں ۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے عشق میں فنا تھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں بھی فنا تھے آپؑ کو جو عرفان نصیب ہوا ہے وہ دنیا کے علماء کو نصیب ہونا تو درکنار اس کی خاک کو بھی وہ نہیں پہنچ سکتے ۔ یہ ایک خدا رسیدہ عالم کا اور ایک عام دنیا کے عالم کا فرق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو تحریر میں نے آج آپ کے سامنے رکھنے کے لئے چنی ہے اس کو بغور سنیں تو آپ پر یہ مضمون خود بخود کھلتا چلا جائے گا۔ فرماتے ہیں:

''مذہبی مسائل میں سے نجات اور شفاعت کا مسئلہ ایک ایسا عظیم الشان اور مدار المہام مسئلہ ہے...''

یعنی بہت ہی اہم مسئلہ ہے جس کو کسی قیمت پر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

''... یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک انسان طبعاً اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ وہ صدہا طرح کی غفلتوں اور پردوں اور نفسانی حملوں اور لغزشوں اور کمزوریوں اور جہالتوں اور قدم قدم پر تاریکیوں اور ٹھوکروں اور مسلسل خطرات اور وساوس کی وجہ سے اور نیز دنیا کی انواع اقسام کی آفتوں اور بلاؤں کے سبب سے ایک ایسے زبردست ہاتھ کا محتاج ہے جو اُس کو اِن تمام مکروہات سے

بچاوے کیونکہ انسان اپنی فطرت میں ضعیف ہے اور وہ کبھی ایک دم کے لئے بھی
اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔...''

یہ جو دلیل ہے یہ نفس کی گواہی سے تعلق رکھنے والی دلیل ہے، انسانی فطرت سے تعلق رکھنے والی دلیل ہے جو از خود ہر انسان کے دل سے پھوٹتی ہے۔ وہ تمام امور جن کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان کے روزمرّہ کی زندگی کے تجارب کے سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے یعنی ہوائے نفس کی طرف سے اس کو ٹھوکر لگنا، غفلتوں کے پردوں میں انسان کا زندگی بسر کرنا، نفسانی حملوں کے علاوہ دیگر لغزشیں اور کمزوریاں جو آئے دن اس سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، لاعلمی کی ٹھوکریں، ایک انسان نیک نیت بھی ہو لیکن علم نہ ہو کہ رستہ کون سا ہے تو اس کی وجہ سے بھی وہ نقصان اُٹھاتا ہے، قدم قدم پر تاریکیوں سے معاملہ ہے، کئی قسم کے اندھیرے رستے میں حائل ہو جاتے ہیں۔ صحیح رستہ بھی ہو تو پھر بھی انسان اندھیروں کی وجہ سے ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ مسلسل خطرات ہیں، وساوس ہیں، کئی وساوس نفس سے پیدا ہوتے ہیں، کئی ساتھی جن میں انسان اٹھتا بیٹھتا ہے ان کی طرف سے وساوس دل میں پیدا کئے جاتے ہیں اور طرح طرح کے مصائب ہیں جن سے انسان کو روزمرہ معاملہ ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں جس پر وہ اپنی ذاتی قوت کے ساتھ غلبہ پاسکے اور یقین سے کہہ سکے کہ مجھے اس طرف سے کوئی خوف نہیں رہا۔ زندگی کی کیفیت تو یہ ہے کہ ایک خوف سے بچتا ہے تو دوسرے میں مبتلا ہو جاتا ہے، دوسرے سے بچتا ہے تو تیسرے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ساری زندگی مختلف قسم کے خوفوں میں ہی مبتلا ہوتی ہے لیکن سب سے بڑا خوف غفلت کا خوف ہے جس کے نتیجہ میں خوف کا احساس مارا جاتا ہے اور یہ ساری چیزیں انسانی زندگی کے لئے، اس کی روحانی زندگی کے لئے ایک عظیم خطرہ ہے، مسلسل خطرہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ نفس ناطقہ گواہی دیتا ہے، انسان کے اندر موجود ہے وہ اُسے بتاتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا مقام نہیں جہاں تم سہارے کے محتاج نہیں ہو، تمہیں ہر قدم پر سہارا چاہئے۔ اندھیروں کی بات کریں تو روشنی بھی تو سہارا ہے اور غیب سے روشنی نصیب ہونا یہ بھی ایک سہارا ہے، جہالت کی بات کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عالم عطا ہو جانا جو صحیح علم عطا کرے یہ بھی ایک سہارا ہے تو انسان محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔ فرماتے ہیں کہ

''...اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرسکتا کہ وہ خود بخود نفسانی ظلمات سے باہر آسکے...''

پس نفس پر بھروسہ کے ذریعہ انسان اعلیٰ مقاصد اور مطالب کو نہیں پا سکتا۔ فرماتے ہیں۔ ”یہ تو انسانی کانشنس کی شہادت ہے...“ یعنی انسانی ضمیر کی گواہی ہے جو ہر انسان کو برابر عطا ہوا ہے۔ پھر ایک عقلی دلیل کی طرف منعطف ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں

”...اور ماسوا اس کے اگر غور اور فکر سے کام لیا جائے تو عقل سلیم بھی اسی کو چاہتی ہے...“

یعنی اگر انسان کانشنس کو چھوڑ کر عقل کے ذریعہ ایک صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرے تو وہ نتیجہ پھر وہی ہوگا جو اُس کے ضمیر نے پہلے سے نکال رکھا ہے اور بعض دفعہ ایک ضمیر لمبی غفلتوں کے نتیجہ میں نیم جان سا ہو چکا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اس کی آواز اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ انسان تک پہنچتی نہیں ہے اور جسے وہ ضمیر کی آواز سمجھ رہا ہے وہ اس کی بگڑی ہوئی حالتوں کی آواز ہوتی ہے۔ پس عقل کی بھی ضرورت ہے جو بیرونی نظر سے دیکھے اور ذاتی جذبات کے الجھاؤ سے بالا ہو کر وہ اطراف پر نظر ڈالے اور ایک نتیجہ اخذ کرے تو فرماتے ہیں کہ

”عقل سلیم بھی اسی کو چاہتی ہے کہ نجات کیلئے شفیع کی ضرورت ہے۔“

اب جوں جوں ہم آگے بڑھیں گے تو شفاعت کا مضمون اور کھلتا چلا جائے گا۔ فرماتے ہیں

”... کیونکہ خدا تعالیٰ نہایت درجہ تقدس اور تطہر کے مرتبہ پر ہے اور انسان نہایت درجہ ظلمت اور معصیت اور آلودگی کے گڑھے میں ہے...“

اللہ تعالیٰ ایک پاک ذات ہے جس کی قدوسیت وہم و گمان سے بالا ہے اور وہ اپنے تطہر میں اپنی پاکیزگی میں اتنا بلند اور مصفیٰ اور شفاف ہے کہ کدورتوں سے اس کا کوئی رابطہ کسی صورت دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے برعکس انسان ہر قسم کی ذلتوں میں گرا ہوا، ہر قسم کے گناہوں میں ملوث، ہر قسم کی نفسانی آلودگی میں الجھا ہوا اور ان دنیاوی گندوں سے لت پت ہے۔ فرمایا کیسے وہ تعلق قائم ہو کہ ایک طرف قدوس ذات ہے اور دوسری طرف گناہوں میں مبتلا انسان۔ تو فرماتے ہیں۔

”...اور بوجہ فقدان مناسبت اور مشابہت عام طبقہ انسانی گروہ کا اس لائق نہیں کہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ سے فیض پا کر مرتبہ نجات کا حاصل کرلیں...“

عوام الناس کا جہاں تک تعلق ہے ان کے بس کی بات نہیں کہ ان گندی حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض پا سکیں۔

''... پس اس لئے حکمت اور رحمت الٰہی نے یہ تقاضا فرمایا کہ نوع انسان اور اس میں بعض افراد کاملہ جو اپنی فطرت میں ایک خاص فضیلت رکھتے ہوں درمیانی واسطہ ہوں۔...''

یعنی ایسے لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی شفاف فطرت عطا فرمائی ہے وہ بنی نوع انسان کے عوام الناس اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک رابطہ بن جائیں۔

''اور وہ اس قسم کے انسان ہوں جن کی فطرت نے کچھ حصہ صفات لاھوتی سے لیا ہو اور کچھ حصہ صفات ناسوتی سے...''

لاھوت صوفیاء کی اصطلاح میں اس عالم کا نام ہے جس میں صفات الٰہی جلوہ گر ہیں اور خدا کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہی ہے اور وہی ہے اور وہی ہے اور اُس کے سوا کچھ نہیں۔ اس کو **لاھوتی** مقام کہتے ہیں اور **ناسوتی** مقام انسانوں سے تعلق کا مقام ہے جس میں خدا کی ہر قسم کی مخلوق موجود ہے اور مخلوق میں سے اوّل درجہ پر انسان ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

''... ایسے انسان چاہئیں جن کی فطرت نے کچھ حصہ صفات لاہوتی سے لیا ہو اور کچھ حصہ صفات **ناسوتی** سے۔ تا باعث **لاھوتی** مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں۔...''

ان میں بعض صفات ایسی ہوں جن میں گندگی کا کوئی ذرہ شائبہ بھی نہ ہو ایسی پاک صفات ہوں کہ گویا انہوں نے خدا کی صفات سے حصہ لے لیا ہے اور کچھ صفات بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے والی صفات ہوں۔ وہ انسانیت اور الوہیت کا سنگم بن جائیں اور اس طرح ان کو ایک طرف سے خدا تعالیٰ سے فیض پہنچے اور دوسری طرف اپنے انسانی تعلق کی وجہ سے اس فیض کو انسانوں میں جاری فرما سکیں۔ فرماتے ہیں۔

''...تا باعث لاہوتی مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں اور بباعث ناسوتی مناسبت کے اس فیض کو جو اوپر سے لیا ہے نیچے کو یعنی بنی نوع کو

پہنچاویں اور یہ کہنا واقعی صحیح ہے کہ اس قسم کے انسان بوجہ زیادت کمال **لاھوتی** اور **ناسوتی** کے دوسرے انسانوں سے ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ گویا یہ ایک مخلوق ہی الگ ہے کیونکہ جس قدر ان لوگوں کو خدا کا جلال اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے جوش دیا جاتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں وفاداری کا مادہ بھرا جاتا ہے اور پھر جس قدر بنی نوع کی ہمدردی کا جوش ان کو عطا کیا جاتا ہے وہ ایک ایسا امر فوق العادت ہے جو دوسرے کے لئے اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ تمام اشخاص ایک مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ ان فطرتی فضائل میں کوئی اعلیٰ درجہ پر ہے کوئی اس سے کم اور کوئی اس سے کم ...‘‘

یہ وہ مضمون ہے جس کو سمجھنے کے بعد شفاعت کا مضمون پھر اور زیادہ واضح طور پر انسان کے دل اور عقل میں سرایت کر جاتا ہے۔ اس مضمون کو بیان کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اب دل، ضمیر اور عقل کی ایک مشترکہ گواہی پیش کرتے ہیں۔ کس خوب صورتی سے آپ نے اس مضمون کا ارتقاء فرمایا ہے۔ پہلے ضمیر کی آواز جو سب انسانوں میں قدر مشترک ہے پھر عقل سلیم کی آواز جو تمام انسانوں میں قدر مشترک ہے پھر فرماتے ہیں ’’ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس یہ سمجھ سکتا ہے‘‘ وہ شخص جو سلیم العقل ہو اور اس کا ضمیر بھی پاک ہو اور ضمیر مختلف قسم کی آلودگیوں سے گندا نہ ہو چکا ہو۔ اس کے اندر کوئی رخنہ نہ پیدا ہو چکا ہو۔ فرماتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں شفاعت کا مضمون سمجھ آتا ہے۔

’’... اور ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس سمجھ سکتا ہے کہ شفاعت کا مسئلہ کوئی بناوٹی اور مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ خدا کے مقرر کردہ انتظام میں ابتداء سے اس کی نظیریں موجود ہیں اور قانون قدرت میں اس کی شہادتیں صریح طور پر ملتی ہیں ...‘‘

اندر کی جو علامتیں ہیں وہ انسانی نفوس سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ بیرونی شہادتیں آفاق سے تعلق رکھنے والی ہیں اور یہ دونوں شہادتیں ہیں جن کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے کہ ہم تمہارے نفوس

میں بھی شہادتیں عطا کرتے ہیں اگر غور کرو تو تمہیں وہاں سے بھی شہادتیں مل سکتی ہیں اور آفاق میں بھی شہادتیں ہیں ۔ اگر عقل سلیم سے کام لیتے ہوئے بیرونی نظر سے بھی دیکھو تو تمہیں ہر جگہ حق کی شہادت مل جائے گی ۔ فرماتے ہیں ۔

”... اب شفاعت کی فلاسفی یوں سمجھنی چاہئے کہ شفع لغت میں جفت کو کہتے ہیں...“

یعنی جوڑے کو، دو ہونے کو، دو کے اکٹھا ہونے کو قرآن کریم میں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (الفجر:۴) آتا ہے کہ جفت کی دو گواہی ہے اور اکیلے کی کل گواہی ہے تو فرمایا کہ

”... شفع لغت میں جفت کو کہتے ہیں ۔ پس شفاعت کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ضروری امر جو شفیع کی صفات میں سے ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کو دو طرفہ اتحاد حاصل ہو...“

اب شفیع جو شفاعت کا موجب بنتا ہے اور وسیلہ بنتا ہے اس میں کیا صفات ہونی چاہئیں فرماتے ہیں جو مضمون ہم بیان کر چکے ہیں اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایک شفیع میں دو قسم کے تعلق ہونے ضروری ہیں ۔

”... یعنی ایک طرف اُس کے نفس کو خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو ایسا کہ گویا وہ کمال اتحاد کے سبب حضرت احدیت کے لئے بطور جفت اور پیوند کے ہو...“

یعنی اتنا گہرا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو جیسے ایک قلم دوسرے درخت پر لگ جاتی ہے اور اتنا گہرا واسطہ ہو کہ گویا ایک ہی وجود بن گئے ہیں ۔

”... اور دوسری طرف اس کو مخلوق سے بھی شدید تعلق ہو گویا وہ ان کے اعضا کی ایک جز ہو ۔ پس شفاعت کا اثر مترتب ہونے کے لئے درحقیقت یہی دو جز ہیں جن پر ترتب اثر موقوف ہے...“

فرمایا یہ دونوں صفات جس حد تک کسی انسان میں پائی جائیں گی اسی حد تک اس کی شفاعت کا مضمون مترتب ہوگا ۔ پس اس پہلو سے مختلف درجے ہیں، مختلف انبیاءؑ ہیں، ہر نبیؑ اپنی قوم

کے لئے خاص حالات میں شفیع بنا اور قیامت کے دن بھی شفیع ہوگا لیکن ان دونوں صفات کے لحاظ سے ان کا معراج ہمیں حضرت اقدس علیہ کی ذات میں دکھائی دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

”... یہی راز ہے جو حکمت الٰہیہ نے آدمؑ کو ایسے طور سے بنایا کہ فطرت کی ابتدا سے ہی اس کی سرشت میں دو قسم کے تعلق قائم کر دیئے یعنی ایک تعلق تو خدا سے قائم کیا جیسا قرآن شریف میں فرمایا فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (الحجر:۳۰) یعنی جب میں آدمؑ کو ٹھیک ٹھیک بنالوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں تو اے فرشتو! اسی وقت تم سجدہ میں گر جاؤ۔ اس مذکورہ بالا آیت سے صاف ثابت ہے کہ خدا نے آدمؑ میں اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اپنی روح پھونک کر اس کی فطرت کو اپنے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا۔ سو یہ اس لئے کیا گیا کہ تا انسان کو فطرتاً خدا سے تعلق پیدا ہو جائے ایسا ہی دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بھی فطرتی تعلق ہو جو بنی نوع کہلائیں گے کیونکہ جبکہ ان کا وجود آدمؑ کی ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہوگا تو وہ ضرور اس روح میں سے بھی حصہ لیں گے جو آدمؑ میں پھونکی گئی۔ پس اس لئے آدمؑ طبعی طور پر ان کا شفیع ٹھہرے گا کیونکہ بباعث نفخ روح جو راستبازی آدمؑ کی فطرت کو دی گئی ہے...“

نفخ روح سے مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہونا اور تعلق کا مختلف رنگ میں اظہار ہونا۔ اس کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ آدمؑ کو راستبازی عطا ہوتی ہے کیونکہ جس کا خدا سے تعلق ہو اور جس کو خدا سے تعلق ہو جائے اس کو ضرور راستبازی عطا ہوتی ہے۔ یہ آدمؑ کی فطرت کو دی گئی ہے۔

”...ضرور ہے کہ اُس کی راستبازی کا کچھ حصہ اس شخص کو بھی ملے جو اس میں سے نکلا ہے...“

پس انسانی فطرت میں نیکی کی جو سرشت پائی جاتی ہے یہ وہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام وراثت کے مضمون کے طور پر بیان فرما رہے ہیں۔اس کے برعکس جو عیسائی نظریہ ہے وہ گندگی کا وراثت میں جاری ہونا ہے اور گناہ کا وراثت میں جاری ہونا ہے۔دیکھیں پاک سرچشمے سے کیسے پاک خیالات پھوٹتے ہیں اور جو چشمہ گندا ہو چکا ہو جس کا اپنی نبوت سے تعلق منقطع ہو چکا ہو وہ اس پاک پانی کو کیسے گدلہ کر دیتا ہے۔قرآن کریم نے اسی کی گواہی دی ہے کہ ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے اور ہر بچہ نیکی اور اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔یہ وہ گواہی ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس رنگ میں بیان فرما رہے ہیں کہ نیکی موروثی ہے۔بدی موروثی نہیں ہے۔بدی بعد کے اثرات سے پیدا ہوتی ہے لیکن فطرت میں جو چیز داخل فرما دی گئی ہے جس سے انسان کا خمیر اٹھایا گیا ہے وہ نیکی ہی ہے تو فرمایا کہ

> ’’...اس کی راستبازی کا کچھ حصہ اس شخص کو بھی ملے جو اس میں سے نکلا ہے۔جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہر ایک جانور کا بچہ اس کی صفات اور افعال میں سے حصہ لیتا ہے اور دراصل شفاعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ فطرتی وارث اپنے مورث سے حصہ لے کیونکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ شفاعت کا لفظ شفع کے لفظ سے نکلا ہے جو زوج کو کہتے ہیں پس جو شخص فطرتی طور پر ایک دوسرے شخص کا زوج ٹھہر جائے گا ضرور اُس کی صفات میں سے حصہ لے گا۔اسی اصول پر تمام سلسلہ خلقی توارث کا جاری ہے۔یعنی انسان کا بچہ انسانی قویٰ میں سے حصہ لیتا ہے اور گھوڑے کا بچہ گھوڑے کے قویٰ سے حصہ لیتا ہے اور بکری کا بچہ بکری کے قویٰ میں سے حصہ لیتا ہے اور اسی وراثت کا نام دوسرے لفظوں میں شفاعت سے فیض یاب ہونا ہے کیونکہ جبکہ شفاعت کی اصل شفع یعنی زوج ہے۔پس تمام مدار شفاعت سے فیض اٹھانے کا اس بات پر ہے کہ جس شخص کی شفاعت سے مستفیض ہونا چاہتا ہے اُس سے فطرتی تعلق اس کو حاصل ہوتا جو کچھ اس کی فطرت کو دیا گیا ہے اُس کی فطرت کو بھی وہی ملے...‘‘

یہ مضمون ارتقائی طور پر اب ایک اور منزل میں داخل ہو گیا ہے۔اس سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بیان فرمایا کہ شفاعت کا ایک پہلو ہے جو انسان نے وراثۃً حاصل

کیا یعنی آدمؑ کو خدا تعالیٰ نے جو اپنی محبت عطا فرمائی اور الہام سے اس کی سرشت کو صیقل فرمایا اور اس کو پاک اور شفاف کیا، یہ وہبت یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے جو یہ عطا تھی یہ آدم ہی تک نہیں رکی بلکہ اس کی نسلوں میں جاری ہوئی اور یہ وراثۃً شفاعت سے حصہ لینا ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ کسبی طور پر بھی شفاعت سے حصہ لینا ضروری ہے۔ صرف وراثت تک اس مضمون کو چھوڑ دینا کافی نہیں۔ چنانچہ اس کا مطلب یہ بنے گا کہ وہ اہل اللہ، وہ پاک لوگ جن کو خدا اعلیٰ مراتب عطا فرماتا ہے اور اعلیٰ کمالات بخشتا ہے اُن سے تعلق خود بخود جوڑ کر انسان کے لئے لازم ہے کہ ان کا روحانی وارث بنے اور محض اس خوابیدہ سی وراثت پر اکتفا نہ کرے جو خون سے نسلاً بعد نسلٍ اس کے اندر منتقل ہوتی چلی آرہی ہے کیونکہ وہ وراثت دب جاتی ہے، دیگر عوامل اور دیگر ایسے بہت سے اسباب ہیں جن کے نیچے دب کر وہ مغلوب ہو جاتی ہے۔ پس دیکھیں کہ ہر انسان جو فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور ہر بچہ جو سلیم فطرت اور نیکیاں لے کر آتا ہے ان کی کتنی بھاری اکثریت ہے جو خوفناک بدیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ان کے مزاج بگڑ جاتے ہیں، ان کے دل کی کیفیتیں گندی ہو جاتی ہیں، وہ پانی جو آسمان سے صاف اور شفاف نازل ہوا تھا وہ ایسا زہریلا ہو جاتا ہے کہ ان کے اردگرد ان کے ماحول میں بھی ان کی پھونکوں سے لوگ مرتے ہیں۔ تو یہ جو غیر معمولی طور پر انقلابی کیفیت جو کایا پلٹنے والی کیفیت پیدا ہوتی ہے یہ بتاتی ہے کہ محض موروثی نیکی کافی نہیں اگر اس کے ساتھ وہبی نیکی شامل نہ ہو اور وراثت کا مضمون اس کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمار ہے ہیں کہ اُن لوگوں سے تعلق قائم کرو جن پر خدا تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی ہو جن کی روح کو خدا تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے چمکایا ہو اور ان سے روحانی ورثہ حاصل کرو۔ یہ مضمون جب حضرت اقدس محمد ﷺ کے تعلق میں سوچا اور سمجھا جائے تو شفاعت کا اصل اور اعلیٰ مفہوم انسان پر روشن ہو جاتا ہے۔

شفاعت کا معنی یہ نہیں ہے کہ محض مرنے کے بعد گنہگاروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرمادیں کہ اے خدا ان کو معاف کر دے اور چھٹی کر۔ ان کی بخشش کے انتظام اس دنیا میں کرتے رہے اور کر گئے ہیں اور وراثۃً وہ فیض پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ فرمایا اس فیض سے حصہ پاؤ وہ دولت جو بے حساب ہے اس کا کوئی شمار ممکن نہیں وہ حضرت اقدس محمد ﷺ کے فیضان کی دولت ہے جو ایک بہتا ہوا ابدی طور پر بہنے والا اور نہ ختم ہونے والا دریا ہے۔

اُس سے تعلق جوڑو گے تو تمہاری ہر قسم کی پیاس بجھے گی، تمہاری ہر قسم کی گندگی دور ہوگی اور اس سے شفع پیدا کرو، اس کے ساتھ پیوستہ ہو جاؤ، اس کے ساتھ جڑ جاؤ اور پھر تمہیں صحیح معنوں میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ یہ نصیب ہو جائے تو پھر قیامت کی شفاعت اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں حضرت اقدس محمد ﷺ سے بڑے خلوص کے ساتھ، دل کی گہرائی سے تعلق تھا، ایک خلوص کا دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ سارا وجود اس خلوص میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا حضرت محمد ﷺ سے تعلق قائم کیا، اس نیت سے تعلق قائم کیا کہ آپؐ کے وسیلے سے خدا سے تعلق قائم ہوگا اور وہ الٰہی صفات جو سب سے زیادہ حضرت محمد ﷺ میں جلوہ گر ہوئیں اور کبھی اس سے پہلے کبھی کسی اور نبی میں جلوہ گر نہیں ہوئیں اور کبھی آپؐ کے بعد کسی آدم کی اولاد میں ان کے اس شان سے جلوہ گر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان معنوں میں وہ نبی بھی یکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی توحید کا ایک مظہر کامل بن جاتا ہے۔ اس سے تعلق جوڑو اور اُس کی صفات سے حصہ پاؤ۔ اپنے وجود کو جتنا مٹاتے چلے جاؤ گے اور حضرت محمد ﷺ کے وجود میں ضم ہوتے چلے جاؤ گے۔ ان معنوں میں ایک اور مقام وحدانیت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوا کہ آپ نے اپنے وجود کو مٹا کر آنحضرتؐ کے وجود میں اپنے آپ کو کلیۃً غائب کر دیا اور سراسر اس پاک وجود میں کھوئے گئے۔ پس جس طرح محمد ﷺ نے اللہ کے وجود میں کھو کر وحدانیت کا ایک نمونہ دکھایا آئندہ تمام بنی نوع انسان کے لئے اس وحدانیت تک پہنچنے کا یہ وسیلہ ہے۔ کوئی انسان رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر براہ راست اس وحدانیت کے اعلیٰ مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ محمدؐ کے ساتھ مل کر یکتا ہو جائے تب وہ یکتا کو پا سکے گا اس کے سوا یکتا تک پہنچنے کا اور کوئی رستہ نہیں ہے۔ یہ مضمون ہے جسے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام رفتہ رفتہ مختلف منازل میں سمجھا سمجھا کر بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> ”... وہ تو ایک ورثہ تھا جو تمہیں از خود مل گیا۔ یہ وہبت ہے لیکن اس کے بعد کسب کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔ یہ تعلق جیسا کہ وہبی طور پر انسانی فطرت میں موجود ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی ایک جز ہے ایسا ہی کسبی طور پر بھی یہ تعلق زیادت پذیر ہے یعنی جب ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ جو فطرتی محبت اور فطرتی ہمدردی بنی نوع کی اس میں موجود ہے اس میں زیادت ہو تو بقدر

دائرہ فطرت اور مناسبت کے زیادت بھی ہو جاتی ہے...''

پس جو ورثہ ملا ہے وہ اسی حد تک رکھے جانے کے لائق نہیں بلکہ اس کو بڑھانا ضروری ہے اور اگر حضرت محمد مصطفی ﷺ کے فیض کے سمندر سے اس ورثے کا تعلق قائم کر دیا جائے تو وہ ورثہ اتنا بڑھ سکتا ہے کہ ایک عام انسان کی نظر میں گویا، لا پیدا کنار ہو جائے۔ اس کی مثال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں دیتے ہیں کہ ہر انسان میں محبت کا مادہ ہے۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ انسان دراصل ''اُنسان'' تھا اُنس کا مطلب ہے تعلق۔ ایک اُنس کو عربی میں اُنس کہتے ہیں دو اُنس ہوں تو اُن کو انسان کہا جاتا ہے تو فرمایا دراصل انسان دو اُنسوں سے بنا ہے ایک اللہ کا انس جو اس کی فطرت میں ودیعت ہوا اور ایک بنی نوع انسان کا اُنس یعنی ہم جولیوں اور ساتھیوں اور اپنے ہم نوع لوگوں کا اُنس جو اُسے وراثۃً ملا...''

فرماتے ہیں۔

''... یہ اُنس تو ہر ایک میں پایا جاتا ہے مگر یہ اُنس عشق کی حالت میں کبھی کبھی تموج اختیار کرتا ہے اور اُس کے لئے انسان کو خاص محنت کرنی پڑتی ہے، ایک خاص قسم کی محبت کمانی پڑتی ہے۔''

فرماتے ہیں۔

''....اسی بنا پر قوت عشقی کا تموج بھی ہے کہ ایک شخص ایک شخص سے اس قدر محبت بڑھاتا ہے کہ بغیر اس کے دیکھنے کے آرام نہیں کر سکتا۔ آخر اس کی شدت محبت اس دوسرے شخص کے دل پر بھی اثر کرتی ہے...''

یہ وہی بات ہے کہ عشق اول در دل معشوق پیدا می شود۔ جس کے دل میں پہلے محبت پیدا ہوتی ہے اُسے ان معنوں میں معشوق کہا گیا ہے کہ وہ عاشق بنانے والی محبت ہوتی ہے۔

''...اور جو شخص انتہا درجہ پر کسی سے محبت کرتا ہے وہی شخص کامل طور پر اور سچے طور پر اس کی بھلائی کو بھی چاہتا ہے...''

پس ایسی محبت جو بظاہر حد سے بہت بڑھی ہوئی دکھائی دے لیکن محبت کرنے والا انسان کو گناہوں میں مبتلا کر دے اور محض اپنے نفس کی خواہش کے نتیجہ میں اس کا دین بھی برباد کر دے اور اس کی دنیا بھی تباہ کر دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ اور قابل اعتماد کسوٹی کے

مطابق وہ جھوٹی محبت ہے۔ فرماتے ہیں۔ جب محبت بہت بڑھ جاتی ہے تو پھر جس شخص سے محبت کی جاتی ہے اس کی بھلائی کے سوا انسان کچھ چاہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی معنوں میں بھی اس کی بدی کا تصور کر سکے۔ اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا لیکن یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کے محبوب کو کوئی ضرر پہنچے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

”... یہ امر بچوں کی نسبت ان کی ماؤں کی طرف سے مشہود اور محسوس ہے ...“

یعنی بچے جانتے ہیں کہ کس طرح مائیں اُن سے محبت کرتی ہیں اور کس طرح ہر آن ہر لمحہ ان کی بھلائی چاہتی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

”...پس اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ کامل انسان جو شفیع ہونے کے لائق ہو وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے ان دونوں تعلقوں سے کامل حصہ لیا ہو اور کوئی شخص بجز ان ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا...“

شفیع وہ ہے جس نے دونوں سے حصہ لیا ہو۔ اُس میں تمام انبیاء شریک ہیں اور انبیاء سے نیچے اُتر کر صُلحا اور خدا کے وہ سب پاک، راستباز بندے جو خدا کی صفات سے کچھ حصہ لیتے اور بنی نوع انسان کی محبت سے بھی حصہ لیتے ہیں اور ایک فیض کو دوسرے کی طرف جاری کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ”کوئی شخص بجز ان ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا“ یعنی فیض تو سب کو ملے لیکن انسان کامل ایک ہی ہے یعنی حضرت محمد ﷺ۔ آپؑ نے فرمایا۔

”...اسی لئے آدم کے بعد یہی سنت اللہ ایسے طرح پر جاری ہوئی کہ کامل انسان کے لئے جو شفیع ہو سکتا ہے یہ دونوں تعلق ضروری ٹھہرائے گئے...“

یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عام معنوں میں ”کامل“ استعمال فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارے کے معنوں میں نہیں بلکہ ان معنوں میں کہ ہر نبی اپنی استعدادوں کے مطابق اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور اس کا درجہ کمال یہی ہے کہ اس میں یہ دونوں صفات برابر ترقی کریں، خدا کی محبت بھی اور بنی نوع انسان کی محبت بھی اور جتنی اس کو توفیق ہے اس کے انتہا تک پہنچ جائے تب وہ شخص درجہ کمال تک پہنچا ہوا کہلائے گا۔ تب اللہ تعالیٰ سے اس پر نعمت کا اتمام ہوگا اور

وہ مامور فرمایا جائے گا۔ فرمایا:

''...یعنی ایک یہ تعلق کہ اُن میں آسمانی روح پھونکی گئی اور خدا نے ایسا اُن سے اتصال کیا کہ گویا اُن میں اُتر آیا اور دوسرے یہ کہ بنی نوع کی زوجیّت کا وہ جوڑ جو حوا اور آدم میں باہمی محبت اور ہمدردی کے ساتھ مستحکم کیا گیا تھا ان میں سب سے زیادہ چمکایا گیا...''

یہ اُنس جو انسانوں میں داخل فرمایا گیا ہے اس کا منبع اور سرچشمہ خاوند اور بیوی کا تعلق ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آدم اور حوا کے حوالے سے ہمیں سمجھا رہے ہیں۔ فرمایا یہ سب سے زیادہ ان میں چمکایا گیا۔

''...اسی تحریک سے ان کو بیویوں کی طرف بھی رغبت ہوئی اور یہی ایک اول علامت اس بات کی ہے کہ ان میں بنی نوع کی ہمدردی کا مادہ ہے اور اسی کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ **خیرکم خیرکم لاهله** (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر ۳۸۳۰) یعنی تم میں سے سب سے زیادہ بنی نوع کے ساتھ بھلائی کرنے والا وہی ہوسکتا ہے کہ پہلے اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی کرے مگر جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور شرارت کا برتاؤ رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کر سکے کیونکہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے سب سے پہلے آدم کی محبت کا مصداق اس کی بیوی کو ہی بنایا ہے..''

اور سارے محبت کے تعلق اسی سے پھوٹتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آگے جا کر اس مضمون کی مختلف شاخیں بناتے اور دکھاتے ہیں کہ دیکھو اس رشتے سے پھر آگے تعلق کے کتنے رشتے پھوٹتے ہیں۔

''...پس جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا یا اس کی خود بیوی ہی نہیں وہ کامل انسان ہونے کے مرتبہ سے گرا ہوا ہے...''

یہاں اصل میں حضرت مسیحؑ پر حضرت اقدس محمد ﷺ کی فضیلت کے بیان کا مضمون ہے۔ اب وہ لوگ جو عیسائی دنیا میں رہتے ہیں ان کے سامنے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ دیکھو مسیحؑ نے

جو شادی نہیں کی تو وہ معصوم تھا۔ شادی کرنے والے کیسے معصوم ہوئے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں کہ

”...شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اُس میں مفقود ہے اس لئے اگر عصمت اُس میں پائی بھی جائے تب بھی وہ شفاعت کرنے کے لائق نہیں...“

یاد رکھیں کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت مسیح شفاعت کے لائق نہیں تھے۔ بعض ٹیڑھی سوچوں والے، ٹیڑھے دماغ والے ایسی عبارتوں سے غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریق یہ ہے کہ بعض دفعہ نام لے کر بعض دفعہ نام لئے بغیر عیسائیوں کے ان جھوٹے اعتراضوں کا جواب دیتے ہیں جو اُن صفات پر مبنی تھے جو اُن کے فرضی مسیح میں پائی تھیں اور جو اُن کے نزدیک رسول اللہ ﷺ میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ جب بھی عیسائیوں کی طرف سے ایسی گستاخی کی گئی تو اُن کے اپنے معتقدات کی رو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملزم ثابت فرمایا۔ یہ مضمون ہے لیکن ہرگز یہ مراد نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک حضرت مسیح اپنی قوم کے لئے شفیع نہیں تھے کیونکہ دوسری عبارتوں میں جہاں حقیقی مسیح کی بات ہوتی ہے، وہ مسیح جو عیسائیوں کے تخیل کی پیداوار نہیں بلکہ خدا کی مخلوق تھا اور خدا نے اُسے خود صیقل فرمایا تھا، خدا نے اس میں روح پھونکی تھی اُس مسیح کا جب ذکر آتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل محبت سے اچھلنے لگتا ہے اور بے اختیار اُس مسیح کی پاکیزگی بیان فرماتے ہیں۔ پس یہاں جو مضمون ہے وہ ایک منطقی مضمون ہے جو عیسائیوں کے بیہودہ لغو اعتراضات کو مدنظر رکھ کر بیان فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک معصومیت یہی ہے کہ انسان شادی ہی نہ کرے تو یہ معصومیت تو دیوانوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے، یہ معصومیت تو ایسے لوگوں کو جو شادی کے لائق نہیں ان کو بھی حاصل ہو جاتی ہے، بچوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ معصومیت تو ہے لیکن شفاعت نہیں۔ اس معصومیت کے ساتھ انسان شفاعت کا اہل نہیں قرار پاتا فرماتے ہیں۔

”...اور شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اُس میں مفقود ہے۔ اس لئے اگر عصمت اُس میں پائی بھی جائے تب بھی وہ شفاعت کرنے

کے لائق نہیں لیکن جو شخص کوئی بیوی نکاح میں لاتا ہے۔ وہ اپنے لئے بنی نوع کی
ہمدردی کی بنیاد ڈالتا ہے کیونکہ ایک بیوی بہت سے رشتوں کا موجب ہو جاتی
ہے اور بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کی بیویاں آتی ہیں اور بچوں کی نانیاں اور
بچوں کے ماموں وغیرہ ہوتے ہیں...‘‘

دونوں طرف کے تعلقات سے انسان آزمایا جاتا ہے اور دونوں طرف کے تعلقات کے بیج
بوئے جاتے ہیں۔ دیکھیں میاں اور بیوی کے تعلقات کتنی بڑی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔

’’...اور اس طرح پر ایسا شخص خواہ نخواہ محبت اور ہمدردی کا عادی
ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی اس عادت کا دائرہ وسیع ہو کر سب کو اپنی ہمدردی سے
حصہ دیتا ہے لیکن جو لوگ جوگیوں کی طرح نشو و نما پاتے ہیں اُن کو اس عادت
کے وسیع کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اس لئے ان کے دل سخت اور خشک رہ
جاتے ہیں...‘‘ پھر فرمایا۔

’’...شخص شفیع کے لئے جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے ضروری ہے
کہ خدا سے اس کو ایک ایسا گہرا تعلق ہو کہ گویا خدا اس کے دل میں اُترا ہوا ہو اور
اس کی تمام انسانیت مر کر بال بال میں لاھوتی تجلی پیدا ہو گئی ہو اور اس کی روح
پانی کی طرح گداز ہو کر خدا کی طرف بہہ نکلی ہو اور اس طرح پر الٰہی قرب کے
انتہائی نقطہ پر جا پہنچی ہو۔ اور اسی طرح شفیع کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس
کے لئے وہ شفاعت کرنا چاہتا ہے اس کی ہمدردی میں اس کا دل اڑا جاتا ہو۔
ایسا کہ گویا عنقریب اس پر غشی طاری ہو گی اور گویا شدت قلق سے اس کے اعضا
اُس سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں اور اس کے حواس منتشر ہیں اور اس کی ہمدردی
نے اُس کو اس مقام تک پہنچایا ہو کہ جو باپ سے بڑھ کر اور ماں سے بڑھ کر اور
ہر ایک غم خوار سے بڑھ کر ہے...‘‘

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد قرآن کریم کی اس آیت کا حقیقی مفہوم انسان پر روشن ہوتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:۴)

کہ اے محمدؐ! تو بنی نوع انسان کے لئے اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا کہ یہ ایمان نہیں لا رہے۔ کتنی بڑی ہمدردی ہے جو حضور اکرم ﷺ کی ذات میں ایسی چمکی تھی اور اس شان سے جلوہ گر ہوئی تھی کہ کبھی دنیا کے کسی دل میں یہ ہمدردی اس شان کے ساتھ نہ چمکی نہ جلوہ گر ہوئی نہ ایسی وسعت پذیر ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کو کل عالم کا نبی بنایا گیا اور کل عالم کا شفیع مقرر فرمایا گیا۔

اگر آپؐ کی ہمدردی مشرق کے لئے خاص ہوتی تو خدا گواہ ہے کہ کبھی آپؐ کو مغرب کا رسول نہ بنایا جاتا اور اگر آپؐ کی ہمدردی مغرب کے لئے خاص ہوتی تو خدا کی قسم ہے وہ کبھی مشرق کا رسول نہ بنایا جاتا۔ پس آپؐ کو مشرق اور مغرب کا رسول بنانا اور کل عالم کے لئے شفیع بنا دینا آپؐ کے قلب مطہر اور اس کی لامتناہی صفات وہبت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تبھی آپؐ کو رحمت للعالمین کا لقب عطا فرمایا گیا۔ تو وہ کیفیت کہ تو اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا یہ وہی ہے کہ اس پر غشی طاری ہو رہی ہے، اس کا دل ٹوٹ رہا ہے، اس کے بدن کے ٹکرے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ اتنی گہری ہمدردی بنی نوع انسان سے اس کو ہو جاتی ہے اور اس کی ہمدردی نے اس کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے جو باپ سے بڑھ کر اور ماں سے بڑھ کر اور ہر ایک غم خوار سے بڑھ کر ہے۔

”...پس جبکہ یہ دونوں حالتیں اس میں پیدا ہو جائیں گی تو وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ ایک طرف سے لاہوت کے مقام سے جفت ہے اور دوسری طرف ناسوت کے مقام سے جفت تب دونوں پلہ میزان کے اس میں مساوی ہوں گے یعنی وہ مظہر لاہوت کامل بھی ہوگا اور مظہر ناسوت کامل بھی اور بطور برزخ دونوں حالتوں میں واقع ہوگا۔ اس طرح پر اسی مقام شفاعت کی طرف قرآن شریف میں اشارہ فرما کر۔ آنحضرت ﷺ کے شفیع ہونے کی شان میں فرمایا ہے دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى...“

یہ وہی مضمون ہے جو میں پہلے بیان کرتا آیا ہوں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مضمون کے وہ لطیف اور باریک پہلو جو ایک صاحب تجربہ عارف باللہ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہو سکتے وہ میں اب آپ کے ساتھ Share کر رہا ہوں یعنی جس طرح میں نے ان سے لطف اٹھایا

آپ کو بھی اس لطف میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔

یہ وہ مقام ہے جس کا دعوت الی اللہ سے تعلق ہے۔ جس کو جتنا نصیب ہوا تنا ہی وہ دعوت الی اللہ کرنے کا اہل ہوتا چلا جائے گا اور اس کی دعوت الی اللہ میں اتنی ہی غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

دعوت الی اللہ کا مطلب ہے دو قوسوں کا ملانا۔ بنی نوع انسان کو خدا سے متصل کرنا اور دَنَا فَتَدَلّٰی کا یہی مضمون ہے جس شخص نے خدا کے وصل کا کوئی حصہ نہ پایا ہو وہ کسی دوسرے کو منطقی طور پر خواہ چیخ چیخ کر بلائے اور دلائل سے کیسا ہی اس پر غالب کیوں نہ آجائے اس کو اللہ سے نہیں ملا سکتا۔ اللہ سے ملانے کے لئے اس کے وجود کا کچھ نہ کچھ حصہ لازم ہے خدا سے خود ملا ہو اور اگر سارا نہیں تو کچھ نہ کچھ تو وہ اس کو خدا سے ملا سکے۔ جو میں نے چنا ہے اس کا آخری حصہ یہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ''...اور چونکہ خدا سے محبت کرنا اور اس کی محبت میں اعلیٰ مقام قرب تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جو کسی غیر کو اُس پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ایسے افعال ظاہر کئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے در حقیقت تمام چیزوں پر خدا کو اختیار کر لیا تھا اور آپ کے ذرّہ ذرّہ اور رگ اور ریشہ میں خدا کی محبت اور خدا کی عظمت ایسے رچی ہوئی تھی کہ گویا آپ کا وجود خدا کی تجلیات کے پورے مشاہدہ کے لئے ایک آئینہ کی طرح تھا۔ خدا کی محبت کاملہ کے آثار جس قدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرت ﷺ میں موجود تھے۔'' (عصمت انبیاءؑ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۶۵۹۔۶۶۶)

فرمایا اللہ کا تعلق تو دنیا کو دیکھنے میں دکھائی نہیں دیتا سوائے اس کے کہ خدا کی صفات بندے میں جاری ہوں۔ پس محمد ﷺ میں صفات الٰہی جلوہ گر ہوئیں تب ہم نے دیکھا کہ آپؐ کا خدا سے تعلق تھا۔ پس ہر وہ احمدی جو کسی دوسرے کو خدا کی طرف بلاتا ہے کچھ تو صفات پیش کر سکے، کچھ تو اپنی ذات میں دکھا سکے کہ دیکھو جب خدا سے تعلق ہوتا ہے تو یہ انسان بن جایا کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت رسول اللہ ﷺ کے عشق میں ڈوب کر اپنے ان دو اشعار میں جو میں آپ

کے سامنے رکھتا ہوں، بتاتے ہیں کہ آپؐ نے کیسے خدا کو پایا اور کیوں آپؐ اس مقام پر فائز ہوئے کہ ہمیں بلاسکیں اور کیوں آپؐ ہی اس بات کے مستحق تھے جو اندر سے آیا ہو وہی اندر کی راہ دکھا سکتا ہے۔ جو محرم راز ہو وہی بتا سکتا ہے کہ محبوب کا قرب حاصل کرنے کے کیا راز ہیں۔ کس طرح انسان اپنے محبوب کو پاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

آنکھ اس کی دور بیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیاء یہی ہے (درثمین صفحہ:۸۳)

نظر قیامت کے آخری کناروں تک پہنچی ہوئی ہے، تمام بنی نوع انسان تک پہنچی ہوئی ہے لیکن دل یار سے قریں ہے، ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیاء یہی ہے۔ یہ وہ کامل وجود ہے جو ہاتھوں میں شمع دیں لئے ہوئے تمام دنیا کو اس نور کی طرف بلا رہا ہے۔

پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے
دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے (درثمین صفحہ: ۸۳)

سب پردے اٹھا دیئے، اندر کی راہ دکھا دی۔ یار سے دل ملانے والا یہی آشنا ہے یعنی پہلے خود آشنا ہو پھر یار کی طرف بلائے تو وہ اس لائق ہوگا کہ یار سے ملائے۔ اس کے بغیر تو یار سے نہیں ملایا جاسکتا۔ جو آشنا ہی نہیں ہے اس نے کہاں کسی کو یار سے ملانا ہے۔ پس آشنا بنو تو تم کامیاب داعی الی اللہ بن جاؤ گے۔ اگر آشنا نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ محض دنیا کی ایک کوشش اور محنت اور دکھاوا ہے اس کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کے عظیم نمونے

جلسہ کے میزبانوں اور مہمانوں کو قیمتی نصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ / جولائی ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

جلسہ کے دن جوں جوں قریب آ رہے ہیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان بھی دنیا کے مختلف ممالک سے یہاں جمع ہو رہے ہیں اور کچھ دنوں سے ایسی ایسی صورتیں خدا تعالیٰ کے فضل سے دکھائی دے رہی ہیں جن کو دیکھے ہوئے مدتیں گزر گئی تھیں۔ سادہ غریب لوگ جن کے ذہن میں بھی کبھی انگلستان آنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ غالب نے تو تکلفاً کہا ہے کہ

لکھنو آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی

ہوس سیر و تماشہ سو وہ کم ہے ہم کو (دیوانِ غالب صفحہ:۲۰۱)

لیکن یہاں یقیناً بلا شبہ یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُن مہمانوں پر صادق آتا ہے جن کو پنجاب میں رہتے ہوئے بھی لاہور دیکھنے کا شوق نہیں تھا اور سندھ میں رہتے ہوئے بھی کراچی دیکھنے کا شوق نہیں تھا اپنے اردگرد کے قصبوں میں بھی ضرورت سے جایا کرتے تھے تو ہوس سیر و تماشہ تو کوئی نہیں اس لئے ان مہمانوں کی بھاری تعداد ایسی ہے جو محض للہ بہت صعوبتیں اُٹھا کر، بہت خرچ کر کے بلکہ بہت سی صورتوں میں توفیق سے بڑھ کر اور آئندہ سالوں کی آمدن پر انحصار کرتے ہوئے قرضے لے کر بھی یہاں پہنچے ہیں یا پہنچ رہے ہیں اور پہنچیں گے۔ ان سب مہمانوں کی

عزت افزائی اسی طرح ہونی چاہئے جیسے خدا کے مہمانوں کی عزت افزائی کا حق ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مہمان آپ کے ذاتی مہمان تو نہیں ہیں اللہ ہی کے مہمان ہیں اللہ ہی کی خاطر اُن کے مہمان بنے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو بار بار یہ خبر دی تھی کہ بہت دور سے کثرت کے ساتھ لوگ تیرے پاس آئیں گے۔

ان پیش خبریوں میں جو عطا فرمائی گئیں عجیب بات یہ ہے کہ قادیان آنے کا ذکر نہیں ملتا بلکہ ''تیرے پاس'' آنے کا ذکر ملتا ہے۔ میں نے جب اس مضمون پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ خلیفہ وقت بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی غلامی میں آپ کا نمائندہ ہے اس لئے وہ ربوہ میں ہو یا کسی اور شہر میں مہمانوں کے رخ اُسی کی طرف پھر جاتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا وہ الہام بڑی شان کے ساتھ بار بار اسی طرح پورا ہوتا ہے۔

لندن کے لوگوں پر مہمانوں کا سب سے زیادہ مہمانی کا بوجھ پڑتا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ لندن کے لوگ اس بوجھ کو پھولوں کی طرح ہلکا سمجھتے ہوئے بڑی محبت اور اخلاص کے ساتھ خدمات بجا لاتے ہیں اور ایسے بھی گھر ہیں جہاں چار پانچ کی بجائے چالیس پچاس افراد اُن چھوٹے سے گھروں میں بسیرا کر لیتے ہیں اور ربوہ اور قادیان کی وہ پرانی یادیں آجاتی ہیں کہ وہاں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مہمان اسی طرح بعض گھروں میں اس طرح سمٹ جایا کرتے تھے کہ یقین نہیں آیا کرتا تھا کہ چھوٹے سے گھر میں اتنے احباب اکٹھے ہو سکتے ہیں لیکن جیسا کہ قرآنی تعلیم ہے کہ دونوں طرف کے حقوق ہوا کرتے ہیں۔ مہمانوں کے بھی حقوق ہیں اور میزبانوں کے بھی حقوق ہیں اور جلسہ سے پہلے جمعہ پر عموماً یہی دستور ہے کہ مہمانوں کو مہمانوں کے فرائض اور اُن کے میزبانوں کو اُن کے مہمانوں کے حقوق بتائے جائیں۔ اسی طرح مہمانوں کو میزبانوں کے حقوق اور میزبانوں کو اُن کے فرائض بتائے جائیں۔ وہ فرائض جو میزبانوں سے تعلق رکھتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت کے خون میں رچ بس چکے ہیں۔ اس کثرت سے جماعت میں مہمان نوازی کی عادت ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسی قوم ہو جہاں اس کثرت کے ساتھ مہمان آتے ہوں اور مہمانوں کو محبت کے ساتھ اور شوق کے ساتھ قبول کیا جاتا ہو اور اس کی بڑی وجہ جلسہ سالانہ کی Institution ہے یعنی نظام جلسہ سالانہ نے ہمارے اخلاق پر بہت عمدہ اور گہرا اثر مترتب فرمایا ہے اور اس کا نتیجہ یہ

نکلا ہے کہ دور کے مہمانوں سے بھی اجنبیت نہیں رہی اور یہ روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن چکے ہیں بلکہ جلسہ سالانہ میں مہمانوں کو گھر ٹھہرا کر جو روحانی لذتیں میزبانوں کو ملتی ہیں ان کی یاد اگلے جلسہ تک مچلتی رہتی ہے کہ کب پھر وہ دن آئیں اور پھر ہمیں میزبانی کی توفیق عطا ہو اور دوران سال بھی اس کے نیک اثر اُن کے جذبہ مہمان نوازی کو بڑھا کر، فزوں تر کر کے اُن کے روزمرہ کے اخلاق پر اچھا اثر ڈالتے رہتے ہیں۔

پس اس پہلو سے جب بھی دنیا کی قوموں پر نظر ڈالتا ہوں تو بلاشبہ پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مہمان نوازی میں جماعت احمدیہ سے بڑھ کر کوئی تجربہ کار قوم نہیں ہے۔ مہمان نواز تو بہت ہیں عربوں میں بڑی مہمان نوازی ہے اسی طرح بعض دوسری قوموں میں بھی بہت مہمان نوازی ہے اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ احمدی باقیوں سے بڑھ کر مہمان نواز ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جتنی مہمان نوازی کا تجربہ احمدیوں کو ہوتا ہے دنیا کے پردے پر کسی اور قوم کو ایسا تجربہ نہیں کیونکہ جب ایک دوسرے کے شہروں میں سیر کے لئے بھی جائیں تو بسا اوقات احمدی گھروں میں جگہ ڈھونڈی جاتی ہے اور احمدی گھر بھی شوق سے وہ جگہیں سیاحوں کو پیش کرتے ہیں تو اس لئے چونکہ یہ تجربے بہت کثرت کے ساتھ ہو رہے ہیں اور ان کا اخلاق پر بڑا اچھا اثر بھی پڑ رہا ہے اور برا بھی پڑ سکتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے ، آئندہ زمانوں کے لئے اسی طرح اخلاق پر اثرات جاری ہو سکتے ہیں۔ پس اس پہلو سے چند نصائح ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ ان کے اوپر پوری توجہ فرمائیں گے اور جیسا کہ پہلے ہی آپ کا مزاج مہمان نوازی کا مزاج ہے اور اسوہ انبیاءؑ کے تابع ہے ان نصائح کے بعد آپ ان فرائض کو اور بھی حسن خلق کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق ملے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہمان نوازی کے چند واقعات خالد مارچ ۱۹۹۱ء میں چھپے تھے وہیں سے یہ واقعات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس کے بعد کسی اور نصیحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

''مولوی عبداللہ سنوری صاحبؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت اقدسؑ بیت مبارک میں ساتھ والے حجرہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ کھڑکی پر لالہ شرمپت یا شاید لالہ ملاوامل نے دستک دی میں

اُٹھ کر دروازہ کھولنے لگا مگر حضرت صاحب نے پہلے جا کر دروازہ کا کنڈہ کھول دیا اور پھر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا آپ ہمارے مہمان ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہئے۔''

یہاں واقعہ تو بہت چھوٹا سا ہے لیکن ایک ایسا سبق ہے جو ہماری ساری مہمان نوازی کو الٰہی رنگ دے سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مہمان کی تکریم ہونی چاہئے اور میں اس غرض سے اُٹھا ہوں اس صورت میں مہمان نوازی کا سارا سہرا مہمان نواز کے سر باندھا جاتا۔ بات وہاں تک رک جاتی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اپنے تک رکھنے کی بجائے اپنے آقا و مولا حضرت اقدس محمد ﷺ کی طرف روانہ کر دیا گویا خود قبلہ نہ بنے بلکہ قبلہ نما ہو گئے اور بہت بڑی نصیحت فرمائی ہے کہ اگر تم اس خیال سے حسن خلق کا مظاہرہ کرتے ہو کہ حضرت اقدس محمد ﷺ نے یہ فرمایا یا ایسا کیا کرتے تھے تو حسن خلق میں مزید ایک حسن پیدا ہو جائے گا جسے قرآنی اصطلاح میں نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کہہ سکتے ہیں۔ ایک حسن تو وہ ہے جو آپ کی فطرت سے پھوٹا ہے آپ کی فطرت کا حصہ ہے اس میں کسی تصنّع کسی بناوٹ کا دخل نہیں اور ایک وہ حسن ہے جو آسمان سے حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا جس کا ذکر قرآن کریم نے نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کہہ کر فرمایا اگر اس نور سے ہم حصہ پائیں اور اپنے فطری نور کو اور زیادہ صیقل کر لیں تو اس صورت میں یہ مہمان نوازی، مہمان نوازی ہی نہیں رہتی بلکہ عبادت بن جاتی ہے۔

مہمان کی ضرورت کا خیال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر رہتا تھا اور اس باریکی سے آپ خیال فرماتے تھے کہ جب کوئی مہمان روانہ ہونے لگے تو اندازہ لگایا کرتے تھے کہ اگلے شہر میں جہاں کھانا میسر ہے کتنی دیر میں پہنچے گا اور اگر رستے میں کھانے کا وقت آئے تو کبھی بھی زادِ راہ ساتھ مہیا کئے بغیر روانہ نہیں فرماتے تھے۔

> قریشی محمد عثمان صاحب فرماتے ہیں ''جب میں حضور سے رخصت ہونے لگا تو فرمایا بٹالہ دو بجے کے قریب پہنچو گے راستہ میں کھانے کا وقت آجائے گا اس لئے یہاں سے ہی کھانا ساتھ کئے دیتے ہیں چنانچہ حضورؑ نے حضرت اماں جانؓ سے کہہ کر کھانا تیار کروا کر ہمارے ساتھ دیا۔''

اس زمانہ میں اس طرح باقاعدہ لنگر خانہ جاری نہیں تھا جس طرح آج کل ہے اور بہت سا بوجھ حضرت اماں جانؓ خود اُٹھایا کرتی تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بے تکلفی سے آپ کو ضروریات بتا دیا کرتے تھے چنانچہ اس مہمان نوازی میں بھی حضرت اماں جانؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہت ساتھ دیا ہے اور جب تک بیویاں خاوندوں کا ساتھ نہ دیں مہمان نوازی کے حق ادا نہیں ہو سکتے اس لئے مردوں کو چاہئے کہ اپنی عورتوں کو بھی مہمان نوازی کے اخلاق سمجھائیں اور اپنے اعلیٰ نمونے سے ان کے اندر مہمان نوازی کے جذبے پیدا کریں۔ یہ کام ایک دو دن کا نہیں ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ سارا سال آپ اپنی بیوی سے بدخلقی کا مظاہرہ کرتے رہیں اور جب مہمان آئے تو اس کو نصیحت کریں کہ مہمانوں سے حسن خلق سے پیش آنا چاہئے اس لئے تم میرا ہاتھ بٹاؤ۔ ایسی صورت میں بیوی کبھی بھی سچے دل سے اپنے خاوند کا ہاتھ نہیں بٹا سکتی لیکن وہ خاوند جو آنحضرت ﷺ کی طرح روزمرہ کی زندگی میں اپنی ازواج سے حسن سلوک کرتے ہیں ان کے بوجھ بانٹتے ہیں، ان پر بوجھ نہیں ڈالتے، جہاں تک استطاعت ہو اپنے کام خود کرتے ہیں اور جہاں دیکھا کہ بیوی پر زیادہ بوجھ پڑ رہا ہے تو ساتھ مل کر خدمت میں شامل ہو جاتے ہیں ایسی بیویاں ضرورت کے وقت اپنی جان فدا کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتی ہیں۔ پس محض ایک وقت کی نصیحت کی بات نہیں سارے سال کا حسن خلق ہے جو موسم پر پھل دیتا ہے اور جب مہمان نوازی کے موسم آتے ہیں تو یہی میٹھے پھل ہیں جو آپ کی سارا سال کی محنتوں کو لگتے ہیں۔ پس آپ یوں ہی نہ سمجھیں کہ آپ ہاتھ بڑھائیں گے تو پھل آجائے گا۔ اس پھل کو لانے کے لئے پانی لانا پڑتا ہے، سارا سال محنت کرنی پڑتی ہے، درخت کی سیرابی اور اس کی خوراک کے انتظام کئے جاتے ہیں تب جا کر خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ درخت پھل آنے کے موسم میں پھل دیتا ہے۔ حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب فرماتے ہیں۔

> ’’ایک بار میں اور میری والدہ قادیان آئے ہوئے تھے۔ ہم واپس ہونے لگے تو حضور ہمارے یکہ پر سوار ہونے کی جگہ تک ساتھ تشریف لائے اور ہمارے راستہ کے لئے کھانا منگوایا۔ وہ کھانا لنگر خانے والوں نے کسی کپڑے میں باندھ کر نہ بھیجا تھا۔ تب حضرت اقدس نے اپنے عمامہ سے قریباً ایک گز کپڑا پھاڑ کر اس میں روٹی کو باندھ دیا۔‘‘ (ذکر حبیبؑ از حضرت مفتی محمد صادق صفحہ: ۴۵)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب مرحوم کپورتھلویؓ نے بیان کیا کہ

''دو شخص منی پور آسام سے قادیان آئے اور مہمان خانہ میں آکر انہوں نے خادمان مہمان خانہ سے کہا کہ ہمارے بستر اُتارے جائیں اور سامان لایا جائے۔...''

یہ منی پور کلکتہ کے قریب ہے اور بہت دور کا فاصلہ اس زمانے میں جبکہ ریل گاڑیوں کے انتظام بھی اچھے نہیں تھے اور گاڑیاں سست رفتار کی ہوا کرتی تھیں سفر کی سہولتیں مہیا نہیں ہوا کرتی تھیں، منی پور سے کسی کا آنا ویسا ہی تھا، جیسے کسی دور کے ملک سے آرہا ہو۔ بہت بڑی بات تھی۔ تو حضرت منشی ظفر احمد فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے بستر ے اُتارے جائیں اور سامان لایا جائے اور چار پائی بچھائی جائے تو خادمان نے کہا آپ اپنا سامان خود اتروائیں چار پائیاں بھی مل جائیں گی۔

یہ پنجابی طرز بیان ہے پنجاب میں مہمان نوازی ہو بھی تو بعض دفعہ ایسی اکھڑ بات کر دیتے ہیں کہ مہمان کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ جب اخلاق سے بھی بات کرتے ہیں تو جو منجھے ہوئے لوگ ہیں ان کو اس بات پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیسی بات کر گئے ہیں۔ تو پنجابی مہمان ہمارے کافی آئیں گے ان کو یہ خصوصیت سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اپنے اندر انداز بیان، طرز بیان میں ملائمت پیدا کریں اور موقع محل کے مطابق بات کیا کریں۔ مجھے یاد ہے ہم کئی دفعہ دیہات میں جایا کرتے تھے تو بڑی عزت کے ساتھ پیش آتے تھے، بہت ہی قربانی سے بہت محنت سے مہمان نوازی کرتے تھے لیکن آداب گفتگو نہیں ہے۔ میں نے مثلاً کسی کو کہا کہ مرغ کا سالن اچھا بنا ہوا ہے آپ بھی لے لیں تو جواب دیتے تھے کہ ہم تو کھاتے ہی رہتے ہیں، آپ کھائیں۔ اب یہ طرز بیان ہے اس میں بڑی سادگی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ کوئی چھیڑا گیا ہے یا یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کو مرغا کھانے کو نہیں ملتا لیکن ایک انداز بیان ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے کے مہمان خانہ کے جو ملازم تھے وہ سادہ لوگ تھے ان کو پتا نہیں تھا کہ کیسے گفتگو کی جاتی ہے۔ چنانچہ جب مہمانوں نے یہ بات سنی تو اسی وقت رخصت ہوئے اور یکہ میں سوار ہو کر واپس روانہ ہو گئے''۔ منشی ظفر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں۔ ''میں نے عبد الکریم صاحبؓ سے یہ ذکر کیا تو مولوی صاحب فرمانے لگے ''جانے دو ایسے جلد بازوں کو''۔

وہ بھی آگے سے پنجابی تھے مگر ان پر نور نبوت ابھی پوری طرح چمکا نہیں تھا۔ پنجابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تھے لیکن جب آسمان سے نور نازل ہوتا ہے تو پھر کوئی صوبہ کوئی ملک باقی نہیں رہا کرتا لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ کا نور ہے جو اس شان سے چمکتا ہے کہ اس میں نہ رنگ نہ نسل نہ جغرافیائی تمیزیں کچھ بھی باقی نہیں رہتی۔

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو نہایت جلدی سے ایسی حالت میں کہ جوتا پہننا مشکل ہو گیا حضور ان کے پیچھے نہایت تیز قدم پیچھے چل پڑے چند خدام بھی ہمراہ تھے میں بھی ساتھ تھا۔ نہر کے قریب جا کر ان کا یکہ مل گیا اور حضور کو آتا دیکھ کر وہ یکہ سے اُتر پڑے اور حضور نے انہیں واپس چلنے کے لئے فرمایا کہ آپ کے واپس ہونے کا مجھے بہت درد پہنچا۔ چنانچہ وہ واپس آئے حضور نے یکہ میں سوار ہونے کے لئے انہیں فرمایا کہ میں ساتھ ساتھ چلتا ہوں مگر وہ شرمندہ تھے اور وہ سوار نہ ہوئے۔ اس کے بعد مہمان خانہ میں پہنچے حضورؑ نے ان کے خود بستر اُتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر خدام نے اُتار لیا حضورؑ نے اُسی وقت دو نواری پلنگ منگوائے اور اُن پر اُن کے بستر کر دیئے اور اُن سے پوچھا کہ آپ کیا کھائیں گے اور خود ہی فرمایا کہ اس طرف تو چاول کھائے جاتے ہیں اور رات کو دودھ کے لئے پوچھا غرضیکہ اُن کی تمام ضروریات اپنے سامنے پیش فرمائیں اور جب تک کھانا نہ آیا وہیں ٹھہرے رہے۔ اُس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص جو اتنی دور سے آتا ہے راستہ کی تکلیف اور صعوبتیں برداشت کرتا ہوا یہاں پہنچ کر سمجھتا ہے کہ اب میں منزل پر پہنچ گیا ہوں اگر یہاں آ کر بھی اُسے تکلیف ہو تو یقیناً اُس کی دل شکنی ہوگی ہمارے دوستوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔''

(سیرت المہدی جلد دوم حصہ چہارم روایت نمبر ۱۰۶۹ صفحہ ۵۶ تا ۵۷)

یہ جو واقعہ ہے اس میں صرف مہمان نوازی کا سبق نہیں ملتا اور بھی بہت باریک اخلاقی اسباق ہیں۔ عام طور پر لوگ مہمان کی بے عزّتی دیکھ کر اپنے نوکروں کی بے عزتی کرنا واجب سمجھتے ہیں کہ انہوں

نے چونکہ مہمان سے بدخلقی کی ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اب ان پر برسیں اور اتنا ذلیل اور خوار کریں، ایسی گالیاں دیں، ایسی سزائیں دیں کہ ان کو سمجھ آجائے کہ آئندہ مہمان سے کیسے سلوک کیا جاتا ہے۔ ایک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سمجھانے کا انداز تھا ان کو پوچھا بھی نہیں۔ یہ بھی پتا نہیں کیا کہ وہ کون لوگ تھے؟ جنہوں نے ایسی بات کی۔ خود روانہ ہوئے، خود سامان اُتارنے کے لئے ہاتھ بڑھائے، خود ان کے کھانے کا انتظام کیا اور جب سب سیر ہو گئے اور طبیعتیں بھر گئیں اور اطمینان نصیب ہو گیا تب بغیر ان کا نام لئے ایک عمومی نصیحت فرما کر لوگوں کو ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم دی۔

حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب کا بیان ہے کہ

”غالباً ۱۸۹۷ء یا ۱۸۹۸ء کا واقعہ ہوگا مجھے حضرت صاحبؑ نے بیت مبارک میں بٹھایا جو کہ اسوقت ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔“ (ذکر حبیب صفحہ: ۴۵)

اب تو آپ میں بہت سے قادیان سے ہو آئے ہیں، جلسہ دیکھ آئے ہیں اللہ کے فضل سے مسجد مبارک بہت بڑی ہو گئی ہے۔ اس وقت ایک چھوٹے حجرے کے، ایک چھوٹے سے کمرے کے برابر تھی۔ حجرہ نہیں لیکن کچھ بڑا کمرہ سمجھ لیجئے۔ فرمایا:

”آپ بیٹھیں میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپؑ اندر تشریف لے گئے میرا خیال تھا کسی خادم کے ہاتھ کھانا بھیج دیں گے مگر چند منٹ کے بعد جبکہ کھڑکی کھلی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے ہاتھ سے سینی اُٹھائے ہوئے میرے لئے کھانا لائے ہیں مجھے دیکھ کر فرمایا کہ آپ کھانا کھائیے میں پانی لاتا ہوں۔ بے اختیار رقت سے میرے آنسو نکل آئے کہ جب حضرت ہمارے مقتداء ہو کر ہماری یہ خدمت کرتے ہیں تو ہمیں آپس میں ایک دوسرے کی کس قدر خدمت کرنی چاہئے۔ (ذکر حبیب از مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۳۲۷)

یہ کیسا اچھا نتیجہ حضرت مفتی محمد صادقؓ نے نکالا یہی نتیجہ آج ہم سب کو نکالنا چاہئے۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ

”ایک دفعہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضورؑ بورئیے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر پلنگ اُٹھالائے میں نے اُٹھانا چاہا تو حضورؑ نے فرمایا یہ

زیادہ بھاری ہے آپ سے نہیں اُٹھے گا۔فرمایا آپ پلنگ پر بیٹھ جائیں مجھے یہاں نیچے زیادہ آرام معلوم ہوتا ہے۔ مجھے پیاس لگی تھی میں نے گھڑے کی طرف دیکھا وہاں پانی پینے کے لئے کوئی برتن نہیں تھا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کیا آپ کو پیاس لگ رہی ہے؟ میں پانی پینے کے لئے برتن لاتا ہوں۔ نیچے زنانے میں جا کر آپ گلاس لے کر آئے۔ پھر فرمایا ذرا ٹھہر یئے اور پھر نیچے گئے اور وہاں سے دو بوتلیں شربت کی لے آئے جو منی پور سے کسی نے بھیجی تھیں۔...‘‘

مجھے خیال آیا کہ شاید وہی دو مہمان ہیں جنہوں نے اپنے اظہار محبت کے بیان کی خاطر جا کر دو بوتلیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میٹھی مہمان نوازی کی یاد میں بھیجی ہوں گی۔فرمایا

’’...ان بوتلوں کو رکھے ہوئے بہت دن ہو گئے کیونکہ ہم نے نیت کی تھی کہ پہلے کسی دوست کو پلا کر خود پئیں گے آج مجھے یاد آ گیا۔ چنانچہ آپ نے گلاس میں شربت بنا کر مجھے دیا میں نے کہا حضورؑ پہلے اس میں سے تھوڑا پی لیں تو میں پھر پیئوں گا آپ نے ایک گھونٹ پی کر مجھے دے دیا۔...‘‘

جو پہلی بات تھی اس میں بھی تکلف نہیں تھا۔اگر تکلف ہوتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زور دیتے کہ نہیں میں نے تو اتنی دیر سے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں پہلے تم پیئو پھر میں پیئوں گا یہ بھی ایک مصنوعی انداز ہو جاتا۔کیسی صاف پاکیزہ بے تکلف طبیعت تھی۔اپنے اس مدت کے ارادے کو ایک طرف کر دیا اور مہمان کی دلداری کی خاطر جو تبرک چاہتا تھا آپؑ نے پہلے پی لیا تو گویا پہلے بھی مہمان کی دلداری مقصود تھی اپنی بڑائی مقصود نہیں تھی۔پس جب مہمان ہی نے تقاضا کیا کہ پہلے آپؑ پی لیں تو آپؑ نے بے تکلف پہلے پی لیا۔فرماتے ہیں۔

’’... آپؑ نے ایک گھونٹ پی کر مجھے دے دیا اور میں نے پی لیا میں نے شربت کی تعریف کی۔آپ نے فرمایا ایک بوتل آپ لے جائیں اور ایک باہر دوستوں کو پلا دیں آپؑ نے ان دونوں بوتلوں سے وہی ایک گھونٹ پیا ہو گا۔...‘‘

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ:۱۶۸)

’’ایک دفعہ بڑی رات گئے ایک مہمان آ گیا۔کوئی چارپائی خالی نہ تھی

اور سب سو رہے تھے حضرت صاحبؑ نے فرمایا ذرا ٹھہریئے میں ابھی انتظام کرتا ہوں ۔آپ تشریف لے گئے اور دیر تک واپس تشریف نہ لائے مہمان نے خیال کیا کہ شاید حضرتؑ بھول گئے ہیں اس نے ڈیوڑھی میں جھانکا تو دیکھا کہ ایک صاحب چارپائی بن رہے ہیں اور حضرت خود مٹی کا دیا لے کر کھڑے ہیں ۔ چارپائی بنی گئی اور مہمان کو دی گئی اور ادھر مہمان صاحب عرق ندامت میں غرق ہو رہے تھے کہ میں نے آدھی رات کے وقت حضرت کو اس قدر تکلیف دی ادھر حضرت اقدس عذر فرما رہے تھے کہ۔ ''معاف کرنا چارپائی لانے میں دیر ہوگئی ۔''

ابتدا میں مہمانوں کا کھانا حضورؑ کے گھر سے ہی آتا تھا حضور مہمان کی ضرورت کا خیال رکھتے تھے اور ایسا بھی وقوع میں آیا ہے کہ سردی کے موسم میں حضور نے مہمانوں کے لئے اپنا بستر باہر بھجوا دیا اور خود بغیر بستر کے رات گزار دی ۔

''جلسہ سالانہ کے موقع پر بہت سے آدمی اپنے بستر نہیں لائے تھے مہمانوں کے لئے اندر سے بستر لانے شروع کئے ۔ کارکن عشاء کی نماز کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضور بغلوں میں ہاتھ دیئے بیٹھے ہیں ۔ ایک صاحبزادہ لیٹا تھا اسے شتری چوغہ اوڑھا رکھا تھا معلوم ہوا کہ آپؑ نے اپنا لحاف بھی مہمانوں کے لئے بھجوا دیا ۔ میں نے عرض کی کہ حضور کے پاس کوئی کپڑا نہیں رہا اور سردی بہت سخت ہے ۔ فرمانے لگے کہ مہمانوں کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے اور ہمارا کیا ہے ۔ رات گزر جائے گی پھر وہ کسی سے لحاف مانگ کر اُوپر لے گئے تو حضورؑ نے فرمایا کسی اور مہمان کو دے دو اور باوجود اصرار کے حضورؑ نے وہ لحاف نہ لیا ۔ (اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ: ۱۸۰)

''محترم سیٹھی غلام نبی صاحب نے بیان فرمایا کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کے لئے قادیان گیا سردی کا موسم تھا اور کچھ بارش بھی ہو رہی تھی میں شام کے وقت قادیان پہنچا رات کو جب

کھانا کھا کر لیٹ گیا اور کافی رات گزر گئی اور قریباً ۱۲ بجے کا وقت ہو گیا تو کسی نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے تھے ایک ہاتھ میں گرم دودھ کا گلاس تھا اور دوسرے میں لالٹین تھی۔ میں حضور کو دیکھ کر گھبرا گیا مگر حضور نے بڑی شفقت سے فرمایا کہیں سے دودھ آ گیا تھا۔ میں نے کہا آپ کو دے آؤں۔آپ یہ دودھ پی لیں آپ کو شاید دودھ کی عادت ہوگی اس لئے یہ دودھ آپ کے لئے لے آیا ہوں۔سیٹھی صاحب کہا کرتے تھے کہ میری آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے کہ سبحان اللہ کیا اخلاق ہیں یہ خدا کا برگزیدہ مسیح اپنے ادنیٰ خادموں تک کی خدمت اور دلداری میں کتنی لذت پاتا ہے اور کتنی تکلیف اُٹھاتا ہے۔'' (سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ: ۷۷۰)

یہ جو دو لفظوں میں حضرت سیٹھی غلام نبی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاص کا نقشہ کھینچا ہے یہ بہت ہی معنی خیز ہے۔فرمایا کتنی لذت پاتا ہے اور کتنی تکلیف اٹھاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مہمان نوازی کی تکلیف میں لذت کو بہت دخل ہے اگر آپ کو لذت محسوس نہ ہو تو آپ مہمان نوازی کے بوجھ نہیں اُٹھا سکتے وہ مہمان نوازی جو چٹی محسوس ہو، جو تکلیف دہ ہو وہ مہمان نوازی ادا کرنا بہت ہی جان جوکھوں کا کام ہے لیکن وہ مہمان نوازی جو لذت پیدا کرتی ہو اس کے ساتھ بھی ایک تکلیف وابستہ ہے کیونکہ تکلیف تو بہر حال ہوگی جو وزنی پلنگ اُٹھائے گا جو بغیر گرم کپڑے کے رات بسر کرے گا اُسے تکلیف تو ہوگی مگر اس کے مقابل پر ایک لذت ہے جو اس تکلیف پر حاوی رہتی ہے ۔پس حضرت سیٹھی صاحب کا یہ فقرہ پڑھ کر میں نے بہت لطف اُٹھایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ بھی کیسے زیرک تھے اور کیسا عمدہ کلام فرماتے تھے کہ دو لفظوں میں نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک خلق کا نقشہ کھینچا بلکہ گہری فطرت کا راز بیان فرما دیا۔پس آپ کو بھی مہمان نوازی میں لذت پانی ہوگی اور اس لذت یابی کے لئے مہمان نوازی کو کسی محبوب سے منسلک کر کے مہمان نوازی کریں تو لذت کا راز پا جائیں گے۔اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ واقعات یاد کر کے مہمان نوازی کریں گے تو چونکہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کو پیار ہے یہی پیار آپ کے مہمانوں کی طرف

منتقل ہو جائے گا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی طرح لذت پاتے تھے۔آپ ہمیشہ اپنے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ ﷺ پر نظر رکھتے تھے اور آپ کی مہمان نوازی کی لذت آپ کو حضور اکرم ﷺ سے عطا ہوا کرتی تھی اور یہ رشتے چلتے چلتے لازماً خدا تک پہنچتے ہیں۔پس ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اگر چہ درمیان میں وسیلے تو موجود ہیں لیکن اچانک وسیلے غائب ہوتے دکھائی دیتے ہیں اور انسان خدا کی حضور میں آجاتا ہے اور اس کی لذتیں لافانی ہو جاتی ہیں۔پس ان لذتوں کی تلاش کریں انہی کے ساتھ آپ کے حسن خلق میں دوام ہوگا آپ کا حسن خلق آپ کی ذات میں قرار پکڑ جائے گا آپ کے وجود کا حصہ بن جائے گا۔اگر بوجھ کے ساتھ اخلاق برتیں گے وہ ایک عارضی اور فانی چیز ہوگی آج آئے اور کل چلے گئے کسی مشکل وقت میں وہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے لیکن جو اخلاق اعلیٰ اور پاک نمونوں سے وابستہ ہو جاتے ہیں، جو دل میں لذت پیدا کرتے ہیں وہ ہر مشکل وقت ساتھ دیتے ہیں اور وفا کرتے ہیں اور کبھی انسان کو نہیں چھوڑتے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بیان فرماتے ہیں۔جب میں ۱۹۰۵ء میں ہجرت کر کے قادیان چلا آیا اور اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لایا۔اس وقت میرے دو بچے تھے۔حضورؑ کے رہائشی صحن کے ساتھ والے کمرے میں رہتے تھے اور حضورؑ کے بولنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ایک شب کا ذکر ہے کہ کچھ مہمان آئے جن کے واسطے جگہ کے انتظام کے لئے حضرت اماں جانؓ حیران ہو رہی تھیں کہ سارا مکان پہلے ہی کشتی کی طرح پُر ہے اب ان کو کہاں ٹھہرایا جائے۔اس وقت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اکرام ضیف کا ذکر کرتے ہوئے حضرت بیوی صاحبہ کو پرندوں کا قصہ سنایا۔۔۔

اب یہ قصہ تو ظاہر ہے کہ ان معنوں میں بے حقیقت ہے کہ ایک فرضی قصہ ہے عملی دنیا میں یہ ہو نہیں سکتا ناممکن بات ہے لیکن پرانے زمانے میں یہ رواج تھا کہ قصّوں کی صورت میں اخلاقی تعلیم دی جاتی تھی۔اس میں جانور بھی باتیں کرتے تھے، بولتے تھے، اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا کرتے تھے اور کہانی سننے والے کو ایک اخلاق نصیب ہو جایا کرتا تھا۔پس ان معنوں میں نہ کہ اُسے حقیقت سمجھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اماں جانؓ کو ایک قصہ سنایا۔مفتی صاحب کہتے ہیں ہم نے وہ سارا قصہ سنا کیونکہ وہ آواز پتلی دیواروں سے ہمیں صاف پہنچ رہی تھی فرمایا۔

''دیکھو ایک دفعہ ایک مسافر کو جنگل میں شام ہوگئی وہ درخت کے

نیچے رات گزارنے کے لئے بیٹھ رہا اس درخت کے اوپر ایک پرندے کا آشیانہ تھا پرندہ اپنی ماں سے باتیں کرنے لگا کہ دیکھو یہ مسافر جو ہمارے آشیانہ کے نیچے زمیں پر آ بیٹھا ہے یہ آج رات ہمارا مہمان ہے اس کی مہمان نوازی کریں اور تو ہمارے پاس کچھ نہیں اس کی سردی دور کرنے کے لئے اپنے آشیانے کی لکڑیاں نیچے پھینک دیں تا کہ یہ جلا کر سینک لے چنانچہ ایسا ہی کیا۔ پھر مشورہ کیا کہ آگ تو ہم نے مہمان کو بہم پہنچائی اب ہمیں چاہئے کہ اسے کھانے کو بھی کچھ دیں اور تو ہمارے پاس کچھ نہیں ہم خود ہی اس آگ میں جا گریں اور مسافر ہمیں بھون کر ہمارا گوشت کھا لے چنانچہ پرندوں نے ایسا ہی کیا اور مہمان نوازی کا حق ادا کیا''۔ (ذکر حبیب از مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ :۸۵)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قصہ حضرت اماں جانؓ کے کانوں تک نہیں ٹھہرا آپ کے دل پر جا کر شبنم کی طرح گرتا رہا اور اُسے ایک لافانی لذت سے سیراب کر گیا اس لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روزمرہ کا خلق یہی تھا۔ جب سردی کی ضرورت پیش آئی تو خود اپنا لباس مہمانوں کے پاس پیش کر دیا، جب کھانے کی ضرورت پیش آئی تو اپنا کھانا اُن کے حضور پیش کر دیا۔ تو جو کچھ انسان کو مکلّف بنایا گیا وہ سب کچھ آپ نے اپنے دل کی محبت اور طبعی جوش کے ساتھ کر دکھایا۔ بس یہ قصہ تب اثر انداز ہوتا ہے جب ایک شخص صاحب خلق ہو اور انسان کا دل گواہی دے کہ جو کچھ کہتا ہے اس کے ساتھ اس کے قلبی جذبات شامل ہیں۔

پس یہ بھی ایک دو دنوں کی مہمان نوازی کی بات نہیں۔ یہ روزمرہ کی زندگی کے قصے ہیں۔ جلسہ کے مہمانوں کی تیاری کے لئے آپ کو سارا سال محنت کرنی چاہئے اور سارا سال اپنے گھر کی تربیت کرنی چاہئے تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جب یہ مہمانوں کے موسم آئیں تو پھر مہمانوں کے حق اسی طرح ادا ہوں جس طرح انبیاءؑ اور اُن سے محبت کرنے والے حق ادا کیا کرتے ہیں۔

اس کے بعد جہاں تک مہمانوں کی خدمت کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ نصیحت کی مزید کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

اب مہمانوں کو بھی تو کچھ بتانا چاہئے کہ میزبانوں کے بھی کچھ حقوق ہیں ان کو بھی وہ ادا

کریں۔ میزبان تو گونگا ہو جاتا ہے وہ تکلیف اٹھاتا ہے اور کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اپنے سامنے ایسی حرکتیں دیکھتا ہے جن کا بوجھ اُٹھانے کی اس کو طاقت نہیں لیکن خاموش ہے۔ مثلاً باہر سے آنے والے جب یہاں ہر گھر میں فون دیکھتے ہیں اور ان پر تالے بھی نہیں پڑے ہوتے اور براہ راست ٹیلی فون کے ذریعہ وہ دنیا میں ہر جگہ رابطے کر سکتے ہیں تو کچھ اُن کے سامنے اور کچھ موقع کی تلاش کر کے ایسے وقت میں جبکہ میزبان گھر پر موجود نہ ہو یا سن نہ رہے ہوں ان فونوں کا بے دھڑک استعمال کرتے ہیں اور نتیجۃً بعض دفعہ غریب گھرانوں میں میزبانی کا اتنا بوجھ نہیں پڑتا جتنا فونوں کا پڑتا ہے اور وہ مہینوں ان کے بل ادا کرتے کرتے اپنی سب آمد قریباً اسی پر لٹا بیٹھتے ہیں۔ پس مہمانوں کو بھی خدا کا خوف کرنا چاہئے میزبان نے اپنی توفیق کے مطابق آپ کی خدمت کی اور لِلّٰہ کی۔ تو کوئی مقصد نہیں تھا اکثر تو وہ ہمیں جو محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتے ایک دوسرے سے متعلق ہوئے ہیں۔ ذاتی مہمان بھی آتے ہیں لیکن ان دنوں میں اکثر مہمان ذاتی نہیں بلکہ الٰہی مہمان ہیں تو میزبانوں کے بھی حقوق ہیں۔ مہمانوں کو چاہئے ان حقوق کا خیال رکھیں۔

یہاں اس طرح نوکر نہیں ملتے جس طرح متمول لوگ یا درمیانے طبقہ کے لوگ بھی پاکستان اور ہندوستان میں اگر سارے وقت کا نوکر نہیں جز وقتی نوکر حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ یہاں تو ساری محنت میزبانوں کو خود کرنی پڑتی ہے۔ انگلستان میں رہنے والے خصوصاً لندن کی جو خواتین اُن کا تو یہ حال ہے کہ خدا کے فضل سے دینی خدمت بھی اتنی بھرپور کرتی ہیں کہ بعض دفعہ میں تعجب سے دیکھتا ہوں کہ اپنے روزمرہ کے بوجھ اُٹھانے کے بعد ان کو یہ فرصت کہاں سے مل جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد خاوند اور بچوں کا خیال رکھنا ان کو تیار کرنا روزمرہ کے کام ہی اتنے ہیں ان کو سمیٹنا ہی بہت وقت چاہتا ہے۔ ایسے میں اگر تھوڑی جگہ میں زیادہ مہمان آ جائیں تو اس سے آپ اندازہ کریں کہ ان پر کتنا بوجھ پڑتا ہوگا۔ تو کوشش یہ کرنی چاہئے کہ میزبانوں کا ہاتھ بٹائیں اور کام کو ہلکا کریں۔ ہاتھ بٹانے کے وقت یہ بھی خیال رکھیں بعض دفعہ میزبان یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا ہاتھ بٹایا جائے۔ ایسی صورت میں زبردستی نہیں کرنی چاہئے۔ مختلف مزاج کے میزبان ہیں اگر پیار سے اُن کو سمجھا کر اُن کو آمادہ کر لیں کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ کی مدد کریں تو پھر ٹھیک ہے کہ ہاتھ بٹائیں لیکن زبردستی چھینا جھپٹی نہ کریں کہ نہیں ہم نے آپ کو پلیٹ نہیں اُٹھانے دینی۔ ہم اُٹھائیں گے کئی دفعہ چھینا جھپٹی میں قیمتی برتن بھی

ٹوٹ جاتے ہیں اور اُلٹے لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔

پس ایک تو اس بات کا خیال رکھیں۔ دوسرے اس بات کا خیال رکھیں کہ آپ کے بچے میز بانوں کے بچوں کے ساتھ مل کر قیامت بر پا نہ کریں۔ بچوں کی فطرت میں یہ بات ہے کہ اکیلے گھر کے بچے اگر ایک درجے کا شور کر سکتے ہیں تو دو گھروں کے بچے گیارہ یا بیس یا بائیس درجہ کا شور کر سکتے ہیں اور دونوں کو کھل کر کھیلنے کی چھٹی مل جاتی ہے کیونکہ اس خیال سے کہ دوسرے ماں باپ برا نہ منائیں۔ دونوں کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس کے گھر پر یہ بچے قیامت ڈھا دیتے ہیں اُن کی کوئی چیز سلامت نہیں رہتی، گندگی ہر طرف پھیل جاتی ہے، کئی چیزوں کے واقعۃً نقصان ہو جاتے ہیں، شور فساد مصیبت اور زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مہمان تو جب چاہے اپنے بچوں کو الگ کر لے لیکن میز بان کے لئے بڑا مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ادب کے خلاف ہے کہ مہمان کے بچوں کو کسی رنگ میں بھی کچھ کہا جائے۔ اس سے اُن کو تکلیف پہنچے گی تو وہ مائیں جو اپنے بچوں کو دوسروں کے ہاں شور کرنے اور ان کی چیزیں خراب کرنے یا تنگ کرنے کی چھٹی دیتی ہیں وہ بڑی ظالم مائیں ہیں وہ وقتی طور پر صرف میز بان کو نقصان نہیں پہنچا تیں بلکہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کے لئے خراب کر رہی ہوتی ہیں ایسے بچوں میں سے تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ ان میں ایثار نہیں رہتا، وہ دوسروں کا احساس کرنے کے جذبات سے عاری ہو جاتے ہیں اور قوم کو پھر بد خلق لوگ ملتے ہیں پس ماؤں کو چاہئے کہ صاحب خلق کو اپنی گودوں میں پالیں اور بڑا کریں اور ایسی حالت میں انہیں قوم کے سپرد کریں کہ ان کے اخلاق سنور چکے ہوں اور وہ قومی اخلاق سے آراستہ ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ عمدہ معاشرت کا سلوک کریں، معاشرتی حقوق ادا کریں لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بچے کے بچپن میں یہ باتیں بگڑا کرتی ہیں، جن ماؤں نے اپنی اولاد کو کھلی چھٹی دے رکھی ہو کہ جو چاہیں کریں ان کی اولاد بڑی ہو کر لازماً معاشرے کو نقصان پہنچاتی ہے پس آپ جبکہ مہمان بن کر مختلف جگہوں سے آئیں گے تو اگر آپ کے بچے ساتھ ہیں تو ان کو لگام دیں اور پوری طرح اس بات کا احساس کریں کہ ان کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔

پھر گپّوں کی مجالس سے پرہیز کیا کریں بعض لوگ بیٹھ جاتے ہیں اور گپوں کی لمبی مجالس چلاتے ہیں۔ یہ رواج کوئی آج کا رواج نہیں یہ انسانی فطرت کے ساتھ تعلق رکھنے والا دیرینہ رواج

ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جب تم لوگوں کو کھانے پر بلایا کریں تو گپ شپ میں مصروف ہو کر نبیؐ کو تکلیف نہ دیا کرو۔آپ اندازہ کریں کہ آنحضرت ﷺ کا کتنا گہرا احترام آپؐ کے غلاموں کو تھا لیکن گپ شپ کی عادت ایک ایسی گہری عادت ہے کہ جس قوم میں پڑ جائے وہ احترام کے باوجود بھی باز نہیں رہ سکتی اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کو واضح طور پر یہ نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔آج روزمرہ کے تعلقات میں تو وہ احترام تو کوئی کردار ادا نہیں کر رہا جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کیا کرتا تھا اس کے باوجود یہ حال تھا۔تو یہاں تو ایسا ہوگا کہ بعض دفعہ ساری ساری رات بیٹھ کر گپیں ماری جائیں گی اور صبح ہو جائے گی اور جن بچارے لوگوں نے کام پر جانا ہے اُن کو مصیبت وہ اپنے اخلاق کے مظاہرے میں اس خیال سے کہ مہمان یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ساتھ بیٹھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔تو وقت پر اُٹھا کریں وقت پر سویا کریں اور گپیں مارنی ہیں تو الگ ہو کر کسی باہر کی جگہ پر ماریں لیکن واپسی کے اوقات کا پھر بھی خیال رکھنا ہوگا کیونکہ وہ لوگ جو کسی کے ہاں مہمان ٹھہرتے ہیں اور یہ بتائے بغیر اپنی شاپنگ کے لئے چلے جاتے ہیں کہ ہم نے کھانا باہر کھانا ہے اور پھر دیر سے آتے ہیں اور ان کا انتظار ہوتا رہتا ہے یا رات کو دیر میں آئے اور جگایا اور تنگ کیا کہ ہم فلاں جگہ سیر کے لئے چلے گئے تھے، وہ اپنے میز بانوں کے لئے بڑی پریشانی کا موجب بنتے ہیں۔سیریں اپنی جگہ اور انسانی حقوق اپنی جگہ کسی کا حق تلف کر کے آپ کو سیر کرنے کا حق نہیں ہے۔حقوق ادا کریں پھر یہ نفلی کام ہیں جیسے چاہیں کریں۔

قرض لینے سے حتی المقدور پرہیز کریں کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ باہر سے آنے والے بہت سے یہاں آ کر مہمانی کا لطف بھی اُٹھاتے ہیں اور پھر وقتاً فوقتاً قرض بھی لے جاتے ہیں اور بسا اوقات یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ کی بچی کی شادی ہے ہم آپ کو وہاں سے کیوں نہ جہیز بنا دیں، وہاں بہت اچھا زیور بنتا ہے، وہاں بہت اچھے کپڑے سلتے ہیں۔یہاں جو پچاس پاؤنڈ میں آپ کو جوڑا ملتا ہے وہ کراچی لاہور میں دس دس پاؤنڈ میں مل جاتا ہے۔ایسی باتیں کرتے ہیں اور یہاں کے بچارے سادہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا موقع ہے پھر کب نصیب ہوگا وہ اُن کے سپرد رقمیں کر دیتے ہیں اور بعد میں اس وقت مجھے پتا چلتا ہے جب سال کے بعد یا دو سال کے بعد یہ چٹھی آتی ہے کہ فلاں صاحب آئے تھے ہم نے تو یہاں خدمت کی، خاطر کی لیکن وہاں سے جواب بھی نہیں آ رہا کہاں غائب ہو گئے

کچھ نہیں پتا لگ رہا اور بچی کی شادی کا وقت بھی قریب آرہا ہے کچھ پتا نہیں وہ پیسے کہاں گئے؟ پھر میں اُن کو لکھتا ہوں، تلاش کرتا ہوں اور بسا اوقات سختی بھی کرنی پڑتی ہے۔ یہ واقعہ نہیں ہونا چاہئے احمدیوں میں یہ بات بہت ہی بیہودہ اور نامناسب ہے کہاں اعلیٰ اخلاق کے مظاہرے ہورہے ہوں اور کہاں ایسی بددیانتی اور بدنصیبی کہ جس کے ہاتھ کی روٹی کھا کر گئے ہوں اسی کے ساتھ دھوکہ اور اسی پر ظلم یہ تو بہت ہی زیادہ سفّا کی ہے، عام حالات میں جماعت کو مالی لین دین میں بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہئے۔ کئی دفعہ میں نے خطبات میں نصیحت کی ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ دن بدن جماعت اس معاملہ میں سدھر رہی ہے۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو پیشہ ور لین دین میں خرابی کرنے والے ہیں وہ تو ابھی بھی ہیں۔ ان کے لمبے پیشے ہو چکے ہیں ان کی عادتوں میں یہ مرگی کی بیماری ایسی پڑ گئی ہے کہ اب رکتی نہیں مگر اللہ کے فضل سے عام معاشرے میں اس بات کا بہت احساس پیدا ہو چکا ہے اور خدا کے فضل سے احمدی اپنے دیگر معاشرے کے ساتھیوں کے مقابل پر لین دین میں زیادہ صاف ستھرا ہے اور خیال رکھتا ہے اور میری دعا یہ ہے کہ کوئی بھی احمدی ایسا نہ ہو جو لین دین میں بدمعاملگی کرے کیونکہ اس کے بہت بداثرات مترتب ہوتے ہیں اور لین دین میں بددیانتی کرنے والوں کی اولادیں بھی ناپاک ہو جاتی ہیں ان میں بے برکتیاں پڑتی ہیں اور وہ پھر بہت دکھ اُٹھاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے آخر پر اپنی ساری جائیدادیں لٹا دیں اور کنگال ہو کر بیٹھ رہے اس لئے کہ جب وقت تھا لوگوں کو لوٹا کھایا پیا اور بعد میں سر چھپاتے پھرتے ہیں، بھاگتے پھرتے ہیں کہیں ان کو پناہ نہیں ملتی، جھوٹ پر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، ساری زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ تو خدا کی پکڑ تو آتی ہے مگر اس کے آنے سے پہلے بچ جانا چاہئے۔ خدا کی خاطر اور قوم کے نام کی خاطر کیونکہ اس قوم کے اخلاق کو دیکھ کر بہت سے ہدایت پانے والے ہدایت پاتے ہیں اس خاطر کہ لین دین کے معاملات میں صاف ستھرے ہو جائیں کہ اللہ کے لئے اگر ہم اپنے اخلاق سنواریں گے تو اللہ کے لئے آنے والوں کے لئے آسانی پیدا کریں گے پس آپ لین دین کے معاملہ میں صاف ستھرے ہو جائیں آپ کے متعلق کبھی کسی قسم کی شکایت نہیں آنی چاہئے۔

ایک بات یہ ہے کہ جب آتے ہیں تو پھر جانے کا بھی نام لیا کریں۔ بعض ایسے آتے ہیں کہ آکے پھر وہیں کے ہو رہتے ہیں اور میزبان کو کچھ سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں کس طرح ان کو

سمجھاؤں کہ بہت ہو گیا، ہم لوگ تھک گئے ہیں اتنی لمبی عادت نہیں ہے، تکلیف ہو رہی ہے لیکن وہ جانے کا نام ہی نہیں لیتے وہ ایسی ہی کیفیت ہو جاتی ہے جیسے ایک عرب شاعر کا یہ شعر جو میں پڑھ کر سُناؤں گا ایک کہانی میں جڑا گیا ہے کہ ایک صاحب جن کو بہت کھانے کی عادت تھی وہ ایک دفعہ کسی سفر میں روانہ ہوئے رستے میں کسی کے ہاں ٹھہرے اور وہ اتنا کھاتے تھے کہ جب میز بان روٹی لے کر آتا تھا اور سالن کے لئے دوڑتا تھا تو سالن آنے تک روٹی کھا چکے ہوتے تھے اور جب وہ روٹی کے لئے دوڑتا تھا تو وہ روٹی آنے تک سالن کھا چکے ہوتے تھے اور ایسا کئی بار ہوتا تھا اور وہ جانے کا نام بھی نہیں لے رہے تھے۔ تو میز بان نے اشارۃً اُن کو یاد دلانے کے لئے کہ آپ نے روانہ بھی ہونا ہے کہ نہیں اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں، کس طرف کا ارادہ تو ہے انہوں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ ایک حکیم کا نام سُنا ہے کہ معدہ کا بہت اچھا علاج کرتا ہے مجھے بھوک نہیں لگتی تو میں اس کی طرف جا رہا ہوں تو اس نے کہا ٹھیک ہے میں سمجھ گیا ہوں لیکن جب آپ واپس تشریف لائیں تو میری ایک درخواست ہے اُسے ذہن نشین کر لیجئے۔

یا ضیفنا ان عدتنا لوجدتنّا

نحن الضیوف وانت رب المنزل

کہ اے ہمارے معزز مہمان جب تو دوبارہ ہماری زیارت کرے تو اس حال میں تو ہمیں پائے گا کہ ہم تیرے مہمان ہوں گے اور تو ہمارا میز بان ہوگا۔

یہاں بعض گھرانوں کی واقعۃً ایسی ہی کیفیت ہو جاتی ہے کہ گھر والے تو بیچارے مہمان بن کر رہتے ہیں اور مہمان میز بان بن چکے ہوتے ہیں۔ بار بار سمجھایا گیا ہے آنے والوں کو لکھ کر بھی نصیحتیں کی گئی ہیں کہ خدارا ان باتوں کا خیال رکھو اور وقت کے اوپر جاؤ اور صرف میز بانوں کے لحاظ سے نہیں حکومت کے لحاظ سے بھی جماعت نے جو وعدے کئے ہیں ان کا پاس کرو کیونکہ ایک فرد کی عزت بھی بڑے احترام کے لائق چیز ہے لیکن جماعت کی عزت اتنی بالا اور اتنی وسیع ہے اور اس کی اتنی قدر قیمت ہونی چاہئے کہ اس کے مقابل پر ہر انسان کی ذاتی ضرورتیں قُربان ہو جانے کے لائق ہیں لیکن جماعت کی عزت اور نام کو قُربان نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ لوگ جو انگریزی حکومت سے یہ کہہ کر ویزا لیتے ہیں کہ ہم ایک مقدس جلسہ پر جا رہے ہیں اپنے امام کو دیکھے ہوئے ترس گئے، مدتیں

ہو گئیں ہیں اُسے ملے ہوئے اس نیت سے ہم آئے ہیں کہ وہاں جائیں اور اپنی روحانی پیاس بجھائیں، وہ جب یہاں آتے ہیں تو اُن میں بعض کہتے ہیں جب روحانی پیاس بجھ رہی ہے تو جسمانی پیاس بھی ساتھ ہی بجھ جائے اور یہیں اسائلم لے لیا جائے۔ بعض پھر آ کر مجھ سے پوچھتے ہیں اور اجازت بھی لیتے ہیں کہ کیوں نہ فائدہ اُٹھائیں اور ساتھ ہی اسائلم بھی لے لیں۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ خدا کا خوف کرو اگر فائدہ اٹھانا ہے تو جماعت سے باہر نکل کر اُٹھاؤ۔ جس احمدی کے دل میں جماعت کی ناموس کا خیال نہیں ہے، اس کے وعدے کا پاس نہیں ہے، جماعت کی عزت کو اپنے چند کوڑی کے فائدوں کے لئے پاؤں تلے روندنے پر آمادہ ہے تو اس کا جماعت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ ایسی سزا نہیں ہے جو فوراً معاف ہو جائے یہ کبھی معاف نہیں ہوگی کیونکہ تم نے ساری زندگی کا سودا کر لیا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ دنیا کے عارضی چند ٹکوں کی خاطر اعلیٰ اقدار کے سودے نہ کیا کرو۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ساری زندگی کا سودا کر لیا ہے انہوں نے تو شیطان کے پاس اپنے آپ کو بیچ دیا اُن کا پھر کبھی جماعت سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اُن کے ساتھ پھر دنیا میں کیا سلوک ہوگا لیکن اُس دنیا میں بھی جہاں تک میں قرآن کریم کا پیغام سمجھتا ہوں اللہ کی مرضی ہے جس کو چاہے معاف کرے مگر ایسے لوگ بالعموم قبول نہیں کئے جائیں گے۔ اس لئے آپ خدا کا خوف کریں اور میزبانوں سے بھی مناسب وقت کے اندر ایسے وقت میں رخصت ہوں کہ جب آپ رخصت ہو رہے ہوں تو وہ شکر نہ کریں بلکہ اُن کے دل غم سے بھرے ہوئے ہوں جب آپ آئیں تو ان کے دل خوشیوں سے معمور ہوں جب آپ جائیں تو رو رہے ہوں۔ ویسی ہی کیفیت ہو جیسے کسی نے ایک بچے کے متعلق ایک شعر کہا ہے کہ اے انسان تو ایسی حالت میں دنیا میں آیا کہ سب خوش تھے اور تو اکیلا رو رہا تھا۔ اس طرح دنیا سے جانا کہ تو اکیلا خوش ہو اور سب رو رہے ہوں۔ تو اے آنے والے مہمانو! اس سے سبق سیکھو اس حالت میں آؤ کہ اپنے گھروں کو یاد کر کے جیسے بھی تمہیں تکلیف ہو تو بے شک رو دو لیکن کھلے ہاتھوں تمہارا استقبال کیا جائے جہاں جاؤ وہاں کے گھروں کو خوشیوں سے بھر دو اور ایسے اخلاق کا مظاہرہ کرو کہ جب روانہ ہو تو تم خوش ہو کہ میں نے ایک بوجھ اُتار دیا اور تمہیں رخصت کرنے والے رو رہے ہوں کہ آئندہ جب بھی تم آؤ کھلے ہاتھوں کے ساتھ تمہارا استقبال کیا جائے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ (آمین)

جلسہ پر آنے والے مہمانوں کو نصائح

اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں اپنے اخلاق کو بلند سے بلند تر کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱ / جولائی ۱۹۹۲ء بمقام ٹلفورڈ اسلام آباد یو۔کے)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

الحمد للہ ہر قسم کا شکر اُسی کو واجب ہے جس نے ہمیں آج ایک دفعہ پھر یہ توفیق عطا فرمائی کہ محض اُسی کے نام، اُسی کے جلال اور اُسی کے جمال کی خاطر ہم یعنی احمدی دنیا بھر سے آج یہاں اس عالمی مرکز اسلام آباد میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ جو ہجرت کے دنوں میں جماعت احمدیہ کی خدمت کے لئے ہمیں عطا ہوا اور خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت کو یہاں بہت سے ایسے کام کرنے کی توفیق ملی جس سے تمام دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ ہو رہا ہے۔ وہ ملک ہے جہاں دور دور سے بکثرت لوگ آتے ہیں۔ ایک ہی دن میں ہوائی جہازوں کے ذریعے تمام دنیا سے اس کثرت سے لوگ یہاں پہنچتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے مرکز کے سالانہ جلسے کے برابر یہاں زائرین ایک ہی دن میں ویسے ہی اکٹھے ہو جایا کرتے ہیں لیکن ان سب کے مقصد جدا جدا ہیں۔ دنیا طلبی کی مختلف شکلیں ہیں جن کی وجہ سے ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جو اُن کی ذات سے وابستہ ہیں وہ اس ملک میں بھی جو مغرب میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرے مغربی ممالک میں بھی بکثرت آتے جاتے ہیں لیکن آج انگلستان کی خوش نصیبی ہے کہ آج یہاں آنے والے محض اللہ کی خاطر، اُس کے نام کی سربلندی کی خاطر، محض خدا تعالیٰ کی محبت میں مگن اور فنا ہوتے ہوئے، بہت سے اموال خرچ کر کے، بہت سی

تکلیفیں اٹھا کر رضائے باری تعالیٰ کے حصول کے لئے یہاں آئے ہیں اور اس پہلو سے جلسہ سالانہ یوکے جماعت احمدیہ کو ایک خصوصی امتیاز حاصل ہے جس کی دوسری کوئی مثال مغرب میں منعقد ہونے والے نہ جلسوں کو ہے اور نہ جلسوں میں ملتی ہے، نہ میلوں ٹھیلوں میں ملتی ہے۔

جس کی غرض سے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں کہ محض اللہ کی رضا کی خاطر مل بیٹھیں، خدا کی اور خدا کے رسول ﷺ کی باتیں سنیں۔ اپنے دلوں کے گندوں کو جو طبعاً جلتے رہتے ہیں۔ اس موقع پر دھوئیں اور صاف کریں اور خدا تعالیٰ کے پیار کے نئے جذبے لے کر اور خدا تعالیٰ کی محبت کے نئے جلوے دیکھ کر واپس اپنے اپنے وطن کو لوٹیں۔ اس اجتماع کے کچھ تقاضے ہیں جن کی طرف میں مختصراً آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

جہاں کثرت سے لوگ اکٹھے ہوں وہاں کئی قسم کے احتمالات بھی ہوتے ہیں اور کئی قسم کی ذمہ داریاں ہیں جو عام حالات سے کچھ مختلف ہوتی ہیں۔ توقعات کے معیار بھی بلند ہو جاتے ہیں اور عام حالات میں ایک انسان کو ایک معمولی لغزش کرتے ہوئے انسان دیکھے تو اُسے نظر انداز بھی کر دیتا ہے لیکن جب خالصۃً دینی اجتماعات میں اکٹھے ہونے والوں سے کسی سے کوئی لغزش دیکھتا ہے تو بعض دفعہ کمزور کو ٹھوکر لگ جاتی ہے اس لئے عام حالات میں جن اخلاق اور جن عادات کا آپ طبعاً مظاہرہ کرتے ہیں یہاں اس موقع پر اُن آداب اور اُن اخلاق کا معیار کوشش کر کے زیادہ بلند کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ آپ کو غیروں کی نگاہیں بھی دیکھ رہی ہیں اپنوں کی نگاہیں بھی دیکھ رہی ہیں۔ غیروں میں بھی مختلف مزاج کے لوگ ہیں اور اپنوں میں بھی مختلف مزاج کے لوگ ہیں۔ تکلف منع ہے لیکن اگر خدا کی خاطر تکلف کیا جائے تو تکلف بھی اچھا لگتا ہے۔ پس کوشش کر کے اگر نیکی اختیار کی جائے تو اس تکلف میں کوئی بُرائی نہیں۔ ہاں دکھاوے کی خاطر دنیا سے داد تحسین لینے کی خاطر اگر کوئی نیکی اختیار کی جائے تو وہ نیکی بدی سے بھی بدتر ہو جاتی ہے کیونکہ نیکی کے نام پر خدا کو راضی کرنے کی بجائے بنی نوع انسان کو راضی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ پس یہ عام بدیوں سے بڑھ کر شرک کی حد میں داخل ہو جاتی ہے۔

پس میں جب یہ کہتا ہوں کہ تکلف سے بھی نیکی کریں اور اپنے اعمال کی پہلے سے بڑھ کر نگرانی کریں، اپنے روزمرہ کے اخلاق کا معیار پہلے سے بلند تر کریں تو دکھاوے کی خاطر نہیں بلکہ خدا

کی رضا کی خاطر آپ سے یہ توقع رکھتا ہوں۔ دنیا میں انسان اپنے روزمرہ کے دستور العمل میں آزاد ہوتا ہے اور مختلف لوگ مختلف تقاضوں کے پیش نظر اپنے اعمال کی درستگی کرتے ہیں۔ اصل درستگی اعمال کی وہی ہے جو خدا کی خاطر ہو اور خدا کو نگاہ میں رکھ کر کی جائے۔ وہ اعمال جو دنیا کے تقاضوں کی خاطر درست کئے جاتے ہیں وہ اُسی حد تک درست رہتے ہیں جس حد تک دنیا اُن کو دیکھ رہی ہوتی ہے اور اُن کی حدو ہیں ختم ہو جاتی ہے، تنہائی کے اعمال بدل جاتے ہیں۔ جب وہ دنیا اُن کو نہیں دیکھتی اُس وقت اور کردار کا انسان ظاہر ہوتا ہے یہ وہ تضاد ہے جس کو دور کرنا ضروری ہے۔ پس جب آپ تکلفاً محض للہ اپنے اعمال کو درست کریں گے، اپنے اخلاق کا معیار بلند کریں گے تو یاد رکھیں کہ یہ عارضی نصیحت نہیں ہے بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو نیکی آپ نے وہاں کمائی ہوگی اُسے جاری کر دیں، ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی کا حصہ بنالیں۔

یہ وہ فرق ہے جو دنیا دار کی نیکی اور ایک دیندار کی نیکی میں ہوا کرتا ہے۔ دنیا دار کی نیکیاں دنیا کی خاطر ہوتی ہیں۔ معیار بدل جائیں، تقاضے بدل جائیں تو نیکیاں بھی بدل جاتی ہیں مگر وہ نیکیاں جو خدا کی خاطر اختیار کی جاتی ہیں کیونکہ وہ ذات لافانی ہے اور اُس میں کوئی تبدیلی نہیں اس لئے وہ نیکیاں بھی مستحکم ہو جاتی ہیں اور قرار پکڑ جاتی ہیں۔ یہ وہ خصوصیت کے ساتھ میرا آج آپ کو پیغام ہے کہ ان حالات کے علاوہ بھی اس رجحان کو اپنے اندر نشوونما دیں کہ جو تبدیلیاں آپ کی ذات میں ہوں وہ خدا کی خاطر ہوں اور بندے کی خاطر نہیں اور تکلف بھی کریں تو خدا کی خاطر کریں۔ مثلاً اس موقع پر ذرا تکلف سے اپنے اخلاق کو درست کریں گے محض اس لئے نہیں کہ لوگ آپ کو دیکھ کر آپ کو بہتر سمجھیں گے بلکہ اس لئے کہ وہ خدا کی جماعت کا تصور لے کر یہاں آئے ہیں آپ کی بدیاں دیکھ کر اُن کو ٹھوکر نہ لگے وہ یہ نہ سمجھیں کہ خدا والے ایسے ہوتے ہیں۔ پس اگر چہ یہ تکلف ہے لیکن اس تکلف میں بھی ایک نیکی ہے اور اُسی نیکی کو ہمیشہ ملحوظ نظر رکھنا چاہئے ورنہ انسان میں ریا کاری پیدا ہو جاتی ہے۔ اول تو اپنے اخلاق کو عام حالات سے زیادہ درست کریں اور کسی کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنیں، سخت کلامی بھی ہو تو نرم گفتاری سے پیش آئیں، کوئی بُرا بھلا بھی کہہ دے تو برداشت کریں، کسی سے تکلیف پہنچے تو حوصلے کا ثبوت دیں اور حلم کے ساتھ اُس تکلیف کو برداشت کریں اور ہر ایک سے اچھی بات کہیں اور سلام کو رواج دیں۔ سلام کو رواج دینا مسلمان کو ہمیشہ اُس کی حیثیت کی

یاد دہانی کراتا ہے۔ جماعت احمدیہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلام کا رواج بہت ہے لیکن سلام کا رواج تو دنیا کی ہر قوم میں ملتا ہے۔ مختلف قسم کے سلام ہیں اور مختلف قسم کے آداب ہیں لیکن اسلام نے ہمیں سلام کا جو پیغام ہمیں سکھایا ہے اُس کے ساتھ امن کی ضمانت شامل ہو جاتی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ اُس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہیں صرف خدا کی طرف سے سلامتی پہنچے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری طرف سے تم امن میں ہو اور اس حیثیت سے میں خدا سے بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی تمہیں امن عطا کرے اور اُس کی رحمت بھی تم پر ہو۔ پس مومن سے دوسرا مومن ہی نہیں بلکہ ہر مذہب والا امن میں رہتا ہے اور مومن کا سلام ہر ایک کو امن کی ضمانت دیتا ہے۔ اس ضمانت کے بہت سے تقاضے ہیں۔ آپ کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ نہ آپ کی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے، نہ آپ کے عمل سے کسی کو تکلیف پہنچے، نہ آپ کی نگاہ سے کسی کو تکلیف پہنچے، نہ آپ کی لمس سے کسی کو تکلیف پہنچے بلکہ اس کے برعکس سلام کا اگلا مضمون یہ ہے کہ اُس کے دکھوں کو آپ امن میں تبدیل کرنے والے ہوں۔ پس یہ دونوں پہلو ہیں جو ہر احمدی کے ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئیں۔

سلام کا ایک پہلو یہ ہے کہ مجھ سے تمہیں ضرر نہیں پہنچے گا یعنی سلام کہنے والا یہ یقین دلاتا ہے کہ میری طرف سے تم امن میں ہو۔ میری طرف سے تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ دوسرا اسلام کا پہلو یہ ہے کہ تمہاری تکلیفوں کو دور کرنے کی کوشش کروں گا، تمہاری بے قراری کو قرار میں بدلوں گا، جو کچھ مجھ سے ممکن ہے میں تمہیں روحانی اور قلبی اور ذہنی سکون پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ پس یہ دوسرا پہلو ایسا ہے کہ جس میں آپ کو اپنے چاروں طرف دیکھتے رہنا چاہئے، ہوشیار رہنا چاہئے کسی بچے کو تکلیف میں دیکھیں تو اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کریں، کسی راہ ڈھونڈتے ہوئے کو پریشان دیکھیں تو آگے بڑھ کر السلام علیکم کہہ کر اپنی خدمات پیش کریں اور پوچھیں کہ اُسے کیا تکلیف ہے اُسے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ محض منفی پہلو اختیار نہ کریں بلکہ مثبت پہلو بھی آگے بڑھ کر اختیار کریں۔ بعض دفعہ بعض غیروں کو جو ہمارے جلسوں میں یا کسی اور موقع پر تشریف لاتے ہیں یہ شکایت ہوتی ہے کہ جس طرح ہمارا اعزاز ہونا چاہئے تھا ویسا اعزاز ہمیں نہیں دیا گیا بعض دفعہ یہ شکایت ہوتی ہے کہ ہم کسی شخص کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور اُس نے جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو اور کس چیز کی ضرورت ہے، کچھ لوگ گپوں میں مصروف تھے ہم پاس سے گزرے اُن کو کوئی

پرواہ نہیں ہوئی کہ کون آیا ہے اور کون گیا؟ اور ایسی شکایات بعض دفعہ مختلف ممالک سے بعض غیر مسلم یا غیر احمدی مسلمان لکھ کر بھی مجھے بھیجتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں کس نظر سے جماعت کو دیکھا جارہا ہے اور کیسی کیسی اس سے توقعات کی جارہی ہیں۔ یہ ایک پہلو سے جماعت کو ایک عظیم خراج تحسین بھی ہے یعنی جن برائیوں کی اطلاع دی جاتی ہے اُن برائیوں میں بھی ایک خراج تحسین پوشیدہ ہے۔ کوئی شخص دنیا میں کسی دنیا کے مذہبی سربراہ کو یہ طعنہ دیتے ہوئے دکھائی نہیں دے گا کہ تمہارے سے تعلق رکھنے والے فلاں شخص نے اخلاق کے اعلیٰ تقاضے پورے نہیں کئے۔ یہ واقعہ جماعت احمدیہ کے سوا آج دنیا میں کہیں رونما نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے بلاشبہ دنیا کے کونے کونے سے ہر شخص جماعت سے یہ توقعات ہی نہیں رکھتا بلکہ ہر شکایت اگر توفیق ہو اور پتا ہو مجھ تک کیسے پہنچایا جا سکتا ہے تو مجھ تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا، کافر گردانا، نہ دنیا کی ہر بدی اُن کی طرف منسوب کی مگر جب کسی احمدی سے مالی لین دین میں شکوہ پیدا ہوا تو بڑے لمبے خطوط مجھے لکھے اور کہا کہ آپ کی جماعت اور اس کی یہ حالت، آپ کی جماعت کے فلاں شخص نے لین دین کے معاملے میں اعلیٰ اخلاقی تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔ اُس نے بحیثیت مسلمان جو اُس پر ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں اُن کو ادا نہیں کیا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کبھی کسی نے دنیا کے کسی مولوی کو چٹھی لکھی ہو کہ تمہاری طرف منسوب ہونے والے جو اسلام کے بلند ترین مقام پر فائز بتائے جاتے ہیں، جو تمام دوسری دنیا کو کافر گردانتے ہیں اُن میں سے فلاں کے اخلاق میں یہ گری ہوئی بات ہم نے دیکھی ہے۔ چنانچہ یہ عجیب بات ہے کہ ہر سال بلاشبہ مجھے چند چٹھیاں ایسی ضرور ملتی ہیں۔ بعض دفعہ بڑے بڑے صاحبِ اثر لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں، بعض دفعہ ایک عام غریب انسان کی طرف سے مگر مضمون بظاہر یہی ہے کہ جماعت احمدیہ کے فلاں شخص سے ہم نے لین دین کیا اور ہم توقع نہیں رکھتے کہ وہ ہمیں کسی پہلو سے بھی نقصان پہنچائے گا لیکن جو نقصان کا موجب بنا ہے اب آپ کی ذمہ داری ہے اس نقصان کو ادا کریں یا اُس کو پکڑیں اور اُس کی سرزنش کریں اور ہمارا نقصان اُس کو کہہ کر پورا کروائیں۔ میں اُن کو لکھتا ہوں کہ جزاک اللہ آپ نے جماعت سے بلند توقعات تو وابستہ رکھی ہیں جہاں تک میری کوشش ہے کہ میں اخلاقی دباؤ ڈال سکتا ہوں لیکن میں دنیا کی عدالت تو نہیں ہوں اور آپ نے جو غلطیاں کی ہیں اُن کی

ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی لیکن جماعت کے کسی فرد نے اگر واقعۃً آپ کو نقصان پہنچایا ہے تو میں شرمندہ ضرور ہوں اور جہاں تک میرا بس چلے گا میں اس کی اصلاح کی کوشش کروں گا۔

تو توقعات کا معیار اتنا بلند ہے کہ جو لوگ آپ کو دنیا کی ذلیل ترین چیز قرار دیتے ہیں وہ آپ سے اعلیٰ ترین اخلاق کی توقع رکھتے ہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے زمانے کے مسلمانوں کا معیار آپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ پس ان بری ابتلاؤں میں بھی ایک عجیب خراج تحسین ہے۔ پس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں مگر سال میں ایک بار بھی ایسی خبر پہنچے تو اُس سے تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ ہم میں سے ایک دانہ بھی گندا ہو اور پھر وہ گندا دانہ جو غیر کی نظر میں آ کر جماعت کے لئے طعن کا موجب بن جائے وہ دوہری تکلیف دیتا ہے۔

پس اس جلسے کے موقع پر بھی اس طرح اپنے انداز بنائیں، اس طرح لوگوں سے میل جول رکھیں اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کریں کہ جو واقعۃً اُن کے دل کی گہرائی کی توقعات ہیں اُن سے بڑھ کر اُن پر پورا اتریں۔ بعض چھوٹی چھوٹی مختلف نصیحتیں بھی ہیں جو اس موقع پر کرنی ضروری ہیں۔ جن لوگوں میں ہم یہاں آباد ہیں یعنی Surray کا ماحول ہے یہاں اس ماحول میں بعض لوگوں کی اپنی عادتیں ہیں جو دیرینہ قومی عادتیں ہیں۔ مثلاً صفائی کا ایک معیار ہے وہ اگرچہ بدقسمتی سے اب پہلے جیسا نہیں رہا جیسا کہ انگلستان میں بیس پچیس سال پہلے ہوا کرتا تھا لیکن اب بھی تیسری دنیا کے ممالک کے مقابل پر یہ معیار بہت بلند ہیں خصوصیت سے Surray County میں کیونکہ نسبتاً زیادہ متمول لوگ رہتے ہیں اس لئے یہاں صفائی کا معیار انگلستان کے بعد دوسرے حصوں کی نسبت بہتر ہے۔ کئی لوگ تماشہ بینی کے لئے یہاں آئیں گے، کئی جماعت میں دلچسپی رکھتے ہوئے یہاں آئیں گے اور چونکہ اُنہیں اخلاقی جانچ کا سطحی نہیں ہے یعنی گہرے اخلاق کی پڑتال نہیں کر سکتے ان کی نظر سطحی ہے بیرونی نظر سے اخلاق کو جانچتے ہیں اس لئے وہ یہ نہیں سوچیں گے کہ جن غریب ملکوں سے لوگ اکٹھے ہوئے ہیں اُن کی اقتصادی حالت ایسی ہے کہ طبعی طور پر صفائی کا معیار وہاں گر جایا کرتا ہے۔ یہ کبھی نہیں سوچیں گے کہ لندن سے مشرق کے کنارے میں جہاں غربت زیادہ ہے وہاں گلیاں اُسی طرح سگریٹ کے ٹکڑوں اور کاغذوں اور گندی چیزوں اور کوکا کولا کے خالی ڈبوں سے بھری پڑی ہیں اور ہر طرف گندگی پھیلی ہوئی ہے حالانکہ انگلستان ہی ہے اور یہ نہیں سوچیں گے کہ دراصل اس کی

وجہ غربت ہے۔ غربت کے نتیجے میں بعض بدیاں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اس پہلو سے جب آپ کو دیکھیں گے تو جماعت احمدیہ کے عالمی نمائندہ کی حیثیت سے دیکھیں گے۔ اگر آپ میں وہ بدعادتیں جو غیر ارادی طور پر آپ میں جگہ پا گئی ہیں اُن کو پیچھے اپنے ملک میں نہ چھوڑا اور یہاں ساتھ لے چلے آئے، یہاں رہتے ہوئے بھی آپ نے ویسی ہی بے پروائی کا ثبوت دیا تو اس سے جماعت کے نام کو نقصان پہنچے گا۔ پس یہ بھی وہ خاص چیز ہے جسے آپ کو کوشش کے ساتھ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے جو ہمیں تعلیم دی تھی وہ انسانی زندگی کے دلچسپی کے ہر پہلو میں بلند ترین تھی، سب سے اعلیٰ تھی اور صفائی کے بھی ایسے باریک راز آپ نے ہمیں سمجھائے کہ آج تک دنیا کی ترقی یافتہ قومیں بھی اُس معیار تک نہیں پہنچیں۔ یہاں زیادہ سے زیادہ زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ تم کوئی گندی یا فضول چیز سڑکوں پر، پبلک جگہوں میں نہ پھینکو، جو ڈبے اس کام کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اُن میں ڈالو۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی تعلیم آج سے چودہ سو سال پہلے اس سے بہت آگے نکل چکی تھی۔ آپؐ نے فرمایا رستوں کے حقوق ہیں، رستوں کے حقوق ادا کرو (بخاری کتاب الاستیذان حدیث نمبر: ۲۲۸۵) اور ایمان میں یہ بات داخل ہے کہ اگر رستہ پہ کوئی بھی ایسی چیز جس سے نظر کو یا کسی اور چیز کو یا انسان کو کسی رنگ میں تکلیف پہنچتی ہو آزار کی چیز خواہ وہ کسی پہلو سے تعلق رکھتی ہو اُس کو اٹھاؤ اور اُس کو رستوں سے دور کر دو۔ مومن کی صفائی کا معیار محض یہ نہیں ہے کہ وہ گندگی نہ پھیلائے بلکہ مومن کی صفائی کا معیار یہ ہے کہ وہ گندگی جو دوسروں نے پھیلائی ہے وہ اُس کو دور کرے۔ پس اگرچہ یہاں ہماری طرف سے، انتظامیہ کی طرف سے بعض ایسے خدام متعین ہیں کہ جو رستے میں پڑی خراب چیزوں کو اٹھائیں گے اور مناسب جگہوں تک اُنہیں پہنچائیں گے، اُن کی صفائی کا انتظام کریں گے لیکن میں ہر احمدی سے یہ توقع رکھتا ہوں اس لئے کہ وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا غلام ہے، اس لئے کہ وہ آج آنحضور ﷺ کا سفیر بن کر یہاں آیا ہے، اس لئے ہر ایک اس بات کا خیال رکھے کہ ایذاء کی چیزوں سے رستوں کو اور پبلک جگہوں کو صاف و پاک کرے۔ جہاں کوئی خراب چیز گری پڑی دیکھے۔ اُس کو اٹھا کر مناسب جگہ تک پہنچائے تا کہ جو عام صفائی کے معاملات ہیں ہمارے لئے عبادت بن جائیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس عادت کو ایمان کا آخری شعبہ قرار دیا ہے۔

فرمایا ایمان کے ستر درجے ہیں اِن میں سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان رستے میں گری

پڑی چیزوں کو اٹھائے اور چلنے پھرنے والے لوگوں کو اور اپنے دوسرے بھائیوں کو ان چیزوں کی تکلیف سے بچائے۔ اس کو اگر آپ پوری طرح سمجھ لیں کہ یہ کیا بات فرمائی گئی ہے تو آپ کی عقل دنگ رہ جائے گی کہ جس تعلیم کا ادنیٰ شعبہ یہ ہے اُس کے اعلیٰ شعبے کیا ہوں گے۔ ادنیٰ شعبہ یہ نہیں کہ آپ نے کوئی تکلیف دہ چیز باہر نہیں پھینکی۔ ادنیٰ شعبہ یہ ہے کہ لوگوں کی پھینکی ہوئی چیزیں اٹھانی ہیں اور تکلیف کی چیزوں سے رستوں کو بچانا ہے۔

اس ضمن میں اور بھی بہت سی تعلیمات ہیں مثلاً یہ کہ رستے کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ رستوں پر کھڑے ہو کر گپیں نہ لگایا کرو۔ مسافروں کا حق ہے کہ رستوں سے گزریں اگر تم ٹولیاں بنا کر وہاں کھڑے ہو جاؤ اور گپ شپ میں مصروف ہو جاؤ تو چلنے والوں کو تکلیف پہنچے گی اس لئے وہ تمام راستے جو اس غرض سے بنائے جاتے ہیں کہ وہاں لوگ چلیں اور اپنے اپنے مقاصد تک پہنچیں اُن رستوں کو کھلا رکھنا اور صاف رکھنا یہ ہماری ان توقعات میں شامل ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی امت سے یہ فرما کر کئے ہیں کہ ادنیٰ توقعات ہیں باقی سب توقعات ان سے اونچی اور بالا ہیں۔ پس ہمیں ادنیٰ توقعات پر بھی پورا اترنا ہے اور بالا توقعات پر بھی پورا اترنا ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے کھانے کے بھی آداب سکھائے ہیں اور ایسے عظیم آداب ہیں کہ جہاں تک میں نے تفصیلی نظر ڈال کر دنیا کی مہذب قوموں کو دیکھا ہے آج تک اُن قوموں میں بھی وہ اخلاق اُس شان سے رائج نہیں ہو سکے۔ اس کی تفصیل میں یہاں جانے کا تو وقت نہیں لیکن چند ایک باتیں جو جلسے کے موقع سے تعلق رکھتی ہیں وہ میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ کھانے کے وقت ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرنا یا دھکے دے کر پہلے پہنچنے کی کوشش کرنا اس کا اسلام میں کوئی مقام نہیں ہے۔ اسلام کے تصور میں ایسی حرکت کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے بلکہ ایثار کی تعلیم ہے۔ جب بھی کہیں کھانے کی چیز کو دیکھتے ہو تو سب سے پہلے تمہیں اپنے بھائی کا خیال آنا چاہئے خواہ بھوک سے تمہاری کیسی ہی بری حالت کیوں نہ ہو۔ اپنے بھائی کو اپنے اوپر ترجیح دو اُسے کہو کہ پہلے آپ تشریف لائیں اس سے پہلے آپ فائدہ اٹھائیں پھر میں بھی ایسا کروں گا۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس تعلیم کو اپنے عمل کے ذریعے ایسے بلند اور ارفع مقام تک پہنچایا کہ انسان اُس مقام کی طرف دیکھے تو پگڑی گرتی ہے، سر سے ٹوپی گرتی ہے۔

وہ واقعہ جو آپ نے بارہا سنا ہوا ہے اس ضمن میں ایک عجیب مثال ہے۔ایک موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو گئے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ دستور تھا کہ مسجد کا در نہیں چھوڑتے تھے، آنحضرت ﷺ سے ایسی محبت تھی کہ مسجد کا دامن پکڑ کر بیٹھ رہے کہ کسی وقت آنحضورؐ اپنے گھر مسجد کی طرف نکلیں کوئی بات فرمائیں تو اُس سے وہ استفادہ کر سکیں اور اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ دیر میں اسلام قبول کیا تھا اس لئے اس کی گزشتہ کوتاہیوں کا ازالہ اس رنگ میں کیا کہ اصحاب الصفہ میں شامل ہوئے اور ہمیشہ کے لئے مسجد کے ہو کر رہ گئے۔ بعض دفعہ فاقوں سے حالت یہاں تک پہنچ جاتی تھی کہ بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے اور عربوں میں رواج تھا کہ بعض دفعہ مرگی والے کو ہوش میں لانے کی خاطر پرانی گلی سڑی جوتیاں سنگھایا کرتے تھے، محض للہ بے ہوش ہو کر مسجد کے صحن میں پڑا ہوتا تھا اُسے بعض لوگ جوتیاں سنگھایا کرتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ کو تکلیف زیادہ برداشت نہ ہوئی تو انہوں نے قرآن کریم کی ایک آیت کو اپنی طلب کا ذریعہ بنالیا۔ بعض آنے جانے والوں سے اُنہوں نے پوچھنا شروع کیا کہ ذرا بتاؤ تو سہی اس آیت کی کیا تفسیر ہے؟ وہ آیت یہ تھی وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۱۰) کہ وہ لوگ ایسے ہیں یعنی مومن اپنی ضروریات پر غیروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں غیروں کی ضروریات پر اپنی ضرورتوں کو ترجیح نہیں دیتے بھوک ہو تو تب بھی وہ دوسروں کو کھانا کھلانے کے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں، یہ وہ مضمون ہے جس کا اس آیت کریمہ سے تعلق ہے۔ تو ایک صحابیؓ آئے اور وہ تفسیر کر کے آگے گزر گئے، پھر ایک صحابیؓ آئے وہ تفسیر کر کے آگے گزر گئے پھر ایک اور صحابیؓ آئے وہ تفسیر کر کے آگے گزر گئے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اپنے حجرے میں یہ باتیں سن رہے تھے۔ بالآخر دیکھا کہ کسی کو اس آیت کی تفسیر سمجھ نہیں آئی اور تفسیر پوچھنے والے کا مدعا معلوم نہیں ہوا۔ باہر تشریف لائے اور کہا کہ ابو ہریرہؓ بھوکے ہو؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟ میرے پاس کچھ دودھ آیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہیں سے بھجوایا ہے تمہاری طرح اور بھی بھوکے ہوں گے جاؤ اور تلاش کرو کہ کوئی اور بھوکا ہے تو اُس کو بھی ساتھ لے آؤ۔ ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب یہ سنا تو میرا دل دہل گیا۔ ایک پیالا دودھ کا ہوگا لیکن مجھے اتنی بھوک لگی ہے کہ یہ دودھ کا پیالا تو مجھے بھی پورا نہیں آسکے گا اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جاؤ

اور آواز دو کہ کوئی بھوکا ہے تو آجائے۔ چنانچہ آپ نے آواز دی اور ایک بھوکا مل گیا اور پھر اور آواز دی، پھر اور مل گیا پھر اور آواز دی، پھر اور مل گیا یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ سات آٹھ اور بھوکے بھی ابو ہریرہؓ کے ساتھ شامل ہو گئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ کے پاس ایک دودھ کا پیالا تھا آپؐ تشریف فرما ہوئے اور ابو ہریرہؓ کو اپنی بائیں طرف بٹھا لیا۔ بائیں طرف بٹھانے میں ایک گہری حکمت تھی کیونکہ اسلامی رواج کے مطابق جب مہمانوں کو کھانا پیش کیا جاتا ہے تو دائیں طرف سے شروع کیا جاتا ہے، دائیں طرف دوسرے تھے اور ابو ہریرہؓ کی باری سب سے آخر پر آنی تھی۔ چنانچہ آنحضورﷺ نے اپنی دائیں طرف بیٹھے ہوئے غریب مہمان کو فرمایا کہ دودھ پیو جب اُس نے پیا اور اُس کا پیٹ بھر گیا تو آپؐ نے فرمایا کچھ اور پیو۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب میں سنتا تھا کچھ اور پیو تو میری جان نکل جاتی تھی، پھر دوسرے مہمان کی باری آئی، پھر اُس کے ساتھ بھی یہی ہوا، پھر تیسرے مہمان کی باری آئی پھر اُس کے ساتھ بھی یہی ہوا، پھر چوتھے مہمان کی باری آئی پھر اُس کے ساتھ بھی یہی ہوا، یہاں تک وہ پیالا حضرت ابو ہریرہؓ تک پہنچا۔ آپ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اُس میں دودھ موجود تھا میں نے پیا اور اتنا پیا کہ میں سیر ہو گیا۔ تب آنحضورﷺ نے فرمایا ابو ہریرہؓ کچھ اور پیو۔ پھر میں نے کچھ اور پیا۔ پھر فرمایا ابو ہریرہؓ کچھ اور پیو، پھر میں نے کچھ اور پیا۔ کہتے ہیں یہاں تک کہ خدا کی قسم یوں لگتا تھا کہ میرے ناخنوں تک سے دودھ بہہ پڑے گا۔ تب میں نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ بس۔ اس وقت حضور اکرمؐ نے وہ پیالا خود پکڑا اور بقیہ دودھ خود نوش فرمایا۔ (بخاری کتاب الرقاق حدیث نمبر: ۵۹۷۱)

یہ واقعہ بہت ہی عظیم واقعہ ہے۔ اس آیت کی ایسی تفسیر ہے جس پر کسی عالم کی کبھی نظر نہیں پہنچی۔ ایثار سکھا رہے تھے، اُس آیت کی حقیقت بیان فرما رہے تھے، وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ بھوک کی شدت سے تم کیسے ہی بے تاب کیوں نہ ہو دوسروں کو ترجیح دو۔ تو ابو ہریرہؓ جو دوسروں سے پوچھتے تھے کہ اپنی بھوک مٹانے کے لئے آپؐ نے اُن کو برتر مقام پر فائز کر دیا، وہ اپنی بھوک کو قربان کرتے ہوئے دوسروں کو کھانا کھلانے والے بن گئے۔ یہ انہی کا فیض تھا جو حضور اکرمؐ سے اُن کو پہنچا کہ ان سب کے اوپر بھوکوں کے لئے اس آیت کریمہ کی ایک مجسم تفسیر بن گئے اور سب سے زیادہ بھوک میں مبتلا ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰﷺ تھے، وہ دودھ جو آپؐ کو آیا تھا وہ آسمان کی طرف سے آپؐ کو بھیجا گیا تھا۔ آپؐ کی بھوک مٹانے کے لئے

آیا تھا۔ پس سب سے آخر پر آپ ؐ نے یہ جو دودھ نوش فرمایا تو بتایا کہ تم سب میں سب سے زیادہ اس آیت کے مضمون کو اور اس کی حکمتوں کو سمجھنے والا میں ہوں اور میں ہی وہ ہوں جو قرآن کو اپنی رگ رگ میں جاری کر چکا ہے۔

پس ہم سے جو توقعات ہیں وہ تو اتنی بلند ہیں کہ کہاں یہ بات کہ کیوں یہ کھڑے ہیں، دھکا نہ دو۔ کہاں یہ عظیم تعلیم جس کی کوئی مثال دنیا کے مذاہب میں کہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ اس تعلیم کو ہمیں اپنانا ہے اور اسی تعلیم کو ہم نے دوسروں میں پیش کرنا ہے **اس لئے کھانے کے موقع پر یا کسی اور موقع پر اپنی غرض کو غیروں کی غرض پر ترجیح نہ دیں، ہمیشہ کوشش کریں کہ آپ اپنے بھائی کا خیال رکھیں۔** یہ تعلیم تھی جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے اس تفصیل کے ساتھ اور اس گہرائی کے ساتھ اپنے غلاموں کے رگ و پے میں پیوستہ کر دی تھی کہ اُن کے خون میں دوڑنے لگی، بڑے سے بڑے ابتلاؤں کے وقت بھی وہ اس تعلیم کو نہیں بھولے۔ حضور اکرم ﷺ کی غالباً زندگی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک غزوے میں کچھ صحابہؓ زخمی ہوئے اور پیاس کی شدت سے کیونکہ گرمیوں کے دن تھے، زخموں کے علاوہ بہت بڑے ابتلاء میں پڑے ہوئے تھے کہ ایک گھونٹ پانی کو ترس رہے تھے ایسے موقع پر ایک مشکیزہ لئے ہوئے خدمت کرنے والا وہاں پہنچا اُس نے کسی سے کہا منہ کھولو میں تمہیں کچھ پانی پلا دوں۔ اُس کی نظر اپنے قریب سسکتے ہوئے ایک اور بھائی پر پڑی اُس نے اس حالت میں اس کی طرف اشارہ کیا کہ تم میرے بھائی کو پانی پلاؤ پھر میری طرف آنا اور یہ عجیب واقعہ ہے جو تاریخ اسلام نے درج کیا ہے۔ جب وہ اُس کے پاس پہنچا تو اُس کی نظر اپنے ایک اور بھائی پر پڑی تو اُس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ کتنی دفعہ یہ ہوا ہم نہیں کہہ سکتے مگر وہ ساقی بیان کرتا ہے کہ جب میں اُس آخری شخص پر پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا۔ جب میں واپس لوٹا ہوں تو بعض اُن میں سے ایسے بھی تھے جنہوں نے پانی پیا لیکن وہ شخص جس نے پہلے بھیجا تھا وہ میرے پہنچنے سے پہلے دم توڑ چکا تھا تو حاجت کی ایسی شدت کے وقت بھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی تعلیم اور آپ ؐ کے اسوہ کو نہیں بھلایا۔ پس ان چھوٹی چھوٹی آزمائشوں میں اگر آپ پورے نہ اترے کیسے دنیا کے مربی بنیں گے، کیسے دنیا کے معلم بنیں گے۔ آپ نے تو ساری دنیا کو اسلام کی اعلیٰ تعلیم سکھانی ہے۔ پس ایسے مواقع جب اجتماع ہوتے ہیں جب اکٹھے کھانے کھائے جاتے ہیں تو اُن میں اسلامی اخلاق اپنی پوری شان کے ساتھ

جلوہ گر ہونے چاہئیں۔لوگوں کی نگاہیں محبت اور تحسین سے پڑیں تو یہ ہیں محمد مصطفی ﷺ کے غلام کہ کھانے کے آداب کوئی سیکھے تو اُن سے سیکھے، راستہ چلنے کے آداب کوئی سیکھے تو اُن سے سیکھے، راستوں کے حقوق کے آداب کوئی سیکھے تو اُن سے سیکھے۔غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام ہی میں اُن کو اپنی پناہ نظر آئے ،اسلام ہی میں اُن کی ساری بےقراریوں کا علاج ہو،اس کا نام اسلام ہے،اسی کا نام سلامتی ہے جو ہر مسلمان سے وابستہ ہو چکی ہے۔پس آپ کھانے کے دوران ایسی حرکتیں نہ کریں جن سے جب مجھے اطلاع پہنچے تو میں شرم سے پسینہ پسینہ ہو جاؤں۔

بعض لوگوں نے مجھے جلسے سے پہلے خطوط لکھے اور اس جلسے سے پہلے مجھے متنبہ کیا کہ آئندہ یہ باتیں نہ ہوں۔ایک صاحب جو شاید تشریف نہیں لائے وہ لکھتے ہیں پچھلی دفعہ میں نے دیکھا کہ کھانا جب تقسیم ہو رہا تھا تو لینے والوں نے مطالبے شروع کئے ہوئے تھے کہ دو بوٹیاں ڈالو اور چار بوٹیاں ڈالو، پانچ ڈالو اور یہ آلو ہمارے کسی کام کے نہیں ہیں، یہ شوربہ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے جو تقسیم کرنے والا تھا وہ بڑی مصیبت میں مبتلا تھا،کھانے کا جو توازن ہے وہ تو نہیں بگاڑا جا سکتا۔کھانے میں کچھ شوربہ اور کچھ بوٹیاں ہیں، کچھ آلو ہیں اور کچھ سبزی ہو تو ہو مگر آپس کا ایک توازن ہے اگر ایک مہمان ضد کر کے کوئی ایک چیز زیادہ مانگے گا تو ظاہر ہے کہ دوسرے مہمان کے لئے وہ چیز اور بھی کم ہو جائے گی نتیجۃً ایسا ہو جاتا ہے۔ بہت سا کھانا ضائع چلا جاتا ہے بعض لوگ اپنی حرص میں یہ خیال کر کے ہمیں بہت بھوک لگی ہے زیادہ چیز لے لیتے ہیں پھر وہ اُن سے کھائی نہیں جاتی۔تقسیم کرنے والوں نے مجھے بتایا کہ بسا اوقات ہم نے دیکھا ہے پیالوں کے اندر آلو کے ٹکڑے اور ہڈیاں، بوٹیاں ایسی جو قابل استعمال تھی اسی طرح بچی رہ گئیں،بعض ایسے پیالے تھے جس میں شوربے بچے رہ گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت ادنیٰ ادنیٰ معمولی معمولی باتیں سہی،لیکن اعلیٰ اخلاق کے تقاضے جن سے کئے جاتے ہیں اُن کے کردار پر یہ داغ ہیں،اُن کو زیب نہیں دیتیں بعض ظالم اور بیوقوفوں نے اسلام پر پھبتیاں کسیں جن میں سے سلمان رشدی بھی ایک تھا۔اُس کی بدبختی دیکھیں وہ کہتا ہے کہ کیسا اسلام ہے کہ ہمیں چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی سکھاتا ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں کا پابند کرتا ہے، طہارت کیسے کرنی ہے اٹھنا کیسے ہے، وضو کیسے کرنا ہے، یہ تو پرانے زمانے کی معمولی سی چیز ہے آج کے زمانے میں اس کی ہمیں کیا ضرورت ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جو چیزیں اسلام سے کسی نے نہیں سیکھیں دنیا کی ترقی

یافتہ قوموں سے وابستہ ہونے کے باوجود بھی آج تک وہ ان چیزوں سے محروم ہیں۔ صفائی کے جو پاکیزہ تقاضے آنحضورﷺ نے پورے فرمائے اور جن کو پورا کرنے کی ہمیں باریکی سے تعلیم دی آج بھی دنیا کی بڑی بڑی قومیں اُن سے ناآشنا ہیں یا کل تک ناآشنا تھیں۔ دانتوں کی صفائی کو لیجئے، بدن کی صفائی کو لیجئے، فراغت کے بعد پانی سے اپنے آپ کو پاک صاف کرنے کا مضمون دیکھ لیجئے، ہر معاملے میں ۱۴۰۰ سال پرانا اسلام آج کے زمانے سے زیادہ آگے ہے۔

چنانچہ کھانے کے معاملے میں بھی آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ اتنا ڈالو جتنا ختم کرسکو اور تمہاری پلیٹ میں زیادہ نہ بچے۔ (ترمذی کتاب الاطعمہ حدیث نمبر: ۱۷۲۵) چنانچہ اگر اسی تعلیم کو اپنا لیا جائے تو دنیا سے بہت سے کھانے کا ضیاع ختم ہوسکتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے ہاں بھی اتنا کھانا ضائع ہورہا ہے کہ اگر وہ ضائع شدہ کھانا بھی کسی طریقے سے غریب ملکوں تک پہنچایا جائے تو بڑے ملکوں سے بھوک دور ہوسکتی ہے۔ امریکہ میں ایک دن میں جتنا کھانا ضائع ہوتا ہے وہ بعض افریقن ممالک کی سارا سال کی بھوک مٹا سکتا ہے۔ کوئی پرواہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ کھلا رزق اُن کو عطا ہوا لیکن بالکل خیال نہیں کیا کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے یہ رزق عطا ہوا ہے۔ اس دنیا کو رزق پیدا کرنے کے لئے جو صلاحیتیں بخشی ہیں صرف ایک قوم کے لئے نہیں ہیں بلکہ ہر انسان کی کم از کم ضرورتیں پوری کرنے کی خاطر ہے۔ بس جہاں بچت کی عادت نہ ہو، جہاں ضیاع کے خلاف طبیعت میں ایک ردعمل پیدا نہ ہو، جہاں مزاج ایسے نہ ہوں کہ خدا تعالیٰ کے رزق کا احترام کیا جائے اسے بے وجہ ضائع نہ کیا جائے، وہاں بڑی سے بڑی ترقی یافتہ قوم بھی ادنیٰ اخلاق کے تقاضوں سے بھی نیچے اتر آتی ہے۔ یہ عجیب نظارے آپ کو آج بھی امریکہ میں دکھائی دیں گے کہ وہاں کے لاکھوں بھوکے، افریقہ کو تو چھوڑ دیں، ہندو پاکستان کی بات نہ کیجئے امریکہ ہی کے لاکھوں بھوکے کوئی ان ڈسٹ بنوں سے جہاں ہر قسم کے گند پھینکے جاتے ہیں کھانے تلاش کر کر کے نکالتے ہیں اور اُس سے اپنی بھوک مٹاتے ہیں۔ کوئی حِس نہیں ہے کہ اس کھانے کو جو کسی انسان کے کام آسکتا ہو گندگی میں پھینکنے کے بجائے ایسا نظام جاری کیا جائے کہ جس سے بھوکے استفادہ کرسکیں۔

پس حضور اکرمﷺ نے اس زمانے میں کیسی شاندار تعلیم دی کہ کوئی کھانا ضائع نہیں ہونا چاہئے اور اپنی پلیٹ میں اتنا ڈالو جتنا ختم کرسکو اور صاف پلیٹ چھوڑا کرو۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ

بنگال غالباً وقف جدید کے دورے پر گئے تھے۔ حضرت مولوی ابو العطاء مرحوم صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ ایک جگہ غالباً تر وہ تھی مجھے یاد نہیں بہر حال کھانے پر مجھے پتا لگا کہ یہ جماعت بہت مہمان نواز ہے اور بہت تکلفات سے کام لیتی ہے اس لئے ذرا ہوش کے ساتھ اپنا کھانا کھائیں اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔ حضرت مولوی محمد صاحب مرحوم کو ایک لطیفہ سوجھا۔ اُنہوں نے میرے کان میں کہا کہ یہاں رواج یہ ہے کہ اگر مہمان پلیٹ خالی کر دے تو ضرور اُس کو بھرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ سنت کے پیش نظر پلیٹ ضرور خالی کریں گے اور یہ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ آپ کی پلیٹ کو دوبارہ نہ بھر دیں اور آپ کو پھر سنت کا خیال آ جائے گا اور آپ پھر خالی کریں گے پھر یہ بھر دیں گے کہاں تک چل سکتے ہیں یہ بات خود سمجھ لیجئے لیکن مولوی ابو العطاء کو نہ بتانا۔ اُن کی خاطر یہ کھیل کھیلی چنانچہ میں نے کہا یہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو اپنی پلیٹ میں مجبوراً تھوڑا سا چھوڑ دیا کیونکہ یہ ایک ایسی مشکل تھی جس کا حل میرے پاس نہیں تھا۔ مجھے تو تکلفاً پوچھا کہ کھائیں گے میں نے کہا بس جزاک اللہ۔ میرا پیچھا چھوڑ دیا گیا۔ مولوی صاحب نے پلیٹ صاف کی اور اُنہوں نے دوبارہ بھر دی۔ مولوی صاحب احتجاج کرتے رہے خدا کا خوف کرو ایک ہی پیٹ ہے میرا میں نے جتنا کھانا تھا کھا لیا۔ نہیں ہم جانتے ہیں آپ اور لیجئے۔ بڑی مصیبت سے مولوی صاحب نے پلیٹ خالی کی تو دوبارہ لے کر آ گئے چاول اور سالن۔ مجھے یاد ہے کہ مولوی صاحب نے یوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے تھے کہ اُن کی انگلیوں کے بیچ میں سے چاول اور شوربہ گر رہے تھے۔ اس حالت پر ہمیں رحم آ گیا جب ان کو سمجھایا کہ یہ قصہ ہے، یہاں کا رواج یہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی پاک تعلیم وہاں بھی رائج ہونی چاہئے ایسی مہمان نوازی تعلیم کی حدود سے تجاوز کر جائے۔ یہ مہمان نوازی نہیں ضیاع ہے اور اس کے نتیجے میں تکلیفیں بھی پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ وہیں ہم میں سے ایک کو محسوس ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو پیٹ کی تکلیف ہو جائے اور اُس نے پوچھا کہ اتنا زبردستی کھلا دیا ہے اب اس کا علاج کیا ہے، علاج یہ تھا کہ فلاں کیلا کھائیں اس سے آپ کا پیٹ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے کہا میں بہت کھا چکا ہوں۔ کہتے ہیں اس کا علاج بھی اب یہی ہے۔ کیلا زیادہ کھائے گا تو اس کا علاج ہے فلاں دہی کھائے گا یہ ٹھیک ہو جائے گا تو یہ بگڑے ہوئے اخلاق ہیں، اخلاق کے نام کچھ ٹیڑھی عادتیں بن گئی ہیں۔ مسلمان کا اخلاق خواہ مشرق کا ہو خواہ مغرب

کا ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا اور اسی کا نام توحید خالص ہے، وہ خلق جو حضرت محمد مصطفی ﷺ نے ہمیں عطا کیا ہے آپؐ کے معراج کا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا ہے لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ (النور: ۳۶) یہ خدا کا نور مجسم حضرت محمد مصطفی ﷺ ایسا نور ہے جو نہ مشرق کا ہے اور نہ مغرب کا ہے سب میں یکساں۔ وہ احمدی جس نے تمام دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دینی ہے اُسے اسی نور سے وابستہ ہونا پڑے گا۔ اسی کے قدموں سے وہ تعلیم حاصل کرنی پڑے گی جو دنیا کے اخلاق کو چمکا سکتی ہے۔ یہ بالکل پرواہ نہ کریں کہ دنیا آپ کو کیا طعنے دیتی ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی تم ان کی ہدایت کے تابع ہو، وہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو آپ کے اخلاق کو اور آپ کی زندگیوں کو سنوار سکتی ہیں۔ تمام عالم کو ایک ہاتھ پہ اکٹھا کر سکتی ہے۔

پس کھانے کے معاملات میں بھی کوئی ایسی بیہودہ بات نہیں ہونی چاہئے جو اسلام پر طعنے کا کسی کو موقع دے۔ کھانا کھائیں اتنا ڈالیں جتنا آپ کھا سکتے ہیں۔ ایسے مطالبے نہ کریں جس کے نتیجے میں آپ کے دوسرے بھائیوں کو تکلیف ہو، ایسے مطالبے نہ کریں جس کے نتیجے میں رزق ضائع ہو۔ بعض لوگ روٹیاں اس طرح کھاتے ہیں کچھ بیچ میں سے کھالی اور کچھ کنارے سے پھینک دی۔ چن چن کے بعض ٹکڑے کھائے اور بعض ضائع کر دیئے، یہ سب وہ ضیاع ہیں جو مسلمانوں کو زیب نہیں دیتے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی اگر آج کی ترقی یافتہ قومیں پرواہ کریں تو ساری دنیا کے رزق کے مسائل حل ہو سکتے ہیں مگر پرواہ نہیں کرتے۔ پانی ہے تو پانی ضائع کیا جا رہا ہے۔ اس کثرت سے پانی ضائع کرتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح مجھے عادت ہے۔ آنحضور ﷺ کی تعلیم کے نتیجے میں کسی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں تو جس طرح میں پانی سنبھال کر استعمال کرتا ہوں یعنی ٹوٹی بہتی چلی آ رہی ہے منہ پر چھینٹے گرے جا رہے ہیں۔ منہ صاف کر کے دوبارہ ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں تو یہ کرتا ہوں کہ جہاں تک بس چلے ٹوٹی بند کر کے پھر پانی استعمال کرتا ہوں یا پھر برتن رکھ لیتا ہوں اُس میں پانی ڈال کر اُس سے لیتا ہوں۔ اگر سارا انگلستان اس قسم کی نہ کوئی بالکل میرے جیسی عادت اپنالے کہ پانی کو ضائع نہیں ہونے دینا۔ آج تو سیورج کا گندہ پانی استعمال کرنے پر مجبور ہیں وہ ساری مجبوریاں ختم ہو جائیں، اتنی بیماریوں سے بچیں اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ ان سارے مسائل کا حل چودہ سو سال پہلے حضرت محمد مصطفی ﷺ دے چکے تھے۔

ابھی کل ہی ٹیلیویژن پر ایک پروگرام کی جھلکی میں نے دیکھی یا پرسوں کی بات ہے اُس میں یہ پانی کی بحث چل رہی تھی۔ایک صاحب جو بڑی دیر کے بعد انگلستان تشریف لائے تھے، میرے ملک کا تم نے کیا حال کر دیا ہے، مجھے تو وحشت ہونے لگی ہے، میں افریقہ کے ملک میں اتنی مدت رہ کے واپس آیا ہوں جس کا پانی تم گندہ کہتے ہو وہ تمہارے پانی سے بہتر ہے کیونکہ لندن میں جو پانی پینے کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ وہی ہے جو ہماری گندگیوں کا پانی دوبارہ صاف کر کے پینے والے پانی میں ملا دیا جاتا ہے۔اُس نے اُس میئر کو کہا کہ مجھے تو وحشت ہونے لگی ہے۔ میں بوتل کے پانی کے سوا جو سکاٹ لینڈ سے آتا ہے اور پانی تو استعمال ہی نہیں کر سکتا لیکن رونا تو یہ تھا کہ تم نے میرے ملک کا کیا بنا دیا ہے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے عادتیں غلط ہیں، بے پرواہی ہے رزق سے، پانی سے، خدا کی ہر نعمت سے اور پولوشن کی وجہ سے دنیا مصیبت میں مبتلا ہے لیکن کوئی ہوش نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم آپ کو تمام عذاب سے بچا سکتی ہے، تمام مصیبتوں سے نجات بخشتی ہے غور تو کر کے دیکھیں کتنی عظیم اور کتنی تفصیلی تعلیم ہے، زندگی کے ہر گوشے پر نظر رکھتی ہے۔سوائے اس کے کہ کوئی اللہ کے نور سے کلام کر رہا ہو اس تفصیل سے انسان کی بہبود کی تعلیم نہیں دے سکتا۔

پس آپ نے وہ نیک نمونے یہاں لوگوں کو دکھانے ہیں خدا اور اُس کے رسولؐ کی خاطر، اپنی ریاء کی خاطر نہیں۔آپ صیقل ہو کے دنیا کے سامنے چمکیں گے تو اسلام چمکے گا، خدا اور خدا کے رسولؐ کی شان بلند ہوگی۔اس نقطہ نظر سے آپ اپنا خیال رکھیں اور اپنے اخلاق کی تربیت کریں اور پھر یہ بھی دیکھیں کہ غلط جگہ پہ کاریں پارک نہ کی جائیں جو رستوں کے حقوق کے خلاف بات ہے۔ بعض دفعہ ہماری مسجد لندن کے ہمسایوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے اور بڑی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔لکھ کر بھیجتے ہیں کہ ہماری کار کے سامنے کوئی نمازی آنے والا کار اس طرح پارک کر گیا ہے کہ ہماری کار ہل نہیں سکتی۔ ہمارے گیٹ کے سامنے اس طرح کار کھڑی کر گیا ہے کہ ہم اپنی کار خود اپنے گھر میں داخل نہیں کر سکتے۔اعلان کروانے پڑتے ہیں، کاروں کے نمبر بتانے پڑتے ہیں، پھر کوئی صاحب جاتے ہیں لیکن اُن کو ہوش کرنی چاہئے۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رستے کے آداب ہمیں سکھائے ہیں یہ اُن کے خلاف ہے۔آپ کو ہمسائے کا بھی خیال رکھنا ہوگا، اپنے دوسرے مسافر

ساتھیوں کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ پھر نواجب شور جو بعض دفعہ عشاء کی نماز کے بعد جب نمازی فارغ ہوتے ہیں تو باہر باتیں کرتے ہیں اُس کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اس کی بھی پیش بندی فرمادی ہے۔ کوئی ایک باریک سا بھی حصہ اخلاق کا ایسا نہیں ہے جس کے متعلق آنحضور ﷺ کی تعلیم نہ ملتی ہو۔ آپؐ نے فرمایا نماز عشاء کے بعد اپنے گھروں کو لوٹا کرو اور ذکر الٰہی کیا کرو اور پھر مجلس سے اجتناب کیا کرو لیکن اُس کے بعد مجلسیں لگانا جو عربوں کا خصوصیت سے دستور تھا اس کو آپؐ نے سخت ناپسند فرمایا۔ نصیحت فرمائی کہ ایسی مجلسیں خدا کو پسند نہیں ہیں۔

یہ تو میں نہیں کہتا کہ گھروں میں جب بھی آپ بیٹھتے ہیں تو جو مجلس لگاتے ہیں وہ خدا کو ناپسند ہے۔ جن مجالس کا آنحضور ﷺ ذکر فرماتے تھے وہ مجالس اور رنگ کی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ وہاں اپنے خاندان کی بُرائیاں بیان ہوتی تھیں اور فضول تکبر کی باتیں ہوتی تھیں اور شرابیں چلتی تھیں اسی قسم کی بدعات ہوتی تھیں، جوئے کھیلے جاتے تھے تو اُن سے کلیۃً پرہیز ویسے ہی ہر احمدی پر لازم ہے لیکن آپ نے نماز کے بعد اگر کوئی مجلس لگانی ہے جس میں اچھی باتیں بھی ہوسکتی ہیں، پاک باتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ دیر سے آئے ہیں دیر کے بعد ملیں گے دن کو وقت نہیں ملتا۔ رات کو چند منٹ یا ایک دو گھنٹے بیٹھ کر تبادلہ خیالات کرنا اُس طرح منع نہیں ہے جس طرح میں نے بیان کیا ہے۔ اُس زمانے کی مجالس گناہ بن جایا کرتی تھیں۔ مگر سڑکوں پر آپ کو یہ حق نہیں ہے، مسجد کے صحن میں آپ کو حق نہیں ہے۔ یہ حق تو کسی طرح نہیں ہے کہ آپ کے گھر کا شور آپ کے ہمسائے کی نیند خراب کرے کجا یہ کہ مسجد سے شور اس طرح بلند ہو کہ ہمسائے توبہ توبہ کرنے لگیں اور وہ ہمیں طعنے بھیجیں کہ آپ کی مسجد کیسی ہے جس کے نتیجے میں ہمارے بچے آرام نہیں کر سکتے، ہمیں سکون میسر نہیں ہوتا، بے وقت کا شور ہے تو اس بات کی احتیاط کریں۔

یہاں سے جب ہم فارغ ہوں گے تو بہت سی نمازیں ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ مسجد لندن میں ادا کی جائیں گی۔ وہاں آپ میں سے جو توفیق پائیں گے آنے کی یاد رکھیں کہ وہاں آپ کو ہرگز اونچی آواز میں گفتگو کی اجازت نہیں ہے، خدا نے اجازت نہیں دی اور اس کے نتیجے میں اگر ہمسائے کو تکلیف پہنچے گی تو آپ اس کے ذمہ دار ہیں اور خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اپنے بچوں کو

سنبھال کر رکھیں۔ بچے بعض دفعہ بے قابو ہو جاتے ہیں بے وجہ شور کرتے ہیں، دوڑتے پھرتے ہیں اور حرکتوں کے ساتھ بھی نظر کو تکلیف دیتے ہیں، شور کے ساتھ کانوں کو تکلیف دیتے ہیں اُن کو سنبھالنا اور نظم وضبط میں رکھنا ہر آنے والے کا فرض ہے۔ پھر آپ لندن کی گلیوں میں پھریں گے، دوکانوں میں جائیں گے، وہاں حسن خلق کا مظاہرہ کریں۔ بعض باتوں میں مشرقی لوگ سخت بدنام ہیں۔ ان باتوں سے اجتناب کریں احمدی کے متعلق میں تصور بھی نہیں کرسکتا کہ وہ چوری کرے گا لیکن آپ کو بعض لوگ اس نظر سے دیکھ رہے ہوں گے کہ گویا آپ چوری کرنا چاہتے ہیں اور اُس کی وجہ سے آپ کی نگرانی بھی ہوگی۔ آپ پوری احتیاط کریں کہ کسی شک کے مقام پر نہ پڑیں، کسی کو وہم بھی نہ آئے کہ آپ کی حرکت مشکوک ہے اُس کے نتیجے میں آپ کی نگرانی کی ضرورت ہے۔ پھر وہ گفتگو میں حسن سلوک سے کام لیں۔

جہاں تک چوریوں کا تعلق ہے اس ضمن میں مَیں یہ بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ جب ایسے اجتماعات ہوتے ہیں جہاں خدا کے نیک بندے اکٹھے ہوں، وہاں بعض شریر اس نیت سے بھی آجایا کرتے ہیں کہ بھولے بھالے لوگ ہیں اس لئے موقع سے فائدہ اٹھاؤ اُن کی جیبیں کترو، اُن کے چھوڑے ہوئے سامان چرالو کیونکہ آنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے پاکیزہ ماحول میں ہم آئے ہیں یہاں چوری کا سوال ہی نہیں لیکن یہ بھی بھولا پن ہے، ان کی سادگی ہے۔ مومن سے مومن محفوظ ہے لیکن شریر سے مومن محفوظ نہیں، اُس کو خود محفوظ ہونا پڑے گا، یہ خیال رکھنا پڑے گا۔ اتنے بڑے ہنگاموں میں ضرور ایک نہ ایک شریر آدمی بھی داخل ہو جایا کرتا ہے۔ ہم نے بارہا یہ دیکھا ہے کہ بعض ایسے لوگ جو نہ صرف یہ کہ جماعت سے تعلق نہیں رکھتے تھے، اُن کو بلایا نہیں گیا تھا بلکہ باہر سے شرارت کی نیت سے آئے تھے یہ بھی کسی نہ کسی طرح ٹکٹ لے کر ہمارے اس نظام میں داخل ہو گئے۔ اگر وقت پر پکڑا نہ جاتا تو بہت بڑا نقصان بھی پہنچا سکتے تھے۔ تو اپنی چیزوں کی حفاظت کریں آپ بھی تو اپنے آپ سے امن میں رہنا چاہئے اس لئے آپ کی فراست کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے مال کی پوری طرح حفاظت کریں خواہ مخواہ کسی دوسرے کو ابتلاء میں نہ ڈالیں، نہ خود ابتلاء میں پڑیں۔ پچھلی دفعہ یہ شکایتیں پیدا ہوئی تھیں کہ کوئی شریر گروہ لڑکوں کا ایسا آ گیا تھا جو عورتوں میں داخل ہو گئے تھے وہاں بھی چوریاں کیں، مردوں میں بھی بعض دفعہ بڑی بڑی رقموں کا نقصان پہنچایا اس کے لئے آپ سب کو نظر

رکھنی چاہئے مومنوں کے متعلق یہ بالکل غلط تصور ہے کہ مومن بدو حال ہوتا ہے۔ آنحضورﷺ یہ کہتے ہیں کہ مومن بدو ہوتا ہے وہ مومن پتا نہیں کہ کون سا بدو ہوتا ہے۔ جو مومن ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان سے سنا ہوا ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں مومن کی فراست سے ڈرو وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے (ترمذی کتاب التفسیر حدیث نمبر:۳۰۵۲) وہ بدو نہیں ہوا کرتا وہ دلوں کے حال بھی پڑھ لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ مومن کی فراست بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں وہ ان کی پیشانیوں سے ان کے دلوں کے حال جان لیتا ہے۔ جو واقعہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کا سنایا تھا وہ ایک واقعہ نہیں ایسے بے شمار واقعات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی میں گزرے ہیں کہ چہرہ دیکھتے تھے اور پہچان جاتے تھے۔ بات سنتے تھے اور پہچان لیتے تھے۔ پس جس آقاؐ کے آپ غلام ہیں اُس سے فراست سیکھئے۔ آپ سے تو چوری کی توقع نہیں لیکن چوروں کو آپ سے بہت توقعات ہیں، اُن توقعات کو جھوٹا کر دیں، اُن کو رد کر دیں، نامراد بنا دیں، اپنے مال کی بھی حفاظت کریں، اپنے بھائی کے مال کی بھی حفاظت کریں غرضیکہ جو دن یہاں گزریں گے بہت ہی پاکیزہ ماحول میں گزریں۔

نمازوں کا خیال رکھیں قرآن کریم نے توحید کے عقیدے کے بعد سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا ہے وہ عبادت کا قیام ہے۔ پس آپ پر فرض ہے کہ جتنی دیر یہاں ٹھہریں عبادت کو اوّلیت دیں۔ بعض دفعہ ایسی شکایتیں ملتی ہیں کہ بعض نئے احمدی مثلاً مجھے بتاتے ہیں کہ ہم اُٹھے نماز کے لئے گئے، تہجد پہ گئے تو خیال آیا کہ نوجوان سوئے ہوئے ہیں، نماز پہ آجائیں گے لیکن جب واپس آ کے دیکھا تو نماز کے بعد بھی ویسے ہی سوئے ہوئے تھے۔ یہ جو چند دن ہیں غفلت کی حالت میں بسر نہیں ہونے چاہئیں۔ میں جانتا ہوں کہ مسافرت میں ایسے حالات ہوتے ہیں کہ انسان تھک جایا کرتا ہے، بعض دفعہ نیند غلبہ کر لیتی ہے لیکن یہ تو اسْتثنیٰ ہیں۔ روزمرہ کی باتیں تو نہیں روزمرہ کی زندگی میں آپ کو نماز کا نگران اور محافظ رہنا چاہئے اور اس کردار کا یہاں مظاہرہ ہونا چاہئے، مظاہرے کی خاطر نہیں بلکہ طبعی حالت کے طور پر وہ آپ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے آپ کی زندگی کا جز بن چکی ہو۔ نمازوں کو اوّلیت دیں جب اذان کی آواز آپ کے کانوں میں پہنچے تو جلد از جلد دوسرے کاموں کو چھوڑ کر خدا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مسجد کی طرف دوڑیں۔ صبح بھی اٹھیں تو محبت اور پیار کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو اٹھائیں۔ آنحضرت ﷺ کا دستور یہ تھا کہ جب آپؐ کے اہل خانہ میں سے کوئی نیند سے

مغلوب ہو تو نرم ہاتھوں کے ساتھ پانی کے چھینٹے دیا کرتے تھے (ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ:۱۳۲۵) اس طرح اُس کی آنکھ کھل جائے۔ جو بھی طریقہ ہے اخلاق کا طریقہ ہونا چاہئے، گالی گلوچ کا نہیں، طعن و تشنیع کا نہیں، وہ صاحب جنہوں نے مجھے لکھا تھا ایک موقع پر میں نے اُن کو بھی سمجھایا تھا کہ آپ اب غیر نہیں ہیں، آپ تو احمدی ہو چکے ہیں آپ کو کیسے خیال آیا کہ پاکستان کے احمدی آپ سے زیادہ اسلام پر حق رکھتے ہیں، اسلام تو سب کا ہے اگر آپ نے اپنے کمزور بھائی کو دیکھا تو محبت اور پیار سے اُس کو سمجھانا چاہئے تھا پانی کے چھینٹے دیتے، اس کی منت کرتے، اُسے کہتے کہ میاں تم خوش نصیب ہو کہ اسلام میں پیدا ہوئے تمہیں تو چاہئے تھا کہ تم مجھے اسلام سکھاتے، میں بعد میں آنے والا ہوں اور میں تمہیں سکھا رہا ہوں۔ غرض کہ تمہارے لئے ٹھوکر کا کوئی سوال نہیں تھا اگر تم ٹھوکر کھاتے ہو انسانوں سے تو تم ابھی تک خدا کے نہیں ہوئے، جو خدا کا ہو جائے اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ:۲۵۷)۔ ایسے بِالْعُرْوَةِ پر اُس نے ہاتھ ڈال دیا ہے کہ مضبوط کڑے پر اُس کا ہاتھ پڑ چکا ہے کہ کوئی دنیا کی طاقت اُس ہاتھ کو توڑ نہیں سکتی، کسی انسان کی اخلاقی کمزوری اُس کے دین کو نقصان پہنچا نہیں سکتی۔ پس اپنے دین کو ایسا مضبوط بنائیں کہ کسی شخص کا گندے سے گندا کردار بھی آپ کو متزلزل نہ کر سکے اور اپنے دین کو ایسا بنائیں کہ ڈولتے ہوؤں کو سنبھالیں اور اُن کو سہارا دیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو تب ہے گرتوں کو تھام لے ساقی

پس آپ بھی گرتوں کو تھامنے والے بنیں دنیا کو گرانے والے نہ بنیں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین

جھوٹ سے کلیۃً پرہیز توحید کامل سے تعلق جوڑنے کے مترادف ہے۔
جھوٹ سے بچیں اور دنیا کو بچائیں اسی میں ہماری نجات ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ راگست ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کی۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان: ۷۲ تا ۷۳)

پھر فرمایا:۔

چند خطبات پہلے تبتل الی اللہ کا مضمون بیان ہو رہا تھا اور میں نے بیان کیا تھا کہ تبتل الی اللہ کا توحید سے بہت گہرا تعلق ہے۔ انسان اس وقت تک مؤحد نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں ایک خدا کا عبادت کرنے والا نہیں کہلا سکتا جب تک پہلے لا الہ کا مضمون سمجھ کر ہر جھوٹے خدا کا انکار نہ کر دے۔ پھر اس پر خدا کی وحدت کا رنگ جمتا ہے اس کے بغیر محض فرضی طور پر انسان مؤحد کہلاتا ہے حقیقت میں توحید کے فلسفہ اور اس کی روح سے لا بلد رہتا ہے۔

چونکہ یہ ایسا مضمون ہے جس کا روزمرّہ کی زندگی میں ہر انسان کا گہرا تعلق ہے محض فلسفیانہ بیان کافی نہیں ہے کیونکہ مختلف قسم کے انسان ہیں۔ ایک بات ایک ذہین اور تعلیم یافتہ انسان کو سمجھ آ جاتی ہے، ایک عام آدمی کو سمجھ نہیں آ سکتی۔ اس لئے جہاں تک معارف قرآن کا تعلق ہے ان کا لطف

اٹھانے کیلئے بھی کچھ مزاج کی پاکیزگی اور لطافت ہونی ضروری ہے لیکن اُن پر عمل کرنے کیلئے بہت زیادہ گہری لطافت اور گہری سوچ کی ضرورت ہے۔ جیسے عام طور پر عوام الناس نہیں سمجھ سکتے یا اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ صلاحیتیں عطا نہیں ہوتیں کہ اُن باریک باتوں کو سمجھ سکیں مگر قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو ہر چھوٹے بڑے کے لئے ہے۔ اس میں نہایت لطیف مضامین بھی ہیں جو نہایت اعلیٰ درجے کی سوچ اور فہم کا تقاضا کرتے ہیں اور سادہ اور کھلے کھلے مضامین بھی ہیں اسی لئے اس کتاب کو چھپی ہوئی کتاب بھی فرمایا گیا اور کھلی کھلی کتاب بھی فرمایا گیا۔ یہی حال حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی خوبیوں کا ہے۔ ایک عام بالکل سادہ ان پڑھ انسان دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتا ہو وہ آپؐ کی خوبیوں سے اس حد تک آگاہ ہو جاتا ہے کہ بے اختیار اس کا دل آپؐ کی محبت میں اچھلنے لگتا ہے لیکن یہ کہنا کہ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حسن کو پا لیا ہے اور پورے عرفان کے ساتھ میں آپؐ پر عاشق ہوا ہوں یہ بہت بڑی بڑ ہے سوائے اس کے کہ اللہ کسی کو واقعۃً نور عطا فرمائے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن آنکھوں سے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ان آنکھوں کو نور عطا کیا گیا تھا جو حضور اکرم ﷺ کے نور کی نہایت اعلیٰ پاکیزہ لطافتوں کو شناخت کر سکتا تھا اس لئے قرآن کی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایک کھلی کھلی کتاب بھی ہیں اور ایک چھپی ہوئی کتاب بھی ہیں۔ تو جب توحید کا مضمون بیان ہو تو اس کے پیچ در پیچ باریک معارف کا بیان بھی ضروری ہے اور ایسی کھلی باتیں بھی بتانی ضروری ہیں جو ہر سطح کے انسان کی سمجھ میں آسکیں اور وہ اس کے مضامین سے استفادہ کر سکے۔

پس میں نے یہ آج کے خطبہ کے لئے جو موضوع چنا ہے کہ کون کون سی چیزیں جن سے تبتل اختیار کیا جاتا ہے اور توحید کی طرف سفر کے لئے کن کن چیزوں کا چھوڑنا ضروری ہے۔ **ان میں سب سے پہلے جھوٹ ہے۔ تمام برائیوں کی جڑ سب سے بڑا وہ گناہ جو قرآن کریم کے نزدیک شرک کا درجہ رکھتا ہے اور جسے نجاست قرار دیا گیا ہے اور یہ ایسا گناہ ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے اور ایک ایسا گناہ ہے جس کو سچے بھی لاعلمی میں اختیار کر جاتے ہیں اور جس سے بچنے کیلئے بہت باریک در باریک راہ سے** نیچے اترنا پڑتا ہے۔ پس اس مضمون کو سمجھانے کیلئے میں آج انشاء اللہ تعالیٰ پوری کوشش کروں گا اور اگر آج یہ مضمون ختم نہ ہوا تو اگلے خطبے میں اسی کو جاری رکھا جائے گا۔

قرآن کریم مومن کی شان یہ بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا جو شخص تو بہ کرے اور نیک اعمال اختیار کرے، نیک عمل کرے فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا اور تو بہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف تیزی سے جھکتا ہے۔ یہ مضمون جو تبتل کا مضمون ہے لیکن دوسرے لفظوں میں بیان ہوا ہے۔ تبتل الی اللّٰه کا مطلب ہے اللہ کے غیر کو چھوڑ و اور خدا کی طرف دوڑ و اور يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا بالکل وہی معنی ہے صرف دوسرے الفاظ میں موقع اور محل کے مطابق اس مضمون کو بیان فرمایا گیا اور اس کی تشریح اگلی آیت میں ہے۔ اللہ کی طرف تو بہ کرتے ہوئے تیزی سے جھکنا کس کو کہتے ہیں؟ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ یہ ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو جھوٹ کو دیکھتے بھی نہیں يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا ایک مطلب ہے جھوٹی گواہی نہیں دیتے ، ایک یہ ہے کہ اس پر نگاہ تک نہیں ڈالتے۔ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں، اس سے دور بھاگتے ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون کی تشریح آگے ہے۔ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا جھوٹ کی ادنیٰ قسموں سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ لغو باتیں جھوٹ کی ایک قسم ہے لیکن بالکل معمولی سی قسم ہے تو جب وہ لغویات کی مجالس کو دیکھتے ہیں تو اس میں ان کو کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی۔ مَرُّوْا كِرَامًا عزت کے ساتھ اپنا دامن بچاتے ہوئے وہاں سے گزر جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سچی تو بہ کرنے والے ہیں اور اللہ کی طرف دوڑتے ہیں۔ پس جھوٹ سے بچنا اولیت رکھتا ہے تبتل اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ ہر دوسری چیز کو خدا کی خاطر آپ قربان کر دیں اور جھوٹ سے دامن نہ بچائیں تو باریک اصطلاح میں آپ مشرک ہی رہیں گے اور وہ لا الہ کی پہلی منزل ہی طے نہیں ہوگی جس کے بعد الا اللّٰہ اثبات ہوتا ہے۔

اس ضمن میں جھوٹ کی بہت ہی ضرورتیں، بہت سی قسمیں ہیں ان سے متعلق مختصراً میں آپ کے سامنے ایک ایک پہلو بیان کروں گا۔ ایک ایسا انسان ہے جسے روزمرہ عادتاً جھوٹ کی عادت ہوتی ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں جھوٹ اس کی عادت بن جاتا ہے اور اسے خیال بھی نہیں آتا کہ میں جھوٹ بول رہا ہو۔ سچ شاذ کے طور پر اس کے منہ سے نکلتا ہے اور عام باتوں میں بیہودہ سرائی اور جھوٹ بولنا روزمرہ کی زندگی کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ یہ ایسا شخص ہے جو غفلت کی حالت میں زندگی گزارتا ہے اسے جھوٹ سے نکالنا سب سے مشکل کام ہے۔ جن بری چیزوں کی عادت پڑ جائے اپنی نگاہ ان سے

غافل ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بیماریاں بھی جو موذی ہو جائیں۔ بیماریاں ہونے کے باوجود انسانی جسم ان سے غافل ہو جاتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ قادیان کے ایک سادہ مزاج انسان کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اس کو بے خیالی میں بچپن سے عادت پڑی ہوئی تھی کہ ارادۃً نہیں مگر بے خیالی میں گالیاں دیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا دیکھو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم گالیاں بہت دیتے ہو تم ویسے تو ایک نیک انسان ہو اپنی زبان تو صاف کرو۔ تو اس نے بہت گالیاں دیں اس جھوٹے کو جس نے جھوٹ اس کی طرف منسوب کیا تھا۔ اس نے کہا بد بخت، بدنصیب، یہ وہ، فلاں اور فلاں، بڑا جھوٹ بولتا ہے جو کہتا ہے کہ میں گالیاں دیتا ہوں۔ آپ کو کسی خبیث نے جھوٹی اطلاع دی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے کہا ٹھیک ہے، ٹھیک ہے تمہارا کوئی قصور نہیں تم اس چیز سے باز آ ؤ۔

تو بعض عادتیں ایسا قبضہ کر جاتی ہیں کہ انسان کی اپنی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ جوان عادتوں کو پالنے والا ہے، جس کے اندر جنم لے رہی ہوتی ہیں۔ جھوٹ جب یہ صورت اختیار کر جائے تو یہ سب سے خوفناک بیماری ہے جس سے کسی کو نکالنا بہت مشکل ہے۔ میں نے بھی اپنے روزمرہ کے تجربوں میں دیکھا ہے کئی فریق ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں ان کے جھگڑے آتے ہیں تو جس شخص کو جھوٹ کی عادت ہو تو اسے سمجھانا مشکل ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اور بعض عادی جھوٹے اتنے ہیں کہ اگر ان کو کہا جائے کہ جھوٹ بولتے ہو تو مشتعل ہو جاتے ہیں کہتے ہیں اور جو کچھ کہو مجھے جھوٹا نہ کہنا آئندہ سے کبھی، یہ میں برداشت نہیں کر سکتا اور یہ جو جھوٹ ہے یہ ہماری زندگی کی دوسری سرشت بن چکا ہے۔

اپنے ملک میں جا کے دیکھیں سیاست جھوٹی، تجارت جھوٹی، عدالت جھوٹی، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں ہے جہاں جھوٹ جاری نہ ہو۔ روزمرہ کے تعلقات جھوٹے، ایک دوسرے سے محبت کے تذکرے جھوٹے۔ ہر بات بناوٹ پر جھوٹ پر مبنی ہے اور اسی وجہ سے قوم کو سمجھ نہیں آ رہی کہ ہم کتنے بیمار ہو چکے ہیں۔ تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو بھی قبول نہیں ہو سکتی تمہاری اگر تم جھوٹ نہیں چھوڑتے اور سچی توبہ کرنے والا تو وہ ہے جو جھوٹ کے ثانوی درجے کو بھی چھوڑ دیتا ہے اور اس کے تیسرے، چوتھے، پانچویں درجے کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ لغو بات براہ راست جھوٹ

نہیں ہے لیکن جھوٹ کی ایک قسم ہے وہ اس سے بھی اعراض کرتا ہے اور لغو مجلس کو دیکھتا ہے تو منہ موڑ کر عزت کے ساتھ اپنا دامن بچاتے ہوئے وہاں سے نکل جاتا ہے۔ تو ایک وہ جھوٹ ہے۔

دوسرا جھوٹ وہ ہے جو ضرورت کے وقت بولا جاتا ہے۔ اس جھوٹ میں لالچ کے نتیجے میں بھی انسان ملوث ہو جاتا ہے اور کسی خوف کے نتیجے میں بھی انسان ملوث ہو جاتا ہے اور اس مضمون کے بالکل برعکس ہے کہ **یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا** (السجدۃ:۱۷) کہ **مومن وہ ہیں جن کو خوف ہو تب بھی وہ رب ہی کو پکارتے ہیں اور حرص ہو کوئی چیز پانے کی تب بھی اپنے رب ہی کو پکارتے ہیں۔** یہ ایک بہت اعلیٰ پہچان ہے اور بڑی قطعی پہچان ہے کہ کوئی انسان مؤحد ہے کہ توحید سے ہٹا ہوا ہے۔ **جب حرص کا موقع پیدا ہوا گر اس کا خیال اپنے رب کی طرف جائے اور ہر ایسی چیز سے صرف نظر کرلے خواہ کیسی ہی اس کی تمنا ہو جو خدا کے علاوہ کسی اور در سے ملتی ہو۔ جو خدا کو چھوڑ کر نصیب ہوتی ہو۔ یہ ایک مؤحد کی شان ہے اور جب خوف کا وقت آئے اگر اللہ کا خیال پہلے آیا ہے اور اسی کی طرف انسان جھکا ہے تو وہ مؤحد ہے** لیکن خوف کے وقت اگر دماغ میں یہ خیالات کروٹیں لینے لگتے ہیں کہ اس خطرے سے میں کیسے بچوں گا، کیا جھوٹا بہانہ بناؤں، کیا کیا سازشیں کروں، کس کا دامن پکڑوں، کس سے سفارش کرواؤں یہ سارے ایک مشرکانہ طریق ہیں جن کا توحید سے تعلق نہیں ہے۔

اب اس مضمون کو بھی آپ دیکھیں تو روزمرہ کی زندگی نے انسانی معاشرے میں یہ جھوٹ بھی پوری طرح چھایا ہوا ہے۔ یعنی جھوٹ کی اس قسم میں بھی بڑے، چھوٹے، اچھے، بُرے سارے ملوث دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض احمدی نوجوانوں کے متعلق بھی یہ دیکھ کر سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں سچ بولتے ہیں اگر کہیں اپنا مطلب پیش آجائے، چاہے Asylum لینا ہوں یا کسی خطرے سے کسی بدی سے بچنا ہو تو پہلے دماغ میں جھوٹ کی ترکیب آتی ہے کہ اچھا ہم یہ کرتے ہیں کہ پاسپورٹ بنوا لیتے ہیں اور جا کر کہیں گے کہ گم گیا تھا اور یہ کہہ دیں گے کہ ہم جرمنی سے نہیں آئے ہم تو سیدھا پاکستان سے آرہے ہیں۔ اگر جرمنی سے آئیں گے تو دوسرے ملک والے کہہ دیں گے کہ اس طرح تو تم پہلے جرمنی پہنچے تھے ان کا کام ہے Asylum دیں یا نہ دیں ہمارے پاس کیا کرنے آئے ہو۔ انگلستان آئے اور کسی اور جگہ پہنچے اور جا کے یہ بیان دے دیا کہ ہم تو سیدھا پاکستان سے آرہے ہیں۔ یہ ساری باتیں جھوٹ ہیں اور خدا کے سوا کسی اور کو رب بنانے والی بات ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ

قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حٰمٓ السجدہ:۳۱) وہ لوگ جو خدا کو رب کہتے ہیں اور پھر استقامت اختیار کرتے ہیں پھر کسی اور رب کی طرف نہیں جھکتے یہی وہ لوگ ہیں جن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو، تم غم نہ کرو۔ تم نے ٹھیک دامن پکڑا ہے۔ وہی رب ہے وہی رب اعلیٰ ہے اور وہی تمہاری ربوبیت کے سارے سامان کرے گا لیکن جب ایک انسان خدا کو چھوڑ کر جھوٹ کا دامن پکڑ لیتا ہے اور عملاً یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ ہمارا رب جھوٹ ہے اور اس جھوٹے خدا کے ذریعے ہمیں مشکلات سے نجات ملے گی۔ اب اس کا رستہ الگ اور خدا کا رستہ الگ پھر اگر وہ مصیبتوں میں پڑتا ہے تو وہ مصیبتیں بھی ابتلاء نہیں بلکہ ہلاکت کی مصیبتیں ہیں اگر اسے رزق بھی مل جاتا ہے تو وہ ایک بد اور بد بنانے والا رزق ہے۔ اس کا شیطان سے تعلق ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق نہیں۔ کیوں اپنی زندگی کو تباہ کرتے ہیں ایک جگہ جھوٹا سجدہ کر دیں بعض دفعہ ساری زندگی کیلئے انسان توحید سے محروم رہ جاتا ہے۔ تو جھوٹ کی عبادت کرنا بہت ہی خطرناک شرک ہے اس سے ہر قدم پر بچنے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر جب آزمائشوں کے دروازے سامنے کھڑے ہوں جن سے آپ چابی لگا کر بھی گزر سکتے ہیں، توڑ کر بھی گزر سکتے ہیں اس وقت اگر آپ توحید کا دامن پکڑیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو وہ چابی عطا فرمائے گا۔ جس سے آپ کی مشکلات کے دروازے کھل جائیں گے اور اگر آپ جھوٹ کا دامن پکڑیں گے تو ان دروازوں کو توڑ کر جس جنت میں جانا چاہتے ہیں اس جنت کی بجائے وہی دروازہ جہنم کی طرف لے جائے گا۔ اس لئے ضرورت کے وقت ایک انسان کی آزمائش ہوا کرتی ہے اور اسی کا نام استقامت ہے۔ عام حالات میں سچ بولنا اس کا استقامت سے کوئی تعلق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سچائی فطرت کا حصہ ہے۔ سچائی کے بغیر انسان اپنی فطری تقاضے نہیں پورے کرتا۔ میں نے پہلے بھی ایک دفعہ یہ مضمون سمجھایا تھا کہ سارے جانوروں کی دنیا میں سچ ہی سچ ہے۔ کوئی جانور جھوٹ نہیں بولتا اور جانور کے جھوٹ نہ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اداؤں، اس کی حرکتوں اور اس کے ردعمل سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس بیچارے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ انسان ہے جس نے جھوٹ سیکھا ہے اور انسان ہی ہے جس کو خصوصیت سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جھوٹ سے بچو۔ اس لئے انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو سوائے اس کے کہ کسی اور کو رب سمجھے اس کے جھوٹ کا کوئی مقصد نہیں

ہے، کسی اور کو اپنا بچانے والا سمجھے، تب جھوٹ بولتا ہے **اور یہ جو نیت کا فیصلہ ہے اس کو پہچانتا نہیں ہے، اس کو چالاکی سمجھتا ہے۔** کہتا ہے کیا خوب رہی۔ میں نے ایسی چالاکی کی کہ پتا نہیں لگنے دیا کہ کہاں سے آیا تھا لیکن یہ بھول گیا کہ اس چالاکی میں خدا کا رستہ چھوڑ گیا ہے۔ عجیب بیوقوفوں والی چالاکی ہے کہ ایک ایسی منزل پالی جو بالکل عارضی اور جو بے حقیقت اور بے معنی ہے اور ایک مستقل ٹھکانے کو قربان کر دیا۔

پس ہر وہ ابتلاء جس میں انسان کو سچ کی آزمائش ہو اس میں سچ پر ثابت قدم رہنا اور اس پر قائم ہو جانا خواہ کچھ بھی ہو اس کا نام توحید ہے اور تبتل کی ایک قسم ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ تبتل اختیار کرو اور اللہ کی طرف دوڑو تو مراد یہی ہے کہ ہر وہ چیز چھوڑ دو جو خدا سے دور لے جانے والی ہے۔ تو مضمون قرآن کریم نے کتنا سادہ اور صاف بیان فرما دیا ہے۔ اس میں کوئی باریک در باریک فلسفے نہیں ہیں۔ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا جو بھی چاہتا ہے کہ توبہ کرے، یعنی توبہ کرتا ہے اور نیک اعمال اختیار کرتا ہے فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا پس اس کے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف جھکے اور اس کی طرف تمام تر جھک جائے۔

(مجھے اطلاع ملی ہے کہ کچھ خرابی ہے ٹیکنیکل جس کی وجہ سے وہ تصویر تو صاف جاری ہے لیکن آواز صاف نہیں جارہی اس کا حل یہ کیا ہے کہ میں خطبہ لمبا کر دوں، خطبہ لمبا بھی کر دوں تو پہلے 15 منٹ کہاں جائیں گے۔ وہ تو بہر حال ہو چکے، مسئلہ تو حل نہیں ہوگا اور نہ ہی اس لئے خطبہ لمبا کر دوں کہ پہلے 15 منٹ آواز نہیں گئی یہ تو لغو بات ہے جو مضمون ہے وہی بیان کروں گا جتنا مناسب ہے ایک خطبہ میں اتنا ہی بیان کروں گا۔)

تو میں بتا رہا تھا کہ تبتل کے کتنے صاف پاکیزہ معنی ہیں۔ قرآن کریم نے کھول کھول کر بیان فرما دیئے کہ جھوٹ نہ بولا کرو توبہ کرنی ہے تو جھوٹ کے ساتھ گزارہ نہیں ہو سکتا اور جھوٹ کی ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کو بھی ترک کر دو۔ ادنیٰ چیزیں جو ہیں جن کو لغو بیان فرمایا گیا ہے اس میں ہمیں ظاہر طور پر جو چیز دکھائی دیتی ہیں وہ گپ شپ ہے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ گپ ماردی جائے تو جھوٹ نہیں ہے اور لغو مجالس میں گپیں خوب چلتی ہیں۔ بعض دفعہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر مقابلے کرتے ہیں گپیں مارنے کے کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ ہر دلعزیز بنتے ہیں اپنی طرف سے۔ بعض دفعہ ایک واقعہ سناتے ہیں اور واقعہ میں مزا کوئی نہیں تو سمجھتے ہیں کہ مزا پیدا کرنے کے لئے

کچھ نہ کچھ اپنی طرف سے یہاں لگانا ضروری ہے۔ بظاہر یہ ذاتی منفعت کے لئے نہیں ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ اس میں تو کوئی ایسا جھوٹ نہیں ہے۔ یہ تو مجلس کا دل لگانے کی خاطر میں نے کیا لیکن اگر باریک نظر سے دیکھیں تو اس میں ذاتی منفعت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ ایک شخص جب بات کرے جس میں لذت پیدا نہ ہو تو وہ نفسیاتی لحاظ سے الجھن محسوس کرتا ہے، سمجھتا ہے میرا وہ مقام قائم نہیں ہوا، میرا وہ رُعب قائم نہیں ہوا، میں نے مجلس کے دل نہیں جیتے اس لئے سچ سے نہیں جیتے جا سکتے تو جھوٹ سے ہی سہی۔ وہ پھر غلط بات کا اضافہ کر دیتا ہے۔ وہ جو اپنے آباؤ اجداد کے متعلق باتیں بیان کرتے ہیں یہی مقصد ہوا کرتا ہے کہ آباؤ اجداد میں خوبیاں نہ ہوں تو ہم بنا لیتے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ ان کی بڑھائی ہماری طرف بھی منتقل ہو۔ تو ہر جھوٹ کا ایک مقصد ہے اور بغیر مقصد کوئی جھوٹ نہیں بولا کرتا۔

لغو باتیں جھوٹ کا عنصر رکھتی ہیں۔ لغو باتوں میں بھی ایک ذاتی منفعت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور انسان ایک دوسرے پر چالاکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور زیادہ چالاک اور زیادہ ہوشیار بن کر لوگوں پر ظاہر ہونا چاہتا ہے۔

جھوٹ کی ایک قسم ہے بہانے بنانا اور یہ بھی روزمرہ کی زندگی میں ملتی ہے اور بسا اوقات انسان کو جو سچ بولنے والا بھی ہو اس کو بھی محسوس نہیں ہوتا کہ میرا پہلا ردعمل ہے کیا۔ ایک شخص کسی ایسی حرکت میں پکڑا جاتا ہے جس سے اس کو خجالت ہوتی ہے، شرمندگی ہوتی ہے اور فوری طور پر اس کا نفس اس کے سامنے عذر گھڑ کے پیش کر دیتا ہے یہ کہہ دو، اس طرح اس کی توجیہہ کرو۔ ایک غلطی ہوگئی معمولی سی غلطی ہے کوئی سزا بھی اس کی نہیں ملنی لیکن انسان کا نفس اتنا اپنی عزت کا تحفظ کرتا ہے کہ جھوٹے بہانے کے ذریعے بھی تحفظ حاصل ہے تو وہ ضرور دے گا۔ چنانچہ ایک غلطی ہوئی اور فوراً دل نے بہانہ گھڑ لیا۔ اتنا بہانہ جُو ہے انسان کا نفس کہ آپ روزمرہ کی باتوں میں غور کریں تو کسی موقع پر آپ نے کیا بات کیوں کہی تھی؟ آپ حیران ہو جائیں گے کہ لاعلمی میں آپ جھوٹے بہانے بناتے رہے۔ کاموں کے دوران انتظامی معاملات میں میں نے بسا اوقات دیکھا ہے کہ کسی سے پوچھا جائے کہ میاں یہ کام یوں کیوں ہو گیا ہے؟ تو پہلا ردعمل اس کا بہانہ بنانے کا ہوتا ہے بہت کم ایسے صاف گو ہیں جن کو قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ میری غلطی میری طرف منسوب ہو گی اور اس سے بچنے کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں اس کے باوجود وہ کھل کر صاف کہتے ہیں ہاں یہ میری غلطی ہے

مگر روزمرہ کی زندگی میں انسان بہانے بہت بناتا ہے اور بہانہ بنانا پھر رفتہ رفتہ اُچھل کر کھلے کھلے جھوٹوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ضرورت کے وقت جو جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں وہ سب بہانہ جُو ہوتے ہیں۔کوئی ایسا شخص ضرورت کے وقت جھوٹ نہیں بولتا،جس کو بہانے بنانے کی عادت نہ ہو۔وہ شخص جو بہانوں سے پاک ہے اس کے لئے جھوٹ کی جڑیں ہی نہیں ہیں۔جو جھوٹ کی جڑیں ہوا کرتی ہیں انسانی فطرت میں جو کہ عام طور پر دکھائی نہیں دیتیں۔جو جھوٹ باہر دکھائی دیتا ہے اس کی اندر بھی ضرور جڑیں ہیں ان جڑوں کو تلاش کریں تو پھر آپ کو باہر سے جھوٹ سے بچنے کے ذرائع میسر آ سکتے ہیں چنانچہ اس مسئلے پر غور کرتے ہوئے میری نظر بچوں تک پہنچی اور مجھے اندازہ ہوا کہ کیوں بعض ماں باپ آئندہ کیلئے جھوٹی نسلیں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں حالانکہ وہ سچ کی تلقین کرنے والے لوگ ہیں اور مزاج کے سخت بھی ہوا کرتے ہیں،غلطیاں تو برداشت ہی نہیں کرتے اس کے باوجود ان کے بچے جھوٹے بن جاتے ہیں۔تو ایسے بعض بچوں کے حالات پر خاندانوں پر نظر رکھ کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ حقیقت یہ ہے کہ **بچوں پر ناجائز سختی جھوٹ پیدا کرتی ہے۔اگر ایک بچے کو روزمرّہ یہ پتا ہو کہ مجھ سے پلیٹ ٹوٹ جائے گی تو جوتیاں پڑیں گی۔مجھ سے فلاں چیز غلط ہوئی تو گالیاں پڑیں گی یا مار پڑے گی یا مجھے ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔وہ ہر وقت دل میں بہانے ڈھونڈتا رہتا ہے ذرا اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو ہیں تم نے یہ کیا کیا وہ فوراً کوئی بہانہ بنا دے گا۔**پس بظاہر ماں باپ سچے ہیں،بظاہر ماں باپ غلطیوں کی سرزنش کرنے والے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں ہم بہت ہی نیک اور پاک اولاد پیدا کر رہے ہیں لیکن یہ کوشش عملاً جھوٹی اولاد پیدا کرنے پر منتج ہو جاتی ہے۔جس قسم کی عمر ہے اس قسم کا سلوک ہونا چاہئے اگر چھوٹی عمر میں آپ کو اتنی سختیاں کرنے کا حق ہے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو شریعت کا مکلّف بنا دیتا تو کون ہے آپ میں سے جو عذاب سے بچ سکتا ہے۔تبھی آنحضور ﷺ نے سات سال کی عمر تک بچے کو نماز پڑھنے کیلئے سختی سے ہدایت دینے کی ہدایت نہیں فرمائی۔فرمایا سات سال کا ہو جائے پھر پیار اور محبت سے اس کو سمجھاؤ اور شامل ہو جائے تو ہو جائے،شامل نہ ہو تو نہ ہو۔دس سال تک اس سے یہ سلوک کرو یہاں تک نماز کا تعلق اس کے دل میں رائج ہو جائے،راسخ ہو جائے۔تب پھر اس پر تھوڑی بہت سختی شروع کرو(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر:۴۱۸)اور بارہ سال کے بعد جب وہ بلوغت کو پہنچتا ہے اس کے بعد اس کا معاملہ اور خدا کا معاملہ تم اس سے پیچھے ہٹ جاؤ۔

اس نصیحت میں گہری حکمتیں ہیں وہ لوگ جو بچوں سے چھوٹی باتوں پر سختی کرتے ہیں حالانکہ نماز کا ترک سب سے بڑی بات ہے۔اس پر بھی آنحضورﷺ نے بہت ہی محدود عمر کے زمانے میں محدود پیمانے میں سختی کی ہدایت فرمائی ہے۔ایسے لوگ، ایسے بعض باپ ہوں یا مائیں وہ بچوں کو تباہ کر دیتے ہیں اور بعض ایسے نوجوان میں نے دیکھے ہیں،نوجوان کیا بڑی عمر کے بھی ان کے بچپن کی ساری تصویر ان کے اس رجحان سے نظر آجاتی ہے تو بعد میں پوچھو یہ کیا ہوا؟ ایک دم دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور فوراً بہانہ بنانے کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔اس سے ان بیچاروں کا دردناک بچپن کا منظر سامنے آجاتا ہے کیا بیچاروں پر گزری ہوگی بچپن میں اپنے گھروں میں،کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں میں ماں باپ نے لعن طعن کی ہوگی یہاں تک کہ عادت پڑ گئی ہے جھوٹ بولنے کی۔پس پہلے بہانے بنتے ہیں، پھر جھوٹ اور بہانے انسان کی نظر سے بعض دفعہ ایسی مخفی رہتے ہیں کہ اس کو پتا نہیں لگتا کہ بہانے کب جھوٹ کے بچے پیدا کر دیں گے۔جس طرح اندھیرے میں بعض دفعہ سنڈیاں پلتی ہیں اور اس کے انڈے کچھ عرصہ تک پرورش پانے کے بعد تتلیوں میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔تتلیاں تو پر کے ساتھ اڑتی ہیں مگر جھوٹ کی سنڈیاں بے پر کے اڑتی ہیں اور ساری سوسائٹی میں نفرتیں اور گندگیاں پھیلا دیتی ہیں۔تو ہو نہیں سکتا کہ آپ جھوٹے ہوں اور خدا سے تعلق قائم ہو جائے۔جھوٹے کا جھوٹ سے تعلق قائم ہوگا۔اسی لئے جھوٹوں کی خوابوں پر اعتبار نہیں ہوتا۔جب کوئی خواب سناتا ہے تو میری ہمیشہ اس بات پر نظر ہوتی ہے کہ اس کا اپنا مزاج کیسا ہے اگر وہ سچا اور صاف آدمی ہے تو اس کی خواب کو میں بہت عظمت دیتا ہوں اور وہ خواب سادہ ہی ہوا گر اور بسا اوقات بہت گہرے پیغام مل جاتے ہیں مگر جس کی روزمرہ کی زندگی کی عادت جھوٹ بولنا لغویات میں زندگی بسر کرنا ہے اس کو خواب بھی آئے گی تو ہوائے نفس کی۔اس کا خدا تعالیٰ کے ساتھ شاذ سے تعلق ہوتا ہے۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی جھوٹے کو سچی خواب نہیں آسکتی ہے لیکن شاذ کے طور پر ہوتا ہے۔اکثر جھوٹے کو جھوٹی خوابیں ہی آتی ہیں اور اکثر سچوں کو سچی خوابیں آتی ہیں۔تو اس لئے تعلق باللہ کیلئے جھوٹ سے تبتل اختیار کرنا ضروری ہے تب اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوگا۔

کچھ جھوٹوں کے لئے جو ایک اپنے ذاتی دفاع کے لئے نہیں بلکہ منفعتوں کیلئے بولے جاتے ہیں جیسا کہ میں نے مثال دی تھی۔کسی جگہ کوئی فائدہ پیش نظر ہو اور سچ سے کام نہ بنتا ہو تو عام آدمی

بلا تکلف جھوٹ سے کام لینے لگ جاتے ہیں۔ وہ جو قسم ہے جھوٹ کی یہ بعض دفعہ بہت دور تک انسانی زندگی میں تلخیاں گھول دیتی ہے۔ خاص طور پر جب بیاہ شادی کا معاملہ ہو چنانچہ قرآن کریم میں بیاہ شادی کے موقع پر یعنی نکاح کے موقع پر پڑھی جانے والی آیات میں قول سدید اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ قول سدید کا مطلب یہ نہیں کہ سچ بولو۔ قول سدید کا مطلب ہے کہ سچ ایسا بولو کہ اس سے کسی غلط فہمی کا کوئی امکان نہ رہے۔ بعض دفعہ انسان سچ بولتا ہے لیکن سچ کے باوجود بھی غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض باتوں کو چھپا لیتا ہے اور ان کا ذکر ہی نہیں کرتا لیکن جو قول سدید ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر اس چیز کا ذکر کرو جس کا ذکر کرنا ضروری ہے تا کہ کوئی غلط تاثر پیدا نہ ہو۔ میں نے اکثر دیکھا ہے بیاہ شادی کے جھگڑوں میں قول سدید کی کمی سب سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہے اور اس کے بعد پھر وہ لوگ ہیں جو سراسر جھوٹ سے کام لیتے ہیں ان کے جو بیاہ شادی کے معاملات ہیں۔ وہ تو شروع سے ہی شیطانی تعلقات سے پیدا ہونے والے ہیں اور ان سے کسی خیر کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔ بعض مائیں ہیں اپنے بیٹے کیلئے رشتہ ڈھونڈنے نکلتی ہیں۔ دوکوڑی کمانے والا نہ ہو اس کے متعلق ایسی جھوٹی باتیں بتاتی ہیں کہ وہ فلاں جگہ دس ہزار روپے لے رہا ہے یہ عزت ہے اور یہ خاندان ہے۔ بعض دفعہ ایک لڑکے کی بات کرتی ہیں اور دوسرے لڑکے کی شادی کر دیتی ہیں۔ بعض دفعہ ایک لڑکی کی بات ہو رہی ہے اور دوسری لڑکی کی شادی ہو رہی ہے۔ جھوٹ، مکر، فریب، غلاظتیں، ایسا ذلیل معاشرہ پیدا کرتی ہیں کہ اس کی طرف دیکھنے سے کراہت آتی ہے اور پھر اس کے باوجود ان میں وہ لوگ ہیں، بہت کم سہی لیکن ہیں جو احمدی کہلانے میں فخر محسوس کر رہے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مکر اور فریب اور ذلالت کے ذریعے تعلقات قائم کرتے ہیں جب ان کی توقعات پورا نہیں ہوسکتیں تو طعنے دیتے ہوئے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی احمدی ہیں دیکھ لو۔ مجھے طعنے دیتے ہیں کہ فلاں جگہ ہم نے شادی کی احمدی سمجھ کر اور ایسا نکلا۔ بعض دفعہ مجھے ان کو بتانا پڑتا ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں آپ نے ہرگز احمدی سمجھ کر شادی نہیں کی تھی، احمدی سمجھ کر نیک خیال کرتے ہوئے نہیں کی۔ مجھے پتا ہے کہ آپ نے فلاں لالچ میں کی اور فلاں لالچ میں کی اور فلاں لالچ میں کی اور وہ لالچ الٹی پڑ گئی ہے تو اپنے آپ کو کوسنے کی بجائے آپ احمدیت کو کوسنے لگ گئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مجھ پر ذمہ داری ڈال دی اب میں آپ کی غلطیوں کا خمیازہ خود بھگتوں یا جماعت بھگتے اور آپ کو کسی طرح اس مصیبت سے نجات ملے۔

بیاہ شادی کے جھگڑے جب بھی مجھ تک پہنچتے ہیں تو ان کا جب بھی باریک نظر سے تجزیہ کیا جائے۔ الا ماشاء اللہ ضرور اس میں جھوٹ کی گندگی ملی ہوئی ہوتی ہے یا قول سدید سے انحراف تو ضرور ہوتا ہے۔ قول سدید کا تقاضا یہ ہے کہ ایک لڑکا بیمار ہے اس کی بیماری نظر نہیں آرہی تو یہ کافی نہیں ہے کہ انہوں نے پوچھا نہیں اس لئے ہم نے بتایا نہیں۔ قول سدید کا تقاضا یہ ہے کہ پوچھے یا نہ پوچھے جس کی بیٹی لینے جارہا ہو اس کو بتاؤ کہ میرے بیٹے میں یہ نقص ہے اور اسی طرح قول سدید کا تقاضا ہے کہ بیٹی میں مخفی نقص ہیں تو ہونے والے خاوند پر یا اس کے رشتہ داروں پر کھل کر بات وضاحت سے کردی جائے کہ یہ اس میں نقائص ہیں اب اس کو دیکھ لیں اور اس کے باوجود قبول کرتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ جو لوگ قول سدید سے کام لیں ان کی شادیاں خدا کے فضل سے ہمیشہ کامیاب رہتی ہیں اور بعض ایسے آدمیوں کو میں جانتا ہوں جن پر ایک دوسرے کے عیوب خوب کھول دیئے گئے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے قبول کیا ہے اور خدا کے فضل سے نہایت ہی اعلیٰ درجے کا جوڑ پیدا ہوا اور نہایت پاکیزہ ماحول پیدا ہوا یہاں تک کہ ہمارے یہاں مغرب کے معاشرے میں بعض بچیاں ایسی ہیں بیچاری کہ وہ کئی قسم کی گندگیوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ باہر سے آنے والے کسی نے شادی کی خواہش کی تو ان کی طرف سے بتادیا گیا یہ یہ کمزوریاں ان سے ہوچکی ہیں آگے تمہاری مرضی ہے شادی کرنی ہے تو کرو چنانچہ بعض لوگوں نے مجھ سے پوچھا۔ ان سے میں نے کہا کہ جب جیسے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی التائب من الذنب کمن لا ذنب له (ابن ماجہ کتاب الزھد حدیث نمبر: ۴۲۴۰) جو گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے وہ ایسے ہے جیسے اس کا کوئی گناہ نہیں۔ ایک طرف تم اس اسلام کے حسن کو دنیا میں پیش کرتے ہو۔ دوسری طرف ایک ایسا شخص بڑی صاف گوئی کے ساتھ اور سچائی کے ساتھ اپنی سابقہ زندگی کو اسی لئے بتارہا ہے صرف کہ تمہیں دھوکا نہ ہو کہاں ہو اور پھر تم منہ بنا کر دوسری طرف چل پڑو گے تو یہ جائز بات نہیں۔

چنانچہ بعض احمدی لڑکوں کے متعلق میرے دل میں جن کی بڑی عزت ہے انہوں نے اس بات کو سنا میں نے کہا یہ فیصلہ کرو کہ نیک ہے کہ نہیں یہ بچی آپ کی۔ جو ہو چکا وہ ہو چکا اور تمہیں اس سے تعلق قائم کرتے ہوئے انقباض تو نہیں ہوگا کوئی تم اس کے حقوق تو ادا کرسکو گے کہ نہیں۔ اس کے بعد بے شک شادی کرو۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے یہ شادیاں ہوئیں اور بہت ہی کامیاب اور بہت ہی پاکیزہ معاشرہ پیدا ہوا ہے لیکن جہاں چھپایا جاتا ہے وہاں بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور بعض دفعہ اس

وقت چھپایا جاتا ہے جب کہ چھپانے کا حکم نہیں ہے اور اس وقت نہیں چھپایا جاتا جب چھپانے کا حکم ہے۔ سچ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جگہ اپنی برائیوں کو آپ خود اچھالتے تھے یہ بھی گناہ ہے۔ مگر قول سدید کے تعلق سے جہاں سودے ہو رہے ہوں جہاں رشتے طے ہو رہے ہوں وہاں ضرور آپ پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ اس کمزوری کو ضرور ظاہر کریں جس کمزوری کے علم کے بعد فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس نے آپ سے سودا کرنا ہے کہ نہیں کرنا۔ اسی لئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر وہ لعنت ڈالی جو گندم کی ڈھیری کے اوپر خشک گندم رکھ دیتا ہوا اندر سے گیلی ہو۔ (ابن ماجہ کتاب التجارات حدیث نمبر: ۲۲۱۵)

چنانچہ عربوں میں دستور تھا کہ وہ گہرا ہاتھ ڈال کر دیکھا کرتے تھے جیسے دانے باہر ہیں ویسے اندر بھی ہیں کہ نہیں اور پنجاب میں تو اب بھی عام رواج ہے چاولوں کی بوری ہو، گندم کی جو سمجھدار لوگ ہیں بیوپاری وہ بعض جگہوں سے وہ گہرا سوراخ کر کے یا پیانے اندر ڈال کر اندر کا دانہ نکال کر دیکھتے ہیں۔ تو جہاں سودے ہوں وہاں آنحضرت ﷺ کی نصیحت یہ ہے کہ خود اپنے اندر کے دانے نکال کر دکھاؤ اور یہ بات معیوب نہیں بلکہ آپ کو پسند ہے **لیکن عام حالات میں اگر انسان ان باتوں کو ظاہر کرے جن پر خدا تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہو اور ایسے لوگوں پر ظاہر کرے جن پر ظاہر کرنا اس کے لئے فرض نہیں ہے۔ یہ نیکی نہیں بلکہ گناہ بن جاتا ہے۔** اتنا حسین امتزاج ہے مختلف توازن کا، مختلف پہلوؤں کا کہ اسلام کی تعلیم میں بہت ہی حسین توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ پس آنحضور ﷺ جہاں ایک طرف یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ جب بیاہ شادی کے موقع ہوں یا تجارت کے مواقع ہوں وہاں خود متعلقہ کمزوری کو نکال کر باہر پیش کیا کرو اور یہ سچائی ہے۔ وہاں آنحضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے ”کہ میں نے خود آنحضورؐ کو فرماتے سنا کہ میری یہ ساری امت قابل بخشش ہے سوائے ان کے جو مجاہر ہے اور ہر بات کو اپنی ہر بدی سے ظاہر کرنے والے اور ستاری نہ کرنے والے ہیں یہ بات ستاری نہ کرنے کے مترادف ہے کہ انسان رات کو کوئی کام کرے اور پھر صبح ہونے پر پھر دوسروں کو بتاتا پھرے۔ (بخاری کتاب الادب حدیث نمبر: ۵۶۰۸)

پس وہ لوگ جو گناہ کرتے ہیں اور خود اپنے گناہوں سے پردے اٹھاتے ہیں ان کے اوپر آنحضور ﷺ نے لعنت ڈالی ہے، ان کو خطرناک مجرم قرار دیا ہے پس ان دو باتوں کو ملا کر غلط نتیجے نہ نکالیں۔ **جب میاں بیوی کی شادیاں ہو جائیں اس کے بعد میاں کا یا بیوی کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ پرانی**

باتیں جن پر خدا تعالیٰ نے پردے ڈالے ہوئے ہیں ان کو ایک دوسرے پر کھولیں۔ اگر کوئی ایسی بات ہے جس کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ وہ بعد میں ظاہر ہوگی اور پھر تعلقات تلخ ہونگے اس لئے عقل کا تقاضا یہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم بھی یہی کہتی ہے کہ پہلے ہی بات کھول دو لیکن بعض ایسے جہلاء ہیں جو اپنی اچھی بھلی شادی کو بالکل اپنے ہاتھوں سے برباد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آج کل میرے سامنے ایک معاملہ ہے ایک بیچاری سادہ مزاج بیوی جس کی زندگی اپنے خاوند سے بہت اچھی گزر رہی تھی اور ایسے معاشرے کی ہے جس معاشرے کی برائیاں اس طرح کی ہیں کہ وہاں بعض غلطیاں سرزد ہونا ایک روزمرہ کی زندگی کا حصہ ہے کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔ پتا نہیں اس بیچاری کو کیا خیال آیا کہ میں اور سچی بنوں اور ایک دن اپنے میاں کے سامنے اپنی وہ پرانی باتیں کر دیں جو خدا تعالیٰ نے مخفی رکھی ہوئی تھیں۔ اس دن کے بعد پھر وہ میاں اس کو دکھائی نہیں دیا اور اب اس کے خط آتے ہیں کہ میں کیا کروں۔ بہت ہماری محبت تھی، بچے ہیں بچوں سے بڑا پیار تھا لیکن وہ متنفر ہو کر مجھ سے بھاگ گیا ہے۔

تو شادی بیاہ کے پہلے خاص احتیاط کے ساتھ اپنی بعض ایسی کمزوریوں کو پیش کرنا جن کے متعلق یہ خیال ہو کہ اگر براہ راست علم ہو تو سخت نقصان پہنچے گا۔ یہ تقویٰ کے خلاف نہیں بلکہ تقویٰ کے عین مطابق ہے لیکن اگر خدا نے پردے ڈھانپے ہوں تو کئی بدیاں ہیں جو چھپی ہوئی غیروں کے سامنے نہیں ہیں تو ان کی تشہیر کرنا تو بہت ہی پرلے درجے کی حماقت ہے بلکہ خودکشی ہے اور یہ بیماری بعض مواقع پر انفرادی نقصان پہنچاتی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات میں ایسی باتیں بے وجہ کھولنا جو ماضی کا حصہ بن چکیں دفن ہو گئیں یہ نیکی نہیں بلکہ بے وقوفی ہے لیکن بعض دفعہ یہی چیزیں جو ہیں جو معاشرے میں عام گند بن کر پھیل جاتی ہیں اور غالباً یہی بڑی حکمت ہے جس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے مجاہر کو نہایت ہی ظالم اور گناہ گار قرار دیا ہے وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے بدیوں سے شرم نہیں کرتا وہی ہے جو باہر بیٹھ کر یہ باتیں کرتا ہے اور بظاہر سچ بول رہا ہے لیکن ایسا سچ ہے جو خدا کے نزدیک جھوٹ سے بھی بد تر ہے۔ اس میں دو گناہ ہیں ایک یہ گناہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ستاری کے پردے کو خود اپنے ہاتھوں سے چاک کر رہا ہے اور دوسرا گناہ یہ ہے کہ ایسی باتوں سے معاشرہ گندہ ہوتا ہے۔ وہ نوجوان جن کی مجالس میں یہ باتیں ہوں کہ رات ہم نے یہ گناہ کیا، رات یہ بدمعاشیاں کیں، فلاں جگہ ہم نے یوں کیا۔ وہ ایک تو بے حیائی کے اور خدا کی ستاری کے پردہ چاک کرنے کے مرتکب تو ہیں ہی لیکن وہ نسبتاً کم گناہ گار جن کی مجلس

میں بیٹھے ہوتے ہیں ان کے دلوں میں گناہ کے ولولے بھر دیتے ہیں، بڑے ان کے دلوں میں جوش پیدا ہوتے ہیں، بڑی امنگیں پیدا ہوتی ہیں کہ اچھا ہم بھی یہی کر کے دیکھیں گے۔

پس آنحضور ﷺ کو جو دین عطا ہوا ہے نہایت ہی متوازن ہے اور اس کی ایک ایک بات میں بڑی گہری حکمت ہے۔ پس آنحضور ﷺ نے بڑا احسان فرمایا جب ایک طرف قول سدید کا حکم ہے دوسری طرف مجاہر کے مضمون کو خوب کھول کر سامنے پیش کر دیا۔ دیکھو مجاہر نہ بننا اس سے تم بھی گناہ گار ہو گے خدا کے ناشکرے بنو گے اور سوسائٹی میں فحشاء پھیلا دو گے۔

میں نے اس پر غور کیا تو مجھے سمجھ آئی ایک بات کی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے دل سے بے حد محبت کے درود نکلے کہ ان کی قربانی ساری امت کیلئے ہمیشہ کتنی کام آئی ہے۔ اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض حقوق قائم فرمائے ہیں ان میں ایک حق ہر شخص کے اپنے نفس کا حق ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کو حق نہیں ہے کہ کسی پر الزام لگائے اور وہ اگر الزام لگاتا ہے تو اس کا ہر گز فرض نہیں ہے کہ وہ اس کا انکار بھی کرے۔ چنانچہ اگر کوئی کسی شخص پر الزام لگاتا ہے، اس نے زنا کیا اس نے یہ گند کیا اس نے وہ گند کیا۔ اگر وہ گواہ پیش کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے تو معاملے کی چھان بین ہوگی۔ ورنہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے یعنی بظاہر سچ بھی بولا ہو تب بھی خدا کے اس قانون سے وہ جھوٹا نکلتا ہے اور جس پر الزام لگایا گیا ہے اس کو کوئی اسلام کی عدالت یہ مجبور نہیں کر سکتی کہ وہ انکار بھی کرے۔ اس کے نتیجے میں خدا نے ستاری کا ایک عجیب پردہ ڈال دیا ہے۔ ساری امت کے کمزوروں پر ایک عظیم الشان ستاری کا پردہ ہے کہ گناہوں سے بچو لیکن اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہوں تو جب تک وہ گناہ اچھل کر منظر عام پر نہیں آتے کہ خدا کی ستاری کا پردہ پھاڑ کر باہر نہیں آتے۔ **اس وقت تک کسی کو حق نہیں ہے خدا کی ستاری کا پردہ پھاڑ کر، جھانک کر تمہارے اندر دیکھے۔ صرف عورت کو حق ہے اور صرف مرد کو حق ہے جو میاں بیوی ہوں۔** ان کے لئے فرض نہیں ہے کہ وہ گواہ اکٹھے کرتے پھریں۔ ان کو خدا نے حق دیا ہے اگر عورت مرد کو گناہ گار سمجھتی ہے تو لعان کر سکتی ہے کہ وہ چار دفعہ قسمیں کھا کر کہہ سکتی ہے کہ میرا خاوند اس گند میں ملوث ہے اگر وہ چار دفعہ قسمیں کھا کر انکار نہیں کرتا تو وہ اس پر جرم کی سزا عائد ہو جائے گی۔ یہی حال عورت کا ہوگا اگر مرد جس پر یہ الزام لگائے۔ تو میاں بیوی کے درمیان استثناء رکھا گیا ہے اس میں اپنی ذات میں بہت گہری حکمتیں ہیں اور عام سوسائٹی میں یہ جو مجاہر کا لفظ

آنحضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے قطعی ہدایت ہے کہ کسی کو حق نہیں ہے کہ اپنی بدیوں کو خود اچھالے۔

پس عام حالات میں جہاں نہیں اچھالنے کا حق ہوتا ہے وہاں لوگ اچھالتے ہیں اور مجاہر بن جاتے ہیں اور جہاں اپنے فائدے مقصود ہوں وہاں اپنی ایسی بدیوں پر پردے ڈالتے ہیں جن پر پردہ ڈالنا گناہ ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں غلط ثابت ہو سکتے ہیں۔ پس موقع محل کے مطابق کیسی پاکیزہ سچی تعلیم ہے اور ہر موقع کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہے۔

جھوٹ سے پرہیز لازم ہے لیکن جھوٹ کی اس تعریف کو پیش نظر رکھیں جو قرآن کریم کے نزدیک جھوٹ ہے۔ وہی جھوٹ کہلائے گا اور جس باریکی سے قرآن کریم نے جھوٹ کی وضاحت فرمائی ہے مختلف حالات میں جھوٹ کی تعریف فرمائی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے **جھوٹ سے کلیۃً پرہیز کرنا توحید کامل سے تعلق جوڑنے کی اہلیت عطا کرتا ہے۔**

اس مضمون کو سمجھنے کے بعد اب میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں۔ **ہر وہ احمدی جس تک میری یہ آواز پہنچے یا تحریک پہنچے کہ وہ روزمرّہ کی عادت بنالے جب بھی اس پر کوئی حملہ ہو یعنی اس کے کردار پر، اس کی ذات پر، اس کی نیتوں پر، اس کے کسی جرم کی نشاندہی کی جارہی ہو تو اچانک خود بخود ردعمل ہوتا ہے بات کرنے سے پہلے اس کا جائزہ لے لیا کرے، بات کرنے سے پہلے ذرا ٹھہر جایا کرے اور اپنے نفس کا جائزہ لے کر دیکھتے تو سہی تو کیا کر رہا تھا۔** اکثر اوقات آپ اس کو بہانہ تلاش کرتے ہوئے موقع پر پکڑ لیں گے۔ رنگے ہاتھوں جس طرح پکڑا جاتا ہے آپ کا نفس آپ کے سامنے فوراً آجائے گا۔ اوہو میں تو صرف جھوٹی باتیں بیان کر رہا تھا اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو وہ جھوٹ بن کر باہر آجائے گا اور پھر آپ کے لئے مفر نہیں ہوگی بعض دفعہ ایک جھوٹ بولا جاتا ہے، کبھی دو جھوٹ بولے جاتے ہیں، کبھی تین جھوٹ بولے جاتے ہیں، کبھی چار بولے جاتے ہیں۔ پھر جھوٹوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ یہ بالارادہ کوشش کہ جھوٹ کی جو مخفی پناہ گاہیں ہیں وہاں بھی جھوٹ کو پناہ نہیں لینے دوں گا۔ اپنے نفس کے اندر بھی جو وساوس کی صورت میں جھوٹ پلتا ہے یا بہانوں کی صورت میں جھوٹ پلتا ہے۔ میں اس کو ننگا کروں گا، اپنی نگاہ میں ننگا کروں گا۔ ضروری نہیں کہ اس کو آپ باہر اچھال کر لوگوں کے سامنے لائیں اپنے سامنے اس کو اچھالا کریں، گہری نظر سے اس کا مطالعہ کریں۔ تو پھر آپ وہ

سفر اختیار شروع کر دیں گے جو توحید کی طرف سفر ہے، جو تبتل کا سفر ہے۔

اس ضمن میں کچھ اور احادیث نبویہ ہیں کچھ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات ہیں وہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اگلے جمعہ میں پیش کروں گا کیونکہ مضمون ایسا ہے اس کا بہت ہی گہرا انسانی سوسائٹی سے تعلق ہے یہ وہ بت ہے جو انسان اگر توڑے بھی تو پھر نئے بنا دیتا ہے۔ یہ ایسے بت ہیں جھوٹ کے کہ ہر انسان کے اندر کے کارخانے لگے ہوئے ہیں۔ **روز کی زندگی میں ضرور انسان ایسے حالات سے گزرتا ہے** جبکہ وہ اپنے نفس میں جھانکے تو وہ پکڑا جائے گا کہ وہ جھوٹ کے بت تراش رہا تھا۔

عام تعلقات کے معاملے میں کسی کو دیکھا تو کہہ دیا کہ میں آپ ہی کی طرف جا رہا تھا، مجھے آپ کا ہی خیال آ رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، مہمان نوازی کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں تو غلط بات پیش کر کے اپنا اچھا اثر جمانے کی کوشش کرنا۔ دل کہہ رہا ہو کہ یہ تو مصیبت بنا ہوا ہے اور زبان کہہ رہی ہے کہ شوق سے آپ نوش فرمائیں، آپ ہی کی چیز ہے۔ یہ روزمرہ کے جھوٹ ہیں، میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ عام گھروں میں، عام ذہنوں میں، عام روزمرہ کے حالات میں جھوٹ پلتے ہیں اور خود گھڑے جاتے ہیں اور دکھائی نہیں دے رہے ہوتے۔

ایک دفعہ کہتے ہیں کہ ایک دعوت کے موقع پر گلاب جامن کسی کے ہاں بہت اچھے بنے ہوئے تھے تو کسی عورت نے کہا کہ بہت اچھے گلاب جامن ہیں میں نے چھ کھائے ہیں بہت مزیدار تھے تو میزبان نے کہا اور کھائیں شوق سے، کھائے تو آپ نے بارہ ہیں مگر گنتا کون ہے۔ تو وہ دونوں جھوٹ بول رہے تھے اس کا شوق سے کھانا کہنا ہی جھوٹ ہے کہ جو گن رہا ہے کہ میرے مہمان نے بارہ گلاب جامن کھالئے اس کا دل ہر گلاب جامن پر کُڑھ رہا تھا اور اس نے تعریف کرتے ہوئے اپنے زیادہ کھانے پر پردہ ڈالا اس نے بھی جھوٹ بولا اور یہ ایک لطیفہ ہے لیکن لطیفہ دونوں طرف جھوٹ کے گند رکھتا ہے اور ہماری روزمرہ کی زندگی میں عام باتیں ہیں۔ اس کی اتنی مثالیں ہیں کہ اگر اس کی مثالیں بیان کرنی شروع کی جائیں تو ایک دن کے روزمرہ کے حالات انسان کے سامنے آتے ہیں اس پر گھنٹوں کی بحث ہو سکتی ہے مگر میں نے مثال دی ہے آپ کو۔ بہت باریک اور لطیف جھوٹ کے بہانے آپ کا دل گھڑتا رہتا ہے اور ابتدائی حالت میں یہ دکھائی نہیں دیتے مگر ایک دفعہ یہ بن جائیں تو پرورش پاتے اور پرورش پا کر

پھر باہر نکلتے ہیں، بڑی بھیانک شکل میں باہر نکلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو جھوٹ سے کلیۃً پاک کردے پھر کیونکہ جھوٹ کو چھوڑے بغیر نہ ہم موحد بن سکتے ہیں نہ دنیا کو توحید عطا کر سکتے ہیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آج دنیا کی نجات صرف اور صرف توحید سے وابستہ ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن الفاظ میں خدا تعالیٰ نے فرمایا انہی الفاظ میں میں آپ کی روحانی اولاد کو مخاطب ہو کر کہتا ہوں۔ **خذوا التوحيد التوحيد يا ابناء الفارس** (تذکرہ:۱۹۷) اے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روحانی ابنائے فارس توحید کو مضبوطی سے پکڑ لو، توحید کو مضبوطی سے پکڑ لو کیونکہ اسی میں دنیا کی اور اسی میں ہماری نجات ہے۔

سچائی سے محبت اور جھوٹ سے نفرت اپنے مزاج کا حصہ بنائیں اور احمدی سارے معاشرے کو سچا معاشرہ بنادیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴ / اگست ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (الحج: ۳۱ تا ۳۲)

پھر فرمایا:۔

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ وہی بات درست ہے جو خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حرمات کی تعظیم کرے اللہ کی حرمات سے مراد یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے معزز ٹھہرایا ہو اور جن میں خدا کی اجازت کے بغیر دخل اندازی کا حق نہ ہو اُن کو حرمات اللہ کہتے ہیں۔ تو جو بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حرمات کی تعظیم کرے فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اللہ کے نزدیک یہ اس کے لئے بہتر چیز ہے اور تمہارے لئے

اللہ تعالیٰ نے اَلْاَنْعَامُ یعنی چوپایوں کو جائز قرار دے دیا یعنی اُن کے گوشت سے تم استفادہ کر سکتے ہو اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سوائے اُس کے جس کا ذکر تم پر گزر چکا ہے کہ چوپایا بھی ہو اور حلال چوپایا بھی تب بھی اس کا گوشت نہیں کھانا یعنی وہ غیر اللہ کے لئے ذبح کیا گیا ہو بتوں پر چڑھایا گیا ہو تو فرمایا اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سوائے ان حلال جانوروں کے جو عام حالات میں تو حلال ہیں لیکن کسی مکروہ تعلق کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو حرام قرار دے دیا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ اور جس سے جو بتوں سے تعلق رکھتا ہے یعنی ناپاکی اور گندگی جو بتوں سے تعلق رکھتی ہے یا شرک سے تعلق رکھتی ہے اس سے اجتناب کرو وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ اور قول زور سے اجتناب کرو یہ تاکیداً فرمایا گیا ہے حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ یہ اجتناب کن معنوں میں ہو اس کی تشریح یہ ہے کہ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ جھوٹ سے پرہیز کرو اور اللہ کی طرف جھکاؤ یعنی محض جھوٹ چھوڑنے کی تعلیم نہیں ہے بلکہ جھوٹ کے بدلے خدا تعالیٰ کی پناہ میں آنا اور اس سے تعلق باندھنا غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ایسا سچا ہو کہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے، خدا کے سوا کسی قسم کا شرک بھی اس کے دل میں نہ ہو۔ وہ شخص ہے جو حقیقت میں زور سے یعنی جھوٹ سے اور اَوْثَانِ سے توبہ کرتا ہے اور علیحدگی اختیار کرتا ہے وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ اور جو شخص اللہ کا شرک اختیار کرے یا شریک ٹھہرائے، فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ گویا وہ آسمان سے گرا ہو فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اور زمین پر گرنے سے پہلے پرندہ اُسے اُچک کر لے جائے بعض دفعہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ گوشت کے ٹکڑے اوپر پھینکے جاتے ہیں تاکہ چیلیں اور کوّے وغیرہ اُن کو اُچک لیں تو جب وہ نیچے گرنے لگتے ہیں تو با قاعدہ تیزی سے جھپٹ کر کوئی جانور آ کر اُن کو اُچک لیتا ہے تو یہ وہ منظر ہے جو قرآن کریم نے کھینچا ہے لیکن زمین سے اُٹھنے والی چیز نہیں ہے جو قرآن کریم نے کھینچا ہے لیکن زمین سے اُٹھنے والی چیز نہیں ہے، آسمان سے گرنے کا ذکر فرمایا ہے اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ یا ایسی چیز ہو جو اُکھڑ چکی ہو اور اس میں کوئی وزن نہ رہے اور ہوائیں جس طرف چاہیں اُسے اُڑا لے جائیں یہاں تک کہ کسی دور کے مقام میں کسی ایسے مقام پر جس سے لوگ آشنا بھی نہ ہوں وہاں اس گندگی کو اُٹھا کر پھینک دیا جائے۔ یہ شرک کی مثال دی گئی ہے۔ اس میں جو مرکزی نکتہ میں آپ کے سامنے پیش

کرنا چاہتا ہوں وہ قَوْلَ الزُّوْرِ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ میرے گزشتہ خطبے کا تعلق جھوٹ سے تھا اور میں نے بیان کیا تھا کہ میں آئندہ خطبے میں بھی انشاءاللہ دوبارہ اسی موضوع پر مزید روشنی ڈالوں گا۔

لیکن اس آیت کے تعلق میں ایک اور بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ حُرُمٰتِ اللّٰہِ جو ہیں وہ دو طرح کی ہیں ایک وہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے معزز ٹھہرایا ہو جیسے بیت اللہ جسے بیت الحرام کہا جاتا ہے اس کے متعلق فرمایا وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ وہ حرمت والی جگہیں وہ ہیں جن کی تعظیم کرنی ضروری ہے اور ایک لفظ حرام مکروہ چیز پر بھی صادق آتا ہے ان کو حرمات اللہ تو نہیں کہا جاتا مگر حرام چیزیں قرار دیا جاتا ہے جس کے مقابل پر لفظ حلال ہے۔ تو قرآن کریم نے یہاں دونوں چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ حُرُمٰتِ اللّٰہِ کہ جن کی تعظیم کا اللہ حکم دیتا ہے جیسے شعائر ہیں انبیاء ہیں، انبیاء کے رہنے کے مقامات ہیں، عبادت گاہیں ہیں یہ سب حُرُمٰتِ اللّٰہِ ہیں ان سب کی تعظیم ضروری ہے اور ایک وہ حرام چیزیں ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے۔ ان حرام چیزوں میں دو چیزوں کو اکٹھا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک شرک کا اور ایک جھوٹ کا جیسا کہ میں نے گزشتہ خطبے میں اس مضمون کو کھولا تھا۔

درحقیقت جھوٹ اور شرک ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور آپ اس مضمون پر جتنا بھی غور کریں گے اتنی ہی بات کھلتی چلی جائے گی کہ خدا کے بعد سب سے بڑا بت جس کی پرستش کی جاتی ہے وہ جھوٹ ہے۔ وہ بت جن کو پتھر سے بنایا جاتا تھا یا لکڑی یا لوہے تانبے سے گھڑا جاتا تھا وہ بت تو کسی زمانے میں پوجے جاتے تھے۔ اب تو سب سے بڑے مشرک ممالک میں بھی گنتی کے چند ہیں جو اُن بتوں کی پرستش کرتے ہیں ورنہ بڑی بھاری اکثریت ہے جو اُن کے نام سے بھی نا آشنا ہے کبھی مندر کی طرف منہ نہیں کیا۔ ساری زندگیاں دنیا کی پیروی میں ہی کٹ گئی ہیں۔ پس وہ بت تو اب بہت شاذ کے طور پر دنیا میں رہ گئے ہیں۔ جن کی واقعۃً پرستش کی جارہی ہو لیکن جھوٹ کا بت ایسا ہے کہ دنیا کے ہر برّ اعظم میں، ہر ملک میں، ہر شہر میں، ہر قصبے میں بڑی بڑی سلطنتیں ہوں یا چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہوں، بڑی بڑی اقتصادی بادشاہتیں ہوں، یا غریب کی تجارتیں ہوں ہر جگہ جھوٹ ہی جھوٹ ہے اور اس کثرت سے جھوٹ کی عبادت کی جاتی ہے کہ شاذ ہی دنیا پر کبھی یہ دور آیا ہو کہ جھوٹ کی ایسی عبادت کی جاتی ہو۔ وہ لوگ جو بظاہر سچے ہیں جو روزمرّہ کے معاملات میں سچے ہیں وہ لوگ جو اپنے ملک

میں سیاست کے لحاظ سے صاف ستھرے ہیں اور قوم کے سامنے جوابدہ ہیں، غیروں کے معاملے میں ان کی سیاست سراسر جھوٹی ہو جاتی ہے، ان کے بہانے جھوٹے، اُن کے نظریات جھوٹے، جو عذر رکھ کر وہ غیروں پر حملے کرتے ہیں وہ جھوٹے جو عذر رکھ کر حملے نہیں کرتے وہ جھوٹے۔ اب آپ کے گلف کے پس منظر ہیں، بوسنیا کے حالات کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ مغربی دنیا کا ردعمل ان دونوں میں کتنا مختلف اور کتنا جھوٹا ہے۔ وہاں ایک کرد کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو آگ بگولہ ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کردوں پر ظلم ہو رہے ہوں اور انگلستان خاموش رہے اور امریکہ خاموش رہے۔ ہمیں چاہے طاقت استعمال کرنی پڑے جو چاہے ہم کریں گے ان مظلوموں پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتے اور اُدھر بوسنیا کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کو باقاعدہ منظّم سازش کے طور پر صرف مظالم کا نشانہ نہیں بنایا جارہا بلکہ سکیم یہ ہے کہ اس خطے سے مسلمانوں کا صفایا کر دیا جائے اور جب کہا جائے کہ یہاں طاقت کا استعمال کیوں نہیں کرتے تو اول تو تاخیر کے بہانے بہت تھے۔ اب یہ عذر پیش کیا جارہا ہے کہ ہم ایک اور ویٹ نام نہیں بنانا چاہتے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ایک اور ویٹ نام بنا دیں۔ صدام حسین کے اوپر ہاتھ ڈالنے میں بڑی جرأت کی گئی تھی باوجود اس کے کہ کہا یہ جاتا تھا کہ صدام حسین اتنی بڑی طاقت بن چکا ہے کہ اس کو دیکھ کر جرمنی کا ہٹلر یاد آتا ہے اور عراق ہٹلر کا جرمنی بن چکا ہے۔ وہاں کوئی خوف نہیں تھا لیکن یوگوسلاویہ سے تعلق رکھنے والا وہ نسلی گروہ جس نے بوسنیا کے مسلمانوں پر ظلم شروع کئے ہیں یہ دراصل اس کی حمایت نہیں ہے بلکہ اسلام کے ساتھ بغض ہے جو اس کے پیچھے کارفرما ہے اور عذر یہ تراشا جارہا ہے کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ یہاں ایک ویٹ نام بن جائے ایک اور لمبی جنگ شروع ہو جائے حالانکہ وہ شخص جس کو تاریخ حاضرہ کی معمولی سی بھی شُدبُد ہو یا سیاست سے ذرہ بھی آگاہی ہو وہ جانتا ہے کہ ویٹ نام اس لئے بنا تھا کہ اس کے پیچھے روس اور چین کی طاقتیں تھیں اور خصوصاً روس نے غیر معمولی طور پر ویٹ نام کو ہر قسم کے اسلحے مہیا کئے اور طاقت دی ان کی رہنمائی کی وہاں جنگی مشقیں کروائی گئیں۔ ان کو گوریلا وارفیئر کی ٹریننگ دی گئی بہت ہی غیر معمولی طور پر بیرونی مدد اور بیرونی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں ویٹ نام بنا تھا۔

آج جبکہ روس ان مغربی طاقتوں کے ساتھ مل چکا ہے آج جبکہ چین کی کوئی طاقت ہی نہیں رہی کہ وہ علیحدہ اپنی مرضی سے کسی ملک میں کوئی فساد برپا کر سکے تو یوگوسلاویہ جیسے ملک کی مجال کیا ہے

کہ وہ بڑی طاقتوں کے مقابل پر سر اُٹھا سکے۔ چاروں طرف سے وہ ایسی ریاستوں میں گھرا پڑا ہے جن میں سے کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکتی لیکن ان کی طرف سے آپ ایسے ایسے عجیب عذر سنیں گے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور عوام الناس کا یہ حال ہے کہ وہ ان کو قبول کئے چلے جاتے ہیں۔

پس ہر بات جھوٹ ہو چکی ہے اور بوسنیا کا جو معاملہ ہے اس کے پیچھے دراصل اسلام دشمنی ہے۔ میں اسے اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ گزشتہ تاریخ میں یورپ میں ترکی نے ایک کردار ادا کیا اور کئی یورپین ریاستوں پر ایک لمبے عرصہ تک اسلام کا غلبہ رہا اور ان طاقتوں کے ٹوٹنے کے باوجود بھی بعض علاقوں میں مسلمانوں کی بھاری تعداد موجود رہی لیکن آزاد ریاست کے طور پر ایک بوسنیا تھی جو بھاری مسلم اکثریت کی تھی اور یورپین تھی اور آزاد تھی اور اب اس کو دوبارہ اس کو وہی پہلی سی سیاسی طاقت کے طور پر قبول کیا لیکن یہ برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یورپ میں اسلام کا کوئی دخل رہ جائے، یہ برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یورپ میں کسی وقت ترکی کو پھر دخل اندازی کا موقع فراہم کیا جائے۔ پس یہ جو کھیل کھیلا جا رہا ہے یہ عیسائیت کے حق میں نہیں ہے بلکہ اسلام کی دشمنی ہے دہریوں کو بھی اسلام سے دشمنی ہے، یہود کو بھی اسلام سے دشمنی ہے۔ عیسائیوں کو بھی اسلام سے دشمنی ہے یہ بغض معاویہ ہے حُبّ علی نہیں ہے۔ پس اس کی خاطر جتنے چاہو جھوٹے بہانے بنالو اور ساری قوم قبول کرنے کے لئے تیار بیٹھی ہے، ساری مغربی دنیا یا وہ مشرقی دنیا جو ان کے تابع فرمان ہے وہ ان کو قبول کئے چلی جاتی ہے اور مسلمان بے چارے کو کوئی ہوش ہی نہیں ہے۔ مسلمان سیاست دان آگے سے ایسی لغو باتیں کرتا ہے کہ اس سے بھی طبیعت میں کراہت پیدا ہوتی ہے اور سخت تکلیف پہنچتی ہے کہ مدد تم کیسے کر سکتے ہو جن قوموں نے یہ ظلم کیا ہے ان کا ساتھ چھوڑنے کو تو تم میں جان نہیں، طاقت نہیں ہے، مجال نہیں ہے کہ اُن سے اپنے تعلقات توڑ دیا ان کو اقتصادی (Retaliation) ردّ عمل کی دھمکی دے دو یا اس حد تک ہی دو جس حد تک تم کر سکتے ہو یہ تو کسی کو توفیق نہیں ہے کہ باقاعدہ منصوبہ بنا کر اتنی بات کرے جو سچی ہو جس پر عمل درآمد کی توفیق ہو اور غیر دنیا یہ سمجھ لے کہ اسلامی دنیا اس چیز کو برداشت نہیں کرے گی۔ اس کی بجائے بیان یہ دیے جا رہے ہیں مثلاً پاکستان یہ کہتا ہے کہ ہم فوج بھیجنے کے لئے تیار ہیں۔ جماعت اسلامی کا دعویٰ ہوتا ہے کہ چلو رضا کار بھرتی کرو اور وہاں بھجواؤ۔ پاگل پن ہے، کون سے رضا کار؟ کیسے پہنچیں؟ کسی میں طاقت ہے؟ کس کی مجال ہے کہ ان معاملات

میں دخل دے، سارے جھوٹ کے قصے ہیں۔

پس یہ مثال میں نے کھول کر دی ہے کہ وہ دنیا وہ وقت، جس میں سب کچھ جھوٹ ہو چکا ہے۔ یہ وہی دور ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا: وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ (العصر: ۲،۳) زمانہ گواہ ہے کہ انسان بحیثیت انسان گھاٹے میں ہے پس آپ جہاں بھی تلاش کریں دیکھیں ساری دنیا بتوں کی آماجگاہ بن چکی ہے، ہر دل میں جھوٹ کے بت نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ مطلب کی بات ہے جب مطلب درپیش ہو تو ضرور جھوٹ سے کام لیا جاتا ہے، بہت کم ایسے شرفا ہیں بہت کم ایسے مؤحد ہیں جو سخت ابتلاء میں پڑ کر بھی سچائی سے کام لیتے ہیں۔

پس اس لئے جماعت احمدیہ جب توحید کی دعویدار ہے جماعت احمدیہ کا ادّعایہ ہے کہ ہم نے اس دنیا سے شرک کا قلع قمع کرنا ہے تو یہ باتیں مضمون نگاروں یا تقریروں سے تو نہیں ہوسکتیں۔ اس کے لئے تو عظیم انقلابی جدوجہد کی ضرورت ہوگی اور یہ انقلاب ہمارے نفوس میں برپا ہونا ہوگا یہ ایسا انقلاب نہیں ہے جو آپ کے سینوں سے اچھل پڑے جب تک کہ سینوں میں برپا نہ ہو۔ پس پہلے اپنے اعمال، اپنے کردار، اپنے خیالات، اپنی گفتار میں ایک انقلاب برپا کریں۔ اپنے آپ کو مؤحّد بنائیں جھوٹ سے کلیۃً ہجرت کر کے توحید کے دامن میں پناہ لیں **پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کو وہ طاقت نصیب ہوگی جس کے نتیجہ میں دنیا میں آپ ایک عظیم انقلاب برپا کرسکیں گے اور یہ طاقت توحید کی طاقت ہے وہ ایک طاقت جس نے لازماً فتحیاب ہونا ہے وہ توحید کی طاقت ہے۔ وہ ایک طاقت جس کے لئے خدا کی غیرت کسی اور چیز کو برداشت نہیں کرسکتی وہ توحید کی طاقت ہے۔**

پس جب مؤحّد ہو کر خدا کی ذات میں گم ہوتے ہیں تو اسی کا نام تبتل الی اللّٰہ ہے اور تبتل کے طریق میں سب سے بڑا تبتل جھوٹ سے اختیار کرنا ضروری ہے اور سب سے بڑا شرک جھوٹ ہی کا شرک ہے۔ پس اس پہلو سے میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ یہ کوئی نظریاتی بحثیں نہیں ہیں حقیقت کی دنیا میں اتر کر ہمیں روزمرّہ کی زندگی میں ان بتوں کی تلاش کرنی ہوگی، ان کی نشاندہی کرنی ہوگی جو بت روزمرّہ ہماری زندگی پر حاوی ہوتے ہیں۔ ہماری باتوں، ہمارے طرز عمل پر اُن کا اختیار ہے اور ہم مؤحّد ہیں اور اس کے باوجود بیک وقت خدا کے سامنے بھی سر ٹیک رہے ہیں اور غیر اللہ کے سامنے بھی دل پیش کر رہے ہیں۔

پس یہ متضاد زندگی کی کیفیت ہے یہ قابل قبول نہیں تضاد خود جھوٹ ہوتا ہے۔ پس جہاں تضاد پیدا ہو جائے وہاں ساری زندگی جھوٹ بن جاتی ہے اس کا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر احمدی گھر میں ہر مرد، عورت، بچے، ہر ایک کے دل میں پوری قوت کے ساتھ جھوٹ کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جس رنگ میں اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے اُسے بار بار گھروں میں پیش کیا جانا ضروری ہے۔

میں اب چند احادیث آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نصائح ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

تمہیں سچ اختیار کرنا چاہئے کیونکہ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے۔ انسان سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے۔ تمہیں جھوٹ سے بچنا چاہئے کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کا باعث بن جاتا ہے اور فسق و فجور رسیدھا آگ کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذّاب یعنی سخت جھوٹا لکھا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر: ۴۷۱۹)

اس فرمان نبوی ﷺ پر ٹھہر کر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور جھوٹ بدی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں جتنے جرم ہو رہے ہیں اُن میں سے شاذ ہی کوئی جرم ایسا ہوگا جس کا تعلق جھوٹ سے نہ ہو۔ شاذ سے مراد وہ جرم ہیں جو اشتعال انگیزی کے وقت بغیر سوچی سمجھی سکیم کے تابع اچانک رونما ہوتے ہیں ان میں جھوٹ بعد میں آتا ہے۔ انسان بعد میں سوچتا ہے کہ میں کیسے جھوٹ بول کر اپنے عمل کی پاداش سے بچ سکوں گا لیکن جرائم کی بھاری اکثریت وہ ہے جو جھوٹ کے بچوں کے طور پر رونما ہوتے ہیں۔ ایک جرم کرنے والا پہلے یہ سوچتا ہے کہ اس جرم کے نتیجہ میں اگر پکڑا جاؤں اگر کوئی گواہی کسی کے ہاتھ آجائے کوئی میرا جرم کا نشان مل جائے تو میں کیا عذر تراشوں گا پہلے جھوٹ کا تانا بانا بُنا جاتا ہے تو پھر اُس تانے بانے کے لباس میں انسان بظاہر دنیا کی نظر سے پوشیدہ ہو کر پھر جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ چیز

جو ہے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات پر بھی حاوی ہے۔ ماں باپ کے تعلقات پر بھی حاوی ہے، جہاں بھی کوئی ظلم ہو جہاں بھی کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو، ناانصافی کا سلوک کیا جائے یا کسی کے خلاف کوئی مجرمانہ حرکت کی جائے اگر آپ ان نیتوں کا تجزیہ کریں تو ہمیشہ ان سے پہلے جھوٹ ہوگا۔

جھوٹ نیت کے اندر داخل ہو کر حملہ کرنے والی ایک چیز ہے۔ جس طرح قرآن کریم نے شیطان کے متعلق فرمایا ہے کہ تم پر وہاں سے حملے کرتا ہے جہاں سے تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ وہ کون سی جگہ ہے جہاں دکھائی نہیں دیتا۔ بسا اوقات انسان کی نیت میں جو فساد پوشیدہ ہو وہ دکھائی نہیں دیا کرتا اور نیت کے فساد کے ساتھ ایک گناہ کا ارادہ کرنے والا انسان بسا اوقات خود اس بات سے واقف نہیں ہوتا کہ اول سے لے کر آخر تک میری نیت فساد کی تھی اور بد تھی۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات یہ نیتیں انسان سے چھپ جاتی ہیں اور وہ جو سوچیں سوچ رہا ہے اور ترکیبیں کر رہا ہے کہ میں یہ جھوٹ بولوں گا اور اس طرح بولوں گا اور یہ کروں گا یہ ساری باتیں اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے وجود کے اندر واقع ہو رہی ہوتی ہیں اور اس کو پتا نہیں لگتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ پس آنحضرت ﷺ نے جب فرمایا کہ جھوٹ بدی پیدا کرتا ہے تو واقعۃً تمام جرائم میں سب سے زیادہ کردار ادا کرنے والا اگر ایک واحد گناہ چنا جائے تو وہ جھوٹ ہی ہے اور اس کا تعلق انفرادی تعلقات سے بھی ہے اور قومی تعلقات سے بھی ہے، تجارت سے بھی ہے اور سیاست سے بھی ہے۔ دنیا کے ہر شعبہ پر یہ بات حاوی ہے۔ پہلے جھوٹ ہے پھر بدیاں پیدا ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ایک شخص کو نصیحت فرمائی کہ تم جھوٹ نہ بولو واقعہ یوں ہوا کہ اس نے آنحضور ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں بہت بد انسان ہوں مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں ساری نیکیاں اختیار کرلوں اور ساری بدیوں سے قطع تعلق کرلوں مجھے ایک حکم فرمائیں۔ یہ میں عہد کرتا ہوں کہ جو نصیحت فرمائیں گے اس پر میں ضرور عمل کروں گا۔ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا اچھا اگر اتنی سی بات ہے تو صرف یہ وعدہ کرلو کہ جھوٹ نہیں بولو گے اُس نے کہا کہ ہاں یہ تو معمولی سی بات ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ جھوٹ نہیں بولوں گا اس کے بعد جب وہ باہر نکلا تو اُسے ایک بدی کا خیال آیا اور معاً یہ خیال آیا کہ اگر میں پکڑا گیا تو کروں گا کیا؟ کیونکہ سوچ کو از خود یہ عادت ہوتی ہے

کہ بدی کے ساتھ ہی بہانے ڈھونڈ رہی ہوتی ہے کہ میں کس طرح اپنا بچاؤ کروں گی یا بدی کرنے والے کا بچاؤ ہوگا۔ تو جب اس نے سوچا تو اس کو خیال آیا کہ جھوٹ کے سوا میرا بچاؤ ہو ہی نہیں ہوسکتا۔ چور تھا رات کو چوری کے لئے نکلا تو خیال آیا کہ اگر میں پکڑا گیا تو کیا کہوں گا یا رستے میں کسی نے پوچھ لیا کہ کہاں جا رہے ہو تو میں کیا جواب دوں گا میں تو وعدہ کر بیٹھا ہوں میں جھوٹ نہیں بولوں گا غرضیکہ یہ سوچ بڑھتی چلی گئی اور اس کی بدیوں کے دائرے سے جھوٹ کا تعلق نکلا یہاں تک کہ بالآخر اُس کو ہر بدی سے توبہ کرنی پڑی (تفسیر کبیر رازی، سورۃ توبہ آیت ۱۱۹) اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ چونکہ وہ اس معاملہ میں سچا تھا کہ جھوٹ نہیں بولے گا اور پھر سچ کے نیک بچے پیدا ہونے شروع ہوئے اور خدا کے فضل سے اس کو کثرت کے ساتھ نیکیوں کی توفیق ملی۔

تو یہ وہی مضمون ہے جسے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ انسان سچ بولتا ہے تو اس کے نتیجہ میں نیکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے نتیجہ میں بدیاں پیدا ہوتی ہیں۔ فرمایا ''انسان سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بھی بہت ہی عظیم کلام ہے۔ ایک عارف باللہ کا کلام ہے جو انسانی فطرت پر گہری نظر رکھتا ہے۔ صرف یہ نہیں فرمایا کہ سچ بولتا ہے۔ فرمایا سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ساری زندگی سچ کے معاملہ میں جہاد کرنا پڑتا ہے جس کو ایک سطح سے دیکھا جائے اور وہ سچا نکلتا ہے اور اگر دوسری سطح سے دیکھا جائے تو وہی شخص بعض پہلو سے جھوٹا بھی نکلے گا۔ آزمائشوں کی بات، کیسی بڑی آزمائش ہے؟ کس نوع کی آزمائش ہے؟ اور اس کے مزاج سے اُس آزمائش کا کیا تعلق ہے؟ یہ بہت سے عوامل ہیں جو مل کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کوئی انسان خدا کے نزدیک سچا ٹھہرتا ہے کہ نہیں۔ پس روزمرہ کی زندگی میں سچ بولنے والے جھوٹے نکل آتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں جھوٹ بولنے والے جب کوئی مطلب نہ ہو تو سچ بھی بول دیتے ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ''کوشش کرتا ہے ایک ایسی کوشش جو زندگی کا حصہ بن چکی ہو'' آپؐ فرماتے ہیں ایسا شخص بعض دفعہ ایسے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ خدا کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور فسق و فجور کے متعلق فرمایا کہ جھوٹ فسق فجور کا باعث بن جاتا ہے اور یہ آگ کی طرف لے جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذّاب لکھا جاتا ہے۔

پس جو جھوٹ بولنے والا ہے اس کو میں یہ متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ایک مقام پر نہیں ٹھہرا

رہے گا۔ اگر اس نے جھوٹ کے خلاف جہاد نہیں کیا تو وہ اپنے جھوٹ میں لازماً بڑھے گا۔ میں نے کوئی جھوٹا نہیں دیکھا جو رخ موڑے بغیر اپنی ایک حالت پر قرار پکڑ گیا ہو جتنا جھوٹ بولتا تھا کل بھی اتنا ہی بولے۔ دس دن کے بعد اتنا ہی جھوٹ بولے آئندہ سال بھی اتنا ہی جھوٹ بولے اگر وہ جھوٹ سے پرہیز کی کوشش شروع نہیں کرتا تو لازماً جھوٹ میں ترقی کرتا ہے اور وہ شخص جو سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے وہ لازماً سچ بولنے میں ترقی کرتا ہے۔ پس آنحضورﷺ کے پیغام کو غور سے سنیں اور سمجھیں آپؐ یہ فرما رہے ہیں کہ جھوٹ بولنے والوں کو اگر تم باز نہیں آؤ گے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ خدا کے نزدیک تم کذّاب لکھے جاؤ گے اور اے سچ بولنے والو تم اپنی کوشش میں تھک نہ جانا اگر تم سچ بولنے کی کوشش کرتے چلے جاؤ گے تو ایسا وقت آ سکتا ہے کہ خدا کے ہاں تم صدیق لکھے جاؤ۔ پس ساری جماعت کو جھوٹ سے احتراز کی کوشش کی حالت میں جان دینی چاہئے اور سچ کی طرف قدم اُٹھاتے ہوئے جان دینی چاہئے پھر جس منزل پر بھی جان نکلے وہی کامیابی کی منزل ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی کماحقہٗ توفیق عطا فرمائے۔ ایک موقع پر آنحضورﷺ نے فرمایا۔

کیا تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں حضرت ابوبکرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا جی حضورؐ! ضرور بتائیں آپؐ نے فرمایا۔

اللہ کا شریک ٹھہرانا۔ والدین کی نافرمانی کرنا یہ دو باتیں بیان فرمائیں اللہ کا شریک ٹھہرانا بہت بڑا گناہ ہے اور والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔ آپ تکئے کا سہارا لئے ہوئے تھے جوش میں آکر بیٹھ گئے اور بڑے زور سے فرمایا دیکھو تیسرا بڑا گناہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔ آپؐ نے اس بات کو اتنی دفعہ دہرایا کہ ہم نے چاہا کاش حضورؐ اب خاموش ہو جائیں تاکہ حضورؐ کو بار بار دہرانے سے تکلیف نہ پہنچے۔ (بخاری کتاب الادب حدیث نمبر: ۵۹۷۶) تو جھوٹ کا جب ذکر آیا تو طبیعت میں ایک غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا اور بار بار فرمایا کہ دیکھو جھوٹ نہیں بولنا اور جھوٹی گواہی نہیں دینی۔'' اب ملکوں کا جائزہ لے کر دیکھیں جو سچے ملک کہلاتے ہیں ان میں بھی جھوٹ اور جھوٹی گواہیاں روزمرہ کی زندگی کا ایک دستور بنتا جا رہا ہے لیکن وہ ممالک جو بدنصیبی سے جھوٹ میں ایک خاص مقام حاصل کر چکے ہیں اُن کے ہاں سب سے زیادہ جھوٹ عدالتوں میں ملتا ہے جس سے سب سے زیادہ زور کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ آنحضرتﷺ نے منع فرمایا اور بار بار تنبیہ فرمائی

کہ دیکھو جھوٹ نہیں بولنا اور جھوٹی گواہی نہیں دینی لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ وہ ممالک جو اسلامی، اسلامی ہونے کے دعوے کرتے چلے جارہے ہیں اور ساری دنیا میں شور ڈال رہے ہیں کہ ہم ہیں جو اسلام کی عزت اور وقار کو قائم کرنے والے ہیں، ہم ہیں جو شریعت کا احترام دنیا میں قائم کرنے والے ہیں، ہم ہیں جو اسلامی نظام کو دنیا میں دوبارہ رائج کرنے والے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ نظام کن لوگوں پر رائج ہوگا۔ اسلامی عدل کن عدالتوں میں جلوے دکھائے گا۔ وہ عدالتیں جہاں ہر گواہ جھوٹا ہو۔ جہاں مقدمے کی بنا جھوٹی ہو، جہاں مقدمے کے مقاصد جھوٹ پر مبنی ہوں، جہاں اوّل سے آخر تک سارا تانا بانا جھوٹ سے بنا جارہا ہو اس کا اسلامی نظام عدل سے کیا تعلق ہے لیکن یہ دعویٰ بھی جھوٹا۔ جس کو انگریزی میں کہتے ہیں He is living a lie بعض قومیں اپنی بدبختی سے جھوٹ کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور تیسری دنیا میں ایسے ممالک تعداد میں بہت زیادہ ہیں جہاں اکثریت ایسے باشندوں پر مشتمل ہے جنہیں جھوٹ سے کوئی عار نہیں بلکہ روزمرّہ کی زندگی کا حصہ بنا ہوا ہے سوائے مشرق بعید کے وہاں خدا کے فضل سے جھوٹ بہت کم ملتا ہے یعنی ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کے جو حالات ہیں وہ مختلف ہیں لیکن کوریا اور چین اور ہند چینی وغیرہ کے جزائر ہیں وہاں نسبتاً کم جھوٹ ہے اور جہاں جھوٹ کم ہے وہاں اقتصادی ترقی زیادہ ہے۔ ان دو باتوں کا گہرا رشتہ ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ رزق میں برکت سچ سے ہوتی ہے۔ (الترغیب والترہیب للمنذری جلد ۳، ۲۹ مطبوعہ مصر)

وہ جھوٹے ہیں کہ جو سمجھتے ہیں جھوٹ سے ہمارے رزق میں برکت پڑے گی۔ رزق اصل برکت سچ سے ہوتی ہے۔ مشرق بعید میں اقتصادی لحاظ سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک جاپان ہے اور سب سے زیادہ سچ جاپان میں بولا جاتا ہے۔ میں نے وہاں جاکر تفصیل سے جائزہ لیا ہے وہاں جو مجالس ہوئیں اور بعض دفعہ دانشوروں سے جو خطاب ہوئے ان میں میں نے کھل کر ان کو خراج تحسین پیش کیا۔ میں نے کہا بڑے بڑے ترقی یافتہ مغربی ممالک کے مقابل پر جاپان میں سچ بہت زیادہ گہرائی کے ساتھ نافذ ہے اور ان کی روزمرہ کی زندگی میں جھوٹ کا تصور ہی کوئی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ رزق کی سب سے زیادہ فراوانی بھی اسی ملک میں ہے۔ پس جو قومیں جھوٹی ہو جائیں وہاں رزق کو برکت نہیں ملتی اور کوئی جھوٹا خدا ان کا رب نہیں بنا کرتا۔ جھوٹ سے نفرت نہیں تو رزق

سے تو محبت بہت ہے اس لئے اس نکتہ کو ہی کم از کم سمجھ لیں ۔ یہی اگر سمجھ جائیں کہ رزق سچ سے ملے گا جھوٹ سے نہیں ملے گا تو اس سے ہی ان قوموں میں عظیم انقلاب برپا ہو سکتے ہیں ۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

''کہ انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی علامت کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات لوگوں میں بیان کرتا پھرے'' (صحیح مسلم کتاب المقدمہ حدیث نمبر:۶)

اب آپ اپنی سوسائٹی کا جائزہ لے کر دیکھیں جہاں جھوٹ زیادہ ہو وہاں یہ عادت روزمرہ ہر طبقہ میں عام طور پر ملتی ہے کہ ادھر سے بات سنی اور اُدھر لے اُڑے اور دوسری طرف سے باتیں بیان کرنی شروع کر دیں ۔ عجیب قسم کی بیہودہ گندی عادت اس لئے ہے کہ اس کا چسکا ہے۔ اس کے پس منظر میں بہت سی نفسیاتی خرابیاں ہیں ۔ نفسیاتی ٹیڑھا پن ہے، کجیاں ہیں ۔ جن کے نتیجہ میں یہ عادت پیدا ہوتی ہے ۔ اگر اپنے بھائی سے یعنی بھائی سے مراد یہ ہے کہ اپنے ہم وطن، اپنے ہم شہری، اپنے تعلق دار سے دلی محبت نہ ہو تو انسان اس کی برائی کی تلاش میں رہتا ہے اور جس سے محبت ہو اس کی برائی پر پردہ ڈالتا ہے اور اس کی خوبیوں کو اُچھالتا ہے۔ تو جن سوسائٹیوں میں چغل خوریاں یا سنی سنائی بات کو آگے بیان کرنے کی عادت ہو وہاں دراصل اس مرض کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس سوسائٹی میں بغض ہے، اس سوسائٹی میں حسد ہے، اس میں محبت کا فقدان ہے، بھائی بھائی سے جلتا ہے اور اس کا دشمن ہے ۔ پس جب بھی برائی کی کوئی بات کان میں پڑے فوراً آگے بیان شروع کر دیتے ہیں اور اس کے علاوہ مزاج کا جھوٹا ہونا اس عادت کو رواج دیتا ہے جس شخص کا مزاج جھوٹا ہو وہ تحقیق کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا جس کا مزاج سچا ہو وہ تحقیق کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ اگر کسی سچے کے سامنے آپ کوئی ایسی بات کریں تو وہ فوراً پوچھے گا کہ بتاؤ تم نے کس سے سنی تھی وہ کون شخص ہے اس کے متعلق جائزہ لے گا کہ وہ کیسا تھا اگر وہ سچا ہو تو پھر بات کو آگے بڑھا کر مزید جستجو کرے گا۔ اگر وہ جھوٹا ہوگا تو وہیں اس بات کو ترک کر دے گا کہ جس سے تم نے روایت کی ہے وہ تو ہے ہی جھوٹا آدمی لیکن بسا اوقات تحقیق کے نتیجہ میں لوگ دوسرے کا نام بھی نہیں بتاتے ۔ میں نے تو جب بھی تحقیق کی ہے ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ کسی کا نام پتا ہی نہ لگے ۔

ابھی پچھلے جلسہ کے دنوں میں مجھ سے کسی نے شکایت کی کہ جی! لوگ یہ باتیں کر رہے

ہیں۔ میں نے کہا مجھے نام بتاؤ۔ ایک آدمی کا نام بتاؤ کس نے بات کی ہے تو شکایت کرنے والے نے کہا کہ جی لوگ عام باتیں کر رہے ہیں میں نے کہا تم نے کسی سے بات سنی ہے یا فرشتے ہوا میں باتیں کرتے ہیں یا جن ہیں جو یہ تذکرے کر رہے ہیں۔ عام باتیں کر رہے ہیں تو کسی ایک کا نام بتاؤ لیکن کوئی نام نہیں نکلا۔ اصل میں دل کی باتیں ہیں وہاں سے اُچھلتی ہیں تو بغض کے نتیجہ میں انسان اس بات کا بھی محتاج نہیں ہے کہ کسی سے سن کر آگے بات کرے اپنے دل میں جو خیالات پیدا ہوجاتے ہیں ان کو ہی انسان دوسروں کی طرف منسوب کر کے پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس مجلس میں اتفاق سے کوئی سو دوسو آدمی اور بھی تھے۔ چنانچہ ان سے میں نے سوال کیا۔ میں نے کہا اچھا اس کو میں چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ بتائیں کہ آپ میں سے کسی ایک نے یہ بات کہی ہے یا یہ بات سُنی ہے تو سو فیصدی نے انکار کیا۔ انہوں نے کہا ہم بھی تو ساتھ رہے ہیں نہ ہم میں سے کسی نے کہی نہ ہم میں سے کسی نے سنی۔ تبھی کہتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا جھوٹا ہونے کے لئے یہی علامت کافی ہے وہ سنتا ہے اور بات کو آگے چلا دیتا ہے۔ ایسی بیہودہ عادت پھر یہ بات چسکے کی بھی ہے۔ اگر انسان کو آپ کچھ حاصل نہ ہو تو دوسرے کو نیچا دکھانے میں اس کو ایک مزہ ملتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ میں اونچا ہوں تو جن بیچاروں کو اُونچا ہونا نہ آتا ہو وہ دوسرے کا سر نیچا کر کے اُونچا ہو جاتے ہیں۔ تالاب میں بعض لڑکے دوسرے کو ہاتھ مار کر بھی ڈبو دیا کرتے تھے۔ یہ بھی ایک فخر ہے تو جو قومیں بیکار ہو جائیں، نکمّی ہو جائیں، جہاں جھوٹ کی عادت ہو، بیہودہ باتیں ہوں وہاں یہ روزمرہ کی عادتیں ہیں کہ باتیں سنیں اور آگے چلائیں اور پھر اس بات پر بڑے چسکے لئے اور اس کی ایک اور وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض بدیاں ایسی ہیں جن کے پھیلانے میں لوگوں کو مزہ ملتا ہے اور اس لئے پھیلاتے ہیں تاکہ لوگوں میں یہ بات ہو کہ کوئی حرج نہیں۔ فلاں بھی اس طرح کرتا ہے ہم بھی کر لیں تو کیا حرج ہے۔ تو اپنی بدیوں کے رجحان کو تقویت دینے کے لئے بعض لوگ سنی سنائی بات اگر اچھے لوگوں کی طرف منسوب ہوں تو وہ فوراً اخذ کرتے ہیں اور آگے چلا دیتے ہیں تو ایک جھوٹ ہے جو چار ماؤں کا بچہ ہے اور آگے پھر بڑے ناپاک بچے پیدا کرے گا۔ جھوٹ کے اوپر بھی گند ہے نیچے بھی گند ہے۔ ایسی غلیظ چیز ہے اور قرآن کریم نے جب اس کو نجس کے ساتھ ملایا تو بہت ہی خوب ملایا۔ نہایت ناپاک چیز ہے۔ گندے ماں باپ کی اولاد اور گندے بچے پیدا کرنے والا اور بدنصیبی

سے انسان کو سب سے زیادہ تعلق جھوٹ سے ہے۔ تو بہت بڑا شرک ہے اس سے توبہ کی جائے اور اگر ہم نے کوشش نہ کی اور غیر معمولی جہاد نہ کیا اور پوری توجہ اور دعا کے ساتھ جھوٹ کے ازالے کی کوشش نہ کی تو آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ہماری سوسائٹی میں جو نیکیوں کی سوسائٹی ہے اس میں بھی جھوٹ نے کتنی کتنی جڑیں جمائی ہوئی ہیں اور کن کن جگہوں میں یہ بت پوشیدہ ہے۔ اس کو تو ننگا کر کے نکالنا پڑے گا۔ جڑوں کو بھی کھود کھود کر اسے باہر نکالنا پڑے گا۔

اس کے لئے سب سے اچھا طریق یہ ہے کہ اپنی عادت بنالیں کہ جب کوئی نیّت جنم لینے لگے، کوئی خیال پیدا ہو، کسی کے پاس جا رہے ہیں، اس کے سامنے کوئی بات کرنی ہے تو اُس وقت اپنی سوچ کے ساتھ ساتھ اپنے دل میں اُتریں اور سوچ کی آخری جڑ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ جس وقت یہ سوچ پیدا ہو رہی ہوتی ہے تو وہ تازہ تازہ وقت وہ ہے کہ اس کے قدموں کے نشان ملتے ہیں اور اُن قدموں کے نشانوں کی پیروی میں کھوج لگاتے ہوئے آپ اُس کے آخری کنارے تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب یہ سوچ پختہ ہو چکی ہو یا آگے کسی بدی کو پیدا کر چکی ہو تو پھر وقت ہاتھ سے گزر چکا ہے۔ پھر آپ اس کی پیروی نہیں کر سکتے۔ پس یہ عادت ڈالیں کہ جو بھی بات ہو اُس کی اُس سوچ کا تجزیہ کریں تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہونگے کہ روزمرہ کی بالکل معصوم باتوں میں بھی نفس کو جھوٹے بہانے بنانے کی عادت ہے۔ روزمرہ کی ملاقات میں ہی ایسی باتیں کر جاتا ہے جو بالکل کھوکھلی ہوتی ہیں اور بے معنی ہیں جن کا سچ سے کوئی تعلق نہیں۔ پس اگر انسان کو عادت ہو اس کا سراغ لگائے اور واپس پہنچے کہ میں نے یہ بات کیوں کر دی تھی۔ یہ جو فلاں صاحب رستے میں ملے تھے میں نے ان کو یہ کہہ دیا اور اکثر باتیں اس لئے کہیں ہیں کہ میں اُن کے سامنے اور زیادہ اچھا بنوں اور اچھا بننے کے شوق میں بہت سی جگہ جھوٹ کے سہارے لئے جاتے ہیں۔ **پس انسان کو جب تک جھوٹ کی تلاش کی عادت نہ ہو یعنی جھوٹ کی نیتوں کی جڑوں تک پہنچنے کی عادت نہ ہو تو وہ حقیقت میں جھوٹ پر غلبہ نہیں پا سکتا۔** وہی نکتہ بنیادی نکتہ ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ خبردار شیطان تم پر ایسی جگہوں سے حملے کرے گا جہاں سے تم اُس کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ کوشش بھی کرو گے تو نہیں دیکھ سکتے اگر یہ مراد ہوتی تو کوئی نیک انسان بھی شیطان کے حملے سے امن میں نہ ہوتا مگر ساتھ یہ بھی تو فرما دیا کہ اے شیطان تجھ کو میرے بندوں پر غلبہ نصیب نہیں ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیکھتے بھی ہیں، جانتے بھی

ہیں، اس لئے یہ جو ذکر فرمایا گیا کہ نہیں دیکھ سکتے، یہ عام لوگوں کا ذکر ہے۔ عامۃ الناس کا ذکر ہے لیکن اگر تم جستجو کی کوشش کرو، پہچان کی کوشش کرو۔ خدا سے تعلق ہو اور دعا کرتے ہوئے کوشش کرو تو شیطان اپنی ہر کمین گاہ میں ننگا ہو سکتا ہے ہر جگہ پہچانا جا سکتا ہے۔

منافقت کی باتیں بہت ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے منافق کی ایک پہچان بیان فرمائی۔ آپؐ نے چار بیان فرمائیں کہ یہ اگر کسی میں پائی جائیں تو وہ منافق ہے۔ اول جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ دوسرے جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ تیسرے جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ چوتھے جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے۔ (بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر: ۳۲)

ایک جگہ تین باتیں بیان ہوئی ہیں۔ وعدے کرے تو وعدہ خلافی کرے، اور عہد کرے تو عہد شکنی کرے، یہ دراصل ایک ہی بات کی دو شاخیں ہیں یعنی دونوں میں ایک باریک فرق ہے ورنہ بنیادی طور پر ایک ہی بات ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جنوبی افریقہ کی عدالت میں جب احمدی گواہ پر مدمقابل نے ایک دفعہ یہ الزام لگایا کہ تم منافق ہو اور جماعت احمدیہ منافق ہے۔ یہ اوپر سے کلمہ پڑھتی ہے اور اندر سے کچھ اور سوچتی ہے تو انہوں نے یہی حدیث پیش کی اور اس کا سہارا لے کر عدالت کے سامنے اُس کے چھکے چھڑا دیئے۔ انہوں نے فرمایا کہ احمدی سوسائٹی بھی یہاں موجود ہے۔ تمہاری سوسائٹی جس کو تم غیر منافق کہہ رہے ہو وہ بھی موجود ہے۔ میں آنحضرت ﷺ کی پیش کردہ تین نشانیاں تمہارے سامنے رکھتا ہوں عدالت عالیہ کا کام ہے کہ دونوں سوسائٹیوں کا جائزہ لے کر دیکھے کہ کون سی منافق سوسائٹی ہے اور کون سی نہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب بحث کرے تو گالیاں بکنا شروع کر دے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی دلیل کے نتیجہ میں اُسے بہت بڑی فتح نصیب ہوئی کیونکہ وہاں کی سوسائٹی کی جو عام برائیاں ہیں وہ سب کو معلوم ہیں اور بدنصیبی سے ان لوگوں میں جو ان کے مدمقابل تھے یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عامرؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک دن ہمارے گھر میں موجود تھے کہ میری امی نے مجھے یہ کہا کہ آؤ تمہیں کچھ دیتی ہوں۔ عام طور پر مائیں یا بعض دفعہ باپ بھی کسی بچے کو مجلس سے اُٹھانا ہو تو کوئی بہانہ بنا کر اُٹھا دیتے ہیں اور چھوٹے بچے کو کہا جائے کہ آؤ میں تمہیں

کچھ دوں تو وہ فوراً اُٹھ جائے گا ورنہ اُس وقت جب بچہ خاص طور پر آنحضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا تو اُس کے لئے اُٹھنا بڑا مشکل تھا تو ماں نے کہا آؤ میں تمہیں کچھ دیتی ہوں ۔تو معاً آنحضور ﷺ ماں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا دینے کا ارادہ ہے؟ تو ماں نے کہا کہ حضورؐ! کھجور دوں گی۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو اسے کچھ نہ دیتی تو جھوٹ لکھا جاتا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الاداب حدیث نمبر: ۴۳۳۹)

دیکھیں کتنی باریک باتوں میں آنحضور ﷺ نے کتنی گہری توجہ سے تربیت فرمائی ہے۔ ہمارے گھروں میں جو روزمّرہ جھوٹ کی فیکٹریاں لگی ہوئی ہیں وہاں ابتداء میں خام مال اسی طرح تیار ہوتا ہے۔ مائیں بھی اور باپ بھی اور بڑی بہنیں بھی اور بھائی بھی چھوٹے بچوں سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں کہ آؤ! میں تمہیں یہ دوں گا۔ آؤ! میں تمہارا یہ کام کر دوں گا اور اکثر جھوٹ ہوتا ہے یہاں تک کہ بچے پھر اپنے ماں باپ کی ذہنیت کو خوب اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں اور اُن پر قطعاً کوئی اعتبار نہیں کرتے ۔اس وقت تو وہ سچ کی نمائندگی کر رہے ہوتے ہیں اور ماں باپ جھوٹ کی نمائندگی کر رہے ہوتے ہیں لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ جب بڑے ہوتے ہیں تو پھر یہ معاملہ اُلٹ ہو جاتا ہے۔ ماں باپ جھوٹے بھی ہوں تو تمنائیں نیک رکھتے ہیں۔ بچے شروع میں بظاہر سچ کی نمائندگی کر رہے ہوں لیکن بالآخر بڑے ہو کر جھوٹے بن جاتے ہیں جن کی تربیت اس رنگ میں ہو وہ جھوٹ اختیار کر جاتے ہیں ۔اس وقت پھر ماں باپ واویلا کرتے ہیں کہ ہائے تجھے کیا ہو گیا، تو کیا نکلا، میں تو تجھے نیک دیکھنا چاہتا تھا یا نیک دیکھنا چاہتی تھی ۔اگر دیکھنا چاہتے تھے تو ویسے اعمال کرتے، ویسی تربیت کرتے جیسا چاہتے تھے لیکن روزمرہ کی زندگی میں عملاً یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو دلوں میں، نیتوں میں جھوٹ کے پودے لگا رہی ہوتی ہیں اُس وقت وہ دکھائی نہیں دیتے ۔نشو ونما پاتے ہیں۔ بڑے ہوتے ہیں۔ تناور درخت بن جاتے ہیں اور ساری سوسائٹی جھوٹ کے سائے تلے آجاتی ہے۔پس دیکھئے! حضور ﷺ نے کتنی پاکیزہ اور کیسی سادہ نصیحت فرمائی ہے۔فرمایا کہ اگر تو کچھ نہ دیتی، تیری نیت میں یہ نہ ہوتا تو تجھ پر جھوٹ لکھا جاتا۔جس کا مطلب ہے کہ یہ معمولی معمولی، چھوٹے چھوٹے عذر بھی خدا کے نزدیک جھوٹ لکھے جاتے ہیں۔اور انسان کا نامہ اعمال اسی طرح سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

بہت پرانی بات ہے ایک دفعہ قادیان میں ایک ماں باپ اپنے بچے کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے، میں پیچھے پیچھے تھا۔ بچے کے ہاتھ میں ایک پونا گنا تھا جو ذرا لمبا تھا۔اس لئے وہ کونوں

پر آ کر جگہ جگہ اٹکتا تھا تو ماں نے کہا کہ مجھے پکڑا دو۔ میں نے تجھے اوپر جا کر یا نیچے جا کر دے دوں گی جدھر بھی رخ تھا تو بچے نے کہا کہ ہاں ہاں کہ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ کچھ کھا کے دیں گی اس طرح نہیں دیں گی۔ اب وہ ماں کی عادت سے واقف تھا اور پہچان گیا تھا۔ بچے بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ ماں باپ سمجھتے ہیں کہ ہم چالاکی کر کے دھوکا دے دیں گے۔ دھوکہ نہیں دے سکتے وہ اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں اور جس بد عادت کا معاملہ وہ بچے سے کرتے ہیں وہ بچہ پھر آئندہ اپنی نسلوں سے اسی بد عادت کا معاملہ کرتا ہے اور اپنے ملنے جلنے والوں سے اپنے تعلقات کے دائرہ میں اسی بد عادت کو پھیلاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضورﷺ نے فرمایا۔ بدترین آدمی تم اُس کو پاؤ گے جو ذوالوجہین ہو۔ جس کے دو چہرے ہوں سوسائٹی میں یہاں بیٹھتا ہے تو اور چہرہ بنالیتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے تو اور چہرہ بنالیتا ہے۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر:۴۷۱۴)

کسی ایک جگہ جاتا ہے تو اُس کے دشمنوں کے خلاف باتیں شروع کر دیتا ہے۔ دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اُس سے پہلے کے خلاف باتیں شروع کر دیتا ہے۔ تو ایسے شخص ہیں جو سوسائٹی میں نفرتیں بوتے اور بہت سی برائیوں کو پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ تو وہ شخص بڑا جھوٹا، منافق اور چغل خور ہے۔ پس یہ تین بیماریاں اس عادت سے نکلتی ہیں۔

پھر آنحضورﷺ نے آخری نکتہ کی بات یہ بیان فرمائی کہ کوئی شخص اُس وقت تک کامل ایمان حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ مزاج میں بھی جھوٹ کو ترک نہیں کر دیتا۔ یہ بہت ہی پاکیزہ بیان ہے اور ایک ایسا لطیف بیان ہے جسے پڑھ کر روح وجد میں آتی ہے فرمایا کہ ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک جھوٹ سے ایسی نفرت نہ ہو کہ جھوٹ سے نفرت اُس کے مزاج کا حصہ بن چکی ہو۔ مجھے یاد ہے کہ اس لحاظ سے بچپن میں میری طبیعت پر جو سب سے زیادہ اثر تھا وہ حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔ اُن کے کردار میں سچائی ایسی گہرائی سے ثبت تھی کہ ناممکن تھا کہ جھوٹ کا کوئی معاملہ ان کے قریب تک پہنچے۔ بات بھی سچی، کردار بھی سچا، بچوں میں سچائی دیکھنے والیں اور ان کے ماحول میں جھوٹ پنپ ہی نہیں سکتا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ آپ کے سامنے کوئی جھوٹی بات کرے ۔ تو یہ حدیث پڑھتے ہوئے فوراً جو ایک وجود میرے سامنے اُبھرا ہے وہ حضرت اقدس اماں جانؓ کا

تھا اور حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پہلو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی ایک زندہ گواہ تھیں جو آخری دم تک گواہ رہیں اور آئندہ آپ کی یادیں ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی گواہ رہیں گی۔ جس کی بیوی اپنے خاوند کی تربیت میں ایسی ہو چکی ہو اس کا خاوند کتنا سچا ہوگا کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خاوند جھوٹا ہو اور بیوی اُس کی ہم مزاج ہو اس کی مؤید ہو اور پھر جھوٹی نہ ہو اگر خاوند جھوٹا ہو اور بیوی اس کی تائید کرتی ہے اُس کی باتوں کو سچا کہتی ہے تو لازماً وہ جھوٹی ہے اور اگر وہ سچی ہے تو ناممکن ہے کہ خاوند جھوٹا ہو۔

پس ایسا مزاج پیدا کریں کہ مزاج میں سچ داخل ہو جائے ایسا مزاج پیدا کریں کہ مزاج میں جھوٹ سے نفرت ہو جائے۔ یہاں تک کہ خاوند اپنی بیویوں کے حق میں گواہی دے کہ وہ صدیقہ ہیں اور بیویاں اپنے خاوندوں کے حق میں گواہی دیں کہ وہ صدیق تھے۔ ایسے ہی لوگوں کی نسلوں میں پھر سچائی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ساری اولاد میں (یہی وجہ سے یہ مراد نہیں کہ صرف اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے بلکہ والدین کی طرف سے جو ورثہ آیا ہے اس میں) سب سے زیادہ نمایاں کردار یہی تھا کہ جھوٹ برداشت نہیں تھا۔ بعض نسبتاً زیادہ متحمل تھے۔ وہ نرمی سے، عفو اور درگزر سے کام لیتے لیکن جھوٹ سے اپنی نفرت کو ظاہر کرتے تھے لیکن بعض دفعہ کھل کر اور بعض دفعہ بڑی سختی سے جیسے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ جھوٹ برداشت ہی نہیں تھا۔ کسی بچے سے معمولی سا جھوٹ بھی ظاہر ہو تو بعض دفعہ بھڑک اُٹھتے تھے، بعض دفعہ سخت سزا دیتے تھے، بعض دفعہ سخت الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ دل کے حلیم تھے لیکن زبان سے بعض دفعہ تلخی بھی ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب جو آپ کے چھوٹے بھائی تھے اُن سے تب ہی کسی نے شکایت کی کہ الہام میں تو ہے کہ دل کا حلیم ہوگا مگر دیکھیں حضرت صاحب مجھ پر کتنا ناراض ہوئے تو حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے مسکرا کر فرمایا سوچو تو سہی اسے دل کا حلیم کہا گیا ہے آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ ناراض ہوتے ہیں تو خود دل اندر سے کٹ رہا ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد ایسی دلداری کرتے ہیں کہ ناراضگی کے سارے غم بھول جاتے ہیں تو جو دل کے حلیم تھے وہ زبان پر جھوٹ کے خلاف سخت الفاظ بھی استعمال کرتے تھے۔ جو زبان کے بھی حلیم تھے وہ نفرت تو کرتے تھے مگر اس طرح کھل کر اپنی نفرت کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے مگر دیکھنے والے کو سمجھ آ جاتی تھی کہ اس کی

طبیعت منغضب ہوگئی ہے تو سچ سے سچ پیدا ہوگا۔ سچوں کے ہاں سچے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ سوائے اُس کے کہ پھر معاشرہ اس کو تباہ کردے۔ اللہ تعالیٰ گندے معاشرے سے بھی بچائے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ سارا معاشرہ سچا کردو۔ ایسا سچا کردو کہ ہر احمدی بچے کے لئے نسلاً بعد نسل سچا ماحول اس بات کی ضمانت پیدا کرے کہ ہر آنے والی نسل سچی پیدا ہو۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اس کے بغیر ہم تبتل الی اللہ اختیار نہیں کر سکتے۔ اس کے بغیر ہم دنیا کو توحید سے نہیں بھر سکتے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

چار براعظموں میں براہ راست دیکھا سنا جانے والا پہلا خطبہ جمعہ

جھوٹ سے بچیں کہ یہ بت کی نجاست ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ /اگست ۱۹۹۲ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر جمعہ بابرکت ہوتا ہے لیکن یہ جمعہ جو آج کا جمعہ ہے جماعت احمدیہ عالمگیر کے لئے بطور خاص بہت برکتیں لے کر آیا ہے کیونکہ یہ وہ پہلا جمعہ ہے جو اسوقت دنیا کے چار براعظموں میں براہ راست دیکھا اور سنا جارہا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ اس جمعہ کا یہ خطبہ اس وقت دنیا کے چار براعظموں میں دیکھا اور سنا جارہا ہے۔

پاکستان میں جماعتیں بڑی دیر سے محرومی کی شکایت کرتی تھیں کہ خطبات کو براہ راست سننے سے محروم ہو چکی ہیں ایک شخص نے شعروں میں اپنے دل کی حکایت بیان کی تھی کہ کبھی ہم آمنے سامنے بیٹھ کر جمعہ میں شامل ہوا کرتے تھے اور خطبات سنا کرتے تھے اب کیسٹوں کے سہارے آواز پہنچتی ہے تو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ جماعت کی اس گریہ وزاری کو سن لیا اور اس وقت پاکستان میں ہزارہا لوگ جن کی تعداد ہوسکتا ہے کہ ایک لاکھ کے لگ بھگ ہو، براہ راست مجھے دیکھ بھی رہے ہیں اور میری آواز بھی سن رہے ہیں اس طرح ان کی ایک دیرینہ پیاس اللہ تعالیٰ نے بجھادی اور انہی کی دعاؤں کی برکت ہے اور انہی کا فیض ہے جو آج اس وقت جاپان میں بھی خطبہ سنا جارہا ہے سڈنی (آسٹریلیا) میں بھی اور افریقہ کے مختلف ممالک میں بھی اور اسی طرح بنگلہ دیش میں انڈونیشیا

میں (Solomon Island) تک بھی یہ تصویر پہنچ رہی ہے اور آواز جارہی ہے لیکن غالباً ابھی وہاں مناسب ڈش لگانے کا انتظام نہیں ہوسکا لیکن جوں جوں یہ بات پھیلتی چلی جائے گی خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک میں جماعتوں میں بھی براہ راست خطبہ سننے کا شوق بڑھتا جائے گا اور ذرائع مہیا ہوتے چلے جائیں گے اور انفرادی طور پر بھی انشاء اللہ تعالیٰ کثرت کے ساتھ وہ خواتین اور بچے جو جمعہ پر نہیں جاسکتے اور وہ مرد بھی جن کے ہاں جمعہ کا وقت نہیں ہوگا گھر میں بیٹھ کر خطبات سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔

پاکستان میں اس وقت پانچ بجکر پینتالیس منٹ کے قریب ہوں گے کیونکہ چار گھنٹے کا فرق ہے ہندوستان میں چھ بجے ہوں گے بنگلہ دیش میں ساڑھے چھ اور انڈونیشیا میں ساڑھے سات اور جاپان میں رات کے ساڑھے نو اور آسٹریلیا میں ساڑھے دس اور Solomon Island میں ساڑھے گیارہ۔ افریقہ میں مختلف وقت ہیں۔ اس وقت گیمبیا اور مغربی افریقہ ہم سے ایک گھنٹہ پیچھے ہیں ویسے تو دونوں کا ایک ہی وقت لیکن چونکہ یہاں گرمیوں میں وقت آگے بڑھا دیا جاتا ہے اس لئے وہاں اس وقت دن کے پونے ایک کا وقت ہوگا اور مشرقی افریقہ میں تین گھنٹے آگے ہے جس کا مطلب ہے کہ وہاں پونے پانچ کا وقت ہوگا تو مختلف وقت میں لیکن خطبہ ایک ہی رہے، آواز ایک ہی ہے، تصویر ایک ہے اور اللہ تعالیٰ نے کل عالم میں یہ عجیب انتظام مہیا فرما دیئے ہیں۔

مولویوں کو پاکستان میں میں نے یہ نصیحت کی تھی کہ احمدیوں کے رستے نہ روکو تمہیں نقصان ہوگا اور خطبات میں خوب کھول کر بیان کیا تھا کہ تم ایک رستہ روکو گے تو خدا بیسیوں رستے اور کھول دے گا اور اگر زمینی بند کرو گے تو آسمان سے کثرت سے فضل نازل ہوں گے کہ تم کسی زور، کسی برتے پر اور کسی طاقت سے ان کی راہ میں حائل نہ ہوسکو گے اس لئے بیکار کی کوشش ہے کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، اپنا پیسہ ضائع کرتے ہو، خدا کا غضب کماتے ہو اور فائدہ کچھ بھی نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اُن سے کہا تھا کہ جب آسمان سے جماعت پر فضلوں کی بارشیں نازل ہوں گی تو کیا تمہاری چھتریاں اور سائبان ان بارشوں کو روک سکیں گے۔ وہ رحمتوں کے بادل جو افق تا افق پھیلے ہوں اور رحمتوں کے وہ بادل جو آج چار براعظموں تک پھیل چکے ہیں اور خدا کے فضلوں کی بارشیں برسا رہے ہیں کہاں ہے وہ دنیا کا مولوی جو اس کی راہ میں حائل ہوسکے؟ کون سی اُن کی چھتریاں ہیں، کون سے

ان کے سائبان ہیں جو خدا کے فضلوں کو روک سکتے ہوں؟ اب تو یہ حکایت عام ہو رہی ہے۔ اب تو ان کے لئے یہ ہی ہے کہ ؎ ''تو سنتا جا تو شرماتا جا''

تمہاری کوششوں کے برعکس نتیجے پیدا کئے ہیں اور ایسے برعکس نتیجے کہ ہمارے تصوّر میں بھی نہیں تھے اس لئے اپنی طرف سے تو میں نے تمہیں یہی نصیحت کی تھی کہ رک جاؤ مگر اب میں سوچتا ہوں کہ اگر رک جاتے تو پھر اللہ کا فضل ہوا وہ نہیں رکے جو کچھ تمہارا زور ہے کرتے چلے جاؤ جتنی طاقت ہے، جتنی بساط ہے جس طرح قرآن کریم نے شیطان کو یہ چیلنج دیا تھا کہ اپنا لشکر دوڑا لاؤ، اپنے گھوڑے چڑھا لاؤ لیکن میرے بندوں پر تمہیں غلبہ نصیب نہیں ہوگا، جو طاقتیں ہیں بروئے کار لاؤ۔ خدا کی قسم! تمہیں کبھی غلبہ نصیب نہیں ہوگا کیونکہ خدا کے بندوں پر غیر اللہ کو غلبہ نصیب ہونا ممکن ہی نہیں۔ ان کے مقدر کی بات نہیں۔

پس آج اس خطبہ میں سب سے پہلے تو میں پاکستان کے اپنے بھائیوں اور بہنوں اور بچوں کو اپنی طرف سے اور تمام حاضرین جمعہ کی طرف سے نہایت محبت بھرا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا تحفہ پہنچاتا ہوں اور دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ پھر ہندوستان میں جو سننے والے ہیں ان کو بھی بنگلہ دیش میں بھی، انڈونیشیا میں بھی اور جاپان میں بھی اور آسٹریلیا میں بھی اور افریقہ کے مختلف ممالک میں بھی، جو لوگ اس وقت اس خطبہ میں آواز اور تصویر کے ذریعہ حاضر ہیں ان سب کو میری طرف سے اور تمام حاضرین جمعہ کی طرف سے نہایت محبت بھرا سلام اور دعاؤں کے تحفے ہیں جو ہم آپ کے حضور پیش کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ چوہدری محمد علی صاحب کی ایک نظم الفضل میں چھپی تھی اس کا ایک شعر نام لئے بغیر دراصل مجھے ذہن میں رکھ کر کہا گیا تھا اور وہ بات کھلی کھلی ظاہر و باہر تھی وہ شعر تھا کہ

کبھی تو اس سے ملاقات ہوگی جلسے پر
کبھی تو آئے گا وہ وصل کے مہینوں میں (اشکوں کے چراغ صفحہ:۱۸)

میں تو اُن کو بتاتا ہوں کہ اب تو ہر ہفتے جلسے ہوا کریں گے اور وصل کے مہینوں کا انتظار نہیں وصل کے، ہفتوں کا انتظار ہے جواب جاری ہو گیا اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ بند نہیں ہوگا اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ یہ بات پھیلتے پھیلتے اب امریکہ تک بھی جا پہنچے گی اور کینیڈا تک بھی اور کل عالم پر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز محیط ہو جائے گی اور خدا تعالیٰ کا یہ کلام بڑی شان کے ساتھ پورا ہوگا۔

''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' (تذکرہ: ۲۶۰)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ادنیٰ غلام کو یہ توفیق ملی ہے آئندہ آنے والے بھی اس الہام کی برکت سے براہ راست تمام دنیا کو مخاطب ہوا کریں گے اور زمین کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سنی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے اس کے احسانات ہیں اتنے کہ ہم ان کو گن نہیں سکتے، اتنے کہ ساری زندگیاں بھی خدا کے حضور قربان کر دیں تو ان کے شکر ادا نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ ہمیں شکر گزار بندے بنائے اور ناشکرا نہ بنائے کیونکہ اگر ہم شکر گزار بندے بن جائیں تو جو احسان ہم گن نہیں سکتے ان میں سے ہر احسان پھر نشوونما پائے گا ہر احسان کو پھر بکثرت پھل لگیں گے اور اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔ پس شکر گزار بندوں کا یہ انعام مقدر ہے جو آنحضرت ﷺ کو عطا ہوا اور آپ کے فیض سے ہم سب تک پہنچا کہ

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۸)

اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور بڑھاؤں گا اور ضرور بڑھاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اب خدا کے جو فیض ہم پر نازل ہو رہے ہیں انہوں نے تو بڑھنا ہی بڑھنا ہے اور پھیلنا ہی پھیلنا ہے پھولنا اور پھلنا ہے۔ تمام دنیا میں یہ بات پھیلتی جائے گی اس لئے جماعت احمدیہ کو ان ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے جو خدا کے فضلوں کے نتیجہ میں ہم پر عائد ہوئی ہیں اپنی زندگیوں میں جہاں تک ممکن ہو روحانی انقلاب برپا کرنے چاہئیں یہی وجہ ہے کہ میں نے تبتل الی اللّٰہ کا مضمون بیان کرنا شروع کیا اور جماعت کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ جب تک غیر اللہ سے کٹ کر خدا کے نہیں ہو جاتے یا غیر اللہ سے کٹنے کا سلسلہ شروع نہیں کر دیتے اس وقت تک ہمارے سارے کام حقیقت میں خدا نہیں بنائے گا کچھ کام ایسے ہوں گے جن میں ہم خدا کی بجائے دنیا کی طرف دیکھ رہے ہوں گے وہ کام تو خدا نہیں بنائے گا۔ خدا وہی کام بنایا کرتا ہے جن میں تمام تر توکل اور انحصار انسان خدا کی ذات پر ہی کرے۔

پھر تبتل کا یہ معنی ہے کہ دنیا سے اپنی امیدیں، اپنی حرصیں اپنے خوف، اپنی طمعیں کاٹ

دو اور پھر خدا پر ہی تو کل کرو۔ اسی کے ہو جاؤ اور پھر دیکھو کہ تمہارے سارے کام اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود بنائے گا، تمہارے سارے بوجھ اُٹھائے گا، تمہاری ساری مشکلات دور فرمائے گا تم خدا کے وہ نمائندہ بن جاؤ گے جس کا غالب آنا مقدر ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس تقدیر کو نہیں ٹال نہیں سکے گی۔

یہ وہ مضمون ہے جس کی تفصیلات میں جا کر میں پچھلے دو خطبوں سے یہ بیان کر رہا ہوں کہ سب سے بڑا بت جو تبتل کی راہ میں حائل ہوتا ہے وہ جھوٹ کا بت ہے دنیا میں سب سے زیادہ عبادت جھوٹ کی ہو رہی ہے۔

وہ قومیں جو خدا کی قومیں کہلاتی ہیں وہ اہل مذاہب جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں جن کے مذاہب کے بنیادیں الہام پر مبنی ہیں یعنی الہام کے ذریعہ بنیادیں قائم ہوئیں ان مذاہب کے ماننے والوں کی بھاری اکثریت اتنی بڑی بھاری اکثریت کہ بعض دفعہ یوں لگتا ہے کہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈ و تو اس اکثریت میں استثناء نہیں ملے گا، جھوٹ کی عبادت کرتی ہے، ان کا اوڑھنا بچھونا جھوٹ، ان کی اُمیدیں جھوٹ سے وابستہ ہیں اور وہ خوف میں نجات جھوٹ سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہر بات میں جھوٹ کی طمع ہے جو ان کا سہارا بنتی ہے۔ تو اگر نام خدا کا لے رہے ہوں اور سجدے بتوں کے کر رہے ہوں تو خدا ایسا نادان تو نہیں کہ ان سجدوں کو جو بتوں کو کئے جا رہے ہوں قبول فرمالے گا۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ جب تم خدا کے سوا کسی اور نام پر جانور ذبح کرتے ہو تو وہ گوشت اور وہ قربانیاں خدا کو بہر حال نہیں پہنچتیں وہ تو دنیا کے لئے ہیں، دنیا کے لئے ذبح ہو جاتی ہیں۔ پس بعض لوگ جب خدا کو مد نظر رکھ کر بھی بظاہر خدا کے لئے اپنی عبادتیں وقف کرتے ہیں ان کی نمازوں کا اُٹھنا بیٹھنا خدا کے لئے ہوتا ہوگا اور وہ بھی بظاہر ان کا گرجوں میں جا کر Services میں شامل ہونا بھی بظاہر خدا کی خاطر ہوتا ہوگا۔ ان کا دوسری عبادت گاہوں میں جا کر خدا کے سامنے سر جھکانا بھی بظاہر خدا کے لئے ہوگا لیکن مساجد سے باہر آنے کے بعد جب ساری زندگیاں غیر اللہ کے لئے وقف ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی غیرت اس تھوڑی سی عبادت کو کبھی قبول نہیں کرے گا جو اس کے لئے الگ کی گئی ہو۔ لیکن جب میں نے بظاہر وہ الفاظ استعمال کیا تو عمداً میں نے ایسا کیا کیونکہ وہ لوگ جو موحد ہیں۔ ان کی عبادتیں بھی اکثر خدا کے لئے نہیں ہوتیں، ان کے خیالات ان کو عبادتوں میں گھیر لیتے ہیں، ان کے فکر دامنگیر ہو جاتے ہیں، کئی قسم کے جن ہیں جو ان کو چمٹ جاتے ہیں اور

عبادت کا اکثر حصہ بغیر مغز کے رہ جاتا ہے تو جب مؤحدین کا یہ حال ہے تو جو مؤحد نہیں ہیں، جو سراسر شرک کی عبادت کرتے ہیں ان کا اندازہ کریں کہ اُن کا کیا حال ہوگا۔

اس لئے ضروری ہے کہ جماعت احمدیہ اپنے حال سے پہلے خود واقف ہو۔ ہم میں سے ہر فرد اپنے نفس کا تجزیہ کرے، اپنے خیالات اپنی نیتوں کا تجزیہ کرے اور اپنا مقام معلوم کرے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ یہ پتا کرے کہ اس کی کتنی عبادت اللہ کے لئے خالص ہے اور کتنی غیر اللہ کے لئے ہے۔ اس کی زندگی کا کتنا حصہ خدا کے ذکر میں گزرتا ہے اور کتنا وقت غیر کی باتیں جپتے ہوئے کٹتا ہے۔ یہ ظاہری ''جپنا'' مراد نہیں۔ مراد یہ ہے کہ خیالات اگر غیر سے چمٹے ہوئے ہوں تو نام خدا کا بھی لیا جا رہا ہو تو دراصل وہ غیر کا ہی لیا جاتا ہے۔ ہم نے ایسے تسبیح کرنے والے دیکھے ہیں جو انگلیوں سے خدا کی تسبیح کر رہے ہوتے ہیں اور زبان سے گندی گالیاں دے رہے ہوتے ہیں، جھگڑا کر رہے ہوتے ہیں اور نفسانی خیالات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ظاہر کو نہیں دیکھتا وہ حقیقت پر نظر رکھتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کی کس حقیقت پر نظر ہے۔ آپ کی اپنی نظر اسی حقیقت پر ہونی چاہئے ورنہ آپ کی نگاہ اور خدا کی نگاہ کے فیصلے مختلف ہوں گے اس لئے اس تفرقہ کو دور کریں۔ جب تک آپ کی نظر سچی نہیں ہوتی آپ اپنی ذات کا خدا کی نظر سے مطالعہ کر ہی نہیں سکتے۔ آپ کو علم ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ کے نزدیک آپ کا کیا مقام ہے۔

پس اسی وجہ سے میں نے تفصیل میں جا کر بتانا شروع کیا کہ سب سے بڑا بت جھوٹ کا بت ہے جو عبادت کے خالص ہونے کی راہ میں حائل ہے اس کو توڑ واور اس کو توڑو تو اکثر بت ٹوٹ جائیں گے لیکن اور بھی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے، جن کی تفاصیل احادیث میں بیان ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک ایک موضوع کو لے کر انشاء اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً میں آپ کے سامنے کھول کر یہ باتیں پیش کروں گا۔ اس وقت جھوٹ کے مضمون کے سلسلہ میں یہ تیسرا خطبہ ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے خطبہ میں میں نے یہ بیان کیا تھا کہ وہ قومیں جو جھوٹی ہیں ان کی اقتصادیات میں برکت نہیں ہے اور یہ صرف فرد کا معاملہ نہیں جھوٹ قوموں کے رزق کو چھین لیتا ہے اور بظاہر انسان جھوٹ کو اپنا رب بنا رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایسا ظالم رب ہے، ایسا دھوکے باز رب ہے کہ ایک ہاتھ سے کچھ دیتا ہے تو دوسرے ہاتھ سے اُس سے بہت زیادہ واپس لے جاتا ہے۔

چنانچہ میں نے اس کی دو مثالیں دیں، یہاں دیندار یا غیر دیندار کا فرق نہیں ہے۔ وہ قومیں جو سچی ہیں اُن کے رزق میں ضرور برکت پڑتی ہے۔ چنانچہ مشرق بعید کی قوموں کی مثال آپ کے سامنے رکھی، جاپان کی مثال سامنے رکھی کہ ان کی بھاری اکثریت خدا کو بھی نہیں مانتی لیکن سچ بولتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جہاں جہاں جن قوموں میں سچ بولا جا رہا ہے وہاں رزق میں بہت برکت ہے۔ ہمارے تیسری دنیا کے ممالک کو بھی اس سے نصیحت پکڑنی چاہئے۔

اس خطبہ کے بعد یہ حدیث میرے سامنے آئی جس میں یہ مضمون بیان ہوا ہے یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے حضرت اقدس محمد ﷺ نے فرمایا کہ والدین سے نیک سلوک عمر کو بڑھاتا ہے، جھوٹ رزق کو کم کرتا ہے اور دعا قضا و قدر کو بدل دیتی ہے۔ (الترغیب والترہیب للمنذریؒ جلد دوم ۹۲ مطبوعہ مصر)

ان تین باتوں میں انسانی زندگی کے سارے مسائل حل ہو گئے انسان اپنی عمر اور صحت کے لئے کتنی کوشش کرتا ہے اس کے لئے یہ نکتہ بیان فرمایا کہ والدین سے نیک سلوک عمر کو بڑھتا ہے ہمارے ہاں بہت سے والدین جو بچوں کی شکایت اگر زبان پر نہیں لاتے تو دل میں ضرور رکھتے ہیں اور بڑے محروم ہیں وہ بچے جو ماں باپ کی خدمت کی عمر کو پہنچتے ہوں یا جب خدمت کی توفیق ملے، ماں باپ زندہ ہوں اور پھر ان کی خدمت نہ کر سکیں تو یہ نصیحت بھی ضمناً آپ کے سامنے ہے کہ اگر آپ اپنی عمر اور صحت اور اپنے بچوں کی عمر اور صحت کے خواہاں ہوں تو اپنے ماں باپ کی جس حد تو فیق ہو خدمت کریں۔

جھوٹ رزق کو کم کرتا ہے بڑھاتا نہیں ہے۔ یہ بات بہر حال سچی ہے اس لئے جھوٹ کے ذریعہ کمانے والوں کے لئے یہ انذار ہے۔ یہ وعید ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا رزق بڑھ رہا ہے لیکن بالآخر نہ انفرادی طور پر جھوٹ سے کمائے ہوئے رزق میں برکت رہتی ہے، نہ قومی طور پر برکت رہتی ہے اور پھر دعا قضاء وقدر کو بدل دیتی ہے یہ عجیب نکتہ ہے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو! زور دعا دیکھو تو (کلام محمود صفحہ :۱۰۵)

قضاء وقدر کے خلاف انسان کی کوئی تدبیر کام نہیں کر سکتی اسی کو غیر ممکن کہا جاتا ہے۔ جب قضاء فیصلہ دیتی ہے تو اس کو ٹالنا ناممکن ہو جاتا ہے مگر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے حضرت اقدس

محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کے مدرسہ میں تعلیم پائی آپؑ ہی کی حکمت کی باتیں آگے پہنچائیں چنانچہ یہ بات بھی آنحضرت ﷺ ہی کی بیان فرمودہ نکتہ ہے کہ قضاء وقدر کو دعا بدل سکتی ہے۔ پس جس شخص کو قضاءقدر پر کمندیں ڈالنے کا اختیار حاصل ہو جائے اس کو اس بات سے بڑھ کر کیا چاہئے، یہ کمندیں دعا کی کمندیں ہیں جو عرش الٰہی تک پہنچتی ہیں اور آسمان کے کنگروں پر پیوستہ ہو کر خدا تعالیٰ کی تقدیر کو جنبش دیتی ہیں اور جب آسمان پر تقدیر جنبش میں آتی ہے تو زمین کی تقدیریں اس کے تابع کام کرتی ہیں ان کی مجال نہیں کہ ان سے الگ کوئی رستہ اختیار کرسکیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی سخت قسم کا جھوٹ ہے۔ یہ بات وہ ہے جس کی بنیاد قرآن کریم میں ہے۔قرآن کریم میں جہاں واقعہ افک کا ذکر ہے اور اور بھی بعض مقامات پر اس مضمون پر روشنی پڑتی ہے کہ جو شخص ظن کی بناء پر کسی کو داغدار کرتا ہے وہ لازماً جھوٹا ہے۔ خدا کے نزدیک وہ جھوٹا لکھا جاتا ہے یہ بحث ہی نہیں آتی کہ وہ واقعہ ہوا تھا ہوسکتا تھا کہ نہیں ہوسکتا تھا ظن کے ذریعہ کسی کو متّہم کرنے کا حق خدا نے کسی بندے کو نہیں دیا اور دنیا کے اکثر فساد بدظنیوں کے ذریعہ ہوتے ہیں۔تو یہ بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی لطیف نظر تھی جو اس بات تک پہنچی اور یہ عقدہ ہمارے سامنے کھول دیا ورنہ قرآن کریم ہم بھی پڑھتے ہیں اور عام پڑھنے والے کو یہ خیال نہیں آتا کہ اصل مراد کیا ہے۔ وہ مراد آنحضرت ﷺ نے سمجھی اور تفصیل سے یوں بیان فرمائی کہ بدظّنی سے بچو کیونکہ بدظنّی سخت قسم کا جھوٹ ہے اور بدظنی کی مزید قسمیں یوں بیان فرمائیں کہ ایک دوسرے کے عیب کی ٹوہ میں نہ رہو۔ اپنے بھائی کے خلاف تجسس نہ کرو۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر ۴۶۵۰)

اب یہ عجیب لطیف کلام ہے کہ بظاہر بدظنی اور تجّسس دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی عارفانہ نظر اس بات کو پاگئی کہ اگر پہلے بدظّنی نہ ہو تو تجسّس کا بچہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ تجسس اور دوسرے کے عیب کی تلاش کرنا یہ ایک ایسا اقدام ہے جس سے پہلے بدظنی ضروری ہے۔ جس پر آپ نیک ظنّی کرتے ہیں کبھی اس کا بھی تجسّس کیا ہے، کبھی اس کے عیب بھی تلاش کئے ہیں اُس کے برعکس بات ہوتی ہے، جس کے ساتھ محبت ہو، جس کے ساتھ پیار ہو، جس پہ انسان حسن ظن کرتا ہو اس کی برائی دکھائی بھی دے تو انسان آنکھیں بند کرتا ہے، منہ پھیر لیتا ہے کسی بات کا احتمال

نظر آئے تو سو دوسرے بہانے ڈھونڈتا ہے اُس بات کو نہ ماننے کے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے، یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے جھوٹ کی یہ قسم بھی بیان فرما کر ہم پر بے حد احسان فرمایا کہ بدظنی ایک بہت بڑا جھوٹ ہے اس سے بچو، اس سے بچو گے تو معاشرہ تمہارے شر سے بچ جائے گا اور معاشرہ امن میں آجائے گا، اپنے بھائی کے خلاف تجسس نہ کرو، اچھی چیز ہتھیانے کی حرص نہ کرو، حسد نہ کرو، دشمنی نہ رکھو بے رخی نہ برتو۔ اب یہ ساری چیزیں بظاہر الگ الگ ہیں لیکن ان کی بنیاد ایک ہی بات میں ہے کہ کسی شخص سے محبت کی بجائے نفرت ہونا، کسی شخص سے پیار کے تعلق کی بجائے اجنبیت کا تعلق یا دوری کا تعلق یا دشمنی کا تعلق ہونا۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے ایسے لوگوں کا حال بیان کیا ہے کہ جب مسلمانوں کو کوئی فتح ملتی ہے اور ان کو غنیمت ہاتھ آتی ہے تو اُن کو بہت تکلیف پہنچتی ہے اور اس تکلیف کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ کاش! ہم بھی وہاں ہوتے تو ہم بھی حصہ پاتے اور جب اُن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں شکر ہے ہم وہاں نہیں تھے ورنہ ہمیں بھی تکلیف پہنچ جاتی۔

تو بنیادی طور پر دراصل یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ ایک دوسرے سے تعلق قائم کرو، ایک دوسرے کا بھائی بننے کی کوشش کرو، مومن ایک دوسرے کے اخوہ ہوتے ہیں اور جو شخص سمجھتا ہے کہ یہ مومن میرے بھائی ہیں اگر یہ سمجھنے کے باوجود یہ باتیں اس میں پائی جاتی ہیں تو اس کا بھائی ہونے کا تصور جھوٹا ہے۔ یہ بیماریوں کی علامتیں ہیں جو دلوں میں پوشیدہ ہیں اور ان علامتوں کو ظاہر و باہر کر کے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ان بیماریوں کو پہچاننے کا ایک عظیم نسخہ ہمیں عطا فرما دیا۔ اب دیکھ لیجئے جو بدظنی کرتا ہے وہ اس پر بدظنی نہیں کیا کرتا جس سے پیار ہو محبت ہو جو کسی کی عیب جوئی کرتا ہے برائیوں کی تلاش میں رہتا ہے اگر محبت اور پیار ہو کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اچھی چیز ہتھیانے کے لئے اپنے پیارے سے متعلق خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا، جتنا پیار بڑھے اتنا دل یہ چاہتا ہے کہ جو چیز مجھے اچھی ملی ہے میں اس کو دے دوں اور جو بھی چیز خود کو نصیب ہو رہی ہو اور اپنے پیارے کے پاس نہ ہو تو بعض دفعہ وہ اچھی چیز بری لگنے لگ جاتی ہے۔ اس سے انسان کو خوشی کے بجائے تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد باہر سے اعلیٰ قسم کی چکیاں آئیں اور بہت ہی عمدہ آٹا جب پہلی دفعہ ان چکیوں سے نکلا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے

حضور پیش کیا گیا کیونکہ وہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی نمائندہ تھیں۔ آپ نے جب اس آٹے کی بنی ہوئی روٹی کا پہلا لقمہ منہ میں ڈالا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کی خادمہ نے عرض کیا کہ یہ تو اتنا اچھا آٹا ہے اس سے لطف اٹھانے کی بجائے آپ رو کیوں رہی ہیں تو انہوں نے کہا کہ میرا آقا، میرا محبوب جب زندہ تھا اس وقت یہ آٹا میسر نہیں تھا۔ جنگ اُحد میں آپؐ کے دانت شہید ہوئے وہ موٹا آٹا جو ہم بنایا کرتے تھے اس کی گندم کے ٹکڑے یا جو کے ٹکڑے بعض دفعہ دانتوں میں آجاتے تھے اور تکلیف پہنچتی تھی اس لئے آٹا میرے لئے راحت کا نہیں غم کا موجب ہے، یہ محبت کی نشانی ہے، پیار کی سچی علامت ہے۔

پس جس بھائی سے پیار ہو اس کی چیز کی طرف لالچ کی نظر انسان ڈال ہی نہیں سکتا اگر اپنے بھائی کی چیز کی طرف آپ لالچ کی نظر ڈالتے ہیں تو پھر تھرمامیٹر رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ہاتھ میں تھما دیا ہے جس میں آپ اپنا ٹمپریچر دیکھ سکتے ہیں۔ یہ محبت کا ٹمپریچر نہیں ظاہر کرے گا، نفرت کا ٹمپریچر ظاہر کرے گا۔ فرمایا اچھی چیز ہتھیانے کی حرص نہ کرو، حسد نہ کرو۔ مضمون اور کھلتا چلا جا رہا ہے۔ دشمنی نہ کرو۔ پھر فرمایا بے رخی نہ برتو۔ پہلے تو یہ مضمون آگے بڑھ رہا تھا اب اس کا ایک اور کنارہ پیش فرما دیا کہ دراصل جب تم اپنے کسی بھائی سے بے رخی کرتے ہو تو وہاں بھی محبت کا فقدان ہے جو آگے پھر ان سب چیزوں میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ تبھی انبیاء کو خدا تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے لئے یہ جواب سمجھایا کہ جن کو تمہاری آنکھیں حقیر اور گھٹیا جانتی ہیں میں اُن سے وہ سلوک نہیں کرتا کیونکہ انہوں نے مجھے خدا کی خاطر قبول کیا ہے اس لئے مجھے اُس سے محبت اور پیار ہے۔ پس خدا کی خاطر ایمان لانے والوں کے لئے یہ بحث ہی نہیں رہتی کہ کوئی کس قوم سے تعلق رکھتا ہے کس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ امیر ہے کہ غریب ہے کس حال میں ہے اس سے بے رخی نہیں برت سکتا۔

آنحضرت ﷺ ایک دفعہ ایک غیر مسلم سردار سے محو گفتگو تھے اور اس وقت ایک نابینا مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس نے بات میں دخل دینا شروع کیا۔ اب بات میں دخل دینا اخلاق سے گری ہوئی بات ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس خیال سے کہ غیر مسلم ہدایت کی باتیں سننے آرہا ہے اور اس پر برا اثر نہ پڑے۔ آپ کو سمجھانا بھی چاہا لیکن دل میں یہ بھی خیال تھا کہ اس غریب کی دل شکنی ہو گی تو کیسا عجیب لطیف انداز اختیار فرمایا اپنے ماتھے پر ہلکے سے بل ڈالے جس

سے اس دیکھنے والے غیر مسلم کو یہ معلوم ہو گیا کہ آنحضور ﷺ یہ بات پسند نہیں فرما رہے کہ کوئی اور شخص آ کر ہماری باتوں میں دخل دے اور چونکہ وہ دخل دینے والا چونکہ اندھا تھا اس لئے اس کو وہ بل دکھائی نہیں دیئے اس کی دل شکنی نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ﴿۲﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ؕ﴿۳﴾ (عبس: ۲-۳) کہ دیکھو محمد ﷺ نے ماتھے پر بل ڈالا اور چہرہ دوسری طرف کر لیا اس لئے کہ اندھا اس کے پاس اپنے دین کی باتیں پوچھنے کے لئے آیا۔ (ترمذی کتاب التفسیر حدیث نمبر: ۳۲۵۴)

پرانے مفسرین نے تو یہ لکھا ہے کہ یہ ناراضگی کا اظہار ہے لیکن حضرت مصلح موعودؓ نے اس کی بہت ہی لطیف تفسیر بیان فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ ناراضگی کا اظہار نہیں بلکہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا ذکر ہے اور وہی ذکر ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ اندھے کو زبان سے کچھ نہیں کہا اس لئے جب اس کی دل شکنی نہیں ہوئی تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اخلاق سے کسی معنی میں بھی گری ہوئی بات تھی۔ آپ نے تو مہمان کی عزت افزائی فرما دی جب اس کی طرف سے اعراض کیا اور ماتھے پر ایک آدھا بل آیا ہو گا جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ تو محبت کے تقاضے جب اس طرح متضاد بھی ہو جائیں تو ایک لطیف روح کس شان کے ساتھ اُن تقاضوں کو ادا کرتی ہے لیکن غریب سے غریب اور آنکھوں سے معذور کے لئے بھی آنحضور ﷺ نے کبھی کوئی دل شکنی کی بات نہیں کی۔ پس میں یہ بات اس لئے کھول رہا ہوں کہ بعض دوسرے مسلمان بھی اس خطبہ کو سنتے ہیں وہ بھی یہ تفسیریں سنتے ہیں۔ یہ رسول اکرم ﷺ پر غلط الزام ہے کہ آپؐ پر ناراضگی کے اظہار کے طور پر خدا تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ آپؐ نے تو اخلاق سے ذرا سی بھی گری ہوئی کوئی بات نہیں کی بلکہ نہایت اعلیٰ درجے کے اخلاق کا اظہار فرمایا اپنے غریب غلام کی دلداری فرمائی اور اس کی دل شکنی سے اعراض کرتے ہوئے آنے والے مہمان کی عزت افزائی بھی فرما دی اور اس باریک پل صراط سے بغیر لڑکھڑائے ہوئے گزر گئے۔ تو محبت کے تقاضے بعض دفعہ متضاد بھی ہوں تو ذہین اور لطیف جذبات اور لطیف فکر کا مالک انسان ان سب تقاضوں کو بیک وقت پورا کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی نصرت فرماتا ہے کجا یہ کہ ایک انسان دوسرے سے بے رخی برتنے کا عادی ہو۔ بعض دفعہ یہ چیز بڑی بڑی ٹھوکروں کا موجب بن جاتی ہے۔

مجھے ایک صاحب نے خط لکھا کہ فلاں بڑے آدمی کو (اس وقت تو بڑے آدمی سے بے چارہ کوئی زیادہ متاثر تھا لیکن مثال کے طور پر ذکر کر رہا ہوں۔ ہر بات میں اس کی تائید نہیں کر رہا) لے کر میں ربوہ گیا۔ وہاں فلاں صاحب مسجد میں باتیں کر رہے تھے اور میں اُن کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تو اُن کو گویا پتا ہی نہیں کہ کتنا بڑا آدمی ہے اور وہ اپنی باتوں میں مصروف رہے۔ تو واقعہ یہ ہے کہ اعراض میں دراصل یہ بات بھی داخل ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس پہنچتا ہے تو خواہ انسان باتوں میں مصروف ہو اس کی طرف کچھ نہ کچھ التفات چاہئے، آدمی اشارہ سے ہی کچھ نہ کچھ عرض کر دے کہ میں ابھی فارغ ہوتا ہوں یا السلام علیکم کہہ کر بات کر کے اور اجازت لے کر پھر دوسری باتوں میں مصروف ہو جائے۔ تو جماعت احمدیہ کو بہت اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھانا چاہئے اور یہ جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے رخی نہ برتو، اس سے آپ بچیں گے تو اس سے بعد کی چیزوں سے بھی بچ جائیں گے۔ یہ پہلا ٹھوکر کا قدم ہے جس سے آپ پہچان سکتے ہیں کہ آپ کے دل میں کوئی ریاء، کوئی جھوٹ، کوئی غیر کے لئے محبت کی کمی تو نہیں ہے اور اسی طرح آپ اپنے نفس کے اندرونے کی باریک پر باتوں بھی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ ایک اور رنگ میں اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسا خدا نے حکم دیا ہے اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو، مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اسے رسوا نہیں کرتا اُسے حقیر نہیں جانتا۔ اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے۔ (مسند احمد مسند المکین حدیث نمبر: ۱۵۴۴۴) بیان کرنے والے کی تشریح ہے یعنی مقام تقویٰ دل ہے، یہ بھی مضمون میں درست ہو سکتا ہے مگر میں تو اس مضمون کو اسی طرح دیکھ رہا ہوں کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کا دل تقویٰ کی آماجگاہ ہے۔ اگر کسی نے تقویٰ سے آشنائی حاصل کرنی ہے تو اس دل سے آشنائی حاصل کرے۔ تقویٰ کے انداز سیکھنے ہیں تو محمد مصطفی ﷺ کے دل کی دھڑکنوں سے وہ انداز سیکھے۔ تو تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے سو فیصد درست بات ہے کہ محمد مصطفی ﷺ کے دل ہی کا تقویٰ تھا جو بعد میں لاکھوں کروڑوں دلوں کا تقویٰ بن گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمال محمدؐ است (درثمین فارسی:۸۹)

تو واقعۃً ایک قطرہ سمندر بن جایا کرتا ہے اور ساری دنیا میں اس زمانے سے لے کر آج تک چودہ سو سال سے کچھ زائد عرصہ ہو گیا کہ کروڑوں اربوں مسلمان کو تقویٰ کی تھوڑی یا بہت توفیق ملی وہ اس دل سے پھوٹا تھا جس کی طرف اس وقت حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی انگلی اشارہ کر رہی تھی اور آپؐ فرما رہے تھے کہ تقویٰ یہاں ہے تقویٰ یہاں ہے تقویٰ یہاں ہے۔ پس ہمیں اس دل سے تقویٰ سیکھنا چاہئے اور اس دل کی اداؤں سے آشنائی کے بغیر ہم اُس دل سے تقویٰ کیسے سیکھیں گے۔

پس سیرت حضرت محمد مصطفی ﷺ کے خصوصاً ان حصوں کے مطالعہ کا شوق اور ذوق پیدا کرنا چاہئے اور جستجو کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے۔ جہاں آنحضرت ﷺ مختلف تعلقات کی آزمائشوں میں اپنی سیرت کے جلوے دکھاتے رہے وہ آزمائشوں کے وقت ہیں جو ہم سب پر آتے ہیں لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو ان آزمائشوں پر اس طرح پورا اُترتے ہیں جیسے آنحضور ﷺ ان آزمائشوں پر پورا اُترے۔ پس تقویٰ سیکھنا ہے تو حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے حالات پر گہری نظر ڈالنا اور سیرت کا محض سرسری مطالعہ کرنا بلکہ گہری نظر سے اس دل میں ڈوب کر آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق جو باتیں آپ سنتے ہیں وہ ایک عام انسان کی باتیں نہیں ہیں۔ اس لئے جب آپ وہ باتیں سنتے ہیں تو سطحی حسن سے متاثر ہو کر وہیں بات نہ چھوڑ دیا کریں۔ ایک انسان باغ میں سے گزرتا ہے اور پھولوں کا رنگ دیکھتا، خوشبو بھی سونگھتا ہے تو اُس نے بھی ضرور اس باغ سے فیض پایا لیکن ایک شہد کی مکھی ہے جو اُس کے دل میں اُترتی ہے، اُس کا رس چوستی ہے، اس کا فیض کچھ اور رنگ رکھتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کی سیرت میں بہت گہرائی ہے اس لئے بڑی محبت اور پیار کے ساتھ اُس دل میں اُتر کر تقویٰ کا رس لینے کی کوشش کریں جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کے سینے میں دھڑکتا ہے فرمایا۔

> ایک انسان کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کی تین چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اُس کا خون، اُس کی آبرو اور اُس کا مال۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر: ۴۶۵۰)

اکثر مسلم ممالک میں تو خون بھی حلال ہو گیا ہے اور دوسری دو چیزیں تو پہلے ہی حلال تھیں بدنصیبی یہ ہے کہ پاکستان میں شاید اس وقت دوسرے تمام ممالک کی نسبت بھائی کا خون زیادہ ارزاں

ہو چکا ہے۔ بھائی کا تو اور معاملہ ہے، ہر روز ایسی اندوہناک خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کسی نے اپنی ماں کو قتل کر دیا، اپنے باپ کو قتل کر دیا، اپنی بہن کو قتل کر دیا، اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیا اور روزمرّہ کا دستور بن چکا ہے کہ ادنیٰ سی ناراضگی پر انسانی خون لے لیا جائے اور چھوٹی چھوٹی بات پر دھمکی دینا عام بات بن چکی ہے کہ ہم تمہاری جان لے لیں گے کوئی خدا کا خوف باقی نہیں رہا۔ اس کا آغاز آنحضورﷺ فرماتے ہیں بے رخی سے ہوا تھا۔ جب سوسائٹی میں ایک دوسرے سے بے رخی پیدا ہو جائے تو سوسائٹی جو سفر اختیار کرتی ہے یہ اُس کی آخری منزل ہے۔ تو بے رخی کو معمولی نہ سمجھیں۔ جب آپ کے پاس کوئی آتا ہے تو اُس کی عزت افزائی کریں۔ اگر وقت نہ بھی ہو تو جہاں تک ممکن ہو حسن سلوک کے ذریعہ اُس کے دل میں یہ بات جاگیزیں کرنے کی کوشش کریں کہ آپ اُس سے بڑھ کر نہیں ہیں آپ اُس کی خاطر چاہتے ہیں، اُس کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن وقت کی مجبوری ہے۔

اگر اس بنیاد پر آپ قائم ہو جائیں تو خیر کی اگلی عمارت لازماً تعمیر ہوگی اور شر کے ہر پہلو سے آپ بچتے چلے جائیں گے لیکن یہاں اگر غلط پتھر رکھا گیا اور بے رخی کے اُوپر آپ کے اخلاق کی تعمیر ہوئی تو اس کی بالائی منزلوں پر پھر خون لکھا ہوا ہے۔ اس منزل تک پہنچنا پھر لازماً ایک وقت کی بات ہے۔ جو قومیں اس نصیحت سے بے اعتنائی کرتی ہیں وہ پھر کچھ عرصہ کے بعد اُس منزل تک بھی پہنچ جایا کرتی ہیں۔

میں دوبارہ بتاتا ہوں کہ تین چیزیں حرام ہیں۔ مسلمان کا خون، اُس کی آبرو اور اُس کا مال۔

آبرو تو اتنی حلال ہو چکی ہے کہ راستہ چلتے ایک دوسروں کے سروں سے ٹوپیاں اُچھالی جاتی ہیں، بے عزتیاں کی جاتی ہیں، سخت کلام کی جاتی ہے، گندی گالیاں دی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں دیہات میں تو بدنصیبی سے ہل چلانے والا اور کچھ نہیں تو جانوروں کو ہی گالیاں دیتا چلا جاتا ہے اور بڑی غلیظ اور گندی گالیاں اس لئے میں خاص طور پر پاکستان کو اور ہندوستان کو بھی نصیحت کرتا ہوں لیکن پاکستان کو بہت زیادہ نصیحت کی ضرورت ہے کیونکہ وہ ایسا ملک ہے جس کی بھاری اکثریت حضرت اقدس محمد مصطفیٰﷺ کی غلامی کا دعویٰ کرتی ہے۔ اپنی زبان کو پاک کریں، اپنے بھائی کو اپنی زبان کے شر سے بچائیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ باقی سب برائیاں بھی پھر مٹنی شروع ہو جائیں گی۔

جہاں تک مال کا تعلق ہے وہ تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر غیر کا مال حلال ہے۔ پہلے مولویوں

نے یہ فتوے دینے شروع کئے کہ مسلمان کا مال تو حرام ہے لیکن غیر مسلم کا مال بے شک کھاؤ اور لوٹو جو مرضی کرو۔ ایک دفعہ جب بدی کی راہ کھل جائے تو پھر وہ قدم ایک جگہ رُک نہیں سکتے۔ بدی تو پھر لازماً آگے بڑھتی ہے۔ اب یہ حال ہے کہ ہر ایک کا مال حلال ہو گیا ہے۔ اپنا مال ہے جو حرام ہے کیونکہ اس میں حرام کی آمیزش ہو چکی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا مال ہو گا جو واقعةً حلال ہو۔

پس عملاً یہ صورت ہے کہ ہر غیر مال حلال بن گیا ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے حرام قرار دیا تھا اور اپنا مال جس کو حلال بنانے پر زور دیا تھا وہ حرام ہو چکا ہے کیسی بدنصیبی ہے؟ اس ایک حدیث میں تمام دنیا کے معاشروں کی اصلاح کے سامان موجود ہیں۔ یہ تین باتیں ہیں جنہیں اگر مسلمان اپنالیں تو مسلمانوں کے مقدر بن جائیں۔ اگر غیر اپنالیں تو اُن کی تقدیریں بدل جائیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ قطع نظر اس کے کہ کسی کا مذہب کیا ہے اگر آنحضور ﷺ کی ان تین نصیحتوں پر کوئی عمل کرے تو اُس کی دنیا لازمی سنور جائے گی اور جو تین باتیں دنیا سنوارنے کی بیان فرمائی گئی ہیں یہ تینوں نیکی کی باتیں ہیں اور نیکی کے نتیجہ میں پھر اور نیکیاں پیدا ہوتی ہیں اس لئے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان تین نصیحتوں پر عمل کرنے کے ذریعہ جن قوموں کی دنیا سنورے گی ان کا دین بھی سنور جائے گا۔ دنیا ہی نصیب نہیں ہو گی ان کو آخرت بھی نصیب ہو جائے گی۔

تو اللہ تعالیٰ اگر غیروں کو توفیق نہیں دے رہا تو احمدیوں کو تو کم از کم توفیق ہونی چاہئے کہ جس رسول اکرم ﷺ کی محبت اور عشق کا دعویٰ کرتے ہیں، جس کی خاطر اتنی تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں جس کا کلمہ پڑھنے کے جرم کی سزا کے نتیجہ میں جیلوں میں جاتے ہیں، مال لوٹے جاتے ہیں، بازاروں میں اُن کو دھکے پڑتے ہیں، گالیاں دی جاتی ہیں، تھانوں میں بلایا جاتا ہے جس رسول ﷺ کی محبت میں یہ سب دکھ اُٹھا رہے ہیں اُس رسولؐ کے فیض سے اپنی دنیا اور اپنی عاقبت سنوارتے کیوں نہیں ہیں۔ ان نصیحتوں پر اگر عمل کریں گے تو اس محبت کی جو سزا دی جارہی ہے اُس سے ہزاروں لاکھوں گنا اُس محبت کا فیض آپ کو پہنچے گا۔ پس بڑی بدنصیبی ہو گی کہ محبت کے نتیجہ میں سزا تو پا رہے ہیں لیکن محبت کے فیض سے محروم ہیں۔

ایک اور موقع پر آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ بڑے گناہ یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔

(بخاری۔ کتاب الایمان حدیث نمبر: ۶۶۷۵)

یہ جھوٹ کا مضمون ہے اور جھوٹی قسم کی بات پر پھر آ گئے یہ بات چل پڑی ہے کہ بہت سے مسلمان ممالک خصوصاً ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ میں اس وقت یہ صورت حال یہ ہے کہ بھائی کا مال ہتھیانے کے لئے یا غیر کا مال ہتھیانے کے لئے عدالتوں میں بے فکر اور بے دھڑک جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں لیکن اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ کیا ہوگا۔ اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ حضرت امہ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضور ﷺ کے پاس دو آدمی آئے جن میں وراثت کی ملکیت کے بارہ میں جھگڑا تھا اور معاملہ پرانا ہونے کی وجہ سے ثبوت کسی کے پاس نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا میں انسان ہوں اور ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی زیادہ لسان ہو اور بات کو بڑے عمدہ انداز اور لہجے میں بیان کرسکتا ہو۔

وہ سوسائٹی جھوٹ سے پاک تھی لیکن جھوٹ کی باریک قسموں میں چرب زبانی کے ذریعہ غلط حق حاصل کرنا بھی شامل ہے۔ پس آنحضور ﷺ نے اس باریک جھوٹ کی قسم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہوسکتا ہے چرب زبان ہو، عمدہ طریق پر بات بیان کرے اور میں اس سے متاثر ہو کر کوئی رائے قائم کرلوں اور اس کے حق میں کوئی فیصلہ دے دوں حالانکہ حق دوسرے فریق کا ہو۔ ایسی صورت میں اس فیصلہ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئیے اور اپنے بھائی کا حق نہیں لینا چاہئے کیونکہ اُس کے لئے وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو میں اُسے دلا رہا ہوں۔ اگر وہ لے گا تو قیامت کے دن وہ سانپ بن کر اُس کی گردن پر لپیٹا ہوا ہوگا۔ حضور ﷺ کی یہ بات سن کر دونوں کی چیخیں نکل گئیں اور ہر ایک نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ساری جائیداد میرے بھائی کو دے دیں مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ (ابوداؤد کتاب الاقضیاء حدیث نمبر: ۳۱۱۲)

کتنا اعلیٰ درجہ کا ایمان تھا، کیسا یقین تھا، کیسی محبت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے تھی، کتنا کامل یقین اُن وعید پر تھا جو آنحضور ﷺ کی زبان پر جاری ہوا کرتے تھے کہ قیامت کے دن یہ تمہیں ملے گا۔ ہمارے کتنے قضیئے ہیں اور کس آسانی سے وہ نپٹ جائیں اگر انسان اس حدیث پر نگاہ رکھے اور اپنے معاملات قضا میں پیش کرتے ہوئے واضح جھوٹ تو درکنار ادنیٰ سی چرب زبانی کے ذریعہ بھی غیر کا حق لینے سے اجتناب کیا جائے یہ اگر ہو جائے تو جماعت احمدیہ کی قضاء کا اکثر کام جو ہے وہ ہلکا ہو جائے اور مقدموں تک نوبت ہی نہ پہنچے۔ دراصل اس مزاج کے لوگ مقدمہ بازی کرتے ہی نہیں۔ اس تک پہنچتے نہیں ہیں۔ مقدموں سے پہلے پہلے ہی ان کے معاملات نپٹ جایا کرتے ہیں۔

پھر آنحضورﷺ نے فرمایا اچھا تم یوں کرو کہ اندازے سے جائیداد کے دو حصے کرلو اور پھر قرعہ ڈال لو جس کے حصہ میں جو جائیداد کا حصہ آئے لے لے اور اگر وہ سمجھتا ہو کہ قرعہ میں بھی دوسرے کو کچھ مل گیا ہے تو پھر اس کو چھوڑ دے۔اس خیال کو دل سے نکال دے کہ بھائی کو کچھ زیادہ مل گیا ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑے ابتلاء سے ٹل گئے۔

اب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں فرمایا۔

’’آج دنیا کی حالت بہت نازک ہوگئی ہے جس پہلو اور رنگ سے دیکھو جھوٹے گواہ بنائے جاتے ہیں۔جھوٹے مقدمہ کرنا تو بات ہی کچھ نہیں جھوٹے اسناد بنالئے جاتے ہیں...‘‘

یہ آج سے سوسال پہلے کی بات ہے۔آپ اندازہ کریں کہ اُس زمانہ میں جبکہ مقابلۃً جھوٹ بہت ہی کم تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھوٹ سے کیسی کراہت تھی کہ جو تھوڑا سا بھی جھوٹ دکھائی دیتا تھا اُس سے طبیعت کو گھن آتی تھی اور یوں لگتا تھا کہ ہر طرف جھوٹ پھیل رہا ہے۔ آج کے زمانہ میں جو حال ہو چکا ہے وہ ناقابل برداشت ہے۔یہی باتیں سوگنا بڑھالیں تو آج کی حالت یہ بنتی ہے۔فرماتے ہیں۔

’’... کوئی امر بیان کریں گے تو سچ کا پہلو بچا کر بولیں گے...‘‘

کیسا پیارا کلام ہے سچ کا پہلو بچا کر بولیں گے۔طرز ایسی اختیار کریں گے کہ سچ کا پتا نہ لگ جائے، جو سچ بولنے والے بھی ہیں وہ سچ سے دامن بچا کر اس رنگ میں بیان کردیں گے کہ سچ کی طرف کوئی بات اشارہ نہ کر جائے۔

’’...اب کوئی ان لوگوں سے جو اس سلسلہ کی ضرورت نہیں سمجھتے پوچھے کہ کیا یہی وہ دین تھا جو آنحضرتﷺ لے کر آئے تھے؟...‘‘

آپؐ تو وہ دین لے کر آئے تھے جس کا میں نے ابھی اس حدیث میں ذکر کیا ہے لیکن آج عملاً کیا ہو رہا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ پوچھے ان سے کوئی کہ کیا یہ وہی دین تھا جو آنحضرتﷺ لے کر آئے تھے‘‘۔

’’...اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کو نجاست کہا تھا کہ اس سے پرہیز کرو۔
فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ
(الحج:۳۱) بت پرستی کے ساتھ اس جھوٹ کو ملایا ہے۔...‘‘
یعنی خدا تعالیٰ نے بت پرستی کے ساتھ جھوٹ کو ملایا ہے۔

’’... جیسا احمق انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پتھر کی طرف سر جھکا تا ہے ویسے ہی صدق اور راستی کو چھوڑ کر اپنے مطلب کے لئے جھوٹ کو بت بنا تا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بت پرستی کے ساتھ ملایا اور اس سے نسبت دی۔ جیسے ایک بُت پرست بُت سے نجات چاہتا ہے۔...‘‘
یعنی بت کے ذریعہ سے نجات چاہتا ہے۔ یہ مراد ہے

’’... جھوٹ بولنے والا بھی اپنی طرف سے بت بناتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس بت کے ذریعہ نجات ہو جاوے گی۔ کیسی خرابی آ کر پڑی ہے۔ اگر کہا جاوے کہ کیوں بت پرست ہوتے ہو اس نجاست کو چھوڑ دو تو کہتے ہیں کیونکر چھوڑ دیں اس کے بغیر گزارا نہیں ہوسکتا...‘‘

آج آپ کسی جگہ پر بات کر کے دیکھ لیں، ہمیشہ یہی جواب ملے گا کہ ٹھیک ہے۔ دنیا میں رہنا ہے اس کے بغیر گزارا نہیں ہوسکتا۔ مجبوری ہے یعنی اپنے محبوب کے بغیر کیسے گزارا ہوسکتا ہے۔ جس نے جھوٹ کو معبود بنالیا ہو وہ اس بات میں تو سچا ہے کہ اس کا اس بت کے بغیر گزارا نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس بات میں جھوٹا ہے کہ انجام کار وہ اُس کے کسی کام آئے گا۔

جھوٹ کا بت ہمیشہ دغا کرتا ہے انجام کار ضرور نقصان پہنچاتا ہے فرمایا۔

’’...اس سے بڑھ کر اور کیا بد قسمتی ہوگی کہ جھوٹ پر اپنا مدار سمجھتے ہیں مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آخر سچ ہی کامیاب ہوتا ہے بھلائی اور فتح اسی کی ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد نمبر ۴ صفحہ:۶۳۶)

پھر فرماتے ہیں ’’خدا تمہیں نعمت وحی اور الہام اور مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ سے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔ وہ تم پر وہ سب نعمتیں پوری کرے گا

جو پہلوں کو دی گئیں لیکن جو شخص گستاخی کی راہ سے خدا پر جھوٹ باندھے گا اور کہے گا کہ خدا کی وحی میرے پر نازل ہوئی حالانکہ نہیں نازل ہوئی اور یا کہے گا کہ مجھے شرف مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کا نصیب ہوا حالانکہ نہیں نصیب ہوا تو میں خدا اور اُس کے ملائکہ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ وہ ہلاک کیا جائے گا کیونکہ اُس نے اپنے خالق پر جھوٹ باندھا۔'' (کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد نمبر ۱۹ صفحہ:۲۸)

پس وہ لوگ جو خدا کی مخلوق پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اُس سے باز نہیں آتے بالآخر اُن کی زبانیں کھلتی ہیں اور انہیں میں سے وہ بدنصیب پیدا ہوتے ہیں جو خدا پر جھوٹ باندھنے لگتے ہیں اور وہ لوگ جو خدا کے سچوں پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ بھی دراصل خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں کیونکہ خدا کے پاک بندوں پر جھوٹ باندھنا بھی ایسا ہی ہے کہ خدا پر جھوٹ باندھا گیا ہو۔اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو، احمدیوں کو خصوصیت کے ساتھ مگر تمام مسلمان عالم کو بلکہ تمام دنیا کو جھوٹ کی نجاست اور جھوٹ کی بت پرستی سے نجات بخشے۔آمین

مکر کا بُت انسانی معاشرے کو دکھوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

مغربی قوموں کا مکر ان کا دُہرا معیار ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ /اگست ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۴﴾ (الرعد: ۳۴)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ خطبوں میں تبتل الی اللہ کا مضمون بیان ہوتا رہا ہے اور آج بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ میں جماعت کو یہ سمجھا رہا ہوں کہ ہر انسان نے اپنے لئے خدا کے سوا کچھ بت گھڑ رکھے ہوتے ہیں اور اکثر صورتوں میں یہ بت خود انسان کی اپنی نظر سے بھی مخفی رہتا ہے ورنہ ممکن نہیں کہ کوئی بھی موحد، توحید کا بندہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی خدا کا شرک کرے لیکن قرآن کریم نے بڑی تفصیل سے ان بتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ایک ایک بت کو ننگا کر کے ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی برائیوں اور خطرات سے بھی خوب آگاہ فرما دیا ہے اس لئے قرآن کریم کے حوالے سے پہلے ایک بہت ہی بڑے بت کا ذکر کر چکا ہوں یعنی جھوٹ کا۔ اب کچھ

اور بتوں کے ذکر چلیں گے جن کو قرآن کریم بے پردہ کر کے ہمارے سامنے رکھتا ہے اور ہمیں مخاطب فرما کر یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ گو ہم بھی توحید کا دعویٰ کرتے ہیں مگر کچھ نہ کچھ شرک کے مخفی پہلو ہمارے اندر موجود رہتے ہیں۔

یہ آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ کرتا ہوں اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ یہاں مَنْ سے مراد خدا تعالیٰ ہے۔ پس وہ خدا جو ہر جان کے اوپر پوری طرح نگران کھڑا ہے کہ وہ کیا کما رہی ہے اور کیا حرکتیں کر رہی ہے کیا اُس کو چھوڑ کر تم کوئی اور معبود بھی اختیار کر سکتے ہو؟ وہ ایسا خدا ہے جس کی نظر سے تمہارا کوئی فعل بچ نہیں سکتا، نیتوں کی باریک ترین آماجگاہوں سے وہ واقف ہے، جہاں بدی کی نیتیں بھی پلتی ہیں اور جہاں نیکیوں کی نیتیں بھی پلتی ہیں ان جگہوں پر اس کی نگاہ ہے۔ اس سے بچ کر، مخفی رہ کر تم کوئی فعل نہیں کر سکتے وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اور اس کے باوجود حال یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا کے لئے شریک بنا رکھے ہیں قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ ان سے کہو کہ ان کے نام تو بتاؤ وہ بت گِنا کر تو دکھاؤ کہ وہ کون کون سے بت ہیں۔ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ کیا تم خدا کو زمین میں ہونے والی ان باتوں سے آگاہ کرو گے جن سے واقف نہیں؟

اس سوال کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تمہارے دل کے مخفی در مخفی حالات سے بھی واقف ہے اس کو چھوڑ کر تم کہاں جاؤ گے کس کی پناہ میں آؤ گے؟ کس کے پردے کے پیچھے چھپو گے؟ بتوں کے ذکر میں فرمایا کہ تم نے جو بت بنا رکھے ہیں ان کے نام تو بتاؤ اُن کے حالات تو بیان کرو کیا تم زمین میں ہونے والی اُن باتوں سے خدا کو آگاہ کرو گے جو خدا کے علم میں نہیں؟ یعنی خدا کا کوئی شریک نہیں، اس کے ساتھ کوئی جھوٹا بت نہیں، یہ تو خدا کے علم میں ہے اور جو تم نے بت بنائے ہوئے ہیں اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔ پس کوئی خدا، خدا کے سوا نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو بیان ہو رہا ہے۔ فرماتا ہے بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ خدا کے سوا شریک تو نہیں ہے لیکن مکر کا ایک بت ضرور ہے جو اُن لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ پس سَمُّوْهُمْ کے بعد خدا نے خود ایک بت کا نام لے دیا ہے۔ فرمایا تم تو نام گنا نہیں سکتے کیونکہ تم ان بتوں کو پہچانتے نہیں۔ تم نے خدا کے سوا فرضی مدد گار بنا رکھے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ آؤ ہم تمہیں اُن کی حقیقت سے آگاہ کریں تا کہ تمہیں علم

ہو کہ ان بتوں کا کوئی بھی وجود نہیں ۔محض دھوکہ ہی دھوکہ ہے پس ایک نام خدا نے مکر بیان فرمایا وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيْلِ وہ مکر کرتے ہیں، مکر کو خدا بناتے ہیں اور یہ باتیں اُن کو اچھی لگتی ہیں جتنا بڑا مکار ہو اس کا مکر اُتنا ہی زیادہ خوبصورت کر کے دکھایا جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں نے کمال کر دیا۔ ایسے بڑے بڑے فریب کئے ہیں کہ کوئی اُن کو سمجھ نہیں سکا کوئی میری نیتوں کی کُنہ کو پا نہیں سکا پس جتنا بڑا فریبی ہو اتنا ہی زیادہ وہ اپنے فریب کو خوبصورت سمجھتا ہے لیکن نتیجہ کیا نکلتا ہے وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيْلِ کہ سب مکر کرنے والے سچی اور سیدھی راہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور ان کے مکر خود ان کی راہ میں آ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ صراط مستقیم کی خوبیوں اور منافع سے عاری ہو کر ایک باطل زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس مضمون کو مزید کھولتے ہوئے فرمایا وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ کیونکہ صراط مستقیم کے بعد ضالین سے بچنے کی دعا سکھائی گئی تھی۔ فرمایا کہ ان کا مکر انہیں کہاں لے جاتا ہے صراط مستقیم سے محرومی کے بعد یہ ضالین میں شمار ہو جاتے ہیں اور جن کو اللہ گمراہ ٹھہرا دے اُن کے لئے پھر کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ تو کیسے مکر ہیں، کیسے فریب ہیں جن کے نتیجہ میں انسان راہ سے کھویا جائے اور ہر اچھی چیز سے محروم رہ کر بدیوں کی طرف بگٹٹ دوڑنے لگے جس کا انجام ذلالت کے سوا کچھ نہ ہو یہ تو کوئی نفع کا سودا نہیں۔

مکر کا بت جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے انسانی معاشرے کو طرح طرح کے دکھوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور انسان بحیثیت انسان کے بھی محروم رہتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا لیکن جو معاشرہ مکر میں مبتلا ہو جائے وہ پھر سارا معاشرہ گمراہ ہو جاتا ہے اور ہماری اکثر معاشرتی برائیاں جھوٹ کے بعد مکر سے منسلک ہوتی ہیں۔ مکر بھی جھوٹ ہی کی قسم ہے مگر ایک فرق یہ ہے کہ جھوٹ زبان سے خلاف واقعہ بات کو دھوکے کی خاطر بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ بعض دفعہ خلاف واقعہ بات دھوکے کی خاطر نہیں بلکہ تعجب کے اظہار کے لئے بیان کی جاتی ہے ایسی بات جس کے متعلق کہنے والے کو یقین ہوتا ہے کہ وہ سراسر اس سے دھوکہ نہیں کھائے گا بلکہ حقیقت پا جائے گا اس کو جھوٹ نہیں کہتے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے پوچھ لو کس نے ان کو مارا ہے؟ اب وہ بات ایسی تھی کہ بڑے بت سے کیسے پوچھا جا سکتا تھا۔ بَلْ فَعَلَهٗ (الانبیاء ۶۴) کی ایک ضمیر اس بت کی طرف بھی جاتی ہے اور جماعت احمدیہ میں جو تفسیر کی جاتی ہے اس کے سوا اور معنی

کر کے حضرت ابراہیمؑ کو الزام سے بچایا جاتا ہے مگر میرے نزدیک بَلْ فَعَلَهٗ سے مراد یہ بھی لی جائے کہ اس بت نے ایسا کیا ہے اس سے پوچھ لو تو ہرگز جھوٹ نہیں کیونکہ اس کے نتیجہ میں کسی ایک شخص کو بھی دھوکہ نہیں ہوسکتا تھا کہ واقعتاً ابراہیمؑ یہی کہنا چاہتے ہیں اور یہ بڑا بت واقعۃً چھوٹے بتوں کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا تھا۔ پس ایسا بیان جو دھوکہ دینے کی خاطر نہیں بلکہ سچائی دکھانے کی خاطر ہو بظاہر خلاف واقعہ ہے لیکن نیّت بھی سچائی کی ہے اور نتیجہ بھی سچائی نکلتا ہے تو اُس کو جھوٹ کہنا غلط ہے۔

اب کوئی آدمی روزمرّہ کی باتوں میں بھی ایسی بات کر دیتا ہے کہ اس کو زمین کھا گئی اس کو آسمان کھا گیا اب کون پاگل ہے جو اس کو جھوٹا قرار دے گا۔ یہ محاورہ ہے سچائی کے اظہار کے لئے نہ کہ چھوٹی بات کے بیان کی خاطر۔ تو اس کو جھوٹ نہیں کہا جاتا اس لئے میں نے جھوٹ کی یہ تعریف کی کہ ایسا بیان جو واقعہ کے خلاف بھی ہو دھوکہ دہی کی خاطر بیان کیا گیا ہو اور اس سے لوگ دھوکہ کھا سکتے ہوں۔ یہ تینوں باتیں جب اکٹھی ہو جائیں تو کلام جھوٹا ہو جاتا ہے لیکن بعض افعال ہیں جن میں لفظ استعمال نہیں ہوتے ان میں بھی اگر نیت دھوکہ دینے کی ہو اور جھوٹ دکھانے کی نیت ہو تو وہ افعال مکر میں داخل ہو جاتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنگ کے وقت مکر سے کام لیا جا سکتا ہے ایسا مکر جو جھوٹ نہ ہو لیکن دشمن کو غلط تاثر پیدا کر دے۔ پس اس حد تک مکر کی اجازت ہے جہاں بڑے مصالح خطرے میں ہوں اور جھوٹ بولے بغیر کوئی منفعت حاصل کی جا سکتی ہو۔ وہ دراصل ذہانت کی ایک کھیل ہے فرمایا اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ (بخاری کتاب الجہاد حدیث نمبر: ۲۸۰۴) کہ لڑائی میں تو دونوں طرف سے چالبازیاں ہوتی ہیں دشمن جھوٹ بول کر بھی چالبازیاں کرتا ہے۔ مومن کی زبان بند ہے وہ جھوٹ بول نہیں سکتا لیکن وہ Intelligence کے ذریعہ بہتر حکمت کے استعمال کے ذریعہ ایسی حرکتیں ضرور کر سکتا ہے جس سے دشمن غلط نتیجے نکالے اور وہ غلط نتیجہ نکالنا دشمن کی ذمہ داری ہوگی کیونکہ ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کی خاطر، ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لئے دونوں اکٹھے ہوئے ہیں دونوں کو عقل سے کام لینا چاہئے۔ یہ کھلا چیلنج ہے ان شرائط کے ساتھ وہاں مکر کی اجازت ہے اُسے مکر خیر کہیں گے مکر بد نہیں کہیں گے۔ باقی تمام امور میں ہر وہ مکر جس میں بدی کی نیت ہو گناہ ہے اور اس سے پرہیز لازم ہے لیکن ہماری سوسائٹی میں مکر بھی جھوٹ کی طرح روزمرّہ داخل ہو چکا ہے۔ اتنی دھوکہ بازی ہے کہ تجارت میں دھوکہ ہو گیا، لین دین کے معاملات میں دھوکے ہو گئے، گواہیوں میں

اگر جھوٹ نہیں بولا جارہا تو دھوکے سے کام لیا جارہا ہے، رشتے مانگنے میں دھوکے سے کام لیا جارہا ہے، رشتے دیتے ہوئے دھوکوں سے کام لیا جارہا ہے۔ ساری سوسائٹی میں جو دکھ پھیلے ہوئے ہیں ان میں اگر آپ تلاش کریں گے تو جھوٹ کے بعد سب سے زیادہ مجرم مکر دکھائی دے گا۔ یوں لگتا ہے کہ مکاری کے بغیر دنیا کے معاملات چل ہی نہیں سکتے۔ قرآن کریم نے اسے شرک قرار دیا اور شرکاء کی فہرست میں اسے داخل فرمایا۔ ان جھوٹے شریکوں کی فہرست میں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں مگر تمہیں ان کا تصور بہت خوبصورت بنا کر دکھایا گیا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ اس جھوٹے خدا کے ذریعہ تم اپنے کام لے لو گے مگر نتیجۃً لازماً تمہیں نقصان ہوگا۔ تم صراط مستقیم سے ہٹ جاؤ گے اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

پس جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے ہمارا معاشرہ کلیۃً مکر سے پاک ہونا چاہئے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مدّ مقابل پر اگر جان لیوا دشمن بھی ہو تب بھی جھوٹ سے کام نہیں لینا لیکن مکر سے ان معنوں میں کہ حکمت عملی ایسی اختیار کی جائے کہ جس سے خود دشمن نتیجہ نکالے اُس حد تک آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے تابع مکر جائز ہے اور اسے مکر خیر کہیں گے، ہر وہ مکر جو کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے یا اپنے ناجائز حق لینے کے لئے استعمال کیا جائے وہ مکر بد ہے۔ اس مکر کا جس کا میں نے ذکر کیا ہے یعنی جنگ کے دوران مکر اس میں اپنی جان کی حفاظت کی گئی ہے۔ جو انسان کا جائز حق ہے اس مکر کے نتیجہ میں فریب کاری کے ذریعہ کوئی ایسی چیز طلب نہیں کی گئی جس کا انسان کو حق نہ ہو۔ زندہ رہنے کا حق امن کا حق ہے، دشمن یہ دونوں حق چھیننے کے لئے نکلا ہے۔ پس اپنے حقوق کو بچانے کے لئے نیک نیت کے ساتھ جھوٹ بولے بغیر حکمت سے کام لیتے ہوئے مفادات کی حفاظت کر لینا۔ یہ مکر سیئی یعنی برا مکر نہیں کہلا سکتا۔ ایک سچا مکر ہے اور نیک مکر ہے لیکن اس کے سوا سوسائٹی میں جتنی باتیں پائی جاتی ہیں ان میں مکر کی یہ تعریف داخل ہے اور آپ ذرا تلاش کر کے دیکھیں ہر جگہ آپ کو مل جائے گی کہ ایسا مکر کیا جاتا ہے جس میں اپنے حق سے زیادہ ناجائز لینے کی کوشش ہوتی ہے یا مدمقابل کو اس کے جائز حق سے محروم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بیاہ شادی اور رشتوں میں تو یہ مکر بہت ہی چلتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی معاشرہ میں مکر و فریب کی اتنی عادتیں پڑ چکی ہیں کہ ہمارے ہاں تو تاریخی طور پر کہتے ہیں کہ کسی عورت نے اگر کسی کے اوپر الزام لگانا ہو کہ مجھ پر ظلم کیا گیا ہے مثلاً

ساس اگر بہو پر یہ الزام لگانا چاہے تو کہتے ہیں اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ گئی۔ سارا دن لڑائی کی اور جب بہو کا خاوند اپنا بیٹا گھر آیا تو چادر لے کر بستر کے اوپر لیٹ گئی کہ میں آج اس کے ظلموں سے مر چلی ہوں۔ مگر خواہ بہو کی طرف سے ہو یا ساس کی طرف سے مکر بد ہی ہے اور ناجائز ظلم کسی پر کروانے کی خاطر کیا جاتا ہے لیکن یہ تو معمولی سی مثال ہے میں نے تفصیل سے جائزہ لے کر دیکھا ہے ابھی تک احمدیوں میں بھی مکر کا استعمال جاری ہے اور اس کے نتیجہ میں ہماری سوسائٹی میں ابھی تک بہت دکھ موجود ہیں۔ خصوصاً مالی لین دین میں، تجارتوں میں اور رشتے داریوں کے تعلقات میں ابھی تک ایک حصہ جماعت احمدیہ میں ایسا ہے جو مکر سے کام لیتا ہے اور اُن کا مکر تب باہر نکلتا ہے جب تعلقات زیادہ بگڑ جاتے ہیں، جب مقدمات کی صورت اختیار کر جاتے ہیں، جب قضاء میں شکائتیں آتی ہیں یا براہ راست مجھے شکائتیں پہنچتی ہیں تو پتا چلتا ہے کہ یہاں ایک جھوٹے بت کی عبادت ہو رہی تھی اور اس بت نے دھوکہ دیا جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ خدا کے سوا کوئی حقیقی خدا نہیں ہے۔ جن بتوں کو تم نے گھڑ رکھا ہے ان کی عبادتیں کرتے ہو تو کرو لیکن تم ان سے ضرور نقصان اُٹھاؤ گے کیونکہ جھوٹ سے اور فریب سے انسان کو بالحقیقت آخر کار نقصان پہنچتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ان باتوں پر بہت باریک نظر تھی کہ سوسائٹی میں کسی قسم کا بھی فریب نہ آئے چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت اقدس محمد ﷺ بازار سے گزر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہتے ہیں:

”ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مر علی صبرة طعام فادخل یدہ فیھا فنا لت اصابعہ بللا فقال ما ھذا یا صاحب الطعام قال اصابتہُ السمآء یارسول اللّٰہ قال افلا جعلتہ فوق الطعام حَتّٰی کی یراہ الناسُ من غش فلیس مِنّا“

(مسلم کتاب الایمان حدیث نمبر: ۱۴۷)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ گندم کی یا کسی اور جنس کی ایک ڈھیری دیکھی جو کھانے کے لئے استعمال ہوتی ہے اس کو ’طعام‘ کے طور بیان فرمایا گیا ہے تو آپؐ نے کھانے پینے کی اجناس میں سے ایک جنس کی ڈھیری دیکھی آنحضور ﷺ نے

آگے بڑھ کر اس میں گہرا ہاتھ آگے داخل کر دیا جب باہر نکلا تو انگلیوں پر نمی لگی ہوئی تھی آپ ؐ نے ڈھیری بیچنے والے سے پوچھا کہ اے ڈھیری والے یہ کیا دیکھ رہا ہوں یہ نمی کیسی ؟ تو اس نے بڑی ہوشیاری سے جواب دیا **اصابته السماء** اسے تو آسمان پہنچا ہے۔**سماء** بارش کو بھی کہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ بارش اُتری ہے۔ زمین کا گناہ آسمان کی طرف منسوب کر دیا یہ ایک مکر تھا، وہ ڈھیری بھی مکر کی ایک تصویر تھی اور یہ جواب بھی مکر کا ایک بیان تھا کہ یا رسول ﷺ کہ میرا کیا قصور ہے آسمان پہنچا ہے، آسمان سے بلا نازل ہوئی اُس نے اُسے خراب کر دیا۔ اب حضور اکرم ﷺ کا جواب سنیں تو روح وجد میں آجاتی ہے۔ فرمایا **افلا جعلته فوق الطعام** اگر اُوپر سے اترا تھا تو اُسے اوپر ہی کیوں نہ رہنے دیا یہ جو نمی تھی اوپر کا حصہ چھوڑ کر بیچ میں تو نہیں گھس گئی تھی۔ آسمان کی طرف کیوں ظلم منسوب کر رہے ہو یہ تمہارا ظلم ہے اگر اسے اوپر ہی رہنے دیتے تو ٹھیک تھا کوئی بُرا نہیں تھا تا کہ لوگ دیکھ لیتے، لوگوں کو پتا لگتا کہ آسمان نے اس ڈھیری کے ساتھ کیا کیا ہے پھر جو تمہارا مقدر تھا وہ تمہیں ملتا لیکن تم نے اس کو اندر کیا اور نچلے کو اوپر کر دیا یہ اُلٹ پلٹ کر دینا یہ فساد ہے، یہ دھوکہ ہے، یہ مکر ہے، پھر فرمایا **من غشنا فليس منا** جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

جماعت احمدیہ کے لئے اس میں بڑی گہری نصیحت ہے چھوٹی سی بات ہے بظاہر اور یہ ہمارے معاشرے میں، ہماری اقتصادیات میں روزمرہ کا دستور بنا ہوا ہے۔ اس قسم کا دھوکہ تو دھوکہ سمجھا ہی نہیں جاتا لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ جس نے ایسا کام بھی کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے، جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ پس حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کشتی نوح میں جو عبارت کا رنگ اختیار فرمایا ہے کہ جس نے یہ کیا وہ ہماری جماعت میں نہیں ہے۔ جس نے یہ کیا وہ ہماری جماعت میں نہیں ہے یہ انداز آپؑ نے حضرت اقدس محمد ﷺ سے ہی سیکھے تھے آپ ؐ کی یہ طرز بیان تھی کہ جو یہ کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو یہ کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ پس اہل مکر کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے کاٹا گیا ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میری جماعت میں سے نہیں ہے تو وہ جماعت رسول اللہ ﷺ کی جماعت ہے۔ اس کے سوا ہے کیا ؟ اگر رسول اللہ ﷺ کی جماعت نہیں تو اس جماعت کی کوئی بھی حیثیت نہیں، مٹی کی بھی قیمت نہیں ہے۔ پس اس کا تعلق اس فقرے سے جوڑیں

کہ فلیس منا۔ ہر مکر کرنے والا، ہر فریب کرنے والا اس پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے جو میں نے بیان کیا ہے آنحضرت ﷺ سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے اور جب تعلق توڑ لیتا ہے تو پھر صحیح رستے سے ہٹ کر گمراہی میں جاتا ہے۔ یہ اس آیت کریمہ کی بعینہٖ تفسیر ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھ کے سنائی ہے فرمایا بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ بلکہ ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان کے مکر نے ان کو سچی راہ سے الگ کر دیا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ سے انہوں نے تعلق توڑ لئے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ پس ایسا شخص جس کو خدا گمراہ قرار دے دے اس کے لئے پھر کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ خدا کا گمراہ قرار دینا اور محمد رسول اللہ ﷺ کا گمراہ قرار دینا حقیقت میں ایک ہی بیان کی دو شکلیں ہیں جس کو خدا گمراہ قرار دے اس کو آپؐ گمراہ قرار دیتے ہیں اور جس کو آپؐ گمراہ قرار دے دیں لازماً وہ خدا کے ہاں گمراہ لکھا جاتا ہے تو اتنے بڑے فتویٰ کے بعد پھر بھی اگر مکر و فریب ہماری سوسائٹی میں جاری رہیں تو اس کے نتائج سے میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے ان کو پیش نظر رکھ کر ذمہ داری قبول کر کے اگر کسی کو حوصلہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے اپنا تعلق کاٹ لے تو بے شک مکر کرتا رہے۔ لین دین کے معاملات میں مجھے اتنے خطوط ملتے ہیں کہ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے چالاکی کر کے ایسا رنگ اختیار کیا ہوا ہے کہ اگر اس کو پکڑا جائے تو کہے گا میں نے تو نہیں جھوٹ بولا میں نے تو یہ کیا تھا اور یہ کیا تھا حالانکہ شروع سے آخر تک نیت ہی فساد اور دھوکے کی ہے۔ پس مکر کے نتیجہ میں انسان بعض دفعہ پکڑ سے بھی بچ جاتا ہے اور مکر کے پورے منصوبے میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ اگر میں پکڑا جاؤں تو نکلنے کی یہ راہ ہوگی یہ بھی ایک مکر ہی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ ڈھیری والے نے آنحضور ﷺ کی پکڑ سے بچنے کے لئے اپنی طرف سے کیسی روحانی بات کی ہے۔ یا رسول اللہ! اللہ کا فعل! میں بے چارہ کیا کر سکتا تھا۔ خدا نے آسمان سے نازل کیا جس مصیبت کو خدا نے آسمان سے نازل کیا بندے کا کیا اختیار کہ اس کی راہ میں حائل ہو جائے۔ اس نے بظاہر نیکی کی اور بڑائی کی کتنی بلند رفعت اور بلند پرواز بات کی ہے۔ آسمان کی بات کرتا ہے لیکن دھوکہ زمین پر دے رہا ہے۔ آنحضور ﷺ کے سامنے کوئی چالاکی کام نہیں آسکتی آپؐ اللہ کے نور سے دیکھتے تھے ایسی باریک نظر تھی، ایسی روشن نظر تھی کہ ہر اندھیرے کا سینہ چیر دیتی تھی۔ پس وہی خدا ہے جو اسی نظر سے آپؐ کو دیکھ رہا ہے جس نے محمد مصطفی ﷺ کو نور کی

یہ نظر عطا فرمائی تھی۔اُس کے سامنے ہیں ۔چالاکیاں میرے سامنے کر لیں گے،قضاء کے سامنے کر لیں گے،بعض دوسرے ثالثوں کے سامنے کر لیں گے۔اللہ کے سامنے چالاکی کیسے کام آئے گی اس کی تقدیر ضرور جاری ہوگی کہ پھر آپ گمراہ قرار دیئے جائیں گے اور دن بدن آپ کا قدم راہ ہدایت سے بھٹک کر گمراہی کی طرف آگے بڑھتا رہے گا۔

پھر بعض دفعہ لوگ جب اسی مکر میں مبتلا ہوتے ہیں تو بعض دفعہ نظام جماعت سے بھی مکر شروع کر دیتے ہیں اور چالاکیوں سے کام لیتے ہیں اور عہدوں کو عزت کا ذریعہ بنالیتے ہیں حالانکہ جماعتی عہدے جو ہیں وہ تو خوف کا مقام ہیں،اتنی بڑی ذمہ داری کسی پر عائد ہو جس میں وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہو،اس کو خود آگے بڑھ کر مانگ کر قبول کرنا یا تو انسان کے کردار کی بہت بڑی عظمت ہے یا بہت بڑی بیوقوفی ہے۔عظمت والی بات تو صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر صادق آتی تھی کہ آپؐ نے اس امانت کو قبول کر لیا جو خدا نے نازل فرمائی لیکن مانگی نہیں تھی قبول کرنے میں بھی بڑی عظمت تھی لیکن عہدوں کو لالچ میں مانگ کر سوال کر کے یا چالاکیاں کر کے عہدے لینا یہ عظمت نہیں ہے یہ انتہائی بیوقوفی ہے۔اس لئے بیوقوفی ہے کہ اگر آپ کے اوپر ایک ذمہ داری ڈالی جائے تو اس ذمہ داری ڈالنے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے پھر آپ سے غفلت ہوتی ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم نے تو تیری خاطر یہ قبول کیا تھا ہمیں تو کوئی شوق نہیں تھا۔تو نے یہ ذمہ داری ہم پر ڈال دی ہے اب ہم سے مغفرت کا سلوک فرما،ہماری پردہ پوشی فرما،غلطیاں ہو جاتی ہیں صرف نظر فرما،تو ایسے شخص کی دعا قبول ہوتی ہے خدا اس کی کمزوریوں سے صرف نظر فرماتا ہے مگر جو شوخی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور اپنی عزت کی خاطر جو بے معنی بات ہے کیونکہ عہدوں میں کوئی عزت نہیں لیکن وہ سمجھتا ہے کہ جماعت کا عہدہ ہے میں سیکرٹری مال بن جاؤں یا امیر مقرر ہو جاؤں تو میری بڑی شان ہو جائے گی جو اس سرسری نظر سے،بیرونی نظر سے عہدوں کو دیکھتا ہے اور آگے بڑھ کر ان کو قبول ہی نہیں کرتا بلکہ شاطرانہ چالوں کے ذریعہ یہ انتظام کرتا ہے کہ عہدہ اس کو ملے،ایسا شخص سوائے اس کے کہ اپنے لئے عذاب سہیڑ رہا ہو،عذاب خرید رہا ہو اس کے سوا اس کو کوئی بھی فائدہ نہیں لیکن نظام جماعت میں بعض معاملات ایسے ہیں،بعض جگہیں ایسی ہیں جو ان باتوں میں دیر سے بدنام ہیں،بعض بستیاں ایسی ہیں جہاں بیس بیس سال سے یہ جھگڑے چلے ہوئے ہیں کہ عہدے پر

کون سا دھڑا قابض ہو اور جتنی تدبیریں چاہیں آپ اختیار کر لیں جتنے کمیشن چاہیں بھجوا دیں مجال ہے کہ وہ لوگ ٹس سے مس ہوں۔ جب انتخاب کرواتے ہیں دوسرے فریق کی طرف سے شکائتوں کی طومار شروع ہو جاتی ہے اور یہ لکھنے لگ جاتے ہیں کہ جی! فلاں نے دھوکہ دیا، فلاں نے دھوکہ دیا، فلاں نے دھوکہ دیا یہ انتخاب بے معنی ہے اور اگر کوئی لوکل دھوکہ نظر نہ آئے تو آنے والے پر الزام لگاتے ہیں کہ جی آپ نے جو ناظر بھیجا تھا ناں وہ بڑا حریص تھا۔ وہ فلاں کی روٹی کھا گیا ہے۔ اس لئے اس کے حق میں اُس نے یہ انتظام کروایا۔ میں نے ایسی جماعتوں کی اصلاح کی بہت کوشش کر کے دیکھی ہے لیکن میری بس نہیں گئی اس وقت میری نظر اس آیت کریمہ پر پڑی کہ جس کو خدا گمراہ قرار دے دے ہوتا کون ہے اس کو ٹھیک کرنے والا۔ ان کی گمراہی ان کے مکر سے وابستہ ہے۔ ان لوگوں نے نظام جماعت کو کھیل بنایا اور جھوٹی عزتوں کے حصول کا ذریعہ بنایا اور چالبازیوں سے عہدوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی پس ان کے لئے خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی ہدایت نہیں ہے جب تک یہ اس بدبختی سے باز نہیں آتے، جب تک جماعت کے عہدے کو ایک ذمہ داری نہیں سمجھتے جس کا اُٹھانا بہت بڑی ہمت کا کام ہے دعا اور خوف اور انکسار کے ساتھ اگر انسان اس لئے قبول کرے کہ اگر میں نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا اس وقت ایسا شخص بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اس پر کوئی حرف نہیں آتا اس کا کسی جماعتی عہدہ کو قبول کرنا ہی بہت بڑی قربانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ جزا پائے گا لیکن ووٹوں میں چالاکیاں جیسا کہ بعض رپورٹیں آتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے سارا سال چندہ نہیں دیا لیکن جن کی خواہش کوئی عہدہ قبول کرنے کی ہوتی ہے وہ اپنے ساتھیوں کے چندے اکٹھے کرتے پھرتے ہیں اور انتخاب سے کچھ دیر پہلے وہ سارے سال کا بقایا اکٹھا کر کے سارے روپے سیکرٹری مال کے حضور پیش کر دیئے جاتے ہیں، اس سے رسید لی جاتی ہے پھر انتخاب کا وقت آتا ہے اس وقت وہ رسید صدر انتخاب کے حضور پیش کر دیتے ہیں کہ دیکھ لیجئے چندہ پورا ہو گیا۔ شروع سے آخر تک ساری کارروائی ہی شرارت ہے، ظلم ہے وہ چندہ کیسا جو خدا کے نام پر دیا جا رہا ہے اور دیا بتوں کو جا رہا ہے ایسا ذلیل اور مکروہ چندہ تو اُن لوگوں کے لئے عذاب کا موجب بنے گا نہ کہ اُن کے لئے کسی ثواب کا باعث ہو گا اور بُت اُن کا وہ شخص ہے جس کی خاطر انہوں نے ووٹ بنوانے کے لئے سارے سال کا بقایا پیش کیا اور اس میں بھی بہت سی مخفی چالاکیاں ہیں جن پر میری نظر پڑتی ہے تو میں حیران رہ

جاتا ہوں لیکن مجبوری ہے۔اس کی زیادہ تفصیل سے چھان بین کی نہیں جاسکتی۔بعض ایسے آدمی میرے علم میں ہوتے ہیں جن کو بہت زیادہ چندہ دینا چاہئے اگر وہ خدا کی خاطر چندہ دیتے تو اُن کا بقایا دس ہزار بنتا لیکن انہوں نے جس بت کی خاطر چندہ دیا ہے وہ تو ہر بیان کو قبول کرے گا وہ تو یہ چاہے گا ووٹر بن جائے سہی ،کم سے کم دے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ خدا کی خاطر تو دیا ہی نہیں جارہا،نقصان اگر ہے تو جماعت کا ہے۔اس کو کیا فرق پڑتا ہے اس کو تو صرف ووٹ ملتا ہے۔

پھر وہ اس بات میں بھی بعض دفعہ مدد کرتا ہے کہ جی! تمہارا بنتا ہی اتنا ہے اور اگر سیکرٹری مال کہے کہ تمہارا زیادہ بنتا تھا تو اُس کے ساتھ جھگڑا کریں گے کہ تم انکم ٹیکس کے انسپکٹر لگے ہو تمہیں کیا پتا۔ جھوٹ کا الزام لگاتے ہو چپ کر کے لے لو جو دیا جاتا ہے یہی تھا جو بنتا تھا یہی دیا جارہا ہے۔شروع سے آخر تک دھوکہ ہی دھوکہ اور فساد ہی فساد Exercise ہے اور یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کسی کو پتا نہیں چل رہا۔جب رپورٹیں آتی ہیں تو چاہے وہ امریکہ سے آرہی ہو یا پاکستان کے کسی گاؤں سے آرہی ہو ان رپورٹوں پر تپلی سے جھلی ہے فلم ہے دھوکوں کی اس کے آر پار صاف دھوکہ دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔جب فہرستیں دیکھتا ہوں تو حیران ہو جاتا ہوں کہ ان لوگوں نے کتنا ظلم کا سودا کیا ہے۔ پیسے ضائع کر دیئے اور شیطان کے حضور ڈالے نام خدا کا لیا۔پھر دوسرے لوگ ہیں وہ یہ شکوے شروع کر دیتے ہیں کہ جناب آپ لوگوں کے نزدیک مال کی قیمت ہے تقویٰ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ نظام جماعت ہے جس میں چندے لے کر ووٹ بنتے ہوں، پیسے وصول کر کے ووٹ بنتے ہیں خواہ کوئی نماز پڑھتا ہے یا نہیں پڑھتا۔اُن کا اعتراض اگر بنیادی طور پر فی ذاتہٖ درست بھی ہو تب بھی اُن کی طرف سے دراصل یہ دھوکہ بازی ہے کیونکہ سارا سال جس بھائی نے نماز نہیں پڑھی اس کے لئے اُن کا دل بے چین نہیں ہوا۔سارا سال جس بھائی نے تقویٰ کے اوپر قدم نہیں مارا اُس کے لئے ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی ،کوئی کوشش نہیں کی نظام جماعت کو اس وقت اطلاع نہیں کی جب ان کی اصلاح کا وقت تھا اب الیکشن کے موقع پر ان کے تقویٰ کی راہ سے ہٹ جانے کا خیال ان کو کیسے آ گیا؟ الیکشن کے موقع پر ان کی بے نمازیاں کیوں اُن کو چبھنے لگیں صاف ظاہر ہے کہ تکلیف اپنے منتخب نہ ہونے کی یا اپنے کسی ساتھی کے منتخب نہ ہونے کی ہے نہ کہ کسی کی بے راہ روی کی تو تقویٰ کی راہیں بڑی باریک ہیں اور یہ مکر جو ہے یہ ہر چیز میں چلتا ہے نیکی کے نام پر بھی چلتا ہے۔کھلی کھلی بدی کے طور پر تو مکر چلتا

ہی ہے لیکن بڑے بڑے نیک ناموں پر مکر چل رہا ہوتا ہے۔ پس جماعت کے عہدوں کو، جماعت کے نظام کو جو لوگ جھوٹی عزتوں کا ذریعہ بناتے ہیں ان کے لئے میں قرآن کریم کے الفاظ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر:۱۱) یاد رکھو جس کو عزت چاہئے، اللہ ہی کے پاس عزت ہے اس کے سوا آپ کو کوئی عزت نصیب نہیں ہوسکتی۔

خدا کے نظام سے دھوکہ کر کے، فریب کاریوں کے ذریعہ، نظام کی جڑیں کھوکھلی کر کے اور مسلسل دھڑے بازیوں میں مبتلا ہو کر اگر آپ عزت چاہتے ہیں تو کوئی عزت نہیں ملے گی۔ عزت کیسے ملے گی؟ فرمایا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر:۱۱) کتنا پیارا صاف ستھرا پاکیزہ بیان ہے اور عزتیں حاصل کرنے کا کیسا عمدہ طریق بیان فرمایا۔ فرمایا۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ پہلے تو اپنی نیتوں کو پاک صاف کر کے بات کرو۔ وہی بات خدا کے ہاں قبول ہوگی اور اس کی درگاہ میں قبولیت پائے گی جو طیب ہو۔ طیب ایسی بات کو کہتے ہیں جس میں جھوٹ کی دور کی بھی ملونی نہ ہو۔ ادنیٰ سی بھی ملونی نہ ہو صاف نیت سے بات کی گئی، پاک لفظوں میں بیان کی گئی نہایت ہی خوبصورت مہکتے ہوئے انداز میں سچائی کے ساتھ وہ بات پیش کی گئی نیت بھی پاک تھی، طرز بیان بھی پاک اور بالآخر اُس کا انجام بھی پاک تھا اس کو کہتے ہیں **کلمہ طیبہ**۔ فرمایا یہ کلمہ طیبہ ہے جو خدا تک پہنچتا ہے عزت کے حصول کے لئے وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ اور اس پاک کلمہ کو اونچا کرنے کے لئے عمل صالح کی ضرورت ہے صرف منہ کی پاک باتیں نہ ہوں بلکہ نیک اعمال ان باتوں کو تقویت دے رہے ہوں ان پروں کو توانائی بخشیں کہ وہ پر چل توسکیں۔ پروں میں طاقت ہی نہ ہو تو وہ کیسے پرواز کریں گے۔ پس کلام کو جو پاکیزہ ہو ایک پرندے کی طرح پیش فرمانا جس میں اُڑنے کی سکت ہے مگر وہ نیک اعمال سے طاقت لیتا ہے۔ اگر نیک اعمال نہیں ہیں تو کلمہ طیبہ میں اڑنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ فرمایا یہی وہ طریق ہے جس کے ذریعہ تم عزتیں حاصل کرتے ہو۔ عزتیں ساری اللہ کے پاس ہیں اور عزت کا سوال وہاں تک کیسے پہنچتا ہے فرمایا۔ نیک باتوں کے ذریعہ، پاکیزہ باتوں کے ذریعہ، ایسی پاک باتوں کے ذریعہ جن کو اعمال صالحہ طاقت بخشتے ہوں۔ پس اگر جماعت کا کوئی عہدیدار اپنی سچائی اور پاکیزگی کی وجہ سے ہر دلعزیز بنا ہو، اگر اُس کے نیک اعمال انتخاب کے وقت پیش نظر ہوں تو یقیناً جو وہ مقام پا گیا ہے وہ عزت کا مقام ہے وہ یقیناً ایسا مرتبہ ہے

جو اُس کے لئے آسمان سے نازل ہوا ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس کی تفصیل یہی بیان فرمائی ہے۔ اگر وہ نہیں تو پھر ایک مکروہ بات ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝ (فاطر:۱۲) کہ وہ لوگ جو بدتدبیروں میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں ان کی عمر چالا کیوں میں گزر جاتی ہے۔ منصوبے بنانا، سازشیں کرنا، جھوٹی تدبیریں کر کے جھوٹی عزتیں حاصل کرنے کا شوق، سیاست میں بھی چلتا ہے، دین میں بھی چلتا ہے، ہر جگہ یہی چیز چلتی جاتی ہے۔ فرمایا اُن کے لئے ہم خوشخبری دیتے ہیں کہ اُن کے لئے بڑا سخت عذاب ہے اور اُن کا یہ جو فعل ہے یہ تباہی کی طرف لے جانے والا ہے۔ ان کو اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکے گا سوائے اس کے کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ یہ تو ہے معاشرے میں مکر۔ مکر کے ذریعہ انسان معاشرے میں کوئی مقام حاصل کرتا ہے۔

کوئی حرص کے ذریعہ کسی کی بچی دھوکے سے حاصل کر لیتا ہے اور پھر اُس پر ظلم کرتا ہے۔ حرص و ہوا کے ذریعہ کسی کا مال غصب کر لیتا ہے۔ دھوکے کے ذریعہ جھوٹی عزتیں حاصل کرتا ہے۔ یہ سارے ایسے مکر ہیں جن کا انجام بالآخر بد ہے اور جو سوسائٹی ان مکروں میں مبتلا ہوا اُس کو کبھی آپ سکھ والی سوسائٹی نہیں دیکھیں گے۔ دن بدن دکھوں میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہے۔ عَذَابٌ شَدِيْدٌ کی جو پیشگوئی ہے یہ صرف بعد کی نہیں ہے اسی دنیا کی بھی ہے۔ ان ملکوں کا حال دیکھیں جہاں یہ چیزیں چل رہی ہیں جو ابھی میں نے بیان کی ہیں۔ دن بدن عذاب میں مبتلا ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ان گھروں کا حال دیکھ لیں جہاں اس قسم کے فساد چلتے ہیں کسی کا آپ نیک انجام نہیں دیکھیں گے۔ ہر وقت دکھ، ہر وقت عذاب، مقدمہ بازیاں، مصیبتیں، کوئی جھوٹا رزق حاصل کیا تو وہ بھی عذاب کا موجب بن جاتا ہے اور عَذَابٌ شَدِيْدٌ اس طرح بھی بنتا ہے کہ اُن کی اولادیں بعض دفعہ ضائع ہو جاتی ہیں یا وہ ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں یا وہ ایسے بدکاموں میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ ماں باپ کے لئے ذلت اور رسوائی کا موجب بن جاتے ہیں۔ لوگ ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو آسمان سے اُترتی ہیں اور پھر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ کئی قسم کے ابتلا ہیں جو گھیرا ڈال لیتے ہیں۔ پس جب خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے لئے عَذَابٌ شَدِيْدٌ ہے تو یہ بالکل اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ مریں گے تو دیکھا جائے گا اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ یہ عذاب ہے جو دنیا میں شروع ہو جاتا ہے

اور دنیا کا شروع ہوا ہوا عذاب بتا رہا ہے کہ خدا نے معاف نہیں کیا۔ جب خدا نے یہاں معاف نہیں کیا تو آئندہ آپ کیسے خیر کی توقع لے کر آنکھیں بند کریں گے۔ جس کی خدا نے ستاری کرنی ہو اس دنیا میں بھی کرتا ہے۔ جس سے مغفرت کا سلوک کرنا ہو اس دنیا میں ہی کرتا ہے اور اس دنیا میں اس کے لئے کوئی نیا نظام جاری نہیں ہوتا۔ وہی نظام ہے جو اس دنیا میں جاری ہے۔

پس اس لحاظ سے مکر کرنے والوں کے لئے عَذَابٌ شَدِيْدٌ کی جو خبر ہے وہ بالکل سچی ہے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو پورا ہوتے دیکھا ہے۔ پاکستان کے حالات پر نظر ڈال کر دیکھ لیں آپ میں سے اکثر پاکستانی ہیں جو میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں تو آپ کو علم ہوگا کہ یہ کتنی سچی باتیں ہیں کہ یہ جو مکر کی پہلی قسمیں آپ کے سامنے رکھی ہیں یہ عَذَابٌ شَدِيْدٌ پر منتج ہوتی ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی خیر ان سے وابستہ نہیں ہوتی۔

دوسری قسم کا مکر سیاست کا دجل وفریب ہے۔ میں نے پہلے بھی اس کی مثال دی تھی کہ خاص طور پر آج کل کی جدید سیاست خواہ وہ مغرب میں کارفرما ہو یا مشرق میں عملاً دجل ہی کا دوسرا نام ہے، فریب کاری ہے۔ غریب ملک بھی فریب کاریوں میں مبتلا ہیں، امیر ملک بھی فریب کاریوں میں مبتلا ہیں فرق صرف یہ ہے کہ امیر کا دجل چل جاتا ہے اور غریب کا چلتا نہیں لیکن غریب ملکوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر انہوں نے امیر ملکوں اور طاقتور ملکوں کے اس فریب سے بچنا ہے تو اُن کی پناہ گاہ مکر میں نہیں ہے کہ یہ جھوٹا خدا ہے۔ ان کی پناہ گاہ سچائی میں ہے اور بتوں کی پرستش کے بجائے ان کو خدا کی پرستش کی طرف واپس لوٹنا چاہئے۔

آج مسلمان ممالک اپنے سیاست کے دجل کی خاطر امریکہ کو کھلم کھلا گالیاں دیں یا نہ دیں مگر آج سارے عالم اسلام کا دل گواہی دے رہا ہے کہ امریکہ نے مسلمانوں کے ساتھ دجل سے کام لیا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں کی حالت دن بدن بد سے بدتر ہوتی چلی جارہی ہے۔ قومی طور پر صفحہ ہستی سے اُن کو بالکل مٹا دینے کا منصوبہ ہے جو سامنے کھل رہا ہے۔ اتنے خوفناک مظالم مسلمانوں پر توڑے جارہے ہیں کہ خود مغربی مفکرین یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ ہٹلر کے مظالم کو بھی ان مظالم نے شرما دیا ہے۔ پوری کی پوری قوم کی نسل کُشی کا منصوبہ ہے جو آنکھوں کے سامنے عملی جامہ پہن رہا ہے کوئی نہیں ہے جو اس کے خلاف کوئی قدم اُٹھائے ان کے پروگرام جو سیاسی تبصروں کے پروگرام ہوتے ہیں وہ

آپ سن کر دیکھ لیں۔ وہاں آپ کو ہر دفعہ آپ کو یہی بات دکھائی دے گی کہ سب کہتے ہیں ہم باتیں کر رہیں ہیں لیکن ان باتوں کے پیچھے ایک بھی عمل ایسا نہیں جو ان باتوں کے بعد ان کو سچا کرنے کے لئے ظاہر ہو لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ جو باتیں کرتے ہیں وہ بھی بالکل معمولی ہیں۔ جتنے بڑے بھیانک جرم ہو رہے ہیں ان کا جو علاج باتوں میں تجویز ہو رہا ہے وہ علاج ہی کوئی نہیں لیکن اتنا بھی نہیں کرتے۔ ایک طرف بوسنیا کے یہ مسلمان ہیں جن کے ساتھ یہ ظلم ہے اور اس میں سب سے زیادہ مجرم امریکہ ہے جس نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں بلکہ یورپ کے ان ممالک کو بھی آنکھیں بند کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے جن کے اندر بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نقصان ہوگا اور بالآخر ہمارے لئے یہ چیز فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتی مگر دوسری طرف عالم اسلام کی ہمدردی یہ ہے کہ شیعوں کہ ساتھ ہمدردی پیدا ہوگئی یعنی مسلمانوں میں سے شیعہ ہیں جو ان کی ہمدردی کے مستحق ہیں اور عراق پر ظلم کرنے کے لئے وہ کہتے ہیں کہ تمہارے ملک کا جو یہ حصہ ہے اس پر تم نے اپنے جہاز نہیں اڑانے کیونکہ تم شیعوں پر ظلم کر رہے ہو اور ہم عیسائی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ شیعہ مسلمانوں پر کوئی ظلم ہو۔ کیسی منطق ہے؟ کیا دلیل ہے؟ کون سی سچائی اس میں پائی جاتی ہے؟ الف سے ی تک دھوکہ ہی دھوکہ اور فریب کاری ہی فریب کاری لیکن سنی مسلمانوں کے وہ ممالک جو ان کے ساتھ ہیں وہ بالکل خاموش بیٹھے ہوئے ہیں وہ کوئی انگلی نہیں اُٹھا رہے لیکن یہ دھوکہ یہاں ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ جانتے ہیں کہ اگر شیعہ نام کے اوپر انہوں نے بعض شیعہ اقلیتوں کی مدد کی تو ارد گرد کے سنی ممالک میں ان کے خلاف ردعمل ہونا لازم ہے پس وہ ردعمل بھی چاہتے ہیں۔ وہ ردعمل جو بھی ظاہر ہوگا وہ ان کے خلاف تو ہو نہیں سکتا کیونکہ طاقتور کے خلاف کمزور کا ردعمل نہیں ہوا کرتا۔ خصوصاً اگر کمزور بددیانت ہو چکا ہو، جھوٹا ہو چکا ہو، فریب کار ہو گیا ہو تو اس کا فریب اُس کے خلاف چلتا ہے وہ طاقتور کی بات کو خاموشی کے ساتھ قبول کرتا ہے لیکن اپنے غصے معاف نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کے ردعمل کے طور پر دوسری شیعہ اقلیتوں پر سنی اکثریتیں ظلم کرنا شروع کر دیں گی اور یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ دیکھو شیعوں کی وجہ سے ایک سنی اکثریت کے ملک کے اوپر یہ تباہی آئی ہے اور کھلے عام شیعوں کی حمایت کی گئی ہے۔ یہ بات خطرے کا آلارم سعودی عربیہ بھی بجائے گی، وہ منہ سے کہیں یا نہ کہیں، جتنی اُن کی ایران سے دشمنی ہے وہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ امریکہ کے بت کے سامنے سر جھکاتے ہوئے وہ

زبان سے کچھ کہیں یا نہ کہیں مگر اس کے خلاف سعودی عرب کا شدید ردعمل ہوگا۔ چنانچہ وہ دوسرے ممالک کو پہلے بھی شیعہ سنی فساد کرانے کے لئے پیسے دیتے ہیں اب وہ اور بھی زیادہ دیں گے کیونکہ ان کو خطرہ ہوگا کہ ایرانی طاقت ہمارے اور قریب آ گئی ہے۔ پس یہ ایسی بات نہیں ہے کہ ان لوگوں کو پتا نہیں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ سازش میں یہ بھی شامل ہیں ایک طرف سُنّیوں پر ظلم کرنے کے لئے شیعوں کو بہانہ بنایا جائے اور بظاہر شیعوں کی حفاظت ہو رہی ہے سُنّیوں پر ظلم ہو رہا ہے لیکن یہ کیا کہ دوسری طرف سُنّیوں کو مجبور کیا جائے کہ پھر وہ شیعوں پر ظلم کریں اور اس طرح سارا عالم اسلام جس کے کبھی کبھی قریب آنے کے امکان ہوتے ہیں نہ صرف پھٹا رہے بلکہ پہلے سے بڑھ کر ایک دوسرے سے دور ہو جائے اور نفرتیں پہلے سے زیادہ بڑھ جائیں۔

یہ وہ ہوشیاریاں ہیں جن کا نام سیاسی مکر ہیں۔ سیاست میں تو اتنے مکر چل رہے ہیں اور ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ دنیا کے کسی خطے پر آپ نظر ڈال کر دیکھیں مکر ہی مکر ہے۔ صرف ایک فرق ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں مثلاً اور اسی طرح ہندوستان میں بھی زیادہ تر مکر اپنے آدمیوں سے ہو رہے ہوتے ہیں۔ سیاست دانوں کی جتنی چالاکیاں ہیں ساری عوام کے مفاد کے خلاف ہوتی ہیں۔ مکر ہیں لیکن وہ مکر اپنوں پر چل رہے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں بھی مکر ہیں مگر غیروں پر چلتے ہیں۔ اپنے لوگ جو ہیں وہ ان کے مکر برداشت نہیں کرتے۔ مجال نہیں صدر بش کی کہ وہ امریکہ کے ساتھ مکر کر کے دیکھے جب بھی مکر کریں یا مکر کی کوشش کرتے ہیں تو جو بھی امریکہ کے پریذیڈنٹ مکر کی کوشش میں ملوث ہوتے ہیں ساری قوم اُن کے پیچھے پڑ جاتی ہے ان کو ننگا کر کے دکھا دیتی ہے۔ کسی کا نام ''Water Gate'' رکھا جاتا ہے۔ کسی کا نام ''Iran Gate'' رکھا جاتا ہے۔ گیٹوں کا بہت شوق ہے لیکن جتنے بھی گیٹ ہیں وہ سارے مکر پر بنتے ہیں۔ بے شک آپ اُن کا جائزہ لے کر دیکھ لیں وہ مکر قوم معاف نہیں کرتی اس لئے کسی بھی مغربی سیاست دان کی مجال نہیں کہ اپنی قوم سے مکر کرے لیکن جب غیروں سے مکر کرتے ہیں تو سب آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ چند ایک شریف دیانت دار صحافی آواز اُٹھاتے ہیں مگر نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ وہ آواز صرف تاریخ کے حقائق کو ریکارڈ کرنے کے لئے ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس آواز کی بازگشت آئندہ نسلوں میں سنائی دے گی اور وہ نسلیں ان گزرے ہوئے سیاستدانوں پر لعنتیں بھیجیں گی مگر اس زمانے میں، اس وقت یہ

اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں ۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری کوئی پکڑ نہیں ہے ہم طاقتور بھی ہیں ، ہم مکار بھی ہیں ، فریب میں ہر دوسرے پر بازی لے جاتے ہیں ، کون ہے جو ہمارے ہاتھ کو روک سکے گا؟ مگر قرآن کریم خبر دیتا ہے ۔ فرماتا ہے ۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

(النحل: ۴۶ تا ۴۸)

وہ طاقتور مکار (یہاں طاقتور کا مضمون اس میں شامل ہے کیونکہ جو بات بیان کی جارہی ہے وہ طاقتور ہی کا بیان ہے) تو میں کیا سمجھتی ہیں کہ بدی کے مکر کے ذریعہ یہ امن میں رہیں گی ۔ ان کو امن نصیب ہوگا ۔ کس چیز سے امن نصیب ہوگا ۔ کیا اس بات سے امن حاصل کریں گی کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے اور زلزلے آئیں اور ایسے خوفناک زمینی عذاب ظاہر ہوں کہ ان کو ہلاک کردیں؟ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ یا ایسی طرف سے عذاب آنے شروع ہوں کہ ان کو پتا نہ لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے ۔

اب امریکہ میں پچھلے دنوں جو خوفناک طوفان آئے ہیں اُس کے نتیجہ میں اب تک بیان کیا جاتا ہے کہ کم از کم پندرہ ارب ڈالر کا نقصان امریکہ کا ہو چکا ہے اور لکھوکھہا انسان شدید مصیبتوں میں مبتلا ہیں ۔ ان کے نزدیک تو یہ ایک ارضی حادثہ ہے مگر نہیں سوچتے کہ ارضی حادثات بھی آسمان کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں اور خدا جب چاہے ان کو ٹال بھی سکتا ہے ۔ جب چاہے ان کو عذاب کی صورت میں ظاہر فرما سکتا ہے ۔ کسی قوم کے اوپر ان کو عذاب کے طور پر ان کی کمر توڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ۔

لَا يَشْعُرُوْنَ نے دو باتیں ظاہر کی ہیں کہ ان کو پتا ہی نہیں کہ کہاں سے آرہے ہیں ۔ نہ یہ پتا چلتا ہے کہ ہماری بداعمالیاں ہیں جن کے نتیجہ میں یہ سزا ہے اور نہ یہ پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بداعمالیوں کے نتیجہ میں یہ سزائیں مرتب فرما رہا ہے ۔ قانون قدرت تو قانون قدرت ہی ہے مگر

قانون قدرت اللہ کی مرضی کے تابع چل رہا ہے۔ پھر فرمایا اَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ اور خدا تعالیٰ یہ بھی کر سکتا ہے کہ ان کی حرکات کے دوران ان کو پکڑے۔ تقلب سے مراد ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ اختیار کرنا، ایک طرز کو چھوڑ کر دوسری طرز اختیار کرنا، ایک انداز کو چھوڑ کر دوسرا انداز اختیار کرنا۔ یہ جو چالاکیوں سے کروٹیں بدلتے اور پینترے بدلتے ہیں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں۔ ان کی سیاستیں بھی کروٹیں بدل رہی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسی میں یہ محفوظ ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں چالاکیوں میں ان کو پکڑ سکتا ہے۔ انہی پینتروں میں یہ مارے جائیں گے۔

فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ یہ خدا کی تقدیر کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ اللہ تعالیٰ اگر یہ فیصلہ فرمائے کہ رفتہ رفتہ ان کی عظمتیں ایک قصہ پارینہ بنا دی جائیں اور رفتہ رفتہ یہ اپنی بلندیوں سے اُترنا شروع ہوں اور دنیا کی آنکھوں کے سامنے گھٹتے چلے جائیں اور آج طاقتور قومیں کہلاتی ہیں یہ کل کمزور قوموں کی صورت میں دنیا میں ظاہر ہوں، اگر خدا کی تقدیر یہ کام کرنا چاہے تو کون ہے جو خدا کے ہاتھ روک سکتا ہے؟

پس وہ قومیں جو مکر و فریب کے ذریعہ اور اپنی طاقت کے برتے پر کمزوروں کو نقصان پہنچاتی ہیں ان کے لئے یہ تین ذریعے ہیں جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں کہ ان ذریعوں سے ان کو سزا ملتی ہے مگر کم ہیں جو نصیحت پکڑتے ہیں۔ مجھے تو اُن مسلمان ملکوں پر زیادہ افسوس ہے جنہوں نے سچائی کو پایا، جن کی خاطر یہ شان دار کلام نازل فرمایا گیا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب مطہر پر وہ ساری باتیں روشن فرمائی گئیں جو اُس زمانے سے تعلق رکھتی تھیں یا آئندہ زمانوں سے تعلق رکھتی تھیں اور سارے مصائب کے حل بھی کھول کھول کر بیان فرما دیئے گئے۔ پھر بھی ان کی محرومی دیکھیں کہ ایک مکر سے دوڑ کر دوسرے مکر میں پناہ لیتے ہیں۔ جُھوٹے بتوں سے بھاگ کر جُھوٹے بتوں کی پناہ میں آتے ہیں۔ یہ سوچتے نہیں اور سمجھتے نہیں کہ صرف ایک پناہ ہے اور وہ اللہ کی پناہ ہے۔ اگر یہ سچائی پر قائم ہو جائیں، اگر یہ خدا کی عبادت سچے دل سے کریں اور مکر کے جواب میں اعلیٰ تدبیر سے کام لیں لیکن جھوٹی تدبیر سے کام نہ لیں بلکہ اللہ کی پناہ مانگیں تو وہی ایک پناہ گاہ ہے جو دنیا کے ہر مکر سے ان کو بچا سکتی ہے مگر بدنصیبی ہے کہ لَا يَشْعُرُونَ سمجھتے نہیں کہ کیا ہو رہا ہے، دیکھتے نہیں کہ کیا ہو رہا ہے، اللہ ہی ہے جو

ان کو عقل دے۔ ان سب بلاؤں کا جو دنیا پر نازل ہو رہی ہیں دکھ آخر احمدی کے دل پر ٹوٹتا ہے کیونکہ خدا گواہ ہے کہ ہمیں سچے دل سے بنی نوع انسان سے محبت ہے اور سچے دل سے پیار ہے اس لئے میں جماعت احمدیہ کو خصوصیت سے دعا کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

اس کے بعد ایک اعلان کرنا ہے ملک صومالیہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھوک کے اتنے دردناک عذاب میں مبتلا ہو چکا ہے کہ اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ جماعت احمدیہ بڑی دیر سے کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح ہمارا رابطہ ہو۔ ہم خود وہاں پہنچیں اور خدمتیں کر سکیں اور جماعت نے افریقہ کے غریب ملکوں کے لئے جو قربانی پیش کی ہے اس میں سے صومالیہ کو حصہ دیا جائے کوئی پیش نہیں کی گئی کیونکہ خدمت کے جو انتظامات اور نظام ہیں ان پر بھی ان قوموں کا قبضہ ہے اور اپنی مرضی کے خلاف کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور امریکہ کو بھی ہدایت کی ہے اور انگلستان کو بھی کہ خدمت کے لئے جو روپے آپ کے پاس اکٹھے ہیں وہ جس ادارے کے ذریعہ بھی پہنچتے ہیں وہ دیں تو سہی کچھ نہ کچھ، ہمارے ضمیر کا بوجھ تو کچھ ہلکا ہوگا لیکن باقی دنیا کے ممالک کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ جو کچھ توفیق ہے وہ ضرور صومالیہ کے اپنے غریب بھائیوں کے لئے مسلمان کی حیثیت سے نہیں ایک انسان کی حیثیت سے پیش کریں۔ اس کے علاوہ تمام بڑے بڑے ملکوں میں جماعت احمدیہ کو یہ جائزہ لینا چاہئے کہ جس طرح ریڈ کراس وغیرہ انٹرنیشنل سوسائٹیز ہیں اسی طرح اگر مذہبی سوسائٹیاں بھی ایک بین الاقوامی حیثیت سے پہچانی اور جانی جائیں اور اُن کا ایک مقام قائم ہو سکتا ہو تو اب وقت آ گیا ہے کہ جماعت احمدیہ کو اپنی آزاد سوسائٹی بنانی چاہئے جو جماعت احمدیہ کی مرضی کے تابع خدمت کرے اور تقویٰ اور انصاف کے ساتھ خدمت کرے اور مذہب وملّت اور رنگ ونسل کے امتیاز کے بغیر خدمت کرے۔ اس خدمت میں شریف النفس غیروں کو بھی ساتھ شامل کرے تو جائزہ لینا چاہئے۔ جہاں تک میرا تأثر ہے عیسائی انجمنوں کو اس بات کی اجازت بھی ہے اور باقاعدہ یونائیٹڈ نیشنز کے ساتھ رجسٹرڈ ہیں اگر میرا یہ تأثر درست ہے تو جماعت احمدیہ کو پورے زور سے کوشش کر کے اب بین الاقوامی خدمت خلق کا ادارہ قائم کرنا چاہئے اور اس ادارے کا دائرہ کار تمام بنی نوع انسان تک عام ہوگا اور اس میں صرف احمدیوں سے چندہ نہیں لیا جائے گا بلکہ دنیا کے کسی بھی شریف النفس انسان سے جو اس ادارے میں شامل ہو کر خدمت کرنا چاہتا ہو اُس کو بھی خدمت کا موقع

دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک آخری بات اب میں جنازے کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی جنازہ غائب ہوگا۔ جماعت کے بہت سے خدمت کرنے والے، پرانے بزرگ اور غیر معروف لیکن نیک لوگ گزشتہ چند ماہ کے عرصہ میں ایسے رخصت ہوئے ہیں کہ ان میں سے بعض کو میں جانتا ہوں بعضوں کے متعلق صدر انجمن کی طرف سے سفارشیں آئی ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق متقی اور پرہیز گار لوگ تھے۔ جنازہ میں مثلاً پورے لوگ شامل نہیں ہوسکے یا بچوں نے بے قراری سے خواہش ظاہر کی ہے یا خود انہوں نے مرنے سے پہلے خواہش ظاہر کی کہ میں ان کا جنازہ پڑھاؤں۔ ان کی فہرست غالباً سنا دی گئی ہے۔

مسعود جہلمی صاحب کا وصال ہوا۔ جرمنی میں بطور مبلغ فریضہ خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ کوئی دو تین سال پہلے ایک ابتلا بھی آیا۔ میں ان سے ناراض بھی ہوا اور اس ناراضگی میں میرے لئے بہت تکلیف تھی۔ بعد کے خطبہ میں میں نے تفصیل سے روشنی بھی ڈالی۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ مجھے دیرینہ قلبی محبت تھی اور ان کے سارے خاندان سے بڑا گہرا تعلق تھا لیکن نظام جماعت مجھے اتنا پیارا ہے کہ جب نظام جماعت کو خطرہ دیکھوں تو کوئی قلبی تعلق، کوئی قُرب اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا تو میری بھی آزمائش تھی اور ان کی بھی آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا اور میں اس آزمائش پر پورا اُترا اور میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی قلبی تعلق نظام جماعت کی حفاظت کے موقع پر میری راہ میں حائل نہیں ہوا اور خواہ کیسا ہی کڑوا وہ فرض تھا میں نے پوری طاقت سے اسی طرح ادا کیا جس طرح کسی غیر کے معاملہ میں میں ادا کرسکتا تھا اور ان پر خدا نے فضل فرمایا کہ غیر معمولی وفا کے ساتھ اور ثبات قدم کے ساتھ اس ابتلا میں نظام جماعت کے ساتھ چمٹے رہے۔ عروہ وثقیٰ سے ان کا ہاتھ نہیں چھوٹا اور اپنی اولاد کو بھی یہی نصیحت کی، اپنے رشتہ داروں کو بھی نصیحت کی۔ ان کا تعلق والا ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے ٹھوکر کھائی ہو۔ ان کی وفات کے وقت مجھے خیال آیا کہ ان کے کتبے پر کیا لکھنا چاہئے تو حضرت مصلح موعود کا یہ مصرعہ یاد آ گیا۔ میں نے کہا اور چند باتوں کے علاوہ وہ بہت موزوں رہے گا۔

بے وفاؤں میں نہیں ہوں میں وفاداروں میں ہوں (کلام محمود: ۸۴)

پس یہ وہ ایک ایسا مخلص تھا جس کے متعلق میں یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ واقعۃً وفادار تھا اور وفاداروں میں جان دی ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔اور ہمارے دیگر مخلصین کو بھی جنہوں نے زندگیوں میں کئی قسم کی قربانیاں دی ہیں لیکن خدا جانتا ہے کہ کب ابتلا کا وقت آئے ان کو بھی ہر ابتلا میں ثابت قدم رکھے اور وفاداروں میں موت دے۔بے وفائی کی حالت میں کسی کو موت نہ دے۔بڑی بدترین موت ہے وہ کہ ساری عمر انسان خدمت کرے لیکن آخری عمر میں آ کر ابتلا میں ٹھوکر کھا کر بے وفاؤں میں جان دے دے۔

حافظ عبدالسلام صاحب بہت نیک اور پارسا انسان تھے۔لمبا عرصہ تحریک جدید میں خدمت کی۔بعد میں بھی کراچی میں جو دن گزارے تقویٰ کے ساتھ اور عبادتوں میں دن گزارے۔ دعا گو تھے۔غالباً ۹۸ سال کی عمر میں یا اس کے لگ بھگ ان کی وفات ہوئی ہے۔ان کی بڑی خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں میں واپس چلا جاؤں لیکن بہرحال بہت سے ایسے ہیں جن کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی کچھ اور ہیں جو ان خواہشوں میں جی رہے ہیں۔ان سب کو بھی دعا میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی یہ تمنائیں پوری فرمائے اور باقی سب جن کے نام بیان ہو چکے ہیں۔عبداللطیف صاحب ستکوہی ہیں اور بھی بہت سے ایسے خدمت کرنے والے ہیں۔ان سب کو نماز جنازہ میں یاد رکھیں۔

اوڑھنی ہیں اور سجانی ہیں یہاں تک کہ وہ اس سمندر کے ایک پھولوں کا ایک گلدستہ سا معلوم ہونے لگتے ہیں اور پہچانے نہیں جاتے۔ مکڑی جو جالا بن کر تاک میں رہتی ہے وہ بھی خدعہ ہے۔ جھوٹ نہیں ہے خدعہ ہے کیونکہ جہاں انسانی زندگی کی بقا کا سوال ہے اور جہاں قانون دونوں کو اجازت دیتا ہو کہ جو چاہو کرو وہاں حکمت سے کام لے کر اپنے دشمن پر قابو پانا یا دشمن کے داؤ سے بچنا جھوٹ نہیں ہے، اس کو خدعہ کہا جاتا ہے لیکن امن کے ماحول میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جہاں امن کا ماحول ہو وہاں اگر خدعہ اختیار کیا جائے تو جھوٹ بن جائے گا اسی لئے **حرب** کے ماحول کو سمجھ کر اسی کی حدود کے اندر خدعہ سے کام لیں اور جہاں دشمن آپ کے خلاف مکر میں پہل کرتا ہے وہاں جوابی مکر اختیار کرنا ہے مگر اسی حد تک جس حد تک قرآن اجازت دیتا ہے اور سنت سے ثابت ہو اس سے آگے نہیں۔ یہ وہ پاکیزہ زندگی ہے جس کو ہمیں جماعت احمدیہ میں رائج اور نافذ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کے طفیل ان پاکیزہ رسموں کو غیروں میں رائج کرنا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> ''مکر اُن باریک تدبیروں اور تصرّفات کو کہتے ہیں کہ وہ ایسے مخفی اور مستور ہوں کہ جس شخص کے لئے وہ تدابیر عمل میں لائی گئی ہیں وہ ان تدبیروں کو شناخت نہ کر سکے اور دھوکہ کھا جائے۔'' (حیوانات کی دنیا میں سو فیصدی مکر جاری ہے) ''... پس مکر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول وہ کہ جن کے عمل درآمد سے ارادہ خیر اور بہتری کا کیا گیا ہے اور کسی کو نقصان پہنچانا منظور نہیں ہے جیسا کہ ماں اپنے بچے کو اس مکر سے دوا پلا دیتی ہے کہ وہ ایک شربت شیریں ہے اور میں نے بھی پیا ہے، بڑا میٹھا ہے۔...''

اب دیکھیں اس میں احمدی ماؤں کے لئے کتنے سبق ہیں۔ اس چھوٹے سے فقرے میں کتنی پیاری بات بیان کر دی گئی ہے بعض مائیں جھوٹ بول کر بچے کو خیر کی کوئی چیز دینے پر مجبور کر دیتی ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ فرمایا شربت میں دوا ملا دو اور ماں خود پی کر بتا دے کہ دیکھو! میں بھی پی رہی ہوں تو اس کا نام جھوٹ نہیں ہے اس کا نام مکر خیر ہے۔ نیت بھی خیر کی ہے، طریق کار بھی خیر اور کچھ پہلو جو کسی کو غافل کر کے اُس کے فائدے کی ایک چیز

دینے کا پہلو ہے اس میں جھوٹ نہیں ہے۔اس حد تک مکر امن میں جائز ہے اور مومن کی عملی زندگی میں بعض ایسے مقامات آتے ہیں جہاں امن کی حالت میں بھی ایک چھوٹی سی جنگ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔اس مکر کا بھی دراصل اُس معمولی سی جنگ کی کیفیت سے تعلق ہے۔بچے اور ماں کے درمیان جب اختلاف پیدا ہو جائیں تو ایک چھوٹی سی جنگ کی سی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔اس وقت مکر کرنا ہے مگر مکر خیر کرنا ہے پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

''...اس مکر سے بچہ کے دل میں ایک خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دوا کو پی لیتا ہے...''

ہم نے بھی بارہا اس کو استعمال کیا ہے اور اللہ کے فضل سے بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔جو بچے ضد کر کے بیٹھے ہیں اُن کو مارنے کی بجائے ،زبردستی کرنے کی بجائے اس رنگ میں دوا دے دی جاتی ہے کہ وہ اُسے قبول کر لیتے ہیں پھر فرماتے ہیں۔

''...اور جیسا کہ پولیس کے بعض لوگوں کو یہ خدمت سپرد ہے کہ وہ پولیس کی وردی نہیں رکھتے اور عام لوگوں کی طرح سفید پوش رہتے ہیں اور پردہ میں بدمعاشوں کو تاڑتے رہتے ہیں پس یہ بھی ایک قسم کا مکر ہے مگر نیک مکر...''

لوگوں کے شر سے معصوم لوگوں کو بچانا یہ نیکی کا کام ہے۔پس پولیس اگر اپنے پولیس کے لباس کے بغیر سادہ عام لباس میں نگرانی کرتی ہے تو اُس کا نام جھوٹ ہے نہ مکر شر ہے بلکہ مکر خیر ہے مگر یہی چیز کوئی چور اختیار کرتا ہے اور پولیس کا لباس پہن کر حملے کرتا ہے تو یہ مکر شر بن جاتا ہے۔لباس بدلنے کا نام نہ شر ہے نہ خیر وہ نیت یا مقصد اس کو شر یا خیر بناتے ہیں جن کی وجہ سے لباس تبدیل کرنے کی کارروائی کی جاتی ہے۔پس یہ بھی ایک قسم کا مکر ہے مگر نیک مکر ہے۔

''...ایسا ہی طالب علم یا وکلاء یا ڈاکٹروں کا امتحان لینے والے یا کسی اور صیغہ میں جو ممتحن ہوتے ہیں وہ بھی نیک نیتی سے سوال بنانے کے وقت ایک حد تک مکر کرتے ہیں...''

یہ ہمارا روزمرّہ کا تجربہ ہے۔ممتحن بعض دفعہ بڑی چالاکی سے اس رنگ میں سوال بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو پوری طرح ہوشیار طالب علم نہ ہو وہ ٹھوکر کھا جائے اور اُس کے پوری طرح ہوشیار ہونے کا امتحان اس لئے لیا جاتا ہے کہ اُس مضمون پر عبور حاصل ہو گیا ہے کہ نہیں اور یہ مکر خیر ہے۔

''پس اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مکر جو خدا کی شان کے مناسب حال ہیں وہ اس قسم کے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ نیکوں کو آزماتا ہے اور بدوں کو جو اپنی شرارت کے مکر نہیں چھوڑتے سزا دیتا ہے اور اُس کے قانون قدرت پر نظر ڈال کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی مخفی رحمتیں یا مخفی غضب اس کے قانون قدرت میں پائے جاتے ہیں بعض اوقات ایک مکار شریر آدمی جو اپنے بدمکروں سے باز نہیں آتا بعض اسباب کے پیدا ہونے سے خوش ہوتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ان اسباب کے ذریعہ سے جو میرے لئے میسر آ گئے ہیں ایک مظلوم کو انتہا درجہ کے ظلم کے ساتھ پیس ڈالوں گا مگر انہی اسباب سے خدا اسی کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ خدا کا مکر ہوتا ہے جو شریر آدمی کو ان کاموں کے بدنتیجے سے بے خبر رکھتا ہے اور اُس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اس مکر میں اس کی کامیابی ہے۔... '' (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۹۹۔۲۰۰)

پس یہ بھی مکر کی ایک قسم ہے لیکن میں اب ایک ایسے مکر کا ذکر کرتا ہوں جس کا اُن آیات کریمہ میں ذکر ملتا ہے جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ سب سے بدمکر وہ ہے جو دین کے خلاف استعمال کیا جائے اور جس کے نتیجہ میں انسان خود بھی کجی پر قائم رہے اور دوسرے بنی نوع انسان کو بھی دھوکہ دے کر سچائی سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ مکر جب ترقی کرتا ہے تو جیسا میں نے شروع سے مضمون کو اس طرح اُٹھایا ہے کہ ایک انسان اپنی ذات میں مکر کرتا ہے، اپنے ماحول میں مکر کرتا ہے پھر قومی مکر ہوتے ہیں جس میں سیاسی مکر کی مثال دی تھی۔ اقتصادی مکر بھی ہیں اور بھی ہر قسم کے تمدنی مکر ہیں مگر سب سے زیادہ بھیانک جو قومی مکر کی صورت میں انسانوں پر بلائیں توڑ رہیں وہ سیاسی مکر ہیں اور ساری دنیا میں بدامنی کے ذمہ دار اکثر صورتوں میں سیاسی مکر ہی ہیں لیکن اس سے بہت بڑھ کر خطرناک مکر وہ ہے جو مذہبی مکر ہے جس کے ذریعہ انسان کو ہدایت سے باز رکھا جاتا ہے اور قرآن کریم نے اسی مکر کا ذکر ان آیات میں فرمایا ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنائیں فرمایا۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ اور کیا وہ شخص جو مردہ ہو اور پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا ہو اور اُس کے لئے ایک

ایسی روشنی مقرر کی ہو جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑا ہوا ہے اور اُن سے کسی وقت بھی نہیں نکلتا۔ اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھائے جائیں۔

اب یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ کون مردہ تھا جسے زندہ کیا گیا، کون وہ ہے جو اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اُن سے باہر آنے کا نام نہیں لیتا اس کو مزید واضح کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا۔ اسی طرح ہم نے تمام بڑی بڑی بستیوں اور قوموں میں ایسے بڑے لوگ پیدا کئے ہیں جو جرموں میں بڑے تھے۔ جو اپنے جرائم کے ذریعہ سے بڑی بڑی حیثیتیں اختیار کر گئے وہ بھی اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ہیں یا وہ لوگ جو بڑے لوگ تھے اور عواقب سے بے خوف ہو کر انہوں نے بڑے بڑے جرم کئے وہ بھی اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا میں آتے ہیں۔ پس ایسی سوسائٹی جو بد ہو چکی ہو اُس کے بڑے لوگ بدترین ہوتے ہیں اور مذہب میں جب مذہب بگڑ جائیں تو اُن کے بڑے لوگ یعنی علماء بدترین ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے مضمون کو وہ حدیث واضح فرماتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے رسول محمد ﷺ نے ہمیں اطلاع دی کہ جب زمانہ بگڑے گا اور لوگ اسلام کے نام پر دھوکہ دیں گے تو فرمایا **علماء هم شر من تحت اديم السماء** (مشکوۃ کتاب العلم والفضل صفحہ:۵۸) ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔

پس وہی مضمون ہے۔ جس حالت پر بھی اطلاق پائے گا جب شر پھیل جائے تو اُس سوسائٹی کے بڑے لوگ اپنے دائرہ کار میں سب سے زیادہ شریر ہوتے ہیں۔ اگر سیاست میں شر ہے تو وہ سیاسی راہنما سب سے زیادہ شریر ہیں جن کی وجہ سے شر پھیلتا ہے یا افزائش پاتا ہے۔ فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا اور وہ پھر مکر کرتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ جہاں بھی سوسائٹی بد ہو جائے وہاں بڑے لوگ ضرور مکر سے کام لیتے ہیں نہ سیاست پاک رہتی ہے، نہ تمدن پاک رہتا ہے، نہ اقتصادیات پاک رہتی ہیں اور بد سوسائٹی کے بڑے لوگ لازماً مکر سے کام لے رہے ہوتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کا ایک ایسا نکتہ ہے جس پر میں نے غور کر کے چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھا تو یہ حیرت انگیز راز مجھے سمجھ میں آیا جو آج کی سوسائٹی پر اطلاق پاتا ہے اور

بڑے لوگوں کے کردار کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے لیکن وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ یہ جو بھی مکر کرتے ہیں یہ اُن پر اُلٹایا جائے گا بالآخر اس کے نقصانات ان کو ضرور پہنچیں گے۔ پس یہ دنیا جو بعض دفعہ بڑی بڑی ہولناک جنگوں میں دھکیل دی جاتی ہے یہ اسی آیت کی سچائی کی دلیل ہوتی ہیں ایسی جنگیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ سیاستدان جنہوں نے چالاکیوں سے خوب کام لیا، مکر وفریب کو خوب استعمال کر کے اپنی قوم کی بڑائی کی خاطر یا دوسری قوم کو نیچا دکھانے کے لئے ہر قسم کے دھوکے دیئے بالآخر جنگوں میں مبتلا ہو کر خود بھی ہلاک ہوئے اور اپنی قوموں کو بھی حد سے زیادہ عذاب میں مبتلاء کر دیا تو یہ صورتحال ہے یہ مذہبی دنیا میں بھی بالآخر اسی طرح انجام پذیر ہوتی ہے۔ جو مذہب میں دھوکہ دینے والے ہیں وہ پھر ضرور پکڑے جاتے ہیں۔ دنیا والے دنیا میں مکر کرتے ہیں وہ جب پکڑے جاتے ہیں تو اپنے ہی مکروں کے جال میں پھنستے ہیں اور مذہب میں جو دھوکہ دیتے ہیں ان کا براہ راست خدا سے مقابلہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ٹکر لیتے ہیں اس لئے ان کا حال ہر دوسرے مکر کرنے والے سے زیادہ بدتر ہوتا ہے۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ جب بھی کوئی دعویدار آتا ہے۔ اُن کے سامنے کوئی نشان ظاہر ہوتے ہیں تو بڑی طعن کے ساتھ اور تکبر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ویسے نشان نہ دکھاؤ جیسے اللہ کے رسولوں کو دکھائے جاتے تھے اور یہ معاملہ خدا کے ہر رسول سے ہی کیا جاتا ہے۔ یہ آواز جو ہر طرف سے آپ کے کانوں میں پڑتی ہے کہ ہم مرزا صاحب کو نہیں مانیں گے جب تک وہ نشان نہ دکھائیں جو خدا کے پہلے رسولوں نے دکھائے تھے یہ کوئی نئی آواز نہیں ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ ہر دعویدار کو یہی کہا گیا کہ تو کہاں سے رسول آ گیا۔ ہمیں رسولوں والے نشان دکھا اور یہ بدنصیب ہمیشہ رسولوں والے نشانوں کو پہچاننے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ کیسی نکتے کی اور گہری نفسیاتی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا اصل بات یہ ہے کہ تم پسند نہیں کرتے کہ جس شخص کو مقرر کیا گیا ہے اُسے مقرر کیا جائے یہ ہے ساری بات۔ ایک شخصی تنافر ہے۔ ایک اختلاف ہے جو تمہارے اور اس شخص کے مزاج اور اس کی شخصیت کا اختلاف ہے تو یہ بات تو اس طرح نہیں چلے گی اللہ فیصلہ کرے گا تم نے پسند کے مطابق جو لیڈر چنے ہیں وہ تو ہمیشہ بدترین ہوتے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کر دیا گیا۔ مذہب میں

بھی بدترین اور سیاست میں بھی بدترین اور تمدن میں بھی بدترین اور اقتصادیات میں بدترین اور اب خدا کو کہتے ہو کہ وہ تمہارے مشورے سے کارروائی کرے اور تمہارے مزاج کے مطابق لیڈر بنائے یہ نہیں ہوگا۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ جانتا ہے کہ یہ فیصلہ خدا کرے گا کہ اس نے کس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجنا ہے اور کس کو نہیں بھیجنا۔ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ یقیناً وہ لوگ جو جرم کرتے ہیں ان کو صغار پہنچے گی یعنی وہ اللہ کے نزدیک چھوٹے ہوں گے، ذلیل کر کے دکھا دیئے جائیں گے اور جب کوئی اللہ کے نزدیک چھوٹا بنا دیا جائے تو پھر دنیا کی تقدیر بھی اس کو چھوٹا بنا کر دکھاتی ہے اور آخرت میں اس سے جو سلوک ہوگا وہ تو ظاہر ہے فرمایا وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ اور ان کے لئے شدید عذاب مقرر ہے اس سبب سے کہ وہ مکر سے کام لیتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عبارت کے آخری حصہ میں جو میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی ہے یہ بیان فرمایا ہے کہ

> ’’ایسا شخص جو دین میں مکر سے کام لیتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ اسباب کے ذریعہ جو میسر آ گئے ہیں ایک مظلوم کو انتہا درجہ کے ظلم کے ساتھ پیس ڈالوں گا۔‘‘

یہ مکر حضرت محمد ﷺ کے خلاف سب سے زیادہ استعمال کئے گئے۔ ہر قسم کے مشورے ہوئے، کارروائیاں ہوئیں اور دعویٰ یہ تھا کہ ہم اس جھوٹ کو اور فریب کو پنپنے نہیں دیں گے اور عمل یہ تھا کہ سچائی کے خلاف ہر قسم کے جھوٹ اور فریب سے خود کام لے رہے تھے۔ بعینہٖ یہی شکل آج احمدیت کو درپیش ہے، اسی صورتحال کا سامنا ہے، ہمارے سامنے جتنے دشمن ہیں وہ مکر سے کام لیتے ہیں مگر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ شریر اس کام کے نتیجہ سے بے خبر رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اُس کے اصل نتیجہ سے بے خبر رکھتا ہے۔ اس کی ایک بڑی کھلی مثال یہ ہے کہ جب ضیاء الحق صاحب نے جماعت کے خلاف وہ بدنام زمانہ آرڈیننس جاری کیا جس کے نتیجہ میں جماعت کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو ایک بہت بڑی سازش اس سے پہلے تیار ہو چکی تھی اس کے بعد اس کا ایک حصہ ظاہر کیا گیا اور وہ یہ تھی کہ جماعت احمدیہ کی خلافت کا نظام ختم کیا جائے اور کوئی

بہانہ رکھ کر خلیفہ وقت کو قید کیا جائے ، پھر اس کو قتل کیا جائے یا پھانسی چڑھایا جائے اور دنیا میں بدنام کیا جائے کہ ایک مجرم کے طور پر ہم اس کو پھانسی دے رہے ہیں اور اس کا انتقام نظام خلافت سے لیا جائے کہ یہ نظام اتنا خطرناک ہے یہ تو لوگوں کے لئے قتل و غارت کے لئے وقف ہو چکا ہے اور خلافت اور دنیا میں شر پھیلانا ایک ہی چیز کے دو نام بن گئے ہیں ۔اس لئے ہم خلافت احمدیہ کو اپنے ملک میں تو نہیں چلنے دیں گے۔ یہ Institution ختم کی جاتی ہے یعنی جو نظام خدا جاری کرتا ہے، جو تیرہ سو سال انتظار کے بعد خدا تعالیٰ نے جاری فرمایا ان بدبختوں نے اپنے مکر سے اسے مٹا دینا چاہا۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

(الصّف:۹)

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنے مکر کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ یہ نہیں ہوگا۔ اللہ نے جو نور جاری فرمایا اُس کو اختتام تک، درجہ کمال تک زندہ رکھے گا اور اُس کی حفاظت فرمائے گا۔ چنانچہ خدا نے اس کے مقابل پر جو مکر خیر کئے ہیں ان کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ساری تفصیل تو غالباً پہلے بھی آپ کے سامنے بیان کی جا چکی ہے۔ مختصراً یہ بتا دیتا ہوں ۱۹۸۴ء میں جو منصوبہ منظر عام پر آیا ہے اس کی تیاری بہت پہلے سے ہو چکی تھی۔ ۱۹۸۳ء کے شروع ہی میں حکومت کی طرف سے باقاعدہ ایک حکم جاری ہو چکا تھا کہ جماعت احمدیہ کا سربراہ اس ملک کو ملک کی کسی سرحد سے کسی ذریعہ سے بھی چھوڑ کر نہیں جاسکتا اور اب تک کے شواہد یہ ہیں کہ یہ حکم ضیاء الحق صاحب نے خود لکھوایا تھا اور اسی میں اللہ تعالیٰ نے جماعت کے حق میں ان سے مکر خیر کرایا جو ان پر مکر شر بن کر پڑا۔ ان کو چونکہ مرزا ناصر احمد کہنے کی عادت تھی اور اپنے اقتدار کا اکثر حصہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خلافت میں گزارا ہے تو ان کے منہ سے مرزا ناصر احمد کے الفاظ نکل گئے کہ

Mirza Nasir Ahmad ,Head of the Ahmadiyya community can not leave the country...

یا جو بھی آگے تفصیل تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو حکم تھا وہ اسی طرح جاری رہا اگر وہ حکم کسی چھوٹے افسر نے بنایا ہوتا تو اس کی تو انہوں نے کھال ادھیڑ دینی تھی کیونکہ جس پاسپورٹ آفیسر کی طرف سے مجھے پاسپورٹ جاری ہوئے تھے سارے ملک کی مختلف ایجنسیاں اُس کے پیچھے پڑ گئی تھیں لیکن چونکہ

اُس نے کوئی خلاف قانون بات نہیں کی تھی۔ اُس نے وہ آرڈر اُن کو دکھایا اور بار بار دکھانا پڑا کہ دیکھ لو اس میں مرزا ناصر احمد کو پاسپورٹ دینا منع ہے، مرزا طاہر احمد کو دینا تو منع نہیں ہے مگر غلطی اُن سے کروائی گئی۔ یہ غلطی خدا کے اس مکر خیر کے جاری ہونے کا ایک ذریعہ بنی ہے جو سارے عالم میں ظاہر ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے احمدیت کو مٹانے کا جو شر کیا تھا اس مکر کو خدا نے اس شان سے ان پر اُلٹایا ہے کہ وہی کارروائی ساری دنیا میں احمدیت کی نشوونما اور حیرت انگیز ترقی کا موجب بنی ہے۔ میں بسا اوقات سوچتا ہوں جب میں آیا تھا تو کتنی تکلیف میں آیا تھا اور اپنے پیاروں کی یاد آج بھی تکلیف دہ ہے لیکن آج میں نے یہاں آکر غور کیا ہے کہ جماعت کی جو ترقیات یہاں آنے سے وابستہ تھیں اب اگر میں واپس لوٹایا جاؤں اور مجھے پتا ہو کہ یہ تکلیفیں ہوں گی اور یہ یہ ترقیاں ہوں گی تو میں بلا تردد ان تکلیفوں کو قبول کروں گا اور پھر ہجرت پر آمادہ ہو جاؤں گا کیونکہ جو منافع خدا نے اس ہجرت کے ساتھ وابستہ فرما دیئے اُس کا تصور بھی وہاں بیٹھے نہیں ہو سکتا تھا۔ اتنے وسیع رابطے، خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا میں اس قدر احمدیت کی شان، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام دنیا کے کونے کونے تک پہنچنا، آپ کی نمائندگی میں آپ کے اس غلام کی آواز کا دنیا کے کناروں تک پہنچ جانا، یہ سارے مولوی کے مکر شر کے قصے ہیں جن کو خدا نے مکر خیر سے مغلوب کر دیا اور اس کے شر کے ہر پہلو کو خیر میں تبدیل فرما دیا۔

یہ وہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں کہ یہ پاگل سمجھتے ہیں کہ اپنے مکر سے ایک مظلوم کو پیس ڈالیں گے اس کا کچھ باقی نہیں رہنے دیں گے مگر خدا کی تقدیر اُس کی پشت پر کھڑی ہوتی ہے اور وہ اُن کو ان نتائج سے غافل رکھتی ہے جو اُن کی تدبیروں کے نتیجہ میں ظاہر ہونے ہیں۔ کسی کو پتا نہیں تھا کہ ان تدبیروں کا کیا نتیجہ نکلے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے وہ نتیجہ نکال کر دکھا دیا۔ پس مکر شر اور مکر خیر کے مضمون کو خوب اچھی طرح سمجھیں اور اس معاملہ میں دھوکہ نہ کھائیں۔

احمدیت کے مخالف علماء جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں لڑائی میں مکر کی اجازت دی ہے اس لئے ہم جو چاہیں وہ کریں۔ احمدیت کو نیچا دکھانا ہے کیونکہ یہ باطل ہے اور باطل کے خلاف ہر قسم کا مکر جائز ہے، یہ اتنا جھوٹا دعویٰ ہے اور اتنا بے بنیاد دعویٰ ہے کہ اس کی حقیقت کھولنے

کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ حق پر شان کے ساتھ قائم ہوئے اور اس جلوے کے ساتھ ظاہر ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی کوئی نبی اس شان اور استقلال کے ساتھ حق پر قائم نہیں ہوا تھا ایسا عالمی جلوہ کبھی کسی نے نہیں دکھایا۔ جلال بھی تھا، جمال بھی تھا، اس شان کے ساتھ آپ دنیا میں اللہ کا نور بن کر چمکے ہیں کہ مشرق اور مغرب دونوں کو برابر روشن کر دیا اور اس حق کو پھیلانے کے لئے ساری زندگی ایک ادنیٰ سے مکر سے بھی کام نہیں لیا۔ سب سے بڑی لڑائی آپؐ کے وقت میں جاری ہوئی ہے اور قرآن کریم پڑھ کر دیکھیں۔ ان آیات کو غور سے سنیں جن کی میں نے تلاوت کی ہے اور ان کے مضمون پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ حق کے دشمن نے اس دعویٰ کے ساتھ مکر سے کام لیا کہ ہمارا مدمقابل باطل پر ہے اس لئے ہمیں حق ہے کہ ''باطل'' کو باطل اور جھوٹ کو فریب کے ذریعہ مٹانے کی کوشش کریں اور سارے انبیاءؑ کی تاریخ میں، آدمؑ سے لے کر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے زمانے تک قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ ایک بھی ایسا نبی نہیں جس نے حق پر ہوتے ہوئے باطل کے خلاف مکر سے کام لیا ہو۔ سارے مکر اُن کے سپرد ہو گئے تھے کہ جو چاہتے ہو کر ڈالو لیکن حق کو باطل کی ضرورت نہیں ہے۔ حق کو مکر کی ضرورت نہیں ہے اس لئے یہ اس فریب میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ اگر حق پر ہیں تو حق کی خاطر مکر سے کام لے سکتے ہیں۔ حق اور باطل کی جو لڑائی ہے اس لڑائی کو اس وجہ سے کہ **الحرب خدعة** میں حرب کہہ کر خدعة کی اجازت دی گئی ہے غلط نہ سمجھیں اس لڑائی میں حق کی طرف سے کوئی دھوکہ نہیں ہے۔ جو نظریات کی جنگ ہے جس میں حق اور باطل کا مقابلہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا اس جنگ پر آنحضرت ﷺ کا وہ مقولہ صادق نہیں آتا کیونکہ وہ مراد نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی اگر یہ مراد ہوتی کہ نظریاتی جنگوں میں بھی اہل حق کو میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ ہر قسم کے دھوکے اور فریب سے کام لیں تو سب سے بڑی جنگ تو آپؐ لڑ رہے تھے۔ سب سے بڑے حق پر تو آپؐ قائم تھے۔ باطل کی سب سے زیادہ خطرناک سازشوں کا تو آپ کو سامنا تھا ایک آپ کے کردار میں سے معمولی سی جھلک بھی دکھائیں جہاں آپ نے نظریاتی جنگ میں کسی قسم کے دھوکے یا تلبیس سے کام لیا ہو۔ کھلی کھلی کتاب ہے۔ آج بھی آپ کے سامنے ویسی ہی ہے جیسی ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر نازل ہوتی تھی ایسی روشن ایسی بین کتاب ہے کہ ایک ادنیٰ سا بھی سایہ اس پر کسی تلبیس اور دھوکے کا نہیں ہے۔ قول سدید

اور صاف بات کر کے سچائی کے ساتھ اسلام کو پھیلایا گیا اور جھوٹ کا سہارا نہیں لیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک جنگ کے موقع پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے سامنے مشرک پہلوان کو پیش کیا گیا جس کا سارے عرب میں دبدبہ تھا۔ یہ غالباً جنگ بدر کی بات ہے۔ وہ فن حرب کے لحاظ سے بہت شہرت رکھتا تھا۔ اُس نے اہل مکہ سے اپنا ذاتی انتقام لینا تھا اور اس غرض سے اس نے سوچا کہ اب مسلمانوں کی اُن سے لڑائی ہو رہی ہے، یہ کمزور ہیں، ضرورت مند ہیں، میں ان کے ساتھ شامل ہو کر اپنے بدلہ اُتاروں گا۔ کسی صحابیؓ نے بڑی خوشی کے ساتھ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! مبارک ہو۔ بہت زبردست نامی پہلوان ہمارے ہاتھ آیا ہے اور وہ تیار ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر دشمنوں کے خلاف جنگ کرے۔ آپؐ نے فرمایا وہ مشرک ہے۔ عرض کیا گیا ہاں مشرک ہے۔ تو فرمایا مجھے اپنی سچائی کے لئے اور توحید کے لئے کسی مشرک کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ (مسلم کتاب الجہاد والسیر حدیث نمبر: ۳۳۸۸)

کیسا پاک رسولؐ ہے۔ آپؐ کے کردار کی کیسی عظمت ہے۔ آپؐ کی سچائی کی روشنی دیکھیں تو آج بھی نظر چندھیاتی ہے۔ وہ اتنا خوفناک وقت تھا کہ جس کے مضمرات آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے خدا کے حضور بلکتے ہوئے وہ وقت گزارا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آپؐ کی حفاظت کے لئے آپؐ کے ساتھ خیمہ میں تھا۔ اس قدر کرب تھا اور اس قدر بے قراری سے آپؐ دعائیں کر رہے تھے کہ روتے روتے آپؐ کی چادر بار بار کندھوں سے گرتی تھی یا چوغہ گرتا تھا اور میں سنبھال سنبھال کر دوبارہ رکھتا تھا۔ اور دعا یہ کر رہے تھے کہ **اللّٰھم ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابدا** (مسلم کتاب الجہاد والسیر حدیث نمبر: ۳۳۰۹) اے میرے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت میدان میں ماری گئی تو دنیا میں پھر تیری کبھی عبادت نہیں کی جائے گی۔ اتنے بڑے مقصد کو اتنا بڑا خطرہ درپیش ہے اور باطل کی طرف سے مدد آئی ہے مگر کس شان کے ساتھ، کس استغناء کے ساتھ اس کا انکار فرمایا کہ جاؤ جاؤ کہ مجھے کسی مشرک کی ضرورت نہیں اور آج احمدیت کے خلاف ہر قسم کے جھوٹ ہر قسم کے مکر، ہر قسم کے فریب سے کام لیا جا رہا ہے یہاں تک کہ سچ ان کے موافق ہی نہیں آتا۔ جھوٹ پر مجبور ہیں اور یہ ہے حق کی شان کہ اس کا مخالف لازماً جھوٹ اور فریب اور مکر پر مجبور ہو جایا کرتا ہے کیونکہ اگر وہ سچی بات کریں تو سچی بات تو خوبصورت ہوتی

ہے دنیا تو سچے کا حسن دیکھ کر لازماً اُس کے عشق میں مبتلا ہو جائے گی۔اس لئے سچ کے خلاف فریب کاری کی ضرورت ہے اور جھوٹ کے خلاف فریب کاری کی ضرورت نہیں کیونکہ جھوٹ ہوتا ہی گندا ہے اور مکروہ ہے اس لئے اور نقطہ نگاہ چھوڑ دیجئے عقل کے عام سیدھے سادھے نقطہ نگاہ سے بھی سچ کو فریب کاری کی ضرورت نہیں ہے اور جھوٹ محتاج ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق ہمیشہ ایسی جھوٹی باتیں بیان کی جاتی تھیں جن کے نتیجہ میں لوگ آپؐ سے متنفر ہوں۔اگر آپؐ کے دشمن آپؐ کی سیرت کا سچا حال بیان کرتے تو کس نے متنفر ہونا تھا۔لوگ تو دوڑ دوڑ کر والہانہ آ کر اپنی جان مال عزتیں آپؐ کے قدموں پر نچھاور کرتے اس لئے ہمیشہ باطل کو مکر و فریب کی ضرورت ہوتی ہے۔سچ کو ضرورت ہی کوئی نہیں ہوتی۔

آنحضرت ﷺ سے متعلق اس طرح جھوٹ اور فریب سے کام لیا جاتا تھا کہ جس قسم کا کوئی شخص ہو اس کے مزاج کے مطابق اُس کے سامنے جھوٹ گھڑا جاتا تھا۔قرآن کریم نے اس کی مختلف قسمیں بیان فرمائیں ہیں۔ایک بڑھیا عورت کے متعلق روایت آتی ہے کہ وہ ایک دفعہ باہر کسی قبیلہ سے مکہ آئی اور اس کو یہ بتایا گیا کہ وہ شخص بڑا جادوگر ہے اس سے بچ کر رہنا اور عام طور پر بڑی بوڑھی عورتیں جو ہیں وہ جادو سے بڑی ڈرتی ہیں تو وہ بڑی سخت خوفزدہ تھی کہ میں اس بستی میں جارہی ہوں جہاں اتنا خطرناک جادوگر رہتا ہے۔بوجھ اُٹھایا ہوا۔بوجھ سے دوہری ہوئی ہوئی، پہلے ہی بوڑھی اوپر سے بوجھ زیادہ جگہ جگہ پوچھتی پھرتی کہ جادوگر کون ہے، کہاں ہے کہیں میں اس رستے نہ گزروں کسی نے اس کی پرواہ نہ کی۔بات کرتی تھی اور سننے والا آگے گزر جاتا یہاں تک کہ ایک ایسا شخص سامنے آیا جس نے بڑی توجہ سے ہمدردی سے اس کی بات کو سنا اور اس نے کہا! بی بی میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ کون ہے تم نے بہت بوجھ اُٹھایا ہوا ہے۔آؤ میں تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دیتا ہوں۔بوجھ مجھے اُٹھا دو اس کا سامان اُٹھایا۔اُسے منزل تک پہنچایا۔جب سامان وہاں رکھا تو یہ کہا کہ وہ جادوگر میں ہوں اور اس لئے پہلے اس کو نہیں بتایا کہ کہیں وہ گھبرا کر اس فائدے سے محروم نہ ہو جائے جو آپؐ اس کو پہنچانا چاہتے تھے۔اس بڑھیا نے دیکھیں کیسی عقل کا جواب دیا۔اس نے کہا اے جادوگر اگر تو وہی جادوگر ہے تو سن کہ تیرا جادو چل گیا ہے اور میں تیرا کلمہ پڑھتی ہوں تو سچا ہے۔تو سچائی کا جادو تو اس طرح چلتا ہے جسے فریب کی ضرورت نہیں ہے۔یہ فریب ہے جو سچائی کے مقابل پر بار بار مات کھاتا

ہے اور پھر بھی یہ جاہل اور ظالم لوگ فریب کاری سے باز نہیں آتے۔

احمدیت کے متعلق میں نے ایک دفعہ Test case مباہلہ کے سلسلہ میں بھی پیش کیا تھا۔ میں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے متعلق جو باتیں کہتے ہیں وہ اربعے لگا کر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم سے پوچھو تو ہم وہ ہیں ہی نہیں یہ کیا وجہ ہے کہ آج تک جماعت احمدیہ نے کبھی کسی مذہب، کسی فرقے کی طرف ایسا عقیدہ منسوب نہیں کیا جس میں انہوں نے آگے سے کہا ہو یہ ہمارا عقیدہ نہیں۔ کوئی دنیا میں ایک مثال قائم نہیں کرسکتا۔ جب ہم مقابلہ کرتے ہیں تو سچائی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر بہائیوں سے ٹکر ہے تو بہائیوں کو وہ بات کہیں گے جو وہ مانتے ہیں جو اُن کے عقیدے میں داخل ہے۔ جب ہندوؤں سے بات کرتے ہیں تو اُن کے وہ عقیدے لیتے ہیں جن عقیدوں پر وہ قائم ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ بعض علماء بھی میری مجلس سوال و جواب میں آیا کرتے تھے اور جب وہ دیکھتے تھے کہ ہم ہمیشہ وہی بات کرتے ہیں جو مدمقابل کے عقیدے میں داخل ہے تو بعض دفعہ یہ فریب دینے کی بھی کوشش کرتے تھے کہ عوام الناس کے سامنے کہہ دیا کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے۔ تو میں ہمیشہ کہتا تھا کہ الحمدللہ اگر یہ آپ کا عقیدہ نہیں تو آپ احمدی ہیں کیونکہ یہی احمدیوں کا عقیدہ ہے۔ پھر جھگڑا کس بات کا ہے، پھر آپ اختلاف کیا کر رہے ہیں۔ آیئے ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ پس حق کے لئے کوئی خطرہ اور کوئی خوف نہیں۔ اگر جھوٹا فریب کاری سے کام لے گا تو فریب بھی اس پر آئے گا۔

اس لئے جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے قلعہ میں محفوظ ہے اور مامون ہے جو قرآن کریم نے حق کا قلعہ قائم فرمایا ہے۔ اس کی ساری دیواریں سچائی پر مبنی ہونی چاہئیں۔ پہلی اینٹ بھی سچائی پر مبنی ہونی چاہئے اور یہ عمارت مسلسل سچائی کی اینٹوں پر بلند ہونی چاہئے، اس کے آخری کنکر بھی سچائی پر مبنی ہونے چاہئیں۔ یہ وہ قلعہ ہے جس میں جماعت احمدیہ کے لئے امن ہے اور جس میں جماعت احمدیہ کے لئے حفاظت ہے۔ ہر قسم کے مکروفریب کو چھوڑ کر اس امن کے قلعہ میں داخل ہوں۔ یہ سچائی کا قلعہ ہے جو آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ اس قلعہ میں داخل ہوں گے تو دشمن کی طاقت نہیں کہ آپ کے خلاف کوئی کاری حربہ استعمال کر سکے۔ حربے تو استعمال کرتا رہے گا مگر ہر حربہ اس کے لئے بے معنی اور بے مقصد اور بے فائدہ ثابت ہوگا بلکہ بسا اوقات اس کے اپنے حربے اُس کے

خلاف اُٹھیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی پیاری نصیحت فرمائی ہے وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

زبان سے خواہ سچی بات بھی ہو، کیسی اچھی بھی کی گئی ہو یہ کافی نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ جب تک دل سچا نہ ہو جائے اور دل کی گہرائی ہے بات نہ نکلے اُس وقت تک دلوں پر فتحیاب نہیں ہوسکتی۔ تو نہ صرف اپنے قول کو سچا کریں بلکہ اپنے عمل کو بھی سچا کریں۔ اپنے دل کی گہرائی میں پرورش پانے والی نیتوں کو سچا کرلیں۔ اگر آپ ظاہر اور باطن اور اوپر سے نیچے تک سچے ہو جائیں گے تو لازماً آپ کی فتح ہوگی۔ کچھ دیر کے لئے دھوکے باز فریب کاری سے کام لے کر دھوکہ دے دیا کرتا ہے مگر سچ آخر ضرور کھلتا ہے اور کھلتا ہے اور پھولتا ہے اور پھلتا ہے اور لازماً پنپتا ہے۔ سچ ہی کو غالب آنا ہے لیکن ترکیب وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن وسنت کا عرفان حاصل کر کے پیش فرمائی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

>''خدا تعالیٰ نے انسان کو زبان دی اور ایک دل بخشا ہے۔ صرف زبان سے کوئی فتح نہیں ہوسکتی۔ دلوں کو فتح کرنے والا دل ہی ہوتا ہے جو قوم صرف زبانی ہی زبانی جمع خرچ کرتی ہے یاد رکھو وہ کبھی بھی فتح یاب نہیں ہوسکتی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ دیکھو کہ کیا اُن کے پاس کوئی ظاہری سامان تھے؟ ہرگز نہیں مگر پھر بایں ہمہ کہ وہ بے سروسامان تھے اور دشمن کثیر اور ہر طرح کے سامان اُسے مہیا تھے اُن کو خدا تعالیٰ نے کیسی کیسی بے نظیر کامیابیاں عطا کیں۔ بھلا کہیں کسی تاریخ میں ایسی کامیابی کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ تلاش کر کے دیکھ لو مگر لاحاصل۔ پس جو شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کی دنیا ٹھیک ہوجاوے۔ خود پاک دل ہوجاوے نیک بن جاوے اور اُس کی تمام مشکلات حل اور دکھ دور ہوجاویں اور اس کو ہر طرح کی کامیابی اور فتح ونصرت عطا ہو تو اُس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا کامیاب ہوگیا، بامراد ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے

تمام خرابیوں اور بیماریوں کا ایک ہی حل ہے کہ عبادت پر قائم ہو جائیں۔ جھوٹ کے بتوں کو اپنے گھروں سے اکھیڑ پھینکیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۹۲ء بمقام ناصر باغ جرمنی)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

گزشتہ کچھ عرصے سے تبتل الی اللہ کے مضمون پر خطبات کا ایک سلسلہ جاری ہے جس میں میں تفصیل کے ساتھ جماعت کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جب ہم سے توقع رکھتا ہے کہ ہر دوسرے سے کٹ کر خدا ہی کے ہو رہو تو دوسروں سے کٹنے سے مراد کیا ہے؟ زندگی کے کن کن شعبوں میں انسان کی راہ میں کون کون سے بت حائل ہوتے ہیں جو اللہ کی راہ روک دیتے ہیں اور خدا کی طرف بندے کے انقطاع کے رستے میں حائل ہو جاتے ہیں۔

یہ سلسلہ چونکہ پاکستان میں بھی اور ہندوستان بھی اور مشرق کے دُور دراز کے ممالک تک بھی ممتد تھا یعنی وہاں تک کہ یہ آواز بھی پہنچ رہی تھی اور تصویریں بھی اس لئے میں نے سوچا ہے کہ اُس وقت تک اسے عارضی طور پر بند کر دیا جائے جب تک کہ دوبارہ ان تمام ممالک سے رابطہ قائم نہ ہو جائے، جن کو اس مضمون سے کچھ ہی حد تک آشنائی ہو چکی ہے اور جب دوبارہ خطبات کا عالمی نظام شروع کیا جائے تو وہ یہ محسوس نہ کریں کہ اس عرصے میں بہت سے سلسلے کے ایسے Televise خطبات تھے جن سے ہم محروم رہ گئے ہیں اس لئے سفر کے دوران جب تک یہ سلسلہ منقطع ہے میرا خیال ہے کہ متفرق امور پر حسب حالات مختلف ممالک کی جماعتوں کو اُن باتوں کی طرف توجہ دلاؤں گا

جو باتیں خصوصیت کے ساتھ ان کی توجہ کی مستحق ہوں۔

جرمنی کے نقطہ نگاہ سے میں نے چند امور نوٹس کی صورت میں لکھے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض ایسے دوستوں نے مجھے توجہ دلائی جو پاکستان سے جرمنی کے دورے پر تشریف لاتے رہے ہیں اور بلاکم و کاست اور بے لاگ اُنہوں نے جو کچھ محسوس کیا اُس سلسلے میں انہوں نے مجھے بھی متوجہ کیا۔ سب سے اہم بات جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ نمازوں میں سستی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ بہت سے نوجوان ایسے ہیں جنہوں نے ابھی تک نمازوں کی طرف کما حقہٗ توجہ شروع نہیں کی حالانکہ عبادات کے متعلق میں نے مسلسل لمبے عرصے تک خطبات دیئے اور ہر پہلو سے جماعت کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جب تک جماعت عبادات پر قائم نہیں ہو جاتی نہ احمدیت کسی کو فائدہ پہنچا سکتی ہے، نہ اس کے دنیا میں غلبہ پانے کے کوئی معنی ہیں کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۷﴾ (الذریٰت: ۵۷) کہ میں نے عبادت کی غرض کے سوا کسی اور غرض سے انسان کو پیدا نہیں کیا۔ انسان کو اور جن کو دونوں کو پیدا کیا ہے تو عبادت کی غرض سے کیا ہے۔ پس اگر انسان کی پیدائش کی غرض ہی پوری نہ ہو تو باقی ساری باتیں تو ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اسی جماعت سے تعلق ہے اور اسی سے رہے گا جو اس کی عبادت کا حق ادا کرتی ہے اور جب تک وہ یہ حق ادا کرنے کی کوشش کرتی رہے گی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، اس کے فضل، اُس کی نصرتیں ایسی جماعت کی شامل حال رہیں گے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ قیام عبادت کے لحاظ سے تمام دنیا کی دوسری مذہبی جماعتوں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ صرف عبادت کے ظاہر ہی کو نہیں پکڑتی بلکہ اس کی روح سے بھی فائدے کی کوشش کرتی ہے۔

جماعت کی بھاری اکثریت ایسی ہے جس نے رفتہ رفتہ عبادت کے مضمون کو سمجھ لیا ہے اور مسلسل کوشش کر رہی ہے کہ محض ظاہری طور پر کھڑے ہونا اور رکوع کرنا اور کھڑے ہونا اور سجدے میں گرنا عبادت نہ رہے بلکہ روح بھی ساتھ خدا کے حضور قیام پکڑے، روح بھی رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع میں جائے اور پھر کھڑے ہونے والے کے ساتھ خدا کے حضور ایستادہ کھڑی ہو جائے اور پھر جھکنے والے کے ساتھ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جائے۔ یہ وہ عبادت ہے یعنی جسم اور روح کی اکٹھی عبادت جو حقیقت میں انسان کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا کرتی ہے۔ وہ لوگ جو محض

کھڑے ہونے اور جھکنے اور سجدہ کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں یا ہونٹوں سے بعض لفظوں کو ادا کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ اُن کی ساری زندگی بھی عبادت میں خرچ ہو جائے تو اُن کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ صرف اتنا ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ یہ سوچتے ہوئے مریں گے کہ ہم نے خدا کی خاطر اُس کے حکم کی پابندی کی ہے مگر اُس حکم سے ان کو کیا فائدہ پہنچنا تھا اس سے اُن کو کوئی غرض نہیں۔ اسی لئے جماعت احمدیہ کو بار بار میں نے یہ سمجھایا کہ نماز کیا ہوتی ہے، کس طرح پڑھنی چاہئے ، کیا کیا ضروریات ہیں جن کو پورا کئے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی اور نماز کے دوران کیسی جدوجہد کی ضرورت ہے جو زندگی بھر انسان کے ساتھ رہتی ہے تا کہ نماز پڑھنے والا مسلسل پہلے سے بڑھ کر نماز سے فائدہ اٹھانے کی استطاعت حاصل کرتا چلا جائے۔

اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ اگر چہ دنیا میں بہت سے ممالک میں ایسے فرقے بھی ہیں جو ظاہری نماز کی پابندی میں جماعت احمدیہ کو بھی شرماتے ہیں لیکن وہ ایک ظاہری خول سا ہے جس کے اندر کوئی زندہ روح دکھائی نہیں دیتی۔ وہابی فرقے کے لوگ ہیں، بڑی بھاری تعداد میں، بہت بڑی اکثریت میں نمازیں ادا کرتے ہیں مگر اٹھنا بیٹھنا نماز کا نام ہے۔ روح کے اندر کوئی پاک تبدیلی پیدا نہیں ہوتی جو اُن کے اخلاق پر اثر انداز ہو۔ دیکھنے والا یہ محسوس کر سکے کہ یہ خدا والے لوگ ہیں، ان کے اندر بنی نوع انسان کی ہمدردی پیدا ہو، اللہ تعالیٰ سے محبت اور تعلق بڑھتا چلا جائے۔ یہ علامتیں ہیں جو زندہ عبادت کی علامتیں ہیں وہ اِن میں دکھائی نہیں دیتیں۔

پس اس پہلو سے جب میں کہتا ہوں کہ جماعت احمدیہ عبادت کے لحاظ سے دنیا میں بے مثل ہے تو محض ایک زبانی دعویٰ نہیں بلکہ حالات پر نظر ڈالتے ہوئے، حقیقت کے طور پر یہ بات بیان کرتا ہوں لیکن ساتھ ہی اس طرف بھی نظر جاتی ہے اور یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ جماعت میں نوجوانوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو نمازوں سے غافل ہے۔ جس نے ظاہر کی نماز ادا نہیں کی باطن کی اُس کی نماز کیسے ہوسکتی ہے؟ اگر چہ ایسے نماز نہ پڑھنے والے بعض دوسری باتوں میں دین سے محبت کی علامات رکھتے ہیں، مالی قربانی بھی پیش کر دیتے ہیں، جانی اور وقت کی قربانی بھی پیش کر دیتے ہیں لیکن جب نمازوں کا وقت آتا ہے تو اُن سے غافل ہو جاتے ہیں۔ گھروں میں بھی نمازوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ باجماعت نماز کے لئے جب مواقع میسر آتے ہیں تو سستی اور غفلت کی حالت میں

نماز میں شامل ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں اس چیز کو ایک بہت بڑی غلطی قرار دیا ہے، بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں ایسے نماز پڑھنے والے جن کا دل نماز میں نہ ہو جو سنجیدگی کے ساتھ نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر اُس کے آداب بجا نہیں لاتے، غفلت کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں اور غفلت کی حالت میں سلام پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ فرمایا اُن کی حالت یہ ہے لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (النساء:۱۴۴) نہ وہ اس طرف کے لوگ ہیں نہ وہ اُس طرف کے لوگ ہیں، نہ دین کے رہے نہ دنیا کے رہے۔ جس طرح ایک شاعر نے کہا ہے:

نہ ادھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا ، نہ وصال صنم

ایسی باتوں کا کیا فائدہ جو دنیا والوں سے بھی انسان کو توڑ دے اور خدا سے بھی تعلق قائم نہ کر سکے۔

پس عبادت کی طرف توجہ کرنا زندگی کا اہم ترین فریضہ ہے۔ عبادت کے قیام کی خاطر حقیقت میں دنیا میں مذاہب آئے اور تمام مذاہب کی ریڑھ کی ہڈی عبادت رہی ہے اور تمام مذاہب کی سب سے پہلی، سب سے اہم تعلیم عبادت ہی تھی چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ:٦) کہ کوئی بھی مذہب دنیا میں ایسا نہیں آیا جسے خدا نے یہ ہدایت نہ کی ہو کہ عبادت پر قائم ہو جاؤ۔ اللہ کی عبادت کرو مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ:٦)، حُنَفَآءَ لِلّٰهِ (الحج:۳۲) کے لفظ بھی آتے ہیں کہ اللہ کی طرف جھکتے ہوئے، ایسی حالت میں جھکتے ہوئے کہ جب گرو تو خدا کی طرف گرو اور دین کو خدا کی خاطر خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو تو جب دنیا کے ہر مذہب کو عبادت ہی کے قیام کی خاطر پیدا کیا گیا تو احمدیت اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں رکھتی اور نہ رکھ سکتی ہے۔

عبادت پر اگر انسان قائم ہو جائے یا جماعتیں قائم ہو جائیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ظاہر کو بھی سنجیدگی سے اُس کے تمام لوازمات کے ساتھ ادا کریں اور باطن میں بھی اپنے نفس میں بار بار ڈوب کر ہمیشہ اس بات کی تلاش میں رہیں کہ عبادت کے نتیجے میں اُن کی روح میں کوئی تبدیلی پیدا ہو رہی ہے کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد واقعۃً دل پر اثر انداز ہو رہی ہے کہ نہیں، وہ دل پر تموج کی کیفیت

آتی ہے کہ نہیں۔ اگر وہ نمازیں ادا کریں تو یقیناً یہ نمازیں نہ صرف خود کھڑی ہوں گی بلکہ پڑھنے والے کو بھی مستحکم کر دیں گی اور اُس کے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنی شروع کر دیں گی۔ جو لوگ اس طرح نماز نہیں پڑھتے اُن کو نماز میں لطف نہیں آتا اور لطف نہ آنے کے نتیجے میں وہ اور بھی زیادہ نماز سے غافل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مفت کی بیگار سی ہے۔ باقی باتوں میں ہم ٹھیک ٹھاک ہیں، چندے بھی دے دیتے ہیں، وقارِ عمل بھی کر دیتے ہیں، جماعت کے فنکشن اور تقریبات پر بھی چلے جاتے ہیں تو **چلو کوئی بات نہیں نماز نہ سہی۔ یہ بالکل جھوٹا تصور ہے، بالکل باطل، بے حقیقت، اگر نماز نہیں تو باقی کسی چیز کی بھی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ نماز خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرتی ہے اور جس کا خدا سے تعلق نہیں، اُس کا چندے دینا بھی بے معنی ہے، اُس کا وقار عمل کرنا بھی بے معنی ہے، اس کی ساری باتیں سرسری اور ایک ظاہری حیثیت اختیار کرتی ہیں اُن میں کوئی جان اور زندگی نہیں ہوتی وہ خدا کو پسند نہیں آتی۔**

عبادت کے قیام کے سلسلے میں میں بہت سی باتیں پہلے بیان کر چکا ہوں جن کو دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا لیکن اتنا ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ عبادت کرنے والا اگر ہمیشہ اپنے نفس میں اس بات کی تلاش کرتا رہے کہ نماز کے دوران میرا خدا تعالیٰ سے کچھ براہ راست تعلق قائم ہوا ہے یا نہیں، کوئی رابطہ بنا یا نہیں بنا اور اس تعلق اور رابطے کے نتیجے میں میرے دل میں کوئی تحریک پیدا ہوئی ہے یا کوئی تموج پیدا ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب آپ کسی محبوب سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں یا دنیا کے لحاظ سے کسی بڑے آدمی سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں خواہ وہ محبوب ہو یا نہ ہو تو جانے سے پہلے ہی خیالات میں ایسی ملاقات کے خیال میں گم رہتے ہیں اور خیالات کئی قسم کی باتیں سوچتے ہیں یعنی ذہن کئی قسم کی باتوں کو سوچتا ہے اور خیالات ان باتوں میں گم ہوتے ہیں کہ ہم یہ بھی کہیں گے اور وہ بھی کہیں گے، اگر شکایت ہے تو یہ شکایت کریں گے، اگر کوئی طلب ہے تو فلاں بات طلب کریں گے اور جب ملاقات شروع ہوتی ہے تو بعض دفعہ ملاقات کا اپنا لطف ان کے مزاج پر، ان کے دماغ، ان کے دل پر اس حد تک غالب آجاتا ہے کہ ساری سوچوں کی باتیں ان کہی میں ہی رہ جاتی ہیں اور انسان بغیر کہے ہی اُٹھ کے آجاتا ہے لیکن یہ کیفیت اس لئے ہے کہ انسان کے ذہن پر اُس ملاقات کے کرنے کا خاص اثر ہوا کرتا ہے۔ یعنی ملاقات سے پہلے ہی وہ اثر اُس کے ذہن، اُس کے دل پر

قبضہ جمالیتا ہے اور اُس کے نتیجے میں انسان وہ باتیں بھی نہیں کہہ سکتا جو اُس نے کہنی ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا تصور اگر صحیح ہو تو انسان کے دل و دماغ پر اتنی قوت کے ساتھ قبضہ جمائے گا کہ اس کی کوئی اور مثال دنیا میں دکھائی نہیں دے گی اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو اگر عارف باللہ کے حالات پر غور کیا جائے تو عارف باللہ کے آئینے سے دکھائی دے سکتی ہے۔ روزمرّہ کی زندگی میں عام انسان اس حقیقت کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے احادیث میں لکھا ہے کہ جب آپؐ نماز نہیں بھی پڑھ رہے ہوتے تھے تو دل نماز میں اٹکا ہوتا تھا۔

یہ وہی کیفیت ہے جو میں نے بیان کی ہے کہ خدا کے حضور باقاعدہ حاضری دینے کا تصور اتنا پیارا لگتا تھا اور اس سوچ میں آپ گم رہتے تھے کہ کب میں جاؤں گا اور کیا کیا باتیں اُس باقاعدہ نماز کی حالت میں کروں گا اور پانچ وقت نہیں پانچ وقت سے زیادہ مرتبہ آپ ﷺ خدا کے حضور باقاعدہ حاضر ہوتے تھے لیکن تعلق کا یہ عالم تھا اور خدا کی عظمت کا وہ ایک عظیم اثر آپ کے دل پر ایسا مسلط تھا، قائم ہو چکا تھا کہ ہر روز کی بار بار کی ملاقات بھی اُس اثر میں کمی پیدا نہیں ہونے دیتی تھی، اُس جذبے کو ہلکا نہیں کرسکتی تھی بلکہ دن بہ دن جہاں تک آپ کی عبادات کا حال درج ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلق بڑھتا ہی گیا اور دل نمازوں میں ہی اٹکا رہا۔ پس یہ ایک ایسی چیز نہیں ہے جو صرف بیان کرنے سے آ جائے یہ دل کے اندرونی تجربے کا نام ہے اور دل کا اندرونی تجربہ حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑے گی اور صحیح طریق پر، صحیح رُخ پر قدم اٹھانے پڑیں گے۔ **اسی لئے میں کوشش کرتا ہوں کہ جیسے بچے کو ہاتھ پکڑ کر چلایا جاتا ہے، جماعت کو بار بار نماز کے متعلق ہاتھ پکڑ پکڑ کر چند قدم چلا کر دکھاؤں کہ اس طرف نماز کا رُخ ہے، ایسی نماز جہاں نصیب ہوتی ہے اور اس طرح ادا کی جاتی ہے۔ پس وہ لوگ جو نمازوں میں سست ہیں، بہت بڑے محروم ہیں۔ اُنہوں نے اپنی زندگیاں ضائع کردیں اور آئندہ کے لئے بھی اُن کو کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔**

خصوصیت کے ساتھ جماعت جرمنی کو اس امر کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور تمام ذیلی تنظیموں کو بھی اس بات پر مستعد ہو جانا چاہئے کہ اُن کا کوئی ممبر بھی بے نمازی نہ رہے اور جہاں تک افراد کا تعلق ہے جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے یہ بات رکھی ہے۔ نماز کے وقت آپ اگر صرف یہ کوشش کرلیں کہ نماز میں کوئی ایک حالت آپ کو ایسی نصیب ہو جائے کہ خدا تعالیٰ سے بات کرتے ہوئے

آپ کے دل میں تموج پیدا ہو، ایک تحریک پیدا ہو جیسے کسی پیارے سے جب آپ ملتے ہیں تو اُس کی بعض باتیں یاد رہ جاتی ہیں۔ اُن ملاقاتوں کے بعض لمحات ایسے دل پر نقش ہو جاتے ہیں کہ ہمیشہ انسان اُن کی سوچوں سے ہی لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ نماز میں بھی کچھ اسی قسم کی کیفیات پیدا ہونی ضروری ہیں۔ وہی نمازیں زندہ ہیں جو دل میں حرکت پیدا کردیں، جو ایک ایسا تموج پیدا کردیں جس کی لہریں دیر تک باقی رہیں اور آپ کے دل و دماغ میں اُن کے نغمگی گونجتی رہے، اُن کا ترنم آپ کو لطف پہنچاتا رہے۔ یہ جو نغمگی اور ترنم ہیں۔ یہ تموج ہی کے دوسرے نام ہیں۔ تموج کا مطلب ہے لہریں پیدا ہونا لیکن اگر لہریں خاص موسیقی سے پیدا ہوں۔ ان کے اندر ایک آپس کی ہم آہنگی پائی جائے، نظم وضبط پایا جائے تو اُسی کا نام موسیقی ہے۔ آپ نے اچھے گانے والے بھی سنے ہیں، بُرے گانے والے بھی سنے ہیں۔ کبھی آپ کو شاید یہ علم نہ ہوسکا ہو۔ بعض آوازیں آپ کو کیوں پسند آتی ہیں اور بعض آوازیں کیوں پسند نہیں آتیں؟ وجہ یہ ہے کہ جن آوازوں کو آپ پسند نہیں کرتے اُن کے اندر کوئی اندرونی ہم آہنگی نہیں ہے۔ ایک لہر چھوٹی سی اٹھی ہے دوسری بڑی اٹھی تیسری درمیان میں کہیں چلی گئی اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مزاج نہیں ملتے ورنہ اچھے پڑھنے والوں کی آوازوں میں بھی چھوٹی لہریں بھی ہوتی ہیں، بڑی لہریں بھی ہوتی ہیں اور درمیانی لہریں بھی ہوتی ہیں لیکن ان کے آپس کے رابطوں میں ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے، مزاج ملتے ہیں اور جب آوازوں کے مزاج ملیں تو لطف پیدا کردیتی ہیں۔ اسی طرح انسان کے جب انسان سے مزاج مل جائیں تو لطف پیدا ہو جاتا ہے، وہ بھی ایک قسم کی میوزک ہے۔ ایک ایسا آدمی جو آپ کو پسند نہ ہو اس کے ساتھ بیٹھنا سوہانِ روح ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ عذاب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جتنی دیر اس کی مجلس میں آپ بیٹھتے ہیں مصیبت پڑی ہوتی ہے۔ وہ بھی دراصل ایسے ہی ہے کہ جیسے بُری آواز والے کی آواز بیٹھے سن رہے ہیں۔ بُری آواز والے کی آواز کے اندر اندرونی ہم آہنگی نہیں ہوتی اور آپ کے دل میں جو خدا تعالیٰ نے میوزک کا ایک تصور ثبت کر رکھا ہے یعنی نغمگی ایسی چیز نہیں ہے جو باہر سے آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں نغمگی کا ایک تصور ثبت کیا ہوا ہے اور اُس تصور کے ساتھ جب بیرونی نغمگی یا گانا ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو انسان کو اتنا لطف محسوس ہوتا ہے کہ اُس لطف میں بعض دفعہ وہ ایسی کیفیات میں چلا جاتا ہے جسے لوگ جذب کی حالت کہتے ہیں اور وہ ہمیشہ یاد رہتی ہے۔

یہ مثال میں آپ کو اس لئے دے رہا ہوں تفصیل کے ساتھ کہ نماز میں بھی خدا کی ذات کے ساتھ ایسی ہم آہنگی ہونی ضروری ہے تب نماز میں نغمہ پیدا ہوگا اور جب وہ نغمے کی لہریں پیدا ہوں گی تو وہ ہمیشہ یاد رہیں گی۔ اپنے پیاروں کے ساتھ ملنے میں وہ نغمہ پیدا ہوتا ہے اور وہی آپ کے لطف کا موجب بنتا ہے۔ ورنہ دو آدمی پاس پاس بیٹھے ہوئے ہیں اس سے زیادہ اگر اور کچھ بھی نہ ہو تو وہ شخص جو ہم مزاج نہیں ہے وہ بھی خاموش ایک طرف بیٹھا ہو اور آپ بھی ایک طرف بیٹھے رہیں۔ آپ کے اندر ایک مغائرت ہوگی، ایک تناؤ پیدا ہوگا، گھبراہٹ ہوگی کب یہ مصیبت گلے سے اترے، کب یہاں سے اُٹھ کے جائے تو میں تنہائی کا لطف محسوس کروں لیکن ایک پیارا شخص بھی اسی طرح اسی فاصلے پر بیٹھا ہو، اسی طرح خاموش بیٹھا ہو، آپ کا دل نہیں چاہے گا کہ اٹھ کے جائے۔ وہ کیا چیز ہے جس نے آپ دونوں کو اس زور کے ساتھ باندھا ہے، وہ آپ دونوں کی نفوس کی ہم آہنگی ہے۔ یہ ایک قسم کی میوزک ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان کو ودیعت فرمائی ہوئی ہے اور بغیر آواز کے بھی اس کا لطف محسوس ہوتا ہے۔ تو نماز کو زندہ کرنے کا اصل ذریعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم آہنگی پیدا کریں اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے محض نماز کے چند لمحات کافی نہیں ہوں گے۔

اپنی زندگی کے روزمرّہ کے حالات میں یہ ہم آہنگی پیدا کی جاتی ہے۔ بار بار خدا کی طرف تصور اچھل اچھل کر دوڑے اور ہر بات پر کچھ نہ کچھ خدا کا خیال دل میں پیدا ہونا شروع ہو جائے۔ کھانا کھاتے ہوئے جب آپ اچھی چیز کھاتے ہیں۔ کبھی نہیں سوچتے کہ یہ مزا کیا ہے، یہ خوشبو کیا ہے، بھوک کیوں لگتی ہے، بھوک کے نتیجے میں جب آپ کھانا کھاتے ہیں تو کیسا مزا پیدا ہوتا ہے؟ تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ خدا تعالیٰ نے کیسے باریک در باریک نظام انسان کو لطف پہنچانے کے لئے پیدا فرمائے ہوئے ہیں۔

بچوں سے میری بات ہو رہی تھی تو میں نے اُن سے کہا کہ یہ تو سوچو کہ اگر اللہ چاہتا تو گائے بھینسوں کی طرح گھاس اور پٹھوں پر بھی تمہارا گزارا ہو سکتا تھا۔ جس میں گائے، بھینس، مویشیوں کے معدے ایسے بنا دیئے جو پتے کھا کر بھی گزارا کر سکتا ہے تمام حیوانی دنیا میں انسان کے سوا کوئی جانور ایسا نہیں جس کی لذت کے اتنے مختلف سامان خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہوں۔ خوشبو میں بھی مزا رکھ دیا، لمس میں بھی مزا رکھ دیا، سردی گرمی میں بھی مزا رکھ دیا، پھر مزے بھی کئی قسم کے اُن کے ساتھ آویزاں

کر دیئے اور نظر کی کیفیت میں بھی مزا پیدا کیا چنانچہ بعض قومیں ایسی ہیں کہ جن کو کھانے کا لطف ہی نہیں آتا جب تک خوب سجا نہ ہو۔ ان کے ہاں نظر کی لذت زبان کی لذت سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ چنانچہ جاپان میں جن کو جانے کا موقع ملا ہو یا جنہوں نے جاپان کی کوئی فلم دیکھی ہو۔ وہ یہ محسوس کریں گے کہ ساری دنیا کی قوموں میں سب سے زیادہ سجاوٹ کے ساتھ جاپانی کھانا پیش کرتے ہیں اور ایسے خوبصورت کھانے سجا کر بعض دفعہ طاقوں میں لگائے ہوتے ہیں یا شیشے کی الماریوں میں کھانے کی دکانوں میں سجائے ہوتے ہیں کہ آدمی سمجھتا ہے بہت ہی مزیدار چیز ہوگی۔ مگر ہمارا تو چونکہ یہ ذوق مختلف ہے جب کھاتے ہیں تو دو لقمے بھی نہیں کھائے جاتے ہیں لیکن اُن کے ہاں نظر کو اہمیت ہے۔ بعض قوموں میں خوشبو کو اہمیت ہے، بعض قوموں میں زبان کی تیزی کو اہمیت ہے، زبان کی تیزی پیدا ہو، جیسے کہ مرچ مصالحہ کھانے والے ہیں زبان کی تیزی کا مزا چکھتے ہیں بعضوں کو اصل چیز کی خوشبو میں مزا ملتا ہے، کوئی چینی یا کوئی اور چیز زائد کر دی جائے تو اُن کا مزا کھویا جاتا ہے۔ لیکن یہ ساری چیزیں سوائے انسان کے کسی اور کو نصیب نہیں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کیسے کیسے سامان فرمائے ہیں۔

نماز میں مزے سے پہلے روزمرہ کی زندگی میں تو خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کر لیں اور اتنے بے شمار مواقع ہیں صبح سے آنکھ کھلنے کے وقت سے لے کر رات سوتے وقت تک اگر انسان خدا کا شعور زندہ رکھے تو سینکڑوں، ہزاروں مواقع اُس کو لقائے باری تعالیٰ کے میسر آ سکتے ہیں۔ توجہ ہو تو ضرور کچھ نہ کچھ جھلکیاں خدا کے پیار کی ہر زندگی کے شعبے میں دکھائی دیں گے۔ ایسے شخص کی نماز پھر زندہ ہونے کی اہلیت رکھتی ہے جب وہ نماز میں خدا کو رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ:۲) کہتا ہے تو اپنے روزمرہ کے تجارب میں سے کچھ باتیں یاد آ جاتی ہیں جبکہ اس نے خدا کی ربوبیت سے لطف اٹھایا تھا، اُس نے خدا کی ربوبیت کے نظارے اپنے گھر میں دیکھے، اپنے بچوں میں دیکھے، اپنے ماحول میں دیکھے، اُس ملک میں دیکھے جس ملک میں وہ بس گیا ہے پھر اُس کی رحمانیت کے نظارے، اُس کی رحیمیت کے نظارے، اُس کے مالک ہونے کے نظارے، یہ سارے روزمرہ کی زندگی میں ایسے تجارب ہیں کہ ایک دن بھی اُن سے خالی نہیں اور جو شخص باشعور ہو جائے اُس کا کوئی لمحہ ان تجربوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ باشعور ہونے میں اور اس سفر کے ابتدائی قدم اٹھانے میں بڑے فاصلے ہیں، لامتناہی فاصلے ہیں۔

اس جلوس کے ایک طرف ایک عام نماز میں کوشش کرنے والا انسان ہے اور سب سے دور اتنا دور کہ تصور کی آنکھ بھی بمشکل پہنچتی ہے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ عبادت کرنے والوں کے قافلہ سالار کے طور پر اس قافلے کی سربراہی فرما رہے ہیں۔ ان دو کے درمیان بہت بڑے فاصلے ہیں لیکن جیسا کہ جلوسوں میں اور اجتماعی طور پر چلنے والے گروہوں میں دیکھا گیا ہے ضروری نہیں ہوا کرتا کہ جو شخص سب سے پیچھے رہ گیا ہے وہ ہمیشہ سب سے پیچھے ہی رہے۔ آگے پیچھے لوگ ہوتے رہتے ہیں۔ کچھ کوشش کرتے ہیں، زور لگاتے ہیں وہ آگے نکل جاتے ہیں، کچھ لوگ سستی دکھاتے ہیں تو پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کوشش کریں کہ آپ سب سے آخر پر نہ رہیں اور آپ کا اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا فاصلہ نسبتاً کم ہو۔ اس کا سب سے اچھا موقع، اس کوشش اور جدوجہد کا نماز ہے جس کا نماز میں آنحضور ﷺ سے فاصلہ کم رہ جائے جب وہ یہ دعا کرتا ہے اے خدا مرنے کے بعد مجھے محمد رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اٹھانا، آپؐ کے قرب میں جگہ دینا تو اس کی دعا میں ایک جان پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نظر اُس کو اس حیثیت سے دیکھتی ہے کہ کمزور سہی لیکن سچا آدمی ہے۔ اس نے زندگی بھر کوشش ضرور کی تھی کہ آنحضور ﷺ کا قرب نصیب ہو لیکن وہ جو قرب کی کوشش نہیں کرتے اور لوگوں کو دعا کے لئے کہتے ہیں کہ ہمارے لئے دعا کریں کہ مرنے کے بعد ہمیں خدا آنحضور ﷺ کے قدموں میں جگہ دے۔ ان دعاؤں کی کیا حیثیت ہے؟ منہ کی باتیں ہیں اور اگر کوئی اہل اللہ بھی اُن کے لئے دعا کرے گا تو یہ دعا قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ دعا کو نیک اعمال طاقت بخشتے ہیں۔ بعض دفعہ دعا کرنے والے کے نیک اعمال، بعض دفعہ جس کے لئے دعا کی جاتی ہے اُس کے نیک اعمال چنانچہ بعض لوگ جن کے اندر نیک اعمال کی صلاحیت ہو اُن کے حق میں یہ دعا قبول ہو جاتی ہے، جو نیک اعمال سے کلیۃً محروم ہوں اُن کے حق میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے دو عمروں میں سے ایک عمر خدا سے مانگا تھا یعنی دونوں مل جائیں تو بہتر ورنہ ایک تو ملے (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر: ۳۶۱۴)۔ یہ مراد ہے اس سے۔ ایک ابوجہل کا نام بھی عمر تھا اور ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی عمر تھا۔ ابوجہل کے حق میں دعا قبول نہیں ہوئی لیکن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دعا قبول ہوئی حالانکہ دعا کرنے والا وہی تھا۔ اُس کے نیک اعمال بھی وہی تھے جو دعاؤں کو رفعت بخشتے ہیں۔ پس جس کے حق میں دعا کی جائے اُس کے اعمال کا بھی قبولیت دعا سے گہرا تعلق ہوا کرتا ہے۔

پس آپ کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا قرب پیارا ہے تو اس پیار کی تمنا تو کر کے دکھائیں۔ تب آپ کی دعائیں بھی مقبول ہوں گی اور دوسروں کی آپ کے حق میں مقبول ہوں گی ورنہ جس نے دنیا میں فاصلے قائم رکھے اور پرواہ نہیں کی قیامت کے دن بھی یہ فاصلے پاٹے نہیں جاسکیں گے اس لئے نماز کو کم از کم اس کوشش کے ساتھ ادا کریں کہ نماز میں کچھ لمحے ساری نہ سہی، کچھ لمحے لقاء کے نصیب ہو جائیں۔ کچھ ایسے لمحے ہوں کہ نماز ایک ملاقات بن جائے۔

لقاء باری تعالیٰ جو کہتے ہیں دراصل ملاقات ہے۔ یہ جو کہتے ہیں لقاء نصیب ہو جائے حالانکہ وہ آدمی جو لقاء کی دعائیں کرتا ہے وہ نماز بھی پڑھ رہا ہوتا ہے۔ تو لقاء سے مراد وہ لقاء ہے جو زندہ ملاقات کی مشیّت رکھتی ہے۔ جب آپ کسی سے ملنے جاتے ہیں تو ہوش و حواس، پوری توجہ کے ساتھ مل رہے ہوتے ہیں اور اُس ملاقات کے نتیجے میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے لذتیں پیدا ہوتی ہیں جو زندگی کی یادوں کا سرمایہ بن جاتی ہیں۔ نماز میں بھی ویسی ہی لقاء نصیب ہو تو پھر وہ نماز زندہ ہوتی ہے اور جس کی نماز میں یہ جھلکیاں ملنی شروع ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ نمازوں پر قائم ہو جایا کرتا ہے۔

پس بہت سے ایسے احمدی نوجوان، بہت سے اگر نہیں تو اتنی تعداد ضرور ہے کہ جو ہمارے لئے شدید تکلیف کا موجب ہے۔ ایسی بھی مثالیں موجود ہیں جو نمازوں سے غافل ہیں یعنی نماز کا غافل ہونے سے مراد نماز کا پڑھتے ہوئے غافل ہونا بھی ہوسکتا ہے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نماز پڑھتے ہی نہیں۔ اتنی غفلت کی حالت ہے کہ پرواہ ہی کوئی نہیں رہی۔ ایسے لوگوں کے متعلق بعض دفعہ اُن کی بیویاں مجھے لکھتی ہیں، بعض دفعہ مائیں لکھتی ہیں، بعض دفعہ بہنیں بھی لکھتی ہیں، بعض دفعہ بچے بھی لکھتے ہیں کہ دعا کریں کہ ہمارے ابو کو نماز کی عادت نہیں ہے۔ بعض بیویاں لکھتی ہیں کہ ویسے تو بہت اچھے ہیں مگر میں ہر وقت کڑھتی رہتی ہوں کہ میرے میاں کو نماز سے کوئی شغف نہیں۔ سمجھاتی ہوں تو جھڑک دیتے ہیں چھوڑ دو ان باتوں کو میں جانتا ہوں، میری مرضی ہے، میرا خدا سے تعلق ہے، مطلب ہے میرا خدا سے کوئی تعلق نہیں لیکن کہتے یہی ہیں کہ میرا خدا سے تعلق ہے اور میں جانتا ہوں۔ کیسی ظلم کی حالت ہے آپ اپنی اس زندگی کو ضائع کر رہے ہیں جو چھوٹی سی زندگی ہے اور ایک دفعہ ختم ہوئی تو پھر واپس نہیں آنی۔ کیا پتا ہے کہ کس وقت کون گزر جائے اور جو بے نماز دنیا سے گزرے گا وہ اندھی حالت میں

اٹھایا جائے گا۔ قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) کہ دنیا میں جو اندھا ہو وہ قیامت کے دن مرنے کے بعد بھی اندھا رہے گا۔ اس سے مراد لقاء کا حاصل ہونا یا لقاء کا نہ حاصل ہونا ہے۔ وہ شخص جس کو خدا دنیا میں دکھائی نہ دینے لگے اور بار بار اس کی جھلکیاں نظر نہ آئیں۔ وہ جو خصوصیت کے ساتھ نماز میں آتی ہیں، وہ دنیا میں اندھا ہے اور جیسے اندھے کو پتا نہیں لگتا کہ میں کس چیز سے محروم ہوں اُسی طرح ایسا آدمی بھی بسا اوقات محسوس ہی نہیں کرتا کہ وہ کس چیز سے محروم ہو رہا ہے۔ اُس کے متعلق کتنی دردناک خبر ہے۔ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى جو اس دنیا میں اندھا رہا آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھایا جائے گا۔ وہاں بھی اُس کے لئے بصارت نہیں ہوگی۔

پس یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بہت ہی بڑی اور بنیادی خرابی ہے۔ ایسے لوگ وہ ہیں جو دراصل ماحول کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ ماحول کی دلچسپیاں اُن کو کھینچ لیتی ہیں۔ نماز ہی ہے دراصل جو اُن کی حفاظت کرتی ہے۔ ہر قسم کی بُرائی، ہر قسم کی فحشاء سے لیکن جب وہ نمازوں سے غافل ہوں تو دنیا کی دلچسپیاں اُن کو بے روک ٹوک کھینچتی ہیں۔

میں نے دیکھا نماز پڑھنے والوں میں بھی خرابیاں ہوتی ہیں اُن میں بھی بعض دفعہ فحشاء کی عادت ہوتی ہے لیکن ایک نمازی کی زندگی اور بے نمازی کی زندگی میں بہت بڑا فرق ہے۔ ایک بے نماز انسان بے روک ٹوک اپنی بدعادتوں کی طرف بڑھتا ہے اور دوڑتا چلا جاتا ہے اور کوئی آواز اُس کو واپس بلانے کے لئے اس کے کان میں نہیں پڑتی۔ لیکن ایسے بھی نمازی ہیں جن سے گناہ ہوتے ہیں۔ بعض گناہوں کے وہ بچپن کی غلطیوں کی وجہ سے عادی بھی بن چکے ہوتے ہیں لیکن ہر نماز میں ضمیر کی آواز کانوں میں سنائی دیتی ہے اور اُن پر لعنتیں بھیج رہی ہوتی ہے کہ تم کیا کرتے آئے ہو، اب کیا کر رہے ہو؟ واپس کس دنیا میں جاؤ گے اور مسلسل کوشش کرتے ہیں، روتے ہیں، پیٹتے ہیں، گریہ وزاری کرتے ہیں اور بعض دفعہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نہیں سنی گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ نماز کی آواز ضائع نہیں جایا کرتی۔ جلد یا بدیر آخر نماز میں اٹھنے والی ضمیر کی آواز اُن پر غالب آجایا کرتی ہے اور ہر قسم کی برائیوں سے اُن کو کھینچ کر یک دفعہ خدا کی طرف لے آتی ہے مگر جو نماز ہی نہیں پڑھتا اُس کے لئے یہ کون سا امکان ہے؟ اُس کے بچنے کی تو ہر راہ بند ہو چکی ہوتی ہے۔

اس لئے دیکھنے میں تو یہ فرق ہے کہ فلاں نماز تو پڑھتا ہے اور فلاں بدی اس میں موجود ہے اور اگر کوئی بدی اس میں موجود ہے تو یاد رکھیں کہ اُس بدی کے خلاف ہر نماز میں کوئی نہ کوئی شرمندگی بھی وہ محسوس کر رہا ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی آواز اُس کے کانوں میں ضرور پڑ رہی ہوتی ہے، لیکن ایک بے نمازی بیچارہ تو بالکل محروم ہے۔ اندھا دھند آنکھیں بند کئے ہوئے وہ ایک گندی عادت میں مبتلا ہے تو مبتلا ہی رہ جاتا ہے اور بد عادتیں پکڑ لیتا ہے اور رفتہ رفتہ اپنے مفاد سے بھی غافل ہو جاتا ہے، اپنے بیوی بچوں کے مفاد سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور بڑی ایک نحوست کی سی حالت ہے۔ ایسا گھر جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو، جس گھر میں خاوند نماز نہ پڑھے، اُس کی بیوی کی نمازیں بے چاری کی اکیلی کام نہیں دے سکتی، بعض دفعہ بچے ماں کی بجائے باپ کی حالت کو دیکھ کر اُس سے رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور ویسے بھی گھر پر ایک نحوست سی طاری رہتی ہے۔

تو میں آپ کو بڑے خلوص کے ساتھ، بڑی منت کے ساتھ یہ گزارش کرتا ہوں، اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ نماز کو اہمیت دیں اور گھر میں سے ہر فرد نماز پر نگران ہو جائے جس طرح کہ مجھے بعض بچے لکھتے ہیں تو بہت پیارے لگتے ہیں۔ جب بڑوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ اُن کو نماز پڑھنے کی عادت نہیں۔ دعا کے لئے لکھتے ہیں کہ بعض دفعہ خیال آتا ہے کہ اس بچے کے دل کی جو دعا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی شاید سن لی ہو۔ تو نہ صرف نگران بنیں بلکہ دعائیں کرتے ہوئے نگران بنیں اور جو کوشش بھی اُن کے بس میں ہے وہ کریں تا کہ کسی احمدی گھر میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ رہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو یا بڑا ہو یا بچہ جو عبادت نہ کرتا ہو اور پھر عبادت کرنے والا بھی ایسا ہو جو ہر وقت اپنی عبادت کو زندہ کرنے میں کوشاں ہو۔ صرف ظاہری اُٹھک بیٹھک پر راضی نہ ہو بلکہ جب تک اُس کے دل میں سے عبادت کا مزا اٹھنا نہ شروع ہو جائے اُس وقت تک وہ تسلی نہ پائے۔

جرمنی کو ایسے عبادت کرنے والوں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ دنیا بہت زیادہ مادہ پرست ہو چکی ہے۔ اتنا خدا سے دور جا چکا ہے یہ ملک صرف جرمنی کی بات نہیں، یورپ کے اکثر ممالک کہ ایک ایسے مقام پر کھڑے ہو گئے ہیں جہاں جا کر کوئی روک باقی نہیں رہتی۔ ان کے سکولوں میں چھوٹے ہوں یا بڑے، ان کے کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں کھلم کھلا خدا کے خلاف باتیں، ان کی تعلیم اور تدریس میں ایسے رنگ آ چکے ہیں جن کے نتیجے میں عملاً ارادے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں کو خدا

سے بدظن اور مذہب سے دور کیا جاتا ہے اور کوئی روک ٹوک نہیں۔ جو زیادہ آزاد خیال ہو اور بے حیا ہو، خدا کے خلاف باتیں کرنے والا ہو، وہ سوسائٹی میں زیادہ روشن خیال سمجھا جاتا ہے۔ گویا اندھوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی آنکھیں ہیں، جن کی آنکھیں ہیں اُن کو اندھا بتایا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں نماز ہی ہے جو آپ کی اور آپ کے بچوں کی حفاظت کرے گی۔ نماز پر قائم نہ کیا تو آپ کی بچیاں آپ کے سامنے دیکھتے دیکھتے ضائع ہو کر اس غالب معاشرے کا شکار ہو جائیں گی اور بہت بڑا نقصان ہے۔

زیادہ تر پاکستان سے ہجرت کرنے والے احمدیوں کو شکایت یہی ہے کہ ہمیں کھلم کھلا عبادت کی اجازت نہیں اور یہ ایک ایسا حق ہے جسے دنیا کی تمام آزاد قوموں نے تسلیم کیا ہے کہ جسمانی طور پر خواہ کوئی مارے پیٹے یا نہ مارے پیٹے اگر کسی قوم کو خدا کی عبادت کے حق سے جبراً محروم کیا جائے تو یہ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس کے نتیجے میں وہ قوم دوسرے ملکوں میں پناہ لینے کا حق حاصل کر لیتی ہے لیکن اگر پناہ لینے والا وہاں بھی بے نمازی ہو اور یہاں بھی بے نمازی رہے تو کس چیز سے پناہ مانگی۔ ایک شیطان سے دوسرے شیطان کی طرف پناہ لی نا، کسی شیطان سے خدا کی طرف پناہ لینے کے لئے تو نہ آئے۔ پس وہ لوگ جو پاکستان سے ہجرت کر کے آتے ہیں اور پھر وہاں بھی بے نماز رہتے ہیں اور یہاں بھی بے نماز رہتے ہیں کبھی اُن کے دل نے اُن کو جھنجھوڑا نہیں۔ کہاں سے بھاگے تھے کدھر بھاگے تھے؟ مومن اور غیر مومن کے درمیان میں یہی فرق ہوا کرتا ہے۔ غیر مومن اگر شیطان سے بھاگتا ہے تو شیطان کی طرف ہی بھاگتا ہے اور مومن اگر خدا کی تقدیر سے بھاگتا ہے تو خدا کی تقدیر کی طرف ہی بھاگتا ہے۔

اس نکتہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی شان کے ساتھ بیان فرمایا۔ ایک دفعہ ایک اسلامی لشکر آپ کی قیادت میں کسی جگہ پڑاؤ کئے ہوئے تھا اور وہاں ایک خبر مشہور ہوئی کہ یہاں ایک خوفناک پلیگ پھیلی ہوئی ہے، ایک قسم کی طاعون ہے جو بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کو اپنا شکار بناتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسی وقت فیصلہ لیا کہ فوراً اس جگہ سے کوچ کر جاؤ اور دوسرے محفوظ صحت مند علاقے کی طرف چلو۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا۔ اے امیر المؤمنین! کیا آپ خدا کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ اپنی طرف سے بڑی طاقت کے ساتھ، بڑے زور سے

حضرت امیر المؤمنین کے فیصلے کے خلاف اعتراض اٹھایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ میں خدا کی تقدیر سے خدا کی تقدیر کی طرف بھاگ رہا ہوں۔ میرا خدا جیسا یہاں ہے وہاں بھی ہے اور اُس کی تقدیر خیر بھی ہے اور تقدیر شر بھی ہے تو میں اُس کی ایک تقدیر سے اس کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جارہا اُسی کی تقدیر خیر کی طرف بھاگ رہا ہوں۔ (بخاری کتاب الطب حدیث نمبر ۵۷۲۹) دیکھو مومن بھاگتا ہے تو خدا کی ایک تقدیر سے اُس کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگتا ہے۔ شیطان کی تقدیر سے شیطان کی تقدیر کی طرف نہیں بھاگا کرتا۔ پس وہ لوگ جو ہجرت کرتے ہیں خدا کے نام پر اور اپنی بدیاں ساتھ لے کر آتے ہیں اور اُن بدیوں میں مزید ملوث ہو جاتے ہیں۔ وہ شیطان کی تقدیر سے شیطان کی تقدیر کی طرف جانے والے ہیں۔ اُن کا تو خدا کی تقدیر سے بھاگ کر خدا کی تقدیر میں آنے والوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ یہ بڑا کھلا امتیاز ہے۔ ایک سچے مومن میں اور ایک فرضی مومن میں۔

پس آپ اپنے اندر وہ پاک تبدیلیاں پیدا کریں جو بتادیں، وہ دنیا کو دکھادیں کہ آپ نے ہجرت خدا کی طرف کی ہے اور کسی غیر کی طرف نہیں کی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت، سب سے بڑا گواہ آپ کی عبادتیں ہیں۔ اگر آپ عبادتوں پر قائم ہوں اور اُن کی نگرانی کریں اور آپ میں چھوٹا بڑا ایک دوسرے کا خیال رکھے، دعائیں بھی کریں منت اور گریہ وزاری کے ساتھ، گریہ وزاری کرنی پڑے تو اپنے بھائیوں کو عبادت کی طرف بلائیں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر کیسے نازل ہوتے ہیں۔ بہت سی دعائیں انسان کر کر کے تھک جاتا ہے قبول نہیں ہو رہی ہوتی اور آدمی شکوے کرتا ہے میری تو قبول نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ عبادت کرنے والے کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ بھی خاص حکمتوں کے ساتھ جو سچی عبادت کرنے والا ہو اوّل تو اس کی دعائیں بہت زیادہ مقبول ہوتی ہیں، دوسرے اگر جو نہیں ہوتیں اُن پر اللہ تعالیٰ صبر دیتا ہے اور کبھی ایسا شخص خدا پر شکوہ زبان پر نہیں لاتا۔ پس **تمام خرابیوں کا ایک ہی حل ہے، تمام بیماریوں کا ایک ہی دوا ہے اور وہ عبادت پر قائم ہو جانا ہے۔**

اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ جن نوجوانوں تک میری آواز پہنچ رہی ہے کہ جن بڑوں تک چھوٹوں تک میری یہ آواز پہنچ رہی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ عبادتیں میں کمزور ہیں وہ آج ہی یہ عہد کر کے اٹھیں کہ انشاء اللہ عبادت کو قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اپنی ذات میں بھی اور غیروں میں بھی

وہ ایک ایسی شمع روشن کریں گے عبادت کی جس کی روشنی دور دور تک پھیلے۔ وہ اپنے گھر ہی کو روشن نہیں کریں گے بلکہ روشنی کا مینار بن جائیں گے تا کہ دور دور تک اُن کی روشنی کے فیض سے جہاز چٹانوں سے ٹکرانے کے بجائے ہدایت کی راہ پا جائیں گے۔ پس اس قوم میں ایسے روشنی کے مینار بننے کی ضرورت ہے اور عبادت گزار ہی ہے جو ایسا روشنی کا مینار ثابت ہوسکتا ہے۔

اور بہت سے امور جو بیان کئے گئے تھے اُن کے لئے تو وقت نہیں اب رہا لیکن سب سے اہم بات میں نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ ایک امر یہ بتایا گیا ہے کہ بعض لوگ سیاسی پناہ کے مقدمات میں جھوٹ سے کام لیتے ہیں اور لیتے چلے جاتے ہیں۔ یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ یہ شرک ہے۔ دنیا کی منفعت کی خاطر آپ جب جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں تو ایک خدا کو چھوڑ کر دوسرے خدا کی عبادت شروع کر دیتے ہیں اور جھوٹ کے نتیجے میں بلکہ برکتیں بھی نہیں ملتیں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر غلط بیان دیئے بھی گئے ہیں تو اس بات سے قطع نظر کہ آپ کے سچ کی کیا سزا ہوگی آپ کو سچ بولنا چاہئے اور جو حقیقت حال ہے وہ بتانی چاہئے یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ ہمیں مار پڑی اور ہمیں یہ ہوا جبکہ نہ مار پڑی اور نہ کچھ اور ہوا۔ وہ بتانا چاہئے کہ سارے احمدی کا دل وہاں دکھا ہوا ہے۔ ہماری ہر چیز پر پابندی ہے ہر روز اخباروں میں منہ کالے کئے ہوئے ہوتے ہیں اُنہوں نے جھوٹ بول بول کے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جبکہ طعن و تشنیع کی ذریعہ، گالیاں دے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بکواس کر کے ہمارے دل چھلنی نہیں کئے جاتے اور ہر وقت فسادی کے جھوٹ کی تلوار ہمارے اوپر لٹکی ہوئی ہے کوئی امن نہیں ہے۔ یہ بات کہنے کے بجائے جو سو فیصدی سچی ہے جب آپ ایک فرضی مقدمہ بناتے ہیں، فرضی کہانی گھڑتے ہیں کہ ہماری ذات پر یہ ہوا تو اپنے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں اور احمدیت پر بھی بڑا ظلم کرتے ہیں اور ایک غلط بالکل تاثر پیدا کرتے ہیں اس لئے جیسا کہ میں نے بارہا جھوٹ سے پرہیز کی ہدایت کی ہے اور تبتل الی اللہ کے مضمون کا آغاز ہی جھوٹ سے بچنے سے کیا تھا۔ جھوٹ سے بچنے کی نصیحت سے کیا تھا اس کی طرف میں دوبارہ متوجہ کرتا ہوں کہ ہر قیمت پر جھوٹ سے پناہ مانگیں۔

بعض جرمنی میں آئے احمدیوں نے الحمدللہ بہت ہی نیک نمونہ دکھایا اور مجھے لکھا کہ یہ ہمارا کیس جھوٹا تھا۔ یعنی عمومی تکلیف تو تھی لیکن جو بات میں نے اپنے کیس میں پیش کی تھی وہ غلط تھی۔

جب سے میں نے خطبہ سنا ہے میرا ضمیر مجھے جھنجھوڑ رہا ہے اور اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ خط لکھ کر اب اپنے وکیل کے پاس جارہا ہوں اور اُس کو بتاؤں گا کہ میرے کیس میں یہ بات سچی ہے اور یہ جھوٹی ہے یہ بات نکال دوخواہ میرا کیس منظور ہو یا نہیں مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ بہت ہی میرے دل سے اس کے لئے یہ دعائیں نکلی اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُس کے لئے بہتر سامان فرمائے گا لیکن اگر وقتی طور پر قربانی بھی دینی پڑے تو توحید کے قیام کے لئے ہر قربانی کم ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ **قیام توحید کے لئے انسان جو قربانی پیش کرتا ہے وقتی طور پر اُس کو تکلیف بھی ہو تو آئندہ ہمیشہ ہمیش کے لئے وہ امن میں آجاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت میں خود کھڑا ہو جاتا ہے** اس لئے قربانی وقتی اور سرسری سی ہے اس کے نتیجے میں ساری زندگی آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ فوائد حاصل ہوں گے۔ پس جھوٹ کے خدا پر لعنت ڈالتے ہوئے، اس کا بت توڑتے ہوئے، پاش پاش کر کے ایک طرف پھینک دیں، کسی احمدی کے دل میں، اُس کے گھر میں جھوٹ کا بت نہیں ہونا چاہئے۔

بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی کمزوریاں چھپانے کے لئے، اپنی طرف سے دانشور بنتے ہیں، جماعت کے عہدے داروں پر تنقید کرتے ہیں کہ اس نے یہ کیا، اس میں یہ فلاں بات ہے۔ جب مجھ تک یہ باتیں پہنچتی ہیں تو میں تحقیق کرواتا ہوں تو اکثر تنقید کرنے والوں کا قصور نکلتا ہے اور اگر کچھ باتیں بُری پائی بھی جاتی ہیں عہدیداران میں تو اُس کا مناسب طریقہ ہے بجائے اس کے کہ مجلسوں میں بیٹھ کے باتیں کی جائیں، اُس سے جھوٹے اور مکروہ لطف اٹھائے جائیں، جھوٹے اور مکروہ لطف اس لئے کہ یہ غیبت کی باتیں ہیں اور غیبت کے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ ایسا ہی لطف ہے جیسے اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھاؤ اور اس کے لطف اٹھا رہے ہو۔ تو اس مکروہ لطف کے بجائے سیدھا طریقہ کیوں نہیں اختیار کرتے جب کسی عہدیدار میں کوئی کمزوری دیکھتے ہیں اس تک پہنچ کے ادب کے ساتھ اُس کو سمجھائیں کہ آپ کے اوپر یہ بات سجتی نہیں ہے۔ آپ عہدیدار ہیں یہ بات چھوڑیں اور یہ بات اختیار کریں۔ اگر وہ نہیں مانتا تو آپس میں ایک دوسرے سے اس کے خلاف باتیں کر کے گندے اور غلیظ چسکے حاصل کرنے کے بجائے نظام جماعت کو، اُن عہدیداروں کے معرفت مطلع کریں۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہے، بلکہ بہت ہی عمدہ بات ہے، کسی شخص کی کمزوری کے متعلق بالا افسر کو اُس کی معرفت خط لکھا جائے۔ اُس کو بتایا جائے کہ تمہارے اندر یہ بات ہے، ہم یہ

اوپر کے افسر کو اس لئے پیش کر رہے ہیں تمہاری معرفت تا کہ اصلاح ہو۔ اگر یہ طریق ساری جماعت اختیار کرے تو تمام عہدیداروں کی بھی اصلاح ہو جائے گی اور یہ جو جھوٹے دانشور بنے پھرتے ہیں، ان کا بھی ایمان ضائع نہیں ہوگا۔

بعض مربیوں کے متعلق شکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنا رہن سہن بڑا اونچا کیا ہوا ہے، غریب مربی بیچاروں نے کیا رہن سہن اونچا کرنا ہے لیکن بعض گھروں میں سلیقہ ہوتا ہے اور بعضوں میں نہیں ہوتا۔ میں نے دیکھا ہے تھوڑے روپے پر بھی بعض گھروں میں بڑی رونق ہوتی ہے، سلیقہ اور نظافت پائی جاتی ہے اور زیادہ روپوں میں جن کو گھر چلانا نہیں آتا، اُن کے گھر میں تو گند کے انبار ہی لگے ہوتے ہیں، افراتفری، بدنظمی، نہ کھانے کا لطف اور نہ رہنے کا لطف، بچوں کا شور مصیبت، گند ہر طرف تو خدا نے اگر کسی کو نظافت دی ہے تو اُس میں جلنے کی کیا بات ہے۔ صرف ایک بات ہے کہ کیا کوئی مربی بددیانتی کر کے سلسلے کے ایسے روپے کو اپنی ذات پر، اپنے بیوی بچوں پر استعمال کرتا ہے یا نہیں جو اُس کے پاس امانت ہے۔ اس بات پر ہر شخص کا حق ہے اگر اُس کے علم میں بات آئے تو وہ اُس شخص کی معرفت بالا افسر کو مطلع کرے لیکن اتنی کمینگی اور تھڑ دل اختیار کرنا کہ کسی مربی کو اچھی حالت میں، نفاست کے ساتھ رہتے ہوئے دیکھ کر دل میں ایک قسم کی حسد کی آگ لگا لینا اور اس تکلیف میں رہنا اور ہر وقت آپس میں باتیں کرنا کہ یہ مربی ضرور کوئی بے ایمان ہے، یہ ضرور ایسا ہوگا ویسا ہوگا۔ دیکھو کیسا اچھا رہتا ہے۔ اچھا رہنا تو اچھی بات ہے۔ گندہ رہنے میں تو کوئی نیکی نہیں ہے۔ یہ جاہلوں کا خیال ہے کہ گندگی میں نیکی ہے۔ تمام انبیاء بہت ہی نفیس اور لطیف مزاج کے مالک ہوا کرتے تھے۔ سب کی طبیعت میں نظافت تھی، نفاست تھی، صفائی تھی، سنجیدگی کے ساتھ مزاح کا بھی پہلو تھا۔ اُن کے گھروں کی نظافت کو دیکھ کر اگر کوئی کہے کہ دیکھو لوگوں کے پیسے کھا گیا تو اپنے ایمان کو گنوانے کے سوا اُس کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں اگر کسی مربی کے متعلق یہ شکایت ہو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ اُس نے سلسلے کے اموال پر تصرّف کیا ہے تو بدظنی کے نتیجے میں آپ کو ایسا کوئی حق نہیں۔ وہ لوگ جن کا کام ہے سلسلے کے اموال کی نگرانی کرنا اُن کو چاہئے کہ نظر رکھا کریں اور دیکھا کریں کہ کیا اُس نے سلیقے اور بچت سے اپنا معیار بلند کیا ہے، یا غلط تصرّفات کے ذریعہ کیا ہے۔ اُن کا کام ہے وہ اگر ٹھوس وجوہات محسوس کریں تو اوپر افسران بالا کو اُس کی اطلاع کریں لیکن مجلسوں میں یہ

ذکر کریں گے تو آپ کی مجلسوں کو ذلیل و رسوا کر دیں گے۔ غیبت بھی ہوگی اور بہت ہی گھٹیا بات ہو گی۔ نظام جماعت پر اس کا بہت بُرا اثر پڑے گا اس لئے وہ لوگ جن کے سامنے یہ باتیں ہوتی ہیں وہ کراہت کے ساتھ کم سے کم اس مجلس سے ہی اٹھ جایا کریں اور جیسا کہ میں نے ایک دفعہ بیان کیا تھا اُن کا یہ حق ہے کہ وہ ایسے شخص کو کہیں کہ تم نے جو باتیں بیان کی ہیں، تمہارا فرض ہے تم اُن کو متعلقہ افسران تک پہنچاؤ اور اگر نہیں پہنچاؤ گے تو میں پہنچاؤں گا اور بتاؤں گا کہ تم نے کس مجلس میں یہ باتیں کی تھیں۔ اگر اس طرح ساری جماعت ایک دوسرے کی نگران ہو جائے تو بہت سی بدیاں اس میں سے کٹ چھٹ کر الگ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت صحت کے ساتھ نشو ونما پائے گی۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا باتیں بہت سی تھیں لیکن کچھ اس مختصر وقت میں سب سے اہم بات کی طرف میں نے متوجہ کر دیا ہے۔ **عبادت پر قائم ہوں اور عبادت کا مغز حاصل کرنے کی کوشش کریں، عبادت میں لقاء حاصل کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ سے محبت کے جلوے ڈھونڈیں اور سچائی پر قائم ہو جائیں اور لغو اور بیہودہ باتوں سے اپنے معاشرے کو پاک کر دیں تو اگر آپ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی جماعت بہت تیزی سے ترقی کرے گی** کیونکہ آپ کے اندر ترقی کا مادہ موجود ہے۔ آپ کے اندر جوانی کا خون زیادہ ہے بڑھاپے کی نسبت اور دین کی محبت پائی جاتی ہے۔ پس اللہ کرے کہ آپ کی یہ خوبیاں آپ کی دوسری برائیوں کو زائل کرنے کا موجب بن جائیں اور آپ کے اندر دائمی زندگی پیدا کرنے کا موجب ہو جائیں جو تعلق باللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

ابھی نماز جمعہ ہوگی ساتھ نماز عصر جمع ہوگی۔ پھر پرچم کشائی ہے پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہم باقاعدہ جماعت جرمنی کے جلسے کے پہلے اجلاس کی کارروائی کا آغاز کریں گے۔

تم اُمَّةً وَّسَطًا بنو تو محمد ﷺ کے شایان شان امت بن جاؤ گے۔

تُجۡمَعُ لَهُ الصَّلٰوۃُ کی وضاحت

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ ۱۸ ستمبر ۱۹۹۲ء بمقام زیورچ سوئٹزرلینڈ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۴﴾ (البقرہ:۱۴۴)

پھر فرمایا:۔

جس آیت کریمہ کی خطبہ شروع کرنے سے پہلے میں نے تلاوت کی ہے ساری دنیا میں جماعت احمدیہ کی مساجد کی بڑھتی ہوئی ضروریات سے متعلق میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس وقت یہ خطبہ زیورچ کی مسجد سے دے رہا ہوں اور جو دوست میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اُن کے بیٹھنے کے انداز سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر مسجد میں نماز کی صفیں بنائی جائیں تو یہ پورے نہیں آسکیں گے اور اس کے علاوہ اور بھی ہونگے۔ ابھی وسعت کمیٹی نہیں ہے اور ممکن ہے کل اور پرسوں حاضری اس سے بہت

زیادہ ہو جائے اس سلسلہ میں میں نے کل بھی جماعت کو عموماً توجہ دلائی تھی کہ مسجد کے لئے مناسب بڑی زمین کی تلاش کرنا آج سے بہت پہلے ہونا چاہئے تھا۔اب بھی فوری طور پر اس کی طرف توجہ ہونی چاہئے لیکن مشکل یہ درپیش ہے کہ یہاں سوئٹزرلینڈ میں خصوصاً زیورچ اور جنیوا کے اردگرد زمینیں بے انتہا مہنگی ہیں بلکہ جاپان میں ٹوکیو جو سب سے مہنگا شہر سمجھا جاتا ہے غالباً اُس سے بھی مقابلہ کرتی ہیں۔آج صبح سیر پر جانے سے پہلے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ ایک زمین کا ٹکڑا جو تقریباً چار کنال جو ایئر پورٹ کے قریب واقع ہے وہاں مل رہا ہے۔تو میں نے سرسری طور پہ پوچھا کہ اندازہ قیمت۔تو وہ گزوں میں انہوں نے اندازہ قیمت بتایا تو اُس کا میں نے حساب کیا تو وہ دس لاکھ پاؤنڈ آدھے ایکڑ کا بنتا ہے اور میرے خیال میں ٹوکیو کے قریب جو جماعت نے زمین لی ہے وہ بھی اس سے سستی ہے۔تو یہ اتنی زیادہ قیمت ہے کہ مقامی جماعت کی توفیق سے بہت بڑھ کر ہے۔ یہ درست ہے کہ جن جماعتوں میں ضرورت پڑ جائے اور توفیق کم ہو یہ وقتی طور پر ہوا کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ پھر توفیق بڑھا دیتا ہے لیکن جو ہمت کریں جماعتیں ان کے لئے ضرورت پوری ہو ہی جاتی ہے اور جو حصہ باقی رہ جاتا ہے مرکز دوسری جماعتوں کے چندہ میں سے وہ ادا کر دیتا ہے لیکن اس وقت ساری دنیا میں مساجد کی ضرورت بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اور بہت کم گنجائش ہے کہ مرکزی فنڈ سے بعض جماعتوں کی مدد کی جائے جبکہ دوسری بہت بڑی جماعتیں اسی طرح محتاج ہیں کہ اُن کی ضرورتیں پوری کی جائیں تو تعداد کو بھی دیکھنا پڑے گا اور اس ملک میں جو بستے ہیں بنیادی ذمہ داری انہی کی ہوا کرتی ہے۔ وہ جاپان کی طاقت سے بڑھ کر تھا اگر چہ وہاں کی چندہ دہندگان کی قربانی کا معیار دنیا میں سب سے زیادہ اونچا ہے پھر بھی اُن کی طاقت سے بڑھ کر تھا تو اُن کو جماعت نے قرض کے طور پر تین سال کے لئے رقم مہیا کر دی۔تو اسی طرز پر چند سالہ قرض کے طور پر اور اگر ضرورت ہو تو کچھ مدد کے طور پر یہاں کی جماعت کو بھی رقم مہیا کی جاسکتی ہے اور بہت سے ایسے نوجوان ہیں جن کو ابھی کام نہیں ملا۔اللہ پر وہ امید رکھیں تو امید ہے کہ ایک دوسال کے اندر وہ برسرِ روزگار ہو جائیں گے تو انشاءاللہ توفیق بھی بڑھ جائے گی لیکن جگہ ایسی تلاش کریں جو توفیق اور حیثیت کے مطابق ہو۔ ہمارے لئے ضروری نہیں کہ شہر کے بالکل قریب جگہ ہو اور ایئر پورٹ سے تو دور ہٹنا ہی بہتر ہے کیونکہ ہوائی اڈوں کا شور ہر وقت تنگ کرتا ہے۔عرصے بعد جرمنی میں جگہ ملی ہے بہت اچھی، بہت کشادہ اور وقتی طور پر جماعت کی ضرورتیں

پوری کرنے والی بھی لیکن اب اس جماعت کی تعداد اللہ کے فضل سے اتنی بڑھ چکی ہے اور جماعت میں دلچسپی کا معیار اتنا بڑھ گیا ہے کہ ناصر باغ بالکل چھوٹی سی جگہ ہو کر رہ گئی تھی حالانکہ ساڑھے سات ایکڑ زمین ہے اور اب باہر ایک سو، ڈیڑھ سوا یکڑ کا رقبہ تلاش کیا جا رہا ہے۔ وہاں بھی مشکل یہی ہے کہ بہت سے ہمارے علاقہ جات ہوائی جہازوں کے شور کی نظر ہو جاتے ہیں۔ فرینکفورٹ ایئر پورٹ سے جاتے ہی جہاز جس جگہ سے گزرتے ہیں اور بار بار اتنا شور ہوتا ہے کہ بعض دفعہ لاؤڈ سپیکر پر بھی آواز صحیح سنائی نہیں دیتی۔ کوئی جگہ تلاش کریں متوازن طریق پر نمبر ایک، قیمت دیکھیں خواہ دور ہٹنا پڑے کیونکہ جو جگہیں آج دور نظر آ رہی ہیں کل دور دکھائی نہیں دیں گی اور ضروری تو نہیں کہ زیورچ کو ہی مرکز بنایا جائے۔ فاصلے پاٹنے کے لئے مرکز بنایا جائے۔ زیورچ جو مرکز بنایا گیا تھا جو جنیوا سے کتنا دور تھا اُس وقت یہ کیوں نہیں خیال آیا کہ جنیوا زیادہ اہم جگہ ہے اس سے تھوڑا دور نہیں ہونا چاہئے۔ مرکز سے بہت زیادہ دور نہیں ہونا چاہئے۔

تو دوریاں اور نزدیکیاں یہ باتیں گزرتی رہتی ہیں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ احمدی کس جگہ زیادہ آباد ہوں گے لیکن بالعموم یہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں بھی خدا کے فضل سے مرکز ہو وہاں احمدی ضرور آباد ہو جاتے ہیں اور مرکز بس جاتا ہے اور دوری، نزدیکی کی بحثیں اٹھ جایا کرتی ہیں۔ مسجد فضل لندن جب اُس کی جگہ خریدی گئی تو چوہدری فتح محمد صاحب سیال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ جگہ تلاش کی بڑی محنت سے، اچھی جگہ تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ کو لکھا کہ ہر پہلو سے بہت اچھی جگہ ہے صرف ایک خرابی ہے کہ لندن سے دور ہے۔ اب تصور کریں کہ لندن سے اُس وقت یہ جگہ دور سمجھی جاتی تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے جواب دیا کہ باقی باتیں ٹھیک ہیں تو دوری کی فکر نہ کریں لندن خود قریب آجائے گا۔ اب وہ علاقہ لندن کا بہترین علاقہ ہے قیمتوں کے لحاظ سے بھی وہ بہترین رہائش کا علاقہ سمجھا جاتا ہے، امن کے لحاظ سے ہر لحاظ سے بہت اچھی جگہ ہے، ومبلڈن پاس ہے۔

تو سوئٹزرلینڈ میں زمین ہونی چاہئے باقی اردگرد کے علاقے آپ کے قریب آجائیں گے اور جگہ اچھی لیں، کھلی لیں اور اتنی جگہ پہ ہاتھ ڈالیں جتنا کچھ نہ کچھ توفیق تو ضرور ہو۔ حد سے زیادہ بڑھی ہوئی بات نہ ہو کہ ساری مسجد کے چندے سوئٹزرلینڈ میں ہی کھپ جائیں اس لئے امید ہے کہ آپ اب سب اجتماعی طور پر نظر رکھیں گے اور کوئی دیہاتی علاقہ بھی نظر آجائے کہیں بعض دفعہ فارمز

بِک رہے ہوتے ہیں، وہاں زمینیں بہت سستی ہوتی ہیں۔ کوئی بڑا فارم ہو تو اُس کا جو فارم ہاؤس وہی اتنا بڑا ہوتا ہے کہ وہ اس پہ آپ کی ضرورتیں آگے چند سال تک پوری ہوسکتی ہیں اگر اُن کو منہدم کر کے مسجد بنانے کی اجازت مل جائے تو شرط صرف یہ ہے کہ اتنی عمارت وہاں ضرور موجود ہو کہ وہ ہماری آئندہ کے آٹھ دس سال کی عمارتوں کی ضرورت کو پورا کر سکے اور رقبہ بے شک زرعی ہو اُس کو ہم دوسری چیزوں میں استعمال کر سکتے ہیں، جلسے ہیں، اجتماعات ہر قسم کے، کھیل کود کے میدان ہیں ہمیں اپنی خواتین کے لئے بھی، اُن کی تفریح کے لئے جگہ مہیا کرنی ہے۔ ایسے تالاب ہونے چاہئیں جس پر ہماری عورتیں، چھوٹی بچیاں وغیرہ جا کر بے تکلفی سے نہانے کی پریکٹس کریں۔ یہ احساس نہ رہے کہ ہم دنیا سے پیچھے ہیں۔ اسلام خواتین کو دنیا سے پیچھے نہیں رکھتا بلکہ اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ پس جہاں حفاظت کیلئے عورت کو قربانی دینی پڑ رہی ہے اب مردوں کا کام ہے کہ اُن کی تکلیفوں کو کم کریں اور ایسی صورتیں مہیا کریں کہ اُن میں یہ احساس کمتری نہ رہے کہ ہم دنیا کی لذتوں میں جو جائز لذتیں ہیں حصہ لینے میں مردوں سے پیچھے رہ گئیں۔ گھوڑے رکھے جاسکتے ہیں، تیر کمان رکھے جاسکتے ہیں، تیروں کے نشانے لگانا۔ اگر اجازت ہو اور بڑا رقبہ ہو تو بعض جگہ بندوقوں کے نشانوں کے لئے بھی اجازت مل جاتی ہے۔ تو اپنی خواتین کو اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے اور مرد بھی اپنی بیرونی لذتوں کو لگام دیں اور عورتوں کے لئے جگہ مہیا کریں تو پھر دونوں پہیے متوازن چلیں گے۔ ورنہ یہ بالکل ناجائز بات ہے کہ عورت کو دبایا جائے۔ اسلام تمہیں بالکل اجازت نہیں دیتا اور مرد جو چاہے کھلے بندوں کرتا پھرے یہ سوسائٹی میں عدم توازن پیدا کرنے والی بات ہے۔

یہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی ہے اس کا تعلق بھی توازن سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اسی طرح ہم نے تمہیں وسط کی اُمت بنایا ہے۔ نہ ایک انتہا کے ہو نہ دوسری انتہا کی، نہ مشرقی ہو نہ مغربی ہو، نہ اشترا کی ہو نہ Capitalist ہو، ہر پہلو سے اسلام کا مزاج متوازن رکھا ہے، بیچ کا مزاج ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی اور قرآن کے متعلق بھی یہی باتیں بیان ہوئیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا (الکھف: ۲،۳) تو اُس میں کوئی غلط جھکاؤ نہیں ہے نہ اسلام میں نہ قرآن میں نہ رسول میں۔ بلکہ قَیِّمًا ہے، بیچ میں کھڑا ہے اور مضبوطی سے

دوسروں کو بھی درست کرنے والا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو اللہ کا نور بیان کرتے ہوئے فرمایا لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ایسا نور ہے جو نہ مشرق کا ہے نہ مغرب کا دونوں کا سانجھا ہے۔ تو یہ مزاج ہے جو احمدیت کا مزاج ہونا چاہئے اس کے بغیر احمدیت صحت مند نہیں رہے گی۔ ہمارے اندر نہ افراط ہونی چاہئے نہ تفریط ہونی چاہئے، توازن کے ساتھ آگے بڑھنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگا دی ہے اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا کی نگرانی کرو اور اسی غرض سے تمہیں پیدا کیا گیا ہے تو یہ شرط پوری کرنی ہوگی کہ اُمَّةً وَّسَطًا بنو۔ ایسی امت بنو جو بیچ کی ہو جس کے متعلق کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دوسروں کی زیادہ ہوگئی بلکہ درمیان کی چیز سب کی سانجھی ہوا کرتی ہے، تو برابر کا پلڑا ہو۔ منصف مزاج ہو، یہ بھی اس میں شامل ہے، انصاف اور تقویٰ سے کام لینے والا ہو۔ اگر یہ بات جماعت کو نصیب ہو جائے اور جیسا کہ مجھے اُمید ہے اللہ کے فضل سے اکثر صورتوں میں نصیب ہے لیکن اگر ساری جماعت اس بات پر قائم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اگلا وعدہ بھی ضرور پورا ہو جائے گا۔ لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تاکہ تم سارے بنی نوع انسان پر نگران بنا دیئے جاؤ۔

بنی نوع انسان پر نگران بننے کے لئے یہ شرط ضروری قرار دے دی گئی کہ تم متوازن مزاج رکھتے ہو نہ مولوی ہو نہ مادر پدر آزاد۔ ملائیت کا بھی اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے اور عقل اور فہم اور سوسائٹی کے تقاضوں کے پیشِ نظر ہر قسم کی آزادی کا بھی اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایک طرف مولویت کو اسلام ردّ کرتا ہے دوسری طرف آزاد منش طریقے کو بھی ردّ کرتا ہے اور یہ نہیں ہے کہ کھلے بندوں جو چاہے کرتے پھرو، توازن بہت ضروری ہے، بیچ کی راہ اختیار کرنا ضروری ہے فرمایا اگر تم یہ کرو گے تو پھر تمہیں ضرور بنی نوع انسان پر نگران بنایا جائے گا اور اُس کی مثال کیا دی ہے کتنی عظیم الشان مثال ہے فرمایا وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا تب محمد مصطفی ﷺ کے تم شایان بنو گے کہ وہ تمہارے شہید بنیں، تم پر نگران بنیں۔ آپ کیونکہ وسطی ہیں، آپ کیونکہ نہ مشرق کے ہیں نہ مغرب کے، کیونکہ آپ میں کوئی کجی نہیں اس لئے آپ میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو تمام بنی نوع انسان کی نگرانی کی ہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ خود تو امت کے ساتھ نہیں رہنا تھا اس لئے آپؐ کا مزاج سمجھا دیا گیا اور فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ محمد رسول اللہؐ ہی تمام بنی نوع انسان پر نگران رہیں اور اس کے بغیر بنی نوع انسان بچ نہیں سکتے تو تمہیں محمد مصطفی ﷺ کی نمائندگی کرنی ہوگی اور اُن کی

نمائندگی کرنے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ تمہارا مزاج متوازن ہو۔ نہ دائیں طرف جھکنے والے بنو نہ بائیں طرف، نہ ایک افراط کی طرف نہ دوسری تفریط کی طرف۔

اس معاملہ میں اگر آپ لوگ مزاج درست کرلیں تو بہت سے ایسے معاملات ہیں جہاں فتوے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ہر قسم کے حالات میں یہ مزاج آپ کے لئے بہترین فتویٰ مہیا کردیتا ہے اور طبیعتوں میں کجی، ٹیڑھاپن، ٹھوکروں کے احتمالات یہ سارے اُٹھ جاتے ہیں۔ مثلاً یہ ممالک جہاں فاصلے لمبے ہیں۔ جہاں اکٹھا ہونا ایک جگہ آسان کام نہیں۔ یہاں جب آپ اجتماعات پر اکٹھے ہوتے ہیں تو نمازیں جمع کی جاتی ہیں۔ جو مولوی مزاج ہے جو ایک طرف کی سوچتا ہے وہ یہ کہے گا کہ جی احمدیوں میں تو نماز کا پورا احترام ہی نہیں رہا، نمازیں جمع کرنے میں جلدی کرنے لگ گئے ہیں حالانکہ ملک کا تقاضا جس مقصد سے لوگ اکٹھے ہوئے ہیں، دینی اغراض اور اُس کی مصروفیات، اُن کا تقاضا اور آنحضرت ﷺ کا متوازن مزاج اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ جہاں جمع کرنے کے لئے جواز موجود ہو وہاں ضرور جمع کی جائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ آپؐ نے ایسی حالت میں بھی نمازیں جمع کیں جبکہ نہ بارش تھی، نہ خطرہ، نہ سفر صرف دینی اجتماع تھا اور دینی اجتماع کا یہ تقاضا تھا کہ باقی چیزوں میں کیونکہ وقت خرچ کرنا ہے اور وہ بھی دین ہی کے خدمت کے کام ہیں اس لئے جہاں خدا نے سہولت دی وہاں نمازیں جمع کرلی جائیں لیکن ایک مولوی مزاج اس پر اعتراض کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔

دوسری طرف آزاد منش لوگ یہ نہیں سوچتے کہ یہ نمازیں جمع کرنے کی اجازت خاص قومی دینی ضرورتوں پر ہے نہ کہ روزمرہ کی زندگی میں۔ یہ تو نہیں ہے کہ آپ کو چھٹی ہو۔ چونکہ آپ نے اجتماعی دینی کاموں کے وقت نمازیں جمع کی ہیں اس لئے روزمرّہ عادت ہی بنالیں، ظہر کو عصر کے ساتھ جمع کیا جارہا ہے اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کیا جارہا ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ کے اندر توازن نہیں ہے۔ توازن کے نتیجے میں ایک طرف انتہا پسندی سے بچنا ہے تو اُسی توازن کا تقاضا ہے کہ دوسری طرف کی انتہا پسندی سے بھی بچیں۔ یہ تو نہیں جمع والے حصے میں آپ مزاج درست کرلیں کہ ہاں جی جمع کرنے کی اجازت ہے کوئی بات نہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور جہاں الگ الگ پڑھنے کا حکم ہے وہاں کہیں نہیں ہمیں مشکل ہے ہمارے لئے۔ پنجابی میں کہتے ہیں ”میٹھا میٹھا ہڑپ

تے کوڑا کوڑا تھوتھو‘‘ کہ جب کسی پیارے کی طرف سے چیز ملتی ہے تو یہ تو نہیں ہوا کرتا کہ میٹھا کھالو اور کڑوا تھوتھو کرنا شروع کر دو۔ دونوں طرف برابر کی بات رکھنی چاہئے اگر ایک چیز احتراماً پسند ہے تو دوسری چیز بھی احتراماً پسند ہونی چاہئے۔ ایک بادشاہ کے متعلق آتا ہے کہ اُس کا ایک غلام اس کو بہت ہی پیارا تھا، بے حد عزیز اور دوسرے وزیر اُس سے جلتے تھے اس نے اُس کو وزیروں پر بڑا نگران بنایا ہوا تھا۔ دوسرے بڑے لوگ سارے اُس سے جلتے تھے اور اکثر بادشاہ کے کان بھرا کرتے تھے کہ اس میں کیا بات ہے جو آپ کو پسند ہے یہ تو کوئی ایسا خاص عالم فاضل نہیں ہے، ہم پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا، کونسی یہ آپ سے زیادہ وفا کرتا ہے؟ ہم ہر طرف سے زیادہ خاندانی حسب نسب والے لوگ اور معاملات حکومت کو سمجھنے والے ہیں۔ اس کو کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ ایک دفعہ ایک سردا بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا بھرے دربار میں جو بہت دور سے آیا تھا۔ سردے میں یہ بات ہے کہ بعض دفعہ بہت ہی کڑوا نکلتا ہے۔ میں نے بھی چکھ کے دیکھا ہوا ہے ایسا سردا۔ عام طور پہ بڑا اچھا ہوتا ہے لیکن بعض سردے غیر معمولی کڑوے جس طرح بادام کڑوا ہو جاتا ہے اس طرح سردا بھی کڑوا ہو جاتا ہے تو سردا بہت کڑوا تھا۔ تو بادشاہ نے پہلے اپنے اُس غلام کو جو سب سے زیادہ عزیز تھا ایک کاش کاٹ کر دی تو اُس نے کاش لی اور جھوم جھوم کر کھانا شروع کیا۔ سب دیکھنے والے سمجھے کہ بہت ہی مزیدار ہے۔ اُس پر اس نے دوسری کاش کاٹ کے اُس وزیر کو دی جو سب سے زیادہ اعتراض کیا کرتا تھا۔ اُس نے ابھی چکھی تھی تو تھوکنے کیلئے باہر بھاگا اور کہا کہ اتنا گندہ سردا، زندگی میں ایسا سردا کبھی نہیں دیکھا۔ تو بادشاہ نے کہا بس یہی فرق تھا جو میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔ یہ ہمیشہ میرے ہاتھوں سے اچھی چیزیں کھاتا ہے لیکن ایک دفعہ بُری بھی ملی تو کتنی قدر کی ہے اس نے۔ اس کو دینے والے ہاتھ سے پیار ہے چیز سے نہیں ہے اور تمہیں چیزوں سے پیار ہے دینے والے ہاتھ سے نہیں ہے۔ یہی معاملہ خدا کے پاک بندوں کا اللہ تعالیٰ سے ہوا کرتا ہے۔ اُس سے بھی وہ اس وجہ سے محبت رکھتے ہیں کہ وہ خدا ہر چیز کا دینے والا ہے، کبھی اُس کی کڑوی تقدیر بھی آجاتی ہے، اُس سے بھی وہ پیار کرتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہ اچھی تقدیر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھنا شروع کر دیا اور بری تقدیر پر اعتراض شروع کر دیئے کہ عجیب خدا ہے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا۔

پس اس معاملے میں بھی مزاج کا درست رکھنا ضروری ہے۔ جہاں مزاج کا توازن یہ تقاضا

کرتا ہے کہ نمازیں جمع کریں وہاں کریں وہاں نمازیں جمع نہ کرنا نا مناسب ہے لیکن جہاں یہ تقاضا کرتا ہے کہ نمازیں الگ الگ پڑھی جائیں وہاں الگ الگ ہی نمازوں پر نگران ہونا پڑے گا، ظہر کی نماز ظہر کے وقت پڑھنی ہوگی، عصر کی نماز عصر کے وقت پڑھنی ہوگی۔ گھروں میں کوئی جواز نہیں کہ آپ یہ گندی عادت آئندہ اپنی نسلوں میں بھی منتقل کر دیں لیکن ان علاقوں میں بسنے والوں میں عموماً میں نے یہ نقص دیکھا ہے کہ اجتماعی نمازیں تو شوق سے جمع کر کے پڑھتے ہیں کہ اجازت ہے اور انفرادی نمازیں بغیر اجازت کے جمع کر کے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی اس زمانے کا تقاضا، اس زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ نمازیں اکٹھی پڑھی جائیں۔ یہ بالکل ناجائز بات ہے، بالکل غلط ہے۔ اس زندگی کا اور دنیا پرستی کی زندگی کا تقاضا ہے کہ خدا کو زیادہ یاد کیا جائے ورنہ آپ لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ جتنا زیادہ دنیا آپ کو اپنی طرف کھینچتی ہے اُتنا ہی خدا کی یاد پر آپ کو نگران ہونا پڑے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں نماز کے متعلق وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى جوفرمایا یہ بیان نہیں فرمایا کہ صلوٰۃِ وسطی کیا چیز ہے۔ فرمایا نمازوں کی نگرانی کرو، اُن کی حفاظت کرو حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ. صَلَوَات پر نگران رہو۔ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى لیکن خصوصیت سے وسطیٰ نماز کی حفاظت کرو۔ اب مختلف علماء مختلف تشریحیں کرتے رہتے ہیں، جب سے قرآن نازل ہوا ہے مختلف علماء نے مختلف نظریے پیش کئے، کوئی عصر کی نماز کو وسطیٰ کہتا ہے، کوئی صبح کی نماز کو، کوئی عشاء کی نماز کو لیکن قرآن کی فصاحت و بلاغت کا یہ کمال ہے کہ عمداً اس کو خالی چھوڑ دیا، تشریح کے بغیر، وضاحت کئے بغیر کہ وسطیٰ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور جماعت میں دیگر علماء نے بھی اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ وُسطیٰ سے مراد وہ نماز ہے جس کی ادائیگی سب سے زیادہ مشکل ہو، جو بعض کاموں میں پھنسی ہوئی نماز ہو۔ ایسی نماز جو صبح کی نماز نیند کی حالت میں پڑھنی مشکل ہو جائے۔ ایسی نماز جو ظہر کی نماز ہو مگر کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے مشکل ہو جائے اَور کسی وجہ سے کوئی نماز مشکل ہو جائے۔ مثلاً قافلہ دیر میں کہیں سے سفر میں واپس پہنچتا ہے یا اکیلا مسافر دیر میں واپس آتا ہے۔ رات کو کھڑا ہونا اُس کیلئے مشکل ہو جاتا ہے تو عشاء کی نماز بھی وُسطیٰ بن جاتی ہے۔ تو ہر وہ نماز جو مشکل میں پھنس چکی ہو اور جس کی ادائیگی مشکل ہو اس کو وسطیٰ قرار دیا۔ پس مغرب میں رہنے والوں کے لئے ظہر بھی وسطیٰ بن جاتی ہے اور عصر بھی وسطیٰ بن جاتی ہے اور مغرب بھی اور عشاء بھی۔ ان معنوں

میں وسطیٰ بنتی ہیں کہ ان کی نگرانی کروان کی حفاظت کرواوران کووقت پر الگ الگ وقت پر سجا کے پڑھو۔

جو طلبہ اعتراض کرتے ہیں یونیورسٹیوں میں ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا یا جگہ نہیں ہوتی یہ سب غلط باتیں ہیں قرآنِ کریم نے جو احکامات دیئے ہیں اس کے مطابق سہولتیں بھی ویسی ہی مہیا فرما دی ہیں۔اب کوئی عیسائیت یا ہندومت تو نہیں ہے کہ جس میں عبادت کے لئے آپ کو لازماً چرچ میں یا مندر میں پہنچنا ہو۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے۔(مسلم کتاب المساجد حدیث نمبر: ۸۱۰) جہاں فرائض سخت مقرر کر دیئے وہاں سہولتیں بھی مہیا فرما دیں۔ پس دفتر میں دو گز جگہ مل جائے تو وہی نماز کے لئے کافی ہے۔سکول اور کالج میں اگر اندر جگہ نہیں ملتی تو باہر نکل کر برآمدوں میں کھڑے ہو کر کوئی نہ کوئی جگہ حاصل کی جاسکتی ہے اور میرا یہ تجربہ ہے کہ اساتذہ بھی تعاون کرتے ہیں۔اگر ان کو یہ بتا دیا جائے کہ ہماری نماز کے یہ اوقات ہیں اور چند منٹ کی بات ہے اگر آپ اجازت دیں۔تو میرے علم میں تو آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا یعنی جب تک میں یہاں پڑھا کرتا تھا کہ کبھی ایک استاد نے بھی انکار کیا ہو بلکہ ایک دفعہ ایک استاد میرے لئے جگہ تلاش کرنے کے لئے میرے ساتھ چلے۔ایک فلور پر نہیں دوسرے فلور پر ساتھ گئے۔ میں ان کو کہتا بھی رہا کہ رہنے دیں میں ڈھونڈ لوں گا۔ کہنے لگے نہیں نہیں میرا کام ہے، میں آپ کو ڈھونڈ کے دیتا ہوں۔ چنانچہ ایک کمرے میں انہوں نے کہہ کر جگہ بنوائی کہ اس نے نماز پڑھنی ہے اسے سہولت دو۔تو بڑے نیک لوگ دنیا میں موجود ہیں۔آپ اگر بتا دیں کہ خدا کی خاطر ہم نے چند منٹ عبادت کرنی ہے وقت چاہئے ،تھوڑی سی صاف جگہ چاہئے تو لوگ آپ سے تعاون کریں گے۔

توازن پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔توازن کے دونوں طرف کے تقاضے ہوا کرتے ہیں۔ ایک انتہاء کے بھی ہوتے ہیں، دوسری انتہاء کے بھی ہوتے ہیں۔ایک طرف کے نہیں ہوا کرتے۔ اسی کا نام توازن ہے،اسی کا نام اُمَّةً وَّسَطًا ہے یعنی ایسی امت جو بیچ میں واقع ہو۔پس آپ کو مغرب میں رہ کر اپنے مزاج کو اُمَّةً وَّسَطًا کا مزاج بنانا ہوگا۔حضرت محمد مصطفی ﷺ کا مزاج بنانا ہوگا۔تب قومیں آپ کے سپرد کی جائیں گی کہ آپ ان کی تربیت کریں۔اس کے بغیر آپ تربیت کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔

اسی طرح آپ کے دوسرے نیک تقاضے ہیں۔ جو مغرب میں بسنے کے نتیجے میں پیدا

ہوتے ہیں۔عورتوں کے لئے پردے کا مضمون ہے، مردوں کے لئے بغیر برقعے کے اپنی حفاظت کا مضمون ہے، ان سب چیزوں میں حتی المقدور افراط اور تفریط سے بچنا بڑا ضروری ہے ورنہ آپ ان قوموں کی تربیت نہیں کرسکیں گے۔سوئٹزرلینڈ میں مَیں نے دیکھا ہے کہ یا تو مذہب بالکل ہی اٹھ چکا ہے، کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا یا وہ مذہبی ہیں جو بہت ہی متعصب ہیں اور افراط کے دوسرے کنارے پہ پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ایسی قوم کا مزاج درست کرنا جس میں مذہب بھی ہو اور ساتھ کریک بھی ہو تھوڑا سا۔ دماغی حالت ہی ٹیڑھی ہو اور وہ ہمارے مولویوں کی طرح ایک مولویانہ مزاج رکھتا ہو اور دوسری طرف بالکل مادر پدر آزاد خدا کے قائل نہیں، مذہب کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ان دو انتہاؤں کے درمیان آپ نے زندگی بسر کرنی ہے اور دونوں کے مزاج درست کرنے ہیں اس لئے آپ کو اپنی ساری زندگی کا مزاج ٹھیک کرنا ہوگا۔

قرآن کریم نے جب یہ فرمایا تو اس میں یہ مضمون بھی بیان فرما دیا کہ وہ لوگ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں اور روح کو بھول جاتے ہیں وہ اُمَّةً وَّسَطًا کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ آیت جب پوری پڑھیں تو آگے اس مضمون کی کھل کے سمجھ آجاتی ہے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ بظاہر ایسی بات کر دی جس کا پہلے مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اور مفسرین بھی اس معاملے میں اٹک جاتے ہیں کہ بات ہو رہی ہے ہم نے تمہیں اُمَّةً وَّسَطًا بنایا۔ بیچ کی امت بنایا اور اس لئے بنایا تا کہ بنی نوع انسان کی نگرانی فرماؤ۔ اور اس لئے بنایا تا کہ تمہارا مزاج رسول کے مزاج کے مطابق ہو جائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں تم اُمَّةً وَّسَطًا بنو تا کہ ساری دنیا کی نگرانی کرسکو اس کے معاً بعد فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ اس غرض سے بنایا تھا کہ تا کہ ہم جان لیں کہ کون ہے جو رسول کی اتباع کرتا ہے اور کون ہے جو اس سے پیٹھ پھیر کر ایڑھیوں کے بل پھر جاتا ہے، اس مضمون کا وَسَطًا والے مضمون سے کیا تعلق ہے۔

یہ جو دوسرا مضمون بیان ہوا ہے اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ بیت المقدس کا

قبلہ چھوڑ دو اور خانہ کعبہ کو قبلہ بناؤ۔ اس گھر کو قبلہ بناؤ جو سب سے پہلے خدا کا گھر تھا۔ اس پر ایک فتنہ پیدا ہوا اور کچھ لوگوں نے روگردانی کی یہ کیا بات ہوئی، پہلے یہ قبلہ پھر وہ قبلہ کیا خدا کو نہیں پتا تھا کہ اس کا قبلہ کون تھا اس قسم کی بیہودہ باتیں شروع ہوگئیں تو اُمَّةً وَّسَطًا کے مضمون کے ساتھ خدا نے اس مضمون کو کیوں باندھ دیا یہ وہ معاملہ ہے جو غور طلب ہے۔ بات یہ ہے کہ جو لوگ اُمَّةً وَّسَطًا بنتے ہیں وہ چھوٹی چھوٹی سطحی باتوں پر نظر نہیں رکھتے، چھوٹی چھوٹی ظاہری باتوں پر نظر نہیں رکھتے۔ وہ نظر رکھتے ہیں رسول اور خدا پر اور اس کے مزاج کے پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں۔ جو لوگ چھوٹی چھوٹی ظاہری سرسری باتوں پر نظر رکھتے ہیں ان کے لئے ہمیشہ ٹھوکر کا مقام آتا ہے۔ پس کچھ ایسے لوگ تھے جن کو آنحضرت ﷺ سے محبت تھی اور آپ کا دین محمد رسول اللہ کی وساطت سے اللہ تک پہنچتا تھا۔ یا یوں کہنا شروع چاہئے کہ آپؐ کے دین کی راہ میں جو قبلہ تھا وہ اللہ تھا لیکن اس قبلے کے بیچ میں قبلہ نما محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود تھا جو ہمیشہ وہ قبلہ دکھاتا تھا۔ ان کا تو یہی دین تھا کہ جس طرف محمد رسول اللہ ؐ کا رُخ ہوا اسی طرف خدا ہوگا بس کیونکہ قبلہ نُما آپؐ ہیں اور دوسرے دنیاوی قبلوں کی کوئی بھی حیثیت ان کی نظر میں نہیں تھی اس لئے اس بحث میں وہ پڑے ہی نہیں کہ بیت المقدس کا کیا مقام ہے، کب خدا نے اس کو خاص پاکیزگی بخشی، کتنی دیر کے لئے بخشی، کن قوموں کے لئے وہ پاکیزگی مقدر تھی۔ ان رسمی بحثوں میں پڑے بغیر وہ صرف یہ جانتے تھے کہ قبلہ خدا ہے اور قبلہ نما محمد رسول اللہ۔ جس طرف اس کا رُخ ہوگا اسی طرف خدا ملے گا اس لئے چھوٹی چھوٹی رسمی باتیں ان کی راہ میں حائل نہیں ہوئیں۔ ادنیٰ سے تردّد کئے بغیر انہوں نے فوراً قبلہ بدل دیا لیکن وہ لوگ جو ظاہر پرست لوگ ہوتے ہیں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنی اہمیت دے دیتے ہیں کہ دین کی روح بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نمازوں کے متعلق ہمیں پتا چلتا ہے کہ بعض دفعہ امام حسن اور امام حسین آپ کے کندھوں پر سوار ہو جایا کرتے تھے، جب آپؐ سجدے میں ہوتے تھے تو آپؐ پیار سے ان کو سنبھال کر ایک طرف اتار کر پھر کھڑے ہوا کرتے تھے (مسند احمد جلد ۵ صفحہ: ۳۷، ۳۸)۔ ایک دفعہ کہتے ہیں ایک پٹھان مجلس میں ایک استاد اس حدیث پر گفتگو کر رہا تھا اور اس سے پہلے یہ بتا چکا تھا کہ نماز میں کوئی حرکت نماز کے علاوہ کی جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ کسی کو پکڑا جائے کسی کو سنبھالا جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے تو ایک شاگرد نے فوراً کہا تو پھر نعوذ باللہ کیا رسول اللہ ﷺ کی نماز ٹوٹ گئی؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ ہے جہالت ۔ہم نے جو کچھ سیکھا ہے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے۔ اس کے نتیجے میں کچھ قواعد مترتب ہوئے ۔ان قواعد کے خلاف اگر کوئی آنحضرت ﷺ کی کوئی سند سامنے آ جائے آپ کا فعل ایسا سامنے آ جائے جو ان قواعد کے خلاف ہے تو اس فعل کو ان قواعد سے نہیں ناپا جائے گا بلکہ قواعد درست کئے جائیں گے ۔ یہ کہا جائے گا کہ یہ قواعد بناتے ہوئے ہم سے غلطی ہوگئی آنحضو ﷺ کے سارے افعال کو پیشِ نظر رکھ کر یہ نہیں بنائے گئے ۔بعض افعال ایسے تھے جن سے پتا چلتا تھا کہ ان قواعد میں استثناء ہونا چاہئے تھا۔

تو اصل قبلے کی پہچان ضروری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دین ہم نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے اور جو بات آپؐ سے ثابت ہے اس پر کسی دوسرے کو اعتراض کا حق نہیں ۔فقہ نے جو قواعد بنائے ہیں اگر ان کی نظر میں وہ بات نہیں آئی تو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ۔ آج کے زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت ﷺ کی سنت کو دوبارہ زندہ کیا ہے ۔ایک احمدی کے لئے یہی کافی ہے کہ قبلہ نُما محمد رسول اللہ ہیں تو محمد مصطفیٰ ﷺ کا چہرہ دکھانے والے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ آپؑ کا رُخ کسی اور طرف ہو۔ جس طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا رُخ ہوگا لازماً وہیں محمد رسول اللہ ملیں گے۔

پس یہی نمازیں جمع کرنے والا مسئلہ ہے، اس کے متعلق بعض لوگ جو مولویانہ مزاج رکھتے ہیں اعتراض کر دیا کرتے ہیں یعنی اجتماعی ضرورت کے وقت ، دینی ضرورت کے وقت نمازیں جمع ہوتی ہیں اور بعض لوگ باہر سے آنے والے کہتے ہیں کہ یہ کیا جماعت میں گندی عادت پڑی ہوئی ہے۔ بات بات پر نمازیں جمع کر لیتے ہیں لیکن دیکھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قبلہ چونکہ محمد رسول اللہ کی طرف تھا اور آپ کے رستے سے خدا کی طرف تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے چودہ سوسال پہلے امت کے شک دور کرنے کے لئے یہ بات بیان فرما دی تُجْمَعُ لَهُ الصَّلوٰةُ. (مسند احمد باقی مسند المکثرین حدیث نمبر :۷۵۶۲) مسیح جب آئے گا وہ ایسے زمانے میں آئے گا کہ اس کے لئے نمازیں جمع کروائی جائیں گی۔اس کے لئے سے مراد ہے اس کی خاطر اکٹھے ہوں گے، دینی کاموں کے لئے اکٹھے ہوں گے، ہر موقع پر نہیں ۔اہم دینی تقریبات جو مسیح کی اغراض ومقاصد کی خاطر منعقد کی جائیں گی ان میں نمازیں جمع کروائی جائیں گی لیکن یاد رکھیں یہاں انفرادی نماز کا ذکر

ہی کوئی نہیں ہے۔

تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ کا مطلب ہے اجتماعی نماز کیونکہ نمازیں جمع کروانے کا مطلب ہے ایک سے زیادہ آدمی اس میں شریک ہیں۔ انفرادی نماز کے متعلق یہ آ ہی نہیں سکتا کہ تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ کہ مسیح کی خاطر کوئی اکیلا بیٹھا نمازیں جمع کر رہا ہوگا۔ یہ تو مضمون اس کا بنتا ہی نہیں ہے۔ پس اس حدیث سے جب سبق حاصل کریں تو اپنا ذہنی توازن نہ چھوڑا کریں، اس کو قائم رکھا کریں۔ مراد یہ ہے کہ جب اجتماعی ضرورتیں، دینی ضرورتیں جن کا مسیح موعود کی جماعت سے تعلق ہوگا، مسیح موعود کی اغراض و مقاصد سے تعلق ہوگا وہ پیش ہوں گی تو محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس میرے مسیح کے لئے نمازیں جمع کروائی جائیں گی اور کسی کا کام نہیں کہ اعتراض کرے لیکن کسی کا یہ حق بھی نہیں ہے کہ اس حدیث کو کھینچ تان کر اپنی انفرادی نمازیں جمع کرنے کا جواز حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ہے نماز، اوقات مقرر شدہ ہیں ان پر ہر شخص کا فرض ہے کہ ضرور ادا کرے اور اتنی زیادہ ضروری ہیں کہ ایسی جگہوں میں جہاں مساجد کے فاصلے بہت دور دور ہوتے ہیں بلکہ آپ کے ملک میں تو ایک ہی مسجد ہے یعنی مسجد زیورچ اور آپ میں ایسے ہیں جو سینکڑوں میل دور رہتے ہیں۔ تو وہاں نماز کا تصور ہی اٹھ جائے گا اگر آپ نے نماز کی حفاظت نہ کی۔ مساجد نماز کی حفاظت کرتی ہیں۔ گھروں میں اگر آپ نے نماز سے غفلت کی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگلی نسلیں نماز کی ضرورت سے ہی بے خبر ہو جائیں گی اور جمع کرنے کی عادت بہت ہی گندی عادت ہے گھروں میں جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ خود اپنے ہاتھوں سے نسلوں کو تباہ کر رہے ہوتے ہیں اس لئے میں آپ کو صرف یہ نہیں کہتا کہ نمازیں جمع نہ کریں گھروں میں۔ مَیں یہ کہتا ہوں کہ گھروں میں باجماعت نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ وہ لوگ جو یہاں بعض ایسے نوجوان اسائیلم کے لئے آئے ہیں ان کو دور دراز ایسی جگہوں میں انہوں نے ٹھہرایا ہے حکومت نے، جہاں دو یا تین احمدی ہیں بس، دور نزدیک کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ ان کا فرض ہے کہ اگر دو ہیں تو دونوں مل کر نمازیں اکٹھی پڑھیں اور جہاں تک ممکن ہے وقت کے اوپر نمازیں ادا کریں۔ جو زائد وقت ہے اس میں وہ دینی تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ ہم تو پڑے پڑے بور ہو رہے ہیں، زندگی اجیرن ہوگئی ہے، کیا کریں۔ کھلی جگہ ان کو الگ ملی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے بہت سے دینی کام ان کے سپرد کر رکھے ہیں۔ زبانیں سیکھنے کے لئے عام آدمی کو زندگی میں وقت نہیں ملتا۔ قرآن

اور حدیث سیکھنے کے لئے بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو پہلے موقع ہی کبھی نہیں ملا۔ تو مرکز سے رابطہ کریں ان سے لٹریچر منگوائیں ان سے کیسٹس منگوائیں، ویڈیوز منگوائیں اپنے پروگراموں کو دلچسپ بنائیں۔ بوریت تو آپ کی اندرونی حالت کا نام ہے۔ ایک انسان جس کی اندرونی حالت میں تازگی پائی جائے اور زندگی کے اندر دلچسپی کا طریقہ ہو وہ تو تنہائی میں بھی کبھی بور نہیں ہوتے۔ اگر بزرگ ہے تو ذکرِ الٰہی میں لگا رہے گا اگر شاعر ہے تو شعر و شاعری میں وقت لگائے گا۔ اگر آرٹسٹ ہے تو اپنے آرٹ کے اظہار کے لئے کوئی بہانے تلاش کرے گا۔ صحیح آدمی جس کے اندر اندرونی لذتیں پائی جاتی ہیں بور ہو نہیں سکتا۔ غالب نے خوب کہا ہے کہ

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو (دیوانِ غالب صفحہ:۱۹۴)

کہ اگر انسان اپنے اوپر غور کرے تو اپنی ذات میں خیالات کا ایک محشر ہے۔ جس طرح محشر میں مُردے اٹھائے جائیں گے اور ہزاروں لاکھوں کروڑوں اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ غالب نے کتنی سچی بات کی ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے خیالات کے لاکھوں کروڑوں مُردے دفن کر رکھے ہیں جو جاگ سکتے ہیں۔ اگر انسان میں شعور ہو اور ان کو جگائے اور اٹھائے تو ایک محشر بپا ہو جائے۔ وہ کہتا ہے ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو، تنہائی ہی کیوں نہ ہو ہمارے لئے تو انجمن ہی انجمن ہے۔ ہم اپنے خیالات میں کھو کر ان سے اپنی لذتیں حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایک عابد ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ایک شاعر شعر و شاعری میں، ایک آرٹسٹ اپنے آرٹ میں۔ کچھ نہ کچھ کام کرنے کی عادت ہو، سلیقہ ہو تو انسان بور نہیں ہو سکتا۔ تو اپنے آپ کو بیکار کیوں بناتے ہیں۔ آپ کے لئے بہت سے کام ہیں کرنے والے۔ مرکز سے رابطے کریں، ایسے حکومت کے اداروں سے رابطے کریں جو زبان سکھانے والے ہیں ان سے آڈیو، ویڈیو کی چیزیں حاصل کریں، مشینیں جن سے آپ کو زبان سیکھنے میں سہولت ہو، تعلّقات بڑھائیں فارم والوں کے پاس جائیں۔ ان کی مدد کریں ان سے کہو ہم سے بھی کام لو، ہم بیکار بیٹھے ہوئے ہیں اور ان سے فارمنگ سیکھیں، زبان سیکھیں۔ تعلقات بڑھائیں تو اس سے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ کے بھی بہت اچھے مواقع میسر آ جائیں گے۔

تو ایک احمدی یعنی بیکار ہونا اور بور ہونا ایک بعید تصور ہے مجھے سمجھ نہیں آسکتی کہ کس طرح ایک احمدی بیکار اور بور ہوسکتا ہے۔اس کے کام اتنے زیادہ ہیں دنیا میں کہ اگر وہ ان کاموں کا شعور ہی حاصل کرلے تو ہر جگہ وہ اپنے آپ کو مصروف سمجھے گا اور وقت کم دکھائی دے گا۔

حضرت مولوی عبداللہ صاحبؓ کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ بیان فرمایا کرتے تھے تبلیغ کا بہت شوق تھا۔اوران کے طریقوں میں سے یہ بھی تھا کہ کوئی ہل چلا رہا ہے تو اس کے ساتھ چل پڑے اور اس نے کہا کہ میں ہل چلا رہا ہوں آپ نے کیا باتیں شروع کی ہوئی ہیں مجھے نہیں ہوش اس وقت ۔تو کہتے اچھا ہل مجھے پکڑا دو، چلو تم میرے ساتھ چلو۔تو اس کا کام بھی ہو جاتا تھا اور اس کو تبلیغ کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔تو کتنا اچھا ایک نمونہ انہوں نے آپ کے لئے چھوڑ دیا۔آپ یہاں زمینداروں کے پاس جانا شروع کریں، ہم آئے ہیں فلاں جگہ سے، ہم بھی اس ملک کا نمک کھا رہے ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کا حق ادا کریں آپ لوگوں کے پاس کام ہے ہمیں بتائیں، کچھ نہ کچھ کام کریں اور کچھ اپنا کام لیں، تبلیغ شروع کردیں، زبان سیکھنے کا موقع ہو تو وہاں ان سے زبان بھی سیکھیں غرضیکہ بہت سے ایسے ذرائع ہیں جن کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندگی نسبتاً بہتر صرف ہو جاتی ہے۔

اور پھر جب گھر سے چلے ہیں یہ کہہ کر کہ ہم نے دینی مجبوریوں سے ہجرت کی ہے تو پھر اس کے تقاضوں کو نبھانا چاہئے ۔جس رستے کو اختیار کیا جائے اس کی تکالیف اور مشکلات کو پہلے ہی مدنظر رکھنا چاہئے ورنہ وہ لوگ جو یہاں بزدلی دکھائیں گے اور واپس جانے کی کوشش کریں گے؟ وہ باقی سب پناہ گزینوں کے معاملوں کو جھوٹا بنادیں گے یہاں کی حکومت یہی تاثر لے گی۔اس کو کیا پتا کہ کوئی شخص کس حد تک بور ہو گیا تھا۔وہ یہی سمجھیں گے کہ یہ تو محض بہانہ تھا اور جب وہ پناہ لے کے واپس جاسکتے ہیں اور ان کو کوئی خطرہ نہیں تو باقی سب کا بھی یہی حال ہوگا اس لئے یا تو قدم نہیں اٹھانا تھا جب اٹھایا ہے تو پھر اس کے تقاضے پورے کریں وفا کے ساتھ قائم رہیں۔مشکلات ہیں تو برداشت کریں۔ چند دن کی مشکلات ہیں پھر اللہ کے فضل سے دن بدل جایا کرتے ہیں۔اگر خدا کی خاطر صبر کریں گے تو اللہ آپ کی دعاؤں کو بھی قبول فرمائے گا آپ کی مشکلات کو آسان کردے گا۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اس پہلو سے بھی توازن دکھائیں گے اور بے وجہ اپنے آپ

کو کسی مایوسی سے مغلوب نہیں ہونے دیں گے۔ متوازن آدمی کی یہ خوبی ہوا کرتی ہے اس پر اندھیرے غلبہ نہیں کیا کرتے۔ اندھیروں کے وقت بھی اس کو روشنی دکھائی دیتی ہے اور روشنی بھی اس کو پاگل نہیں بنا دیا کرتی۔ بہت زیادہ بے ضرورت اطمینان نہیں دے گی۔ روشنی میں بھی وہ سمجھتا ہے کہ اندھیرے آنے والے ہیں اور بے وجہ روشنی سے دل نہیں لگا بیٹھتا کہ اندھیروں کے قابل بھی نہ رہے۔ بہادر شاہ ظفر کے شعر بعض بڑے موقع اور محل کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ وہ کہتا ہے۔

جب چمن سے گزرے تو اے صبا تو یہ کہنا بلبلِ زار سے

کہ خزاں کے دن بھی قریب ہیں نہ لگانا دل کو بہار سے (کلیات ظفر)

کہ اے صبا اگر تیرا چمن سے گزر ہو تو میرا یہ پیغام بلبلِ زار سے دے دینا کہ خزاں کے دن بھی قریب ہیں نہ لگانا دل کو بہار سے۔ دراصل یہ بہادر شاہ ظفر نے اس زمانے کی سیاسی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ بادشاہ جو کسی زمانے میں سارے ہندوستان کا بادشاہ کہلاتا تھا اس نے سلطنتِ مغلیہ کا زوال دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ انگریز آرہے ہیں اور اب زمانے بدلنے لگے ہیں اب ہندوستان کی بہار خزاں میں تبدیل ہونے لگی ہے تو انہی مضامین کو پھر اس نے شعروں میں باندھا ہے۔ مگر بات بہت اچھی کی ہے اور یہی مومن کا مزاج ہے کہ جب وہ بہار دیکھتا ہے تو خزاں سے غافل نہیں ہو جایا کرتا۔ جب وہ خزاں میں ڈوبتا ہے تو ڈوب کر اس کا سانس بند نہیں ہو جاتا، وہ امید رکھتا ہے بہار کی اور یقین رکھتا ہے کہ دن بدلیں گے۔

یہ مزاج لے کر آپ کو یہاں زندہ رہنا ہے۔ پھر اپنی اقدار کی حفاظت بھی کرنی ہے، اپنی زبانوں کو بھی حفاظت کرنی ہے اور پھر ان کی زبانیں بھی سیکھنی ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی افراط تفریط سے بچنا ہے۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ اپنے بچوں کو اردو پنجابی یا پشتو جو بھی ان کی زبان ہے وہ نہیں سکھاتے اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمیں تو نہیں آئی لیکن ہمارے بچوں کو مقامی زبان آگئی۔ انگلستان میں بھی ایسے ہیں اور جرمنی میں بھی اور یہاں (سوئٹزرلینڈ) بھی ہوں گے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ زبانیں کلچر کی حفاظت کیا کرتی ہیں۔ اگر آپ نے اپنی زبان بچوں کو نہ سکھائی اور دوسروں کی ہی زبان سیکھ کر رہ گئے اس خیال سے کہ یہ ملک ہمارا بننے والا ہے تو بہت سی آپ کی ایسی اخلاقی اقدار اور تمدّنی اقدار جن کا زبان سے تعلق ہے ان سے وہ بچے کٹ جائیں گے۔ زبانوں کو

حرفِ اظہار کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ زبانیں مزاج کی حفاظت کیا کرتی ہیں۔ وہ پٹھان جو پشتو کی حفاظت کرتے ہیں اکثر ان میں سے ایسے ہیں جن کی کلچر نہیں بدلتی اور پٹھانوں میں یہ خوبی ہے خاص طور پر کہ دنیا میں جہاں جائیں وہ اپنی زبان نہیں چھوڑتے۔ اسی طرح Italians میں یہ خوبی ہے، اسی طرح Chinese میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ جہاں جاتے ہیں اپنی زبان کی حفاظت کرتے ہیں اور پھر زبان ان کی حفاظت کرتی ہے۔ زبان ان کے لئے حصار کھڑا کر دیتی ہے اور ان کی کلچر جہاں بھی جائیں قائم رہتی ہے۔ آپ امریکہ جائیں انگلستان جائیں آپ کو چائنا ٹاؤن ملیں گے، آپ کو اٹالین آبادیاں ملیں گی جس میں ان کے کلچر اسی طرح قائم ہے جس طرح اپنے ملک میں ہوا کرتی تھی۔ تو احمدی کے لئے جو پاکستان سے آتا ہے اردو کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ جب میں کہتا ہوں مقامی زبان سیکھیں تو ضرور سیکھیں اس کے بغیر آپ کا گزارہ نہیں ہے، اس کے بغیر آپ ان کو پیغام پہنچا ہی نہیں سکتے، اس کے بغیر آپ ان سے اپنائیت کا رابطہ نہیں کر سکتے۔ یہ آپ کو غیر سمجھیں گے، لیکن ان کو اپنانے کے لئے آپ تو غیر نہ ہو جائیں کہ اپنوں سے ہی جاتے رہیں۔ اس میں بھی توازن پیدا کرنا ضروری ہے۔ اُمَّةً وَّسَطًا بننا ہوگا آپ اپنی زبان کی بھی حفاظت کریں، اپنے کلچر کی حفاظت کریں اور پھر دوسروں کی زبانیں سیکھیں تو آپ کو کوئی خطرہ نہیں لیکن صرف ان کی سیکھتے رہ جائیں گے تو پھر آپ کو خطرہ ہے آپ کا تمدنی پسِ منظر آپ کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

اس سلسلے میں بعض دفعہ میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے بچوں کو گھر میں وہ ابتدائی کتابیں بھی پڑھائیں جو آپ نے بچپن میں پڑھی ہوئی تھیں۔ مثلاً اردو پڑھاتے وقت پہلی میں جو کورس ہوا کرتے تھے اس میں بعض لطیفے تھے، بعض سبق آموز کہانیاں تھیں خواہ وہ پریوں بھوتوں کی ہوتی تھیں اس زمانے میں ایسی کہانیاں جوڑی جایا کرتی تھیں جن میں سبق ہوں تو وہ کہانیاں آپ نے پڑھی ہوئی ہیں، وہ لطیفے آپ نے پڑھے ہوئے ہیں اور آپ کو یہ یاد ہوگا کہ جب بھی آپ سے پہلے جن لوگوں نے وہ کتابیں پڑھی ہیں کوئی لطیفہ بیان کرتے ہیں تو دونوں کو ایک جیسا مزہ آتا ہے اور وہ ایک رستہ ہے جس نے دونسلوں کو باندھا ہوا ہے آپس میں۔ وہ تمدّنی پسِ منظر ہے جو زبان کے ذریعہ آپ کو میسر آیا ہے لیکن اگر کورس بدلنے شروع ہو جائیں جس طرح آج کل رواج چل پڑا ہے کہ ہر چوتھے پانچویں سال بنیادی کورس ہی بدل دیئے تو دونسلوں کے درمیان رابطے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کی

کتابیں اور، ان کی کہانیاں اوران کے لطائف اور، ان کی نظمیں اور حالانکہ پرانے زمانے میں یہ خوبی تھی تعلیمی نظام میں کہ پچاس پچاس سال تک بھی ابتدائی بنیادی تعلیم کی کتابیں بدلا نہیں کرتے تھے اور ایک رسی میں ایک کے بعد دوسری نسل باندھی جاتی تھی۔ تو اس پہلو سے آپ نے جو کتابیں پڑھی ہیں شروع میں بچپن میں، وہ مہیا کرنے کی کوشش کریں اپنے بچوں کو وہ پڑھائیں۔ ان کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

پھر اور کلچرل باتیں ایسی ہیں جن کو آپ ان پر نافذ کر سکتے ہیں مثلاً بچپن کی کھیلیں ہیں۔ میرو ڈبہ کھیلا ہوا ہے آپ نے، آپ نے کوکلا چھوپا کی شب برات آئی یہ کھیلا ہوا ہے۔ آپ نے ’آتے ہیں آتے ہیں ٹھنڈے موسم میں، کئی قسم کے کِھدو کھیلے ہوئے ہیں۔ تو یہ ساری کھیلیں ہیں یہ بھی آپ کی نسلوں کے درمیان مضبوط رابطے قائم کرنے والی چیزیں ہیں۔ اس کے کھیل کے نام سے ہی فوراً آپ کو پرانی فضائیں یاد آجاتی ہیں، وہ موسم تازہ ہو جاتے ہیں جن میں کھیلا کرتے تھے۔ تو ان میں اپنے بچوں کو بھی شریک کریں۔ ورنہ ہوگا یہ کہ یہ آپ کی آنکھوں کے سامنے یہ ایسی نسل بن کر اٹھیں گے کہ جن کی آنکھوں میں غیریت پائی جائے گی۔ وہ آپ کو اس طرح دیکھیں گے کہ پتا نہیں کس زمانے کے لوگ کہاں سے آگئے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں ان کی باتوں کو، نہ آپ اُن کی باتوں کو سمجھیں گے، نہ یہ آپ کی باتوں کو سمجھیں گے۔ اس لئے **زبان اور تمدّن کے روابط کو غیر معمولی اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ ان کی زبانیں بھی سیکھیں اوران کے طور طریق بھی سیکھیں لیکن اپنے بچوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔** وہ بات نہ ہو کہ غالب کہتا ہے:

یہی ہے آزمانہ تو ستانا کس کو کہتے ہیں

عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو (دیوان غالب صفحہ:۱۹۴)

یعنی تم اتنے غیر بن گئے ہو کہ غیر ہی کے ہو چکے ہو اس کو آزمائش نہیں کہا جاتا یہ تو بڑا دکھ ہے۔ اس لئے اپنے بچوں کو غیر کا نہ ہو جانے دیں۔ ان کے ذریعہ آپ نے غیروں کے دل جیتنے ہیں یہ مقصد ہے جو آپ کے پیشِ نظر رہنا چاہئے۔ غیر قوموں کو اپنانے کے لئے یہ آپ کی رسیاں ہیں جو پھینکی گئی ہیں۔ ان کو پکڑ پکڑ کر غیر قومیں آپ کی طرف آئیں گی لیکن اگر آپ کے ہاتھ سے یہ رسی چھوٹ جائے پھر تو غیروں کے ہو گئے یہ سب کچھ۔ اس لئے ہر پہلو سے اپنے مزاج میں، اپنی ہوش

میں اپنے طور طریق میں اپنی نسلوں سے تعلقات میں غیروں سے تعلقات میں **اُمَّةً وَّسَطًا** بننے کی کوشش کریں۔ وہ امت جس کے سپرد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام بنی نوع انسان کی نگرانی کرتا ہوں۔ **تم اُمَّةً وَّسَطًا بنو تو میرے اس رسول کے شایانِ شان امت بن جاؤ گے جس کو میں اُمَّةً وَّسَطًا کا نگران بنا رہا ہوں۔ جس کو میں تم سب پر شہید بنا چکا ہوں۔** اگر تم ایسے بنو گے تو پھر خدا کا وعدہ ہے کہ میں ساری دنیا کی باگ ڈور تمہیں تھما دوں گا کیونکہ تم واقعی میرے نزدیک اس لائق ٹھہرو گے کہ تمام بنی نوع انسان کی نگرانی اور حفاظت کر سکو۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ایسے داعی الی اللہ بن جائیں جو خود اپنے نگران ہوں۔
دعوت الی اللہ کی محبت میں مبتلا ہو کر دعوت الی اللہ کریں اور
اس کے بغیر چین نہ پکڑیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ ستمبر ۱۹۹۲ء بمقام ہالینڈ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

یورپ کے حالیہ سفر کے دوران مجھے یہ بات معلوم کر کے اور محسوس کر کے خوشی ہوتی رہی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ عموماً سب یورپ کی جماعتوں میں پہلے کی نسبت زیادہ بیداری ہے تربیتی نقطہ نگاہ سے بھی یہ احساس ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو بہتر بنانے کے لئے کوشش کرنی ہے اور تبلیغی نقطہ نگاہ سے بھی یہ احساس ہے کہ ہمیں پہلے سے بڑھ کر جدوجہد کرنی ہے اور گھر بیٹھے از خود پیغام دوسروں تک نہیں پہنچ سکتے۔

اس سلسلے میں جرمنی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی خوشکن تجربہ ہوا۔ جو مجلس سوال و جواب کی میٹنگ ہمیشہ ہوا کرتی تھی اُس میں امسال کئی پہلو سے بہت نمایاں بہتری تھی۔ ایک تو یہ کہ بھاری تعداد میں ایسے مہمان تھے جن کا تعلق پاکستان سے نہیں بلکہ جرمنی، ترکی، ایران، افغانستان، عرب ممالک وغیرہ وغیرہ سے تھا اور صاف نظر آ رہا تھا کہ مختلف جگہوں پر احمدیوں نے محنت کی ہوئی ہے اور اُس محنت کا نتیجہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا جو محض دو تین گھنٹے کی مجلس سے نہیں ہوا

کرتا، اس کے پیچھے لمبی تیاری ہونی چاہئے۔ پس اللہ کے فضل سے کچھ ڈیڑھ دو گھنٹے کی یا ڈھائی گھنٹے کے قریب کی میٹنگ تھی شاید۔ اس کے بعد بیعتوں کا آغاز ہوا پہلے آٹھ نے خواہش ظاہر کی پھر اور شامل ہونے شروع ہوئے۔ شام تک اطلاع ملی کہ سولہ مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے دوست احمدی ہونے کے لئے ارادہ کر چکے ہیں اور با قاعدہ بیعت کا فارم لے چکے ہیں۔ دوسرے روز پھر چار عربوں کی طرف سے پیغام ملا کہ ہم بھی مجلس میں شامل تھے اور فیصلہ کرنا چاہتے تھے مگر کچھ وقت لگا ہے اور رات کو دعائیں کرتے رہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اُن کو اطمینان بخشا اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی موقع دیا جائے ہم آ کر دستی بیعت کریں گے۔ بیس کی تعداد اگر چہ بظاہر بہت تھوڑی تعداد ہے لیکن مغربی ملکوں میں چونکہ اسلام کے خلاف بہت ہی بدظنیاں پھیلائی جا چکی ہیں اور صرف اسلام کے خلاف بدظنیوں کی بات نہیں بلکہ مذہب میں دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام خوبصورت دکھائی دے بھی تب بھی اسلام کی طرف آگے بڑھنا اور اُس کی ذمہ داریوں کو قبول کرنا کوئی عام معمولی بات نہیں ہے۔ ایسا معاشرہ جو مادہ پرست ہو چکا ہو، جس میں دنیا کی لذتوں میں کھوئے جانے کا رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہو، جہاں دولت کی ریل پیل ہو، جہاں نفسیاتی طور پر انسان اپنے آپ کو مینار کی چوٹی پر کھڑا دیکھ رہا ہو اور دیگر قوموں کو نیچے گہرائیوں میں وہاں مذہب تبدیل کرنا خواہ وہ معمول ہی کیوں نہ ہو معمولی بات نہیں بلکہ بہت غیر معمولی طور پر نفسیاتی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ اتنا گہرا اثر سچائی کا پڑنا چاہئے کہ اس کے بعد ایک انسان بے بس ہو جائے اور سمجھے کہ مجھے اپنی ساری سوسائٹی کو ترک کرنا پڑے تب بھی مجھے اس حقیقت کو قبول کرنا چاہئے اس میں روشنی ہے، اس میں سکینت ہے، اسی میں میری طمانیت ہے۔

تو اس فیصلے کے لئے محض دلائل کافی نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاقی نمونے، لمبے تعلق اور رفتہ رفتہ دل میں جانشین ہونے والا یہ یقین چاہئے کہ صداقت اور سکینت اور طمانیت اسلام ہی میں ہیں اور اسی میں ہماری اس دنیا کی اور اُس دنیا کی بھلائی ہے۔ یہ فیصلے ایک دو گھنٹے کی مجالس میں تو نہیں ہوا کرتے۔ یہ فیصلے تو لمبا وقت چاہتے ہیں، محنت چاہتے ہیں اور اسی لئے دعوت الی اللہ پر میں اتنا زور دیتا ہوں کہ درحقیقت ایک احمدی جو زیادہ علم نہ بھی رکھتا ہوا گر دعوت الی اللہ کر رہا ہے تو اُس کی نصیحت اثر ضرور کر رہی ہوتی ہے شرط یہ ہے کہ اُس کا اپنا نمونہ نیک ہو، اُس کے اندر ایک ذاتی جاذبیت پائی

جائے۔ پس جو باتیں وہ خود نہیں کر سکتا اپنی لاعلمی کی وجہ سے۔ جب مجالس سوال و جواب میں مربیان یا دوسرے صاحبِ علم دوست یا مجھے موقع ملے میں شامل ہوں تو وہ علمی الجھنیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حل ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان کے لئے وہ قدم اٹھانا آسان ہو جاتا ہے۔

پس نتائج کو دیکھ کر یہ سمجھنا کہ نتائج اچانک پیدا ہوئے یہ درست نہیں، لمبی محنت درکار ہوتی ہے پھل لگنے کے لئے، اگرچہ ایک تھوڑے سے موسم میں پھل لگتے دکھائی دیتے ہیں لیکن پھل لگنے کے لئے بیج سے لے کر یا اُس کی جڑیں لگانے سے لے کر پھلوں تک کے درمیانی عرصے پر بھی تو غور کریں کہ ایک محنت کرنے والے نے کتنی محنت کی ہے۔ آپ نے تو یہ دیکھ لیا کہ آم لگ گئے ہیں، بور آیا ہے آپ کی آنکھوں کے سامنے اور جلدی جلدی وہ پکنا شروع ہوا۔ چند مہینے میں وہ پھل پک گیا یا چیریز کو دیکھا بڑے خوشنما پھول دکھائی دیئے اور دیکھتے دیکھتے وہ چیریز بنی پھر موسم گزر بھی گیا۔ لیکن جنہوں نے لگایا تھا اُن کو لگاتے بھی تو دیکھیں جنہوں نے حفاظت کی ہے اُن کو حفاظت کرتے ہوئے بھی تو دیکھیں۔ پانی دیا اور ہر موسم سے حفاظت کی اور طرح طرح سے تیار کیا اور نقصان دینے والے جراثیم سے، پرندوں اور جانوروں سے بچایا۔ تبلیغ بھی اسی قسم کا کام ہے۔ مجالس سے پہلے کچھ کام ہونا ضروری ہے اور وہ کام ہے دراصل جو پھل کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اگر اُس کے بغیر آپ گائے بھینسوں کی طرح غلے کے غلے گھیر لے آئیں اور مجالس میں اکٹھا کر لیں اُس کا کوئی فائدہ خاص نہیں ہوتا۔ شاذ کے طور پر اتفاقاً کسی دل پر اثر پڑ جائے گا یا یہ ہوسکتا ہے کہ ذہن اس بات پر آمادہ ہو جائے کہ آئندہ میں دلچسپی لوں گا مگر نتائج نکالنے کے لئے بہر حال لمبی پہلے محنت چاہئے۔

پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ دعوت الی اللہ کے کام کو سنجیدگی سے ایسے کاموں کی طرح لیں جو زندگی میں روزمرہ کے کام کئے جاتے ہیں اُن کی حقیقت سے انسان خوب آشنا ہے۔ ایک تاجر جانتا ہے کہ تجارت اچانک پھل دار نہیں بن جایا کرتی، نتیجہ خیز نہیں ہوا کرتی، ایک زمیندار جانتا ہے کہ فصلیں کاشت کرنے کے لئے بھی لمبی محنت درکار ہے، باغ لگانے کے لئے اور بھی زیادہ محنت درکار ہے، سینچنا پڑتا ہے باغوں کو، لمبی محنت کرنی پڑتی ہے۔ دعوت الی اللہ کے کام کے لئے بھی ایسی ہی محنت بلکہ اس سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

عام محنت میں انسان کے جذبات اتنے گہرائی کے ساتھ اُس محنت میں شامل نہیں ہوا کرتے

اور اُس کی اتنی زیادہ ضرورت بھی نہیں ہے۔ ایک زمیندار اگر زمینداری کے تقاضے پورے کر رہا ہے تو جذباتی لحاظ سے وہ بیچ میں پوری طرح ملوث ہے یا نہیں۔ یہ بے موقع، بے معنی سی بات ہے۔ لیکن اگر آپ تبلیغ کرتے ہیں تو زائد ضرورت یہ ہے کہ آپ کو جذباتی طور پر اُس کے اندر مدغم ہو جانا چاہئے، اُس تبلیغی کام کے ساتھ اور اُس میں اپنی ذات کو کھو دینا چاہئے، محبت اور پیار کے جذبے سے تبلیغ کرنی پڑے گی اس لئے محض دماغ سوزی کی بات نہیں، دل جلانے کی بھی بات ہے۔ دل ڈالیں، دل میں بے چینی پیدا کریں، بے قراری لگالیں، ایک بیماری کی طرح دل کو ایک روگ لگ جائے کہ میں نے یہ کام کرنا تب جا کر وہ کام ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی دنیا میں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے از خود مل جاتا ہے اور تھوڑی سی محنت کے بعد وہ پانی دریاؤں سے ہو یا چشموں سے ہو یا کنوئیں نکال کر ہو کھیتیوں اور باغوں تک پہنچا دیا جاتا ہے اُس میں دل کی بات نہیں ہے۔ لیکن دعوت الی اللہ کے کام میں جو پانی آنا ہے یہ آپ کے دل کے روگ سے پیدا ہوتا ہے۔ یا اُن دعاؤں سے آسمان سے برستا ہے جو داعی الی اللہ اُن لوگوں کے لئے کرتا ہے جن کو ہدایت پہنچانا اُس کی زندگی کا جزاعظم بن چکا ہوتا ہے اُس کا مقصد اعلیٰ بن جاتا ہے۔ پس اُس کی گریہ وزاری میں شدید بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور بڑا پھل اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اُنہی دعوت الی اللہ کرنے والوں کو نصیب ہوتا ہے جو اس طرح دعوت الی اللہ کے کام سے دل لگا بیٹھیں، محض دماغی طور پر سمجھا دینا، اس طرح دعوت الی اللہ کرو، اس طرح کرو، اس طرح کرو، ہرگز کافی نہیں ہے۔ دعوت الی اللہ کا حقیقی پھل آسمان سے اترتا ہے۔ یہ خاص تبدیلی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے پیدا ہوتی ہے اور اُس کا گہرا تعلق دعوت الی اللہ کرنے والے کے قلبی رجحان سے ہے۔

پس آنحضرت ﷺ سے متعلق جو قرآن کریم میں یہ پڑھتے ہیں: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: ۴) ایک دوسری جگہ ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۞ (الکہف: ۷) دونوں کا مضمون ایک ہی ہے کہ اے محمدؐ! کیا تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کرلے گا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہو رہے کتنا گہرا غم تھا جو آپ نے دل کو لگا لیا۔ پس دعوت الی اللہ کے لئے صرف عقل اور ذہن کا تعلق نہیں ہے۔ حکمت کے تقاضے بعض قرآن کریم فرماتا ہے اُسے اہمیت دیتا ہے لیکن مرکزی بیچ کی بات جو قرآن بیان فرما رہا ہے وہ دل کی لگن اور ایک ایسی تمنا ہے جو ساری زندگی پر قبضہ کرلیتی ہے۔ جو

اپنے خاکِ وجود کو جس طرح محبت جلاتی ہے، اس طرح جلانے لگتی ہیں، وہ تمنا چاہئے دعوت الی اللہ کے لئے اور وہی تمنا ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دل میں اتنی شدت سے تھی کہ دنیا کے کسی نبی کے دل میں ایسی شدت پیدا نہ ہوئی ہو کیونکہ قرآن کریم نے جس طرح آنحضرت ﷺ کے دل کا حال کھینچا ہے دیگر انبیاء کے دل کی وہ کیفیت کسی اور الٰہی کتاب میں مندرج دکھائی نہیں دیتی۔ پس دلسوزی کا کام ہے، عرق ریزی باہر کی بات ہے، دلسوزی اندر کی بات ہے زمیندار جو محنت کرتا ہے وہ عرق ریزی سے کرتا ہے، پسینہ بہاتا ہے اور مومن جو خدا کی راہ میں کھیتی پر محنت کرتا ہے اُس کا دلسوزی سے تعلق ہے اور وہ دل جلاتا ہے اور اُس کی دل کی گرمی سے آسمان سے رحمت کے بادل برستے ہیں جو اُس کے دل کو بھی ٹھنڈا کرتے ہیں اور اُس کی روحانی کھیتی کی آبیاری کا کام لیتے ہیں۔

تو اس پہلو سے آج مجلس عاملہ میں بھی جب میں نے نصیحت کی تو یہی تھی کہ آپ میں سے ہر ایک نمونہ بن جائے ساری جماعت کے لئے، اپنے دل کو بھی اس میں ڈال لیں تا کہ آپ کی نگرانی کے لئے کسی باہر کی آنکھ کی ضرورت نہ رہے۔ دل کی آنکھ روشن ہو جائے خود آپ اپنے نگران بن جائیں۔ فکر اگر ہو تو ویسی ہو جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کی فکر اللہ کو تھی۔ اللہ کے کام تھے اور اللہ روک رہا ہے اتنا دل کو نہ جلاؤ کہ اپنے آپ کو ہلاک کر بیٹھو، وہ فکر اور رنگ کی ہو جاتی ہے۔ بعض مائیں ہیں جو بچوں کو کہتے کہتے تھک جاتی ہیں پڑھتے کیوں نہیں، پڑھتے کیوں نہیں، پڑھتے کیوں نہیں اور بعض مائیں ہیں جو راتوں کو اٹھ کر پڑھتا دیکھتی ہیں تو اُن کا دل بیٹھنے لگتا ہے کہتی ہیں تم اپنی نظر گنوا بیٹھو گے تمہارے دماغ کو نقصان پہنچ جائے گا، خدا کے لئے کچھ آرام کرو۔ یہ ہے دلسوزی اُن لوگوں کے لئے جو دعوت الی اللہ میں منہمک ہو جاتے ہیں پھر آسمان سے خدا کی آواز آتی ہے بس کرو حوصلہ کرو اتنا نہ دل جلاؤ کہ تمہارے دل کا ضیاع ہو جائے۔ یہ جب لگن ہو جائے تو ایسی دعوت الی اللہ لازماً پھل دیتی ہے ناممکن ہے کہ پھل سے محروم رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیسا پاکیزہ تجزیہ فرمایا ہے اور میں عش عش کر اٹھتا ہوں جب اُس تحریر کو پڑھتا ہوں یا وہ جب مجھے یاد آتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا راز ہے جیسا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھا۔ 1400 سال کے عرصے میں بڑے بڑے امت میں بزرگ گزر گئے مگر کوئی اس راز کو پا نہیں سکا۔

آپ نے فرمایا کہ یہ جو تو نے عجیب ماجرا عرب کے بیابانوں میں ہوتا دیکھا۔ یہ حیرت انگیز

معجزہ جانتے ہو یہ کیا تھا۔ یہ ایک فانی فی اللہ کی دعائیں ہی تو تھیں جس نے راتوں کو اٹھ کر ایک شور برپا کر دیا اور آسمان سے وہ رحمت کی بارش برسی کہ صدیوں کے مردے جی اٹھے اور زندوں کے رنگ بدل گئے۔ وہ الفاظ تو مجھے یاد نہیں مگر عجیب شوکت ہے ان الفاظ میں، وہ شوکت سچائی کی شوکت ہے فصاحت و بلاغت کی نہیں۔ جیسے اچانک ایک انسان حیرت انگیز راز کو پالیتا ہے اور اُس کے نتیجے میں اُس کے دل میں ایک عجیب ولولہ پیدا ہو جاتا ہے اور بے اختیار شدت کے ساتھ دل سے وہ مضمون پھوٹنے لگتا ہے کہ میں نے ایک عظیم الشان مضمون پالیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں میں بعض ایسے لمحات ہیں جو یاد دلاتے ہیں فلسفی کی جو غور کر رہا تھا ایک مضمون پر اور دیر تک سوچتا رہا۔ بالآخر اُسے سمجھ آئی کہ یہ کیا مضمون ہے۔ Gravitation بھی تھا یا جس کا بھی تھا۔ اچانک اُس نے شور مچا دیا میں نے پالیا میں نے پالیا اور ایک راز پایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم و معرفت کے اتنے راز پائے ہیں کہ جب وہ راز آپ دریافت کرتے تھے تو بے اختیار دل بول اٹھتا تھا کہ سب دنیا کو سناؤں اور سب دنیا کو بتاؤں کہ میں نے پالیا اور کیا پایا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریریں پڑھتے وقت مناظراتی تحریروں میں نہ اٹکا کریں۔ آپ پڑھتے پڑھتے اچانک ایسی جگہوں میں داخل ہوں گے جہاں ایک دم تحریر زندہ ہو کر زندگی سے اُبلنے لگتی ہے جیسے پہاڑی چشمے اُبلتے ہیں اور از خود اُس میں نشو و نما پھوٹتی ہے۔ وہ مقامات ہیں جہاں حقیقت میں نبی کا عرفان حاصل ہوتا ہے، خدا والے کی حقیقت پتا چلتی ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ لکھنا کہ جانتے ہو وہ کیا تھا ایک فانی فی اللہ کی دعائیں ہی تھیں اس نے سارے راز حل کر دیئے دعوت الی اللہ کے۔ آخری بات دعوت الی اللہ کی یہی ہے ایک ایسی لگن دل میں پیدا کر لیں کہ آپ خود اپنے نگران بن جائیں، دل میں ایک بیماری سی لگ جائے۔ فرق محسوس ہو لوگوں کو کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔ محبت کسی کو ہو جاتی تو پہچانی جاتی ہے۔ چھپائے نہیں چھپتی۔

پس دعوت الی اللہ کا پیار بھی ایک ایسی چیز ہے جو چھپائے چھپ نہیں سکتی۔ جس کو یہ لگن لگ ہو جائے وہ خود تلاش کرتا ہے، ڈھونڈتا ہے، ہر وقت بے چین رہتا ہے، اُس کو پھل نہ ملے، اُس کو سکون

نصیب نہیں ہوتا اور یہی بے سکونی ہے جس پر خدا کے پیار کی نظر پڑتی ہے وہی بے سکونی تھی جو رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا جز بن گئی اور اُس بے چینی اور بے قراری کو خدا نے محبت و پیار سے دیکھا۔ روکا بھی مگر ان معنوں میں نہیں روکا کہ رک ہی جاؤ۔ ایک پیار کا اظہار تھا، ایک محبت کا اظہار تھا بتانے کے لئے کہ میری نظر ہے تم پر تم کیا کر رہا ہے۔

پس ان معنوں میں آپ داعی الی اللہ بنیں تو ناممکن ہے کہ یورپ کی زمین سنگلاخ رہے۔ کوئی دنیا کی زمین سنگلاخ نہیں ہے اگر ہے بھی تو اتنی زیادہ محبت کا معیار اونچا ہو جانا چاہئے جو سنگلاخ زمینوں کو بھی تبدیل کر دیا کرتا ہے ہالینڈ میں تبدیل کرنے والوں کے لئے بڑی نصیحت ہے۔ اس میں یہ وہ قوم ہے جس نے ساری دنیا پر یہ ثابت کیا ہے کہ ہم اپنی ذات پر انحصار کرتے تھے اپنی محنت کے ساتھ، اپنی اُس تقدیر کو بہتر بنا سکتے ہیں جو تقدیر خدا تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ جس میں بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ انسان نئی تقدیر تو نہیں بنا تا لیکن تقدیر کے اندر خدا نے وہ گنجائشیں رکھی ہوتی ہیں کہ انسان محنت کرے تو اُس تقدیر کو بہتر کرتا چلا جائے۔

پس جس ملک میں آپ رہ رہے ہیں اس کا اکثر حصہ سطح سمندر سے نیچے ہے۔ بڑی عظیم قوم ہے جس نے اتنی لمبی محنت کی ہے اور مسلسل سمندر سے زمین کھینچتی رہی ہے، چھینتی رہی ہے اور اپنی زمین کو بڑھاتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے لئے بہت لمبی محنت درکار ہے، عقل کی بھی ضرورت ہے لیکن جو پختہ مزاجی چاہئے۔ یہ ہے عظمت کردار تو جس قوم کا نصیب ہو اللہ کے فضل کے ساتھ وہ قوم ناکام نہیں ہو سکتی۔

بل مارک نے ایک دفعہ آئرلینڈ پر پھبتی کستے ہوئے اور اُن کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا تھا کہ انگریزوں کو میں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ ہالینڈ کے رہنے والوں کو آئرلینڈ میں آباد کر لیں اور آئرلینڈ والوں کو ہالینڈ بھیج دیں۔ ہوگا کیا اُس نے کہا۔ ہوگا یہ کہ اگر ہالینڈ کے باشندے آئرلینڈ جا کر بس جائیں تو آئرلینڈ دنیا کا عظیم ترین ملک بن جائے گا اور آئرلینڈ کے باشندے اگر ہالینڈ میں آ کر بسیں تو Dais بنا ہی نہیں سکیں گے، غرق ہو جائیں گے سمندر میں اور انگریزوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ ہے تو ایک طعن آمیزی ایک قوم پر طعن آمیزی سہی لیکن ایک سیاستدان نے معلوم ہوتا ہے کہ گہری نظر سے دیکھا ہے کردار کو۔ آئرلینڈ کے متعلق ہم اس سے اتفاق

کریں یا نہ کریں کیونکہ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ آئرلینڈ کے مزاج میں بہت خوبیاں ہیں۔ بعض ایسی خوبیاں بھی ہیں جو انگریز میں نہیں ہیں۔ اُن میں سادگی ہے، اُن میں کھلے دل کے ساتھ مہمان نوازی کرنا، بہت سی خوبیاں ہیں لیکن ان کی بعض مجبوریاں اور بے اختیاریاں ہیں اور اُن کی سستیاں اور اُن کی غفلتیں بہت حد تک حالات کی مرہون منت ہیں۔ مگر ہالینڈ کے متعلق میں بل مارک کے ریمارکس سے پورا اتفاق کرتا ہوں خدا تعالیٰ نے اس قوم کو عظیم صلاحیتیں بخشی ہیں۔ انہوں نے رونا نہیں رویا، ہاتھ نہیں پھیلائے۔ دوسری قوموں کی طرف نہیں بھاگے کہ ہم غرق ہورہے ہیں پانی میں ہماری مدد کرو۔ باہر سے اپنے آلات لاؤ اور ہمارے لئے کچھ کر کے دکھاؤ۔ خود اٹھے ہیں اور جینے کا سلیقہ سیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل نے پھر ان کی مدد فرمائی ہے۔

یہاں کے لوگ جو ہالینڈش ہیں اُن کو یہی چیلنج اسلام کے لئے بھی تو قبول کرنا چاہئے اور وہ لوگ جو باہر سے آ کر آباد ہوئے ہیں۔ اُن کو بھی تو ہالینڈ سے جینے کا سلیقہ سیکھ کر، **اسلام کے لئے یہاں محنت کرنی چاہئے، اگر سمندروں کو یہ قوم شکست دے سکتی ہے تو یقیناً انسانی طغیانیاں جو بغاوت کی طغیانیاں ہیں، انسانی طغیانیاں جو مادہ پرستی اور بدکرداری کی طغیانیاں ہیں اُن کو بھی شکست دی جاسکتی ہے۔ اُن کے سامنے بھی اعلیٰ اخلاق کے عظیم بند بنائے جاسکتے ہیں اور محنت کی جاسکتی ہے، ہر مخالف حالات پر انسان کے اندر غلبہ پانے کی مخفی صلاحیتیں ہیں اُن کو بروئے کار لانا چاہئے۔**

اس چیلنج کا مجھے بشدت احساس رات کی مجلس سے ہوا۔ رات کی مجلس میں ایک سوال کیا گیا کہ کیا آپ اب تک احمدی مبلغین یا احمدیوں کی ہالینڈ میں کوششوں سے جو نتائج نکلے ہیں اُن سے مطمئن ہیں اور اس سوال کے ساتھ ہی جو میری نظر چہروں پر پڑی تو ایک عجیب قسم کی دبی دبی مسکراہٹیں سب چہروں پر تھیں۔ ہر چہرہ مسکرا رہا تھا اُن میں یہ پیغام تھا کہ آپ دلائل جو مرضی دیتے رہیں۔ بیعتوں کے میدان میں شکست دے سکتے ہیں دے دیں بے شک لیکن کیا کریں گے اگر آپ کی ساری عمر کی محنتیں، ساری عمر کی جستجو بے کار جائے اور بہرے کانوں پر پڑے اور کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ کیا فائدہ اس کا؟ کیا ضرورت ہے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کی؟ چھوڑیں اس کو کہیں اور جا کر بیٹھ جاتے اور کسی جگہ چلے جاتے جو جلدی آپ کی باتیں سن لیں۔ محنت کا بدلہ دیں یہ ساری باتیں آپ تعجب کریں گے لیکن واقعۃً درست ہیں ان کے چہروں پر لکھی ہوئی ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عجیب صلاحیتیں بخشی ہیں۔ ایک چھوٹی سی مسکراہٹ بعض دفعہ اتنی باتیں بیان کر جاتی ہے کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ ایک چھوٹی سی مسکراہٹ کے انداز میں وہ کیا بات ہے جس میں بڑے بڑے مفاہیم ہوتے ہیں۔ یہ بتائیں کہ مونالیزا کی مسکراہٹ آج تک ایک معّمہ بنی ہوتی ہے۔

ایک معمہ ہے جو آج تک فلسفی اور نفسیات کے ماہر حل نہیں کر سکے اُن کو لگتا ہے کہ عجیب سی بات ہے اس میں اور آرٹسٹ نے اُس بات کو ایسا پکڑا ہے، ایسے رنگوں میں پکڑا ہے کہ اُسے زندہ جاوید کر دیا کہ وہ کیا ہے؟ دلوں میں کھجلی سی لگ جاتی ہے۔ انسان کی عقل اور ہوش کے ناخن کریدتے ہیں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ کیا ہے؟ لیکن نہیں معلوم کر سکتے۔ مسکراہٹوں میں خدا تعالیٰ نے اتنے مضامین رکھے ہیں کہ چھوٹی سی مسکراہٹ ایک آدمی کو ذلیل ورسوا بھی کر دیتی ہے، چھوٹی سی مسکراہٹ اُسے عظیم عظمت بخش دیتی ہے اور کیسی اُس میں تبدیلی ہوتی ہے۔ کوئی انسانی علم اُس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ دیکھنے میں مسکراہٹ وہی ہے ہونٹ Artificially بھی تو بنا دیتے ہیں جب تصویر کھینچی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ چیز کہو اور چیز کہا جائے تو جبڑے پھیلتے ہیں، مسکراہٹ آجاتی ہے مگر مردہ، اس میں کوئی جان نہیں، کوئی پیغام نہیں۔ ایک سطح سی ہے جو رنگ بدل دیتی ہے۔ لیکن اللہ کی عجیب شان ہے کہ کیسا وہ عظیم خالق ہے انسان کے اندر اتنی باریک لطافتیں پیدا کر دی ہیں کہ ایک مسکراہٹ کے مضمون میں بھی بڑے بڑے حکمتوں کے مضامین سمیٹ دیئے ہیں۔

پس رات کو جو مسکراہٹیں میں نے دیکھیں اُنہوں نے مجھے پیغام دیا اور حقیقی پیغام تھا، کوئی فرضی پیغام نہیں تھا۔ تم کیا کر رہے ہو؟ چالیس سال ہو گئے تمہیں یہاں آئے ہوئے۔ گنتی کے چالیس آدمی بھی پیش نہیں کر سکتے۔ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو اس ملک میں ہم نے سنا، ہم نے سوچا، ہم نے سمجھا، ہم نے رد کر دیا اور تم ہماری آواز کو کیوں نہیں سن سکتے؟ اس کا جواب جو میں نے اُن کو دیا وہ اپنی جگہ معقول تھا، وہ درست تھا۔ وہ ان کی تاریخ کے حوالے سے درست تھا مگر وہ مطمئن ہوئے یا نہ ہوئے جو قلق دل کو لگ گئی وہ بعد میں باقی رہی۔ جواب یہ تھا کہ تم سوچو کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ساری زندگی محنت کی۔ اتنا عظیم انقلابی پیغمبر دنیا میں آیا اور جب صلیب دیئے گئے تو کل تیس گنتی کے آدمی تھے۔ اُن میں سے بھی ایک نے توبہ کی اور ایک نے لعنت ڈالی مگر یہ ذکر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

میں نے کہا تمیں گن لوتو کیا مسیح نا کام تھے؟ صرف یہ اعتراضی جواب نہیں تھا بلکہ میں نے اس کا فلسفہ اُن کو سمجھایا میں نے کہا حقیقت یہ ہے کہ بعض دفعہ بعض تبدیلیاں دلوں اور خیالات میں رفتہ رفتہ نمودار ہونے لگتی ہیں اور آخری نتیجہ پیدا ہونے میں بہر حال وقت لگتا ہے۔ اگر تین سو سال اُس واقعہ کے بعد عیسائیت نے مظلومیت کی حالت میں بسر کئے اور ایک وہ جو رومن ایمپائر تیسری صدی میں بھی ، بعض ایسے فیصلے ہوئے کہ عیسائیوں کو زندہ اُن کے گھروں میں جلا دیا گیا، اُن کو وحشی جانوروں کے سامنے پھینک دیا گیا اور وہ ہلاک ہوئے اور قہقہے اڑاتے ہوئے بڑے بڑے امراء اُس تماشے دیکھ کر گھروں کو جایا کرتے تھے اور دنیا سمجھ رہی تھی کہ عیسائیت نا کام ہے۔

مؤرخ یہ کہتا ہے کہ تین سو سال گزرنے کے بعد آٹھویں یا نویں سال میں یا جو بھی وہ سال تھا چوتھی صدی کے آغاز میں اُس میں اچانک بادشاہ عیسائی ہوا اور ساری رومن ایمپائر عیسائی ہوگئی۔ ایسا مؤرخ بہت ہی سطحی نتیجہ نکالنے والا مؤرخ ہے۔

میں نے اُن کو سمجھایا کہ آپ یہ بات بھول جاتے ہیں جوں جوں صدیاں آگے بڑھ رہی تھیں اور جوں جوں عیسائیوں پر مظالم توڑے جارہے تھے۔ اُن کی بے اختیاری نے بھی دل بدلنے شروع کئے ہوئے تھے، اُن کی مظلومیت کی حالت میں بھی جس کو زبان نہیں تھی چاروں طرف عظیم پیغام پھیلائے جارہے تھے اور وہ اُن کی سچائی کے پیغام تھے جو خدا کی تقدیر پھیلا رہی تھی اور دلوں تک پہنچا رہی تھی ، قوم میں گہری تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں اور وہ تبدیلیاں تھیں جو بالآخر ایک اچانک بہت بڑے دھماکے کی صورت میں رونما ہوئی۔ ورنہ قوم کا دل تیار نہ ہوتو مجال ہے کہ کوئی بادشاہ مذہب بدلے اور ساری قوم اُس کے ساتھ ہو جائے ایسے بادشاہ کو لوگ اتار پھینکیں اور اُس کا سرتن سے جدا کر دیں۔ اگر اُن کے مزاج کے خلاف کوئی حرکت ہوئی۔ تو میں نے اُن سے کہا کہ جو تمیں جس کو آپ تھوڑا سمجھ رہے ہیں میں اُن کو تھوڑا نہیں سمجھ رہا۔ میں نے طعن کے طور پر یہ بات نہیں کی۔ حقیقت کے طور پر آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام نے جو تمیں آدمی پیدا کئے تھے اُس نے تمیں انقلابی پیدا کر دیئے تھے۔ ایسے انقلابی تھے جن کے انقلاب کے پیغامات صدیوں تک نہیں مرتے۔ نسلاً بعد نسلٍ اُن کے جسم مرتے چلے جاتے ہیں مگر پیغام اور زیادہ زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

لیکن احمدیت نے یہ کیا ہے اور یہاں یہ کر رہی ہے۔ آپ کی آنکھوں کو دکھائی دے یا نہ

دے میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ کے فضل سے احمدیت کی وجہ سے خیالات میں پاکیزہ تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں، اسلام کی روز بروز غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں اور یہ اثرات انمٹ ہیں کیونکہ یہ پیغام زندہ ہے، یہ پیغام جاری رہنے والا ہے اس لئے میں تو خوش ہوں۔ اس لحاظ سے بعض کے اوپر میں نے اطمینان بھی دیکھا اور مسکراہٹوں کے رنگ بدلتے دیکھے لیکن وہ جو چوٹ لگا دی تھی ایک دفعہ اُس کی خلش تو پھر بھی نہ اتری۔

چنانچہ میں نے مجلس عاملہ کو مخاطب کرتے ہوئے آج یہی سمجھایا کہ لمبے لیکھے تو بعد کی باتیں ہیں اگلی نسلیں دیکھیں گی مگر یہ نہ ہو کہ ہم مر رہے ہوں اور دشمن ہنس رہا ہو۔ کچھ ہمیں اپنی تسکین کے لئے بھی تو چاہئے۔ ؎ آج دکھلا جو دکھلانا ہے دکھلانے والے۔ (کلام طاہر صفحہ:۱۷) یہ جب اس دور کا لیکھرام زندہ تھا یعنی جب ضیاء الحق زندہ تھے۔ تو اس کے متعلق جو خدا کی تقدیر ظاہر ہوئی تھی اُس سے تھوڑا پہلے بے قراری کی حالت میں یہ دعا میرے دل سے منظوم طور پر نکلی ؎ ''ہم نہ ہوں گے تو ہمیں کیا؟ کوئی کل کیا دیکھے۔'' اے خدا اگر آج مرنے کے بعد تو نے اس شخص کی پکڑ کی تو ہمیں کیا کوئی کیا دیکھتا رہے ''آج دکھلا جو دکھلانا ہے دکھلانے والے۔'' کیسی بے قرار تڑپ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے پھر میری آنکھوں کو وہ نظارہ دکھایا۔ جو اس شعری دعا میں خدا کے حضور عرض کیا گیا تھا کہ ہمیں دکھا دے۔

کل کو تو بہر حال احمدیت نے غلبہ پانا ہے، کل کو یہاں بستی بستی سے اذانوں کی آواز سنائی دے گی۔ اگر آج ہم اس دنیا سے ایسے حال میں رخصت ہوں کہ ہمارے کان اُن نعمتوں سے محروم چلے جائیں اور ہم نہ سن سکیں توحید کی وہ آوازیں تو ہمیں کیا کل کوئی کیا دیکھنے والی بات ہی ہے۔ ہمیں کیا تو نہیں کہہ سکتے ایک انداز ہے یہ خدا کا دل پسیجنے کے لئے بعض دفعہ انسان نخرے بھی کرتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کل بھی ہو تو ہمیں ہی ہے ہم پر یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہماری نسلیں وہ چیز دیکھ لیں گی۔ مگر ہالینڈ کی جماعت کو متوجہ کرتا ہوں کہ وہ یہ جذبہ پیدا کریں اپنے اندر کہ ہم بھی تو اپنی آنکھوں سے کچھ ہوتا دیکھیں اور وہ تبھی ممکن ہے کہ ہر شخص کے اندر ایک داعی الی اللہ جاگ اٹھے۔ وہ خود اُس کا نگران بن جائے۔ ہر انسان اپنے اعمال کی خود نگرانی کرے اور بے چینی محسوس کرے اور جب تک اُسے کوئی ایسا پھل نہ ملے جو بالآخر پک کر اسلام کی جھولی میں آ گرے اور اُسے دوام بخشا جائے، وہ گلنے سڑنے کی بجائے وہ ہمیشہ کے لئے دوام اختیار کر جائے اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھے۔

یہ نگرانی باہر سے ممکن ہی نہیں ہے کچھ حد تک، کسی حد تک ہوسکتی ہے، عمومی طور پر اس طرح ہو جاتی ہے مثلاً میں نے جب دورہ کیا تو مختلف مجالس کے لوگوں کو آتے دیکھا یہ اندازہ لگایا کہ ان پر کام ہوئے تھے کہ نہیں ہوئے تھے۔ عمومی نگرانی تو ہو جاتی ہے لیکن انفرادی کہ کون کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا؟ یہ حقیقی نگرانی ہے جو انسان خود اپنی ذات میں ہی کر سکتا ہے اور اس کے بغیر یہ کام ہونا نہیں ہے۔ آپ میں سے ہر شخص اپنا نگران ہے سب سے پہلے اور اگر اپنا نگران نہیں ہے تو بیرونی نگرانیاں آپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گی۔ بیرونی نگرانیاں اُن لوگوں کو فائدہ دیتی ہیں جن کے اندر ایک نگران پیدا ہو چکا ہو۔ بیرونی نگران اُس نگران سے باتیں کرتا ہے جو اُس کی آواز کو سنتا ہے۔ اُس کی نصیحتوں پر کان دھرتا ہے، اُن کے مزاج کی شناسائی ہے ایک دوسرے کے ساتھ لیکن ایسا شخص جس کے اندر نگران نہیں ہے بیرونی نگران کی باتیں ایسی ہیں جیسے اردو دان کے سامنے فارسی بولنا یا پشتو دان کے سامنے ہالینڈین زبان میں بات کر رہے ہوں تو پیغام نہیں پہنچے گا تو پتا نہیں چلے گا کہ ہمیں سننے والا ہی کوئی نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کے اندر ایک نگران اُٹھے جو زندہ ہو جائے، وہ باشعور بن جائے، اُس کو ایک فکر لگ جائے، ایسی فکر لگ جائے کہ دوسروں کے چہروں سے اس کا غم ظاہر ہونے لگے۔ لوگ پہچاننے لگیں اور پتا لگ جائے کہ اس شخص کو لو لگ گئی ہے۔ ایسے شخص کی نگرانی کتنی آسان ہو جاتی ہے جو نصیحت اُس کو کی جائے اُس کے اندر کے آدمی کے کان میں پڑ رہی ہو اور بیرونی کان سے ٹکرا کر واپس فضا میں مرتعش نہیں ہوتی۔ اندر کا پیغام سننے والا جاگا ہوا ہو تو ہر بات سنتا ہے، پلے باندھتا ہے، اندر ایک نوٹ بک لگی ہوئی ہے جس کے اندر وہ لکھتا چلا جاتا ہے اور کچھ فائدے اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اُس کے اندر نئی نئی پاک تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ پس اس رنگ کے داعی الی اللہ ہمیں چاہئیں جو اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کر لیں، فیصلہ کر لیں کہ ہم نے ضرور کچھ نہ کچھ کرنا ہے اس کے بغیر یہ زندگی بے معنی اور لغو اور بے حقیقت ہے۔

لگن ہو تو تلاش ہوتی ہے اُس کے بغیر نہیں۔ مجلس عاملہ کے سامنے میں نے یہ مثال رکھی تھی اور آپ کو بھی اس میں شامل کرنا چاہتا ہوں کہ آتی دفعہ سوئٹزرلینڈ میں ہمیں مقامی دوستوں نے پہاڑوں کے نیچے دبی گہری غاریں دکھائیں جن پر پانی کے برستے ہوئے قطروں نے کئی قسم کی نقش نگاری کی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے خوبصورت نقوش پیدا ہوئے تھے، بڑے بڑے خوبصورت

خوبصورت شکلیں بنی ہوئی تھیں وہاں ایک جڑ بھی دیکھی جس کا آخری کنارہ ابھی زمین تک، نیچے تک نہیں پہنچا تھا لٹکا ہوا تھا اور اُس کے متعلق ماہرین نے یہ بتایا تھا اور وہاں لکھا ہوا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک درخت تھا جو خشک سالی کا شکار ہوا اور اُس کی جڑیں پانی کی تلاش میں اترتی چلی گئیں چٹانی علاقوں میں سے چٹانوں کا دل چیرتے ہوئے یہاں تک کہ آخر وہ پانی تک پہنچ گئیں۔ جب تک اُن کو پانی نہیں ملا اُن کی تلاش جاری رہی۔

یہ پیاس ہو اگر داعی الی اللہ کے دل میں تو ہالینڈ کی یا جرمنی کی یا یورپ کے دیگر ممالک کی چٹانوں کی مجال کیا ہے کہ اُن کو روک سکیں۔ اُنہوں نے تو پانی لینا ہی لینا ہے اور نرم جگہوں میں بھی خدا یہ طاقت بخش دیتا ہے کہ جب لولگ جائے۔ جب زندگی یا موت کا سوال پیدا ہو جائے تو پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہیں اور لازماً پانی تک پہنچتی ہے۔ پس آپ کے لئے بھی پانی کی تلاش دل کا ایک اندرونی مسئلہ بن جائے گی۔ ایک بے اختیاری کی کیفیت ہوگی، آپ کو ڈھونڈنا پڑے گا۔ اگر آپ اپنے ماحول میں بار بار وہیں سر ٹکرا رہے ہیں اور کچھ نہیں مل رہا تو اُس کی مثال ایک ایسی جڑ کی سی ہے کہ جس میں زندگی اور شعور نہیں۔ وہ بے چاری ٹکرا کے وہیں کھڑی ہو جاتی ہے اُس کو پتا ہی نہیں کہ مقصد کیا ہے، مقصد حاصل کرنا ہے اور سچی تڑپ ہو تو حصول کے بغیر چین نصیب نہیں ہو سکتا۔

پس دعوت الی اللہ کوئی مکینیکل کام نہیں ہے کہ باقاعدہ ٹیکنیک سکھا دی جائے اور دعوت الی اللہ شروع ہو جائے۔ دعوت الی اللہ ایک اندرونی بیداری کا نام ہے، ایک دل کی بھڑک کا نام ہے، دل میں ایک آگ لگنے کا نام ہے، دل کے مبتلا ہو جانے کا نام ہے، دل دعوت الی اللہ میں مبتلا ہو جائے جیسے ایک مرض میں مبتلا ہو جائے اور اُس کی پیاس بن جائے اور اُس کی بھوک بن جائے، اُس کی زندگی کی بقا کا ذریعہ بن جائے۔ اگر ایسی دعوت الی اللہ کا جذبہ ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے تو ہر احمدی کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ضرور پانی ملے گا، ہر احمدی خدا کے فضل سے کچھ نہ کچھ پیدا کر کے دکھائے گا۔ اُس وقت پھر جب یہ ہو جائے گا پھر یہ سوال نہیں کئے جائیں گے کہ آپ مطمئن ہیں کہ نہیں۔ اپنی نشوونما سے اس وقت یہ سوال ہو کہ ہم بے چین ہو گئے ہیں آپ کی نشوونما سے، ہمیں آپ سے خوف لاحق ہے آپ کیوں ہمارے ملک میں اس تیزی سے ترقی کر رہے ہیں۔ آخر کیا ارادے ہیں آپ کے، آخر کیا چاہتے ہیں آپ۔ جب فکر کی آواز اٹھنی شروع ہوگی وہ گواہ بنے گی ہمارے

کاموں کے حق میں ۔ وہ ہمیں بتائے گی کہ ہم نے صحیح سمت میں سفر شروع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور ہر گھر میں ایسے داعی الی بن جائیں جو خود اپنے آپ نگران بن جائیں ۔ دعوت الی اللہ کی محبت میں مبتلا ہو جائیں ان کے اندر ایک پیاس لگ جائے اور چین نہ پکڑے دیکھو وہ جڑ جس نے اتنا گہرا چٹانوں میں سفر کیا تھا اُس کا کوئی دماغ نہیں تھا۔ اب تک کوئی اعصابی نظام اُس کا دریافت نہیں ہوسکا لیکن زندہ تھی ۔ اُس نے یہ سبق دیا کہ یہ زندگی کی علامت ہے، نہ دماغ کی علامت ہے، نہ Nerves کی علامت ہے، نہ کسی اور چیز کی زندگی کی علامت ہے۔ زندہ قومیں تو وہ لازماً اُس شخص سے بہتر کام کریں گی کیونکہ زندگی کے ارادوں کو حکمت بھی عطا ہوئی ہوتی ہے۔ پس پہلے زندگی کی شرط پوری کریں پھر حکمت کا مضمون شروع ہو جائے گا، پھر اللہ کے فضل سے آپ کی تدبیروں محنتوں کو لازماً پھل لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

روس میں نصرت جہاں کے تحت وقف کرنے کی تحریک
ہر سطح پر جھوٹ اور خیانت سے اپنے آپ کو پاک کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲؍ اکتوبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

یورپ کے تین ہفتے کے دورے پر جانے سے قبل جو سلسلہ خطبات کا چل رہا تھا اس میں یہ مضمون بیان ہو رہا تھا کہ تبتل کے کیا معنی ہیں۔ دنیا سے کٹ کر اللہ کی طرف جانے کا کیا مطلب ہے اور میں سمجھا رہا تھا کہ سب دنیا سے کٹ جانا تبتـــــل کا معنی نہیں **بلکہ جھوٹے خداؤں سے تعلق توڑ لینا تبتـــــل کا حقیقی معنی ہے اور یہ جھوٹے خدا انسان کے نفس کے اندر بستے ہیں۔ انسان کا نفس ہی بت تراش ہے اور سب سے زیادہ شرک انسان کی ذات میں ہوتا ہے۔** ان تمام مخفی بتوں کو توڑنا خدا تعالیٰ کی طرف حرکت کرنے کیلئے ایک لازما ہے ورنہ انسان کی گردن پر کسی نہ کسی بت کا کنڈا پڑا رہے گا اور ایک بت کی رسی توڑ دیں تو دوسرے بت کی رسی گردن میں حمائل رہے گی۔

اس لئے اس مضمون کو تفصیل سے سمجھنے کی اور سمجھانے کی ضرورت ہے اس کے بغیر حقیقت میں جماعت بتوں سے آزاد نہیں ہو سکتی اور ہم نے تو تمام دنیا کو بتوں سے آزاد کرنا ہے۔ تو اس پہلو سے یہ جو خطبات کا سلسلہ جاری تھا اسے آگے بڑھانا تھا مگر میں یہ چاہتا تھا کہ یورپ کے سفر سے واپس آکر جب پھر پاکستان کے احمدی بھائی اور دوسرے مشرقی ممالک کے احمدی بھائی بھی اور اسی طرح افریقہ کے جاپان وغیرہ کے احمدی بھائی اس خطبے کو براہ راست سن سکیں تو پھر وہیں سے اس

مضمون کو دوبارہ سے شروع کیا جائے۔ چنانچہ تین خطبات جو سفر کے بیچ پیش آئے ان میں یہ مضمون بیان نہیں کیا گیا بلکہ مقامی حالات کے پیش نظر جو نصائح ان جماعتوں کو ضروری تھیں انہیں پر اکتفا کیا گیا۔

عمومی طور پر میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس دورے پر بھی میرے دل پر بہت ہی اچھا اثر پڑا ہے جس طرح اس سے پہلے فرانس اور سپین کے دورے سے واپس آکر میں نے بیان کیا تھا کہ خدا کے فضل سے جماعتیں عموماً بیدار ہو رہی ہیں اور جوش اور ولولہ بڑھ رہا ہے، خدمت دین کے جذبے اٹھ رہے ہیں اور نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ ہے۔ یہی صورت حال اس وقت جرمنی کی بھی ہے، سوئٹزرلینڈ کی بھی ہے، ہالینڈ، بیلجیئم کی بھی ہے۔ جہاں جہاں میں گیا وہاں میں نے چہروں پر نئے ارادے اور نئی روشنیاں دیکھی ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ جماعت یہ تہیہ کئے ہوئے ہے کہ اس دور کے سارے تقاضے پورے کرے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام زمین کے کناروں تک پہنچانے کیلئے جس حد تک ممکن ہے وہ ضرور زور لگائے گی۔

کچھ کمزور ہیں جو پیچھے بھی ہیں ایک وقت میں ساری جماعت کی صحت ایک جیسی ہو نہیں سکتی۔ ایک خاندان کی صحت بھی ایک جیسی نہیں ہوا کرتی۔ ایک ہی گھر میں بہت صحت مند بچے بھی ہیں، بہت کمزور بھی ہیں، معذور بھی ہیں۔ بہار جو اپنے جوبن پر بھی ہو تب بھی چمن میں کچھ مرجھائے ہوئے پتے، کچھ موت کے کنارے کی طرف بڑھتے ہوئے پھول بھی دکھائی دیتے ہیں، سوکھی ہوئی ٹہنیاں بھی، کانٹے، خس و خاشاک یہ تو اجتماعی زندگی کا حصہ ہے لیکن بہار اور خزاں میں فرق یہ ہے کہ خزاں میں شاذ کے طور پر کہیں کہیں کچھ کونپلیں پھوٹتی دکھائی دیتی ہیں۔ سبزے سے تو خزاں بھی عاری نہیں ہوا کرتی مگر بہار میں سبزے سے محرومی استثناء ہے۔ تو جب بھی جماعت میں رونق ہو تو اس رونق کے پیچھے کچھ مرجھائے ہوئے چہرے بھی دکھائی دیتے ہیں، کچھ کمزور بھی دکھائی دیتے ہیں مگر یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ ان کے اندر بہتر ہونے کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے، کوشش کر رہے ہیں یہ احساس ہے کہ ہمیں بھی کچھ کرنا چاہئے۔

پس یہ خطبات کا سلسلہ ہے جو اس مضمون میں ہماری بہت مدد کرے گا اور آج جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت پر بہار کی ہوائیں چل رہی ہیں ان میں خشک ہونے والے پودوں کی بھی

اصلاح کا موجب بننے والا سلسلہ اور وہ بھی جن سے جان نکل رہی ہے ان میں دوبارہ زندگی ڈالنے کا موجب بنے گا۔ انفرادی اصلاح میں میں امید رکھتا ہوں کہ یہ خطبات کا سلسلہ بہت مفید ثابت ہوگا اور خدا کے فضل سے ہو بھی رہا ہے، بعض ایسے احمدی تھے جو دور جاچکے تھے یا دور ہٹ رہے تھے۔ پہلے ان سے میرا تعلق بھی رہا ہے۔ بعض ان میں ایسے تھے جن سے میرا تعلق نہیں رہا لیکن پھر وہ تعلق بھی رفتہ رفتہ اسی طرح مٹتا رہا۔ اس خطبات کے سلسلے کے بعد وہ دوبارہ ملے ہیں تو ان کی کایا پلٹ چکی تھی اور ایک نے مجھے روتے ہوئے گلے لگ کے کہا کہ اب مجھے ہوش آئی ہے، اب پتا لگا کہ میں کہاں جارہا تھا اور کہاں جاچکا تھا۔ میں خدا کے فضل سے پورے زور سے پلٹ آیا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی کی آخری سانس تک انشاء اللہ نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ یہ جو کیفیتیں ہیں یہ بہت ہی امید افزا ہیں اور وہ لوگ جو چند برے لوگوں کو دیکھ کر مایوسی کا شکار ہوجاتے ہیں ان کو میں سمجھا تا ہوں کہ یہ طریق زندہ قوموں کے نہیں ہیں۔ بُروں کو دیکھ کر مایوس ہونا ہمارا کام نہیں، بُروں کو دیکھ کر ان پر رحم کرنا، ان کو ساتھ لے کر چلنا اور امید بہار رکھنا یہ مومن کا شیوہ ہے۔

یہ جو سلسلہ خطبات کا تصویری شکل میں دنیا میں دکھایا جارہا ہے یہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ اس ضمن میں مَیں جماعت جرمنی کا خصوصیت سے ذکر کرنا چاہتا ہوں اگرچہ مالی بوجھ میں یورپ کے بہت سے ممالک شامل ہیں اور پاکستان کے بھی کچھ احباب نے یا جماعتوں نے شرکت کی ہے، دیگر ممالک سے بھی اس مد میں وعدہ جات بھی، رقمیں بھی موصول ہوئی ہیں مگر سب سے زیادہ نمایاں خدمت جرمنی کی جماعت کو کرنے کی توفیق ملی ہے اور جہاں تک یورپ کے ٹرانسمیشن کا تعلق ہے ان سب کے متعلق جماعت جرمنی نے اپنی مجلس شوریٰ میں Resolution پاس کر کے یہ یقین دلایا کہ جتنا بھی خرچ ہے تمام تر جماعت جرمنی ادا کرے گی۔ تو یورپ کے چندے سے جو بچ گیا اس کو ہم نے دنیا میں ٹیلی ویژن دکھانے کیلئے استعمال کیا اور چونکہ مشرقی جماعتوں میں ابھی اتنی طاقت نہیں تھی کہ اتنا بڑا بوجھ اٹھا سکتیں تو اس لحاظ سے جماعت جرمنی کا تمام دنیا کی جماعتوں پر ایک احسان ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور دیگر حصے لینے والوں کو بھی جزائے خیر دے۔ اسی طرح جماعت کو میں سعید جسوال صاحب، ان کے بھائیوں اور ان کے بہنوئیوں اور ان کے بھانجوں، بھتیجوں کو بھی دعا میں یاد رکھنے کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ اس خاندان نے اس معاملے میں بڑی

محنت کی ہے اور ان میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ وسیم جسوال نے لیا ہے۔ان کو تو اس بات کا جنون ہو گیا ہے، عشق ہو گیا ہے کسی طرح میں تمام دنیا میں ٹیلی ویژن کے ذریعے خطبات کا نظام اور دیگر تبلیغی پروگرام پھیلانے کا انتظام کر سکوں اور خدا نے عقل دی ہے، سلیقہ دیا ہے، لگن دی ہے بہت محنت سے انہوں نے خدا کے فضل سے وہ جگہیں تلاش کی ہیں اور پھر زبان کا بھی محاورہ اچھا ہے، گفت وشنید کرنا جانتے ہیں۔روس میں بھی، باہر بھی دوسرے ممالک جیسے میڈیا کے ایسے اداروں سے بھی انہوں نے رابطے رکھے اور خدا کے فضل سے یہ کام دن بدن خوش اسلوبی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔

اسی ضمن میں ایک اعلان بھی کرنا چاہتا ہوں۔خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے روابط اور اثرات اب اس تیزی سے USSR میں یعنی سابقہ روسی ریاستوں میں بڑھ رہے ہیں کہ اس سے حاسدوں اور دشمنوں کے کیمپ میں کھلبلی پڑ گئی ہے اور یہاں تک کہ پنجاب حکومت کے وزیر اعلیٰ جن کا کوئی تعلق نہیں ایسے کاموں سے وہ اپنے ملک میں ہی انصاف قائم کر لیں تو بہت بڑی چیز ہوگی۔ان کا یہ حال ہے کہ ایک کانفرنس میں مسلم علماء کی کانفرنس میں گئے اور ان کو یہ تلقین کی کہ اس وقت تمہیں ضرورت ہے عالمی جہاد کی کہ تم جاؤ اور USSR میں جہاں جہاں جماعت کوشش کر رہی ہے ان کا پیچھا کرو، تعاقب کرو اور ان کو ناکام بنا دو حالانکہ ہمارے ملک میں اتنی بدیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ اگر ایک بدی کے خلاف بھی جہاد کا اعلان کیا جائے تو سارے علماء مل کے بھی اس کو دور نہیں کر سکتے لیکن مل کر دور کرنا تو درکنار اس کی طرف توجہ ہی کوئی نہیں۔ بدیوں سے تو ایسا ملاپ ہے جیسے گھی شکر کا ملاپ ہوا کرتا ہے اور اگر نفرت ہے تو خدا کے بھیجے ہوؤں سے نفرت ہے، ان لوگوں سے نفرت ہے جو خدا کے بھیجے ہوؤں کی منادی کر رہے ہیں اور اسلام کا پیغام اور اسلام کی خوبیوں کو دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ **تو یہ مقابلہ تو چلے گا اور بڑے زور سے چلے گا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت شکست کیلئے نہیں پیدا ہوئی ہے۔اس نے لازماً فتح یاب ہونا ہے۔جس میدان میں چاہیں ہمارا تعاقب کر لیں، جس معرکے میں آئیں آزما کر ہمیں دیکھ لیں۔ان کے مقدر میں شکست ہے کیونکہ یہ ناکامی کی منادی کرنے والے ہیں، یہ نامراد طاقتوں کی منادی کرنے والے ہیں جن کی قسمت میں ناکامی لکھی گئی ہے، ان قوتوں کی منادی کرنے والے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی نمائندوں کی منادی کرنے والوں سے کیسے ٹکر لے سکتے ہیں۔** سو سال سے دیکھ رہے ہیں، سو سال سے

آزما چکے ہیں کبھی ہوا ہے کہ جماعت احمدیہ کی ترقی کو روک سکیں۔اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے ساری دنیا میں جب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت پر خدا کے فضلوں کا ذکر کرتا ہوں تو میں جانتا ہوں کہ کچھ دلوں میں آگ لگ جائے گی اور مخالفانہ کوششیں شروع ہو جائیں گی۔ایک موقع پر مجھے کسی نے خط لکھ کر یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ نام لے لیتے ہیں اور یہ پیچھے پڑ جاتے ہیں ساری جماعت کی کوششوں کو ناکام بنانے کیلئے انہی ملکوں میں کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ میرے نفس میں بھی ہلکی سی کمزوری کا خیال آیا کہ کیوں نہ مخفی رکھ کر بات کی جائے وہ مخفی رکھ کر کام بڑھایا جائے لیکن پھر مجھے قرآن کریم کی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (الضحیٰ:۱۲) خدا جب تم پر نعمت کرتا ہے تو اس کو بیان کیا کرو ہرگز دشمن سے نہیں ڈرنا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس ہریاول کی طرح جو پھوٹتی ہے جس کی مزارع خبر گیری کرتے ہیں، فرمایا یہ تو اس لئے بھی پھوٹ رہی ہے کہ دشمن غیظ وغضب میں مبتلا ہو جائے اور کچھ پیش نہ جائے۔یہ ان کی آنکھوں کے سامنے بڑھتی رہے، نشوونما پاتی رہے اور مضبوط اور تناور درختوں میں تبدیل ہونا شروع ہو جائے۔پس یہ ہمارا مقدر ہے اس لئے احتیاط کے سارے تقاضے میں ایک طرف پھینک دیتا ہوں جس کو خدا نے ضمانت دے دی ہو کہ تم میری نعمتوں کی تشہیر کرو اور خوب بیان کرو اور دشمن سے کوئی ڈرنے کی ضرورت نہیں اس لئے وہ جو چاہیں کریں۔**ایک صوبے کا کیا ساری دنیا کے وزراء اور وزرائے اعظم اور وزرائے اعلیٰ جو بھی نام ان کے ہوں وہ مل کر بھی خدا کے نور کو نہیں بجھا سکتے۔یہ تو وہ چراغ ہے جو روشن رہنے کیلئے بنایا گیا ہے اور روشن کرنے کیلئے بنایا گیا ہے۔اس نے تمام دنیا میں روشنی پھیلانی ہے اندھیروں کو خدا تعالیٰ کے فضل سے منور کر دینا ہے تو اس لئے جماعت کو اس معاملے میں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔خدا کے جو فضل ہیں انشاءاللہ بیان کئے جائیں گے۔**

اور ان فضلوں میں سے ایک یہ ہے کہ USSR کی ریاستوں میں بڑی تیزی سے جماعت کی طرف مدد کا ہاتھ پھیلانے کی طرف توجہ ہو رہی ہے اور وہ اخلاقی قدروں میں بھی ہم سے مدد مانگ رہے ہیں کہ ہمارے ملک میں آ کر ہماری اخلاقی قدروں کی تعمیر میں ہماری مدد کرو اور علمی میدانوں میں بھی وہ ہم سے مدد مانگ رہے ہیں اور انہیں ہم پر اعتماد ہے۔اب تک خدا کے فضل سے

تیزی سے جماعت احمدیہ کے اس فلسفے کو اور جماعت احمدیہ کے کردار کو ان لوگوں نے سمجھا ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ بالکل خدا تعالیٰ سے لا بلد رہتے ہوئے ایک لمبے عرصے تک خدا سے دور رہنے کے باوجود دل کی تختیاں صاف ہیں، سادہ ہیں اور ذہن اس حد تک روشن ہیں کہ سچ کو جھوٹ سے الگ کر کے دیکھنے میں ان کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی، فوراً پتا لگ جاتا ہے یہ سچ ہے یا جھوٹ ہے۔ پس مولوی چاہیں جتنا مرضی چاہیں، شور مچائیں ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے سچے سجن، ہمارے ساتھی کون ہیں۔ کس نے ہم سے وفا کرنی ہے، کس نے ہماری مدد کرنی ہے اور جگہ جگہ سے مطالبے شروع ہو گئے ہیں کہ جماعت احمدیہ آئے اور اس میدان میں بھی ہماری مدد کرے اور اس میدان میں بھی مدد کرے۔ اب یہ جو نظام ہے تصویری زبان میں خطبات کا دنیا میں پھیلنا یہ اس سلسلے میں بے حد مؤید اور مفید ہے اس سے پہلے ہم زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ جماعتوں کو چٹھی لکھتے کہ ان ان آدمیوں کی ضرورت ہے، ان کوائف کی ضرورت ہے۔ اس اطلاع کے باوجود بہت سی جماعتیں ہیں جن میں سستی ہوتی ہے۔ اگر امراء وقت پر اس نوٹس کو آگے چلانے کی بھی کوشش کریں تو درمیان میں منتظم کمزور ہو جاتے ہیں۔ ٹھیکے کے پانی کا سا حال ہے کھالا کبھی یہاں ٹوٹ گیا کبھی وہاں ٹوٹ گیا کبھی کھیت میں پہنچ کر پانی باہر نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ تو وسیع نظام جو ہیں ان میں اس قسم کی کمزوریاں ہوتی رہتی ہیں اور جن لوگوں تک پیغام پہنچنا چاہئے براہ راست ان تک بہت کم پیغام پہنچتا ہے لیکن اب جب میں یہ اعلان کروں گا تو مشرق اور مغرب میں، افریقہ میں بھی ہر جگہ احمدی براہ راست سن رہے ہوں گے اور جن کی ضرورت ہے وہ سن رہے ہوں گے کہ ہماری ضرورت ہے اور ان کے دل اسی وقت لبیک کہیں گے۔ تو بجائے اس کے کہ مہینوں یاد دہانیاں کروائی جائیں، انتظار کئے جائیں ایک ہی خطبے میں، ایک ہی ثانیہ میں دنیا کے تین چوتھائی علاقوں میں خدا کے فضل سے یہ ضرورت کی اطلاع پہنچ جائے گی اور اس کے نتیجے میں جیسا کہ میں جانتا ہوں جماعت ہمیشہ نیکی کے کاموں پر لبیک کہتی ہے اس کام پر بھی وہ لبیک کہیں گے۔

جو مطالبے شروع ہوئے ہیں ان میں ایک ہے اکنامکس کے ماہرین کیونکہ اس وقت بہت سخت اقتصادی بحران کا شکار ہیں اور باوجود اس کے کہ مذہبی قومیں ان کو اقتصادی ماہرین مہیا کر رہی ہیں لیکن ان کو اعتماد نہیں ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہاں سے دھوکا ہی ملے گا اور جو مشورے ہیں ان میں ہم ایسی

مصیبتوں میں مبتلا ہو جائیں گے کہ پھر ان سے نکلنا مشکل ہو جائے گا تو وہ آزاد، سچے، دیانتدار، مخلص لوگوں کے طلب گار ہیں اور ان کی نظر جماعت احمدیہ پر اٹھتی ہے اور باقاعدہ Officially یعنی باقاعدہ ریاست کے نمائندوں کی طرف سے مجھے پیغام ملا ہے کہ آپ ہمارے لئے اقتصادی ماہرین مہیا کریں، Banking کے ماہرین مہیا کریں۔ اگر انگلستان میں بھی اور باہر بھی، میں جانتا ہوں بہت سے بنک کا تجربہ رکھنے والے ہیں جو بنکوں سے نکالے گئے اور اس وقت بغیر کسی روزگار کے ہیں تو روزگار کی خاطر نہیں کیونکہ وہ لوگ خود مشکلات میں مبتلا ہیں اس لئے بسر اوقات کیلئے صرف پیسے دیں گے اور کھلی تنخواہوں کیلئے ان کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ ان کی اقتصادیات کو اچھا کرنا، بلند تر کرنا، صحت مند کرنا اس میں جو احمدی حصہ لیں گے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان کی جزا ان قوموں سے نہیں ملی گی بلکہ اللہ سے ملی گی کیونکہ ہم یہ کام اللہ کی خاطر کرتے ہیں اس لئے ان کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تھوڑے پیسے بھی لئے جائیں اور ایک عظیم الشان خدمت کی توفیق مل جائے تو اپنی ذات میں ایک صاحب دل کیلئے جزا ہے جو صاحب دل لوگ ہیں جن کا دل خدا کی طرف مائل ہو، ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں ان کے لئے یہ بڑی جزا ہوا کرتی ہے کہ نیکی کی توفیق مل گئی اور جہاں تک روزینہ کا تعلق ہے ان کے بیوی بچے بھوکے نہیں رہیں گے، مکان کا انتظام ہوگا روزمرہ کی خوراک مہیا ہوگی اور شریفانہ صاف پوشی کے ساتھ گزارہ کر سکے گا اور اگر کہیں دقت ہو تو جماعت کو لکھیں انشاء اللہ تعالیٰ ان کی جائز ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ کوئی حتمی وعدہ نہیں ہے لیکن یہ وعدہ ضرور ہے کہ توفیق کے مطابق کوشش کریں گے اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ یہ سلسلہ کافی پھیلے گا۔

اکنامکس، بینکنگ، فنانس اور اکاؤنٹنگ خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مارکیٹنگ، بہت سارے ان کے پیداوار ہیں جو ضائع جارہی ہیں اور ملکی طور پر ان کی کوئی بھی قیمت نہیں۔ ریاستوں کے آپس کے تعلقات ایسے ہیں کہ ایک ریاست دوسرے کو اس کی لاگتی قیمت بھی ادا نہیں کرتی اور ان کے پاس ہیں بھی نہیں پیسے اس لئے آج کل تو جہاں تک میں نے دیکھا ہے بارٹر سسٹم پر کام چل رہا ہے لیکن بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو بڑی اچھے امکانات رکھتی ہیں، روشن امکانات رکھتی ہیں۔ انہیں دنیا کی باہر کی مارکیٹ میں بھیجا جائے اس لئے ان کو مارکیٹنگ کے ماہر کی بھی ضرورت ہے۔ قانون دانوں کی ضرورت ہے، بزنس ایڈمنسٹریشن کے ماہرین کی ضرورت

ہے۔ یہ بڑے بڑے کام ہیں جن کی ان کو ضرورت ہے دنیا میں جہاں جہاں بھی احمدی ماہرین ان باتوں کو سن رہے ہیں اور وہ اپنا وقت پیش کر سکتے ہیں ان کو چاہئے کہ بلا تاخیر اپنے اپنے امراء کی وساطت سے اگر وہ پاکستان میں ہیں تو وہاں نصرت جہاں میں درخواستیں دیں، وہاں انتظام کیا گیا ہے۔ سیکرٹری نصرت جہاں وہاں کام کر رہے ہیں وہ انشاء اللہ وہاں اکٹھی کر کے اپنے تبصرے کے ساتھ بھجوا دیں گے اور جہاں تک باقی ممالک کا تعلق ہے امراء کو بھجوائیے اور امراء اپنی تصدیق کے ساتھ یا اپنے مشورے کے ساتھ مجھے چٹھیاں براہ راست بھجوا دیں تا کہ جو کام مہینوں میں ہونا تھا وہ ایک ہفتے، دس دن کے اندر اندر مکمل ہو جائے اور پھر میں ان سے درخواست کروں گا کہ جائیں اور اللہ کی حفاظت میں، خدا کی پناہ میں، خدا کی خاطر اپنے آپ کو، اپنے وجود کو، اپنے خاندانوں کو نیک کاموں میں جھونک دیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی ہمارے آنکھوں کے سامنے پوری ہو، جو خدا نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کی جماعت روس کے علاقوں میں ریت کے ذرّوں کی طرح پھیل جائے گی۔ یہ سلسلے خدا ہی کے تھے اور انہیں سلسلوں کی پیروی میں اب یہ نئے سلسلے جاری ہوئے ہیں۔ ایک طرف وعدے تھے دوسری طرف طلب پیدا ہو رہی ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس کے نتیجے میں جو جماعت کا پیغام دنیا میں پہنچے گا خصوصاً USSR کے علاقے میں اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکے گی۔ خدا کی تقدیریں ہیں کوئی انسان کی تدبیر خدا کی تقدیر کو بدل نہیں سکتی۔

ایک بہت اونچے طبقے کے ماہرین کی ضرورت ہے جو مارکیٹ اکانومی میں اعلیٰ تعلیم رکھتے ہوں اور اعلیٰ تجربہ رکھتے ہوں اور اسی طرح Foreign Nation کا بھی ان کو تجربہ ہو کیونکہ اس قسم کے ماہرین کی ضرورت ہے جو بہت اونچی سطح پر بعض حکومتوں کی خدمت کریں گے۔ تو جو لوگ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور ان دونوں باتوں کے واقف ہیں ان کو چاہئے کہ وہ بھی فوری طور پر توجہ کریں۔

اب میں بقیہ وقت میں پھر اس مضمون کو شروع کرتا ہوں جو چند ہفتے پہلے شروع کیا گیا تھا اور یہ مضمون خیانت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مضمون کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جھوٹ کے بعد سب سے زیادہ خوفناک اور ہولناک چیز جس کا ذکر فرمایا ہے وہ خیانت ہے جو مومن کی ایمانی حالت کو بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے اور اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے

مختلف جگہ ایسی عمدگی سے نصائح فرمائیں ہیں کہ جن سے انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ آنحضورﷺ کی انسانی فطرت پر کتنی گہری نظر تھی اور خدا کے کلام کو کس طرح انسانی فطرت کے باریک گوشوں پر چسپاں کر کے ہم تک ان کے تعلقات واضح فرماتے تھے اور چھوٹی چھوٹی مثالوں میں بہت گہرے پیغام دے دیا کرتے تھے۔حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ نے فرمایا! کہ مومن میں جھوٹ اور خیانت کے سوا دوسری برائیاں ہوسکتی ہیں اور یہ بڑی عجیب بات ہے۔بہت سے ایسے گناہ کبیرہ ہیں جن کے خیال سے انسان ڈرتا ہے، سمجھتا ہے، بہت ہی بھیانک بیماری ہے جو ختم کر دے گی انسان کو لیکن آنحضرتﷺ جن دو بنیادی بیماریوں کا ذکر فرمایا ہے وہ سب سے زیادہ خطرناک ہیں۔ایک جھوٹ ہے اور ایک خیانت اور فرمایا کہ مومن کی ذات میں یہ اکٹھی نہیں ہوسکتی۔**اس پہلو سے سب سے پہلے تو جماعت کو اپنا انفرادی طور پر جائزہ لینا چاہئے کہ کیا وہ جھوٹ اور خیانت سے کلیۃً پاک ہیں۔اگر جائزہ لے تو انسان لرز اٹھے کیونکہ بڑے بڑے نیک لوگ بھی جھوٹ سے اور خیانت سے کلیۃً پاک نہیں ہوتے۔جھوٹ کی مختلف سطحیں ہیں بعض سطحوں پر آ کر جھوٹ پھر بھی ان کے اندر پرورش پا رہا ہوتا ہے۔**وہ اتنا خفیف ضرور ہو جاتا ہے کہ بیماری مہلک ہے لیکن اس مقدار میں مہلک نہیں ہوتی جس مقدار میں وہ پائی جاتی ہے۔وہ یہ نہیں ہوتا کہ ہر مہلک بیماری ہر انسان کو فوراً ختم کر دے۔بعض مہلک بیماریاں ہیں جو ابھی اتنی معمولی مقدار میں پائی جاتی ہیں کہ جسم پر غلبہ پانے کی طاقت نہیں رکھتی لیکن اگر انہیں چھوڑ دیا جائے اپنے حال پر تو رفتہ رفتہ ہلاک کر دیتی ہے۔

تو مومنوں کی بھی مختلف قسمیں ہیں، بعض مومن وہ ہیں جن میں بیماریوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا عمل جاری ہو چکا ہوتا ہے۔ان پر اس حدیث کا اطلاق نہیں ہوگا ان معنوں میں کیونکہ وہ اس بات کا شعور حاصل کر لیتے ہیں کہ ہم میں جھوٹ بھی ہے، خیانت بھی ہے اور اس کے خلاف جہاد شروع کر دیتے ہیں اور جہاد کی حالت میں جو مارا جائے اسے آپ جھوٹا اور خائن نہیں کہہ سکتے۔اس لئے وہ مومن ہی شمار ہوگا لیکن جہاد نیک نیت سے کرے اور پوری طاقت سے کرے تو پھر میں امید رکھتا ہوں کہ اس حدیث کا اطلاق ان معنوں میں اس پر نہیں ہوگا کہ گویا وہ کلیۃً ہلاک اور خدا کی بارگاہ سے رد ہو گیا ہے۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ان کے اندر جھوٹ پرورش پا رہا ہے۔خیانت میں وہ بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور کوئی عار نہیں ہے، کوئی حیا نہیں ہے، کوئی شرم نہیں

ہے، نفس لوامہ موجود ہی نہیں ہے۔ایسے لوگوں کو وہم ہے کہ وہ مومن ہیں۔اور یہ حدیث واضح طور پر کھلم کھلا اعلان کر رہی ہے کہ جس شخص میں یہ دو چیزیں اکٹھی ہو جائیں جھوٹ اور خیانت وہ مومن نہیں کہلا سکتا۔ ہزار دوسری بدیاں ہوں تو پھر وہ مومن کہلائے گا لیکن جھوٹ اور خیانت ہو تو ایمان کی جڑیں اُکھڑ جاتی ہیں، کچھ بھی ایمان کا باقی نہیں رہتا۔

جھوٹ سے متعلق کچھ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔خیانت کے متعلق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث پیش کرتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا! اے میرے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، بھوک ننگ سے جس کے ساتھ، جس کا اوڑھنا بچھونا بہت ہی برا ہے اور میں پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کیونکہ یہ بطانت پیدا کرتی ہے اور بہت ہی بری بطانت ہے (ترمذی کتاب الاستعاذہ حدیث نمبر: ۵۳۷۳) یعنی اندرونی بیماری۔اب یہ دو الگ الگ باتیں ہیں۔انسان تعجب میں مبتلا ہوتا ہے بظاہر کہ ان دونوں میں کیا جوڑ ہے مگر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر غور کرنے کیلئے ٹھہرنا پڑتا ہے، مضمون میں ڈوبنا پڑتا ہے اور گہری تلاش کر کے جس طرح غوطہ خور سمندر کی تہہ سے موتی نکالتا ہے اس طرح آنحضرت ﷺ کے کلام میں ڈوب کر آپؐ کے مطالب کو حاصل کرنا پڑتا ہے۔ظاہری نصیحت اپنی جگہ اثر دکھا دیتی ہے جس طرح سمندر کی سطح کا بھی ایک اثر ہے لیکن اس کی گہرائی میں اور بھی چیزیں ہیں جو بہت ہی مفید ہیں۔تو اس حدیث کو پڑھ کر ایک مومن کے دل پر بڑا اچھا اثر پڑے گا کہ یہ دو باتیں ہیں ان سے پناہ مانگنی چاہئے لیکن ذرا اس حقیقت کو سمجھیں گے ان دونوں کا تعلق سمجھیں گے تو ایک طرف حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے مرتبے کا عرفان بڑھے گا دوسری طرف ان چیزوں سے نجات پانے کیلئے پہلے سے بڑھ کر ارادہ قوی ہوگا اور انسان دعا کے ذریعے ان سے نجات پانے کی کوشش کرے گا۔

بھوک کو ظاہری طور پر فرمایا کہ بہت ہی بُرا اوڑھنا بچھونا ہے۔قرآن کریم میں بھی ایک جگہ لِبَاسَ الْجُوْعِ (النحل: ۱۱۳) فرمایا ہے۔اس حدیث کی بنیاد اسی آیت کریمہ میں ہے کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو جب بھوک کا لباس پہنا دیتا ہے۔تو بہت ہی بری حالت ہوتی ہے۔بھوک کا لباس کیوں فرمایا گیا؟ بات یہ ہے کہ بھوک ایک ایسی بلا ہے کہ جس پر انسان ہر دوسری ضرورت کو قربان کرتا چلا جاتا ہے اور بھوکے لوگوں کے گھروں میں پہلے زیور بکتے ہیں اور پھر برتن تک بکنے لگ جاتے ہیں پھر

کپڑوں تک کے بیچنے کی باری آجاتی ہے اور بھوکے لوگوں کو اپنے کپڑوں کو سنبھالنے کی ہوش ہی نہیں ہوتی نہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ کپڑوں کی طرف توجہ کریں اور ان کی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ تو قرآن کریم نے جو لِبَاسَ الْجُوْعِ فرمایا واقعۃً بھوک لباس بن جاتی ہے کہ ایک ایسی فلاکت کا لباس جو دیکھنے میں دکھائی دیتا ہے۔ بھوکے افریقہ کو دیکھیں، ان کی تصویریں دیکھیں تب آپ کو سمجھ آئے گی کہ بھوک کا لباس سے کیا تعلق ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ بھوک جو تمہارے ظاہر کا حال کرتی ہے خیانت وہی تمہارے اندرونے کا حال کر دیتی ہے۔ خیانت کی جس کو لت پڑ جائے وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی دوسری تمام حسنات کھائی جاتی ہیں۔ گویا ایک ایک کر کے اس کی نیکیاں بِک رہی ہیں اور خیانت کی بھوک مٹانے کیلئے تمام خوبیاں اس کی تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ جس میں خیانت آجائے اس میں ساری دوسری برائیاں، مراد یہ ہے کہ رفتہ رفتہ خیانت انسانی اندرون پر ایسا قبضہ کر لیتی ہے کہ اس کی تمام صلاحیتیں ختم کر دیتی ہے اس میں تمام برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں، تمام نیکیاں اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہیں۔ تو یہ وجہ ہے جو آنحضور ﷺ نے جھوٹ کے بعد خیانت کو سب سے زیادہ مہلک بیماری قرار دیا ہے اور جھوٹ اور خیانت کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ اکٹھے ہو جائیں تو پھر مومن کہلا ہی نہیں سکتا، اس کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

قرآن کریم میں خیانت کے مختلف پہلو بیان فرمائے ہیں اور کوئی پہلو ایسا نہیں ہے خیانت کا جس پر روشنی نہ ڈالی ہو۔ عجیب کتاب ہے کہ ہر مضمون کے ظاہر کو پیش کرتی ہے اور باطن کو بھی پیش کرتی ہے، بڑی چیزوں کو بھی بیان کرتی ہے، چھوٹی باریک در باریک چیزوں کو بھی بیان کرتی ہے اور کوئی علم کا ایسا مضمون نہیں ہے جس کی انسان کو ضرورت ہو اس پر قرآن کریم نے تفصیل سے گہری روشنی نہ ڈالی ہو۔ یعنی وہ علم جو انسان کی روح کی نجات کیلئے ضروری ہیں۔ جہاں تک بدنی روح کا تعلق ہے ان کے بھی بڑے گہرے اشارے موجود ہیں لیکن اس وقت یہ گفتگو اس موضوع پر نہیں ہو رہی اس لئے میں واپس پہلے والے مضمون کی طرف آتے ہوئے قرآنی آیات کی روشنی میں آپ کو خیانت کی بعض قِسموں سے آگاہ کرتا ہوں اور ان پر آپ نظر رکھیں اور پھر دیکھیں کہ آپ میں آپ کے گھر والوں میں، آپ کے بچوں میں ان قسموں میں سے کون سی خیانت پائی جاتی ہے اور اگر وہ پائی جاتی ہے تو اس کا سر توڑے بغیر آپ تبتل الی اللّٰہ اختیار نہیں کر سکتے۔ جو خیانت پائی جاتی ہے اس

کی رسی آپ کی گردن پر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن طوق ہوگا۔ خائنوں کی گردن میں وہ دراصل یہی رسی ہے جو دنیا میں انسان کو نیکیوں سے باز رکھتی ہے اور بدیوں سے باندھے رکھتی ہے اور جن طوقوں کا ذکر ہے قرآن کریم میں کہ جن سے انبیاء آزاد کیا کرتے ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ نے قوموں کو آزاد کیا اور وہ ان میں خیانت کا طوق ایک بہت ہی خطرناک طوق ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ وَ تَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (الانفال:۲۸) کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اور رسول کی خیانت نہ کرو وَ تَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ اور تم اپنی امانتوں میں خیانت کرتے ہو اور جانتے بوجھتے ہوئے کرتے ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جو روزمرہ کے انسانی معاملات میں اپنے معاشرے میں خیانت کرنے سے نہ جھجکتے ہوں وہی لوگ ہیں جو لازماً پھر رسول اور خدا کی خیانت بھی کرتے ہیں۔ انسان سے خیانت کرنا انسان کے دائرے تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایسا خائن خدا اور رسول کی خیانت کرنے والے بن جایا کرتا ہے۔ اس لئے فرمایا ہے تم خدا اور رسول کی خیانت کرنے والے نہ ہو کیونکہ بعض خیانتیں انسان اللہ اور رسول کی ایسے کرتا ہے جس کا اس کو کوئی علم نہیں ہوا کرتا لیکن جو انسان کی کرتا ہے وہ جانتا ہے۔ تو جو جانتا ہے اس سے اشارہ کیا اس طرف جس کو وہ نہیں جانتا اور بتایا کہ تمہیں اگر علم نہ بھی ہو کہ تم اللہ اور رسولؐ کے خائن ہو یاد رکھنا کہ اگر تم بندوں کے خائن ہو تو تم خدا اور رسولؐ کے بھی خائن ہو تمہیں علم ہو یا نہ ہو۔

پس ایک یقینی علم دوسرے مشکوک علم کی طرف اشارہ کر رہا ہے یا حاضر، غائب کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ فرمایا یہاں ایسے ہو تو وہاں بھی ایسے ہی ہوگے۔ ہم تمہیں بتا رہے ہیں۔ یہ ایسا ہی مضمون ہے جیسے فرمایا کہ جو بندوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ تو خائن آدمی تقسیم نہیں کیا کرتا، ایسے مولوی جو مال کھا جاتے ہیں ان مساجد کے یا دوسرے چندے جن کو دیئے جاتے ہیں، وہ اپنی طرف سے بڑی دین کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ہاں انسانوں کا تو کوئی حرج نہیں خدا کے خائن نہیں ہیں، ان کے لئے اس میں بڑی نصیحت ہے۔ اگر وہ دنیا میں خیانتیں کرتے ہیں تو خدا کہتا ہے کہ ان خیانتوں کا تمہیں علم ہے اور ہمیں یہ علم ہے کہ تم خدا اور رسول کے

بھی خائن ہو کیونکہ ناممکن ہے کہ انسان بندے کا خائن ہو اور خدا اور رسول کا خائن نہ ہو۔

پھر قرآن کریم فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا (النساء:۱۰۶) کہ ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تا کہ تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرے اور لوگوں کو حکمت کی باتیں بتائے لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ میں حق کے اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا بھی داخل ہے اور حکم میں حکمت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ اس روشنی کے ساتھ یہ فیصلے کرے اور حکمت کی باتیں بیان فرمائے کہ جو خدا نے تجھے دی ہے۔اس نور سے یہ فیصلے کرے جو خدا نے تجھے عطا فرمایا ہے۔ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا سب کیلئے دعائیں بے شک کر مگر خـائنین کے لئے ہمارے حضور دعا نہ کرنا۔ خــصیـــم کا لفظ قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی ان معنوں میں استعمال ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے انبیاء کو منع فرمایا ہے اور اسی طرح جبرائیلؑ امین کو بھی کہ خائن کی حمایت میں کچھ نہ کہنا اور یہ لفظ نصیحت صرف خدا ہی سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ دنیا سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ جہاں بھی ایک خائن کا معاملہ درپیش ہو اس کی حمایت میں کچھ نہیں کہنا چاہئے۔ بعض دفعہ لوگ بعض ایسے لوگوں کی سفارش کرتے ہیں جن سے غلطیاں ہوئیں، فلاں غلطی ہوگئی انہیں معاف کر دیا جائے اور خائنین کی بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً بعض ایسے واقعات ہیں بہت کم ہوتے ہیں اللہ کے فضل سے مگر شاذ کے طور پر، مگر ہوتے ہیں کہ جماعتی اموال میں کسی نے خورد برد کی ہے۔ لوگ تو چٹھیاں لکھتے ہیں کہ اللہ بہت رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (التوبہ:۱۲۸) ہے رسول اکرم ﷺ بے حد مہربان تھے۔ قرآن مجید نے ان کو رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ تو آپ جب خدا کی رحمت، مغفرت کے گن گاتے ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمت، مغفرت کے گن گاتے ہیں تو کیوں ایسے لوگوں سے صرف نظر نہیں کرتے ان کو معاف نہیں فرماتے۔ تو ان کو پتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے کہ خائن سے نہ رعایت کرنی ہے نہ اس کی وکالت کرنی ہے۔ تو جماعت کو اس مضمون کو سمجھنا چاہئے۔ دنیا کے معاملات میں بھی خائن کی کوئی حمایت نہیں کرنی چاہئے اور انبیاء کو جب فرمایا جاتا ہے وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا تو لفظ خصم جو ہے یہ صرف برائی کے معنوں میں نہیں ہوتا۔ جھگڑا بلکہ شدت سے کسی کی وکالت کرنا دل ڈال کر، جان ڈال کر کسی کی وکالت کرنا اور

سفارش کرنا اس کو بھی خصومت کہتے ہیں۔تو آنحضرت ﷺ کو بھی یہ نصیحت فرمائی گئی کہ تم خائنین کیلئے ہمارے پاس کوئی دعا اور سفارش نہ کرنا۔ وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:۱۰۷) اللہ سے بخشش مانگو اور خدا بہت غفور رحیم ہے بہت مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔اس آیت نے وہ سارے وہم دور کر دئے کہ اگر انسان خائنوں سے مغفرت نہیں کرے گا تو خدا کی مغفرت سے محروم رہ جائے گا۔ جو لوگوں سے رحم کا سلوک نہیں کرتا ، خدا بھی اس سے رحم کا سلوک نہیں کرتا۔ یہ وہی واھمہ ہے جس نے بعض لوگوں نے خائنوں کی سفارش کرنے پر مجبور کیا۔تو قرآن کریم کا اعجاز دیکھیں کہ جہاں ایک دفعہ خائنوں سے نرمی نہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہاں تک کہ ان کی سفارش سے بھی روک دیا، ان کے لئے دعا سے روک دیا۔ وہاں اس بات کا یقین دلایا کہ خدا کی خاطر تم ایسا کرو گے، خدا کی مغفرت سے محروم نہیں رہو گے۔اللہ سے مغفرت طلب کرو، بہت ہی غفور رحیم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر خدا نے کسی خائن میں کوئی ایسی نیکی دیکھی کہ اس کی مغفرت کا فیصلہ کرے یہ بھی ایک مطلب ہے تو وہ چاہے تو کر سکتا ہے لیکن تمہیں بیچ میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دو پیغام اکٹھے مل گئے ایک طرف خائن کے لئے دعا نہ کرنے والے کو یہ پیغام ہے کہ اس کے نتیجے میں خدا تم سے اسی طرح مغفرت کا سلوک کرتا رہے گا جیسے پہلے کرتا تھا کہ تم خدا کی خاطر رکے ہو اور دوسری طرف یہ بھی اعلان ہے کہ خدا کو اپنی بخشش اور مغفرت کے سلوک کیلئے تمہاری سفارش ، تمہاری دعاؤں اور التجاؤں کی ضرورت نہیں ہے۔

خائن کا معاملہ مخفی ہے اور یہ وہ مضمون ہے جو پہلے حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔ایک خیانت کی بیماری مخفی بیماری ہے اور اس کی کنہ تک انسان پہنچ نہیں سکتا۔ کچھ ظاہری خیانتیں اس کو دکھائی دیتی ہیں یہ نہیں جانتا کہ اس کے اندر کیا کیا خیانتیں تھی اور جڑیں کہاں کہاں پہنچ ہوئی ہیں اور اس مضمون سے واقف نہیں کہ جو تھوڑی سی خیانتیں ظاہر پر اس کو دکھائی دی ہیں۔اللہ فرما رہا ہے کہ یہی شخص خدا اور رسول کا بھی خائن ہے۔تو کن معنوں میں ہے۔ بیماری اندر کہاں کہاں تک پھیلی ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر اللہ بہتر جانتا ہے اور ساتھ قرآن نے یہ بھی تسلی دی کہ اگر کسی کو معاف فرمانا چاہے اللہ تو بہت غفور رحیم ہے تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ایسا خائن جس کی بعض کمزوریوں پر کوئی

نظر ہے خدا کی، اس کی بعض خوبیوں پر بھی تو نظر ہوگی اور وہ جانتا ہے کہ کس حد تک بیماری پھیلی کس حد تک صحت کے امکانات ہیں۔ تو اللہ پر اس معاملے کو چھوڑ و بہت غفور رحیم ہے جس سے چاہے گا حسن سلوک فرمائے گا۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء:۱۰۸) پہلے خصومت کا ذکر تھا اب مجادلہ کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا ہے کہ ان کیلئے کسی قسم کی کوشش اور جہاد نہ کرو يَخْتَانُوْنَ ان لوگوں کیلئے جو اپنے نفس کی بددیانتی کرتے ہیں، اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں۔ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۔ اَنْفُسَهُمْ کے معنی دو ہیں اول اَنْفُسَهُمْ سے مراد قوم اور سوسائٹی ہے۔ ایسے لوگ جو اپنی قوم اور اپنی سوسائٹی سے بددیانتی کرتے ہیں اور ان کے عہدوں کو نبھاتے نہیں ہیں ان سے رعایت نہیں کرتے اور ان کی امانتوں کا حق ادا نہیں کرتے ان لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ تمہیں ان کی طرف سے کوئی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ دعا کیذریعے، کسی اور کے ذریعے سے ان کے حق میں کوئی لڑائی نہ کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا اور یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ خائن گناہ گار سے محبت نہیں کرتا۔ اَثِيْمًا کا خالی استعمال نہیں فرمایا یہاں۔ فرمایا خَوَّانًا اَثِيْمًا بہت زیادہ خائن، ایسا خائن جو حد سے بڑھ چکا ہو اور پھر گناہ گار بھی ساتھ ہر قسم کا ہو وہ تو ہونا ہی ہونا پھر اس نے۔ فرمایا اللہ ان سے محبت نہیں کرتا۔ یہ جو محاورہ ہے اللہ محبت نہیں کرتا۔ میں نے پہلے بھی سمجھایا تھا مراد یہ نہیں کہ محبت نہیں کرتا چلو نفرت بھی نہیں کرتا ہوگا۔ محبت نہ کرنے کا عربی کا محاورہ ہے سخت نفرت کرتا ہے کسی قیمت پر بھی ان کو برداشت نہیں کرتا۔ اللہ کا محبت نہ کرنا ایک بڑا گہرا بیان ہے۔ اس کو آپ خوب غور سے سمجھنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر خدا اپنے بندوں کی کمزوریوں پر نگاہ رکھتا تو کسی سے اس کا تعلق نہ رہتا لیکن اپنے بندوں کی کسی نہ کسی خوبی پر نظر رکھ کر وہ ان سے تعلق رکھتا ہے۔

پس جس شخص کے متعلق یہ آجائے کہ خدا اس سے محبت نہیں رکھتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر کوئی خوبی نہیں پاتا۔ کوئی تعلق کیلئے مشترکہ زمین نظر نہیں آتی جس پر وہ تعلق قائم ہوسکے۔ پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسی گہری عرفان کی باتیں ہمیں سمجھائیں ہیں کہ ایک مضمون دوسرے مضمون کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے۔ کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا میں

فلاں سے محبت نہیں کرتا، فلاں سے محبت نہیں کرتا تو مراد یہ ہے کہ میں اسے خوبیوں سے عاری دیکھتا ہوں۔ چاہتا بھی ہوں تو اس سے پیار نہیں رکھ سکتا۔ تو وہی مضمون ہے کہ جس طرح بھوکے کے گھر کے سامان بِک جاتے ہیں، اس کے تن بدن کے کپڑے بِک جاتے ہیں اور بھوک اس کا لباس بن جاتی ہے۔ اس طرح خیانت اندرونی طور پر انسان کا حال کرتی ہے۔ کوئی رونق اندر باقی نہیں رہنے دیتی ساری خوبیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ خیانت کے آخری مقام کا ذکر ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے یہاں اس موقع پر خائن نہیں فرمایا اس آیت میں دوسری آیتوں میں خائن کا ذکر ہے یہاں فرماتا ہے لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا حد سے بڑھے ہوئے خائن جو خیانت میں اپنے آخری مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان میں پھر خدا کوئی خوبی نہیں دیکھتا، کوئی ایسی بات نہیں دیکھتا کہ خدا ان سے تعلق قائم رکھ سکے۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ یہ لوگوں سے چھپتے پھرتے ہیں۔ اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے اسے باطن کی بیماری اسی لئے قرار دیا ہے۔ باطن کی بیماری کئی رنگ میں ہے ایک یہ بھی رنگ ہے کہ خائن دنیا کی نظر سے چھپتا ہے اپنی بات کو چھپاتا ہے اور فرمایا کہ چھپتے ہوں گے مگر وہ اللہ کی نظر سے نہیں چھپ سکتے۔ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ (النساء ۱۰۹) وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب ایسی رات گزارتے ہیں جس میں ایسی باتیں کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا اور اللہ خوب اچھی طرح گھیرے ہوئے ہے ان باتوں کو جو وہ کرتے ہیں۔ یعنی چاروں طرف سے وہ خدا کے گھیرے میں ہے اس سے نکل نہیں سکتے، اس سے بچ نہیں سکتے۔ تو خیانت کا مرض بہت ہی گہرا اور خطرناک مرض ہے یہ عمومی مضمون ہے جو بیان ہوا اس کے بعد تفصیلی مضمون بھی قرآن کریم میں بیان ہوتا ہے کہ کن کن موقعوں پر، کس کس محل پر انسان خیانت کرتا ہے اور پھر بالآخر خَوَّانًا کس شکل میں بنتا ہے۔

اب تو وقت ختم ہو رہا ہے میں انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جمعہ میں اس مضمون کو پھر آگے بڑھاؤں گا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

باقی پاکستان اور جاپان اور انڈونیشیا اور افریقہ کے ممالک اور ہندوستان وغیرہ وغیرہ میں جو احمدی دوبارہ اس خطبے کو براہ راست سن یا دیکھ رہے ہیں۔ ان سب کو میں اپنی طرف سے بھی اور تمام جماعت انگلستان کی طرف سے بھی نہایت محبت بھرا اسلام پہنچاتا ہوں۔

احمدی اسلامی جہاد سے کبھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ آج بوسنیا میں جہاد بالسیف جائز ہے۔امانت وخیانت کا جاری مضمون

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹ / اکتوبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

خطبات میں مضامین کے جو سلسلے چلتے ہیں ان میں بعض دفعہ یہ دقت پیش آتی ہے کہ بعض واقعات ایسے گزرتے ہیں جن پر فوری تبصرہ ضروری ہوتا ہے اور جن کے متعلق جماعت کو بعض دفعہ نصیحت کرنی پڑتی ہے، بعض دفعہ تحریک کرنی پڑتی ہے، بعض دفعہ اُن کی راہنمائی کرنی پڑتی ہے۔تو اسی لئے میں خطبات کے سلسلے کے دوران ہی اب ابتداء میں چند اور باتیں کرتا ہوں تا کہ وقت کے تقاضے بھی پورے ہو سکیں اور سلسلہ بھی جاری رہے۔

اس ضمن میں چند دن پہلے میں نے سوچا کہ بوسنیا سے متعلق میں جماعت احمدیہ کو صورت حال سے مختصراً آگاہ کرتے ہوئے ایک اہم اعلان کروں اور یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا عجیب تصرف ہے کہ مجھے اطلاع ملی کہ بوسنین مسلمانوں کا ایک مہاجر گروہ ملاقات کا خواہشمند ہے اور انہوں نے جمعہ ہی کا وقت دیا ہے اور جمعہ وہ ہمارے ساتھ پڑھیں گے چنانچہ آج جمعہ میں وہ ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے اس جمعہ میں شریک ہو رہے ہیں۔اس سے مجھے یہ یقین ہوا کہ یہ تصرف الٰہی ہی تھا اوران دونوں باتوں کا آپس کا انطباق کوئی حادثہ نہیں کوئی اتفاق نہیں بلکہ واقعةً یہ مضمون بیان کرنا ضروری تھا۔

جماعت احمدیہ پر بہت سے مسلمان علماء اور اب حکومتیں بھی ان میں شریک ہو چکی ہیں مدت سے یہ الزام لگا رہے ہیں کہ ہم جہاد کے قائل نہیں ہیں حالانکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بالکل واضح مؤقف ہمیشہ یہ رہا اور جماعت احمدیہ کا ہمیشہ سے یہی مؤقف چلا آ رہا ہے کہ قرآن کریم نے جس جہاد کا ذکر فرمایا ہے وہ اپنی تمام تر صورتوں میں، تمام شرائط کے ساتھ ہمیشہ جاری رہنے والا ایک سلسلہ ہے، جہاد بالسیف اُس کی ایک قسم ہے اور جب بھی جہاد بالسیف کی شرائط پوری ہوں، جہاد بالسیف بھی اُسی طرح فرض ہوگا جیسے دوسرا جہاد ہے لیکن شرائط کے ساتھ اور قرآن کریم کی بیان کردہ حدود کے اندر، ان کو پھلانگ کر نہیں۔ اس ضمن میں بوسنیا کے متعلق مجھے کامل یقین ہے کہ اگر اس دور میں ہم نے اسلامی جہاد کا کوئی موقع دیکھا ہے جہاں اسلامی جہاد کا تصور واقعۃً منطبق ہوتا ہے تو وہ بوسنیا کی صورت حال ہے۔

اس سے پہلے افغانستان کے متعلق بھی بہت جہاد کی باتیں ہوئی ہیں لیکن ایک فرق ہے بوسنیا اور افغانستان کے حالات میں۔ افغانستان میں اس وجہ سے افغان باشندوں کو اپنے ملک سے دربدر نہیں کیا گیا کہ وہ مسلمان ہیں کیونکہ جو پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی مسلمان ہی تھے اور محض اسلام کی بناء پر ان کو ملک سے باہر نہیں نکالا گیا، ہاں کیونکہ وہ طاقت جس نے افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخل دیا اور اپنے نظام کو افغانستان پر ٹھونسنے کی کوشش کی وہ طاقت ایک بے دین طاقت تھی۔ اس لئے اس کے خلاف احتجاج میں اور نفرت کے اظہار کے طور پر کہ ہم کسی کو زبردستی اپنا نظام نہیں بدلنے دیں گے وہ لوگ اپنے ملک کو چھوڑ کر گھر سے بے گھر ہوئے۔ یہ جہاد کی ایک قسم قرار دی جاسکتی ہے اس میں ہرگز کوئی شک نہیں۔ لیکن بعینہٖ وہ جہاد نہیں جس کا قرآن کریم میں کھلم کھلا ذکر ہے۔ جیسا کہ سورۃ حج میں جب جہاد کی اجازت دی گئی تو فرمایا گیا اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ (الحج: ۴۰-۴۱) کہ اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جن کے خلاف تلوار اُٹھائی جارہی ہے اور ظلم کے طور پر اُٹھائی جارہی ہے کوئی حق نہیں ہے تلوار اُٹھانے والوں کو۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے محض اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے یعنی دین کی خاطر، خدا کی خاطر محض یہ وجہ دشمنی کی تھی ورنہ اور کوئی دنیاوی دشمنی نہیں تھی۔ بوسنیا میں جو مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا

ہے اور بے انتہا مظالم ہو رہے ہیں اُن میں صرف اسلام وجہ ہے۔ چنانچہ مغربی قومیں بھی اور ان کے تمام نشریاتی ادارے بھی بار بار مسلمان کا ذکر کرتے ہیں اور قومی ذکر نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض دفعہ بعض ناقدین نے ان کو متوجہ بھی کیا۔ انہیں کہا تم کیوں بار بار مسلمان کہتے ہو یہ کیوں نہیں کہتے کہ بوسنیا کے خلاف سربز نے حملہ کیا ہوا ہے۔ تو جو لوگ جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہاں سربین اور بوسنین کی لڑائی نہیں بلکہ بوسنین کے اسلام کی وجہ سے بوسنین سے نفرت کی جارہی ہے اور جس رنگ کے مظالم وہاں توڑے جارہے ہیں وہ بلاشبہ Hitler کے دور کو بھی شرماتے ہیں۔ بعض ایسے جرائم کا ارتکاب ہو رہا ہے، دنیا کے ظلم کی تاریخ میں ایسے ابواب کا اضافہ ہو رہا ہے، جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے تھے یا سنے گئے تھے۔

پس بوسنیا کی صورتِ حال اس آیتِ کریمہ کے تابع ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے یعنی سورہ حج کی آیت جس میں اُذِنَ لِلَّذِيْنَ کے ذریعہ مسلمانوں کو، بعض مظلوموں کو، بعض خاص حالات میں تلوار اُٹھانے کی اجازت دی اور اس کو خدا کی خاطر جنگ قرار دیا ہے اور یہ وعدہ فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ تم کمزور ہو، مظلوم ہو، گھروں سے بے گھر کئے گئے ہو، لیکن ہم تم سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم خدا کی خاطر اس اجازت کے پیش نظر اپنے دفاع میں تلوار اُٹھاؤ گے تو اللہ تمہاری نصرت پر قادر ہے۔ وہ جب چاہے گا تمہیں فتح عطا فرمائے گا۔

تعجب کی بات ہے کہ جماعت احمدیہ پر الزام لگانے والے بے محل اور بے موقع جہاد کی باتیں کرتے ہوئے تھکتے نہیں مگر آج جب جہاد کا موقعہ ہے تو تمام اسلامی حکومتیں اس بارے میں خاموش ہیں اور کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اُٹھ کھڑی ہو اور سرِ عام دنیا کو للکار کر کہے کہ یہ موقع ایسا ہے جہاں اسلام نے جہاد کی اجازت دی ہے اس لئے ہم اس حق کو استعمال کریں گے۔ تمام کے تمام ایسی بڑی طاقتوں سے مغلوب ہیں اور ان کے محکوم ہیں، ان کے ساتھ غلامانہ تعلقات رکھتے ہیں کہ جو ان کو خدا سے بھی زیادہ طاقتور دکھائی دیتی ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تقاضے ایک طرف ہوں اور ان حکومتوں کی رضا کے تقاضے دوسری طرف ہوں وہاں خدا کی بالادستی کو ایک طرف چھوڑ کر جس کے قائل ہیں اور بالآخر ہر ایک کو قائل ہونا ہی پڑے گا، ان کی بالادستی کے تابع ہو جاتے ہیں، یہ انہیں نزدیک دکھائی دیتی ہے۔ جیسے پنجابی میں کہتے ہیں اللہ نزدیک ہے، نہایت بیہودہ قسم کا محاورہ

ہے مگر ہے کہ خدا نزدیک ہے کہ مکا۔ تو جہاں اپنے مطالب دکھائی دیں تو وہاں مکّا نزدیک دکھائی دیتا ہے اور خدا دور دکھائی دیتا ہے۔

اسلامی جہاد انفرادی طور پر شرائط کے بغیر نہیں ہوسکتا اور کسی ایسی سرزمین پر نہیں ہوسکتا جس زمین کا قانون وہاں کے رہنے والوں اور باشندوں کو اس کی اجازت نہ دے اس لئے وہ لوگ جو امریکہ میں مسلمان بستے ہیں وہ مجبور ہیں ان کے متعلق یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ خدا کی بالا دستی کو ترک کر کے دنیا کی بالا دستی کو قبول کر رہے ہیں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی کہ ملکی قانون کے خلاف بغاوت کرو اور پھر جہاد کرو۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہیں دی۔ ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ہے۔ تمام ظلم کی تاریخ میں جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں بسنے والے مظلوموں کو اجازت دی ہو کہ تم یہیں رہو اور ان کے بالا قانون کی مخالفت کرتے ہوئے ان کے خلاف تلوار اُٹھاؤ۔ ہجرت کا حکم اس لئے ہے کہ جب تم ایک ظالم حکومت کے تابع ہو، اگر تم جہاد کرنا چاہتے ہو تو تمہارا پہلا فرض ہے کہ وہاں سے نکلو اور پھر ایسے آزاد علاقہ میں جہاں وہاں کے قوانین تمہیں اجازت دیتے ہوں یا قوانین خود تمہارے قبضۂ قدرت میں ہوں وہاں اس کا انتظام کرو۔ پس یہ اوّلین فرض مسلمان حکومتوں کا ہے۔ امریکہ میں بسنے والے مسلمان یا یورپ میں بسنے والے مسلمان یا ایسے ممالک میں بسنے والے مسلمان جہاں کے قانون ان کے اس قسم کی جدوجہد کی اجازت نہیں دیتے وہ مبرا ہیں اور قرآن کریم اور سنت کے مطابق ان پر کوئی حرف نہیں لیکن مسلمان حکومتوں پر ہے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنی زمین کو ان کے جہاد کے لئے پیش کریں اور کثرت کے ساتھ بوسنیا کے مسلمانوں کو دعوت دیں، وہاں ان کو پناہ دیں، وہاں ان کی تربیت کریں اور ان کی ہر صورت میں مدد کریں تاکہ وہ اُس سرزمین کو طاقت کے زور سے واپس لیں۔ جس سرزمین کو محض از راہ ظلم طاقت کے زور سے ان سے چھینا گیا ہے اور اس کا چھیننے والوں کو کوئی حق نہیں تھا۔ اور اختلاف کی بنا اسلام ہے، خدا کا نام ہے۔ عزت بیگ، جو بوسنیا کے مسلمان صدر ہیں ان کے خلاف جتنی نفرت کی مہم چلی ہے اور جو ظلم و ستم کا سلسلہ جاری ہوا ہے، یہ اس بنا پر ہے کہ انہوں نے جو Election جیتا بوسنیا کا وہ اسلام کے نام پر جیتا ہے اور شروع سے آخر تک جھگڑا ہی اسلام کا ہے۔

پس پاکستان ہو یا ترکی ہو یا ایران ہو اُن کا اوّلین فرض ہے کہ بوسنیا کے مہاجرین کو قبول کریں بجائے اس کے کہ ان کو یورپ میں جگہ جگہ غیر اسلامی حکومتوں میں پناہ لینے پر مجبور کیا جائے۔ ان کا احسان ہے جو پناہ دے رہی ہیں، غیر اسلامی حکومتوں کی پناہ لینا جرم نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے زمانے میں پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ہوئی جہاں ایک غیر اسلامی عیسائی حکومت تھی، اس لئے یہ بات خوب کھول کر بتانا چاہتا ہوں کہ یہ کوئی اعتراض نہیں ہے کہ غیر اسلامی ممالک میں وہ پناہ لیں۔ اعتراض صرف یہ ہے کہ مسلمان ممالک کا اوّلین فرض ہے کہ نہ صرف اُن کو پناہ دیں بلکہ جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں اُن کی ہر طرح مدد کریں۔ پاکستان بڑے دعوے کرتا ہے کہ ہم نے افغانستان کے جہاد میں عظیم الشان قربانیاں دیں اور اپنی سرزمین ان کے لئے پیش کر دی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ نیتیں کیا تھیں۔ ہمیں تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ امریکہ کی رضا کی خاطر، امریکہ کی تائید سے، وہ زمین اُن کے سامنے پیش کی گئی اور جب تک امریکہ کی مدد شامل حال تھی وہ جہاد جاری رہا، جب امریکہ نے ہاتھ اُٹھالیا تو پاکستان نے بھی ہاتھ اُٹھالیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سیاسی دنیاوی تقاضے تھے جن کی خاطر مدد دی گئی ہے۔ لیکن بیچ میں کچھ نیک لوگوں کی نیک نیتی بھی ہوگی۔ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ جب ایک عام جہاد شروع ہوتا ہے تو بہت سے لوگ محض للہ اس میں شامل بھی ہو جایا کرتے ہیں اس لئے ہم کوئی عمومی فتویٰ نہیں دے سکتے کہ اُس جہاد میں جو شامل تھے اُن کے دنیا کے تقاضے تھے، دنیا کی خاطر اُنہوں نے کام کئے۔ پاکستانی فوج میں بھی بہت سے ایسے جوان ہوں گے جنہوں نے خالصۃً للہ کسی رنگ میں اس میں حصہ لیا اور قربانیاں پیش کیں۔ پس ایسے لوگ تو یقیناً اللہ کی جزا پائیں گے۔ مگر امتحان کا وقت اُس وقت آتا ہے جب ایک ہی قسم کی صورتِ حال دوبارہ پیدا ہو اور دوسری صورتِ حال میں بات کھُل جائے اور ننگی ہو جائے۔ پس اگر امریکہ کی رضا حکومتِ پاکستان کے پیشِ نظر نہیں تھی اور خدا کی رضا تھی تو آج خدا کی رضا کا پہلے سے بڑھ کر تقاضا ہے کہ بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کی اُس سے بڑھ کر مدد کی کوشش کرو جو تم نے اپنے افغان بھائیوں کی کی تھی۔ وہاں ان کو بلایا جائے، ان کو خوش آمدید کہا جائے، ان کے یتامیٰ کو ایسے خاندانوں میں تقسیم کیا جائے جو محبت کے ساتھ، پیار کے ساتھ، ماں باپ کا حق ادا کر سکیں۔ اور پھر ان کے جوانوں کو فوجی تربیت دی جائے، ہر قسم کی مدد دی جائے اور اس سلسلہ میں مَیں سمجھتا ہوں کہ اوّلین

فرض پاکستان، ترکی اور ایران کا ہے۔ یہ تینوں حکومتیں مل کر یہ پروگرام بنائیں بجائے اس کے کہ ہر ایک اپنے اپنے نہج پر الگ الگ مدد یا تیاری کا سلسلہ شروع کرے اور یہ کرنا نہ صرف یہ کہ اسلام کے منشاء کے عین مطابق ہے بلکہ دنیا کے آج کے قوانین اور United Nations کے قوانین کے بھی بالکل مطابق ہے اور دنیا کی کسی طاقت کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے افغانستان کے معاملہ یہ مثال پوری طرح قائم ہو چکی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کو یہ خوف ہوگا کہ امریکہ اعتراض کرے گا۔ امریکہ کیسے اعتراض کرے گا اُس نے تو خود جہاد کے نام پر افغانستان کی مدد کی ہوئی ہے۔ امریکہ کی مدد کے سہارے تو پاکستان نے یہ سلسلہ آگے چلایا تھا اور پاکستان کی سرزمین میں جہاد کرنے والے تیار ہوتے تھے اور افغانستان پر حملہ کیا جاتا تھا۔ یہ جب نظیر قائم ہوگئی تو United Nations کے کسی ممبر نے، کسی بڑی یا چھوٹی حکومت نے اس پر اعتراض نہیں کیا اور سب سے طاقتور حکومت جو United Nations کی ممبر ہے وہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ذمہ دار تھی۔ تو آج کس کا حق ہے کہ اس پر اعتراض کرے اس لئے عقلاً، قانوناً، انصافاً، رواجاً کسی کا حق نہیں ہے۔ تو پھر ڈرتے کس سے ہو؟ اندرونی خوف کے کچھ تقاضے ہوں جو ہمارے علم میں نہ ہوں تو الگ بات ہے، ورنہ ظاہری طور پر جب خدا کا منشاء بھی اور دنیا کی طاقتیں بھی اس تحریک پر عملاً بات کر چکی ہوں جس کی میں تمہیں توجہ دلا رہا ہوں تو پھر کسی خوف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر خوف ہو بھی تو یہ وقت نہیں ہے کہ جب خوف کا اظہار کیا جائے کہ پوری مسلمان قوم کو ملیا میٹ کیا جا رہا ہے اور ایسے خوفناک مظالم توڑے جا رہے ہیں کہ اُن کے بیان کی بھی طاقت نہیں ہے۔ اگر میں بیان کروں تو مجھے اپنے جذبات پر قابو نہیں رہے گا۔ آپ اخباروں میں خبریں پڑھتے ہیں، ٹیلی ویژن پہ پروگرام زدیکھتے ہیں، جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے **اگر پاکستان کی حکومت ایسے جہاد کا اعلان کرتی ہے جس میں پاکستانی بھی شریک ہوں تو میں تمام احمدیوں کو تحریک کرتا کہ وہ بڑھ کر اس میں حصہ لیں اور بتائیں کہ ہم اسلامی جہاد میں کسی سے پیچھے رہنے والے نہیں بلکہ صفحۂ اول میں آگے بڑھ کر لڑیں گے اور یہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جب بھی اسلام کے تقاضے کسی جہاد کا اعلان کرتے ہیں یا جہاد کی تحریک اسلامی تقاضوں کے مطابق ہوتی ہے تو جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہی بلکہ ہمیشہ آگے بڑھ کر قربانیاں پیش کی ہیں۔** پس اس موقع پر بھی جماعت احمدیہ کے لئے

اعلان ہے اور باقی دنیا کی جماعتوں کو میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ سرب جو مہاجر آئے ہیں ان کے ساتھ محبت کا سلوک کریں، ان سے تعلقات قائم کریں، ان کی ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کریں اور اُن کے ذریعہ اگر ان کے بچے مل سکتے ہوں تو ان کے بچوں کو پالا جائے۔ مغرب میں بعض قوانین کی دقتیں ہیں اُن سے متعلق ہم نے غور کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن دقتوں کے باوجود احمدیوں کیلئے ممکن ہے کہ وہ سرب بچوں کو اپنائیں اور ان کیلئے ماں باپ سے زیادہ محبت کا سلوک کرنے کی کوشش کریں۔ ان سے ماں باپ سے بڑھ کر محبت کا سلوک کرنے کی کوشش کریں۔ وہ للہ مظلوم ہیں اور اپنے بچوں سے محبت کرتے وقت تو آپ کے طبعی تقاضے ہیں اُس میں بھی نیکی ہوتی ہے کہ خدا کی خاطر محبت کی جائے۔ **مگر ایسے بچے جو محض خدا کی خاطر یتیم بنائے گئے ہوں یہ وقت ہے کہ ان سے غیر معمولی محبت اور پیار کا سلوک کیا جائے۔ اور احمدی گھروں میں زیادہ سے زیادہ ان کو اپنایا جائے۔** پس جن ممالک میں قانونی روک کوئی نہیں ہے وہاں تو احمدیوں کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ اُن بچوں کو اپنا لیں۔ جہاں قانونی روکیں ہیں وہاں ایک صورت ہوسکتی ہے کہ عارضی طور پر امانتاً وہ بچے لئے جائیں۔ مستقل بچہ لینا Adopt کرنا جس کو کہتے ہیں یہ نہ تو اسلام میں ویسے Adoption جائز ہے۔ یعنی ان معنوں میں Adoption کہ گویا وہ جائداد میں بھی شریک ہو جائے گا اور جو قوانین انسانی تعلقات کے ہیں وہ اُس بچہ پر بھی اطلاق پائیں گے اور اُس کے منہ بولے ماں باپ پر بھی اطلاق پائیں گے یہ Adoption ہے جس کی راہ میں بہت دقتیں ہیں۔ اور احمدیوں کو ایسی Adoption میں دلچسپی بھی کوئی نہیں کیونکہ وہ خلاف اسلام ہے۔ ہم امین بن کر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں اور اُن کے نتیجے میں نہ ہمیں کوئی ملکی حقوق حاصل ہوں گے کسی قسم کے نہ اُن بچوں کو کوئی ایسے حقوق حاصل ہوں گے جو قرآن کریم کے جاری کردہ نظامِ وراثت پر اثر انداز ہوں۔

اس پہلو سے ان حکومتوں کی طرف سے بھی ایک راستہ کھلا موجود ہے اور وہ امانتاً وہ بچے سپرد کر دیتے ہیں بعض دفعہ تھوڑی دیر کیلئے بعض لمبے عرصے کیلئے۔ چنانچہ پانچ، دس سال، پندرہ سال بھی ان بچوں کی خدمت کی توفیق مل جائے تو ایک بہت بڑی خدا تعالیٰ کی طرف سے سعادت ہوگی۔ تو یورپ کے ممالک میں ہر احمدی کو چاہئے یہ کوشش کرے اور ان مظلوموں سے تعلقات قائم کریں اور ان کی انسانی سطح پر ہر ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرے اور جو ضرورتیں ان کی طاقت سے بڑھ کر

ہوں اور کسی اور طرف سے پوری نہ ہو رہی ہوں اُن سے متعلق جماعت کو متوجہ کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جماعت اس معاملہ میں اپنے مظلوم بھائیوں کی ہر طرح مدد کرنے کی کوشش کرے گی۔ تو مَیں اُمید رکھتا ہوں کہ جماعت جس طرح کہ ہمیشہ ہر نیک تحریک پر ضرور لبیک کہتی ہے اس تحریک پر بھی انشاء اللہ ضرور لبیک کہے گی۔ خدا کرے کہ مسلمان حکومتوں کو بھی لبیک کہنے کی توفیق ملے ورنہ یہ نہ ہو کہ آئندہ زمانہ ان پر طعن کرے کہ

؎ ناداں جھک گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

پہلے قیام کی باتیں کیا کرتے تھے جب سجدوں کا وقت تھا، قیام کا وقت آیا ہے تو سجدوں میں جا پڑے ہیں۔ یہ بے محل اور بے ترتیب بے سلیقہ باتیں ہیں مومن کو زیب نہیں دیتیں۔ اب وقت ہے اسلامی جہاد کا، اس جہاد میں تمام اسلامی ملکوں کو پوری طرح حصہ لینا چاہئے اور غیر اللہ کے خوف کو بالکل دل سے نکال دینا چاہئے۔ دوسری بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ USSR کے سابقہ علاقوں اور ریاستوں میں جماعت احمدیہ کو میں نے نصیحت کی ہے اور کئی رنگ میں نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے تعلقات بڑھائیں اس سے پہلے ایک تحریک کی تھی پچھلے خطبے میں کہ بعض صاحب علم دوستوں کی مختلف Professions میں مہارت رکھنے والے افراد کی بعض مسلمان یا غیر مسلم ریاستوں کو بھی ضرورت ہے اور ان کے بعض نمائندوں نے ہم سے رابطہ پیدا کیا ہے اور خواہش کی ہے کہ جماعت صاحب علم دوست جن کا میں ذکر کر چکا ہوں اپنے اپنے مضمون سے تعلق رکھنے والے اپنے نام پیش کریں۔

ایک اور اعلان یہ کرنا ہے کہ بہت سے ایسے USSR کے ممالک ہیں جہاں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کا معیار خدا کے فضل سے بہت اونچا ہے اور بہت کم خرچ پر وہاں طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اس لئے بجائے اس کے کہ مغربی یونیورسٹیوں کی طرف مشرق کے باشندے بھاگیں، یعنی امیر ملکوں کی جو Capitalist ممالک ہیں، اُن کی یونیورسٹیوں کی طرف بھاگیں یہ وقت ہے کہ یہ مشرقی یورپ اور USSR کی ریاستوں میں تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ جماعت احمدیہ اس سلسلے میں ہر طرح تعاون کرے گی۔ مرکزی طور پر ہم نے کافی معلومات اکٹھی کی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں افریقہ کے غریب طلباء کے لئے بہت اچھا موقع ہے اور پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش وغیرہ کے طلباء کے لئے بھی بہت اچھا موقع ہے۔ ہمارے تعلقات خدا کے فضل

سے بڑھ رہے ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کی سفارش پر ایسے طلباء کو جو ذہین ہوں اور علم کی ایک بنیاد قائم کر چکے ہوں اُس بنیاد پر اعلیٰ عمارتیں تعمیر کرنے کے بہت اچھے مواقع فراہم ہوں گے اور اللہ کے فضل سے اُن علاقوں میں اسلام کا پیغام پہنچانے کی بھی توفیق ملے گی۔ پس جو طلباء بھی خواہش مند ہوں اپنے اپنے ملک کے سیکرٹری تعلیم یا ناظر تعلیم وغیرہ سے رابطہ قائم کر کے مکمل کوائف ہمیں بھجوائیں۔ اس عرصے میں جو معلومات ہمیں مہیا ہو چکی ہیں وہ ہم مختلف ممالک کو بھجوا دیں گے۔ جو معلومات حاصل ہوں گی مختلف ممالک کو بھجواتے رہیں گے تاکہ اگر ممکن ہو تو وہیں جو مختلف ممالک کے نمائندے موجود ہیں سفیر موجود ہیں ان سے رابطہ کے ذریعہ اگر وہ اپنے داخلوں کا انتظام کر سکتے ہیں تو شوق سے کریں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مرکز کی وساطت سے یہ کام ہو۔ جس جس ملک میں آسانی سے یہ کام ہوسکتا ہے مرکز سے مدد لئے بغیر وہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہاں اور بھی بہت سے کام ہیں لیکن جن کو ضرورت ہو اُن کو ضرور مدد دی جائے گی انشاء اللہ۔ تو طلباء بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جائزہ لیں جن جن کو توفیق ہے کہ وہ پورے خرچ برداشت کر سکتے ہوں وہ خود کریں کیونکہ خرچ زیادہ نہیں ہیں لیکن اگر کوئی غریب طالب علم ہوں جو خرچ نہ برداشت کر سکتے ہوں لیکن ان کا تعلیمی معیار یہ تقاضا کرتا ہو کہ ان کو اُونچی کی تعلیم دلانی چاہئے ان کو انشاء اللہ تعالیٰ جماعت بھی مدد دے گی اس لئے جنہوں نے درخواستیں یہاں بھجوانی ہوں اور کچھ مدد کے بھی طالب ہوں جو جائز ہے تو وہ اپنے نظام کی معرفت ایسی درخواستیں بھجوائیں۔

ایک اور تحریک یہ کی گئی تھی کہ احمدی تاجران ملکوں سے تجارتیں کریں اور اپنے نمائندے بھیجیں، جائزے لیں، یونیورسٹیز قائم کریں۔ اس ضمن میں جو میں نے وفد Belorussia بھجوایا تھا اُس وفد کی رپورٹ خدا کے فضل سے بہت ہی خوش کن ہے اور بعض وفود دیگر ریاستوں میں بھی گئے ہیں وہاں سے بھی اچھی اطلاعات ملی ہیں۔ بہت بھاری امکانات ہیں تجارتوں کے بھی اور Industry کے لئے بھی کیونکہ باوجود اس کے کہ روس Technology کے لحاظ سے اور صنعتی لحاظ سے بعض شعبوں میں مغرب کا مقابلہ کرتا تھا مگر وہ شعبے دفاعی شعبے ہیں یا جارحانہ شعبے ہیں جو روز مرہ کے انسانی فوائد سے تعلق رکھنے والے صنعتی شعبے ہیں اُن میں روس بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اور زیادہ تر اُن کے اقتصادیات دانتوں اور ناخنوں کو پالنے پر لگی رہی ہیں۔ گوشت پوست اور آنکھیں اور جگر

اور دل وغیرہ کی غذا کی طرف توجہ کم رہی۔ اسی وجہ سے یہ نظام بالآخر نا کام ثابت ہوا۔ اور اب جبکہ سب کچھ کھلا کھلا دکھائی دینے لگا ہے تو جن جن اعضاء میں ان کی کمزوریاں ہیں وہ بالکل سامنے آ گئی ہیں اور یہ خود اب اس بات کے خواہشمند ہیں کہ تمام ممالک کے خواہ وہ پسماندہ ہوں جیسے بھی ہوں وہ لوگ وہ افراد جو مدد کی اہلیت رکھتے ہیں ہماری مدد کریں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میدان میں بھی جو ایک قسم کا خدمت کا جہاد ہے جماعت احمدیہ کو صفِ اول پر رہنا چاہئے۔

تجارت کے سلسلہ میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ انگلستان کی جماعت سے فوری طور پر قربانی کی بہت اعلیٰ مثالیں سامنے آئی ہیں۔ چنانچہ وہ وفد جو Belorussia بھجوایا گیا تھا اُس میں فہیم بھٹی صاحب ہماری جماعت انگلستان کے مخلص کارکن ہیں جو Cassets کے انتظام کے بھی سربراہ ہیں یہ اور ان کے ساتھی بھٹی خاندان کے نوجوان مل کر ساری دنیا کو فوراً Cassets بھجوانے کا انتظام کرتے ہیں انہوں نے مجھے یہ پیشکش کی، یعنی رپورٹ جب ہوگئی اور زبانی باتیں ہوگئیں، اس کے بعد یہ پیشکش اس طرح کی کہ اپنی بیوی اپنے بچوں کو ساتھ لے کر آئے اور کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ یہ وقت ہے کہ خدمت دین کیلئے اپنے سارے خاندان کو بیچ میں جھونک دو تو میں پیشکش کرتے ہوئے ان کو ساتھ لایا ہوں۔ آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ اپنے آپ کو اس میدان میں جھونکنے کیلئے خوب تیار ہو کر آئے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے اُن کی بیگم نے بھی اُسی طرح اُن کے ساتھ اور بڑی خوشی کے ساتھ کہا کہ ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم وہیں جا کر بیٹھ جائیں گے وہیں کے ہو رہیں گے، انگلستان میں سب کچھ سب اثاثے ختم کر کے ہم وہاں جانا چاہتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر صحیح معنوں میں اُن کی خدمت ہو نہیں سکتی۔ دور بیٹھ کے تجارتوں کے ذریعہ وہ بات نہیں بن سکتی جو انسان وہاں جا کر خود آباد ہو جائے اور مستقل وہیں کا ہو کر رہ جائے۔ پھر اُس سے اُنہوں نے کہا کہ تربیت میں بھی فائدہ پہنچے گا۔ تو بچوں کی طرف میں نے دیکھا وہ بڑی خوشی سے مسکرا مسکرا کر ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر ہاں کر رہے تھے۔ تو یہ خاندان یعنی فہیم بھٹی صاحب کا خاندان خدا کے فضل سے پورے کا پورا اپنے آپ کو پیش کر چکا ہے۔ اس کے بعد دوسرے دن ان کے دوسرے بھائی تشریف لے آئے کہ میری طرف سے بھی یہی خواہش ہے، وہ اپنے خاندان کو لے کر آئے کہ ہمارے بھائی نے جو کام کیا ہے ہم اُس سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے اور تیسرے دن تیسرے بھائی کا خط آ گیا کہ میں

نے اپنی والدہ کو جو امریکہ میں ہیں (ان کی والدہ، ان کے والد فوت ہو چکے ہیں، جو حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی کے پوتے کے بیٹے تھے۔ چنانچہ اُن کی وفات کے بعد مکرم و محترم شیخ مبارک احمد صاحب سے ان کی والدہ کی شادی ہوئی) چنانچہ اُنہوں نے یہ بتایا کہ میں نے اپنی والدہ کو فون کیا اور بتایا کہ میرے دو بھائی وقف کر چکے ہیں میں تیسرا ہوں اور میری بھی خواہش ہے۔ تو والدہ نے کہا کہ اور اس سے زیادہ کیا چاہئے میری اپنی یہی خواہش تھی کہ میرے تینوں بیٹے خدمت دین پر استعمال ہوں۔ تو ضرور کرو، چنانچہ ایک ماں کے یہ تینوں بچے خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں آگے بڑھ چکے ہیں۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ باقی جو دنیا کی مخلصین ہیں وہ بھی اس نیک مثال کی پیروی کرتے ہوئے کوشش کریں گے کہ اپنے خاندان کا ایک حصہ ان ملکوں میں آباد کر دیں کیونکہ حقیقت میں جب تک وہاں مستقلاً بیٹھا نہ جائے اُس وقت تک خط و کتابت کے ذریعہ تجارتوں سے اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ دنیاوی فائدہ تو کسی حد تک تو ہو جائے گا لیکن جو دینی مقاصد اس کے ساتھ ملحق ہیں وہ نہیں پورے ہو سکتے۔ تو میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس سلسلہ میں بھی مختلف خاندان اپنے نمائندے خود بھیجیں گے اور خود فیصلہ کریں گے کہ کس ملک میں اُن کا بیٹھنا وہاں رہ جانا بہتر ہوگا اور کیا طریق اختیار کیا جائے۔

اس سلسلہ میں جماعت پر بوجھ نہ ڈالا جائے بلکہ خاندان یہ بوجھ خود اُٹھائیں۔ ہاں اگر مشورہ کرنا چاہتے ہوں کہ ہمیں کہاں جانا چاہئے۔ تو اس سلسلہ میں ہم انشاء اللہ ان کو ضرور مشورہ دیں گے۔ ان تینوں بھائیوں نے تو مجھ پر چھوڑ دیا تھا کہ ہمیں جہاں چاہتے ہیں وہاں وہاں آباد کر دیں۔ چنانچہ ان کے لئے جگہیں متعین ہو چکی ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب یہ لوگ اپنے اپنے آئندہ ملکوں میں جو اللہ ان کا وطن بنایا جا رہا ہے اُن میں جا کر یہ انشاء اللہ خوب اچھی طرح اپنے اور اسلام کے قدم مضبوط کریں گے۔ تو باقی دوست بھی جو مشورہ چاہتے ہیں انشاء اللہ ان کو بھی مشورہ دیا جائے گا۔

اب میں گزشتہ مضمون کو پھر سے شروع کرتا ہوں، وقت تھوڑا رہ گیا ہے، لیکن جتنا ہوا تنا ہی انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ سب سے پہلے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے خَآئِنِيْنَ سے معافی کے سلوک سے متعلق گفتگو کی تھی اور یہ کہا تھا کہ بعض خائنین ایسے ہیں جن کو میں معاف نہیں کرتا، تو بعض لوگ مجھے اس سے سفارشیں کرتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں تو یہی بتایا ہے کہ ایسے

لوگوں سے نرمی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے تابع ان کے ساتھ سختی کا سلوک ہونا چاہئے۔سختی سے مراد یہ ہے کہ ان کو جس حد تک اصلاحی ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے کرنا چاہئے۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کے خائن کی ہر خیانت نا قابل معافی ہے۔قرآن کریم سے ثابت ہے کہ بعض خَابِنِیْنَ کی خیانتوں سے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ ان کو معاف فرما اور ان سے درگزر سے کام لے۔ اس لئے میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ میرے ذہن میں وہ کونسے مواقع تھے جن سے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ معافی کا حق نہیں ہے یعنی اس موقعہ پر معافی کا حق نہیں۔آئندہ توبہ کرنے والوں کے لئے تو خدا کے فضل سے معافی کے دروازے ہمیشہ کیلئے کھلے ہیں۔مثلاً مجھے خدا تعالیٰ نے بعض چیزوں کا امین بنایا ہے ان میں میں بھی اس بات کا مجاز نہیں ہوں کہ اس امانت کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس کے تقاضے نظر انداز کرتے ہوئے، ذاتی طور پر اپنی دل کی نرمی سے کچھ فیصلے کروں۔

چنانچہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے جیسا کہ بعض جرموں کی سزا کے وقت قرآن کریم نے متنبہ فرمایا ہے کہ ہم جانتے ہیں تم لوگوں کے دل نرم ہیں کیونکہ رؤف رحیم کے غلام ہو، محمد رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں ہو، تو تمہارے دلوں کی نرمی اس سزا کی راہ میں حائل نہ ہو۔اُس میں حکمت یہ ہے کہ وہ امانت ہے ایک قسم کی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے واضح طور پر ایک حکم آتا ہے یا بعض ایسی صورتیں پیش ہوتی ہیں جن میں ایک انسان مالک کے طور پر فیصلہ نہیں کرسکتا بلکہ امین کے طور پر مجبور ہے وہاں معافی کا کوئی حق نہیں ہے۔مثلاً جو لوگ اپنے اس عہد میں خیانت کرتے ہیں کہ قضاء کے پاس جاتے ہیں قضاء سے فیصلہ کروانے کیلئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں اور بیچ میں سے نیت بھی دراصل یہ ہوتی ہے کہ اگر ہمارے حق میں فیصلہ ہو جائے تو بسم اللہ ہم اُسے قبول کریں گے اور اگر فریق ثانی قبول نہ کرے گا تو نظام جماعت کو مجبور کریں گے کہ اُس سے زبردستی یہ فیصلہ منوایا جائے اور ہمارے حق میں جو بھی حقوق بنتے ہوں وہ ادا کئے جائیں لیکن اگر قضاء خلاف فیصلہ کر دے تو ہم شور مچائیں گے کہ یہ ناانصافی ہے یہ تقویٰ کے خلاف ہو گیا ہے اور ہم جماعت سے تعاون کرنے سے انکار کر دیں گے۔ایسی تمام صورتوں میں میں بھی تو ایک امین ہوں، میں نے بھی خدا کو جواب دینا ہے اور خدا کی یہ امانت ہے میرے سپرد کہ قضاء کے احترام کو قائم کروں اور خدائی فیصلوں کو یکساں ان پر عمل درآمد کرواؤں۔سوائے اس کے کہ کوئی اپیل آئے میرے پاس اور وہ فیصلہ بدلا جائے جب تک

وہ فیصلہ قائم ہے کسی بھی فرد جماعت کا یہ حق نہیں ہے کہ اس سے رُوگردانی کرے۔

پس ایسی صورت میں قطع نظر اس کے کہ کون ہے، کیسا ہے؟ درحقیقت وہ فیصلہ درست بھی تھا کہ نہیں، قضائی فیصلہ جب ہو چکا اور اپیلوں کے دور گزر گئے اور وہ فیصلہ قائم رہا تو اس کے بعد یہ خدا کا کام ہے دیکھنا کہ فیصلہ درست تھا کہ غلط تھا بندوں کا کام نہیں ہے اور جماعت بہر حال اُس کی تنفیذ کروائے گی۔ تو ایسے معاملات میں جو سفارشیں کرتے ہیں یا معافی کی درخواستیں کرتے ہیں اُن کو میں صاف بتاتا ہوں۔ ایسے بعض واقعات گزرے ہیں یہیں یورپ میں کہ قضائی فیصلے کے مطابق حق ادا نہ کیا دوسرے فریق کا حق دبا کے بیٹھے رہے اور خدا کے نام پر اور رسول کے نام پر، درخواستوں پر درخواستیں آنے لگیں کہ ہمارا اخراج کا فیصلہ ختم کیا جائے اور معافی سے کام لیا جائے۔ ان کو میں یہی لکھتا ہوں کہ مجھے اختیار ہی کوئی نہیں جس بات کا میں کیسے کرسکتا ہوں؟ میں تو امانتدار ہوں تو تمہاری خیانت کے اوپر میں بھی خائن بن جاؤں؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بعض لوگ بڑی خیانتیں کرتے ہیں مثلاً وقف کا عہد کیا ہے اور عہد توڑ دیا اور دنیا کی خاطر دین کو ترک کر دیا اور دنیا کو دین پر مقدم کر دیا۔ یہ معمولی بات نہیں ہے یہ ان عہدوں میں سے جن کا خود قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے کہ تمہیں ان پر نگران بنایا گیا ہے۔ (یہ اعلان میں کرنا چاہتا ہوں کہ اس ضمن میں یہ بھی اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے جب میں باہر دورے پر جاتا رہا ہوں تو یہ رابطے کٹ جاتے تھے۔ اب پھر مجھے انشاء اللہ کینیڈا دورے پر جانا ہے تو میں پاکستان اور دیگر مشرقی ممالک کو یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس دفعہ یہ رابطہ نہیں کٹے گا اور جماعت کینیڈا نے یہ پیشکش کی ہے کہ ہمارے دورے کی وجہ سے اہل پاکستان کو خصوصیت کے ساتھ تکلیف نہیں ہونی چاہئے اس لئے جماعت احمدیہ کینیڈا سارا خرچ برداشت کرے گی اور نہ صرف پاکستان کے ساتھ رابطہ بحال ہوگا بلکہ نارتھ امریکہ تمام کا تمام یہ خطبہ براہ راست سن اور دیکھ سکے گا۔ تو میں ان کو یہ خوشخبری دیتا ہوں جواب یہ آواز سن رہے ہیں کہ وقتی اس قسم کی خرابیاں تو بعض دفعہ ہو جاتی ہیں انشاء اللہ کوشش کریں گے کہ آئندہ نہ ہوں لیکن میرا جو تین ہفتے کا باہر کا دورہ ہے یا تین ہفتے سے کم ہو لیکن تین خطبے باہر ہوں گے، ایک یورپ میں اور دو کینیڈا میں تو ان سب میں انشاء اللہ تعالیٰ تمام دنیا کی جماعتیں شریک ہوں گی)۔

تو میں بیان کر رہا تھا کہ جہاں تک خائن کی معافی کا ہے، اس میں جو بڑے عہد ہیں اور بڑی خیانتیں ہیں اُن میں خائن کے ساتھ نرمی کی اجازت نہیں ہے ورنہ اُس کے ساتھ اُس کے نتیجہ میں

بہت بڑے بڑے فساد واقعہ ہو جائیں گے اور ایک معافی کے نتیجہ میں دوسرے لوگوں کو جرم کی جرأت ہوگی۔ اگر واقفین کھلم کھلا اپنے عہد کو توڑتے ہیں مجبوری کی خاطر نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ دنیا ادنیٰ تقاضے ان کو زیادہ پیارے لگ جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ایسے ملکوں میں پہنچے ہیں جہاں دنیا کی نعمتیں موجود ہیں مگر پہنچے وہ جماعت کی وساطت سے اور وقف کے صدقے سے پہنچے ہیں اُن کا کوئی حق نہیں ہے کہ وقف کو ٹھوکر مار کر دنیا کی نعمتوں کو گلے سے لگا لیں۔ یہ وہ خیانت ہے جس پر میں سمجھتا ہوں مجھے معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ لمبے عرصے کے عذاب میں سے گزرنے کے بعد یعنی روحانی عذاب میں سے گزرنے کے بعد جن لوگوں کا ضمیر زندہ ہو اور ان کو بے چین رکھتا ہو پھر خدا تعالیٰ اُن کی توبہ کو اس طرح قبول فرمالے کہ میرے دل میں بھی غیر معمولی طور پر اُن کی معافی کی طرف توجہ پیدا ہو جائے اور جو بھی خلیفہ آئندہ آئے اُس کے دل میں یہ توجہ پیدا ہو تو وہ الگ مسئلہ ہے لیکن ادھر یہ جرم کیا اُدھر معافی کے نام پر، خدا کے نام پر، رسول کے نام پر ہمیں معاف کر دیں اور دونوں باتیں اکٹھی ہضم کرنے دیں دنیا بھی رہ جائے اور دین بھی رہے یہ نہیں ہو سکتا پھر۔ کئی صورتوں میں رہتے ہیں لیکن بعض صورتوں میں یہ دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

پھر جماعتی اموال کے غصب کرنے والے جن کو ان کا امین بنایا گیا تھا ان کے متعلق کوئی بڑی سزا تو نہیں دی جاتی۔ یہ کوئی دنیاوی بدنی سزا نہیں ہوتی لیکن ایک ناراضگی کا اظہار ہے جو مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے اس ناراضگی کے اظہار میں نرمی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اگر کی جائے گی تو جماعت کا تمام مالی نظام درہم برہم ہو جائے گا، دنیا میں جماعت احمدیہ کے مالی نظام جیسا کوئی نظام نہیں ہے۔ آپ چراغ لے کر ڈھونڈیں، دن کو ڈھونڈیں، رات کو ڈھونڈیں، دنیا کے پردے پر سوائے جماعت احمدیہ کے ایسا عظیم الشان عالمی مالی نظام دکھائی نہیں دے گا، جس میں ہر شخص شریک ہے یعنی ہر شخص تو نہیں کہہ سکتے لیکن بھاری تعداد میں چھوٹے بڑے سب شریک ہیں، مرد عورتیں بچے سب شریک ہیں اور پھر اُن کی حفاظت کا سوائے تقویٰ اور دیانت کے کوئی انتظام نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے سو سال سے جماعت اُن اموال کی محض للہ حفاظت کر رہی ہے اور اسی حفاظت کے برتے پر، اس مان پر اس اعتماد پر کہ ہاں ہماری دولت امینوں کے ہاتھ میں ہے لوگ کُھل کُھل کر اپنے بچوں کے پیٹ کاٹ کر بھی مالی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ یہ تقاضے اتنے عظیم ہیں کہ ان کو نظر انداز کر کے چھوٹی

چھوٹی معافی کی جذباتی چٹھیوں پر میرا معاف کر دینا کوئی آسان بات نہیں ہے بلکہ اکثر صورتوں میں مَیں بے اختیار ہوں۔

پس یہ میری مراد تھی یہ نہ سمجھا جائے کہ ہر خیانت پر سختی کرنا لازمی ہے۔ بعض خیانتیں انسان کی اپنی خیانتیں ہوتی ہیں۔ ذاتی طور پر کوئی خیانت کرتا ہے اُس میں بخشش سے کام لینا ہرگز گناہ نہیں ہے بلکہ بخشش اور عفو مستحب ہیں۔ پھر بعض اور قومی بددیانتیاں بھی ہوتی ہیں جو چھوٹی موٹی ہوتی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہے کہ چھوٹی موٹی عام بددیانتیوں میں خیانتوں میں حتی المقدور نرمی سے پیش آؤ۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں ان پر ہم نے بدعہدی کے نتیجہ میں لعنت ڈالی تھی۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (المائدہ:۱۴) انہوں نے ہمارے عہدوں میں بددیانتی کی یعنی خیانت سے کام لیا ہم نے ان پر لعنت ڈالی اور اس کے نتیجہ میں ان کے دل سخت ہو گئے۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ بددیانتی کی ایک شکل انہوں نے یعنی خیانت کی ایک شکل یہ اختیار کی کہ فرمان الٰہی کو سمجھتے ہوئے بھی اس کے مواقع اور مواضع سے اُٹھا کر ایسی جگہ استعمال کرنے لگے جو اُس فرمان کا منطوق نہیں تھا، مدعا اور مطلوب نہیں تھا۔ پس اکثر علماء سے یہ خیانت ہوتی ہے۔ یعنی دینی علماء جب خیانت میں مبتلا ہوتے ہیں تو ایسی بے باکی اور جرأت اختیار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے وہ باتیں جو اُن کا دل گواہی دیتا ہے کہ اس مقصد کے لئے نہیں ہیں وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں اُن کا ذاتی مقصد پورا ہو رہا ہو اور خدا کا مقصد پورا نہ ہو رہا ہو۔ چنانچہ اس طرح دین میں تحریف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے پھر ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اسی کے نتیجہ میں نہایت ہی بگڑی ہوئی فرقوں کی صورتیں اُبھرتی ہیں۔ تو فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے میرے عہد کو توڑا اور اُس میں خیانت سے کام لیا اُن کے ہم نے دل سخت کر دیئے ہیں اور سخت دل ہونے کے بعد علامت کیا ظاہر ہوئی۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وہ کھلم کھلا خدا کے کلام سے کھیلنے لگے۔ دو باتیں الگ الگ ہیں پہلی بات اور اس بات میں فرق یہ ہے کہ پہلے تو وہ اپنی ذات کے متعلق تقاضوں کو پورا نہیں کرتے تھے۔ جو عہد خدا سے انہوں نے باندھے تھے ان کو انہوں نے پورا نہیں کیا لیکن دوسروں کو دھوکا دینا اس میں شامل نہیں تھا۔ جب

خدا کے تقاضوں کو اور وعدوں کو توڑ دیا تو دل سخت ہو گئے اور پھر اُس کا اگلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ بنی نوع انسان کو خدا کے نام پر خدا کے کلام سے دھوکہ دینے لگے۔ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ اور بعض باتیں جو ان پر ذمہ داریاں ڈالتی تھیں ان کو تو بھول ہی گئے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں خیانت جن کی عادت بن چکی ہے۔ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ اور تو روزمرہ ان کی خیانتوں کی خبریں سنے گا، ان کی خیانتوں پر اطلاع پائے گا۔ کیونکہ سینکڑوں سال سے اس بات میں مصروف ہیں ان کی عادت مستمرہ ہے۔ جس طرح چور کو چوری کی لت پڑ جاتی ہے جھوٹے کو جھوٹ کی لت پڑ جاتی ہے۔ تو اُس کی چھوٹی موٹی چوریاں چور کی چھوٹے موٹے جھوٹ نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ یہی وہ مضمون ہے کہ ان کا تو حال ہی بہت برا ہے۔ تو ان سے کیا توقع رکھتا ہے شاذ ہی ہیں ان میں سے جو امانت دار ہیں۔ ان سے کیا سلوک فرما۔ فرمایا فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ ان سے عفو کا سلوک کر۔ چھوٹی موٹی باتوں سے یہ مراد نہیں کہ بڑی بے غیرتیاں جو دین میں کرتے ہیں اُس پر خاموشی اختیار کر۔ مراد یہ ہے عادی جو مجرم ہیں روزمرہ کی باتوں میں کہاں تو ان کو پکڑے گا اس لئے عام غفلتوں میں عام خیانتوں میں ان سے درگزر سے کام لے۔ وَاصْفَحْ اور نظر انداز کر دیا کر۔ وَاصْفَحْ کا مضمون ایسا ہے جیسے آپ کسی بچے کو غلطی کرتے دیکھ رہے ہوں اور جان کے نظر چرا لیں تا کہ اسکو یہ بھی نہ پتا لگے کہ میں پکڑا گیا ہوں۔ تو عفو کا ایک بہت ہی پیارا انداز ہے کہ غلطی دیکھنے کے باوجود اس سے آنکھیں بند کر لینا۔

مگر یہ وہ غلطی نہیں ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ دین کے معاملے میں امانت دار شخص جس کے سپرد خدا کا مال کیا جاتا ہے۔ وہ اس مال کو کھا رہا ہے اور آپ اس آیت سے استنباط کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہیں کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھی تو فرمایا تھا کہ ان کی خیانتوں پر درگزر کیا کر اور آنکھیں پھیر لیا کر تو ہم بھی تو یہی کرتے ہیں۔ اگر وہ یہ کرتے ہیں تو حقیقت وہ یہ کر رہے ہیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اسی آیت میں یعنی يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وہ قرآن کریم کی ایک آیت کا منطوق سمجھتے ہوئے بھی اُس کو بے محل استعمال کرتے ہیں اور اُسے توڑ مروڑ کر اُس سے ناجائز مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور یہ سخت دلوں کی ادائیں ہیں مومنوں کی ادائیں نہیں ہیں۔ پس قرآن کریم نے جہاں سختی کا حکم دیا ہے وہاں

مضمون کو سمجھ کر سختی کرنا ضروری ہے، جہاں نرمی کا حکم دیا ہے وہاں مضمون کو سمجھ کر نرمی کرنا ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سختی اور نرمی کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ بعض دفعہ ایسی سختی کی ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ایک شخص جس نے اموال کے متعلق آنحضور ﷺ سے دعا کروائی کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا کریں میرے اموال میں برکت ہو، میں بھی پھر دل کھول کر چندے دوں۔ جب اس کے اموال میں برکت پڑ گئی اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے نمائندے اُس سے چندہ وصول کرنے یا زکوٰۃ وصول کرنے گئے تو اس نے کہا آ جاتے ہیں زکوۃ وصول کرنے والے، یہ تو دیکھتے ہو کہ کیا کچھ ہے یہ نہیں پتا کہ کتنے خرچ ہیں کتنی مصیبتیں ہیں۔ سو طرح کی اُس نے باتیں بنائیں۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ آئندہ اس سے کبھی چندہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے متعلق آتا ہے کہ وہ سال بہ سال پشیمان ہو کر۔ بھیڑوں کے اور دوسرے مویشیوں کے غلے کے غلے ہانک کر لاتا تھا اور ہر دفعہ رد کر دیا جاتا تھا یہاں تک کہ اتنی تعداد بڑھ گئی کہ چندہ جو اس کے مال میں شامل ہو گیا۔ کہ کہتے ہیں وادی پوری کی پوری ان مویشیوں سے بھر جایا کرتی تھی مگر نہ آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا نہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء میں سے کسی نے بھی قبول فرمایا۔ (تفسیر درمنثور، سورۃ التوبہ صفحہ:۳۰) تو مواقع ہیں، ان مواقع کے مطابق کام کرنا چاہئے اور اس آیت نے دیکھیں کتنی عمدہ تمہید باندھ دی ہے اس بات کی۔ عفو کی ہدایت فرمائی، درگزر کی ہدایت فرمائی، لیکن اس سے پہلے یہ مضمون بیان فرمایا۔ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ جو بد بخت لوگ ہیں وہ ہیں جو ایک بات کو اُس کے محل کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ وہ جو خدا کے پاک بندے ہیں۔ وہ ہر بات کو موقع اور محل کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ پس جہاں عفو اور درگزر کا موقع ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ وہاں عفو فرمائی اور درگزر سے کام لیا۔ جہاں خدا کی خاطر سختی کا موقع تھا۔ وہاں سختی سے رکے نہیں اور ساری زندگی آپ ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔

پس میں چاہتا تھا کہ غلط فہمی کو اگر یہ پیدا ہوگئی ہو دور کر دوں۔ عام حالات میں نرمی، مغفرت، رحمت سے نہیں روکا گیا کیونکہ دراصل خیانت کا مضمون اتنا وسیع ہے کہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں اچھے بھلے نیکوں سے بھی کہیں نہ کہیں خیانتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کہیں نظر لڑکھڑا گئی اور نظر خائن ہوگئی کہیں گفتگو بگڑ گئی اور

وہ خائن ہوگئی کہیں کسی ادا سے خیانت ہوگئی ، خیانت کے تو بیشمار مواقع ہیں۔اگر ہر خیانت سے اسی طرح سختی کی جائے تو کوئی انسان بخشش کے لائق ہی نہیں ٹھہرے گا اس لئے استغفار کرتے ہوئے زندگی گزارنی چاہئے۔موقع اور محل کے مطابق اعمال بجالائیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ان شاء اللہ اب آئندہ خطبہ آپ کینیڈا سے براہ راست سنیں گے اور دیکھیں گے اور اُس کے بعد پھر اگلا خطبہ بھی انشاء اللہ کینیڈا سے ہوگا اور آخری خطبہ یورپ سے ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔تو امید ہے یہ سلسلے جاری رہیں گے۔خدا کرے ہمیشہ جاری وساری رہیں۔(آمین)

اے غلامان محمد مصطفی ﷺ اس شان کے ساتھ عبادت کیا کرو کہ آپ ؐ کی پیار کی مسکراتی نظریں تم پر پڑیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶؍اکتوبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت السلام کینیڈا)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۞ (التوبہ:۱۸)

پھر فرمایا:۔

آج کا جمعہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ ایک غیر معمولی تاریخی جمعہ ہے اور آج وہ مبارک دن طلوع ہوا ہے جو جماعت احمدیہ عالمگیر کے لئے برکتوں پر برکتیں لے کے آیا ہے۔ اور نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (النور:۳۶) کا منظر پیش کرتا ہے۔

سب سے پہلی بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ آج کینیڈا کی جماعت احمدیہ مسلمہ کے سالانہ جلسے کا افتتاح ایک ایسے روز ہو رہا ہے جب اس مسجد کا بھی افتتاح ہے اور جمعہ کے مبارک دن سے یہ افتتاح ہو رہا ہے اور یہ وہ مسجد ہے جو تمام امریکہ میں، شمالی اور جنوبی امریکہ دونوں کو ملا کر نمازیوں کی گنجائش کے لحاظ سے سب سے وسیع مسجد ہے۔ مسلمانوں میں جماعت احمدیہ تعداد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو شاید سب سے چھوٹی جماعت ہو لیکن اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لحاظ سے

دیکھا جائے تو کتنا مبارک دن ہے کہ اُسے خدا کی عبادت کرنے والوں کے لئے تمام شمالی اور جنوبی امریکہ میں سب سے بڑا خدا کا گھر بنانے کی توفیق مل رہی ہے۔ پس یہ بہت ہی مبارک دن ہے اور اس مبارک دن میں تمام دنیا کی جماعتوں کو شامل کرتے ہوئے میں تمام حاضرین کی طرف سے محبت بھرا سلام اور مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ایک اور تاریخی سعادت اس دن کو یہ ہے جس نے جماعت احمدیہ کے قافلہ کو جو شاہراہ اسلام میں دن بدن آگے بڑھتا چلا جارہا ہے ایک اور مبارک خبر دی ہے، ایک اور سنگ میل ہے جو کئی منازل آگے بڑھا کر لگایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ گزشتہ چند خطبات میں میں یہ اعلان کرتا رہا ہوں کہ **اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ عالمگیر کو یہ توفیق ملی ہے کہ چار براعظموں میں، دنیا کے چار براعظموں میں بیک وقت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عاجز غلام کی آواز ہی نہیں بلکہ تصویر بھی پہنچ رہی ہے اور اس طرح حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام بڑی شان کے ساتھ پورا ہو رہا ہے کہ ”میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔“** (تذکرہ صفحہ: ۲۶۰) **آج وہ مبارک دن ہے کہ جب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خدا کے فضل کے ساتھ آج حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز اس عاجز کے ذریعے چار براعظموں میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام براعظموں میں پہنچ رہی ہے اور ایک بھی گوشہ زمین کا ایسا باقی نہیں رہا جہاں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ صوتی لحاظ سے بھی نہ پہنچ رہی ہو اور تصویری زبان سے بھی نہ پہنچ رہی ہو۔ پس یہ بہت بڑا اور عظیم مبارک دن ہے جو درحقیقت آئندہ دور کے آغاز کی ایک منزل ہے۔ آگے بہت کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہونے والا ہے۔** اس کی تفاصیل میں میں اس وقت نہیں جاتا لیکن آنے والا وقت انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کے لئے خوشخبریوں پر خوشخبریاں لاتا چلا جائے گا۔

اس ضمن میں ہمارے معاندین اور مخالفین جنہوں نے جماعت احمدیہ پاکستان پر غیر معمولی مظالم کئے اور دیگر ممالک میں بھی اُنہی کی تحریکات پر جماعت کے خلاف جھوٹ اور عناد کی تحریکیں چلائی گئیں۔ اُن کا اعتراف میں آج آپ کے سامنے پڑھ کر سناتا ہوں کہ ان تمام تر کوششوں اور تمام تر ان بیہودہ حرکتوں کے نتیجے میں جو خدا کی ناراضگی کا موجب بنیں ان کو کیا حاصل ہوا اور ہمارے ہاتھ کیا آیا۔ حقیقت میں جو شہادت عدو کی شہادت ہو وہی شہادت سب سے زیادہ اعتبار کے لائق ہوتی

ہے یعنی دنیا کے لحاظ سے۔ ویسے تو سب سے بڑی شہادت وہی ہے جو اللہ دے اور اس شہادت میں اللہ کی شہادت کا بھی ذکر موجود ہے۔ چنانچہ ہفت روزہ اہلحدیث لاہور میں ایک مقالہ شائع ہوا ہے بعنوان ''دینی جماعتوں کے لئے لمحۂ فکریہ'' لکھتے ہیں:

''روزنامہ جنگ لاہور کے صفحہ آخر پر قادیانی سربراہ مرزا طاہر احمد کی خبر نے چونکا دیا حیران ہوں باطل پرست ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔''

ایک طرف باطل پرست کہہ رہے ہیں دوسری طرف ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا ذکر ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ستاروں پر کمندوں کی بات کی تھی مگر مہدیٔ برحق کے لئے آنے والے نمائندے کے لئے پھر فرمایا تھا کہ جب اسلام کا محض نام باقی رہ جائے گا اور تمام عالم اسلام خرابیوں کا شکار ہو جائے گا یہ مضمون ہے تفصیلی۔ اُس کے بعد آپ نے خوشخبریاں دیں جو خوشخبریاں دیں اُن میں عظیم تر خوشخبری یہ تھی۔ **لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجال من هولاء اور رجل من هولاء** (بخاری کتاب التفسیر حدیث نمبر: ۴۸۹۸) کہ ایمان ثریا پر بھی پہنچ گیا۔ ثریا پر کمندیں ڈالنے والے میری امت میں سے وہ لوگ پیدا ہوں گے جو ثریا سے ایمان کو واپس کھینچ لائیں گے۔ بات تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانی جائے گی آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کو جھٹلانے والوں کی بات تو نہیں مانی جائے گی۔ پس کمندیں ڈالنے کی حد تک تمہارا اعتراف درست مگر اہل باطل نہیں اہل حق ہیں جو آسمان پر، ستاروں پر کمندیں ڈالا کرتے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ

''لیکن دینی جماعتیں باہمی سر پھٹول میں مصروف ہیں یہی تمہارا مقدر ہے۔''

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر: ۱۵) تم اپنے دشمنوں کو بظاہر ایک دیکھتے ہو تمہاری مخالفت میں ایک اتحاد قائم کر لیتے ہیں لیکن اُن کا اتحاد مخالفت کے سوا کسی صورت میں نہیں ہوا کرتا۔ آپس میں محبت کے نتیجے میں نہیں مل بیٹھا کرتے بلکہ تمہاری دشمنی میں مل بیٹھتے ہیں اس لئے تم سمجھتے ہو کہ وہ **جَمِيْعًا** ہیں۔ **وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى** اُن کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ باطل جتھا ہے اور آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ دینی جماعتوں کا **نعوذ باللہ من ذلک** یہ حال ہے کہ آپس میں سر پھٹول میں مصروف ہیں۔ یہاں بھی خدا کا کلام ہی مانا جائے گا۔ دینی جماعتوں کے

ذکر میں یہ تصویر نہیں کھینچتا بلکہ اُن کے لئے یہ مقدر بتا تا ہے۔ قُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى اُن کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔

''قادیانی باطل ہونے کے باوجود بہت آگے بڑھ رہے ہیں شور وغل اور ہنگامہ آرائی کے بغیر''

اب یہ بھی صفات حسنہ مومنوں کی، خدا کے پاک بندوں کی ہیں۔ یہ جب آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو شور وغل اور ہنگامہ آرائی کے ذریعے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کتنے اعترافات ہیں چھوٹی سی تحریر میں اکٹھے ہو گئے مگر نہایت ہی خاموشی سے وہ اپنے مقاصد کے حصول میں شب و روز مصروف ہیں۔

''قادیانیوں کا بجٹ کروڑوں روپوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تبلیغ کے نام پر دنیا بھر میں وہ اپنے جال پھیلا چکے ہیں۔ اُن کے مبلغین دُور دراز کے ملکوں کی خاک چھان رہے ہیں۔ بیوی بچوں اور گھر بار سے دور، قوت لایموت پر فانی ہو کر افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں، یورپ کے ٹھنڈے سبزہ زاروں میں، آسٹریلیا، کینیڈا اور امریکہ میں قادیانیت کی تبلیغ کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔''

قادیانیت کی تبلیغ مت کہو، دینِ مصطفی ﷺ کی تبلیغ کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں اور ہمیشہ ہم اسی طرح کرتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ خدا کا یہ کلام بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپؐ کے دین کے متعلق فرمایا گیا۔ هُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ وہی خدا ہے جس نے یہ رسول محمد مصطفی ﷺ ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ (الصّف: ۱۰) تا کہ عالم کے تمام دینوں پر اسلام کو غالب کر دے۔ پس یہ سہرا جماعت احمدیہ کے سر پر باندھا گیا ہے اور تقدیر نے باندھ دیا ہے۔ کوئی ہاتھ نہیں جو اس سہرے کو ہمارے سر سے اُچک سکے اور تم خود تسلیم کرتے ہو صرف تمہاری اصطلاح قرآن کی اصطلاح سے ہٹ کر مضمون پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہے مگر دل سے جو حقیقت، جو سچائی اُچھل رہی ہے وہ تو ہر دیکھنے والے کو دکھائی دے رہی ہے۔ بیوی بچوں اور گھر بار سے دور

قوتِ لایموت پر قانع ہو کر افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں، یورپ کے ٹھنڈے سبزہ زاروں میں، آسٹریلیا، کینیڈا اور امریکہ میں قادیانیت، قادیانیت نہ کہو اسلام کی تبلیغ کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ ادھر ہماری کیفیت یہ ہے کہ دینی جماعتوں کے بجٹ چند لاکھوں سے متجاوز نہیں ہوتے۔ دینی جماعتیں کیسی ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق ہی نہیں ہے۔ تم میں ایک ایک آدمی ایسا ہے جو ساری جماعت کے عالمگیر چندے سے بڑھ کر اکیلا چندہ دے سکتا ہے لیکن جسے خدا توفیق نہ بخشے۔ دنیا کی کوئی طاقت، کوئی طعنہ، کوئی چرکہ اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتا کہ خدا کی راہ میں اپنا دل کھولے اور خدا کی راہ پر اپنے پیسے نچھاور کرے۔ یہ توفیق تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدا کردہ اس آسمانی جماعت ہی کو ہے اور باقی باتیں تو چھوڑ و حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے اعلان کے لئے صرف یہی ایک بات کافی ہے کہ آپؑ نے دنیا میں وہ جماعت دوبارہ پیدا کر کے دکھا دی جو اوّل دور میں حضرت محمد مصطفی ﷺ نے پیدا فرمائی تھی اور جس کے متعلق یہ خوشخبری دی گئی تھی کہ آخری دور میں محمد مصطفی ﷺ کے ایسے غلام ہوں گے جو ویسی ہی اداؤں کے مالک ہوں گے اُن کو آخر میں پیدا ہونے کے باوجود اولین سے ملا دیا جائے گا۔

پس خوش نصیب ہیں وہ احمدی، کینیڈا کے وہ احمدی جن کو اس عظیم مسجد بنانے کی توفیق ملی ہے اور امریکہ کے وہ احمدی جو دُور دراز سے سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں اور یورپ کے وہ احمدی جن کو خدا نے سعادت بخشی ہے کہ آج اس تقریب میں بہت خرچ کر کے، بہت تکلیف اٹھا کر اس تقریب کی سعادت سے حصہ پانے کے لئے آئے ہیں اور پاکستان اور ہندوستان اور دیگر جماعتوں کے دُور دُور سے آنے والے سب احمدیوں کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چنا ہے اُس عظیم کام کے لئے جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کا مقصود ٹھہرایا گیا تھا۔

آپ براہ راست تصویری اور صوتی رابطوں کے ذریعے تمام عالمگیر دنیا کی احمدی جماعتوں کو خوشخبری ہو کہ آج کا دن بہت ہی مبارک دن ہے۔ آج ایک ایسا جمعہ طلوع ہوا ہے جس کی شان آگے پیچھے دیکھنے میں دُور دُور دکھائی نہیں دیتی ایک یکتا جمعہ ہے جس جمعہ کا نور جماعت احمدیہ کے مقدر میں لکھا گیا ہے۔ کوئی دنیا کی طاقت مل کر اس جمعہ کی نقل بنا نہیں سکتی۔ یہ خدا کے کام ہیں اور خدا ہی کی عطا ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں۔

''مرزا طاہر احمد کا خطاب سیارے کے ذریعے چار براعظموں میں ٹیلی کاسٹ کیا گیا ہے۔ آسٹریلیا، افریقہ، یورپ، ایشیاء ہمارا عالمی روحانی اجتماع عرفات کے میدان میں حج کے موقع پر ہوتا ہے تو حج کی پوری کیفیات، حرکات وسکنات سیارے کے ذریعے بعض ایشیائی اور افریقی ملکوں تک تو بمشکل پہنچائی جاتی ہیں لیکن تمام دنیا میں نہیں۔''

میں ان سے کہتا ہوں کہ حج کا کاروبار ہمارے سپرد کردو پھر دیکھو خدا کی قسم! حج کی آوازیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھیں گی، ہم ستاروں تک یہ پیغام پہنچائیں گے۔ حج بیت اللہ کی عظمت کو پہچاننے والے، اُس عظمت کے لئے قربانیاں کرنے والی یہ جماعت ہے جو جماعت احمدیہ ہے اور جماعت ہی کے مقدر میں وہ دن لکھا گیا ہے جب حج کی برکتیں تمام دنیا میں عام کر دی جائیں گی۔ ایک آواز ہی نہیں اُس کی برکات برقی رَو کی طرح دلوں کو متاثر کریں گی اور تمام عالم ایک ہاتھ پر اکٹھا کیا جائے گا۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا منصب جماعت احمدیہ ہی کا منصب ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی غلامی میں ہمیں عطا فرمایا گیا ہے۔ پھر کہتے ہیں۔

''کسی ملک کے سربراہ کی تقریر یا خطاب سیارے کے ذریعے دنیا بھر میں کبھی ٹیلی کاسٹ نہیں کیا گیا۔ مختلف ممالک میں بڑی بڑی سیاسی جماعتیں اور اُن کے قدآور سربراہ موجود ہیں اُن کی تقریریں اور بیانات بھی پریس کے ذریعے پھیلائے جاتے ہیں سیارے کے ذریعے کبھی ٹیلی کاسٹ نہیں کئے گئے۔''

یہ اُن کی لاعلمی ہے، ٹیلی کاسٹ کئے جاتے ہیں گو اس وسیع پیمانے پر نہیں۔ ہمارے ملک میں دو بڑی قومی سیاسی جماعتیں موجود ہیں پاکستان مسلم لیگ، پاکستان پیپلز پارٹی یہ دونوں جماعتیں باری باری ملک کی حکمران رہتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کا بھی کبھی کوئی خطاب عالمی طور پر ٹیلی کاسٹ نہیں کیا گیا۔ یہ میں اپنے الفاظ میں بتا رہا ہوں آخری حصہ۔ اب کہتے ہیں:

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قادیانیوں کو اتنی خطیر رقم کہاں سے ملتی ہے؟''

پس یہ سوال ہے جو ان سے حل نہیں ہوسکتا۔ جس چیز کی آنکھیں خدا عطا نہ کرے وہ دیکھ

کیسے سکو گے۔ یہ جو موجودہ پروگرام ہے آج کا، جو پانچوں براعظموں میں بیک وقت دکھایا جا رہا ہے اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل سے کینیڈا کے مخلصین کو ملی ہے اور انہوں نے تنہا یہ بوجھ اٹھایا اور اس بوجھ کو سعادت سمجھ کر، چومتے ہوئے اٹھایا۔ بار بار درخواست کی کہ صرف آج کا جمعہ ہی نہیں۔ ہماری جماعت کو اجازت دی جائے کہ اس کے بعد اگلے دن کا پروگرام بھی اور پھر آخری جمعہ جو کینیڈا میں پڑھا جانا ہے یہ ساری تقریبات جماعت احمدیہ کینیڈا کے خرچ پر تمام عالم میں دکھائی جائیں تو سرسری جواب تو یہی ہے کہ جماعت احمدیہ کینیڈا کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ آج ساری دنیا کے براعظموں میں جو پروگرام دکھایا جا رہا ہے اس کا بوجھ اُنہوں نے سعادت سمجھ کے اٹھالیا لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ دین کی راہ میں قربانی کرنے والوں کو جو دل عطا ہوتے ہیں وہی ان کا خزانہ ہے، جو قربانی کی روح ان کو عطا ہوتی ہے وہی اُن کا خزانہ ہے۔ اس خزانے میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت ڈالتا ہے کہ کوئی عمرو عیار کی زنبیل کا تصور اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسی حیرت انگیز قربانی کی روح جماعت احمدیہ کو نصیب ہوئی ہے کہ ساری دنیا کی طاقتیں مل کر بھی ایسے انسان پیدا نہیں کر سکتیں جیسے ایک خدا کے بندے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈھالنے، بنانے کی توفیق ملی۔ ان معنوں میں جن معنوں میں حضرت مسیحؑ مٹی سے پرندے بنایا کرتے تھے۔

پس اے جماعت احمدیہ! عالمگیر تم وہ مٹی کے پرندے ہو جن میں آسمانی روح پھونکی گئی ہے تمہارا مقدر تو اڑنا ہے، ہوا کے دوش پہ بھی اڑنا ہے، لہروں کے ذریعے بھی پہنچنا ہے اور الحمدللہ کہ آج کا دن کئی لحاظ سے اُن روحانی طیور کی پروازوں کا وہ منظر پیش کر رہا ہے۔ ایک احمدی نے مجھے پاکستان سے خط لکھا کہ مسیح کے آسمان سے نزول کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ آسمان سے آواز اتر رہی ہے اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہ ایک ذوقی نقطہ ہے، دلچسپ بات ہے لیکن نزول مسیح تو ہو چکا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ہو چکا اسی کی برکتیں ہیں جو دنیا میں پھیلتی چلی جائیں گی۔ جہاں تک آسمان سے آوازوں کے اترنے کا تعلق ہے یہ تو اُن مولویوں کو جواب ہے جو خدا کی طرف سے دیا جا رہا ہے، جنہوں نے ہماری آوازوں پر پاکستان میں پابندی لگائی، ہمارے جلسوں پر پاکستان میں پابندی لگائی، ہماری تبلیغ پر پاکستان میں پابندی لگائی، یہ جواب **اُن کو جواب ہے کہ تمہاری ساری زنجیریں آسمان کی تدبیریں توڑ کر پرزے پرزے کر دیں گی۔ کوئی**

زنجیر نہیں ہے جو میرے بندوں کی راہ میں حائل ہو سکے، تم زنجیروں پر زنجیریں پہناؤ اللہ تعالیٰ ان کو مزید آزادی کے ساتھ، تیزی کے ساتھ چہار دانگ عالم میں پھیلنے اور پھولنے اور پھلنے کی پہلے سے بڑھ کر توفیق فرماتا جائے گا۔ ان کے سفر کی راہوں میں تمہاری ذلیل گالیاں حائل نہیں ہو سکتیں۔ یہ وہ قافلہ نہیں جو تمہاری گھٹیا حرکتوں اور ادنیٰ اور ذلیل کوششوں کے نتیجے میں اپنی ترقی کی راہ پر آگے بڑھنا چھوڑ دے تم تو اس قافلے کی خاک کو بھی پا نہیں سکو گے۔ اب وہ دن آرہے ہیں کہ جماعت احمدیہ پہلے سے کئی گنا زیادہ تیزی کے ساتھ اور وہ دن آرہے ہیں کہ جماعت احمدیہ پہلے سے دسیوں گنا تیزی کے ساتھ اور میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ جو دن آرہے ہیں کہ جماعت احمدیہ سینکڑوں گنا سے زیادہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر پھیلنے والی اور دنیا کے قلوب کو فتح کرنے والی ہے۔ یہ صدی ایک غیر معمولی صدی ہے ابھی تو آغاز ہوا ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ یہ تو ابھی چند سالوں کی بات ہے تصور کریں کہ اس صدی کے اختتام تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیوانے اسلام کو کہاں کہاں تک پہنچا کر نہیں چھوڑیں گے۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ دعاؤں اور کوششوں اور دن بدن بڑھتی ہوئی قربانیوں کے ساتھ اس نیک کام کو آگے بڑھاتی چلی جائے گی اور وہ جھنڈا جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ میں دنیا کے غلبے کا مقدر کیا جا چکا ہے ہمیں ادنیٰ غلاموں کو توفیق ملے گی کہ یہ جھنڈا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھوں میں تھمائے۔

اے آقا، اے تمام جہانوں کے رسولؐ، اے سید ولدِ آدمؑ، اے تمام انبیاءؑ کے سردار ﷺ یہ تیرا جھنڈا ہے، تیرے ادنیٰ غلاموں کو تیری دعاؤں کی برکت سے یہ توفیق ملی ہے کہ اس جھنڈے کو آج سارے عالم میں گاڑ دیں۔ پس تُو اور تیرا نام ہمیشہ بلند رہے۔ آئندہ آنے والی نسلیں ہمیشہ ہر ملک، ہر براعظم کے قریہ قریہ سے تجھ پر سلام اور درود بھیجتی رہیں۔ یہ وہ کام ہے جو ہمیں کرنا ہے اور اس راہ میں ابھی بہت سی منازل طے کرنی ہیں، بہت سے سفر طے کرنے ہیں۔

ایک مسجد کے قیام سے یا ایک خطبہ جمعہ کے دنیا میں نشر ہونے سے یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنے مقصد کو پہنچ گئے ہیں۔ مقصد تک پہنچنے کے آغاز ہو رہے ہیں، پہلے قدم ہیں جو اٹھائے جارہے ہیں۔

اور اس مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حقیقت میں جماعت احمدیہ کی

ترقی کا راز مساجد میں ہے اور اُن مساجد میں ہے جن مساجد کو خدا تعالیٰ کی قائم کردہ شرطوں کے ساتھ آباد کیا جائے۔ بہت سے احمدی دوست، زائرین مجھے مبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کینیڈا کو بہت وسیع نہیں بہت خوبصورت مسجد بنانے کی توفیق ملی ہے۔ میں اُنہیں سمجھاتا ہوں کہ مسجد کی زینت تو عبادت کرنے والوں کے دلوں کی زینت سے تعلق رکھتی ہے۔ ظاہری زینت کا میں نے تو قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں پڑھا۔

خانہ کعبہ جو سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ دلآویز اور دلربا مسجد ہے وہ جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیارے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک کھنڈر سے دوبارہ تعمیر کرتے ہوئے ازسرِ نو اُس کی تعمیر کا کام مکمل کیا تو اُس کا دیکھتے ہی نظریہ کسی نقطہ نگاہ سے بھی، کسی Archtecture View Point یعنی نقشے بنانے والوں کے نقطہ نگاہ سے اس لائق نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ اُسے دنیا میں ایک خوبصورت تعمیر کے نمونے کے طور پر پیش کیا جائے لیکن وہ سب سے زیادہ حسین عمارت تھی جس پر خدا کی محبت کی نظریں پڑ رہی تھیں اور اتنے پیار سے اُس کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے کہ کسی اور مسجد کا اس پیار سے ذکر نہیں ملتا۔ حقیقت میں مساجد کی شان عمارت میں نہیں بلکہ اُن دلوں میں ہے جو خدا کے حضور رکوع کرتے ہوئے، سجدہ ریز ہوتے ہوئے اُن مساجد میں حاضر ہوتے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف:۳۲) دیکھو مسجدوں سے تم زینت نہیں پاؤ گے، مسجدیں تم سے زینت پائیں گی اس لئے اپنی زینتیں یعنی اپنے تقویٰ اور اپنے خلوص اور خدا کی راہ میں نچھاور ہونے کے جذبے لے کر، روح کے رکوع اور سجدے کرتے ہوئے مساجد میں جایا کرو اور وہ آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے۔ اُس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ (التوبہ:۱۸)

کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کی مساجد کو صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جوایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور خدا کے سوا کسی دوسرے سے نہیں ڈرتے۔ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۔ پس بعید نہیں کہ یہی وہ لوگ ہوں جو خدا کے حضور مُهْتَدِيْنَ میں شمار کئے جائیں۔ پس جماعت احمدیہ کینیڈا پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ آپ نے یہ جو مسجد بنائی ہے اسے سجانا ابھی باقی ہے۔ اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور رنگ وصورت اور شکل جو بنادی گئی ہے بہت دیدہ زیب ہے اس میں شک نہیں لیکن قرآن کہتا ہے کہ ابھی تمہیں اپنی زینتیں لے کر اس مسجد میں حاضر ہونا ہوگا تبھی یہ مسجد خوبصورت مسجد بنے گی۔ پس جماعت احمدیہ کینیڈا کو عبادات کی طرف توجہ کرنی ضروری ہے۔ یہ وہ ملک ہے جو چاروں طرف سے ایسے اثرات میں گھرا ہوا ہے یعنی مغربی تہذیب کے اثرات اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں جو عبادت سے روگردانی پر آمادہ کرتے ہیں، جو خدا کے سوا دل جھوٹے بتوں کی طرف پھیرنے والے اثرات ہیں۔ پس جماعت احمدیہ کینیڈا کے لئے ابھی وہ منازل باقی ہیں جنہیں سر کرنے کے بعد حقیقت میں یہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچے گی، ابھی آغاز ہے۔ پس میں آپ کو خصوصیت کے ساتھ عبادت کے قیام کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور آپ کی وساطت سے یعنی آپ کو مخاطب کرتے ہوئے **تمام دنیا کی جماعتوں کو بھی بیک وقت مخاطب کرتے ہوئے سمجھاتا ہوں کہ مسجدیں بنائیں اور خوب بنائیں۔ خوبصورت بنا سکیں تو بہت بہتر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مساجد کو اپنے تقویٰ سے زینت بخشیں اور عبادات کے ذریعے سجائیں تب مساجد بنانے کا حق ادا ہوگا اس کے بغیر نہیں۔**

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی غلامی کا دعویٰ اور آپ ؐ کی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ عبادت کے مضمون پر آپ ؐ کی سیرت کا مطالعہ کریں اور آنحضور ﷺ نے جس شان سے عبادت کو زندہ کیا اور اپنی راتوں کو جگایا اُسی شان سے اپنی عبادات کو زندہ کرنے اور راتوں کو جگانے کی کوشش کریں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور پانچوں وقت کی نماز پڑھو۔ ایک مہینے کے روزے رکھو اپنے اموال کی زکوۃ دو اور جب میں کوئی حکم دوں تو اس کی اطاعت

کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

(ترمذی کتاب الجمعہ حدیث نمبر: ۵۵۹)

پھر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں۔

”کہ آنحضرت ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر کسی کے دروازے کے پاس نہر گزر رہی ہو اور وہ اس میں دن میں پانچ بار نہائے تو اس کے جسم پر میل رہ جائے گی۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! کوئی میل نہیں رہے گی۔ آپؐ نے فرمایا یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہ معاف کرتا ہے اور کمزوریاں دور کرتا ہے“ (مسند احمد حدیث نمبر: ۱۳۷۵۷)

مختلف ماحول کے مختلف اثرات ہوا کرتے ہیں۔ بعض ماحول میں مادی کثافت بہت ہوتی ہے اور کپڑے بار بار گندے ہوتے ہیں۔ انگلستان میں مجھے یاد ہے ایک زمانے میں Smog ہوا کرتی تھی۔ دھوئیں ملی ہوئی Smog اور اُس سے کالر اتنی جلدی گندے ہوا کرتے تھے کہ دن میں بار بار لوگوں کو کالر بدلنے پڑتے تھے۔ قمیض بدلنے کی توفیق نہیں ملتی تھی دوسرے وہ کوٹ کے اندر ہی ہوتی تھی تو ایک وقت میں دو دو کالر لے کر لوگ گھر سے نکالا کرتے تھے۔ جب پہلا گندہ ہو جائے تو دوسرا استعمال کریں گے تو یہاں ان ملکوں میں مادی Pollution بھی پھیل رہی ہے اس کے لئے لازمی جماعت کو کوشش کرنی چاہئے مگر روحانی Pollution اتنی ہے کہ اگر کہیں دن میں پانچ بار نہانے کی ضرورت ہے تو یہاں بہت ضرورت ہے کہ دن میں پانچ پانچ بار نہایا جائے۔

پس وہ گھر جو نمازوں کو زندہ کرتے ہیں جہاں دن میں پانچ بار نہانے کے لئے چھوٹی چھوٹی اپنی نہریں جاری کی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اس دنیا کی کثافت سے محفوظ رکھے گا۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو یہ تاریکی اور گند آپ کے گھروں میں داخل ہو گا اور آپ کی روحوں کو ناپاک کر دے گا۔ پھر اُس وقت مجھے ماں باپ اگر یہ لکھیں کہ ہمارے بچوں کو کیا ہو گیا ہے، یہ دین کو چھوڑ کر دوسری طرف چل پڑے ہیں تو اُس وقت میں اُن سے کہوں گا کہ بہت دیر ہو چکی۔ تمہیں پہلے اپنا فرض ادا کرنا چاہئے تھا، پہلے اپنے گھر میں وہ پانی جاری کرنا چاہئے تھا جو نماز اور عبادتوں کا پانی ہے جس میں پانچ وقت نہا کر تمہارے بچے صاف ستھرے رہتے تو دنیا کی کوئی آلودگی اُن کو گندا نہ کر سکتی۔ یہ ملک وہ ہیں

جہاں گھروں گھروں میں تالاب بنائے جاتے ہیں اور بہت خوبصورت تالاب جن کو دیکھ کر انسان کی ظاہری آنکھ مسحور ہو جاتی ہے لیکن مومن کو ایک چیز سے ملتی جلتی چیز کا خیال آنا چاہئے ، اُس کو سوچنا چاہئے کہ یہ دنیا والے لوگ دنیا کے لحاظ سے کتنے خوبصورت اور تسکین والے گھر بناتے ہیں اور دنیا کے لحاظ سے روزانہ نہانے اور صاف ستھرا ہونے کا کیسا کیسا انتظام کرتے ہیں۔ ہم محمد مصطفی ﷺ کی جماعت ہیں کیا ہمیں ان سے نصیحت نہیں پکڑنی چاہئے کہ ہمارے گھروں میں پانچ وقت صفائی کا انتظام نہیں ہونا چاہئے اور وہ جاری وساری کوثر کے چشمے نہیں بہنے چاہئیں جو روحوں کو دھوتی اور پاک اور صاف کرتی ہیں اور خدا کے حضور حاضر ہونے کے لئے تیار کرتی ہیں۔ وہ زینت آپ نے خود اپنے لئے اختیار کرنی ہے پھر مسجدوں کو زینت بخش سکیں گے۔ اگر آپ کو زینت عطا نہ ہوئی تو یہ مسجد بے زینت رہے گی اور کتنے افسوس کا مقام ہوگا کہ ظاہری طور پر آپ اتنا خرچ کر کے ، اتنی تکلیفیں اٹھا کر خدا کا ایک گھر بنائیں جو بظاہر نمازیوں سے آباد ہو مگر خدا کی نظر میں وہ ویران ہو۔ خدا نہ کرے کبھی جماعت احمدیہ پر یہ وقت آئے کہ یہ منظر جماعت احمدیہ پر صادق آئے۔

آنحضرت ﷺ نے تو یہ نقشہ کھینچتے ہوئے آخرین کے زمانے کے بھٹکے ہوئے مسلمانوں کی تصویر کھینچی ہے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے۔ **ان یاتی علی الناس زمان لایبقی من الاسلام الا اسمه ولایبقی من القرآن الا رسمه مساجد هم عامرة وهی خراب من الهدیٰ** (مشکوۃ کتاب العلم والفضل صفحہ:۳۸) افسوس کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جب اسلام کا صرف نام رہ جائے گا ، جب قرآن صرف خوبصورت تحریروں میں ڈھالنے کے لئے رہ جائے گا ، مساجد بظاہر آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی۔ **علماء هم شر من تحت ادیم السماء** اُس بدنصیب دور کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ پس جماعت احمدیہ کے لئے یہ بڑی بھاری نصیحت ہے اگر تقویٰ کے ذریعے سے آپ نے اپنی مسجدوں کو آباد نہ کیا تو ظاہری طور پر اگر مسجدیں آباد ہوئیں تو خدا کی نظر میں وہ **خراب من الهدی** ہی رہیں گی۔ خدا کرے کہ ہماری مسجدیں ہمیشہ خدا کی نظر میں آباد رہیں۔

آنحضرتؐ نے ایک موقع پر فرمایا: ”قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر یہ حساب ٹھیک رہا تو وہ کامیاب ہو گیا اور اُس نے نجات پالی۔ اگر یہ حساب خراب ہوا تو وہ ناکام ہو گیا اور گھاٹے میں رہا۔ اگر اُس کے فرضوں میں کوئی کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو میرے

بندے کے کچھ نوافل بھی تو ہیں اگر نوافل ہوئے تو فرضوں کی کمی اُن نوافل کے ذریعے پوری کر دی جائے گی۔ اسی طرح اُس کے باقی اعمال کا معائنہ ہوگا اور اُن کا جائزہ لیا جائے گا۔‘‘ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر: ۳۷۸)

پس قیام نماز کے ساتھ کچھ لوازمات ہیں جو نماز کی مرکزی روح کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ وہ نوافل اور تہجد کی نمازیں ہیں پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی آئندہ نسلوں میں نماز قائم رہے اور پوری شان اور حفاظت کے ساتھ قائم رہے تو اس کے اردگرد وہ فصیلیں بھی کھڑی کریں جو نوافل کی فصیلیں ہیں ان سے نماز پر ضرب نہیں آئے گی۔ اگر کبھی کمزوری دکھائیں گے تو نوافل کی حد تک اثر رہے گا لیکن فرائض قائم رہیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ صرف گھروں میں نماز باجماعت کے قیام کی عادت ہی نہ ڈالی جائے بلکہ نوافل کی روح کو ترویج دی جائے اور اپنے بچوں کو نفل پڑھنے سکھائے جائیں۔ کبھی آدھی رات کو اٹھا کر اُن کو تہجد کے مزے میں شامل ہونے کی بھی توفیق عطا ہو تو رفتہ رفتہ اُن کو چسکے پڑیں گے، رفتہ رفتہ اُن کو عادت ہوگی اور بڑے ہو کر یہی یادیں ہیں جو اُن کی پاکباز زندگی کی شکل میں ڈھل جائیں گی۔ پس چھوٹے بچوں کی حفاظت کے لئے خصوصیت سے یہ بہت ضروری ہے اور آپ میں سے وہ بڑے بھی جو اب تک نماز کے قیام سے محروم ہیں میں اُن کو متنبہ کرتا ہوں کہ نماز کا قیام ازبس ضروری ہے۔ نماز قائم ہوگی تو جماعت احمدیہ قائم رہے گی اگر نماز گری تو جماعت احمدیہ گر جائے گی اور کوئی چیز اسے دوبارہ قائم نہیں کر سکے گی اس لئے نمازوں کی حفاظت کریں۔

وہ مسجد جو یہاں بنائی گئی ہے اس مسجد تک تو لوگ دور دور سے کبھی کبھی پہنچا کریں گے لیکن گھر کی مسجد میں تو ہر انسان پہنچ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا گھر بنایا تو بیت الدعاء بنائی اور صحابہؓ میں یہ رواج تھا کہ اپنے گھروں میں چھوٹی سی مسجد بنا لیا کرتے تھے تا کہ وہ لوگ جو مسجد تک نہ جا سکیں وہ وہاں نماز پڑھ لیا کریں۔ مجھے یاد ہے دارالانوار میں ہمارے نانا کا گھر تھا ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب کا اُنہوں نے گھر میں چھوٹی سی مسجد بنائی ہوئی تھی۔ جب وہ معذور ہو گئے تو مسجد تک نہیں جا سکتے تھے اُسی مسجد میں نماز پڑھاتے تھے یا پھر اپنے بچے کے ذریعے اُس کو آگے کھڑا کر کے آپ باجماعت نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ تو یہ بہت ہی پاکیزہ سنت ہے کہ اپنے گھروں میں کوئی جگہ عبادت کے لئے مخصوص کر دی جائے تو اس سے باجماعت نماز کی Institution یعنی یہ جو نظام ہے یہ زندہ رہے گا اور اس کے علاوہ خدا کے فضل سے نوافل کی بھی تحریک کی جاتی رہے۔ پیار اور محبت کے ساتھ اس طرح کے دل آمادہ ہوں،

متنفر نہ ہوں۔ نفل کے معاملے میں تو کوئی سختی نہیں ہوسکتی۔ نفل کی تحریک آپ کی خوش اداؤں سے ہوگی۔ نفل تبھی آپ کے اولاد میں قائم ہوں گے جب آپ کے بچے آپ کو اس رنگ میں نفل پڑھتے دیکھیں گے تو وہ یادیں اُن کے دلوں پر جاگزین ہو جائیں گی۔ اُن کا دل چاہے گا کہ ہم بھی ایسا کریں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے بچوں میں یہ فطرت پیدا کی ہے ایک یہ طبعی رجحان رکھا ہے کہ اپنے ماں باپ کو جو چیز خاص انہماک سے اور پیار سے کرتے دیکھتے ہیں تو اُسی طرح شروع کر دیتے ہیں۔ ہم نے اپنے گھروں میں بڑوں کو دیکھا ہے کہ بچے شروع سے ہی ساتھ نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں، چندے دیتے ہیں اور پیار اور اخلاص کا اظہار اپنے معصومانہ رنگ میں ہمیشہ کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن بچوں کو توفیق دی کہ وہ نماز پر قائم ہوئے اور دوسروں کو نماز پر قائم کرنے والے بنے پس اپنے ہر گھر میں نماز کے قیام کے لئے محنت کریں اور دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹادیتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ! ضرور بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا سردی وغیرہ کی وجہ سے، دل نہ چاہنے کے باوجود خوب اچھی طرح وضو کرلو اور مسجد میں دور سے چل کر آنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ یہ بھی ایک قسم کا رباط ہے یعنی سرحد پر چھاؤنی قائم کرنا۔ (مسلم کتاب الطہارت حدیث نمبر: ۳۶۹) قرآن کریم نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ رَابِطُوْا (آل عمران: ۲۰۱) کہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔ یہ انتظار نہ کرو کہ تمہارا دشمن دل تک آ پہنچے تب تم دفاع کی کوشش شروع کرو جو سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اُن کی سلطنتیں، اُن کے ممالک محفوظ رہتے ہیں۔ پس فرمایا کہ سرحدوں کی حفاظت کرنے کا مضمون میں تمہیں سمجھاؤں وہ یہ ہے کہ تم ہر حالت میں نماز کو قائم کرو۔ سخت سردی میں انسان کا دل چاہتا ہے کہ چلو تیمّم کرلوں گرم پانی میسر نہیں ہے اور اُس زمانے میں تو نہیں ہوا کرتا تھا اکثر۔ قادیان میں بچپن میں ہم نے دیکھا ہے۔ یہ آج کل کے Hot Water Tapes یہ کہاں ہوا کرتیں تھیں۔ سخت ٹھنڈا پانی جو بعض دفعہ کورے جم بھی جایا کرتا تھا۔ اُسی سے ہم سب وضو کیا کرتے تھے۔ تو آنحضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ جب ایک تکلیف اور امتحان اپنی انتہا کو پہنچا ہو اُس وقت اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنا۔ یہ ہے سرحدوں پر گھوڑے باندھنا اور مثال یہ دی کہ سخت ٹھنڈے پانی میں دل نہ چاہتے ہوئے بھی ٹھنڈے پانی سے اللہ تعالیٰ کی خاطر خوب سنوار کر وضو کرو پھر نماز پڑھنے جاؤ پھر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار شروع کر دو۔

آنحضور ﷺ کی اپنی نماز کی کیفیت کیا تھی؟ اس سلسلے میں بھی میں آپ کو چند احادیث سناتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو وہ کون سی نمازیں ہیں جو دوسروں کے دیکھنے والوں میں جاگزین ہو جاتی ہیں۔ ایسا مستقل نقش بن جاتی ہیں، وہ نقش اُن کی زندگی کی عادات میں بدل جاتا ہے، وہ اُن کی فطرت ثانیہ بن جاتا ہے۔ ایسی نمازیں پڑھنے کی ضرورت ہے گھروں میں۔ اگر مائیں ایسی نمازیں پڑھیں جنہیں پنجابی میں ٹرخانہ کہا کرتے تھے اُردو میں بھی شاید ٹرخانہ کہتے ہوں مجھے علم نہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں مسجد اقصیٰ نماز پڑھنے گیا تو ایک چھوٹا سا لڑکا اتنی تیز نماز پڑھ رہا تھا کہ جیسے پنکھا چل رہا ہو۔ وہ ٹکا ٹک ٹکا ٹک ٹکریں لگائیں اور فارغ ہو کر چل پڑا۔ مجھے نظر آیا بعد میں، میں نے کہا تم یہ کیا کر رہے تھے۔ اس نے کہا اللہ میاں نوں ٹرخانہ ای اے۔ فرض پورا کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہری طور پر اپنے آپ کو پیش کر دینا بس۔ میرا کام ہو گیا خدا کو ٹرخا کوئی نہیں سکتا، اپنے آپ کو ٹرخاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ جو خدا کے بندوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اُن کا کیا ہوتا ہے وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (البقرہ:۱۰) **اگر نمازوں میں تم خدا کو ٹرخاؤ گے تو تم اپنی نسلوں کو ٹرخا رہے ہو گے، اپنے مستقبل کو ٹرخا رہے ہو گے، اپنی عاقبت کو ٹرخا رہے ہو گے، کوئی خدا کو ٹرخا نہیں سکتا یہ بات اُلٹی ہے تم پر اُلٹی ہے جو خدا اور خدا والوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔** پس نمازیں اس طرح سنوار کر پڑھیں جس طرح حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پڑھا کرتے تھے پھر اس مسجد کا حق ادا ہو گا اور گھر گھر میں اس مسجد کا حق ادا ہو گا۔ پھر خدا آپ کو توفیق بخشے گا کہ آپ بستی بستی میں مساجد بنائیں گے اور خدا کی محبت اور پیار کی نظریں ہر اُس مسجد پر پڑا کریں گی جو احمدی متقی کو بنانے کی توفیق عطا ہو۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو میں نے حضور ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پایا مجھے خیال آیا کہ حضور ﷺ مجھے چھوڑ کر کسی اور بیوی کے پاس چلے گئے ہیں۔ پھر میں حضور ﷺ کی تلاش کرنے لگی تو کیا دیکھتی ہوں حضور ﷺ رکوع میں ہیں ایک ویران سی جگہ میں اندھیری رات تھی، اس لئے میں کہتا ہوں اندھیری رات تھی کہ آگے مضمون بتا رہا ہے، حضور نماز میں، رکوع میں یا شائد آپؐ اُس وقت سجدہ کر رہے تھے یعنی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ آواز سے پتا چلا کہ کیا ہو رہا ہے اور یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ! تُو اپنی تمام تعریفوں کے ساتھ ہر قسم کی بزرگی کا حامل ہے تُو ہی میرا رب ہے تیرے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپؐ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اے اللہ جو کچھ

میں لوگوں سے چھپ کر کرتا ہوں اور جو کچھ میں اُن کے سامنے کرتا ہوں اُن میں سے میرے ہر عمل کو اپنی رحمت اور مغفرت سے ڈھانپ لے۔(نسائی کتاب عشرۃ النساء حدیث نمبر ۳۹۰۲) کیسی عجیب دعا ہے۔ اتنا عظیم عارف باللہ وہ انسان تھا، وہ تمام نبیوں کا سردار بنایا گیا، تمام زمانوں کا سردار بنایا گیا۔ فرماتے ہیں جو میں چھپ کر کرتا ہوں ہوسکتا ہے اُس میں بھی کوئی ریاء کا نعوذ باللہ من ذٰلک پہلو، کوئی ایسی بات ہو جو تیرے حضور پسندیدہ نہ ہو اس لئے میں تو یہ التجاء کرتا ہوں کہ صرف میرے ظاہر نہیں میری چھپی ہوئی عبادتوں پر بھی اپنی رحمت اور مغفرت کی چادر ڈال دے اور اُسے اپنی ستاری کے پردے میں چھپالے۔ آنحضرت ﷺ دل کی گہرائی تک خلوص ہی خلوص تھا۔ جھوٹ تو درکنار، جھوٹ کی کسی دور دراز سے اثر کا بھی کوئی شائبہ آنحضرت ﷺ کی نیتوں کی آماجگاہ پر نہیں پڑا کرتا تھا یا دل پر نہیں پڑتا تھا۔ انکساری کا عجیب عالم ہے کہ آنحضور ﷺ اپنے رب کے حضور جھکتے ہوئے عرض کر رہے ہیں اے خدا! میری وہ عبادتیں جو میں ظاہر میں لوگوں کے سامنے مجبوراً کرتا ہوں تُو نے حکم دیا ہے اور وہ عبادتیں جو میں چھپ کر کرتا ہوں ان دونوں پر یکساں اپنی رحمت اور مغفرت کی چادر ڈال دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ میں نے حضور ﷺ کو جب نماز میں اس طرح دعا کرتے دیکھا تو اپنی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لوٹ آئی۔ میں کیا سمجھی تھی اور کیا ہو رہا ہے۔ کیسا ظن کیا میں نے اپنے آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ پر۔ کس کی محبت میں نکلے تھے اور میں نے کیا سمجھا کہ کس کی محبت میں نکلے ہوں گے؟ پھر آنحضرت ﷺ کی یہ عادت تھی ہر لمحہ نماز کا انتظار رہتا تھا، ہر وقت طبیعت نماز کے لئے بے چین رہتی تھی، دل مسجد میں ہی پڑا ہوا تھا۔ حضرت بلالؓ کو فرمایا کرتے تھے۔ **یا بلال ! اقم الصلاۃ ارحنا** (ابوداؤد کتاب الادب حدیث نمبر: ۴۳۳۳) اے بلال! نماز کے ذریعے ہمیں راحت تو پہنچاؤ کیونکہ وہ اذان دیا کرتے تھے۔ مراد یہ تھی کہ وقت ہو تو اذان دیا کرو تا کہ ہمیں باجماعت نماز کی توفیق ملے اور اس طرح دل کو راحت پہنچے۔ آخری بیماری کے دوران حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا نمازوں سے عشق کس شان کے ساتھ ظاہر ہوا ہے اُس کی دو مثالیں میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ میں لکھا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور تکلیف بڑھ گئی تو آپؐ نے اپنی بیویوں سے اجازت چاہی کہ بیماری کے ایام میرے گھر میں گزاریں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں۔ اُنہوں نے حضور ﷺ کو اجازت دے دی تو آپؐ

نے ایک دن دو آدمیوں یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک اَور شخص کا سہارا لے کر باہر نکلے، اس حال میں کہ آپ کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کیا کرتی تھیں کہ رسول کریم ﷺ میرے گھر میں آئے اور بیماری مزید بڑھی تو فرمایا کہ مجھ پر سات مشکیزوں کا پانی بہاؤ جو بھرے ہوئے ہوں۔ ایسی شدت سے، بخار کی تپش کی ایسی شدت کے ساتھ اُس بخار میں آپؐ مبتلا تھے کہ فرمایا سات مشکیزوں کا پانی بہاؤ جو بھرے ہوئے ہوں اور اُن کے بندھن کھولے نہ گئے ہوں، کچھ بھی پہلے استعمال نہ ہوا ہو تا کہ مجھے کچھ اَفاقہ ہو جائے اور لوگوں سے باتیں کرسکوں۔ تب ہم نے حضرت اقدس ﷺ کو ایک ٹب میں بٹھایا اور آپؐ پر مشکیزوں سے پانی بہانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپؐ ہاتھ سے اشارہ فرمانے لگے کہ بس بس کافی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں پھر آپؐ لوگوں کی طرف تشریف لے گئے اور اُنہیں نماز پڑھائی اور خطاب فرمایا۔

یہ نماز کا شوق تھا دراصل جس کی خاطر آپؐ نے بخار کو اس طرح اتارا اتنی سخت تپش تھی کہ سات مشکیزوں کا پانی آپؐ پر بہایا گیا اور اس طرح جب بخار کم ہوا تب آنحضور ﷺ اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کر سکے جو بیماری کے دنوں میں پیدا ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے دیرینہ کہ آپؐ باہر جا کر سب میں بیٹھ کر عبادت کرسکیں اور اُنہیں نصیحت فرماسکیں۔

ابن شہاب سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بتایا کہ پیر کا دن تھا جس دن حضورؐ کی وفات ہوئی تھی۔ یہ آخری دن ہے مرض الموت کا۔ مسلمان فجر کی نماز میں مسجد نبوی میں مصروف تھے اور ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک حضورؐ نے اُس وقت جب دو صفوں میں نمازی نماز میں کھڑے تھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور کچھ دیکھ کر مسکرائے اور ہنس دیئے اور وہ سب چونک گئے۔ حضورؐ نے اُنہیں اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی نماز مکمل کرو۔ پھر حضورؐ حجرے کے اندر ہو گئے اور پردہ گرا دیا۔ اس قدر شدید تکلیف تھی اُس وقت کہ دوسری احادیث سے جس میں آپؐ کے مرض الموت کے آخری دن کا نقشہ کھینچا گیا ہے پڑھ کر دل سُن ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تکلیف کا حال پڑھ کر کہ کس طرح کس سخت تکلیف سے آپؐ اس دنیا سے اس وجہ سے رخصت ہو رہے تھے صرف بخار کی تکلیف نہیں تھی بلکہ یہ تکلیف تھی کہ میرے پیچھے کیا ہوگا اور لوگ کہیں یہ نہ کرلیں وہ نہ کرلیں۔ چنانچہ آپؐ کی آخری وقت کی نصیحتیں اسی مضمون پر مشتمل تھیں اور سب سے زیادہ جو غالب چیز تھی وہ یہ تھی کہ جن

غلاموں کو میں نے عبادت کے آداب سکھائے ہیں اور عبادت کے ڈھنگ سکھائے ہیں وہ کیا میرے بعد عبادت کو جاری بھی رکھیں گے کہ نہیں۔ پس آنحضرت ﷺ نے آخری خواہش جو اس دنیا میں پوری کی ہے وہ یہ کہ پردہ اٹھا کر اُن نمازیوں کو دیکھا ہے جن کو آپؐ نے اس دنیا میں نماز کے آداب سکھائے تھے، اُن کے چہروں پر ایسے عزم کے آثار دیکھے، خدا کے لئے ایسی وفا کے جذبے دیکھے، ایسے سجدے کرتے ہوئے اُن کو دیکھا، رکوع کرتے ہوئے اُن کی روحوں کو دیکھا کہ آپؐ پہلے مسکرائے اور پھر ہنس دیئے۔ پھر بڑی تسلی کے ساتھ، پورے اطمینان کے ساتھ خدا کے حضور حاضر ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔

آنحضرتؐ کا آخری کلام جس کے متعلق یہ کہ جب خدا تعالیٰ نے آپؐ سے پوچھا کہ اے میرے بندے تیرے لئے دو امکانات ہیں۔ میں تجھے دو قسم کے رستوں پر چلنے کے فیصلے کا اختیار دیتا ہوں، ایک راہ اس دنیا میں کچھ اور دیر رہو اور اپنے فرائض کو ادا کرو اور وہ پایہ تکمیل تک پہنچیں یعنی مزید آگے بڑھیں اور ایک یہ کہ تم میری طرف واپس آجاؤ۔ سوال کرنے والے نے یہ سوال کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے واپسی کی راہ کیوں اختیار کی؟ خود تو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ موت کی دعا نہ کرو۔ میں نے اُنہیں سمجھایا کہ یہ موت کی دعا نہیں ہے۔ موت کی دعا نہ کرنا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پسند نہیں فرماتا کہ اس دنیا کے کاروبار میں رہتے ہوئے جو آخرت کے لئے ہم کمائیاں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اُن کے متعلق ہم خود یہ فیصلہ کر سکیں کہ ہم نے جو کچھ کرنا تھا کر لیا اور کسی وقت بھی موت کا فیصلہ خود کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے کیونکہ اُس فیصلے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایسی حالت تک پہنچ چکے ہیں کہ گویا ابرار میں داخل ہو گئے اب کوئی خوف نہیں، اب خدا کی طرف سے جو قضا آئے ہم ٹھیک ہیں۔ یہ بندے کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ **فیصلہ کر سکے مگر آنحضرت ﷺ کو جب خدا نے پوچھا تو حقیقت میں یہ گواہی دی کہ اے میرے بندے تو نے اپنے کام کو درجہ کمال تک پہنچا دیا ہے**۔ اب کچھ ایسا کرنا باقی نہیں رہا جس کے نتیجے میں تُو اپنے مشن کو اُس آخری مقام تک پہنچا سکے جس تک پہنچانے کے لئے ہم نے تجھے مقرر فرمایا تھا اس لئے اگر کچھ اور یہاں رہنا ہے اپنے عزیزوں اور قریبیوں اور پیاروں میں تو میں تجھے اجازت دیتا ہوں، شوق سے اجازت دیتا ہوں اور اگر میری طرف لوٹ کر آنا چاہو تو یہ بھی تجھے اجازت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صبح جو نماز کے لئے پردہ اٹھایا گیا ہے بعید نہیں کہ اُس سے پہلے آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع مل چکی ہو کہ وقت آنے والا ہے اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میرے غلاموں کا کیا حال ہے؟ اُس وقت آپؐ نے

اپنی جدائی کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن جس کی طرف جا رہے تھے وہ زیادہ محبوب تھا اس لئے رونے کی بجائے مسکرائے اور ہنس دیئے اور بڑے شوق اور خوشی کے ساتھ اپنے رب کے حضور یہ عرض کیا کہ **فی الرفیق الاعلی فی الرفیق الاعلیٰ** اے اللہ میں نے عبادت گزار پیدا کر دیئے ہیں جو قیامت تک تیری عبادت کرتے چلے جائیں گے۔ اب میرا یہ فیصلہ ہے کہ مجھے واپس بلالے میں تیرے قریب تر آ جاؤں۔

پس اے محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلامو! پوری شان کے ساتھ عبادت کرو کہ قیامت تک تم پر بھی حضرت محمد مصطفیٰ کی مسکراتی ہوئی نظریں پڑیں۔ محبت اور پیار کی آنکھیں تمہیں دیکھیں اور ہر بار ملاء اعلیٰ پر خدا کی تقدیر یہ گواہی دے، محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل کی آواز اور آپ کی روح کی آواز یہ گواہی دے کہ ہاں میرے بندے آج بھی زندہ ہیں جو قیامت تک میری بتائی ہوئی عبادت کی رسموں کو زندہ رکھیں گے، اُن کی جانیں بھی جائیں تب بھی وہ زندہ رکھیں گے، اُن کے عزیز اُن کے سامنے ذبح کر دیئے جائیں تب بھی وہ زندہ رکھیں گے، اُن کو بڑی سے بڑی قربانی بھی پیش کرنے کی توفیق ملے تو خوشی سے پیش کریں گے لیکن عبادت کی حفاظت کے لئے اپنا جان، مال، آبرو ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہیں گے اگر تم ایسے بن جاؤ تو خدا کی قسم تم کامیاب ہو اور دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مٹا نہیں سکتی۔ آج کے مولوی اُن کے مقدر میں ناکامیاں لکھی جا چکی ہیں جو آپ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔

میں آخر پر اس اعترافِ حقیقت کا دوبارہ ذکر کرتا ہوں جس سے میں نے آغاز کیا تھا۔ اُس میں ایک عظیم اعتراف کیا گیا ہے جو حقیقت میں جماعت احمدیہ پر اس رنگ میں پورا اترتا ہے کہ گو الفاظ پورے نہیں اترتے مگر وہ مضمون جو ہے وہ بڑی شان کے ساتھ جماعت احمدیہ کے حق میں پورا اترتا ہے وہ آخر پر کہتے ہیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے تمام دنیا میں جماعت احمدیہ کا پیغام نشر ہو رہا ہے اور اس شان کے ساتھ ہو رہا ہے یہ آگے سے آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔''

یہ مضمون پورا کرنے کے بعد آخر پر کہتے ہیں۔

''خدا کے لئے اسلام کی عظمت کے ذریعے، دین کی سربلندی کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے، صحابہؓ کے ناموس کی حفاظت کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔''

آج تک اکٹھے نہیں ہو سکے۔ چودہ سو سال ہو گئے ہیں جب سے بکھرنے شروع ہوئے ہیں بکھرتے ہی چلے گئے ہیں۔ اگر کوئی آج خدائے واحد کے نام پر اکٹھا ہے تو جماعت احمدیہ اکٹھی ہے۔ اس کے علاوہ سب بکھرتے اور بکھرتے چلے جارہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ناموس اور خدا کی عظمت کے حوالے دے کر یہ کہتے ہیں کہ ''اکٹھے ہو جائیں۔ جیسا کہ 1953ء میں اکٹھے ہوئے تھے۔ 1953ء میں اکٹھے ہوئے تھے پھر بکھرنے کے لئے اور پھر بکھرنے کے لئے، بکھرتے چلے جانے کے لئے۔ کیا یہ اکٹھے ہونے کا تمہارا تصور ہے؟ کہتے ہیں ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں اور کہتے ہیں اقبال مرحوم کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں۔

؎ ''تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں۔''

کتنی سچی بات تمہارے منہ سے نکل گئی ہے۔ وہ جماعت جس کی آبادیوں کے مشورے آسمانوں پر ہورہے ہیں اُنہیں تم کبھی برباد نہیں کر سکو گے اور وہ جماعتیں جن کی بربادیوں کے مشورے آسمان پر ہو رہے ہیں تم اُنہیں کبھی آباد نہیں کر سکو گے۔ آسمان ہی کے مشورے ہیں جو زمین کی تقدیریں اور تدبیریں بنائے جاتے ہیں اور خدائے واحد و یگانہ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آج دوبارہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ غلام جو جماعت احمدیہ کے ممبران ہیں، جماعت احمدیہ سے وابستہ ہیں انہیں یہ توفیق ملے گی کہ ازسرِ نو محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین کو زمین کے کناروں تک پہنچائیں گے۔ خدائے واحد و یگانہ کے گیت گاتے ہوئے نئی سے نئی اور بڑی سے بڑی مساجد تعمیر کرتے چلے جائیں گے اور ہر مسجد کو اپنے تقویٰ سے بھرتے چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آداب مسجد کی اہمیت اور ان کا عرفان

آداب مسجد میں اعلیٰ درجہ کے آداب معاشرت پائے جاتے ہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ را کتوبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الاسلام ٹورانٹو کینیڈا)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ (الجن:۲۰)

پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت احمدیہ کینیڈا کو بہت وسیع اور خوبصورت سادہ مگر دلکش مسجد بنانے کی توفیق بخشی ہے اس ضمن میں میں سمجھتا ہوں کہ مساجد کے آداب سے متعلق بھی خصوصیت سے مغرب میں بسنے والوں کو توجہ دلانی ضروری ہے کیونکہ بہت سے بچے جو یہاں مغربی ماحول میں پیدا ہوئے ہیں انہیں ان اقدار کا فلسفہ معلوم نہیں جو اسلامی آداب کو بناتے ہیں اور اس کی حدود قائم کرتے ہیں اس لئے بعض بچے اپنے والدین سے سوال کرتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے اس کی کیا ضرورت ہے اور بسا اوقات والدین انہیں سمجھا نہیں سکتے ایسے کئی سوال میرے سامنے یورپ میں مختلف جگہ پیش ہوتے رہتے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مسجد کے حقوق اور اس کے آداب سے متعلق اور عموماً نماز کے آداب سے متعلق میں کچھ ضروری باتیں آپ کے سامنے رکھوں۔

ابھی یہاں آنے سے پہلے کراچی کے ایک دوست کا خط ملا جس میں انہوں نے شکایت کی کہ عام طور ننگے سر مسجد میں جانے کا رواج راہ پا گیا ہے اور نئی نسل کے بچے عام طور پر اس امر سے بے

پرواہ ہیں کہ مسجد میں سر ڈھانپ کر جانا چاہئے ٹوپی پہن کر جانا چاہئے اسی طرح کی شکایتیں ربوہ سے بھی ملیں اور ربوہ کے ایک دوست نے ایک دفعہ لکھا کہ آپ جلدی آجائیں کیونکہ آپ کے جانے کے بعد بہت سے نقصانات ہو رہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اسلامی آداب اور اخلاق جن کے متعلق پہلے بہت ہی پابندی کی جاتی تھی اب ان کا رعب اٹھتا جا رہا ہے اور لوگ بے پرواہ ہو گئے ہیں اس خط کے نتیجہ میں مجھے خیال آیا کہ سب سے پہلے تو بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔

ایک انسان کہاں تک دنیا میں ہر جگہ موجود رہ سکتا ہے اگر میں ربوہ میں بھی ہوتا تو ربوہ کی ساری مساجد پر میری نظر کیسے پڑ سکتی ہے۔ جس مسجد میں میں نماز پڑھتا تھا اس مسجد میں عام طور پر حاضری دوسری مساجد سے بہتر ہوتی تھی مگر ربوہ کا غالباً سوواں حصہ آبادی ہوگی یا شاید اس سے بھی کم جو اس مسجد سے استفادہ کرتی تھیں۔ تو کہاں تک انسانی نظر لوگوں کو ان کی حدود میں رکھنے پر آمادہ کر سکتی ہے یا انسانی نظر کا خیال کسی کو اپنے طرز عمل کو بہتر بنانے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ اصل بنیادی حقیقت یہ ہے کہ خدا کا تصور ایک ایسا زندہ تصور جو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہو اور ہر آن تم پر نگاہ رکھتا ہوا سے دلوں میں جاگزیں کرنے کی ضرورت ہے اور نماز کا اس سے بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو بہترین نماز یہ ہے کہ تم گویا خدا کو دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہارے سامنے کھڑا ہے اور اگر اس کی توفیق نہیں تو کم سے کم خدا کی نظر میں رہو اور سمجھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پس لباس خواہ ٹوپی ہو یا کوئی اور لباس اس کا تعلق اس احساس سے ہے کہ میں کیا ہوں اور کس کے سامنے ہوں۔ بعض لوگ جو ٹوپی کے متعلق کہتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے لیکن مغرب میں جب ٹوپی کا استعمال مغربی اقدار کے مطابق ہوتا ہے تو اس کی پابندی کرتے ہیں۔ ایک جج جب کرسی عدالت پر بیٹھتا ہے تو ہمیشہ سر کو ڈھانپ کر بیٹھتا ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ جج کے سامنے ٹوپی پہن کر بیٹھے۔ ہمارے بچوں کو یہ کیوں خیال نہیں آتا کہ اسکی کیا ضرورت تھی؟ ٹوپی اتار کے کیوں نہیں بیٹھتا؟ تو وجہ یہ ہے کہ ٹوپی عزت کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور ٹوپی کو سر پر لینے میں خواہ وہ ٹوپی یا کوئی اور لباس انسان کی عزت اور وقار کا مفہوم شامل ہے۔ جج کے سامنے آپ اس لئے ٹوپی نہیں پہن سکتے کہ گویا اس عدالت عالیہ کی ہتک ہوگی کہ اس کی عزت میں سارے شریک ہیں پس اسے عزت کے مقام پر بٹھایا جاتا ہے اور باقی سب لوگوں کی عزت سروں سے اتاری جاتی ہے لیکن

بنیادی فلسفہ وہی ہے کہ ٹوپی کا عزت سے تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور حاضر ہونے والوں کو عزت بخشی ہے اور یہ ادب سکھایا ہے کہ تم عزت کے مقام سے میری طرف آیا کرو اور اپنی عزت کا مقام لے کر میری طرف پہنچا کرو اور میرے سامنے بھی عزت پاؤ۔ اتنا بڑا مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے جسے بحیثیت مرتبہ دنیا کی تمام تہذیبیں پہچانتی اور جانتی ہیں اور اعتراف کرتی ہیں کہ سر پر کچھ اوڑھنا عزت کا نشان ہے تو کیوں مغربی تہذیب کے پیچھے چل کر اپنے سروں کی عزتیں اتارتے ہیں۔ خدا نے جس کو عزت دی ہے اس عزت کو قبول کرنا، اس کا احترام کرنا، اسے سر آنکھوں پر لگانا، چوم کر اپنے سر پر رکھنا یہ احترام کا تقاضا ہے۔

پھر یہی وہ بچے ہیں جن کے متعلق مجھے تجربہ ہے کہ اگر مجھے کبھی ملنے آئیں تو اپنی ٹوپی نہ ہو تو ٹوپی مانگ کر لے آتے ہیں اور مانگی ہوئی ٹوپی نظر آتی ہے کوئی کان پر لٹکی ہوتی ہے تو کوئی سر کی چوٹی پر بیٹھی ہوتی ہے صاف پہچانی جاتی ہے کہ اپنی نہیں مگر دل کی گہرائیوں میں احساس ضرور ہے کہ جس سے ملنے جائیں اس سے ملنے کے آداب پورے کرنے چاہئیں۔ تو بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے مساجد میں آیا جاتا ہے اس خیال کو پیش نظر رکھیں تو یہ خیال ساری زندگی پر چھا جاتا ہے۔ ایک عارف باللہ اور ایک عام آدمی کی زندگی میں یہی فرق ہے کہ ایک عام آدمی جب مسجد سے اللہ تعالیٰ کی حضوری کا سبق لیتا ہے تو اسے وہیں چھوڑ کر باہر نکل جاتا ہے لیکن ایک عارف باللہ اس حضوری کے تصور کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیتا ہے چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو نظم آپ کے سامنے بار بار پڑھی جاتی ہے۔ اس میں یہ مصرع بہت ہی پیارا اور گہرا ہے جو ہر مصرعے کے بعد آتا ہے۔ **سبحان من یرانی، سبحان من یرانی** یعنی پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہی ہے اس دیکھنے کا مضمون بہت وسیع ہے۔ اس لئے میں نے اسے گہرا کہا ہے۔ پہلا حصہ یہ احساس ہے کہ میں خدا کی نظر میں ہوں۔ یہ احساس انسان کو ہر قسم کے گناہوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی مجرم اگر یہ معلوم کرلے کہ میں لازماً قانون کی نظر میں آرہا ہوں تو شاید ہی کوئی پاگل ہوگا جو جرم کرے گا۔ اور جب تک قانون کی آنکھ اسے دیکھتی ہے وہ جرم سے باز رہتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ انسان کیا اور انسان کی آنکھ کیا میرا بھی اس حیثیت سے کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ میری وجہ سے بعض لوگ بعض اخلاق کو اختیار کریں اور بعض بداخلاقیوں سے بچیں۔ اصل روح کو

ہمیشہ قائم رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی حضوری کا خیال دل میں پیدا کریں اور اگر مسجد میں پیدا نہیں ہوگا تو مسجد سے باہر بھی پیدا نہیں ہوگا۔ عارف باللہ مسجد میں حضوری کے تصور کے ساتھ بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے اس کی نماز میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اس کی نماز اسے بہت سے سبق دیتی ہے اور بالآخر اس کی نماز میں ایسی لذّت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ شخص جسے تجربہ نہ ہو وہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ نماز میں بھی کوئی لذت ہے۔ عام طور پر نمازی جو نماز باقاعدگی کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ نیکی کی ایک منزل تو بہر حال طے کر لیتے ہیں کہ انہیں احساس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا اس کا احترام کیا جائے اور جو فرض عائد فرمایا ہے اُسے میں پورا کروں لیکن وہاں نماز ختم نہیں ہوتی وہاں سے نماز شروع ہوتی ہے۔ نماز کو سمجھنا اس کے ساتھ گہرا ذاتی تعلق قائم کرنا، اس سے فوائد اُٹھانا تمام تر حضوری کے تصور پر منحصر ہے۔ جب یہ تصور آپ کے ذہن سے اُترا وہیں نماز کھوکھلی ہونی شروع ہو جائے گی وہیں یوں لگے گا جیسے نماز میں بجلی کی رو دوڑنی بند ہو گئی ہے جس طرح Display کے لفظ پھیکے پڑ جاتے ہیں اس طرح نماز میں آپ کے الفاظ بھی پھیکے پڑ جائیں گے، آپ کا دماغ ان کو سمجھ نہیں سکے گا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ پس حضوری کا تصور بہت ہی اہم ہے آپ کو جرائم سے بچاتا ہے آپ کو صحیح آداب سکھاتا ہے، آپ کو زندگی کا فلسفہ سمجھاتا ہے اور پھر وہی تصور ایک اور رنگ میں تبدیل ہو کر آپ کے لئے ایک اور جنت پیدا کر دیتا ہے۔

دوسرا مضمون من یرانی کا یہ ہے کہ مجھے پیار کی نظر سے دیکھ رہا ہے، تیسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ میری حفاظت فرما رہا ہے۔ جہاں میں جاتا ہوں میں نہیں جانتا کہ کون شر پسند ہے اور کون مفسد ایسا ہے جو بدارادے سے مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے مگر میں ہمیشہ خدا کی نظر کے حصار میں چل رہا ہوں اور خدا کی نظر کے حصار کو کون توڑ سکتا ہے۔ پس **سبحان من یرانی** میں یہ سارے مفاہیم داخل ہیں اور جب آپ اس شعر میں ڈوب کر اس کو پڑھیں یا اس میں ڈوب کر کسی اچھی آواز میں اس کو سُنیں تو اچھی آواز بھی نئے مطالب حاصل کرنے میں مدد کرتی ہے۔ اسی لئے اچھی آواز میں پڑھنا ضروری ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو بھی ترنم کے ساتھ پڑھا کرو اور سوز کے ساتھ پڑھا کرو ہے تو خدا کا کلام لیکن خدا کے کلام کو بھی پڑھنے میں فرق ہے۔ اس کو سرسری نظر سے پڑھنا اور بات ہے، بے دلی سے پڑھنا اور بات ہے، جان ڈال کر پڑھنا اور بات ہے اور پھر مترنم آواز

میں پڑھنا آپ کی اندرونی کیفیات کو جگا دیتا ہے آپ کے اندر تموّج پیدا کرتا ہے اور اس تموّج کے ساتھ قرآن کریم کے مطالب ہم آہنگ ہو کر پھر آپ کے لئے نئے نئے مضمونوں کے گُل کھلاتے ہیں، نئی روشنی عطا کرتے ہیں۔ تو نماز کا بھی یہی حال ہے۔ نماز کو اگر دل ڈال کر پڑھیں گے تو نماز کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کو اگر ترنم سے پڑھیں گے تو وہاں بھی یہی کیفیت ہوگی۔ حضرت مصلح موعودؓ جب نماز پڑھاتے تھے تو آپ کی آواز میں ترنم بھی تھا اور سوز بھی تھا اور پڑھنے والا آپ کے پیچھے جو نماز پڑھا کرتا تھا اسے صرف ظاہری روحانی لذت حاصل نہیں ہوتی تھی بلکہ نئے نئے مطالب اور عرفان اسے حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب حضورؓ لاہور تشریف لے گئے تو شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے اور وہیں نمازیں پڑھایا کرتے تھے ان دنوں میں جلسے کے ایام تھے اور غیر مبائعین کا جلسہ ہو رہا تھا تو ایک غیر مبائع دوست جو لاہوری جماعت کے رُکن تھے وہ دن کو تو جلسہ وہاں سُنا کرتے تھے لیکن مغرب اور عشاء کی نمازوں اور صبح کی نماز پر یہیں شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر پہنچا کرتے تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ یہ کیا حرکت کر رہے ہیں جلسہ وہاں سُنتے ہیں کھانا وہاں کھاتے ہیں اور نماز پڑھنے دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا سچی بات یہ ہے کہ کھانے کا مزہ لاہوریوں کے ہاں اور نماز کا مزہ ان کے ہاں ہے اور نماز کا جو مزہ مجھے میاں صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو میاں صاحب کہتے تھے) کے پیچھے ملتا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی وہاں نہیں ملتا۔ پس نماز کا مزہ حقیقت میں عرفان سے ملتا ہے اور ترنم اس کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ نماز میں جو بعض نمازیں اونچی آواز سے پڑھائی جاتی ہیں تو ان میں یہ بھی ایک فلسفہ ہے۔ اللہ اکبر کہنے میں بھی ترنم ہوتا ہے ویسے تو ہر نماز میں بھی ترنم کا کچھ حصہ پایا جاتا ہے لیکن کئی نمازیں ایسی ہیں جن میں ترنم کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کی بات ہو رہی تھی وہاں جب ایک آدمی کو ایک اچھی آواز میں کلام پڑھتے اور سُنتے ہیں تو محض کانوں تک مزہ نہ رہنے دیا کریں۔ اسے دل میں اُتارا کریں اسے دماغ میں رچایا بسایا کریں پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے نئے نئے مضمون آپ کے دل سے آپ کے دماغ سے خود بخود پھوٹیں گے۔ پس ''من یرانی'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ جسے میں دیکھتا ہوں تو وہ پھر مجھے دیکھتا ہے اور میں ہمیشہ اس خیال میں رہتا ہوں کہ مجھ سے کوئی حرکت ایسی نہ ہو جو خدا کے ادب کے خلاف ہو اور اس کے

نتیجے میں مَیں خدا کا پیار پاتا ہوں ،اس کی حفاظت میں آجاتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ جہاں بھی میں جاتا ہوں وہاں خدا کی نظر مجھ پر پیار سے بھی پڑ رہی ہے اور حفاظت کے لئے بھی پڑ رہی ہے۔ پس یہ وہ دیکھنے کا تصور ہے جسے نماز کے ساتھ گہرا تعلق ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے کا جو یہ راز سمجھایا اس کے ساتھ تمام آداب وابستہ ہیں۔ تفصیل سے میں ساری باتیں بیان کرسکوں یا نہ کرسکوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں ایک مرکزی تصور ہے جو ادب کی جان ہے اس کے گرد ہر چیز گھوم رہی ہے۔ ایک شخص نماز میں ایک پاؤں پر زیادہ بوجھ ڈالتا ہے ایک پاؤں ڈھیلا رکھتا ہے، ایک پاؤں سخت رکھتا ہے، ایک پاؤں ڈھیلا کر دیتا ہے، یا یوں کہنا چاہئے کہ گھٹنا اکڑا کر رکھتا ہے اور ایک گھٹنا ڈھیلا کر دیتا ہے کھڑے ہونے کی یہ طرز ایسی ہے کہ جس میں بے پرواہی پائی جاتی ہے۔ اگر کسی افسر کے سامنے کوئی جائے تو اس طرح کھڑا نہیں ہوسکتا کوئی سپاہی اپنے افسر کے سامنے اس طرح کھڑا ہو تو شاید اس کا کورٹ مارشل ہو جائے۔

نماز میں جب آپ بعض بچوں کو یا بڑوں کو اس طرح دیکھتے ہیں تو صاف مطلب ہے کہ ان کو خدا کی حضوری کا تصوّر نہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جو تفصیلی تعلیم دی ہے اس کا تمام تر اس حضوری سے تعلق ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک پاؤں پر بوجھ ڈال کر نہ کھڑے ہوں (بخاری کتاب الازان حدیث نمبر :۸۱۶) بلکہ سیدھے کھڑے ہوں اور رُشدی جیسے بد بخت ان باتوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسا مذہب ہے؟ چھوٹی چھوٹی تفصیل میں جاتا ہے حالانکہ جب تک یہ آداب سکھائے نہ جائیں آج بھی دنیا کی متمدن قومیں ان آداب کو خود نہیں سیکھ سکتیں جو ادب حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چودہ سو سال پہلے بتایا اور سکھایا جن قوموں کو وہ نہیں سکھایا گیا وہ آج بھی اسی طرح جاہل ہیں۔ تہذیب بہت آہستہ رفتار سے ترقی کرتی ہے لیکن الہام دماغوں کو اور دلوں کو اور طرز زندگی کو نئی روشنی بخشتا ہے اور اس روشنی سے استفادہ کرنا پھر قوموں کا کام ہے وہ اگر باہوش ہوں گی اور زندہ رہنے کی صلاحیت رکھیں گی تو اس روشنی میں لانا ضروری ہے ورنہ قومیں زندہ نہیں رہ سکتیں۔ پس یہ چھوٹی چھوٹی باتیں جنہیں بعض لوگ چھوٹی سمجھتے ہیں ایک بہت ہی گہرے مرکزی خیال سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ خیال بہت اہم ہے۔ وہ صرف نماز پر ہی نہیں زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ خدا کی حضوری کے تصوّر کے بغیر کوئی مذہبی قوم زندہ نہیں رہ سکتی لوگوں کو زندگی نہیں بخش سکتی۔

پس جب کہا جاتا ہے کہ سر پر ٹوپی پہنو تو اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ تمہیں یہ خیال رہے کہ تم کسی معزز بزرگ ہستی کے حضور حاضر ہو رہے ہو اور ٹوپی ایک ایسا عزّت کا نشان ہے جو تمہیں ھدیۃً عطا ہوا ہے خدا کا کرم ہے اور احسان ہے کہ اس نے تمہیں اپنے دربار میں آنے پر تمہیں عزت بخشی ہے۔ باقی تمام مسائل اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب آپ ان کی تفصیل سُنیں اور ان کو دیکھتے چلے جائیں تو ہر بار بات کی تان یہیں ٹوٹے گی کہ خدا کی حضوری کا تصور ہے۔ مثلاً جب نماز کا انتظار ہو رہا ہوتا ہے تو لوگ مسجد میں بیٹھے آپس میں باتیں شروع کر دیتے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

نماز کا انتظار بھی عبادت کا حصہ ہے۔ (مسلم کتاب الطہارۃ حدیث نمبر: ۳۶۹) قرآن کریم کی جو آیت میں نے پڑھی تھی اس میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ مساجد اللہ کے لئے ہیں۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا خدا کے سوا اور کسی کو نہ پُکارو۔ پس جب آپ مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو نماز سے پہلے ہی خدا کی حضوری میں داخل ہو چکے ہوتے ہیں اور خدا کی حضوری کا تصور آپ کی حرکات وسکنات پر اثر انداز ہونا چاہئے ورنہ وہ تصور ہے ہی نہیں پس وہاں آپ کو خاموش اور ادب سے بیٹھنا چاہئے اور پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ پس آنحضرت ﷺ اگر چہ ہمیشہ ذکر میں رہتے تھے مگر مسلمانوں کو ذکر کی تعلیم ہمیشہ یا بسا اوقات مسجد کے حوالے سے دی ہے کہ جب مسجد میں آؤ تو ذکر کیا کرو اللہ تعالیٰ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو۔ وہاں بے ہودہ حرکتیں کرنا دوڑنا پھرنا ایسی مجالس لگانا جن کا مساجد سے کوئی تعلق نہیں سب منع ہے دینی مجالس کا قیام آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے لیکن آپ نے مسجد میں شعروں کی مجالس منعقد کرنے سے منع فرمایا ہے بعض دفعہ لوگ بے احتیاطی میں دینی مشاعرہ کہہ کر مسجد میں مشاعرہ کر لیتے ہیں لیکن مشاعرہ مشاعرہ ہی ہے اور جب آنحضور ﷺ نے منع فرمایا ہے تو وہاں یہ تفریق نہیں کی کہ دینی مشاعرہ نہ کیا جائے بلکہ فرمایا کہ مسجدوں کو شعروں کی مجالس کے لئے استعمال نہ کرو۔ پس یہ سارے آداب ہیں جن کا اسی روح سے تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی خاطر مساجد قائم کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی کو مسجد میں بلند کرنا چاہئے۔

پھر بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ صفیں سیدھی نہیں ہوتیں اور بیچ میں فاصلے ہیں یہ بھی ایک

بے پرواہی کی علامت ہے خدا تعالیٰ کے حضور صف بندی سے حاضر ہونے کا حکم ہے جس کا مطلب ہے کہ نظم وضبط ہو پتا ہو کہ ایک ایسے عظیم وجود کے حضور حاضر ہوئے ہیں جس کے سامنے نظم وضبط کی ضرورت ہے۔ یہ بھی اس وجود کی حضوری کا تقاضا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ سپاہی اگر لائن میں کھڑے ہوں اور آپس میں فاصلے ہوں لائن ٹیڑھی ہو تو ایسے سپاہی کبھی کسی فوج میں قبول نہیں ہو سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سپاہی بنایا ہے تو روحانی سپاہی بنایا ہے دنیاوی سپاہی نہیں لیکن عملاً روحانی سپاہی بننے کے لئے بھی کم وبیش ویسے ہی اخلاق وآداب اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے دنیاوی سپاہی بننے کے لئے ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں مسلمانوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتا ہے صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصّف:۵) کہ یہ صف بندی سے میرے حضور حاضر رہتے ہیں گویا ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے سامنے جب حاضر ہونا ہے تو اپنے نظم وضبط کے ساتھ حاضر ہونا ہے اور اس نظم وضبط کا یہ تقاضا ہے کہ آپ صفیں بنائیں، سیدھی بنائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے ہوں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں امور سے متعلق واضح نصیحت فرمائی اور جیسا کہ آپ سمجھ سکتے ہیں اس کا تعلق حضوری سے ہے فرمایا کہ اگر تم خدا کے سامنے ٹیڑھی صفیں لے کر کھڑے ہو گے تو تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر:۶۵۴) دلوں کے ٹیڑھے ہونے کا ٹیڑھی صف سے کیا تعلق ہے؟ اس پر اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر دلوں میں کجی ہوگی تو آپ ٹیڑھی صف بنا کر کھڑے ہونگے۔ دلوں کی کجی بے ادبی اور بے پرواہی کی کجی ہے اور قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔

پس آنحضرت ﷺ نے یہی نقشہ کھینچا ہے۔ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ باہر سے دلوں کو جبراً ٹیڑھا کرے گا۔ مراد یہ ہے کہ تمہارا ٹیڑھی صفیں بنانا دل کی کسی کجی کی علامت ہے اور جیسا کہ خدا کا قانون ہے تمہاری جو چھپی ہوئی کجیاں ہیں اگر تم ان کو سیدھا نہیں کرو گے تو وہ ان کو نمایاں کر کے بڑھا کے تمہارے سامنے لے آئے گا۔ پس صف بندی اور سیدھی صف بنانا خدا تعالیٰ کی حضوری کی عظمت کے تقاضوں میں داخل ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں کندھے ملا کر کھڑے ہو ورنہ بیچ میں شیطان آجائے گا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر:۵۷۰) اب وہ شیطان کیا ہے؟ اس پر

اگر آپ غور کریں تو کئی قسم کے شیطان ہیں جو آ جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ قوم میں خلاء پیدا ہو جائے تو قوم کمزور ہو جاتی ہے اور جب آپس میں دوری بڑھے تو فتنہ پرداز ایسے موقع پر وساوس پھونکتے ہیں اور بھائیوں کو بھائیوں سے جُدا کرتے ہیں۔ پس نماز میں اکٹھے ہو جانا اور اخوت کی ایک ایسی مثال قائم کرنا کہ جس میں درمیان میں کوئی بھی رخنہ نہ ہو، کوئی بھی فاصلہ بیچ میں نہ ہو۔ اس کا بھی بالآخر دلوں سے تعلق ہے اور اوّل میں بھی دل سے ہی تعلق ہے۔ جب انسان کسی دوست سے ملتا ہے تو گلے کیوں ملتا ہے اس لئے کہ اس کے بدن کے ساتھ اپنا بدن لگانا چاہتا ہے۔ اپنے فاصلے کو کم کرنا چاہتا ہے۔ جتنا پیار ہو اتنا ہی زیادہ ایک دوسرے میں جذب ہونے کا تصور پیدا ہوتا ہے جیسا کہ میں نے ایک دفعہ پہلے بھی فارسی کا ایک شعر اسی موقع پر سنایا تھا۔

؎ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شُدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کہ میں تو ہو جاؤں تم میں ہو جائے۔ یعنی دو وجود نہ رہیں ایک ہی وجود بن جائیں۔ تم میری روح میری جان بن کر میرے دل میں سما جاؤ۔ میں تو ہو جاؤں اور تم میں ہو جاؤں۔ تا کہ پھر کبھی کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تم اور ہو۔

تو شاعر کے تصور شاعرانہ ہی ہیں لیکن ان کا گہرا حقیقتوں سے بھی تعلق ہوتا ہے۔ شاعر عشق میں مبتلا ہو کر نفسیات کے گہرے پانیوں میں غوطے مارتا ہے اور جتنا اچھا شاعر ہو گا وہ تبھی اچھا شاعر ہو گا کہ وہ سچائی میں ڈوب کر وہاں سے کوئی نیا موتی لے کر آتا ہے۔ تو میرا تُو ہو جانا اور تیرا میں ہو جانا اور یہ تصور کہ بدن ایک ہو جائے اور تم روح بن کر میرے جسم میں سما جاؤ اور میں روح بن کر تمہارے جسم میں سما جاؤں اس کا انسانی فطرت سے ایک گہرا تعلق ہے۔ پس اگر بھائی پیارا ہے، اگر مسلمان اخوۃ ہیں اور آپس میں محبت ہے تو پھر فاصلے پر کیوں کھڑے ہوں گے۔ انہیں اکٹھے ہو کر کھڑے ہونا چاہئے۔ اور خدا کی حضوری کا اس کا ساتھ یہ تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ دکھایا جائے کہ جس طرح تو ایک ہے ہم بھی تیری خاطر ایک ہو چکے ہیں۔ ہمارے درمیان کوئی فاصلے نہیں رہے۔

یہ ایک بہت ہی پیارا اظہار محبت ہے جو ایک ادب میں ڈھلتا ہے اور خدا کے حضور ایک بہت ہی حسین تصور پیش کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ دلوں میں فاصلے بڑھیں گے اور دشمنیاں پیدا ہونگی اور یہی مراد شیطان کے داخل ہونے سے ہے۔

پھر تکبر کا شیطان بھی داخل ہوتا ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ خدا کے حضور ایک دوسرے کے ساتھ اس لئے ملو کہ وہ تم سے اتنا بلند ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے تمہارے درمیان کوئی فرق ہی نہیں رہا۔ اس مضمون کو اسلامی معاشرے کے قیام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد جو انسانی فاصلے ہیں وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے جتنی دور کوئی چیز ہو اتنا ہی نزدیک کے فاصلے بے حقیقت ہوتے جاتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ سمندر کی مدو جزر میں چاند تو اثر انداز ہوتا ہے لیکن سورج نہیں ہوتا حالانکہ سورج بہ نسبت چاند کے سمندر کے اوپر زیادہ اثر پیدا کر رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ چاند کو وہ رفعت حاصل نہیں ہے اور چاند اتنا قریب ہے کہ اس کے مقابل پر سمندر کے اوپر کے پانی کا زمین سے فاصلہ سمندر کے نیچے کے پانی زمین کے فاصلے کے مقابل پر ایک ایسا فاصلہ ہے جو ایک اہمیت رکھتا ہے ایک اکائی رکھتا ہے۔ پس چاند سمندر کی سطح پر اور طرح اثر دکھا رہا ہے اور سمندر کی تہ میں جو پانی لگا ہوا ہے اس پر نسبتاً کمزور اثر دکھا رہا ہے اور یہ فاصلے ایک اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ مگر سورج اتنا بلند ہے کہ اس کے مقابلے پر یہ تھوڑے سے فاصلے کے فرق بالکل مٹ جاتے ہیں کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔ آپ جتنی بلندی سے نیچے دیکھیں گے اتنا ہی یہ فاصلے مٹتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ تھوڑی بلندی سے دیکھیں تو انسان اور موٹر کے درمیان، درخت گھوڑے اور انسان کے درمیان فرق۔ درخت اور انسان کے درمیان نمایاں فرق دکھائی دیتے ہیں۔ اونچی عمارات اور چھوٹی عمارات اور انسانوں کے قدوں کے درمیان فرق دکھائی دیتے ہیں لیکن تیس ۳۰ چالیس ۴۰ ہزار کی بلندی پر چلے جائیں اگر نظر آئے تو سب ہموار دکھائی دیں گے۔ کوئی فاصلہ کوئی فرق دکھائی نہیں دے گا۔

پس یہ بھی حضوری کے ساتھ تعلق رکھنے والا مضمون ہے۔ اگر آپ خدا کے حضور حاضر ہو کر نماز ادا کر رہے ہیں تو آپس کے فاصلے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کو **ربی الا علی** کہہ رہے ہیں تو اس کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ فلاں مقام پر ہیں اور آپ کا بھائی فلاں مقام پر ہے اور دنیا

میں جو آپ کا فاصلہ ہے وہ خدا کے حضور بھی اسی طرح دکھائی دینا چاہئے۔اس لئے ان فاصلوں کو مٹانا ادب سے گہرا تعلق رکھتا ہے ورنہ تکبر کا شیطان داخل ہوگا۔ایک غریب آدمی پاس آ کر کھڑا ہوتا ہے اور کوئی اس خیال سے کہ میرے کپڑے صاف ہیں اس کے کپڑے گندے ہیں ایک طرف سمٹ جاتا ہے تو لازماً وہ متکبر ہے اور کسی متکبر کی نماز قبول نہیں ہوسکتی۔وہ خدا کے سامنے ایک الگ دربار بنا رہا ہے۔اگر خدا کی حضوری کا تصور ہو تو وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی۔خواہ کیسا ہی گندہ کوئی شخص کیوں نہ ہو اگر وہ نماز میں آ کر ساتھ کھڑا ہو گیا ہے تو لازماً اس کے ساتھ جُڑنا پڑے گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک آدمی گندی حالت میں بھی نماز میں جایا کرے۔یہ اس کا قصور ہے جو اپنی جگہ ہے کیونکہ ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ جو کچھ صاف ستھرا میسر ہے وہ پہن کر جاؤ۔سر پر ٹوپی پہننا یہ بھی ادب کا تقاضا ہے کپڑوں کو صاف رکھنا بھی ادب کا تقاضا ہے اور جن کو نماز میں یا مسجد میں اس ادب کی عادت ہو وہ پھر مسجد سے باہر بھی ایسے ہی رہتے ہیں۔حضرت محمد مصطفی ﷺ کے متعلق کثرت سے یہ روایت ملتی ہے کہ سادگی تھی لیکن صفائی بھی بہت تھی،نظافت تھی،بدن بھی پاک رہتا تھا، کپڑے بھی صاف اور پاک رہتے تھے اور آجکل بزرگی کا جاہلانہ تصور یہ ہے کہ کپڑے میلے ہوں۔گویا ہمیں دنیا کی پرواہ ہی نہیں ہم دنیا سے بے نیاز ہو چکے ہیں،خدا میں ڈوبے ہوئے ہیں حالانکہ پاک چیز میں ڈوبنے کے لئے پاک ہونا ضروری ہے۔پس گندگی کا نیکی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔بعض ایسے معاشرتی پس منظر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے بعض عادتیں بگڑ جاتی ہیں وہ الگ مسئلہ ہے لیکن ایک انسان جس کو حضوری کا تصور ہو وہ ہمیشہ صاف ستھرا ہو کر مسجد میں جائے گا اور وضو بھی یہی سکھاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف :۳۲) کہ مسجدوں میں جایا کرو تو اپنی زینتیں لے کر جایا کرو۔زینت کا ایک مطلب تو ہمیشہ میں بیان کرتا ہوں کہ تقویٰ ہے کیونکہ لباس کے تعلق میں بھی خدا تعالیٰ نے تقویٰ کے پہلو سے جواب دیا ہے۔فرماتا ہے: لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: ۲۷) لباس کے متعلق تم سوچتے ہو کہ کونسا اسلامی، کونسا غیر اسلامی کونسا مناسب، کونسا غیر مناسب تو ہمیشہ یاد رکھو کہ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۔تمہیں تقویٰ کا لباس پہننا چاہئے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لباس میں تقویٰ کے خلاف کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے۔پس ایسی زینت جو تکبر پر منتج ہو جائے مثلاً اس شان کا لباس جو نماز میں حائل ہو۔یہ بھی تقویٰ کا لباس

نہیں کہلائے گا۔ چنانچہ اس کی روشنی میں آنحضورﷺ نے فرمایا کہ نماز میں اپنے لباس نہ درست کیا کرو۔ (بخاری کتاب الصلوۃ حدیث نمبر: ۷۶۷) اگر تم اس خیال سے اپنے لباس ٹھیک کرو گے کہ پتلون کی کریز نہ خراب ہو جائے۔ یا کسی کروٹ پر بیٹھنے سے شلوار کی کریز خراب نہ ہو جائے تو تمہارا لباس لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ نہیں رہے گا۔ تم خدا کے حضور حاضر ہوئے ہو اور خدا کے حضور حاضر ہو کر ایسی حرکتیں کرنا جس سے تمہیں اپنے دکھاوے کا خیال رہے یہ لباس کی نظافت کی روح کے خلاف ہے ۔پس دیکھیں بظاہر دو متضاد چیزیں ہیں لیکن متضاد نہیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ ایک طرف فرمایا اچھا صاف ستھرا لباس لے کر جایا کرو لیکن دوسری طرف تقویٰ کا لباس بھی فرما دیا اور تقویٰ کے لباس میں یہ معنے آ گئے کہ تمہارا ظاہری طور پر نفیس اور ستھرے لباس میں ملبوس ہونا اچھی بات ہے مسجد میں جاؤ تو یہ زینت بھی لے کر جاؤ لیکن یاد رکھنا کہ اگر تمہاری زینت تقویٰ کے خلاف ہوگی تو ایک بالا اصول پر تم ایک چھوٹے اصول کو قربان کر رہے ہو گے اس خیال سے کہ میرے کپڑے کی کریز خراب نہ ہو، ان میں بل نہ پڑ جائیں اگر تم خدا کی حضوری کو نظر انداز کر دو گے تو تقویٰ پھٹ جائے گا اور تم ایک پھٹے ہوئے کپڑے میں خدا کے سامنے ہو گے۔ پس لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ ہمیں بتاتا ہے کہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ پر اس آیت کریمہ کا بھی اثر ہے۔

اور زینت کے مضمون میں یاد رکھیں کہ زینت سے مراد ظاہری طور پر یہ ہوگی کہ ایسا لباس ہو جو آپ کے لحاظ سے زینت ہے۔ ایک غریب آدمی کی زینت بھی تو ہوا کرتی ہے اگر اسے کسی بڑے آدمی کے سامنے حاضر ہونا ہو اور پھٹے ہوئے کپڑے بھی ہوں اور ان کو بھی اگر وہ ٹھیک کر کے یا گھر میں بیٹھ کر سی کر یا خود گھر میں ہی دھو کر پہنتا ہے تو اس پر کوئی حرف نہیں، اس کی زینت کامل ہے۔ چنانچہ صرف زینت نہیں فرمایا۔ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ فرمایا ہے جو تمہارے پاس اچھی چیز ہے وہ پہنا کرو اور اس لحاظ سے بھی امیر اور غریب کو برابر کر دیا دونوں کے ساتھ یکساں حسن سلوک ہے۔ ایک آدمی کہہ سکتا ہے میرے پاس یہی زینت ہے میں یہی لے کر جاتا ہوں۔ اللہ کہے گا ٹھیک ہے تمہاری یہی زینت قبول ہے۔ ایک امیر آدمی کے پاس زیادہ اچھی زینت کے کپڑے ہیں وہ انہیں پہنے گا لیکن اگر اس میں تکبر آ جائے گا تو وہ زینت نہیں رہے گی۔ اگر وہ کپڑے اس کی عبادت میں مُخل ہوں گے تو پھر وہ زینت نہیں رہے گی۔ پس زینت لے کر جانا ضروری ہے اور اپنی توفیق کے مطابق زینت لے

جانا ضروری ہے۔

کپڑوں کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مجھے یاد ہے جب ہم جامعہ احمدیہ میں پڑھا کرتے تھے تو اس وقت اندازہ ہوا کہ بعض غرباء کی کیا حالت ہے اور ان کے لئے ایک معمولی چھوٹا سا کپڑا بھی کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ میرے ایک بھائی نے مجھے اپنی طرف سے ایک لطیفہ سُنایا مگر ویسے بڑی دردناک بات ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سخت سردی میں ایک لڑکا بالکل ننگا باہر کھڑا تھا۔ چھوٹا سا بچہ تھا۔ سر پر ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ اتنی سردی میں تم بغیر لباس کے باہر آ گئے ہو تو ہنس کر کہنے لگا۔ ''اے ٹوپی جو پائی ہوئی اے۔'' کہ دیکھ نہیں رہے میں نے ٹوپی پہنی ہوئی ہے۔ اب اُس بیچارے کی یہی زینت تھی اور لباس بھی وہی تھا اور اس کو اہمیت دے رہا تھا اور اس پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا اور پوچھنے والے پر ہنس رہا تھا کہ تمہیں نظر نہیں آتا کہ میں ننگا نہیں ہوں میرے سر پر ٹوپی ہے تو خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ نے ہمیں یہ سبق دیا کہ جو کچھ میسر ہے وہ لے کر خدا کے حضور حاضر ہوا کرو۔ لیکن اچھی چیز صاف ستھری چیز لے کر جایا کرو اور تقویٰ کے لباس سے تمہارے لباس کا ٹکراؤ نہ ہو ورنہ تم ننگے ہو جاؤ گے اور تقویٰ کے لباس کے بغیر خواہ کچھ بھی اوڑھا ہو گا تم خدا کے سامنے گویا ننگے بدن ہو گے۔

حضرت آدمؑ کے متعلق جو پتوں سے تن ڈھانپنے کا ذکر ملتا ہے وہ یہی مضمون ہے۔ دراصل استغفار سے وہ اپنے بدن کو ڈھانپ رہے تھے۔ جاہل سمجھتے ہیں کہ ننگے ہو رہے تھے اور پتوں سے ڈھانپ رہے تھے۔ خدا کو پتوں کے پیچھے نظر نہیں آتا تھا؟ کیسی جاہلانہ بات ہے۔ اپنے دل کی جہالت حضرت آدمؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ استغفار تھا اور اس کی کوشش کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس سے حُسن سلوک کیا۔ اسے معاف فرما دیا۔ یہ تو نہیں کہا کہ ہم نے اسے جوڑا دے دیا کہ اچھا یہ پہن لو۔ کوئی بات نہیں پتوں میں کیوں چُھپتے ہو تو یہ مضمون روحانی کلام کی اصطلاحوں میں ہیں اور روحانی اصطلاحوں کو سمجھ کر ہی ان کے مضامین سمجھ آتے ہیں پس جو بھی مسجد میں آئے بچہ ہو یا بڑا ہو اس کو صاف ستھرا لباس لے کر آنا چاہئے۔

اسی طرح میں نے ذکر کیا تھا کہ نظافت کے ساتھ نماز کا تعلق ہے۔ آپ کو یہ حکم ضرور ہے کہ خواہ کوئی بُرے ڈکار لے رہا ہو، خواہ وہ اچھے ڈکار لے رہا ہو یا نہ لے رہا ہو اس سے الگ کھڑے

نہیں ہونا اور آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ تم ہم پر گندے ڈکار نہ پھینکا کرو لیکن اس کے باوجود ساتھ جُڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اپنی جگہ قائم رہا۔ تو یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے اندر صفائی کا جذبہ نہ رہے۔ اس جذبے کے باوجود خدا کے احترام کا جذبہ اتنا غالب ہو کہ اپنی طبعی نفاستوں اور نظافتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے خدا کے ادب کے تقاضوں کو اپنے سر پہ ہمیشہ قائم رکھیں اور انہی کے حقوق اس وقت ادا کیا کریں۔ پس خدا کی خاطر بعض دفعہ بد بو بھی سونگھنی پڑتی ہے۔ بعض اور بے ہودہ حرکتیں مسجد میں ہو جاتی ہیں وہ بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں یعنی ایسی حرکتیں ہوتی ہیں کہ غصہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے مگر اس کے باوجود مل جُل کر بیٹھنا جس کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ جُڑ کر کھڑے ہونا۔

اس ضمن میں ایک اور بات آپ کے سامنے رکھنی ضروری ہے مجھے یاد ہے کہ بعض دفعہ قادیان میں بھی اور ربوہ میں بھی اس خیال سے کہ اگر اکیلا ہو تو جماعت نہیں ہوتی ایسا شخص جو نماز میں دیر سے آتا تھا اور اگلی صف مکمل ہو جاتی تھی وہ آگے سے ایک آدمی کو گھسیٹ کر پیچھے کر لیتا تھا اور اپنی نماز باجماعت بنانے کی خاطر اس کو اپنے ساتھ کھڑا کرتا تھا اور کئی بزرگوں کو بھی میں نے دیکھا کہ ان کی تائید اس کو حاصل تھی۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے میرے علم میں نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہو۔ میں سمجھتا ہو کہ یہ استنباط کیا گیا ہے لیکن میں نے بہر حال علماء کو متوجہ کیا ہے اور ربوہ میں تو ہمارے بزرگ علماء اس وقت براہ راست میری یہ بات سُن رہے ہیں وہ یہ نوٹ کر لیں اور تلاش کریں کہ کیا واقعۃً حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ تم اپنی نماز باجماعت بنانے کی خاطر باجماعت نماز میں خلل پیدا کر دیا کرو۔ میں نہیں مان سکتا اگر مل گئی تو سر تسلیم خم کرنا ہوگا پھر میری سوچ یقیناً غلط ہے لیکن مجھے یہ خیال ہے کہ غالباً ایسا نہیں ہوگا کیونکہ ایک شخص کی باجماعت نماز بنانے کی خاطر پوری صف پر اثر پڑتا ہے اور خلل واقع ہو جاتا ہے اور یہ حکم یقیناً بہت زیادہ واضح اور غالب اور قوی ہے کہ درمیان میں فاصلے نہ ہوں۔ اگر آپ آگے سے گھسیٹ کر کسی کو پیچھے کرتے ہیں تو ایک فاصلہ پیدا کرتے ہیں پس اگر دو باتوں میں تضاد دکھائی دے تو یقیناً ایک حدیث ضعیف ہو گی سوائے اس کے کہ کوئی دلوں کو اور عقلوں کو بھی مطمئن کرنے والا حل بھی ساتھ تجویز کیا جائے۔ پس اور باتوں کو چھوڑیئے۔ صرف میرے نفس کی بات نہیں کوئی حدیث یہ پیغام دیتی ہے اگر حدیث پر مبنی بات ہے تو اس میں ممکن ہے کوئی فرق ہو کوئی ضعیف بات ہو، کسی نے اپنے خیال کو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیا ہو لیکن دل نہیں مانتا کہ ایک انسان اپنی نماز کو باجماعت بنانے کی خاطر صف میں خلل پیدا کر دے۔

جب ایسا واقعہ ہوتا تھا تو ہر شخص کو پھر سرکنا پڑتا تھا اور تھوڑا تھوڑا اقدم کر کے آپس میں سمٹتے تھے اور ایک شخص کے متحرک ہونے سے ساری صف اس طرح متحرک ہو جاتی تھی جس طرح اینٹوں کی قطاروں کی کھیل ہوتی ہے۔ بچے اینٹیں کھڑی کر دیا کرتے تھے اور ایک اینٹ پھینکو تو دوسری پر گرتی، دوسری تیسری پر گرتی اور اس طرح وہ گرتی چلی جاتی تھیں حالانکہ ایک اور حدیث میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ نمازی کے آگے سے بھی نہیں گزرنا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر: ۴۸۰) وہ اپنی جگہ کھڑا ہے اور آپ کا بدن اس سے مَس نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود سامنے سے گزرنے کی اجازت نہیں بعض حدیثوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر اتنے دن بھی کھڑا ہونا پڑے یعنی اس بات کی اہمیت کو واضح کرنے کی خاطر فرمایا کہ اگر اتنے دن بھی کھڑا ہونا پڑے تب بھی تم نے آگے سے نہیں گزرنا۔ مراد یہ ہے کہ ایک سجدہ کا جو فاصلہ ہے وہ نمازی کا اپنا حق ہے اس کی سرزمین ہے اس کے اور خدا کے درمیان اس زمین میں کسی کو حائل ہونے کا حق نہیں ہے۔ بہت ہی پیارا اور بڑا گہرا پُر معانی حکم ہے۔ اب ایک طرف تو نمازی کی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ قائم رکھنے کے لئے یہ ارشاد ہوا اور دوسری طرف ہر آنے والا جب صفوں کو مکمل دیکھے تو ساری صفوں میں خلل پیدا کر دے اور توجہ کو بکھرا دے۔ میرا دل تو یہ نہیں مانتا مگر میرے دل کی بات کیا ہے اگر آنحضرت ﷺ کا قطعی حکم ایسا مل جائے جو حدیثوں کے اس ظاہری تضاد کو بھی دور کر دے تو لازماً سر تسلیم خم ہوگا لیکن جب تک یہ ثبوت نہ مل جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں احتیاط کرنی چاہئے اور نمازی کی خدا کی طرف توجہ میں کسی صورت میں بھی خلل پیدا نہیں کرنا چاہئے۔ تبھی مسجد میں سرگوشیاں بھی منع ہیں اور کئی قسم کی حرکات جیسے بچے کرتے ہیں کہ دوڑنے پھرنے لگ گئے کھیلنے کودنے لگ گئے یہ تمام آداب مساجد کے خلاف ہیں۔

آداب مساجد کے سلسلہ میں یہ بات آپ اچھی طرح یاد رکھیں کہ ہمارا سارا نظام زندگی آداب مساجد سے متاثر ہوتا ہے۔ باجماعت نماز میں جو زور ہے اس میں یہ بہت بڑی حکمت ہے۔ کیونکہ تمام اسلامی معاشرے اور نظم و ضبط کی تصویر ہے جو باجماعت نماز میں کھینچی جاتی ہے۔ پس آداب مساجد کے ساتھ باجماعت نماز کے بھی کچھ آداب ہیں ان کو بھی آپ کو پیش نظر رکھنا

چاہیے۔ اُن میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ جب امام تلاوت کر رہا ہو تو جو نمازی پیچھے کھڑے ہوں وہ پیچھے پیچھے ایسی آواز میں تلاوت نہ کیا کریں (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر: ۷۰۲) کہ جس کے نتیجہ میں امام کے اوپر بھی اثر پڑتا ہے اور اس کی تلاوت اور توجہ میں خلل واقع ہوتا ہو چنانچہ اسی پر فقہا نے یہ مسئلہ بنایا ہے کہ جن نمازوں میں اونچی قرأت ہے وہاں نمازیوں کو خاموشی سے سُننا چاہئے لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے احکام ہیں جن کا اجتماعی زندگی سے تعلق ہے، اجتماعیت سے تعلق ہے مثلاً اگر نماز میں امام غلطی کرتا ہے تو نمازی کا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی نماز میں اس غلطی کی اصلاح خود کر لے بہت ہی اہم اور گہرا حکم ہے اس میں امام کی اطاعت کا ایک بہت گہرا اور قوموں کو زندہ رکھنے والا راز بیان فرمایا گیا ہے۔ امام تمہارا لیڈر بنایا گیا ہے اس کے پیچھے تم نے چلنا ہے۔ وہ خدا کے حضور حاضر ہے، خدا کے ادب کے تقاضے پورے کر رہا ہے اور اس سے کوئی بشری غلطی ہو جاتی ہے تو اگر کوئی انسان اس بشری غلطی پر اس سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے تو امام سے ہی نہیں خدا سے بھی اپنا تعلق توڑتا ہے کیونکہ جس کو امام بنا لیا جائے وہ خدا کے حضور تمہاری نمائندگی کر رہا ہے، اس لئے بظاہر یہ عجیب بات ہے کہ غلطی کا پتا ہے پھر بھی کر رہے ہیں لیکن یہی حکم ہے اور اتنا واضح ہے کہ تمام عالم اسلام میں فقہی اختلافات کے باوجود اس بارے میں ایک ذرہ بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا سُنی، شیعہ سارے اس بات پر متفق ہیں کہ اگر امام سے غلطی ہو جائے اور امام غلطی درست نہ کرے تو تمام مقتدیوں کا کام ہے کہ بلا چوں و چرا اس غلطی میں اس کی متابعت کریں۔ اس موقع پر اس کو کیا کہنا چاہئے کس طرح کہنا چاہئے، اس کے متعلق فرمایا **سبحان اللہ** پڑھو اب یہ **سبحان اللہ** پڑھنا خود ایک بہت ہی گہرا عارفانہ حکم ہے۔ جس پر غور کریں تو طبیعت عش عش کر اُٹھتی ہے۔ **سبحان اللہ** کا مطلب ہے صرف اللہ غلطی سے پاک ہے۔ ایک طرف امام کو یہ پیغام مل گیا کہ اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ یہ بتایا گیا کہ ہم تمہاری غلطی تو سمجھ گئے ہیں لیکن تمہیں نیچی نظر سے نہیں دیکھ رہے۔ ہم تمہیں کسی لحاظ سے بھی تخفیف کی نظر سے نہیں دیکھ رہے۔ ہمیں یہ تربیت دی گئی ہے کہ صرف خدا ہے جو غلطی سے پاک ہے۔ پس کتنے ادب اور احترام کے ساتھ ایک غلطی کرنے والے امام کی غلطی کی طرف اُسے متوجہ فرمایا گیا ہے اور دوسرا پیغام **سبحان اللہ** خود اس انسان کو دیتا ہے جس نے غلطی پکڑی ہے اور اس میں دو پیغام ہیں۔ ایک یہ کہ تم سمجھتے ہو کہ اس نے غلطی کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو۔ اس

احتمال کو نظر انداز نہ کرنا کیونکہ صرف اللہ غلطی سے پاک ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ میں بھی بعض دفعہ نماز میں بھولتا ہوں تو بعض مجھ سے زیادہ بھولنے والے مجھے غلط یاد کرا دیتے ہیں اور اس جگہ **سبحان اللہ** کہتے ہیں جہاں **سبحان اللہ** تو ہے ہی لیکن میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہوتی پھر بعد میں میں ان کو سمجھاتا ہوں کہ دیکھیں۔ **سبحان اللہ** کیسا پیارا کلام ہے۔ غلطی کی اصلاح کا کیسا پیارا انداز ہے پڑھنے والے انسان کو بھی اس **سبحان اللہ** سے یہ پیغام ملتا ہے کہ تم اصرار نہ کرنا کہ تم ضرور درست ہو۔ تم سے بھی غلطی ہوسکتی ہے اور دوسرا پیغام یہ ہے کہ تم بھی تو غلطی کے پُتلے ہو۔ اگر اس سے ہوگئی تو کیا فرق پڑتا ہے یعنی سچ مچ کی غلطی ہو تب بھی انکساری کا پیغام ہے اور پہلی بات کا ثبوت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے تم غلط ہو کہ جب امام درستی نہ کرے تو اس وقت الگ ہونے کا حکم نہیں ہے۔ ایسے شخص کا فرض ہے کہ بغیر مزید شور مچائے وہ اس کی متابعت کرے۔ چنانچہ بعض دفعہ نماز میں جو عجیب سی حرکتیں ہوتی ہیں ان کی اصلاح کے لئے میں یہ تفصیل بیان کر رہا ہوں۔ کسی امام سے غلطی ہوئی ہے تو ایک صاحب **سبحان اللہ**، **سبحان اللہ** کہے جاتے ہیں حالانکہ صرف اشارہ کافی ہے وہ بھی نرم زبان میں۔ جو قریب ہے پہلے اس کا فرض ہے اور اگر اس کے دور کے آدمی نے غلطی پکڑی ہے تو وہ وہاں سے **سبحان اللہ** کہے لیکن تشدد کے معنی میں نہیں جیسے چوٹ مار کر کوئی کہتا ہے بلکہ عجز کے ساتھ انکسار کے ساتھ، اپنے مقام کو پہچانتے ہوئے **سبحان اللہ** سے اُسے یاد کروائے کہ آپ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔

اگر غلطی ہو جائے تو بعد میں کیا ہونا ہے؟ اس سلسلے میں مُجھ سے لندن میں ایک سوال کیا گیا تھا۔ ایک بچی نے سوال کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا جواب آپ کے سامنے بھی آنا چاہئے انہوں نے کہا کہ ایک امام سے غلطی ہو جاتی ہے تو وہ سجدہ سہو کرے گا۔ اس میں دو باتیں ہیں کہ اس کے سجدہ سہو میں کچھ لوگ تو ہیں جو اس کے ساتھ شروع میں شامل تھے وہ تو سجدہ سہو میں شامل ہو جائیں گے لیکن جو بعد میں آئے اور انہوں نے اپنی نماز جاری رکھی ہے اُن کے لئے کیا حُکم ہے؟ ان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اس وقت بھی امام کی متابعت سے نہیں نکلے اور جب امام سجدہ میں جاتا ہے تو وہ نماز کی کسی بھی حالت میں ہوں خواہ وہ قیام کی حالت میں ہوں خواہ وہ رکوع کی حالت میں ہوں اپنی الگ نماز پڑھ رہے ہیں لیکن امام کی متابعت میں وہ سجدہ ضرور کریں گے۔ ایک تو یہ بات یاد رکھئے۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے کہا کہ اگر مقتدی سے کوئی غلطی ہو جائے تو میں اپنے دو سجدے کروں

گی؟ اس کا جواب ہے ہرگز نہیں۔ تمہاری غلطیاں امام کے تابع خدا کی حفاظت میں آجاتی ہیں۔ جب جماعت کے طور پر نماز پڑھ رہے ہو تو وہاں جماعت کا حکم لگے گا اور انفرادیت غائب ہو جاتی ہے جہاں امام کے فارغ ہو جانے کے بعد جو باقی رکعتیں ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہے تو اس میں سجدہ سہو کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایسی نماز ہے جو ایک لحاظ سے امام کے تابع ہے اور ایک حصہ اُس کا امام کے بعد شروع ہوتا ہے۔ پس اس حصے پر جہاں امام اثر انداز ہوگا وہاں مقتدی ضرور اثر انداز ہوگا یعنی سجدہ سہو وہ کرتا ہے تو آپ کو بھی کرنا پڑے گا لیکن جس حصے پر امام اثر انداز نہیں ہو رہا اور آپ غلطی کر رہے ہیں وہاں آپ کو اس غلطی کا سجدہ سہوا لگ کرنا چاہئے۔

عورتوں کے لئے جو حکم ہے کہ وہ **سبحان اللہ** نہیں کہیں گی بلکہ تالی بجائیں گی۔ میں اس سلسلے میں پہلے کئی دفعہ بتا چکا ہوں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ عبادت میں خلل واقع نہ ہو۔ خدا کی حضوری کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو جائے۔ پس عورتوں کے لئے اور مردوں کے لئے نمازوں میں علیحدگی کا جو حکم ہے اس پر بھی حضوری اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر خدا کے حضور حاضر ہو رہے ہیں تو کوئی دنیاوی رشتے اور دنیاوی کششیں اس خدا کے حضور حاضر ہونے کے احترام میں دخل انداز نہیں ہونی چاہئیں۔ اگر ایک عورت آپ کے ساتھ کھڑی ہے یعنی عموماً نمازوں میں ایک طرف عورت کھڑی ہے اور دوسری طرف مرد ساتھ کھڑا ہے تو عورتوں کے اپنے انداز ہیں۔ ان میں کششوں کی بھی مختلف کیفیتیں ہیں۔ ہر انسان تو ایک جیسا نہیں ہوتا اس لئے بالکل بعید نہیں کہ وہ لوگ جن کے نفسوں میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ کوئی آزمائش میں مبتلا ہو جائے اور ساتھ کھڑی ہوئی عورت کا احساس اس کی عبادت میں مخل ہو اور وہ خدا تعالیٰ کی حضوری کا تصور چھوڑ کر اس عورت کی حضوری کے تصور میں نماز پڑھتا چلا جائے اس لئے عورت آواز دیتی ہے تو اس کی آواز میں بھی ایک خاص کشش ہوتی ہے اور بعض دفعہ پہچانی بھی جاتی ہے کہ کون ہے۔ پس اس لئے تالی کی آواز تو ایک ایسی آواز ہے کہ جس میں کوئی انفرادیت نہیں۔ ہر تالی تالی ہی ہے۔ پس امام کو صرف یہ پتا لگ جائے کہ کچھ ہوا ہے اور پھر وہ سوچے اور اس کے نتیجہ میں جو کوئی باقی احکامات ہیں وہ جاری ہوں۔ پس آنحضرت ﷺ نے ہر موقع کے لئے بڑی تفصیلی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ ان نصیحتوں پر عمل کرنے سے ہماری عبادتیں سج جائیں گی۔ ان میں خلا نہیں رہے گا ان میں خدا تعالیٰ کے تصور کی اہمیت دن بدن نمایاں ہوتی چلی

جائے گی اور وہ تصور ہماری زندگی پر غالب آتا چلا جائے گا۔

بعض اور احکامات اسی سے تعلق رکھنے والے ہیں (میں کچھ حدیثیں نقل کر کے ساتھ لایا تھا اگر کوئی بات میرے بیان سے رہ گئی ہو تو میں دیکھتا ہوں شاید ان میں ذکر مل جائے) ہاں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسجدوں میں خرید وفروخت کی بات کوئی نہیں کرنی (ترمذی کتاب الصلوۃ حدیث نمبر:۲۹۶) صرف خدا سے سودے ہیں انسانوں سے سودے یہاں بند ہو جانے چاہئیں۔ مسجد کو ہر قسم کی گندگی سے پاک اور صاف رکھنا چاہئے اسی لئے حکم ہے کہ عورتیں جب اُن کے ایام ہوں احتیاط کریں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ کوئی قطرہ خون مسجد پر لگ جائے یا گندگی گر جائے اس لئے ان کو فرمایا گیا ان دنوں میں مسجد نہ آئیں۔ مسجد کی صفائی کے متعلق اتنی اہمیت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ (البقرہ:۱۲۶) میرے گھر کو تم دونوں مل کر صاف رکھا کرو اس طرح مسجد کی صفائی کو اتنی اہمیت دی کہ وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا اور آئندہ نسلوں کے لئے امام بنائے گئے تھے ان کو اور حضرت اسماعیلؑ جو نبی اللہ تھے فرمایا کہ آنے والوں کے خیال سے، عبادت کرنے والے، اعتکاف بیٹھنے والے اور مسجد کا طواف کی غرض سے آنے والوں کے لئے تم دونوں اس مسجد کو صاف کیا کرو۔ آنحضرت ﷺ کو بھی مسجد کی صفائی سے بہت پیار تھا اور بڑی محبت کی نظر سے ان لوگوں کو دیکھتے تھے جو مسجد کی صفائی کیا کرتے تھے۔ ایک واقعہ ہے آپ کو اندازہ ہوگا۔ ایک ایسی خاتون جس کی سوسائٹی میں کوئی قدر نہ ہو۔ وہ عام لونڈی ہو اور اپنی ظاہری شکل وصورت میں یا مالی لحاظ سے ایسی غربت میں ہو کہ اُس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو اس کے لئے مسجد کی صفائی میں ہی عزت ہے۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتی تو مسجدیں ہی صاف کرے اور اس سے اُس کو کتنی عزت مل سکتی ہے اس کا خیال میں آپ کو بتاتا ہوں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ میں ایک ایسی عورت جو دنیا کی نظر میں قابل قدر نہیں تھی وہ مسجد صاف کیا کرتی تھی دو تین دن نظر نہ آئی تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا وہ عورت کہاں گئی، دکھائی نہیں دی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ تو فوت ہوگئی ہے اس پر حضور اکرم ﷺ سخت بے چین ہوئے کہ فوت ہوگئی تھی تو مجھے کیوں نہ بتایا۔ اسی وقت اس کی قبر پر تشریف لے گئے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس پر دُعا کی (مسلم کتاب الجنائز) تو دیکھیں کہ عام خاتون جس کو دنیا کی نظر میں بھی کوئی مقام

حاصل نہیں تھا وہ مسجد کی صفائی سے اتنا بلند مقام حاصل کر گئی کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں مقام بنایا ہے اور یقیناً خدا کی نظروں میں بھی مقام بنایا ہے، تو صفائی کو معمولی نہ سمجھیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی مثال کو بھی پیش نظر رکھیں اور پھر اس واقعہ کو پیش نظر رکھیں جو آپ کے سامنے رکھا ہے۔ مسجد کو صاف کرنا چاہئے۔ اگر کوئی خاندان مل کر مسجد کی صفائی کا پروگرام بنائیں تو اس سے خدا والوں کی نظر میں ان کی عزت اور ان کا احترام بڑھے گا اور خدا کی نظر میں بڑھے گا۔

پھر مسجد میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے جس سے مسجد میں گندگی پیدا ہوتی ہو۔ جوتوں کو جو اُتارنے کا حکم ہے اس کا اسی سے تعلق ہے لیکن یہ تو نہیں کہ جوتے باہر رکھ دیئے جائیں اور کپڑے اتنے غلیظ ہوں یا کوئی ایسی بیماری ہو جس سے مسجد گندی ہوتی ہو۔ مثلاً بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ ماتھے پر ایگزیما ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ان کے ہاتھوں پر یا چہرے پر ناسور ہوتے ہیں لیکن وہ اس بات کا ذرہ خیال نہیں کرتے کہ وہ دوسرے نمازیوں کے لئے تکلیف کا موجب ہی نہیں بنیں گے بلکہ بنیادی طور پر ان میں بیماریاں پھیلانے کا موجب بھی بنیں گے یعنی نفسیاتی تکلیف ہی نہیں بلکہ عملاً بیماریاں پھیلانے کا موجب بنیں گے اور مسجد کو گندا کرنا اپنی ذات میں ایک گناہ ہے۔ ایسے لوگوں کو فرض ہے کہ اگر انہوں نے مسجد آنا ہے تو اپنا کپڑا لے کر آیا کریں موٹی تہہ والی اپنی ایسی جائے نماز ساتھ لایا کریں جس کے نتیجہ میں مسجد کے فرش کے گندے ہونے کا کوئی احتمال نہ ہو۔ ایسے لوگوں کو یہ بھی تاکید ہے (جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ مسجد سے جو سبق سیکھیں اپنی زندگی میں جاری کیا کریں) کہ اگر ہاتھوں میں کوئی ایسی بیماری ہے تو پھر وہ مصافحہ نہ کیا کریں۔ بہت مدتیں ہو گئیں میرے پاس لوگ علاج کے لئے آتے ہیں اور ایسے مریضوں کو تو خاص طور پر شوق ہوتا ہے کہ پہلے مصافحہ کریں بعد میں بتائیں کہ ہمارے ہاتھ میں یہ گندی بیماری ہے اور بعض دفعہ وہ پہلے اپنے زخم دکھاتے، ہاتھ لگاتے، ان کو چھیڑتے اور پھر ایک دم السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیتے ہیں۔ آدمی مجبور ہوتا ہے ورنہ ان کی دل شکنی ہوگی لیکن وہی مضمون ہے جو مسجد میں آپ نے سیکھا کہ اپنے انکسار کی خاطر ایک گندے آدمی کو بھی برداشت کرو۔ تکبر سے اس کا ہاتھ نہ جھٹکو لیکن اس گندے آدمی کا یا بیمار آدمی کا اپنا بھی تو فرض ہے۔ اس کا بھی تو سوسائٹی پر کوئی حق ہے اسے چاہئے کہ وہ

ان چیزوں سے احتراز کرے اور مسجد کی پاکیزگی کی خاطر اگر مسجد میں آنا فرض ہے تو پھر وہ ضرور اپنا کپڑا اور اپنی حفاظت کا سامان ساتھ لایا کرے۔ جو شائستہ مہذب قومیں ہیں ان میں یہ رواج ہے کہ وہ اپنی بیماری کو دوسروں تک نہیں پھیلاتیں۔ آپ جاپان میں جائیں تو وہاں ہر آدمی نے جب اُس کو نزلہ ہوا ہوا اپنے اوپر سفید کپڑا باندھا ہوتا ہے۔ میں جب جاپان گیا تھا تو بعض لوگوں کو سفید کپڑا باندھے ہوئے دیکھ کر تعجب ہوتا تھا یعنی اتنے حصے پر سفید کپڑا باندھا ہوا تھا تو پتا لگا کہ وہ نزلے کے مریض ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ان کا نزلہ دوسروں کو لگے۔ لیکن یہ ادب مسجد نے سکھایا ہے کہ اپنی بد بو دوسروں تک نہ پہنچاؤ جیسے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں پیاز کھا کر نہ آیا کرو۔ گندے ڈکار نہ لیا کرو۔ نمازیوں کو اپنی تکلیف سے محفوظ رکھو۔ (بخاری کتاب الاطعمہ حدیث نمبر: ۵۰۳۲) اس سبق کو مسلمانوں کو اپنی ساری زندگی پر جاری کرنا چاہئے تھا جیسے کہ میں نے دیکھنے کا مضمون بتایا اور نماز میں سیکھا اور عارف باللہ نے اس کو اپنی ساری زندگی جاری کر دیا لیکن مسلمان نہیں کرتے اور غیر کرتے ہیں اور خاص طور پر ہماری عورتوں میں تو یہ بیماری بہت ہی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بیماریاں دوسروں تک پھیلاتی چلی جاتی ہیں۔ کوئی پرواہ نہیں کرتیں۔ جلسے کے دنوں میں ایک خاتون اپنا بچہ لے کر آئیں جس کو سخت کالی کھانسی تھی اور عام کھانے کی میز پر اس کو بٹھایا ہوا تھا۔ وہیں سے وہ علاج کے لئے لے کر آئیں اُن سے میں نے کہا کہ آپ کے بچے کو کالی کھانسی ہے تو کہنے لگیں کوئی بات نہیں جلسہ تو سُننا ہی ہے۔ میں نے کہا جلسہ سُننے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کو سُننے کے لائق نہ رہنے دیں۔ کالی کھانسی پھیلانے کا آپ کو کیا حق ہے۔ بعض عورتیں ہیں جن کے بچوں کو لاکڑا کاکڑا نکلا ہوا ہوا اور منہ پر چھالے ابھی ہرے ہی ہوتے ہیں ان کو لے کر پھرتی ہیں اور بالکل پرواہ نہیں کرتیں کہ دوسرے بچوں کو لگے گی۔ پس مسجد نے جو آداب سکھائے ہیں وہ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا آپ کی ساری زندگی پر حاوی ہیں ان آداب کو مسجد میں قائم کر دیں اور ان کے فلسفے سے اپنی نسلوں کو خوب اچھی طرح آگاہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسجد سے تعلق رکھنے والی قوم دنیا کی سب سے عظیم اور متمدن قوم ہوگی کیونکہ اس قوم کو خدا اور اس کے رسولؐ نے آداب سکھائے ہیں۔ کوئی دنیا کی قوم آپ کے پاسنگ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اعلیٰ درجے کے اخلاق اور اعلیٰ درجے کے اصول معاشرت میں اور نظام جماعت کے حقوق کے تعلق میں جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں مسجد میں سکھا دیا

ہے وہ آپ کی ساری زندگی پر حاوی ہوگا۔ اور دنیا کی بہترین قوم تو آپ ہی ہیں اور ہمیشہ دنیا کی بہترین قوم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا۔

انشاء اللہ آج شام کو میں قافلے سمیت واپسی کے سفر پر روانہ ہوں گا۔ ساری جماعت سے درخواست ہے کہ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہر حال میں شامل رہے اور اللہ کی حفاظت اور ہم سب دوست خدا کی نظر میں رہتے ہوئے واپس گھروں کو لوٹیں اور سب احمدی مسافر جو جلسے سے واپس جائیں گے ان کے حق میں بھی دعا کریں اللہ ان کو بھی اپنی حفاظت میں رکھے۔ جماعت احمدیہ کینیڈا کو میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ کہتا ہوں۔ اب اس کے بعد ملاقات کا موقع نہیں مل سکے گا اور تمام دنیا سے جو تہنیت کے پیغام آ رہے ہیں۔ فیکسز کی شکل میں بھی اور ٹیلیفون وغیرہ بھی وہ سارے جماعت احمدیہ کینیڈا کو محبت بھرا سلام پہنچاتے ہیں اور آپ کو جو خدا تعالیٰ نے سعادت بخشی ہے اس میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ امید ہے آپ ان نیکیوں کو نسلاً بعد نسلٍ قائم رکھیں گے۔

تحریک جدید کے ۵۹ ویں سال کا اعلان

اپنی مالی وسعت کے مطابق قربانی کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ / اکتوبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تحریک جدید کو جاری ہوئے 58 سال گزر چکے ہیں اور 59 سال میں اب ہم داخل ہو رہے ہیں۔ اس لحاظ سے دفتر اوّل کے 58 سال پورے ہوئے ہیں کیونکہ تحریک جدید کے آغاز پر جو مالی تحریک کی گئی تھی اُس میں شامل ہونے والوں کو دفتر اوّل کے شامل ہونے والوں کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے دوسرے دفتر کا آغاز فرمایا یعنی دس سال کے بعد، دوسرے دفتر کا نام دفتر دوم رکھا گیا۔ اُس کو بھی اب 48 سال گزر چکے ہیں۔ دفتر سوم کا آغاز حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اُس کو 27 سال پورے ہوئے۔ پھر میں نے انگلستان میں دفتر چہارم کا آغاز کیا اور اسے 7 سال پورے ہوئے ہیں اور ہم اب آٹھویں سال میں داخل ہو رہے ہیں۔

دفاتر سے مراد یہ ہے کہ ایک نسل جو چندوں میں شامل ہوتی ہے اُس کے کچھ عرصے کے بعد نئے بچے بھی جوان ہو جاتے ہیں، کمانے لگ جاتے ہیں اور نئے احمدیت میں داخل ہونے والے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مالی قربانی کے رنگ سیکھ لیتے ہیں۔ تو نئی نسل گویا کہ چندہ دینے والوں کی ایسی پیدا ہو جاتی ہے جنہیں خصوصیت کے ساتھ اپیل کرنا ضروری ہوتا ہے اور تجربہ یہی ہے کہ ہر دفتر کے

اضافے کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل سے تحریک جدید میں چندہ دینے والوں کی تعداد میں بھی نمایاں اضافہ ہوا اور انہوں نے مالی قربانی میں بھی نمایاں اضافہ ہوا۔تحریک جدید کو اللہ تعالیٰ نے جو عظیم کامیابیاں عطا فرمائی ہیں۔اُن کی داستانیں تو اب دنیا کے چاروں براعظموں تک پھیلی پڑی ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس وقت ایک سو چھبیس ممالک سے زائد ایسے ممالک ہیں جن میں جماعت احمدیہ قائم ہو چکی ہے اور جہاں قائم ہوئی وہاں کثرت کے ساتھ پھیل رہی ہے اور ترقی کر رہی ہے۔تو وہ پودا جو آج سے 58 سال پہلے لگایا گیا تھا اب ایک ایسا تناور درخت بن گیا ہے کہ جس کی شاخیں سب دنیا پر پھیلی پڑی ہیں۔

جماعت احمدیہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہر مالی تحریک میں بہت غیر معمولی جوش سے حصہ لیا ہے اور تحریک کے آغاز پر جو ولولہ دکھایا گیا اصل قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ اُس ولولے میں آگے کمی نہیں آنے دی اور جتنے بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مالی قربانی میں شامل ہونے والے تحریک جدید کے دفتر اوّل میں تھے کوئی دن مجھ پر ایسا نہیں آیا، کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں وہ مالی قربانی میں ترقی نہیں کرتے چلے گئے۔پھر ایک تحریک نہیں اس کے بعد اور تحریکیں بھی جاری ہوئی اور پھر اور تحریکیں بھی جاری ہوئیں اور کبھی کسی قربانی کرنے والے نے یہ شکوہ نہیں کیا کہ پہلے ہی بہت سی تحریکیں ہیں اب اور تحریکیں بھی جاری کر رہے ہیں۔ہم کہاں سے اتنے چندے لا سکتے ہیں۔ بلکہ ہر تحریک پر مسابقت کرنے والوں میں مسابقت کی روح دکھائی اور اُسی جذبے سے ہر تحریک میں شامل ہوئے جس جذبے سے پہلی تحریکوں میں شامل ہوتے رہے اور اب تو تحریکات کی فہرست بہت لمبی ہو چکی ہے۔ اور میرے لئے اُس کو یاد رکھنا بھی مشکل ہے **لیکن ایک بات یقینی اور قطعی ہے کہ احمدی احباب کو اللہ تعالیٰ نے ایسے خمیر سے پیدا فرمایا ہے جس کی فطرت میں ہارنا اور کمزوری دکھانا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ہر ایک تحریک پر جماعت نے ایک دوسرے سے بڑھ کر لبیک کہا** اور حیرت انگیز طور پر قربانیوں میں ترقی کرتی چلی گئی۔اس لئے آج ہم تمام دنیا میں یہ اعلان خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کر سکتے ہیں کہ اس جماعت جیسی کوئی جماعت دنیا میں موجود نہیں۔ اس جماعت کے پاسنگ کو بھی دوسری جماعتیں نہیں آتیں۔ وہ دشمن جو آج حیرت سے جماعت کی ترقیات کو دیکھ رہے ہیں اور ان وسوسوں میں مبتلا ہیں کہ خدا جانے ان کے پاس پیسے کہاں سے آتے ہیں۔ان کو پتا ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ

جن لوگوں کو غنی دل عطا کر دے، خدا تعالیٰ جن لوگوں کو اپنی راہ میں قربانی کے جسکے عطا فرما دے، قربانی کے مزے عطا کر دے، اُن کے لئے یہ سوال نہیں ہوا کرتا پیسے کہاں سے آئیں گے۔ رازق اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی راہ میں خرچ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ وہ توفیق بھی بڑھاتا چلا جاتا ہے اور جماعت کے اموال میں عموماً ہمیشہ ترقی ہی ہوتی رہی ہے۔ تحریکات کے نتیجے میں جماعت کسی غربت میں مبتلا نہیں ہوئی۔ پس یہی سلوک جماعت احمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جاری وساری ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ہمیشہ یہ سلوک جاری وساری رہے اور جیسا کہ میں دیکھ رہا ہوں جماعت اب مالی قربانیوں کے لئے ایک نئے دور میں داخل ہو چکی ہے اور بعض ایسی ایسی عظیم قربانیوں کے لئے تیار ہے کہ جن کے متعلق چند سال پہلے بھی میں سوچ نہیں سکتا تھا۔

اب جب ہم نے عالمی پیمانے پر مواصلاتی سیارے کے ذریعہ ٹیلی ویژن کے صوتی اور تصویری نظام سے فائدہ اٹھایا اور خطبات کے Televise کرنے کا سلسلہ جاری ہوا تو شروع میں جو خرچ اتنا بڑا دکھائی دیتا تھا کہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیسے پورا ہوگا مگر جرمنی کی ایک ہی جماعت نے میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے کہا کہ آپ خرچ کی پرواہ نہ کریں یہ جتنا خرچ ہے وہ اکیلے جرمنی کی جماعت ادا کرے گی اور پھر فوراً اُس وعدے کو پورا کیا اور کبھی یاد بھی کرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

کینیڈا میں جب مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اور موقع میسر آیا جس سے استفادے کے لئے پروگرام بنایا جا رہا ہے تو وہ موقع بہت ہی اعلیٰ اور قیمتی موقع ہے اس سے انشاء اللہ تعالیٰ ہم ضرور فائدہ اٹھائیں گے مگر اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ اُن کے تصور سے ہی آدمی پریشان ہوتا تھا کہ اتنی بڑی رقمیں آئیں گی کہاں سے۔ تو کینیڈا کے اور امریکہ کے امیر صاحبان سے میں نے ذکر کیا تو کینیڈا کے امیر صاحب نے فوری طور پر جماعت کینیڈا کی طرف سے پانچ لاکھ ڈالر سالانہ کا وعدہ کر دیا اور بڑے اطمینان سے کہا کہ میں مشورہ کرنے کے بعد بتا رہا ہوں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس وعدے پر قائم رہیں گے اور اسی طرح امریکہ کے امیر صاحب نے بھی فرمایا کہ جب میں واپس جاؤں گا تو جماعت کے سامنے یہ بات رکھوں گا اور میں امید رکھتا ہوں کہ کینیڈا سے ہم پیچھے نہیں رہیں گے تو وہ بڑی رقم جو بہت ہی بڑی دکھائی دیتی تھی۔ اُس کا ایک حصہ ان دو وعدوں نے پورا کر دیا میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ جب یہ تحریک تمام امراء تک پہنچائی جائے گی، تمام ملکوں کو پہنچائی جائے گی تو جتنی

ضرورت ہے اُس سے کم نہیں بلکہ زیادہ روپیہ ہی میسر آئے گا۔ اُس کی تفصیل میں اس وقت بیان نہیں کرنا چاہتا کیونکہ پہلے ہی دشمن یعنی احمدیت کا دشمن ایک شدید عذاب میں مبتلا ہے اور ہر طرف ہاتھ پاؤں مار رہا ہے کہ کسی طرح جماعت کی دن دوگنی رات چوگنی ترقیات کی راہ میں حائل ہو سکے اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ جو خطبات کے نشر کرنے کا سلسلہ ہے اس نے تو اُن کی امیدوں پر ایسی چوٹ ماری ہے کہ تلملا اٹھے ہیں اور کچھ پیش نہیں جاتی۔ حکومتوں سے درخواست کر رہے ہیں کہ کسی طرح جماعت احمدیہ کی کوششوں کی راہ میں حائل ہو جائیں کسی طرح اس آفاقی پیغام رسانی سلسلے کو بند کر دیں مگر حکومتیں کچھ نہیں کر سکتی جو فیصلے آسمان سے اترتے ہیں اُن کو روکا نہیں جا سکتا۔

تو جس بات کا میں نے ذکر کیا ہے وہ جب انشاء اللہ تعالیٰ آپ پر کھل جائے گی اور میں سمجھتا ہوں کہ غالباً اُس کے آغاز کا بہترین دن 23 رمارچ ہوگا یعنی جماعت احمدیہ کے آغاز کا دن۔ اُس کے بعد آپ دیکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کیسے ساری دنیا میں حیرت انگیز طور پر جماعت کا پیغام گھر گھر پہنچے گا اور مسلسل پہنچے گا اور کوئی نہیں جو اُس کو روک سکے۔ تو تحریک جدید کا آغاز تو بہت ہی چھوٹا سا ہوا تھا چند ہزار سے لیکن اب جس مرتبے اور مقام پر تحریک جدید پہنچ چکی ہے اُسی کی برکتیں ہیں دراصل یہ جو ہم کھا رہے ہیں لیکن جب میں اس بات پر غور کرتا ہوں تو میری نظر اُس سے پیچھے کی طرف جاتی ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آ کر ٹھہرتی ہے۔ دراصل تحریک جدید ہو یا انجمن ہو یا کوئی تحریک ہو اُس کا آغاز اُس جری اللہ نے کیا ہے جسے ہم مسیح موعود اور مہدی معہود جانتے اور یقین کرتے ہیں۔ حقیقت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں ہی کی برکتیں ہیں اور آپ کے صحابہ کی قربانیاں ہیں جو اس اخلاص کے ساتھ، گہرے خلوص کے ساتھ خدا کے حضور پیش کی گئیں۔ اُن قربانیوں نے لازماً بڑھنا اور پنپنا تھا اور اُن کے لئے ساری دنیا پر پھیلتے چلے جانا مقدر ہو چکا تھا۔ پس وہاں نظر جاتی ہے تو پھر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے قدموں پر نظر پڑتی ہے، ان کے قدموں کی برکت ہے۔ آپؐ نے چودہ سو سال پہلے جو مسیح موعود کی پیشگوئیاں فرمائیں اور مسیح موعود سے جو عظیم عالمی ترقیات وابستہ فرمائیں یہ کہہ کر کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (توبہ: ۳۳) محمد رسول اللہ کا پیغام ساری دنیا پر غالب آنے کے لئے بنایا گیا ہے اور مفسرین نے یہ لکھا کہ یہ غلبہ مسیح موعود کے دور میں شروع ہوگا، انجام تک پہنچے گا یعنی اپنے کمال کو پہنچے گا

اور لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا اطلاق اپنے تمام کمال کے ساتھ مسیح موعود کے زمانے میں پورا ہوگا پس اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ آغاز اُسی وقت کے آغاز ہیں اور ہم تو پھل کھانے والے ہیں لیکن خدا کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں پھل کھانے کی بھی توفیق عطا فرمائی اور اس مقدس درخت کی آبیاری کی بھی توفیق عطا فرمائی۔

پس جب تک جماعت احمدیہ اسی احترام کے جذبے کے ساتھ اسی خلوص کے ساتھ اسلام کی خدمت پر کمر بستہ رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ ساری دنیا میں اسلام کے پھیلانے اور غالب کرنے کے سہرا جماعت احمدیہ ہی کے سر رہے گا اور کوئی نہیں جو ہمارے سر سے یہ سہرا چھین سکے۔ یہ سہرا حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ہاتھوں نے ہمارے سروں پر رکھا ہے، یہ سہرا مسیح موعود کے سر پر باندھا گیا اور آپ کی ہی برکت سے آج یہ احمدیوں کے سر پر ہے۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ اس تقدس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جماعت احمدیہ ہمیشہ انشاء اللہ اس قربانیوں میں بیش و پیش آگے بڑھتی رہے گی۔

یادرکھیں کہ قربانیوں کے نتیجے میں جماعت کے اموال میں کمی نہیں آتی، افراد کے اموال میں کمی نہیں آتی، خاندانوں کے اموال میں کمی نہیں آتی بلکہ غیر معمولی برکتیں ملتی ہیں۔ صرف وقتی طور پر ایک خوف ہوتا ہے کہ یہ روپیہ میں نے فلاں کام کے لئے رکھا ہے، فلاں چیز کے لئے ہے یہ اگر میں نے دے دیا تو میرا کیا بنے گا۔ لیکن جو اس خوف کو خرچ کر دیتے ہیں، ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور خدا پر توکل کر کے خدا کی راہ میں قربانیاں کرتے ہیں۔ اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ویسے ہی سلوک فرماتا ہے جیسے ایک زمیندار اپنے کھانے کے دانے بچائے ہوئے رکھے ہوں وہ مٹی میں رول دیتا ہے۔ خدا کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے کہ خدا ضرور ان دانوں میں برکت دے گا اور پھر وہ برکت دیتا ہے۔ روحانی طور پر قربانی کرنے والوں کے لئے ان برکتوں سے زیادہ برکتیں مقدر ہیں جو دنیاوی نظام میں رحمت سے فائدہ اٹھانے والوں کے لئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دنیاوی نظام رحمت سے فائدہ اٹھانے والوں کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ایک دانہ سات سو دانوں تک ترقی کر جائے گا یعنی برکت پا جائے گا اور اگر ایک دانہ سات سو دانے بن جائیں تو اتنی بڑی پیداوار ہے کہ زمیندار اب تک اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آج تک جو سائنس نے ترقی کی ہے اُس کے پیش نظر گندم کی پیداوار جو میرے علم میں ہے زیادہ سے زیادہ 80، 90، 100 من تک پہنچ جاتی ہے ایک من بیج اگر کھیت میں

ڈالا جائے تو سومن پیداوار ہو تو بہت ہی غیر معمولی پیداوار ہوگی۔ لیکن قرآن کریم نے وعدہ فرمایا ہے ایک دانہ سات سو دانوں میں تبدیل ہوسکتا ہے ۔ ہوسکتا ہے آئندہ جب سائنس ترقی کرے تو زمینداروں کو ایک من کے بدلے سات سو من ہونا شروع ہوجائیں۔ لیکن اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے جس کے لئے چاہے اس سے زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہاں روحانی قربانی کرنے والوں کا ذکر ہے یعنی روحانی قربانی سے مراد ہے خدا کی خاطر دین کے لئے قربانی کرنے والوں کا ذکر ہے۔ اُن کو خدا تعالیٰ واقعۃً ایک سے سات سو نہیں بلکہ سات سو سے بعض دفعہ مزید سات سو گنا بڑھا دیتا ہے۔ قربانیوں کے مقابل پر پھل اس کثرت سے عطا ہوتا ہے اُس کا کوئی حساب باقی نہیں رہتا۔ وہ بے حساب دیتا ہے۔ جماعت احمدیہ کے ساتھ اب تک جو سلوک ہے وہ ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔ ہر قربانی کے بعد خدا تعالیٰ نے توفیق بڑھائی، ہر توفیق دہرانے کے بعد نئی قربانیوں کی توفیق ملی۔ نئی قربانیوں کے بعد پھر خدا نے توفیق بڑھا دی۔ گویا کہ ایک جاری و ساری سلسلہ ہے جس کی کوئی مثال دنیا کے پردے پر کہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔

تحریک جدید کے ضمن میں میرا دستور رہا ہے کہ میں موازنے کے طور پر مختلف جماعتوں کی قربانی کا ذکر کرتا ہوں تا کہ مسابقت کی روح بڑھے ایک دوسرے کو دیکھ کر جماعتوں میں آگے بڑھنے کی تحریک پیدا ہو اب تک خدا تعالیٰ کے فضل سے پاکستان ہمیشہ صف اوّل میں رہا اور صف اوّل میں بھی پہلے درجے پر رہا ہے امسال بھی پاکستان نے یہ پوزیشن برقرار رکھی ہے اور تمام دنیا کی جماعتوں میں تحریک جدید کے چندوں میں بھی پاکستان سب سے زیادہ ہے اور تحریک جدید کے مجاہدین کی تعداد کے لحاظ سے بھی پاکستان کی جماعتیں دنیا کی جماعتوں سے آگے ہیں۔ دوسرے درجے پر جرمنی آگے بڑھ رہا ہے اور بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے گزشتہ چند سال سے بعض دوسری جماعتوں نے بہت کوشش کی کہ جرمنی کو پیچھے چھوڑ جائیں لیکن اللہ کے فضل سے انہوں نے اپنا یہ اعزاز برقرار رکھا۔ جرمنی نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے گزشتہ سال کے 1,50,945 پاؤنڈ اسٹرلنگ کے مقابل پر امسال 1,96,561 پاؤنڈ اسٹرلنگ وصولی ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت بڑی وصولی ہے اور بہت سے ایسے ملکوں کا بوجھ جماعت جرمنی نے اٹھالیا ہے جو جرمنی کی مدد کے محتاج ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جماعت جرمنی کو بڑا اعزاز بخشا ہے، خدا یہ اعزاز برقرار رکھے۔

امریکہ بھی پہلے کی نسبت کافی آگے آیا ہے دن بدن امریکہ کا مالی نظام مضبوط تر ہو رہا ہے لیکن ابھی جرمنی سے بہت پیچھے ہے وہاں بھی گزشتہ کے مقابل پر تو اضافہ ہوا ہے لیکن غیر معمولی اضافہ نہیں۔ امسال وعدے 91,912 پاؤنڈ تھے جس کے مقابل پر وصولی اللہ تعالیٰ کے فضل سے 94,803 پاؤنڈ ہوئی ہے یعنی وعدوں سے وہ آگے بڑھ گئے ہیں اس سے پہلے سال 78,947 کے وعدے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان کی مالی قربانی کا معیار بڑھ رہا ہے پچھلے سال 78,947 کے مقابل پر وصولی بھی بعینہ 78,947 ہی تھی تو امسال نہ صرف یہ کہ وعدے بڑھائے گئے بلکہ وعدوں سے بڑھ کر ادائیگی ہوئی۔ UK نے بہت زور مارا کہ کسی طرح امریکہ سے آگے نکل جائے لیکن ابھی تک وصولی 80,923 پاؤنڈ سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ آنے سے پہلے مجھے ان کا پیغام ملا کہ کچھ اور انتظار کریں ہم کوشش کریں گے اور ہمیں امید ہے کہ جو وعدے وصول ہونے والے ہیں وہ وصول ہو گئے تو پھر ہم امریکہ سے آگے نکل جائیں گے۔ میں نے اُن کو جواب دیا کہ امتحان کا وقت تو آ گیا ہے اب جو پرچہ لے رہے ہیں آپ۔ اب یہ انتظار نہیں ہو سکتا کہ آپ زیادہ تیاری کر کے آئے مضمون اور زیادہ اچھی طرح یاد کریں گے امتحان دے سکیں گے جو پہلے کرنا تھا پہلے کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو سعادت امریکہ کو بخشنی تھی بخش دی۔ ۱۴ ہزار کے فرق کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل سے امریکہ انگلستان سے آگے بڑھ گیا ہے۔ انڈونیشیا میں بھی خدا کے فضل سے دن بدن بہت ترقی ہو رہی ہے اور اب انڈونیشیا امسال 54789 فنڈز کی قربانی پیش کرنے کی توفیق پا چکا ہے۔ کینیڈا کے اوپر کیونکہ دوسرے Load بہت زیادہ تھے مسجد بنانے کے اسی قسم کے اور بعض اخراجات تھے۔ ابھی وہ امریکہ سے کافی پیچھے ہے۔ اُن کا نمبر چھٹا ہے۔ 54,765 پاؤنڈ کی وصولی ہوئی ہے۔ جاپان ساتویں نمبر پر ہے اور جاپان کا چندہ 20,588 پاؤنڈ ہے پھر ماریشس کا نمبر آتا ہے پھر انگلستان کا پھر سوئٹزرلینڈ کا لیکن ان اعداد و شمار کو اگر مختلف زاویوں سے پلٹ کر دیکھا جائے۔ اوّل دوم سوم وغیرہ کی ترتیب بدل جاتی ہے۔

اس سلسلے میں میں بعض مختلف زاویوں سے آپ کے سامنے پوزیشن رکھتا ہوں۔ فیصد اضافے کے اعتبار سے سوئٹزرلینڈ کی پوزیشن دنیا میں پہلے نمبر پر آ جاتی ہے۔ جاپان دوسرے نمبر پر، جرمنی تیسرے نمبر پر، پاکستان چوتھے نمبر اور امریکہ پانچویں نمبر اور یو کے چھٹے نمبر پر چلا جاتا ہے۔

جہاں تک فی کس قربانی کا تعلق ہے اس پہلو سے اگر دیکھیں تو حسب سابق جاپان نے جو خدا تعالیٰ سے غیر معمولی توفیق پائی ہے یہ جھنڈا ابھی تک اُنہی کے ہاتھ میں ہے باقی دنیا کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ امریکہ میں فی کس چندہ کی اوسط 60 پاؤنڈ بنتی ہے جبکہ جاپان میں 134 پاؤنڈ فی کس اوسط بن رہی ہے۔ امریکہ خدا کے فضل سے امیر ملکوں میں سے اور جماعت احمدیہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے امیر آدمی موجود ہیں کہ اگر وہ چاہیں اُن کے لئے جاپان کو پیچھے چھوڑنا کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن توفیق محض دولت سے نہیں ملا کرتی۔ دل کی وسعت سے ملتی ہے اور خدا کی راہ میں قربانی کرنے کے لئے دل کو وسعت رفتہ رفتہ عطا ہوا کرتی ہے۔ بہت کم ایسے ہیں جن میں اچانک انقلاب برپا ہو۔ میرا تجربہ یہی ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں دل کھولتے ہیں کچھ قدم مشکل سے اٹھانے پڑتے ہیں پھر وہ قدم آسان ہو جاتے ہیں پھر اگلے قدم، پھر اگلے قدم۔ رفتہ رفتہ انسان ترقی کرتا رہتا ہے اور استطاعت بڑھتی رہتی ہے۔ تو امریکہ میں اگرچہ خدا کے فضل سے مالی استطاعت ہے لیکن چندوں کے لحاظ سے ابھی ویسی استطاعت پیدا نہیں ہوئی لیکن یہ میں جانتا ہوں کہ گزشتہ چند سالوں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے عموماً ترقی کی طرف قدم ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے گا تو انشاء اللہ ضرور بہت آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ بہر حال جاپان اس وقت ساری دنیا کی جماعتوں کے لئے چیلنج بنا ہوا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ جماعتیں اس چیلنج کو قبول کرنے کی کوشش کریں گی۔

اس دفعہ جب کینیڈا کی مسجد میں امریکہ سے احمدی تشریف لائے ہیں تو ایک یہ خوشی کی بات تھی اتنی بڑی تعداد میں وہ شامل ہوئے ہیں اس کا ہمیں کوئی تصور نہیں ملتا۔ سترہ سو سے زائد احمدی خدا کے فضل سے امریکہ کے مختلف حصوں سے تشریف لائے۔ بعض حصے اتنے دور ہیں جتنا انگلستان سے امریکہ دور ہے۔ بڑے جوش اور ولولے سے انہوں نے حصہ لیا اور سب کا عمومی تاثر یہ تھا کہ اس مسجد کے افتتاح کی تقریب میں شمولیت سے جہاں خوشی بہت ہوئی ہے وہاں شرمندگی بھی بہت ہوئی ہے کیونکہ وہ امریکہ کو ایک قسم کا مان کہتے ہیں جسے۔ مان ہے کہ ہم بہت بڑا ملک ہیں امیر ملک ہیں جماعت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مخلص ہے تو اب تک امریکہ کو مسجد بنانے کی توفیق نہیں مل سکی۔ مگر کینیڈا جو نسبتاً دوسرے نمبر کا ملک ہے۔ اُس کو توفیق مل گئی ہے اور بڑی شاندار اور بڑی خوبصورت مسجد

بنانے کی توفیق ملی اور بہت بڑی مالی قربانی کی توفیق ملی ہے۔امریکہ کا تو حال یہ تھا کہ میں نے گھر میں ذکر کیا تو امریکہ کے احمدیوں پر رحم بھی آتا تھا۔اُن کے اوپر اُس لطیفے کا کچھ نہ کچھ اطلاق ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک گجر کا جس کو چوری کرنے کی عادت تھی ۔ وہ ایک دفعہ ایک ایسے گھر چلا گیا جہاں اُس کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی تو بچارے سے اندھیرے میں غلطی ہوئی اس کو پتا نہیں لگا کہ میں کس گھر میں چوری کر رہا ہوں۔ وہ اپنی لڑکی کے گھر چوری کر رہا تھا اور اُسی وقت پکڑا گیا۔ پہلے تو لوگوں نے اندھیرے میں پکڑ کے خوب مارا۔ بعد میں کسی کو خیال آیا کہ مارا ہم نے کافی ہے لیکن پتا تو کریں کہ ہے کون؟ روشنی لاؤ تو روشنی لا کے جو دیکھا تو وہ بیٹی کا باپ نکلا۔ خیر انہوں نے چھوڑ دینا تھا چھوڑ دیا۔ واپس آ کر جو اُس نے قصہ اپنی بچوں میں بیان کیا۔ وہ یہ تھا کہ اس طرح ہوا اور اس طرح ہوا اور جب میں پکڑا گیا اندھیرے میں تو اُن کو پتا نہیں تھا کہ میں کون ہوں، مجھے بہت مارا لیکن جب روشنی میں دیکھا کہ میں کون ہوں، تو آتے جائیں اور شرمندہ ہوتے جائیں، آتے گئے اور شرمندہ ہوتے گئے وہ سارا واقعہ تو چسپاں نہیں ہوتا بہر حال لیکن آتے جائیں اور شرمندے ہوتے جائیں والا واقعہ ضرور چسپاں ہو رہا تھا۔ جتنے بھی امریکن احمدی تشریف لائے ہیں سب نے مجھ سے مل کر یہی کہا کہ ہم خوش بھی بڑے ہوئے ہیں اور شرمندہ بھی بڑے ہوئے ہیں۔ اُمید رکھتا ہوں کہ یہ شرمندگی جو خدا کی خاطر ہے یہ نیک پھل لائے گی انشاء اللہ تعالیٰ امریکہ کو بھی نہ صرف ایک بلکہ کئی مسجدیں بنانے کی توفیق ملے گی اور نیک کاموں میں مسابقت کی روح پیدا ہوگی اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔

امریکہ کے بعد جرمنی کی باری ہے فی کس چندے کے اعتبار سے اور یہ چندہ 28.29 پاؤنڈ فی کس ہے جرمنی کی جماعت کے جو حالات ہیں اُن کے پیش نظر بہت بڑی قربانی ہیں، کیونکہ بھاری تعداد ایسی ہے جن کی بہت ہی معمولی آمد ہے اور جرمنی میں نے یہ پڑھا تو میں حیران رہ گیا کہ کس طرح اس جماعت کو عظیم قربانی کی توفیق ملی۔ اُس کے علاوہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تمام عالمی نظام جو مواصلاتی سیارے کے ذریعے ٹیلی ویژن کا پیغام پہنچانے کا نظام ہے۔ اس میں بھی انہوں نے بڑی قربانی کی ہے اور بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر چندے میں پیش پیش ہیں تو اس لحاظ سے یہ جماعت بھی خصوصیت سے دعا کی مستحق ہے۔

UK کا نمبر چار لکھا ہوا ہے جو غلطی سے غالباً کیونکہ یوکے کی اوسط 33 پاؤنڈ بنتی ہے، جرمنی

سے اوپر نام ہونا چاہئے تھا۔کینیڈا کی 22 ہے، ماریشس کی 15، سوئٹزرلینڈ کی 12، انڈونیشیا کی 6، غرضیکہ اسی طرح ملکی اقتصادی کے حالات کے پیش نظر اور کچھ قربانی کے معیار کے پیش نظر یہ اوسطیں بدلتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو سب نیک کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کی روح عطا کرے اور اموال اور وسعتوں میں برکت عطا فرماتا رہے۔

مجاہدین کی تعداد کے لحاظ سے پاکستان ہمیشہ کی طرح صف اوّل میں ہے اور پہلا سال ہے غالباً کہ ایک لاکھ سے تعداد آگے گزر چکی ہے۔ گزشتہ چند سال سے میں پاکستان کے دفتر تحریک جدید کو تاکید کر رہا تھا کہ کوشش کر کے جلد از جلد تعداد کو ایک لاکھ تک پہنچائیں، اس سے آگے بڑھائیں الحمدللہ کہ خدا کے فضل سے یہ سال اس لحاظ سے بھی ہماری ترقیوں کی راہ میں ایک عظیم سنگ میل کا اضافہ کر رہا ہے کہ جماعت احمدیہ میں تحریک جدید کے چندے دینے والے ایک لاکھ سے اوپر ہو چکے ہیں اور حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق کل احمدیوں کی تعداد ۸۷ ہزار یا اس کے لگ بھگ بنتی ہے یہ سمجھ نہیں آتی کہ باقی کون ہیں چندہ دینے کرنے والے اور ظاہر ہے کہ ساری جماعت تو ان چندوں میں شامل نہیں ہوا کرتی ایک حصہ ہے جماعت کا جو شامل ہے باقی تو بہت سی ذیلی جماعتیں ہیں جہاں چند گنتی کے آدمی ہوں گے جو تحریک جدید کے چندے میں شامل ہو سکتے ہوں۔

اس کے بعد امریکہ کا نمبر ہے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ۔ امریکہ میں چندہ دینے والوں کی تعداد میں بڑا نمایاں اضافہ ہوا ہے اور 1169 کے مقابل پر امسال ان کے چندہ دہندگان تحریک جدید کی تعداد 1577 ہو گئی ہے۔ جرمنی کا نمبر 2 ہے دراصل جلدی میں جو لسٹ انہوں نے تیار کی ہے اس میں ترتیب سے نہیں لکھا کیونکہ ہندوستان کے 12993 لکھے ہیں مجھے نہیں یقین کہ تعداد درست ہو۔لیکن ان کے چندے کے مقابل پر یہ تعداد صحیح دکھائی نہیں دیتی مگر ممکن ٹھیک ہوا گر ہے تو بہت بڑی کامیابی ہے اللہ تعالیٰ ہندوستان کے لئے بھی مبارک کرے۔ وہاں تحریک جدید کے چندہ دہندگان کی تعداد 12993 ہو گئی ہے۔

اس کے بعد پھر نمبر آتا ہے انڈونیشیا کا۔ انڈونیشیا میں 9691 تحریک جدید کے مجاہدین ہیں اور پھر جرمنی کا نمبر ہے جس میں 6806 افراد کو توفیق ملی ہے۔ جرمنی کی تعداد کے لحاظ سے جہاں کل احمدیوں کی تعداد ہے خدا کے فضل سے بہت بڑی تعداد ہے جنہوں نے حصہ لیا ہے۔ UK کا نمبر

پھر اس کے بعد ہے جو 3503 ہے اور پھر آتا ہے کینیڈا 2500 اور باقی پھر درجہ بدرجہ اس سے کم ہیں۔

یہ تو ہیں اعداد و شمار اور میں امید رکھتا ہوں کہ ان اعداد و شمار کو سن کر مختلف جماعتوں میں تحریک پیدا ہوئی ہوگی۔ تفصیل سے ساری جماعتوں کے اعداد و شمار بیان کرنے کا تو یہاں موقع نہیں ہے۔ یہ چند نمونے ہیں آپ کو بتانے کے لئے مختلف زاویوں سے جب ہم دیکھتے ہیں تو کسی پہلو سے کوئی جماعت ترقی کر کے آگے نکل جاتی ہے اور کسی پہلو سے کوئی دوسری جماعت آگے بڑھنے کی توفیق پاتی ہے۔ دراصل تو دلوں پر نگاہ رہنی چاہئے ، دلوں میں اگر اخلاص بڑھ رہا ہو تو قربانی کے ظاہری پیمانے درحقیقت اُسی کا منظر پیش کرتے ہیں۔ ہمیں روپے کے اعداد و شمار میں بذات خود دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو کبھی ان اعداد و شمار کو روپوں کی گنتی کے طور پر نہیں پڑھتا بلکہ پیمانہ سمجھ کر پڑھتا ہوں کیونکہ جس جماعت نے محض للہ خدا کی خاطر قربانیاں کرنی ہے اُن کو اگر زیادہ قربانی کی توفیق ملتی ہے تو صاف پتا چلتا ہے کہ دلوں میں اخلاص کا معیار بڑھ رہا ہے ورنہ اس دنیا میں مال کی ایسی محبت پائی جاتی ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی حکومتیں جو انکم ٹیکس وصول کرنے کے لئے بہت ہی مضبوط نظام رکھتی ہیں وہ بھی ہار جاتی ہیں۔ انکم ٹیکس چوری کرنے والے اور روپیہ بچانے والے لوگ بڑی بھاری تعداد میں ہر ملک میں پائے جاتے ہیں جو قابو نہیں آتے ، بہت کم ہیں جو قابو آتے ہیں سزا پاتے ہیں۔ لیکن جماعت احمدیہ میں تو کوئی جبری نظام نہیں ہے۔ یہاں تو جو بھی خدا کی راہ میں قربانی کرتا ہے اپنے دل کے جذبے کے نسبت سے کرتا ہے۔ پس کوئی غلط فہمی سے یہ نہ سمجھے کہ میں یہ اعداد و شمار، اعداد و شمار کرنے کی خاطر پیش کر رہا ہے ہرگز یہ مراد نہیں۔ میرے نزدیک تو مالی اعداد و شمار کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ محض اُس وقت یہ عزت پاتے ہیں جب ان کی جڑیں خدا تعالیٰ کی محبت میں ہوں اور خدا تعالیٰ کی محبت میں جڑیں ہوں تو ایک پیسہ بھی باعث عزت اور قابل قدر ہو جاتا ہے۔ اور ایسے پیسے ضرور ہیں انسانی قربانیوں کی تاریخ میں جن کی قدر خدا کے نزدیک کروڑوں اربوں سے بھی زیادہ ہوگی کیونکہ قربانی پیش کرنے والے نے یہ پیسہ بڑی محبت سے پیش کیا ہے۔ پس دلوں پر نظر رکھیں، اپنے اخلاص کی حفاظت کریں۔ اس روپے کے پیچھے تقویٰ کی پرورش کریں اگر تقویٰ ترقی کرتا رہے اللہ کی محبت پرورش پاتی رہے تو پھر خدا کے فضل کے ساتھ چندوں کے معاملے میں جماعت ہمیشہ بےفکر رہے گی اور خدا ہمیشہ ہماری ضرورتیں خود پوری کرتا رہے گا پس مقابلے کی جو تحریکات ہیں یہ اپنی جگہ درست

ہیں لیکن حقیقت میں مقابلے سے مراد اخلاص میں مقابلہ ہے، تقویٰ میں مقابلہ ہے، خدا کو راضی کرنے کی کوشش میں مقابلہ ہے۔

اس ضمن میں میں دو تین اور بھی تحریکات جماعت کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے بوسنیا کی یتیم بچوں کے متعلق میں نے تحریک کی تھی پھر بچوں کے متعلق ہی نہیں بلکہ وہاں کے جو بڑے بالغ افراد بھی چھوٹے، بڑے، مرد، عورتیں سب اُجڑ کے آئے ہیں ان کی حالت انتہائی دردناک ہیں اور جماعت احمدیہ عالمگیر کا فرض ہے کہ اپنی توفیق کے مطابق ضرور ان کی کچھ خدمت کرے۔ اس سلسلے میں میں نے اپنی طرف سے ایک ہزار پاؤنڈ کا وعدہ کیا ہے جو بہت معمولی ہے لیکن اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ حسب توفیق باقی جماعت کو بھی توفیق ملے اور پہلے میرا دستور تھا کہ جو تحریک کرتا تھا اُس کا ایک فیصد اپنی طرف سے وعدہ کیا کرتا تھا اور اُس کا اعلان بھی کر دیتا تھا تا کہ جماعت میں تحریک پیدا ہو۔ پھر میں نے یہ روک دیا اس وجہ سے کہ انسان کا نفس کا پتا کوئی نہیں کس وقت آدمی کو ڈس لے تو اگر چہ اعلانیہ قربانی کا بھی حکم ہے لیکن مخفی قربانی کا بھی حکم ہے۔ اس لئے کچھ عرصہ میں اس سے رکا رہا لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ اس سے کچھ نقصان ہوا ہے۔ جب میں اپنا چندہ ظاہر کیا کرتا تھا تو بعض ایسے خاندان تھے جو میرے ذہن میں ہیں وہ ضرور کوشش کرتے تھے کہ اُس سے زیادہ چندہ دیں جب میں نے ظاہر کرنا بند کر دیا تو اُن کا چندہ میرے چندوں سے کم ہونا شروع ہو گیا اس لئے آج میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج جو تحریکات آپ کے سامنے رکھتا ہوں اُن میں انشاء اللہ حسب سابق کوشش کروں گا کہ کم از کم ایک فیصد ضرور اپنی طرف سے پیش کروں۔

صومالیہ کے لئے بھی یہ تحریک ہے وہاں بھی میں اپنی طرف سے ایک ہزار پاؤنڈ کا وعدہ کرتا ہوں اسی طرح مسی ساگا کینیڈا کی مسجد کے لئے میں نے 12000 ڈالر اپنی طرف سے پیش کئے ہیں اور اگر چہ یہ تحریک کینیڈا کے لئے ہے لیکن اس کا اعلان اس لئے کر رہا ہوں تا کہ باہر کی دنیا میں جہاں بہت سارے حیثیت کے آدمی موجود ہیں۔ ان میں سے بعضوں کے دل میں خصوصیت سے مسجدیں بنانے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ دوسرے چندوں میں کافی کمزور ہوتے ہیں لیکن مسجد بنانے کا جذبہ بہت پایا جاتا ہے۔ بہت سے امیر ایسے خاندان بلکہ قومیں ہیں جن کو مسجد بنانے کے لئے توفیق مل جاتی ہے۔ عام چندے دینے میں ان کا دل سکڑ جاتا ہے تو اگر

ایسے کچھ خاندان ہیں جو امیر ہیں، صاحبِ توفیق ہیں اور ذوق وشوق سے کینیڈا کی دوسری مسجد میں شامل ہونے کے لئے جذبہ رکھتے ہوں۔ اُن کو بھی موقع ہے یعنی کینیڈا کے علاوہ جو چاہے اس میں اپنی طرف سے مالی قربانی کرے مسی ساگا ٹورانٹو کا ہی ایک حصہ ہے۔ ٹورانٹو مختلف شہروں پر مشتمل ہے اور اُن شہروں کا اجتماعی نام ٹورانٹو ہے۔ ان میں وہ جگہ ہے یہاں ہم نے پہلی مسجد بنائی جیسا کہ آپ نے ٹیلی ویژن پر دیکھا ہوگا۔ مسی ساگا کی میئر نے بڑے زور سے یہ مجھے یاد دلایا کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میں اگلی مسجد مسس ساگا میں بناؤں گا انشاء اللہ۔ تو اب اُس وعدے کو پورا کرو یہ مسجد بن گئی ہے اب ہماری طرف توجہ کرو۔ تقریب کے بعد یہ مجھے ملیں تو انہوں نے مجھے کہا کہ دیکھیں یہ صرف لفظی بات نہیں تھی میں دل کی گہرائی سے یہ بات کہہ رہی تھی۔ اب جذبے گرم ہیں اس وقت فوری طور پر توجہ دیں میں ہر قسم کا تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آپ اپنے نمائندے بھیجیں، بہترین جگہ کی تلاش کریں اور ہر قسم کی سہولتیں ہماری میونسپلٹی آپ کو دے گی۔ چنانچہ ان کے اس جذبے سے متأثر ہو کر میں نے اُسی وقت امیر صاحب کو ہدایت کی کہ بلا تاخیر اب آپ اس مسجد کا کام شروع کر دیں۔ جہاں تک روپے کا تعلق ہے اگر چہ جماعت کینیڈا نے اتنی بڑی قربانیاں دی ہیں اس مسجد کے سلسلے میں کہ بظاہر معلوم نہیں ہوتا کہ اتنی جلدی دوسری مسجد بنا سکیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے اس سلوک پر یقین ہے جو اب تک جماعت کے ساتھ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس نئی مسجد کے لئے بھی جماعت کینیڈا کو خدا کے فضل سے بہت بڑی توفیق ملے گی۔

کینیڈا کی مسجد کے نظارے آپ نے ٹیلی ویژن پر دیکھے ہیں اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ سب دنیا سے مجھے خط مل رہے ہیں۔ بعض Faxes کے ذریعے پیغام مل رہے ہیں۔ دور دور دنیا کے کونے سے لوگ لکھ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں کے ساتھ جو نظارہ دیکھا یہی لگتا تھا کہ جیسے ہم اُس تقریب میں شامل ہیں اور چودہ ہزار، پندرہ ہزار میل دور سے بھی اسی قسم کی اطلاعات ملیں کہ بالکل صاف تصویر تھی بالکل صاف آواز تھی اور محسوس ہوتا تھا کہ گویا ہم بھی اُس مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک خط مجھے ناصر آباد سندھ سے بھی ملا وہاں میں کسی زمانے میں جایا کرتا تھا اپنی زمینوں پر وہاں ہماری کوٹھی کے ساتھ ایک بڑا صحن ہے جسے چمن کہتے ہیں حضرت مصلح موعودؓ نے بڑے شوق سے چمن کے رنگ میں باغ لگوایا تھا۔ وہاں بچوں کے ساتھ بیٹھ کے مجلسیں لگاتا تھا اور ان کو گولیاں

وغیرہ تقسیم کیا کرتا تھا۔ وہاں سے خط ملا ہے کہ ہم جو ترسے ہوئے تھے دیکھنے کے لئے ۔ اللہ نے ہماری یہ امید حیرت انگیز طریق پر پوری کی، کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ناصر آباد گاؤں میں بھی آپ کی تصویر پہنچے گی اور ٹیلی ویژن کے ذریعے آپ سے رابطہ قائم ہوگا، سارا گاؤں اُس چمن میں گیا اور اتنی صاف تصویر، ایسی صاف آواز تھی کہ یوں احساس ہوتا تھا کہ گویا ہم اس تقریب میں شامل ہیں۔ بعض غیروں نے بھی حیرت انگیز طور پر اُس تقریب پر اپنے مثبت جذبات کا اظہار کیا اور بعض ایسے پروفیسر ہیں جو اپنے اپنے ملک میں بڑی شہرت رکھتے ہیں مثلاً ایک ہنگری کے پروفیسر ہیں جو وہاں کی یونیورسٹی میں مذہب کے معاملے میں ایک سند مانے جاتے ہیں اور بین الاقوامی مذاہب کے مطالعہ میں اُن کا ایک بڑا مقام ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ وہاں شامل ہوئے ہیں جب ہالینڈ پہنچا ہوں تو اُن کی طرف سے مجھے فیکس ملی ۔ اُس فیکس میں یہ تھا کہ میں فلاں ہوں اور مجھے بھی موقع ملا اُس تقریب میں شامل ہونے کا اور میں اتنا متاثر ہوں کہ اُس کا نشہ اترتا ہی نہیں ۔ میں گھر واپس آیا ہوں اُسی طرح مزا جاری ہے اور مجھے چین نہیں آ رہا جب تک میں آپ کو اطلاع نہ کردوں کہ حیرت انگیز طور پر وہ کامیاب تقریب تھی اور بہت ہی خوبصورت مسجد بنانے کی آپ کو توفیق ملی اور جو نظارے ہم نے وہاں دیکھے ہیں وہ یادگار نظارے ہیں جو ذہنوں سے تلف نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے اور غیر سبھی جماعت کی کوششوں کو سراہنے لگے ہیں اور جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ جو کامیابیاں عطا کر رہا ہے۔ یہی جماعت کی صداقت کا ثبوت بن کر دنیا کے افق پر چمک رہا ہے۔ یہ کامیابیاں چمک رہی ہیں اور یہ افق دن بدن روشن تر ہوتا چلا جائے گا۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ سب احمدی دنیا میں جو احمدی بھی میری آواز سن رہے ہیں وہ ان تحریکات میں حسب توفیق حصہ لیں گے۔ ہر شخص کی توفیق مختلف ہے دل کی بھی اور اموال کی بھی لیکن اگر آپ حسب توفیق حصہ لیں گے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے اموال کی توفیق بھی بڑھائی جائے گی اور آپ کے دلوں کی توفیق بھی بڑھائی جائے گی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۷) کہ خدا تعالیٰ کسی بندے پر اُس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس کا مفہوم عام طور پر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ جب وسعت ختم ہوئی وہاں بوجھ ختم ہو گئے۔ میں اس کا مفہوم اور جانتا ہوں اور میری زندگی کا تجربہ مجھے بتاتا ہے کہ جو میں سمجھتا ہوں وہ سچ ہے۔ خدا تعالیٰ جس کی خاطر جب

آپ اپنی توفیق تک قربانی کرتے ہیں وہاں خدا ٹھہر نہیں جایا کرتا بلکہ آپ کی وسعت بڑھاتا چلا جاتا ہے اور اُس وسعت کے مطابق جب آپ کو توفیق ملتی ہے تو آپ وسعت کے کناروں تک پہنچتے ہیں وہ خدا جس نے وعدہ کیا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ایک بار پھر آپ کی وسعتوں کی حدیں چوڑی کر دیتا ہے، وسیع کر دیتا ہے۔ پھر آپ کو اگر توفیق ملے اُن حدوں کو چھونے کی تو وہ حدیں آپ سے آگے بھاگتی ہوئی دکھائی دیں گی۔ پس نیکی کے معاملے میں میرا مذہب یہی ہے کہ انسان کی توفیق کی کوئی حد نہیں ہے۔ اپنی توفیق کے مطابق آپ کوشش کریں اللہ تعالیٰ اُس توفیق کو بڑھاتا چلا جائے گا۔ غالب نے بھی تو کہا ہے۔

ع میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

مگر خدا نے جو جنتیں ہمارے لئے قائم فرمائی ہیں ان کی حدیں ہم سے آگے آگے بھاگتی ہیں تا کہ ہمیں خدا کی جنتوں میں بھی تنگی کا احساس نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ ہماری برکتوں کی حدیں ہمیشہ وسیع تر کرتا چلا جائے، ہماری وسعتوں کی توفیق بڑھاتا چلا جائے پھر ہم اُس کی راہ میں اپنی وسعتوں کی حد تک قربانیاں پیش کریں پھر وہ ہماری وسعتوں کی حدیں آگے بڑھا دے تا کہ ہم کبھی یہ نہ کہہ سکیں کہ آج ہماری وسعتیں ختم ہو رہی ہیں اس لئے ہم خدا کی خاطر قربانی پیش نہیں کر سکتے۔ بعض احمدی مجھے اپنے تجربات سے مطلع کرتے رہتے ہیں اور یہ تجربہ صرف میرا ہی نہیں، اس تجربے میں تمام دنیا کی جماعت کے بعض مخلصین کا تجربہ شامل ہے۔ بسا اوقات مجھے بعض دوستوں نے خط لکھا ہے کہ ہم سمجھتے تھے کہ ہمیں فلاں قربانی کی توفیق نہیں ہے۔ دل ڈرتا تھا لیکن آخر جیسے چھلانگ لگا دی جاتی ہے خطرے میں ہم اپنے جذبے پر قابو نہ پا سکے اور ہم نے کہا ٹھیک ہے جو کچھ ہونا ہے ہو جائے۔ ہم ضرور اس قربانی میں حصہ لیں گے۔ حیرت انگیز طور پر خدا نے توفیق بڑھائی اور بعض تو ایسے عظیم واقعات ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

خاص خدا تعالیٰ کا غیب کا ہاتھ حاضر میں ظاہر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ غیب کو وہ شہود میں بدلتا ہے چنانچہ بکثرت ایسی مثالیں ہیں کہ ایک احمدی نے تنگی کے باوجود ایک ایسا وعدہ کر دیا جو اُس کی توفیق سے بہت بڑا تھا اور وہ یہ سمجھتا رہا کہ میں نے توفیق سے بڑھ کر یہ وعدہ کیا ہے شاید میں پورا نہ کر سکوں لیکن چونکہ غیر معمولی اخلاص کے ساتھ کیا تھا اس لئے اُس کو تنگ دستی کے بعد بعینہٖ اُتنی رقم ملی

جتنا اُس نے وعدہ کیا تھا اور بعینہٖ اُتنی رقم ملنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنا ہی دیتا ہے۔ یہ محض ایمان بڑھانے کی خاطر کیا جاتا ہے۔ یہ بتانے کی خاطر کہ یہ رقم ہم نے تمہاری قربانی کو قبول کرتے ہوئے مہیا کی ہے۔ اس وہم میں نہ مبتلا ہو جانا کہ اتفاقاً ملی ہے اور یہ واقعات اس کثرت سے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کینیڈا کے ایک دوست نے لکھا کہ میں نے فلاں وعدہ کر دیا تھا اور مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کیسے پورا ہوگا؟ میرا دل رکتا نہیں تھا مگر میں مجبور تھا اور اُس کے چند دن کے بعد مجھے ایک جگہ سے چٹھی ملی کہ تمہاری اتنی رقم ہمارے ذمے بنتی ہے جو غلطی سے ہم پیشگی میں کاٹتے رہے ہیں اس لئے وہ تمہیں بھجوا رہے ہیں وہ رقم بعینہٖ اُتنی تھی جتنی اُس چندے کی رقم تھی جتنا اُس نے وعدہ کیا تھا تو ہم ایک زندہ خدا پر یقین رکھتے ہیں اس لئے کہ زندہ خدا کو روزمرہ اپنے اندر ظاہر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں کسی فرضی خدا پر یقین نہیں رکھتے، وہ غیب سے شہود میں آتا ہے، غیب کو حاضر کرتا چلا جاتا ہے۔ جو جماعت ایسے خدا کے ساتھ زندہ ہو اُس جماعت کو کبھی کوئی نہیں مار سکتا جب تک خدا کی معیت اِسے حاصل ہے۔ پس آخری بات تو یہی ہے کہ اپنے تقویٰ کی حفاظت کریں، ہماری ساری دولت ہمارے تقویٰ میں ہے ہماری ساری دولت ہمارے دل کی سچائی میں ہے، ہمارے اخلاص میں ہے، اُس محبت میں ہے جو اللہ اور اس کے پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، ان نیکیوں کی حفاظت کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا ہر قدم ترقی پر پڑے گا۔ ہر قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا آپ ہی وہ جماعت ہوں گے جن کے قدم کہکشاں پر پڑیں گے اور دنیا سر اٹھا کر دیکھے گی کہ کیسی یہ جماعت تحت الثریٰ سے اتنی بلندیوں پر جا پہنچی ہے، ایک ہی نسخہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کی خاطر اپنے نفس کو مٹائیں اور تقویٰ اختیار کریں، مٹی میں مل جائیں تا کہ آپ کو ثریا تک بلند کیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی سچ فرمایا کہ

ع میں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا (درثمین: ۱۱۷)

جس خدا نے مسیح موعود کو خاک سے ثریا بنایا ہے۔ خدا کی قسم وہی خدا آج بھی زندہ ہے۔ ہر قربانی کرنے والے کو خاک سے ثریا بناتا چلا جائے گا اور وہ خدا کبھی نہیں تھک سکتا، اُس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی رحمتوں کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ایسی اداؤں کی توفیق بخشے جن پر خدا کے پیار کی نظریں پڑتی رہیں۔ یہی ہماری دولت اور یہی ہمارا مدعا ہے زندگی

کا۔ اللہ ہمیں اس کو حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور انور نے فرمایا۔

آج چونکہ ابھی میں نے دوبارہ ایک مختصر سے سفر پر روانہ ہونا ہے اس لئے میں انشاء اللہ تعالیٰ نماز عصر بھی جمع کروں گا۔ بعض دفعہ امام کی ضرورت کے ساتھ مقتدی کی بھی ضرورتیں بھی اس کے تابع ہونے کی وجہ سے پوری کی جاتی ہیں یعنی مطلب یہ ہے کہ امام کی ضرورتوں میں مقتدیوں کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ اس لئے آپ میرے ساتھ نماز بھی جمع کریں گے اور امید رکھتا ہوں کہ سفر چونکہ للّٰہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی برکتوں میں بھی آپ کو شامل فرمائے گا۔

بنگلہ دیش میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی سازش

پاکستان کے حالات کا ذکر اور بنگلہ دیش کے حکمرانوں کو نصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ رنومبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت کی۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾ (الحجرات:۱۵)

پھر فرمایا:۔

۱۹۷۴ء میں پاکستان میں جو خونی ڈرامہ کھیلا گیا اور بہت ہی گھناؤنی سازش کے نتیجہ میں بالآخر پاکستان کی بدنصیب اسمبلی نے ایک ایسا فیصلہ کیا جو جمہوریت کی تاریخ کا بدترین فیصلہ ہے اور جس نے پاکستان سے ہمیشہ کے لئے پاکستانی سیاست کی جڑیں اکھیڑ دیں اور سیاست کو ہمیشہ کیلئے مُلّاں کا غلام بنا دیا ویسی ہی سازشیں ان دنوں بنگلہ دیش میں پل رہی ہیں اور وہی کردار ہیں اُس ڈرامے کے، وہی اُس ڈرامے کی فکریں اور سوچیں کرنے والے لوگ ہیں اور اُسی قسم کے ہتھیار دوبارہ استعمال کئے جارہے ہیں، بالکل صاف وہی ہاتھ دکھائی دیتے ہیں۔ وہی طرزِ فکر ہے، وہی سازشیں اور ویسی ہی ظالمانہ کارروائیاں آج کل بنگلہ دیش میں جاری ہیں۔

ان کا آغاز دراصل چند سال پہلے ہوا تھا یعنی جب جنرل ارشاد برسرِ اقتدار تھے۔ ان دنوں

میں ہمیں مصدقہ اطلاعات اس بات کی بھی ملیں کہ کویت میں رابطہ عالم اسلامی کا اڈہ ہے اور وہاں مختلف اسلامی ممالک سے ان کے مذہبی وزراء کو دعوت دے کر بعض معاملات پر جو مخفی رکھے گئے غور کرنے کے لئے بلایا گیا اُنہی معاملات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ بنگلہ دیش میں بھی احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی کوششیں کی جائیں۔ اُس کی اطلاعیں جب ہمیں ملیں تو میں نے جماعت بنگلہ دیش کو متنبہ کیا کہ ابھی سے تیاری کریں یہ گہری سازش ہے اور یہاں ختم ہونے والی نہیں کیونکہ اس کے پیچھے سعودی عرب کے تیل کی دولت کارفرما ہے اور دولت انسانوں کی عقلوں پر پردے ڈال دیتی ہے، دولت کی حرص انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ بنگلہ دیش ایک غریب ملک ہے اور خطرہ ہے کہ وہاں کے صدر اس حرص میں آ کر ویسی ہی کارروائیاں شروع نہ کر دیں جیسے پاکستان میں کی گئی تھیں۔ کچھ معاملہ آگے بڑھا کہ وہ صدر اپنے منصب سے ہٹا دیئے گئے اور دوسری حکومت برسرِ اقتدار آئی۔ موجودہ حکومت میں بھی وہی کارروائیاں از سرِ نو شروع کی گئی ہیں لیکن اس دفعہ مرکز سے کویت نہیں بلکہ قرائن بتاتے ہیں کہ ایوانِ صدر پاکستان میں یہ سازشیں منتقل ہوئی ہیں اور وہاں کے وزیرِ مذہبی اموراس میں پوری طرح ملوث ہیں۔ چنانچہ وزیرِ اعظم بنگلہ دیش نے جو گزشتہ پاکستان کا دورہ کیا اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کچھ فیصلے ایسے ہوئے ہیں جن کے نتیجے میں باقاعدہ اسی طرز پر، اُسی نہج پر ایک مہم چلائی گئی جس کا آغاز چند روز پہلے جماعت احمدیہ کے مرکز جو 4۔بخشی بازار ڈھاکہ میں ہے یعنی ہیڈ کوارٹرز جس کو ہم کہتے ہیں وہاں علماء کے ایک گروہ نے اپنے چیلوں چانٹوں کے ساتھ اچانک حملہ کیا اور جتنے احمدی وہاں اس وقت موجود تھے ان کو بُری طرح زدوکوب کیا اور بعضوں کی حالت کافی دیر تک خطرے میں معلق رہی اور جان کنی کی حالت میں رہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب بڑے حوصلے میں رہے اور خدا نے فضل فرمایا کہ کوئی جان ضائع نہیں گئی۔ ایسی جانیں ضائع تو نہیں جایا کرتیں، جان دینے والے ہمیشہ کی زندگی پا جاتے ہیں مگر اردو محاورے کے مطابق میں کہہ رہا ہوں کہ کوئی جان ضائع نہیں گئی اور خدا کے فضل سے ان سب کو نیکیاں کمانے کے لئے ایک اور زندگی کا دور عطا کر دیا گیا ہے۔ اس وحشیانہ حملے میں تمام عمارت کو، عمارتوں کا ایک مجموعہ ہے ان کو آگ لگا دی گئی، فرنیچر وغیرہ قیمتی چیزیں ساری اکٹھی ڈھیریاں کر کے ان کو آگیں لگائی گئیں اور قرآن کریم کی بے حد بے حرمتی کی گئی۔ ایسی تصاویر وہاں کی اخباروں میں شائع ہوئی ہیں کہ ہر قسم کے تراجم قرآن کریم کے یا بغیر ترجموں کے قرآن وہ باہر خاک

میں پھینکے ہوئے یا آدھے جلے ہوئے یا پورے جلے ہوئے اور ان کے عنوانات کے ساتھ پتا چلتا ہے یا جو تحریریں اس کی پڑھی جاتی ہیں کہ یہ قرآن کریم ہیں۔ یہ وحشیانہ حرکت جیسی پاکستان میں کی گئی تھی ویسی ہی بنگلہ دیش میں کی گئی لیکن ایک فرق کے ساتھ پاکستان میں جو ڈرامہ کھیلا گیا اس کا آغاز ربوہ کے سٹیشن پر ہونے والے واقعہ سے ہوا۔ یہ ایک گہری سازش کے مطابق اس رنگ میں ترتیب دیا گیا کہ ان کو امید تھی کہ ایسی بیہودہ حرکتوں کے نتیجہ میں ربوہ کے نوجوان مشتعل ہوں گے اور وہ ضرور جوابی کارروائی کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے نتیجے میں مُلّاں کو اور حکومت کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا فوری طور پر تمام پاکستان کے ذرائع مواصلات نے ٹیلی ویژن، اخبارات کے ذریعہ جھوٹی خبریں سارے ملک میں مشتہر کی گئیں جو انتہائی اشتعال انگیز تھیں۔ یہاں تک کہا گیا کہ اہلِ ربوہ نے معصوم نوجوان مسلمانوں کی آنکھیں نکال دی ہیں ان کے جگر چبا گئے وغیرہ وغیرہ۔ عجیب وغریب قسم کی بیہودہ اشتعال انگیز باتیں سارے ملک میں مشہور ہوئیں بلکہ مجھے یاد ہے کہ ہزارہ میں تو ایک مولوی بالٹی میں بکروں کی آنکھیں لئے پھرتا تھا اور بتا رہا تھا ساتھ ساتھ کہ یہ وہ آنکھیں ہیں جو مسلمان معصوموں کی آنکھیں ہیں جو اہلِ ربوہ نے نکالی ہیں۔ بالٹی بھری ہوئی آنکھوں کی وہاں پہنچ گئی تھی۔ اس قسم کی جاہلانہ حرکتوں میں حکومت پوری طرح ملوث تھی اور تمام ذرائع ابلاغ اس جھوٹ کی تشہیر کر رہے تھے اور عوام الناس کو یقین دلایا جا رہا تھا کہ ربوہ میں بہت ہی بڑا ظالمانہ حملہ مسلمان طلباء پر کیا گیا ہے اور بڑی شدید قسم کی ظالمانہ کارروائی کے نتیجہ میں بہت سی جانیں خطرے میں ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس کا لازمی اثر جو پڑنا تھا وہ یہ تھا کہ سارے ملک میں فسادات کی آگ پھیل گئی اور کثرت کے ساتھ یعنی ہزاروں کی تعداد میں احمدی دکانیں جلائی گئیں، مکانات جلائے گئے، بہت سے احمدی شہید ہوئے، بہت ہی ظالمانہ طریق پر اس انتقامی کارروائی کو آگے بڑھایا گیا جس کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور ایسی تصاویر ہمارے پاس موجود ہیں کہ حملہ ہو رہا ہے، شہید کیا جا رہا ہے احمدیوں کو ان کے گھروں کو آگ لگائی جا رہی ہے اور پولیس ساتھ کھڑی ہے، مجسٹریٹ ساتھ کھڑے ہیں اور ان کی نگرانی میں کارروائی ہو رہی ہے۔ تو غالباً ان کا یہ خیال تھا کہ اس حملے کے نتیجہ میں جگہ جگہ اشتعال پیدا ہوگا اور احمدی جوابی کارروائی کریں گے لیکن اس واقعہ سے پہلے ہی ان کو میں بار بار نصیحت کر چکا تھا کہ آپ نے صبر سے کام لینا ہے اور ان کے ہاتھوں میں نہیں کھیلنا۔ چنانچہ ڈھاکہ میں جو واقعہ ہوا اس میں کوئی جوابی

کارروائی مقامی احمدیوں نے نہیں کی اور خالصۃً یکطرفہ ظلم کا نشانہ بنایا گیا مگر بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ انہوں نے تکلیفیں اٹھائیں۔ یہ سازش اس طرح بے نقاب ہوتی ہے ویسی تھی جیسے پہلے تھی کہ یکطرفہ ظالمانہ کارروائی کے باوجود جبکہ مقابل پر کوئی اشتعال انگیز کارروائی کسی قسم کی بھی نہیں ہوئی اچانک سارے ملک میں جہاں جہاں احمدی جماعتیں ہیں ان کے اوپر علماء چڑھ دوڑے اور برسرِ عام حکومت کو دھمکی دی کہ ہم ان کا قتلِ عام کریں گے ورنہ تم ہمارا مطالبہ تسلیم کرواور ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دو۔

بنگلہ دیش اور پاکستان میں ایک فرق ہے کہ وہاں کی سیاست نسبتاً زیادہ باہوش ہے اور وہاں کے دانشور بھی نسبتاً زیادہ عقل رکھتے ہیں چنانچہ سوائے ایک آدھ مُلّاں کے اخبار کے تمام اخبارات نے اس واقعہ کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے بھی اس کی بڑی سخت مذمت کی اور یہ جوان کا خیال تھا کہ ایک ہوا چل پڑے گی یہ نہیں چل سکی اور حکومت اگر اس میں ملوث ہے جیسا کہ بظاہر دکھائی دیتا ہے کہ ملوث ہے تو حکومت کو بھی ایسا موقع ہاتھ نہیں آیا کہ وہ اشتعال انگیزی کی تحریک میں شامل ہو جائے لیکن ایک حرکت حکومت نے یہ کی کہ اس واقعہ کے معاً بعد پاکستان کے بدترین علماء جو شر پسندی میں شہرت رکھتے ہیں اور غلیظ گندی زبان بولنے میں ان کا شاید دنیا میں ثانی نہ ہوان کو وہاں بلوایا گیا اور مکہ معظّمہ سے بھی علماء کو بلایا گیا آخر اچانک تو یہ اکٹھے نہیں ہوئے یعنی ایک طرف ظلم کی کارروائی ہو رہی ہو دوسری طرف اس کی تائید میں مزید علماء کو باہر سے دعوت دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ حکومت اس میں لازماً ملوث ہے ورنہ دنیا کی کوئی شریف حکومت اپنے شہریوں کے خلاف اشتعال انگیزی کے لئے باہر سے شر پسندوں کو دعوت نہیں دیا کرتی۔ چنانچہ انہوں نے کھلم کھلا پھر اشتعال انگیزی کی اور عام تحریک کی اور جیسا کہ اس ڈرامے میں بالآخر تان اس بات پر ٹوٹا کرتی ہے کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دو ورنہ یہاں خون کی نہریں بہہ جائیں گی۔ جہاں تک خون کی نہروں کا تعلق ہے جماعت احمدیہ بنگلہ دیش خدا کے فضل سے بڑی بہادر جماعت ہے، کمزور ہے لیکن دل کی کمزور نہیں اور ایمان بہت قوی ہیں چنانچہ مجھے بنگلہ دیش کے امیر صاحب کی طرف سے یہ یقین دہانی بار بار ملی ہے کہ آپ فکر مند ہیں، فکر کریں دعائیں بے شک کریں اور خطرات بھی بہت ہیں لیکن ہر ایک احمدی ایک چٹان کی طرح ثابت قدم ہے اور ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہے۔ وہ مضروب جن کو شدید تکلیف پہنچائی گئی اور بہت بری طرح زدوکوب کیا گیا ان میں سے ایک

بھی نہیں ہے جس نے اُف کی ہو یا شکایت کی ہو کہ میرے ساتھ یہ ہو گیا۔ اس لئے انہوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ مطمئن رہیں ساری دنیا کی جماعتوں کو بے شک یہ اطلاع ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بنگلہ دیش میں پیٹھ دکھانے والا کوئی احمدی نہیں ہے اگر کوئی واقعہ مزید ہوا تو ہر احمدی خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ قربانیوں کے لئے اکٹھا ایک جان کی طرح اپنے آپ کو پیش کرے گا۔ یہ وہ حالات ہیں مختصر جو بالا رادہ شرارت کے طور پر سازش کے نتیجہ میں وہاں پیدا کئے گئے اور پیدا کئے جارہے ہیں اور آج کی اطلاع یہ ہے کہ علماء کی طرف سے جیسا کہ پہلے بھی ہوا کرتا تھا ایک جلوس پہلے 4۔ بخشی بازار ڈھاکہ میں جہاں جماعت کا ہیڈ کوارٹر ہے اس کی طرف پہنچا۔ وہاں پہ عمارت تو کوئی باقی بچی نہیں تھی جس کو مزید جلایا جاتا لیکن اردگرد کے بہت سے مخلصین وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ اس عہد کے ساتھ کہ اگر اب کچھ ہوا تو ہم ہر قسم کی قربانی پیش کریں گے اس لئے اندر تو وہ نہیں گئے لیکن شدید گند بکتے ہوئے گالیاں دیتے ہوئے غیر مسلم قرار دیئے جانے کے مطالبوں کا اعلان کرتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور اسمبلی کی طرف گئے اور اسمبلی میں باقاعدہ یہ مطالبہ پیش کیا گیا اور سپیکر نے اس کو قبول کیا بلکہ ایک اطلاع کے مطابق یہ پہلے ہی پیش کیا جا چکا تھا اور ڈپٹی سپیکر نے سپیکر کی نمائندگی میں اس کو قبول کر لیا تھا۔ اب یہ عوامی کارروائی کے طور پر غالباً دوبارہ پیش کیا گیا ہے کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دو۔

جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے الٰہی جماعت ہے اور آج تک جتنے بھی ابتلاء جماعت پر آئے ہیں یہ قطعی حقیقت ہے تکلیفیں پہنچی ہیں جذباتی، عزتوں کی، اموال کی، انفس کی ہر طرح کی قربانیاں جماعت نے پیش کی ہیں لیکن جماعت کا قدم پیچھے نہیں ہٹا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا ہے کہ چند سوکھے ہوئے پتے جھڑے ہیں لیکن ان سے زیادہ شاداب اور سرسبز اور نشوونما پانے والے پتے ایسے ظاہر ہوئے جو بارور بھی بنے، آگے انہوں نے پھر پھل پیدا کئے۔ جماعت کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ وہ جماعت نہیں ہے کہ جسے چکی میں پیسا جائے تو چھوٹی ہو کر نکلے۔ یہ وہ جماعت ہے جو تمام الٰہی جماعتوں کی طرح چکی سے پس کر نہیں نکلتی بلکہ بڑی ہو کر اور مزید طاقتور ہو کر باہر آتی ہے اس لئے اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہاں آئندہ کیا ہو گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں کچھ مشورے وہاں کی حکومت اور وہاں کی عوام اور سیاستدانوں کو دینا چاہتا ہوں لیکن جو بھی ہو گا میں جماعت احمدیہ عالمگیر کو یقین دلاتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کو دنیا کی کوئی طاقت ذلیل اور رسوا اور چھوٹا نہیں کر سکتی۔ پہلے سے بہت بڑی ہو کر نکلے

گی۔ ہر ابتلاء نے جماعت کو طاقت بخشی ہے کمزور نہیں کیا۔

پس یہ ابتلاء کوئی نئی نوعیت کا ابتلاء نہیں سو سال سے ہمارے آزمودہ ابتلاؤں میں سے ایک ابتلاء ہے۔ اس کے نتیجے کے متعلق جماعت احمدیہ کو ادنیٰ سا بھی شک نہیں ہے۔ ابھی پچھلے دنوں کینیڈا میں جو مسجد کے افتتاح کی تقریب تھی اس سے متعلق دنیا سے جو اطلاعات مل رہی ہیں ان سے تو پتا چلتا ہے کہ بہت سے غیر احمدیوں نے جو وہ نظارے دیکھے ہیں تو حیران ہو گئے ہیں کہ جماعت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ پاکستان کے ایک احمدی صحافی نے مجھے خط لکھا جو کل ہی ملا ہے وہ لکھتے ہیں کہ وہاں کے نامور صحافی ہیں جو مذہبی امور میں لکھنے کی شہرت رکھتے ہیں اور ان کا معروف نام ہے سارے پاکستان میں وہ مجھے ملنے آئے اور سر پھینکا ہوا اور ایسی عجیب کیفیت تھی جیسے تکلیف کی حالت میں ہوں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ رات میں نے ایک احمدی کے گھر کینیڈا میں منعقد ہونے والی مسجد کی کارروائی دیکھی اور ساری رات میں اس بات پر پچھتاتا رہا کہ ہم کیا کر بیٹھے ہیں اور کیا ہماری عقلوں پر گزری، ہم نے کیا کر دیا کہ جماعت احمدیہ کو جس کے نتیجے میں جماعت کو خود اتنی بڑی ترقیات نصیب ہو گئیں ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ باتیں نہیں تھیں۔ یہ الفاظ بعینہٖ وہ نہیں ہیں لیکن جو مضمون مجھے لکھا گیا اس کا ماحصل یہ ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ تو یہ جو خیال ہے یہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ اخبار اہلحدیث کی ایک تحریر بھی میں نے پڑھ کے سنائی تھی اور اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ بالآخر وہ وقت آن پہنچا ہے کہ یہ شدید ترین مخالفین بھی محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہماری کوششیں حقیقت میں ناکام رہی ہیں، نامراد رہی ہیں، برعکس نتیجے پیدا کرنے والی ہیں اور جماعت احمدیہ کو کمزور کرنے کی بجائے ہم اپنی کارروائیوں کے نتیجے میں ان کے لئے مزید طاقت کا سامان پیدا کر چکے ہیں۔ دراصل ملّاں نے کیا طاقت بخشنی ہے کسی کو۔ ہوتا یہ ہے کہ مُلّاں کی ہر ذلیل کارروائی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ طاقت بخشتا ہے اور یہ بات ان کو دکھائی نہیں دے رہی۔ اگر یہ بات عوام الناس کو سمجھ آ جائے یا دانشوروں کو سمجھ آ جائے تو آئندہ ان کے جو لائحہ عمل ہیں وہ اس کی روشنی میں بالکل بدل جائیں گے لیکن مشکل ان کے لئے یہ ہے کہ اگر ہمیں چھوڑ دیں تب ہم ترقی کرتے ہیں، ہمارے پیچھے پڑیں تب ہم ترقی کرتے ہیں یعنی جائیں تو کہاں جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر حضرت مسیح کا ہی یہ مشہور مقولہ صادق آتا ہے کہ میں کونے کا پتھر ہوں جو مجھ پر گرے گا وہ پاش پاش ہو جائے

گا، میں جس پر گروں گا وہ پاش پاش ہو جائے گا۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت تو وہ کونے کے پتھر کی جماعت ہے جو چُن کر ایسا پتھر وہاں نصب کیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ شدید ہو یعنی اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (الفتح:۳۰) کے معنوں میں، یہ لفظ اس لئے میں استعمال کر رہا ہوں۔ سب سے زیادہ طاقتور ہو اور اس پر کوئی چیز گرتی ہے تو اپنا سر توڑتی ہے اور وہ جس پر گرتا ہے اس کا سر توڑتا ہے۔ تو ہمیں چھوڑیں تو تب مارے جائیں نہ چھوڑیں تو تب مارے جائیں یہ کریں کیا؟ ایک ہی راہ ہے کہ ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے نشانات ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں ایک سال دو سال نہیں سو سال متواتر اتنی تائیدات کے نشان دکھائے ہیں کہ ایک اندھے کو بھی محسوس ہو جانا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی طاقتیں ان کے ساتھ ہیں ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ ورنہ ہر بار ہر مخالفانہ کارروائی کا اُلٹ نتیجہ نکلنا کیا معنی رکھتا ہے۔

بہر حال یہ تو اب جن لوگوں کو خدا تعالیٰ گمراہ قرار دے دے ان کی بداعمالیوں کے نتیجے میں ان کا کوئی علاج نہیں ہوا کرتا۔ نہ وہ دیکھ سکتے ہیں، نہ وہ سن سکتے ہیں، نہ وہ سچائی کے اظہار کی طاقت رکھتے ہیں لیکن ان میں بھاری اکثریت ایسی ہے جن پر اس صورتِ حال کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بھاری اکثریت ایسی ہے جو لاعلمی میں یہ حرکتیں کر رہی ہے۔ یہ صرف چند ہیں گنتی کے راہنما ان کو کہہ لیں یا بدنصیب لیڈر کہہ لیں جو بھی ان کو نام دیں راہنمائی کی صلاحیتوں سے محروم ہیں اور غلط صلاحیتوں کے استعمال کے نتیجے میں ہر دفعہ قوم کو ہلاکت کی طرف لے کے جاتے ہیں۔ یہ وہ بدنصیب واقعات ہیں جنہوں نے پاکستان کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ جب سے پاکستان قائم ہوا ہے مسلسل مولوی کے مظالم اور غلط راہنمائی کے نتیجہ میں قوم کا حال بد سے بدتر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

میں بنگلہ دیش کے رہنے والوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر ان میں یہ طاقت نہیں کہ مذہب کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور قدیم تاریخ تک نگاہ دوڑائیں تو مذہب کی تاریخِ حاضرہ پر نظر ڈالیں جماعت احمدیہ کے سو سال کس بات کی شہادت دے رہے ہیں؟ کیا حقیقتیں ان کے سامنے کھول رہے ہیں؟ تو یہ کوئی دور کی بات نہیں۔ یہ تو آج کی زندہ تاریخ ہے جو ان امور کو کھول کھول کر ان کے سامنے رکھ رہی ہے تو اس سے نصیحت پکڑیں۔ ان کو حقیقت میں پاکستان کے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہاں کیا ہوا؟ موجودہ وزیر اعظم اگر اس میں ملوّث ہیں

جیسا کہ میں بیان کر رہا ہوں کہ شواہد بتاتے ہیں کہ ملوّث ہیں تو ان کو اتنا سوچنا چاہئے کہ اس سے پہلے جنہوں نے یہ کارنامے سرانجام دیئے تھے ان سے خدا کی تقدیر نے کیا سلوک کیا؟ اور یہ ملّاں لوگ جو ان کو یہ آفر کرتے رہے ہیں کہ اگر تم ہمارے ساتھ ہو جاؤ تو ہمیشہ کے لئے تمہارا نام زندہ رہے گا، تمہارے مخالف ختم ہو جائیں گے، تمہارے مدِّ مقابل سیاست دانوں کی سیاست ختم ہو جائے گی اور تمہیں دوام بخشا جائے گا اور علاوہ ازیں یہ روحانی سہرا بھی ہم تمہارے سر پہ باندھیں گے۔ کیا یہ موجودہ وزیرِ اعظم یہ دیکھ نہیں سکتیں کہ یہی سہرا باندھنے والے ہاتھ پھر پھانسی کا پھندہ بھی پہنایا کرتے ہیں اور ان ہاتھوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

یہ تاریخ تو پرانی نہیں ہے۔ جن لوگوں نے مولویوں کے سہروں کی لالچ میں غلط اقدام کئے ہیں ان کا انجام آپ کے سامنے ہے اور یہ وہ انجام ہے جو الٰہی سنت کے مطابق ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (فاطر: ۴۴) ہر طرف نظر دوڑا کے دیکھ لو تم خدا کی سنت میں نہ کوئی تبدیلی پاؤ گے نہ کوئی ہیر پھیر پاؤ گے یہ سنت ہے جو بار بار اسی طرح جاری ہوتی ہے۔ پس آنکھیں کھولیں ہوشیار ہوں، اگر کوئی غلطیاں کی جا چکی ہیں تو اب وقت ہے کہ ان سے توبہ کی جائے، استغفار کیا جائے اور خواہ مخواہ ظلم کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس انجام کو نہ پہنچیں جو ظالموں کا انجام خدا تعالیٰ نے مقدر کر رکھا ہے۔

جہاں تک قوم کا تعلق ہے قوم بھی پیسی جائے گی۔ غلط فیصلوں کے نتیجے میں جو اس وقت کے سربراہ کیا کرتے ہیں ساری قوم پر بد اثرات مترتب ہوتے ہیں اور ایسے مصائب کی چکی میں پھر قوم پیسی جاتی ہے اور بار بار ایسے ہولناک ابتلاؤں میں ڈالی جاتی ہے کہ پھر نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتی۔

پاکستان سے عبرت حاصل کریں۔ یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ اس دور میں اسلام کی ایک ایسی خدمت کی جا رہی ہے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر جس کی کوئی مثال اسلامی تاریخ میں آپ کو دکھائی نہیں دے گی۔ اتنا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا جا رہا ہے کہ اس کے نتیجے میں کارنامہ سرانجام دینے والے ہمیشہ کے لئے خدا کی خوشنودی حاصل کر لیں گے اور عرشِ معلّٰی پر ان کی حمد کے گیت گائے جائیں گے اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی پا جائیں گے اور اسلام ترقی کرے گا اور نشو و نما پائے گا اور ہر طرف اسلام کا بول بالا ہو گا۔ یہ وہ نقشے ہیں اس جنت کے جو انہوں نے کھینچے اور یہ نقشے عملاً کس طرح حقائق

میں ڈھل کر سامنے آئے اس کی تصویر بڑی بھیانک ہے۔ میں صرف ایک دونمونے آپ کے سامنے رکھتا ہوں تا کہ بنگلہ دیش والے جو یہ سُن رہے ہوں یا ان کو یہ پیغام پہنچایا جائے کہ ان باتوں کو ملحوظ رکھیں۔

جو کچھ ۱۹۷۴ء میں ہوا یا جو اس کے نتیجے میں منطقی نتیجے کے طور پر بعد میں ۸۴ء میں رونما ہوا اور پھر مسلسل ظلم و ستم کی داستان جاری وساری ہوئی اس کے نتائج کیا نکلے۔ سابق وزیر قانون پاکستان لکھتے ہیں:

"درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ دنیا ہماری بداعمالیوں کو دیکھ کر اسلام کے بارے میں رائے قائم کرتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر آج ہم اسلام سے علیحدگی کا اعلان کر دیں تو یورپ کا بڑا حصہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوسکتا ہے۔"

کہ اگر خدمت اسلام کرنی ہے تو یہ رستہ ہے اس کا۔ اس اسلام میں داخل ہوں جسے آپ نے الگ کر رکھا ہے۔ اس کو دیکھ کر یورپ حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہا ہے تو اس اسلام سے توبہ کریں جو ظلم وستم کا اسلام ہے جو ہرگز محمد رسول اللہ ﷺ کا اسلام نہیں ہے اس لئے ناممکن ہے کہ اسلام حضرت محمد رسول اللہ کا ہو اور دنیا اسے دیکھ کر توبہ کرے۔ پس جب اس اسلام کو چھوڑا جائے تو مرغوب ہو جائے اور شہرت پا جائے اور دنیا بڑے شوق سے اس کی طرف ولولے کے ساتھ اس کی طرف آگے بڑھے اور اس کے دامن میں پناہ ڈھونڈنے لگے۔ تو یہ منطقی نتائج ہیں ان پر غور کریں۔ بروہی صاحب جماعت کے مداحوں میں سے نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے زیرِ اثر پرورش پانے والے انسان ہیں انہوں نے کھل کر ہمیشہ جماعت اسلامی کی تائید کی ہے۔ اس کے باوجود ان تمام اسلام کو نافذ کرنے کی کوششوں کا جو نتیجہ انہوں نے ایک مشہور قانون دان کے طور پر بڑی معقول زبان استعمال کرتے ہوئے نکالا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ آج ہم اسلام سے علیحدگی کا اعلان کر دیں تو یورپ کا بڑا حصہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوسکتا ہے۔ جب وہ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن پر اسلامی ممالک کا لیبل لگا ہوا ہے تو ان کے قدم اسلام کی طرف بڑھنے سے رک جاتے ہیں۔ اشاعتِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہم خود ہیں۔"

سید کوثر شیرازی صاحب کا جائزہ یہ ہے جو ۱۹ جولائی ۱۹۹۱ء میں چھپنے والے ایک مقالے میں سے لیا گیا ہے۔

''میں سالِ رواں کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک پل کو شمار کر رہا ہوں مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ میرے چاروں طرف آگ بھڑک رہی ہے۔ بارود کا دھواں پھیلا ہوا ہے، بموں کے دھماکے ہو رہے ہیں، انسانی چیخ و پکار کا شور برپا ہے، گولیاں چل رہی ہیں، مار دھاڑ ہو رہی ہے، لوٹ مار کا بازار گرم ہے سائے ناچ رہے ہیں پتلے مچل رہے ہیں وحشت اور درندگی کی فضا میں شہری سہمے سہمے خوفزدہ اور حیران بیٹھے ہیں یا اللہ یہ سب کیا ہے؟ قیامت اور کیا ہوگی؟ عذابِ الٰہی نازل ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔''

سوال یہ ہے کہ جو کچھ پاکستان میں ہوا اگر یہ اسلام کی خدمت تھی تو کیسا خدا ہے جس کے دین کی آپ نے خدمت کی۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کا خدا تو ایسا نہیں تھا، وہ تو ادنیٰ ادنیٰ خدمتوں کو حیرت انگیز احسانات سے نوازتا تھا۔ کسی نے ایک روٹی کی قربانی پیش کی ہے تو ایسے اموال میں برکتیں دی گئیں کہ نسلاً بعد نسلٍ برکتوں سے ان کی اولادوں نے کھایا اور پھر بھی وہ ختم نہیں ہوئیں، کسی نے معمولی عزت کی قربانی دی تو عزتوں میں ایسی برکت دی گئی کہ معمولی معمولی تاج وتخت کے مالک بنا دیئے گئے۔ یہ وہ خدا ہے جو اپنی راہ میں قربانی کرنے والوں کو نوازتا ہے ان سے محبت اور پیار کے سلوک کرتا ہے۔ یہ کیسا خدا ہے تم لوگوں کا خدا؟ اگر تم سچے اور یقیناً تم جھوٹے ہو سچے نہیں کیونکہ اگر تم سچے ہوتے تو خدا کا سلوک تم سے ایسا نہ ہوتا۔ پس میں تمہارے محاورے میں کہہ رہا ہوں یہ تمہارا خدا کیسا ہے کہ جتنی خدمت کرتے ہو اتنی ہی جوتیاں مارتا ہے اور ایسا ذلیل اور رسوا کرتا ہے ناراضگی اور عذاب کے ایسے کوڑے برساتا ہے کہ ساری قوم اس سے بلبلا اٹھی ہے اور چیخ رہی ہے اور کوئی چارہ نہیں پا رہی، کوئی نجات کی راہ نہیں دیکھتی۔ یہ اسلامی مملکت ڈاکوؤں کی مملکت بن گئی، یہ اسلامی مملکت بچے چرانے والوں کی مملکت بن گئی، معصوم عورتوں کی عزت لوٹنے والوں کی مملکت بن گئی، ایسی مملکت بن گئی جہاں قانون کے رکھوالے سب سے زیادہ قانون کی حدود میں رہنے والوں کے امن پر ڈاکے مارتے ہیں اور سب سے زیادہ ان کی حمایت کرتے ہیں جو قانون شکن ہیں۔ پاکستان کے حالات تو اب ایسے کھلے کھلے واضح حالات ہیں کہ کبھی دنیا میں کسی رات کی سیاہی ایسی واضح نہیں ہوئی جیسے پاکستان کے دنوں کی سیاہیاں واضح ہیں اور اندھیر نگری کا ایسا عالم ہے کہ کوئی پاکستان کا باشندہ ایسا

نہیں رہا جو اس پر شور نہ ڈال رہا ہو، پکار نہ کر رہا ہو کہ کیا ہو گیا ہے۔ کیا خدمت تم نے کی ہے خدا تعالیٰ کی اور دین کی جس کے نتیجے میں یہ سزائیں مل رہی ہیں؟ وہ واضح خدمت ہے۔ ۱۹۷۴ء کے بعد سے آج تک پورے ملک کو امن نصیب نہیں ہوا۔

تو بنگلہ دیش کی وزیر اعظم محترمہ کو اور وہاں کے دانشوروں کو میں سمجھاتا ہوں، ایک غریبانہ، عاجزانہ نصیحت ہے کہ ان جہالتوں کا اعادہ نہ کریں جو ظلمات بن کر آپ کو ایسا گھیر لیں گے کہ ان ظلمات سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پائیں گے آپ۔ پہلے ہی غریب ملک ہے، کئی قسم کے حوادث کا شکار ہے، غربت اتنی ہے کہ کم ہی کسی ملک میں اتنی غربت ہوگی اور پہننے کے لئے کپڑے میسر نہیں بچوں کو۔ بھاری تعداد ایسی ہے جو لنگوٹوں میں یا معمولی ایک ایک چادر میں گزارے کرتی ہے۔ ایک وقت کی روٹی مل جائے تو غنیمت سمجھی جاتی ہے۔ اس کے اوپر خدا کا غضب سہیڑ بیٹھیں اور خدا کو ناراض کرنے کے لئے کوئی اقدام کر بیٹھیں، بہت بڑی جہالت ہوگی اور تاریخ کبھی آپ کو معاف نہیں کرے گی اگر آپ نے ایسی بیہودہ حرکت کی۔

ملاں آپ کو اسلام کے نام پر یہ کہتے ہیں یہ عظیم الشان خدمت ہے کیونکہ **نعوذ باللہ من ذالک** ایک شخص نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پہ ڈاکہ ڈال دیا ہے آپ ؐ کی خاتمیت پہ ڈاکہ ڈال دیا ہے۔ یہ ایسا بیہودہ محاورہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی گستاخی ہے۔ کون ہے؟ کس ماں نے وہ بچہ جنا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت پہ ڈاکہ ڈال سکے آپ ؐ کی نبوت پہ ڈاکہ ڈال سکے۔ کوئی پیدا ہی نہیں ہوا ایسا شخص اور پیدا ہو تو خدا کی تقدیر اس کا نام و نشان اس دنیا سے مٹا دے گی۔ پس یہ محض بیہودہ محاورے ہیں ان میں کوئی حقیقت نہیں ہے سوائے جھوٹ کے، سوائے فساد کے یہ زبان اور کوئی پیغام نہیں دیتی لیکن عوام الناس بلکہ سیاستدان بھی جہالت میں مبتلا ہو کر بعض دفعہ ان جھوٹے کھوکھلے نعروں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالا کیسے ڈاکہ ڈالا؟ ان سے پوچھیں اور پھر اگر تمہیں کوئی غیرت ہے تو پھر رسول کی غیرت رہ گئی ہے اور خدا کی غیرت کوئی نہیں۔ آج دنیا میں بھاری اکثریت انسانوں کی ایسی ہے جنہوں نے خدا کی خدائی پہ تمہارے محاورے کے مطابق ڈاکے ڈال رکھے ہیں۔ جو بُت پرست ہیں آج ان کی اکثریت ہے دنیا میں۔ جنہوں نے خدا کے رسولوں کو خدا کا بیٹا بنالیا ان کی بھاری اکثریت ہے اور وہ تمہارے محاورے کے مطابق خدا کی خدائی لوٹ بیٹھے، خدا کی عزتوں پر

ہاتھ ڈال بیٹھے اور اس کے باوجود تمہارے کانوں پہ جوں تک نہیں رینگتی۔ ہندوستان میں جو کچھ ہورہا ہے اس پر تمہیں کوئی توجہ نہیں ہے۔ جہاد کرنا ہے تو پھر ان ممالک میں جہاد کرو جہاں مسلمانوں پر ظلم و ستم توڑے جارہے ہیں اور وہاں مولویوں کو سب سے آگے بھیجنا چاہئے کیونکہ کہتے ہیں کہ ہمیں شوقِ شہادت سب سے زیادہ ہے۔ یہ جو کنٹرول زمین تھی کشمیر کی اس سے بیچاروں کو روکا کیوں گیا؟ مولویوں کو چاہئے تھا کہ کھیپ کی کھیپ وہاں بھجوادیتے تاکہ ایک دفعہ یہ شوقِ شہادت تو پورا کرتے لیکن سب سے پیچھے رہتے ہیں۔ جہاں واقعۃً موت کا خطرہ سامنے دکھائی دے وہاں یوں لگتا ہے ان کو کوئی سانپ سونگھ گیا ہے اور جہاں کوئی کمزور، نہتے بے بس لوگوں پر ظلم کا معاملہ ہو وہاں شیروں کی طرح دندناتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

مجھے ۱۹۷۴ء کے دوران کی باتیں یاد ہیں۔ ایک گوجرانوالہ کے ایک گاؤں پر کچھ مولوی بہت بڑا جلوس لے کر حملہ آور ہوئے اور قریب تھا کہ وہ سارے بیچارے معصوم کمزور احمدی گاؤں ٹل پڑتے کسی نے اطلاع دی کہ وہ بھی آگے سے تیار بیٹھے ہیں۔ آگے بڑھنا ہے تو ہوش سے آگے جانا کیونکہ وہ ہیں تھوڑے لیکن مرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایک کے مرنے میں دس مار کے مریں گے۔ اس خبر پر سارا جلوس مبہوت ہو گیا اور آپس میں باتیں شروع ہوئیں کہ کون آگے بڑھے تو کسی نے مولویوں کو پکڑا کہ آپ آگے چلیں کیونکہ آپ ہی ہمیں شوقِ شہادت دلا کر یہاں تک لائے ہیں تو مولویوں کے لئے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ کسی نے کہا ہمیں بندوق نہیں چلانی آتی، کسی نے کہا مجھ میں یہ کمزوری پیدا ہوگئی ہے اور جب انہوں نے مولویوں کا یہ رویہ دیکھا تو جلوس والوں نے کہا کہ آپ کا یہ حال ہے تو ہماری جانیں کیوں ضائع کرواتے ہیں ہم بھی واپس چلتے ہیں۔ چنانچہ گاؤں کے دروازے سے یہ سارا جلوس واپس پلٹ گیا۔ تو حکومتوں کو چاہئے کہ اگر مولویوں کی صداقت آزمانی ہے تو آزمائشوں کی بھٹی میں سب سے آگے جھونکیں۔ جہاں جہاں مظالم ہورہے ہیں مسلمانوں پر وہاں ان کو دھکیلا جائے۔ میں نے گزشتہ کچھ عرصہ پہلے خطبہ جمعہ میں یہ اعلان کیا تھا کہ بوسنیا کی زمین واقعۃً شہادت کے لئے بلا رہی ہے اور میں نے اعلان کیا تھا کہ جن ممالک میں مسلمان حکومتیں ہیں وہ صاحبِ اختیار ہیں۔ وہاں جہاد ہوسکتا ہے جو غیر مسلم ممالک میں غیر مسلم حکومتوں میں رہتے ہیں ان کے لئے جہاد کی صورت نہیں ہے لیکن ترکی میں جہاد ہوسکتا ہے پاکستان

میں جہاد ہوسکتا ہے۔ان مما لک کی حکومتیں اعلان کریں تو میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے احمدی پیش پیش ہوں گے لیکن آپ کے لئے مشکل یہ ہے کہ آپ احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے اور جہاد کے لئے استعمال کرنا شاید پسند نہ فرمائیں۔تو میرا مشورہ یہ ہے کہ مولویوں کو کیوں نہیں پکڑتے سارے مولویوں کو پکڑ کے پاکستان کے ہوں، بنگلہ دیش کے ہوں ان کی فوجیں بنائیں اور بوسنیا میں بھجوا کے ان کو جامِ شہادت نوش کرنے دیں۔ اتنا بیچارے مسلمان عوام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں جامِ شہادت نوش کرو۔خود کیوں نہیں نوش فرماتے ، اپنی دفعہ وہ جام تلخ ہو جاتا ہے۔ یہ دھوکے باز ہیں۔

بنگلہ دیش میں بھی ان کا یہی حال ہے۔بار بار وہاں سے اطلاعیں آتی ہیں کہ بعض علاقوں پر مظالم ہوئے ہیں مسلمانوں کے خلاف ۔ برما کے بڑے بھاری تعداد میں مہاجر آئے ہیں تو برما کا فرنٹ کیوں نہیں کھول دیتے ان کے لئے ۔ضرور بیچارے مظلوم احمدیوں پر حملے کروانے ہیں جو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے ،جن کو تعداد کے لحاظ سے اور طاقت کے لحاظ سے یہ توفیق ہی نہیں ہے اوران کے لئے سرِ دست جو دور ہے وہ مظلومیت کا دور ہے۔ وہ اپنی مظلومیت سے بھی نہیں ڈرتے ، وہ اپنا نہتا ہونے سے بھی نہیں ڈرتے ،ان کو اس کمزوری کے باوجود خوف نہیں ہے کہ آپ آئیں اوران کے بڑوں اور چھوٹوں اور بچوں کو قتل کریں،ان کے گھروں کو آگ لگائیں۔ پہلے بھی آپ ان سے یہ کرتے رہے ہیں اور دیکھ چکے ہیں کہ اس کے باوجود وہ خوف کھانے والے نہیں ہیں۔تو تم جو سمجھتے ہو کہ واقعۃً تم جامِ شہادت نوش کرنے کی خواہش رکھتے ہو بہترین علاج تمہارے لئے یہ ہے کہ برما کی فوج کھولو، اور بنگلہ دیش کی حکومت کو چاہئے کہ اچھی بھلی فوج ملی ہوئی ہے لاکھوں کی تعداد میں مُلّاں اوران کے چیلے چانٹے ہیں ان کو بھجوائیں ایک دفعہ جھگڑا ختم ہو، سیاست گندگی سے پاک ہو اورامن کی زندگی بسر کریں۔تو جاہلانہ حرکتیں نہ کریں حقیقت کو دیکھیں حال کیا ہے؟

آنحضرت ﷺ کی نبوت پر نہ کوئی ڈاکہ ڈال سکتا ہے نہ قیامت تک کوئی ایسا پیدا ہوگا جو ڈاکہ ڈال سکے۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو غلامی کا دعویٰ کیا ہے اور عاشقانہ غلامی کا دعویٰ کیا ہے۔آپ نے تو یہ کہا ہے’’وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے‘‘

سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا

وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے (دُرِّثمین : صفحہ ۸۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام تو پڑھ کے دیکھیں کہ وہ کیسا عاشقِ صادق ہے۔عربی، اردو، فارسی میں جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی محبت میں آپ کا کلام ہے اس کی نظیر سارے عالم اسلام میں آپ کو کہیں دکھائی نہیں دے گی۔تو ہوش کریں دیکھیں تو سہی کہ کس کے اوپر آپ کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ آپ کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ آپ وہ مہدی ہیں جن کے آنے کی خوشخبری محمد رسول اللہؐ نے دی اور جن کے حق میں آسمان سے چاند سورج نے گواہی دی۔آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ وہ مسیح موعود ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی غلامی میں عیسائیت کے خلاف ایک عالمگیر جہاد کی بنیاد ڈالنی تھی اور مہم شروع کرنی تھی۔

جہاں تک نبوت کا تعلق ہے جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مہدی اور مسیح کا مقام غلامی نبوت کا یعنی مطیع نبوت کا ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے۔وہ حقیقی نبوت جو آزاد ہو، جو کسی دوسرے نبی کی غلام نہ ہو، وہ حقیقی نبوت جو صاحب شریعت ہو اس کا نہ کبھی حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ فرمایا نہ کبھی ایسا ادّعا کیا بلکہ ایسے شخص پر لعنت ڈالی اور فرمایا کہ اس کا اسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ تو مسیحیت اور مہدویت کا ہے اور ہم عقلاً اور نقلاً ثابت کرتے ہیں کہ مسیح موعود جو امتِ محمدیہ میں پیدا ہونا ہے اور مہدی موعود جس نے امتِ محمدیہ میں ظاہر ہونا ہے یہ آنحضرت ﷺ کے تابع نبی ہیں آزاد اور حقیقی نبی ان معنوں میں کہ گویا وہ کسی دوسرے نبی کی غلامی سے آزاد ہوں اور اپنی ذات میں فی ذاتہٖ نبوت کے کمالات حاصل کر چکے ہوں۔ایسا نبی نہ آسکتا ہے نہ کبھی کسی نے دعویٰ کیا ہے اور امتی نبوت کے متعلق قرآن کریم گواہ کھڑا ہے۔اس آیت کو جب تک تم نوچ کر قرآن سے باہر نہ نکال دو تمہارا کوئی حق نہیں ہے کسی پہلو سے بھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کسی قسم کا حملہ کرو اور یہ الزام لگاؤ کہ **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِکَ** ایسی نبوت کا دعویٰ کیا ہے جس کو قرآن ردّ کرتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ (النساء:۷۰)

کیسا کھلا کھلا اعلان عام ہے۔آیت خاتم النبیین برحق ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام اللہ کی قسمیں کھا کر اعلان کرتے ہیں کہ اس آیت پر بدرجہ کمال ہمیں ایمان حاصل ہے بلکہ اس کی معرفت کو جیسا ہم سمجھتے ہیں ہمارے مخالف اس کا ادنیٰ سا بھی نہیں سمجھتے لیکن اس آیت کے مضمون کی قرآن کریم کی کوئی دوسری آیت مخالف اور معاند ہو ہی نہیں سکتی۔اس آیت کو اس آیت کی روشنی میں پڑھیں جس میں یہ اعلان ہے کہ ہر نبوت بند مگر غلامی کی نبوت، اطاعتِ محمدیہ ؐ کی نبوت وہ جاری وساری رہے گی اور صرف محمد مصطفیٰ ؐ کے غلاموں کو عطا ہوگی مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ اعلان عام ہے کہ جو شخص اللہ اور اس رسول یعنی محمد مصطفیٰ ؐ کی اطاعت کرے گا فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ اب بس یہی لوگ ہیں جو انعام پانے والے ہوں گے ان کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔تم نبوت کہتے ہو قرآن کہتا ہے کہ ہر انعام محمد رسول اللہ ؐ کی غلامی سے وابستہ کر دیا گیا ہے مِّنَ النَّبِیّٖنَ کون ہیں یہ انعام پانے والے؟ مِّنَ النَّبِیّٖنَ نبیوں میں سے ہوں گے وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ صدیقوں میں سے ہوں گے وَالشُّھَدَآءِ شہداء میں سے ہوں گے وَالصّٰلِحِیۡنَ اور صالحین میں سے ہونگے وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا کیسے اچھے ساتھی مل گئے تمہیں۔نبیوں میں سے ہو گئے، نبیوں کا ساتھ عطا ہو گیا۔صدیقوں، شہیدوں اور صالحین میں سے ہو گئے لیکن ایک شرط ہے اطاعت محمدیؐ اور کامل اطاعت ۔ جتنا اطاعت میں درجۂ کمال کو پہنچو گے اتنا ہی بڑا درجہ نصیب ہو جائے گا۔بس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو کچھ میں نے پایا ہے محمد مصطفیٰ ؐ کی غلامی اور اطاعت سے پایا ہے اور اسے تم وہ حقیقی نبوت قرار نہیں دے سکتے جس کی راہیں بند ہیں۔یعنی وہ نبی جو ہمیشہ کے لئے اولوالامر ہوگا، قیامت تک اس کے لفظ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔وہی حاکم ہے، حکمران ہے، نہ صرف اپنے زمانے کا بلکہ ہمیشہ آئندہ آنے والے زمانوں کا۔اس پر تم نے یہ فساد برپا کر رکھا ہے، اس پر شور ڈالا ہوا ہے۔تم کل خدا کو کیا جواب دو گے لیکن خدا کل پر ادھار نہیں رکھا کرتا۔ایسے بدبختوں کو جو کلامِ الٰہی کو توڑ مروڑ کے اپنے وحشیانہ مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، دنیا میں بھی سزائیں دی جاتی ہیں اور وہ تاریخ جس کا میں نے مختصر ذکر کیا ہے حال کی تاریخ وہ اس بات پر گواہ کھڑی ہے کہ بعد کے زمانے کی باتیں تو مرنے کے بعد دیکھی جائیں گی۔اس دنیا میں بھی خدا انہیں بخشے گا اور سزا پر سزا دیئے چلے جائے گا۔

بنگلہ دیش کے راہنماؤں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ عقل سے کام لیں، ہوش کے ناخن لیں

اور اپنی قوم کو اس قعرِ مذلت میں نہ دھکیل دیں جس میں جاتے ہوئے تو دیکھا جاتا ہے وہاں سے نکلتے ہوئے کبھی کسی کو نہیں دیکھا گیا۔ جہاں تک سیاست کا معاملہ ہے، سیاست کو تو یہ حق ہی نہیں ہے کہ وہ مذہبی امور کے متعلق فیصلے کرے اور یہ کہے کہ فلاں کے ادعاء کے خلاف اس کا مذہب یہ ہے۔ یہ تو حد سے زیادہ جاہلانہ بات ہے کہ کسی مذہب کی طرف منسوب ہونے کا حق اس ملک کی سیاست چھین لے اور یہ دھمکیاں دی جائیں کہ اگر یہ حق نہیں چھینا جائے گا تو یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ بنگلہ دیش میں اگر خون کی ندیاں بہائی جائیں اور حکومت اس میں ذمہ دار ہوگی تو جو بھی خون بہے گا وہ ایک بنگالی کا خون ہوگا اور بنگال کے راہنماؤں کے اوپر اس خون کا ایک ایک قطرہ قرض ہوگا۔ جو خون ملک میں ملک کے باشندوں کا بہتا ہے ملک کے باشندوں کا حق ہوتا ہے۔ مذہب اور ملت اور رنگ کی تفریق کے بغیر ہر شہری کا حق ہے کہ اس کی حکومت اس سے انصاف اور عدل کا معاملہ کرے۔ اس کے خون کا ایک ایک قطرہ تمہاری گردن پر ہوگا۔ پس بنگال میں اگر خون بہے گا تو بنگالی کا بہہ رہا ہوگا نہ مسلمان کا نہ ہندو کا۔ مظلوم کا خون تو نہ مذہب رکھتا ہے نہ رنگ رکھتا ہے وہ مظلوم ہی کا خون ہوتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ان کو عقل دے جہاں تک سیاست کا تعلق ہے سیاست کو زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ ایسے مذہبی امور میں دخل دے جس کے لئے سیاست بنائی نہیں گئی۔ سیاست کی دنیا ایک الگ دنیا ہے اور پھر ایسے امور میں دخل دے جہاں دخل دینے کی خدا نے کسی کو بھی اجازت نہ دی ہو۔ یہ مُلّاں دعوے کرتے ہیں کہ فلاں وجہ سے یہ غیر مسلم ہیں فلاں وجہ سے غیر مسلم ہیں۔ اپنی ان کی عمریں کٹ گئیں چودہ سو سال گواہ ایک دوسرے کو غیر مسلم اور کافر قرار دیتے ہوئے اور اتنے اتنے بھیانک الزام لگائے ہیں ایک دوسرے پر اور اتنی شدت کے ساتھ کفر کے فتوے لگائے ہیں اور اس اقرار کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ فلاں فرقہ اور اس کے تمام افراد نہ صرف غیر مسلم بلکہ جہنمی ہیں۔ پھر یہاں تک بھی لکھا ہے کہ جو شخص اس فتوے میں شک کرے گا وہ بھی غیر مسلم اور جہنمی ہے۔ یہ سارے فتوے کھلے کھلے چھپے ہوئے موجود ہیں۔ بنگلہ دیش کی جماعت کو میں نے نصیحت کی ہے کہ فوراً ان کو شائع کریں اور سارے اہلِ بنگالہ کو بتائیں کہ یہ کون مُلّاں ہے جو آج تم سے مخاطب ہو رہا ہے کل یہ کیا کیا کرتا تھا؟ جب احمدیت ابھی وجود میں ہی نہیں آئی تھی اس وقت یہ مولوی ایک دوسرے کے خلاف کیا فتوے دیا کرتے تھے۔ ان کی باتوں پر چل کر تم کیوں اپنی سیاست کو تباہ کرتے ہو۔ یہ دراصل ایک سازش ہے

جیسا کہ پاکستان کے خلاف کی گئی تھی۔احمدیوں کا تو خدا محافظ ہے اور مظلوم ہونے کے لحاظ سے بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں لیکن سیاستوں کا تو خدا محافظ نہیں ہے۔پس سیاست دان غلطیاں کرتے ہیں تو اس کے تلخ نتائج ان کی زندگیوں کا حصہ بن جاتے ہیں، یہ گھونٹ ان کو بھرنے ہی پڑتے ہیں۔

پس آج پاکستان کی سیاست اُکھڑی ہوئی ہے اور دن بدن بے بس اور نہتی ہوتی چلی جارہی ہے۔اس کا ایک ہی علاج ہے کہ توبہ کرو اور غلط فیصلوں کو کالعدم قرار دو۔جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے سیاست کو تو کیا کسی مذہبی راہنما کو بھی خدا تعالیٰ نے یہ حق نہیں دیا کہ کسی کو غیر مسلم قرار دے دے۔ سب سے بڑا حق اگر کسی کو نصیب ہوسکتا تھا تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوسکتا تھا۔تمام تاریخ میں آنحضرت ﷺ کی زندگی کی تاریخ میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ہے۔میں تمام دنیا کے مولویوں کو چیلنج دے کے کہتا ہوں ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ ایک بھی تمہیں ایسا واقعہ نہیں ملے گا کہ کسی نے کہا ہو کہ میں مسلمان اور محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا ہو نہیں تم مسلمان نہیں ہو۔درخشندہ تاریخ میں جس وقت اسلام بن رہا تھا، منصۂ شہود پر ابھر رہا تھا خدا کا جمال اور خدا کا جلال ایک زندہ محمدؐ کی شکل میں دنیا میں رونما تھا اس وقت ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہوا وہ شخص جو خدا سے علم پاتا تھا اور خدا کے علم سے کلام کرتا تھا جس کی دلوں پر نظر تھی اس نے بھی کبھی ایک دفعہ بھی ایسا نہیں کیا کہ کسی مسلمان ہونے کے دعوے دار کو غیر مسلم قرار دے دیا ہو۔کیوں نہیں کیا؟ ایک تو فراست، طبعی فراست ایسی روشن تھی کہ وہ دنیا کے روشن ترین عالم کے چاند ستاروں کو بھی شرماتی تھی اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔سورج کی روشنی کی آنحضرت ﷺ کی فراست کے سامنے کوئی حیثیت نہیں کیونکہ انسانی فراست کی روشنی مادی روشنیوں کے اوپر غالب ہوتی ہے اور جونہی یہ فراست ترقی کرتی ہے اس روشنی کو دوسری روشنیوں پر غلبہ عطا ہوتا ہے۔یہ مبالغہ آمیزی کی باتیں نہیں ہیں یہ حقیقت ہے کہ محمد رسول اللہؐ کی فراست سے بڑھ کر روشن فراست نہ کبھی پہلے ہوئی نہ کبھی آئندہ ہوگی اور تمام روشن وجودوں میں سب سے زیادہ روشن وجود آپؐ کا ہے۔اس لئے روشنی کے ساتھ اندھیروں کا کوئی جوڑ نہیں ہوا کرتا۔ایک فیصلہ بھی آپؐ غلط نہیں کر سکتے تھے نہ کبھی کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس بارے میں واضح ہدایت فرمائی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا اعراب یعنی بدوی لوگ کہتے تھے ہم ایمان لے آئے ہیں قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا اے محمدؐ! ان کو بتا دے۔یعنی خدا خبر دے رہا ہے کہ تم ایمان نہیں لائے وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا

اَسْلَمْنَا پھر بھی ہم تمہیں حق دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہو۔ ایسی حالت میں بھی اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا حق ہے تمہیں کہ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ایمان نے تمہارے دلوں میں جھانکا تک نہیں، داخل ہی نہیں ہوا۔ لیکن تم کہتے ہو کہ ہم ایمان لائے خدا کہتا ہے کہ ایمان نہیں لائے واضح بات ہے لیکن تمہیں مسلمان کہلانے کا حق پھر بھی رہتا ہے۔ محمد مصطفی ﷺ بھی تمہیں اسلام کی طرف منسوب ہونے کے حق سے محروم نہیں کرتے۔ یہ وہ آیتِ کریمہ ہے جس نے ساری بات کھول دی نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (النور:۳۶) کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے نزول سے پہلے بھی حضرت محمد مصطفی ﷺ نے کبھی کسی کو اس کے دعوے کے خلاف مسلمان کہلانے کے حق سے محروم نہیں فرمایا۔ اس آیت کے بعد تو ناممکن ہو جاتا ہے۔

آج کے مُلّاں اگر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں حق حاصل ہے تو اپنی بدبختی اور بدنصیبی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہؐ سے بڑھ کر دعویٰ کرتے ہیں اور کوئی دنیا میں ایسا شخص نہیں ہے جو محمد مصطفی ﷺ سے بڑھ کر روحانی طاقتیں رکھنے کا یا عالمانہ طاقتیں رکھنے کا دعویٰ کرے اور خدا کے ہاں مردود نہ ٹھہرے۔ پس ان مردودوں کے پیچھے چل کر تم اپنے نصیب کیوں اُجاڑتے ہو بگاڑتے ہو۔ خدا حق نہیں دے رہا اور یہ حق لے رہے ہیں اور تمہیں بھی کہتے ہیں کہ آؤ اس چوری کے حق سے تم بھی استفادہ کرو۔ تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اس لئے جو غلطیاں پہلے ہوئی ہیں ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرو اور توبہ کرو، جہاں تک مسلمان کہلانے کے حق کا تعلق ہے آنحضرت ﷺ نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی کہ کسی کو یہ کہو کہ تمہارے دل میں نہیں ہے کیونکہ دل میں نہیں کا دعویٰ خدا کر سکتا ہے۔ محمد مصطفیٰؐ نے بھی ایمان کی نفی تب کی جب خدا نے خود بتایا کہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے اس کے باوجود مسلمان ہونے کا دعوے کا حق ان کو دیا اور اس حق کو سب نے استعمال کیا۔

جہاں تک یہ بات کہنے کا تعلق ہے ایک عام آدمی کے لئے کہ تمہارے دل میں نہ ایمان ہے نہ اسلام اس صورت حال پر روشنی ڈالنے کے لئے یہ عظیم واقعہ میں آپ کے سامنے رکھ کر میں اس خطبے کو ختم کرتا ہوں۔ احمدیوں کے سامنے تو بار بار یہ واقعہ پیش کیا جا رہا ہے مگر میں امید رکھتا ہوں کہ بنگال تک بھی یہ آواز پہنچ رہی ہوگی اور بنگال کے غیر احمدی مسلمانوں اور دیگر دانشوروں کے سامنے یہ صورت حال خوب کھول کر پیش کرنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا کیا فیصلہ ہے اس کے مقابل پر مولوی

تم سے کیا مطالبے کر رہا ہے۔ اپنی راہ چُن لو تم نے محمد مصطفی ؐ کے ساتھ رہنا ہے یا مُلّاں کے پیچھے چلنا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک جہاد کے دوران ایک نامی پہلوان سے ایک مسلمان مجاہد کا مقابلہ ہوا اور بڑی مشکل کے ساتھ بالآخر اس نے اس پہلوان کو زیر کیا اور زیر کر کے جب وہ قتل کرنے لگا تو اس نے اعلان کیا کہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحمدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔مُحمدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی نہیں کہا۔ صرف لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی یہ جو کہتے ہیں نبوت کی شرط ہے، نبوت میں فوقیت شامل ہے یہ سب اوٹ پٹانگ دلیلیں بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو میں واقعہ بیان کر رہا ہوں اس واقعہ میں حدیث سے ثابت ہے کہ اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس مسلمان مجاہد نے پھر بھی اسے قتل کر دیا۔ واپس آ کر بڑے فخر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے حضور یہ واقعہ پیش کیا کہ یا رسول اللہؐ! آج یہ واقعہ پیش ہوا ہے۔ میں جانتا تھا کہ جھوٹ بول رہا ہے جان بچانے کے لئے ایسا کر رہا ہے میں نے اسے قتل کر دیا۔ ان کی اپنی روایت ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اتنے ناراض ہوئے کہ میں نے ساری زندگی میں کبھی آپ کو اتنا ناراض نہیں دیکھا۔ بار بار یہ کہتے تھے افلا شققت عن قلبه، افلا شققت عن قلبه ۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث نمبر: ۱۴۰) او بدنصیب تو نے دل پھاڑ کر کیوں نہیں دیکھ لیا کہ اس کے دل میں اسلام تھا کہ نہیں تھا۔ اتنا کہا کہ میں نے حسرت کی کاش اب یہ کہنا بند کر دیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے حسرت سے اس بات کی خواہش کی کاش میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا کہ محمد رسول اللہؐ کی ایسی شدید ناراضگی مجھے نہ دیکھنی پڑتی اور پھر ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس روایت کو سن کر یہ فرمایا کہ تو قیامت کے دن کیا جواب دے گا جب اس شخص کا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ جسے تو نے قتل کیا ہے قیامت کے دن تیرے سامنے گواہ بن کر کھڑا ہو جائے گا کہ تو نے ایک ایسے بندے کو قتل کیا ہے جو لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ رہا تھا اور تو نے اسے تسلیم نہیں کیا۔

تو احمدی تو لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ورد کرتے ہیں اور وردِ جان ہے یہ کلمہ اُن کا۔ اس کلمہ کی خاطر جان و مال اور عزتوں کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ سالہا سال سے پاکستان کی گلیوں نے یہ گواہیاں دی ہیں کہ اس کلمہ کی حفاظت اور عزت کی خاطر احمدی اور کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔ جیلوں میں ٹھونسے گئے مارے گئے، گلیوں میں گھسیٹے گئے، ان کی عزتیں لوٹی گئیں ان کے

اموال چھینے گئے، ان کے گھروں کو جلایا گیا لیکن کلمہ کی حفاظت سے ایک قدم بھی یہ پیچھے نہیں ہٹے۔ تو ان کے خلاف تم دعویٰ کرتے ہو کہ یہ غیر مسلم ہیں؟ تمہیں تو عقل نہیں ہے، تم تو عقل سے کلیتہً عاری ہو چکے ہو لیکن بنگلہ دیش کے سیاست دان پر مجھے توقع ہے کہ وہ بہتر دانشوری کے نمونے دکھائے گا۔ انہیں عقل اور فہم عام دوسرے پاکستانی سیاستدانوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ میرا تجربہ ہے میں بنگال میں بہت پھر چکا ہوں۔ ان لوگوں میں عقل نسبتاً زیادہ ہے اور منطق کی بات کی جائے تو ضد نہیں کرتے اور سمجھ جاتے ہیں اس لئے وقت ہے کہ بڑی تیزی کے ساتھ ان کو سمجھایا جائے کہ عقل اور ہوش کے ناخن لو۔ خوفناک سازش کا نہ صرف شکار ہو اور نہ قوم کو شکار ہونے دو۔ تمہاری نہ دنیا رہے گی نہ تمہارا دین رہے گا۔ ایک لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ کا مقابلہ کرنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ گلی گلی سے احمدیوں کی روحیں قیامت کے دن تمہارے خلاف شہادت دیں گی لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھیں گی۔ اس وقت کس منہ سے خدا کو جواب دو گے کہ ہم نے ان لوگوں پر ظلم کیا ان پر ستم کیا ان کی جانیں لیں اور ان کی عزتیں لوٹیں اور ان کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عقل دے اور ہوش دے اور تم اس بدنصیب کہانی کو دہرانے والے نہ بنو جو پاکستان میں کچھ عرصہ پہلے دہرائی گئی تھی اس کی پاداش آج تک اسی طرح جاری وساری ہے۔ وہ واقعہ تو تاریخ کا حصہ بن گیا ہے لیکن سزا ایک زندہ حقیقت کے طور پر قوم سے چمٹ بیٹھی ہے اور چھوڑنے کا نام نہیں لیتی۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا۔

کیونکہ سردیوں کے چھوٹے دن آگئے ہیں اور اتنے چھوٹے ہو گئے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ ختم ہونے سے پہلے پہلے عصر کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے اس لئے حسبِ سابق جب تک یہ صورتِ حال کی مجبوری رہے گی ہم جمعہ کی نماز کے ساتھ عصر کی نماز جمع کیا کریں گے اور جب یہ دن اتنے لمبے ہو جائیں کہ جمعہ کا وقت اور عصر کا الگ الگ ہو جائیں تو انشاء اللہ پھر حسبِ سابق جمعہ اور عصر کی نمازیں الگ الگ پڑھی جایا کریں گی۔

اللہ تعالیٰ آنکھوں اور دل کی خیانت کو بھی خوب جانتا ہے۔
اپنے روزمرہ تعلقات میں خیانت سے بچیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ نومبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی۔

وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَـنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ ؕ﴿۱۹﴾ يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ﴿۲۰﴾ وَاللّٰهُ يَقۡضِىۡ بِالۡحَـقِّ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَقۡضُوۡنَ بِشَىۡءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ (المومن: ۱۹ تا ۲۱)

پھر فرمایا:۔

کینیڈا سفر اور روانگی سے پہلے خیانت کا مضمون چل رہا تھا کہ کس طرح خیانت نے بھی مختلف بتوں کی صورت میں انسان کے دل میں اپنے اڈے جمائے ہوتے ہیں اور جب تک یہ بت نہ ٹوٹیں ان کی جگہ خدا نہیں آسکتا۔ اس سلسلے میں ابھی گفتگو جاری تھی کہ وقت ختم ہو گیا اور میں نے یہ ذکر کیا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ خطبے سے اسی مضمون کو شروع کیا جائے گا۔

یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں خیانت ہی کے مضمون پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے لیکن اس سے پہلے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قرآن کے ذکر سے پہلے کہ

اے محمدؐ! وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَـنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ اس دن سے ان کو ڈرا جو قریب تر آتا چلا جا رہا ہے وہ دن جب خوف سے دل ہنسلیوں تک جا پہنچیں گے۔ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ اس دن ظالموں کے کوئی ان کا گہرا جگری دوست کام نہیں آسکے گا۔ وَلَا شَفِيۡعٍ نہ کوئی ایسا شفیع ان کو میسر ہوگا کہ خدا تعالیٰ جس کی شفاعت کو مان لے جس کی اطاعت کی جائے يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ اور ان باتوں سے باخبر ہے جن کو دل چھپائے رکھتے ہیں وَاللّٰهُ يَقۡضِىۡ بِالۡحَـقِّ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے اور وہ لوگ جن کو خدا کے سوا پکارتے ہیں لَا يَقۡضُوۡنَ بِشَىۡءٍ ان کے پاس تو فیصلے کی کوئی بھی طاقت نہیں، کوئی اختیار نہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔ یہاں پہلے تو متنبہ فرمایا گیا کہ تمہاری خیانتیں ایسی نہیں ہوں گی کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے اور تم انہیں چھپا سکو۔ ایک دن ایسا آنا ہے جب ان خیانتوں کا تمہیں حساب دینا ہوگا اور وہ دن اتنا سخت ہے کہ محاورے کے مطابق جیسے خوف سے دل بعض دفعہ اس طرح دھڑکتے ہیں یوں لگتا ہے کہ گردن سے ٹکرا رہے ہوں، ہنسلیوں کی ہڈیوں سے ٹکرا رہے ہیں تو ایسی کیفیت دل کی ہوگی کہ جب خوف اور اضطراب سے دل آپے سے باہر ہو رہے ہوں گے اور وہ دن ایسا ہوگا جب دوستیاں کام نہیں آئیں گی، جب کوئی شفاعتیں کام نہیں آئیں گی۔ اللہ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وہ آنکھ کی خیانت کو جانتا ہے۔ یہ بہت ہی اہم مضمون ہے جس پر اگر ہم نظر رکھیں تو ہماری آنکھیں بہت سی بدیوں سے بچ جائیں اور ہمارے دل بہت سی چیزوں کو چھپانے کے جھنجٹ سے نجات پا جائیں اور معاشرے کی صفائی اور معاشرے کو جرائم سے پاک رکھنے کے لئے اس آیت کا مضمون ایک بنیادی کردار ادا کر سکتا ہے۔ عام طور پر بدی نظر سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں دوسرے موقعوں پر فرمایا وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ (طٰہٰ: ۱۳۲) تم اپنی نظر کو یونہی آزاد، آوارہ نہ دوڑایا کرو۔ جس کے پاس اچھی چیز دیکھی جو ہم نے اسے عطا کی ہے اسے لینے کا فیصلہ کر لو، اس کو لینے کی حرص تمہارے اندر پیدا ہو جائے۔ پس للچائی ہوئی آنکھ سے دوسری چیزوں کو دیکھنا، یہ گہری اور سنگین بدیوں کی بنیاد ڈالنے والی بات ہے اور یہ بنیاد دل میں

پڑتی ہے۔ پس انسان جب کسی کی اچھی چیز کو دیکھتا ہے خواہ انسانی چیز ہو، رشتے میں اس کے تعلق والی ہو یا کسی کی ملکیت کو دیکھتا ہے تو آنکھ کی حرص دراصل دل کو یہ پیغام دیتی ہے کہ اس کو اپنانے کا فیصلہ کرلو اور جب یہ فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر ساری سکیمیں اندر اندر تیار ہوتی ہیں اور دل آماجگاہ بن جاتا ہے اس خیانت کی جس کا آغاز آنکھ سے ہوا تھا۔ تو خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ فرمایا کہ آنکھوں کی خیانت، اس کی حفاظت کرو۔ یہ ایسا ہی مضمون ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا کہ سرحدوں پر گھوڑے باندھ لو۔ اس بات کا انتظار نہ کرو کہ دشمن تمہارے گھر تک پہنچ جائے پھر دفاع کی کارروائی شروع کرو۔ تو آنکھ وہ سرحد ہے جہاں خیانت کا دفاع ہونا چاہئے۔ اگر آنکھ سے خیانت کا دفاع ہو جائے تو دل کا حال صاف ہی رہتا ہے دل پاکیزہ رہتا ہے اور اس کو پھر کسی قسم کا خطرہ درپیش نہیں ہوتا۔ تو کتنی لطافت کے ساتھ خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو بیان فرمایا کہ آنکھوں کی حفاظت کرو۔ آنکھوں سے خیانت شروع ہوتی ہے وہ دل میں اترتی ہے، وہاں پناہ لے لیتی ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ میرے دل کا حال تو کسی پر روشن نہیں ہے۔ کیسے کوئی سمجھے گا کہ میں نے کیا سوچا اور کیا نیت باندھی؟ فرمایا اللہ جانتا ہے، وہ خیانت کے آغاز سے لے کر اس کے انجام تک تمام مراحل سے واقف ہے اور پوری طرح ان تمام منازل سے واقف ہے جن سے نیتیں گزر کر بدی کا روپ ڈھالتی ہیں اور پھر دنیا میں مصیبتیں اور دکھ پھیلا دیتی ہیں۔ چنانچہ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ میں یہ تمام بدنیتی کا سفر یہ ایک گندی سکیم پر منتج ہوا ایک بد ارادے پر منتج ہوا جس کے ذریعے چوریاں ہوئیں، ڈاکے ہوئے، قتل ہوئے، لوگوں کی عزتوں پر حملے ہوئے۔ یہ سارا مضمون قرآن کریم کی اس چھوٹی سی آیت میں درجہ بہ درجہ تمام تفصیل سے بیان فرما دیا ہے وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ کہ جس کی نظر ہر چیز پر ہو، باریک سے باریک چیز پر ہو اس کا فیصلہ تو لازماً حق کے ساتھ ہوگا۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ وہ لوگ جن کو یہ خدا کے سوا معبود بناتے ہیں ان کے ہاتھوں میں تو کوئی فیصلے نہیں چنانچہ شرک کا مضمون بھی اس کے ساتھ باندھ دیا۔ دراصل خائن لوگ اپنی خیانت اول تو چھپاتے ہیں جب پکڑی جاتی ہے تو پھر دنیاوی خداؤں کی طرف رخ کرتے ہیں اور ان سے سہارے ڈھونڈتے ہیں اور ان کے فیصلے اپنے حق میں کروانے کے لئے پھر خیانت سے کام لیتے ہیں تو اسی لئے خدا تعالیٰ نے شروع میں فرما دیا کہ وہ دن جس کا ہم ذکر

کرنے والے ہیں وہاں کسی جھوٹے کی شفاعت منظور نہیں ہوگی، کسی جھوٹے کی خاطر شفاعت منظور نہیں ہوگی، کسی کی دوستی کام نہیں آئے گی لیکن دنیا میں جب تم خیانتیں کرتے ہو تو ایک سہارا تمہارا یہ جھوٹے معبود ہیں جو تم نے اپنے دلوں میں نصب کر رکھے ہیں۔ خیانت خود جھوٹ، خیانت خود ایک جھوٹا خدا ہے لیکن جب خیانت مصیبت ڈالتی ہے تو پھر مزید جھوٹے خداؤں کی طرف انسان رخ کرتا ہے، ان کی طرف دوڑتا ہے۔ تو فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں اس دن کوئی فیصلہ نہیں ہوگا اور دنیا میں ان کے فیصلے تمہارے کسی کام آ نہیں سکتے کیونکہ تم خدا کی پکڑ کے نیچے ہو۔

پس اس پہلو سے خیانت کا مضمون بہت اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ اس کی بہت سی شاخیں ہیں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے غدر کے لفظ کے تابع خیانت کو بیان فرمایا ہے کیونکہ لغت والے بتاتے ہیں کہ غدر اور خیانت، دھوکہ اور خیانت ملتے جلتے مضامین ہیں۔

چنانچہ عہد شکنی کو قرآن کریم نے خیانت قرار دیا اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے لفظ غدر کے تابع عہد شکنی کا ذکر فرمایا۔ فرمایا **عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ تعالیٰ ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ و رجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ** (بخاری کتاب الاجارہ حدیث نمبر: ۲۱۰۹) بخاری کی یہ حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن میں جھگڑا کروں گا۔ ایک وہ شخص جس نے میرے ساتھ عہد کر کے دھوکہ کیا کہ یہ میرے عہد بیعت میں داخل ہوا اور پھر اس کی کوئی پرواہ نہ کی یہ بھی ایک خیانت کی قسم بلکہ سب سے زیادہ سنگین قسم ہے۔ دوسرے وہ شخص جس نے آزاد شخص کو غلام بنایا اور بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا یہ بھی براہ راست خدا تعالیٰ کی خیانت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو آزادی بخشی ہے انسان کو اس کا آزادی کا حق چھیننے کا کسی دوسرے کو حق نہیں۔ پس غلامی کے مضمون پر یہ حدیث حرف آخر ہے۔ اس میں غلامی کے متعلق تمام ضروری ہدایات عطا فرمادی گئیں جنہیں آج بدقسمتی سے عالم اسلام نظر انداز کر رہا ہے وہ مقدس سرزمین جہاں یہ ہدایت جاری فرمائی گئی۔ یعنی مکہ اور مدینہ یعنی ارض حجاز جہاں یہ دونوں آباد مقدس بستیاں واقع ہیں وہاں آج تک بھی لونڈیوں کا رواج ہے اور غلام پالے جارہے ہیں اور مشرق وسطیٰ میں غلاموں کی

تجارت ہو رہی ہے غریب ملکوں سے عورتیں بھی خریدی جاتی ہیں، معصوم بچے بھی خریدے جاتے ہیں اور ہر طرح کے مظالم اس فرضی حق پر کئے جارہے ہیں کہ ہم نے پیسے دیئے اور اس کو خرید لیا۔ اللہ تعالیٰ کا رسول فرماتا ہے یعنی خدا فرماتا ہے کہ انسان کی آزادی خدا کی عطا ہے کسی کو حق نہیں ہے کہ اسے غلام بنا کر دوسروں کے پاس بیچے یہ سودا فاسد ہے جس نے اس کے پیسے کھائے اس نے بھی خیانت کی اور جس نے وہ خرید کر اپنی طرف سے غلام سمجھا اس نے بھی خیانت کی کیونکہ چوری کا مال آگے چاہے ہزار دفعہ بکے وہ چوری کا مال ہی رہے گا اور جس کے ہاں سے دستیاب ہوگا وہ بھی چور سمجھا جاتا ہے۔

پس اس پہلو سے بہت ہی اہم مضمون ہے کہ تمام دنیا میں کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کو غلام بنانے کا حق نہیں ہے یہ خدا کی طرف سے آزادی امانت ہے اور اس امانت میں خیانت کرنے کا کسی کو اختیار نہیں پھر فرمایا تیسری قسم کی بددیانتی یہ کرے کہ کسی مزدور کو اُجرت پر رکھے اور پھر اس کا پورا حق ادا نہ کرے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جتنی اُجرت طے ہو وہ نہ دے۔ فرمایا **استاجر اجیرا فاستوفی منه ولم یعطه اجره** اس سے تو پورا پورا فائدہ اٹھالیا اور اس کا جو حق ہے وہ ادا نہیں کیا۔ اس دھوکے میں لوگ مبتلا نہ رہیں کہ جتنی اُجرت طے کر لی جائے اگر وہ دے دی جائے تو حق ادا ہو جاتا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ جب فاقے پڑتے ہیں، غریب ملکوں میں مصیبتیں حائل ہوتی ہیں تو وہاں حق اجرت کم ہو جایا کرتی ہے اور اس کو Exploitation کہا جاتا ہے، یعنی استحصال ہو رہا ہے کسی کا تو اگر آپ کسی مزدور کو اتنے پیسے دیں کہ جتنا اس نے آپ کا کام کیا ہے اس کا مناسب بدلہ نہ ہو تو قطع نظر اس کے کہ اگر آپ نے اس کو اپنے معاہدے کے مطابق پیسے دیئے ہیں یا نہیں آپ نے اس کا حق رکھ لیا ہے۔

پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **ولم یعطه اجره** ان معنوں میں کہ لیا تو اس سے پورا کام لیکن جو اس کو دیا اس کا حق نہیں بنتا تھا اور یہ فیصلہ انسانی فطرت کرتی ہے اور کر سکتی ہے ہر شریف النفس انسان جب کسی سے کام لیتا ہے تو اس کی فطرت کے اندر خدا تعالیٰ نے ایک پیمانہ رکھ دیا ہے جو ان باتوں کو جانچ لیتا ہے کہ جس قسم کی نیت کوئی شخص کر رہا ہے میں اس کا حق ادا کر بھی رہا ہوں کہ نہیں۔ پاکستان میں مجھے یاد ہے سخت گرمیوں میں جب مزدور عمارتیں بناتے دیکھے جاتے تھے تو انتہائی تکلیف میں وقت گزار کر کڑکتی دھوپ میں وہ کام کیا کرتے تھے اگر رات، شام کو ان کو ڈھائی روپے دے دیئے جائیں جو اس زمانے میں مزدوری ہوتی تھی اور انسان سمجھے کہ حق ادا ہو گیا بالکل

جھوٹ ہے ،ایک نفس کا دھوکہ ہے ان کیلئے اس بنیادی عہد سے بڑھ کر خدمت کرنا ضروری ہے۔ایسے موقعوں پر ان کے لئے شربت کا انتظام کرنا،کھانا پیش کرنا اور سہولتیں مہیا کرنا اور اجرت سے بڑھ کر جو طے شدہ اجرت ہے اس سے بڑھ کر ادا کرنا یہ ہے جو امانت کا حق ادا کرنے والی بات ہے۔اس سے ورے ورے جتنی چیزیں ہیں اس میں کچھ نہ کچھ خیانت شامل ہو جاتی ہے اور خصوصاً اس معاملے میں احتیاط اس لئے ضرورت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایسے شخص کے ساتھ میں چلوں گا۔میں اس غریب کا وکیل بنوں گا جس سے محنت کروائی گئی،جس سے پورا کام لیا گیا اور اس کا حق ادا نہیں کیا گیا۔تو جماعت احمدیہ کو اس حدیث کو ہمیشہ حرز جان بنا کر رکھنا چاہئے۔اس میں بہت گہرائی اور تفصیل کے ساتھ کئی بنیادی باتوں کا ذکر ہے اور دراصل اسی آیت کریمہ کی ایک تفسیر ہے يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ۝ (المومن:۲۰) کہ لوگ کئی قسم کی خیانتیں کرتے ہیں ان کی آنکھیں چیزیں دیکھتی ہیں اور خیانت کر جاتی ہیں ۔اب اس مضمون کا یعنی مزدوری کے مضمون کا بھی آنکھوں سے ایک تعلق ہے۔اب مالک دیکھ رہا ہے کہ کس قسم کا کام کر رہے ہیں،وہ جانتا ہے کہ اسے اگر اس سے دس گنا بھی زیادہ پیسے دیئے جائیں تو اس کام پر آمادہ نہیں ہوگا اور اس کی آنکھ ضرور دل کو ایک پیغام پہنچاتی ہے لیکن اگر وہ دل پیغام قبول نہ کرے تب بھی خیانت لیکن خائن کی آنکھ جھوٹی ہو چکی ہوتی ہے یہ مضمون ہے۔ عام صحیح فطرت والے کی آنکھ جو پیغام پہنچاتی ہے یہ اس پیغام کو قبول ہی نہیں کرتی اور رخنے ڈھونڈتی پھرتی ہے یہ خیانت کی آنکھ ہے۔

چنانچہ میں نے دیکھا ہے واقعۃً ایسی صورت میں کہ سخت گرمی میں بڑی مصیبت میں خون پسینہ ایک کر کے مزدور محنت کرتا ہے ایک اینٹ ٹیڑھی کہیں رکھی جائے یا کوئی چیز گر کے ٹوٹ جائے، اس پر مالک یا دوسرے جو اس کو نوکر رکھتے ہیں ایسے ظالمانہ طور پر برستے ہیں کہ جیسے وہ خدا ہوں اور پوری طرح ہر چیز پر قدرت رکھتے ہوں لیکن خدا کی صفات حسنہ سے عاری ہوں۔جھوٹے خدا کی یہی تعریف ہے۔اپنے آپ کو مقتدر تو سمجھتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ میرا قبضہ قدرت میں ہر چیز ہے مگر خدا کی تمام صفات حسنہ سے عاری ۔اس طرح سے سلوک کر رہے ہوتے ہیں ۔اسی کا دوسرا نام فرعونیت ہے۔تو دیکھیں آنکھ نے ایک اور خیانت کی۔اچھی چیز کو نہیں دیکھا اور بری چیز پر نظر ڈالی اور وہیں نظر کو

محدود کرلیا۔ پس آنکھ کی خیانت کا بہت وسیع انسانی برائیوں سے تعلق ہے اس مضمون پر آپ جتنا غور کریں گے اتنا ہی زیادہ آپ کو امانت کا عرفان ہوگا اور خیانت کے مضمون سے آپ خبردار ہوتے چلے جائیں گے۔

آگے اسی مضمون کی بہت سی مثالیں ہیں جو مثلاً قرآن کریم میں خود بیان فرمائیں ہیں۔ میں ان مثالوں کا ذکر کرتا ہوں ایک بڑی اہم مثال ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ خدا تعالیٰ مثال کے طور پر یعنی ایک عبرت ناک مثال کے طور پر کافروں کے سامنے، وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کے سامنے، دو عورتوں کو پیش کرتا ہے ایک نوح کی بیوی اور ایک لوط کی بیوی یہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ ایک دوسرے موقع پر مومنوں کے لئے بھی دو عورتوں کی مثال پیش فرمائی۔ ایک حضرت مریمؑ کی اور ایک آسیہ فرعون کے گھر کی عورت کا ذکر فرمایا اور یہاں کافروں کے لئے دو عورتوں کی مثال پیش فرمائی اور وہ دو عورتیں ہیں حضرت نوحؑ کی بیوی اور حضرت لوطؑ کی بیوی فرمایا كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ وہ دونوں ہمارے ایسے بندوں کے گھروں میں تھیں ان کے وقت میں آئیں تھیں جو صالح تھے، پاکباز تھے اور نیک تھے اور امانتوں کا حق ادا کرنے والے تھے۔ فَخَانَتٰهُمَا انہوں نے ان کا حق ادا نہیں کیا اور ان کے حقوق میں خیانت کی فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا کہ اللہ کے مقابل پر کوئی چیز ان کے کام نہ آسکی۔ وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (التحریم: ۱۱) اور قیامت کے دن ان کے متعلق یہ فیصلہ ہوگا کہ انہیں کہا جائے گا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں ہی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اب دیکھ لیجئے اس آیت کا مضمون کتنا گہرا تعلق اس آیت کریمہ سے ہے جس سے میں نے خطبے کا آغاز کیا۔ وہاں بھی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خائن کو قیامت کے دن کوئی پناہ نہیں ہوگی، کوئی دوستی کام نہیں آئے گی، کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ انسان یہ سوچ سکتا تھا کہ انبیاء سے خدا کا اتنا گہرا تعلق ہوتا ہے وہ تو جھوٹے شفیع نہیں ہیں خیانت کرنے والوں کے حق میں ان کی شفاعت مان لی جائے گی لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ ایسے امین ہوتے ہیں خدا کے نبی کہ خائن کی شفاعت کرتے ہی نہیں۔ اس لئے عملاً بات وہی رہتی ہے کہ ان کو کوئی شفیع نصیب نہیں ہوسکتا جس کی بات خدا مانے۔ پس اگر انبیاء کی بیویوں کے متعلق خدا تعالیٰ

کی یہ تقدیر جاری ہو جائے اور یہ فیصلہ سنا دیا جائے کہ وہ بھی اگر خیانت کریں گی تو اس خیانت کی جزا ان کو ضرور ملے گی اور قیامت کے دن نبی کے ساتھ رشتہ ان کے کام نہیں آئے گا تو تمام دنیا کی عورتوں کیلئے اور تمام دنیا کے مردوں کے لئے اس میں بڑا پیغام ہے۔ مسلمانوں کو اور مومنوں کو مخاطب یہاں نہیں فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور احسان ہے اور ایک طرز بیان ہے کہ مومنوں سے تو میں ایسی توقع نہیں رکھتا اس لئے کافروں کے لئے یہ میں مثال دیتا ہوں گویا کہ ایمان اور اس قسم کی خیانتیں ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے لفظوں میں ایسا شخص جو اس قسم کی خیانت میں مبتلا ہو، اس حالت میں مومن نہیں رہتا اور کافروں پر ہی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اب دیکھیں قرآن کریم کی آیات کا احادیث سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ گناہ کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا (ترمذی کتاب الفتن حدیث نمبر: ۲۱۰۵) اس کی سند اسی آیت کریمہ میں ہے۔ یہ خیانت ایسی خیانت ہے جس کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ مومنوں پر صادق ہی نہیں آتی۔ یہ کافروں پر مثال صادق آئے گی۔ مومنوں کیلئے جو مثال چنی اس کے بالکل برعکس ایک ایسی عورت کی چنی جو پاکبازی میں ایک تمثیل بن گئی۔ یعنی حضرت مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت مریمؑ کو پاکبازی کا ایک سب سے اعلیٰ وارفع نمونہ عورتوں میں بنا کر پیش فرمایا اور مومنوں کو کہا کہ تمہارے لئے یہ ایک تمثیل ہے، یہ نمونہ ہے اس کو اختیار کرو۔ اس مضمون میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں آسیہ کو کیوں چنا گیا اس کی کیا وجوہات ہیں۔ یہ صاحب عرفان کے لئے غور کی بہت سی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس میں عظیم الشان پیغامات ہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک پاکستان کا ملاں سوال و جواب کی مجلس میں آیا اس نے بڑے طنز کے ساتھ یہ سوال اٹھایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ایک وقت ایسا آیا کہ میری مریمی حالت ہوگئی اور اس مریمی حالت میں بہت تکلیف میں سے میں گزرا اور پھر میرے روحانی بچہ ہوا اور وہ مسیح ہے جو میں ہوں۔ تو بہت اس نے نمک مرچ لگایا اور بڑے نخروں کے ساتھ یہ اعتراض اٹھایا۔ بڑی بھاری مجلس تھی سینکڑوں آدمی اس میں شامل تھے اور اس نے مجلس کے مزاج کو بگاڑنے کے لئے بہت ہی طنز کے ساتھ کام لیا۔ تو اس نے کہا کیا کیا گزری ان کے اوپر، مرزا صاحب کے کس طرح بچہ ہوا اور کس طرح حمل ٹھہرا، کس کا حمل تھا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اس سے کہا کہ مولوی صاحب آپ نے بات ختم کر لی اب مجھ سے میری بات سن لیجئے۔ قرآن کریم نے یہ فرمایا ہے کہ مومنوں کیلئے

دو عورتوں کی مثالیں ہیں۔ ایک مریم کی اور ایک امْرَاَتَ نُوْحٍ کی۔ تو آپ نے اپنے لئے اعلیٰ مثال تو نہیں چنی اس پر تو آپ نے مذاق شروع کر دئے ہیں۔ مریم کی مثال تو آپ نے مسیح موعود علیہ السلام کے لئے رہنے دی ہے تو اگر آپ مومن ہیں تو آپ کیلئے مفر نہیں ہیں اس بات سے کہ اعلیٰ مثال نہیں چنتے تو کم سے کم ادنیٰ مثال ہی اپنے اوپر صادق کر کے دکھائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو مریمی حالت میں سے گزر کر اس روحانی پاکبازی کا نمونہ دکھا دیا جس میں شیطان کے مس کے بغیر روحانی اولاد نصیب ہوتی ہے اور کوئی ذاتی تمنا، کوئی ذاتی خواہش، کوئی گندا جذبہ جو شیطان سے نکلتا ہے اس روحانی ولادت میں اپنے کارفرما نہیں ہوتا۔ ورنہ ہزار ہا لوگ ایسے ہیں جن کو تمنا ہوتی ہے کہ روحانی ترقی کریں نفس ان کو دھوکے دیتا کئی قسم کے توہمات الہامات بن جاتے، کئی قسم کے پیغامات کا غلط مطلب نکالتے اور اپنے مراتب بڑھاتے رہتے ہیں مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومن کی مثال مریم کی ہے۔ مریم نے کسی ناپاکی کے خیال کو دل میں نہیں آنے دیا اور اس کے باوجود خدا تعالیٰ نے اس کو ایک روحانی بچہ عطا فرمایا۔

تو مومن کی ہر ترقی دل کی پاکیزگی سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس میں غیر اللہ کا اور شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا میں نے کہا ان معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو وہ کامل مومن ثابت کر دکھایا جس کی اعلیٰ مثال مریم کی سی ہے۔ آپ اس کو قبول نہیں کرتے۔ اب میں آپ کے الفاظ میں پوچھتا ہوں کہ اگر آپ فرعون کی بیوی بنتے ہیں تو فرعون نے آپ سے کیا کیا؟ اور کیسی کیسی گزری آپ پر واردات جس طرح آپ نخروں سے مسیح موعودؑ پر اعتراض کرتے اور مجھ سے پوچھ رہے تھے اب اسی مجلس میں آپ اپنی داستانیں سنایئے۔ اچانک مجلس کا مزاج الٹ گیا اس کے اوپر۔ وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہنسنے کی تیاری کر رہے تھے وہ مولوی صاحب کی طرف دیکھتے تھے اور ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ بھاگ جاؤ اب یہاں سے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو گہرائی کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں بہت گہرے مطالب ہیں اور تمام احادیث نبویہ اور تمام پاکبازوں کے فرمودات قران کریم میں جڑ رکھتے ہیں اس لئے بد بخت اور بدنصیب ہے جو پاک لوگوں کے کلام پر ہنسی اور ٹھٹھے میں جلدی کرتا ہے۔ بعض دفعہ وہ کلام سمجھ نہیں آتا اور عجیب محسوس ہوتا ہے لیکن اگر انسان کو یہ بنیادی حقیقت معلوم ہو کہ خدا کے بندوں کی باتیں خدا کے کلام میں اپنی جڑیں رکھتی ہے وہیں سے پھوٹتی ہے تو انسان تلاش کرے تو اس جڑ

تک پہنچ جاتا ہے۔ پس ان معنوں میں جب آپ دیکھیں تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی تمام فرمودات قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت میں پیوست ہیں اور کسی ایک خاص دعا کے متعلق آپ کا یہ فرمانا کہ گناہ کرتے وقت وہ انسان مومن نہیں رہتا یا اس قسم کی دوسری خیانتوں کے متعلق یہ فرمانا قرآن کریم میں مثلاً یہ آیت ہے اس سے استنباط ہوتا ہے اور بھی آیت میں استنباط ہوتا ہوگا۔ پس بنیادی بات یہ ہے کہ خیانت کرنے والا حقیقت میں مومن نہیں رہتا جب وہ خیانت کرتا ہے وہ ایمان کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے۔

یہ جو اس دنیا میں آج کل معاشرہ ہے یہ ایسا خطرناک ہوتا چلا جا رہا ہے کہ اس آیت کے مضمون کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے اور دوسروں میں اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔ اس کے مقابل پر خدا تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال رکھی اور اس کا بھی خیانت کی اصطلاح میں ذکر فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب بالآخر قید سے رہائی نصیب ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس جیل خانے سے باہر نہیں آؤں گا جب تک اس عورت سے پہلے پوچھا نہ جائے جس نے مجھ پر الزام رکھا تھا۔ میں کیسا تھا؟ جب اس تک یہ پیغام پہنچایا گیا تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور کہا کہ وہ پاک بندہ تھا خدا کا۔ اس پر حضرت یوسف نے فرمایا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ (یوسف:۵۳) یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ مہینوں تک قید کو لمبا کر لیا مگر باہر آنا پسند نہیں کیا اس وجہ سے تا کہ میرا مالک سابق مالک خوب جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں اس سے کوئی خیانت نہیں کی۔ کتنا عظیم الشان مضمون ہے اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عارضی مالک کی خیانت کا ذکر فرمایا جو مزدور سے خیانت کرتا ہے یہاں دراصل اس کا الٹ مضمون ہے ایک مزدور پر الزام لگایا گیا کہ اس نے خیانت کی لیکن مزدور ہونے کے باوجود بے حس، بے طاقت اور مجبور ہونے کے باوجود جبکہ خیانت کرنے کے زیادہ نفسیاتی محرکات موجود ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس حالت میں خیانت نہیں کی۔ فرمایا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ دو باتیں ثابت کرنے کے لئے میں نے یہ موقف اختیار کیا تھا۔ اول یہ کہ میں خائنوں میں سے نہیں ہوں اور جس نے مجھے خریدا تھا اس زمانہ میں جو دستور تھا اس کے مطابق آپ واقعۃً ایک اجیر کی حیثیت سے ایک ظاہری غلامی کی زندگی میں جکڑے ہوئے ایک مالک کے گھر کام کر رہے تھے۔ فرمایا اس کو علم ہو جائے کہ میں نے کبھی خیانت

نہیں کی وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ اور تا کہ یہ بھی پتا چل جائے کہ وہ لوگ جو کسی سے خیانت کیا کرتے ہیں ان کی تدبیروں کو خدا تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا اور الٹ نتائج نکالتا ہے۔ پس قید خانے سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام بادشاہت تک جا پہنچے اور اس وقت کے بادشاہ عزیز مصر کے تابع اس کے اقتدار میں شامل ہو گئے۔ بہت بڑا مرتبہ آپ کو عطا ہوا۔ سارے خزائن آپ کے سپرد کر دیئے گئے اور امور دفاع کی بھی بڑی طاقت ہوتی ہے مگر آخری تان جو ٹوٹتی ہے وہ اقتصادیات میں ہی ٹوٹا کرتی ہے جس کے ہاتھ میں ملک کی اقتصادیات ہو دراصل وہی بادشاہ ہے۔ پس حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عملاً قید خانے سے مصر کی بادشاہی نصیب ہو گئی اور یہ معنی ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ الٹ نتیجہ نکالتا ہے خیانت اس نے کی تھی جس نے مجھ پر الزام لگایا اور اس کا نتیجہ کیا نکلا دیکھو آج میں کس حال، کس شان تک پہنچ گیا ہوں۔

پس خیانت سے بچنا بہت ہی ضروری ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بعض حفاظتوں کے وعدے فرماتا ہے۔ **اگر خیانت سے بچنے والا خدا کی خاطر خیانت سے بچے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور تعریف کے اس کے ساتھ وعدے ہیں** مثلاً حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق فرمایا وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (الانفال:۷۲) کہ دیکھو اگر تجھ سے یہ جھوٹی باتیں کرتے ہیں، جھوٹے وعدے کرتے ہیں، جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں کہ ہماری طرف سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے اور دل میں بد ارادے رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں ہم تجھے مطلع کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیشہ خدا سے بھی تو بد دیانتی کی ہے، خدا سے بھی یہ خیانت کا معاملہ کرتے ہیں اور خدا اپنی خیانت، اپنے سے خیانت اور تیرے سے خیانت میں فرق نہیں کرے گا۔ تو خدا کا بندہ ہے خدا کی خاطر تو نے اپنا ایک اخلاقی ضابطہ قبول فرمایا ہے، اپنے لئے ایک اخلاقی ضابطہ مقرر کیا ہے۔ ان حدود میں رہتے ہوئے ہم تجھے کسی خائن کی چالاکی کا شکار نہیں ہونے دیں گے۔ فرمایا فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ اللہ سے بھی تو خیانت کرتے تھے۔ کب خدا نے ان کی خیانت چلنے دی ہے فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کو عاجز کر دیا ہے اور تجھ سے یہی وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ تیرے سامنے ان کو عاجز کر دے گا اور ان کی کوئی پیش نہیں جائے گی تیرے خلاف

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ تجھے ان کی خیانتوں کا علم ہو یا نہ ہو اللہ تعالیٰ بہت ہی علم رکھنے والا اور بہت ہی حکمتوں والا ہے۔ یہ وعدہ صرف حضور اکرم ﷺ کیلئے نہیں بلکہ تمام مومنوں سے یہ وعدہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (الحج:۳۹) کہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان سب مومن بندوں کی حفاظت فرمائے گا اور ان کو دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے گا جو امانت کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہ مضمون امانت کا حق ادا کرتے ہیں اس آیت کے آخری حصے میں مضمر ہے یہاں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں اور ناشکروں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا اگر مومنوں سے تعلق رکھتا ہے اس آخری بات کا برعکس مومنوں میں پایا جانا ضروری ہے۔ اس طرح خدا نے ان دونوں باتوں کو جوڑ دیا شروع میں فرمایا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مومنوں کا ہر قسم کا دفاع کروں گا ان کو کوئی خطرہ نہیں اور آخر پر فرمایا کہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ خیانت کرنے والوں اور ناشکروں سے تعلق نہیں رکھا کرتا تو ان مومنوں کی وہ بنیادی صفات بیان فرمادیں جن کی وجہ سے خدا ان سے اتنا تعلق رکھتا ہے کسی کے دفاع کی حفاظت لینا اس کی محبت کی دلیل ہے تو لَا يُحِبُّ کے تابع مومن نہیں آتے کیونکہ نہ وہ خائن ہیں اور نہ وہ ناشکرے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو خیانت کرتے ہیں مومنوں کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ادنیٰ خیانتیں کرتے ہیں۔ یہ بھی ان کو سوچنا چاہئے کبائر خیانتیں کریں گے تو مومن وہ نہیں رہیں گے لیکن اگر چھوٹی چھوٹی خیانتیں ہوتی رہیں جیسا کہ مومنوں سے بھی ہو جاتی ہیں تو ان کو یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ چھوٹی خیانتیں اور چھوٹی ناشکریاں ان کو خدا تعالیٰ کے اس وعدے کے فیض سے محروم کر دیں گی۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم مومنوں کے دفاع کا وعدہ کرتے ہیں اور وہ مومن یعنی وہ مومنین جو نہ خائن ہیں نہ ناشکرے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خائنوں اور ناشکروں سے محبت نہیں کرتا۔

اس ضمن میں مَیں ایک خصوصی پیغام اہل پاکستان کو دینا چاہتا ہوں کیونکہ وہ بدیاں جو مغرب سے پیدا ہوتی ہیں آج کل بڑی تیزی سے مشرقی ممالک میں جا کر گھر بنا لیتی ہیں ان میں ایک بدی جنسی بے راہ روی ہے اور فحاشی اس کثرت سے مغرب سے مشرق میں جا کے جاگزین ہوئی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہی ان کا وطن تھا اور پاکستان جس کو اسلامی مملکت کے نام پر بڑے بلند بانگ دعوے کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے وہاں اس کثرت سے یہ رجحان پیدا ہو رہے ہیں کہ جو

اطلاعیں ملتی ہیں اس سے عقل بھنا جاتی ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں کسی ملاں یا حکومت کو یہ فکر نہیں کہ اپنے معاشرے کو اس قسم کی فحاشی سے بچائیں۔ جو اطلاعات مجھے ملتی ہیں مختلف شہروں سے ان سے پتا چلتا ہے۔ مثلاً کہ گندی فلموں کا کاروبار، بے حیائی کی تصویروں کا کاروبار وہاں اتنا زیادہ ہے کہ یورپ کے بے حیا شہروں میں اتنا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بے حیا شہروں میں جہاں تک حکومت کا تعلق ہے بڑی نیک نیتی کے ساتھ ان باتوں کی نگرانی کرتی ہے اور پولیس بڑی دیانتداری کے ساتھ ان لوگوں کے پیچھے پڑی رہتی ہے اس لئے کاروبار تو یہاں بھی چلتا ہے لیکن اس کاروبار کو کوئی تحفظات حاصل نہیں ہیں لیکن پاکستان جیسے وسیع ملک میں جہاں پولیس بددیانت ہو جہاں کے وزراء یہ اعلان کریں خود برسرعام کہ ہماری پولیس کلیۃً بددیانت اور بے اعتماد ہو چکی ہے جہاں حکومت کو حقیقت کی اس بات میں کوئی پرواہ نہ رہے کہ عوام کے کیسے اخلاق ہیں اور کیا کیا چیزیں ان اخلاق کو تباہ کر رہی ہیں، جہاں ملاں کو کوئی شعور ہی نہ ہو کہ اس اعلیٰ اسلامی قدریں ہیں کیا؟ اور ان پر اس ملک پر کیا بن رہی ہیں۔ وہاں یہ چیزیں کھل بندوں عام فروخت ہوتی اور اس کثرت سے نشوونما پاتی ہیں کہ جیسے کوئی بیماری کسی جسم کے اوپر مکمل قبضہ کر لے اور دفاع کی ساری صلاحیتیں خوابیدہ ہو جائیں، سو جائیں ان میں، احساس ہی باقی نہ رہے کہ ہم پر کیا ہو رہا ہے۔

اس سلسلے میں مَیں خاص طور پر احمدی نوجوانوں کو اور نظام جماعت کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس بات کی نگرانی رکھیں۔ جب ایک بدی عام پھیل جاتی ہے تو اس کے اثرات ضرور ہر جگہ پہنچتے ہیں یہ ہو نہیں سکتا کہ احمدی معاشرہ ان چیزوں سے کلیۃً پاک رہے کیونکہ سمندر میں جب ایک کپڑے کو پھینکا جاتا ہے تو بالآخر اس میں پانی سرایت کرتا ہے بعض چیزوں میں کم کرتا ہے اور آہستہ کرتا ہے بعض چیزوں میں زیادہ تیزی سے کرتا ہے اور مکمل سرایت کر جاتا ہے لیکن جماعت کے معاشرے کو بیدار مغزی ہونے کے ساتھ اور مسلسل محنت اور توجہ کے ساتھ اپنی حفاظت کرنی ہوگی ورنہ یہ چیزیں ان میں راہ پا جائیں گی اور ہو سکتا ہے کسی حد تک پا گئی ہوں اور ایسی صورت میں پھر اس کے بہت ہی خطرناک نتائج نکلیں گے وہ جو دو مثالیں میں نے بیان کیں ہیں وہ امْرَاَتَ نُوْحٍ اور وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ یہ مثالیں پھر معاشرے پر صادق آنے لگتی ہیں اور پھر ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ میں نے اس صورت حال کا جہاں تک تجزیہ کیا ہے اس کی کچھ تفصیل آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تا کہ جن لوگوں کو میں

نصیحت کرتا ہوں وہ یہ مضمون سمجھیں کہ کیوں ان کے لئے مضر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بے حیائی وقتی طور پر انسان کے اندر ایک تحریک پیدا کرتی ہے۔ جذبات میں توجہ پیدا کرتی ہے۔ بے حیائی کے نظارے جب یہ تموج پیدا کرتے ہیں تو انسان سمجھتا ہے کہ اس کے نتیجے میں ہمیں بہت لطف آیا اور بہت زیادہ بہتر رنگ میں ہم اپنے تعلقات سے لطف حاصل کرسکیں گے لیکن اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہر گناہ فطرت کے خلاف ہے اور اس کا ہمیشہ الٹ نتیجہ نکلا کرتا ہے۔ مجھے یاد ہے جب میں گورنمنٹ کالج میں پڑھا کرتا تھا ابتدائی سالوں میں فرسٹ ائیر، سیکنڈ ائیر کا طالب علم تھا۔ ایک سینئر طالب علم کے ساتھ میری گفتگو ہوئی اور وہ بڑی شدت کے ساتھ مغربیت کا قائل اور پردے کے خلاف تھا، وہ نفسیات کا طالب علم تھا اس کو میں نے سمجھایا میں نے کہا تم نفسیات کا ایک چھوٹا سا نکتہ کیوں نہیں سمجھتے۔ خدا تعالیٰ انسان کے لطف کی راہ میں حائل نہیں ہے بلکہ الٰہی احکامات اس کے لطف کی حفاظت کررہے ہیں اور اسے لمبی زندگی عطا کرتے ہیں۔ جہاں پردہ رائج ہو وہاں یہ تو نہیں کہ انسان کو کسی قسم کا زبانی لطف ہی نہیں ملتا۔ ایک جھلک تم شاعری میں دیکھ لو۔ محبوب کی ایک جھلک اس کو ایسی کیفیات عطا کر جاتی ہے دیکھنے والوں کو جو بے حیاء سوسائٹی میں ہر روز ہر وقت دیکھنے سے نصیب نہیں ہوسکتی کیونکہ انسان بڑی جلدی اس چیز کا عادی ہو جاتا ہے اور جب بے پردگی کا عادی ہو جائے تو اس کا اگلا مطالبہ وہی ہوگا کہ اور زیادہ بے پردگی ہو اور وہ لازماً بے حیائی تک پہنچے گا۔ کچھ دیر کے بعد وہ چیز بھی نہیں رہے گی۔ اس سے وہ لطف دینا بند کردے گی۔ پھر انسان بالآخر جانوروں تک پہنچے گا اور جانوروں میں جو قدرتی طور پر ایک بے حیائی تو ہوتی ہے جس کا تعلق حیاء والوں سے ان لوگوں سے جن میں حیاء کا مادہ ہو وہ یہ فیصلہ کرسکیں مگر جانوروں کے تعلق میں جب ہم بے حیائی کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ گناہ گار ہیں ان کے ہاں یہی صورت حال ہے۔ پس جانوروں میں جو تعلقات میں ایک بے جھجک اور بے تکلف رسوم پائی جاتی ہیں وہ انسانوں میں آتی ہیں تو بے حیائی بن جاتی ہیں۔ بالآخر انسان وہاں تک ضرور پہنچ جاتا ہے اور اس سے آگے کچھ ہو ہی نہیں سکتا پھر کسی کی Madness ہوگی۔ بڑی تفصیل سے ان سے میں نے اس بات پہ گفتگو کی، بعد میں مجھے بہت مدت کے بعد یورپ میں آنے کا موقع ملا تو ان دنوں میں مَیں نے دیکھا بریلوی ازم، ہندوازم کی تحریکات چل رہی تھیں اور بعض عورتیں پوری طرح ننگی ہوکر، پوری طرح برہنہ ہوکر بازاروں میں نکل آتی تھیں۔ یہ بتانے کیلئے کہ ہم ابھی مطمئن

نہیں ہیں، کچھ ہونا چاہئے اور، اور پھر معلوم ہوا کہ یہاں تعلقات کے ساتھ ساتھ ظلم کو بھی شامل کرلیا گیا ہے اور Sadism جو بھی کہلاتا ہے۔ Sadistic پیدا ہو گئے ہیں جو مزہ نہیں اٹھا سکتے جب تک ساتھ ظلم نہ کریں، ماریں کوٹیں نا، بعض زنجیریں برسا کر عورتوں پر اس سے Excitement حاصل کرتے ہیں۔ تو وہی جنون ہیں جن کی خبر قرآن کریم میں دی تھی کہ تم سراب کے پیچھے دوڑ رہے ہو جو چیزیں ہم نے تمہاری پیاس بجھانے کے مقدر کر رکھی ہیں وہیں تک رہو اس سے آگے محض دھوکہ ہے کہ تمہاری پیاس بجھے گی۔ وہ لذتیں جن کی تم پیروی کرنا چاہتے ہو یہ سراب کی طرح تم سے آگے آگے بھاگیں گی اور پھر ایک ایسا مقام آئے گا کہ آگ تو بھڑک چکی ہو گی لیکن پیاس نہیں بجھے گی۔

پس وہ لوگ جو اس قسم کی گندی فلموں اور تصویروں کے ذریعے اپنے نفس کو تحریک دینا چاہتے ہیں ان کے نفس پاکباز لوگوں کے مقابل پر بہت جلدی مر جاتے ہیں۔ اس بات کا ایک قطعی ثبوت یہ ہے کہ آج امریکہ میں سب سے زیادہ نا اہل مرد ہیں۔ ان کی نسبت جتنی امریکہ میں پائی جاتی ہے، شاید ہی کسی اور ملک میں پائی جاتی ہو کیونکہ بے حیائی نے بالآخر ان کو بے حس کر دیا ہے کوئی چیز تموج نہیں پیدا کرسکتی۔ یہاں تک کہ روزمرہ کے تعلقات میں وہ لذت ہی باقی نہیں رہتی۔ گھر اجڑ جاتے ہیں لیکن انسان جو پاکباز ہو اپنی بیوی سے پیار کی بات کرتا ہے ان لوگوں کے پاس اگر کوئی پیمانہ ہو تو جان سکیں کہ ان کی حد سے زیادہ بے حیائی میں جو مزہ ہے اس سے زیادہ مزہ اس پیار اور محبت میں ہے جو خدا تعالیٰ کے فرمان کے تابع انسان بے تکلف اور اجازت کے تابع کرتا ہے پس یہ دھوکہ ہے جس کی پیروی کی جارہی ہے اور اس کے نتیجے میں پھر وفا اٹھ جاتی ہے۔ جو شخص ایسی فلمیں دیکھتا ہے ضروری تو نہیں کہ وہ لازماً اکیلا ہی دیکھے بلکہ مجھے جو اطلاعیں ملتی ہیں مجھے اس سے پتا چلتا ہے کہ خاندان ایسے ہیں جہاں خاوند گھروں میں لے کے آتے ہیں اپنی بیویوں کو دکھاتے ہیں بعض اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر اور ان کی بیویوں کو ساتھ مل کے یہ تصویریں دیکھتے ہیں اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ اس کا نتیجہ لازماً یہ ہو گا کہ تم بھی بے حیا اور بے وفا بنتے چلے جاؤ گے اور تمہاری بیویاں بھی بے حیا اور بے وفا بنتی چلی جائیں گی۔ اس سارے معاشرے سے وفا کی قدریں اٹھ جائیں گی اور وہ لذتیں جو خدا نے عام تعلقات میں رکھی ہیں وہ وہاں نہیں ملیں گی۔ پھر تمہیں بہائم بننا پڑے گا۔ پھر تمہیں ان جانوروں جیسی حرکات کرنی پڑیں گی جن کو تم شوق سے پیسے خرچ کر کے دیکھتے ہو۔ دوسری بیوقوفی بھی بڑی ہے ان

فلموں میں زیادہ سے زیادہ جو چیزیں ملتی ہیں وہ وہی ہیں جو تمہاری گلی میں عام ہیں۔ کتوں کو دیکھ لو مویشیوں کو دیکھ لو۔ انسان بے حیائی میں اُن سے بڑھ نہیں سکا۔ کوئی ایسی چیز ایسی ایجاد نہیں کر سکا جو قدرت نے تمہارے لئے نمونے کے طور پر وہاں موجود نہیں۔ جو حقیقت میں وہ جو سالہا سال پہلے اس گفتگو کے دوران میں نے اس مضمون کو آگے بڑھایا تھا کہ مستقبل میں یہ ہوگا اور میں حیران ہوتا ہوں کہ بعینہ اسی طرح آج کی دنیا میں ہو چکا ہے۔ یعنی مغربی دنیا میں یہ باتیں اپنے کمال کو پہنچ چکی ہیں۔ بے حیائی کرتے کرتے جانوروں کی نقل اتارنا، جانوروں جیسے ہو جانا، اسی طرح کی اپنے لطیف مزاج کو ناقص کرتے کرتے جانوروں کی حد تک پہنچا دینا۔ یہ سب کچھ ہو گیا لیکن وہ لذت حاصل نہیں ہوتی جس کی پیروی کی جارہی ہو وہ پھر آگے بھاگ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان ایک ایسے خطرناک مقام پر پہنچتا ہے جس کے بعد ہر قسم کی بدیاں پھوٹتی ہیں۔ گھروں میں بچوں سے مظالم اور کئی قسم کی بے حیائیاں پھر Drug Addiction لیکن Excitement آگے آگے بھاگتی ہے اور چاہتی ہے اور چاہتی ہے اور قرآن نے جیسے جہنم کا نقشہ کھینچا ہے کہ وہ آخر یہی کہتی رہے گی۔ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ، هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ، هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ اور بھی کچھ ہے تو ڈال دو خدا اور بھی کچھ ہے تو ڈال دے، تو یہ نفس کی جہنم تو بھرنے والی نہیں ہے۔ اپنے معاشرے کو تباہ نہ کرو اور اپنے سکون اور طمانیت کو برباد نہ کرو، تمہارے گھر ٹوٹ جائیں گے، تمہارے گھروں سے سکون اُٹھ جائے گا۔ امیر ملکوں کے نخرے ہیں ان کی بے حیائیاں ان تک ہی رہنے دو۔ غریبوں میں جب یہ بے حیائیاں منتقل ہوں تو اس کے ساتھ اور بھی زیادہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جرائم بہت شدت کے ساتھ سر اٹھاتے ہیں۔ جرائم کا ان بے حیائیوں سے گہرا تعلق ہے یہاں بھی ہے وہاں بھی ہوگا لیکن غریب ملکوں میں امیر ملکوں کی عیاشیاں تو کسی صورت میں جیسے کہتے ہیں کہ پُگ نہیں سکتیں، یہ ان پر پورا نہیں اتر سکتی ہضم نہیں ہوں گی۔

پس اپنے معاشرے کی حفاظت کرو اور جماعت احمدیہ پاکستان اور ہندوستان اور اسی طرح یورپ کی جماعتوں میں بھی میں نصیحت کرتا ہوں کہ خیانت کا جو انسانی معاشرے سے تعلق ہے اس مضمون کو اس آیت میں مختصراً بیان فرما دیا ہے اور اس کا آخری انجام دکھا دیا ہے کہ یاد رکھو کہ کافروں کے لئے ہم نے لوطؑ کی بیوی اور نوحؑ کی بیوی کی مثال رکھی ہے۔ یہ تفصیل بیان نہیں فرمائی اس لئے

مومن کا کام نہیں کہ تفصیل میں جائے ۔ یہ سوچنا میرے نزدیک مناسب نہیں انبیاء کی عزت اور احترام کے پیش نظر کہ ان کی بیویوں نے کیا خیانت کی ہوگی مگر ان کے ساتھ جو خدا تعالیٰ نے عقوبت کا سلوک فرمایا اس کے پیش نظر یہ سوچنا ہمارے لئے لازم ہے کہ عورت جس قسم کی بھی خیانتیں کر سکتی ہے، جہاں تک وہ خیانتیں کر سکتی ہے اس آیت کا مضمون ان سب باتوں پر حاوی ہوگا اور اگر انبیاء کی بیویوں کو کسی خیانت کے نتیجے میں ایسی سخت سزا دلوا سکتی ہے جیسا کہ بیان فرمایا گیا۔ تو جو بھی وہ خیانت تھی ہمیں اس سے غرض نہیں۔ عورتیں جو خیانت کرتی ہیں اس کے ساتھ ضرور کوئی تعلق ہے۔

پس عورتوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ اس میں نصیحت ہے کہ ہر اس خیانت سے باز آجائیں جو ان کے خاوندوں کے خلاف خیانت ہے یا ان کے دوسرے تعلق والوں کے خلاف خیانت ہے کیونکہ خدا کے نزدیک ایک بہت بڑا ظلم ہے جس کی سزا دی جاتی ہے اور ان مردوں کو میری نصیحت ہے جو اپنی بے حیائیوں کے لئے اپنی بیویوں کو خائن بناتے ہیں تو وہ ان گناہوں میں ساتھ ملوث ہوں گے اور ان کو اس کی شدید ترین سزا دی جائے گی۔ انبیاء کی مثالیں اس لئے دی گئی کہ ان کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا اور خالصۃً قصور ان عورتوں کا تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں بنتا کہ اگر مردوں کا قصور ہو تو ان کو خدا چھوڑ دے گا۔ جو مرد خود اپنے ہاتھوں سے اپنے عمل اور سکون کی قبریں کھودتے ہیں، اپنے گھروں کو بے حیائیوں کے اڈے بناتے ہیں ان کے لئے اس میں نصیحت ہے، سبق ہے۔ ان کا سکون ان کی آگے نسلوں کا سکون اٹھ جائے گا اور پاکستان میں جو بے پردگی کی رو چل رہی ہے اس کا اس مضمون سے گہرا تعلق ہے۔ اگر بے پردگی اس Behalf پر ہو کہ عورتیں کام پر جاتی ہیں اور معاشرے میں اس حد تک بے پردگی بے حیائی کا موجب نہیں تو اس قسم کے رہن سہن کو ہم ضروری نہیں کہ بے پردگی میں داخل کریں اسی لئے بعض ملکوں میں عورتوں کا رہن سہن اور ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں اور ان کی طرف سے سمجھتا ہوں کہ اس رہن سہن میں بے حیائی کا کوئی عنصر شامل نہیں اور میں ان کو نہیں پکڑتا تو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے آنکھیں بند کر لی ہیں ان باتوں سے ابھی اس لئے کہ کھلی چھٹی ہے جو چاہے کرے، ہرگز نہیں۔ جہاں مجھے نظر آتا ہے کہ خطرہ ہے وہاں میں ضرور ان کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں، کبھی فوری طور پر، کبھی ٹھہر کر، کبھی کسی دوسرے ذریعے سے، کبھی خطبات میں بیان کر کے لیکن بے پردگی کا ایک تعلق ضرور بے حیائی سے ہے اور جن معاشروں میں بے حیائی اصل محرک ہو اور

اصل وجہ بے پردگی کی نمائش یہ ہو کہ عورت اپنے آپ کو زیادہ خوبصورت بنا کر غیروں کو دکھائے اور ان سے تعلقات بنائے یا کم سے کم رمزے کنائے ہوں اور بے تکلف اپنی نمائش کر سکے اور اپنی جانب ان کو کھینچ سکے۔ وہاں وہ عورتیں بھی ہزار بہانے پیش کر سکتی ہیں۔ کہ ہم نے تو کالجوں میں جانا ہے ہم نے تو فلاں جگہ جانا ہے، ہم نے فلاں کام کرنے ہیں اس لئے ہم اس قسم کے پردے نہیں کر سکیں گی جو آپ سمجھتے ہیں ہم مان ہی نہیں سکتیں کہ قرآن کریم عورت کو اس طرح جکڑ تا ہو۔ اب ان کا ظاہری عذر ہمیں قبول کرنا پڑے گا بظاہر اگر وہ اپنے اندر کچھ طاقت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اور بات کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت سے واقف ہے۔ جب آنکھوں میں خیانت پیدا ہوتی ہے اور اس خیانت سے بھی واقف ہیں جو دلوں میں پناہ لیتی ہے، دلوں کے ہزار پردوں میں چھپی ہوئی ہیں تو ایسے خاندانوں سے جو عذر رکھ کر خود اپنے مستقبل کو تباہ کرتے ہیں اور اپنی اولادوں کے امن اور سکون کو لوٹنے کے سامان کر رہے ہیں ان سے میں یہ کہتا ہوں کہ نہ میں تم سے کوئی بحث کر سکتا ہوں نہ جماعت کے وہ مخلص بندے جو تمہیں نصیحت کے رنگ میں اچھی باتیں کہتے ہیں اور تم سے بری باتیں سنتے ہیں وہ تم سے کوئی بحث کر سکتے ہیں لیکن خدا تم سے بحث کر سکتا ہے اور ایک بحث کرنے والا ایسا ہے جس نے تمہیں تم سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت کے دن میں ضرور بحث کروں گا۔ میں ضرور حجت کروں گا، تم سے اور وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں ان کی بحث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت تک تم اپنے نتائج کی بدی کو پا چکے ہو گے۔ تم پر روشن ہو چکی ہوگی بات کہ تم غلط تھے۔

پس پردے کا مضمون ہو یا کوئی اور مضمون ہو خیانت کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے اگر آپ اپنے معاشرے کی اصلاح کی کوشش کریں گے تو اسی میں آپ کیلئے خیر، اسی میں آپ کے لئے برکت ہے۔ خدا کرے کہ جماعت کے خلاف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قیامت کے دن کوئی حجت نہ کریں اور جماعت کے عمل سے پوری طرح مطمئن اور راضی ہوں اور اس کے ساتھ محمد رسول اللہ ؐ راضی ہوں گے۔ خدا گواہ ہے کہ خدا اس سے ضرور راضی ہوگا۔

عالم الغیب خدا آنکھوں کی خیانت کو بھی خوب جانتا ہے۔
امراءِ قوم کی بددیانتی قوم کو ہلاک کر دیتی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ نومبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اٰمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ (الانفال: ۲۸)

پھر فرمایا:-

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی امانت میں خیانت نہ کیا کرو۔ وَتَخُوْنُوْٓا اٰمٰنٰتِكُمْ اور تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی امانتوں میں خیانت کرتے ہو اور تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو۔

اس آیت کریمہ سے متعلق کچھ گفتگو کرنے سے پہلے میں اس آیت سے متعلق ایک دو اور باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں جو گزشتہ جمعہ میں زیر غور تھیں۔ اس کا ایک مرکزی پہلو یہ تھا کہ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (مومن: ۲۰) کہ اللہ تعالیٰ آنکھ کی خیانت کو جانتا ہے اور اس کو بھی جانتا ہے جو سینوں میں ہے یا دلوں میں ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے بیان کیا تھا کہ آنکھ میں خیانت کی چمک دکھائی دیتی ہے اور دل جو کچھ چھپاتے ہیں ان سے بھی خدا تعالیٰ اسی طرح واقف ہے جیسے ظاہری آنکھ کی علامتوں سے لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ بدی حقیقت میں دل ہی

میں پلتی ہے اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا کہ نیتوں پر تمام اعمال کا دار و مدار ہے (بخاری کتاب الوحی حدیث نمبر:۱) اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بدی کا آغاز دل سے ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ نے یوں کیوں فرمایا کہ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ اس مضمون کو سمجھنے کے لئے قرآن کے ایک دوسرے محاورے پر نگاہ ڈالیں تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (التغابن:۱۹) وہ غیب کو بھی جاننے والا خدا ہے اور الشَّهَادَةِ کو جاننے والا بھی ہے۔

اس مضمون پر اگر آپ گہرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر چیز جو پردہ شہود پر ظاہر ہوتی ہے وہ دراصل پردہ غیب سے باہر آتی ہے اور اصل غیب ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرہ:۴) فرمایا یومنون بالشهادہ نہیں فرمایا کیونکہ انسان اگر اپنی سائنسی معلومات پر بھی غور کرے جو ہزاروں سال کی محنت کے بعد اس نے حاصل کیں تو یہ عمل اس کو یہ بتائے گا کہ دراصل وہ غیب سے کچھ چیزوں کو شہود میں یعنی ظاہر میں لا رہا ہے اور ہر چیز غیب میں ہے اور غیب سے ظاہر میں یا شہود کی حالت میں لانے کے لئے خدا تعالیٰ نے خود انسان کو وہ فراست عطا فرمائی، وہ عقل بخشی جس نے کروڑ ہا سالوں میں رفتہ رفتہ ترقی کر کے غیب کو ظاہر کی علامتوں سے پہچاننے کی طاقت حاصل کر لی اور صلاحیت حاصل کی۔

یہ یاد رکھیں کہ ہر چیز غیب ہے جب تک خدا نے عقل کو یہ جوہر عطا نہیں فرمایا اس وقت تک ساری کائنات غائب تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر عقل کو یعنی صلاحیتوں کو کائنات کے وجود سے نکال دیا جائے جو ان چیزوں کو دیکھتی ہیں اور سمجھ آ جاتی ہیں اور اُن چیزوں کو نہیں دیکھتی جو ابھی دکھائی نہیں دے رہیں لیکن ممکن ہے کبھی دکھائی دینے لگیں گے۔ پھر انسان کو سمجھ آتی ہے کہ رفتہ رفتہ ہمارا سفر غیب سے حاضر کا سفر ہے جیسے نلکا چلا کر مخفی پانی کو یا تیل کے خزانوں کو باہر لایا جاتا ہے۔ یہ وہ امر ہے جو خدا تعالیٰ کی طرز کلام ہے اور قرآن کریم میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے۔ تو آنکھ پر جو خائنہ کی علامت ظاہر ہوئی اس نے دل میں پرورش پائی تھی غیب میں تھی لیکن جب نیتیں گندی ہو گئیں تو آنکھوں میں دکھائی دینے لگی۔

اس مضمون کو کھول کر بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ اس میں ہمارے لئے تربیت کے بہت سے سبق ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب بھی انسان بھٹکنے لگتا ہے اُس کی آنکھوں سے ضرور پتا چل جاتا ہے۔ ایک پاک باز نیک انسان کی سیر ہوئی ہوئی آنکھیں بالکل اور پیغام دیتی

ہیں اور ایک بدنیت کی آنکھیں بالکل اور پیغام دیتی ہیں اور آنکھ کا پیغام تو اتنا لطیف ہے کہ بظاہر انسان کو بھی بعض دفعہ سمجھ نہیں آتا لیکن لطیف ہونے کے باوجود ظاہر بھی ہے اور اگر انسان غور کرے اور فکر کرے تو یہ پیغام اس کو دکھائی دینا چاہئے۔ان دو باتوں میں بظاہر تضاد ہے لیکن حقیقت میں تضاد نہیں ہے۔انسان کی دیکھنے والی آنکھ اگر لطیف نہ رہے تو وہ دوسرے کی آنکھ کی لطافت کو پڑھ نہیں سکتی اور آنکھ کی لطافت حقیقت میں سچی اور ظاہر بھی ہے کیونکہ جانور انسان کی آنکھ کو پہچان جاتے ہیں۔ان میں چونکہ جھوٹ نہیں ہے کوئی بدی نہیں ہے،ان کی فطرتیں مسخ نہیں ہوئی ہوئی ہیں۔اس لئے جانور فوراً آنکھ کو پہچان جاتے ہیں۔کسی کی آنکھ میں خوف ہو تو کتا اس پر حملہ کرتا ہے،کسی کی آنکھ میں پوری طمانیت ہو تو اس کو کچھ نہیں کہے گا۔ایک پرندہ اگر آنکھ پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو پتا چل جاتا ہے کہ اس کی آنکھ شکاری کی آنکھ ہے یا کھانا دینے والے کی آنکھ ہے۔چنانچہ ہم سیر پر جایا کرتے تھے تو بعض دفعہ مگ اور مرغابیاں آجایا کرتی تھیں ان کو ہم روٹی ڈالا کرتے تھے۔ہمارے ایک ساتھی تھے ان سے میں نے کہا کہ آپ کی آنکھ میں مگوں کو دیکھ کر لالچ آتی ہے اس لئے یہ آپ سے گھبراتے ہیں اور جانور واقعۃً پہچانتا ہے۔جو لوگ کتوں سے ڈرتے ہیں کتے ضرور ان پر حملہ کرتے ہیں۔تو خدا تعالیٰ نے کیسی عظیم الشان بات اور کتنا گہرا فطرت کا راز ہمیں بتایا ہے۔دو ہی چیزیں ہیں جن پر تمہیں نظر رکھنی ہوگی۔دل اور آنکھیں۔دل میں بدی کو نہ پلنے دو۔اصل راز نیکی اور تقویٰ کا یہ ہے کہ دل میں بدی کو داخل ہی نہ ہونے دو یا وہاں پلنے نہ دو اگر وہ پل کر باہر آئے گی تو پھر اس کو آنکھوں سے پہچانو۔اپنی آنکھوں سے بھی اور غیر کی آنکھوں سے بھی۔

میں نے دیکھا ہے کہ اس حکمت پر گھر کی تربیت کا انحصار ہے۔بچوں کی تربیت پر اس کا بہت زیادہ انحصار ہے۔ابھی جب میں کینیڈا کے سفر پر گیا تھا تو وہاں بھی بعض باتیں سامنے آئیں بعض خاندانوں نے ملاقات کے وقت اپنے بچوں کے متعلق شکایت کی اور کہا کہ کیا کریں ہم فلاں بچیاں ہیں وہ قابو میں نہیں،فلاں بیٹا ہے وہ قابو میں نہیں اور بھی روزمرہ ایسے واقعات سامنے آتے ہیں۔ابھی ایک دو دن کی ملاقات میں یہاں بھی ایک خاندان کے ایسے سربراہ آئے تھے جنہوں نے اپنی مظلومیت کا ذکر کیا کہ میں کیا کروں؟ اولاد کے ہاتھوں بے بس ہو رہا ہوں تو ان کو میں نے یہی بات سمجھائی۔شروع میں ان کو یہ ماننے میں تھوڑا سا تردّد تھا کہ میرا قصور ہے لیکن جب بات واضح

ہوئی تو بلا تردّد پوری طرح تسلیم کرلیا۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھیں آپ لوگوں کو اپنے بچوں کی علامتیں دکھائی دینی چاہئیں ۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک بیٹی اچانک ہاتھ سے نکل جائے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی بیٹا اچانک باغی ہو جائے۔ خدا کا کلام گواہ ہے کہ دلوں میں جو کچھ پلتا ہے وہ آنکھوں سے ضرور ظاہر ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ نے آنکھ سے دل کی طرف سفر ہمیں اس لئے دکھایا۔ خدا تو غیب سے ظاہر کی طرف سفر کرتا ہے لیکن یہاں اس مضمون میں تقدیم و تاخیر کی حکمت مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھا رہا ہے کہ میں تو غیب بھی جانتا ہوں حاضر بھی جانتا ہوں لیکن اگر تم نے اپنی اولاد اپنی نسلوں کی تربیت کرنی ہے اور اپنی قوم پر نظر رکھنی ہے تو یاد رکھو کہ آنکھوں سے پہچاننا۔ یاد رکھو کہ اگر تم آنکھوں میں مخفی بدیاں، بدنیتیاں پہچان لو گے تو بروقت اپنی اولاد کی یا ان کی تم تربیت کر سکو گے جو تمہارے تابع ہیں ورنہ تم اس موقع کو ہاتھ سے گنوا بیٹھو گے۔ پس آنکھ میں شرارت پکنے سے پہلے جب وہ مستقل اس کا حصہ بن جاتی ہے اس سے پہلے کارروائی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان پودوں کی طرح جن کی جڑیں ابھی مضبوط نہ ہوئی ہوں لیکن ان کی علامتیں باہر ظاہر ہو جائیں تو اس وقت اس روئیدگی کو بڑی آسانی کے ساتھ پاؤں تلے کچل کر پامال کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ درخت بن جائیں جب ان کی علامتیں خوب کھل کر ظاہر ہو جائیں تو پھر ان کو مٹانا اور ان کو اکھیڑنا بڑا مشکل کام ہے۔ پس اپنی تربیت کے امور میں آپ اس آیت کریمہ کے مضمون کو پیش نظر رکھیں تو خصوصیت سے وہ لوگ جو مغرب میں اپنی اولاد کی تربیت کے متعلق پریشان ہیں ان کے مسائل حل ہو جائیں گے جب بچے میں پہلی دفعہ کوئی ٹیڑھا پن دیکھتے ہیں، اس کی آنکھ میں کوئی شرارت، کوئی فتنہ دیکھتے ہیں تو اس وقت ضرورت ہے کہ اس کی طرف پوری توجہ کر دیں اور اپنی محبت سے، پیار سے سمجھا کر جیسا بھی ہو اس کے دل سے وہ بدی نوچ لیں جس کی علامتیں آنکھوں میں ظاہر ہونی شروع ہوئی ہیں۔

اب میں اس آیت کی طرف واپس آتا ہوں جس کی تلاوت میں نے ابھی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کیا کرو۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حال یہ ہے کہ تم اپنی امانتوں کی خیانت کرتے ہو اور تمہیں علم نہیں۔

اس کے معانی میں سے دو معانی ہیں جو میں اس وقت آپ کے سامنے زیادہ وضاحت سے

رکھنا چاہتا ہوں۔اوّل یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی امانت میں خیانت حقیقت میں ہماری اپنی امانتوں میں خیانت ہے اور یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ایک تو اس کا معنی یہ ہے یعنی جب ہم اپنے بھائی سے بد دیانتی کرتے ہیں، اپنی قوم سے بد دیانتی کرتے ہیں، اپنے مالک سے، اپنے نوکر سے اپنے بہن بھائی سے، لین دین میں یا تقویٰ کی آزمائشوں میں ہم نا کام رہتے ہیں اور خیانت کرتے ہیں تو ان میں سے ہر خیانت دراصل اللہ اور اس کے رسول کی خیانت ہے یہ طرز بیان ہم پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ دیکھو تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری خیانتیں تمہاری اپنی خیانتیں ہیں۔کون پوچھے گا۔گھر کی بات ہے۔تم نے اپنی بیوی سے خیانت کی بیوی نے تم سے کی، بھائی نے بہن سے کی وغیرہ وغیرہ تو یہ سمجھ لو کہ ہم آپس میں ہی کر رہے ہیں۔ہمارا معاملہ ہے۔فرمایا نہیں، درحقیقت ہر خیانت اللہ اور اس کے رسول کی خیانت ہے۔کوئی خیانت بھی ایسی نہیں ہے جو تم کرتے ہو اور جو خدا اور اس کے رسول کی خیانت نہ بنتی ہو۔

دوسرا ایک اور بہت لطیف مضمون ہے۔وہ قوموں کے حالات بگڑنے کا راز ہے۔وہ لوگ جو اپنے معاملات میں خائن ہو جاتے ہیں پھر وہ خدا اور رسول کی خیانت بھی ان معنوں میں کرنے لگتے ہیں کہ پیغام کے باغی ہو جاتے ہیں۔پیغام کے رنگ بدلنے لگتے ہیں اور فتنہ وفساد کی مستقل بنیادیں ڈال دیتے ہیں۔چنانچہ جب مذاہب بگڑتے ہیں تو پہلے انسانی معاملات کی خیانت ظاہر ہوتی ہے، پھر وہی خائن لوگ خدا پر بھی ہاتھ ڈالنے لگتے ہیں، اس کے رسول کی بے حرمتی بھی کرتے ہیں اس کی باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور خدا اور رسول کی باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔یہاں اس خیانت کی طرف اشارہ ہے اور مرکزی اصول وہی کارفرما ہے۔وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جب تم اپنی روزمرہ کی بد دیانتیوں کے متعلق جانتے ہو کہ حقیقت میں تم بد دیانت ہو خیانت کر رہے ہو، تم سے چھپی ہوئی نہیں۔یاد رکھنا کہ جب اللہ اور رسول کی خیانت کرو گے تو وہ بھی تم سے چھپی ہوئی نہیں۔دنیا سے چھپی ہوئی ہو سکتی ہے مگر وہ ظالم جو خدا کے کلام کو اپنی مرضی کے تابع توڑتے مروڑتے اور اپنی مرضی کے مطالب اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔جو رسول کے کلام کی بے حرمتی کرتے ہیں ان کو بہت بڑی تنبیہ ہے کہ تم جانتے ہو تمہارا یہ کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا کہ تم نے نادانی میں غلط ترجمے کر لئے تھے۔خائن آدمی اگر روزمرہ کے معاملات میں خائن ہے تو خدا اور رسول کے

معاملے میں بھی خائن ہو جاتا ہے اور جو روزمرہ کے معاملات میں خائن نہیں ہے اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور پھر وہ خدا اور رسول کے معاملے میں غلطی تو کر سکتا ہے مگر خائن نہیں بنتا تو خیانت دیکھیں انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے اور کیسے قعر مذلت میں گرا دیتی ہے۔ خیانت کے خلاف جماعت کو ایک بڑی جدوجہد کے ساتھ ایک مہم چلانی ہوگی، جہاد کرنا ہوگا، پوری کوشش کرنی ہوگی۔ جس سے جماعت کے بچے بچے کے ذہن میں اور دل میں یہ بات ثبت کر دی جائے کہ خیانت ایک ایسا جرم ہے جو قوموں کے کردار کو کھا جاتا ہے، جوان کے ایمان کو کھا جاتا ہے جوان کے اعمال صالح کو تباہ کر دیتا ہے اور ترقی یافتہ قومیں ہمیشہ ہمیش کے لئے قعر مذلت میں گر جاتی ہیں اس لئے خیانت سے خبردار رہو۔ پس قرآن کریم نے آیات میں جگہ جگہ خیانتوں کے عنوان لگائے ہیں اور ان عنوانات کے تابع بڑی گہری باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان کے اوپر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے مزید روشنی ڈالی تا کہ وہ شخص جو اپنی فہم سے ان باتوں کو پا نہ سکے اس کا خیال ان باتوں کی تہ تک پہنچے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث میں نے چُنی ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وعلی اله وسلم قال لکل غادر لواء عنداسته یوم القیامة.. یر فع له بقدر غدره الا ولا غادراعظم غدرامن امیرعامة

(مسلم کتاب الجہاد حدیث نمبر: ۳۲۷۱-۳۲۷۲)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دھوکہ دہی کرنے والے کا جھنڈا اس کی پیٹھ کے پاس قیامت کے دن نصب ہوگا۔ دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر دھوکہ دینے والے کا، ہر خیانت کرنے والے کا جھنڈا اس کی پیٹھ کے پاس اس کے پیچھے قیامت کے دن نصب ہوگا۔ پیٹھ کے پیچھے کا ایک مضمون تو دوسری جگہ کھولا گیا ہے کہ جہاں ہلاکت کی خبر ہو وہاں سامنے سے پیش کرنے کی بجائے حساب کتاب پیچھے سے لیا جائے گا۔ ایک تو یہ مضمون ہے جس کی طرف انسان کا ذہن اس حدیث کو سُن کر جاتا ہے کہ بہت ہی بڑے عذاب کی خبر ہے کہ اس کی خیانت کا جھنڈا اس کی پیٹھ کے پیچھے گاڑا جائے گا دوسری یہ بات کہ خیانت کا اس سے زیادہ خوبصورت انتقام نہیں لیا جا سکتا۔ انسان دوسرے سے اس کی پیٹھ پیچھے خیانت کرتا ہے۔ فرمایا اس کی پیٹھ کے پیچھے وہ

جھنڈا گاڑا جائے گا جو دنیا کو دکھائے گا کہ یہ خائن تھا۔ جو خیانتیں اس نے اپنی طرف سے دنیا سے چھپانے کی کوشش کی تھی وہ ایک جھنڈے کی صورت میں طنزاً اس کی پیٹھ کے پیچھے نصب کی جائے گی اور وہ جھنڈا دور سے دکھائی دے گا۔ فرمایا جتنا بڑا خائن ہوگا اتنا ہی بلند وہ جھنڈا ہوگا۔ یہ ایک Irony ہے، تصویری زبان میں خائن سے انتقام کا حیرت انگیز نقشہ کھینچا گیا ہے کہ تم خیانتیں کرلو، چھپالو، لوگوں کی پیٹھ پیچھے جو کچھ منصوبے بنانے ہیں بناؤ قیامت کے دن تمہارے یہ منصوبے تمہاری پیٹھوں کے پیچھے گاڑے جائیں گے جتنی تم نے بددیانتیاں کی ہوں گی اتنا ہی یہ راز کھولا جائے گا۔

دوسری بات حضورؐ نے یہ فرمائی کہ **ولا غادر اعظم غدرا من امیر عامه.** عوام الناس پر جو امیر مقرر کیا جاتا ہے وہ اگر خیانت کرے تو اس کی خیانت سے بڑھ کر اور کوئی خیانت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کو معاملات سونپے جاتے ہیں وہ ان معاملات میں جو اس کو سونپے گئے ہیں اگر خیانت کرے تو جتنا وسیع ان کا اثر ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کی خیانت اپنے آپ سے ضرب کھاتی چلی جائے گی۔ ایک شخص ایک شخص سے خیانت کرتا ہے، خیانت تو خیانت ہی ہے لیکن اس کا نقصان ایک شخص کو پہنچ رہا ہے۔ ایک شخص ایک خاندان سے خیانت کرتا ہے اس کا نقصان ایک خاندان کو پہنچتا ہے لیکن وہ شخص جو امیر ہو اس کی خیانت کا نقصان اس کے تابع تمام افراد کو پہنچتا ہے چنانچہ خیانت کا گناہ اس کے نقصان سے ماپا جائے گا۔ یہ مراد ہے خیانت کا جتنا وسیع نقصان پہنچے گا اتنا ہی زیادہ اس شخص سے جواب طلبی ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ خدا کی ناراضگی کا سزاوار ٹھہرایا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے تو حکومتوں کی امارات کے مضمون کو سامنے رکھتے ہیں۔ امارتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک مذہبی ذمہ داریاں ہیں جن کو یہ سونپی جاتی ہیں ان کے لئے بہت بڑی تنبیہ ہے اور دل ہلا دینے والا پیغام ہے اور ایک وہ جو دنیا کی امارتیں ہیں۔ یہ لفظ امیر دونوں پر یکساں چسپاں ہوتا ہے اس کی تو تاریخ میں بھی بڑی کثرت سے مثالیں بھری پڑی ہیں اور موجودہ دور میں بھی کہ جہاں حکومتوں کے سربراہ خائن ہوئے وہاں حکومتیں اس طرح برباد ہوئی ہیں کہ نہ ان کی اقتصادیات باقی رہیں، نہ ان کی سیاسیات باقی رہیں، نہ اخلاق رہے، نہ مذہب رہا سب کچھ مٹ گیا اور آج تیسری دنیا کے لئے اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھلم کھلا پیغام ہے۔ اگر وہ اس پیغام کو

سمجھیں تو بڑی بڑی ہلاکتوں سے بچ سکتے ہیں ورنہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو بچا نہیں سکتی کیونکہ امیر کی خیانت سے بڑھ کر اور کوئی خیانت اثر نہیں دکھاتی دوسروں کو بے بس کر دیتی ہے۔ یہ ایسی خیانت ہے کہ اس کے مقابل پر ایمان داروں کی ایمان داریاں بھی کچھ کر نہیں سکتیں بے بس اور نہتی ہو جاتی ہیں۔

تیسری دنیا میں جب میں سفر کرتا ہوں اور میری ملاقاتیں جب ان کے سربراہوں سے ہوتی ہیں مثلاً جب میں نے افریقہ میں دورہ کیا تو میں نے ہر صاحب امر کو یہ بات پہنچائی میں نے کہا ایک زمانہ ایسا تھا کہ آپ شکوہ کیا کرتے تھے کہ آپ کو سفید ہاتھوں نے لوٹا ہے بڑا ظلم تھا۔ باہر سے سفید ہاتھ آئے اور انہوں نے آپ کو لوٹا لیکن اب آپ کو کالے ہاتھ لوٹ رہے ہیں، وہ آپ کے اپنے ہاتھ ہیں۔ اس ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔ جب تک آپ دیانت کے معیار کو بلند نہیں کرتے آپ کسی پہلو سے کسی رُخ سے ترقی نہیں کر سکتے۔ نہ آپ کی اقتصادیات سنبھل سکتی ہے، نہ آپ کی سیاسیات درست ہو سکتی ہے، نہ کسی شعبہ زندگی میں کسی اصلاح کی صورت ممکن ہے کیونکہ ایک بددیانت آدمی ایک ایسے گندے پودے کی طرح ہو جاتا ہے جس کو کڑوے پھل لگتے ہیں۔ ایک خاندان کے ایک شخص کے متعلق کسی نے ایک بزرگ عورت سے عرض کیا کہ اس ماں کی جو فلاں بیٹی ہے وہ تو اچھی ہے نا تو اس نے اپنی بزرگی اور سادگی اور گہری فراست کے ساتھ صرف یہ کہا کہ کڑیے کوڑی ول نوں مٹھے پھل نہیں لگ دے۔ اگر بیل کڑوی ہو جائے تو اس کا ہر پھل کڑوا ہوتا ہے، تم نہیں سمجھتی یہ بیل کڑوی ہے۔ بہت گہری حکمت کی بات ہے۔ تو امیر کی امارت کے متعلق حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے جو توجہ دلائی تو دراصل اس کو ہم دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ خبردار! بیل نہ کڑوی ہو۔ اگر کسی قوم کا امیر گندہ ہو جائے، اس کی نیتیں خراب ہو جائیں، وہ خائن بن جائے تو ساری قوم اس بیل کی طرح ہو جاتی ہے جسے پھر لازماً کڑوے پھل لگیں گے پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو بچا نہیں سکتی۔ آج تیسری دنیا کے مسائل کا حل صرف اس حدیث میں ہے۔ جتنی مرضی کانفرنسیں کر لیں۔ بڑے ممالک ایک طرف آ جائیں، چھوٹے ممالک ایک طرف اور اقتصادی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں یا سیاسی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں سب فرضی باتیں ہیں۔ ایک کوڑی کا نتیجہ بھی نہ آج تک کبھی نکلا ہے نہ آج نکل سکتا ہے اور نہ کل نکلے گا۔ بیماری ہے ہی اور ''ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ'' والی بات کرتے ہیں اگر گھٹنے پر چوٹ پڑی ہے تو آنکھ کیوں پھوٹے گی۔ گھٹنا پھوٹے گا تو آپ کا دل پھوٹ گیا ہے

۔وہ مرکز جہاں نیتیں پلتی ہیں وہ گندہ ہو چکا ہے اور امارتیں گندی ہو گئی ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی ذلیل سے ذلیل ترین ملک کی امارت یعنی سیاست اور اس کے جو سربراہ ہیں وہ پاک اور صاف ہو جائیں اور قوم بہتر نہ ہو جائے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جہاں ملکوں کے حال گندے اور بد ہیں جان لیں کہ وہاں کی سیاست گندی ہے، وہاں کے سربراہ جن کے ہاتھ میں معاملات کی کلید تھمائی جاتی ہے، چابی پکڑائی جاتی ہے وہ بدنیت اور گندے ہو چکے ہیں اس لئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی تنبیہ ضرور وہاں چلے گی اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس کی جواب طلبی ہونی ہے۔جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ دیکھو تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بددیانتیاں کرتے ہو اور یہ بھول جاتے ہو کہ تمہاری ہر بددیانتی درحقیقت خدا سے بددیانتی ہے اور اس کے رسول سے بددیانتی ہے اور جب خدا اور اس کے رسول سے بددیانتی کرو گے تو بغیر حساب کے چھوڑے نہیں جاؤ گے۔خدا کی مخلوق جس کے بھی سپرد کی جائے خواہ وہ سیاسی سربراہ ہو یا کسی اور حیثیت سے سربراہ ہو،جن معاملات میں خدا کے بندے اُس کے سپرد کئے جاتے ہیں ان معاملات میں اگر وہ بددیانتی کرتا ہے تو اس کا اثر ساری قوم پر پھیلے گا۔دو قسم کی کمزوریاں ہو سکتی ہیں۔ایک ذاتی اور ایک عامۃ الناس سے تعلق رکھنے والی۔ یہاں اس کمزوری کا ذکر ہے جس کا تعلق قوم سے ہے یعنی قومی معاملات میں خیانت نہ کرنا۔تمہاری اپنی خیانت بھی پوچھی جائے گی اپنے متعلق اپنی ذمہ داریوں میں اس ناکامی پر بھی پوچھے جاؤ گے جن کا تمہاری ذات سے صرف تعلق ہے اور تمہارے خاندان سے ہے لیکن اتنی بڑی جرأت نہ کر بیٹھنا ان معاملات میں خیانت کرو جن کا ساری قوم سے تعلق ہے ان کا جھنڈا پھر اندازہ کریں کہ کتنا بلند ہوگا وہ تو انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتا ہے،امریکہ کا سربراہ ہے،روس کا سربراہ ہے، یورپ کی حکومتوں کے سربراہ ہیں۔ان کے اپنے طور کی خیانتیں ہیں اور خدا تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ یہ سارے پوچھے جائیں گے۔ان کے بداثرات قوم پر ضرور پڑتے ہیں لیکن میں اس وقت تیسری دنیا کی حکومتوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے درست ہونا ہے تو کسی طرح دُعائیں کر کے یا جیسا بھی بس چلے اپنا سربراہ دیانت دار چن لیں،ایسا جو پاک نیت ہو، جو بااصول ہو اور اصولوں سے نہ ٹلے اور اصولوں کا سودا نہ کرے۔

اب دیکھیں پاکستان کی دردناک تاریخ میں دراصل یہی ایک بنیادی کمزوری دکھائی دیتی ہے۔ایک ہی رخنہ ہے جس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ پاکستان پھٹا،ساری قوم پھٹنے لگی،ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی

اور پھر اس وقت سے سنبھل ہی نہیں رہی۔آج کل مثلاً جو ہو رہا ہے یہ کوئی ایسی بیماری نہیں جو آج پیدا ہوئی ہے۔ یا چند سالوں میں پیدا ہوئی ہے۔اپوزیشن کہتی ہے کہ نواز شریف صاحب نے یہ بیماریاں پیدا کی ہیں۔ یہ الزام لگانے والے جب خود اوپر آئے تھے تو اس وقت کہتے تھے فلاں نے پیدا کیں ہیں۔اس وقت نواز شریف صاحب موجود ہی نہیں تھے ان سے پہلے اور تھے۔ بیماریاں پہلے سے شروع ہوئی ہیں اور ان کی جڑیں تاریخ میں گہری ہیں۔ بیماری اس وقت تک نہیں تھی جب تک قائداعظم زندہ تھے۔قائداعظم بہت صاحب فراست انسان تھے۔ باتوں کی چالاکی ان کو نہیں آتی تھی لیکن عقل میں تقویٰ تھا۔ یہ ملاں اُن پر اعتراض کرتے ہیں اور حملے کرتے ہیں کہ یہ غیر مسلموں کی طرح تھا۔تقویٰ ایسی چیز ہے کہ اگر غیر مسلم میں بھی ہو تو اس عقل کو بھی جلا بخش دیتا ہے اور اگر نہ ہو تو کتنا بڑا پکا مسلمان ہو اُس کے اندر اندھیرے ہی پلیں گے اس سے زیادہ اور کچھ اس سے توقع نہیں رکھ سکتے۔تو قائداعظم نے ملاں سے صلح نہیں کی، ملاں کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوئے یعنی اس حد تک کہ اصولوں کے سودے کر لیں۔ قائداعظم نے اپنی زندگی میں جتنے فیصلے کئے ہیں ان کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے ایک بھی فیصلہ ایسا نہیں ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو۔ایک سربراہ کا تقویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے جو اُس کے نزدیک قوم کے لئے جائز اور درست ہے اور اخلاق کے اعلیٰ اصولوں کے منافی نہیں ہے۔اس پہلو سے قائداعظم کا فیصلہ ہر شک سے بالا تھا اور ہر قسم کی تنقید سے بالا تھا۔مولویوں سے دیکھ لیجئے کہ انہوں نے اس بات پر ٹکر لی کہ مولوی کہتے تھے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دو ہم تمہاری جوتیاں چاٹیں گے قائداعظم کو اپنی جوتیاں چٹوانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ یہ بھی تقویٰ کی ایک علامت ہے۔ان کو کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی ان کی تعریف کرتا ہے یا نہیں کرتا لیکن انہوں نے کہا کہ میں اس اصول کو تسلیم نہیں کر سکتا۔قوم پھٹ جائے گی جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے گا ملی تعریف کی رو سے مسلمان کہلائے گا۔ میں ایک سیاست دان ہوں، مجھے مذہبی تعریف کی باریکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، نہ میرا کام ہے۔اللہ جس کو چاہے مسلم قرار دے اور جس کو چاہے غیر مسلم قرار دے دے مگر میرے نزدیک ملت کے لئے مسلمان کی ایک ہی تعریف قابل قبول ہو سکتی ہے جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے گا وہ مسلمان ہے۔ جو نہیں کہتا وہ نہیں ہے۔چھٹی کرے۔ ہر شخص آزاد ہے جو چاہے کرے جو چاہے کہے اتنی سی بات پر وہ اڑ گئے۔انہوں نے کہا کہ

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں اس پر کوئی سودا کروں۔ مولویوں نے لالچیں دیں طرح طرح کی دھمکیاں دیں، یہ کہا کہ ساری قوم آپ کے قدموں میں لاڈالیں گے، آپ کے خادم بن جائیں گے آپ کے گُن گائیں گے، قیامت تک آپ کا جھنڈا بلند رکھیں گے لیکن قائداعظم نے ایک ذرّہ بھی ان لوگوں کی طرف توجہ نہیں کی ثابت قدم رہے اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ کیسا شان کا سلوک تھا کہ ان سب مولویوں کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی سارے مولوی جھوٹے کر دیئے۔ جب یوم حساب آیا ہے تو ان کے پیچھے چلنے والا کوئی بھی باقی نہیں رہا ساری قوم قائداعظم کے پیچھے چل پڑی۔

اب بھی پاکستان کے مسائل کا دراصل یہی حل ہے۔ ان کو اتاترک تو میسر نہیں آسکتا۔ اتاترک سے زیادہ عظیم قائداعظم ہے۔ اتاترک نے تو ایک بدنی سزا دے کر اور انتقام لے کر اپنے مخالفوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی تھی اور بزور شمشیر ملّاں کو دیر تک سیاست سے باہر رکھا لیکن قائداعظم نے تو نہایت ہی اخلاق کا نمونہ دکھاتے ہوئے اپنی قربانی پیش کی لیکن اصول سے پیچھے نہیں ہٹے۔ جب سے ملّاں پاکستان کی سیاست میں داخل ہوا ہے پاکستان کی سیاست گندی سے گندی ہوتی چلی گئی اور سیاست دان آزاد رہا ہی نہیں۔ جب ملّاں سے بددیانتی کے سودے ہو گئے، بداخلاقی کے سودے ہو گئے، ایک کمزور جماعت کے حقوق کو جانتے بوجھتے ہوئے کچلا گیا ہے، کون پاکستان کا سیاست دان ہے جو کہے کہ ہمیں علم نہیں تھا۔ آپس کی پرائیویٹ باتوں میں سب کہتے ہیں کہ ظلم ہو گیا لیکن کسی ایک میں بھی جرأت نہیں ہے کہ وہ احمدی کے خون کا سودا مولوی سے کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ جہاں اس کو اپنا دو کوڑی کو بھی فائدہ نظر آئے گا وہ یہ خون بیچے گا اور جس طرح حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تنبیہ کی تھی کہ دیکھو آزاد کو پکڑ کر کسی اور کے پاس بیچنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ کوئی ایک آزاد انسان کی آزادی کو اگر کسی دوسرے کے پاس اپنے تھوڑے سے کمینے مفاد کی خاطر بیچ ڈالے تو اس کے لئے کیسی سخت تنبیہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی لیکن پاکستان کے سیاست دان چونکہ خائن ہو چکے ہیں اس لئے ان کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ بحث اُٹھاتے ہیں کہ یہ تھوڑے ہیں یا زیادہ حالانکہ خیانت میں تھوڑے زیادہ کی بحث ہی نہیں ہوا کرتی۔ ایک آنے کی خیانت بھی خیانت ہے اور اموال کی ایک عظیم ڈھیری کی خیانت بھی خیانت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے خیانت کے اسی مضمون کو یہودیوں کے حوالے سے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ دیکھو

یہودیوں میں بھی بعض ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کے پاس دولتوں کے پہاڑ لگا دئے جائیں تو تب بھی وہ خیانت نہیں کریں گے ۔ جب وہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس مال کی حفاظت کریں گے تو ضرور حفاظت کریں گے۔ کیسی شان ہے قرآن کریم کی ۔ وہ قوم جس نے قرآن اور صاحبِ قرآن سے سب سے زیادہ دشمنی کی ہے اس قوم کے پاک لوگوں کو کیسا خراج دیا جا رہا ہے۔ کیسا ان کا حق تسلیم کیا جا رہا ہے کہ بعض ان میں شریف ہیں اور ایسے ایسے شریف ہیں کہ اگر دولتوں کے پہاڑ بھی ان کے سپرد کر دیئے جائیں تو بد دیانتی نہیں کریں گے لیکن افسوس کہ ان بدنصیبوں کی اکثریت ہے جن کے پاس ایک آنہ بھی رکھو، ایک پیسہ بھی رکھو۔ تھوڑا سا بھی دے دو تو وہ خیانت کر جائیں گے خیانت خیانت ہی رہے گی ۔ تو یہ کیا سودا ہوا کہ تھوڑے لوگوں کے حقوق مارے جاتے ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ مارے ہی تھوڑوں کے جایا کرتے ہیں ۔ بڑوں کے حقوق مارنے کی تمہیں جرأت کہاں ہے ۔ جب جرأت کرتے ہو تو آگے سے مار بھی پڑتی ہے ۔ اگر بڑوں کے حقوق مارنے کی کوشش کرو گے تو وہ سیاسی غلطی ہے ۔ طاقتور پر ہاتھ ڈالو گے تو وہ بے وقوفی ہے لیکن جب غریب کے حقوق پر ہاتھ ڈالو گے، کمزور کے حقوق پر ہاتھ ڈالو گے تو یہ خیانت ہے اور اس خیانت کو آنحضرت ﷺ نے اس رنگ میں پیش فرمایا کہ ایک آزاد شخص کی آزادی چھیننے کا تمہیں کیا حق ہے۔ خدا نے اپنے بندوں کو جو حقوق دیئے ہیں فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اگر ایمان تمہارے پاس ہی ہے تب بھی خدا کہتا ہے کہ میرے بندے ہیں تمہیں زبردستی کسی کو مومن بنانے کا کیا حق ہے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ (الکھف : ۳۰) جو چاہے ایمان لاتا پھرے اور جو چاہے کافر ہوتا پھرے ۔ میرا اور میرے بندوں کا معاملہ ہے ۔ تم بیچ میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو لیکن انہوں نے کئی کئی نیک بہانے بنائے اور جانتے بوجھتے ہوئے احمدیوں کے سودے کئے اور مولویوں کے پاس عملاً احمدیوں کے تمام حقوق بیچ ڈالے ۔ اس خیانت کو خدا تعالیٰ معاف نہیں کر سکتا ۔ اب سیاست دان گلیوں میں نکلے ہیں ۔ نہایت بھیانک اور بڑے تکلیف دہ مناظر ہیں جو ساری دنیا میں دکھائے جا رہے ہیں اور اس قوم کی پولیس کا حال دیکھیں کہ اس وقت چونکہ ہر آدمی حکومت کا پٹھو بن جاتا ہے اس لئے انتہائی خوفناک مظالم کرتی ہے حالانکہ دنیا میں کہیں بھی پولیس ایسی ناجائز سختی ان لوگوں پر نہیں کیا کرتی جو آگے سے ہاتھ نہ اُٹھائیں، جو شرارت نہ کریں ۔ محض اکٹھے ہونے سے منع کرنے پر اگر کوئی اکٹھا ہو جائے تو اس پر دنیا

کی آزاد ممالک کی پولیس زیادتی نہیں کیا کرتی، ان کو دھکیلتی ہے اس کو روکنے کی کوشش کرتی ہے۔ پہل اگر مجمع کی طرف سے ہو، اگر پولیس کو مار پڑے، ان کے اوپر بم پھینکے جائیں، ان پر گولیاں چلائی جائیں، ان پر بوتلیں پھینکی جائیں اور کئی قسم کے فساد ہوں تو پھر اس فساد سے بچنے کے لئے اسی حد تک جوابی کارروائی کیا کرتی ہے اور آزاد اور ترقی یافتہ ممالک میں یہ عجیب بات سامنے آتی ہے کہ بعض فسادات کے موقع پر پولیس والے زیادہ زخمی ہوتے ہیں اور دوسرے کم اور پولیس اس وقت اپنے قابو سے نکلتی ہے جب چارہ نہیں رہتا۔ جب ہر طرف سے اس کو پڑنی شروع ہوتی ہیں تو پھر وہ بھی زیادتیاں کر جاتے ہیں مگر ان کی تصویریں دیکھنے والا پہچان لیتا ہے کہ زیادتی کدھر سے شروع ہوئی تھی۔ مجھے تو زیادہ وقت نہیں ملتا مگر ایک جھلکی میں نے دیکھی تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ کیسی تکلیف دہ وہ چیز تھی جو مجھے دکھائی دی اور میں سوچ رہا تھا کہ ساری دنیا میں یہ بدنامی ہو رہی ہے۔ معزز سیاست دان ہیں اور احتجاج کرنے کے لئے نکلے ہوئے ہیں ان کے ساتھ خواتین ہیں۔ ان کو ایک پولیس والا پکڑتا ہے اور ڈنڈے مارتا ہوا کھینچ کر وہاں لے آتا ہے جہاں پولیس والے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور پھر سارے پولیس والے اس نہتے آدمی پر جس نے آگے سے ہاتھ نہیں اُٹھایا ہوتا، پتھر نہیں مارا، کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا، ڈنڈے برسانے شروع کر دیتے ہیں۔ یہ کیسی سیاست ہے لیکن تمہاری اپنی پیدا کردہ ہے تم خائن ہوئے صرف جماعت احمدیہ کے معاملہ میں نہیں ہر معاملہ میں خائن ہو گئے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف اپوزیشن دیانت دار ہے اور حکومت خائن ہے۔ کبھی اپوزیشن حکومت بن جاتی ہے تو کبھی حکومت اپوزیشن بن جاتی ہے یہ تو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ کبھی یہ باہر آ گیا تو کبھی وہ باہر آ گیا ادائیں ایک ہیں یہ مجھے تکلیف ہے۔ جب تک ادائیں نہیں بدلیں گی جب تک خیانت سے باز نہیں آئیں گے اس وقت تک قوم بچ نہیں سکتی اتنی خیانت ہے کہ یوں لگتا ہے کہ سیاست میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ جب ہم بھی جائیں گے تو ہم بھی ایسا ایسا کیا کریں گے۔ تو وہ خیانت جو ان کی آنکھوں میں ظاہر ہو چکی ہے اب تو گلیوں میں جھانک رہی ہے۔ گھر گھر پر اس کی نحوست کا سایہ ہے وہ دراصل دلوں میں پلی تھی اللہ ان آنکھوں کی غیب خیانت کو بھی جانتا ہے جب ابھی وہ باہر نہیں آئی تھی۔

اس صورت حال پر جب نظر ڈالیں تو پاکستان، ہندوستان اور دوسرے تیسرے درجے کے

ملک جن میں عام روزمرہ کی بد دیانتی زیادہ پائی جاتی ہے، بددیانتی مغربی ممالک میں بھی ہے مگر بڑے پیمانے کی ہے، اونچے پیمانے کی، جب اپنی قوم کے مفاد غیروں سے ٹکرائیں تو پھر دل کھول کر بد دیانتیاں کرتے ہیں مگر روزمرہ اپنی قوم سے بد دیانتی کر نہیں سکتے۔اس کی جرأت نہیں ہوتی کیونکہ قوم اس معاملے میں سخت گیر ہے مگر جہاں قوم بیچاری غیر تعلیم یافتہ اور کمزور ہوان کو ہدایت دینے والا کوئی راہنما نہ ہو اور جو راہنما ہوں وہ خائن ہو چکے ہوں تو ایسی قوموں کا تو پھر کوئی نیک انجام نہیں ہوا کرتا۔ان کے حالات پر آپ غور کر کے دیکھیں تو آپ کو خیانت کی تاریخ پہلے دلوں میں پلتی ہوئی پھر باہر آتی ہوئی نظر آئے گی۔بعض زمیندار بلکہ اکثر نے اپنے بچوں کو اچھے سکولوں میں اس لئے ڈالا کہ کوئی اس زمانے میں (پُرانے زمانے کی باتیں ہیں) کوئی سوچتا تھا کہ اسے پٹواری لگواؤں گا اور پٹواری لگوا کر پھر جس طرح ہم نے پٹواری کی شانیں دیکھی ہیں کہ جس کا چاہا کھاتہ بدل کے کسی اور کے نام لگا دیا اس طرح میرا یہ بیٹا کیا کرے گا۔پھر ہمارے خاندان کی شان دیکھنا اور یہ آغاز ہی میں شاید اس وقت سے ہی جب بچہ پیدا ہوا تھا اُس وقت سے ہی اس پر ایسے خاندان کے پٹواری کی نظر پڑ رہی تھی اور جنہوں نے بڑا تیر مارا انہوں نے نائب تحصیل دار کے خواب سوچے۔بہت اونچے جو خاندان تھے انہوں نے کہا کہ جی! ہم تو ڈپٹی کمشنر بنوائیں گے۔سی ایس پی بنوائیں گے پھر پورے ضلع پر راج ہوگا پھر ہم جس کو چاہیں گے مروائیں گے جس کو چاہیں گے زندہ کروائیں گے یہ سارے خواب دکھائی دینے والے خواب ہیں۔ان لوگوں کی آنکھوں سے ان کی خیانت جھانکتی ہے۔جو بڑے بڑے بدنیت زمیندار یا دوسرے صاحب اثر لوگ ہیں آپ اُن سے مل کر دیکھیں۔ذرا سی بھی فراست ہو تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ آنکھ کی خیانت معلوم نہ کرلیں۔ان کی طرز بیان ہی ایسی کھوکھلی سی ہوتی ہے کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ ایک چھوٹی بات ہے بے معنی بات ہے۔تو اُس زمانے میں بچپن میں پھر یہی خواب ان کے سامنے دہرائے گئے ان کے سامنے معزز لوگوں کے جو نقشے کھینچے گئے وہ سارے معزز لوگ بد دیانتی سے معزز بنے تھے ان کو جن صاحب اقتدار خاندانوں سے متعارف کرایا گیا وہ صاحب اقتدار خاندان صاحب اقتدار ہی بد دیانتی کے نتیجہ میں ہوئے اور رفتہ رفتہ ساری قوم اس مضمون کو سمجھ گئی کہ اس ملک میں اگر عزت حاصل کرنی ہے تو خیانت سے حاصل ہوگی ورنہ نہیں ہوسکتی۔اعلیٰ اخلاقی قدریں ایک دن میں پامال نہیں ہوا کرتیں،کم از کم سو سال لگے ہوں گے کہ قوم

رفتہ رفتہ ان قدروں سے دور ہٹتی چلی گئی۔ دلوں سے نیکی کی سب جڑیں اکھیڑی گئیں اور ایک بھی سیاستدان ایسا نہیں ہوا جس نے مہم چلا کر قوم کو دوبارہ بااخلاق بنانے کی کوشش کی ہو۔ بداخلاقی کی قیمت جب پڑنے لگ جائے تو پھر اس سوسائٹی میں اخلاق والا رہ کیسے سکتا ہے۔ قیمتیں ہی بداخلاقی کی پڑتی تھیں، قیمتیں ہی بددیانتی کی پڑا کرتی تھیں۔ اس کے بعد یہ سوچنا کہ اقتصادیات صاف رہ جائیں گی یا قومی معاملات صاف رہ جائیں گے یا سیاست پاک صاف ہوگی یہ بالکل باطل، جھوٹے تصور ہیں۔ یہ عقل کے خلاف بات ہے ایسا ممکن ہی نہیں رہتا۔ آپ آج جو حال دیکھ رہے ہیں یہ کم از کم سو سال کی یا شاید اس سے بھی پہلے کی پالی ہوئی بیماری ہے جو اب جسم کے ہر حصے سے ظاہر ہونے لگی ہے شعراء جب اپنی بے چینی کا اظہار کرتے ہیں تو بعض دفعہ کہتے ہیں کہ تم دو آنکھوں کو کہتے ہو میرا تو رووا‌ں رووا‌ں آنکھیں بن گیا ہے۔ میرے ایک ایک روئیں کی آنکھ میں تم میرے دل کا غم پڑھ سکتے ہو۔ کیسا دردناک منظر ہے کہ آج پاکستان کا رووا‌ں رووا‌ں آنکھ بن چکا ہے اور ہر آنکھ بددیانت اور خائن ہے۔ ہر آنکھ میں آپ اس خیانت کی کہانی پڑھ سکتے ہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو نصیحتیں ہمیں فرمائیں، قرآن نے جو عنوان باندھے اور بتایا کہ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو، اپنی اعلیٰ قدروں کی حفاظت کرنا چاہتے ہو تو خیانت سے بچ کر رہنا خیانت کی ایک ایک قسم گنوا کر دکھائی لیکن قوم ان سب سے غافل اسی حال پر چلی جارہی ہے۔ اب ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی کہ آج یہ ہیں تو کل کون آئے گا۔ جس طرح کسی شاعر نے کہا تھا:-

؎ ہمارے لئے سارے ولی ابن ولی آئے

جب تک رسول اللہ ﷺ کا کوئی غلام اوپر نہیں آتا جو تقویٰ اور امانت کے ساتھ اپنی امارت کے حق ادا کرنے نہیں جانتا اس وقت تک نہ ہمیں دلچسپی ہے نہ قوم کو کوئی دلچسپی ہوگی۔ آج کچھ لوگ آئیں گے اور تماشا دکھا کر چلے جائیں گے۔ کل گلیوں میں اور تماشا ہوگا۔ جو کل کتا کہا کرتے تھے وہ کل کتے کہلائیں گے۔ یہ بدنصیب تاریخ ہے جو بیسوں سال سے اسی طرح جاری وساری ہے اور قوم کا ضمیر جاگ نہیں رہا اس لئے کہ صاحب ضمیر لوگوں کی آوازیں بند ہیں اور جو ان کے ضمیر جگانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے اُن کو سب سے زیادہ جھوٹا کر کے دکھایا گیا ہے۔ پس خیانت نے تو پوری طرح چھاؤنی بنا رکھی ہے ہر جگہ، ہر روئے بدن میں خیانت داخل ہو چکی ہے۔

پس میں اپنی قوم کو یہ اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے لئے غور کریں، سمجھیں آپ نے بچنا ہے تو ان اقدار سے بچیں گے جو زندگی کی اقدار ہیں۔ان اقدار کو آپ قرآن کریم سے حاصل کر سکتے ہیں حضرت محمد مصطفی ﷺ سے حاصل کر سکتے ہیں۔اس کے سوا وہ اقدار آپ کو کہیں دکھائی نہیں دیں گی۔

اب اسی مضمون کو آپ عالم اسلام پر چسپاں کر کے دیکھیں۔میں اس طرح تفصیل میں نہیں جانا چاہتا جیسے میں نے پاکستان کا ذکر کیا مگر بوسنیا کے حوالے سے مثلاً میں آپ کو بتاتا ہوں۔میں نے پچھلی دفعہ بھی بیان کیا تھا کہ بوسنیا کے مسلمانوں کی اتنی دردناک حالت ہے کہ اب تو غیر رونے لگے ہیں،اب تو عیسائی قوموں کے وہ سربراہ یعنی وہ صاحب اقتدار لوگ جو بہت حد تک ان باتوں کے ذمہ دار ہیں،اس غفلت کے مجرم ہیں کہ ایک قوم کو انہوں نے آنکھوں کے سامنے مٹاتے ہوئے دیکھا،ایک قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی نہایت بھیانک کوشش اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھی، روک سکتے تھے اور نہیں روکا لیکن اب حالت وہاں تک پہنچ گئی ہے کہ خود وہ بھی ان باتوں کا نوحہ کرنے لگے ہیں کہ بہت ظلم ہو رہا ہے اور ہم کچھ نہیں کر رہے۔مغربی سیاستدان اب جگہ جگہ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور بلند آواز سے وہ باتیں کر رہے ہیں جس پر اس شعر کا مضمون صادق آتا ہے کہ

رخصتِ نالہ مجھے دے، کہ مبادا ظالم

تیرے چہرے سے ہو ظاہر،غم پنہاں میرا (دیوان غالب صفحہ:۹۱)

اے ظالم! مجھے اجازت دے کہ میں اپنے غم بیان کروں ورنہ وقت آئے گا کہ تیرے چہرے سے میرا غم ظاہر ہونے لگے گا۔عالم اسلام کی زبان تو انہوں نے کھینچ رکھی ہے یا عالم اسلام کے سربراہوں نے اپنی زبان ان کے ہاتھوں فروخت کر رکھی ہے، بیچ رکھی ہے۔کسی کی کھینچی گئی۔کسی کی بیچی گئی۔عالم اسلام میں تو ان مظلوم بھائیوں کا نوحہ کرنے والا کوئی رہا نہ تھا لیکن حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ان کے چہرے سے ہمارے مظلوم بھائیوں کا غم ظاہر ہونے لگ گیا ہے۔ایسے ایسے دردناک واقعات سننے میں آ رہے ہیں۔جو مظلوم وہاں سے لُٹ کر اور بعض اس طرح بچ کر نکلے ہیں کہ خاندان کے سارے افراد کاٹے گئے ایسے ایسے بھیانک نقشے انہوں نے دکھائے ہیں کہ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔بھٹیاں روشن کی گئیں اور ان کے سامنے ان کے بچے ان بھٹیوں میں جھونکے گئے اور کہا گیا یہ تمہاری آئندہ نسل ہے، دیکھ لو یہ کہاں جا رہی ہے۔صاحب دانش

لوگوں کو ان کے سامنے پہلے بھوکا رکھا گیا۔ پھر ایک آدمی جو تعلیم یافتہ اور سربراہ بننے کی کسی پہلو سے بھی حیثیت رکھتا تھا۔ یعنی قوم کا لیڈر بننے کی حیثیت رکھتا تھا اس کو بڑے دردناک طریقوں پر عذاب دے دے کر سب کے سامنے مارا گیا کہ ہم نے تمہارا سر بھی کاٹ دیا ہے، تمہارا مستقبل بھی برباد کر دیا ہے تم واپس آ کیسے سکو گے۔ اتنی دردناک حالت ہے لیکن عالم اسلام کو کچھ ذرہ بھی پتا نہیں لگا کہ یہ کیا واقعہ ہو گیا ہے۔ کتنی حسرت اور شرم کا مقام ہے کہ یہ باتیں کر رہے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو کیسے رکھیں، ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں ہیں، ہمارے اپنے آدمی بغیر ایمپلائمنٹ کے ہیں پھر بھی یورپ نے اتنا کر دیا مگر کبھی آپ سعودی عرب سے یہ بات نہیں سنیں گے، لیبیا سے یہ بات نہیں سنیں گے، دوسرے اسلامی ممالک جو تیل سے اتنے دولتمند ہو چکے ہیں کہ دولتوں کے پہاڑ لگ گئے ہیں ان کو ادنیٰ بھی حیا نہیں آئی، ادنیٰ بھی اس بات کا خیال نہیں آیا کہ ان غریب بھائیوں کے اوپر وہ خرچ کریں اور عیسائی ملکوں کو کہیں کہ تم اپنے ہاتھ کھینچ لو، ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے تم اس ظلم میں شامل اور شریک ہو ہم اپنے بھائیوں کی خبر گیری کرنا جانتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی ایک آواز آپ نے ان سے نہیں سنی ہوگی، کسی حکومت نے اپنے خزانے ان کے لئے نہیں کھولے، خزانے کیا اپنے سود کے اموال کا ایک ہزارواں لاکھواں حصہ بھی ان پر خرچ کرنے کی توفیق نہیں پائی۔

نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مجھے چونکہ جماعت کی طرف سے مختلف ممالک سے رپورٹیں آ رہی ہیں کہ ہم نے بوسنیا کے مظلوموں سے رابطے کئے وہاں یہ دیکھا، ان کی ہمدردی کی۔ ان میں سے ایک خط ہے جس نے مجھے شدید تکلیف پہنچائی اور وہی خط اس بات کا موجب بنا ہے کہ میں آپ کے سامنے اسلامی ممالک کی اس بے حسی کا رونا روؤں۔ یہ بھی خیانت کی ایک قسم ہے اور بہت بڑی خیانت کی قسم ہے کہ خدا اموال دے اور جن پر خرچ کرنے کا حکم ہو اور ان کا خرچ روکنے کے لئے کوئی محرک موجود نہ ہو۔ ایک غریب آدمی تو کسی کا حق مار بھی لے تو سمجھا جاتا ہے کہ چلو مجبوراً مار لیا لیکن ایک صاحب دولت جس کے اموال میں اس کے غریب بھائیوں کا حق موجود ہو جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات: ۲۰)

قوموں کی زندگی پر ایسے مواقع آتے ہیں کہ ان کے غرباء کے ان امیروں پر حق بن جایا کرتے ہیں صدقے کی بات نہیں رہتی، خیرات کا معاملہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ سائل اور محروم ایسے

ہوتے ہیں جن کا حق تمہارے اموال میں آجاتا ہے اگر تم ادا نہیں کرو گے تو حق مارنے والے اور خائن کہلاؤ گے۔ میں خیانت کا مضمون ان پر زبردستی چسپاں نہیں کر رہا۔قرآن کریم نے جو باتیں بیان فرمائی ہیں انہی کی روشنی میں یہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ان کے اموال میں تو خدا جانے خدا کے کتنے بندوں کے حق شامل ہو چکے ہیں لیکن آج انہوں نے بوسنیا والوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کا ردعمل آپ دیکھیں۔ایک مغربی ملک میں جب ہمارے نمائندے میری اس ہدایت کی وجہ سے پہنچے کہ بوسنیا کے مظلوموں کو تلاش کر کے ان سے ہمدردی کی جائے، ان کی خدمت کی جائے، ان کو کپڑے دیئے جائیں اور ان کو زندگی میں بحال کرنے کے لئے اور جو بھی کوشش ہے وہ کی جائے۔ اس گروہ کی سربراہ ایک عورت تھی اس نے ان سے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔اس نے کہا تم مسلمان ہو؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں کسی مسلمان سے خود ملوں گی نہ کسی کو ملنے دوں گی۔اس پر انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے ہم مسلمان ہیں ہمدردی سے آئیں ہیں۔اس نے کہا اپنی ہمدردیاں اپنے گھر رہنے دو ہم نے مسلمان ملکوں کی ہمدردیاں خوب دیکھ لی ہیں، بڑی بے غیرت قوم ہے۔اپنے مفاد کے لئے تھوڑی سی بات پر بھی بپھر جاتے ہیں اور سب دنیا میں شور مچاتے ہیں لیکن آج ہمارا کوئی پرسان حال نہیں۔پوری قوم کی قوم ہلاک کی جارہی ہے، برباد کی جارہی ہے، صفحہ ہستی سے مٹائی جارہی ہے لیکن ان کو کوئی فکر نہیں ہے تو تم مسلمان ہو تو ہم تم سے نہیں ملیں گے۔ عیسائی ہماری نگہداشت کر رہے ہیں یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ چرچوں میں بیٹھے ہوئے ہیں عیسائی منادان تک پہنچتے ہیں، عیسائی خدمت کرنے والے رضا کاران کو سنبھال رہے ہیں لیکن وہ خود مسلمانوں سے ملنے سے گریزاں ہیں۔تب ہمارے وفد نے ان کے نمائندہ کو سمجھایا۔ منت کی کہا کہ دیکھو! ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو ہم تو خود ان کے مارے ہوئے ہیں۔تم بات تو سُن لو ہم کیوں آئے ہیں۔چنانچہ پھر ان کا غصہ آخر کچھ ٹھنڈا ہوا۔انہوں نے جب جا کر ان کو سمجھایا کہ یہ ہماری عالمگیر جماعت ہے، ہم یہ کر رہے ہیں۔ہم تمہاری خدمت کرنا چاہتے ہیں، تم سے ہمارا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے، صرف یہ مفاد وابستہ ہے کہ اگر ہم تمہاری خدمت کریں گے تو ہمارے دلوں کی بے چینی کم ہوگی، ہم جس عذاب میں مبتلا ہیں وہ عذاب تھوڑا سا ٹھنڈا ہوگا، ہم تو تمہارے غموں میں مر رہے ہیں اس لئے ہمیں خدمت کا موقعہ دو۔پھر ان کی کیفیات بدلیں اور وہ کہتے ہیں کہ پھر یکسر پلٹ گئی، اچھا یہ مسلمان بھی دنیا میں ہوتے ہیں۔تو امانت میں خیانت جب بڑے بڑے لوگ کرتے ہیں جن کو

خدا امیر بنا تا ہے تو ان کی امارت کے دائرے بھی وسیع ہو جاتے ہیں۔ان کو مخلوق خدا کے زیادہ حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں۔اگر وہ اُن سے غفلت کریں گے تو جیسا کہ قرآن اور حدیث نے خبر دی ہے وہ لازماً پکڑے جائیں گے اور بہت بڑے عذاب کے سزاوار ٹھہریں گے۔

احمدیوں کو میں اس سلسلہ میں دوبارہ یہ توجہ دلاتا ہوں کہ جو اطلاعیں مجھے مل رہی ہیں ان کے مطابق ابھی تک اس قدر بے چینی کا پورا اظہار ہر جگہ نہیں ہوا جو میں سمجھتا ہوں کہ ہونا چاہئے۔جتنی زیادہ تکلیف ہے اس کا عشر عشیر بھی ابھی ہمارے احمدیوں کو نہیں پتا کہ کیا ہو گیا ہے۔اس لئے سارے یورپ کی جماعتیں اور مغرب کی جماعتیں جن تک میری آواز پہنچتی ہے ان کو میں توجہ دلاتا ہوں کہ خدا کے حضور آپ بری الزمہ تب ٹھہریں گے جب **حضرت محمد مصطفی ﷺ کا دل لے کر پھر بنی نوع انسان کی خدمت کریں۔ایسا دل لے کر جائیں جس کے اوپر خدا کے پیار کی نظریں پڑیں۔یہ نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ تم کیوں غم نہیں محسوس کر رہے تم کیوں فکر نہیں کر رہے۔خدا کہے کہ تم کیوں اتنا فکر کر رہے ہو۔** اقبال نے کہا تھا۔

؎ مجھے فکر جہاں کیوں ہو
جہاں تیرا ہے یا میرا (کلیات اقبال)

پتا نہیں یہ کس اسلام کی آواز تھی۔مجھے تو اس شعر کے مقابل پر قرآن کی وہ آواز سُنائی دیتی ہے کہ محمد مصطفی ﷺ خدا کے جہان کا اتنا فکر کرتے ہیں خدا عملاً یہ کہتا ہے کہ تجھے فکر جہاں کیوں ہے جہاں تیرا ہے یا میرا لیکن محمد مصطفی ﷺ اُس کے تھے جس کا جہاں تھا اس لئے تیرے میرے کے فرق اُٹھ چکے تھے۔اسی مضمون کو خدا تعالیٰ نے ان لفظوں میں بیان فرمایا۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۴﴾ (الشعراء:۴)

اے میرے محمد ﷺ! کیا تو ان کی خاطر اپنے پاک نفس کو ہلاک کر لے گا جو تیرا انکار کر کے ہلاکت کی طرف جا رہے ہیں۔پس آج مسلمانوں کو محمد مصطفی ﷺ کے دل کی ضرورت ہے۔اسی دل سے حقیقی سچی ہمدردی کے سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ہر احمدی کو وہ دل اپنے سینے میں داخل کرنا چاہئے اور اس دل کے ساتھ بنی نوع انسان کی خدمت کرنی چاہئے۔

اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

خلیفۂ وقت پر اعتماد رکھنا چاہئے وہ خدا کی حفاظت میں ہے۔
سیکرٹریان اشاعت کو تفصیلی ہدایات

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ نومبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ (الانفال:۲۸)

پھر فرمایا:۔

خیانت سے متعلق جو خطبات کا سلسلہ چل رہا ہے اُس میں گزشتہ جمعہ سے میں نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی تھی کہ سب سے زیادہ بدنصیب اور سب سے زیادہ قابلِ گرفت خیانت کرنے والا وہ ہے جس کو امین بنایا جائے اور وہ اپنی امارت کے معاملات میں خیانت کرے۔ یہ بہت ہی بڑا وعید ہے، بہت بڑی تنبیہ ہے۔ اس کے متعلق میں نے گزشتہ خطبہ میں یہ ذکر کیا تھا کہ دنیا کے حکمران بھی دنیا کے معاملات میں امین بنائے جاتے ہیں اور قطعاً اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ مالک نہیں ہیں بلکہ امین ہیں اور مالک صرف خدا ہے اور اُس کے سوا اور کوئی ذات مالک نہیں۔ دنیا میں جتنی بھی ذمہ داریاں ہم پر سونپی جاتی ہیں بحیثیت امین کے سونپی جاتی ہیں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی ہوں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یعنی روزِ جزا سزا کو ان سب امانتوں کا حساب لے گا۔ یہ مضمون ہے جو قرآن کریم نے بار بار کھول کر پیش فرمایا اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے

بھی مختلف رنگ میں اس کی اہمیت ذہنوں میں اور دلوں میں اجاگر فرمائی۔

امین سے متعلق جہاں تک دنیا کے معاملات کا تعلق ہے میں گزشتہ خطبوں میں کچھ گفتگو کر چکا ہوں۔ اگرچہ مضمون وسیع ہے اور تھوڑے وقت میں اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا لیکن اور بھی بہت سی باتیں مجھے کہنی ہیں اس لئے اب میں اس کے دوسرے حصے کی طرف توجہ مبذول کرتا ہوں یعنی دینی معاملات میں امانت۔

دینی معاملات میں سب سے زیادہ ذمہ داری تو انبیاء کی ہوتی ہے کیونکہ انہیں خدا تعالیٰ خود منتخب فرماتا ہے اور براہ راست منتخب فرماتا ہے اس لحاظ سے انبیاء کی ساری زندگی ڈرتے ڈرتے گزرتی ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ نبی سب سے زیادہ متقی ہے تو اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ سب سے زیادہ ہر وقت خدا کے خوف میں زندگی بسر کرنے والے ہوتے ہیں چنانچہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:۱۴) اس آیت کے روشنی میں جب ہم اس مضمون کو دیکھتے ہیں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ عزت اُسی کو بخشی ہے جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ متقی تھا۔ پس تقویٰ کی ایک حالت عہدے سے پہلے پائی جاتی ہے اور اس حالت کو مدنظر رکھ کر عہدہ دیا جاتا ہے اور ایک حالت عہدے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور وہ حالت خوف کی حالت ہے کہ جس عہدے کو میرے سپرد فرمایا گیا ہے کیا میں اُس کا حق ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟

دوسرے حصے پر خلفاء کی ذمہ داری ہے جو انبیاء کے بعد اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھاتے ہیں کہ جو کام انبیاء نے کرنے تھے اُن کو جاری رکھیں اور اُن پر نظر رکھیں۔ اُن کا انتخاب براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا مگر اُس جماعت کے وسیلے سے ہوتا ہے جس جماعت کو خدا تعالیٰ کے نبی تیار کرتے ہیں اور اُن کو امانت دار بنا کر اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ پس امانت کی بہت ہی بڑی اہمیت ہے جب تک وہ جماعت امین رہے گی جس کو خدا کے قائم کردہ خلیفہ نے خود تربیت دے کر امین بنایا تھا اُس وقت تک اُن کا انتخاب بھی بہترین ہوتا چلا جائے گا اور اَتْقٰكُمْ کا مضمون خلافت پر جاری وساری رہے گا لیکن اگر اس جماعت کے تقویٰ میں فرق پڑ جائے تو لازماً اُس کا اثر اُن کے انتخاب پر بھی اثر انداز ہوگا اور دراصل خلیفہ اور جماعت ایک دوسرے کا آئینہ بن جاتے ہیں، ایک دوسرے کی تقویٰ کی تصویر ہوتے ہیں اور یہ ایک ایسا مسلسل جاری وساری رابطہ ہے کہ اس میں

کسی وقت بھی کوئی رخنہ نہیں ہوتا۔ اس پہلو سے جماعت کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ کے لئے دعائیں کرتی رہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہمیشہ امانت دار رکھے اور امانتوں کا حق ادا کرنے کی توفیق بخشے اور ہمیشہ خلیفہ کا یہ کام رہے گا کہ جماعت کو امانت کی طرف متوجہ کرتا رہے اور ایسا نظام قائم کرے اور ایسے نظام کی حفاظت کرے جس نظام میں صرف امین ہی پنپ سکتا ہے اور غیر امین کو اس میں جا کوئی نہ دے۔ پس یہی کوشش ہے جو ہمیشہ خلفائے جماعت احمدیہ کرتے رہے اور اسی کوشش کا یہ ایک سلسلہ ہے جو خیانت اور اُس کے مقابل پر امانت سے متعلق جماعت کو مختلف پہلو سے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

تیسرے درجے پر وہ امراء ہیں جن کی سپرد جماعتوں کی ذمہ داری کی جاتی ہے۔ جہاں تک امراء کا تعلق ہے اُن کی حیثیت دو طرح سے ہے۔ ایک حیثیت وہ ہے جس میں اُس علاقے کے عوام نے اس خیال سے اُن کو منتخب کیا کہ وہ امین ہیں اور ایک اس لحاظ سے کہ اُس انتخاب پر خلیفۂ وقت نے صاد کر دیا۔ پس اگر چہ خدا تعالیٰ کے تقرر کے لحاظ سے واسطہ در واسطہ پڑ چکا لیکن جس خلیفہ کو خدا نے عملاً منتخب فرمایا اُس کا بھی صاد ہو گیا اور پوری عوام کا صاد بھی ہو گیا جن کی نمائندگی نے پہلے خلیفہ چنا تھا اس لئے امارت کو بھی ایک غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور امین پر جو امانت کا بوجھ ڈالا جاتا ہے بڑا مقدس بوجھ ہے اور اسی تقدس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ امراء کو اپنے فرائض سرانجام دینے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

بعض دفعہ بعض جاہل علاقوں میں عہدوں کو براہ راست عزت کا ذریعہ سمجھا جانے لگتا ہے اور جس طرح سیاست میں کسی منصب کو عزت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح اُن جماعتی اور دینی عہدوں کو بھی بعض لوگ عزت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور عزت کے حصول کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور عزت کے حصول کی خاطر عہدے سنبھالتے ہیں اور ان کے پیچھے بعض دفعہ اُن کے خاندان کے، اُن کے تعلق والوں کے جتھے بن جاتے ہیں۔ اگر چہ جماعت احمدیہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلسل اس بات پر نگاہ رہتی ہے کہ کسی قسم کا کوئی پروپیگنڈا عہدوں کے انتخاب کے وقت نہ ہو لیکن بعض دفعہ بغیر پروپیگنڈے کے بھی یعنی ایسے پروپیگنڈے کے بغیر بھی جو ذمہ دار عہدیداران کو سنائی دے عملاً پروپیگنڈے کا رنگ ہوتا ہے۔ بعض برادریاں بعض عہدوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں، بعض

دوستوں کے جتھے بعض عہدوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بظاہر ایک ایسے شخص کوامین بنایا جاتا ہے جس کو خدا کی جماعت نے منتخب کیا ہے لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ جہاں نیتیں بھی بگڑ جائیں وہاں خواہ وہ انتخاب جماعت کا ہو یا خواہ اُس پر خلیفہ وقت صاد کر دے، اسے خدا کی تائید حاصل نہیں رہتی۔ پس یہاں پہنچ کر مضمون ایک اور فضاء میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر عہدے دار جس کو جماعت نے چنا اور جس پر خلیفہ وقت نے صاد کیا، وہ عہدے دار ضرور تائید یافتہ ہے اور ضرور امین ہوگا۔ جہاں تک خلیفہ وقت کا تعلق ہے اس مضمون پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ جب یہ سوال اٹھایا گیا کہ ایک خلیفہ بھی تو غلطی کر سکتا ہے اور بھی کچھ باتیں اُس زمانے میں کی گئیں جو دراصل اہل پیغام کی طرف سے ایک مخفی پروپیگنڈے کی صورت میں جاری وساری تھیں اور سوسائٹی میں پیشگوئیاں کی جا رہی تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے اس مضمون پر جو خطبات دیئے اُن میں اس حصے پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا دیکھو میں خدا کو جواب دہ ہوں اور تم لوگ مجھے جواب دہ ہو۔ جب میرے علم میں تمہاری غلطی آتی ہے تو میں پکڑوں گا اور یہ نہ سمجھو کہ میں کسی پکڑ سے بالا ہوں۔ جب خدا نے یہ سمجھا کہ میں اس لائق نہیں رہا تو وہ مجھے اٹھا سکتا ہے۔ پس خدا کا عدل دنیا سے واپس بلا لینا ہے نا کہ اس دنیا میں کسی کو اختیار دینا کہ وہ خلیفہ وقت کو منصب سے ہٹا دے۔ پس جہاں خدا تعالیٰ کی پکڑ ہے وہاں اور بھی امور ہیں جو کارفرما ہیں۔

خدا تعالیٰ ضروری نہیں کہ ہر غلطی پر ایسی پکڑ کرے تو اُس کے نزدیک ایسے شخص کا بلانا ضروری ہو جائے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ ہر خلیفہ وقت جس کی موت واقع ہو اُس نے کوئی غلطی کی تھی جو اللہ تعالیٰ نے واپس بلا لیا اس لئے یہاں غلطی سے اس مضمون میں اپنے دماغ میں الجھنیں نہ پیدا کر دیں۔ ہر شخص نے مرنا ہے۔ موت غلطی کی علامت نہیں ہے مگر یہ مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان فرما رہے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ تم کسی خلیفہ کو معزول نہیں کر سکتے صرف خدا ہے جو معزول کر سکتا ہے اور خدا کا عدل یہ ہے کہ وہ اُس کو واپس بلانے کا فیصلہ کرلے گا۔ پھر یہ معاملہ اُس کے ہاتھ میں ہے کیوں بلایا گیا ہے؟ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کی نظر صرف کمزوریوں پر نہیں ہوتی بعض دوسرے پہلوؤں پر بھی ہوتی ہے اور بعض دفعہ وہ مہلت بھی دیتا ہے، بخشش کا بھی سلوک فرماتا ہے اس لئے نہ بلانے کا بھی یہ مطلب نہیں بنتا کہ وہ شخص غلطی سے پاک ہے۔ غلطیاں ہو سکتی ہیں اور استغفار کا

مضمون بھی جاری رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر جہاں کمزوریوں پر پڑتی ہے وہاں بعض خوبیوں پر بھی پڑتی ہے۔ اُن کے امتزاج کے نتیجے میں کچھ فیصلے ہو رہے ہوتے ہیں اور کچھ بخشش اور سچی توبہ کے نتیجے میں بھی خدا تعالیٰ کی تقدیر بن رہی ہوتی ہے یا کسی کے خلاف بگڑ رہی ہوتی ہے۔ یہ مضامین وہ ہیں جن کا ملاء اعلیٰ سے تعلق ہے۔ بندے اور اللہ کے درمیان جو قصے چلتے ہیں، جو رشتے بنتے ہیں یا بگڑتے ہیں اُن پر انسان کی نظر نہیں پڑسکتی اس لئے اس کو خدا تعالیٰ پر ہی رہنے دینا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر توکل رکھنا چاہئے۔ جو بھی فیصلہ ہوگا وہ درست ہوگا لیکن جہاں بندوں کے رشتے آپس میں بن جائیں وہاں بہت سی باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ بعض دفعہ ایک بخشش کا معاملہ سامنے آتا ہے لیکن انسان کو یہ اختیار ہوتا ہے کیونکہ جس سے بخشش کی توقع ہے وہ امین ہے وہ مالک نہیں ہے۔

پس اس پہلو سے میرا تعلق جو جماعت میں عہدیداروں سے ہے اس میں بعض دفعہ جب مجھے سختی کرنی پڑتی ہے تو اس سختی سے بھی درگزر کرنی چاہئے کیونکہ وہ میری بے اختیاری کی علامت ہے۔ میرے دل کی سختی کی علامت نہیں وہ بے اختیاری یہ ہے کہ میں مالک نہیں ہوں امین ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ ذمہ داریاں ڈالی ہیں اُن کو جس حد تک میں سمجھتا ہوں جس طرح ادا ہونی چاہئے اسی طرح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ غلطیاں ہیں تو خدا کی پکڑ کے نیچے ہوں اور اُسی سے معافی کا طلبگار ہوں۔ درست فیصلے ہیں تو خدا ہی کی خاطر ہیں اس لئے جہاں **تک جماعت کے زاویے سے دیکھنے کا تعلق ہے اُس کو خلیفہ وقت پر اعتماد رکھنا چاہئے اور توکل رکھنا چاہئے کہ وہ خدا کی طرف سے اس حد تک ضرور حفاظت یافتہ ہے کہ کوئی ایسی بڑی غلطیاں نہیں کرے گا جنہیں خدا درست نہ فرما دے جن کا جماعت کو نقصان پہنچے** کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر خدا تعالیٰ پر بھی اُس کا حرف آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو مہلت دی ہوئی ہے اور اپنی حفاظت کے تابع رکھتے ہوئے خدمت کا موقع دیا ہے اُس سے ایسی غلطیاں نہیں ہونے دیتا جو اس کے نظام کو بگاڑ دیں۔

پس ایسے وہ وقت ہیں جن کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روشنی ڈالی کہ اگر خدانخواستہ ایسا خطرہ ہو تو خدا تعالیٰ جب چاہے واپس بلا سکتا ہے مگر جماعت کو خلافت کی چھتری کے نیچے یہ حفاظت ضرور ہے کہ ایسی غلطیاں جو عارضی یا معمولی نوعیت کی ہوں جن سے نظام کے بگڑنے کا خدشہ نہ ہو ایسی غلطیوں سے اللہ تعالیٰ چاہے تو درگزر فرمائے لیکن ایسی غلطیاں جو نظام کو

بگاڑنے کے خطرہ رکھتی ہوں اُن کو یا تو خدا تعالیٰ ضرور اُن کی اصلاح فرما دے گا اور خود سمجھا دے گا اُس شخص کو جس سے غلطی ہوئی اور وہ اپنے غلط فعل کو کالعدم کر دے گا۔ یا پھر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے متعلق یہ فیصلہ فرمائے کہ مزید اس امانت کا اہل نہیں رہا تو اسے واپس بلا سکتا ہے مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا امارتوں اور دیگر امین داروں کی نگرانی میں میں چونکہ مالک نہیں ہوں یا کوئی بھی خلیفہ مالک نہیں ہے اس لئے اُس کے اختیارات محدود ہیں اُنہی محدود اختیارات کے تابع وہ فیصلے کرتا ہے لیکن اُس کے سامنے جواب دہ نہیں۔ جس طرح وہ ہر لمحہ خدا کے سامنے جواب دہ رہتا ہے جو اُن کی جواب طلبی کرتا ہے یعنی خلیفۂ وقت۔ ہر وقت خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ جماعت خلیفۂ وقت کے سامنے جوابدہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے جو امانت خلیفۂ وقت کے سپرد فرمائی ہے وہ آگے مختلف دائروں میں جماعت کے مختلف عہدیداروں کے سپرد کی جاتی ہے اور اُن سے جو جواب طلبی ہے وہ دو انسانوں کے درمیان ہے اور اُس میں محدود علم کی بنا پر کئی لوگ بچ جاتے ہیں اور محدود علم کی بنا پر کئی لوگ سزا پاتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ سزاوار نہ ہوں۔

انسانی معاملات میں اس قسم کی غلطیوں کی گنجائشیں رہتی ہے مگر نگرانی ضروری ہے اور اُسی نگرانی کی طرف میں آج آپ کو اس لئے متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ امین اگر خیانت کرے تو اُس کی خیانت سب سے زیادہ خطرناک خیانت ہے اور اُس سے سب سے زیادہ باز پرس ہوگی۔ پس جتنے جماعت میں امیر ہیں وہ بھی اس حدیث کے تابع ہیں اور جتنے دوسرے عہدے دار ہیں جو امراء کے تابع ہیں وہ بھی اس حدیث کے تابع ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے دوسرے فرمودات سے پتا چلتا ہے کہ اس مضمون کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ انسانی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے کوئی ایک بھی ایسا پہلو نہیں جو اس سے بچ گیا ہو۔ چھوٹے سے چھوٹا عہدیدار بھی دراصل آنحضرت ﷺ کے فرمان کے تابع اپنی زندگی گزارتا ہے جو امین بنایا گیا ہے اور اس لحاظ سے امانت کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔

جماعت کو جب میں بعض ہدایتیں دیتا ہوں، نصیحتیں کرتا ہوں تو اُن نصیحتوں کو سن کر اُن پر کیسے عمل کیا جاتا ہے یہ عمل کا انداز ہر شخص کی امانت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ بہت سے امراء ہیں جب وہ اس نصیحت کو سنتے ہیں وہ اُس کو اپنی جماعت میں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نصیحت سے مراد

نظام جماعت سے تعلق میں جو نصیحتیں ہیں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پوری دیانت داری سے وہ چاہتے ہیں کہ اُس ہدایت کا حق ادا ہو جائے بعض ایسے ہیں جو سنتے ہیں اور غفلت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور پوری توجہ نہیں کرتے اور بعض ایسے ہیں جو کچھ دیر کے وقت توجہ کرتے ہیں اُس کے بعد چھوڑ دیتے ہیں مختلف حالتوں میں جماعت پائی جاتی ہے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ اگر ساری جماعت کے تمام عہدیداران اس حد تک امین بن جائیں جس حد تک اللہ تعالیٰ امانت کا تصور ہمارے سامنے پیش فرماتا ہے اور امانت کے مضمون کو قرآن اور احادیث کھول رہے ہیں۔ اس حد تک امین بن جائیں جس حد تک آنحضرت ﷺ کے پاک نمونے سے ہمیں امانت کا مضمون سمجھ آتا ہے تو دنیا میں اس دور میں جماعت احمدیہ کی ترقی سینکڑوں گنا تیز رفتار سے چل سکتی ہے۔ وہ انقلاب جو صدیوں دور دکھائی دیتے ہیں وہ ہمیں دروازے پر کھڑے دکھائی دینے لگیں گے۔ **ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ عہدیدار امین بنیں۔** اس پہلو سے امانت کی ذمہ داری بہت بڑی ہے اور اس پہلو سے ہماری امانت دراصل تمام بنی نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر ہم جماعت کے عہدیداران جن پر کسی پہلو سے بھی کوئی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اگر حقیقۃً امین بن جائیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ انقلاب جو دوسو سال کے بعد دکھائی دے رہا ہے وہ دیکھتے دیکھتے ہماری زندگیوں کے محدود دائروں میں ہی آسکتا ہے۔ پس تمام بنی نوع انسان جو اُس روحانی انقلاب سے پہلے مر جاتے ہیں وہ ساری نسلیں جو دنیا میں ضائع ہو جاتی ہیں اُن کی امانت کا گویا ہم نے حق ادا نہ کیا۔ پس یہ وہ اہم پہلو ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں بعض ایسی باتوں کا اعادہ کرتا ہوں جن کو میں بار بار بیان کر چکا ہوں اور میں دوبارہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ آپ امانت کا حق ادا کریں۔ سفروں کے دوران بہت سے ایسے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ میں جماعتوں سے ملتا ہوں دوست وہاں بعض اپنے مہمانوں کو بھی لے کر آتے ہیں، ملاقاتیں ہوتی ہیں، تبلیغ کی باتیں ہوتی ہیں دیگر دنیا کے مسائل پر گفتگو ہوتی ہے تو ساتھ ساتھ جماعت کا نقشہ بھی سامنے اُبھرتا رہتا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی پتا چلتا چلا جاتا ہے کہ کس جماعت میں کون امیر کتنا ذمہ دار ہے؟ کون سے عہدیدار اپنے کام کی طرف توجہ کر رہے ہیں، کون سے غافل ہیں اور یہ مضمون کسی کوشش کے بغیر خود بخود نظروں کے سامنے اس طرح اُبھرتا ہے جیسے کوئی منظر آنکھوں کے سامنے آ جائے اور بغیر کسی

خاص کوشش کے اس منظر کے پہلو، اُن حصوں میں نمایاں ہوتے ہیں جہاں اُن کو ہونا چاہئے۔ جب آپ کسی جگہ سیر کرتے ہوئے کسی منظر پر نگاہ ڈالتے ہیں تو دو ہی چیزیں ہیں جو آپ کی نظر کو پکڑتی ہیں ورنہ بعض اتنے وسیع مناظر ہیں کہ ممکن نہیں ہے کہ اُس کے ہر حصے پر آپ نظر کو ٹکائیں اور پھر غور کریں کہ یہاں کیا ہے اور وہاں کیا ہے اور وہاں کیا ہے؟ لیکن دو حصے فوراً آنکھ پر از خود روشن ہو جاتے ہیں۔ ایک حسن کا حصہ ہے اور ایک بدزیبی کا، بدصورتی کا حصہ ہے۔ منظر میں جہاں کوئی بدصورتی ہوگی یا وہ ایک دم آنکھوں کے سامنے آئے گی، جہاں کوئی غیر معمولی حسن پایا جائے گا وہ ایک دم آنکھوں کے سامنے آئے گا۔ پس جماعتوں کو دیکھتے ہوئے بھی اسی قسم کے تجربے ہوتے ہیں کہ خود بخود جماعت کے حسن بھی کھل کر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور خود بخود جماعت کی کمزوریاں بھی بڑی واضح طور پر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔

جن کمزوریوں کی طرف میں توجہ دلانے لگا ہوں۔ یہ اکثر جماعتوں میں موجود ہیں اور بہت کم ایسی جماعتیں ہیں جو ان کمزوریوں سے صاف پاک ہیں اور ان کمزوریوں کا تعلق عہدیداروں کی امانت سے ہے۔ مثلاً جب میں سفر کرتا ہوں یا کرتا رہا ہوں تو ایک چیز میرے سامنے آتی ہے خصوصیت کے ساتھ کہ جماعت نے اشاعت کے سلسلے میں جو خدمات سرانجام دی ہیں اُن خدمات کو نہ جماعت کے سامنے لانے کی سچی کوشش کی گئی ہے، نہ غیروں کے سامنے لانے کی سچی کوشش کی گئی ہے۔ دنیا کی جماعتوں کو شاید یہ علم نہیں کہ گزشتہ آٹھ سال میں جو ہجرت کے آٹھ سال یہاں گزرے ہیں اتنا اس کثرت سے، اتنی زبانوں میں لٹریچر شائع ہوا ہے کہ جماعت کے گزشتہ سو سال میں اس کثرت سے دنیا کی زبانوں میں لٹریچر شائع نہیں ہوا۔ یہ کوئی نعوذ باللہ گزشتہ سو سال پر فضیلت کے رنگ میں بیان نہیں کر رہا۔ لٹریچر کی بنیاد تو وہی ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکھی ہے اور بعد میں آپ کے خلفاء نے رکھی، سلسلے کے بزرگوں نے کام کئے لیکن وہ ذرائع مہیا نہیں تھے جن ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے ساری دنیا میں مختلف زبانوں میں احمدیت کا پیغام اور قرآن وسنت کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہو۔ خدا تعالیٰ نے ہجرت کے انعام کے طور پر ہمیں وہ ذرائع مہیا فرمائے اور اس کثرت سے جماعت کا لٹریچر دنیا کی مختلف زبانوں میں طبع ہوا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی بلکہ گزشتہ سو سال میں سارے عالم اسلام کی کوششوں سے اتنا

لٹریچر مختلف زبانوں میں شائع نہیں ہوا جتنا خدا کے فضل سے چند سالوں میں جماعت احمدیہ کو شائع کرنے کی توفیق ملی ہے مگر اس لٹریچر کی اشاعت کا کیا فائدہ اگر آج بھی جس دور میں لٹریچر تیار ہو رہا ہے آج کے احمدیوں کو بھی پورا علم نہ ہو کہ کیا ہے؟ اور جہاں تک غیروں کا تعلق ہے جن سے اُس لٹریچر کا تعلق ہے اُن تک وہ نہ پہنچے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی غفلت اُس سیکرٹری کی ہے جس کے سپرد اشاعت کا کام ہے۔ جب بھی مجھے موقع ملا ہے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ سیکرٹریوں کو پتا ہی نہیں کہ اُن کا کام کیا ہے؟ ایک ٹیسٹ ہے جو میں آپ سب امراء کے سامنے رکھتا ہوں جو دنیا میں میری آواز سن رہے ہیں، بعد میں سنیں گے یا پڑھیں گے کہ وہ کسی وقت اپنے سیکرٹری اشاعت کو بلا کر اس سے پہلے کہ وہ تیاری کر لے موجودہ حالت کا اندازہ کرنے کی کوشش کرے تو اُن پر بات کھل جائے گی۔ ان سے وہ پوچھیں کہ بتاؤ کہ جماعت کا کون کون سا لٹریچر، کن کن زبانوں میں شائع ہوا ہے، تمہارے پاس کچھ فہرست ہے اُس کی۔ تمہارے علم میں ہے کہ کیا ہے اور تمہارے پاس وہ کہاں ہے اور کتنا ہے، کتنے رسائل شائع ہوتے ہیں، کتنا لٹریچر ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب اور نظامِ سلسلہ کی کتب سے تعلق رکھتا ہے، اُس کے تراجم کس زبان میں ہے اور اُن کو جماعت میں اور غیروں میں رائج کرنے کے لئے تم نے کیا کوشش کی ہے۔ کیا تمہیں پتا ہے کہ یہاں ہمارے ملک میں کتنی زبانیں بولنے والے موجود ہیں؟ کبھی تم نے سوچا ہے کہ آج میرے پاس کوئی احمدی آئے اور کہے کہ مجھے بوسنیا کا ایک نمائندہ ملا ہے میں اُس کو کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں تو میں کیا پیش کروں گا۔ کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ اگر کوئی آکر یہ کہے کہ اٹلی کا باشندہ میرا دوست بنا ہے مجھے بتاؤ کہ میں اُس کو کیا دوں۔ تم نے غور کیا ہے کوئی شخص تمہارے پاس آئے کہ میں کوریا کے دوست کو لے کر آیا ہوں اُس کو پیش کرنے کے لئے بتایئے آپ کے پاس کیا ہے غرضیکہ دنیا کی بڑی بڑی قومیں اور بڑی بڑی مختلف زبانیں ایسی ہیں جن کو تبلیغ کے سلسلے میں استعمال کرنا ضروری ہے ورنہ زبانوں کے بغیر کس طرح آپ پیغام پہنچا سکتے ہیں۔ اور اُن زبانوں میں اگر بول چال کی اہمیت نہیں ہے تو کم سے کم تحریر ہی پیش کر سکیں۔ اگر گفتگو نہیں ہے تو تحریراً بہت سی باتیں ہو جاتی ہیں کئی گونگے ہیں جو بیچارے بول نہیں سکتے لیکن لکھنا سیکھ لیتے ہیں۔ تو زبان نہیں تو تحریر ہی سہی لیکن تبلیغ کا بہرحال کام ہونا ضروری ہے، پیغام پہنچانا ضروری ہے مگر اکثر لٹریچر ایسا ہے جن کے متعلق سیکرٹری اشاعت کو پتا ہی نہیں ہے۔ وہ ہے کیا

اور کہاں پڑا ہوا ہے اور کب سے آیا ہوا ہے، کس نے چھپوایا تھا؟ اُس کی جو قیمت ہم نے دینی ہے یا دے دی ہے کہ نہیں۔ جب چھ مہینے سال کے بعد دو تین دفعہ امراء کو لکھا جاتا ہے تو پھر اطلاع ملتی ہے کہ یہ اتنا لٹریچر ہمیں ملا تھا، فروخت اتنا ہوا ہے اور باقی اتنا پڑا ہوا ہے۔ یہ بھی نہیں پتا کہ کہاں پڑا ہوتا ہے۔ جب ایک چیز کسی کے سپرد کی جاتی ہے تو اُس کے مختلف پہلو ہیں جو اس کے ذہن میں فوراً ابھرنے چاہئیں۔ مثلاً ایک اشاعت کا سیکرٹری جس کو بنایا جاتا ہے اُس کو فوری طور پر یہ پتا کرنا چاہئے کہ کتنی کتابیں ہیں جن کا میں ذمہ دار ہوں، کتنے رسائل ہیں جن کا میں ذمہ دار ہوں، وہ جگہ میرے پاس کون سی ہیں جہاں میں ان کو رکھوں گا کس سلیقے سے مجھے اُن کو ترتیب دینا چاہئے۔ یہ سوچ آتے ہی سب سے پہلے وہ ان کاموں میں مصروف ہو جائے گا۔ ایک شخص کو سیکرٹری اشاعت بنایا ہے اس کے بعد ہو سکتا ہے اس کے بعد مہینہ بھر ان محنتوں میں لگ جائے۔ یہ معلوم کرے کہ نہ کوئی ہمارا کمرہ ہے جہاں اسٹاک رکھا جا سکتا ہے، نہ کتابوں کو خوبصورتی کے ساتھ دکھانے کا کوئی انتظام موجود ہے، نہ کوئی اسٹاک رجسٹر ہے جس میں درج ہو یہ کتابیں کب، کہاں سے آئی تھیں اور ہم نے اُس کی قیمت کسی کو ادا کرنی بھی ہے کہ نہیں، نہ اُس کو یہ پتا ہو کہ ان کتابوں کو آگے پھر شائع کرنے کا طریق کیا ہے؟ بہت وسیع کام ہے لیکن اکثر سیکرٹری اشاعت بالکل غافل ہیں اُن کو علم ہی کوئی نہیں اور نہ امراء اُن کو اس طرح بلا کر جواب طلبی کرتے ہیں، نہ اُن سے وہ پوچھتے ہیں، اس لحاظ سے امیر بھی اپنی امانت کا حق ادا نہیں کرتے۔ میں نے ایک مثال جو رکھی ہے اس کو اور زیادہ آگے بڑھا کر دکھاتا ہوں پھر آپ کو پتا چلے گا کہ کتنے کام ہیں جو جماعت میں ہونے والے ہیں اور ایک ایک کام کو جب آپ نظر کے سامنے رکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے دنیا میں ایسی جماعت سے تعلق رکھنا جسے قرآن کریم میں اٰخَرِیْنَ (الجمعہ:۴) قرار دیا جسے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیغام کو تمام دنیا میں دوسرے ادیان پر غالب کرنا ہے۔ یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہی وہ مضمون ہے جس کے پیش نظر خدا تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت کے خلیفہ قرار دیا ہوا ہے۔

قرآن کریم میں جو آیت استخلاف ہے اُس میں مضمون اسی طرح شروع فرمایا گیا۔ گویا وہ تمام محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھی جن کو آپؐ پیچھے چھوڑ کر جانے والے ہیں وہ سارے ہی خلیفہ ہیں کیونکہ جب تک ہر شخص خلیفہ نہ بنے وہ جو خلیفہ کے طور پر چنا جاتا ہے اُس کی تائید ہو نہیں سکتی ناممکن ہے کہ وہ

اپنی ذمہ داریاں بحیثیت خلیفہ ادا کر سکے جب تک ہر فرد بشر جو اُس کے ساتھ کام کرنے والا ہے وہ اپنی ذات میں ، اپنے محدود دائرے میں ایک خلیفہ کی طرح اُس کا مؤید اور معاون نہ بنے اور اُس کی نصرت کرنے والا ہو۔ جب تک یہ نہ ہو اُس وقت تک کوئی خلیفہ کامیاب نہیں ہوسکتا اسی لئے قرآن کریم نے کیسی پیاری دعا ہمیں سکھائی ہے کہ وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا (الفرقان: ۷۵) یہ دعا کیا کرو کہ اے خدا ہمیں متقیوں کا امام بنا۔ جب تک متقی جماعت میں داخل نہ ہو یا جماعت متقیوں کی جماعت نہ بن جائے۔ اُس وقت تک امامت کا معیار بلند نہیں ہوسکتا امامت کا گہرا تعلق متقیوں سے ہے اور اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں تو لازماً یہ بات تبھی سچی لگتی ہے اگر آپؐ کے ساتھی وہ صحابہؓ جن کی آپؐ نے تربیت کی ہے وہ تمام دنیا میں انبیاء کی تربیت یافتہ دوسرے لوگوں سے زیادہ معیار ہوا اور ان سے افضل ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ نے سب سے زیادہ متقی اپنے پیچھے چھوڑے تھے۔ اگر اسی بات پر آپ غور کر لیں تو شیعہ مسلک کا فساد آپ کے سامنے کھل جاتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آنحضرت ﷺ کو تمام دنیا کے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہو لیکن آپؐ متقیوں کے امام نہ ہوں بلکہ نعوذ باللہ من ذٰلک منافقین کی اکثریت کے امام ہوں جو منافقین کا امام ہے متقیوں کے اماموں کا امام کیسے بن سکتا ہے۔ پس اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں اگر شیعہ اس بات پر ہی غور کر لیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ متقیوں کے آئمہ میں سے سب سے بلند مرتبہ رکھنے والے امام تھے اور جب تک تقویٰ کے لحاظ سے آپؐ کے متبعین کا معیار تمام دنیا کے انبیاء کے متبعین کے معیار سے بلند نہ مانا جائے۔ محمد مصطفی ﷺ کا معیارِ امامت بلند نہیں ہوسکتا۔

پس یہی مضمون ہے جو آگے خلافت میں جاری ہے اور جاری رہے گا۔ متقیوں کی جماعت کی ضرورت ہے ایسی جماعت کی ضرورت ہے جن میں ہر فردِ بشر ایک خلیفہ کی طرح اپنی ذمہ داریاں اپنے دائرہ کار میں ادا کرنے کا شعور رکھتا ہو۔ یہ احساس رکھے کہ میں نے بہر حال یہ ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں۔ اس معیار کو جتنا بلند کرتے چلے جائیں گے اُتنا اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ہم اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں گے اور وہ مقاصد یہی ہیں کہ اسلام کو دنیا میں نافذ کیا جائے اور اسلام کی تمام خوبیوں کو اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ انسانوں کی زندگیوں میں ڈھال دیا

جائے۔ جب ہم کہتے ہیں غلبہ تو مراد یہ نہیں ہے کہ کسی جگہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ اس غلبے کے تو کوئی بھی معنی نہیں ہیں۔ غلبے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی حکومت دلوں پر قائم ہو۔ **حضرت محمد مصطفی ﷺ کی حکومت ہمارے اعمال اور ہمارے کردار پر قائم ہو جائے ہم عرش الٰہی بن جائیں ہم پر خدا حکومت کرے،** ان معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب آپ اپنی ذمہ داریوں پر غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ کتنا بڑا کام ہے جو کرنے والا ہے اور ابھی باقی ہے۔

اب میں واپس اُس اشاعت کے مضمون کی طرف آتا ہوں۔ اگر سیکرٹری اشاعت نے کام کرنا ہے تو اُسے آغاز ہی سے اپنی ذمہ داریوں کی ہر تفصیل کو سمجھنا ہوگا اور اگر وہ سمجھیں تو اُس کے نتیجے میں، اُس سوسائٹی میں جس سوسائٹی میں وہ جماعت ہے یا جہاں کے سیکرٹری مال کو ہم بطور مثال سامنے رکھتے ہیں، اُس سوسائٹی میں لٹریچر کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری بھی اُسی کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ بھی جائزہ لے گا کہ فلاں فلاں سوسائٹی تک ہمیں پہنچنا ہے اور ہمارے پاس اُس کے لئے کچھ بھی نہیں۔ پس مرکز کو یہ لکھتے رہنا کہ ہماری یہ ضرورتیں اب تک ہمیں نہیں پہنچیں۔ یہ بھی سیکرٹری اشاعت کا کام ہے، اُس کا یہ بھی کام ہے کہ دنیا کے ذرائع کو استعمال کر کے جہاں جہاں کتابیں بیچنے کے نظام قائم ہیں اُن کی ایک باقاعدہ جس طرح نہریں بہتی ہیں اس طرح بعض ایسے بڑے بڑے نظام ہیں جن میں آپ ایک طرف کتابیں ڈالیں تو وہ آخر اُن کھیتوں تک پہنچتی ہیں جو پڑھنے والوں کے کھیت ہیں اور بڑی حفاظت کے ساتھ یہ نظام چلتا ہے کوئی قطرہ ضائع نہیں ہوتا۔ تو جماعت کی کتابوں کو ایسی نہروں میں ڈال دینا جو بالآخر پڑھنے والوں تک اُس نظام کے تابع خود بخود پہنچیں گی۔ یہ بھی سیکرٹری اشاعت کا کام ہے۔ اُس کے لئے اُس کو بڑی محنت کرنی چاہئے، دروازے کھٹکھٹانے چاہئیں۔ چھوٹے سے کام کے لئے لوگ اپنی ذات کے لئے ایجنسیاں لیتے ہیں۔ اُن کو پتا ہے کہ ایجنسی کو شائع یا مشتہر کرنے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ایک صاحب سے میری دو تین دنوں میں ملاقات ہوئی میں نے کہا فلاں ایک کام ہو سکتا ہے اُس نے کہا ہاں جی! میں کروں گا۔ میں نے کہا کس طرح کروں گا بتائیے۔ انہوں نے کہا جی! میں سب کے فون نمبر لوں گا جہاں جہاں بھی اس چیز کی ضرورت پیش ہو سکتی ہے فونوں پر اُن سے بات کروں گا اُن سے پتے لوں گا اُن کو اطلاع کروں گا۔ میرے پاس یہ چیز آ گئی ہے، آپ کو ضرورت ہے، آپ بتائیے۔ کون سی

سہولت کا وقت ہے جب میں آپ کے پاس حاضر ہوسکتا ہوں؟ اگر پھر جواب نہ آئے، گھر گھر جا کے دروازے کھٹکھٹاؤں گا، اُن کو بتاؤں گا اب وہ شخص نظام جماعت کے لحاظ سے میں نہیں جانتا کہ کس حد تک باشعور ہے اور بیدار مغز ہے لیکن جہاں اپنائیت پائی جائے وہاں انسان کی بہترین صلاحیتیں خود بخود جاگ اٹھتی ہیں اور ہر وہ طریقہ جو انسان کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کرسکتا ہے وہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ تو یہ طریقے بغیر کسی نوٹس کے اچانک اُن کے سامنے آگئے اور میں بہت خوش تھا میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ آپ یہ کریں گے تو انشاء اللہ آپ ناکام نہیں ہوگا۔ ہم نے تو اتنے دروازے کھٹکھٹانے ہیں وہ دروازے جو انہوں نے سوچے تھے سوچا تھا کہ میں کھٹکھٹاؤں گا۔ وہ تو چند تھے۔ ہم نے تو لاکھوں کروڑوں دروازے کھٹکھٹانے ہیں اور صرف دروازے کھٹکھٹا کر وہیں پیغام کو ختم نہیں کر دینا اُن دلوں تک پہنچنا ہے جن دلوں کو جگانے کے لئے ہم دروازے کھٹکھٹا رہے ہیں۔ جب تک دروازوں کے کھٹکنے کی آواز اُن کے دلوں کو بے چین نہ کر دے اُس وقت تک ہمارے مقاصد پورے نہیں ہوسکتے۔

اس پہلو سے جب ہم صرف سیکرٹری اشاعت کے کام کی طرف آتے ہیں تو وہ سوچے گا کہ میں نے کتنے لوگوں کو پیغام پہنچانا ہے اُن کی زبانوں میں میرے پاس کیا کچھ ہے۔ جو ہے وہ میں ایسے ذرائع اختیار کر کے اُن تک پہنچانے کی کوشش بھی کر رہا ہوں کہ نہیں، جن ذرائع سے نسبتاً جلدی بات اُن تک پہنچ سکتی ہے۔ جماعت کے وسائل کم ہیں اگر ہم اپنے وسیلوں پر ہی بیٹھے رہیں اگر میں صرف اُن احمدیوں پر انحصار کروں جو مجھ سے آکر لٹریچر لے جاتے ہیں تو کتنوں تک پہنچے گا۔ بعض ملک ایسے ہیں کہ کروڑوں کی آبادی میں سینکڑوں سے زیادہ احمدی ہیں۔ جتنا ذمہ داری بڑھتی جائے اُتنا بے چینی بڑھتی جاتی ہے۔ اُسی بے چینی کے نتیجے میں پھر دماغ بیدار ہوتا ہے اور انسان سوچتا ہے ترکیبیں سوچتا ہے، سوچتے سوچتے سوتا ہے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ سوچنے والے کو خوابوں میں پھر اُس کے مسائل کا حل بتا دیتا ہے اور ان باتوں میں مگن وہ پھر اٹھتا بھی ہے۔

ساری زندگی کا ایک قسم کا جنون سا بن جاتا ہے اور حقیقت میں جنون کے بغیر کوئی کام نہیں ہوا کرتا۔ تمام انبیاء کو مجنون کہا گیا ہے۔ آخر یہ اتفاق کیسے ہوگیا کہ اگر محض گالی ہوتی تو کسی کو دے دی جاتی اور کسی کو نہ دی جاتی۔ سب انبیاء میں تو قدرِ مشترک ہے جس کے نتیجے میں اُن کو دشمن انہیں

مجنون کہتے ہیں۔ وہ کام کا جنون ہے، لگن ہے، پاگل کر دینے والی لگن ہے۔ دن رات انسان اُس میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ وہ لگن ہے جو انبیاء سے ہمیں ورثے میں پالی ہوئی ہے۔ جس کے بغیر ہم اپنے فرائض سرانجام نہیں دے سکتے۔ پس جماعتی عہدے تو یہ ہیں۔ اب سوچئے کہ بیوقوف اور بیچارے بدنصیب وہ لوگ ہیں جو جماعتی عہدوں کو اپنی عزتوں کے لئے لیبل سمجھتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے ہیں وہ بہت بڑے خائن ہیں، وہ نظام جماعت کو برباد کرنے والے لوگ ہیں۔ اُس نیت سے جو ووٹ دیتا ہے وہ بھی مارا گیا اور اس نیت والے ووٹ جس کو ملتے ہیں وہ بھی بیچارا بدنصیب ہے کیونکہ غیر متقیوں کا امام بنایا گیا ہے۔

پس امانت کے حق ادا کریں ہر پہلو سے نظر رکھتے ہوئے، ہر قطرے پر نظر رکھنی ہوگی، ایک قطرہ بھی کڑوا ہماری جماعت میں باقی نہ رہے۔ اگر اُس کی کرواہٹ دور نہیں ہوتی تو بہتر ہے کہ وہ ہم سے الگ ہو جائے مگر اسے تو جماعت کو حوضِ کوثر بنانا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کو قیامت کے بعد یعنی آخرت میں جو حوض کوثر عطا ہونا ہے وہ حوضِ کوثر اس دنیا میں بن رہا ہے۔ وہ حوضِ کوثر آپؐ کے غلاموں نے بنایا ہے، غلام بناتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ تقویٰ جو دلوں سے نچوڑا جائے گا، محمد مصطفی ﷺ کے عاشق اور غلاموں کے دلوں سے نچوڑا جائے گا وہی تقویٰ ہے جو حوضِ کوثر کا پانی ہے۔ وہی ہے جو آئندہ ہمیشہ کے لئے بنی نوع انسان کو سیراب کرتا رہے گا یعنی آپ کے غلاموں کو سیراب کرتا رہے گا۔ پس اس پہلو سے اپنی ذات، اپنے وجود کا شعور حاصل کریں آپ کون ہیں، کیا ہیں آپ پر کیا ذمہ داریاں ہیں اور جتنی ذمہ داریاں ڈالی جاتی ہیں اُن کے امین بننے کی کوشش کریں اور تقویٰ کی روح پیدا کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر بہت ہی عمدہ بڑی وسعت کے ساتھ اور گہرائی اور لطافت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

آپ کا جو اقتباس آج میں اس سلسلے میں لایا ہوں۔ اب تو پڑھنے کا وقت نہیں انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں وہ آپ کے سامنے رکھوں گا۔ سر دست میں اسی مضمون کے دوسرے پہلو آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

پس ایک سیکرٹری اشاعت ہے تب سیکرٹری اشاعت بننے کا اہل ہوگا حقیقت میں جب وہ اپنے کام کو آغاز سے لے کر انجام تک اس طرح اٹھائے گا جیسے سب سے زیادہ اہم ذاتی ذمہ داری

کوئی انسان اٹھاتا ہے۔ اُس کو چاہئے کہ وہ فوراً جائزہ لے لٹریچر کا، مرکز سے معلوم کرے، کہ کوئی ایسی چیز تو نہیں جو وہاں موجود ہو ہمارے پاس نہ آئی ہو۔ جائزہ لے کہ کون کون سی زبانیں ہیں، جن میں خلا ہے؟ یہ جائزہ لے کہ جن کو کتابیں دی جاتی ہیں اُن کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ معلوم کریں کہ اُن کی مزید ضرورتیں کیا ہیں؟ ایسا تو نہیں کہ جماعت لٹریچر کسی اور خیال میں شائع کر رہی ہے پڑھنے والوں کے خیالات اور ہیں، جماعت کچھ اور دے رہی ہے اور طلب کچھ اور ہے۔ غرض کہ بہت تفصیل اور گہرائی کے ساتھ لٹریچر کو شائع بھی کرنا چاہئے اور پھر اُس کے ردعمل کو معلوم کرنا چاہئے اور پھر اُس کو جماعت میں رائج کرنا چاہئے۔ ایک رسالہ التقویٰ ہے جو عربی زبان میں شائع کیا جاتا ہے جماعت کی طرف سے۔ ایک وقت تھا جب اسے دو تین ہزار کی تعداد میں شائع کیا جاتا تھا لیکن چونکہ سیکرٹری اشاعت نے کبھی دلچسپی نہیں اکثر سیکرٹریان اشاعت نے کہ کن کے پاس گیا اور کیا نتیجہ نکلا، کوئی فائدہ ہوا یا نہیں ہوا؟ اُن کو پتا ہی نہیں اس بات کا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے ایسے وسائل تھے جن کے متعلق ہمیں کبھی سمجھ نہیں آئی، کیا فائدہ ہوا اور کیا نہیں ہوا۔ کبھی اُن کی طرف سے رقم موصول نہیں ہوئی۔ جب جماعت سے پوچھا گیا کہ بتائیے کہ آپ نے کہنے پر دوسو، پانچ سو، ہزار رسالے جاری کئے تھے، تو کیا بنا؟ تو پھر امیر صاحب کو فکر پیدا ہوتی ہے پھر مجلس عاملہ میں معاملہ پیش ہوتا ہے پھر بتایا جاتا ہے کہ ہمارے پاس تو دینے کے لئے پیسے کوئی نہیں۔ بہتر ہے آپ رسالے بند ہی کر دیں۔ رسالے تو بند کر دیئے جاتے ہیں لیکن اس چشمے کے اوپر کون بیٹھا ہے، کس نے اس پانی کو آگے جاری رہنے سے روک دیا ہے؟ اس طرف خیال نہیں آتا۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ اگر سیکرٹری اشاعت ذمہ دار ہوتا اور امیر اُس کی نگرانی رکھتا تو ہفتہ دس دن میں ایک دفعہ تو اُس سے ملاقات رکھتا۔ اُسے معلوم کرتا کہ بتاؤ کون کون سے مرکزی رسائل یا مقامی رسائل کتنے ہیں جو لوگوں کو بھجوائے جا رہے ہیں۔ کبھی تم نے اُن سے رابطہ کیا ہے۔ وہ پسند بھی کرتے ہیں ان رسائل کو کہ نہیں۔ کبھی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ کون ہیں جو محض مفت وصول کرنے کی حد تک تو خریدار نہیں بنے ہوئے بلکہ پیسے بھی ادا کرنے کی حد تک خریدار بننے کے لئے تیار ہیں اور اُن کو پھر لکھ کر معلوم کر کے اُن سے رقم وصول کی جائے۔ کبھی تم نے خیال کیا کہ ایک سال گزرنے کو ہے جماعت نے ابھی تک مرکزی شعبے کو رقم ادا نہیں کی جس کو رسالے جاری کرنے کی ہدایت کی جا چکی ہے۔ یہ تمام امور ایک رسالے سے تعلق میں اگر پیش نظر رکھے جائیں تو

چند دن کی محنت کے بعد خدا کے فضل سے بہت عمدہ خطوط پر یہ رسالوں کا نظام جاری ہو سکتا ہے۔اب التقویٰ ہے، ریویو آف ریلیجنز ہے، اسی طرح مقامی ہر ملک کے اپنے رسائل ہیں۔جن سے دنیا بھر کے بنی نوع انسان کو یا کم از کم اُن ملکوں کے رہنے والوں کو خصوصیت کے فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اُن کی اشاعت کے لئے کوئی فکر مند نہیں، کوئی سمجھتا نہیں کہ یہ میری ذمہ داری ہے۔پس جس کو سیکرٹری اشاعت بنایا جاتا ہے اُس کا تو دل لرزنا چاہئے۔مجھ پر تو مصیبت، مصیبت تو خیر میں اور معنوں میں کہہ رہا ہوں جہاں تک اس کی ذات کا احساس ہے اُس کو بھی لگے گا کہ کیا مصیبت آ پڑی ہے؟ پہاڑ ٹوٹ گیا ہے سر پر اور پھر اُس پہاڑ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اُس کو دعائیں کرنی ہوں گی؟ اُس کو توجہ کرنی ہوگی حتی المقدور کوشش کرنی ہوگی۔

بوجھ ہلکا ہوتا ہے دو طریق پر اوّل یہ کہ حوصلے کے ساتھ، صبر کے ساتھ انسان اس کوشش میں لگ جائے کہ کام خواہ کتنا بڑا ہو میں نے کرنا ہے۔اور وہ تھوڑا تھوڑا لے کر حسب توفیق اُس کام کو کرنا شروع کر دے۔ ہر روز اگر انسان کچھ کام کر کے سوئے، کچھ ذمہ داریاں ادا کر کے سوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طمانیت نصیب ہوتی ہے۔جو نیند ایک تھکے ہوئے مزدور کو آتی ہے وہ ایک عیاش امین کو نہیں آ سکتی۔اُس کو پتا ہی نہیں کہ بدن تھکتا کیسے ہے، کیسے محنت کی جاتی ہے، جو روٹی کا مزا ایک بھوکے کو آتا ہے وہ ایک ایسے عیاش کو کیسے آ سکتا ہے جس نے اپنے معدے کا ٹھونس ٹھونس کر ستیاناس کیا ہوا ہے۔کوئی طلب نہیں اُس کو چورن کھانی پڑتی ہیں تا کہ بھوک کا مزا پیدا ہو۔جو قدرتی مزا بھوک کا ہے وہ چیز ہی اور ہے۔بھوک کی حالت میں جن لوگوں نے تجربہ کیا ہے، مجھے تو کئی دفعہ تجربے ہوئے ہیں، سفر کی حالت میں شکار کی حالت میں، شدید بھوک کے وقت روٹی کا ایک ٹکڑا، پیاز اور نمک مرچ جو مزا دے جاتے ہیں کہ بڑی سی بڑی دعوت بھی وہ مزا نہیں دیتی۔تو نیند کا مزا بھی وہی ہے جو کمائی جائے۔وہی نیند اصلی ہوتی ہے۔خواہ وہ تھوڑی ہو بڑا دل کو سکون ملتا ہے۔

پس ہر عہدیدار کو اس خیال سے محنت کرنی چاہئے کہ میری ذمہ داری ہے اور کوئی دن مجھ پر ایسا نہ گزرے کہ میں اس ذمہ داری کے کسی ایک حصے کو ادا نہ کر رہا ہوں۔اس لگن سے جب عہدیدار کام شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کام آسان ہو جاتے ہیں۔ایک دن کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا پھر دوسرے دن کا بوجھ ہلکا ہوگا، پھر تیسرے دن کا بوجھ ہلکا ہوگا رات کو جب وہ تہجد کے لئے اٹھے گا تو

یہ دعا کرے گا کہ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ: ۲۸۷) اے خدا! ہم نے تیرے لئے بوجھ اٹھائے ہیں ہم پر جو تو بوجھ ڈالتا ہے ایسے بوجھ نہ ہوں جن کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اس مضمون کی دعا کو دل کی گہرائی سے کرنے کے نتیجہ میں انسان سمجھ سکتا ہے اُس کے بغیر نہیں سمجھ سکتا۔ وہ شخص جس نے دن بھر محنت کی ہو اور پھر رات کو یہ دعا کرتا ہے اُس پر دعا کا حقیقی مضمون روشن ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھ رہا ہوتا کہ خدا مجھ پر ایسی ذمہ داری ڈال دے گا جس کی مجھ میں طاقت ہی نہیں ہے۔ وہ اس رنگ میں اس دعا کا مفہوم سمجھتا ہے کہ اے خدا میرے بوجھ تو نے ہلکے کرنے ہیں مجھ میں تو کوئی طاقت نہیں ہے۔ جو تو نے بوجھ ڈالے ہیں اُس کی طاقت بھی عطا کر۔ یہ مراد ہے اس دعا سے۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو میں کام نہیں کرتا وہ میرے سر سے ٹالتا چلا جا۔ اگر یہ مطلب ہو تو ہر انسان دنیا کا سب سے نکما انسان بن کر مرے گا کیونکہ انسان کو عادت ہے کام کو ٹالنے کی۔ مراد یہ ہے کہ اے خدا میں نے کر کے دیکھا ہے یعنی جان ماری ہے اور میں جانتا ہوں کہ مجھ میں طاقت نہیں ہے پس تو تو طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالنے والا نہیں ہے، میری طاقت بڑھا، یہ اس دعا کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ پھر طاقت بڑھاتا چلا جاتا ہے اور میرا تجربہ ہے ساری زندگی کا کہ کبھی یہ دعا نامقبول نہیں ہوتی، رد نہیں کی جاتی ہے۔ اگر اس کے مضمون کا حق ادا کرتے ہوئے اس کو سمجھتے ہوئے آپ یہ دعا کرتے ہیں تو خدا دعا ضرور سنتا ہے، ضرور آپ کو طاقت عطا فرماتا ہے آپ کے مددگار مہیا کرتا ہے۔ دنیا کے حالات میں تبدیلیاں پیدا کرتا ہے، آپ کی وہ دلی خواہشات جو اُس کی خاطر دل میں پیدا ہوئی ہیں اُن کو پورا کرنے کی کوشش فرماتا ہے۔

پس ایک عہدیدار جب اپنی امانت کا حق ادا کرنا چاہے تو دو ہی رستے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنی امانت کو سمجھے کہ ہے کیا؟ اُس کا احاطہ کرے۔ اُس کی تفاصیل کا اُس کو علم ہونا چاہئے اور پھر وہ ہر اُس چیز پر ہاتھ ڈالے جس کی اُس میں طاقت ہے۔ خواہ تدریجاً ڈالے مگر چھوڑے نہ رکھے۔ ایک بھی پہلو اُس کی امانت کا ایسا نہ ہو جسے وہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ ایک دم میں نہیں اُٹھتی تو رفتہ رفتہ اٹھائے لیکن اٹھائے ضرور۔ جب کوئی امانت کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے اُس کا بوجھ محسوس ہوتا ہو اُس وقت یہ دعا کرے کیونکہ بغیر بوجھ محسوس کئے جو دعا کی جاتی ہے اے خدا ہمارے بوجھ ٹال دے

ہم میں طاقت سے بڑھ کر بوجھ ہے، یہ فرضی اور خیالی باتیں ہیں اس دعا کا حقیقت سے، خدا کی قبولیت سے تعلق قائم نہیں ہوتا۔ جب بھوکا روٹی مانگتا ہے تو اُس کی آواز اور ہوتی ہے اور بغیر بھوک کے آپ روٹی کی طلب کریں آواز میں فرق ہوگا زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ تبھی خدا تعالیٰ نے دعا کے ساتھ مضطر کی شرط لگا دی ہے کہ جب میں مضطر کی آواز سنتا ہوں تو اُس کی آواز کو قبول کرتا ہوں۔ ایک عہدے کا اضطراب یہ ہے کہ وہ کام پر ہاتھ ڈالے اُس کا بوجھ محسوس کرے جانتا ہو کہ اکیلا اُس سے یہ کام ہونا نہیں ہے اور کوشش ضرور کرے تب وہ خدا کے حضور عاجزانہ گرے اور کہے کہ اے خدا تو طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالنے والا نہیں ہے اور مجھ پر بھی وہ بوجھ ڈال جس کی طاقت عطا فرماتا چلا جائے۔ جب اس طرح محسوس کر کے دعا کی جائے گی تو غائب سے ایسے ہاتھ تو دیکھے گا جو غائب کا ہاتھ نہیں رہے گا بلکہ ظاہر ہوگا اور اُس کے بوجھ اٹھائے گا اور اُس کے بوجھوں کو ہلکا کر دے گا اور وہ اپنے کاموں کو پہلے سے زیادہ بڑھ کر روانی اور عمدگی کے ساتھ اور سلاست کے ساتھ ادا کرنے کی اہلیت اختیار کرتا چلا جائے گا۔

ابھی اس کی اور بھی مثالیں دینے والی ہیں، اور بھی بعض عہدے ہیں جن کے متعلق میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں تو انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں یہ مضمون جاری رکھوں گا۔ اس عرصے میں جس حد تک آواز عہدیداروں تک پہنچی ہے اور اُس کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ ابھی سے اس کی طرف توجہ شروع کر دیں تا کہ مجھے یہاں بیٹھے دکھائی دینے لگے کہ خدا کے فضل سے کاموں کے انداز میں پاکیزہ تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔

خدا اپنی امانتیں امینوں کے سپرد کیا کرتا ہے۔ اپنی دینی و دنیاوی امانتوں کے حق ادا کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ /دسمبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:-

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۲﴾ (المؤمنون: ۹-۱۲)

پھر فرمایا:-

گزشتہ کچھ عرصے سے خیانت کا مضمون چل رہا ہے اور گزشتہ جمعہ میں مَیں نے یہ توجہ دلائی تھی کہ امانتوں کا حق ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ کسی امانت کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو تو خیانت کہلاتی ہے مگر تمام خیانتوں سے بڑھ کر خیانت اُس حق کی خیانت ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت انسان کے سپرد کیا جاتا ہے۔ پس عہدیداروں کی مثالیں دے کر، عہدوں کے حقوق کے ادا کرنے کی طرف جو توجہ دلائی گئی تھی یہ امانت کے معانی کو کھینچ کر لمبا نہیں کیا گیا تھا بلکہ درحقیقت امانت کا بنیادی معنی یہی ہے کہ اللہ کا حق جو بندوں پر ہو اُس میں خیانت نہ کی جائے اُس کو تمام تر توجہ سے، تمام باریکیوں کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوا تو نزول قرآن کو اور

آنحضورﷺ کو شریعت کا نگران مقرر کرنے کو خدا تعالیٰ نے امانت فرمایا ہے اور ایسی امانت فرمایا ہے جس کے متعلق فرمایا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا (الاحزاب: ۷۳) کہ دیکھو کیسی امانت تھی جس کو زمین اور آسمان اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اتنی بڑی ذمہ داری اُس کے ساتھ وابستہ تھی لیکن دیکھو اس بندے یعنی محمد مصطفیٰﷺ نے جو انسانِ کامل ہے اس نے آگے بڑھ کر امانت کا بوجھ اٹھالیا۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰﷺ کی غلامی میں آپ کے کاموں کی ادائیگی اُمتِ محمدؐیہ پر فرض ہے اور اس امانت کو اٹھانے میں تمام امت حضرت محمد مصطفیٰﷺ کی مددگار اور معاون ہے اور جس حصے پر جتنی امانت ڈالی جائے یا امانت کا بوجھ ڈالا جائے اُس حصے پر یہ امانت گویا خدا تعالیٰ نے ڈالی ہے کیونکہ امانت کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور اس پہلو سے جب ہم احادیث نبویہ پر غور کرتے ہیں تو سمجھ آجاتی ہے کہ کیوں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امانت کے حق کی ادائیگی پر اتنا زور دیا ہے اور اُسے قرآن کریم نے بھی خدا تعالیٰ کی امانت ہی قرار دیا ہے جیسا کہ میں نے گزشتہ خطبے میں آیت کی تلاوت کی تھی۔ اس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم لوگ آپس میں جب خیانتیں کرتے ہو تو پھر تم خدا کی خیانت بھی کرنے لگتے ہو اور رسول کی خیانت بھی کرنے لگتے ہو یعنی وہ خیانت جو سب سے ذلیل اور سب سے زیادہ خطرناک ہے وہ اللہ اور رسول کی خیانت ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ اوّل درجے پر امانت وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول اور اُس کے غلاموں پر عائد فرمائی گئی ہے یا اُن کے سپرد فرمائی گئی ہے اور اُس کی ادائیگی میں ہمیں حد سے زیادہ محنت کے ساتھ، باریک نظر کے ساتھ توجہ دینا ہوگی اور مستقلاً اُس کی حفاظت کرنا ہوگی۔

بات یہ ہے کہ جماعت کے عہدیداروں سے متعلق تو میں گزشتہ اس سلسلے میں تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں۔ ان تمام باتوں کو دہرانا مقصود نہیں ہے مگر مثالیں دیتا ہوں کہ کس طرح انسان اپنی امانت سے غافل ہو جاتا ہے اور کتنی جلدی امانت کو بھولنے کا عادی ہے۔ جو باتیں تفصیل سے بیان کی جاتی ہیں اُن کو بھی بار بار دہرانا پڑتا ہے اور یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے یہ ہمیشہ سے ایسا ہی سلسلہ چلا آرہا ہے۔ چند دن ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عبارت پڑھی۔ اُس میں آپؑ فرماتے ہیں کہ مجھے جو بار بار ایک بات کو دہرانا پڑتا ہے بعض دفعہ لوگ سمجھتے ہیں

کہ ایک ہی بات کی تکرار ہے۔فرماتے ہیں میں مجبور ہوں کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ بات سنتی ہے اور بھول جاتی ہے اور جب تک بار بار تکرار کے ساتھ ایک چیز کو سمجھایا نہ جائے پوری طرح اس کے حق ادا کرنے کی طرف توجہ قائم نہیں ہوتی۔ پس ضمناً ان باتوں کو بھی دہراتا ہوں جو پہلے کہہ چکا ہوں لیکن بطور مثال کے اور بطور یاددہانی کے۔

اس سلسلے میں مَیں شعبہ اشاعت کی مثال پیش کر رہا تھا۔شعبہ اشاعت سے متعلق ایک دو اور باتیں کہہ کر پھر بعض دوسرے شعبوں کا بھی محض مثال کے طور پر ذکر کروں گا۔ دنیا بھر میں جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے نمائشوں میں حصہ لے رہی ہے یعنی ایسی نمائشیں جو کتب کی نمائشیں ہیں اور **الاماشاء الله** بعض دفعہ تو دوسری چیزیں بھی ساتھ ہو جاتی ہیں لیکن آج کل دنیا میں یہ رواج زیادہ زور پکڑ رہا ہے کہ کتب کی نمائش مختلف ممالک میں لگائی جاتی ہیں اور اُس میں جماعت احمدیہ خصوصیت کے ساتھ حصہ لیتی ہے۔اسی طرح بڑی نمائشوں میں بھی بعض حصے کتب کی نمائشوں کے لئے مخصوص کئے جاتے ہیں۔ میرا گزشتہ کئی سال سے تجربہ یہ ہے کہ دور دور سے ممالک نمائش کے قریب آنے پر یہ اطلاع بھیجتے ہیں کہ اب نمائش میں اتنے دن رہ گئے ہیں ہمیں فلاں فلاں کتب کی ضرورت ہے، فلاں لٹریچر کی ضرورت ہے، فلاں سونیئرز کی ضرورت ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اگر جماعت احمدیہ کے وقار کی خاطر ہمیں ہوائی جہاز پر زیادہ خرچ کر کے بھی کتب بھجوائی جائیں تو مناسب ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جماعت کے وقار کا اُن کو نمائش کے قریب آنے کے وقت کیوں خیال آیا۔ اب پھر سوال یہ ہے کہ اُس ملک کا نظام کیا کرتا رہا ہے۔ وہ ملک بہرحال کسی امیر کے سپرد ہے، اُس ملک کے تابع مختلف شعبوں کے سیکرٹری موجود ہیں، اُن میں ایک اشاعت کا سیکرٹری بھی موجود ہے، کیوں اُسے پہلے خیال نہیں آیا کہ ہمارے ملک میں کب اور کس نوعیت کی نمائش، کہاں کہاں لگے گی۔ ایک ملک جتنا وسیع ہو اُتنی ہی زیادہ وہاں سالانہ نمائشیں لگنے کے امکانات ہوتے ہیں۔ اب ہندوستان ہے مثلاً وہاں مختلف صوبوں میں مختلف وقتوں میں ایسی نمائشیں لگتی ہیں اور جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کو اُن نمائشوں میں حصہ لینے کی توفیق ملی ہے، وہاں آنے والوں پر بہت گہرے اثرات مترتب ہوئے ہیں۔ بعض مخالف علماء بھی ایسے تھے جو نمائش پر آئے اور سلسلے کی خدمت کے کام دیکھ کر اُن کی کایا پلٹ گئی۔ بعض متعصب ہندو لیڈر تھے جو اسلام کا نام برداشت نہیں کر سکتے تھے

لیکن وسیع نمائش تھی اُس میں کسی اور دلچسپی کی خاطر آئے اتفاقاً جماعت احمدیہ کے سٹال پر نظر پڑی اور جب اُنہوں نے کھڑے ہو کر وہاں جماعت کے لٹریچر کا سرسری نظر سے مطالعہ کیا تو نہ صرف حیران رہ گئے بلکہ ایک متأثر لیڈر نے یہاں تک لکھا کہ میں تو اسلام کو کچھ اور سمجھا کرتا تھا۔ اگر یہ اسلام ہے تو محبت کے لائق ہے۔ چنانچہ یہ نمائشیں بہت اہمیت رکھتی ہیں لیکن یہ جو روزمرہ کا رواج بن گیا ہے کہ چند دن پہلے کبھی ہندوستان کے کسی علاقے سے چٹھی آ جائے، کبھی کینیڈا یا امریکہ کے کسی علاقے سے چٹھی آ جائے، کبھی جرمنی سے، کبھی فرانس سے کہ اتنی دیر رہ گئی ہے اور ابھی تک ہمارے پاس نمائش کے لئے پورا مواد اکٹھا نہیں ہوا۔ یہ بہت ہی نامناسب بات ہے، یہ بات جماعت کے وقار کے خلاف ہے۔

جو امانتیں جس کے سپرد کی جاتی ہیں اُس کا فرض ہے کہ وہ امانتوں کا حق ادا کرے۔ پہلے اس سے میں شعبہ اشاعت کو ہدایت کیا کرتا تھا کہ جو بھی خرچ ہو مجبوراً جلدی کتابیں بھجواؤ۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے اور یہی جواب لکھوانے شروع کئے ہیں کہ کافی لمبا عرصہ آپ کو ڈھیل دی جا چکی ہے، اب اگر کوئی محرومی ہوگی تو اُس کا گناہ آپ کے سر ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر دنیا کی جماعت کی ساری ضرورتیں تفصیلاً یہاں سے براہ راست پوری کی جائیں۔ ہر ملک کی مرکزی ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں اور کی جاتی ہیں۔ وہ لوگ کہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور کہاں سوئے ہوئے ہیں کہ جن کے سپرد شعبہ اشاعت ہے۔ اُنہوں نے کیوں اپنے ملک کا جائزہ نہیں لیا، کیوں نہیں دیکھا کہ کون کون سی جگہ سلسلے کی کتب کے تعارف کا اچھا موقع ہے؟ صرف ملکی وسیع پیمانے کی نمائش کا سوال نہیں ہے بعض لائبریریاں نمائشیں کرتی ہیں۔ بہت سی ایسی تقریبات ہوتی ہیں جن میں حصہ لینے سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلے کے لٹریچر کا بہت اچھا تعارف ہو سکتا ہے یہ بھی ایک مثال ہے۔ تمام سیکرٹریان اشاعت کا فرض ہے کہ اشاعت کے ہر موقع پر نظر رکھیں اور دور کی نظر بھی رکھیں کہ فلاں سن میں فلاں بات ہونی ہے اور اُس کے لئے پہلے سے تیاری کریں جو بھی ضرورت ہوگی وہ ضرور پوری کی جائے گی انشاء اللہ۔ یہاں لٹریچر اسی لئے شائع ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں تقسیم ہو، کہیں صندوقوں میں بند کرنے کے لئے تو نہیں شائع ہوتا لیکن اب انفرادی طور پر الگ الگ بھجوانے کا سلسلہ بند ہوگا کیونکہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کام ہو رہے ہیں اکثر رضا کارانہ ہیں۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو سلسلے کے

باقاعدہ خدمت گزار ہیں یعنی واقفین زندگی کے طور پر کام کر رہے ہیں، ایسے جو ہیں اُن کے ساتھ بھی مددگار مستقل نہیں ہیں۔ اب شعبہ اشاعت مثلاً مولوی منیر الدین صاحب شمس کے سپرد ہے، سالہا سال بغیر کسی کلرک، بغیر کسی معاون کے، سارا کام وہ خود کرتے ہیں، مجھ سے شکایت کرتے رہے شروع میں، اُن کو میں نے سمجھایا کہ یہاں کی جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھا مادہ رکھتی ہے، اس میں صلاحیت موجود ہیں، اپنی ٹیم خود بنائیں چنانچہ ٹیمیں بنانی شروع کیں خدا کے فضل سے اتنی اچھی ٹیمیں اُن کے ساتھ بننی شروع ہوگئیں کہ بڑے بڑے کام آسان ہوگئے اور یہی حال باقی دوسری چیزوں میں بھی ہے لیکن ان رضا کارانہ کام کرنے والوں پر ایک حد تک بوجھ ڈالا جا سکتا ہے اور یہی کام دوسرے ملکوں میں بھی اگر اسی طرح سب کریں تو بہت بڑی تعداد میں خدا کے فضل سے جماعت کے اچھے رضا کار تربیت پا سکتے ہیں اور آئندہ کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی اہلیت رکھ سکتے ہیں۔

اس ضمن میں میں تصنیف کا بھی ذکر کرتا ہوں۔ شعبہ اشاعت اور شعبہ تصنیف کا گہرا رابطہ ہے۔ اشاعت کا تو مطلب ہے کہ جو بھی لٹریچر تیار ہو اُس کی مناسب تقسیم اور اُس پر نظر رکھنا کہ کون سی چیز کی ضرورت کہاں کہاں ہے اور وہ ضرورت بروقت پوری کرتے رہنا۔ اپنا سٹاک ختم ہونے سے پہلے اُس کے متعلق متعلقہ شعبوں سے رابطہ پیدا کرنا، اُن سے مطالبہ کرنا کہ فلاں وقت کے اندر اندر ہمارا سٹاک ختم ہونے والا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کافی دیر پہلے اندازہ لگا کر یہ اطلاع دی جائے۔ بعض ملکوں کی طرف سے ایسی اطلاع ملتی ہے کہ قرآن کریم مثلاً فرانسیسی سٹاک میں بالکل نہیں رہا اور مطالبہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک دن میں تو نہیں اچانک غائب ہوا تھا۔ ختم ہوتے ہوتے وقت لگتا ہے اندازہ ہو جاتا ہے رفتار کا کہ اس رفتار سے نکل رہا ہے تو اتنے مہینے کا سامان باقی ہے، چند مہینے پہلے لکھنا چاہئے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی ختم کے قریب ہو اور اتنے زیادہ مطالبے اکٹھے آجائیں تو پھر نیا چھپوانے کی ضرورت پیش آجائے۔ یہاں بھی میں نے متعلقہ عہدیداروں کو ہدایت کی ہے کہ اپنی ضرورت کا اندازہ چند مہینے پہلے رکھ کر مجھے بروقت مطلع کیا کریں تا کہ کبھی بھی ایسا نہ ہو کہ اچانک مطالبہ آئے اور ہم اُسے پورا نہ کر سکیں مگر یہ ایسا کام ہے کہ ساری دنیا کے وسیع رابطے اور مسلسل رابطے رہنے ضروری ہیں۔

دوسرا شعبہ ہے تصنیف۔ تصنیف کا کام صرف یہ ہے کہ سلسلے کی لٹریچر کی ضرورتوں پر نظر رکھیں۔

مرکزی نظر تو ساری عالمی ضروریات پر رہتی ہی ہے لیکن مختلف ممالک کی بعض فوری مقامی سطح کی ضرورتیں ہوا کرتی ہے اور اُن پر نظر رکھنا اُس ملک کے سیکرٹری تصنیف کا کام ہے۔ مثلاً ایک ملک میں کسی خاص قسم کا فتنہ جماعت کے خلاف پھلایا جا رہا ہے، خاص قسم کا ایک منصوبہ بنایا جاتا ہے جس کا بعض ملکوں سے تعلق ہوتا ہے مثلاً انگلستان میں ایک دفعہ یہ منصوبہ بنایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر گستاخی کا الزام لگا کر تمام سکول کے بچوں کو مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچے ہوں یا بڑے ہوں اُن کو جماعت سے بدظن کیا جائے اور مسلمان ملانوں نے لٹریچر تیار کیا اور انگریزی میں ترجمہ کروا کر عیسائیوں میں تقسیم ہوا۔ اس قسم کے حربے مختلف ممالک میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے فوراً جوابی کارروائی ہوئی اور دیکھتے دیکھتے مخالفانہ لٹریچر بند اور پھر غائب ہو گیا کیونکہ اُس جواب کے بعد جو سلسلے نے شائع کیا ہے اعتراض کرنے والے کو کھڑے ہونے کی جگہ باقی نہیں رہتی اُسے خود بھاگنا پڑا اور ہر شعبے میں جماعت کو خدا تعالیٰ نے رعب عطا فرمایا ہے۔ **نصرت بالرعب** (تذکرہ صفحہ:۵۳) کا یہی مطلب ہے کہ ایسے دلائل عطا فرمائے ہیں، ایسی ترجیحی سلطان عطا کی ہے یعنی غالب آنے والی دلیل کہ اُس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ دشمن کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں اور یہ چونکہ ہمیشہ ہوتا چلا جا رہا ہے اس لئے رعب بنتا ہے۔

رعب کی ایک تاریخ ہوا کرتی ہے۔ رعب آناً فاناً خود بخود نہیں بن جاتا فرضی طور پر۔ جو رعب دار لوگ ہیں گھروں میں بھی ایسے والدین ہوتے ہیں جو رعب دار ہوتے ہیں، گھروں میں بھی ایسے والدین ہوتے ہیں بالکل بے رعب اُن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ یہ باتیں اچانک ایک دو دن میں نہیں ہوا کرتیں۔ رعب دار والدین کا ایک کردار ہے، ایک لمبا عرصہ تک بچوں نے اُن کو دیکھا ہے، بعض حالتوں میں بعض ردعمل کرتے ہوئے اس کے بعد رعب قائم ہو جاتا ہے، کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اُس رعب کی مخالفت میں کوئی کام کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کو جو الہام ہوا **نصرت بالرعب** اس کے پیچھے ایک لمبا کردار اور اس کردار کی ہمیں حفاظت کرنی ہوگی ورنہ رعب جاتا رہے گا۔ قرآن کریم نے بھی مسلمانوں کو بالعموم اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دیکھو یہ بات نہ کرنا ورنہ تمہاری ہوا نکل جائے گی۔ وہ ہوا جس کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے اُسی کو ہم رعب کہتے ہیں۔ اپنے رعب کی حفاظت کریں جو خدا نے آپ کو عطا فرمایا ہے اور وہ حفاظت اسی طرح ہوگی جب دشمن

حملہ کرتا ہے اور جہاں سے کرتا ہے ایسی شدید فوری جوابی کارروائی ہو کہ لازماً دشمن کے پاؤں اکھڑ جائیں یہاں تک کہ وہ رعب قائم ہو اور بڑھتا رہے۔ جس کے بعد کسی شریر کو جرأت نہ ہو کہ آتے جاتے خواہ مخواہ چھیڑ خانی شروع کرے اور خواہ مخواہ جماعت کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے۔

اس ضمن میں سیکرٹریان اشاعت کی بات ہو رہی ہے تو مرکزی علماء کو بھی اس وقت ربوہ میں بیٹھے میری بات سن رہے ہیں اُن کو ایک نصیحت کرنی چاہتا ہوں۔ جماعت کے خلاف جو آج کل کارروائیاں ہو رہی ہیں اُن کا لب لباب یہ ہے کہ ہر جگہ سے جماعت کے پاؤں اکھیڑنے کی خاطر سعودی عرب کے پیسے سے پاکستان کے ملانے اور بعض دوسرے کارندے مل کر یہ کوشش کرتے ہیں کہ عام مسلمان پر مختلف ممالک میں یہ تاثر دیں عام مسلمانوں کو کہ آپ میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔ ہم جو ان سے غیر معمولی سلوک کر رہے ہیں اُس کی وجوہات ہیں۔ آپ کے عقیدے سے اختلاف بھی رکھتے ہوں پھر بھی ہم سب سے ملتے جلتے ہیں ہم بالعموم اقدار مشترکہ رکھتے ہیں، مشترک قدریں رکھتے ہیں لیکن ان کا مزاج الگ، ان کے خیالات اور عقائد الگ اور اتنا فرق ہے کہ ہم میں مل کر، سمو کر، اکٹھے ہو کر بیٹھ ہی نہیں سکتے۔ پس یہ فرق انہوں نے خود اپنے اندر قائم کئے ہیں، ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، ہمارے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتے، فلاں بات نہیں کرتے، ظفر اللہ خان نے قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا وغیرہ وغیرہ اور بار بار یہ تاثر زیادہ عام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے سارا قصور جماعت احمدیہ کا ہے خود الگ ہو بیٹھی ہے، اپنے عقائد مختلف بنا بیٹھی ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس کی جوابی کارروائی اس رنگ میں تو ہوتی ہے کہ اُن کے ہر اعتراض کا مؤثر جواب دیا جاتا ہے، بتایا جاتا ہے کہ کہاں جھوٹ بول رہے ہیں جو سچی بات ہے اس کی توجیہہ کیا ہے؟ کیوں ہم ایسا کرتے ہیں؟ اس کا شرعی جواز کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اب وقت ہے کہ جوابی حملہ کیا جائے ورنہ سنجیدہ جوابی کارروائی کا عوام الناس پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا ہے۔ اول تو اُن تک یہ کتابیں پہنچتی نہیں، پہنچے بھی تو عوام الناس میں یہ شعور نہیں ہوتا کہ اعتراض اور اس کے جواب کا صحیح موازنہ کر سکیں اس لئے بڑی مشکل پیش آتی ہے اور پھر یوں لگتا ہے کہ ہم سب باقی مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہی ہیں جو محل نظر ہیں۔ ہمارے اسلام پر تو شک نہیں ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے ان کا جواب پڑھیں اور یہ فیصلے کریں کہ واقعتاً سچے الزام ہیں یا جھوٹے الزام ہیں ساری امت نے مل کر نکال باہر مارا ہے، ہم بھی سمجھ لیتے ہیں کہ چلو باہر

کے ہیں تو باہر کے ہی رہیں۔ جو شرفاء ہیں ان پر بھی یہ اثر ہے۔

اس سلسلے میں میں نے جہاں تک مطالعہ کیا ہے، اس نظر سے گہرا مطالعہ کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جتنے مسلمانوں کے بڑے بڑے فرقے ہیں اگر اسی طرز پر اُن کے خلاف غیر مسلم قرار دیئے جانے کے مطالبے کئے جائیں تو اُن کے خلاف مطالبات بہت زیادہ وزن رکھیں گے اور بہت زیادہ قوی دلائل ہیں یہ بتانے کی کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو امت سے کاٹا ہے، امت سے الگ ہوئے، اُن کے عقائد اتنے خطرناک بن گئے، دوسرے مسلمانوں کے مقابل پر کہ وہ اکٹھے رہ ہی نہیں سکتے۔ پس مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ (آل عمران: ۵۵) کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جیسے مکر وہ کرتے ہیں اُس حد تک مکر کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مکر اور خدعہ وغیرہ کے سلسلے میں پہل کا ذکر کہیں نہیں فرمایا۔ جہاں جہاں قرآن کریم میں ہدایت ہے وہاں ابتداء دشمن کی طرف دکھائی گئی اور جوابی کارروائی اللہ تعالیٰ کی طرف۔ تو بعض ایسی باتیں جہاں ابتداء نہیں کرنی چاہئے، خواہ مخواہ امت کے مزاج کو کیوں منتشر کیا جائے، خواہ مخواہ ایسی باتوں کو کیوں اچھالا جائے جس کے نتیجے میں بعض لوگ بعض دوسروں سے بدظن ہوں لیکن جب کوئی آپ کے خلاف ایسا مکر کرے تو سنت اللہ یہ ہے کہ جوابی مکر کرنا ضروری ہے اور اُسی حد تک کیا جائے جس حد تک یہ کرتے ہیں ابتداء کی اجازت نہیں۔ پس علماء کو چاہئے کہ اب یہ کتابیں لکھیں کہ کیوں بریلویوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے، کیوں وہابیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے، کیوں شیعوں کو دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے، کیوں فلاں کو دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے، کیوں فلاں کو اور کیوں اسماعیلیوں کو، کیوں دوسرے شیعہ اور سنی فرقوں کو باری باری اسلام سے نکال کے باہر مارا جائے۔

اس نہج پر الگ الگ مطالبے کی کتابیں بننی چاہئیں جماعت کوئی مطالبہ نہیں کرے گی۔ جماعت بتائے گی کہ اس طرح مطالبے ہوتے ہیں۔ جماعت امت مسلمہ کو سمجھائے گی کہ جس طریقے پر تم نے ہمارے خلاف مطالبے سنے اور اُن کو اپنے ذہنوں میں جگہ دی اور اسی طریق پر دوسرے مطالبے بھی دیکھو۔ اب ہماری باری ہے کہ ہم تمہیں کر کے بتائیں کہ کیا ہوتا رہا ہے ہم سے۔ جب ہم سے ہوتا تھا تو تمہارے کان پہ جوں بھی نہ رینگی اگر رینگی تو فساد کی جوں رینگی ہے۔ ہم فساد کی خاطر نہیں مگر تمہیں سمجھانے کی خاطر کہ یہ چوٹ جب تم پر پڑے گی تمہارے دلوں کو مجروح کرے گی۔ اُس

وقت تم کیا سوچو گے اور تم کیسے اپنے دفاع کی کوشش کرو گے۔ اس سلسلے میں بہت محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے فرقوں کے مسلمان علماء نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہوئی ہیں، کوئی دیوبندی مذہب ہے، کوئی بریلوی مذہب ہے، کوئی فلاں مذہب ہے، کوئی فلاں مذہب ہے اور جتنا آپ کھودیں گے یعنی تاریخ کے ورقوں کو کھود کھود کے نکالیں گے، بہت زبردست لٹریچر اس معاملے میں تیار ہے۔ کوئی زمانہ تھا جب وہابیوں کو دنیا کی بدترین مخلوق سمجھا جاتا تھا ہندوستان میں۔ ایسی نفرت تھی کہ ایک دفعہ ایک سکھ کی دوکان بہت چل پڑی گاؤں میں اور دوسرے مسلمان دکاندار تھے اُن کی کوئی پیش نہیں جاتی تھی۔ بہتوں نے کہا دیکھو جی یہ سکھ ہیں، ہم مسلمان ہیں اور تم ہمیں چھوڑ کر مسلمانوں کی اکثریت کا گاؤں تھا، ہمیں چھوڑ کر سکھوں سے سودا لیتے ہو۔ وہ صاف ستھرے لوگ تھے، دیانتدار تھے، اچھا سودا بیچتے تھے لوگ لیتے رہے اُن سے، تو آخر ایک آدمی کو ایک ترکیب سوجھی۔ اُس نے کہا کہ تم یہ پروپیگنڈہ کرو کہ یہ سکھ وہابی ہو گیا ہے اپنے آپ لوگ سودا لینا چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ جب یہ اعلان ہوا کہ سکھ وہابی ہو گیا سارے گاؤں میں بائیکاٹ ہو گیا۔ آج جب یہ کہتے ہیں احمدی ہو گیا ہے اس کا بائیکاٹ کرو کل یہی ملاّ تھا جو وہابی ہو گیا کہہ کہہ کر بائیکاٹ کروایا کرتا تھا، بریلوی ہو گیا کہہ کے بائیکاٹ کروایا کرتا تھا، شیعہ ہو گیا کہہ کر بائیکاٹ کروایا کرتا تھا، سنی ہو گیا کہہ کے بائیکاٹ کروایا کرتا تھا، ان کو ان کی تاریخ تو یاد کروائیں۔

ابھی بنگلہ دیش سے مثلاً یہ اطلاع ملی کہ راج شاہی میں جماعت کو نئی تعمیر شدہ مسجد جو ابھی اپنی تکمیل کو پہنچ رہی تھی اُس پر ملانوں نے اور اُن کے چیلے چانٹوں نے پندرہ سو کی تعداد میں حملہ کیا اور نہ صرف منہدم کیا بلکہ ایک ایک اینٹ بنیادوں کی بھی اٹھا کر لے گئے۔ اب آپ اندازہ کریں کہ یہ بدبخت لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کو سنبھالے ہوئے ہیں، اُس کے امین بنائے گئے ہیں، ایسی چوری کو، ایسی ذلیل حرکت کو کہ خدا کے گھر کی اینٹیں بھی چرا کے لے جائیں۔ اس کو اُنہوں نے امانت قرار دے رکھا ہے، ان سے تو اللہ نپٹے گا لیکن اعلان وہ یہ کر رہے ہیں کہ اس لئے ہم پر فرض ہے کہ قرآن کریم نے مسجد ضرار کا ذکر کر کے ہم پر فرض عائد کر دیا ہے کہ ہر وہ مسجد جہاں ہم سمجھیں کہ فساد ہو رہا ہے۔ یعنی ہمارے نقطۂ نگاہ سے اُس مسجد کی تعمیر فساد پر مبنی ہے اُسے برباد کر دیں، اُسے گرا دیں۔ یہ مسجد ضرار کی مثال بیان کر کے اخباروں میں یہ اعلان شائع کر کے کھلے

عام مسلمانوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ احمدیوں کی مسجدیں منہدم کرو اور لوٹو مارو اور جو چاہو کرو عین جائز بلکہ باعث ثواب ہے۔

سوال یہ ہے کہ مسجد ضرار کیا تھی ، کس حد تک قرآن کریم نے عبادت گاہوں کو جلانے یا منہدم کرنے کی اجازت دی ہے یہ الگ بحثیں ہیں اس سلسلے میں میں ایک دفعہ تفصیلی خطبہ بھی دے چکا ہوں۔ بنگلہ دیش کو ہدایت دی جا چکی ہے کہ آپ کو کس قسم کی جوابی کارروائی کرنی چاہئے لیکن میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب ہمیں ان معاملات میں بھی جس حد تک قرآن کریم نے اجازت دی ہے کچھ جارحانہ کارروائی کرنی چاہئے۔ اگر ان کی اس دلیل کو توڑنا ہے تو محض دلائل سے نہیں توڑا جائے گا۔ اب کھوج سے ان کی گندی تاریخ کو نکال کر عوام کے سامنے پیش کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ بتانا پڑے گا کہ جب سے اسلام قائم ہوا ہے ان ملانوں نے مسجد ضرار کہہ کر یا فتنے کی مسجد کہہ کر آج تک کس کس ملک میں کتنی مسجدیں جلائی ہیں اور کتنی مسجدیں برباد کیں۔ کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جس کی پہلے مسجدیں توڑی یا منہدم نہ کی گئی ہوں ، اُن کو گرا کر خاکستر نہ کیا گیا ہو۔ ایک بھاری تاریخ بھری ہے اگر مسجد ضرار کا یہی معانی ہے تو پھر ان ملانوں کے تعامل سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ہر دوسرے فرقے کی مسجد کو جلا دے ، برباد کرے اور منہدم کر دے۔ ایسی ظالم قوم ہو چکی ہے کہ ان کے اوپر تو بعض دفعہ غصہ آتا ہے تو سخت لفظ استعمال کرنے کو دل چاہتا ہے مگر ہمیں تحمل کی تعلیم ہے۔

صرف ایک بات ہے جو ہم سب کر سکتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر درود بھیجیں جنہوں نے اس زمانے کے ملانوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا۔ **شر من تحت اديم السماء** (مشکوۃ کتاب العلم والفضل صفحہ: ۳۸) یہ بھی نہیں فرمایا کہ انسانوں میں سے وہ بدتر ہوں گے فرمایا اُس زمانے میں آسمان کے نیچے ذلیل ترین مخلوق ہوگی ، ہمیں کیا ضرورت ہے خود کسی کو گالی دینے کی ، امت کے مالک ، امت کے بادشاہ نے ان کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یہی حدیث ہے جو عوام الناس کے سامنے لانی چاہئے کہ تم کدھر جا رہے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی قیادت میں تم ہر ظالمانہ کارروائی کرنے کے لئے شیر ہوتے چلے جاتے ہو، ہر بُری بات کے لئے آگے بڑھتے ہو، **شر من تحت اديم السماء** کا ایک مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ جب شر کی طرف بلاتے ہیں تو اُس وقت لوگ ان کی آواز پر لبیک

کہتے ہیں یعنی شر کرنے کی طاقت ہے، نیکی کی طاقت نہیں ہے، جب نیکی کی طرف بلاتے ہیں تو سارے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں۔ کوئی آواز ان کی نیکی کی دعوت پر لبیک نہیں کہتی۔

میں نے پہلے بھی بارہا توجہ دلائی ہے صرف پاکستان کو چھوڑ یئے ، پاکستان کے کسی چھوٹے سے قصبے کے علماء مل کر اور باقی علماء کی مدد لے کر وہاں سے گندگی ، فساد، فتنہ، بد دیانتی ، رشوت ، چوری ، ڈاکہ، ظلم وستم ، جھوٹ ان کے قلع قمع کرنے کے لئے جہاد شروع کر کے دکھائیں۔ مجال ہے کہ کوئی ان کی بات مان لے لیکن کسی دوسرے کے اوپر ظلم کی تعلیم دے کر دیکھ لیں، اس کا مال لوٹنے کی تعلیم دے کر دیکھ لیں، اُس کے گھر جلانے کی تعلیم دے کر دیکھ لیں کس طرح مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے۔ کس طرح لوگ آگے بڑھ بڑھ کر اس عظیم قربانی میں حصہ لینے کے لئے پیش پیش آتے ہیں۔ یہ مطلب ہے **شر من تحت اديم السماء** آسمان کے نیچے واقعۃً اگر جانوروں کو بھی دیکھا جائے تو کوئی جانور شر کی اتنی صلاحیت نہیں رکھتا اور جانور کے ساتھ اگر شر وابستہ ہے تو خیر بھی وابستہ ہے۔ مگر اس زمانے کے ملاؤں کا کیسا دردناک حال ہے، کیسا عجیب نقشہ ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے چودہ سو برس پہلے کھینچ کر رکھ دیا۔ **شر من تحت اديم السماء** میں ان کو کوئی انسان بھی قرار نہیں دیتا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ آسمان کے پردے کے نیچے وہ شریر ترین مخلوق ہیں۔ یعنی اُن میں شر کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں نیکی پیدا کرنے کی کوئی صلاحیت موجود نہیں۔

پس یہ صلائے عام ہے تمام دنیا کے علماء اس میں مخاطب ہیں، بعض ملکوں کے زیادہ شریر ہیں، بعضوں کے کم ہیں، بعض ملکوں میں شرفاء علماء کی نسبت بہت زیادہ ہیں لیکن اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جہاں بھی یہ اطلاق پاتی ہے، آسمان کے جس حصے کے نیچے ایسے بدترین لوگ ہیں ان کی تعریف یہ ہے کہ ان کی شر کی آواز پر تو لبیک کہا جائے گا، ان کی خیر کی آواز میں کوئی طاقت نہیں ہوگی۔ پس پاکستان اور بنگلہ دیش کے علماء ہمارے سامنے ننگے ہو کر آچکے ہیں۔ اُن سے ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کے اثر سے نکلنا ہے تو نکل کے دکھاؤ۔ ثابت کریں دنیا پر کہ نیکیوں کی تعلیم پر بھی لوگ لبیک کہہ رہے ہیں۔ کوئی پیش نہیں جائے گی آپ کی ، کوئی ایک بدی بھی آپ عالم اسلام کو دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ آپ کو اس پر مامور نہیں فرمایا گیا کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی اس پیشگوئی کو جھٹلانے کی آپ کو استطاعت نہیں ملی۔ شر آپ سے وابستہ ہے اور شر ہی کرتے چلے

جائیں گے اسی حالت میں آپ نے جانیں دینی ہیں۔ پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ امانت کیا ہوتی ہے، پھر امانت کے نام پر آپ کو بلایا جائے گا اور اُس وقت جھنڈے لگیں گے آپ کی پیٹھوں کے پیچھے جو خائنوں کے جھنڈے ہیں، جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو دکھایا گیا آسمان کی طرف، خدا تعالیٰ کی طرف، ہر بدترین خائن کے پیچھے ایک جھنڈا لگے گا اور بتایا جائے گا کہ اُس نے کس کس امانت میں خیانت کی ہے۔

عبادت گاہوں کی حرمت کو قائم کرنا، اُن کا احترام کرنا تو اسلام کی امتیازی شان تھی ۔ آنحضرت ﷺ کو تو قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ اس جگہ تُو نماز نہ پڑھ تیری شان کے لائق نہیں۔ بعد میں جو کارروائی حدیثوں میں درج ہے اُس سے بھی یہی پتا چلتا ہے کہ وہ کارروائی واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے اشارے پر ہوئی۔ آج جبکہ ان ملانوں کے نزدیک وحی کے رستے ہی بند ہو چکے ہیں ان کو کون اشارے کر رہا ہے۔ ان کا تو عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اب کوئی وحی کے ذریعے پیغام نہیں ملے گا لیکن ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ شیطانی وحیاں جاری ہیں، شیطانی القاء کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اب بتائیں کہ مسجدوں کو کس القاء پر منہدم کرتے ہیں، کون ہے جو ان کو اشارے کر رہا ہے اور ان کو دکھا رہا ہے کہ اس مسجد کو بھی برباد کر دو، اس مسجد کو بھی برباد کر دو۔ اندھیر نگری ہے ان لوگوں کو حیا نہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ اسلام کو اس طرح کتنا بدنام کرتے ہیں اور اسلام کے دفاع کے لئے کوئی دلیل باقی نہیں رہنے دیتے۔

بابری مسجد کا سلسلہ ہے دیکھ لیجئے، ایک مشرکانہ حکومت وہاں قائم ہے، اُس حکومت کی ساکھ داؤ پر لگ گئی، اُس حکومت کو مشرک اکثریت کی طرف سے چیلنج دیا جا رہا ہے کہ ہمیں یہ مسجد منہدم کرنے دو ورنہ ہم ملک میں بغاوت کی آگ بھڑکا دیں گے، تمہاری حکومت کو پارہ پارہ کر دیں گے لیکن آج تک تو وہ حکومت اس بات پر قائم ہے، اس اصول پر قائم ہے کہ خدا کے نام پر بننے والی عبادت گاہوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے یہ مشرکوں کا حال ہے۔ پاکستان میں کتنی مسجدیں ہیں جو منہدم کی گئیں، کتنے خدا کے گھر ہیں جو مسمار کئے گئے، کتنے ہیں جن کو واپس کیا گیا اُن لوگوں کو اور اُن کے نقصانات کی ذمہ داری قبول کی گئی، اُنہیں دوبارہ آباد کر کے دکھایا گیا۔ حال یہ ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا بنگلہ دیش میں یہی پاکستانی ملاں ہے جس نے پہنچ کر فساد برپا کروایا ہے اور بڑے ہی قابل اعتماد ذرائع

سے یہ خبریں مل رہی ہیں کہ آئی ایس آئی کے Trained فتنے پیدا کرنے والے ڈھاکہ میں اس وقت کام کر رہے ہیں اُن کی مدد سے باقاعدہ آپریشن Plan ہو رہے ہیں۔ اب ڈھاکے کی مسجد، راج شاہی کی، فلاں جگہ کی اور حکومت اس میں ملوث ہے۔ حکومت کا ملوث ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ حملے کے وقت اچانک ہوسکتا ہے کہ دفاع کی طاقت پیدا نہ ہوئی ہو اور اتنے ذرائع نہ ہوں کہ اس حملوں کو روکا جا سکتا ہو لیکن ساری مسجد کو منہدم کرنا، ایک ایک اینٹ کو اٹھا کر دوسری جگہ پہنچانا، بنیادیں کھودنا، بنیاد کی ساری اینٹیں چرانا، یہ کام ایک دو گھنٹے کی بات تو نہیں تھی۔ ایک دن لگا ہے یا چوبیس یا اڑتالیس گھنٹے لگے ہیں۔ ٹرک کرایوں پر لئے گئے ہیں اتنا بڑا ملبہ ایک جگہ سے ڈھو کر دوسری جگہ پہنچانا یا گھروں میں تقسیم ہونا بڑا وقت چاہتا ہے۔ تو ایک خیانت ہوتی ہے خاموش خیانت کہ تم کرتے چلے جاؤ ہم آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ آنکھیں بند کرنے والوں کو بھی بتاتا ہوں کہ ان شریروں نے جنہوں نے یہ فساد برپا کئے ہیں خدا کے گھروں پر حملے کروائے ہیں انہوں نے تو اپنی آخرت کو ہمیشہ کے لئے برباد کر دیا ہے۔ ان کا انجام تو اُن کو قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ کیا ہے؟ کیسے خائنوں میں ان کا شمار ہوگا لیکن آنکھیں بند کرنے والے بھی قیامت کے دن اندھے اٹھائے جائیں گے۔ اُن سے بھی خدا کے فضل آنکھیں بند کر لیں گے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے ایسے لوگوں کے متعلق کہ قیامت کے دن اُن سے منہ پھیر لوں گا۔ خدا کی آنکھیں تو بند نہیں ہوتیں خدا اعراض فرماتا ہے۔ پس ایسے لوگوں سے اعراض کیا جائے گا یہ جواب دہ ہیں کیونکہ قرآن کریم نے جہاں شریعت کو امانت قرار دیا ہے، مذہب کو امانت قرار دیا ہے، وہاں دنیا کی حکومتوں کو بھی تو امانت ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ (النساء:۵۹) کہ امانت کا تعلق صرف مذہب سے نہیں ہے۔ دنیاوی امور میں بھی ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جب تم حکومت بنانے پر آؤ اور ووٹ مانگے جائیں تو امانت کا حق اُس کے اہل کو دیا کرو۔ اور جب حکومت بن جائے فرمایا وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کرو تو عدل سے حکومت کرو، انصاف سے حکومت کرو۔

یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم میں جو طرز حکومت بیان کی گئی ہے، وہ عدل پر مبنی حکومت

بیان کی گئی ہے، شریعت پر مبنی حکومت بیان نہیں فرمائی۔ جہاں دنیاوی حکومت کا مضمون آئے گا وہاں ہمیشہ آپ عدل کے مضمون کو ساتھ دیکھیں گے اور عدل کی حکومت ہی دراصل مثالی سیکولر حکومت کو کہتے ہیں۔ اگر عدل سے حکومت کی جائے تو مذہب کی تفریق کو دخل اندازی کی اجازت ہی نہیں مل سکتی۔ پس جس جس نے بھی عدل کی خیانت کی اُس نے قرآن کی خیانت کی، اُس امانت کی خیانت کی ہے جو خدا نے ہر حاکم کے اوپر ڈال دی ہے۔ کچھ معاملے تو اس دنیا میں طے ہوں گے تو کچھ اس دنیا میں طے ہوں گی مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی ناانصافیوں کے بدلے دنیا میں بھی ضرور دیئے جاتے ہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دی جاتی ہے۔

بہر حال یہ مضمون سمجھا کر واپس اُسی مضمون کی طرف آتا ہوں کہ ہم نے امانتوں کے حق ادا کرنے ہیں، خائن لوگوں کی تقدیر کے فیصلے خدا فرمائے گا اور قرآن کریم نے وہ فیصلے آج ہی لکھ چھوڑے ہیں۔ قرآن کی تحریر کو دنیا میں کوئی بدل نہیں سکتا لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمیں لازماً امانت کی حفاظت کے لئے ہر قربانی کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔ امانت ہی میں جماعت احمدیہ کی بقا ہے۔ امانت ہی کے نتیجے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس دنیا میں بھی سرخروی نصیب ہونی ہے اور آخرت میں سرخروی نصیب ہونی ہے۔ **امانت کے بغیر نظام جماعت کا کوئی تصور ہی باقی نہیں رہتا۔**

پس پہلے تو اپنی ذاتی امانتوں کی روزمرہ کے معاملات میں حفاظت کریں۔ آپ کو امین بنایا گیا ہے دنیا کے معاملات میں بھی اور دین کے معاملات میں بھی۔ دنیا کے معاملات میں بچوں کی امانت ہے، بیوی کی امانت ہے، دوستوں کی امانت ہے، تجارت کے معاملات میں ایک دوسرے کی امانتیں ہے ان ساری باتوں میں امانت کا حق ادا کریں امین بن جائیں۔ جب **امین بنتے ہیں تو پھر خدا کی امانت کا بوجھ اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جب تک آپ دنیا میں امین نہیں بنیں گے، اللہ کی امانت کو اٹھانے کی اہلیت ہی آپ میں پیدا نہیں ہوسکتی ہے۔** چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو بچپن سے جو امین کہا جاتا تھا دراصل اُسی وقت اعلان ہو گیا تھا۔ دنیا میں لوگوں کے منہ سے جو باتیں نکل رہی تھیں، یہ امین ہے، یہ امین ہے، جس گلی سے گزرتے تھے امین امین کی آوازیں اٹھتی تھیں۔ مستقبل میں ہونے والے عظیم واقعہ کی طرف اشارہ تھا یہ بتایا جارہا تھا کہ **خدا اپنی امانت امینوں کے**

سپرد کیا کرتا ہے اور آج اگر کوئی امانت کا اہل ہے تو یہ شخص ہے۔

لوگوں کے متعلق مرنے کے بعد، اپنے مراتب کو حاصل کرنے کے بعد امین ہونے کے دعاوی تو آپ سنتے ہی ہیں بعض دفعہ کسی بڑے عہدیدار کے متعلق اُس کے کام ختم کرنے کے بعد، اُس کے گزر جانے کے بعد تاریخ گواہی دیتی ہے کہ وہ امین تھا۔ بعضوں کے متعلق اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ وہ امین تھا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے متعلق لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ (النمل: ۴۰) فرما کر آپ کی بہت عزت افزائی فرمائی گئی ہمیشہ کے لئے دنیا کو موسیٰؑ کا مقام بتا دیا گیا کہ وہ لَقَوِيٌّ بھی تھا اور اَمِيْنٌ بھی تھا۔ لَقَوِيٌّ اس لئے ساتھ جوڑا گیا ہے کہ امانت کی حفاظت کے لئے ایک قوت کی بھی ضرورت ہے اور جو کمزور لوگ ہوں وہ امانت کی حفاظت نہیں کیا کرتے، نہ کر سکتے ہیں۔ یہ وہ گواہی ہے جو بعد میں دی گئی۔

جہاں تک میں نے نبوت کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ میرے علم میں ایک بھی ایسا نبی نہیں آیا جس کی قوم نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ اُس کے نبی بننے سے پہلے لوگ اُس کو امین کہا کرتے تھے۔ سارے مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کر لیں کچھ نبی ہیں جو خدا بنا لئے گئے، کچھ خدا کے بیٹے بنا لئے گئے مگر **سارے عالم میں چراغ لے کر ڈھونڈیں میرے آقا محمد ﷺ جیسا تمہیں کہیں نظر نہیں آئے گا۔ وہ ایک ہی نبی ہے اور ایک ہی نبی ہے جس کے متعلق بچپن ہی سے ساری قوم گواہیاں دیتی تھی کہ یہ امین ہے، یہ امین ہے، یہ امین ہے، یہ امین ہے۔**

پس آپ کو اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ دنیا میں آپ امین بنتے ہیں تو خدا کی امانت اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں اُس کے بغیر آپ امانت کا بوجھ اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ پس روزمرہ کی امانت کا ذکر چلا کر اب میں دینی امانتوں کی طرف اس لئے آ رہا ہوں کہ پہلے اپنے اندر امانت کا بوجھ اٹھانے کی اہلیت پیدا کریں، روزمرہ کے معاملات میں امین بنیں، تب اس لائق بنائے جائیں گے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی امانت میں آپ کے مددگار بن سکیں اُس کے بغیر نہیں۔ پس اگلی امانتیں جو ہیں ان کا سفر شروع ہوتا ہے یا دینی امانتیں ووٹ دینے کے ساتھ سے، جماعتوں میں جہاں بھی عہدیدار چنے جاتے ہیں وہاں امانت کے ساتھ فیصلہ کرنا کون اہلیت رکھتا ہے۔ بہت ہی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا کہ مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے (ترمذی کتاب الادب حدیث نمبر: ۲۷۴۷)

تو دیکھیں کس لطافت کے ساتھ اس مضمون پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ ووٹ دینا دراصل مشورے کا ہی ایک رنگ ہے۔ عوامی مشورے ووٹ کے ذریعے ہی حاصل کئے جاتے ہیں، آپ نے ووٹ کے ذکر کے ساتھ تو امانت کا ذکر نہیں فرمایا لیکن ہر مشورے میں امانت کو لازم قرار دے دیا اور ہر مشورہ دینے والے کو امین ٹھہرایا یعنی یہ بتایا کہ تمہیں امین ہونا پڑے گا اور یہ مضمون بہت زیادہ وسیع ہے ووٹ والے مضمون سے۔ پس ووٹ بھی مشورے کی امانت کا ایک اظہار ہے۔ دینی معاملات میں خصوصیت کے ساتھ آپ کو امین ہو کر ووٹ کا حق استعمال کرنا چاہئے اور تمام دوستیاں، تمام تعلقات، تمام دشمنیاں، تمام عداوتیں اُس وقت بھول جایا کریں گے۔ یہ دیکھا کریں کہ آپ کے نزدیک یہ شخص اہلیت رکھتا ہے کہ نہیں۔ یعنی آپ کے نزدیک ان معنوں میں کہ خدا کی امانت کا حق ادا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، آپ کے تعلقات کا حق ادا کرنے کی اہلیت کا سوال نہیں ہے، یہ امانت ہے۔ پھر جب عہدیدار بنائے جاتے ہیں تو وہ امین ہیں۔ اُن کا فرض ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کی تفصیل میں جائیں، معلوم کریں، کھوج لگائیں کہ کیا کیا ذمہ داریاں ہیں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جس تفصیل سے ہمیں ہدایتیں دی ہیں آپ اس معاملے میں بھی تمام دنیا کے مؤرخوں کو، تمام دنیا کے مذاہب کی پیرا کاروں کو چیلنج دے سکتے ہیں، ایک نبی یا دس یا بیس نبی یا سو نبی ملا کر دکھا دو جس نے اپنی امت کو اس تفصیل سے نیکیوں کی ہدایت کی ہو اور برائیوں سے روکا ہو۔ بعض جاہل اسی بات پر اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اتنی تفصیل سے حکم دے دیئے حالانکہ یہ دراصل حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے امین ہونے کی عظمت کا نشان ہے۔ ایسا امین دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا جس نے اس گہرائی سے اپنی ذمہ داری کو سمجھا اور تفصیل سے کھوج لگائے۔ خدا نے مجھے جو امین بنایا تو کن کن اخلاق کا امین بنایا ہے، کن کن برائیوں سے روکنے پر مجھے امین مقرر فرمایا گیا ہے۔ تفصیل سے جا کر ایک ایک پہلو پر نظر ڈالی ہے، یہاں تک کہ زندگی کا کوئی پہلو بھی باقی نہیں رہا جس پر حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اپنی امانت کا حق ادا نہ کیا ہو۔

اب جس سیکرٹری یعنی جماعت کے سیکرٹری کو اپنے شعبے کا ہی پتا نہ ہو۔ یہ ہے کس بلا کا نام ہے مجھے کیا کیا کرنا چاہئے، وہ کیسے امین بن سکتا ہے، کیسے امانت کا حق ادا کر سکتا ہے، تصنیف کی بات ہو رہی تھی تو تصنیف کے سلسلے میں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس ملک میں کیا کیا علمی تحریکات ایسی چل رہی ہیں، کیا کیا ایسے علمی رجحانات ہیں جن کا اسلام کی سچائی سے منفی یا مثبت تعلق باندھا جا سکتا

ہے۔ بعض اسلام کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، بعض ایسی نئی ایجادات ہیں، بعض ایسے نئے علمی رجحانات ہیں، بعض ایسے انکشافات ہیں جو اسلام کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں، اُس وقت سیکرٹری کا کام ہے، وہ کمیٹیاں مقرر کرے، نوجوانوں کو اکٹھا کرے، اُن کے سپرد کرے کہ دیکھو فلاں اخبار میں یہ بات آئی تھی ہمیں اس کی پیروی کرنی چاہئے، کھوج لگا کر آخر تک پہنچنا چاہئے، اس کے تمام پہلوؤں کے اوپر ہمیں حاوی ہو جانا چاہئے۔ اس سلسلے میں بھی میں انگلستان کی مثال پیش کرتا ہوں۔ خدا کے فضل سے اس جماعت نے ہر پہلو سے نہ صرف بڑی بڑی ظاہر باتوں میں ترقی کی ہے بلکہ باریک پہلوؤں میں ترقی کی ہے۔ اب تصنیف کا معاملہ ہے مثلاً اس سلسلے میں میں نے صدر مجلس خدام الاحمدیہ کو بلا کر سمجھایا کہ دیکھیں آپ نوجوانوں کی ٹیمیں بنائیں میں آپ کو کام دیتا ہوں اُن کے سپرد کریں مثلاً Dead Sea Scrolls ہیں۔ اُن کے متعلق بہت تحقیق ہونے والی ہے اور ہم عموماً غیروں کی تحقیقات کا ماحصل سن کر اُسی پر بس کر جاتے ہیں۔ حالانکہ اکثر غیر جن مشاہدات پر اپنے نظریات کی بنیاد رکھتے ہیں اُن مشاہدات کے تمام اشاروں کو قبول نہیں کرتے بعض ایسے ہیں جو خدا کے حق میں اشارے ہو رہے ہیں مگر وہ اُن کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جہاں خدا کے خلاف کوئی اشارہ ہوتا ہوا دکھائی دے اُس کو اچھالتے ہیں۔ بعض اسلام کے حق میں ہونے والے اشاروں سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اسلام کے خلاف کوئی دور کا اشارہ بھی دکھائی دے تو اُس کو نکالتے اور اچھالتے ہیں۔ اُن کو میں نے سمجھایا کہ احمدی نوجوانوں کو یہ عادت ڈالیں، ٹیمیں بنائیں کہ وہ مل جل کر ان تمام علمی رجحانات پر نظر رکھیں جہاں کوئی خبر آئے وہاں ایک ٹیم بن جائے اور وہ اُس خبر کو کھوج نکالے آخر تک پہنچے ہیں۔ وہ حقائق معلوم کریں اگر وہ زبان مختلف ہے تو وہ زبان سیکھنے کے لئے بعض لوگوں کو لگائیں، اسی طرح بہت سے پروگرام ان کے سپرد کئے اور میں پورے اطمینان کے ساتھ بتاتا ہوں کہ صدر مجلس خدام الاحمدیہ نے بھی امانت کا خوب حق ادا کیا اور جتنے نوجوان اُن کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہوئے اُنہوں نے بھی خوب حق ادا کیا دل کی گہرائیوں تک میں اُن کے کاموں سے راضی ہوا وہ آتے ہیں ٹیمیں بنا کر مجھ سے ملتے ہیں، بتاتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا کھوج نکالے، کیا کیا کن کن کتب کا مطالعہ کیا، اب ہم مزید کیا کام کر رہے ہیں، کن کن پروفیسروں سے رابطے کئے ہیں، کن کن ماہرین آثارِ قدیمہ سے تعلق بڑھائے ہیں، غرضیکہ پورا علم کا جہان ہے جو نیا جہان کھلتا چلا

جا رہا ہے آئندہ جماعت کے استعمال کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ بہت عمدہ مواد ہاتھ آئے گا۔ اب تک ہم یہی کرتے رہے ہیں کہ جہاں کسی نے اتفاق سے ہماری تائید میں کوئی بات لکھ دی تو اُسے قبول کرلیا اور اُن رستوں میں داخل ہو کر یہ دیکھا ہی نہیں کہ جن رستوں میں اُن کو ہماری تائید کا کوئی ہیرا ہاتھ آیا تھا۔ بہت سے ایسے مضامین ہیں یعنی تائیدی شواہد جو مختلف جگہوں پر دفن ہوئے پڑے ہیں۔ ہمیں کھوج لگانا ہوگا۔ پس سیکرٹری تصنیف کا یہ کام ہے اس طرح کھوج لگائے۔ اسی ضمن میں میں نے امریکہ کو بھی ہدایت دی کہ آپ وہاں کچھ رابطہ قائم کریں۔ امیر صاحب نے جن لوگوں کے سپرد کئے اُن کی رپورٹیں ملی ہیں اللہ کے فضل سے اُنہوں نے بھی اچھا کام کیا ہے مگر ساری دنیا میں مقامی ملکی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور بین الاقوامی اسلامی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کی ٹیمیں بنانی ہوں گی۔

اب چونکہ وقت ختم ہو رہا ہے۔ مضمون لمبا ہے میں انشاء اللہ باقی باتیں آئندہ جمعہ میں پیش کروں گا۔ پاکستان سے مجھے ایک خط ملا تھا کہ خطبات کا سلسلہ جاری ہوگیا ہے اور بڑی عمدہ آواز اور عمدہ تصویریں پہنچ رہی ہیں لیکن آپ جب وقت ختم ہونے کے بعد یعنی اڑھائی بجے کے بعد کچھ دیر باتیں کرتے ہیں ہمارا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور محرومی کا احساس ہوتا ہے اس لئے آپ وقت کا بھی خیال رکھیں پہلے شروع کر دیا کریں اگر مضمون لمبا ہو۔ بات یہ ہے کہ مضمون سارے بڑے لمبے ہیں اس لئے پہلے شروع کروں گا تو پھر بھی یہی مشکل پیش آئے گی۔ وقت پر شروع کرنے دیں اور وقت پر ختم کرنے دیں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اجودھیا اور بابری مسجد کے مسمار کرنے پر مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے تھا؟ احمدیہ مساجد کو مسمار کرنے سے خدا کی تائید اٹھ گئی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍دسمبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ:۱۱۶-۱۱۵)

پھر فرمایا:۔

یہ دور عالم اسلام کے لئے بہت ہی دردناک دور ہے اور مسلمانوں پر بہت کڑے دن گزر رہے ہیں۔ لمبا عرصہ ہو گیا کہ مصیبتوں اور ابتلاؤں کا جو ایک سلسلہ جاری ہوا ہے وہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ ایک ابتلاء کے بعد دوسرا ابتلاء سر اُٹھا لیتا ہے ان تمام ابتلاؤں میں اور ان آزمائشوں میں یقیناً خدا تعالیٰ کا کوئی پیغام ہے جسے سُننے سے بعض کان بہرے ہیں اور جسے پڑھنے سے بعض آنکھیں اندھی ہیں اور اس لائق نہیں کہ تقدیر کی تحریریں پڑھ سکیں کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو

ایسے ابتلاء میں ڈالے جس ابتلاء کے نتیجہ میں دنیا سے ان کی ساکھ اُٹھتی چلی جائے دن بدن مظالم کا نشانہ بنتے چلے جائیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہ ہو۔

قرآن کریم نے دو قسم کے ابتلاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ایک وہ ابتلاء ہے جو ابتلاء حسنہ ہے احسن ابتلاء یعنی اچھا ابتلاء۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اچھے ابتلاؤں میں ڈالتا ہے۔ اچھے ابتلاء کی تعریف یہ ہے کہ جب مومن اچھے ابتلاؤں سے گزرتا ہے تو پہلے سے زیادہ صحت مند ہو کر گزرتا ہے اس کے بہت سے بوجھ اُتر چکے ہوتے ہیں،اس میں توانائی کی نئی قوتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ وہ اس پہلو سے بھی نشو ونما دکھاتا ہے جس پہلو سے وہ پہلے نشو ونما سے عاری ہو چکا تھا۔غرضیکہ نئی نامیاتی طاقتیں اس کے اندر پیدا ہوتی ہیں وہ بڑھنے کی نئی قوتوں سے آشنا ہو جاتا ہے تو ہر اس ابتلا کے بعد جو احسن ابتلا کہلا سکتا ہے آپ دیکھیں گے کہ ہمیشہ الٰہی جماعتیں پہلے سے بہت زیادہ بڑھتی اور بڑھنے کی نئی نئی صلاحیتیں حاصل کرتی ہیں۔صرف پہلی صلاحیتوں کو ہی نمو نہیں ملتی بلکہ نئے نئے مواقع ان کو میسر آتے ہیں نئی صلاحیتیں پیدا ہوتی چلی جاتی اور ایک ابتلاء ہے جس میں کافر کو مبتلا کیا جاتا ہے۔اس ابتلا کے نقشے قرآن کریم نے جابجا کھینچے ہیں اور ان سے پتا چلتا ہے کہ یہ ابتلا ان لوگوں کے چہروں کی رونقیں چھین لیتے ہیں جن پر یہ ابتلا وارد ہوتے ہیں۔بعض اوقات اُن کو بھوک کے اور تنگی کے اور فلاکت کے لباس پہنائے جاتے ہیں بعض دفعہ وہ اپنے مظالم کی چکی میں پیسے جاتے ہیں اور کوئی ان کا مددگار نہیں ہوتا۔دن بدن اُن کی طاقت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے اُن کا رعب باطل ہوتا چلا جاتا ہے۔

یہ ابتلا ضروری نہیں کہ صرف کافروں کے لئے ہوں بلکہ بعض دفعہ یہ تنبیہ کے ابتلاء بھی ہوتے ہیں۔ایک انتباہ ہے اور خدا کی انگلی کا ایک اشارہ ہے کہ دیکھو تمہاری آخری منزل یہ ہے اگر تم نہیں سنبھلو گے اپنے اخلاق درست نہیں کرو گے ان ہدایات پر عمل پیرا نہیں ہو گے جو میں نے تمہیں دی ہیں تو اس بدانجام کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اس معاملہ پر غور کرتے ہوئے مجھے سمجھ آئی کہ قرآن کریم کا ہر ابتلا دراصل ان معنوں میں فائدے کا ہی ابتلا ہے کہ اس ابتلاء میں تنبیہ پائی جاتی ہے۔مومن کے ابتلا میں دوسرے مومن کے لئے ایک نصیحت ہے کہ خدا کی خاطر تنگ ہونے والے دقتیں اُٹھانے والے کبھی ضائع نہیں جاتے

وہ ہمیشہ پہلے سے بڑھ کر ترقی کرتے ہیں۔ ہر دُکھ کے پیچھے خوشیاں ان کا انتظار کرتی ہیں اور باقی مومن جب اس ابتلاء کو دیکھتے ہیں تو ان کے حوصلے بڑھتے ہیں، وہ پہلے سے بڑھ کر اپنے آپ کو ابتلاء کے لئے تیار ہی نہیں بلکہ آمادہ پاتے ہیں اور کافروں کو بھی جو ابتلاء ملتے ہیں اور جو بعض دفعہ ان کو بالآخر صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں بعض دفعہ بہت بد حال میں چھوڑ دیتے ہیں۔ان کے اندر بھی خیر کا پہلو ضرور ہے اور قرآن کریم نے اس خیر کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم بار بار یہ اس لئے کرتے ہیں کہ شاید ان میں سے کوئی صاحب عقل ایسے ہوں جن کو بات سمجھ آجائے ،شاید کچھ خوابیدہ لوگ بیدار ہو جائیں اور ساری قوم کو نہ سہی کچھ کو تو یہ ابتلاء فائدہ پہنچا دیں اور بھٹکے ہوؤں کو خدا کے رستے پر واپس لے آئیں اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے ابتلاؤں میں محض شر ہی نہیں جو کافروں کے لئے مقدر ہو، خیر کے پہلو بھی ہیں اور بہت سے ہیں (اگر چہ بہت زیادہ نہیں) جو ان ابتلاؤں سے فائدہ اُٹھا کر نصیحت پکڑتے ہیں اور سچائی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔تو یہ دراصل درجے ہیں اگر ان الٰہی جماعتوں کو ابتلاء پیش ہوں جو بنیادی طور پر سچی ہیں لیکن فاسق ہو چکی ہیں اور خدا کے رستے سے ہٹ چکی ہیں تو ان ابتلاؤں میں سزا کا پہلو زیادہ دکھائی دیتا ہے اور نشو ونما کا کم دکھائی دیتا ہے لیکن تنبیہ کا پہلو بہر حال موجود ہے، نصیحت کا پہلو موجود ہے وہ لوگ جو خدا سے تعلق کاٹ لیتے ہیں ان کے ابتلاء میں سزا کا پہلو بہت نمایاں ہوتا ہے اور نصیحت کا پہلو کم دکھائی دیتا ہے اور وہ لوگ جو خدا کے خاص بندے ہیں خدا کی پیاری قومیں ہیں ان پر جب ابتلاء آتے ہیں تو ان میں خیر کا پہلو نمایاں ہوتا ہے لیکن کچھ شر کا پہلو بھی موجود رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ جب حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے غلاموں پر جب ابتلاء کے دور آئے تو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی بہت بڑی تعداد ایسی تھی جو ثابت قدم رہے اور پہلے سے بڑھ کر بہتر حال میں وہ ابتلاؤں سے باہر نکلے اور سر تا پا خدا کی رضا پر ابتلاؤں کے دوران بھی راضی رہے لیکن کچھ کمزور ایسے تھے جو اس ابتلاء کو برداشت نہ کر کے سوکھے ہوئے پتوں کی طرح جھڑ گئے اور وہ ہمیشہ کے لئے ایمان بھی کھو بیٹھے، دنیا بھی جاتی رہی اور آخرت بھی جاتی رہی۔

جب آپ ابتلاء کے مضمون پر اس طرح غور کریں تو درحقیقت معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز ہے جو مختلف رستوں سے گزرتے ہوئے مختلف کیفیت اختیار کرتی چلی جاتی ہے اور درجے قائم ہوتے چلے جاتے ہیں۔پس ابتلاء کی بنیاد وہی ہے کہ خدا کی رحمت ہے جو ابتلاء لے کر آتی ہے اس رحمت

سے فائدہ اٹھانے والے اولین بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور کم ہیں جو نقصان اٹھاتے ہیں پھر وہ لوگ آ جاتے ہیں ان لوگوں کی منزل آتی ہے کہ جب ابتلاء ان کے دور سے گزرتا ہے تو وہ نیم دروں نیم بروں والی کیفیت کے لوگ ہیں۔ دین سے تعلق بھی ہے اور پھر دوری بھی ہے۔ خدا کو مانتے بھی ہیں اور فسق و فجور بھی ہے ایسے لوگوں کے لئے یہ ابتلاء بہت بڑی نصیحت کا پیغام لاتے ہیں اور بسا اوقات یہ سوئے ہوئے بیدار ہو جاتے ہیں پھر سچائی کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ابتلاء کا تیسرا درجہ وہ ہے جو مقاصد تو یہی رکھتا ہے لیکن ایسے بدنصیبوں پر آتا ہے جن کو ابتلاؤں سے فائدہ اُٹھانے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ اتنے ٹیڑھے ہو چکے ہیں اتنے بد ہو جاتے ہیں اپنے دلوں میں اپنے دماغوں میں کہ پھر ابتلاء اکثر اوقات اُن کے لئے ہلاکت کے مناظر پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ شاذ ہی ہیں وہ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے جو نصیحت پکڑتے ہیں۔

اس اصولی تعلیم کو اور خدا کی اس تقدیر کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم مسلمانوں کے ابتلاؤں کی موجودہ حالت پر غور کرتے ہیں تو یقیناً خدا کی کسی ناراضگی کا ہاتھ تو صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہ ویسا ابتلاء تو بہر حال نہیں یا ویسے ابتلاؤں کا دور تو بہر حال نہیں جو اولین کی تاریخ میں ہم نے دیکھا۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپ ؐ کے غلاموں پر ابتلاؤں کے جو دور آئے تھے ان کی صورتیں تو ان ابتلاؤں سے بالکل مختلف تھیں۔ سرسری نظر سے دیکھو تو کوئی بھی قدر مشترک دکھائی نہیں دیتی، غور سے دیکھو تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی خیر کا ہاتھ ان ابتلاؤں میں بھی کارفرما ہے لیکن فائدہ اُٹھانے والے کم ہیں انہوں نے خیر کے پہلو کو ڈھانپ لیا ہے اور وہ دکھائی نہیں دیتا کیونکہ بدوں نے اپنی بدی کے نتیجہ میں خیر کے پہلو کو دھندلا دیا ہے اور گدلا کر دیا ہے۔ یہ وہ صورت ہے جو آج ظاہر ہو رہی ہے ورنہ ناممکن ہے کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی قوم ایسے مصائب کا شکار ہوتی۔

اب اجودھیا کی مسجد سے متعلق کچھ عرصے سے جو خبریں آ رہی ہیں اُن کے نتیجہ میں دنیا کے کسی کونے میں کسی فرقے سے تعلق رکھنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو ہر ایک کا دل خون ہے لیکن سوال یہ ہے کہ خدا کی مدد کیوں نہیں آ رہی۔ کیوں اللہ تعالیٰ اس ابتلاء کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ساکھ کمزور ہونے دے رہا ہے اور دنیا کے سامنے ان کو بالکل بے بس اور نہتا کر کے دکھا رہا ہے۔ اس بات پر غور کرتے ہوئے آپ کو سچائی کے ساتھ، تقویٰ کے ساتھ صورت حال کا تجزیہ کرنا ہوگا۔

جہاں تک بابری مسجد کے منہدم کرنے کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کے گھر کو منہدم کر کے شرک کی آماجگاہ بنا دینا ایک بہت بڑا ظلم ہے لیکن خدا کی تقدیر بعض دفع اس ظلم کو اس لئے ہونے دیتی ہے اور برداشت کرتی ہے کہ اس دور کے لوگ اس بات کے اہل نہیں کہ خدا کی تقدیر ان کے حق میں اُٹھ کھڑی ہو اور ان کے حق میں غیر معمولی کرشمے دکھائے خدا کی عبادت کا سب سے معزز گھر وہ ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے از سر نو اپنے ہاتھوں سے کھڑا کیا اور دوبارہ اس کو ایک عبادت گاہ کی صورت میں اپنی محنت سے از سر نو مکمل کیا یعنی تھا تو پہلے ہی لیکن منہدم ہو چکا تھا، گر گیا تھا، تعمیر نو چاہتا تھا۔ پس وہ تعمیر نو خدا کے ایک برگزیدہ نبی اور اس کے ایک برگزیدہ نبی و بیٹے نے مل کر کی تھی۔ وہ توحید کا مرکز تھا اور اس غرض سے قائم کیا گیا کہ تمام دنیا کو توحید کا پیغام پہنچائے لیکن آپ جانتے ہیں کہ کتنے سو سال تک وہ شرک کی آماجگاہ بنا رہا، کتنے بت تھے جو اس میں رکھے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر دن کے لئے ایک الگ بُت وہاں نصب کیا گیا تھا یعنی سال میں جتنے دن ہیں اتنے ہی انواع و اقسام کے بت وہاں گاڑ دیئے گئے تھے اور توحید کا مرکز شرک کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا گیا تھا اور اس بات پر سینکڑوں سال گزر گئے اور بظاہر خدا کی غیرت جوش میں نہیں آئی اور بظاہر کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دیتی جس کے نتیجہ میں ہم سمجھتے ہوں کہ خدا تعالیٰ نے دوبارہ خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کے اس گھر کو عبادت کرنے والوں کے سپرد کر دیا ہو اور بتوں کو باہر نکال پھینکا ہو۔ آگے بڑھتے ہیں تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا انقلاب آفریں دور آتا ہے جو قرآن کی اصطلاح میں ساعۃ تھی، ایک قیامت تھی جو برپا ہوگئی صدیوں کے مردے زندہ کئے گئے، بہت تھے جو موت کے چنگل میں تھے ان کو موت کے چنگل سے رہائی بخشی گئی ایک عظیم روحانی انقلاب برپا ہوا۔ جب مؤحد پیدا ہوئے تو باوجود اس کے کہ مشرکین کو غیر معمولی طاقت حاصل تھی اور غیر معمولی غلبہ نصیب تھا ان کی طاقت اور غلبوں کے جال توڑ دیئے گئے ان کا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا گیا اور اس گھر کو جو خدا کی وحدت کا، خدا کی توحید کا گھر تھا توحید کا عالمی نشان تھا خدا کی عبادت کی خاطر قائم کیا گیا تھا ان بندوں کے سپرد کیا گیا جو مؤحد بندے تھے، جو توحید کا حق ادا کرنا جانتے تھے، جو عبادت کی خاطر پیدا کئے گئے تھے اور عبادت کی خاطر محمد رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی پرورش فرمائی، خود ان کو تربیت دی۔ پس جب وہ مؤحدین دنیا میں آگئے جو اس گھر کے لائق تھے تو اس گھر کو غیر اللہ سے آزاد کرا دیا

گیا۔اس میں بہت گہرا سبق ہے۔سبق اس میں یہ ہے کہ ظاہری چیزوں کا ایک مرتبہ اور مقام اس لئے بنتا ہے کہ کچھ نیک لوگ ان سے وابستہ ہوتے ہیں، کچھ پاک بندے ان سے وابستہ ہوتے ہیں تو وہ جگہیں مقدس کہلاتی ہیں، کچھ بد اور گندے لوگ ان سے وابستہ ہوتے ہیں تو وہ چیزیں پلید کہلاتی ہیں۔تو ظاہری اینٹ پتھر اور مقام میں کوئی حقیقت نہ کوئی تقدس ہے، نہ کوئی اس میں ذلت ہے نہ کوئی تذلیل ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ پاکیزگی اور خبائث یہ دو چیزیں انسانوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔انہی کے دلوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جب تک پاک دل پیدا نہ ہوں ان ظاہری مقامات کا تقدس ان کو لوٹایا نہیں جاتا اور اس عرصے میں ان مقامات پر جو کچھ بھی ہو خدا غیور ہے اور مستغنی ہے۔غیور اور مستغنی دو صفات مل کر جو جلوہ دکھاتی ہیں اس سے پتا چلتا ہے کہ خدا ان باتوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا وہ توحید کی غیرت رکھتا ہے لیکن توحید کی غیرت رکھنے والے جب تک دنیا میں پیدا نہ ہوں اس وقت تک مقام توحید ان کی طرف واپس نہیں لوٹایا جاتا۔پس خدا صبر کرنے والا بھی ہے، خدا نے اپنے سب سے مقدس گھر کو کتنا عرصہ شیطان کے ہاتھ میں رسوا ہوتے ہوئے دیکھا لیکن کوئی پرواہ نہیں کی لیکن جب محمد رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے ساتھی پیدا ہوئے تو کس شان کے ساتھ غیر اللہ کو اُٹھا کر باہر پھینک دیا اور شیطان اور اس کے ساتھیوں کا کچھ بھی وہاں نہیں چھوڑا۔

یہی مضمون ہے جو دوسرے بیت المقدس کے متعلق بھی اسی طرح صادق آتا ہے۔وہ بیت المقدس جو فلسطین میں واقع ہے اور جو خانہ کعبہ کے بعد دوسرا ایسا مقام ہے جو عبادت کرنے والوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ عزیز ہے اس کے متعلق بھی قرآن کریم کی یہی پیشگوئی ہے کہ ہم نے یہ لکھ چھوڑا ہے کہ ہم یہ گھر اپنے عبادت کرنے والوں کو واپس کریں گے۔جب تک **عباداللہ المخلصین** پیدا نہیں ہوں گے اس وقت تک خدا کو کچھ پرواہ بھی نہیں ہے کہ یہ کن لوگوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے تو دیکھئے ایک ہی خدا ہے، اس کا ایک ہی کلام یعنی قرآن کریم ہے، اس کی مختلف آیات، مختلف مواقع پر نازل ہوتی ہیں اور بظاہر مختلف مضامین سے تعلق رکھتی ہیں لیکن بنیادی طور پر بظاہر کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں اور ایک ہی اصول پر مبنی ہیں اور ایک ہی اصول کے متعلق بنی نوع انسان کو پیغام دے رہی ہیں، مختلف جہتوں سے وہ پیغام آرہے ہیں مگر پیغام فی ذاتہٖ ایک ہی ہیں، عبادت کرنے والے پیدا ہوں گے تو ممکن نہیں ہے کہ غیر اللہ کا مساجد پر قبضہ رہے، عبادتگاہوں پر

قبضہ رہے اگر سچی عبادت کرنے والے نہیں ہونگے یا خدا سے تعلق بگڑ چکے ہوں گے تو پھر خدا کی غیرت کوئی جوش نہیں دکھائے گی۔

اس کی طرف عالم اسلام کو توجہ کرنی چاہئے اور فکر کرنی چاہئے اپنے ردعمل کا جائزہ لینا چاہئے۔ معلوم کرنا چاہئے کہ کس حد تک انہوں نے خدا کی خاطر ایسا کیا، کس حد تک قومی دشمنیوں اور دیرینہ عداوتوں کے نتیجہ میں ایسا کیا گیا اگر خدا کے گھر کی محبت کے نتیجہ میں کوئی ردعمل دکھایا جائے اور ردعمل دکھانے والا مخلص ہو اور واقعۃً خدا کی محبت میں سرشار ہو تو خدا کی تقدیر اس کی حمایت میں ضرور کھڑی ہوگی ناممکن ہے کہ اسے پشت پناہی کے بغیر خالی چھوڑ دیا جائے۔ اس وقت جو نظارہ دکھائی دے رہا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے مسلمانوں کا کوئی یار و مددگار نہیں رہا حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ غیروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے لیکن مومنین کا مولیٰ ہے۔ جو خدا کے ہیں ان کا ایک والی، ان کا ایک مددگار، ان کا ایک نصیر موجود ہے۔ بے سہارا لوگوں کے حالات اور ہوا کرتے ہیں۔ سہارے والوں کے اور ہوا کرتے ہیں اور جن کی پشت پر خدا کھڑا ہو کیسے ممکن ہے کہ ان کے حالات بے سہاروں والے ہو جائیں۔ پس بنیادی فکر کا پیغام یہ ہے کہ کیا ہماری پشت پر خدا نہیں رہا یعنی عالم اسلام کو اس بات پر غور کرنا چاہئے اگر نہیں رہا تو کیوں نہیں رہا وہ تو بے وفائی کرنے والا خدا نہیں ہے۔ یقیناً ہم نے بے وفائی کی ہے۔

پس مرض کو پکڑے بغیر ہرگز آپ کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔ مرض کہیں اور واقع ہے علاج کہیں اور ہو رہا ہے۔ ردعمل خالصۃً خدا کی خاطر نہیں ہے۔ اگر ردعمل خدا کی خاطر ہوتے تو ہندوستان میں اگر مسلمانوں کو آگ میں زندہ جلایا گیا تو پاکستان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا کہ کسی ہندو کو زندہ آگ میں جلایا جاتا۔ جو بدنمونے ان لوگوں نے دکھائے اسلام کی تعلیم مسلمانوں کو اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ وہ بدنمونے تم اپنی جگہ دکھاؤ۔ قرآن کریم کی تعلیم بالکل واضح اور کھلی کھلی ہے اور انصاف پر مبنی ایسی عظیم الشان تعلیم ہے کہ اس کی کوئی مثال دنیا کی کسی اور کتاب میں دکھائی نہیں دیتی۔ انتقام کی اجازت ہے مگر ان لوگوں سے جن لوگوں نے وہ جرم کیا ہو۔ وہ لوگ جو اس جرم میں ملوث نہیں ہیں ان سے ظالموں کے ظلم کا انتقام لینا ایک نیا ظلم ہے، اسے انتقامی کارروائی نہیں کہا جاتا۔ پس اگر کوئی کسی مسلمان کو آگ میں ڈالتا ہے یا ہندو یا سکھ یا عیسائی کو آگ میں ڈالتا ہے

تو اس حد تک اس سے انتقام لینا جائز ہے کہ اس ظالم کو پکڑ کر آگ میں پھینکا جائے اور اسی طرح اس کو موت کی سزا دی جائے جس طرح اس نے ایک مظلوم انسان کو ناحق موت کے منہ میں جھونکا تھا لیکن اس کی جگہ کسی اَور مقام پر کسی اور معصوم کو پکڑ کر اس سے وہی سلوک کیا جائے یہ تو کسی قیمت پر کسی پہلو سے بھی جائز فعل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قرآن اس کی مذمّت فرماتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ اس کی مذمت فرماتا ہے۔ کبھی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک ظالم اور خبیث کا بدلہ کسی اور معصوم سے نہیں لیا۔

پھر عالم اسلام تو عبادت گاہوں کے تقدس کی حفاظت کرتا ہے، ظلم کی حد ہے کہ ایک جگہ اگر بعض مساجد جلائی گئیں تو دوسری جگہ ان کی عبادتگاہیں مسمار کر دی گئیں اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن پر ایک یا دو مسجدیں منہدم ہوئی تھیں ہندوستان میں جب مسلمانوں نے مندر جلانے کا ردعمل دکھایا تو بیسیوں اور مساجد اس کے نتیجہ میں منہدم کر دی گئیں۔ یہ ایک موٹی عقل سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ انسان صورت حال کا جائزہ لے کر ایسا انتقام نہ لے جس سے اس کے مظلوم بھائی اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جائیں۔ جس گھر کے تقدس کی خاطر یعنی خدا کے گھر کے تقدس کی خاطر وہ کوئی اقدام کرتا ہے تو ایسی جوابی کارروائی تو نہیں ہونی چاہئے کہ اور بھی کثرت سے خدا کے گھر منہدم کروائے جائیں۔ پس یہ ایک جاہلانہ فعل ہے اگر عالم اسلام یہ ردعمل دکھاتا کہ ان کو کہتا کہ اگر تم انسان نہیں ہو تو ہم تو انسان ہیں۔ تمہاری تربیت بتوں نے کی ہے (اگر کوئی بت ہیں) لیکن ہماری خدائے واحد لاشریک نے تربیت کی ہے، ہماری محمد رسول اللہ ﷺ نے تربیت کی ہے، ہم ان بدبختیوں میں مبتلا نہیں ہو سکتے جن میں تم ہو رہے ہو۔ اگر خدا ہمیں طاقت دے تو ہم ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لے سکتے ہیں لیکن جاہلانہ طور پر جرم کوئی اور کرے اور اس کی سزا کسی اور کو دی جائے اس کی ہمارا مذہب اجازت نہیں دیتا۔ اگر یہ اقدام کرتے اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرتے ،خواہ وہ کسی قسم کی عبادتگاہیں ہوں تو یقیناً اللہ کی نصرت ان کی تائید میں ظاہر ہوتی آج جو مظالم ہوئے ہیں ان کا عشر عشیر بھی ظاہر نہ ہوتا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جو ہندو انتہا پسند ہے اس نے عمداً اس نیت سے یہ شرارت کی تھی کہ سارے ملک میں اس طرح آگ لگ جائے مسلمانوں کا ردعمل ہو پھر ہم ہندوؤں کو اور بھڑکائیں اور

پھر وہ حالات پیدا کر دیں کہ جس طرح ہمارا دعویٰ ہے ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نعرہ لے کر ہم اس آگ کو پھیلاتے رہیں اور بھڑکاتے رہیں اور مسلمان مظلوموں کو اس میں جھونکتے رہیں۔ یہ ان کا کھلا کھلا دعویٰ تھا آج بھی ہے اور خدا کی تقدیر جب تک اس کو سزا نہیں دیتی کل بھی یہی رہے گا۔ اس دعویٰ کی تائید میں باہر بعض ایسی ظالمانہ کارروائیاں کی گئی ہیں جو انتقامی کارروائیاں نہیں بلکہ ہندوستان کے نہتے مظلوم مسلمانوں پر مزید ظلم کرنے کے مترادف ہیں پس ان کارروائیوں میں نہ ایمان کا نور ہے نہ عقل کی روشنی ہے محض جاہلانہ کارروائیاں ہیں جنہوں نے ویسے بھی اسلام اور اسلام کی مخالفانہ طاقتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مبہم کر کے دکھا دیا ہے۔ اب خبروں والے کہتے ہیں کہ وہاں بمبئی میں اتنے بچے جلائے گئے اور کوئٹہ میں اتنے بچے جلائے گئے، ہندوستان میں اتنی مساجد منہدم کی گئیں اور پاکستان میں اتنے مندر منہدم کئے گئے۔ تعداد کا فرق رہا لیکن جرم کی نوعیت میں تو کوئی فرق نہیں غیر انسانی حرکتوں میں تو کوئی فرق نہیں رہا۔ پس وہ لوگ جنہوں نے محمد مصطفی ﷺ کے دین کو غیر اللہ کے دین سے اس طرح متشابہ کر کے دکھایا ہے انہوں نے بڑا بھاری ظلم کیا ہے۔ اگر وہ سچے استغفار سے کام نہ لیں اور توبہ نہ کریں تو خدا کی تائید تو در کنار ان کو یہ خوف دامن گیر ہونا چاہئے کہ خدا کی مزید پکڑ کے نیچے نہ آ جائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے پاک بندوں کی تائید کرتا ہے اور ضرور کرتا ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب کے مشرکین کے مقابل پر عددی لحاظ سے اس سے کم حیثیت تھی جتنی آج ہندوستان کے مسلمانوں کو وہاں کے مشرکین کے مقابل پر حیثیت ہے۔ نسبتی لحاظ سے آپ دیکھیں گنتی کے جتنے چند مسلمان مدینہ میں تھے یا چند بستیوں میں اکّا دکّا موجود تھے ان کے مقابل پر سارا مشرک عرب کتنی بھاری طاقت تھی یہ اتنی بھاری طاقت تھی کہ حقیقت میں اس کی ایک اور سو کی جتنی نسبت نہیں تھی یعنی اگر مسلمان کی ایک طاقت تھی تو اس کے مقابل پر سو یا اس سے زیادہ کی طاقت عرب مشرکین کے پاس تھی لیکن دیکھیں خدا کی تقدیر نے نتائج کیا ظاہر کئے ہیں اس ایک کو سو کے برابر طاقتور کر دیا اور ان سو کی طاقت چھین کر ایک کے برابر بھی نہ رہنے دی۔ یہ نصرت الٰہی کا ہاتھ ہے۔ یہ اگر اسلام کی تائید میں عرب میں اُٹھ سکتا تھا اور چل سکتا تھا تو کیوں ہندوستان میں نہیں اُٹھ سکتا اور نہیں چل سکتا۔ کون ہے جو خدا کے ہاتھ کو روک سکے؟ لیکن اپنی ادائیں ان لوگوں والی بنائیں جو محمد رسول اللہ ﷺ اور ان

کے ساتھی ہیں، ویسے دل پیدا کریں، ویسے حوصلے پیدا کریں، ویسے دماغ پیدا کریں پھر دیکھیں کہ خدا کی تائید آپ کے لئے کیسے کیسے کرشمے دکھاتی ہے۔ پس ظلم کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک بہت اچھا موقع تھا جو ان کے بدنصیب راہنماؤں نے ہاتھ سے جانے دیا اور اس ابتلاء سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اُمّت کو مزید نقصان میں جھونک دیا ہے۔

ہندوستان میں اب مظالم کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس سلسلے کی باہر کے ردعمل کی وجہ سے تائید کی گئی ہے لیکن عرب علماء نسبتاً زیادہ ہوشمند ہیں۔ عرب حکومتیں نسبتاً زیادہ عقل رکھتی ہیں۔ گلف کے علاقے میں اور دوسرے عرب علاقوں میں بکثرت ہندوٴ تاجر اور مزدور موجود ہیں وہاں کی حکومتوں نے سختی سے اس بات کی نگرانی کی ہے کہ نہ کوئی مندر جلایا جائے نہ ان میں سے کسی کو مارا جائے اور جہاں تک پاکستانی ملاؤں نے جوش دلانے کی کوشش کی ہے وہاں حکومت نے سختی سے ان کو پیغام دیا ہے کہ خبردار جو تم نے انگلی اُٹھائی۔ ہم یہ بیہودہ حرکتیں اپنے ملک میں نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بھی خدا ہی جانتا ہے کہ نیتیں کیا تھیں۔ کیوں ایسا کیا گیا؟ کیا ان کو اپنے اقتصادی تعلقات پیارے تھے؟ کیا سستی مزدوری کے علاقے سے جو تعلق قائم ہو چکا تھا اس کو خراب نہیں کرنا چاہتے تھے یا کوئی اور وجہ تھی لیکن فیصلہ بہر حال عقل پر مبنی ہے اگر دل پاکیزہ تھے اگر اسلامی تعلیم کی خاطر ایسا کیا گیا ہے تو پھر یہ فیصلہ نہ صرف عقل کی روشنی رکھتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی روشنی بھی رکھتا ہے اور خدا کرے کہ ایسا ہو لیکن پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ عقل نہیں آئی۔ یہ وہ بدنصیب قیادت ہے جس نے عالم اسلام کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔

میں نے دیانت اور خیانت کا جو مضمون شروع کیا تھا۔ اس میں بتایا تھا کہ دیکھیں آنحضرتؐ نے سب سے زیادہ بدنصیب خیانت کرنے والا وہ قرار دیا ہے جو قوم کا امیر بنایا جائے سردار مقرر کیا جائے اور پھر خیانت کرے۔ یہ اس کی مثال ہے اور کتنی قبیح اور کتنی دردناک مثال ہے۔ مسلمان راہنماؤں نے اگر ہندوستان اور پاکستان میں محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے روشنی حاصل کر کے اقدام کئے ہوتے تو بالکل مختلف اقدام ہوتے اور ان اقدامات کی روشنی میں اگر یہ دردناک حالات پیدا ہوتے بھی تو آگے نہ بڑھ سکتے لیکن اب یہ سلسلے آگے بڑھنے والے نظر آتے ہیں اور آگے بڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مسلمانوں پر اتنے دردناک مظالم ہو رہے ہیں کہ مجھے وہاں کی

جماعتوں کے احباب کی طرف سے جو خطوط ملتے ہیں ان کو پڑھ کر پتا چلتا ہے کہ اخبارات میں تو کچھ بھی نہیں جن لوگوں نے آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے، بہت ہی دردناک حالات لکھے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکنے والے نہیں ہیں۔ یہ آگے بڑھیں گے اور اس میں گہری سازشیں ہیں لیکن باوجود اس کے کہ یہ لوگ مشرک ہیں، باوجود اس کے کہ فی الحقیقت اسلام سے دشمنی رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ پاکستان سے ایک روائتی دشمنی چلی آ رہی ہے جو اس مذہبی دشمنی پر مستزاد ہے لیکن پھر بھی ان کی حکومتوں کو ان کے سربراہوں کو اتنی عقل ضرور ہے کہ دنیا کو منہ دکھانے کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش کریں وہ اپنے عیوب کو، اپنی غلطیوں کو اس طرح ڈھانپ کر آگے بڑھتے ہیں کہ دیکھنے والے کو بتا سکیں کہ ہاں یہ بدیاں تو ہیں لیکن ہمارے اختیار سے باہر تھیں۔ ہم اس کی تائید میں نہیں چنانچہ مبصرین نے اس وقت تک جو بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجودھیا کی مسجد کے سلسلہ میں مرکزی حکومت نے آنکھیں بند کیں اور یہ واقعہ ہونے دیا اور یوپی کی حکومت پوری طرح اس میں ملوث تھی لیکن مرکزی حکومت نے اس کی مذمت ضرور کی ہے اور واقعہ ہونے کے معاً بعد اس حکومت کو برطرف کر دیا یہ بھی کوئی مذہبی کارروائی نہیں تھی، کسی نیکی پر مبنی نہیں تھی مگر کم سے کم عقل پر مبنی ضرور تھی انہوں نے ایک قانونی سہارا لیا کہ جس صوبے میں ہمارا براہ راست عمل دخل نہیں ہے اس میں ہونے والے واقعات سے متعلق ہم متنبہ کرتے رہے ہیں اس صوبے کو اور بتاتے رہے ہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے اور جب ہوا تو اسی وقت ہم نے اس حکومت کو معطل کر دیا اور اسی وقت دوسری کارروائی شروع کر دی یعنی دنیا کو دکھانے کیلئے ایک معقول طرز عمل خواہ وہ گہرا تھا یا سطحی تھا ایسا ضرور پیش کیا گیا ہے جس سے دنیا کی جو رائے عامہ ہے اس پر اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔ گو دنیا کسی حد تک یہ کہہ سکتی ہے کہ آپ نے عمداً ایسا ہونے دیا آپ اس شرارت میں دراصل شریک ہیں اس صوبے کی حکومت سے سیاسی انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس سیاسی انتقام لینے کی خاطر آپ نے خود اس واقعہ سے آنکھیں بند رکھیں پتا تھا کہ ہوگا لیکن جان کر ہونے دیا یہ بھی کہا جا سکتا ہے لیکن کچھ کوشش تو ضرور کی ہے۔ وہاں کے اخبارات نے جو تبصرے کئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ ساری قوم میں ندامت کا ایک احساس بھی موجود ہے ایک حیا بھی ہے جس کا ذکر کیا جا رہا ہے اور بعض اخبار نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایسے داغ اب ہمارے کردار پر لگ گئے ہیں وہ خون جو اجودھیا میں اور باہر بہایا گیا اس خون نے ہمارے کردار پر ایسے دھبے لگا دیئے ہیں جو

کبھی دُھل نہیں سکتے اور وہ عمارتیں جو منہدم کی گئی ہیں ان عمارتوں نے منہدم ہو کر ہمارے قومی کردار کی تعمیر کو منہدم کر دیا ہے اور اب مشکل سے یہ تعمیر نو ہو گی۔ بڑے بڑے زبردست اور صحیح اور سچے تبصرے ان اخبارات میں آرہے ہیں اور سوائے چند ایک اخبارات کے جو انتہا پرستوں کے ہاتھ میں ہیں اکثر ہندوستانی اخبار میں ان واقعات کے خلاف بہت سخت تبصرے کئے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ایسے مواقع پر مسلمان راہنماؤں کو عقل نہیں آتی اور کھلے بندوں مساجد سے اعلان کئے جارہے ہیں کہ اُٹھو جہاد کا وقت آ گیا ہے برباد کر دو مٹا دو اور ان پر چڑھ دوڑو اور جوابی کارروائی کے لئے تیار ہو۔ دہلی کی مسجد میں جو امام لیکچر دیتا ہے یا دوسری مسجدوں میں دیتا ہے اس کو پھر یہ لوگ عالمی مواصلاتی ذرائع سے ساری دنیا کو دکھاتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دونوں طرف کی بات ہے صرف طاقتور اور کمزور کا جھگڑا ہے ورنہ تو کردار ایک ہے، نظریات ایک ہیں ایک دوسرے کے معاملات میں ردعمل ایک جیسے ہی ہیں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں صرف یہ دیکھ لو کوئی طاقت ور ہے اور اس کا زیادہ داؤ چل گیا کچھ کمزور ہیں ان کا کم داؤ چلا ہے۔ پاکستان میں کم مندر تھے اس لئے کم جلائے گئے، کم ہندو تھے اس لئے کم زندہ آگ میں پھینکے گئے۔ ہندوستان میں چونکہ یہ تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے زیادہ تعداد میں سب کچھ ظاہر ہوا لیکن افسوس، کچھ پاکستان کے اخبارات کو اس شدّت کے ساتھ اور اس جلی قلم کے ساتھ ان خوفناک مظالم کی جو پاکستان میں بھی ہندوؤں پر توڑے گئے مذمت کرنے کی ان کو توفیق نہیں ملی۔ بڑی شدّت سے ردعمل ہونا چاہئے تھا۔ مسلمان راہنماؤں کو اُٹھ کھڑے ہونا چاہئے تھا اور کہنا چاہئے تھا کہ تم نے عالم اسلام کے وقار کو ٹھیس پہنچائی ہے، تم نے قرآن کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے، ہم اپنے ملک میں ایسا نہیں ہونے دیں گے اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا میں اسلام کا تأثر بالکل اور رنگ کا ہوتا اور اسلام دشمن طاقتوں کا تأثر بالکل اور رنگ کا ہوتا لیکن اب سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح اپنے کردار کو گندہ کر دیا ہے اور یہ سب نحوست دراصل اس بات کی ہے کہ راہنماؤں میں نہ عقل کی روشنی ہے اور نہ تقویٰ کی روشنی ہے اور وہ اپنی قوم سے خیانت کر رہے ہیں، غلط مشورے دیتے ہیں، غلط راہنمائی کرتے ہیں اور جب کوئی مسئلہ ایسا پیدا ہوتا ہے کہ جب قوم کو صحیح راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے تو غلط رستے پر ڈال دیتے ہیں مسلمان پے در پے ٹھوکر کھا رہا ہے۔ اگر یہ بات غلط ہو اور وہ سچے مشورے دے رہے ہوں اور صحیح سمت پر قوم کو ڈال رہے

ہوں تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید آسمان سے ظاہر نہ ہو۔ پس جب تم غیروں کی طرف جاؤ گے تو خدا کو کیا ضرورت ہے کہ تمہاری تائید میں اعجاز دکھائے۔ آسمان سے معجزے نازل ہوں۔ یہ تو ان لوگوں کے لئے ہوتے ہیں جو اپنے کردار میں اعجاز دکھایا کرتے ہیں خارق عادت تعلق اللہ سے باندھا کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے دیکھیں کیسا پیارا اور ہمیشہ کی سچائی کا یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد:۱۲) کہ سنو خدا کبھی کسی قوم کی حالت کو تبدیل نہیں کیا کرتا جب تک وہ قوم پہلے اپنی حالت کو تبدیل نہ کرلے۔

اس مضمون کا زیادہ تعلق نعمت اور نعمت کے جاتے رہنے سے ہے کیونکہ ایک اور آیت میں اسی مضمون کو اس طرح تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو جو نعمتیں عطا کردی ہیں، ہدایت کا نور بخشا ہے اس نور کے نتیجہ میں ان کے ذہن بھی روشن ہوگئے، ان کے قلوب بھی روشن ہوگئے ان کا ماحول اللہ تعالیٰ کے نور کی رحمت اور برکت سے روشنی کے ہر پہلو میں ترقی کرتا چلا گیا یعنی دنیاوی پہلو سے بھی وہ روشن ہوگئے اور دینی پہلو سے بھی روشن کئے گئے اور روحانی پہلو سے بھی روشن کئے گئے۔ یہ وہ نعمت ہے جو آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک اس نعمت کے قدردان لوگ رہتے ہیں اس وقت تک خدا کبھی اس نعمت کو واپس نہیں کھینچتا اور ان عزتوں کو ذلتوں میں تبدیل نہیں کیا کرتا ہاں جب قوم اپنے کردار بدلتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی اپنا اسلوب بدل لیتی ہے، ان سے اپنے تعلق کاٹ لیتی ہے ان سے اور قسم کے معاملات شروع کرتی ہے۔ پس یہ خدا تعالیٰ کی وہ تنبیہ ہے جس کو پیش نظر رکھ کر آج بھی مسلمانوں کو اپنے حالات پر غور کرنا چاہئے جب تک وہ سچے عبادت کرنے والے نہ بنیں گے، جب تک خدا کے گھروں سے ان کا تعلق حقیقی اور اخلاص کا نہیں ہوگا، جب تک مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (الاعراف:۳۰) بن کر نہیں دکھائیں گے اللہ کی تائید ان کے لئے ظاہر نہیں ہوگی۔

میں نے جیسا کہ بیان کیا تھا دیکھنا یہ ہے کہ ردعمل سیاسی ہے یا مذہبی ہے اس مضمون پر غور کرتے ہوئے جب میں نے پاکستان میں جماعت احمدیہ کے حالات پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ عبادت کی غیرت تو محض نام کے قصے ہیں ان کا حقیقت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ خدا کے گھر کی محبت

کے نتیجہ میں یہ ردعمل نہیں دکھایا جارہا۔ یہ محض سیاسی اور قومی دشمنیوں کے نتیجہ میں ہے اس پہلو سے عالم اسلام کو اکٹھا ہو کر یقیناً قومی غیرت کے تقاضے بھی پورے کرنے چاہئیں لیکن اس کو اسلام اور دین کے ساتھ باہم اختلاط کر کے نہیں دکھانا چاہئے اگر اعلیٰ درجے کا تقویٰ نہیں تو کم از کم سیدھی سادی سچی بات کرنے کی عادت ڈالو مسجدوں کی محبت کے نتیجہ میں ایسا نہیں ہوا کیونکہ یہی مسلمان ایک دوسرے کی مسجدیں بھی جلاتے ہیں اور ان کو منہدم کرتے ہیں۔ شیعوں کے مقدس مقامات برباد کئے جاتے ہیں اور جلائے جاتے ہیں، سُنیوں کے جلائے جاتے ہیں، پاکستان میں لاہور میں بھی ایسے واقعات ہوئے، پشاور میں بھی ایسے واقعات ہوئے، کراچی میں ایسے واقعات ہوئے سندھ میں بکثرت ایسے واقعات بار بار ہوتے رہے۔ یہ کوئی آج اور کل کی بات نہیں تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جب مسلمانوں نے ایک دوسرے مسلمان فرقے کے خلاف اپنی طرف سے علم جہاد بلند کیا اور ان کے راہنماؤں نے ان بے چارے سادہ لوح مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ یہ مساجد ضرار مساجد ہیں۔ یہ خدا کی نہیں ہیں بلکہ غیر اللہ کی مساجد ہیں اُٹھو ان کو منہدم کر دو خدا اس سے تم سے خوش ہوگا۔ پس اگر خدا کے نام پر خدا کے گھروں کو برباد کرنے کی تعلیم کو قوم برداشت کر لے اور یہ عادت اس کی تاریخ کا حصہ بن چکی ہو تو پھر جب غیر ایسی حرکتیں کریں تو اس کو کس منہ سے تم طعنہ دے سکتے ہو اس کو کس منہ سے کہہ سکتے ہو کہ تم بڑا ظلم کر رہے ہو کہ اللہ کی عبادت کرنے والے گھروں پر تم نے ظلم کا ہاتھ اُٹھایا ہے اور عبادت کرنے والے گھروں کو منہدم کیا ہے۔

جماعت احمدیہ کی حالیہ تاریخ میں سے چند حقائق میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ جہاں تک خدا کے گھر کی عزت واحترام کا تعلق ہے کس حد تک وہ عزت آج پاکستان کے علماء کے ذہن پر روشن ہے یا ان کے دلوں میں جاگزیں ہے یا ان کے رُخ معین کرتی ہے خدا کی خاطر اگر مسجدوں سے محبت ہو تو رُخ ایک ہی معین ہوگا یعنی وہ رُخ جو قبلے کا رُخ ہے جو خدا کی طرف لے کر جاتا ہے۔ خدا کی تعلیم پر مبنی ہے ایک ہی طرح کے ردعمل ظاہر ہوں گے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ محبت خدا کی ہو اور آپس کی دشمنیوں کے نتیجہ میں خدا کے گھر کی بربادی کے ردعمل مختلف ہو جائیں۔ خدا قدر مشترک ہے وہ ہم سب کا خالق و مالک ہے جب اس کے گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالا جائے تو اس سے محبت کرنے والے کا ردعمل لازماً ایک ہوگا خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھنے والی مسجد

ہو یا خدا کا گھر ہو۔

اس پہلو سے جب ہم دیکھتے ہیں تو آیئے میں آپ کو شکوے کے طور پر نہیں سمجھانے کی خاطر بتاتا ہوں کہ دیکھو کل تک تم جو حرکتیں کیا کرتے تھے آج اللہ کی تقدیر نے تمہیں آئینہ دکھایا ہے اور تمہیں بتایا ہے کہ خدا کے حضور یہ حرکتیں پسندیدہ نہیں ہیں اور پکڑے بغیر نہیں چھوڑی جائیں گی تقویٰ سے کام لو۔ خدا کی انگلی کے اشاروں کو دیکھو اور سمجھو۔ پاکستان میں جو احمدی مساجد شہید کی گئی ہیں ان میں سے ایک احمدیہ مسجد راہوالی، ایک باگڑ سرگانہ، ایک مردان، ایک گلارچی، ایک علی پور چٹھہ، ایک مری، ایک بچیانہ، ایک ننکانہ صاحب، ایک چک MB/ ۸۶۳ تحصیل وضلع وہاڑی چک نمبر ۵۶۳ گ ب ہے۔ مختلف وقتوں میں یہ مسجدیں منہدم کی گئیں اور بعض جگہ ایسا ہوا کہ اس کا ملبہ بھی لوگ اُٹھا کر لے بھاگے۔ مسجد مردان جب منہدم کی گئی ہے تو سارے دن کی کارروائی تھی بہت بڑی مضبوط مسجد تھی۔ اسے پلید کہہ کر شہید کروایا گیا اور ساری پلید چیزیں چور لے کر بھاگ گئے۔ بنگلہ دیش میں راج شاہی کی مسجد جب شہید کی گئی تو اسی طرح کی گئی پلید پلید کہہ کر اس کو شہید کر دیا گیا اور ساری پلید چیزیں اپنے گھروں کی امارتوں کی زینت بنادی گئیں۔ پس یہ سوال ہے کہ یہ واقعہ ہونے میں کتنی دیر لگی تھی۔ کیا اس وقت پاکستان میں کوئی حکومت موجود نہیں تھی؟ کیا ان علماء کو جنہوں نے ان مسجدوں کو شہید کرنے کی تعلیم دی تھی ان کو علم نہیں تھا کہ خدا کی عبادت کے گھر ہیں اور خدا کی عبادت کے لئے لوگ یہاں اکٹھے ہوتے ہیں؟ کیا یہ مساجد نہیں تھیں؟ جانتے ہیں کہ مساجد تھیں کیونکہ دوسرے کوائف سے ثابت ہے کہ احمدیوں کی بکثرت مساجد چھین لی گئیں اور ان میں اب غیر احمدی علماء نمازیں پڑھاتے اور غیر احمدی نمازیں پڑھنے والے نمازیں پڑھتے ہیں۔ اگر وہ مسجدیں نہیں تھیں تو مندروں میں تو عبادت کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں ہے۔ کثرت سے ایسی مساجد ہیں جن پر قبضہ کیا گیا اور وہاں با قاعدہ ان کو اپنایا گیا۔ قبلہ بھی وہی ہے چونکہ پہلے بھی وہی قبلہ تھا، وہی گنبد ہیں جو پہلے تھے، وہی مینار ہیں جن میناروں سے پہلے اذانیں دی جاتی تھیں، کوئی بھی فرق نہیں گویا کہ ان کا فعل اقرار کر رہا ہے اور کھلم کھلا اقرار کر رہا ہے کہ احمدیوں کی مساجد بھی مساجد ہیں خواہ منہ سے ہم ان کا جو مرضی نام رکھ دیں اور ان مساجد میں نماز نہ صرف جائز بلکہ خدا تعالیٰ نے گویا ہمارے لئے یہ حق مقرر کر دیا ہے کہ ان مساجد کو اپنائیں، چھینیں اور ان پر قبضہ کر کے ان میں خدا کی عبادت کیا کریں۔ یہ کسی کو خیال نہیں آتا

کہ چوری کے مال پر کیسے عبادت ہوسکتی ہے، ڈاکے کے مال پر کیسے عبادت ہوسکتی ہے لیکن یہ تو الگ باتیں ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دس مساجد اس وقت میرے علم میں ہیں جن کے نام میں نے پڑھ کر سُنائے ہیں۔ ان کو منہدم کیا گیا اور ان میں سے بعض ایسی ہیں جن میں چوبیس چوبیس گھنٹے تک کارروائی جاری رہی ہے اور کوئی حکومت وہاں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ تو مسجدیں مسمار کرنے والوں کی تائید میں دکھائی دیتی تھی چنانچہ ہمارے پاس تصویریں ہیں، مردان کی مسجد شہید ہو رہی ہے لوگ چوری کا مال اُٹھا اُٹھا کر لے جا رہے ہیں اور پولیس ساتھ کھڑی حفاظت کر رہی ہے کہ کہیں کوئی آ کر ان پر حملہ آور نہ ہو جائے حالانکہ جو نمازی تھے ان ساروں کو قید کر لیا گیا تھا بچوں کو بھی بڑوں کو بھی سب کو اکٹھا سمیٹ سماٹ کر ٹرکوں میں بھر کر حوالات میں بھیجا جا چکا تھا اور جب تک مسجد کی یہ کارروائی مکمل نہیں ہوئی ان کو چھوڑا نہیں گیا۔ اتنے احتیاط کے ساتھ یہ سارے کام ہوئے اور آج پاکستان کے اخبار یہ لکھ رہے ہیں کہ اجودھیا میں جو واقعہ گزرا ہے یہ اچانک تو نہیں ہو گیا۔ حکومت اس وقت کہاں تھی جو مسجد منہدم کی گئی ہے یہ کوئی ایک گھنٹے آدھے گھنٹے کی کارروائی تو نہیں تھی اس پر تو پورا دن لگ گیا ہوگا اور دن لگ گئے ہوں گے کیا ہندوستان میں اس وقت کوئی حکومت نہیں تھی اور پھر اخبارات نے یہ لکھا ہے کہ حکومت تو تھی لیکن لوٹنے والوں اور منہدم کرنے والوں کی تائید میں کھڑی تھی پولیس ان کے ساتھ شامل تھی فوج اُن کے ساتھ شامل تھی اور ان سب سے مل کر یہ کارروائی ہوئی ہے اس لئے ہر عبادت کرنے والے کے لئے ایک چیلنج ہے۔ خدائے واحد و یگانہ کی وحدانیت پر ڈاکے مارے جا رہے ہیں، اُٹھ کھڑے ہو اور اپنے انتقام لو۔ اگر خدا کی محبت اور اس کی وحدانیت کی محبت کے یہ تقاضے تھے تو کل ان تقاضوں کو کیوں موت آ گئی تھی اگر کل یہ تقاضے مر چکے ہیں تو آج بھی زندہ نہیں ہوئے اور ان مردہ تقاضوں کی خدا کی تقدیر کو کچھ بھی پرواہ نہیں۔ جب تم خدا کے گھر کا تقدس لوٹنے والوں سے ایک جگہ محبت اور پیار کا سلوک کرتے ہو ان کو اپنی تائید مہیا کرتے ہو، ان کی پشت پناہی کرتے ہو تو کل جب تمہارے ساتھ یہ ہوگا تو کس طرح خدا سے توقع رکھتے ہو کہ خدا کی تقدیر تمہاری پشت پر آ کھڑی ہوگی۔ یہ تقدیریں وہی ہیں جو ہمیشہ سے اسی طرح چلی آ رہی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار متنبہ کیا کہ دیکھو تم جو حرکتیں کر رہے ہو یہ ضائع نہیں جائیں گی خدا کی تقدیر ضرور تمہیں پکڑے گی۔

؎ قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار (درثمین صفحہ: ۱۵۱)

تم اپنی مستقبل کی تقدیر بنا رہے ہو۔حقیقت یہ ہے کہ آج کا خائن عالم ہے جو کل کے مسلمانوں کی بربادی کا ذمہ دار ہے اور کل کا خائن عالم تھا جو آج کے مسلمانوں کی بربادی کا ذمہ دار ہے۔اس خائن کو پکڑو، اگر تم اس خائن سے حساب لو گے تو خدا تعالیٰ کی تقدیر تمہاری تائید میں اٹھ کھڑی ہو گی اور تمہارے مخالفوں سے حساب لیا جائے گا ورنہ تم تو خود حساب دینے کے مقام پر آ کھڑے ہوئے ہو۔ایک واقعہ نہیں دو واقعہ نہیں بار بار مساجد کی بے حرمتی کی گئی ان کو ظلموں کا نشانہ بنایا گیا،عبادت کرنے والوں کو رستوں میں گھسیٹا گیا، ان کو مارا گیا، ان کو اس بات کی سزا دی گئی کہ کیوں تم خدا کی عبادت کر رہے تھے اور اب جب یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو اچانک غیرت دینی اٹھ کھڑی ہوئی اور ساری دنیا میں شور برپا کر دیا گیا ہے کہ ہم مسجدوں کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتے۔اپنے ہاتھوں سے کرتے رہے ہو اور کرتے ہو۔کیا اس کا نتیجہ نکالا جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمان جاری فرما دیا ہے کہ میری عبادتگاہوں کی بے حرمتی کا حق صرف مسلمانوں کو ہے؟ ساری دنیا میں ان کو کھلی چھٹی ہے جب چاہیں میری عبادت کے گھر کو مسمار کریں، برباد کریں، قرآن کریم کو جلائیں گلیوں میں پھینکیں۔کسی اسلامی حکومت کا حق نہیں ہے کہ اس پر ان کو سرزنش کرے لیکن ہاں غیروں کو حق نہیں ہے کہ وہ خدا کا کوئی معبد تباہ کریں وہ جب کریں گے تو تمہیں جوابی کارروائی کا حق ہے تم کرو گے تو تمہاری اپنی چیز ہے کیوں نہ کرو؟ خدا کا گھر اور کس کا ہے تمہارا ہی ہے جو چاہو اس پر کر گزرو جیسے کہا گیا ہے کہ ؎ تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر۔گویا خدا ان کو یہ کہتا ہے کہ میرے تقدس کو برباد کرتے رہو اس کا خون میں اپنی گردن پر لیتا ہوں میں تمہیں کہتا ہوں کہ جاؤ اُٹھو اور جو مرضی کرو تم مالک ہو تمہاری چیز ہے جو چاہو کرتے پھرو۔ہاں غیروں کو نہ کرنے دینا غیر کریں گے تو غیرت دکھانا۔یہ اسلامی تعلیم ہے؟ یہ اللہ کی محبت پر مبنی تعلیم ہے؟ ہو ہی نہیں سکتا جاہلانہ باتیں ہیں اور ان جاہلانہ باتوں کو تم نے برداشت کیا ہے اور قبول کیا ہے اور اپنا لیا ہے اپنی سُنت کا حصہ بنا لیا ہے بنگلہ دیش میں ایک انگلی نہیں اُٹھی جس نے ان بدکرداروں اور ظالموں کو روکنے کی کوشش کی ہو۔ پاکستان میں ایک انگلی نہیں اُٹھی جس نے اتنی مسجدوں کی شہادت کے وقت ان ظالموں اور بدکرداروں کو روکنے کی کوشش کی ہو لیکن بنگلہ دیش میں ایک شرافت ضرور ہے کہ بنگلہ دیش کے

اخباروں اور دانشوروں اور سیاستدانوں نے ان واقعات کی مذمت ضرور کی ہے آگے بڑھ کر روکنے کی توفیق نہیں تھی تو مذمت تو ضرور کر دی گویا ایمان کے ادنیٰ تقاضے تو ضرور پورے کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ تصویر کھینچی ہے کہ اعلیٰ ایمان تو یہ ہے کہ آگے بڑھو اور بدی کو روک دو اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتے تو کم از کم زبان سے روکو اگر زبان سے نہیں روک سکتے تو بُرا تو مناؤ۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث نمبر: ۸۵) پاکستان میں کتنے ہیں جنہوں نے زبان سے روکا ہو جنہوں نے آواز اُٹھائی ہو۔ اب کہیں کہیں یہ آواز اُٹھنے لگی ہے مگر اس سے پہلے تو مکمل خاموشی تھی۔

پس یہ بھی تو باتیں ہیں کہ جن کی طرف دھیان جاتا ہے اور اس وجہ سے میں ان حقائق کو جو بہت تلخ ہیں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ حقیقت میں مسلمانوں کی اس بدقسمتی کے دور کا علاج یہ ہے کہ راہنماؤں کو ان غلطیوں کی طرف متوجہ کیا جائے اور مشورہ دیا جائے کہ بیماری یہاں واقع ہے اس بیماری کو دور کرنے کی طرف توجہ دو پھر خدا کا فضل ضرور نازل ہوگا۔ وہ مساجد جو ہندوستان میں منہدم کی گئی ہیں وہ ظلم ہمارے دل پر اس سے زیادہ گراں گزرا ہے جو تمہارے دلوں پر گزرتے ہیں کیونکہ ہمیں خدا کی عبادت سے محبت ہے، عبادت گاہوں سے تعلق ہے۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی عبادتگاہ مسمار کی جائے گی تو احمدی کے دل پر اس کا ملبہ اس طرح گرے گا جس طرح اس کے دل پر چوٹ لگانے کی خاطر ایک ایک اینٹ اوپر گر رہی ہو لیکن تمہیں تو عادت ہے تمہیں تو اس بات کا ایک تجربہ ہے کہ کس طرح گھر برباد کئے جاتے ہیں تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔ پس احمدی کو تکلیف ہے تکلیف کی وجہ سے میں یہ بات بیان کر رہا ہوں میں جانتا ہوں اس کے سواحل ہی کوئی نہیں اگر تم باز نہیں آؤ گے، اپنی اصلاح نہیں کرو گے اور خدا کے تعلق کی بنا پر اپنی سوچ کی اپنی قدروں کی اصلاح نہیں کرو گے اگر اپنے قبلے درست نہیں کرو گے تو اسی طرح بھٹکتے رہو گے، اسی طرح ظلم کا شکار رہو گے۔ تقویٰ سے کام لو اور تقویٰ کی حکومت کو قائم کرو آج سارے پاکستان کے اخبار ہندوستان کو طعنہ دے رہے ہیں کہ کیا ہوئی تمہاری سیکولر حکومت، کیا ہوا تمہارا سیکولر فلسفہ اس ملبہ کے ڈھیر کے نیچے تمہارا سیکولرازم بھی دب کر مر گیا۔ لیکن کل جو احمدی مساجد مسمار ہو رہی تھیں تو ان کے ملبے کے نیچے کیا چیز دب کر مری تھی۔ کبھی تم نے سوچا ہے؟ وہ اسلام جس کا تم دعویٰ کر رہے تھے وہ فرضی اسلام ان ملبوں کے ڈھیر کی نظر ہو گیا وہ اعلیٰ قدریں جن کا تم دعویٰ کرتے ہو وہ سب قدریں ان ڈھیروں کے نیچے دم توڑ گئی تھیں۔

پس بیماری کو پکڑو اس کی فکر کرو کہ کہاں واقع ہے اور کیوں واقع ہے اس کا علاج تبھی ہوگا جب تم بیماری سمجھو گے اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ تقویٰ سے کام لو خدا کی محبت سے کام لو وہ لوگ جو خدا کی عبادت کرتے ہیں جس طرح بھی کرتے ہیں ان کی راہ میں روک نہ بنو کیونکہ اگر روک بنو گے تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر تمہاری ہر ترقی کی راہ میں حائل ہو کر کھڑی ہو جائے گی۔ کسی میدان میں تمہیں آگے نہیں بڑھنے دے گی۔ یہی علاج ہے، یہی ایک طریق ہے ہم بھی دعا کر رہے ہیں اور دن بدن ہمارے دل زیادہ اُداس اور غمگین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جماعت اس وقت بہت تکلیف میں ہے۔ ساری دنیا سے جماعت کے جو خطوط مل رہے ہیں ان میں نہایت بے بسی کا عالم ہے۔ عجیب مصیبت ہے کہ دونوں طرف کے دکھ ہمیں سہیڑنے پڑ رہے ہیں جب ہم پر مظالم ہوتے ہیں تو وہ بھی ہمارے دل پر ٹوٹتے ہیں ہمارے ظلم کرنے والے بھائیوں پر جب مظالم ہوتے ہیں تو وہ بھی ہمارے دل پر ٹوٹتے ہیں، بلکہ امر واقعہ تو یہ ہے کہ سچا مسلمان وہی ہے جو رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفی ﷺ کا غلام ہے جو صرف مسلمانوں کے دُکھ سے دکھی نہیں ہوا کرتے تھے ایک یہودی کے دکھ سے بھی دکھی ہو جایا کرتے تھے، ایک عیسائی کے دکھ سے بھی دکھی ہو جایا کرے تھے، ایک مشرک کا دکھ بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کو تکلیف دیا کرتا تھا۔ اس رحمۃ للعالمینؐ سے اپنا تعلق باندھو اسی میں تمہاری نجات ہے اور اس کے ساتھ اسلام کی تمام ترقی کے راز وابستہ ہیں ان رازں کو سمجھو اس پیغام کو سمجھو اللہ تعالیٰ تمہیں ہر میدان میں ترقی عطا فرماتا چلا جائے گا۔ خدا کرے کہ جلد اہل اسلام کو ہوش آئے ہم تو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں یہ باتیں کہتے کہتے تھک گئے ہیں کوئی اثر نہیں دکھاتیں۔ شاید خدا کے حضور ہماری دُعائیں کام کر جائیں، شاید خدا کی تقدیر ان کو ایسا جھٹکا دے جس سے آنکھیں کھلیں اور اس جھٹکے کے نتیجہ میں خوابیدگی کی حالت تبدیل ہو اور آنکھیں کھول کر یہ گردو پیش میں ہونے والے واقعات کو دیکھ سکیں اور سمجھ سکیں اور ان پیغامات سے استفادہ کی توفیق پائیں۔ آمین

دعوت الی اللہ کے کام کو منظم طور پر کریں۔
بنگلہ دیش کی سربراہ کو تنبیہ اور نصیحت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ / دسمبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ (النساء: ۵۹)

پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانات ان کے اہل کے سپرد کیا کرو اور جب تم لوگوں پر ان کے انصاف کے لئے مقرر کئے جاؤ۔ یہ مقرر کرنے کا معنیٰ میں نے مفہوم کے طور پر بیان کیا ہے۔ آیت کا ترجمہ صرف اتنا ہے کہ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، مقرر کئے جانے کا معنیٰ میں نے اس لئے بیچ میں بیان کیا ہے کہ آیت کے پہلے حصے کا اس سے تعلق ہے، اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اے اپنے حاکموں کا انتخاب کرنے والو! جب تم اپنے حاکم چنا کرو، امیر چنا کرو تو یاد رکھو کہ اسی کو چنو جو اس کا اہل ہو۔ اب آیت کروٹ بدلتی ہے اور جو چنا جاتا ہے اس کو مخاطب ہوتی ہے تو ان معنوں میں مقرر ہونے کا مضمون اس میں داخل ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ وہ جو چنے جاتے ہیں جن پر

اعتماد کیا جاتا ہے، جن کو اہل سمجھا جاتا ہے جب وہ کسی عہدہ پر فائز کر دیئے جائیں تو ان کو خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ وہ پھر انصاف سے فیصلہ کریں اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ اللہ بہت ہی اچھی نصیحت کرنے والا ہے کیسی پیاری نصیحت فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا اللہ بہت سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس مضمون سے متعلق کچھ اور کہنے سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ خطبہ میں جب میں نے یہ بیان کیا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے سوا مجھے تمام نبیوں کی تاریخ میں ایک بھی اور نبی دکھائی نہیں دیا جس کو خلق خدا امین کہتی ہو جس کی امانت اور دیانت کی شہرت ایسی عام ہوگئی ہو کہ قوم اسے دیکھ کر امین، امین پکار اُٹھے اس پر کسی نے مجھے توجہ دلائی کہ حضرت موسیٰؑ کے متعلق بھی ایک عورت کی گواہی ہے کہ وہ قوی اور امین ہیں حالانکہ ان دو باتوں میں بہت نمایاں فرق ہے۔ کہاں یہ کہ پوری قوم جس کے ساتھ ایک شخص کا واسطہ پڑتا ہو بچپن سے لے کر جوانی تک اس نے اس کو ہر حال میں دیکھا ہو وہ بے اختیار یک زبان ہو کر کسی کو امین کہتی رہے اور کہاں یہ قصہ جس کی اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے جب دو بیچاری بچیوں کے ریوڑ کو پانی پلایا تو انہوں نے گھر جا کر اپنے باپ سے یہ حکایت بیان کی اور بتایا کہ ہم سے ایک نیک دل آدمی نے کیا سلوک کیا اور ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ ان کو اپنے پاس رکھ لو، کام آئے گا اور اس ضمن میں کہا کہ قوی بھی ہیں اور امین بھی ہیں تو حضرت موسیٰؑ سے جو واسطہ تھا وہ محض چند لمحوں کا سرسری واسطہ تھا اور پھر ایک لڑکی کی گواہی تھی اور اس گواہی میں دراصل ایک دفاع تھا، ایک نفسیاتی کیفیت تھی جس کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک لڑکی اپنے باپ سے جب کسی مرد کو ملازم رکھنے کی بات کرتی ہے تو اس کے شعور کے پس منظر میں ضرور یہ سوال پیدا ہوگا کہ میرا باپ کیا سوچے گا کہ کس قسم کا آدمی ہے، کس کی سفارش کر رہی ہے تو ان چند لمحوں میں اس بچی نے حضرت موسیٰؑ کے کردار کا جو اندازہ لگایا تھا اس اندازے کو اس طرح پیش کیا کہ اسے گھر میں رکھنے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم نے تو جہاں تک دیکھا ہے وہ قوی ہے اور امین ہے قوی سے مراد ہے کہ اپنی امانت کی حفاظت کرنا بھی جانتا ہے، کوئی ایسا کمزور انسان نہیں جو آج کچھ ہو اور کل کچھ۔ متلون مزاج آدمی اگر امین بھی ہو تو اس کی امانت کا اعتبار نہیں رہتا۔ ایک بات تو یقیناً ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے کردار میں ایسی عظمت پائی جاتی تھی کہ اسے دیکھ کر ایک بچی نے موقع کے

مطابق بہت عمدہ فیصلہ کیا اور اس کا بہت عمدہ تعارف کرایا لیکن اسے یہ کہنا کہ گویا ساری قوم نے حضرت موسیٰ کی امانت کی گواہی دی ہو یہ درست نہیں ہے۔

جہاں تک انبیاءؑ کا تعلق ہے، انبیاءؑ پر اس کے برعکس الزام تو لگے ہیں مگر قومی گواہی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے سوا کسی کے حق میں نہیں دی گئی۔ مثلاً حضرت یوسفؑ پر کہ جس کے گھر میں تھے اس گھر کی امانت پر خیانت کا الزام لگا تو خدا تعالیٰ نے اس الزام کو سراسر جھوٹا ثابت کر دیا لیکن یہ بعد کی بات ہے۔ حضرت یوسفؑ پر اپنے بھائیوں کی طرف سے چوری کا الزام بھی لگا۔ حضرت کرشنؑ پر ان کے اپنے ماننے والوں کی طرف سے چوری کا الزام ہے۔ ان کا نام ہی مکھن چور رکھا ہوا ہے تو انبیاءؑ بے چاروں کے اوپر ناجائز غلط الزام، دل آزاری کے الزام لگتے رہے ہیں۔ خود موسیٰؑ پر بھی لگتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا (الاحزاب:۷۰)

فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا اے ایمان والو! دیکھو، موسیٰ کے لوگوں کی طرح نہ ہو جانا۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو غلط باتیں کہہ کر موسیٰ کو دکھ پہنچایا کرتے تھے، غلط الزام اس پر لگایا کرتے تھے پس فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا اللہ نے اس کو بری فرمایا۔ تو قوموں نے اپنے اپنے انبیاءؑ سے نبوت سے پہلے بھی ظلم کے بڑے سلوک کئے ہوئے ہیں، کئی قسم کے الزام لگائے ہیں لیکن حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا کردار واضح طور پر اتنا نمایاں، صاف اور واضح روشن تھا کہ تبھی قرآن کریم نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کو کہہ دے: فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس:۱۷)

میں اس سے پہلے تم میں ایک پوری عمر گزار چکا ہوں۔ تم سارے گواہ ہو ایک ادنیٰ سا ایک ذرہ بھی کردار کے داغ کا تم نے مجھ پر لگانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ پس حضرت محمد مصطفی ﷺ کی امانت اور دیانت اتنی صاف اور نمایاں اور روشن ہو کر چمکی ہے کہ اگرچہ تمام انبیاءؑ امین تھے، تمام انبیاء دیانتدار تھے اس میں ذرہ بھی شک نہیں لیکن جب محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان انبیاءؑ کو رکھا جاتا ہے تو ویسی ہی کیفیت دکھائی دیتی ہے جیسے کسی نے کہا۔

رات محفل میں تیرے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پر جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

تو اتنا حسین، اتنا روشن چہرے والا انسان ہے کہ تیرے مقابل پر جب ہم نے شمع کو دیکھا تو نور کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا۔ پس یہ موازنہ کی باتیں ہیں شمع تو روشن ہی ہوتی ہے لیکن جب ایک روشن تر وجود شمع کے سامنے آجائے تو شمع کی روشنی مدھم اور پھیکی پڑ جایا کرتی ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سچی تعریف میں کسی اور بزرگ نبی کی بُرائی (**نعوذباللہ من ذالک**) ہرگز مقصود نہیں سب اپنی اپنی جگہ اچھے تھے۔

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے (درثمین صفحہ:۸۳)

دیانت کی جو شان محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں چمکی ہے ویسی شان آپ ساری دنیا میں ڈھونڈ کر دیکھیں آپ کو کہیں اور دکھائی نہیں دے گی۔

دوسرا امر جس کی طرف مجھے متوجہ کیا گیا ہے وہ ایک معمولی نقطہ ہے میں نے مثال دیتے ہوئے یہ بیان کیا تھا کہ تصنیف کا شعبہ بھی ایک اہم شعبہ ہے اور اس کا حق ادا کرنے کے کیا طریق ہیں وہ بھی تو ایک امانت ہے۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ باہر کی دنیا میں تصنیف کا شعبہ الگ نہیں ہے بلکہ اشاعت کے ساتھ ہی اس کا تعلق ہے۔ عملاً تو کوئی بھی فرق نہیں پڑتا اشاعت میں تصنیف داخل ہو یا تصنیف کا شعبہ الگ ہو جہاں تک ذمہ داریوں کا تعلق ہے وہ تو اسی طرح رہتی ہیں پس جماعتی امانتوں کے سلسلہ میں اب میں ایک دو اور مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

اصلاح وارشاد یعنی تبلیغ اور دوسروں تک حق بات پہنچانا اور دعوت الی اللہ تمام بنی نوع انسان کو اللہ کی طرف دعوت دینا ایک بہت ہی اہم شعبہ ہے اور دنیا کے ہر ملک میں جہاں نظام جماعت قائم ہے وہاں خدا کے فضل سے یہ شعبہ بھی رائج ہے لیکن جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے دعوت الی اللہ کے یا اصلاح وارشاد کے بہت کم سیکرٹری ایسے ہیں جنہیں اس بات کا شعور ہے کہ وہ ہیں کیا؟ اور اپنے منصب کا یہ پتا نہیں، یہ علم نہیں کہ ان پر کیا کیا ذمہ داریاں ہیں اور کس طرح وہ ادا کرنی ہیں؟ اگر تمام سیکرٹری اپنی پوری ذمہ داری سمجھتے ہوئے بیدار ہو جائیں اور فعال ہو جائیں تو ساری دنیا کی جماعتوں میں ایک شور برپا ہو جائے۔ سیکرٹری مال کی مثال دیکھیں وہ ایک ایسا سیکرٹری ہے جو روایتاً مسلسل سالہا سال سے جماعت میں بڑی محنت اور خلوص سے اور مستقل مزاجی سے کام

کرتا چلا آتا ہے اور سیکرٹری مال کے تصور کے ساتھ ہی ایک محنتی، پُر خلوص، امانت کا حق ادا کرنے والا، دن رات اس فکر میں غلطاں کہ میرا بجٹ کیسے پورا ہوگا ایسے وجود کا ایک تصور اُبھرتا ہے۔ بالکل ایسا ہی تصور ہر ایک دوسرے شعبے کے سیکرٹری کے متعلق جماعت میں قائم ہونا چاہئے اور یہ تصور تبھی قائم ہوگا جب وہ ایسے کام کریں گے۔ جہاں تک میں نے نظر دوڑا کر دیکھا ہے سیکرٹری مال الاماشاء اللہ خدا کے فضل سے بہت محنت کرتے ہیں۔ کراچی کے سیکرٹری مال مجھے یاد ہے کہ بہت بچپن کے زمانہ سے اب تک جو بھی رہے ان کا یہ حال رہا کہ وہ صبح دفتر جاتے تھے دفتر سے جماعت کے دفتر چلے جایا کرتے تھے، جماعت کے دفتر سے رات گیارہ بارہ بجے اس وقت گھر لوٹا کرتے تھے کہ جب بیوی بچے سب سو چکے ہوں اور یہ ایک دو دن، ایک دو مہینے کی بات نہیں انہوں نے سالہا سال اسی طرح عمریں گزار دیں۔ تو جو شخص امانت کی اہمیت سمجھتا ہو وہ امانت کا حق ادا کرنے لگے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کی ساری زندگی بھی اس میں صرف ہو جائے تب بھی اس کے دل کو امانت کا حق ادا کرنے کا چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی ذات میں یہ سمجھتا رہتا ہے کہ ابھی یہ کوتاہی ہوگئی ابھی وہ کوتاہی ہوگئی اور ابھی تک میں ویسا کام نہیں کرسکا جیسا کہ حق تھا۔ اس جذبہ کے ساتھ جماعت کے عہدہ داروں کو پہلے اپنے منصب کو پہچاننا چاہئے، اپنی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کرنا چاہئے اس شعور کے مطابق پھر ان کا دل جاگ اُٹھے گا ان کا احساس زندہ ہو جائے گا۔ انہیں اپنی ذات سے تکلیف ہونی شروع ہو جائے گی وہ محسوس کریں گے کہ ان پر قرض کا بوجھ بڑھتا چلا جا رہا ہے اور یہ بوجھ ہے احساس کی شدت ہے جو ان کو کام کے لئے آگے بڑھاتی چلی جائے گی لیکن وہ احساس ہی بیدار نہ ہو، وہ شعور ہی بیدار نہ ہو، پتا نہ ہو کہ ہم کیوں بنائے گئے کس مقصد کے لئے کیا ذمہ داریاں ہم پر ڈالی گئی ہیں تو جماعت کے کام اسی طرح پڑے رہیں گے۔

پس دعوت الی اللہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ انفرادی طور پر ان احمدیوں کی وجہ سے ہو رہا ہے جو مختلف تحریکوں کے نتیجہ میں خود اپنے دلوں میں ایک ولولہ پیدا کر لیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کو پھر تبلیغ کا جنون ہو جاتا ہے وہ دن رات اس میں لگے رہتے ہیں اور سیکرٹری اصلاح وارشاد کا زیادہ تر کام یہ ہے کہ ان کے پھل سمیٹ کر اپنی طشتری میں سجا کر جماعت کو پیش کردے۔ طشتری تو طشتری ہی رہے گی اصل تو اس درخت کی قدر و قیمت اور اسی کی شان ہے جس درخت نے وہ پھل پیدا کیا۔

پس آپ بھی وہ درخت بن سکتے ہیں ہر سیکرٹری وہ درخت بن سکتا ہے جو بار آور ثابت ہو جسے شیریں دائمی پھل لگیں۔ایک فرد کو تو تھوڑے پھل لگ سکتے ہیں کیونکہ اس کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے لیکن جب ایک عہدہ دار فعال ہو جائے ایک ثمر دار درخت کی شکل اختیار کر جائے تو پھر اس کی کوششوں سے ساری جماعت کو جو پھل لگتے ہیں وہ اس کے پھل بن جاتے ہیں۔یہ ایسا درخت ہوتا ہے جس کے سائے تلے ساری جماعت آجاتی ہے اس کی شاخیں دور دور تک جماعت میں پھیل جاتی ہیں اور جماعت کا فیض پہنچاتی ہیں اسی لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مثال ایک ایسے درخت کی سی دی ہے جس کی شاخیں پوری دنیا میں دور دور تک پھیلتی گئیں اور ان شاخوں کے سائے تلے لوگ آرام کریں گے اور اس کی ٹہنیوں پر پرندے بیٹھیں گے،اس کے پھل سے لوگ فائدہ اُٹھائیں گے تو سیکرٹریوں کو اس ذمہ داری کے ساتھ اپنے منصب کو سمجھنا چاہئے اور یہ سوچتے ہوئے کام کرنا چاہئے کہ جوابدہ تو وہ بہر حال ہوں گے امیر نے جواب طلبی نہ کی تو خدا تعالیٰ جواب طلبی کرے گا اور ایک اور مشکل یہ ہے کہ جواب طلبی کے خوف سے بھاگنے کی بھی جگہ کوئی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ اپنی خدمت سے بھاگنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔خود عہدے کی تلاش میں،عہدے کی طلب میں آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا کر عہدہ لینا یہ نہایت مکروہ حرکت ہے لیکن یہ بھی مکروہ حرکت ہے کہ کام کے بوجھ سے ڈر کر انسان پیچھے قدم اُٹھائے اور پیٹھ دکھا کر خدا کے کام دوسروں کے سپرد کر کے آپ بھاگ جائے۔پس یہ ایسی امانت نہیں ہے جس میں آپ کو اختیار ہے یہ امانت وہ ہے جسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے عواقب سے بے خبر ہو کر خود قبول کر لیا تھا،اپنے نفس پر ظلم کرتے ہوئے اور جانتے ہوئے کہ اس سے مجھے بہت تکلیف پہنچے گی پھر بھی اس امانت کو جو ساری دنیا کی ہدایت کا بوجھ تھا اُٹھانے کے لئے آپ ﷺ تیار ہوئے اور جَھُوۡلًا (الاحزاب:۷۳) ان معنوں میں کہ اس کے عواقب سے بالکل بے پرواہ ہو گئے ہم تو اب اس امیـــن کے غلام بن کر اس دنیا میں آئے ہیں۔اس غلامی کا تعلق توڑے بغیر ہم اس امانت کا بوجھ اُٹھانے سے الگ نہیں ہو سکتے۔یہ وہ مضمون ہے جس کی وجہ سے جماعت احمدیہ میں عہدوں سے استعفیٰ ایک نہایت مکروہ اور بیہودہ حرکت سمجھی جاتی ہے۔کئی لوگ لکھ دیتے ہیں کہ ہمیں معاف کیا جائے ہم اس قابل نہیں ہیں۔قابل تو ایک ہی تھا یعنی محمد مصطفی ﷺ، آپؐ ہی کی غلامی آپؐ ہی کے صدقے ساری دنیا قابل بنائی جارہی ہے اور آپؐ کے سب غلاموں

کو کچھ نہ کچھ صلاحیتیں عطا ہوتی ہیں۔ پس قابلیت کا فیصلہ تو خدا نے کرنا ہے۔ یہاں قابلیت کا مضمون صرف اتنا ہے کہ جو کچھ ہے وہ لے کر حاضر ہو جاؤ جتنی بھی قابلیت ہے وہ پیش کر دو پس جب آپ اس کو امانت کے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے تو تب آپ کو سمجھ آئے گی کہ امانت کیا ہے۔ امانت سے وہ مراد نہیں ہے کہ جو تم میں طاقت نہیں ہے وہ بھی پیش کرو ورنہ خدا تمہیں پکڑے گا۔ انسان کی استعدادیں بھی امانت ہیں، اس کی تمام صلاحیتیں امانت ہیں، اللہ کی امانت کا بوجھ اس پر اتنا ہی ڈالا جائے گا جتنی خدا نے اس کو صلاحیتوں کی امانت ودیعت فرمائی ہے۔

پس اس امانت کے ساتھ بیرونی امانت کا ایک تعلق اور رشتہ ہے ایک توازن قائم ہے۔ اس کے درمیان عدل قائم ہے، اللہ تعالیٰ عدل سے فیصلے فرماتا ہے۔ پس کسی کے لئے موقع نہیں کہ اس کا ضمیر اسے کچوکے دے کہ تم پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ منصب تمہاری طاقت سے بڑھ کر ہے اس لئے اگر تم نے حق ادا نہ کیا تو مجرم بنو گے اس لئے اس کو چھوڑ دو۔ چھوڑنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ خدا نے جو سعادت بخشی ہے اسے قبول کرنا ہوگا کیونکہ یہ چھوڑنا محمد رسول اللہ ﷺ سے رشتہ توڑنے کے مترادف ہے اور کوئی سچا مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہاں امانت طاقت کے مطابق ہوگی جس قدر خدا نے توفیق بخشی ہے اس کے مطابق آپ کام کریں۔ اتنا ضرور کریں اور کوشش کریں کہ توفیق کی آخری حدود تک آپ کا کام پہنچ جائے اور آپ امانت کی ذمہ داریوں سے پورے کے پورے بھر جائیں، آپ کا وجود اس پہلو سے مکمل ہو جائے کہ جو کچھ بھی خلا تھے وہ سارے بھر دیئے گئے ہیں جو آپ میں طاقت تھی اس کے مطابق آپ نے خدا کے حضور سب کچھ امانت کا حق ادا کرتے ہوئے پیش کر دیا پھر اللہ کے سپرد معاملہ ہے اللہ تعالیٰ احسان فرمانے والا ہے، عفو کرنے والا ہے، مغفرت فرمانے والا ہے جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے پھر جہاں جہاں کمزوریاں ہوں گی خلا ہوں گے، جہاں بعض دفعہ ہم سمجھیں گے کہ ہم نے خدا کی خاطر کام کیا تھا مگر اپنی انا بیچ میں داخل ہو گئی، اپنے دکھاوے کی سرشت نے اس امانت کے حق کو گندہ کر دیا اور کئی قسم کے رخنے ہمارے کاموں میں پیدا کر دیئے۔ یہ تمام باتیں ہماری نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ قیامت کے دن خدا جس کے سامنے کھولے گا اسی کو معلوم ہوگا۔

پس یہ جو دوسرا مضمون ہے اس میں انکساری کے ساتھ دُعا کرنے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ ہر شخص کو ہم نے ایسا بنایا ہے کہ اس کے اعمال اس کو زینت دکھائی دیتے ہیں، اپنے اعمال کو بہت خوبصورت سمجھتا ہے پھر ایک دن خدا کے حضور پیش ہونا ہے وہ بتائے گا کہ تمہارے اعمال کی حیثیت کیا تھی۔ پس جب آپ سب کچھ کر بیٹھیں تو اس وقت بھی محفوظ مقام تک نہیں پہنچتے۔ ہاں محفوظ مقام تک پہنچنے کی ایک کوشش ہے جو اپنی طرف سے بھر پور کر دی گئی۔ محفوظ مقام پر وہی ہے جسے خدا محفوظ قرار دے دے۔ انبیاءؑ بھی بے حد بے چینی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ امین ہوتے ہیں اس کے باوجود کہ وہ امانت کا حق ادا کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں ساری جان اس میں ہلکان کر دیتے ہیں پھر بھی بے چین رہتے ہیں کہ کوئی کمی نہ رہ گئی ہو، کوئی کمزوری نہ ظاہر ہو گئی ہو۔ جماعت کے عہدے داران اگر اس روح کے ساتھ کام کریں گے تو مجھے ادنیٰ بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کمزوریوں سے مغفرت کا سلوک فرمائے گا ان کی پاک نیتوں کو پیار اور محبت کی نظر سے دیکھے گا اور ان کے اعمال میں ان کی کوششوں میں غیر معمولی برکت ڈالے گا۔

جہاں بھی جماعت کے کچھ خدمت کرنے والے اس طرح پیار اور اخلاص سے خدمت کرتے ہیں ان کو ضرور برکت ملتی ہے۔ یہی انگلستان کی جماعت کی ایک بچی کا میں نے ذکر کیا کہ اس کو خدا تعالیٰ پھل پر پھل دے رہا ہے اور جو انگریز بچیاں اس نے مسلمان بنائیں ہیں ان کے اوپر اس کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ وہی اخلاص وہی انکساری، وہی دین میں بشاشت اور پھر آگے پیغام پہنچانے کا جذبہ۔ ابھی دو دن ہوئے ہیں یہاں انگلستان کی جماعت کا ایک نوجوان مجھے ملا اس کے ساتھ ایک نیا احمدی تھا وہ بھی چہرے سے ہی نظر آتا تھا کہ بے حد فدائی اور سلسلے کا عاشق ہے اور ایمان کی پوری بشاشت اس کے چہرہ پر دکھائی دیتی تھی مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ یہ اس کا بنایا ہوا احمدی ہے۔ اس کی دعوت سے احمدی ہوا ہے حالانکہ وہ لڑکا خود بالکل نوجوان ہے، چھوٹی عمر کا ہے اور پھر اس نے بتایا کہ یہ ایک تو نہیں ہے آپ جب برمنگھم آئے تھے تو وہاں بھی میں نے ایک پیش کیا تھا وہ بھی اللہ کے فضل سے ایسا ہی ہے۔ اور پھر مجھے مزید تحقیق سے پتا چلا کہ اس کے والد بدقسمتی سے احمدی ہونے کے باوجود بہت دور جا چکے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے یا اس کے بزرگ دادا کی دُعائیں ہوں گی یا ماں کی دعائیں ہیں جو ان کے حق میں قبول ہوئیں کہ سارے ہی بچے اللہ کے فضل سے مخلص احمدی ہیں مگر یہ نوجوان تو بے حد عاشق اور دعوت الی اللہ میں ایسا فدا ہے کہ سب کچھ اس کا

دعوت الی اللہ بن چکا ہے۔اس چھوٹی عمر میں نوجوانی کی عمر میں یہ فدائیت جس کو نصیب ہو اللہ کا بڑا احسان ہے اور باقی جن کو نصیب نہیں ان کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ کیوں نصیب نہیں۔تمہیں بھی خدا نے ایسے ہی اعضاء دیئے ہیں، تمہیں بھی خدا نے وہ طاقتیں عطا کی ہیں جن طاقتوں کو خدا کی راہ میں استعمال کرنے سے ایسے پھل لگ سکتے ہیں۔اس لحاظ سے ہر احمدی کے لئے اپنے منصب کو کم سے کم اس لحاظ سے پہچاننا ضروری ہے کہ ہمیں توفیق ہے یہ تو اعتراف کرنا ہوگا۔یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی احمدی کہے کہ ہمیں توفیق نہیں ہے اس لئے ہم مجبور ہیں، توفیق سب کو ہے اس لئے آپ سے توفیق کے مطابق پوچھا جائے گا۔اگر سو کی توفیق نہیں تو دس کی ہوگی دس کی توفیق نہیں تو ایک کی ہوگی۔ایک سال میں ایک کی نہیں تو چند سالوں میں ایک کی ہوگی توفیق تو بہر حال ہے میں مان ہی نہیں سکتا کہ محمد ﷺ کے باغ کا کوئی پودا ہو اور وہ بانجھ ہو۔خود بانجھ بننا چاہے تو وہ اور بات ہے مگر صلاحیتوں کے لحاظ سے آپ کو ان صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی صلاحیتیں تھیں جن کو خدا تعالیٰ نے رِجَالٌ نام سے یاد کیا ہے۔ رِجَالٌ کا لفظ آپ کے غلاموں کے متعلق استعمال ہوا ہے کہ یہ وہ ہے جس کے ساتھ رِجَالٌ ہیں۔وہ آیت یہ ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ (النور:۳۸)

رِجَالٌ کا مطلب ہے جس میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔محض مرد مراد نہیں، عام انسان مراد نہیں اور محض نہ اس میں جنس کی کوئی بحث ہے۔آنحضرت ﷺ کے تمام غلام خواہ وہ مرد تھے خواہ وہ عورتیں تھیں روحانی لحاظ سے سب رِجَالٌ تھے ان میں مریمی صفات تھیں، کسی اور کی احتیاج کے بغیر ان کو بڑھنا آتا تھا۔اس لحاظ سے رِجَالٌ کا لفظ جو مریمی صفات کا مظہر ہے وہ ان معنوں میں مومنوں پر بھی عائد ہوتا ہے مومنات پر بھی عائد ہوتا ہے۔تبھی قرآن کریم نے تمام مومنوں کی مثال خواہ وہ عورتیں ہوں یا مومن مرد ہوں مریمؑ سے دی ہے۔پس اگر آپ محمد ﷺ کے غلام ہیں تو خدا کہتا ہے کہ آپ کے اندر یہ صلاحیتیں موجود ہیں، آپ کو بڑھنا آتا ہے، بڑھنا سکھایا گیا ہے، آپ کے اندر بڑھنا ودیعت فرمایا گیا ہے۔کیوں نہیں بڑھتے؟ اس نظر سے اگر سیکرٹری اصلاح وارشاد اپنی جماعت کا جائزہ لے اور خدا کے ان شیروں کو بیدار کرنے کی کوشش نہ کرے اور ہر مہینے اس فکر میں غلطاں نہ رہے کہ اس مہینے میں میں نے کتنے نئے احمدی ایسے پیدا کئے ہیں جن کے اندر اپنی صلاحیتوں کا شعور پیدا ہو گیا ہے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں ان کے اندر کا مرد جاگ اُٹھا ہے، وہ رجال

میں شامل ہو گئے ہیں اور اب خدا کے فضل سے وہ کام شروع کر چکے ہیں کہ جس کے نتیجہ میں لازماً انہوں نے بڑھنا ہے، پھولنا ہے پھلنا ہے، یہ وہ بنیادی کام ہے جو سیکرٹری اصلاح وارشاد کو کرنا چاہئے۔ یہ کام نہیں ہے کہ جو تبلیغ کرنے والے ہیں وہ ان کے پھل اکٹھے کرے اور اپنی رپورٹ کی طشتری میں سجا کر کسی کو بھجوا دے اور سمجھے کہ میرا کام بہت عمدگی سے پورا ہو گیا۔ یہ تو صرف ڈاکیے کا کام ہے سیکرٹری اصلاح وارشاد کا کام تو وہی ہے جو میں بتا رہا ہوں۔ پھر اس کو جائزہ لینا چاہئے کہ سارے معاشرے میں کس قسم کے لوگ ہیں، کتنے مذاہب ہیں، کتنی کتنی قوموں کے لوگ بستے ہیں۔ جب سے میں نے چارج لیا ہے میں نے ان پر نظر رکھتے ہوئے دن رات کام کیا ہے ایسا جس سے پہلے کی نسبت زیادہ قوموں تک احمدیت کا پیغام پہنچ رہا ہو یا قوموں کے علاوہ زیادہ مذہبوں کی طرف جماعت کا پیغام پہنچ رہا ہو؟ مختلف طبقات ہیں ان تک پیغام پہنچانے کے لئے میں نے کیا کوشش کی؟ اب طبقات کی بات ہے تو دیکھیں کہ صرف اساتذہ کا طبقہ تعلیم یافتہ ترقی یافتہ ممالک میں اتنا بڑا ہے کہ اگر کوئی سیکرٹری اصلاح وارشاد صرف اس طبقہ کو پیش نظر رکھ کر اپنا جائزہ لے کہ کیا کوششیں میں نے کی ہیں؟ کتنے خلا باقی ہیں، کیا چیزیں ہونے والی ہیں؟ تو وہ کانپ اُٹھے کہ ہزارہا کی تعداد میں سکول کے اساتذہ ہیں۔ انگلستان میں بھی جہاں تک میرا خیال ہے پچاس ہزار سے تو لازماً زیادہ ہوں گے۔ بہت بڑی تعداد ہے مجھے کوئی اندازہ نہیں اس لئے پچاس ہزار والی جو گنتی ہے اس پر بنا نہیں ہے یہ میں جانتا ہوں کہ بہت بڑی تعداد ہے۔ اتنی بڑی تعداد ہے کہ ایک ایک احمدی کو تقسیم کریں تو کئی کئی استاد ہاتھ میں آئیں گے۔ تو کام تو اتنا زیادہ پڑا ہے کہ سیکرٹری اصلاح وارشاد اس کام کا جائزہ لے کر پھر خدا سے دُعا کرتے ہوئے عاجزانہ کوششیں شروع کرے اور طبقے کو جماعت کی طرف متوجہ کرنے کے کوئی طریقے ڈھونڈے، ان کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ اشتہار بنائے یا بنوائے اور ان کو بتائے کہ ہمارے پاس یعنی جماعت کے پاس اُن کے لئے کیا ہے۔ نصیحت کا کوئی پیغام بھیجے۔ ضروری نہیں ہوتا کہ تبلیغ براہ راست کھینچ کر بلانے والے کو کہتے ہوں تبلیغ پہنچانے کو کہتے ہیں اور پہنچانے کا مطلب ہر نیک بات پہنچانا ہے تبھی انبیاءؑ صرف یہ دعوت نہیں دیا کرتے تھے کہ آؤ اور ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ بلکہ نیکیوں کے پیغام دیا کرتے تھے اور نیکیاں بانٹتے پھرتے تھے۔

آجکل سکولوں میں جو بدیاں رواج پا گئی ہیں۔ کئی قسم کے خوفناک جرائم وہاں راہ پکڑ گئے

ہیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کو تباہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں اُن سے متعلق ایک احمدی ایک دردمندانہ اپیل کرتا ہے۔سیکرٹری اشاعت اس اپیل کو پسند کر کے علماء کو دکھا کر جائزہ لینے کے بعد تسلی سے اس کو شائع کروا کر اساتذہ میں تقسیم کرتا ہے تو کم سے کم ان تک پیغام پہنچے گا کہ ہمارے ہمدرد کچھ لوگ ایسے ہیں جو خالصۃً ہماری ہمدردی سے کچھ نیک نصیحتیں کرتے ہیں۔ **سوسائٹی کی اصلاح ہونا بھی آپ کی کامیابی ہے۔سوسائٹی کی اصلاح کا لازماً مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ضرور احمدی مسلمان ہو جائے۔اسلامی قدروں کے قریب آنے کا نام اسلام ہے** جب یہ قدریں زیادہ بڑھ جائیں تو ان کا اندرونی طور پر دباؤ انسان کو اس مذہب کو قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے جس مذہب سے وہ اس کی قدریں لے کر استفادہ کرتا رہا ہے۔

پس انبیاءؑ کی تاریخ جہاں تک میں نے قرآن کریم میں پڑھی ہے ان کا رجحان یہی تھا، یہی ان کا دستور تھا، یہی ان کی سنت تھی کہ نیکیاں پھیلاتے تھے اور جہاں نیکیاں قائم ہو جائیں وہاں نیکوں سے محبت پیدا ہونا لازم ہے۔بغیر نیکیاں پھیلائے کسی چیز کی طرف دعوت دینا محض بھرتی کرنے کا نام ہے اس کا کوئی بھی فائدہ نہیں۔پس اس پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف طبقات کو ایسی باتیں کہیں جن کی ان کو ضرورت ہے۔یہ تبلیغ کی ایک طرز ہے اور بھی بہت سے کام ہیں لٹریچر کے شعبے نے جو لٹریچر تیار کیا ہے اسے مختلف جگہوں تک پہنچانا جہاں شعبہ اشاعت کا کام ہے وہاں اصلاح وارشاد کے سیکرٹری کا یہ کام ہے کہ اپنے مبلغین کے اوپر نظر رکھے کہ کس کس ہتھیار کی ان کو ضرورت ہے۔اور وہ ہتھیار ان تک پہنچتا بھی ہے کہ نہیں اور کس کس سوال کا ان کو سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا جواب ان کو آتا بھی ہے کہ نہیں۔کہاں کہاں اسلام اور احمدیت کے خلاف منظّم طور پر ایک سازش پنپ رہی ہے اور کس طرح احمدی مخلصین کے ایمان پر ڈاکے ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے اس پر نظر رکھنا اس کے جوابات کی طرف کوشش کرنا مختلف داعیین الی اللہ کی ضرورتیں پوری کرنے کے علاوہ ان کے لئے دُعا کرتے رہنا اور پھر یہ عمومی نظر رکھنا کہ میرے شعبہ میں گزشتہ سال کے مقابل پر اس سال میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔اگر سو احمدی ہوئے تھے تو اس سال کتنے احمدی ہوئے ہیں اور آئندہ سال میں کتنے احمدی بنانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔اس میں بھی غیر معمولی دیانت داری کی ضرورت ہے کیونکہ بعض لوگ یہ دعویٰ کر دیتے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک مرتبہ مثال دی تھی کہ دُعا کریں کہ میرے سو

احمدی ہو جائیں اور پھر تاریں دینے لگ جاتے ہیں کہ سو احمدی کے لئے دعائیں شروع کر دیں اور سارا سال خود تبلیغ کے لئے اُنگلی بھی نہیں ہلائی ہوتی۔ چپ کر کے بیٹھے رہتے ہیں اور جب وقت گزرنے کے قریب آ جائے تو کہتے ہیں جی! ابھی تک سو احمدی نہیں ہوئے اور ان سے اگر پوچھا جائے کہ آپ نے دس سال ہوئے ارادہ کیا تھا۔ ہر سال سال کے آخر پر آپ دُعا کے لئے خط بھی لکھتے رہے اور تاریں بھی دیتے رہے لیکن دس سال میں ایک بھی نہیں بنا تو سو کا دعویٰ کرنے کا آپ کو کیا حق ہے۔ سو کا بلند ارادہ قائم کرنے کا آپ کو کیا حق ہے۔ صداقت سے کام لیں۔ انصاف سے کام لیں جتنی توفیق ہے اس کے مطابق کوشش کریں بڑے بڑے وعدوں سے تو کام نہیں بنے گا۔ پس صلاحیت کا صحیح تخمینہ کرنا بھی تو ایک بڑا کام ہے۔ دعوت الی اللہ کے جو سیکرٹری ہیں ان کا اور اصلاح وارشاد کے جو سیکرٹری ہیں اگر الگ الگ ہیں تو آپس میں مشورہ کے ذریعے اور اگر ایک ہی ہے تو اپنے دوسرے ساتھیوں سے مشورے کے ذریعہ صلاحیتیوں کا تخمینہ کرنا چاہئے اور صلاحیتوں کا تخمینہ محض اعداد سے نہیں ہوسکتا کہ اتنے احمدی ہیں اس لئے اتنے ضرور بن جائیں گے۔ صلاحیتوں کا تخمینہ اس بات سے بھی نہیں ہوسکتا کہ کس نے کتنا وعدہ کیا ہے؟ صلاحیتوں کا تخمینہ اس بات سے ہوگا کہ سیکرٹری اصلاح وارشاد یا سیکرٹری دعوت الی اللہ ان احمدیوں کا جائزہ لے اور ان کا تخمینہ لگائے کہ کس میں کتنی صلاحیت ہے جس نے گزشتہ دو چار سال میں ایک دو پیدا کیے ہیں ان کی صلاحیت بڑھانے کی طرف کوشش کرے وہ قطعی صلاحیت ہے جو نئے شامل ہو رہے ہیں ان کا جائزہ لینا، ان سے قریب کا تعلق قائم کرنا اور ان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہیں لگانا بلکہ ان کی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا، ان کی صلاحیت کو مزید صیقل کرنا یہاں تک کہ تسلی ہو جائے کہ ہاں یہ اب ایک یا دو یا چار یا پانچ احمدی بنانے کا اہل ہو چکا ہے اس کو صلاحیت کا تخمینہ کہتے ہیں۔ محض رپورٹ میں لکھ دینا کہ جی ہم نے دس ہزار کا وعدہ کر لیا ہے۔ دس ہزار بنا کر چھوڑیں گے اور آخر پر پانچ یا دس نکلتے ہیں اور وہ بھی وہی جو پہلے ہی کام کر رہے ہیں۔ انہی کے کاموں کے نتیجہ میں نکلتے ہیں۔

تو یہ صورت حال جو ہے اس کو پیش نظر رکھ کر امراء کو چاہئے کہ وہ اپنے سیکرٹری اصلاح وارشاد سے بھی ایک میٹنگ کریں۔ جائزہ لیں کہ جب سے وہ بنائے گئے ہیں انہوں نے کیا سوچا ہے؟ کیا کچھ کیا ہے؟ اس کے نتیجہ میں جماعت میں کیا ولولہ پیدا ہوا ہے؟ کیا بیداری پیدا ہوئی ہے؟ پھر ولولے

اور بیداری پیدا کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں جو اچھے اچھے کام کرنے والے لوگ ہیں ان کی مثالیں دی جائیں جیسا کہ میں نے ایک دو مثالیں انگلستان کی جماعت کی رکھی ہیں ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو دنیا میں پھیلی پڑی ہیں۔ بہت اخلاص کے ساتھ افریقہ میں بھی اور امریکہ میں بھی اور یورپ اور ایشیاء کے ممالک میں بھی ایسے احمدی موجود ہیں جنہوں نے نہایت اعلیٰ نمونے دکھا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ خدا نے جماعت کو صلاحیت عطا کی ہے۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پیغام میں طاقت موجود ہے، پیغام میں جذب اور کشش موجود ہے اگر کوئی انسان کرنا چاہے تو ضرور کر کے دکھا سکتا ہے۔ امریکہ میں نیویارک کے احمدی بچے ہیں ان کے متعلق بھی میں نے شاید پہلے ذکر کیا ہے کہ نہیں مگر ان کی تبلیغ سے دن بدن ان کے ساتھی طلباء احمدی ہوتے چلے جارہے ہیں ایسے ایسے مخلص احمدی بن رہے ہیں کہ ان کے ماں باپ کے دباؤ ان کی سوسائٹی کے دباؤ لیکن انہوں نے کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کی۔

اس ضمن میں آج ایک داعی الی اللہ کا ذکر آپ کے سامنے کرتا ہوں جن کی شہادت کی آج اطلاع ملی ہے۔ گوجرنوالہ کے ہمارے ایک داعی الی اللہ تھے۔ ان کا نام محمد اشرف صاحب مہر آف جلہن ضلع گوجرانوالہ ہے ۱۹۸۴ء میں یہ خود احمدی ہوئے نوجوانی کے عالم میں یعنی زیادہ عمر نہیں تھی اور بہت جلد احمدیت میں ترقی کی۔ دعوت الی اللہ کا جنون تھا جو ان کے سر پر سوار تھا۔ مجھ سے بہت گہرا ذاتی محبت کا تعلق تھا۔ ہماری آپس میں خط و کتابت تھی اور بڑی دیر سے مجھے لکھ رہے تھے کہ میں تو جان ہتھیلی پر لئے پھرتا ہوں۔ سارا علاقہ جان کا دشمن ہے اور خون کا پیاسا بنا ہوا ہے۔ سوائے اپنے گھر کے یعنی میری بیوی اور بچوں کے برادری میں کوئی بھی میرا نہیں رہا مگر مجھے تو کوڑی کی بھی پرواہ نہیں ہے میں تو اس کام میں مگن ہوں اور دن رات ان کا یہی پیشہ تھا۔ ان کے اوپر کل رات نہایت ہی بزدلانہ اور کمینہ حملہ ہوا۔ پیرا میڈیکل کوئی تنظیم ہے وہ چونکہ اس میں نائب قاصد تھے، ڈاکٹری کا کسی حد تک علم رکھتے تھے تو ایک نوجوان مریض بن کر آیا اور اس نے کہا کہ میں پھر دوبارہ آپ کے پاس آؤں گا۔ وہ پھر اپنے ساتھ ایک آدمی کو لے کر ان کے گھر آ گیا اور ایک آدمی کا جھوٹا پتا دیا اور ان کی حالت یہ تھی کہ کوئی ان کی بات سُنے تو اس پر فدا ہو جایا کرتے تھے۔ اس شخص نے اتنا کہا کہ میں بھی یعنی ایک قسم کا چھپا ہوا سا احمدی ہوں۔ اسی پر وہ اس پر واری ہونے لگے ایک اور احمدی دوست سے

ملانے کے لئے دوسرے گاؤں گئے۔ اس کو علم تھا کہ جس جگہ کا یہ بتا تا ہے وہاں اس نام کا کوئی احمدی نہیں اس نے جب اس کو پکڑا تو اس نے کہا نہیں میں ساتھ کی ایک جگہ کا ہوں۔ بہر حال اپنی معصومیت میں اور تبلیغ کے جوش میں اس سے کہا کہ ہاں پھر بھی آنا تو وہ دوبارہ اپنے ساتھ ایک اور شخص کو لے کر آیا۔ رات کو انہوں نے بڑے خلوص اور محبت سے ان کے لئے چار پائیاں بچھائیں کھانے کا کہا انہوں نے کہا نہیں ابھی ٹھہر کر۔ پھر ان دونوں نے ان کے ہاں پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور رات سوتے میں یعنی ایک دو گھنٹے کے بعد ہی سر پر اور چہرے پر پستول سے فائر کئے اور ان کے بچے پر بھی اور جب تک خون گرم تھا یہ اس کے پیچھے دروازے تک بھی بھاگے لیکن وہاں جاتے ہی گرے اور دم توڑ دیا لیکن جو زخمی بچہ تھا وہ بچ گیا ان کی اہلیہ بھی بڑی بہادر اور خدا کے فضل سے بالکل نڈر داعی الی اللہ ہیں ان کے بچوں کا بھی یہی حال ہے اس وقت والدہ نے بچے کو دوڑایا کہ ساتھ کے گاؤں میں جہاں ان بدبختوں میں سے ایک کو ساتھ لے کر گئے تھے جا کر اطلاع کرو۔ جب اس بچے نے اطلاع دی تو وہ سارے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ تو شہید کا بیٹا ان کو تسلی دلا رہا تھا کہتا ہے آپ کو کیا ہو گیا ہے میرا باپ تو نیک انجام کو پہنچا ہے بڑا بہادر آدمی تھا ہمیں اس بات کی کوئی فکر نہیں ہے خدا ہمارا والی ہے اور میری والدہ بھی اس معاملے میں بڑی خوش ہے کہ خدا کی چیز خدا کی امانت خدا کو پہنچی اور بہادری کے ساتھ وفا کے ساتھ اس نے سچائی پر جان دی ہے۔ تو ایسے ایسے داعی الی اللہ بھی ہیں جو جان پر کھیل جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

ؔ حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جماعت میں تو انشاء اللہ شہیدوں کا کوئی بچہ یتیم نہیں رہ سکتا یتیمی کی تو فکر نہیں کیونکہ ساری جماعت اللہ تعالیٰ کی جماعت جس کی سر پرستی کر رہی ہو وہ یتیم کیسے ہو سکتا ہے لیکن اس بہادری کے باوجود پیاروں کی جدائی اور ایسے اچھے پیاروں کی جدائی کا جو دُکھ ہے وہ ایک دم تو نہیں مٹ سکتا بلکہ ایسے دُکھ ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ بڑھ جایا کرتے ہیں ابھی چوٹ گرم ہے ابھی پتا نہیں لگ رہا وقت کے ساتھ ان کی جدائی کا احساس ان کی کمی کا احساس بڑھتا رہے گا۔ وہ بھی اس وقت شاید براہ راست میرا خطبہ سُن رہے ہوں گے ربوہ والوں کی طرف سے اور دوسری جگہوں سے جو خط مل رہے ہیں ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بڑے شوق سے خطبوں میں حاضر ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ

ہماری دیکھنے کی پیاس بُجھ رہی ہے کچھ تو قرب کا احساس ہو رہا ہے اس لئے اللہ کے فضل سے جماعت کی تربیت پر بھی بڑا فرق پڑ رہا ہے۔ گھر گھر میں جہاں پہلے دوسرے پروگرام دیکھنے کے اڈے ہوا کرتے تھے اب پتا لگا ہے کہ لوگ شوق سے Antennas لگا رہے ہیں اور خاص ڈش لگا کر خطبوں میں خود بھی شامل ہوتے ہیں اور ساتھ کے ہمسایوں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ بعض خاندانوں نے اپنے بعض گھروں میں خود Antennas لگائے ہوئے ہیں اور یہ رواج ساری دنیا میں چل پڑا ہے۔ تو مجھے یقین ہے کہ وہ سامنے بیٹھے ہونگے آج شاید ان کا جنازہ بھی ہو چکا ہو تو ان کو میں بہت ہی محبت بھرا اسلام پہنچاتا ہوں اپنی طرف سے بھی اور ساری دنیا کی جماعت کی طرف سے بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ نے بڑی سعادت بخشی ہے اور ایسی سعادت بخشی ہے کہ جس کے نتیجہ میں جدائی کا غم ہونے کے باوجود ایک خوشی اور تشکر کا احساس لازماً دل میں پیدا ہونا چاہئے بڑا خوش نصیب ہے انسان جو اس شان کے ساتھ سر اُٹھاتے ہوئے خدا کی راہ میں اپنا سر دے دے اور اس کی بیوی بچے مبارک کے کتنے مستحق ہیں، کتنے حسین اخلاق کے مالک ہیں اس غم کے موقع پر، صدمے کے موقع پر سعادت پر نظر رکھی ہے اور نقصان پر نہیں رکھی اور جو کچھ پایا ہے اس کے زیادہ ہونے کا احساس ہے جس نے ان کو اس وقت سہارا دیا ہے۔ جو کھویا ہے اس کو معمولی سمجھنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سارے کام خود بنائے ان کے سب بوجھ خود اُٹھائے ان کا والی اور ان کا حامی و ناصر ہو اور اس شہادت کو خدا تعالیٰ بہت پھول اور پھل لگائے۔ چوہدری محمد علی صاحب کا ایک شعر ایسا ہے جو خدا کے نیک بندوں کو پھول پھل لگنے سے تعلق رکھتا ہے۔

وہ برگزیدہ شجر لڑ رہا تھا موسم سے
کہ پھولنا تھا اُسے برگ و بار دینا تھا (اشکوں کے چراغ صفحہ: ۱۴)

تو احمدیت کا برگذیدہ شجر تو موسم سے لڑتا رہے گا۔ ایک شاخ تراش لو گے ایک پھول توڑ لو گے تو کیا اس شجر کو مار دو گے۔ بہت جاہل ہو یہ تو وہ شجر ہے جو خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ یہ موسم سے اسی طرح لڑتا رہے گا۔ یہ برگزیدہ شجر ہے اسے پھولنا ہے پھلنا ہے اسے برگ و بار دینا ہے اور دیتا چلا جائے گا۔

پس امانت کا حق ادا کرنے والوں کو یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ہماری جان بھی امانت ہے

امانت کا حق ادا کرتے ہوئے جان بھی جائے تو وہی مضمون اس پر صادق آتا ہے کہ

؎ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا (دیوان غالب صفحہ :۶۵)

پس اس جذبہ سے احمدی اپنے حقوق ادا کرنے شروع کریں تو دیکھیں دنیا پر خدا تعالیٰ کے فضل سے کتنی جلدی جلدی اللہ تعالیٰ ان کا رعب قائم کرتا ہے ان کونشوونما عطا فرماتا ہے ان کو بڑھاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جب کسی کام کرنے والے پر پیار کی نظریں پڑنے لگ جائیں تو وہیں اس نے اپنے مقصد کو پالیا اور جب خدا کے پیار کی نظر کسی شجر پر پڑتی ہے تو وہ ضرور پھولتا پھلتا ہے ایسا شجر بانجھ رہ ہی نہیں سکتا تو جو عہد یدار ہیں وہ اس طرح کام کریں اس نیت سے کام کریں کہ اللہ کی رضا کی پیار کی نظریں ان پر پڑنے لگیں اور کام کرنے والے خود اپنے اپنے دائرہ کار میں اسی طرح کام کریں کہ مقصود یہی ہو کہ میرے مولیٰ کی محبت اور تحسین کی نظر مجھ پر پڑنے لگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتنے پیار اور کتنے ناز سے بار بار فرمایا ہے۔ ؎ **سبحان من یرانی سبحان من یرانی** مجھے کیا فکر ہے وہ ذات میرا محبوب پیارا اور بہت پاک ہے اور بہت بلند ہے جو ہر حال میں مجھے دیکھ رہا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے اس کی محبت کی نگاہ چھوڑتی نہیں ہے۔ایسے شخص کے کام کیسے بے پھل کے رہ سکتے ہیں وہی ایک ہے جو آج کروڑ بن گیا ہے۔تمام دنیا میں جس کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے جس کی شہرت زمین کے کناروں تک جا پہنچی ہے آج آپ میں سے ہر ایک میں وہ صلاحیت موجود ہے جو اگر خدا کے پیار کا مورد بن جائے ،اس صلاحیت پر خدا کے پیار کی نظر پڑنی شروع ہو جائے تو ضرور چمکے گی ضرور نشوونما پائے گی ،ضرور پھول پھل لائے گی۔امانت کا حق اس طرح ادا کرنے کی کوشش کریں تو دیکھیں خدا تعالیٰ پھر کس طرح آپ سے محبت اور پیار کا سلوک فرماتا ہے۔اور تمام دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ احمدیت کا پیغام پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔

ایک دوسرے شہید کا ذکر بھی میں کرنا چاہتا ہوں۔مبشر احمد صاحب چوہدری مبلغ سلسلہ کانو نائیجیریا میں مبلغ سلسلہ ہیں اور نائیجیریا میں کانوسٹیٹ میں تبلیغی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے متعلق آج ہی اطلاع ملی ہے کہ اپنے دیگر دوستوں کے ساتھ تبلیغی سفر پر ایک کار میں کہیں جارہے تھے تو راستے میں کار ایک کھائی میں گر گئی اور وہاں ہمارے عزیز بھائی مبشر احمد نے تو

موقع پر ہی دم توڑ دیا اور دوسرے دو ساتھی زخمی ہوئے لیکن اللہ کے فضل سے ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ یہ شہید ہیں اوّل اس معنی میں کہ جو بھی مبلغ خدمت دین کے لئے باہر نکلتا ہے اور خدمت دین کی حالت میں جان دیتا ہے بلا شبہ وہ شہادت کا اعلیٰ درجہ حاصل کرتا ہے۔ محض تلوار سے لڑنے والا شہید نہیں ہوا کرتا جو خدا کی خاطر اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر نہایت مصیبت کی حالت میں تنگی اور تکلیف کی حالت میں خدمت دین کے لئے مختلف میدانوں میں نکلتا ہے جس میدان میں اس پر موت آئے وہ یقیناً شہید شمار ہو گا لیکن پھر اس میدان کے اندر وہ وقت اور وہ سفر جس حالت میں انہوں نے جان دی ہے وہ خاص طور پر تبلیغ پر جانے والا سفر تھا۔ ایک اور تیسری بات جو اس معاملہ میں ان کے مقام اور مرتبہ کو شہادتوں میں ایک نمایاں حیثیت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ امیر صاحب نے گواہی لکھی ہے کہ ایک سال پہلے مجھے مبشر شہید نے یہ بات بتائی تھی کہ ان کی اہلیہ نے لکھا ہے کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ مبشر صاحب کو کفن میں لپیٹ کر پاکستان لایا گیا ہے۔

پس جو کچھ بھی تھا مقدر تھا۔ ہم اس پر راضی ہیں ہمارا بہت پیارا محبت کرنے والا وجود بہت خدمت کرنے والا بھائی ہم سے جدا ہوا ہے بلکہ ایک نہیں دو بھائی آج جُدا ہوئے ہیں۔ ان کی جدائی کا صدمہ تو ضرور ہے۔ لیکن بات وہی سچی ہے جو ہمارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے کہ

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر (درثمین صفحہ: ۱۰۰)

ان دو شہادتوں کو پیش نظر رکھ کر اپنی ذمہ داریوں کو پھر سمجھیں کہ جو شہید ہو رہے ہیں وہ اپنے پیچھے ایک پیغام چھوڑ کر جا رہے ہیں اور وہ پیغام یہ ہے کہ جب تک ہماری پیش گئی جب تک بس چلا ہم نے اپنی تمام طاقتیں اس راہ میں جھونک دی ہیں۔ اب خدا نے ہمیں بُلا لیا ہے تو ہم میں طاقت نہیں ہے کہ ہم مزید کچھ کر سکیں اے وہ جو پیچھے رہ جانے والے ہو! تم اپنے وقت کی قدر کرو۔ دیکھو خدا نے تمہیں مزید خدمت کی توفیق بخشی ہے اپنی ہر طاقت کو اس میں جھونک دو تا کہ جس طرح میں مرتے وقت خدا سے راضی اور خدا مجھ سے راضی ہے تم بھی اس حالت میں جانیں دو کہ تم خدا سے راضی ہو اور خدا تم سے راضی ہو۔ پس اس جذبہ کے ساتھ اگر جماعت دنیا میں کام کرے گی تو دیکھیں کہ کتنی جلدی

جلدی دنیا کی تقدیر بدلے گی۔ دنیا کے حالات تو بہت ہی گندے ہیں لیکن افسوس ہے کہ لوگ نصیحتوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ امانتوں میں خیانت کرتے ہیں اور سوچتے نہیں کہ خدا کے حضور جوابدہ ہوں گے اور کیسے جواب دیں گے۔

بنگلہ دیش کے حالات آپ کے سامنے ہیں ان کے متعلق میں نے ایک خطبہ میں کھلم کھلا یہ اظہار کیا تھا کہ حکومت اس میں لازماً شامل ہے اور پوری ذمہ دار ہے اور یہ باقاعدہ ایک سازش کے نتیجہ میں ایسا ہوا ہے وہاں جب بعض لوگوں تک یہ بات پہنچائی گئی تو انہوں نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے۔ ہم نے کہا ہم جو آپ کو بتا رہے ہیں کہ آئندہ کیا ہو رہا ہے اور کس طرح ہونا ہے وہ خود ثبوت ہے، حکومت کا ردعمل ثبوت ہے لیکن اب ہمیں ایک ایسا ثبوت ملا ہے جو بالکل کھلم کھلا قطعیت کے ساتھ حکومت کے ملوث ہونے کو ثبوت کرتا ہے۔ جماعت نے مختلف ممالک سے مختلف حکومتوں سے جو احتجاج کئے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک ملک سیاست کے دائرہ سے باہر جا کر وہاں ظلم کر رہا ہے جہاں سیاست کا کام ہی کوئی نہیں ہے اپنے دائرہ کار سے باہر ہو کر ظلم کر رہا ہے۔ یونائیٹڈ نیشنز کا کام ہے، تم لوگوں کا کام ہے کہ ان پر دباؤ ڈالو اور ان کو بتاؤ کہ اپنے دائرہ کار کے اندر رہیں اور وہاں بھی انصاف کا معاملہ کریں۔ تو ایک بڑے ملک کے جو طاقتور ملک ہے اس کے وزیر اعظم نے اپنے ایک ممبر پارلیمنٹ کو ہمارے معاملہ میں جب اس نے ان کو توجہ دلائی تو جواباً لکھا کہ جو جو باتیں آپ نے بیان کی ہیں وہ درست ہیں اس کے علاوہ بھی انہوں نے بعض باتیں بیان کیں۔ جماعت کو جو نقصان کی اور حملے کے طریق کی خبر تھی اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ان کے اپنے ایمبیسیڈر وغیرہ یا جو بھی اس کام پر مقرر ہیں کی طرف سے ان کو اطلاع مل چکی تھی اور انہوں نے کہا کہ یہی نہیں بلکہ وزیر مذہبی امور (جس کو مذہبی امور کا وزیر کہا جاتا ہے) لیکن دراصل وہ مذہبی فتنہ کا وزیر ہوتا ہے۔ جہاں جہاں بھی مذہبی امور کے وزیر ہیں آپ بلاشبہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہبی فتنہ پھیلانے کا وزیر ہے۔ جہاں مذہبی فتنہ پھیلانے کی ضرورت نہ ہو وہاں مذہبی وزیر کی ہی ضرورت نہیں ہوا کرتی اور بڑا بدنصیب وہ شخص ہوتا ہے جس کو مذہبی وزیر کے طور پر مقرر کیا جائے اس کے سوا اس کی کوئی قیمت ہی نہیں کہ وہ فتنہ پھیلائے گا۔ پس وہاں بھی فتنوں کے اس وزیر نے اس بیرونی حکومت کے وزیر اعظم کے بیان اور اقرار کے مطابق یہ اعتراف کیا ہے کہ ہاں حکومت نہ صرف ملوث ہے بلکہ حکومت ہی یہ فیصلے کر بیٹھی ہے کہ یوں ہم نے کرنا ہی کرنا

ہے۔یعنی شروع سے تمام چال حکومت کی چلائی ہوئی ہے۔

میں ان کو نصیحت کر سکتا ہوں کمزور انسان ہوں ایک ایسی جماعت کا سربراہ ہوں جس کا سربراہ سے بڑھ کر ایک ادنیٰ خادم ہوں اور اسی میں میری عزت ہے کہ میں جماعت کا خادم بن سکوں اس لئے میں جانتا ہوں کہ میری بات کا ان پر کسی قسم کا ایسا اثر نہیں پڑ سکتا کہ وہ جھک کر اُسے سُنیں لیکن جو سچی اور نیکی کی بات ہو اسے جھک کر سننا خود سننے والے کے مفاد میں ہوتا ہے۔ میرے پاس کوئی طاقت نہیں ہے جس کے زور سے میں یہ بات آپ کے دل میں جاگزیں کر سکوں مگر بنگلہ دیش کی موجودہ سربراہ کو میں توجہ دلاتا ہوں کہ دور کی تاریخ نہیں قریب کی تاریخ پر نظر ڈال کر تو دیکھیں۔جن جن لوگوں نے احمدیت سے یہ سلوک کیا تھا ان کا کیا حشر ہوا اور کیا انجام ہوا اور کیا کہیں بھی احمدیت کا ادنیٰ سا دخل بھی اس انجام میں تھا یعنی ظاہری طور پر احمدیت کی کوششوں سے کیا وہ اس بد انجام کو پہنچے ہیں جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں، ہرگز نہیں۔احمدیوں کا اتنا دخل ضرور تھا کہ احمدیوں پر ظلم کیا گیا اور خدا تعالیٰ نے خود اس کا انتقام لیا ہے اور آنے والوں کے لئے ایک نصیحت، ایک عبرت کا پیغام چھوڑ دیا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم سے بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔سب سے پہلے امیر فیصل کے ساتھ جو واقعہ ۱۹۷۳ء میں گزرا ہے وہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی لاہور میں جب Summit کانفرنس منعقد ہوئی ہے تو انہوں نے وہاں پوری طرح اس سازش میں شریک ہو کر جماعت کو غیر مسلم قرار دینے کی پوری حامی بھری اور پھر اس کے نتیجہ میں بھٹو صاحب کو یہ حوصلہ ہوا۔ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا اس سے پہلے کبھی کسی سعودی سربراہ کا یہ انجام ہوا تھا؟ ایک غیر معمولی انجام ہے۔کوئی عام انجام نہیں ہے۔ پھر بھٹو صاحب کی باری آئی۔ان کو بھی میں نے ایک دفعہ ذاتی طور پر سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر نہیں سمجھے پتا نہیں کیسے دباؤ میں آگئے تھے اور وہ جس انجام کو پہنچے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے۔کیا حکومت پاکستان کے کسی سربراہ کا ایسا انجام ہوا ہے۔پھر ضیاء صاحب کی باری آئی۔ان کو میں نے اس طرح ذاتی تنبیہ نہ کی لیکن خطبہ کے ذریعے کھلے عام ساری دنیا کو سنا کر تنبیہ کی کہ دیکھو تاریخ اپنے آپ کو اس طرح ضرور دُہرائے گی کہ خدا کے بندوں کے ساتھ جس نے ظلم کا سلوک کیا ہے خدا کی تقدیر اس کو خالی نہیں چھوڑے گی۔ضرور اسے عبرت کا نشان بنائے گی۔پس میں نے ان کو بتایا کہ رات مجھے اللہ تعالیٰ نے پھر یہ بتایا کہ یہ تاریخ اپنے آپ کو دُہرانے والی ہے۔

میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ تم سے کچھ ہو جائے گا۔ اگلا خطبہ آنے سے پہلے پہلے آسمان میں ان کا جہاز پھٹ گیا اور اس کے ساتھ ان کا سارا تکبّر تتّر بتّر ہو گیا اور ذرّہ ذرّہ ہو کر بکھر گیا۔ تین واقعات گزر چکے ہیں۔ ایک بھی ان میں استثناء نہیں ہوا۔ یہ تین ہی ہیں جنہوں نے اس تمام تاریخ میں جماعت کو غیر مسلم قرار دینے میں مرکزی حیثیت مرکزی کردار ادا کیا تھا اگر یہ مجاہد اول تھے، اگر خدا کی خاطر اور خدا کے دین کی خاطر اور محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ کے عشق میں ایسا کیا گیا تھا تو کیسا ظالم خدا ہے جو ہر ایسا کرنے والے کے ہاتھ کاٹ دیتا ہے، اس کا سر پاش پاش کر چھوڑتا ہے اور اس سے ایسا سلوک ہوتا ہے جو اس جیسوں سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ یہ تمام خدا کے غیر معمولی تقدیر کے مظہر بن چکے ہیں۔ کبھی پاکستان کے کسی سربراہ کو پھانسی نہیں دی گئی، کبھی پاکستان کے کسی سربراہ کا جہاز اس طرح آسمان میں پھٹ کر ریزہ ریزہ نہیں ہوا۔ کبھی سعودی عرب کا کوئی بادشاہ اپنے عزیزوں کے ہاتھوں اس طرح ذلت کے ساتھ قتل نہیں ہوا تو اگر بنگلہ دیش کی وزیر اعظم محترمہ نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ وہ تین کو چار کرنے والی ہوں گی یعنی ان معنوں میں تو ان کی مرضی ہے۔ کوئی ان کو روک نہیں سکتا۔ مگر خدا کی تقدیر کو بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ جو چاہیں کریں خدا کی تقدیر ضرور آپ کا تعاقب کرے گی اور آپ کو چھوڑے گی نہیں۔ یہ ایک عاجزانہ نصیحت ہے۔ یہ ان معنوں میں پیشگوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے معین آپ کے متعلق بتایا ہے مگر میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں نے ان تین واقعات سے ایک ایسا قطعی نتیجہ نکالا ہے جس پر بنا کرتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو استغفار سے کام لینا چاہئے توبہ کرنی چاہئے۔ اپنے ملک کو ان مصائب میں نہ دھکیلیں جو مصائب ایسے ظلم کے بعد ضرور پیچھا کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے اور بنگلہ دیش کے غریب مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

خطبہ ثانیہ سے پہلے حضور انور نے فرمایا کہ آج نماز جمعہ و عصر کے بعد ان دونوں شہداء کی نماز جنازہ ہوگی۔

وقف جدید کے ۳۷ ویں سال کے آغاز کا بابرکت اعلان

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ / دسمبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

گزشتہ سال ان دنوں جمعہ کے روز قادیان میں وقفِ جدید کے سالِ نو کا اعلان کرنے کی توفیق عطا ہوئی تھی اور آج بھی وہاں جمعہ کا دن جلسہ کی طرح منایا جارہا ہوگا اور خدا کے فضل سے دنیا کے مختلف ممالک سے آنے والے مخلصین اس وقت قادیان میں جمع ہو چکے ہیں اور اگر چہ جلسہ کل سے شروع ہوگا لیکن آج کا جمعہ بھی عملاً جلسہ کا ہی حصہ بن جائے گا اس لئے سب سے پہلے تو مَیں اپنی طرف سے، جماعت احمدیہ انگلستان کی طرف سے اور تمام دنیا کی جماعتوں کی طرف سے حاضرینِ جلسہ قادیان کو محبت بھرا اسلام اور مبارکباد پیش کرتا ہوں اور پھر اہلِ پاکستان کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ۔ ہزار ہا احمدی پاکستان سے بھی اس جلسہ میں شریک ہورہے ہیں۔اس جلسہ کی افتتاحی تقریر کی متبادل تقریر کل صبح انشاءاللہ یہاں کے وقت کے مطابق دس بجے شروع ہوگی بلکہ دس بجے سے کچھ پہلے ہی یہ کارروائی شروع ہو جائے گی اسے باقاعدہ افتتاحی کارروائی تو نہیں کہنا چاہئے کیونکہ غالباً جس وقت میں یہاں خطاب کروں گا اس سے پہلے وہاں افتتاح ہو چکا ہوگا۔ بہر حال جو احباب یہاں پہنچ سکتے ہوں وہ انتظام سے یہ پوچھ کر کہ اگر اتنی گنجائش ہو کہ لنڈن کے سب لوگ یہاں سما سکیں تو وہ یہاں آجائیں ورنہ پھر اپنی اپنی جگہ ٹیلی ویژن پر دیکھیں اور اس طرح کل کا جلسہ درحقیقت ایک بہت ہی وسیع عالمگیر جلسہ بن جائے گا۔ قادیان سے جلسوں کا آغاز ہوا اور قادیان ہی کی طرف واپسی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ایک سو سال کے لمبے چکر کے بعد لمبے سفر کے بعد اب قادیان ہی مجمعٔ اقوامِ عالم

بنتا جا رہا ہے اور کل انشاء اللہ تعالیٰ جو جلسہ وہاں شروع ہوگا اس کا ایک حصہ یعنی میری تقریر تمام دنیا کی جماعتیں سن بھی رہی ہونگی اور دیکھ بھی رہی ہونگی اور کچھ جماعتیں اس طرح شریک ہونگی کہ ان کے کوئی نہ کوئی نمائندے وہاں پہنچے ہوئے ہونگے تو ایک بہت ہی عظیم الشان اور خوشیوں کا دن ہے جو کل طلوع ہوگا لیکن آج کا جمعہ بھی درحقیقت اس سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اس وقت بھی خدا کے فضل سے تمام دنیا کی جماعتیں اس جمعہ میں ان معنوں میں شامل ہیں کہ دیکھ رہی ہیں اور سن رہی ہیں اور ہر ایسے موقع پر جو اطلاعیں ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل نئے اور تازہ ولولے پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ خوشی تو اس بات کی پہنچتی ہے کہ جماعت خدا کے فضل سے بہت ہی زرخیز مٹی ہے جو بات کہی جائے وہ اس زرخیز مٹی پر پڑتی ہے جو اسے قبول کرتی ہے اور پھر بڑی تیزی سے نیکی کے بیج نشوونما پاتے ہیں۔ اب تو روزانہ ڈاک میں بکثرت ایسے خط ملنے لگے ہیں کہ ہم فلاں معاملے میں کمزور تھے، فلاں معاملے میں کمزور تھے۔ دیانتدار اپنے آپ کو سمجھتے تھے لیکن حقیقت میں دیانت کا تصور نہیں تھا۔ خیانت سے پاک سمجھتے تھے مگر اب پتا چلا ہے کہ خیانت ہوتی کیا ہے اور ہم یہ یہ عہد کر چکے ہیں اور خدا کے فضل سے نئی زندگیوں کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس طرح عبادات کے سلسلہ میں بھی جو خطوط ملتے ہیں ان سے روح تازہ ہو جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ حضرت اقدس مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی عالمی تربیت کے ایسے عمدہ انتظام فرما دیئے ورنہ ایک خلیفہ کے لئے ناممکن تھا کہ ساری دنیا کی جماعتوں پر نظر رکھتا، ان تک پہنچ سکتا اور براہِ راست ان سے مخاطب ہو کر ان کے دلوں میں نئے ولولے پیدا کر سکتا لیکن اب خدا نے یہ ایسے عجیب انتظام فرما دیئے ہیں کہ جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔

اب میں وقفِ جدید کے سالِ نو کے اعلان کی طرف آتا ہوں۔ اس وقت تک وقفِ جدید پر چھتیس سال گزر چکے ہیں اور آج سینتیسویں سال کے آغاز کا اعلان کیا جائے گا سب سے پہلے جب ۱۹۵۷ء کے آخر پر وقفِ جدید جاری ہوئی تو حضرت اقدس مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے ہاتھ سے وقفِ جدید کی مجلس میں پہلا نام میرا لکھا۔ اگرچہ حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب کو ہر لحاظ سے مجھ پر فوقیت حاصل تھی عمر کے لحاظ سے بھی بزرگ تھے صحابی بھی تھے اس لئے میری حیاء کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں کبھی بھی اس بات پر اصرار نہ کرتا کہ میرا نام پہلے لکھا گیا ہے لیکن حضرت مصلحِ موعودؓ کے

ہاتھ کے لکھے ہوئے کی ایسی حرص تھی، ایسی لالچ تھی کہ ایک موقع پر جبکہ وہ صدر مقرر ہوئے تھے ان کا لسٹ میں پہلے نام آنے لگا تو مَیں نے عاجزانہ طور پر درخواست کی کہ کیونکہ یہ حضرت مصلح موعودؓ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اس لئے اگر چہ مَیں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا مگر مجھے اسی نمبر پر رہنے دیا جائے۔ اس میں ایک پیشگوئی بھی تھی کہ خدا مجھے وقفِ جدید کے سلسلہ میں غیر معمولی خدمت کی توفیق بخشے گا اور اب وقفِ جدید کا نیا دور شروع ہوا ہے تو اب مجھے سمجھ آرہی ہے کہ کیوں حضرت مصلحِ موعودؓ نے میرا نام پہلے لکھا تھا کیونکہ اس وقت تو تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ خدا تعالیٰ مجھے خلافت کے منصب پر فائز فرمائے گا اور وقفِ جدید کی تحریک کو عالمی بنانے کا خیال دل میں پیدا فرمائے گا اور پھر اس کی توفیق بخشے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ہمیں خوشیوں کے یہ دن دکھائے کہ وہ تحریک جو صرف پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش تک محدود تھی اسے عالمی تحریک بنانے کی توفیق ملی اور جماعت احمدیہ کو بڑی ہی محبت اور خلوص کے ساتھ اس آواز پر لبیک کہنے کی توفیق ملی۔

جماعت احمدیہ کا جو یہ پہلو ہے یہ حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک ایسا عظیم الشان ثبوت ہے کہ ساری دنیا زور مار لے، گالیاں دے یا کوششیں کرے اور منصوبے بنائے تو بھی حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی یہ نمایاں اور عظیم الشان اور امتیازی خوبی ان سے چھین نہیں سکتی۔ اس پیغام کو سو سال ہو چکے ہیں سو سال میں کتنی ہی نسلیں ایک دوسرے کے بعد آتی ہیں اور تھک ہار کر بیٹھ رہا کرتی ہیں اور مالی نظام تو خصوصیت کے ساتھ بہت ہی زیادہ ابتلاء میں ڈالے جاتے ہیں۔ ابتلاء ان معنوں میں کہ مالی لحاظ سے ۱۰۰ سال کے اندر کام کرنے والوں کی دیانتیں بدل جاتی ہیں ان کے اخلاص بدل جاتے ہیں، قربانی کرنے والوں کا معیار بدل جایا کرتا ہے اور اس پہلو سے وہ مالی نظام جو خالصۃً طوعی تحریک پر مبنی ہو اس کے لئے ایک سو سال تک کامیابی کے ساتھ آگے بڑھتے رہنا اس جماعت کے بانی کی صداقت کی ایک بہت ہی عظیم الشان دلیل ہے۔ خاص طور پر جبکہ دنیا کے رجحان اس کے برعکس چل رہے ہوں جبکہ مالی قربانی کا تصور عملاً مٹتا چلا جارہا ہو جبکہ حکومتوں کی دولت پر کام چلائے جاتے ہوں اور انفرادی کوشش اور محنت اور اخلاص کے ساتھ اعلیٰ مقاصد کے لئے روپے پیش کرنے کا تصور اگر پہلے بعض قوموں میں تھا بھی تو کم ہوتا چلا جائے۔ دنیا میں جتنی بھی قومیں نیکی کے نام پر خرچ کرتی ہیں ان کے متعلق بلا خوفِ اختلاف یہ کہا جا

سکتا ہے کہ ہر آنے والے سال میں لوگوں کے جذبے میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ نیک کاموں پر از خود خرچ کرنے کا رجحان کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔

جماعت احمدیہ کا گراف اس سے بالکل مختلف ہے اور حیرت انگیز وفا کے ساتھ اپنے اس اسلوب کو قائم رکھے ہوئے ہے کہ ہر آنے والا سال جماعت کی مالی قربانی کی روح کو کم کرنے کی بجائے بڑھا رہا ہے۔ یہ اعجاز خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ایک سچے فرستادہ کے سوا کوئی دنیا میں دکھا نہیں سکتا۔ ساری دنیا کی طاقتوں کو مَیں کہتا ہوں کہ مل کر زور لگا کر دیکھ لیں۔ حضرت اقدس مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی کوئی مالی قربانی کرنے والی جماعت کہیں ہو تو لا کر دکھائیں۔ دنیا کے سامنے وہ چہرے تو پیش کریں وہ کون لوگ ہیں جو اس طرح اخلاص اور وفا کے ساتھ اور بڑھتی ہوئی قربانی کی روح کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور اپنے اموال پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ چونکہ اموال کی باتیں ہیں اس لئے مَیں اموال کی بات کر رہا ہوں ورنہ خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ نیکیوں کے ہر میدان میں آگے بڑھ رہی ہے۔ کسی میدان میں بھی پیچھے نہیں رہ رہی۔ وقتی طور پر جہاں بعض دفعہ اخلاقی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جب بھی توجہ دلائی جائے تو فوری طور پر اس کا ردّ عمل پیدا ہوتا ہے اور غلط راہوں پر جانے والے لوٹ آتے ہیں اور پھر صحیح راستے پر قافلے کے ساتھ مل کر چلنے لگتے ہیں۔

پاکستان میں بھی بعض خرابیاں مثلاً وڈیو کیسٹ کے غلط استعمال سے متعلق شروع ہوئیں۔ میں نے ایک خطبے میں اعلان کیا تھا کہ بعض گندی رسمیں راہ پا رہی ہیں اس سے قومی اخلاق تباہ ہو جائیں گے اور گھروں کے امن اٹھ جائیں گے اور میاں بیوی کے وفا کے سلسلے ٹوٹ جائیں گے اور ان کے تعلقات میں رخنے پڑ جائیں گے دراڑیں پڑ جائیں گی ہرگز اس رجحان کو پنپنے نہ دیں چنانچہ مجھے پاکستان سے جو خطوط ملے ان سے میرا دل خدا کے حضور سجدہ ریز ہوا اور بار بار ہوا کہ وہ لوگ جو بعض بدیوں میں مبتلا تھے انھوں نے صاف لکھا کہ ہم ان غلط کاموں میں پڑ گئے تھے۔ اللہ کا احسان ہے کہ حضرت مسیحِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت سے وابستہ ہیں اور براہِ راست جب آپ کی آواز ہم تک پہنچی ہے تو یہ سارے جھوٹے بت توڑ کر ہم نے اپنے دلوں سے باہر پھینک دیئے تو جماعت میں نیکی کی آواز پر لبیک کہنے کا جو مادہ ہے یہ صداقت کی اصل روح ہے اور یہ صداقت کی روح کبھی کوئی جھوٹا دنیا میں نہیں بنا سکتا۔ جن لوگوں کو عقل ہے، جن کو ہوش ہے، جن کو نفسیات کا کچھ ادنیٰ سا بھی علم

ہے وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ چیز بنانی کسی جھوٹے کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تزکیہ عطا ہوتا ہے تو تزکیہ نصیب ہوتا ہے ورنہ اپنی طاقت سے تزکیہ حاصل نہیں ہوسکتا، تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کرنے والی، پیار کرنے والی، آپ کی عاشق یہ جماعت اللہ کے فضل کے ساتھ نیکی کے ہر میدان میں آگے بڑھتی چلی جارہی ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے اس عاشق نے اپنا سب کچھ اور اپنی اولاد کا سب کچھ اور اپنی جماعت کا سب کچھ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا تھا اس میں برکت پڑ رہی ہے وہ مال بڑھتا چلا جارہا ہے ان قربانیوں کے معیار اونچے ہورہے ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں پہاڑوں میں تبدیل ہورہی ہیں۔ یہ سلسلہ ہائے کوہ بننے والے ہیں اس لئے نیکی کے ان رجحانات کو ہمیشہ زندہ رکھیں قائم رکھیں اور آگے بڑھاتے چلے جائیں۔

وقفِ جدید کے سلسلہ میں جب پہلے سال اعلان ہوا تھا تو مجھے یاد ہے کہ ساٹھ یا ستر ہزار روپے کا وعدہ تھا اور پھر ہم کوشش کرتے رہے زور لگاتے رہے اور خدا کے فضل سے ہر سال تحریک آگے بڑھتی رہی پھر جب خدا تعالیٰ نے مجھے خلافت کے منصب پر فائز فرمایا تو اللہ بخش صادق صاحب کو وقفِ جدید کا ناظم مقرر کیا گیا اور ان کے دَور میں بھی نہ صرف تحریک آگے بڑھی بلکہ جس وقت تک میں تھا اس کی نسبت مالی قربانی میں پہلے سے زیادہ تیز رفتار کے ساتھ آگے بڑھی اور اللہ کا بڑا احسان ہے کہ کسی پہلو سے بھی مجھے یہ شکوہ نہیں ہوا کہ اس میں یہ کمزوری آگئی ہے اور یہ بتاتے ہوئے مجھے خوشی ہے، کوئی غم نہیں ہے، اگر میری کمزوریوں کی وجہ سے پہلے کوئی کمزوری تھی تو اللہ نے احسان فرمایا کہ ان کمزوریوں کو دور کر دیا اور اب جب باہر آکر عالمی تحریک کی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے یکدم انقلاب برپا ہو گیا ہو۔ مثلاً جو موازنے میرے سامنے ہیں وہ بھی بہت خوشکن ہیں اور بہت ہی عمدہ تصویر پیش کرتے ہیں مجھے یاد ہے کہ مَیں نے کسی جگہ بعض کوائف پڑھے تھے اس میں گزشتہ سالوں کے مقابل پر کچھ موجودہ کوائف بھی پیش ہوں گے۔ سردست مَیں ۱۹۹۲ء-۱۹۹۱ء کا موازنہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

۱۹۹۱ء میں ایک لاکھ اکانوے ہزار چھہتر (۱۹۱۰۷۶) پاؤنڈز کے وعدہ جات تھے جو ۱۹۹۲ء میں بڑھ کر دو لاکھ ستاون ہزار دوسو (۲۵۷۲۰۰) پاؤنڈ بن گئے۔ یہ خدا کے فضل سے ایک بہت بڑا اضافہ ہے جو ۳۴.۶۴ فیصد بنتا ہے۔ وقفِ جدید ابھی بھی جس تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے یہ حیرت

انگیز ہے ورنہ اتنے لمبے عرصے کے بعد عموماً تحریکوں کے قدم آگے بڑھنے کی رفتار کے لحاظ سے یا موازنے کی رفتار کے لحاظ سے مدھم پڑ جایا کرتے ہیں لیکن جب آپ وصولی کی بات سنیں گے تو مزید حیران رہ جائیں گے۔ ۱۹۹۱ء میں وعدہ ۱۹۱۰۷۶ تھا اور وصولی ۲٫۲۰٫۶۹۵ پاؤنڈز تھی جبکہ ۱۹۹۲ء میں وعدہ ۲٫۵۷٫۲۵۹ پاؤنڈز تھا اور یہ وہم سا ہوتا تھا کہ اتنے بڑے اضافے کی وجہ سے شاید پوری وصولی نہ ہو سکے لیکن وصولی اس کے مقابل پر ۳٫۳۴٫۶۸۸ پاؤنڈز ہے۔ تو آپ دیکھیں کہ وقفِ جدید کی تحریک اب کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ کروڑوں میں داخل ہو گئی ہے یعنی اس کو پاکستانی روپوؤں میں تبدیل کر کے دیکھیں تو چند ہزار سے جو تحریک شروع ہوئی تھی اس کو خدا نے اس نئی صدی میں کروڑوں تک پہنچا دیا ہے اور یہ سلسلہ جس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے اس سے امید ہے کہ انشاء اللہ اس کے بہت ہی عظیم الشان نتائج ظاہر ہوں گے۔

پاکستان اور بنگلہ دیش اور ہندوستان کے علاوہ بیرونی دنیا میں کام کے لحاظ سے دراصل وقفِ جدید کی اتنی ضرورت نہیں تھی جتنی چندے کے لحاظ سے ضرورت تھی کیونکہ وقفِ جدید کا زیادہ تر کام پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان میں ایک نہج پر چل پڑا ہے اس لئے مَیں نے یہ تحریک کی کہ باہر کے ممالک چندے میں شامل ہوں تا کہ ان کاموں کو آگے بڑھایا جائے لیکن افریقہ کے لئے یہ استثناء رکھا گیا ہے کہ افریقہ کا وقفِ جدید کا چندہ وہیں خرچ ہوگا کیونکہ افریقہ کے متعلق پالیسی یہی ہے کہ اس غریب خطۂ ارض کو دنیا کی امیر قوموں نے بہت لوٹا ہے ان کا خون چوسا گیا ہے اور اب تو اکثر ممالک خوفناک اینیمیا (Anaemia) خون کی کمی کا شکار ہو چکے ہیں اس لئے مَیں نے چند سال پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ جماعت احمدیہ اس رخ کو پلٹائے گی یعنی آئندہ کبھی افریقہ کا پیسہ باہر نہیں جائے گا بلکہ باہر سے پیسہ افریقہ بھیجا جائے گا۔ چندوں کے سلسلہ میں بھی یہی پالیسی ہے اور اسی لئے وقفِ جدید افریقہ کی جو بھی رقم ہے وہ افریقہ پر ہی خرچ ہوتی ہے بلکہ باہر کی بھی انشاء اللہ افریقہ پر خرچ کی جائے گی۔

پاکستان بنگلہ دیش اور ہندوستان کے علاوہ جو درمیانی حصہ ہے اس میں زیادہ تر یورپین اور مغربی ممالک ہیں اور پھر انڈونیشیا اور جاپان وغیرہ بھی ہیں جن کے چندے سے خدا تعالیٰ کے فضل سے اب خاص طور پر ہندوستان میں اور پھر بعض دوسری جگہوں پر بھی کام کو آگے بڑھایا جائے گا۔

سب سے زیادہ نمایاں آگے قدم بڑھانے والے ملکوں میں سے اس وقت امریکہ قابلِ ذکر ہے۔امریکہ کے امیر صاحب نے گذشتہ سال مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے اپنی مجلس عاملہ میں غور کرتے ہوئے یہ سوچا ہے کہ کم سے کم کسی نیکی کے میدان میں تو امریکہ سب دنیا سے آگے بڑھ جائے۔ جرمنی کا نام بار بار سنتے ہیں وہ ہر میدان میں آگے چلا جاتا ہے تو اس سے بھی رشک پیدا ہوتا ہے پس ہم نے اپنے لئے چھوٹی سی تحریک وقفِ جدید چن لی کیونکہ باقی جگہ تو وہ صاف ہتھیار ڈال چکے تھے۔صاف نظر آرہا تھا کہ خدمت کے دوسرے وسیع میدانوں میں تو ہم سے آگے نہیں نکلا جائے گا اس لئے کم سے کم وقفِ جدید کو ہی چن لیں چنانچہ وقفِ جدید کو چن کر انھوں نے محنت کی اور دودن ہوئے مجھے فون پر ان کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ ہم نے خدا کے فضل سے غیر معمولی محنت سے کام لیا۔(ان کی اس رپورٹ کا کچھ حصہ مَیں پڑھ کر بھی سناؤں گا) اوراب ہمیں یقین ہے کہ ہم جرمنی سے بہت آگے نکل چکے ہیں مَیں نے کہا کس طرح یقین ہے۔انھوں نے بتایا کہ ان کا اتنا وعدہ تھا جو ۳۰۔۳۵ ہزار پاؤنڈ کے قریب بنتا تھا اور ہم نے جو وصولی اب تک کر لی ہے وہ ۵۰ ہزار سے اوپر ہے اس لئے جرمنی کے قریب آنے کا بھی کوئی سوال نہیں رہا۔ہم تقریباً دگنے سے آگے بڑھ گئے ہیں لیکن جرمنی کی جب رپورٹ ملی تو جرمنی کی وصولی ۵۲ ہزار ۴۶۰ پاؤنڈ تھی۔یعنی وعدے سے دوگنے سے بھی زیادہ وصولی ہو چکی تھی۔ مجھے اس وقت کسی نے کہا کہ صرف تین ہزار کا فرق رہ گیا ہے اگر آپ جرمنی کو بتادیں تو جرمنی آسانی سے اس کو پورا کر کے پھر آگے بڑھ جائے گا۔ میں نے کہا دونوں میرے ہی گھوڑے ہیں ایک گھوڑے بیچارے نے زور مارا ہے،کوشش کی ہے آگے بڑھنے والا ہے میں کیوں خواہ مخواہ اس کو اس نیکی سے محروم کردوں۔ بڑی تمنا کے ساتھ انھوں نے کام کیا ہے اور واقعی بڑی محنت کی ہے انور خاں صاحب ان کے سیکریٹری وقفِ جدید تھے انھوں نے سارے ملک میں دورے کئے یا خطوط لکھے اور کوششیں کیں۔

آگے جب اعداد وشمار آئیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ خدا کے فضل سے تعداد کے لحاظ سے بھی بہت اچھا کام کیا گیا ہے۔ساری دنیا میں چند چھوٹے ممالک کو چھوڑ کر جن میں گنتی کی تعداد ہے غالباً امریکہ نے تعداد میں سب سے زیادہ اضافہ کیا ہے۔ پاکستان کو ہم مقابلے میں شامل نہیں کرتے وہ تو خدا کے فضل سے بہر حال نمبر ایک ہی ہے اور باہر بھی جو قربانی کرنے والے ہیں ان میں بھی

بھاری تعداد ماشاء اللہ ان لوگوں کی ہے جن کا پہلے پاکستان سے تعلق تھا تو اس لحاظ سے بھی پاکستانی، پاکستانیوں کا غیر پاکستانی، پاکستانیوں کے ساتھ مقابلہ ہو رہا ہے لیکن بہر حال دوسرے بھی خدا کے فضل سے بڑھ رہے ہیں۔ میری تو اب کوشش یہ ہے اور مَیں بار بار دوسرے ممالک کو توجہ بھی دلا رہا ہوں کہ پاکستان یا ہندوستان والوں نے پیغام کا ابتدائی حق ادا کیا ہے۔ آپ کے ملک تک پیغام پہنچائے۔ نیکیاں رائج کیں، کام کرنے کے اسلوب سکھائے اور اب کب تک آپ اسی طرح انکے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ اب وقت آ رہا ہے کہ غیر پاکستانی احمدی بھی دنیا کے ہر ملک میں چیلنج کو قبول کریں اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کریں تو انشاء اللہ وہ وقت بھی آئیں گے اور امید رکھتا ہوں کہ اللہ کرے ہماری اس نسل کی زندگی میں یہ وقت آئیں کہ بڑی بڑی عظیم الشان قومیں خدمتِ دین میں آگے بڑھیں اور پاکستان کے احمدیوں سے یا ہندوستان کے احمدیوں سے کسی ملک میں بھی بستے ہوں نیکیوں میں آگے بڑھنے کا مقابلہ کریں اور پھر بعض میدانوں میں آگے بڑھ کر دکھائیں۔

جرمنی کے بعد کینیڈا نمبر ۴ ہے اور کینیڈا نے بھی اس دفعہ خدا کے فضل سے بہت محنت کی ہے، بہت اچھا کام کیا ہے۔ اس کے کام کے چند نمونے مَیں آپ کو پڑھ کر سناؤں گا۔ برطانیہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثابت قدم ہے جہاں تھا اس سے نیچے نہیں گرا اور جیسا کہ ۱۸ ہزار پاؤنڈ کا وعدہ تھا وہ انھوں نے پورا کر دیا ہے۔ ہندوستان میں اس دفعہ کچھ کمی آئی ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آخری دنوں یعنی نومبر دسمبر کے ہی دو مہینے خصوصیت کے ساتھ ہیں جن میں وصولی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے لیکن وہاں کے حالات بہت بگڑ گئے اور وقفِ جدید قادیان کے لئے دورے کا تو سوال نہیں تھا خط و کتابت کے ذریعے بھی جماعتوں تک پہنچنا مشکل ہو گیا اور بہت ہی بگڑے ہوئے حالات تھے۔ کچھ مزاج بگڑے۔ نقصانات میں جماعت کے بھی بعض نقصانات ہوئے ہیں لیکن خدا کے فضل سے نسبتاً بہت کم ہیں تو مَیں امید رکھتا ہوں کہ ہندوستان کی جماعتیں بھی جہاں یہ آواز پہنچ رہی ہو اپنے طور پر کوشش کریں۔

نیکی تو وہی ہوتی ہے جو اپنی ذات میں قائم ہو جائے اور جڑیں قائم کر لے اس پہلو سے ہمیں بَڑ کا نمونہ اختیار کرنا چاہئے۔ درخت بعض دفعہ بڑے بڑے تناور ہو جاتے ہیں اور بہت دور دور تک پھیلتے ہیں لیکن وہ درخت جو ہمیشہ ایک ہی جڑ سے تعلق رکھ کر اس سے خوراک حاصل کرتے ہیں انکے

پھیلاؤ کے دائرے محدود رہتے ہیں اور ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے لیکن بڑ کے درخت میں یہ خوبی ہے کہ جوں جوں پھیلتا ہے نئی شاخیں زمین کی طرف جھکاتا ہے جو زمین تک پہنچ کر جڑیں بن جاتی ہیں اور پھر ان جڑوں سے گویا اسی درخت کے نئے بچے پیدا ہوتے ہیں جو نئے درخت کے طور پر نہیں بلکہ پہلے درخت کے مددگار بن کر تعلق کاٹے بغیر اس کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس طرح یہ سلسلہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مَیں نے بَڑ کا ایک ایسا درخت دیکھا تھا جو غالباً ہزار سال سے بھی زائد کا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت بدھ کے زمانے کا ہے بہر حال جو بھی اس کا زمانہ تھا لیکن یہ مَیں نے دیکھا کہ اتنا پھیل چکا تھا کہ ہمارا بڑے سے بڑا جلسہ سالانہ یعنی اڑھائی لاکھ والا جو جلسہ سالانہ تھا وہ اس کے اندر سما سکتا تھا۔ پارکنگ Lots بھی بن سکتی تھیں۔ پھر بھی جگہ باقی رہ جاتی تھی۔ تو جماعت احمدیہ کو جو درخت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ”میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخو“ تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ان شاخوں میں بھی از سرِ نو درخت بننے کی صلاحیت رکھی گئی ہے اس لئے جہاں جہاں بھی جماعتیں پھیلتیں ہیں وہ وہاں زمین میں اپنی جڑیں پیوست کریں اور خود نشوونما حاصل کرنا شروع کریں محض پرانی جڑوں پر انحصار نہ کریں۔

اس پہلو سے ہر ملک کے باشندوں کو چاہئے کہ وہ پاکستانی یا ہندوستانی نسل کے لوگوں سے جن پر سب سے پہلے احمدیت کی ذمہ داری ڈالی گئی ان پر اپنا انحصار ان معنوں میں نہ رکھیں کہ وہی جڑیں بنی رہیں اور یہ شاخیں بن کر ان سے رَس چوستے رہیں بلکہ خود اپنے اپنے ملک میں جڑیں قائم کریں لیکن بڑ کی شان کے ساتھ وفاداری کے ساتھ اپنی جڑیں قائم کر کے اصل درخت سے الگ نہ ہوں بلکہ اس کا وجود بنے رہیں تب ان پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ توقع صادق ہوگی کہ ”اے میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخو“ اگر اُنہوں نے جڑیں الگ کر لیں اور اپنے درخت بھی الگ کر لئے تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود کی سرسبز شاخیں نہیں رہیں گی بلکہ کسی اور شیطانی وجود کی شاخیں بن جائیں گی یعنی سابق تعلق کٹ جائے گا اور ایک الگ شخصیت ابھر کر باہر نکلے گی جس کا اللہ کے قائم کردہ مامور سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ پس اسی وجہ سے مَیں نے باقاعدہ سوچ کر انتخاب کر کے بڑ کے درخت کی مثال آپ کے سامنے رکھی ہے جڑیں ضرور بنائیں مگر اصل کے ساتھ ہمیشہ وابستہ اور پیوستہ رہیں اسی میں آپ کی امیدِ بہار ہے اسی سے

آپ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیش کے لئے نیکی کے کاموں میں آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔

جاپان کا نمبر ساتواں ہے اور ناروے کا آٹھواں اور ماریشس کا نواں اور سوئٹزر لینڈ کا دسواں یعنی چندہ کی ادائیگی کے لحاظ سے خدا کے فضل سے یہ پہلی دس جماعتیں ہیں جنھوں نے نمایاں طور پر وقفِ جدید کا چندہ ادا کیا ہے۔

جن جماعتوں نے وعدہ کے مقابل پر غیر معمولی طور پر زائد وصولی کی ہے ان میں امریکہ جیسا کہ مَیں نے ذکر کیا تھا سب سے اوّل ہے۔ان کا وعدہ ۲۹۸۲۹ پاؤنڈ تھا اور وصولی ۵۵۸۰۱ ہوئی ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان کو اپنے وعدے پر ۸۷.۰۶ فیصد زائد ادا کرنے کی توفیق ملی یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔مالی قربانی کا وعدہ کرنا عموماً اس کی نسبت آسان ہوا کرتا ہے کہ پھر ادائیگی بھی کی جائے اور عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب سال ختم ہونے کا وقت آتا ہے تو جماعتوں کو اور کارکنوں کو یہی خطرہ ہوتا ہے کہ ہم وعدہ پورا کرسکیں گے کہ نہیں ۔اس پہلو سے امریکہ دنیا کی ساری جماعتوں سے آگے بڑھا ہے۔اور پاکستان اس میں شامل ہے پاکستان بھی اپنے وعدے کے مطابق اس طرح وصولی نہیں کر سکا جس طرح امریکہ نے کی ہے اور غیر معمولی طور پر زیادہ کی ہے۔ دوسرے نمبر پر کینیڈا کی باری ہے۔ان کا وعدہ پندرہ ہزار تھا اور ۲۴۲۳۸ وصولی ہوئی گویا کہ ۵۸.۶۱ فیصد اضافہ وعدے کے مقابل پر وصولی میں ہوا اور پھر جرمنی کی باری نمبر تین پر ہے ۳۲۶۵۳ وعدہ تھا یہ وہی وعدہ ہے جس پر نظر کر کے امیر صاحب امریکہ سمجھتے تھے کہ اب تو جرمنی کو ہم نے وہ مارا اور وہ مارا، بہت پیچھے رہ جائے گا لیکن ان کو بھی خدا نے اپنے فضل سے توفیق بخشی اور ۳۲ ہزار کے وعدے کے مقابل پر ۵۲۴۶۰ کی وصولی ہوئی۔اس طرح انھوں نے وعدے میں ۶۵.۶۰ فیصد اضافے کے ساتھ چندہ ادا کیا۔

جہاں تک چندہ دہندگان کی تعداد میں غیر معمولی اضافے کا تعلق ہے اس میں اوّل، دوم، سوم، چہارم وغیرہ آنے والے ممالک کے نام پڑھ کر مَیں سناتا ہوں مگر یہ یاد رکھیں کہ جو بہت چھوٹے ممالک ہیں جن میں تعداد بہت تھوڑی ہے ان کا نام اگرچہ پہلے آجائے گا لیکن خدمت کا جو معیار ہے یہ اس سے ظاہر نہیں ہوگا خدمت کا معیار ان جماعتوں میں ظاہر ہوگا جن جماعتوں میں نسبتاً بہت بڑی تعداد ہے اور ہزاروں کی تعداد میں اضافے کئے گئے ہیں یا کم از کم سینکڑوں کی تعداد میں اضافے کئے

گئے ہیں۔ پس چھوٹی جماعت ہونے کے لحاظ سے ان کو یہ فائدہ تو پہنچ گیا ہے کہ تھوڑی سی کوشش سے وہ اوّل دوم سوم میں شمار ہونے لگے ہیں لیکن فی الحقیقت کام کی نوعیت اور بوجھ اٹھا کر چلنے کے اعتبار سے بعض بعد میں آنے والے خدمت کے میدان میں ان سے آگے سمجھے جانے چاہئیں۔ بہر حال اس لحاظ سے سہرا سوئٹزر لینڈ کے سر ہے۔ گزشتہ سال ۲۶ تعداد تھی۔ اس سال ۸۳ ہوگئی ہے جبکہ ۲۱۹ فیصد اضافہ ہے اس کے بعد بیلجیئم کی باری آتی ہے تعداد ۱۷ سے بڑھ کر ۵۴ ہوگئی ہے اور ۲۱۷ فیصد اضافہ۔ پھر گی آنا (Guyana) کی باری ہے ۱۳ تعداد تھی جو ۲۸ ہوگئی اب دیکھ لیں کہ اعداد و شمار بعض دفعہ سچ بولنے کے باوجود جھوٹ بول جاتے ہیں یعنی بظاہر ایک سچی بات ہے لیکن جو تأثر ہے وہ جھوٹا ہے۔ گی آنا میں جماعت احمدیہ کی تعداد خدا کے فضل سے کافی ہے اور ان کے لئے ۱۳ ہونا بھی قابلِ شرم ہے اور ۲۸ ہونا بھی قابلِ شرم ہے۔ اس لئے محض اعداد و شمار کافی نہیں ہوا کرتے۔ اعداد و شمار کے ساتھ اس کے ماحول کی کچھ باتیں ہیں۔ ان کو دیکھنے کے بعد اعداد و شمار کا پیغام صحیح پہنچا کرتا ہے ورنہ Juggling with figures محاورہ ہے۔ یہ کر کے حکومتیں بعض دفعہ اپنے بجٹ کے بالکل مختلف حالات پیش کر دیتی ہیں حالانکہ اعداد و شمار درست ہوتے ہیں اپنی مرضی کی بات ہے کہ کس قسم کے اعداد و شمار کو کس طرح پیش کیا جائے۔ اب دیکھیں نا! جب ہم بھی مختلف زاویوں سے پہلو بدل بدل کر اعداد و شمار آپ کے سامنے رکھتے ہیں جیسا کہ گوئٹے مالا کی تعداد ۷ تھی ۱۳ ہوگئی لیکن یہاں واقعی گوئٹے مالا نسبتاً زیادہ قابلِ داد ہے کیونکہ گی آنا کے مقابل پر گوئٹے مالا کے احمدیوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے کیونکہ ابھی نیا مشن قائم ہوا ہے اس پہلو سے ۷ کا ۱۳ ہونا اللہ کے فضل کے ساتھ یقیناً معنی رکھتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس میں اور بھی اضافے ہوں گے۔

اب ہم امریکہ اور جرمنی کی طرف آتے ہیں۔ امریکہ کے چندہ دہندگان کی تعداد گزشتہ سال ۱۶۲۳ تھی امسال یہ بڑھ کر خدا کے فضل سے ۲۵۴۸ ہوئی ہے۔ ۱۶۲۳ کو ۲۵۴۸ میں بدلنا یقیناً محنت طلب کام ہے کافی وسیع پیمانے پر لمبے عرصہ تک محنت کی گئی ہوگی۔ جرمنی میں ۳۵۷۰ تعداد تھی جو بڑھ کر ۵۵۶۰ ہوئی ہے تقریباً دو ہزار نئے چندہ دہندگان شامل کئے گئے ہیں یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔ بہت عظیم اور مسلسل محنت کی مظہر کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ آگے سے آگے قدم بڑھانے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ کینیڈا نے بھی تعداد بڑھانے میں غیر معمولی ترقی کی ہے۔ ان کی

رپورٹ جب مَیں آپ کے سامنے رکھوں گا تو اس میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

جماعت احمدیہ عالمگیر کی پہلی دس جماعتیں جو فی کس چندے کے لحاظ سے سب سے آگے ہیں اب مَیں انکی فہرست آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔ جن جماعتوں کو بہت اعلیٰ کارکردگی دکھانے کی توفیق ملی ہے ان کے نام صرف فخریہ طور پر نہیں پڑھے جاتے بلکہ ایک تو مسابقت کی روح آگے بڑھانے کے لئے پڑھے جاتے ہیں تا کہ جن جماعتوں میں یہ روح کچھ مدھم ہے وہ جاگ اٹھے، چمک اٹھے، نئے ولولے پیدا ہوں۔ دوسرا بڑا مقصد ان جماعتوں کے لئے دعا کی تحریک کرنا ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کی ہر بات کی تان بالآخر دعا پر ٹوٹتی ہے۔ پس جب ان جماعتوں کے لئے آپ دعا کریں تو ان کمزور جماعتوں کے لئے بھی دعا کریں جن کو ابھی تک قربانی کے میدان میں آگے آنے کی توفیق نہیں ملی تا کہ ہمارے مقابلے صرف دو یا تین گھوڑوں میں نہ رہیں بلکہ چالیس پچاس ساٹھ گھوڑے گردن کے ساتھ گردن ملا کر دوڑ رہے ہوں اور کچھ پتا نہ ہو کہ کون آگے نکلے گا۔ یہ وہ جذبہ ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرہ:۱۴۹) کہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے ایک نصب العین مقرر فرما دیا ہے اور اے محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلامو! تمہارے لئے نصب العین یہ ہے کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے مسابقت کرو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو مسلسل دوڑتے ہوئے نیکیوں کے میدان میں دوسرے بھائیوں کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کرو۔

جس ملک میں ہم رہتے ہیں یہاں لوگ گھوڑ دوڑ کے بہت شوقین ہوتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات خوب اچھی طرح جاگزیں ہو چکی ہے کہ جب ایک سے زیادہ صلاحیت والے گھوڑے اکٹھا دوڑتے ہیں تو کیسا خوبصورت منظر سامنے آتا ہے اور کس طرح جوئے باز جو ہیں وہ اپنے آپ کو بے بس اور بے طاقت محسوس کرتے ہیں۔ نہیں کہہ سکتے کہ کون سا گھوڑا آگے نکل آئے گا بعض دفعہ پانچ پانچ، چھ چھ، سات سات گھوڑوں میں یہ مقابلہ ہو رہا ہوتا ہے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں کے گھوڑے اور شان کے گھوڑے ہیں یہ نیکیوں کے میدان میں دوڑنے والے ہیں۔ یہاں شیطانی شرطیں نہیں بدھی جاتیں لیکن نیک توقعات رکھی جاتی ہیں اور دعاؤں کے مقابلے ساتھ ساتھ ہو رہے ہوتے ہیں۔ پس یہ جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس کے مضمون کو دعاؤں کے ساتھ باندھنا ضروری

ہے اور مَیں امید رکھتا ہوں کہ اگر ساری جماعت یہ دعا کرے کہ اللہ کرے کہ نیکیوں کے میدان میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے کثرت کے ساتھ اس تیزی سے ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں کہ آخر وقت تک دل دھڑکتے رہیں پتا نہ چلے کہ کون آگے بڑھ جائے گا۔ پھر خدا کی عطا کردہ توفیق سے کچھ گھوڑے باہر نکلیں اور آگے بڑھیں تو ایک بہت ہی عظیم روحانی لطف پیدا کرنے والا منظر ہوگا جو اپنی شان میں نرالا ہوگا۔ ایسی کوئی اور چیز دنیا میں دکھائی نہیں دے گی۔ یہ منظر یکتا ہوگا اور یہ منظر پیدا ہو رہا ہے اللہ کے فضل سے جماعتیں اس طرف آگے قدم بڑھا رہی ہیں۔ مَیں امید رکھتا ہوں کہ اگر جماعت یہ دعائیں کرے کہ اے خدا! کثرت سے ساری جماعتیں نیکی کے میدان میں قدم سے قدم ملا کر دوڑیں اور خوب آگے نکلنے کی کوشش کریں تو اللہ کے فضل سے دعاؤں کے ذریعہ ساری دنیا کی دوسری قومیں ہم سے بہت پیچھے رہ جائیں گی۔ ساری جماعت اگر نیکیوں میں آگے قدم بڑھانے لگے تو انقلاب بہت تیزی سے برپا ہو سکتا ہے۔

دعوت الی اللہ کے سلسلے میں مَیں بارہا آپ کو بتا چکا ہوں کہ جماعت کا سواں حصہ بھی نہیں ہے جو فی الحقیقت دعاؤں اور حکمت کے ساتھ ارادے باندھ کر، اپنے کام پر نظر رکھتے ہوئے، اپنی کمزوریوں پر نگاہ رکھتے ہوئے ان کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اگر ننانوے باقی حصے بھی ساتھ شامل ہو جائیں تو رفتار سو گنا ہو جائے گی، کیفیت ہی بدل جائے گی، جماعت چند سالوں میں دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ ابھی بھی جو ہمارا تعاقب کر رہے ہیں وہ ہماری گرد کو بھی نہیں پا سکتے پھر تو ان کو گرد بھی دکھائی نہیں دے گی۔ اندھوں کی طرح تلاش کریں گے کہ گئے کہاں۔ ابھی یہ بجلی کا کوندا یہاں سے گذرا ہے اور کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ تو تیز رفتاری میں اس طرح آپ آگے بڑھ سکتے ہیں آپ کو خدا تعالیٰ نے صلاحیت بخشی ہے، نیکی کے میدانوں میں آگے بڑھنے کے لئے آپ کو اس زمانے میں بنایا گیا ہے، اس وجہ سے آپ کی تعمیر کی گئی ہے کہ آپ قرآنِ کریم میں پیش کردہ نقشوں کو اپنی ذات میں پورا کر کے دکھائیں۔ پس مَیں امید رکھتا ہوں کہ صرف چندوں کی بات میں نہیں ہر نیکی میں انشاء اللہ تعالیٰ جماعت انفرادی طور پر بھی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گی اور جماعتی لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گی۔

فی کس قربانی میں جاپان حسب سابق نمبر ایک ہے۔ یہ وہ میدان ہے جس میں وہ ماشاء اللہ کسی کو آگے نہیں نکلنے دیتے۔ اس وقت وہ میری بات سن رہے ہونگے اور ضرور ہنس رہے ہونگے کہ الحمد للہ پھر بھی ہمارا نام آیا ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کا نام آگے رہے مگر دوسروں کو بھی مَیں کہتا ہوں کہ جاپان کو ہرانے کی کوشش تو کریں۔ اس کے ہارنے سے مجھے خوشی نہیں ہوگی، آپ کے جیتنے سے خوشی ہوگی، خوشی تو پھر بھی خوشی رہے گی۔ اس پہلو سے گوئٹے مالا دیکھیں ماشاء اللہ نمبر دو آ گیا ہے۔ جاپان میں وقفِ جدید کا فی کس چندہ ۳۶.۲۰ پاؤنڈ ہے اور گوئٹے مالا میں ۳۴.۲۰ پاؤنڈ ہے۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو انہوں نے حاصل کیا ہے کیونکہ گوئٹے مالا نسبتاً ایک بہت غریب ملک ہے اور وہاں فی کس احمدی کی آمد دنیا کی دوسری جماعتوں سے بہت کم ہے لیکن اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان کو اس میدان میں بہت آگے بڑھنے کی توفیق عطا ہوئی۔ بیلجیئم نمبر تین ہے۔ بیلجیئم بھی ان جماعتوں میں سے ہے جو خدا کے فضل سے تیزی سے ترقی کر رہی ہیں۔ جماعت بیلجیئم آگے بڑھ رہی ہے۔ تبلیغ میں بھی بیدار ہو رہی ہے چندوں میں بھی آگے نکل رہی ہے۔ کیپٹن شمیم خالد صاحب جو پہلے نیوی میں ہوا کرتے تھے، وقف کر کے بڑے ولولے اور بڑی قربانی کی روح کے ساتھ انہوں نے اپنے آپ کو سلسلہ کی خدمت کے لئے پیش کیا تھا۔ کافی لمبا عرصہ فرانسیسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اور مرکزی دفتروں میں تجربے حاصل کرنے کے بعد اب بیلجیئم میں امیر جماعت ہیں اور مبلغ انچارج بھی۔ تو جب سے یہ تشریف لائے ہیں خدا کے فضل سے جماعت بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ ان کی فی کس اوسط ۳۴.۸۸ پاؤنڈ ہے۔ اور بیلجیئم کے احمدیوں کے حالات مَیں جانتا ہوں معمولی آمد کے لوگ ہیں کوئی غیر معمولی کمائی والے مَیں نے وہاں نہیں دیکھے اس لحاظ سے خدا کے فضل سے بہت اعلیٰ پائے کی قربانی ہے۔

سوئٹزرلینڈ ۲۴ پاؤنڈ فی کس کے حساب سے نمبر چار بنتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے سلسلہ میں ایک تصحیح بھی ضروری ہے تحریکِ جدید کے نئے سال کا اعلان کرتے وقت فی کس نمایاں قربانی کرنے والی جماعتوں میں سوئٹزرلینڈ کا نام شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔ انکا معیارِ قربانی دراصل ۱۲۱ پاؤنڈ فی چندہ دہندہ تھا جبکہ غلطی سے ۱۲ پاؤنڈ لکھا گیا یعنی ۱۲۱ میں سے آخری ایک لکھنے سے رہ گیا تو میں نے جب ۱۲ پاؤنڈ اعلان کیا تو وہاں سے بہت دردناک احتجاج کا خط آیا کہ ہم تو چندے اکٹھے کرتے کرتے رہ گئے

اور اس طرح لوگوں نے قربانیاں دیں اور آپ نے ۱۲۱ کو ۱۲ بنا دیا تو اب مَیں بڑی معذرت کے ساتھ اور شرمندگی کے ساتھ اس غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ان کا چندہ تحریکِ جدید ۱۲ فی کس تھا لیکن جاپان کو پھر بھی پیچھے نہیں چھوڑ سکے وہ پھر بھی آگے ہی رہتا ہے الحمدللہ بہر حال یہ اب بھی چوتھے نمبر پر ہیں امریکہ ۲۱.۸۹ فی کس تک پہنچ گیا ہے ساؤتھ افریقہ ۱۸.۹۰ اور کوریا ۱۳ پاؤنڈ اور ڈنمارک ۱۱.۰۳ پاؤنڈ اور فرانس ۱۰.۴۷ پاؤنڈ اور جرمنی ۹.۴۳ پاؤنڈ۔

جرمنی بظاہر بہت پیچھے دکھائی دے رہا ہے لیکن جرمنی میں احمدی کی فی کس آمد اتنی زیادہ نہیں ہے جتنا ان کے چندوں سے معلوم ہوتا ہے۔ بچوں وغیرہ کی بہت بڑی تعداد ہے جو بغیر کسی آمد کے ہیں اور جرمنی میں باقی سب تحریکوں میں بھی چونکہ بہت محنت کے ساتھ ہر احمدی کو شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس لئے جرمنی کو اتنا پیچھے نہ سمجھیں۔ یہ اعداد وشمار کے قصے ہیں یہ ان کے کرشمے ہیں۔ بعض اچھے کام کرنے والوں کو پیچھے دکھاتے ہیں بعض کمزور کام کرنے والوں کو آگے دکھا دیتے ہیں اصل دعا تو یہ کرنی چاہئے کہ اعداد وشمار کی زبان میں نہیں بلکہ خدا کے ہاں ہم آگے لکھے جائیں اللہ کی نظر میں ہمارا مقام بلند ہو۔ اگر یہ نصیب ہو جائے تو اعداد وشمار کی زبان کچھ بھی کہتی رہے اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی مگر انسانی کمزوریاں ہیں، مجبوریاں ہیں۔ بات سمجھانے کے لئے اعداد وشمار کی زبان بھی ضرور استعمال کرنی پڑتی ہے۔ اسکے فائدے بھی پہنچتے ہیں۔

بیرونِ پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش کی جو مجموعی شکل ہے وہ یہ بنتی ہے (یہ وہ تین ملک ہیں جہاں آغاز ہی سے یہ تحریک جاری تھی) نئے دور میں جو تحریک ان کے علاوہ باقی ممالک میں جاری ہوئی ہے ان کی مجموعی وصولی ۱۹۲۴۱۱ پاؤنڈ بنتی ہے اور تعداد مجاہدین ۲۲۶۸۲ ہے سالِ گذشتہ سے موازنہ کے لحاظ سے آپ دیکھیں کہ پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش کے علاوہ جماعتوں نے واقعۃً بہت ہی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں وعدہ جات ۹۶۵۹۸ تھے، وصولی ۱۰۵۹۶۳ تھی۔ ۱۹۹۲ء میں وعدہ جات ۱۳۱۶۷۴ تھے جبکہ وصولی ۱۹۲۴۱۱ ہے۔ گویا کہ وعدوں کے مقابل پر وصولی میں بھی نہ صرف اضافہ ہے بلکہ اضافے کی رفتار میں بھی اضافہ ہے یعنی پچھلے سال ۳۸.۳۸ فیصد اضافہ تھا۔ امسال ۸۱.۵۸ فیصد اضافہ ہے تو اللہ کرے کہ یہ رفتار اسی طرح آگے بڑھتی رہے تو تعداد مجاہدین کے لحاظ سے بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے نمایاں فرق ہے ۱۸۰۰۰ کے مقابل پر

۲۲۶۸۲ تعداد بنی ہے۔ جو ۴۴۹۹ کے اضافے کی مظہر ہے۔

گزشتہ سال ۱۹۹۰ء کے آخر پر جب یہ رپورٹ مجھے پیش کی گئی تو مَیں نے مال والوں سے اس توقع کا اظہار کیا یا شاید خطبہ میں کہا ہوگا کہ بیرونِ پاکستان عنقریب چندہ وقفِ جدید میں انشاء اللہ ایک کروڑ تک پہنچ سکتا ہے۔

اب تک جو وصولیاں ہوئی ہیں اس کو اگر ہم پاکستانی روپوں میں تبدیل کریں تو تین ممالک کو چھوڑ کر باقی ممالک کی کل وصولی ۶۷ لاکھ ۹۶ ہزار روپے ہوگئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب اگلے سال یا اس سے اگلے سال انشاء اللہ یہ کروڑ سے اوپر نکل جائے گی۔

افریقہ کے ممالک میں بہت ہی زیادہ غربت ہے اور جب مَیں ان کے اعداد وشمار پڑھ کر سنا تا ہوں تو ان کو تخفیف کی نظر سے نہ دیکھیں، رحم کی نظر سے بھی دیکھیں اور دعا کی نظر سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ انکی توفیق بڑھائے ورنہ مجھے علم ہے کہ افریقہ کے ممالک میں خدا کے فضل سے اخلاص کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں ہے لیکن صرف ایک وجہ نہیں ہے کہ وہ وقفِ جدید کی تحریک میں اتنا پیچھے رہ گئے ہیں ایک اور وجہ یہ ہے کہ وقفِ جدید کے سیکریٹریان کا قصور معلوم ہوتا ہے ورنہ بعض دوسری مالی تحریکات میں وہ تصویر جو وقفِ جدید نے پیش کی ہے اس سے بہت بہتر تصویر ابھرتی ہے تو یہ اعداد وشمار بتا رہے ہیں کہ انتظامیہ کا قصور ہے وقفِ جدید کو اہمیت نہیں دی گئی حالانکہ وقفِ جدید کا نظام وہاں واقعۃً جاری ہو چکا ہے۔ دیہاتی معلمین جگہ جگہ کام کر رہے ہیں اور بہت اچھا کام کر رہے ہیں بلکہ ہمارے مرکزی مبلغین جو ہیں وہ دیہاتی معلمین کے محتاج رہتے ہیں کیونکہ افریقہ کے دیہاتی معلمین میں تقریر کا ایک ایسا ملکہ ہے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ ان کا کوئی روایتی فن ہے جو ان کے خون میں چلا آ رہا ہے اس لئے معمولی تعلیم والے بھی جب کسی صاحب علم کا ساتھ دیتے ہیں تو اس کی ہر بات کو ایسی عمدگی سے پیش کرتے ہیں کہ ایک تموّج سننے والوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ یوں لگتا ہے جیسے آواز کی لہریں آپ دیکھنے لگ گئے ہیں۔ ان کے اندر عجیب قسم کی سنسناہٹ سی دوڑنے لگتی ہے۔ مَیں جب دَورے پر وہاں گیا تھا تو بڑے بڑے عالم میری تقریر کے ترجمے ایسے نہیں کرتے تھے جتنا یہ دیہاتی معلم کرتے تھے۔ بہت غریبانہ حالت میں یہ بیچارے کام کر رہے ہیں۔ اگر افریقہ کے ممالک وقفِ جدید کی طرف توجہ کریں تو یہ سارا روپیہ انھیں

معلمین کی فلاح و بہبود پر استعمال ہو گا اور اب ہم باہر کی جگہوں سے جو روپیہ لا کر ان پر خرچ کرتے ہیں پھر انشاء اللہ تعالیٰ مقامی طور پر افریقہ خود اس کام کو سنبھال لے گا۔

بہر حال ماریشس صفِ اوّل پر ہے وہ ظاہر بات ہے کیونکہ ماریشس کا معیارِ زندگی باقی افریقہ سے بہت اونچا ہے۔ نائیجیریا کی وصولی صرف ۵۳۶ پاؤنڈ ہے اور یہ ماننے والی بات نظر نہیں آتی جتنا مرضی غربت کو آپ اسکا ذمہ دار قرار دیں اوّل تو نائیجیریا اتنا غریب ہے ہی نہیں جتنا باقی افریقہ کے دوسرے ممالک ہو چکے ہیں اور دوسرے وہاں کی جماعت کو مَیں جانتا ہوں بڑے بڑے مخلص قربانی کرنے والے ایسے بھی ہیں جنھوں نے بڑی بڑی جائیدادیں جماعت کے سامنے پیش کی ہیں کافی صاحبِ حیثیت لوگ ہیں۔ تو یہ قصور جو بھی ہے یا امارت کا قصور ہے یا سیکریٹری وقفِ جدید کا قصور ہے اور الگ الگ بھی نہیں کہنا چاہئے، دونوں کامل کر ہے۔ بہر حال امیر بھی ذمہ دار ہے اور سیکرٹری بھی ذمہ دار ہے۔

بینن صرف ۴۷۸ پاؤنڈ ہے۔ ساؤتھ افریقہ صرف ۴۱۶ پاؤنڈ ہے، گیمبیا صرف ۳۷۰ پاؤنڈ ہے مگر گیمبیا کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں واقعۃً بہت غربت ہے اور جو روزمرہ کے چندے ہیں ان میں وہ اللہ کے فضل سے ذمہ داری سے ادائیگی کرتے ہیں اور جتنی مجھے توقع تھی اس سے زیادہ ذمہ داری سے وہ ماہانہ چندے ادا کرنے والے ہیں اور یہ رجحان اب خدا کے فضل سے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ سیرالیون ۳۱۷ پاؤنڈ ہے۔ کینیا ۲۴۸ ہے یہ تو کسی طرح بھی قابلِ فہم نہیں ہے۔ کینیا میں ایک بڑی تعداد ایسے متمول پاکستانی دوستوں کی بھی ہے اور درمیانی طبقے کی بھی ہے کہ اگر وہی وقفِ جدید میں مسابقت کی روح سے حصہ لیں تو سینکڑوں کی بجائے ہزاروں تک تو آسانی سے پہنچ سکتے ہیں اور اب تو کینیا میں تیزی سے افریقن لوگوں میں بھی خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ پھیل رہی ہے۔ اس سے پہلے یہ کمزوری تھی کہ افریقن قوموں میں جماعت کا نفوذ کم تھا لیکن اب یہ کمزوری ختم ہو چکی ہے اور بڑی تیزی سے افریقن قوموں میں نفوذ ہو رہا ہے اور وہ بھی خدا کے فضل سے چندے کے معاملے میں پیچھے رہنے والے لوگ نہیں ہیں، غریب ہیں مگر دل کے امیر ہیں۔ پس یہ جو تصویر ہے یہ بھی جماعت کے انتظام کی کمزوری کی تصویر ہے نہ کہ ان لوگوں کی اقتصادی یا دینی حالت کی تصویر۔ تنزانیہ بھی اسی پہلو سے قابلِ توجہ ہے۔ اس کی وصولی صرف ۲۳۱ پاؤنڈ ہے آئیوری کوسٹ ۱۷۴ پاؤنڈ اور یوگنڈا ۱۸۳ پاؤنڈ،

حالانکہ یوگنڈا میں مَیں خود جانتا ہوں کہ بعض یوگنڈن احمدی ایسے ہیں کہ وہ اکیلے بھی باقی چندوں کے علاوہ سینکڑوں پاؤنڈ دے سکتے ہیں تو صاف پتا چلتا ہے کہ جنھوں نے تحریک کرنی تھی جنھوں نے اہمیت سمجھانی تھی وہ افسوس ہے کہ اس معاملے میں ناکام رہے ہیں۔

مشرقِ بعید کے ممالک میں کل ادائیگی کے لحاظ سے انڈونیشیا نمبر ا ہے، جاپان نمبر ۲، آسٹریلیا نمبر ۳، سنگاپور نمبر ۴، فجی نمبر ۵، اور پہلی تین پوزیشنوں میں فی کس قربانی کے لحاظ سے جاپان کوریا اور سنگاپور آتے ہیں۔

پاکستان میں کراچی نمبر ا ہے، ربوہ نمبر ۲، لاہور نمبر ۳، فیصل آباد نمبر ۴، سیالکوٹ نمبر ۵، راولپنڈی ۶، گجرات نمبر ۷، سرگودھا نمبر ۸، اسلام آباد نمبر ۹ اور گوجرانوالہ نمبر ۱۰ پر ہے۔

اب میں خلاصہ رپورٹ مکرم امیر صاحب USA پڑھ کر سناتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ کے سلسلہ میں جو خصوصی مساعی کی گئی ہیں ان میں ۳۰۰ فیملیز کو دسمبر ۱۹۹۱ء کے خطبہ کی کیسیٹس بھجوائی گئیں اس تاکید کے ساتھ کے سارے مل کر سنیں اور پھر بتائیں کہ کیا ارادے ہیں۔ بہت عمدہ تجویز تھی اور یقیناً بڑی محنت سے یہ کام کیا گیا ہے وقفِ جدید کے سلسلہ میں ۶ سال کے خطباتِ جمعہ کے متن تمام مربیان کو بھجوائے گئے تاکہ وہ اس کی روشنی میں احباب کو توجہ دلائیں۔ ۱۴ جماعتوں نے ہفتہ وقفِ جدید منایا۔ مکرم انور محمود خاں صاحب جو نیشنل سیکریٹری ہیں انہوں نے ایسٹ اور ویسٹ کوسٹ کی جماعتوں کا دورہ کر کے احباب کو تقاریر کے ذریعے خصوصی توجہ دلائی۔ ۱۲۰ افرادِ جماعت نے کم از کم ایک ہزار ڈالر پیش کرنے کا وعدہ کیا اور ادا کر دئے اور لجنہ نے بھی غیر معمولی تعاون کیا اور بارہ سال سے کم عمر کے ۵۶۱ بچوں کو لجنہ کی کوششوں سے داخل کیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے وصولی ۸۷ ہزار ۵۱ (۸۷۰۵۱) ڈالر ہوئی جو ۱۹۹۱ء کے وصولی کے مقابل پر ۲۱۶ فیصد اضافے کے ساتھ ہوئی ہے۔

اب آخر پہ کینیڈا کی رپورٹ کا خلاصہ سنا دیتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ کینیڈا نے وقفِ جدید میں مجموعی وصولی ۲۵ ہزار ۶۶۲ کے مقابل پر امسال ۴۸ ہزار ۲۳۴ ڈالر کی وصولی پیش کی ہے۔ گزشتہ سال ۲۵۰۰ افراد شامل تھے امسال ۳۴۸۰ شامل ہوئے ہیں اور بعض جماعتوں کے ۱۰۰ فیصد افراد اس تحریک میں شامل ہو گئے ہیں اور یہ بہت بڑی چیز ہے، ۱۰۰ فیصد افراد کے شامل ہونے کے لحاظ سے

میرا خیال ہے دنیا بھر میں کینیڈا کے مقابل پر اور کوئی ملک نہیں ہے۔ ۱۰۰ فیصد افراد شامل کرنے والی جماعتوں میں کیلگری ، وینکوور ، رجائنہ ،لنڈن (اونٹاریو) ،مارکھم ، سکاربرو ، مالٹن ، ایڈمنٹن ، سسکاٹون ،سنٹرل ٹورانٹو،مسی ساگا اور وان کی جماعتیں شامل ہیں۔

ہمارے مبارک احمد صاحب نذیر جو نذیر احمد علی صاحب کے صاحبزادے ہیں اور وقف کیا ہوا ہے۔ باقاعدہ جامعہ احمدیہ میں تعلیم تو نہیں حاصل کی لیکن دینی علم چونکہ کافی تھا اس لئے ان کو جامعہ کی تعلیم کے بغیر ہی میدان میں بھیج دیا گیا انہوں نے بہت محنت کی ہے امیر صاحب لکھتے ہیں کہ بعض جگہ منفی ۳۰ درجے ٹمپریچر تھا اور یہ اپنی ایک ٹیم بنا کر ایک ایک گھر پہنچے اور دروازے کھٹکھٹائے اور ان کو بیدار کیا اور وصولیاں لے کر آئے اس وجہ سے اس سارے علاقہ میں خدا کے فضل سے اکثر جماعتیں اب یہ کہہ سکتی ہیں کہ ہمارے ۱۰۰ فیصد افراد وقفِ جدید میں شامل ہو گئے ہیں۔ تو یہ ایک بہت ہی بڑی کامیابی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی۔ اب چونکہ وقت ختم ہو چکا ہے اس لئے باقی باتیں مَیں انشاءاللہ آئندہ خطبہ جمعہ میں پیش کروں گا۔

یاد رکھیں کل صبح یہاں کے وقت کے مطابق ۱۰ بجے قادیان کے جلسہ میں ہماری شمولیت ہو گی اور پرسوں ناغہ ہے۔ پھر آخری دن انشاءاللہ پیر کے روز دس بجے قادیان کے جلسے میں شمولیت ہو گی۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ اس وقت وہاں جلسہ کے ۵ ہزار شرکاء ہمارے ساتھ اللہ کے فضل کے ساتھ جمعہ میں شامل ہیں اور کل انشاءاللہ یہ تعداد اور بھی بڑھ جائے گی اب مَیں اجازت چاہتا ہوں پھر انشاء اللہ کل دوبارہ حاضر ہوں گا۔ پرسوں ناغہ ، پیر کو پھر انشاءاللہ اسی وقت ، ایک گھنٹے کے لئے اختتامی خطاب ہوگا اور آئندہ جمعہ یکم کو آئے گا یعنی اگلے سال کا آغاز جمعہ کے روز ہو رہا ہو گا تو ساری دنیا کو نئے سال کی مبارک باد انشاءاللہ اگلے جمعہ میں پیش کی جائے گی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آ، ا

انتقام

انڈونیشیا

حضرت انسؓ

میاں انس احمد صاحب

انسان

انصار/انصاراللہ

انصاف

انقلاب

انگلستان

انور محمود خان (نیشنل سیکرٹری وقف جدید امریکہ)

اولاد

اہل پیغام

اہلحدیث لاہور (ہفت روزہ اخبار)

اہل کتاب

ایاز

ایڈمنٹن

پاکستان پیپلز پارٹی

پاکستان مسلم لیگ

پردہ

ت، ٹ، ث

تجارت

تحریک / تحریکات

تحریک جدید

تفسیر قرطبی

تفسیر کبیر

تقدس

تقدیر

تقدیر الٰہی

تقویٰ

تلوار

ج، چ، ح، خ

جانور

جرمنی

جزائر غرب الہند

جسوال برادران

جلسہ سالانہ

خلافت / خلیفہ وقت

خلق

خواب / رؤیا

خوارق

خیانت

د، ڈ، ذ

دارالانوار

دجال

درثمین

درثمین فارسی

درعدن

درویشان قادیان

دعا

دعوت الی اللہ (نیز دیکھئے "تبلیغ")

شفاعت

قرآن کریم

ل،م

ملاں / مولوی

ملفوظات

ملک

مُنذری

منصب امامت

منصوبہ بندی

منوسمرتی

منی پور آسام

منیر الدین شمس صاحب

موت